التکمیل الضروری
شرح اُردو
مختصر القدوری
جلد اوّل دوم
شارح
حضرت مولانا عبد العلی صاحب قاسمی
مکتبہ رحمانیہ
MAKTABA-E-REHMANIA
اقراء سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

التکمیل الضروری

شرح اردو

مختصر القدوری

جلد اوّل

شارح
حضرت مولانا عبدالعلی صاحب قاسمی

مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ ۔ اردو بازار ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ـــــ تکمیل الضروری شرح مختصر القدوری

نام شارح ـــــ مولانا عبد العلی صاحب قاسمی

مطبع ـــــ فضل شریف پرنٹرز

ناشر ـــــ مکتبہ رحمانیہ

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

میں اپنی اس علمی کاوش کو اپنے مشفق والدین کی طرف منسوب کرتا ہوں، جن کی جسمانی اور روحانی تربیت نے مجھے اس لائق بنایا۔
مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کی طرف نسبت کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں کہ جس کے فیضِ صحبت سے میں اس خدمت کا اہل ہوا۔

عبدالعلی قاسمی بستوی

فہرستِ مضامین (الف)

عرضِ مؤلف

قدوری فقہ حنفی کی ایک جامع کتاب ہے معتبر متن میں شامل ہے، اس کی بکثرت شروحات لکھی گئی ہیں جو اس کے متداول اور مقبول ہونے کی علامت ہے، عربی شروحات کی خاصی تعداد ہے کچھ اردو شروحات بھی ہیں عربی شروحات اکثر نایاب ہیں لے دے کر الجوہرۃ النیرہ ہے جو کتب خانوں اور لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہے ممکن ہے کہ کسی نے شائع کر دی ہو مگر وہ بھی بہت کم اور بعض اردو شروحات جو دستیاب ہیں تو اس میں دشواری یہ ہے کہ ان سے کماحقہ استفادہ ممکن نظر نہیں آرہا ہے کیونکہ بعض اردو شرح میں ترجمہ پر پوری توجہ مبذول کر کے تشریحی مقامات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اگر تشریح کی طرف قلم چلا ہے تو اتنا مختصر کہ قارئین اور مستفیدین کی تشنگی باقی رہتی ہے اور بعض شارح نے لفظی ترجمہ اس انداز سے کیا ہے کہ جب تک کہ تشریح عبارت کی طرف نظر نہ ڈالی جائے تو عبارت کا مفہوم واضح نہیں ہوتا ہے، اور تشریحی نوٹ میں کہیں تو انتہائی تفصیل سے کام لیا ہے جو اکتاہٹ کا باعث اور موقع کے مناسب نہیں ہے اور بعض مقام پر کمزور طالب علم کی صلاحیت کا لحاظ نہ کر کے تشریح کی ضرورت محسوس نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے عمدہ ہو کر بھی افادیت سے دور ہے اس انحطاطی دور میں ضرورت اس بات کی تھی کہ قدوری کی اردو زبان میں ایک ایسی جامع شرح مرتب کی جائے جو ضرورت کے تقریباً ہر گوشہ سے پُر ہو، اللہ رب العزت جزائے خیر دے حضرت مولانا ندیم الواجدی صاحب منیجر دار الکتاب دیوبند کو کہ انھوں نے بروقت اس ضرورت کو محسوس کیا اور اس اہم کام کی طرف ناچیز کو متوجہ کیا۔

چونکہ اس وقت خاکسار کا تعلق دار العلوم دیوبند کی لائبریری سے ہے نیز ذاتی علمی مشغلہ فن طب ہے جس کی وجہ سے درس نظامی کی کتابوں کی تدریس سے دور ہے مگر پھر بھی بتوفیق ایزدی اس اہم کام کا بیڑا اٹھالیا اور مورخہ ۲۷ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۴ر مئی ۱۹۹۹ء بروز جمعہ بعد نماز عصر بسم اللہ کر کے اس کام کو شروع کر دیا اور بتدریج اس کی جلد اول مورخہ ۱۳ر ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۶ر جولائی ۱۹۹۹ء یعنی تقریباً ڈھائی ماہ کے مختصر عرصہ میں مکمل ہوگئی اور اس کا نام التکمیل الضروری شرح المختصر القدوری رکھا گیا۔

خصوصیات:۔ ترجمہ اتنا سلیس کہ عبارت سے قریب اور بامحاورہ ہے۔ حل لغات کا اہتمام ہے حسب ضرورت خلاصہ کی سرخی قائم کی گئی ہے جو مطلب کو واضح کرتی ہے، تشریح کا عنوان قائم کر کے عبارت کی مناسب تشریح کر دی گئی ہے حسب موقع ائمہ اربعہ کے مسلک کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ قدوری چونکہ ابتدائی کتاب ہے صاحب کتاب نے عام طور پر دلائل کا اہتمام نہیں کیا ہے اسلئے صاحب کتاب کی اتباع کرتے ہوئے عام طور پر دلائل کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے البتہ بعض ضروری مقامات پر اس کا اہتمام ہے عام طور پر مسئلہ کی صورت مع امثلہ پیش کی گئی ہے جو عبارت کی وضاحت میں معاون ثابت ہوگی مزید خصوصیات کیلئے کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس موقع پر اپنے ان مخلص اور کرم فرماؤں کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور قدم قدم پر اپنے مفید مشوروں سے نوازا ہے خصوصاً مسیحائے قوم حضرت مولانا حکیم عبد الحمید صاحب مدظلہ العالی ناظم کتب خانہ کا جنکی رہبری ہمیں ہر موڑ پر کامیابی کا تمغہ پیش کرتی ہے، اس موقعہ پر اراکین کتب خانہ کا بھی بہت مشکور ہوں جنکا ہر طرح کا تعاون ہمارے ساتھ ہے۔

آخر میں قارئین حضرات سے گذارش ہے کہ علمی میدان کی یہ میری پہلی کاوش ہے اس لئے اس تحریر میں لغزشوں اور غلطیوں کا وقوع متیقن ہے لہٰذا دورانِ مطالعہ جو خامی اور کوتاہی محسوس کریں اس کی طرف نشاندہی فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کا تدارک کیا جاسکے۔ مثبت اور تعمیری تنقید کا بہر حال خیر مقدم کیا جائیگا۔ وما توفیقی الا باللہ

عبد العلی قاسمی بستوی

﴿تائیدی کلمات﴾

حضرت مولانا قمرالدین صاحب گورکھپوری

استاذ حدیث و معقولات و سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم .

امابعد......! مختصر القدوری فقہ حنفی کی بنیادی کتاب قرار دی گئی ہے اور مدت مدید سے علماء اور طلبہ اس سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔

قدوری کو من اولہ الی آخرہ سمجھ کر پڑھ لیا جائے تو ہدایہ اوّلین اور ہدایہ اخیرین کو پڑھنا پڑھانا سہل ہو جاتا ہے اسی وجہ سے ہر دور میں علماء کرام نے اس کتاب کی خدمت کی اور اسکی شرح اور حواشی لکھے یہ دور ایسا ہے کہ طلبہ سہولت پسند واقع ہوئے ہیں اور نیز اس کتاب کی شرح آسان اور سہل اُردو زبان میں کر دی جائے تو عام مسلمان بھی اس کتاب سے فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ اللہ جزائے خیر دے جناب مولانا عبد العلی صاحب بستوی رفیق کتب خانہ دار العلوم دیوبند کو کہ انہوں نے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی کے بعد قدوری کی جامع شرح لکھ دی۔ احقر نے اس شرح کو مختلف مقامات سے دیکھا، احقر اس سے مطمئن ہے۔ قدوری کی اس شرح کا نام **التکمیل الضروری** رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت عنایت فرمائیں اور علماء اور طلبہ عزیز کے لئے نافع بنائیں۔ اور شارح کے لئے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو!

قمرالدین گورکھپوری
خادم تدریس دار العلوم دیوبند
۱۹/۱۱/۱۴۲۰ھ

کلمات خیر

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب قاسمی

استاذ تفسیر وفقہ دار العلوم دیوبند

بسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

نحمدہٗ ونُصلی علی رسُولہٖ الکریم

امابعد......!

امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری متوفی ۵/رجب ۴۲۸ھ کی کتاب "المختصر" جو خود مصنفؒ کی نسبت قدوری سے معروف ہے، فقہ حنفی کی بہت اہم اور بنیادی کتاب ہے۔ امام قدوری علیہ الرحمہ پانچ واسطوں سے امام محمدؒ کے شاگرد ہیں ان کے قلم فیض رقم سے متعدد فقہی کتب وجود میں آئیں، لیکن جس کتاب نے قبولِ عام کا درجہ حاصل کیا وہ یہی "مختصر" ہے اسکی قبولیت کا اندازہ صاحبِ مفتاح السعادہ کے اِس قول سے ہوتا ہے کہ "لوگ طاعون کی وبا اور مصائب میں اسکو از راہِ تبرک پڑھا کرتے تھے"۔ امام ابوالحسن علی مرغینانی مولود ۸/رجب ۵۱۱ھ متوفی ۱۴/ذوالحجہ ۵۹۳ھ یا ۵۹۶ھ نے اس کتاب کی اکثر عبارتوں کو اپنی شہرۂ آفاق کتاب ہدایہ کا متن بناکر اس کی شرح فرمائی ہے۔ اسی وجہ سے یہ کتاب ہر دور میں مدارسِ عربیہ کے نصاب میں داخل رہی ہے اس کتاب کے مسائل کو اگر اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لیا جائے تو آگے چل کر ہدایہ میں ان کے دلائل سمجھنے میں بڑی سہولت ہوتی ہے، اگرچہ اُردو اور عربی میں اس کی شرحیں موجود تھیں پھر بھی تشنگی باقی تھی۔ اللہ تعالیٰ جناب مولانا عبدالعلی صاحب بستوی رفیق کتب خانہ دار العلوم کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے کافی محنت کر کے "**التکمیل الضروری**" کے نام سے اُردو زبان میں آسان اور کامیاب شرح فرمادی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو قبول فرمائے اور پہلی کاوش کو ترقیٔ درجات کا زینہ اور مزید دوسری وقیع نگارشات کے منظر عام پر آنے کا پیش خیمہ بنائے۔ آمین!

مجیب اللہ قاسمی

خادم تدریس دار العلوم دیوبند

۲۰/۱۱/۲۰

مقدمہ

یہ حنفی مسلک کی معتبر ترین کتاب ہے اس کی ابتدا کرنے سے قبل فن فقہ سے متعلق چند ابتدائی باتوں کو زیب قرطاس کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) فقہ کی لغوی واصطلاحی تعریف (۲) موضوع (۳) غرض وغایت (۴) علم فقہ کا ماخذ (۵) علم فقہ کا حکم (۶) فقہ کی تاریخ (۷) فقہاء صحابہ (۸) فقہائے تابعین وتبع تابعین (۹) فقہ کی تدوین (۱۰) طریقہ تدوین (۱۱) چار مکاتب فقہ (۱۲) طبقات فقہاء (۱۳) امام قدوری ایک نظر میں۔

(۱) **فقہ کی لغوی تعریف**: فقہ از روئے لغت مصدر ہے اور سمع وکرم دونوں باب سے آتا ہے اگر باب سمع سے ہے تو معنی ہوگا کسی چیز کا جاننا اور سمجھنا، کسی چیز کو کھولنا اور واضح کرنا۔ اور اگر کرم سے ہے تو معنی ہوگا فقیہ ہونا، علم میں غالب ہونا۔ یعنی اگر بکسر القاف ہے تو مفہوم لغوی مراد ہوگا اور اگر بضم القاف ہے تو مفہوم اصطلاحی مراد ہے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف: اسکی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں مگر ہر ایک کا حاصل یہ ہے کہ فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو احکام کے ادلۂ مفصلہ سے حاصل ہوں، اسکی دو قسمیں ہیں (۱) احکام اصلی (۲) احکام فروعی

(۱) احکام اصلی وہ احکام ہیں جنکا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے۔

(۲) احکام فرعی وہ احکام ہیں جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہے۔

(۲) موضوع۔ مکلّف انسانوں کے افعال ہیں جس کے احوال سے اس علم میں بحث ہو اسکے افعال کا حلام یا حرام ہونا، فرض ہونا یا نہ ہونا وغیرہ۔ مکلّف سے عاقل بالغ شخص مراد ہے۔

(۳) **غرض وغایت**:۔ دنیا وآخرت کی نیک بختی حاصل کر کے نیک مراد ہونا۔ دنیا کی کامیابی یہ ہے کہ اس علم کو حاصل کرنے کے بعد اوامر پر عمل کرنا اور نواہی سے اجتناب کرنا، آخرت کی کامیابی یہ ہے کہ اس سے جنت اور نعیم جنت حاصل ہوگی۔

(٤) **علم فقہ کا ماخذ**:۔ علم فقہ کا ماخذ اور اس کا سرچشمہ چار چیزیں ہیں (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجماع (۴) قیاس۔ ان چاروں کو اصول فقہ کہتے ہیں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرف اشارہ ہے جبکہ آپ کو یمن کا قاضی بنا کر دربارِ نبوی سے بھیجا گیا تھا۔

(٥) **علم فقہ کا حکم**:۔ یعنی شریعت کے نزدیک علم فقہ کی کیا حیثیت ہے، ضروریات دین کا سیکھنا فرض عین ہے اس کے ماسوا چیزوں کا حصول درجہ استحباب میں ہے۔

(٦) **فقہ کی تاریخ**۔ فقہ کی ابتداء آپ کی حیات طیبہ میں ہو چکی تھی، آپ نے اسکی ترغیب بھی فرمائی البتہ اس زمانہ میں احکام میں فرض، واجب، حرام، مکروہ، مستحب اور مباح کی قسموں کا وجود نہیں تھا حضرات صحابہ کرام آپ

سے جو کچھ سنتے یا جو عمل آپ کو کرتے دیکھتے اسی کے مطابق عملی زندگی گذراتے، مزید تحقیق و تدقیق کے پیچھے نہ پڑتے مثلاً آپ کے وضو کے طریقہ کے مطابق وضو کرتے، آپ کی نماز کی طرح نماز پڑھتے، آپ سے بہت کم دریافت کرتے، اللہ اور اسکے رسول نوع انسانی کی ضروری اور اہم باتوں کو از خود بیان فرمادیتے، حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد فتوحات کی بہت وسعت ہوئی، دائرہ تمدن بہت وسیع ہوا، واقعات اس کثرت سے نمودار ہوئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت محسوس کی جانے لگی چونکہ قرآن و سنت کے بعد مسائل فرعیہ میں صحابہ کرام مرجع تھے اس لئے مجمل احکام کی تفصیل کی طرف اہل علم صحابہؓ کرام کو متوجہ ہونا پڑا، مثلاً کسی سے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک ہو گیا تو اب یہ مسئلہ در پیش ہوا کہ نماز ہوئی یا نہیں؟ مزید یہ کہ نماز کے جملہ افعال کو فرض قرار دینا ممکن تھا اور نہ ہی سب کو مستحب قرار دیا جاسکتا جو سراسر غلط ہو تا کہ اسکے ترک پر کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض مواقع پر سجدہ سہو منقول ہے اس لئے صحابہ کرام کو نماز کے افعال میں فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کی تفریق کرنی پڑی اور تفریق کے تجویز کردہ اصول پر سب کا اتفاق ممکن نہیں تھا نتیجۃً مسائل میں اختلاف پیدا ہوا اور صحابہ کرام کو استنباط، حمل النظیر علی النظیر اور قیاس سے کام لینا پڑا۔

(۷) **فقہاء صحابہ**:- اہل علم صحابہ جن کی آراء پیدا ہونے والے نئے مسائل میں معتبر مانی جاتی تھیں، جن کے فتاوے محفوظ تھے انکی تعداد ایک سو تیس یا ایک سو پچاس تک پہونچتی ہے ان میں مرد و عورتیں دونوں شامل ہیں ان کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں (۱) مکثرین (۲) متوسطین (۳) مقلین۔

(۱) **مکثرین**:- وہ صحابہ جن کے فتاوے بکثرت ہیں ان کی تعداد سات ہے (۱) حضرت عمر بن خطابؓ (۲) حضرت علیؓ (۳) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ (۴) ام المومنین حضرت عائشہؓ (۵) حضرت زید بن ثابتؓ (۶) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ (۷) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ۔ ان حضرات کے فتاوٰں کی تعداد اس قدر تھی کہ ایک ضخیم جلد تیار ہو جاتی، چنانچہ ابو بکر محمد بن موسیٰ نے صرف حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے فتاوے کو بیس جلدوں میں جمع کیا تھا۔

(۲) **متوسطین**:- یہ وہ حضرات ہیں جن کے فتاوے جمع کئے جاتے تو ان کی چھوٹی چھوٹی جلدیں تیار ہو سکتی تھیں ان کی تعداد بیس ہے۔

(۳) **مقلین**:- یہ وہ حضرات ہیں جن کے فتاوے کی تعداد بہت مختصر ہے ان سب کے فتاوے جمع کر دیئے جاتے تو ایک کتاب تیار ہو جاتی ان کی تعداد ایک سو بائیس ہے۔ تفصیل کیلئے تاریخ علم فقہ ص ۲۰، ۲۱ ملاحظہ فرمائیں۔

(۸) **فقہائے تابعین وتبع تابعین**۔ خلافت راشدہ اور اس کے بعد اسلامی فتوحات میں اضافہ ہوا تو افتاء کے بہت سے مراکز قائم کر دیئے گئے جن میں سے سات مراکز کو بڑی اہمیت حاصل تھی:

(۱) مدینہ (۲) مکہ مکرمہ (۳) کوفہ (۴) بصرہ (۵) شام (۶) مصر (۷) یمن۔ تفصیل کیلئے اعلام الموقعین، ائمہ اربعہ، تاریخ علم فقہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۹) **فقہ کی تدوین**:- ابتداء میں صحابہ کرام کے درمیان قرآن و حدیث کے الفاظ کے معانی سمجھنے، دلائل منصوصہ اور طریق استنباط میں اختلاف بہت معمولی تھے مگر رفتہ رفتہ اس میں شدت پیدا ہو گئی اور باضابطہ تدوین فقہ کی ضرورت محسوس کی جانے لگی، حضرات شیخین کے زمانے تک اختلاف جزئی تھے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کے آخر

میں سیاسی فتنوں کا آغاز ہوا، اور حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں یہ فتنہ خونریزی کی شکل اختیار کر گیا اور سیاسی اور مذہبی بنیاد پر عام مسلمانوں مین خارجی اور شیعہ دو مستقل جماعتیں وجود پذیر ہوئیں، بنوامیہ کے عہد وسطی میں علماء اسلام دو جماعتون میں تقسیم ہوگئے، ایک خود کو اہل الحدیث کہتی تھی جس کا عمل صرف ظاہری حدیث تھا اور قیاس سے مسائل کا حل تلاشنا مذموم تصور کرتی تھی، دوسری جماعت اہل الرائے کی تھی جس کے نزدیک قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ درایت پر عمل ضروری تھا اور قیاس کو دلیل شرعی مانتی تھی۔

اہل حجاز اکثر اہلحدیث تھے اور اہل العراق اکثر اہل الرائے تھے، اہل حجاز کے یہاں حضرت امام مالک کے استاد ربیعۃ الرائے بہت مشہو تھے اور اہل عراق کے یہاں ابراہیم نخعی اور انکے شاگرد حضرت حماد بن ابی سلیمان (امام ابو حنیفہ کے استاد) کو بڑی مقبولیت حاصل تھی۔

دوسری صدی کے اوائل میں ان دونوں جماعتوں کے فروعی اختلاف نے فقہ میں نزاعی شکل اختیار کرلی چنانچہ امراء اور حکام اس موقع سے فائدہ اٹھا کر جبر أحسب منشا فیصلہ کرا لیتے تھے جیسا کہ عام رواج ہے مگر عام مسلمان قضاۃ کے جداگانہ فیصلوں سے مسائل سے دوچار تھے۔ ان قضاۃ کے سامنے مسائل شرعیہ باضابطہ مدون شکل میں نہیں تھے بایں وجہ موجودہ حالات کا تقاضا تھا کہ قانون کو باضابطہ مدون کردیا جائے تاکہ نئے نئے فتنوں کا سدباب ہوجائے، اس وقت کے موجودہ علماء میں سب سے پہلے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اپنی فراستِ ایمانی، فراست علمی اور دوررس بصیرت سے اس ضرورت کو محسوس کیا اور بنوامیہ کے خاتمہ کے بعد اپنے تلامذہ کی ایک جماعت کیساتھ تدوین فقہ میں لگ گئے۔

(۱۰) **طریقۂ تدوین**:۔ امام اعظم نے جس طریقہ پر فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور پر خطر کام تھا اس لئے اپنی ذاتی رائے اور ذاتی علم پر اس کا انحصار نہ کر کے اپنے ہزارہا تلامذہ میں سے چالیس باکمال فنون میں ماہر تلامذہ کا انتخاب فرماکر ایک فقہی مجلس مشاورت تشکیل دی پھر ان چالیس میں سے دس ممتاز ترین تلامذہ کا انتخاب فرماکر ان کی الگ خصوصی مجلس بنائی وہ حضرات یہ تھے

(۱) امام ابو یوسفؒ (۲) امام زفرؒ جو قوت استنباط میں بہت مشہور تھے (۳) داؤد طائی (۴) اسد بن عمرو (۵) یوسف بن خالد تمیمی (۶) یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدۃ (۷) حفص بن غیاث (۸) حبان مندل (۹) قاسم بن معن (۱۰) امام محمد۔ آخر الذکر دونوں حضرات کو ادب اور عربیت میں یدِ طولیٰ حاصل تھا، خدمت کتابت اسد بن عمر، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ اور امام ابو یوسفؒ سے متعلق تھے، علامہ شبلی فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن زکریا کی پیدائش ۱۲۰ھ میں ہوئی ہے اس لئے یہ شروع سے کتابت میں شریک نہیں تھے۔

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا اور اس کے جواب میں تمام اراکین مجلس متفق ہوجاتے تو اس کو قلمبند کرلیا جاتا، بصورتِ دیگر پوری آزادی کے ساتھ بحثیں شروع ہوجاتیں جس کا سلسلہ بسا اوقات کئی مہینے تک چلتا رہتا۔ امام ابو حنیفہؒ انتہائی خاموشی اور تحمل کے ساتھ ہر ایک کی تقریریں اور دلائل سنتے اسی دوران آپ کی زبان مبارک سے یہ آیت کریمہ فَبَشِّرْ عِبادِيَ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ وَ يَتَّبِعُونَ اَحْسَنَه، جاری ہوجاتی اور جب

باتیں کچھ آگے بڑھ جاتیں تو امام صاحب اپنی تقریر شروع فرماتے اور بالآخر ایسا جچاتلا فیصلہ فرماتے کہ سبھی حضرات کو تسلیم کرنا پڑتا اور اس کو اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا اور اگر بسا اوقات بعض اراکین اپنی اپنی رائے پر قائم رہتے تو سب کے اقوال قلمبند کر لئے جاتے، اگر حضرت عافیہ دورانِ بحث نہ ہوتے تو آپ فرماتے کہ عافیہ کو آجانے دو جب وہ آجاتے اور اتفاق کر لیتے تو وہ مسئلہ تحریر کر لیا جاتا، بالآخر یہ کام تیس سال کی طویل مدت میں پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ امام صاحبؒ کی اخیر عمر بغداد کے قید خانہ میں گذری ہے وہاں بھی یہ کام تسلسل کے ساتھ جاری رہا، اس تیار شدہ فقہی مجموعہ میں مسائل کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار تک بیان کی جاتی ہے، شمس الائمہ کردی نے چھ لاکھ کا تذکرہ کیا ہے۔

امام محمدؒ کی موجودہ کتابوں سے اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ مسائل کی تعداد زیادہ تھی مگر اصل تعداد کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔

حافظ ابوالمحاسن فرماتے ہیں کہ اس مجموعہ کی ترتیب اس طرح تھی اول باب الطہارت، باب الصلوٰۃ پھر عبادات کے دیگر ابواب اس کے بعد عقوبات کے ابواب، آخر میں باب المیراث تھا۔

(۱۱) چار مکاتب فقہ:۔ گذشتہ مضامین سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ عہد رسالت میں احکام شرعیہ کا مدار وحی الٰہی اور سنت نبوی پر تھا اور اسی دور میں چند قراء صحابہ بھی تھے جو اہل فتاویٰ تھے عہد رسالت کے بعد صحابہ اور تابعین، اصحاب فتویٰ مدینہ، مکہ مکرمہ وغیرہ مرکزی مقامات میں پھیل گئے ان میں علماء حجاز حدیث میں انتہائی مقبول تھے جن کے سرخیل حضرت امام مالکؒ ہیں، آپ نے مدینہ منورہ میں اپنی مؤطا کو فقہی ترتیب پر مدون فرمایا، یہ کتاب اس طبقہ کے لئے ترجمان بن گئی۔ دوسری جانب علماء عراق روایتِ حدیث کے متعلق بہت محتاط تھے اسی احتیاط کے پیش نظر اپنے فتاویٰ میں قال رسول اللہ کے بجائے اس کی نسبت اپنی طرف کرتے تاکہ آپ کی طرف ایسی کوئی چیز منسوب نہ ہو جو آپ نے نہیں فرمائی، اس طبقہ کے سرخیل حضرت امام ابو حنیفہؒ ہیں جنہوں نے اپنے تلامذہ کی ایک جماعت کو لیکر فقہ اور اصول فقہ کو مرتب فرمایا۔ ان دونوں حضرات کے بعد علماء حجاز کے طبقہ میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعی ہیں جنہوں نے طریقۂ حجازیین اور عراقیین سے ملا جلا ایک مسلک مدون کیا اور اس مسلک میں اپنے استاد امام مالک سے اکثر مسائل میں اختلاف کیا۔ فقہ شافعی کی دو قسمیں ہیں (۱) مذہب قدیم (۲) مذہب جدید۔

مذہب قدیم۔ اس مذہب کو عراق میں مرتب کیا تھا جس میں عراقی رنگ غالب ہے (۲) مذہب جدید۔ اس مذہب کو مصر میں مرتب کیا تھا اس میں حجازی رنگ غالب ہے۔ امام شافعیؒ کے بعد امام احمد بن حنبلؒ نے بغداد میں اپنا مسلک جاری کیا جس کی بنیاد زیادہ تر حدیث کے الفاظ و معنی پر تھی، ان ائمہ اربعہ سے قبل عالم اسلام میں امام سفیان ثوریؒ، امام حسن بصریؒ، امام اوزاعیؒ اور امام ابو ثورؒ کے مسلک رائج تھے، لوگوں نے ان کی اتباع کی، ۲۰۲ھ میں ابوداؤد ظاہر کا مسلک رائج ہوا جو قیاس کے منکر تھے مگر تیسری صدی کے اواخر پر یہ مذہب اور اس کے مقلدین ختم ہوگئے اور دنیا میں ائمہ اربعہ کے مسلک اور اسکے متبعین باقی رہ گئے تھے۔ چونکہ خیر القرون کا زمانہ گذر چکا تھا نفسانیت کا غلبہ ہوگیا تھا اور ائمہ اربعہ کو علم تقویٰ، فہم و فراست، اجتہاد و استنباط ہر اعتبار سے تسلیم کر لیا گیا تھا تو چوتھی صدی کے شروع میں علمائے ربانیین نے سوچا کہ

لوگ نفس پرستی کی وجہ سے دین کو کھیل نہ بنالیں اور اس آیت "اتخذوا دینہم لہواً ولعباً" کے مصداق نہ بن جائیں اس لئے علی رؤس الاشہاد یہ اعلان کر دیا کہ ہم فلاں امام کے مقلد ہیں اور عام مسلمانوں کو حکم دیا کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید کریں، ائمہ اربعہ کے مذہب حق ہیں اور تمام اہلسنت والجماعت ان کے پیشوا اور مقتدی ہیں۔ (ائمہ اربعہ، اجتہاد اور تقلید کی بے مثال تحقیق)

(۱۲) **طبقات فقهاء**:۔ ابن کمال پاشا نے فقہائے کرام کو قوت تخریج، بصیرت اور درایت کے اعتبار سے سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے (۱) مجتہدین فی الشرع (۲) مجتہدین فی المذہب (۳) مجتہدین فی المسائل (۴) اصحاب التخریج (۵) اصحاب الترجیح (۶) اصحاب التمییز (۷) طبقۂ مقلدین۔ مگر مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی نے چھ طبقوں میں تقسم کیا ہے قسم اوّل کو شمار نہیں کیا ہے۔

(۱) **مجتهدين فی الشرع** :۔ اس طبقہ میں حضرات ائمہ اربعہ، امام ثوریؒ، اوزاعی وغیرہ داخل ہیں۔

(۲) **مجتهدين فی المذهب**:۔ اس طبقہ میں وہ حضرات داخل ہیں جو مدون اول حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقرر کردہ اصول کی روشنی میں احکام کا استنباط کرتے ہیں مثلاً امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہ۔

(۳) **مجتهدين فی المسائل**:۔ اس طبقہ میں وہ حضرات شامل ہیں جو صاحب مذہب سے جن مسائل میں کوئی صریح روایت موجود نہیں ہے ان میں امام صاحب کے وضع کردہ اصول کے مطابق استنباط سے کام لیتے ہیں البتہ اصول و فروع میں امام صاحب کی مخالفت پر قدرت نہیں ہے جیسے خصاف، امام طحاوی، امام کرخی وغیرہ۔ یہ طبقہ چوتھی صدی سے شروع ہوتا ہے۔

(٤) **اصحاب التخريج**:۔ اس طبقہ میں وہ حضرات شامل ہیں جن کو اجتہاد پر قدرت نہیں مگر مجمل قول کی توضیح اور محتمل قول کی تعیین پر قدرت ہے جیسے امام رازیؒ۔

(۵) **اصحاب الترجيح**:۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو امام ابو حنیفہؒ سے منقول دو روایتوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی قدرت حاصل ہے جیسے صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ۔

(٦) **اصحاب التمييز**:۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو قوی، ضعیف، راجح، مرجوح کے درمیان اسی طرح ظاہر مذہب، ظاہر الروایہ اور روایاتِ نادرہ کے درمیان فرق وامتیاز پر قدرت حاصل ہے جیسے اصحاب متون معتبرہ یعنی صاحب کنز، صاحب وقایہ، صاحب مجمع البحرین اور صاحب مختار۔

(۷) **طبقهٔ مقلدين**:۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو مذکورہ بالا امور پر قدرت نہیں ہے یہ صرف فقہاء کی اتباع کرتے ہیں، یہ دور ساتویں صدی کے وسط سے شروع ہوتا ہے اور اب تک قائم ہے۔

(۱۳) صاحبِ قدوری ایک نظر میں

نام ونسب:۔ آپ کا اسم گرامی احمد ہے، کنیت ابوالحسین ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے ابوالحسین احمد بن ابی بکر محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان بغدادی قدوری۔

تاریخ پیدائش:۔ آپ شہر بغداد میں ۳۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔

قدوری کی وجہ تسمیہ:۔ قدوری کہنے کی عام طور پر مؤرخین نے دو وجہ بیان کی ہے (۱) شہر بغداد میں قدورہ ایک گاؤں کا نام ہے جہاں کے آپ باشندہ تھے اس گاؤں کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو قدوری کہا گیا (۲) قدور، یہ قدر کی جمع ہے بمعنی ہانڈی۔ آپ کے یہاں ہانڈے بنانے اور اس کی خرید وفروخت کا کاروبار تھا اس لئے اس کی طرف نسبت کر کے آپ کو قدوری کہا گیا، ابن خلکان کہتے ہیں کہ "مجھے اس نسبت کا سبب معلوم نہیں"۔

علمی رشتہ: آپ جلیل القدر فقیہ تھے اور محدث بھی، آپ نے علم فقہ ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ بن مہدی جرجانی سے حاصل کیا اور پانچ واسطوں سے امام محمد شیبانی کے شاگرد تھے، سند فقہ اس طرح ہے، آپ نے جرجانی سے علم فقہ حاصل کیا انہوں نے ابو بکر احمد جصاص سے، انہوں نے ابوالحسن عبیداللہ کرخی سے، انہوں نے سعید بروعی سے، انہوں نے علامہ موسیٰ رازی سے اور انہوں نے امام محمد شیبانی سے۔ اور حدیث محمد بن علی بن سوید اور عبیداللہ بن محمد جوشنی سے روایت کی۔

فقہ اور حدیث میں آپ کا مقام: ابن کمال پاشا اور علامہ کفول کے نزدیک آپ اور صاحب ہدایہ فقہاء کے طبقات خامسہ میں ہیں اور علماء کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک طبقۂ ثالثہ میں ہیں اور طبقۂ رابعہ کا بھی قول ہے البتہ طبقۂ ثالثہ کا قول زیادہ صحیح کہا گیا ہے جیسا کہ عمدۃ الرعایہ میں ہے۔

علم حدیث میں اونچا مقام حاصل تھا، صدوق اور ثقہ تھے، خطیب بغدادی جیسے محدث نے آپ سے روایت نقل کی آپ کی وہ ذات ہے کہ جس کی وجہ سے عراق میں مذہب حنفیہ کی ریاست درجہ کمال کو پہونچ گئی، ابو محمد القاضی نے طبقات الفقہاء میں آپ کا تذکرہ فرمایا ہے اور پرزور الفاظ میں آپ کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے۔

اوصاف عمومی: فن خطابت اور انشاء پردازی میں ید طولیٰ حاصل تھا، تلاوت کلام اللہ کا ہمیشہ معمول رہا، اہل فضل وکمال کی قدر دانی آپ کا شیوہ تھا آپ کا شیخ ابو حامد اسفرائنی شافعی سے ہمیشہ علمی حدیثی مناظرہ رہتا مگر تعظیم وتکریم کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑتے۔

وصال: ۵/ رجب المرجب بروز یکشنبہ ۴۲۸ھ میں شہر بغداد میں انتقال ہوا اور اسی روز درب ابی خلف میں مدفون ہوئے اس وقت عمر چھیاسٹھ سال کی تھی، اس کے بعد وہاں سے منتقل کر کے شارع منصور میں ابو بکر خوارزمی کے پہلو میں دفن کر دیا گیا، اس کا مادۂ تاریخ "لامع النور" ہے۔

تصنیفی خدمات:۔ آپ کی تصنیفی خدمات گو مختصر ہیں مگر ہزارہا تصانیف پر بھاری ہیں مؤرخین نے عام طور پر چھ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) قدوری (۲) کتاب التجرید ۴۰۵ھ میں اس کا املا شروع کرلیا، یہ کتاب سات جلدوں پر مشتمل ہے اس میں حنفیہ اور شافعیہ کے اختلافی مسائل کو ذکر کیا گیا ہے البتہ دلائل سے گریز ہے (۳) کتاب التقریب، اس کتاب میں امام ابو حنیفہ اور اصحاب ابی حنیفہ کے درمیان اختلافی مسائل کو ذکر کیا گیا ہے البتہ دلائل سے کوئی تعرض نہیں ہے (۴) اسی نام سے ایک دوسری کتاب بعد میں لکھی جس میں اختلافی مسائل کے ساتھ ساتھ دلائل کا بھی اہتمام کیا ہے (۵) شرح مختصر الکرخی (۶) شرح ادب القاضی۔

مختصر القدوری کا تعارف:۔ یہ کتاب فقہ حنفی میں بہت ہی مستند متن ہے جو ایک ہزار سالہ قدیم ہے جس میں تقریباً بارہ ہزار مسائل کا انتخاب ہے، گویا یہ کتاب دائرۃ المعارف ہے، اس کتاب کے اکثر مسائل ظاہر روایت کے ہیں، یہ کتاب اس قدر متداول اور مقبول ہوئی کہ ہر زمانہ میں داخل درس رہی اور آج بھی مدارسِ عربیہ میں داخلِ نصاب ہے، اکابر علماء نے اس کی بکثرت شروحات لکھیں جس کا محرک یہی مقبولیت ہے، امام قدوری کتنے زبردست متقی اور بزرگ تھے کہ آپ کی بزرگی کا اثر کتاب میں ظاہر ہوا کہ لوگوں نے اس کتاب کو خیر و برکت کا ذریعہ تسلیم کرلیا چنانچہ صاحب مصباح انوار الادعیہ کہتے ہیں کہ حنفیہ وبا کے زمانے میں اس کو پڑھ کر برکت حاصل کرتے تھے اسی پر بس نہیں بلکہ طاش کبری زادہ نے تحریر فرمایا ہے کہ علماء نے اس کتاب سے برکت حاصل کی یہاں تک کہ مصائب اور طاعون میں (بھی) اس کو آزمایا۔

مختصر القدوری کے حواشی اور شروحات:۔ اس متداول اور مقبول کتاب کی شروحات کثرت سے لکھی گئی ہیں جن کی تعداد ستائیس تک پہونچ گئی ہے جس میں عربی اور اردو دونوں داخل ہیں جن میں سے چند کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

(۱) شرح قدوری، اس نام سے الگ الگ شارحین کی تقریباً چھ شروحات ہیں (۲) البحر الزاخر (۳) النوری شرح القدوری (٤) الکفایه (٥) البیان (٦) الینابیع (٧) السراج، جس کا اختصار جوہر نیرہ ہے (۸) مصباح القدوری (۹) اشراق النوری (۱۰) الصبح النوری (۱۱) اشرف النوری (۱۲) التکمیل الضروری، از راقم السطور عبد العلی قاسمی غفرلہ۔

عبد العلی قاسمی بستوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللّٰہ

ترجمہ:۔ تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے مخصوص ہیں۔

حمد :۔ مصدر۔ تعریف کرنا۔ حمد الشي (س) حَمداً ومَحمَداً ومَحمَدةً تعریف کرنا۔ خوبی بیان کرنا۔ اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ اختیاری کمالات اور خوبیوں کی بنا پر ممدوح کی زبان سے تعریف کرنا۔ خواہ نعمت کے مقابلہ میں ہو یا غیر نعمت کے۔

رب العالمین

ترجمہ:۔ جو سارے عالم کا پالنہار ہے۔

رب مصدر۔ مالک۔ سردار۔ درست کرنے والا۔ پرورش کرنے والا۔ رَبَّ القومَ (ن) رباً۔ مالک ہونا۔ الوَلَد. لڑکے کی بالغ ہونے تک پرورش کرنا۔ درجہ بدرجہ کمال تک پہونچانا۔ یہ لفظ خدا کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی مخلوق کو بلا اضافت کے رب کہنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مخلوق خود تربیت کی محتاج ہے، تو پھر دوسرے کی کیا تربیت کرے گی۔ مثلاً اِرجِع اِلٰی رَبِّك ۔رَبُّ الثوبِ ۔"اُذکُر نِی عِندَ رَبِّكَ فَانسَاهُ الشَّیطَانُ ذِکرَ رَبِّهٖ" مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن جلد (۱) میں رقم طراز ہیں کہ تربیت اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو اس کے تمام مصالح کی رعایت کرتے ہوئے درجہ بدرجہ آگے بڑھانا یہاں تک کہ وہ حد کمال کو پہونچ جائے۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ رب کائنات ہیں کہ وجود وحیات کے سارے اسباب کے ساتھ پرورش فرماتے ہیں، ظاہری پرورش بواسطۂ نعمت، باطن کی بواسطۂ رحمت، عابدین کے نفوس کی بواسطۂ احکام شرع، مشتاقوں کے دلوں کی آداب طریقت کے ذریعہ اور اسرار محبین کی انوار حقیقت کے ذریعہ تربیت فرماتے ہیں۔

العلمین:۔ یہ عالم کی جمع ہے۔ دنیا کی تمام اجناس اس میں داخل ہیں۔ "رب العلمین" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت تمام اجناس کائنات کی تربیت کرنے والے ہیں۔ (معارف القرآن جلد ۱) عالم۔ یہ علامت سے مشتق ہے جو خاتم وطابع کیطرح فاعل کے وزن پر ہے آلہ کے لئے مستعمل ہے۔ اس کو عالم اس لئے کہتے ہیں کہ پوری کائنات عالم کے بنانے والے کے وجود کی نشاندہی کرتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چالیس ہزار عالم بنایا۔ اور حضرت مقاتل امام التفسیر نے اسی ہزار (۸۰۰۰۰) عالم کا تذکرہ کیا ہے ان میں ایک عالم دنیا سے موسوم ہے۔ (قرطبی)

وَالعَاقِبَةُ لِلمُتَّقِینَ

ترجمہ:۔ اور خدا سے ڈرنے والوں کے لئے بہتر انجام ہے۔

العَاقِبَةُ:۔ مصدر۔ انجام۔ آخر۔ اچھا بدلہ۔ عاقب کا مؤنث ہے جمع عواقب۔ عَقَبَ الرَّجُلَ (ض،ن) عَقباً،

عُقُوْباً وعَاقِبَۃً۔ پیچھے آنا۔ اس کا استعمال ہر شئی کے آخر اور انجام کے لئے ہوتا ہے۔ امام راغب نے تصریح کی ہے کہ اس کا استعمال ثواب کے لئے مخصوص ہے۔ جیسے والعاقِبَۃُ للمتقین۔ اور اضافت کی صورت میں کبھی کبھی عقوبت کے لئے بھی آتا ہے جیسے ثُمَّ کانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ اساء ُوْا (آخر عاقبت خراب ہوئی ان لوگوں کی جنہوں نے براکام کیا تھا)

(لغات القرآن ص ۲۰۰ ج ٤)

المُتقین:۔ اسم فاعل جمع مذکر منصوب و مجرور۔ المتقی کی جمع ہے۔ اس کا مصدر اِتِّقاء ہے جو باب افتعال سے ہے۔ پرہیزگار جن میں صفت تقویٰ ہو۔ تقویٰ کے لغوی معنیٰ ہیں نفس کو اس چیز سے بچانا اور حفاظت میں رکھنا جس کا خوف ہو۔ عرف شرع میں تقویٰ نفس کو ہر اس چیز سے بچانے کا نام ہے جو گناہ کی طرف لے جائے۔

(لغات القرآن جلد ۲ ص ۱۷۰۔ ۱۷۱ جلد ۵ ص ۲۹۸)

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

ترجمہ:۔ اور درود و سلام اللہ کے رسول محمد ﷺ پر اور آپ ﷺ کے آل اور آپ ﷺ کے تمام اصحاب پر ہو۔

الصلوٰۃ:۔ یہ تصلیہ کا اسم ہے۔ لغوی معنیٰ دعاء یعنی طلب رحمت۔ جمہور کے یہاں یہی حقیقی معنیٰ ہے۔ اور اس کے علاوہ جو معانی ہیں وہ مجازی ہیں۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ جب اس کی نسبت خدا کی طرف ہو گی تو اس وقت طلب کے معنیٰ سے خالی ہو کر صرف رحمت کے معنیٰ ہوں گے۔ کیونکہ خدا کی ذات طلب کے معنیٰ سے بری ہے، اللہ تعالیٰ صلوٰۃ اور رحمت نازل فرماتا ہے جب اس کی نسبت ملائکہ کی طرف ہوتی ہے تو استغفار کا معنیٰ ہوتا ہے اور جب مؤمنین کی جانب ہوتی ہے تو دعا کا معنیٰ ہوتا ہے۔ اور جب طیور کی طرف ہوتی ہے تو تسبیح کا معنیٰ ہوتا ہے۔ بظاہر یہ تفریق دلالت کرتی ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے خواہ لفظی طور پر یا معنوی طور پر۔ جبکہ ایسا نہیں بلکہ مختلف نسبت کی وجہ سے معنیٰ میں تعدد لوازم کے اعتبار سے ہے۔ (تحقیق المرضی)

السلام:۔ یہ تسلیم کا اسم ہے جیسے تکلیم سے کلام۔ سَلَّمَ یُسَلِّمُ تَسْلِیماً وَسَلَاماً سلام کرنا۔ سلامتی کی دعا کرنا۔ اطاعت و فرمانبرداری کرنا۔ محفوظ رکھنا۔ یہ لفظ اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ یہاں سلامتی و حفاظت کے معنیٰ مراد ہیں۔ مجرد میں سَلِمَ (س) سَلَامَۃً وَسَلَاماً سے مستعمل ہوتا ہے۔ نجات پانا۔ محفوظ و سالم ہونا۔ بری ہونا۔ صلوٰۃ و سلام دونوں کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مؤمنین کے لئے قرآن کریم میں اس کا حکم ہے کہ وہ صلوٰۃ و سلام دونوں ادا کریں۔ ارشاد ربانی ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً.

رسول:۔ بھیجا ہوا پیغمبر۔ یہ لفظ رسالت سے ہے۔ شیخ شمس الدین قہستانی لکھتے ہیں "فَعُوْلٌ مبالغہ ہے مُرْسَلٌ مُفْعَلٌ بالفتح کا اور فعول کا استعمال اس طرح پر نادر ہی ہوتا ہے۔ یہ ایک تفصیلی بحث ہے جو اس موقع کے مناسب نہیں ہے۔

(لغات القرآن جلد ۳ ص ۱۷)

محمد:۔ اسم مفعول۔ واحد مذکر۔ مصدر تحمید ہے بروزن تفعیل۔ اصل مادہ حمد ہے۔ وہ شخص جس کے اندر بکثرت خصائل حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ ہوں۔ محمد اگرچہ رسول اللہ کا اسم گرامی ہے لیکن آیت "محمد رسول اللہ" میں باوجود

علمیت کے وصفیت کی طرف اشارہ ہے۔ گویا یہ بتاتا ہے کہ رسول اللہ کی ذات کے اندر بکثرت خصائل محمودہ اور صفات حسنہ کریمہ موجود ہیں (راغب) اللہ رب العزت کے ایک ہزار ناموں کی طرح حضورؐ کے توفیقی ناموں کی تعداد بھی ایک ہزار ہے جن میں دو نام یعنی محمد اور احمد معروف اور افضل ہیں۔ آپؐ کی دنیا میں تشریف آوری سے پیشتر تین اشخاص محمد نام کے تھے جن کے والدین نے اہل کتاب سے آپ کا اسم گرامی سنا تھا وہ نام درج ذیل ہیں۔

(۱) محمد بن حمران بن ربیعہ (۲) محمد بن سفیان بن مجاشع (۳) محمد بن احیحہ۔ (كتاب المعارف روضة الانف)

ال:۔ اس لفظ میں دو بحثیں ہیں۔ (۱) لفظ کے اعتبار سے۔ (۲) معنیٰ اور مصداق کے اعتبار سے۔ (۱) لفظ کے اعتبار سے۔ مفرد ہے اور معنیٰ کے اعتبار سے جمع ہے اس کا اطلاق تین معنیٰ پر ہوتا ہے۔ (۱) لشکر واتباع جیسے ال فرعون (۲) نفس جیسے آل موسیٰ آل ہارون آل نوح۔ (۳) اہل بیت جیسے آل محمدؐ۔ سیبویہ جو عربیت اور نحو کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ ال کی اصل اہل ہے ہا کو واؤ سے تبدیل کرنے کے بعد الف سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کی تصغیر اُہَیل آتی ہے۔ اور تصغیر سے اسم کی اصلی حالت کا پتہ چل جاتا ہے۔ یہی مسلک بصری کا ہے۔ مگر دیگر علماء نحو کی رائے یہ ہے کہ یہ دراصل اَوَل تھا جس میں خلیل، کسائی، یونس نحوی اور کوفی اور اصمعی لغوی شامل ہیں۔ اسی بنا پر اس کی تصغیر اُوَیل بیان کی جاتی ہے۔ کسائی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک فصیح اعرابی کو ال اُوَیل اَھل اُھَیل کہتے ہوئے سنا ہے۔ گویا اُوَیل ال کی تصغیر ہے اور اُھَیل اَھل کی تصغیر ہے۔ اور دونوں مستقل لفظ ہیں۔ اور دونوں دو معنیٰ میں مستعمل ہیں۔ حافظ ابن حجر ال اور اھل کے استعمال کے متعلق رقم طراز ہیں کہ ال کی اضافت کسی (ذوی العقول مذکر) قابل تعظیم شخص ہی کی طرف ہوتی ہے۔ (خواہ دنیوی اعتبار سے ہو یا اخروی و دنیوی دونوں اعتبار سے) جیسے آل فرعون جس کو دنیوی اعتبار سے جاہ و حشمت حاصل تھی۔ یا جیسے آل محمد کہ حضورؐ اخروی اور دنیوی دونوں اعتبار سے قابل تعظیم تھے۔ ال کی اضافت ضمیر کی طرف نادر ہے اور اھل کا استعمال اس کے برخلاف ہے۔

(۲) ال کے مصداق کے متعلق اختلاف ہے مفسرین نے ازواج مطہرات، حضرت فاطمہ، حضرت علی، اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کو ال کا مصداق ٹھہرایا ہے۔ مگر اہل تشیع نے صرف اولاد وعصبات رسول کو شامل کیا ہے۔ بعض نے بنو ہاشم مراد لیا ہے۔ بعض کے نزدیک بنو ہاشم اور بنو ہاشم اور بنو مطلب مراد ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اتباع مراد ہیں۔ بعض نے تمام قریش کو مراد لیا ہے اور بعض کے اعتبار سے ہر مؤمن متقی مراد ہیں۔

(لغات القرآن جلد ۱ ص ۲۰۳.۲۰٤ معارف القرآن جلد ۷ ص ۱٤۰-۱۳۹ عين القضاة ص ٥)

اصحاب:۔ یہ صاحب کی جمع ہے جیسے اطہار، طاہر کی جمع ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ صحب کی جمع ہے جو صاحب کا مخفف ہے معنیٰ ہے ساتھی۔ رفیق۔ اور کبھی مالک کے معنیٰ میں آتا ہے۔ صحبہ (س) صُحْبَةً صِحَابَةً وصَاحَبَةً مُصَاحَبَةً۔ ساتھی ہونا۔ دوستی کرنا۔ ساتھ زندگی گذارنا۔ صحابی۔ وہ شخص ہے جس نے بحالت ایمان و بحالت حیات حضورؐ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہو اور بحالت ایمان اس کا انتقال ہوا ہو۔

اجمعین :۔ یہ اجماع سے ہے اور حالت جری میں ہے اور حالت نصبی میں بھی اسی طرح (ی ن کے ساتھ) آتا ہے اور حالت رفعی میں واؤاور نون کے ساتھ یعنی اجمعون آتا ہے۔ یہ تاکید کے لئے استعمال کیا جاتا ہے یعنی سب کے سب۔

قَالَ الشَّیخُ الإمَامُ الْاَجَلُّ الزَّاھِدُ اَبُو الْحَسَنِ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَر اَلْبَغْدَادِیُّ اَلْمَعْرُوفُ بِالْقُدُوْرِیِّ.

ترجمہ:۔ اپنے زمانہ کے شیخ، پیشوائے قوم، عظیم المرتبت، نیک سیرت ابوالحسن بن احمد بن محمد بن جعفر بغدادی فرماتے ہیں جو قدوری سے معروف و مشہور ہیں۔

حل لغات:۔ الشیخ :۔ بوڑھا، ایسا شخص جس کی عمر پچاس سال سے متجاوز ہو کر اسی سال پہونچ جائے یا اخیر تک۔ جمع شیوخ، اشیاخ، شیخان، جمع الجمع مشائخ اور اَشَایِخ. شاخ (ض) شَیْخاً شُیُوْخاً وشُیُوخِیَّةً۔ بوڑھا ہونا۔ اصطلاحی طور پر استاد، عالم، سردار قوم، علمی فضیلت کا حامل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ایک ممتاز صاحب علم کو اس فضل وکمال کے زمرہ میں داخل کرنے کے لئے بطور تشبیہ واستعارہ اظہار تعظیم کے لئے شیخ کہتے ہیں۔

الامام:۔ یہ آلہ کے وزن پر ہے۔ پیشوا، پیش امام جس کی اقتدا کی جائے۔ واضح راستہ وہ ڈوری جس سے معمار عمارت کی سیدھ قائم کرتے ہیں۔ امیر لشکر، مذکر و مؤنث دونوں کیلئے آتا ہے۔ اَمَّ (ن) امّاً قصد کرنا۔ القَوْمَ وبِالقَوْمِ اِمَاماً واِمَامَةً۔ امام بننا۔ منطقی حضرات فخر الدین رازی کو امام کہتے ہیں اور حنفی فقہاء امام اعظم ابو حنیفہؒ کو۔

الاجل:۔ اسم تفضیل واحد مذکر ہے عظیم المرتبت بزرگ تر انسان۔ جَلَّ (ض) جَلالاً وجَلا لَةً بڑے مرتبہ والا ہونا۔

الزاھد:۔ صفت فاعلی آخرت کی محبت کی وجہ سے دنیا سے بے رغبت۔ تنگ خو۔ یہاں معنی اول مراد ہے۔ جمع زُھّدٌ، زُھَّاد وزاھِدُون . زھد فی الشی وعنه (س، ف، ك) زُھْداً وزھادةً بے رغبتی کر کے چھوڑ دینا۔

ابو الحسن:۔ یہ کنیت ہے اور اکثر نسخوں میں یہی ہے مگر صحیح ابو الحسین (بالیاء) ہے جیسا کہ انساب تاریخ ابن خلکان اور رسم المفتی میں ہے۔

القدوری:۔ قدروی نسبت کے سلسلے میں محققین نے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ قدوری بضم القاف والدال وسکون الواؤ۔ اس کے بعد راء مہملہ۔ یہ بغداد کی ایک بستی ہے جس کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ قدر کی جمع ہے۔ لفظی معنی ہانڈی کے ہیں۔ بقول بعض قدوری، قدور (دیگ سازی) کی طرف منسوب ہے یا اس کے خرید و فروخت کی طرف نسبت ہے۔

قال الشیخ الخ :۔ یہ پوری عبارت مصنف علیہ الرحمۃ کے کسی شاگرد کی ہے۔
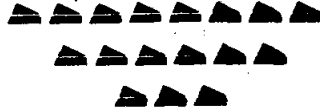
کتاب الطهارۃ

طهارۃ:۔ بفتح الطاء اس پانی کو کہتے ہیں جس سے پاکی حاصل ہو، بکسر الطاء آلہ نظافت کا نام ہے اور بضم الطاء نظافت کے معنیٰ میں ہے۔

بندوں کے افعال دو طرح کے ہوتے ہیں، (١) عبادات (حقوق اللہ) (٢) معاملات (حقوق العباد) عبادات کو اس کی عظمت کے پیش نظر مقدم کیا گیا ہے پھر نماز ارکان اسلام توحید کے بعد فرض کی گئی ہے اور دین کا ستون ہے اس لئے اس کو ساری عبادات پر مقدم کیا گیا اور طہارت چونکہ نماز کی شرط ہے اور شرط شئی سے مقدم ہوتی ہے۔ اس لئے طہارت کو نماز پر مقدم کیا گیا۔

طہارت کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً وضو، غسل، تیمّم، دباغت وغیرہ اس لئے طہارات یعنی جمع کا صیغہ لانا چاہیئے تھا مگر طہارت مصدر ہے اور اس میں افراد اصل ہے اور یہ قلیل وکثیر سب کو شامل ہے اس لئے جمع کی ضرورت نہیں۔ جن لوگوں نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے، جیسے صاحب ہدایہ تو انہوں نے انواع واقسام طہارت کا لحاظ کیا ہے وہ بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ.

ترجمہ:۔ ارشاد باری ہے اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا (ارادہ) کرو تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوؤ، اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت (دھوؤ)

حل لغات:۔ اذا۔ اگر شرط کے پائے جانے کا یقین ہو تو وہاں اذا استعمال کرتے ہیں۔ قُمْتُم۔ جمع مذکر حاضر ماضی معروف۔ کھڑے ہو تم یعنی ارادہ کرو تم۔ قام یقوم قوماً وقومةً کھڑا ہونا۔ فاغسلوا۔ امر حاضر کا صیغہ ہے۔ تم دھوؤ۔ غَسَلَ الشی (ض) غُسلاً پانی سے میل کچیل دور کرنا۔ الغِسْلَة ہاتھ منہ دھونے کی چیز۔ وجوهكم۔ وجوہ جمع ہے وجه کی۔ چہرہ ایدیکم۔ ایدی جمع ہے ید کی۔ ہاتھ۔ المرافق مرافق۔ جمع ہے مرفق کی۔ کہنی امسحوا۔ مَسَح سے امر جمع مذکر حاضر۔ تم مسح کرو۔ تم تر ہاتھ پھیرو۔ مَسَح الشئ (ف) مَسْحاً ہاتھ پھیرنا۔ برؤسکم۔ رؤس جمع ہے رأس کی سر۔ ارجلکم۔ ارجل جمع ہے رجل کی۔ الکعبین۔ تثنیہ ہے کعب کی۔ حالت جری میں ہے۔ ہڈیوں کا جوڑ۔ قدم کے اوپر ابھری ہوئی ہڈی، ٹخنے۔ دو پوروں کے درمیان کی گرہ۔ ہر بلند ومرتفع چیز۔ بزرگی وشرف جمع کِعَابٌ کُعُوبٌ اَکْعُبٌ۔

خلاصه:۔ ایک مسلمان پر فرض ہے کہ جب وہ باوضو نہ ہو اور نماز کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ وضو کرلے، اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ وضو میں چار چیزیں فرض ہیں۔ یعنی تین اعضاء (چہرہ، دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت اور دونوں پیر ٹخنوں تک) کا دھونا اور سر کا مسح کرنا۔

تشریح:۔ صاحب کتاب نے اس کتاب کی ابتداء حصول برکت کی خاطر اس آیت کریمہ سے کی ہے اور اس جانب اشارہ ہے کہ دلیل اصل ہے اور حکم اس کی فرع۔ اور اصل فرع پر رتبہ کے اعتبار سے مقدم ہوتی ہے۔
طہارت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) طہارت صغریٰ جیسے وضو (۲) طہارت کبریٰ جیسے غسل۔ آیت مبارکہ اور تعلیم جبریل میں وضو کی تعلیم پہلے ہے اور وضو کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے وضو کو غسل پر مقدم کیا گیا ہے۔
ایدیکم کا عطف وجوھکم پر ہے۔ الی المرافق، یہاں غایت مغیا میں داخل ہے جمہور کا یہی مسلک ہے یعنی دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئیں۔ ارجلکم۔ نافع، ابن عمر، کسائی اور حفص کی قرأت میں لام کے زبر کے ساتھ ہے، اور دوسرے قراء کے یہاں لام کے زیر کے ساتھ ہے، پہلی قرأت میں پاؤں کے دھونے کی فرضیت کا حکم ظاہر ہوتا ہے اور اسی صورت میں ارجلکم، وجوھکم پر معطوف ہوگا۔ اور قرأت ثانیہ سے مسح کی فرضیت ظاہر ہوتی ہے۔ اس صورت میں اس کا عطف رؤسکم پر ہوگا۔
بکثرت احادیث سے دھونے کی فرضیت اور مسح کے ناکافی ہونے پر ثبوت ملتا ہے۔ اہلسنت والجماعت کا اسی پر اجماع ہے۔ جماعت سے نکلنے والا، اجماع کے خلاف ہاتھوں، پاؤں اور چہرے کے صرف مسح کا قائل گمراہ ہے۔

فَفَرْضُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْاَعْضَاءِ الثَّلٰثَةِ وَمَسْحُ الرَّاسِ وَالْمِرْ فَقَانِ وَالْكَعْبَانِ تَدْخُلَانِ فِيْ فَرْضِ الغَسْلِ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلاثَةِ خَلافاً لِزُفَرَ.

ترجمہ:۔ پس وضو کا فرض تینوں اعضاء کا دھونا اور سر کا مسح کرنا ہے۔ اور دونوں کہنیاں اور دونوں ٹخنے ہمارے علماء ثلثہ کے نزدیک غسل کے فرض ہونے میں داخل ہیں امام زفرؒ کے خلاف ہے۔

فرائض وضوء کا بیان

حل لغات:۔ فرض۔ کاٹنا۔ فرض کرنا۔ معین کرنا۔ عطیہ دینا۔ عمر رسیدہ ہونا۔ عظمت۔ یہ باب ضرب سے ہے۔ صلہ کے فرق سے معنیٰ میں تبدیلی ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس حکم کو کہتے ہیں جو ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جو شبہ سے خالی ہو۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو انجام دینے والا مستحق ثواب اور ترک کرنے والا مستحق سزا ہے۔ الطھارۃ۔ باب (ن، ک) پاک ہونا۔ الاعضاء۔ عُضو کی جمع ہے بدن کا حصہ۔ الثلثہ۔ تین۔ یہ اعضاء کی صفت ہے۔ المرفقان۔ مرفق کا تثنیہ ہے حالت رفعی میں ہے کہنی۔ الکعبان۔ یہ کعب کا تثنیہ ہے حالت رفعی میں ہے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔ تَدْخُلان۔ فعل مضارع تثنیہ مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ دخل (ن) دُخُولاً ومَدْخلاً۔ داخل ہونا۔ علمائنا الثلثۃ۔ علماء۔ عالم کی جمع ہے۔ علماء مضاف نا مضاف الیہ۔ دونوں مل کر موصوف الثلثۃ صفت یعنی ہمارے تینوں علماء۔ اس سے مراد امام اعظمؒ امام یوسفؒ امام محمدؒ ہیں۔ خلاف۔ باب مفاعلۃ کا ایک مصدر ہے خالفہ خِلافاً ومُخَالَفَۃً۔ ناموافقت کرنا، خلاف، ناموافقت۔ مختلف فیہ مسائل، اختلاف۔

خلاصہ:۔ وضو میں چار فرض ہیں۔ (۱) ایک بار پورے چہرے کا دھونا۔ (۲) دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا۔ (۳) دونوں پیر ٹخنوں تک دھونا۔ (۴) ایک بار سر کا مسح کرنا۔ امام زفر کا ائمہ ثلاثہ سے اختلاف ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہاتھوں کے ساتھ کہنیوں کا اور پیروں کے ساتھ ٹخنوں کا دھونا فرض ہے اور امام زفر کے یہاں کہنیاں اور ٹخنے کا دھونا فرض نہیں ہے۔

تشریح:۔ شرح وقایہ اور ہدایہ میں چہرہ کی طول وعرض کی حد مقرر کی ہے طول میں سر کے بالوں کے منتہی سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور عرض میں بالوں کی جڑوں سے کان تک۔ **المرفقان والکعبان الخ:۔** کہنیاں اور ٹخنے کا دھونا فرض ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کے ساتھ کہنیوں کا اور پیروں کے ساتھ ٹخنوں کا دھونا بھی فرض ہے۔ یہی قول امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا ہے ایک روایت امام مالکؒ کی بھی ہے۔ کہنے کا منشا یہ ہے کہ یہاں غایت مغیا میں داخل ہے، کیونکہ (غسل کی) غایت (مرفقین وکعبین) پر ایک ایسا کلمہ داخل ہے جو صدور و آغاز کلام کی نشان دہی کر رہا ہے یعنی آیت قرآنی میں لفظ "الی" لا کر اس بات کو واضح کر دیا گیا کہ مرفقین اور کعبین کے علاوہ کا حصہ غسل سے خارج ہے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مرفقین اور کعبین غسل میں داخل نہیں ہیں یعنی کہنیوں اور ٹخنوں کا دھونا فرض نہیں ہے یہ بھی امام مالکؒ کا ایک مسلک ہے کیونکہ مرفقین اور کعبین غسل کی غایت ہیں اور غایت مغیا میں داخل نہیں ہے۔

وَالْمَفْرُوْضُ فِيْ مَسْحِ الرَّاسِ مِقْدَارُ النَّاصِيَةِ وَهُوَ رُبْعُ الرَّاسِ لِمَا رَوَى الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَتٰى سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ وَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى النَّاصِيَةِ وَخُفَّيْهِ.

ترجمہ:۔ سر کے مسح میں پیشانی کی مقدار فرض ہے اور وہ چوتھائی سر ہے اس حدیث کی وجہ سے جو مغیرہ بن شعبہ نے روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے، پس آپ نے پیشاب کیا اور وضو کیا اور پیشانی پر اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔

حل لغات:۔ المفروض ۔فرض کا اسم مفعول ہے۔ جس چیز کا فرضیت کے طریقہ پر حکم لگا دیا گیا ہو۔ مسح ۔ مسح کہتے ہیں بھیگے ہوئے ہاتھ کا پھیرنا خواہ پانی کی تری برتن سے لی ہو یا کسی عضو مغسول کو دھونے کے بعد باقی رہی ہو۔ مقدار ۔ اندازہ جمع مقادیر ۔ الناصیۃ ۔ پیشانی۔ سر کے جس حصہ کے بالوں کی روئیدگی آگے کی جانب ہے اس حصہ کو ناصیہ کہتے ہیں۔ سر کے چار حصے ہوتے ہیں۔ ایک پیشانی، دوسرے سر کا پچھلا حصہ اور کنپٹی کے دونوں جانبی حصے۔ المغیرۃ۔ بضم المیم وکسر الغین۔ ایک مشہور صحابی ہیں۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ قیام کوفہ میں رہا اور وہیں ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کی عمر ستر (۷۰) سال کی تھی۔ آپ سے ایک سو چھتیس (۱۳۶) حدیثیں منقول ہیں۔ سُبَاطَۃَ ۔ کوڑی۔ کوڑا خانہ۔ بال ۔ (ن) بَوْلاً و مَبَالاً۔ پیشاب کرنا۔ خفیہ۔ خف کا تثنیہ ہے حالت جری میں ہے۔ ہاء ضمیر کی جانب اضافت کی وجہ سے "ن" گر گیا اصل میں خفین تھا۔ موزہ۔

خلاصہ:۔ سر کے مسح میں بقدر ناصیہ مسح کرنا ضروری ہے جس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی یہ روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے، پہلے پیشاب کیا اس کے بعد وضو فرما کر بقدر پیشانی سر کا مسح فرمایا

اور اپنے دونوں موزوں پر بھی مسح فرمایا۔

تشریح:۔ سر کا مسح کرنا بالاتفاق فرض ہے اس لئے کہ اس کا ثبوت نص صریحی سے ہے۔ البتہ مقدار مفروض میں اختلاف ہے چنانچہ علماء احناف کے یہاں چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے خواہ سر کے اگلے حصہ کا ہو یا پچھلے حصہ کا، دائیں طرف کا چوتھائی ہو یا بائیں طرف کا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مطلق سر کا مسح فرض ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک تین بال یا ایک بال کا مسح کرنے سے فرضیت ادا ہو جائیگی۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

ہر ایک امام نے وامسحوا برؤسکم کو اپنا مستدل قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ "با" کو زائدہ مانتے ہیں اس لئے صاحب شرح نقایہ کی تشریح کے مطابق امام مالک نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے پورے سر کا مسح فرض قرار دیا۔ اور امام شافعی کے نزدیک آیت مقدار مسح کے سلسلہ میں مطلق ہے اور المطلق یجری علی اطلاقہ کے مطابق مطلق مسح راس فرض ہے اور مطلق فرضیت تین بال یا ایک بال کے مسح کرنے سے ادا ہو جائیگی۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ مقدار مسح کے سلسلہ میں آیت مجمل ہے اور مجمل کو بیان کی ضرورت ہوتی ہے اور حدیث مغیرہ اس کا بیان ہے۔ اور حدیث میں ناصیۃ کا لفظ بتاتا ہے کہ مسح راس سر کے اگلے حصہ کا ہوگا اور ہاتھ میں انگلیاں اصل ہیں اور تین انگلیاں اکثر ہیں اور حکم اکثریت پر لگتا ہے اس وجہ سے تین انگلیوں کو کل کا قائم مقام بنا کر حکم دیا کہ اگر تین انگلیوں کی مقدار مسح کیا تو شرعاً کافی ہو جائیگا۔

وَسُنَنُ الطَّهارةِ غسلُ الْيَدَيْنِ ثَلثاً قَبْلَ اِدْخالِها الْاِنَاءَ اِذا اسْتَيْقَظَ الْمُتَوَضِّئُ مِنْ نَوْمِهِ.

ترجمہ:۔ اور وضو کی سنتیں دونوں ہاتھ کا تین مرتبہ دھونا ہے ان کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے جس وقت کہ وضو کرنے والا اپنی نیند سے بیدار ہو۔

﴿سنن وضوء کا بیان﴾

حل لغات:۔ سنن۔ سنت کی جمع ہے۔ طریقہ۔ اصطلاح شریعت میں سنت وہ طریقہ ہے جس کو حضورؐ نے عبادت کے طور پر گاہے گاہے ترک کے ساتھ مداومت وہمیشگی فرمائی ہو۔ ادخال۔ مصدر ہے باب افعال سے ہے داخل کرنا الاناء۔ برتن جمع آنیۃ۔ استیقظ۔ باب استفعال سے ہے جاگنا۔ المتوضئی۔ باب تفعل سے ہے اور توضأ کا اسم فاعل ہے وضو کرنے والا۔ توضأ بالماء للصلوٰۃ۔ وضو کرنا۔ نوم۔ نیند۔ نائم کی جمع یا اسم ہے۔ رَجُلٌ نُوَمٌ ونَوَّامٌ بہت سونے والا مرد۔

خلاصہ:۔ وضو کی بہت سی سنتیں ہیں ان میں سے ایک سنت یہ ہے کہ جب ایک وضو کرنے والا انسان اپنی نیند سے بیدار ہو تو سب پہلے اسے چاہیئے کہ اپنے دونوں ہاتھ کو تین مرتبہ دھوئے پھر اسے کسی برتن میں داخل کرے۔ (اور سب سے پہلے بائیں ہاتھ کو پھر دائیں ہاتھ کو)

تشریح:۔ وضو کے فرائض کے ذکر کرنے کے بعد براہ راست سنت کا تذکرہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وضو

میں کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

صاحب کتاب لفظ سنن کو جمع اور لفظ وضو کو مفرد لا کر بتانا چاہتے ہیں کہ سنت حکم اور دلیل ہر اعتبار سے الگ الگ ہے اور ارکان وضو کی دلیل صرف ایک آیت ہے اور ارکان وضو میں سے ایک بھی ترک کر دے گا تو بالکل ہی ثواب سے محروم رہے گا۔ اور سنت میں ایسا ہے کہ جس سنت کو ترک کرے گا اس کا ثواب نہیں ملے گا اور جس کو ادا کرے گا اس کا ثواب ملے گا۔ وضو کرنے سے پہلے دونوں ہاتھ کا دھونا مطلقاً سنت ہے۔ اور صاحب قدوری کی نیند سے بیدار ہونے کی قید، قید اتفاقی ہے۔ نیند سے بیداری خواہ شب میں ہو یا دن میں دونوں کا حکم جمہور فقہاء کے یہاں یکساں ہے۔ البتہ امام احمدؒ کے یہاں دن کی بیداری میں مستحب ہے اور شب کی بیداری میں واجب ہے۔

وَ تَسْمِيَةُ اللهِ فِيْ ابْتِدَاءِ الْوُضُوْءِ والسِواكُ وَالْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ وَمَسْحُ الْاُذُنَيْنِ وَتَخْلِيْلُ اللِحْيَةِ وَالْاَصَابِعِ وَتكْرَارُ الغَسْلِ اِلَى الثَّلٰثِ .

ترجمه:۔ اور وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا، اور مسواک کرنا، اور کلی کرنا، اور ناک میں پانی ڈالنا، اور دونوں کانوں کا مسح کرنا، اور ڈاڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا اور تین بار اعضاء کو دھونا۔

حل لغات:۔ تسمية مصدر۔ باب تفعیل سے ہے بسم اللہ پڑھنا۔ ابتداء۔ باب افتعال سے ہے آغاز کرنا۔ شروع کرنا۔ السواك۔ مسواک۔ المضمضة۔ کلی کرنا۔ الاستنشاق۔ ناک میں پانی ڈالنا۔ تخليل۔ مصدر ہے باب تفعیل سے خلال کرنا۔ اللحية۔ ڈاڑھی۔ الاصابع اِصبع کی جمع ہے انگلی۔

خلاصه:۔ یہاں وضوء کی آٹھ سنتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے بقیہ مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔ گویا وضوء میں کل نو سنتیں ہیں۔ آٹھ کا تذکرہ اسی بحث میں ہے اور ایک کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔

تشریح:۔ وتسمية الله:۔ وضوء کی ابتداء میں بسم اللہ کے حکم کے سلسلے میں تین نظریات ہیں (۱) مستحب (۲) سنت مؤکدہ (۳) واجب۔ اکثر فقہاء سنت مؤکدہ کے قائل ہیں، صاحب ہدایہ مستحب کہتے ہیں، امام احمدؒ شرط وضوء میں شمار کرتے ہیں جس کے بغیر وضوء نہیں ہوتا۔ تسمیہ کا ادنیٰ درجہ بسم اللہ ہے اور اعلیٰ درجہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ اور بعض روایت سے "بسم الله العظيم والحمد لله على دين الاسلام" بھی مرفوعاً منقول ہے۔

السواك:۔ مسواک کے سنت ہونے کے متعلق تین قول ہیں۔ (۱) احناف کی اکثریت اس کے سنن وضوء ہونے کی قائل ہے۔ (۲) شوافع کے یہاں سنن صلوٰۃ میں سے ہے۔ (۳) حضرت امام ابو حنیفہؒ سنن دین میں شمار کرتے ہیں۔ اگر مسواک نہ ہو تو انگلی اس کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔

المضمضة والاستنشاق:۔ کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے دو طریقے ہیں (۱) تین بار کلی کرنے اور تین بار ناک میں پانی ڈالنے کے لئے یعنی دونوں کے لئے ہر بار نیا پانی لینا۔ (۲) ایک چلو پانی لے اسی سے کلی کرے اور اسی کو ناک میں ڈالے۔ احناف اول کو افضل قرار دیتے ہیں۔ اور شوافع دوم کو افضل قرار دیتے ہیں۔ گویا اختلاف افضلیت میں ہے۔ مضمضہ

واستنشاق دونوں سنت مؤکدہ ہیں۔ بلکہ امام مالکؒ نے تو فرض قرار دیا ہے۔

مسح الاذنین:۔ دونوں کان کا مسح سنت مؤکدہ ہے۔ جو پانی سر کے مسح کے لئے لیا گیا ہے وہی پانی کان کے مسح کے لئے کافی ہے امام مالکؒ کے نزدیک سنت یہی ہے اور اکثر علماء کا بھی یہی مسلک ہے، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک کان کے لئے الگ سے پانی لیا جائے۔

تخلیل اللحیة:۔ ڈاڑھی میں خلال کرنے کی نسبت فقہاء کرام سے چار قول منقول ہیں۔ (۱) مسنون (۲) مستحب (۳) واجب (۴) جائز۔ امام شافعیؒ اور امام یوسفؒ مسنون کے قائل ہیں۔ امام محمدؒ سے بھی ایک روایت ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ امام ابو حنیفہؒ مستحب کے قائل ہیں۔ سعید ابن جبیر اور عبدالحکیم مالکی واجب کے قائل ہیں۔ چوتھا قول جائز کا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کرنے والا بدعتی نہیں کہلائے گا تخلیل اللحیہ کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ڈاڑھی کے نیچے کر کے باہر اوپر کو نکالے۔

الاصابع:۔ دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا۔ ہاتھ کی انگلیوں کے خلال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پھنسائی جائے۔ پیر کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے خلال کیا جائے۔ دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر جا کر ختم کرے۔

وتکرار الغسل:۔ اور تین مرتبہ دھونا سنت مؤکدہ ہے۔ بلا کسی مجبوری کے اعضاء کا صرف ایک بار دھونا مکروہ ہے جیسا کہ نہایہ میں ہے۔ اگر عادت بنالی تو گناہ ہے اور تین بار سے زیادہ بدعت ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔

وَيَسْتَحِبُّ لِلْمُتَوَضِّئِ أَنْ يَنْوِيَ الطَّهَارَةَ وَيَسْتَوْعِبَ رَاسَهُ بِالْمَسْحِ.

ترجمہ:۔ وضو کرنے والے کے حق میں مستحب یہ ہے کہ وہ طہارت کی نیت کرے اور اپنے سارے سر کو مسح کے ساتھ گھیرے۔

﴿مستحبات وضو کا بیان﴾

حل لغات:۔ ینوی۔ نوی الشئی ینوی نَوَاۃً ونِیَّۃً ارادہ کرنا۔ نیت کرنا۔ یَسْتَوْعِب۔ اِسْتَوْعَب استیعاباً۔ سب لے لینا۔ گھیر لینا۔

خلاصہ:۔ یہاں وضو کے مستحبات بیان کئے جا رہے ہیں۔ صاحب قدوری نے اس کتاب میں چھ مستحب کا ذکر کیا ہے یہاں دو کا بیان ہے۔ (۱) طہارت کی نیت کرنا۔ (۲) ایک مرتبہ سارے سر کا مسح کرنا۔

تشریح:۔ ان ینوی الطھارۃ:۔ نیت قلب کے پختہ ارادے کا نام ہے۔ اور شرعی طور پر اطاعت ربانی یا تقرب خداوندی کے ارادہ کا نام ہے۔ وضو میں نیت ازالہ حدث کی مقصود ہوتی ہے۔ یا ایسی عبادت کی جو بلا طہارت کے درست نہ ہو۔ اس موقع سے ایک اصول یاد رکھیں کہ متاخرین کی اصطلاح میں مستحب، سنت کے مقابلہ میں ہے، اور متقدمین کی

اصطلاح میں استحباب کے معنی عام ہیں کہ اس زمرے میں سنت اور واجب آجاتے ہیں۔
احناف نیت کو مسنون قرار دیتے ہیں۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے یہاں نیت فرض ہے۔ نیت کا مقصد عبادات اور عادات کے درمیان امتیاز پیدا کرنا ہوتا ہے۔ نیت برائے عبادت فرض قرار دی گئی ہے۔ آیت کریمہ " وَمَا اُمِرُوا اِلَّا لِیَعْبُدُ وا اللهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ "میں اخلاص سے نیت مراد ہے اور عبادات کے علاوہ کسی جگہ مسنون اور کسی جگہ مستحب ہے۔ مقام نیت دل ہے اور زبان سے اس کا اظہار مسنون ہے۔

ویستوعب:۔ سارے سر کا ایک مرتبہ مسح کرنا سنت مؤکدہ ہے صاحب قدوری کے نزدیک معنی استحباب متقدمین کے عام معنی کے اعتبار سے ہے۔ شوافع کے یہاں سر کا مسح تین مرتبہ اور ہر بار نئے پانی سے کرنا مسنون ہے۔

مسح راس کا طریقہ:۔ دونوں ہتھیلیاں اور دونوں ہاتھ کی تین تین انگلیاں سر کے اگلے حصہ پر رکھے، اور دونوں انگوٹھوں اور شہادت کی انگلیوں اور ہتھیلی کو جدا رکھ کر انھیں پیچھے کی طرف کھینچ لے جائے۔ پھر دونوں ہتھیلیوں کو سر کے دونوں جانب سے کھینچتا ہوا آگے کی طرف لے آئے پھر دونوں انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے ظاہر کا اور شہادت سے دونوں کانوں کے باطن کا مسح کرے اور دونوں ہاتھوں کے ظاہر سے اپنی گردن کا مسح کرے جیسا کہ فتح القدیر اور نہایہ میں ہے۔

وَیُرَتِّبُ الْوُضُوْءَ فَیَبْتَدِأُ بِمَا بَدَأَ اللهُ تَعَالیٰ بِذِکْرِہٖ وَبِالْمَیَامِنِ وَالتَّوَالِیُ وَمَسْحُ الرَّقَبَةِ.

ترجمہ:۔ اور وضو کو مرتب کرے پس اس عضو سے شروع کرے جس کے ذکر سے اللہ نے شروع فرمایا۔ اور دائیں عضو سے شروع کرنا، پے درپے دھونا، گردن کا مسح کرنا۔

حل لغات: یرتب۔ باب تفعیل سے ہے مصدر ترتیب آتا ہے۔ مرتبہ کے لحاظ سے رکھنا۔ ترتیب وار رکھنا۔ بَدَأَ۔ بدأ الشئی وَبِهٖ (ف) بَدْأً شروع کرنا۔ پہلے کرنا۔ بدأ بِذِکْرِ اللهِ اللہ کے ذکر سے شروع کرنا۔ المیامن۔ یہ میمنہ کی جمع ہے، داہنی جانب کا دستہ۔ التوالی۔ باب تفاعل کا مصدر ہے پے درپے ہونا۔ اسکا اصل مادہ وَلِیَ ہے۔ الرَّقَبَة۔ گردن۔ ج رِقَاب۔

خلاصہ:۔ اس سے پہلے دو مستحب کا بیان ہوا۔ یہاں بقیہ چار کا تذکرہ ہے۔ (۱) وضو کے اعضاء مفروضہ میں ترتیب کی رعایت کرنا یعنی قرآن کریم میں جو ترتیب بیان کی گئی ہے اس ترتیب کا لحاظ رکھنا۔ (۲) اعضاء کو دھوتے وقت داہنی جانب سے آغاز کرنا۔ (۳) پے درپے وضو کرنا۔ (۴) گردن کا مسح کرنا۔

تشریح:۔ یرتب:۔ اس لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ترتیب مسنون وہ ہے جو آیت کریمہ " فاغسلوا وجوھکم الآیة "میں ہے یعنی پہلے چہرہ، پھر دونوں ہاتھ، پھر سر کا مسح اس کے بعد دونوں پاؤں کا دھونا۔ ترتیب کا استحباب صاحب قدوری کے یہاں ہے جو متقدمین کے یہاں سنت ہے۔ علماء احناف کے یہاں یہ ترتیب مسنون ہے اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ترتیب فرض ہے۔ گویا ترتیب کی رعایت کے بغیر وضو نہیں ہوگا۔

وبالمیامن:۔ یعنی اعضاء وضو دھوتے وقت دائیں جانب سے ابتداء مستحب ہے۔

والتوالی:۔ یعنی اعضاء وضو اس طرح پے درپے دھوئے کہ ایک عضو کے خشک ہونے سے قبل دوسرا عضو

دھوئے۔ صاحب قدوری کی اصطلاح کے مطابق مستحب ہے۔ احناف کے یہاں مسنون ہے۔ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک فرض ہے۔

ومسح الرقبة:۔ گردن کے مسح کو مستحبات میں سے شمار کیا گیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں مسنون ہے۔ اکثر فقہاء کا راجح قول یہی ہے۔ دونوں ہاتھوں کی پشت سے گردن کا مسح کرنا مستحب ہے۔ اور حلق کا مسح بدعت ہے (فتح القدیر)

عام کتب فقہ میں مستحبات وضوء میں سے صرف دو یعنی تیامن اور مسح رقبہ کا تذکرہ ملتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ مستحبات وضو کی تعداد بس دو ہے بلکہ تنویر الابصار، در مختار اور طحطاوی میں ذکر کردہ تعداد کے مطابق مستحبات کی تعداد تینتالیس (۴۳) تک پہونچتی ہے۔

وَالْمَعَانِيُ النَّاقِضَةُ لِلْوُضُوْءِ كُلُّ مَا خَرَجَ مِنَ السَّبِيْلَيْنِ.

ترجمہ:۔ جو اسباب وضو کو توڑنے والے ہیں ہر وہ چیز ہے جو پیشاب اور پاخانہ کی راہ سے نکلنے۔

وضوء توڑنے والی چیزیں

حل لغات:۔ **المعانی**۔ یہ معنیٰ کی جمع ہے مقصود، مدلول۔ یہاں اسباب وعلل کے معنیٰ میں ہے۔ **الناقضة**۔ یہ نقض سے صفت کا صیغہ ہے۔ توڑنے والی چیزیں نقض کی اضافت جب کسی بھی جسم کی جانب ہوتی ہے تو مقصد اس کے ترکیبی اجزاء کو جدا کرنا ہوتا ہے۔ جیسے نَقَضَ الْعَظْمَ (ن) نَقْضاً۔ ہڈی توڑنا۔ نَقَضَ الْبِنَاءَ۔ عمارت ڈھانا۔ اور جب اضافت معانی کی طرف ہوتی ہے تو اس کا معنیٰ نفع مقصود کو ختم کرنا ہوگا۔ جیسے نقض وضو، نقض عہد۔ اس سے جو فائدہ مقصود تھا۔ وہ ختم ہوگیا، وضو سے فائدہ نماز کا مباح ہونا تھا وہ ختم ہوگیا۔

تشریح:۔ **المعانی**:۔ فرائض، سنن اور مستحبات کے بیان سے فراغت کے بعد اب نواقض وضو کا بیان ہے۔ نواقض وضو تین طرح کے بیان کئے جاتے ہیں۔ (۱) جسم سے خارج ہونے والی شئی۔ (۲) جسم کے اندر داخل ہونے والی شئی۔ (۳) انسانی احوال وکیفیات۔ بقیہ اقسام جو بھی متفرع ہونگی اسی کی روشنی میں متفرع ہونگی۔ خواہ بول وبراز کے راستہ سے نکلنے والی ہوں یا کسی اور راستہ سے مثلاً بذریعہ فم یا زخم وغیرہ۔ عادت کے مطابق ہوں یا خلاف عادت بول وبراز کے راستہ سے داخل ہونے والی ہوں مثلاً حقنہ یا اس کے علاوہ بذریعہ فم یعنی کھانا وغیرہ۔ یا انسانی کیفیت بطور عادت ہو جیسے سونا یا خلاف عادت جیسے قہقہہ، عقل کا مغلوب ہونا۔ قسم اول ودوم کو ناقض وضو حقیقی اور قسم سوم کو حکمی کہتے ہیں۔

صاحب قدوری کا طریقہ ہے کہ پہلی فرصت میں متفق علیہ مسائل کو زیر بحث لاتے ہیں اس کے بعد اختلافی مسائل کو بیان کرتے ہیں۔ اسی اصول کے مطابق فرماتے ہیں کہ بول وبراز کی راہ سے نکلنے والی چیز ناقض وضو ہے اس پر سب کا اتفاق ہے اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نقض وضو کے لئے سیلان شرط نہیں ہے۔ "کل ما خرج" میں کلمہ کل میں اتنی عمومیت ہے کہ یہ حکم معتاد اور غیر معتاد سب کو شامل ہے۔ خارج ہونے والی معتاد اشیاء کے نقض وضو کے متعلق سب کا اتفاق ہے

البتہ غیر معتاد کے بارے میں صرف امام مالکؒ کا اختلاف ہے آپ کے یہاں نقض کے لئے معتاد ہونا شرط ہے البتہ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے یہاں غیر معتاد سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

وَالدَّمُ وَالْقَیحُ وَالصَّدِیْدُ اذا خَرَجَ مِنَ الْبَدَنِ فَتَجَاوَزَ اِلٰی مَوْ ضَعٍ یَلْحَقُهٗ حُکْمُ التَّطْهِیرُ وَالْقَیْئُ اذا کَانَ مَلأَ الْفَمِ.

ترجمہ:۔ اور خون، پیپ اور کچ لہو جب کہ (زندہ انسان کے) بدن سے نکلے اور ایسے مقام کی طرف تجاوز کرے اور بہے جس کو پاک کرنے کا حکم آپہونچے یعنی ہو اور قئی جبکہ منہ بھر کے ہو۔

حل لغات:۔ القیح۔ پیپ جس میں خون کی آمیزش نہ ہو۔ الصدید۔ پیپ جس میں خون کی آمیزش ہو۔ تجاوز تجاوز الموضع تَجَاوزاً۔ تجاوز کرنا۔ گزر جانا۔ یلحقه۔ (س) لَحقاً ولَحَاقاً۔ پالینا، آملنا۔ آپہونچنا۔ تینوں معنیٰ قریب قریب ہیں۔ مِلأ مصدر (س) بھرنا۔ پر ہونا۔ الفم منہ۔

خلاصہ:۔ خون پیپ اور خون آمیزش پیپ ایک زندہ انسان کے جسم سے خارج ہو کر ایسے مقام کی طرف بڑھیں جس کے واسطے وضو یا غسل میں اس مقام کو شریعت نے پاک کرنے کا حکم دیا ہو۔ تو اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا اور اسی طرح منہ بھر کی قئی بھی ناقض وضو ہے۔

تشریح:۔ والدم الخ:۔ اس سے پہلے خارج من سبیلین سے نقض وضوء کا بیان تھا اب یہاں ان نواقض وضو کو بیان کر رہے ہیں جو خارج من غیر سبیلین ہیں۔ اس موقع پر ائمہ ثلاثہ، امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک خارج من غیر سبیلین مطلقاً ناقض وضوء نہیں ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک مطلقاً ناقض وضو ہے چنانچہ نہ تو سیلان شرط ہے اور نہ ہی مقدار کی قلت و کثرت کا کوئی لحاظ ہے اس لئے خون یا پیپ کا ظہور اور قئی قلیل ناقض وضوء ہے۔ حنفیہ کے یہاں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ظہور کافی نہیں بلکہ سیلان شرط ہے گو بالفعل نہیں بلکہ سیلان کی قوت و استعداد کافی ہے مثلاً خون زخم کے اوپر اتنی مقدار میں ہو کہ بہہ سکتا ہو مگر اسے کسی طریقہ سے سیلان سے روک دیا گیا تو ایسی صورت میں وضو ٹوٹ جائیگا اس کی شکل یہ ہے کہ خون بتدریج بہہ رہا ہے اور بار بار صاف کرنے کی وجہ سے بہنا بند ہو جائے تو ایسی صورت میں وضو ٹوٹ جائیگا۔ اور قے منہ بھر کر ہو تو وضو ٹوٹ جائیگا۔

وَالنَّوْمُ مُضْطَجِعاً اَوْ مُتَّکِئاً اَوْ مُسْتَنِداً اِلیٰ شئيٍ لَوْ اُزِیْلَ لَسَقَطَ عَنْهُ وَالْغَلَبَةُ عَلَی الْعَقْلِ بِالاِغْمَاءِ وَالْجُنُوْنُ وَالْقَهْقَهَةُ فِیْ کُلِّ صَلوٰةٍ ذَاتِ رُکُوعٍ وسُجُوْدٍ.

ترجمہ:۔ اور سونا پہلو کے بل یا سہارا لیکر یا ٹیک لگا کر ایسی چیز کا کہ اگر وہ ہٹادی جائے تو وہ گر پڑے اور بیہوشی کے سبب عقل کے مغلوب ہونے۔ اور پاگل پن سے اور رکوع و سجود والی ہر نمازیں قہقہہ کرنے سے۔

حل لغات:۔ مضطجعاً۔ پہلو کے بل۔ مُتکئاً۔ سہارا لے کر یعنی سرین کے بل سہارا لے کر۔ مستنداً ٹیک

لگا کر یعنی کسی دیوار یا کسی کھمبے کو ٹیک لگا کر۔ اُزِیلَ باب افعال سے فعل ماضی مجہول۔ ہٹانا۔ سَقَطَ۔ باب (ن) مصدر سُقُوط۔ گرنا۔ اغماء۔ بیہوشی ایسی بیماری ہے جس سے عقل مستور ہو جاتی ہے۔ جنون۔ پاگل پن ایسی بیماری ہے جس سے عقل زائل و ختم ہو جاتی ہے۔ قهقهه زور سے ہنسنا۔

خلاصہ:۔ اس سے پہلے حقیقی نواقض وضو کا بیان تھا اب یہاں حکمی نواقض وضو کا بیان ہے چنانچہ اگر ایک انسان کروٹ یا پہلو کے بل یا کسی ایک سرین کا سہارا لیکر یا کسی دیوار وغیرہ کو ٹیک لگا کر سو جائے اور ان سہاروں کو ہٹانے کی صورت میں وہ شخص گر سکتا ہے تو ایسی صورت میں وضو ٹوٹ جائیگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بیہوش ہو جائے جس میں انسان مغلوب العقل اور مستور العقل ہو جاتا ہے یا پاگل ہو جائے جس میں عقل زائل و ختم ہو جاتی ہے یا ہر رکوع و سجدہ والی نماز میں قہقہہ لگائے تو ایسی صورت میں بھی وضو ٹوٹ جائیگا۔

تشریح:۔ والغلبة على العقل بالاغماء الخ:۔ بیہوشی و جنون کا حکم اختیارات اور قدرت کے ختم ہونے میں نیند سے زیادہ سخت ہے کیونکہ ان دونوں کو وہ ہوشیاری حاصل نہیں ہوتی جو ایک نیند سے بیدار شخص کو حاصل ہوتی ہے۔

القهقهة:۔ ہنسنا تین طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) ایسا زور سے ہنسے کہ خود بھی سنے اور آس پاس کے لوگ بھی اس آواز کو سنیں اس کا نام قہقہہ ہے۔ (۲) ایسا ہنسے کہ دوسروں تک آواز نہ پہونچے اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ وضو باقی رہتا ہے۔ اس کا نام ضحک ہے۔ (۳) ایسی ہنسی جس میں دانت کے نظر آنے کے علاوہ کوئی آواز نہ ہو۔ اس سے نماز و وضو دونوں باقی رہتے ہیں۔ اس کا نام تبسم ہے۔

مذکورہ بالا حکم عاقل بالغ نمازی کے لئے ہے جبکہ نماز کی حالت میں ہو۔

صاحب کتاب نے مجموعی طور پر آٹھ نواقض وضو کا تذکرہ کیا ہے اور صاحب نور الایضاح نے بارہ کی تعداد بتائی ہے۔

وَفَرْضُ الغُسْلِ اَلْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ وَغَسْلُ سَائِرِ الْبَدَنِ وَسُنَّةُ الْغُسْلِ اَنْ يَبْدَأَ الْمُغْتَسِلُ بِغَسْلِ يَدَيْهِ وَفَرْجِهٖ وَيُزِيْلُ النَّجَاسَةَ اِنْ كَانَتْ عَلٰى بَدَنِهٖ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ اِلَّا غَسْلَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى رَاسِهٖ وَعَلٰى سَائِرِ بَدَنِهٖ ثَلٰثًا ثُمَّ يَتَنَحّٰى عَنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ فَيَغْسِلُ رِجْلَيْهِ.

ترجمہ:۔ اور غسل کا فرض کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور تمام بدن کا دھونا ہے اور غسل کی سنت یہ ہے کہ مغتسل ابتداء کرے اپنے دونوں ہاتھ اور اپنی شرمگاہ کے دھونے سے، اور نجاست دور کرے اگر اس کے بدن پر ہو پھر وضو کرے (جیسے اپنی) نماز کے لئے اس کا وضو کرنا ہو۔ سوائے اپنے دونوں پاؤں کے دھونے کے۔ پھر پانی بہائے اپنے سر پر اور اپنے تمام بدن پر تین مرتبہ پھر اس مقام سے ہٹے اور اپنے دونوں پیر دھوئے۔

غسل اور اس کے فرائض وسنن کا بیان

حل لغات:۔ یزیل ۔افعال سے ہے دور کرنا صاف کرنا۔یفیض ۔باب افعال کا فعل مضارع افاض الماء پانی گرانا۔بہانا۔سائر ۔بقیہ ۔مراد تمام حصہ ہے۔ یتنحی ۔باب تفعل کا فعل مضارع۔ تَنَحّیٰ عن موضعه ہٹنا وجدا ہونا۔

خلاصه:۔ مصنف نے غسل کے تین فرض بیان کئے۔(۱) کلی کرنا۔(۲) ناک میں پانی ڈالنا۔(۳) تمام بدن کا دھونا۔اور غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے (کیونکہ یہ پاک کرنے کا آلہ ہیں) اور اپنی شرمگاہ کو دھوئے کیونکہ محل نجاست کیوجہ سے نجاست کا احتمال ہے۔اگر بدن پر نجاست حقیقی لگی ہو تو اسے بھی دور کرے۔ پھر جس طرح نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے اس طرح وضو کرے۔البتہ دونوں پاؤں کو اسوقت نہ دھوئے اس کے بعد اپنے سر پر اور پورے بدن پر تین مرتبہ پانی ڈالے پھر مقام غسل سے ہٹ کر دونوں پاؤں دھوئے۔البتہ اگر کسی وجہ سے مستعمل پانی کے جمع ہونے کا امکان نہ ہو تو پھر دونوں پاؤں کے دھونے میں تاخیر کی ضرورت نہیں ہے مثلاً کسی پٹرے پر بیٹھا ہو۔عصر حاضر کا غسل خانہ ڈھال دار ہوتا ہے۔

تشریح:۔ غسل کے مقابلہ میں وضو کی ضروت زیادہ ہے اور محل وضو جزء بدن ہے اور محل غسل، کل بدن ہے اور تقدیم الجزء علی الکل مسلم ہے اس لئے احکام وضو کو احکام غسل پر مقدم کیا گیا ہے۔

المضمضة الخ:۔ کلی کرنا ناک میں پانی ڈالنا امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے یہاں سنت ہے۔مگر احناف کے یہاں فرض ہے۔

ثم یتوضأ وضوء ہ:۔ اصح قول کے مطابق وضو کی طرح سر کا بھی مسح کرنا چاہئے۔اس عبارت سے اسی جانب اشارہ کرنا ہے۔

وَلَیْسَ عَلَی الْمَرْأَةِ ان تَنْقُضَ ضَفَائِرَهَا فِی الغُسْلِ اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ اُصُوْلَ الشَّعْرِ.

ترجمہ:۔ اور عورت پر واجب نہیں ہے کہ غسل میں اپنے گندھے ہوئے بالوں کو کھولے جبکہ پانی بالوں کی جڑوں میں پہنچ جائے۔

حل لغات:۔ ینقض۔ نَقَضَ الحَبْلَ (ن) نقضاً۔رسی کھولنا۔ضَفَائر ۔ضَفِیْرَةٌ کی جمع ہے گندھے ہوئے بال۔ اصول ۔جڑ۔وہ چیز جو فرع کے مقابل میں ہو پہلا معنی مراد ہے۔

تشریح ۔ ولیس علی المرأة:۔ غسل کا حکم جو بیان کیا جارہا ہے یہ حیض ونفاس سب کو شامل ہے۔اگر عورت کے سر کے بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچ جائے تو بالوں کو کھولنا واجب نہیں ہے کیونکہ اس میں مشقت ہے۔یہ جمہور فقہاء کے نزدیک ہے،امام احمدؒ کے نزدیک حائضہ عورت کو بال کھول کر پانی پہنچانا لازم ہے البتہ جنابت کی صورت میں نہیں ہے۔ المرأة۔ کی قید بتاتی ہے کہ مرد کے لئے بالوں کو کھول کر دھونا واجب ہے۔اسی طرح مردوں کی ڈاڑھی میں پانی پہنچانا واجب ہے کیونکہ اس میں کوئی مشقت نہیں ہے۔

وَالْمعانِیْ الْمُوْجبَۃُ اِنْزَالُ الْمنِیِّ علیٰ وَجْہِ الدَّفَقِ وَالشَّھْوَۃِ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْاَۃِ وَالْتِقَاءُ الختانَیْنِ مِنْ غَیْرِ اِنْزَالٍ وَالْحَیْضُ وَالنِفَّاسُ.

ترجمہ:۔ غسل واجب کرنے کے اسباب۔ انزال منی شہوت اور کودنے کے طور پر مرد سے ہو یا عورت سے اور باہم دونوں ختان (شرمگاہ) کا بغیر انزال کے ملنا۔ اور حیض اور نفاس۔

﴿موجبات غسل کا بیان﴾

حل لغات:۔ الدفق۔ اچھل کر یا کود کر بہنا۔ التقاء۔ مصدر، ملنا۔ ختانین۔ حالت جری میں ہے ختان کا تثنیہ ہے عورت اور مرد کے ختنہ (قطع) کرنے کی جگہ۔

خلاصہ:۔ صاحب قدوری نے اس عبارت میں موجبات غسل کو بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ اگر منی کود کر اور شہوت کے ساتھ نکلتی ہے تو حنفیہ کے یہاں غسل واجب ہوتا ہے انزال منی خواہ مرد سے ہو یا عورت سے، حالت نوم میں ہو یا حالت بیداری۔ اسی طرح اگر ختانین باہم مل جائیں اور حشفہ (سپاری) عورت کی شرمگاہ میں چھپ جائے تو دونوں پر غسل واجب ہوگا انزال ہو یا نہ ہو۔ اور حیض و نفاس بھی موجبات غسل ہیں۔ گویا یہاں چار موجبات ذکر کئے گئے۔ (۱) انزال منی مع الشہوت۔ (۲) التقاء ختانین۔ (۳) حیض۔ (۴) نفاس۔

تشریح:۔ حنفیہ کے یہاں وجوب غسل کے لئے منی کا مع الشہوت نکلنا شرط ہے۔ امام مالک اور امام شافعیؒ کے یہاں وجوب غسل کیلئے مطلق خروج منی کافی ہے، شہوت اور عدم شہوت کی کوئی قید نہیں ہے۔ علماء احناف کے یہاں بالاتفاق وجوب غسل کیلئے منی کے اپنی جگہ سے جدا ہوتے وقت شہوت کا پایا جانا شرط ہے مگر عضو تناسل سے نکلتے وقت شہوت شرط ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ طرفین کے یہاں ظہور منی کے وقت شہوت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے مگر امام یوسفؒ کے یہاں اسوقت بھی شہوت شرط ہے۔ التقاء الختانین۔ یہ جملہ بتاتا ہے کہ نفس ادخال موجبات غسل ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

وَسَنَّ رَسُوْلُ اللہِ صَلیَّ اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْغُسْلَ لِلْجُمْعَۃِ وَالْعِیْدَیْنِ والْاِحْرَامِ وعرفۃَ وَلَیْسَ فِی الْمَذِی وَالْوَدِی غُسْلٌ وَفِیْھِمَا الْوُضُوْءُ.

ترجمہ:۔ اور رسول خدا ﷺ نے جمعہ، عیدین، احرام اور عرفہ کے لئے غسل کو مسنون فرمایا، اور مذی اور ودی میں غسل نہیں ہے اور ان دونوں میں وضو ہے۔

غسل مسنون کا ذکر

حل لغات:۔ سنن۔ فعل ماضی۔ سن علیھم السُّنَّۃَ (ن) سنًا طریقہ مقرر کرنا۔ عرفہ۔ نوذی الحجہ۔ مذی۔ ایک طرح کا رقیق سفید مادہ ہے جو اکثر بیوی سے ملاعبت کے نتیجہ میں اچھلے بغیر خارج ہوتا ہے۔ ودی۔ منی سے مشابہت

رکھنے والا غلیظ مادہ ہے جس کے ایک یا آدھ قطرہ کا خروج پیشاب کے بعد ہوتا ہے۔

خلاصہ:۔ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ چار صورتوں میں غسل مسنون ہے۔(۱) جمعہ (۲) عیدین (۳) عرفہ (۴) احرام۔ مذی اور ودی خارج ہونے کی صورت میں غسل واجب نہیں بلکہ محض وضو کافی ہے (بعض حضرات ان چاروں کو مستحب قرار دیتے ہیں۔)

تشریح:۔ سنن:۔ جمہور علماء کے نزدیک یوم جمعہ کا غسل مسنون ہے۔ صاحب ہدایہ نے امام مالک سے وجوب کا قول نقل کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اتنی بات ذہن نشیں رہے کہ یہ تحقیق ناقابل اعتماد ہے بلکہ ابن عبد البر مالکی اور حضرت اشہب کا قول معتبر ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک یوم جمعہ کا غسل مسنون اور حسن ہے۔ امام محمدؒ سے کتاب مبسوط میں یوم جمعہ کے غسل کے متعلق لفظ حسن منقول ہے۔ اور اس لفظ حسن میں مسنون و مستحب دونوں کا احتمال ہے وجہ یہ ہے کہ متقدمین فقہا لفظ حسن کو معنیٰ عموم میں استعمال کرتے ہیں جس کے تحت مسنون و مستحب بلکہ واجب بھی داخل ہو جاتے ہیں۔ امام یوسفؒ کے نزدیک غسل جمعہ نماز جمعہ کے لئے ہے اور حسن بن زیاد کے نزدیک غسل جمعہ یوم جمعہ کے لئے ہے نتیجہ یہ ہے کہ ایک شخص نے جمعہ کو غسل کیا اور حدث کے لاحق ہونے کی وجہ سے نماز کے لئے اس کو وضو کرنا پڑا تو امام یوسفؒ کے نزدیک سنت غسل ادا نہ ہوئی اور حسن بن زیاد کے نزدیک سنت ادا ہو گئی۔

وَالطَّهَارَةُ مِنَ الْاَحْدَاثِ جَائِزَةٌ بِمَاءِ السَّمَاءِ وَالْاَوْدِيَةِ وَالْعُيُوْنِ وَالْاٰبَارِ وَمَاءِ الْبِحَارِ وَلَا تَجُوْزُ الطَّهَارَةُ بِمَاءٍ اُعْتُصِرَ مِنَ الشَّجَرِ وَالثَّمرِ وَلَا بِمَاءٍ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ فَاَخْرَجَهٗ عَنْ طَبْعِ الْمَاءِ كَالْاَشْرِبَةِ وَالْخَلِّ وَالْمَرقِ وَمَاءِ الْبَاقِلاءِ وَمَاءِ الْوَرد وَمَاءِ الزَّرْدَجِ

ترجمہ:۔ ہر قسم کی حدث سے پاکی حاصل کرنا بارش، وادیوں، چشموں، کنوؤں اور سمندروں کے پانی کے ذریعہ جائز ہے اور (پاکی حاصل کرنا) ایسے پانی سے جائز نہیں ہے جو درخت اور پھل سے نچوڑے گئے ہوں اور ایسے پانی سے بھی جائز نہیں ہے جس پر پانی کے علاوہ کوئی اور شئی غالب ہو گئی ہو اور اس نے پانی کو اپنی طبیعت سے نکال دیا ہو۔ جیسے ہر قسم کے شربت سرکہ، شوربا، عرق باقلاء، عرق گلاب، عرق زردک۔

﴿پانی کے احکام﴾

حل لغات:۔ الطهارة۔ سے مراد وضو و غسل لیا گیا ہے۔ الاحداث۔ یہ حدث کی جمع ہے۔ الف لام عہد کا ہے ہر قسم کی ناپاکی جیسے بول و براز حیض و نفاس وغیرہ۔ ماء السماء۔ بارش کا پانی۔ سماء سے مراد بارش ہے۔ الاودية۔ وادی کی جمع ہے۔ ایسی کشادگی جو پہاڑوں اور ٹیلوں کے درمیان ہوتی ہے۔ جنگل کا پانی مراد ہے جو بارش کے پانی سے بہہ کر جمع ہو جائے جیسے ندی نالہ جھیل کا پانی۔ اس کو فارسی میں رود کہتے ہیں۔ عیون۔ عین کی جمع ہے چشمہ۔ آبار۔ بئر کی جمع ہے کنواں۔ بحار۔ بحر کی جمع ہے۔ دریا سمندر۔ اعتصر۔ باب افتعال سے ماضی مجہول ہے۔ نچوڑ لیا گیا ہو۔ حاصل کر لیا گیا ہو۔

شجر۔ درخت جمع اشجار۔ ثمر۔ پھل جمع اثمار۔ الاشربة۔ ہر پینے کی چیز مراد شربت ہے واحد الشَّرابُ۔ الخل۔ سرکہ۔ المرق۔ شوربا۔ الباقلاء۔ اس میں دو شکل اور ہے الباقلی اور الباقلی۔ لوبیا۔ ورد۔ گلاب کا پھول۔ زردج۔ گاجر۔

خلاصہ:۔ صاحب قدوری طہارت تین یعنی وضو اور غسل سے فراغت کے بعد ان چیزوں کو بیان کر رہے ہیں جن سے پاکیزگی اور طہارت حاصل کی جاسکتی ہے فرماتے ہیں کہ بارش کے پانی، وادیوں، اور جنگلوں کے پانی، چشموں کے پانی، کنوؤں کے پانی اور دریاؤں اور سمندروں کے پانی کے ذریعہ ہر قسم کی حدث (اور نجاست) سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے خواہ حدث اصغر ہو یا حدث اکبر۔ اور درختوں سے یا پھلوں سے نکالے گئے پانیوں سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ایسے پانی سے بھی پاکی حاصل کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے جس کے ساتھ کوئی دوسری چیز مل کر پانی پر غالب آگئی ہو یہاں تک کہ پانی کو اس کی طبیعت سے خارج کر دیا ہو (اور پانی کی طبیعت رقت و سیلان ہے) جیسے شربت۔ سرکہ، شوربا، عرق گلاب، عرق لوبیا، عرق زردک۔ عرق لوبیا سے مراد ہے کہ لوبیا جو پانی میں پکایا گیا ہو اور اس میں اتنا تغیر آگیا ہو کہ ٹھنڈا ہونے پر اس میں گاڑھا پن آجائے۔

تشریح:۔ جائزۃ:۔ یہ لفظ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ اگر سارے پانی یا کوئی ایک میسر ہوں اور وقت میں کشادگی ہو تو اس صورت میں جائز ہے لیکن اگر تمام سہولت کے باوجود وقت تنگ ہو تو اس وقت جو بھی موجود ہو اس سے پاکی حاصل کرنا واجب ہے۔

بماءٍ اعتصر:۔ پھل سے نکالا گیا یا نچوڑا گیا پانی ماء مطلق نہیں ہے اس لئے بالاتفاق اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ مگر لفظ اعتصر صیغہ مجہول یہ بتاتا ہے کہ اگر پانی از خود انگور وغیرہ سے ٹپکا ہو تو ایسے پانی سے وضو درست ہو جائیگا۔ ہدایہ اور جوامع یوسف میں ایسا ہی درج ہے۔

ولا بماءٍ غلب علیه غیره:۔ غلبہ غیر کی قید بتاتی ہے کہ اگر پانی غالب اور دوسری چیز مغلوب ہو تو اس پانی سے حصول طہارت درست ہے۔

ایک مسئلہ قابل غور ہے کہ اگر پانی پر کوئی دوسری چیز کا غلبہ ہو جائے تو اس غلبہ میں اوصاف کا لحاظ کیا جائے گا یا اجزاء کا۔ اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے مگر قول فیصل یہ ہے کہ اعتبار اجزاء کا ہوگا۔ صاحب ہدایہ اور امام ابو یوسفؒ اسی کے قائل ہیں صاحب قدوری اور امام محمدؒ کے نزدیک اوصاف و الوان کا اعتبار ہوگا۔ تفصیلی بحث ہدایہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

وَ تَجُوزُ الطَّهَارَةُ بِمَاءٍ خَالَطَهُ شَيْئٌ طَاهِرٌ فَغَيَّرَ اَحَدَ اَوْصَافِهٖ كَمَاءِ الْمَدِّ وَالْمَاءِ الَّذِىْ يَخْتَلِطُ بِهِ الْاِشْنَانُ وَالصَّابُوْنُ وَالزَّعْفَرَانُ وَكُلُّ مَاءٍ دَائِمٍ اِذَا وَقَعَتْ فِيْهِ نَجَاسَةٌ لَمْ يَجُزِ الْوُضُوْءُ بِهٖ قَلِيْلاً كَانَ اَوْ كَثِيْراً لِاَنَّ النَّبِىَّ صلى الله عليه وسلم اَمَرَ بِحِفْظِ الْمَاءِ مِنَ النَّجَاسَةِ فَقَالَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِى الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا يَغْتَسِلَنَّ فِيْهِ مِنَ الْجَنَابَةِ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهٖ فَلَا يَغْمِسَنَّ يَدَهٗ فِى الْاِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثاً فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِىْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ.

ترجمہ۔ اور پاکی حاصل کرنا جائز ہے ایسے پانی سے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو اور پانی کے اوصاف میں سے کسی ایک کو بدل دیا ہو جیسے سیلاب کا پانی اور ایسا پانی کہ جس میں اشنان، صابون اور زعفران مل گیا ہو۔ اور ہر ایسا پانی جو رکا ہوا ہو اگر اس میں کوئی ناپاکی گر جائے تو اس پانی سے وضو جائز نہیں ہوگا۔ (خواہ نجاست) تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے ناپاکی سے پانی کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں جنابت و ناپاکی کا غسل کرے۔ اور آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنے ہاتھ برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اسے تین بار دھوئے کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ اس کا ہاتھ رات بھر کہاں رہا۔

حل لغات:۔ **خالطة**۔ باب مفاعلة سے ہے ملنا۔ **المد**۔ سیلاب جمع **مدود**۔ **یختلط**۔ باب افتعال سے ہے ملنا۔ **الاشنان**۔ ایک قسم کی نبات ہے جو ہاتھ دھونے میں استعمال ہوتی ہے۔ **دائم**۔ اسم فاعل ٹھہرا ہوا، باب (ن) سے ہے۔ **یَبُولَنَّ**۔ فعل مضارع بانون ثقیلہ۔ پیشاب کرنا۔ باب (ن) سے مصدر بول ہے۔ **استیقظ**۔ باب استفعال سے۔ بیدار ہونا۔ **یَغمِسَنَّ** فعل مضارع بانون ثقیلہ۔ باب (ض) سے حیلہ سے جانا۔ **باتت**۔ باب (ض، س) بیتاً و بیتوتۃً رات گذارنا۔

خلاصہ:۔ اگر پانی میں کوئی پاک چیز مل گئی اور اس سے پانی کے تینوں اوصاف رنگ، مزہ، بو میں سے کوئی ایک وصف بدل گیا تو اس پانی سے وضو کرنا جائز ہے جیسے سیلاب کا پانی، یا اشنان یا صابون یا زعفران ملا ہوا پانی، اگر پانی ایک جگہ ٹھہرا ہوا ہو اور اس میں کوئی نجاست گر جاتی ہے تو اس پانی سے وضو جائز نہیں ہوگا یہ نجاست خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ کیونکہ حضور ﷺ نے پانی کے نجاست سے تحفظ کا حکم فرمایا ہے۔ اس کے دلیل میں صاحب قدوری حضور ﷺ کا دو فرمان نقل کرتے ہیں۔ حضور کا ارشاد الخ ترجمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

تشریح۔ **وتجوز الطهارة**:۔ اس عبارت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر پانی کے دو وصف یا زیادہ متغیر ہو گئے ہوں تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر اصح قول کے مطابق وضو کرنا جائز ہے۔

والماء الذی یختلط به:۔ امام شافعیؒ کے نزدیک زعفران اور اس طرح کی اشیاء جو زمین کی جنس سے شمار نہیں ہوتیں ان کے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ پانی مقید کہلاتا ہے جبکہ یہ بھی مطلق ہے جیسے چشمہ اور کنویں کا پانی مطلق ہے۔

وکل ماء دائم اذا وقعت:۔ ٹھہرے ہوئے پانی کا جو حکم اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ احناف کے یہاں ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اوصاف ثلثہ میں سے اگر کوئی وصف نہیں ہے تو اس وقوع نجاست کے باوجود وضو کرنا صحیح ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک پانی اگر دو مٹکوں کی مقدار میں ہے تو اس سے وضو جائز ہے اور کم کی صورت میں جائز نہیں ہے۔

وَاَمَّا الْمَاءُ الْجَارِیْ اِذَا وَقَعَتْ فِیْهِ نَجَاسَةٌ جَازَ الْوُضُوْ مِنْهُ اِذَا لَمْ یُرَ لَهَا اَثَرٌ لِاَنَّهَا لَا تَسْتَقِرُّ مَعَ جَرْیَانِ الْمَاءِ وَالْغَدِیْرُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ لَا یَتَحَرَّكُ اَحَدُ طَرَفَیْهِ بِتَحْرِیْكِ الطَّرَفِ الْاٰخَرِ اِذَا وَقَعَتْ فِیْ اَحَدِ جَانِبَیْهِ نَجَاسَةٌ جَازَ الْوُضُوْءُ مِنَ الْجَانِبِ الْاٰخَرِ لِاَنَّ الظَّاهِرَ

اَنَّ النَّجَاسَةَ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ وَمَوْتُ مَالَيْسَ لَهُ نَفْسٌ سَائِلَةٌ فِي الْمَاءِ لَا يُفْسِدُ الْمَاءَ كَالْبَقِّ وَالذبَابِ والدَّنَابِيْرِ وَالعَقَارِبِ وَمَوْتُ مَايَعِيْشُ فِي الْمَاءِ اِذَا مَاتَ فِي الْمَاءِ لَا يُفْسِدُ الْمَاءَ كَالسمك والضفدع والسرطان.

ترجمہ۔ لیکن جاری پانی میں جب نجاست گر جائے تو اس سے وضو جائز ہے جب تک کہ اس کا اثر دکھائی نہ دے۔ کیونکہ نجاست پانی کے بہاؤ کے ساتھ نہیں ٹھہرتی ہے، اور بڑا تالاب وہ ہے جس کی ایک جانب دوسری جانب کو حرکت دینے سے متحرک نہ ہو جب اس کی ایک جانب نجاست پڑ جائے تو دوسری جانب سے وضو کرنا جائز ہے، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ نجاست دوسری جانب نہیں پہونچی ہو گی۔ اور پانی میں ایسے جانور کا مرنا جس میں بہنے والا خون نہ ہو تو وہ اس پانی کو خراب نہیں کرتا ہے جیسے مچھر، مکھی، بھڑ اور بچھو۔ اور پانی میں اس جانور کا مر جانا جو پانی مین زندگی گذارتا ہے پانی کو خراب نہیں کرے گا۔ جیسے مچھلی مینڈک اور کیکڑا۔

حل لغات:۔ اثر ۔اوصاف ثلثہ یعنی رنگ ، بو، مزہ۔ جریان ۔مصدر ہے جاری ہونا بہنا۔ الغدیر ۔نہر، تالاب۔ البق ۔ مچھر۔ الذباب ۔ مکھی، الذنابیر ۔ زنبور کی جمع ہے بھڑ۔ العقارب العقرب کی جمع ہے بچھو۔ السمک ۔ مچھلی۔ الضفدع ۔ مینڈک۔ السرطان ۔ کیکڑا۔ کینسر یعنی وہ پھوڑا جس میں کیکڑے کی ٹانگوں کی طرح رگیں نظر آئیں۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے۔

خلاصہ:۔ یہاں چار مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ (۱) جاری پانی میں اگر گندگی گر جائے تو اس سے وضو کر لینا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس میں نجاست و گندگی کا کوئی اثر دکھائی نہ دے کیونکہ پانی کے بہاؤ کے مقابلہ میں وہ نجاست ٹھہر نہیں سکتی۔ (۲) اور بڑا تالاب یا حوض جس کی ایک جانب حرکت سے دوسری جانب اس حرکت کا اثر نہ پہونچتا ہو اگر اس کے کسی جانب نجاست گر جائے تو دوسری جانب وضو کرنا جائز ہے کیونکہ بظاہر ایک کنارے کی نجاست (کا اثر) دوسری جانب نہیں پہونچے گا۔ اس لئے کہ حرکت کا اثر نجاست کے مقابلہ میں تیز پہونچتا ہے۔ (۳) ایسا جانور جس میں بہنے والا خون نہ ہو پانی میں اس کی موت سے پانی ناپاک نہ ہو گا۔ جیسے مچھر مکھی بھڑ بچھو وغیرہ۔ (۴) اگر پانی کا جانور ہو اور پانی ہی میں مرے تو پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر اس کی موت سے ناپاک نہیں ہوتا ہے۔ جیسے مینڈک اور کیکڑا۔

تشریح:۔ الماء الجاری:۔ ماء جاری کی تعریف کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ (۱) عرف عام میں جس کو جاری کہا جائے وہ ماء جاری ہے۔ (۲) جو خشک تنکا بہالے جائے۔ (۳) پانی اسقدر ہو کہ جب متوضی دوبارہ پانی کا چلو لے تو اسے نیا پانی ہاتھ میں آئے۔ اور پہلا پانی بہہ جائے۔ (۴) اگر کوئی شخص عرضاً اپنا ہاتھ پانی کے بہاؤ میں رکھے تو پانی نہ رکے۔ پہلا قول زیادہ ظاہر اور دوسرا قول زیادہ مشہور ہے۔

الغدیر العظیم:۔ غدیر عظیم میں حرکت کا اعتبار ہے۔ اس حرکت میں تحریک بالاغتسال یا تحریک بالید یا بالوضو کا اعتبار ہے اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ تحریک بالاغتسال (غسل) کو معتبر مانتے ہیں امام محمدؒ کے

نزدیک ایک روایت میں تحریک بالید اور دوسری روایت میں تحریک بالوضو معتبر ہے۔ مگر ابو سلیمان جوزانی نے سہولت کے پیش نظر مساحت (پیمائش) کا اعتبار کیا ہے یعنی وہ حوض یا تالاب دس گز لمبا اور دس گز چوڑا ہو۔ عامۃ المشائخ نے اسی قول کو اختیار کیا اور یہی مفتی بہ ہے اور گہرائی کی حد یہ ہے کہ چلو سے پانی لیتے وقت زمین نظر نہ آئے یہی صحیح ہے۔

جاز الوضوء من الجانب الاخر:۔ جمہور تو پانی کو پاک سمجھتے ہیں مگر شافعیؒ سے دو قول منقول ہیں ایک قول تو احناف کا سا ہے اور جمہور شوافع کے یہاں یہی معتبر ہے اور دوسرا قول ناپاکی کا ہے۔

موت ما یعیش فی الماء:۔ اس سلسلے میں صرف امام شافعیؒ کا اختلاف ہے انھوں نے صرف مچھلی کا استثناء کیا ہے یعنی مینڈک اور کیکڑے کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جائیگا۔

وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ لا يَجُوْزُ اسْتِعْمَالُهُ فِيْ طَهَارَةِ الْاَحْدَاثِ وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ كُلُّ مَا اُزِيْلَ بِهٖ حَدَثٌ اَوِ اسْتُعْمِلَ فِي الْبَدَنِ عَلٰى وَجْهِ الْقُرْبَةِ.

ترجمہ:۔ اور ماء مستعمل کا استعمال احداث کی طہارت میں جائز نہیں اور ماء مستعمل (آب مستعمل) ہر وہ پانی ہے جس سے ناپاکی دور کی گئی ہو یا اس کو قربت الٰہی کے طور پر بدن میں استعمال کیا گیا ہو۔

ماء مستعمل کا بیان

تشریح:۔ آب مستعمل کے سلسلے میں چار نکات قابل بحث ہیں۔ (۱) وجہ استعمال (۲) آب مستعمل کا وقت (۳) اس پانی کے صفت (۴) پانی کا حکم۔

(۱) وجہ استعمال:۔ کی وضاحت یہ ہے کہ بتحقیق ابو عبد اللہ جرجانی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نیت قربت یا ازالۂ حدث میں سے کسی ایک سبب کے پائے جانے سے پانی مستعمل ہو جائے گا۔ لیکن بعض لوگوں نے امام محمد کی طرف صرف نیت قربت کو منسوب کیا ہے مگر ان کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ازالۂ حدث پانی کو مستعمل بناتا ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک صرف ازالۂ حدث پانی کو مستعمل بناتا ہے۔

(۲) آب مستعمل کا وقت:۔ بہت سے فقہاء نے عضو سے جدا ہونے کے بعد کسی مقام پر استقرار کی شرط لگائی ہے لیکن احناف اور محققین مشائخ کا مذہب یہ ہے کہ عضو سے جدا ہوتے ہی پانی مستعمل ہو جاتا ہے۔

(۳) آب مستعمل کی صفت:۔ اس سلسلے میں امام ابو حنیفہؒ سے تین روایت ہے۔ (۱) بروایت حسن بن زیاد نجس بنجاست غلیظہ ہے۔ (۲) بروایت امام ابو یوسفؒ نجاست خفیفہ ہے۔ (۳) بروایت امام محمدؒ طاہر غیر مطہر۔ اور امام صاحبؒ کا یہی آخر قول مشہور ہے۔

(۴) پانی کا حکم:۔ امام محمدؒ کا مسلک اور امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت میں طاہر غیر مطہر۔ یعنی اس پانی سے دوبارہ وضو یا غسل درست نہیں البتہ نجاست حقیقی زائل کر سکتے ہیں۔ امام مالکؒ سے اسی طرح کی ایک روایت اور امام شافعیؒ و احمدؒ کا ایک قول منقول ہے۔ امام زفرؒ اور ایک قول امام شافعیؒ کا یہ ہے کہ باوضو شخص کے وضو کا آب مستعمل طاہر و طہور ہے لیکن بے وضو شخص کے وضو کا آب مستعمل طاہر غیر طہور ہے تیسرا قول امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا طاہر اور مطہر کا ہے۔

وَكُلُّ اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ جَازَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ وَالْوُضُوْءُ مِنْهُ اِلَّا جِلْدَ الْخِنْزِيْرِ وَالْاٰدَمِيِّ وَشَعْرُ الْمَيْتَةِ وَعَظْمُهَا طَاهِرٌ.

ترجمہ:۔ ہر کچی کھال جو دباغت دی گئی وہ پاک ہو گئی اس میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس سے وضو کرنا (جائز ہے)

﴿چمڑے کی دباغت دینے کا ذکر﴾

حل لغات:۔ اِهَابٌ۔ اس کی جمع اَهَبٌ اور اُهُبٌ ہے۔ دباغت سے پہلے اِہابٌ کہتے ہیں اور دباغت کے بعد ادیم کہتے ہیں اور لفظ جلد دونوں کو مشترک ہے۔

خلاصہ:۔ کھال کو دباغت دینے کے ساتھ تین مسئلے متعلق ہیں۔ (۱) اس کھال کا پاک ہونا اس کا تعلق کتاب الصید سے ہے۔ (۲) اس کا لباس بنا کر پہننا اور اس کو مصلی بنانا۔ اس کا تعلق کتاب الصلوٰۃ سے ہے۔ (۳) اس کا مشکیزہ بنا کر اس سے وضو کرنا۔ اس کا تعلق اس باب سے ہے، حنفیہ کے نزدیک خنزیر اور آدمی کی کھال کو چھوڑ کر ہر کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ دباغت خواہ کسی قسم کی ہو لہٰذا دباغت شدہ کھال کا لباس پہن کر نماز پڑھنا اور اس کے مشکیزہ میں پانی لے کر اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

تشریح:۔ وکل اھاب:۔ دباغت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) حقیقی جو مختلف مصالحوں کے ذریعہ کی جاتی ہے اس سے کھال کی فاسد رطوبتیں بالکل ختم ہو جاتی ہیں۔ (۲) حکمی۔ اس میں مصالح استعمال نہیں کئے جاتے بلکہ محض دھوپ، مٹی، نمک اور ہوا کے ذریعہ دباغت ہو جاتی ہے۔ حقیقی دباغت کے بعد پانی لگنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر حکمی دباغت کے سلسلے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ پانی لگنے سے چمڑا ناپاک نہیں ہوتا۔ صاحب قدوری کی مراد عموم دباغت ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک میتہ کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی، مگر جامد اور ٹھوس اشیاء کے لئے دباغت کے بعد استعمال کر سکتے ہیں اور سیال چیزوں کے لئے ممنوع ہے۔

امام شافعیؒ حنفیہ کی طرف مائل ہیں سواء جلد کلب کے کہ ان کے نزدیک جلد کلب کی حیثیت جلد خنزیر کی سی ہے۔ نیز شوافع کے نزدیک دباغت حقیقی کا اعتبار ہے۔

امام احمد بن حنبل کے نزدیک میتہ کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی لیکن بعد دباغت استعمال کے سلسلے میں دو روایت ہے ایک روایت میں مطلقاً استعمال جائز نہیں ہے اور دوسری روایت میں استعمال جائز ہے اسی کو ترجیح حاصل ہے۔ (الفقه الاسلامي وا دلته صـ۱۰۳،۱۰۲، ج ۱) ان ائمہ کے دلائل ہدایہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

وشعر المیتة:۔ مردار کی یہ چیزیں پاک ہیں۔

(۱) بال (۲) ہڈیاں (۳) کھر (۴) سینگ (۵) اون (۶) ناخن (۷) پر (۸) چونچ۔ بحث کا ماحصل یہ ہے کہ ہر ایسی شئی پاک ہے جس میں زندگی نہیں ہوتی البتہ خنزیر اس سے مستثنیٰ ہے۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک بالکل ناپاک ہیں۔

وَاِذَا وَقَعَتْ فِي الْبِيرِ نَجَاسَةٌ نُزِحَتْ وَكَانَ نَزْحُ مَا فِيهَا مِنَ الْمَاءِ طَهَارَةً لَهَا فَاِنْ مَاتَتْ فِيهَا فَارَةٌ اَوْ عُصْفُوْرَةٌ اَوْ صَعْوَةٌ اَوْ سُوْدَانِيَةٌ اَوْ سَامٌّ اَبْرَصَ نُزِحَ مِنْهَا مَا بَيْنَ عِشْرِيْنَ دَلْواً اِلٰى ثَلٰثِيْنَ بِحَسْبِ كِبْرِ الدَّلْوِ وَ صِغْرِهَا وَاِنْ مَاتَتْ فِيهَا حَمَامَةٌ اَوْ دَجَاجَةٌ اَوْسِنَّوْرٌ نُزِحَ مِنْهَا مَا بَيْنَ اَرْبَعِيْنَ دَلْواً اِلٰى خَمْسِيْنَ وَاِنْ مَاتَتْ فِيهَا كَلْبٌ اَوْ شَاةٌ اَوْ اٰدَمِيٌّ نُزِحَ جَمِيْعُ مَا فِيهَا مِنَ الْمَاءِ وَ اِنْ اِنْتَفَخَ الْحَيْوَانُ فِيهَا اَوْ تَفَسَّخَ نُزِحَ جَمِيْعُ مَا فِيهَا صَغُرَ الْحَيْوَانُ او كَبُرَ.

ترجمہ:۔ اور جب کنویں میں کوئی نجاست گر جائے تو کنواں (کا پانی) نکالا جائے اور اس چیز کا نکالنا جو کنویں میں ہے یعنی پانی، اس کنویں کے لئے طہارت ہوگا۔ چنانچہ اگر اس کنویں میں (چھوٹے جسم کے جانور میں سے) چوہا چڑیا یا مولہ یا بھجنگا یا چھپکلی مر جائے تو اس سے بیس سے تیس ڈول تک نکال دیئے جائیں۔ ڈول کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے اعتبار سے اور اگر اس کنویں میں (متوسط جسم کے جانوروں میں سے کبوتر یا مرغی یا بلی مر جائے تو اس سے چالیس ڈول سے پچاس ڈول تک نکال دیئے جائیں۔ اور اگر اس کنویں میں (بڑے جانوروں میں سے) کتا یا بکری یا آدمی مر جائے تو اس میں سے سارا پانی نکال دیا جائے۔ اور اگر جانور کنویں میں (گر کر) پھول گیا یا پھٹ گیا تو سارا پانی نکالا جائیگا جانور چھوٹا ہو یا بڑا۔

﴿کنویں کے مسائل﴾

حل لغات:۔ نزحت۔ فعل ماضی مجہول باب (ف) سے نَزَحَ الْبِئْرَ. نَزْحاً، پانی نکالنا یہاں تک کہ بہت کم ہو جائے یا ختم ہو جائے۔ النَزَح۔ گدلا پانی۔ کنواں جس کا زیادہ یا کل پانی نکال دیا گیا ہو جمع اَنْزَاح۔ عصفور۔ چڑیا۔ کبوتر سے چھوٹا پرندہ جمع عصافیر۔ صَعْوَة مولا۔ چھوٹے چڑے جمع صَعَوَات سَوْدَانیہ. السوادیّہ۔ بھجنگا۔ (اس لفظ کی تحقیق کے لئے حیاۃ الحیوان ج ۲ ص ۴۸۹۔ ۴۳۱ اردو ملاحظہ فرمائیں) سام ابرص۔ چھپکلی۔ کبر۔ (ک) بالضم والکسر۔ چیز کا بڑا حصہ۔ صُغْر۔ بضم الصاد۔ چیزوں میں چھوٹا۔ اصغر اسم تفضیل کی مؤنث صُغْریٰ کی جمع ہے۔ حَمامة۔ کبوتر دجاجة مرغی۔ سنور بلی۔ انتفخ۔ باب افتعال سے ہے پھولنا۔ تَفَسَّخَ۔ باب تفعل کا ماضی ہے یہ لفظ میت کے لئے مخصوص ہے پھٹ جانا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا۔

خلاصہ:۔ کنویں کا پانی سے تعلق کی بنیاد پر اس بحث کو احکام المیاہ کے ساتھ بیان کر رہے ہیں۔ اور نزحت کی نسبت بئر کی طرف ذکر المحل وارادۃ الحال مجازی ہے۔ جیسے ارشاد باری ہے "واسئل الْقَرْيَةَ" اہل القریۃ مراد ہے۔

اس سے پہلے یہ بیان گزر چکا ہے کہ تھوڑے پانی میں نجاست گر جائے تو پورا پانی ناپاک ہونے کی وجہ سے بہادیا جائیگا۔ مگر کنویں میں ایسی کیفیت پر بعض صورتوں میں پورا پانی نکالنے کا حکم نہیں ہے۔ اس لئے اس اختلاف کے پیش نظر کنویں کے احکام مستقل طور پر علیحدہ سے بیان کئے جا رہے ہیں۔

یادرکھیں کہ جو جانور کنویں میں گر گیا اس کی سات شکلیں ہیں۔ کیونکہ یا تو وہ چھوٹے جسم کا ہوگا جیسے چوہا وغیرہ یا متوسط جسم کا جیسے کبوتر وغیرہ یا بڑے جسم کا جیسے بکری وغیرہ پھر ان میں سے ہر ایک یا تو زندہ نکالا گیا ہوگا یا مردہ۔ اگر مردہ ہے تو اس کی دو شکلیں ہیں یا تو پھول پھٹ گیا ہوگا یا نہیں۔

ذیل میں متن کا ماحصل پیش ہے اس میں ایک حکم عمومی اور چار مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔(۱) اگر کنویں میں کوئی نجاست گر جائے جیسے پیشاب، شراب، خون یا خنزیر اور یہ نجاست تھوڑی ہو یا زیادہ تو کنویں کا سارا پانی نکالا جائے گا اور کنویں سے پانی نکالنا ہی کنویں کے واسطے بھی طہارت ہے یعنی کنواں پاک ہو جائے گا اس کی دیواروں کو دھونا ضروری نہیں ہے محض پانی نکالنے سے پورا کنواں پاک ہو گیا۔

مسئلہ:۔(۱) اگر کنویں میں چوہا یا چڑیا یا ممولا یا اس کے مانند جانور گر جائے اور مر جائے اور فوراً نکال لیا جائے تو بیس سے تیس ڈول تک پانی نکالنے کا حکم ہے۔ بیس کا نکالنا واجب اور تیس کا نکالنا مستحب ہے۔ اگر ڈول بڑا ہے تو بیس ڈول اور اگر چھوٹا ہے تو تیس ڈول۔

مسئلہ:۔(۲) اگر کبوتر یا مرغی یا بلی گر کر مر جائے تو چالیس سے پچاس ڈول تک نکال دیا جائے گا۔ چالیس کا نکالنا واجب اور پچاس کا مستحب ہے اور ایک روایت میں ساٹھ کا نکالنا مستحب ہے۔

مسئلہ:۔(۳) اگر کنویں میں کتا یا بکری یا آدمی گر کر مر جائے تو کنویں کا سارا پانی نکالنا واجب اور ضروری ہے۔

مسئلہ:۔(۴) اگر جانور کنویں میں گر کر مر جائے اور پھول پھٹ جائے تو کنویں کا سارا پانی نکالا جائیگا خواہ جانور چھوٹا ہو یا بڑا۔

تشریح:۔ واضح رہے کہ کنویں کے احکام و مسائل کا مدار قیاس و رائے پر نہیں ہے بلکہ سلف اور آثار و نقول پر ہے۔

فان ماتت فیها فارة:۔ اوپر جو حکم چوہا یا بلی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے یہ اس صورت میں ہے کہ جب کہ بلا خوف و بلا زخم خوردہ گر گئے ہوں لیکن اگر چوہا بلی سے خوف کھا کر یا زخمی ہو کر یا بلی کتے سے خوف کھا کر یا زخمی ہو کر گر گئی خواہ یہ زندہ ہی نکل آئیں جب بھی پورا پانی نکالنے کا حکم ہے کیونکہ ایسی صورت میں پیشاب نکل جاتا ہے اور پیشاب ناپاک ہے۔ چوہے کے سلسلے میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ ایک سے چار تک ہے اگر پانچ سے نو تک چوہے گر گئے تو چالیس ڈول تک نکالنا واجب ہے اور دس کی صورت میں پورا پانی نکالنے کا حکم ہے۔

وَعَدَدُ الدِّلَاءِ يُعْتَبَرُ بِالدَّلْوِ الْوَسْطِ الْمُسْتَعْمَلِ لِلْآبَارِ فِي الْبُلْدَانِ فَإِنْ نُزِحَ مِنْهَا بِدَلْوٍ عَظِيْمٍ قَدْرَ مَا يَسَعُ مِنَ الدِّلَاءِ الْوَسْطِ اُحْتُسِبَ بِهٖ وَاِنْ كَانَ الْبِيرُ مَعِيناً لَا يُنْزَحُ وَ قَدْ وَجَبَ نَزْحُ مَا فِيْهَا اَخْرَجُوْا مِقْدَارَ مَا فِيْهَا مِنَ الْمَاءِ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَّهٗ قَالَ يُنْزَحُ مِنْهَا مِأَتَا دَلْوٍ اِلٰى ثَلٰثِ مِأَةٍ.

ترجمہ:۔ اور ڈول کا عدد اس اوسط درجہ کے ڈول کے اعتبار سے معتبر ہوگا جو شہروں میں کنویں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے پس اگر کنویں سے بڑے ڈول سے اتنی مقدار نکال دی گئی جو درمیانی ڈول میں سماتی ہو تو درمیانی ڈول سے حساب

لگایا جائے گا۔ اور اگر کنواں چشمہ دار (اور جاری) ہو کہ اس کا پانی نہ نکالا جا سکتا ہو اور جو پانی اس میں ہے اس کا نکالنا ضروری ہو تو اس میں موجود پانی کی مقدار نکالے جائیں گے۔

حل لغات:۔ اَلدِلاء۔ دلو کی جمع۔ ڈول۔ الآبار۔ بیر کی جمع۔ کنواں۔ بُلدَان۔ بلد کی جمع ہے شہر۔ یسع۔ وَسِعَ المکانُ (س) سِعَۃً. کشادہ ہونا۔ سمانا۔ ترجمہ میں دوسرے معنی کا لحاظ کیا گیا ہے۔ احتسب بہ۔ یہ باب افتعال سے ہے فعل ماضی مجہول ہے اُحتُسِبَ بہٖ شمار کرنا۔ حساب لگانا۔ مَعِیناً۔ چشمہ دار اور بہتا ہوا پانی۔

خلاصہ:۔ وجوبی مقدار نکالنے کے سلسلے میں اس درمیانی ڈول کا اعتبار کیا جائیگا جس کا استعمال عموماً شہروں میں کنویں پر ہوتا ہے یعنی ہر کنویں کا وہ ڈول جس سے اس کا پانی بھرا جاتا ہے۔ اور اگر کسی نے کنویں سے بڑے ڈول کے ذریعہ ایک ڈول پانی نکال دیا جو اوسط درجہ کے ڈول کے مساوی ہو تو کافی شمار کیا جائیگا۔ اور اگر کنویں کے چشمہ دار ہونے کی وجہ سے پورا پانی نہ نکالا جا سکے تو اس وقت موجود پانی ہی کے نکالنے کو کافی قرار دیں گے۔

تشریح:۔ عدد الدلاء۔ اگر کسی کنویں کا ڈول مقرر نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ ڈول معتبر ہوگا جس میں ایک صاع پانی کی گنجائش ہو۔ اور صاع سے کم زیادہ والے ڈول کا حساب ایک صاع والے ڈول سے کیا جائیگا۔ اگر بڑا ڈول بیس یا چالیس ڈولوں کے برابر ہو تو محض ایک ڈول نکال دینا کافی ہوگا (اگر یہ مقدار واجب ہو) کیونکہ مقدار واجب کا اخراج حاصل ہو گیا پھر ڈولوں کی مقدار میں ڈول کے اکثر حصہ کا (آدھ سے زائد ڈول کا) اعتبار للاکثر حکم الکل کے تحت ہوگا۔

وان کان البیر معیناً لاینزح الخ:۔ موجود پانی کے متعلق چھ قول ہیں مگر مفتی بہ قول وہ ہے جو صاحب کتاب نے نقل کیا ہے یعنی دو سو سے تین سو ڈول تک نکالا جائے۔

وَاِذا وُجِدَ فِي الْبِير فَارَةٌ مَيِّتَةٌ اَوْ غَيرُهَا وَلَا يَدْرُونَ مَتىٰ وَقَعَتْ وَلَمْ تَنْتَفِخْ وَلَمْ تَنْفَسِخْ اَعَادُوْا صَلوٰةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ اذا كَانُوْا تَوَضَّئُوْ مِنْهَا وَغَسَلُوْا كُلَّ شَيْئٍ اَصَابَهٗ مَاؤُهَا وَاِنْ انْتَفَخَتْ اَوْ تَفَسَّخَتْ اَعَادُوا صَلوٰةَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تعالىٰ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ ومحمد رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تعالىٰ لَيْسَ عَلَيْهِمْ اِعَادَةُ شَيْئٍ حَتّٰى يتحَقَّقُوْا مَتىٰ وَقَعَتْ.

ترجمہ:۔ اور اگر کنویں میں مرا ہوا چوہا وغیرہ ملے اور لوگوں کو معلوم نہیں کہ کب گرا ہے اور وہ ابھی تک پھولا نہ پھٹا۔ تو یہ لوگ ایک دن و رات کی نمازیں لوٹائیں اگر اس پانی سے وضو کئے ہوں۔ اور ہر اس چیز کو دھوئیں جسکو اس کنویں کا پانی پہونچا ہو۔ اور اگر وہ جانور پھول گیا یا پھٹ گیا تو امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق تین دن اور تین رات نمازیں لوٹائیں اور امام ابو یوسف و امام محمد (صاحبین) نے فرمایا کہ ان پر کسی چیز کا لوٹانا واجب نہیں ہے یہاں تک کہ یہ متحقق ہو جائے کہ یہ چوہا کب گرا ہے۔

خلاصہ:۔ اگر کنویں میں کوئی جانور مرا ہوا ملے مثلاً چوہا وغیرہ اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ یہ جانور اس کنویں میں کب سے گرا ہے لیکن ابھی پھولنے اور پھٹنے کی نوبت نہیں آئی اور عوام نے اس کنویں کے پانی سے وضو کر کے نماز ادا کی اور عام

چیزوں میں اس پانی کو استعمال کیا تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ اولا تو ایک دن ورات کی نماز کا اعادہ کرے دوسرے یہ کہ ان چیزوں کو دھوئے جن چیزوں میں یہ پانی استعمال کیا گیا ہے۔ اور اگر یہ جانور پھول گیا یا پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا تو اس میں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین دن اور تین رات کی نماز لوٹائی جائیگی اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس وقت تک کسی چیز کے اعادہ کی ضرورت نہیں جب تک کہ یہ واضح طور پر معلوم نہ ہو جائے کہ جانور کنویں میں کب گرا۔

تشریح۔ وغسلوا كل شئى اصابه ماؤها:۔ بیان کردہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ پانی کا استعمال ازالہ (۱) حدث اصغر (۲) یا اکبر (۳) یا نجاست حقیقی کے ازالہ کے لئے ہوا ہو لیکن اگر مذکورہ تینوں چیزیں مقصود نہ ہوں بلکہ وضو یا غسل یا کپڑا کا دھونا ویسا ہی ہو تو اس صورت میں بالاتفاق اعادہ لازم نہیں۔

وَسُوْرُ الْادَمِيِّ وَمَا يُؤكَلُ لَحْمُهٗ طَاهِرٌ وَسُوْرُ الْكَلْبِ وَالْخِنْزِيْرِ وسِبَاعِ الْبَهَائِمِ نَجِسٌ وَسُوْرُ الْهِرَّةِ وَالدَّجَاجَةِ الْمُخَلَّاةِ وسِبَاعِ الطُّيُوْرِ وَمَا يَسْكُنُ فِي الْبُيُوْتِ مِثْلَ الْحَيَّةِ وَالْفَارَةِ مَكْرُوْهٌ.

ترجمہ:۔ اور آدمی اور ہر ایسے جانور کا جھوٹا جس کا گوشت کھایا جاتا ہے پاک ہے اور کتا، خنزیر اور درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے، اور بلی، آزاد پھرنے والی مرغی، شکاری پرندے کا جھوٹا اور گھروں میں رہنے والے جانوروں کا جھوٹا مثلاً سانپ اور چوہا (کا جھوٹا) وغیرہ مکروہ ہے۔

جانوروں کے جھوٹے کے مسائل

حل لغات:۔ سور۔ جھوٹا۔ سِبَاع۔ سبع کی جمع ہے۔ درندہ۔ البهائم۔ بهيمةٌ کی جمع ہے۔ چوپایہ۔ المُخَلَّاةُ۔ آزاد۔ طيور۔ طير کی جمع۔ پرندہ۔ سباع الطيور۔ شکاری پرندے۔ الحية۔ سانپ۔

تشریح:۔ اس سے قبل یہ بیان گزر چکا ہے کہ اگر جانور پانی میں گر جائے تو اس کا کیا حکم ہو گا۔ اب یہاں جانوروں کے جھوٹے کا بیان ہے۔ جھوٹے اور پس خوردہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ (۱) بالاتفاق سب کے نزدیک طاہر ہے۔ (۲) بالاتفاق سب کے نزدیک نجس ہے۔ (۳) طاہر یا نجس ہے فقہاء کا اختلاف ہے (۴) مکروہ (۵) مشکوک۔

سور الادمی الخ:۔ اس بحث کا تعلق قسم اول سے ہے۔ آدمی کا جھوٹا پاک ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر، جنبی ہو یا حائضہ، ایسے ہی ان جانوروں کا جن کا گوشت کھانا جائز ہے جیسے گائے بکری اونٹ وغیرہ (آدمی کے سلسلے میں یہ شرط ہے کہ اس کا منہ بظاہر ناپاک نہ ہو چنانچہ اگر شراب نوشی یا منہ سے خون نکلنے کے فوراً بعد پانی پی لیا تو وہ جھوٹا ناپاک ہے البتہ اگر کچھ وقفہ کے بعد یا کئی مرتبہ خون نگلنے کے بعد پانی پیا تو صحیح قول کے مطابق پاک ہے لیکن اگر شراب خور کی مونچھ لانبی ہو تو ہر صورت میں پانی ناپاک ہو جائیگا کیونکہ ایسی صورت میں مونچھوں کی تلویث کا احتمال ہے۔)

وسور الکلب والخنزیر:۔ اس جگہ قسم دوم کا بیان ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک کتے اور خنزیر کا پس خوردہ ناپاک ہے، البتہ کتے کے متعلق امام مالک کا اختلاف منقول ہے۔ طریقہ تطہیر میں قدرے اختلاف ہے امام احمدؒ وامام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک امر تعبدی کے تحت سات مرتبہ دھونے سے برتن پاک ہوگا اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف تین مرتبہ دھونا کافی ہے۔ (درس ترمذی جلد ا ص ۳۲۲) امر تعبدی کا تعلق صرف امام مالکؒ سے ہے۔

وسباع البھائم:۔ اس جگہ تیسری قسم کا بیان ہے۔ ہمارے نزدیک درندوں مثلاً ہاتھی، شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ کا جھوٹا نجس ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک کلب وخنزیر کے علاوہ دیگر درندوں کا جھوٹا پاک ہے۔ البتہ ائمہ ثلاثہ یعنی امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں نجاست کی تعیین کے سلسلے میں قدرے اختلاف ہے۔ امام محمدؒ نے پس خوردہ کو نجس تو کہا ہے پر غلیظہ یا خفیفہ کی کوئی تعیین نہیں فرمائی۔ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں نجاست غلیظہ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں نجاست خفیفہ ہے جیسا کہ نہایہ میں ہے۔

سورۃ الھرۃ والدجاجۃ الخ:۔ یہاں چوتھی قسم کا بیان ہے۔ بلی اور آزاد پھرنے والی مرغی اور اسی طرح شکاری پرندے مثلاً باز چیل وغیرہ، اور گھریلو جانور مثلاً سانپ چوہے وغیرہ ان تمام کا پس خوردہ و جھوٹا مکروہ ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک بلا کراہت پاک ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے اور یہی مفتی بہ قول ہے۔ البتہ وہ مرغیاں جو بند رہتی ہیں گندگی سے دور رہتی ہیں ان کا پس خوردہ مکروہ نہیں ہے۔

وَسُوْرُ الْحِمَارِ والبغل مشکوك فَاِنْ لَمْ یَجِدِ الْاِنْسَانُ غَیْرَہٗ تَوَضَّأَ بِہٖ وَتَیَمَّمَ وَبِاَیِّھِمَا بَدَأَ جَازَ.

ترجمہ:۔ گدھے اور خچر کا پس خوردہ مشکوک ہے پس اگر کوئی شخص اس کے علاوہ پانی نہ پائے تو وضو اور تیمّم کرے اور دونوں میں سے اول جس کو چاہے کرے۔

خلاصہ:۔ صاحب قدوری جھوٹے کی پانچویں قسم ذکر فرما رہے ہیں۔ کہ پالتو گدھے کا جھوٹا اور گدھی کے شکم سے پیدا ہونے والے خچر کا جھوٹا مشکوک ہے اب اگر کسی کے پاس اس مشکوک پانی کے علاوہ خاص پانی نہیں ہے تو ایسی صورت میں حکم ہے کہ وضو اور تیمم دونوں کرلے کسی ایک کی تقدیم وتاخیر کا اختیار وضو کرنے والے کو حاصل ہے۔

تشریح:۔ وسور الحمار والبغل الخ:۔ گدھے سے پالتو گدھا مراد ہے اور خچر سے مراد وہ خچر ہے جو گدھی کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔ اس لئے کہ اگر وہ خچر گھوڑوں کی بطن سے پیدا ہوا ہے تو اس کا جھوٹا پاک ہے۔ گدھے کے متعلق جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ اکثر مشائخ کے یہاں ہے شیخ ابو طاہر حکم مشکوک کے سخت مخالف ہیں۔ ان کے یہاں جھوٹا پاک ہے پر احتیاطاً وضو اور تیمم دونوں کا حکم کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک طاہر ومطہر دونوں ہے البتہ مشائخ کے یہاں گدھے کے جھوٹے پانی کے طاہر ومطہر ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض مشائخ کو اس کے طہارت کے متعلق شک ہے اور بعض کو اس کے مطہر ہونے میں شک ہے۔ صاحب ہدایہ کے نزدیک شک تو مطہر ہونے کے بارے میں ہے نہ کہ طہارت کے بارے

میں۔امام محمدؒ کے یہاں سور حمار کی طہارت کے بارے میں صراحت ہے۔ فرماتے ہیں کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر اس میں کپڑا ڈوب جائے تو ناپاک نہیں ہوتا۔(۱) گدھے کا جھوٹا۔(۲) ماء مستعمل۔(۳) گدھی کا دودھ۔(۴) ماکول اللحم جانور کا پیشاب۔

وبایهما الخ :۔ وضو اور تیمّم دونوں کے اجتماع کی صورت میں حنفیہ کے یہاں ترتیب ضروری نہیں یعنی وضو اور تیمّم میں جس کو چاہے مقدم کرے مگر امام زفرؒ کے یہاں وضو کو تیمّم پر مقدم کرنا لازم اور ضروری ہے۔ کیونکہ آب مشکوک واجب الاستعمال ہے لہٰذا یہ آب مطلق کے مشابہ ہوگیا۔

بَابُ التَّیَمُّمِ

از روئے لغت تیمّم قصد وارادہ کا نام ہے۔اور اصطلاح شرع میں پاک مٹی یا اس چیز کا جو پاک مٹی کے قائم مقام ہو جیسے پتھر چونہ وغیرہ کا قصد کرنا اور بنیت طہارت دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر چہرہ اور دونوں ہاتھوں پر مسح کرنا مراد ہے۔

تیمّم کی مشروعیت امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے اور تیمّم کا ثبوت کتاب وسنت دونوں سے ہے ارشاد باری ہے فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَیَمَّمُوا صَعِیْداً طَیِّباً اور ارشاد نبوی ہے جعلت لی الارض مسجدا وطهوراً۔روئے زمین خاص طور پر ہمارے لئے مسجد اور پاکی کا ذریعہ بنائی گئی ہے۔دوسری روایت میں ہے اَلتَّیَمُّمُ طُهُوْرُ الْمُسْلِمِ مَالَمْ یَجِدِ الْمَاءَ۔ تیمّم مسلمانوں کو پاک کرنے والی ہے جب تک کہ پانی دستیاب نہ ہو۔ حضرت عائشہؓ کا قصہ جس میں آیت تیمّم نازل ہوئی اس کا مقام اور وقت کے بارے میں اختلاف ہے چنانچہ وقت کے بارے میں تین قول ہے۔ ۴ھ، ۵ھ اور ۶ھ۔مقام کے بارے میں دو قول ہے۔(۱) غزوۂ مریسیع یا غزوہ مصطلق (۲) غزوۂ ذات الرقاع۔تیمّم چونکہ وضو کا قائم مقام ہے اور قائم مقام اور خلیفہ کا مرتبہ اصل کے بعد ہوا کرتا ہے اس لئے یہ باب وضو کے بعد ذکر کیا گیا۔اس ترتیب کی دوسری وجہ آیت قرآنی واذا قمتم الی الصلوٰۃ الایة کا اتباع ہے جس میں وضو، غسل اور تیمّم کو اسی ترتیب کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے،

وَمَنْ لَمْ یَجِدِ الْمَاءَ وَهُوَ مُسَافِرٌ اَوْ خَارِجَ الْمِصْرِ وَبَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْمِصْرِ نَحْوَ الْمِیْلِ اَوْ اَکْثَرَ اَوْ کَانَ یَجِدُ الْمَاءَ اِلَّا اَنَّهٗ مَرِیْضٌ فَخَافَ اِنِ اسْتَعْمَلَ الْمَاءَ اِشْتَدَّمَرَضُهٗ اَوْ خَافَ الْجُنُبُ اِنِ اغْتَسَلَ بِالْمَاءِ یَقْتُلُهُ الْبَرْدُ اَوْ یُمَرِّضُهٗ فَاِنَّهٗ یَتَیَمَّمُ بِالصَّعِیْدِ.

ترجمہ:۔ اور جس شخص نے پانی نہ پایا حالانکہ وہ مسافر ہے یا شہر سے باہر ہے اور اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے یا اس سے زیادہ یا پانی تو مل گیا لیکن وہ مریض ہو اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر پانی استعمال کرے گا تو اس کے مرض میں اضافہ ہوگا یا جنبی کہ یہ خوف ہو کہ اگر پانی سے غسل کرے گا تو ٹھنڈک اس کو مار ڈالے گی یا اس کو بیمار بنا دے گی تو وہ پاک مٹی سے تیمّم کرے گا۔

حل لغات:۔ البرد۔ ٹھنڈک، سردی۔ یمرضه۔باب تفعیل سے مضارع ہے مریض بنانا۔ الصعید۔ مٹی جمع صُعُد۔

خلاصہ:۔ اگر کوئی شخص حالت سفر میں ہو یا شہر سے دور ہونے کی وجہ سے اس کو پانی میسر نہ ہو اور شہر کی مسافت

ایک میل یااس سے زائد ہویایہ کہ پانی تو موجود ہو لیکن بیماری کی وجہ سے مرض میں اضافہ کا قوی اندیشہ ہویا جنبی شخص کو قوی خطرہ لاحق ہو کہ اگر غسل کیاتو سردی کی شدت کے نتیجہ میں مرجائیگایابیماری لاحق ہوسکتی ہے توایسے شخص کے لئے پاک مٹی سے تیمّم کرنادرست ہے۔

تشریح:۔ ومن لم یجدالماء الخ:۔ اس وجود کی تشریح کرتے ہوئے شارحین لکھتے ہیں کہ وجود سے دو مفہوم مراد ہوسکتا ہے۔(۱)پانی تو موجود ہے مگر استعمال پر قدرت نہیں خواہ مرض کیوجہ سے یاکنویں کے پاس ہے مگر نکالنے کے لئے ڈول نہیں ہے یاچشمہ کے قریب ہے لیکن دشمن یادرندہ یاسانپ کے خوف سے چشمہ کے پاس پہونچ نہیں سکتاتو ایسے آدمی کوپانی نہ پانے والا سمجھا جائے گا۔(۲)پانی موجود ہے مگر اتنی مقدار نہیں کہ رفع حدث کے لئے کفایت کرجائے۔ توایسے شخص کے لئے تیمّم کافی ہوگا۔

اوخارج المصر:۔ اس عبارت سے یہ بتانا ہے کہ اندرون شہر میں اگر ہے تو صرف تین صورتوں میں تیمم درست ہے۔(۱)نماز جنازہ۔(۲)نماز عید الفطر، نماز عیدالاضحیٰ کے فوت ہونے کاخطرہ ہو۔(۳)یا جنبی کوشدید سردی کے باعث بیمار ہوجانے کااندیشہ ہو۔

نحوالمیل:۔ قرآن کریم میں بمشکل پانی کے دستیاب کوشرط تیمّم قرار دیاگیاہے نہ کہ پانی کی غیر موجودگی۔ متیمم اور پانی کے درمیان کم از کم ایک میل کی مسافت کو دوری کامعیار قرار دیا گیاہے اکثر علماء کے نزدیک یہی مسافت معتبر ہے۔ بعض کاخیال ہے کہ مسافراتنادور ہوکہ اس کواذان کی آواز سنائی نہ دے۔بعض کے نزدیک چلّانے کی آواز جہاں تک نہ پہونچ سکے وہ دوری معتبر ہےبعض کے نزدیک جانب سفر دومیل کی مسافت معتبر ہے۔بعض کے نزدیک ہرطرف دومیل کی مسافت معتبراور لازم ہے۔امام ابو سفؒ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ پانی کی دوری اتنی ہو کہ اس کی تلاش میں نکلنے سے قافلہ اور رفقاء سفر کے نظرسے او جھل ہوجانے کی وجہ سے جان ومال کے نقصان کااندیشہ ہو۔صاحب ذخیرہ کے نزدیک یہ قول احسن ہے امام زفرؒ کے نزدیک اگر نماز کے جاتے رہنے کااندیشہ ہو تو تیمّم کی اجازت ہے مگر صاحب ہدایہ نے "دون خوف الفوت" کہہ کر تردید کردی کہ یہ کوتاہی خوداسی شخص کی ہےاس لئے معذور سمجھ کراجازت نہیں ہوگی۔

تنبیہ:۔ صاحب عنایہ فرماتے ہیں کہ ایک میل تین فرسخ کاہوتاہے اور ایک فرسخ بارہ ہزار قدم کا۔ ابن شجاع فرماتے ہیں کہ میل ساڑھے تین ہزار سے چارہزار گز تک کاہوتاہے۔

الاانہ مریض:۔ صاحب الجوہرۃالنیرہ فرماتے ہیں کہ بیمار کی تین حالتیں ہیں۔(۱)مریض کے لئے پانی کااستعمال نقصان دہ ہو مثلاً بخار، یاچیچک کاشکار ہو۔ایسا شخص بالاتفاق تیمّم کرسکتاہے۔(۲)مریض کے لئے پانی نقصان دہ نہ ہوبلکہ اس کے لئے حرکت کرنامضر ہو مثلاً دستوں کی شکایت ہویاعرق مدنی (رشتہ نارو ا) میں مبتلا ہو۔معاون کی ناموجودگی کی صورت میں بالاتفاق تیمّم درست ہے۔اور معاون کی موجودگی کی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تیمّم درست ہے یہ معاون خواہ اس کے ماتحت افراد ہوں جیسے اولادیاخادم وغیرہ لیکن صاحبین کے نزدیک تیمّم درست نہیں ہے مگر صاحب محیط لکھتے ہیں کہ معاون کی موجودگی میں بالاتفاق تیمّم درست نہیں ہے۔(۳)مریض کووضوپر قدرت نہ ہو، نہ توخوداور نہ ہی غیر کی امداد

ہے۔ ایسی صورت میں بعض حضرات کا امام ابو حنیفہؒ کے قول پر قیاس کرتے ہوئے خیال یہ ہے کہ جب تک اس مریض کو دونوں میں سے کسی ایک پر قدرت حاصل نہ ہو اس وقت تک نماز نہ پڑھے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نماز پڑھنے والوں کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے نماز پڑھے اور قدرت کے بعد نماز لوٹائے اور امام محمدؒ کا قول اس سلسلہ میں اضطراب لئے ہوئے ہے چنانچہ روایت زیادات میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں اور ابو سلیمان کی روایت کے مطابق امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں۔

اشتد مرضه:۔ داؤد ظاہری وغیرہ کے یہاں معمولی شکایت پر بھی تیمم کی اجازت ہے مگر عند الاحناف جواز تیمم کے لئے حرج ونقصان کا وجود ضروری ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک جواز تیمم کے لئے ہلاکت یا عضو کا تلف ہونا شرط ہے مگر آیت کریمہ "وان کنتم مرضی" (ظاهر النص) سے اس کی تردید ہو رہی ہے۔ کیونکہ آیت میں ایسی کوئی قید نہیں ہے۔ البتہ احناف کے یہاں جو امتداد واشتداد کی قید پائی جاتی ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ جواز تیمم کی غرض دفع حرج ہے اور امتداد مرض واشتداد مرض میں حرج ظاہر ہے اور قرآن میں ہے "ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج" گویا آیت قرآنی حرج کے پہلو کو واضح کر رہی ہے۔ اور بقول علامہ عینی امام شافعیؒ کا قول قدیم اور صحیح اور مشہور قول، امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق ہے۔ سراج الوجیز میں ہے کہ عام طور پر اصحاب ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا یہی قول ہے اور حلیہ میں اسی کو اصح کہا گیا ہے اس لئے عمل اسی پر بہر صورت موزوں ومناسب ہے۔

او خاف ان اغتسل الخ:۔ یہ مسئلہ تو شہر کے باہر پیش آنے کی صورت میں تھا البتہ اگر یہ عارضہ شہر میں رہ کر پیش آئے تو امام اعظمؒ کے نزدیک یہی حکم ہے یعنی اس کے لئے تیمم جائز ہے مگر صاحبین کے نزدیک تیمم کی اجازت نہیں ہے۔ یہ حکم غسل کے سلسلے میں تھا لیکن وضو کے سلسلے میں بالاتفاق تیمم کی اجازت نہیں ہے۔

وَالتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ يَمْسَحُ بِاَحَدِهِمَا وَجْهَهُ وَبِالْاُخْرىٰ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ.

ترجمه:۔ تیمم دو ضرب ہیں ان دونوں میں سے ایک ضرب سے اپنے چہرے کا مسح کرے اور دوسری ضرب سے اپنے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت۔

خلاصه:۔ اس عبارت میں تیمم کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا کہ تیمم کی دو ضرب ہیں ایک ضرب سے چہرے کا مسح کرلے اور دوسری ضرب سے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور اسے اس قدر جھاڑے کہ مٹی جھڑ جائے۔ اس سے اپنے چہرہ کا مسح کرے۔ پھر دوسری بار زمین پر ہاتھ مار کر انھیں جھاڑ لے اور اپنے بائیں ہاتھ کی چار انگلیوں کے باطن سے اپنے دائیں ہاتھ کے ظاہر کا اس طرح مسح کرے کہ انگلیوں کے پوروں سے شروع کرے کہنیوں پر ختم کرے پھر اپنے بائیں ہتھیلی کے باطن سے اپنے دائیں ہاتھ کے باطن کا گٹے تک مسح کرے اور اپنے ہاتھ کے انگوٹھے کے باطن کو اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ظاہر پر پھیرے پھر اسی طرح بائیں ہاتھ کا مسح کرے۔

تشریح:۔ تیمم کے طریقہ میں دو مسئلے مختلف فیہ ہیں۔ (۱) تعداد ضرب کتنی ہیں۔ (۲) مسح یدین کی حد کیا ہے۔ پہلے مسئلے میں علامہ عینی نے پانچ مذاہب نقل کئے ہیں۔

(۱) جمہور ائمہ کے نزدیک دو ضربیں ہیں ایک وجہ کے لئے اور ایک یدین کے لئے۔ (۲) امام احمدؒ اور ایک روایت میں امام مالکؒ کے نزدیک صرف ایک ضرب ہے۔ (۳) حسن بصری کے نزدیک دو ضرب ہیں مگر ہر ضربہ میں وجہ اور یدین دونوں کا مسح ہوگا۔ (۴) محمد بن سیرینؒ کے نزدیک تین ضربیں ہیں ایک وجہ دوسری یدین اور تیسری دونوں کے لئے۔ (۵) ابن ابزیزہ کے نزدیک چار ضربیں ہیں دو وجہ اور دو یدین کے لئے۔

دوسرا اختلاف مقدار مسح یدین کا ہے اس میں چار مذاہب ہیں۔

(۱) مرفقین تک مسح واجب ہے۔ یہ جمہور ائمہ کا مسلک ہے۔ (۲) امام احمد کے یہاں صرف رسغین تک مسح واجب ہے۔ (۳) رسغین تک واجب اور مرفقین تک مسنون ہے ابن رشدؒ نے امام مالکؒ کی ایک روایت قرار دیا اور زرقانی نے امام مالکؒ کا مسلک قرار دیا ہے۔ نووی کے بیان کے مطابق تطبیق بین الروایتین کا بہترین طریقہ ہے۔ (۴) ابن شہاب زہری کے نزدیک یدین کا تیمم مناکب و آباط تک ہے۔

دراصل بنیادی اختلاف دونوں مسئلوں میں جمہور اور امام احمد و اسحٰقؒ کے درمیان ہے۔ جمہور کے نزدیک دو ضربیں ہیں اور یدین کا مسح مرفقین تک ہے اور احمد و اسحٰقؒ کے نزدیک ضربہ ایک ہے اور یدین کا مسح رسغین تک ہے۔

والتیمم ضربتان:۔ فقہ کی اکثر کتابوں میں لفظ ضرب آیا ہوا ہے مگر مبسوط میں لفظ وضع ہے یہاں ایک سوال ہے کہ ضرب تیمم کا رکن ہے یا نہیں؟ صاحب الجوہرۃ النیرہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ ابن شجاع تو رکن کے قائل ہیں چنانچہ اگر بعد الضرب اور قبل مسح الوجہ حدث لاحق ہو جائے یا نیت بعد الضرب کی تو تیمم درست نہیں ہوگا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے وضو میں بعض اعضاء کے دھونے کے بعد حدث لاحق ہو جائے تو دھونا کالعدم سمجھا جائیگا۔ امام اسبیجابی کے نزدیک ضرب رکن نہیں ہے لہٰذا تیمم درست ہو جائیگا یا ایسا ہو جائیگا جیسے ہاتھ میں پانی لینے کے بعد اور استعمال سے قبل حدث لاحق ہو جائے۔ لیکن فتح القدیر اور غایۃ البیان کے مطابق تحقیقی بات یہ ہے کہ اندرون تیمم بنظر دلیل ضرب معتبر نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم میں محض مسح کا حکم ہے اور حدیث میں ضرب کا تذکرہ اکثری عادت کے طور پر ہے۔

الی المرفقین:۔ بعض نسخوں میں اشتراط استیعاب کی صراحت ہے اور یہی صحیح ہے اور امام صاحب سے حسن کی روایت یہ ہے کہ استیعاب شرط نہیں ہے چنانچہ اگر اکثر حصہ پر مسح کر لیا تو کافی ہوگا۔ مگر صاحب ہدایہ فرماتے ہیں تیمم وضو کا قائم مقام ہے اس لئے ظاہر الروایۃ کے مطابق استیعاب ضروری ہے۔ (الجوهرة)

وَالتَّيَمُّمُ فِي الْجَنَابَةِ وَالْحَدَثِ سَوَاءٌ وَيَجُوْزُ التَّيَمُّمُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ بِكُلِّ مَا كَانَ مِنْ جِنْسِ الْاَرْضِ كَالتُّرَابِ وَالرَّمْلِ وَالْحَجَرِ وَالْجِصِّ وَالنُّوْرَةِ وَالْكُحْلِ وَالزِّرْنِيْخِ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَجُوْزُ اِلَّا بِالتُّرَابِ وَالرَّمْلِ خَاصَّةً وَالنِّيَّةُ فَرْضٌ فِي التَّيَمُّمِ وَمُسْتَحَبَّةٌ فِي الْوُضُوْءِ.

ترجمہ۔ اور تیمم جنابت اور حدث میں برابر ہے اور جائز ہے تیمم امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر اس شئی پر

جوزمین کی جنس سے ہے جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، چونہ، سرمہ اور ہڑتال اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ تیمّم خاص کر صرف مٹی اور ریت سے جائز ہے۔ اور نیت، تیمّم میں فرض ہے اور وضوء میں مستحب ہے۔

حل لغات:۔ رَمْل۔ ریت۔ جص۔ گچ۔ نورۃ۔ چونہ۔ کحل۔ سرمہ۔ زرنیخ۔ ہڑتال۔

خلاصہ:۔ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جواز تیمّم، کیفیت تیمم اور آلہ تیمّم میں حدث یعنی بے وضو ہونا اور جنابت دونوں برابر ہیں یعنی حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کیلئے تیمّم مشروع ہے اور دونوں کی کیفیت ایک ہے اور یہ ہی حکم حائضہ اور نفاس والی عورتوں کا ہے۔ اور ہر وہ چیز جو زمین کی جنس سے ہو جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، چونہ، سرمہ ہڑتال، پہاڑی نمک، یاقوت، زمرد، زبرجد وغیرہ۔ ان چیزوں سے تیمّم کے جواز کے بارے میں طرفین اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے طرفین جواز کے قائل ہیں البتہ ابو یوسف کے یہاں صرف مٹی اور ریت سے جائز ہے۔ اور نیت، تیمّم میں فرض ہے اور وضوء میں مستحب۔

تشریح:۔ والتیمم فی الجنابة الخ:۔ نیت اور فعل کے اعتبار سے، یہی حکم حیض و نفاس والی عورتوں کا ہے۔ ابو بکر رازی کے نزدیک نیت کے ذریعہ فرق و امتیاز پیدا کرنا ضروری ہے۔ یعنی محدث، ازالۂ حدث کی اور جنبی، ازالۂ جنابت کی نیت کرے مگر صحیح یہ ہے کہ ایسے امتیاز کی ضرورت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ایک ریگستان میں رہنے والی قوم کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ ہم ریگستانی باشندوں کو ایک ایک دو دو ماہ پانی نصیب نہیں ہوتا اور ہمیں حیض و نفاس اور جنابت لاحق ہوتا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ تم کو زمین سے اپنی ضرورت پوری کرنی چاہئے۔

من جنس الارض الخ:۔ زمین کے جنس ہونے کی شناخت یہ ہے کہ جو چیز جل کر راکھ ہو جائے جیسے درخت، اور جو چیز پگھل کر نرم اور پھٹنے کے قابل ہو جائے جیسے لوہا، پیتل، چاندی اور سونا وغیرہ تو یہ زمین کی جنس سے نہیں ہیں اس کے علاوہ چیزیں زمین کی جنس سے ہیں جیسے مٹی وغیرہ۔ تفصیلی گفتگو خلاصہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فقط اگنے والی مٹی سے تیمّم جائز ہے۔ لیکن اصح قول کے مطابق خود امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی شرط نہیں ہے کیونکہ پاک مٹی سے تیمّم جائز ہے خواہ اگانے والی نہ ہو اور ناپاک سے جائز نہیں خواہ اگانے والی ہو۔

فرض فی التیمم:۔ البتہ امام زفرؒ کے نزدیک فرض نہیں کیونکہ تیمّم وضو کا خلیفہ ہے لہٰذا وصف صحت میں تیمّم وضو کا مخالف نہیں ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تیمّم کے معنیٰ ہی قصد و ارادہ کے ہیں اور قصد نام ہے نیت کا، اور قاعدہ ہے کہ اسماء شرعیہ میں معانی لغویہ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اس لئے ہمارے یہاں تیمّم میں نیت کرنا ضروری ہے۔

وَيَنْقُضُ التَّيَمُّمَ كُلُّ شَيْءٍ يَنْقُضُ الْوُضُوءَ وَيَنْقُضُهُ اَيْضاً رُؤْيَةُ الْمَاءِ اِذَاقَدَرَ عَلٰى استعماله وَلَا يَجُوْزُ التَّيَمُّمُ إلَّا بِصَعْدٍ طَاهِرٍ وَيَسْتَحِبُّ لِمَنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَهُوَ يَرْجُوْ اَنْ يَجِدَهُ فِيْ اٰخِرِ الْوَقْتِ أنْ يُؤَخِّرَ الصَّلٰوةَ إلىٰ اٰخِرِ الْوَقْتِ فَاِنْ وَجَدَ الْمَاءَ تَوَضَّأَ وَصَلّٰى وإلّا تَيَمَّمَ.

ترجمہ:۔ اور تیمم کو ہر وہ چیز توڑ دیتی ہے جو وضو کو توڑ دیتی ہے اور نیز پانی کا دیکھنا تیمم کو توڑ دیتا ہے جبکہ اس کے استعمال پر قادر ہو اور تیمم جائز نہیں سوائے پاک مٹی سے، اور مستحب ہے اس شخص کے لئے جو پانی نہ پائے اور اس کو امید ہو کہ پانی آخر وقت میں مل جائیگا کہ نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرے۔ پس اگر اس نے پانی پالیا تو وضو کرے اور نماز ادا کرے ورنہ تیمم کرے۔ (اور نماز ادا کرے)

نواقض تیمّم کا بیان

خلاصہ:۔ یہاں سے نواقض تیمم کا بیان شروع ہو گیا ہے۔ چنانچہ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جو چیز ناقض وضو ہے وہ ناقض تیمم ہے کیونکہ تیمّم وضو کا خلیفہ ہے لہٰذا جو حکم وضو کا ہوگا وہی حکم تیمم کا ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں کہ (بعض چیزیں ایسی ہیں جو ناقض وضو نہیں ہیں مگر ناقض تیمم ہیں چنانچہ متیمم نے) اگر پانی دیکھا اور اس کو استعمال پر قدرت حاصل ہے تو اس پانی سے اس کا تیمم ٹوٹ جائیگا۔ اور فرماتے ہیں کہ تیمم صرف پاک مٹی سے جائز ہے کیونکہ آیت کریمہ "فيتمموا صعيداً طيباً" میں طیب سے بالاجماع طاہر مراد ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ تیمم صرف پاک مٹی سے جائز ہے کیونکہ آیت کریمہ "فتيمموا صعيداً طيباً" میں طیب سے بالاجماع طاہر مراد ہے۔ آگے ایک مسئلہ ہے وہ یہ کہ اگر سر دست پانی موجود نہ ہو اور آخر وقت مستحب تک پانی کے فراہمی کا امکان ہو تو ایسی صورت میں نماز کو آخر وقت مستحب تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ پانی کے دستیابی کی صورت میں وضو کر کے نماز ادا کرے ورنہ تیمّم کر کے نماز پڑھے۔

تشریح:۔ ينقض التيمم:۔ واضح رہے جو غسل کے لئے ناقض ہوگا وہ وضو کے لئے ناقض ہوگا مگر ہر ناقض وضو، ناقض غسل ہو یہ ضروری نہیں کیونکہ ایک لوٹا پانی کے ملجانے سے تیمم وضو تو ٹوٹ سکتا ہے مگر تیمّم غسل نہیں۔

وينقضهٗ ايضا روية الماء:۔ دراصل ناقض تو حدث سابق ہے مگر چونکہ سر دست پانی نظر آیا ہے اس لئے مجازی طور پر ناقض کی نسبت پانی کے دیکھنے کی جانب کی گئی ہے۔ بہر کیف پانی کا دیکھنا ہی نقض تیمّم کے لئے کافی ہے لیکن اگر یہ قدرت دوران نماز حاصل ہوئی تو غیر معتبر ہوگی اور تیمم بدستور باقی رہے گا جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

ان يؤخر:۔ اس تاخیر کے حکم میں نماز مغرب بھی داخل ہے اس لئے غروب شفق تک انتظار کرنا چاہیے۔ اور تاخیر، وقت مستحب تک کرنا چاہیے۔

وَ يُصَلِّي بِتَيَمُّمِهٖ مَا شَاءَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَ النَّوَافِلِ وَيَجُوْزُ التَّيَمُّمُ لِلصَّحِيْحِ الْمُقِيْمِ فِي الْمِصْرِ اِذَا حَضَرَتْ جَنَازَةٌ وَالْوَلِيُّ غَيْرُهٗ فَخَافَ اِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ اَنْ يَفُوْتَهٗ صَلوٰةُ الْجَنَازَةِ فَلَهٗ اَنْ يَتَيَمَّمَ وَيُصَلِّيَ كَذَالِكَ مَنْ حَضَرَ الْعِيْدَ فَخَافَ اِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ اَنْ يَفُوْتَهُ الْعِيْدُ وَاِنْ خَافَ مَنْ شَهِدَ الْجُمْعَةَ اِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ اَنْ تَفُوْتَهٗ

الْجُمْعَةُ تَوَضَّأَ فَإِنْ اَدْرَكَ الْجُمْعَةَ صَلَّاهَا وَ إِلَّا صَلَّى الظُّهْرَ اَرْبَعاً وَ كَذٰلِكَ إِنْ ضَاقَ الْوَقْتُ فَخَشِيَ إِنْ تَوَضَّأَ فَاتَهُ الْوَقْتُ لَمْ يَتَيَمَّمْ وَلٰكِنَّهُ يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّيْ فَائِتَتَهُ.

ترجمہ:۔ اور اپنے تیمم سے فرائض ونوافل میں سے جو چاہے پڑھے، اور شہر میں تندرست مقیم کے لئے تیمم جائز ہے جبکہ جنازہ موجود ہو اور ولیٔ جنازہ کوئی اور ہو اور اس کو اندیشہ ہو کہ اگر وضو میں مشغول ہو گیا تو اس کی جنازہ کی نماز فوت ہو جائیگی، تو اس کے لئے اجازت ہے کہ تیمم کرے اور نماز پڑھے۔ اور ایسے ہی وہ شخص جو نماز عید کے لئے حاضر ہو اور اس کو اندیشہ ہو کہ اگر وضو میں مشغول ہو گیا تو اس کی نماز عید فوت ہو جائیگی۔ اور اگر اندیشہ ہو اس شخص کو جو نماز جمعہ کے لئے آیا ہوا ہے کہ اگر وضو میں مشغول ہوا تو اس کی نماز جمعہ فوت ہو جائیگی تو وہ وضو کرے، پھر اگر نماز جمعہ مل گئی تو پڑھ لے ورنہ چار رکعت ظہر پڑھے۔ اسی طرح اگر وقت تنگ ہو گیا اور اندیشہ ہے کہ اگر وضو کرے گا تو وقت ختم ہو جائیگا تو تیمم نہ کرے بلکہ وضو کرے اور اپنی فوت شدہ نماز پڑھے۔

حل لغات:۔ اشتغل۔ باب افتعال سے ہے۔ اشتغل بکذا۔ مشغول ہونا۔ شهد۔ باب (س) سے شَهِدَ الْمَجْلِسَ شُهُوْداً۔ حاضر ہونا۔ ادرك۔ باب افعال سے پالینا۔ لاحق ہونا۔ ضاق۔ باب (ض) سے مصدر ضِيْقاً۔ تنگ ہونا۔

تشریح:۔ اس عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں۔

ویصلی بتیممه:۔ مسئلہ:۔(۱) احناف کے نزدیک ایک تیمم سے متعدد نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں خواہ فرائض ہوں یا نوافل، ایک ہی وقت میں یا اوقات متعددہ میں جب تک کہ ناقض تیمم نہ پایا جائے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر فرض کے واسطے الگ تیمم ضروری ہے، البتہ نوافل متعددہ کے لئے ایک ہی تیمم کافی ہے۔

للصحیح المقیم:۔ مسئلہ:۔(۲) ایک تندرست آدمی شہر میں تیمم کر سکتا ہے۔ اگر جنازہ حاضر ہوا اور ولی اس کے علاوہ دوسرا آدمی ہے اور اس کو اندیشہ ہو کہ اگر وضو کرنے لگا تو نماز چھوٹ سکتی ہے تو تیمم کی اجازت ہے۔ البتہ اگر خود ولی ہے تو اس کو چونکہ نماز کے لوٹانے کا حق حاصل ہے اس لئے تیمم کی اجازت نہیں ہے۔

وکذالك من حضر العید:۔ مسئلہ:۔(۳) نماز عید میں شرکت کرنے والے کو وضو کرنے کی صورت میں نماز کے فوت ہونے کے اندیشہ سے تیمم کرنا جائز ہے کیونکہ عید کی نماز کی قضا نہیں ہے۔

وان خاف من شهد الجمعة:۔ مسئلہ:۔(۴) نماز جمعہ میں شرکت کرنے والے کو وضو کرنے کی صورت میں جمعہ کے فوت ہونے کے اندیشہ سے تیمم کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ وہ وضو کرے اگر وضو کر کے جمعہ پالیا تو بہتر ہے ورنہ چار رکعت ظہر کی نماز ادا کرے کیونکہ ظہر جمعہ کا نائب اور خلیفہ ہے۔

وکذا ان ضاق الوقت:۔ مسئلہ:۔(۵) تنگیٔ وقت کی صورت میں وضو کرنے پر وقت کے نکل جانے کے اندیشہ کے باوجود تیمم جائز نہیں کیونکہ وقتی نماز کی قضا ہو سکتی ہے۔

وَالْمُسَافِرُ اِذَا نَسِيَ الْمَاءَ فِيْ رَحْلِهٖ فَتَيَمَّمَ وَصَلّٰى ثُمَّ ذَكَرَ الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ لَمْ

يُعِدْ صَلوٰتَهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ يُعِيْدُ.

ترجمہ:۔ اور مسافر پانی اپنے کجاوہ میں بھول جائے پھر وہ تیمّم کرے اور نماز پڑھ لے پھر اس کو پانی وقت کے اندر یاد آئے۔ تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز نہیں لوٹائے گا اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ نماز لوٹائے گا۔

حل لغات:۔ نسی۔ باب (س) سے نَسِيَ الشَّيْئَ نِسْيَاناً وَنِسْياً۔ بھولنا رحله۔ کجاوہ جمع رِحَال وَاَرْحُل. يُعِدْ۔ باب افعال سے۔ اعادالامر اعادةً لوٹانا۔ لم کے دخول کی وجہ سے "یا" ساقط ہوگئی۔ اصل یعید تھا۔

خلاصہ:۔ اگر مسافر پانی کجاوہ میں رکھ کر بھول گیا اور تیمّم کر کے نماز ادا کرلی پھر اس کو وقت کے اندر پانی یاد آگیا تو طرفین کے نزدیک نماز کا لوٹانا واجب نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نماز لوٹانا واجب ہے یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔

تشریح:۔ مسئلہ کی تین صورت ہے۔ (۱) مسافر نے پانی کجاوہ میں خود رکھا اور وضو کے وقت طلب نہیں کیا اور تیمّم کر کے نماز پڑھ لی۔ (۲) مسافر نے پانی خود نہیں رکھا بلکہ اس کے غلام یا ملازمین نے رکھا اور اس کو معلوم نہیں اس نے تیمّم کر کے نماز ادا کرلی۔ (۳) پانی خود رکھا اور بھول گیا۔ پہلی صورت میں بالاجماع اس کی نماز جائز نہیں اعادہ ضروری ہے۔ دوسری صورت میں نماز ہوگئی اعادہ ضروری نہیں کیونکہ کوئی شخص دوسرے کے عمل کی وجہ سے حکم کا مخاطب نہیں ہوتا۔ تیسری صورت وہ ہے جو صاحب قدوری نے ذکر کیا ہے۔

المسافر:۔ یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ یہی حکم مقیم کے لئے بھی ہے۔ نسی۔ نسیان کی قید کا مقصد یہ کہ اگر مسافر پانی کے ختم ہو جانے کا ظن یا شک کرتے ہوئے تیمّم کرلے تو بالاجماع نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔ رحل۔ اس کی قید کا مقصد یہ ہے کہ اگر پانی کا مشکیزہ پشت پر لدا ہوا ہو یا گردن میں لٹکا ہو یا سامنے موجود ہو اور بھول کر تیمّم کر کے نماز پڑھ لے تو بالاجماع نماز درست نہیں ہوگی۔ ذکر الماء الخ۔ اگر عین نماز میں یاد آگیا تو نماز کو ختم کر کے اعادہ کرنا ضروری ہے۔

وَلَيْسَ عَلَى الْمُتَيَمِّمِ اِذَا لَمْ يَغْلِبْ عَلٰى ظَنِّهٖ اَنَّ بِقُرْبِهٖ مَاءً اَنْ يَّطْلُبَ الْمَاءَ وَاِنْ غَلَبَ عَلٰى ظَنِّهٖ اَنَّ هُنَاكَ مَاءً لَمْ يَجُزْ لَهٗ اَنْ يَتَيَمَّمَ حَتّٰى يَطْلُبَهٗ وَاِنْ كَانَ مَعَ رَفِيْقِهٖ مَاءٌ طَلَبَهٗ مِنْهُ قَبْلَ اَنْ يَّتَيَمَّمَ فَاِنْ مَنَعَهٗ مِنْهُ تَيَمَّمَ وَصَلّٰى.

ترجمہ:۔ اور تیمّم کرنے والے پر ضروری نہیں جبکہ اس کے گمان پر یہ غالب نہ ہو کہ اس کے قریب میں پانی ہے یہ کہ پانی تلاش کرے۔ اور اگر اس کے گمان پر غالب ہو کہ وہاں پر پانی ہے تو نہیں جائز ہے اس کے لئے تیمّم کرنا تا آنکہ اسے تلاش کرے، اور اگر اس کے ساتھی کے پاس پانی ہو تو تیمّم کرنے سے پہلے اس سے مانگے پس اگر اس کو پانی (دینے) سے منع کردے تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لے۔

خلاصہ:۔ احناف کے نزدیک تیمّم کا ارادہ کرنے والے پر پانی کی جستجو واجب نہیں ہے بشرطیکہ اس کو ظن غالب ہو کہ قریب میں پانی نہیں ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک دائیں اور بائیں پانی کا تلاش کرنا شرط ہے اور اگر اس کو ظن غالب ہو کہ یہاں پانی موجود ہے تو اس کے لئے اس وقت تک تیمّم کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ پانی طلب نہ کرے۔ اسی طرح

اگر رفیق سفر کے پاس پانی ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ اولاً پانی طلب کرے اگر پانی دے دیتا ہے تو وضو کر کے نماز پڑھے اور بصورت دیگر تیمم کرے۔

یطلبه:۔ تین سو گز سے چار سو گز تک کی مسافت تک پانی طلب کرنا واجب ہے بشرطیکہ پانی کے قریب ہونے کا گمان ہو ورنہ واجب نہیں۔

باب المسح علی الخفین

(یہ باب موزوں پر مسح کے بیان میں ہے)

اس باب کو باب التیمم کے فوراً بعد چند حکمتوں کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔

(۱) دونوں میں بذریعہ مسح طہارت ہے۔ (۲) دونوں بدل ہیں تیمم، وضو کا اور مسح، غسل رجلین کا۔ (۳) دونوں میں رخصت مؤقتہ ہے۔

اسی طرح باب التیمم کو باب المسح علی الخفین پر چند وجوہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

(۱) تیمم کا ثبوت قرآن کریم سے اور مسح کا ثبوت سنت نبویہ سے ہے اس لئے تیمم اقویٰ اور مستحق تقدیم ہے۔ (۲) تیمم حدث اصغر و اکبر دونوں کو زائل کرتا ہے اور مسح صرف حدث اصغر کو۔ گویا تیمم ازالۂ حدث میں اقویٰ ہے اور مسح اسکے مقابل میں اضعف ہے اور ظاہر ہے کہ اقویٰ کو اضعف پر تقدیم حاصل ہے۔ مسح علی الخفین کی مشروعیت احادیث مشہورہ سے ثابت ہے۔ راویوں کی تعداد اسّی سے زائد ہے۔ یہ امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے اس کی تائید میں ذخیرۂ احادیث ہیں جس کی وجہ سے اس کا قائل ہونا اہل سنت والجماعت کی علامت قرار دیا گیا بلکہ ایک زمانہ میں اہلسنت کا شعار بن گیا تھا چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے" نفضل الشیخین (حضرت ابو بکر و عمرؓ) ونحب الختنین (دونوں داماد حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ) ونری المسح علی الخفین'' بہر صورت خوارج اور روافض کو چھوڑ کر ساری امت مسح علی الخفین پر متفق ہے۔ بعض حضرات نے امام مالکؒ کی طرف عدم جواز کی نسبت کی ہے لیکن وہ غلط ہے جیسا کہ علامہ باجی مالکیؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور علامہ کرخی وغیرہ کے فرمان کی روشنی میں منکرین مسح علی الخفین کو کافر قرار دینا صحیح ہے۔

اَلْمَسْحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ جَائِزٌ بِالسُّنَّةِ مِنْ کُلِّ حَدَثٍ مُوْجِبٍ لِلْوُضُوْءِ اِذَا لَبِسَ الْخُفَّیْنِ عَلٰی طَهَارَةٍ ثُمَّ اَحْدَثَ.

ترجمه:۔ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے سنت سے ہر ایسے حدث سے جو وضو کا واجب کرنے والا ہو۔ جبکہ موزوں کو طہارت پر پہنے ہو اور حدث ہو جائے۔

خلاصه:۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ مسح علی الخفین کا جواز سنت سے ثابت ہے۔ موزوں پر مسح کرنا ہر محدث کے لئے جائز ہے خواہ مرد ہو یا عورت مگر شرط یہ ہے کہ وہ موزہ طہارت پر پہنا گیا ہو۔ صاحب قدوری نے مسح علی الخفین

کے لئے دو شرط مقرر کی ہے۔

(۱) حدث موجب للوضوء ہو۔ کیونکہ اگر حدث موجب للوضوء نہیں بلکہ موجب للغسل ہے تو مسح جائز نہیں ہوگا (۲) حدث بعد الوضوء پیش آئی ہو۔

موزہ پہنتے وقت طہارت کاملہ شرط نہیں ہے بلکہ حدث کے وقت طہارت کاملہ شرط ہے یہی ہمارا مذہب ہے۔ چنانچہ اگر پیر دھو کر موزہ پہننے کے بعد مکمل طہارت حاصل کرنے کے بعد حدث لاحق ہو تب بھی مسح درست ہوگا۔ بہر کیف پیر دھونا افضل ہے اور مسح کرنا جائز ہے لفظ جائز سے اسی طرف اشارہ ہے البتہ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ اگر ایسے موقع پر ہو جہاں روافض یا خوارج ہونے میں شک ہو تو وہاں خاص طور پر مسح کرنا افضل ہے۔

فَاِنْ كَانَ مُقِيماً مَسَحَ يَوماً وَ لَيْلَةً وَاِنْ كَانَ مُسَافِراً مَسَحَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا وَابْتِدَاؤُ هَا عَقِيبَ الْحَدَثِ وَالْمَسْحُ عَلىٰ الْخُفَّيْنِ عَلٰى ظَاهِرِ هِما خُطُوطاً بِالْاَصَابِعِ يَبْتَدِأُ مِنَ الْاَصَابِعِ اِلىٰ السَّاقِ وَفَرْضُ ذلك مِقْدَارُ ثَلٰثِ اَصَابِعَ مِنْ اَصَابِعِ الْيَدِ.

ترجمه:۔ پس اگر مقیم ہے تو مسح کرے ایک دن ایک رات اور اگر مسافر ہے تو مسح کرے تین دن و تین رات۔ اور مسح کی ابتداء حدث کے بعد سے ہے اور مسح دونوں موزوں کے ظاہری حصہ پر درانحالیکہ انگلیوں کے ساتھ خطوط ہو جائیں (اس طور پر کہ) پاؤں کی انگلیوں سے شروع کر کے پنڈلیوں تک (کھینچ لے جائے) اور اس کا فرض ہاتھ کی انگلیوں سے تین انگلیوں کی مقدار ہے۔

موزوں پر مسح کرنے کی مدت کا بیان

حل لغات:۔ عقیب۔ پیچھے آنے والا۔ خفین۔ خف کا تثنیہ ہے اور یہ خفت سے ماخوذ ہے جس کے معنی سہولت اور ہلکے پھلکے کے ہیں چنانچہ شریعت میں بھی اس میں دھونے کے مقابلے میں آسانی ہوتی ہے۔ اصطلاح میں ایسی شئی کو خف کہتے ہیں جو پورے پیر کو ٹخنہ کے اوپر کے حصہ تک ڈھانک لے اور اس سے چند میل چلنے کی قدرت ہو۔

خلاصه:۔ اس عبارت میں مدت مسح اور کیفیت اور مقدار فرضیت کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ مدت مسح مقیم کے لئے ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن تین رات ہے اور عامۃ العلماء کا مذہب یہ ہے کہ اس کی ابتداء حدث کے وقت سے ہوگی۔ موزوں کے ظاہری حصہ پر مسح کرنا ضروری ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں موزے کے اگلے حصہ پر رکھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں موزے کے اگلے حصہ پر رکھے پھر ان دونوں کو پنڈلیوں کی طرف ٹخنوں کے اوپر کھینچ کر لے جائے اور انگلیوں کو کشادہ رکھے۔ موزوں پر مسح کرنے کا یہی مسنون طریقہ ہے۔ اور تین انگلیوں کی مقدار مسح فرض ہے۔

تشریح:۔ **فان کا مقیما:**۔ صاحب قدوری کی عبارت بتاتی ہے کہ مسح علی الخفین میں وقت کی تحدید ہے۔ امام مالکؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مقیم موزوں پر بالکل مسح نہ کرے اور مسافر کیلئے وقت کی کوئی تحدید نہیں ہے،

دوسری روایت یہ ہے کہ مقیم کا حکم مسافر کے مانند ہے۔
علی ظاھرھما:۔ امام مالکؒ کے نزدیک ظاہر و باطن دونوں پر مسح کرنا مسنون ہے۔ حنفیہؒ اور حنابلہ کے نزدیک صرف ظاہر پر۔ البتہ امام شافعیؒ ظاہر پر واجب اور باطن پر مستحب قرار دیتے ہیں۔ موزے پر مسح کرنا خلاف قیاس ثابت ہے شریعت کا ورود موزے کے ظاہر پر ہے۔ اس لئے موزے کے ظاہر پر مسح کرنا مشروع ہوگا نہ کہ باطن پر۔ مقدار مسح میں ہاتھ کی انگلیوں کا اعتبار ہے۔ البتہ امام کرخی کے یہاں پاؤں کی انگلیاں معتبر ہیں مگر قول اول زیادہ صحیح ہے۔

وَلَا یَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلیٰ خُفٍّ فِیْهِ خَرْقٌ کَثِیْرٌ یَتَبَیَّنُ مِنْهُ قَدْرُ ثَلٰثِ اَصَابِعِ الرِّجْلِ وَاِنْ کَانَ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ جَازَ.

ترجمه:۔ اور مسح کرنا جائز نہیں ہے ایسے موزے پر جس میں پھٹن اس قدر زیادہ ہو کہ اس سے پیر کی تین انگلیوں کی مقدار ظاہر ہو جائے اور اگر پھٹن اس سے کم ہو تو درست ہے۔
حل لغات:۔ خرق ۔ مصدر۔ پھٹن باب (ن، ض) سے پھاڑنا۔ یتبین۔ باب تفعل سے ظاہر ہونا، واضح ہونا۔
خلاصه:۔ ایسے موزے پر مسح کرنا جائز نہیں ہے جو اس قدر پھٹا ہو کہ پیر کی تین چھوٹی انگلیاں نظر آئیں البتہ اس سے کم پھٹے ہونے کی سورت میں مسح جائز ہوگا۔
تشریح:۔ مسئلہٗ موجودہ کے جواز و عدم جواز میں چار مذاہب ہیں۔ (۱) پہلا مذہب وہ ہے جو متن میں ہے۔ (۲) امام شافعیؒ و امام زفرؒ کے نزدیک دونوں صورت میں جائز نہیں ہے۔ (۳) سفیان ثوری کے نزدیک دونوں صورت میں جائز ہے۔ (۴) امام اوزاعیؒ کے نزدیک شگاف کی وجہ سے جو حصہ کھل گیا اس کو دھوئے اور بقیہ حصہ پر مسح کرے۔ مسح کرنے میں ہاتھ کی انگلیاں معتبر ہیں البتہ شگاف میں پیر کی انگلیاں۔

وَلَا یَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلیٰ الْخُفَّیْنِ لِمَنْ وَجَبَ عَلَیْهِ الْغُسْلُ وَیَنْقُضُ الْمَسْحَ مَا یَنْقُضُ الْوُضُوْءَ وَ یَنْقُضُهٗ اَیْضاً نَزْعُ الْخُفِّ وَ مُضِیُّ المدةِ فَاِذَا مَضَتِ الْمُدَّةُ نَزَعَ خُفَّیْهِ وَغَسَلَ رِجْلَیْهِ وَصَلیّٰ وَلَیْسَ عَلَیْهِ اِعَادَةُ بَقِیَّةِ الْوُضُوْءِ.

ترجمه:۔ اور جائز نہیں ہے موزوں پر مسح کرنا ایسے شخص کے لئے جس پر غسل واجب ہو۔ اور مسح کو وہ چیزیں توڑ دیتی ہیں جو وضو کو توڑ دیتی ہیں اور موزہ کا نکالنا بھی مسح کو توڑ دیتا ہے اور مدت کے گذر جانے سے بھی۔ اور جب مدت گذر جائے تو دونوں موزے نکال دے اور دونوں پیر دھو کر نماز پڑھے۔ اور اس پر باقی وضو کا لوٹانا واجب نہیں ہے۔

﴿ناقض مسح کا ذکر﴾

حل لغات:۔ نزع ۔ مصدر۔ باب (ض) سے کھینچنا۔ نکالنا۔ مُضِیّ بتشدید الیاء مصدر، باب (ض، ن) گذر جانا۔
خلاصه:۔ مسئلہ:۔ جس شخص پر غسل واجب ہو اس کے لئے مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص نے وضو

کر کے موزہ پہن لیا پھر جنبی ہو گیا۔ اور اس کو اتنا پانی میسر ہوا جو وضو کے لئے کفایت کر جائے تو ایسی صورت میں جنابت کے لئے تیمّم کرنا ہو گا اور اس پانی سے وضو کرے اور پاؤں دھوئے۔ مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے وہی چیزیں نقض مسح میں کار فرماں ہیں اسی طرح موزے کا نکالنا بھی ناقض مسح ہے کیونکہ قدم میں حدث سرایت کرنے سے موزہ مانع تھا اور مانع کے ہٹنے سے حدث سرایت کر گیا اور مسح ٹوٹ گیا۔ اسی طرح مدت مسح کے پوری ہو جانے سے مسح ٹوٹ جاتا ہے اب مسح کرنے والے کو چاہئے کہ موزے نکال کر پیر دھو کر نماز پڑھے البتہ وضو کا اعادہ ضروری نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اعادہ کرنا ضروری ہے۔ حتی کہ اگر دوران نماز مدت مسح پوری ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائیگی اسی کو اشبہ بالفقہ قرار دیا گیا ہے۔ (تبیین اور فتح القدیر میں اس کی وضاحت ہے) بشرطیکہ پانی میسر ہو۔

وَمَنْ اِبْتَدَأَ الْمَسْحَ وَهُوَ مُقِيْمٌ فَسَافَرَ قَبْلَ تَمامِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ مَسَحَ تَمامَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا وَمَنْ اِبْتَدَأَ الْمَسْحَ وَهُوَ مُسَافِرٌ ثُمَّ اَقَامَ فَاِنْ كَانَ مَسَحَ يوماً وَلَيْلَةً اَوْ اَكْثَرَ لَزِمَهٗ نَزْعُ خُفَّيْهِ وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْهُ تَمَّمَ مَسْحَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ.

ترجمہ:۔ اور جس شخص نے بحالت اقامت مسح کی ابتداء کی پھر ایک دن رات مکمل ہونے سے سفر شروع کر دیا تو تین روز وشب مسح کرے۔ اور جس شخص نے بحالت سفر مسح کی ابتداء کی پھر مقیم ہو گیا تو اگر اس نے ایک روز وشب یا اس سے زائد مسح کر لیا ہے تو اس کے لئے موزے نکالنا لازم ہے اور اگر اس سے کم کیا ہو تو ایک روز وشب کی مدت مکمل کرے۔

خلاصہ:۔ اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں۔ (۱) مقیم نے جس طہارت پر موزے پہنے تھے اس کے ٹوٹنے سے قبل سفر شروع کر دیا پھر بحالت سفر کسی وجہ سے اس کی طہارت ختم ہو گئی تو اس صورت میں بالاجماع مدت اقامت، مدت سفر کی طرف منتقل ہو جائیگی یعنی بالاتفاق مسح کی مدت تین روز وشب پوری کرے گا۔ (۲) حدث کے بعد اور مدت اقامت پوری کرنے کے بعد سفر اختیار کیا تو اس صورت میں بالاجماع مدت اقامت، مدت سفر کی طرف منتقل نہیں ہو گی یعنی ایک روز وشب پورے ہونے پر موزے نکال دے۔ (۳) حدث کے بعد اور مدت اقامت پوری ہونے سے قبل سفر شروع کیا تو اس صورت میں احناف کے نزدیک مدت اقامت، مدت سفر کی طرف منتقل ہو جائے گی یعنی تین روز تک مسح کرے گا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مدت اقامت، مدت سفر کی طرف منتقل نہیں ہو گی بلکہ ایک دن ایک رات پورا کر کے موزے نکالنا ضروری ہے۔ (۴) ایک شخص مسافر تھا اور موزہ پہنے ہوئے تھا اور اس پر ایک روز وشب یا اس سے زیادہ مسح کر چکا تھا پھر اس نے اقامت اختیار کر لی تو اس کو چاہئے کہ موزے نکال کر پیر دھولے لیکن اگر ایک روز وشب مکمل کرنے سے پہلے مقیم ہو گیا تو پھر وہ مدت اقامت پوری کرے گا یعنی اگر بارہ گھنٹے مسح کر چکا ہے تو بارہ گھنٹے اور پورا کر کے موزے نکال دے۔

وَمَنْ لَبِسَ الْجُرْمُوْقَ فَوْقَ الْخُفِّ مَسَحَ عَلَيْهِ وَلَا يَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَا مُجَلَّدَيْنِ اَوْ مُنَعَّلَيْنِ وَقَالَا يَجُوْزُ اِذَا كَانَا ثَخِيْنَيْنِ لَا يَشِفَّانِ.

ترجمہ:۔ اور جس شخص نے جرموق موزے پر پہنا وہ اس پر مسح کرے اور جوربین پر مسح نہیں جائز ہے مگر یہ دونوں مجلد ہوں یا منعل۔ اور صاحبین نے کہا کہ جائز ہے بشرطیکہ دبیز کپڑے کے ہوں جو چھنتے نہ ہوں۔

حل لغات:۔ الجرموق۔ وہ چیز جو موزے کے اوپر اس کی حفاظت کی خاطر پہنی جاتی ہے اس کی ساق، خف کی ساق سے چھوٹی ہوتی ہے۔ لوگ اس کو کالوش کہا کرتے ہیں۔ الجوربین۔ جورب کا تثنیہ ہے پائتابہ۔ یہ سوتی یا اونی ہوتا ہے۔ مجلدین۔ مجلد کا تثنیہ ہے۔ جورب پر اگر بالائی اور نچلے حصہ پر چمڑا چڑھا ہو تو اس کو مجلد کہتے ہیں۔ منعلین۔ یہ منعل کا تثنیہ ہے۔ اگر جورب کے نچلے حصہ پر چمڑا چڑھا ہو تو اس کو منعل کہتے ہیں ثخینین یہ ثخین (صیغہ صفت) کا تثنیہ ہے۔ موٹا ہونا۔ سخت ہونا۔ یشفان۔ یشف سے تثنیہ فعل مضارع ہے باب (ض) سے مصدر شُفُوفاً شَفِيفاً وَشَفَفاً۔ کسی چیز کا اتنا باریک ہونا کہ دوسری طرف کی چیز نظر آئے۔ الشّفّ باریک پردہ۔ اس جگہ پانی کا چھننا مراد ہے۔

تشریح:۔ کلام بالکل واضح ہے اس لئے خلاصہ کلام کی ضرورت نہیں ہے۔

ومن لبس الجرموق الخ:۔ اگر کسی نے موزے کے اوپر جرموق پہن لیا تو حنفیہ کے یہاں جرموق پر مسح جائز ہے البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں۔

جرموق پر مسح کی دو شرطیں ہیں۔ (۱) جرموق، موزہ پہننے کے بعد حدث لاحق ہونے اور نقض طہارت اور موزہ پر مسح سے قبل پہنا گیا ہو۔ ایسی صورت میں جرموق پر مسح کرنا جائز ہے۔ البتہ اگر موزہ پہننے کے بعد حدث لاحق ہوئی اور موزہ پر مسح کر لیا اس کے بعد جرموق پہنا تو ایسی صورت میں جرموق پر مسح جائز نہیں ہے۔ (۲) جرموق چمڑے کا ہو تاکہ اگر دونوں کو الگ کر دیا جائے تو دونوں پر مسح کیا جاسکے یہاں تک کہ اگر اس میں بڑا شگاف ہو جائے تو اس پر مسح جائز نہ ہو۔

(الجوهرة والشامی)

ولا یَجوز المسح علی الجوربین الخ:۔ مسح علی الجوربین کی تین صورتیں ہیں (۱) جوربین مجلدین اور جوربین منعلین پر بالاتفاق مسح جائز ہے۔ (۲) اگر جوربین مجلد یا منعل نہ ہوں اور رقیق ہوں یعنی ثخینین کی شرط مفقود ہو تو اس پر بالاتفاق مسح جائز نہیں ہے۔ (۳) جوربین غیر مجلدین وغیر منعلین ثخینین پر مسح کرنے کے متعلق اختلاف ہے۔ ثخینین کا مطلب یہ ہے کہ ان میں تین شرائط پائی جاتی ہوں۔ (۱) شفاف نہ ہوں یعنی اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو پاؤں تک نہ پہونچے۔ (۲) بغیر کسی سہارے کے پنڈلی سے چمٹا ہوا ہو۔ (۳) اس کو پہن کر مسلسل چلنا ممکن ہو۔ جمہور یعنی ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک مسح جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسح جائز نہیں ہے لیکن امام صاحبؒ کا آخر وقت میں جمہور کے مسلک کی طرف رجوع ثابت ہے۔

وَلَايَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَالْبُرْقُعِ وَالْقُفَازَيْنِ وَيَجُوزُ عَلَى الْجَبَائِرِ وَإِنْ شَدَّهَا عَلَى غَيْرِ وُضُوْءٍ فَإِنْ سَقَطَتْ مِنْ غَيْرِ بُرْءٍ لَمْ يَبْطُلِ الْمَسْحُ وَإِنْ سَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ بَطَلَ.

ترجمہ:۔ اور عمامہ، ٹوپی، برقع اور دستانے پر مسح جائز نہیں ہے۔ اور جبائر پر مسح کرنا جائز ہے گرچہ اس کو بے وضوء باندھا ہو۔ پس اگر جبیرہ زخم کے اچھا ہوئے بغیر گر جائے تو مسح باطل نہیں ہوگا اور اگر زخم اچھا ہونے پر گر جائے تو مسح باطل ہو جائیگا۔

حل لغات:۔ العمامۃ۔ پگڑی۔القلنسوۃ۔ٹوپی۔البرقع۔نقاب جو پردہ نشیں خواتین استعمال کرتی ہیں جس کی آنکھ کی پٹی جالی دار ہوتی ہے۔ القُفازین۔قفاز کا تثنیہ، دستانہ جمع قفافیز۔الجبائر۔جبیرۃ کی جمع۔ٹوٹی ہوئی ہڈی کے باندھنے کی لکڑی یا پٹی۔شد۔فعل ماضی۔باب (ض،ن) سے مصدر شَدّاً باندھنا، کسنا۔ برء۔مصدر ہے بَریٰ من المرض (س،ف،ك) مرض ختم ہونا۔شفایاب ہونا۔

تشریح:۔ ولا یجوز الخ:۔حنفیہ کے نزدیک پگڑی، ٹوپی، برقع اور دستانے پر مسح کرنا جائز نہیں،مسح علی الخفین کے جواز کی مصلحت نقصان وحرج کو دور کرنا ہے۔اوران چیزوں کے نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔چنانچہ امام مالکؒ بھی مسح علی العمامہ کے جواز کے قائل نہیں ہیں۔امام احمدؒ کے نزدیک چند شرائط کے ساتھ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک مسح علی العمامہ پر اکتفاء کرنا درست نہیں ہے بلکہ سر کی مقدار مفروض کا مسح کرے اس کے بعد سنت استیعاب مسح علی العمامہ سے ادا کرے بشرطیکہ عمامہ کا کھولنا باعث اذیت ہو۔جن روایات سے مسح علی العمامہ کا ثبوت ملتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے مسح علی العمامہ تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا۔

ویجوز علی الجبائر:۔حدیث میں اس کے جواز کا ثبوت موجود ہے کہ آپؐ نے خودؐ بھی مسح کیا ہے اور حضرت علیؓ کو بھی اس کا حکم فرمایا ہے۔نیز بالمقابل موزہ کے اس کو نکالنے میں زیادہ حرج ہے اس لئے بدرجہ اولی اس کو جائز ہونا چاہئے۔گویا دلیل نقلی و عقلی دونوں سے ثابت ہے۔زخم کی اکثر پٹی پر مسح کرلینا بھی کافی ہے اور یہی قول مفتی بہ ہے۔

مسح علی جبیرۃ اور مسح علی الخفین کے درمیان چار باتوں میں فرق ہے۔

(۱) اگر زخم ٹھیک ہو کر پٹی کھل گئی ہو تو صرف اس مقام کا دھونا کافی ہے لیکن خفین میں ایک کے نکل جانے سے دونوں پاؤں کا دھونا لازمی ہے۔(۲) زخم کے اچھا ہونے سے پہلے پٹی کھل جائے تو دوبارہ باندھ لے مسح کا اعادہ ضروری نہیں۔(۳) اس کے لئے وقت کی تحدید نہیں مگر مسح علی الخف میں ایسا ہے۔(۴) زخم پر پٹی باندھنے میں طہارت وعدم طہارت کی کوئی قید نہیں البتہ مسح علی الخف بغیر طہارت کے جائز نہیں۔

باب الحیض

صاحب قدوری کثیر الوقوع احداث یعنی حدث اصغر واکبر کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد قلیل الوقوع احداث یعنی حیض ونفاس (جو خواتین کے ساتھ مخصوص ہیں) کو بیان کررہے ہیں۔اور حیض کا وقوع نفاس کے مقابلہ میں زیادہ ہے اس لئے اس باب کا عنوان محض ''حیض'' رکھا گیا۔اسی باب کے تحت نفاس کو مستقلاً بیان کرنے کا مقصد دونوں کے درمیان امتیاز پیدا کرنا ہے لہٰذا اگر نفاس پر حیض کا اطلاق ہوتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حیض حضرت حواؑ کو جاری ہوا جب وہ جنت سے زمین پر اتاری گئی تھیں۔

الحیض:۔ لغوی معنیٰ بہنا۔جاری ہونا۔باب (ض) سے اہل عرب بولتے ہیں حاض الوادی۔وادی بہہ پڑی۔ ازروئے لغت حیض صرف بنات آدم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مادین جانوروں کو بھی حیض آتا ہے۔جیسے خرگوش، اونٹنی، گھوڑی، بجو، وغیرہ۔اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ ایسا خون جو بالغہ عورت کے رحم سے نکلے اور اس کو کسی مرض کا عارضہ

نہ ہو اور نہ وہ سن ایاس کو پہونچی ہو۔

اَقَلُّ الْحَیْضِ ثَلٰثَۃُ اَیَّامٍ وَلَیَالِھَا وَمَا نَقَصَ بِذَالِکَ فَلَیْسَ بِحَیْضٍ وَھُوَ اِسْتِحَاضَۃٌ وَاَکْثَرُہٗ عَشْرَۃُ اَیَّامٍ وَمَا زَادَ عَلٰی ذٰلِکَ فَھُوَ اِسْتِحَاضَۃٌ.

ترجمہ:۔ حیض کی کم از کم مدت تین روز و شب ہے اور جو اس سے کم ہو وہ حیض نہیں بلکہ وہ استحاضہ ہے اور اس کی اکثر مدت دس دن ہے اور جو اس پر اضافہ ہو وہ استحاضہ ہے۔

﴿مدت حیض کا بیان﴾

خلاصہ:۔ اس متن میں حیض کی اقل مدت و اکثر مدت کو بیان کیا گیا ہے کہ حیض کی ادنیٰ مدت تین دن و تین رات ہے جو خون اس مدت معینہ سے کم ہوگا اس کو حیض کا خون نہ سمجھ کر خون استحاضہ سمجھا جائیگا۔ اسی طرح حیض کی اکثر مدت دس دن ہے اور جو خون اس دس دن سے زائد ہوگا وہ خون استحاضہ کہلائے گا۔

تشریح:۔ اقل الحیض:۔ ادنیٰ مدت کے بارے میں قدرے اختلاف ہے۔ احناف کا مسلک متن کے مطابق ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اقل مدت دو دن مکمل اور تیسرے دن کا اکثر ہے امام شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک اقل مدت ایک دن و رات ہے امام مالکؒ کے نزدیک مطلق خون حیض ہے خواہ ایک ساعت ہو۔

واکثرہ:۔ اکثر مدت حیض میں بھی اختلاف ہے احناف کے نزدیک اکثر مدت دس دن ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک پندرہ دن ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک سترہ دن ہے امام احمدؒ سے تینوں مذاہب کی طرح تین روایتیں ہیں۔ لیکن خرقی نے پندرہ دن کی اور ابن قدامہ نے دس دن کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ الحاصل جو خون تقدیر شرع سے کم یا زائد ہوگا وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ کہلائے گا۔

وَمَا تَرَاہُ الْمَرْأَۃُ مِنَ الْحُمْرَۃِ وَالصُّفْرَۃِ وَالْکُدْرَۃِ فِیْ اَیَّامِ الْحَیْضِ فَھُوَ حَیْضٌ حَتّٰی تَرَی الْبَیَاضَ خَالِصاً.

ترجمہ:۔ اور وہ جس کو عورت دیکھے یعنی سرخی، زردی اور مٹیالا خون ایام حیض میں تو وہ حیض ہے یہاں تک کہ خالص سفیدی کو دیکھے۔

﴿حیض کے رنگوں کا بیان﴾

حل لغات:۔ الحمرۃ۔ سرخی۔ الصفرۃ۔ زردی۔ الکدرۃ۔ گدلا پن مٹیالا۔

خلاصہ:۔ مصنف حیض کی رنگوں کا بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حائضہ عورت ایام حیض میں سرخ زرد اور گدلا جس رنگ کا بھی خون دیکھے سب حیض شمار ہوگا یہاں تک کہ خالص سفید رطوبت آنے لگے۔

تشریح:۔ خون حیض چھ رنگ کا ہوتا ہے۔ (۱) سرخ (۲) زرد (۳) مٹیالا (۴) سیاہ (۵) سبز (۶) گدلا۔ بہر کیف امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جس رنگ کا بھی خون آئے وہ حیض ہے بشرطیکہ ایام حیض میں آئے۔ یہاں تک کہ بالکل سفید رطوبت

عورت کی شرمگاہ سے آنے لگے۔ یعنی جب تک یہ رطوبت نہ آئے اس وقت تک ہر خون حیض کا ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف سرخ اور سیاہ رنگ کا خون حیض ہے۔ باقی استحاضہ کے رنگ ہیں یہی مسلک حنابلہ کا ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک زرد اور گدلا رنگ بھی خون حیض ہے صاحب ہدایہؒ کے مطابق امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ آخر حیض میں خارج ہو تو حیض میں شمار کیا جائیگا ورنہ نہیں۔ حتی تری البیاض ۔ بیاض خالص کا نظر آنا انقطاع حیض کی علامت ہے یعنی خون حیض کے بند ہونے کے بعد عورت کی شرمگاہ سے سفید دھاگہ سے مشابہ ایک رطوبت خارج ہوتی ہے۔

وَالْحَيْضُ يُسْقِطُ عَنِ الْحَائِضِ الصَّلٰوةَ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهَا الصَّوْمَ وَتَقْضِيُ الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِيُ الصَّلٰوةَ وَلَا تَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَلَا تَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَلَا يَاْتِيْهَا زَوْجُهَا وَلَا يَجُوْزُ لِحَائِضٍ وَلَا لِجُنُبٍ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ وَلَا يَجُوْزُ لِلْمُحْدِثِ مَسُّ الْمُصْحَفِ اِلَّا اَنْ يَاْخُذَهٗ بِغِلَافِهٖ.

ترجمہ:۔ اور حیض، حائضہ عورت سے نماز کو ساقط کر دیتا ہے اور اس پر روزہ رکھنا حرام کر دیتا ہے۔ اور حائضہ عورت روزہ کی قضا کرے گی اور نماز کی قضا نہیں کرے گی۔ اور نہ مسجد میں داخل ہوگی اور نہ بیت اللہ شریف کا طواف کرے گی۔ اور اس کا خاوند اس کے پاس نہ آئے اور نہیں جائز ہے حائضہ کے لئے اور نہ جنبی کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔ اور بے وضو کے لئے قرآن کریم کا چھونا جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس کو اس کے غلاف سے پکڑے (چھوئے)

احکام حیض کا بیان

حل لغات:۔ یسقط ۔ باب افعال سے۔ گرانا۔ ساقط کرنا۔ یاتیھا ۔ باب (ض) سے اتی یاتی اتیاناً۔ آنا یہ مجامعت اور ہمبستری سے کنایہ ہے جیسے ارشاد باری ہے فاذا تطھرن فاتوھن۔ مس ۔ مصدر باب (ن، س) چھونا۔ المصحف ۔ قرآن کریم، غلاف۔ وہ چیز جس میں کوئی چیز داخل کی جائے۔ جزدان۔ جمع غُلُفٌ۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہے۔ یہ قرآن کریم سے بالکل علیحدہ خول ہوتا ہے جو عام طور کپڑے کا تیار کیا جاتا ہے۔

خلاصہ:۔ یہاں حیض کے احکام بیان کئے جا رہے ہیں۔ حیض کے بارہ احکام ہیں۔ آٹھ ایسے ہیں جس میں حیض ونفاس مشترک ہیں اور چار ایسے ہیں جو حیض کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان آٹھ میں سے (۱) حائضہ عورت سے نماز ساقط ہو جاتی ہے اسکی قضا واجب نہیں۔ (۲) حائضہ عورت پر روزہ رکھنا حرام ہے اور اسکی قضا واجب ہے (۳) حائضہ عورت مسجد میں داخل نہ ہو۔ (۴) حائضہ عورت بیت اللہ کا طوف نہ کرے۔ (۵) حائضہ عورت کے ساتھ ہمبستری کرنا حرام ہے۔ (۶) اور قرآن کریم کی تلاوت نہ حائضہ کیلئے جائز ہے اور نہ جنبی کیلئے خواہ مرد ہو یا عورت۔ (۷) محدث (اس میں حائضہ و نفساء اور جنبی سب ہی داخل ہیں) کیلئے بغیر غلاف (جزدان) قرآن کریم کا چھونا جائز نہیں ہے۔ آٹھواں حکم آگے آ رہا ہے۔

تشریح:۔ لا تدخل المسجد:۔ جمہور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حائضہ کے لئے دخول مسجد حرام ہے اسی طرح اس کا ٹھہرنا اور گذرنا بھی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مسجد سے گذرنا جائز ہے۔

ولا یاتیھا زوجھا:۔ حائضہ عورت کے ساتھ وطی کرنا حرام ہے۔ ارشاد باری ہے "ولا تقربوھن حتی یطھرن" صاحب جوہرہ لکھتے ہیں کہ اگر شوہر نے اپنی حائضہ بیوی سے حلال سمجھ کر مقاربت کی تو وہ کافر ہو گیا اور اگر حرام سمجھ کر کی تو

وہ فاسق و مرتکب گناہ کبیرہ ہو گیا لہٰذا اس پر توبہ اور استغفار واجب ہے۔ اور مستحب طریقہ یہ ہے کہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کردے اور بعض کا خیال ہے کہ اگر شروع حیض میں مقاربت کی ہے تو ایک دینار اور اگر آخر میں کی تو آدھا دینار صدقہ کردے۔ رہا مسئلہ یہ کہ حائضہ عورت سے جماع کے علاوہ حصہ سے لطف اندوز ہونا کیسا ہے؟ تو شیخینؒ اور امام شافعیؒ و مالکؒ کے نزدیک ناف سے لے کر گھٹنے تک حرام ہے۔ امام محمدؒ و احمد کے نزدیک فرج کو چھوڑ کر پورے حصہ سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ معلوم ہوا کہ عورت سے ہر طرح کام کاج لے سکتے ہیں اس کا پکایا ہوا کھانا کھانا جائز ہے۔ یہودیوں کا شعار ہے کہ وہ حائضہ عورت کو بالکل الگ کر دیتے ہیں۔ اسلام اس کا مخالف ہے۔

ولا یجوز لحائض ولا لجنب قراءة القرآن: حائضہ اور جنبی کیلئے ائمہ ثلاثہ اور جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک تلاوت قرآن ناجائز ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک حائضہ کے لئے قرأت قرآن جائز ہے۔ البتہ جمہور کے نزدیک یہ جائز ہے کہ کام کے وقت بسم اللہ پڑھ لے یا شکر کے وقت الحمد للہ کہہ لے۔

للمحدث:۔ صاحب قدوری نے صرف "للمحدث" کہا۔ حائضہ، نفساء اور جنبی کو بیان نہیں کیا۔ کیونکہ ان تینوں کیلئے بلا مس تلاوت بھی جائز نہیں اور بے وضو کیلئے بلا مس تلاوت قرآن جائز ہے اسلئے بدرجہ اولیٰ ان تینوں کیلئے مس مصحف جائز نہیں ہے۔ اور محدث اور حائضہ وغیرہ کے درمیان فرق کرنے کا سبب یہ ہے کہ حدث کا اثر تو صرف ہاتھ میں ہوتا ہے اور جنابت کا اکثر ہاتھ اور منہ دونوں میں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے غسل جنابت میں ہاتھ اور منہ دونوں کا دھونا واجب ہے۔

فَاِذَا انْقَطَعَ دَمُ الْحَيْضِ لِاَ قَلَّ مِنْ عَشَرَةِ اَيَّامٍ لَمْ يَجُزْ وَطْيُهَا حَتّٰى تَغْتَسِلَ اَوْ يَمْضِيَ عَلَيْهَا وَقْتُ صَلٰوةٍ كَامِلَةٍ وَاِنْقَطَعَ دَمُهَا لِعَشَرَةِ اَيَّامٍ جَازَ وَطْيُهَا قَبْلَ الْغُسْلِ.

ترجمہ:۔ پس اگر حیض کا خون دس دن سے کم میں بند ہو جائے تو اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہے۔ یہاں تک کہ غسل کرلے یا اس پر ایک کامل نماز کا وقت گذر جائے۔ اور اگر اسکا خون دس دن میں بند ہوا ہے تو غسل کرنے سے پہلے اس سے وطی کرنا جائز ہے۔

خلاصہ:۔ آٹھواں حکم یہ ہے کہ اگر عادت کے مطابق دس روز سے کم پر حیض کا خون بند ہو گیا ہو تو اس کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں ہے۔ ہمبستری کی اجازت کی دو شکل ہے ایک شکل یہ ہے کہ بندش حیض کے بعد غسل کرے دوسری شکل یہ ہے کہ اس پر نماز کا ادنیٰ وقت گذر جائے یعنی اتنی مقدار کہ عورت اس میں غسل کر کے تکبیر تحریمہ باندھ سکتی تھی۔ (وقت سے نماز کا آخری وقت مراد ہے) وقت گذر جانے پر عورت حکماً پاک مانی جائیگی کیونکہ جب شریعت نے نماز کے فرض ہونے کا حکم لگادیا تو گویا اس کے پاک ہونے کا حکم لگادیا کیونکہ حالت حیض میں نماز کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔

لم یجز وطیھا:۔ سے اسی طرف اشارہ ہے کہ یہ اجازت محض بحق ہمبستری ہے نہ کہ بحق تلاوت قرآن۔ اگر حیض کا خون مکمل دس دن کی مدت گذر جانے پر بند ہوا ہو تو عورت کے غسل کرنے سے قبل ہمبستری کی اجازت ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ قبل الغسل ہمبستری نہ کی جائے۔ امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک بلا غسل ہمبستری کی اجازت نہیں ہے۔

تشریح:۔ فاذا انقطع دم الحیض الخ:۔ اگر حیض کا خون تین روز سے زیادہ مگر عادت سے کم میں بند ہوا ہو مثلاً عادت سات دن کی ہے اور خون پانچ دن آکر بند ہو گیا ہو تو ایسی صورت میں مکمل عادت کے ایام گذر جانے ہے

قبل ہمبستری جائز نہیں ہے خواہ وہ غسل کیوں نہ کرلے۔ کیونکہ ابھی حسب عادت خون کے آنے کا ظن غالب ہے۔ بس ترک کرنے میں احتیاط ہے۔ آٹھ احکام مکمل ہوگئے جس میں حیض ونفاس مشترک ہیں۔ ذیل میں وہ چار احکام ذکر کررہے ہیں جو حیض کے ساتھ مخصوص ہیں۔

(۱) بذریعہ حیض عدت کی تکمیل (۲) رحم کا استبراء (۳) بالغ ہونے کا علم (۴) طلاق سنی اور طلاق بدعی کا فرق۔

وَ الطُّهْرُ اِذَا تَخَلَّلَ بَيْنَ الدَّمَيْنِ فِيْ مُدَّةِ الْحَيْضِ فَهُوَ كَالدَّمِ الْجَارِيْ وَاَقَلُّ الطُّهْرِ خَمسَةَ عَشَرَ يَوْماً وَلا غَايَةَ لِاَكْثَرِهٖ.

ترجمہ:۔ اور طہر (پاکی) جب مدۃ حیض میں دوخونوں کے درمیان واقع ہو جائے تو وہ خون جاری کے مانند ہے اور طہر کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے اور زیادہ کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔

﴿طہر متخلل کا بیان﴾

خلاصہ:۔ دوخون کے درمیان اگر پاکی واقع ہو تو اس کو پے درپے خون کے مانند سمجھا جائے گا اگر مدت حیض میں ہے تو حیض اور اگر مدت نفاس میں ہے تو نفاس قرار دیا جائیگا۔ اور طہر کی کم از کم مدت پندرہ یوم ہے رہی طہر وپاکی کی اکثر مدت تو اس کی حد مقرر نہیں ہے۔ البتہ اگر کسی عورت کو ہمیشہ خون آتا رہے اور اس کی کوئی عادت مقرر ہو تو اس شکل میں اس کی عادت کے اعتبار سے تحدید کرلیں گے۔

تشریح:۔ طہر۔ دوخونوں کے درمیان زمانہ فاصل کو کہتے ہیں۔ طہر کی دوقسمیں ہیں۔

(۱) طہر ناقص۔ (۲) طہر کامل۔ طہر کامل بالاتفاق فاصل کہلاتا ہے۔ طہر ناقص کے فاصل ہونے اور نہ ہونے میں امام ابوحنیفہؒ سے چھ اقوال منقول ہیں۔ صاحب کتاب نے اس قول کو نقل کیا ہے جو مفتی اور مستفتی دونوں کے لئے آسان ہے چنانچہ اسی قول پر فتویٰ ہے اس قول کو امام یوسفؒ نے نقل کیا ہے۔ باقی پانچ اقوال میں سے ایک کے راوی امام محمدؒ ہیں دوسرے کے عبداللہ بن المبارک ہیں، تیسرے کے راوی امام محمدؒ ہیں یہ امام کا مسلک ہے۔ چوتھے کے راوی ابوسہیل ہیں پانچویں کے راوی حسن بن زیاد ہیں۔

متن کی تشریح یہ ہے کہ اگر طہر ناقص دونوں طرف سے خون کے گھیرے میں ہو خواہ ایک دن ہو یا زیادہ نیز دس دن کے اندر ہو یا باہر تو طہر متخلل حیض ہوگا اگر عورت مبتدیہ ہے تو مکمل دس دن اور معتادہ کی صورت میں ایام عادت کو حیض شمار کیا جائیگا۔ مثلاً ایک عورت کی ہر ماہ کی یکم تاریخ سے دس تک خون آنے کی عادت ہے۔ پھر اس نے عادت مقررہ سے قبل ایک دن خون دیکھا اور دس دن تک پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا تو حسب عادت دس دن حیض کے قرار دیئے جائیں اس لئے اب دونوں خون کے مابین کا عشرہ جس میں خون بالکل نظر نہیں آیا وہ حیض ہے اور عادت سے پہلے دن کا خون اور دس دن کے بعد جو خون آیا ہے (اول و آخر دونوں خون) وہ استحاضہ کے حکم میں ہے یہی امام ابوحنیفہؒ کا آخری قول ہے جو مفتی بہ ہے۔ مزید پانچ اقوال کی تفصیل ہدایہ اور شرح وقایہ میں پڑھیں گے۔

نقشہ طہر متخلل مع اختلاف ائمہ اربعہ

صورت مسئلہ مسئلہ کا حکم اور اصحاب مذاہب

	امام ابو یوسفؒ	امام محمدؒ	امام زفرؒ	حسن بن زیادؒ	
(۱) عورت نے ایک دن خون آٹھ دن طہر اور ایک دن خون دیکھا	مکمل حیض ہے	حیض نہیں ہے	حیض نہیں ہے	حیض نہیں ہے	
(۲) ایک گھڑی خون اور دو گھڑی کم دس دن طہر اور پھر ایک گھڑی خون دیکھا	//	//	//	//	صاحب الصبح النوری نے اس شکل کو ذکر نہیں کیا ہے
(۳) دو دن خون اور سات دن طہر یا ایک دن خون اور سات دن طہر اور دو دن خون دیکھا	//	//	مکمل حیض ہے	//	
(۴) تین دن خون چھ دن طہر اور ایک دن خون دیکھا	//	ابتداء کے تین دن حیض اور باقی استحاضہ	//	ابتداء کے تین دن حیض اور باقی استحاضہ	
(۵) ایک دن خون چھ دن طہر اور تین دن خون دیکھا	//	آخر کے تین دن حیض باقی استحاضہ	//	آخر کے تین دن حیض اور باقی استحاضہ	
(۶) چار دن خون پانچ دن طہر اور ایک دن خون یا ایک دن خون پانچ دن طہر اور چار دن خون دیکھا	//	مکمل حیض ہے	//	چار روز حیض ہے خواہ شروع میں ہو یا آخر میں	صاحب الصبح النوری نے اس شکل کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے
(۷) ایک دن خون دو دن طہر اور تین دن خون دیکھا	//	//	//	مکمل حیض ہے	
(۸) تین دن خون چھ دن طہر اور تین دن خون دیکھا	اول کے دس دن حیض اور دو دن استحاضہ	اول کے تین دن حیض اور باقی استحاضہ	شروع کے دس دن حیض اور آخر کے دو دن استحاضہ	شروع کے تین دن حیض اور باقی استحاضہ	

نوٹ:۔ یہ نقشہ قدوری میں ذکر کردہ نقشہ کے عین مطابق ہے۔

وَدَمُ الإِسْتِحَاضَةِ هُوَ مَاتَرَاهُ الْمَرْأَةُ اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ اَوْ اَكْثَرَ مِنْ عَشَرَةِ اَيَّامٍ فَحُكْمُهُ حُكْمُ الرُّعَافِ لَا يَمْنَعُ الصَّلٰوةَ وَلَا الصَّوْمَ وَلَا الْوَطِيَ وَاِذَا زَادَ الدَّمُ عَلَى الْعَشَرَةِ وَلِلْمَرْأَةِ عَادَةٌ مَعْرُوفَةٌ رُدَّتْ اِلٰى اَيَّامِ عَادَتِهَا وَمَا زَادَ عَلٰى ذَالِكَ فَهُوَ اِسْتِحَاضَةٌ وَاِنِ ابْتَدَأَتْ مَعَ الْبُلُوْغِ مُسْتَحَاضَةً فَحَيْضُهَا عَشَرَةُ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَالْبَاقِي اِسْتِحَاضَةٌ.

ترجمہ:۔ اور استحاضہ کا خون وہ ہے جس کو عورت دیکھے تین روز سے کم یا دس روز سے زیادہ پس اس کا حکم نکسیر کا حکم ہے۔ یہ نماز کو روکتا ہے نہ روزے کو اور نہ وطی۔ اور اگر خون دس روز سے زائد ہو اور عورت کی ایک عادت مقررہ ہے تو وہ اپنی ایام عادت کی طرف لوٹائی جائے گی۔ اور مقررہ عادت سے جو زائد ہے وہ استحاضہ ہے اور اگر کوئی عورت بحالت استحاضہ ہی بالغ ہوئی تو ہر ماہ کا دس روز اس کا حیض ہوگا اور باقی استحاضہ ہے۔

استحاضہ کے خون کا بیان

حل لغات:۔ الرعاف۔ نکسیر۔ الوطی۔ ہمبستری۔ رُدَّت۔ فعل ماضی مجہول۔ لوٹانا۔

خلاصہ:۔ استحاضہ کا خون نکسیر کے خون کے مانند ہوتا ہے یعنی جس طرح نکسیر کی وجہ سے نماز روزہ کی ممانعت نہیں ہوتی اسی طرح استحاضہ کی وجہ سے نماز روزہ اور عورت سے ہمبستری کی ممانعت نہیں ہوتی۔ اگر کسی عورت کو حیض کا خون دس روز سے زیادہ آجائے جبکہ اس کی عادت مقررہ اس سے کم تھی تو مقررہ عادت کے مطابق ہی حیض شمار ہوگا اور زائد خون استحاضہ کا ہوگا۔

اگر عورت ابتدائی طور پر بالغ ہونے کے ساتھ مستحاضہ ہو جائے تو اس کا حیض ہر ماہ دس دن ہوگا اور باقی استحاضہ کیونکہ دس روز یقینی طور پر حیض ہے۔

تشریح:۔ مستحاضہ کی تین حالتیں ہیں۔ (۱) مبتدأہ۔ ایسی عورت جس کو ابھی حیض کا آنا شروع ہوا ہو۔ (۲) معتادہ۔ جس کی بسلسلہ حیض کوئی عادت ہو۔ معتادہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) جس کی باضابطہ عادت ہو۔ (۲) جس کی عادت میں بے ضابطگی ہو۔ یعنی حیض کبھی پانچ دن آتا ہے تو کبھی سات دن۔ (۳) متحیرہ۔ وہ عورت جو معتادہ تھی پھر استمرار دم ہوا مگر اپنی سابقہ عادت بھول گئی، اس کی ایک قسم ممیزہ بھی ہے وہ عورت جو خون کے رنگ کو دیکھ کر پہچان سکتی ہو کہ کونسا خون حیض کا ہے اور کون سا استحاضہ کا، اگر مبتدأہ کی مدت حیض دس یوم سے متجاوز ہو گئی تو بالاجماع دس یوم حیض کے اور باقی ایام استحاضہ کے ہوں گے۔ اور مقررہ عادت والی کا خون دس روز سے زائد ہونے پر تو عند الاحناف بالاتفاق عادت کی طرف پھیر دیا جائیگا۔ مثلاً عادت پانچ یوم کی تھی مگر بارہ یوم تک آئے تو پانچ یوم حیض کے اور سات یوم استحاضہ کے سمجھے جائیں گے۔ اگر حیض دس یوم تک آیا تو علی وجہ الاتفاق تو یہ تمام ایام حیض کے قرار دیئے جائیں گے خواہ عورت مبتدأہ ہو یا معتادہ، متفقہ ہو یا مختلفہ اور اس مرتبہ عادت میں تغیر تصور کیا جائیگا۔

وَالْمُسْتَحَاضَةُ وَمَنْ بِهٖ سَلِسُ الْبَوْلِ وَالرُّعَافُ الدَّائِمُ وَالْجُرْحُ الَّذِی لَا یَرْقَأُ یَتَوَضَّئُوْنَ لِوَقْتِ کُلِّ صَلوٰةٍ وَیُصَلُّوْنَ بِذَالِكَ الْوُضُوْءِ فِی الْوَقْتِ مَاشَاءَ وَمِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ فَاِذَا خَرَجَ الْوَقْتُ بَطَلَ وُضُوْءُ هُمْ وَکَانَ عَلَیْهِمْ اِسْتِیْنَافُ الْوُضُوْءِ لِصَلوٰةٍ اُخْرٰی.

ترجمہ:۔ اور مستحاضہ اور وہ شخص جس کو سلسل البول کی بیماری ہو، یا دائمی نکسیر یا ایسا زخم جس کا خون برابر بہتا رہتا ہو۔ یہ لوگ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کریں اور اس وضوء سے وقت کے اندر جس قدر فرائض و نوافل نمازیں چاہیں پڑھیں اور جب وقت نکل جائے تو ان کا وضو باطل ہو جائیگا اور ان پر لازم ہے از سر نو وضو کرنا دوسری نماز کے لئے۔

مستحاضہ اور معذورین کے احکام

حل لغات:۔ سَلِس البوم۔ بے ارادہ پیشاب نکلنا۔ الرعاف الدائم۔ دائمی نکسیر۔ الجرح۔ زخم۔ یرقأ۔ باب (ن) سے رَقَأَ الدم رَقأً ورُقُوْأً خون کا خشک ہونا۔ بہنے کا سلسلہ بند ہو۔ لا یرقأ۔ باب (ن) برابر بہتا رہتا ہے۔ استیناف۔ باب استفعال سے از سر نو کرنا۔

خلاصہ:۔ جس عورت کو استحاضہ کی شکایت ہو یا ایسا شخص جس کو بلا ارادہ پیشاب نکل جاتا ہو یا جو شخص دائمی نکسیر کا مریض ہو یا جس کا زخم برابر رستا رہتا ہو، تو حنفیہ کے نزدیک ایسے معذورین کے لئے حکم یہ ہے کہ اس وضوء سے وقت کے اندر اندر جتنی بھی نمازیں پڑھنا چاہے پڑھے خواہ وہ فرائض ہوں یا نوافل واجب ہوں یا نذر کی نمازیں۔ ہاں خروج وقت کے بعد دوسری نمازوں کے لئے الگ سے باضابطہ وضو کرنا ہوگا۔ کیونکہ خروج وقت نقض وضو پر اثر انداز ہوا ہے۔

تشریح:۔ حیض اپنے کثیر الوقوع کے سبب مقدم ہوا اسی طرح اس مقام پر استحاضہ کو بنسبت نفاس کے کثیر الوقوع کے سبب تقدیم حاصل ہے۔ چنانچہ عورت کبھی تو حالت حمل میں خون دیکھنے کی وجہ سے مستحاضہ ہوتی ہے یا کبھی مقررہ ایام سے زائد خون آنے کی وجہ سے یا کبھی تین یوم سے کم خون آنے کی وجہ سے وغیرہ وغیرہ۔ الغرض اس کے مختلف اسباب ہیں مگر نفاس کا صرف ایک سبب ہے یعنی بچہ کی ولادت۔

یتوضئون لوقت کل صلوٰة:۔ مذکورہ بالا سطور میں گذر چکا ہے کہ احناف کے یہاں معذورین کو ایک وقت کے وضو سے کتنی نماز کی اجازت ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر فرض نماز کے لئے الگ وضو کرنا ہوگا یعنی معذور ایک وضو سے صرف ایک فرض نماز ادا کر سکتا ہے۔

معذورین کے لئے خروج وقت ناقض وضو ہے یا دخول وقت۔ اس میں قدرے اختلاف ہے۔ طرفین کے نزدیک خروج وقت ناقض وضو ہے، امام زفرؒ کے نزدیک دخول وقت ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خروج و دخول دونوں ہے مثلاً ایک معذور نے طلوع فجر کے بعد وضو کیا پھر آفتاب طلوع ہو گیا اس صورت میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جائیگا کیونکہ خروج وقت پایا گیا امام زفرؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹے گا کیونکہ ابھی زوال کا وقت داخل نہیں ہوا۔

وَالنِّفَاسُ هُوَ الدَّمُ الْخَارِجُ عَقِيْبَ الْوَلَادَةِ وَالدَّمُ الَّذِىْ تَرَاهُ الْحَامِلُ وَمَا تراهُ الْمَرْأةُ فِيْ حَالِ وَلَا دَتِهَا قَبْلَ خُرُوْجِ الْوَلَدِ اِسْتِحَاضَةٌ وَاَقَلُّ النِّفَاسِ لَا حَدَّ لَهٗ وَاَكْثَرُهٗ اَرْبَعُوْنَ يَوْماً وَمَازَادَ عَلىٰ ذالك فَهُوَ اِسْتِحَاضَةٌ وَاِذَا تَجَاوَزَ الدَّمُ عَلىٰ الْاَرْبَعِيْنَ وَقَدْ كَانَتْ هٰذِهِ الْمَرْأةُ وُلِدَتْ قَبْلَ ذالك وَلَهَا عَادَةٌ فِى النِّفَاسِ رُدَّتْ اِلىٰ اَيَّامِ عَادَتِهَا وَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهَا عَادَةٌ فَنِفَاسُهَا اَرْبَعُوْنَ يَوْماً.

ترجمہ:۔ نفاس وہ خون ہے جو پیدائش کے بعد نکلے، اور وہ خون جس کو حاملہ دیکھے یا عورت ولادت کے وقت بچہ کے پیدا ہونے سے پہلے دیکھے وہ استحاضہ ہے اور ادنیٰ مدت نفاس کی کوئی تحدید نہیں، اور اکثر مدت نفاس چالیس روز ہے اور اس پر جو زائد ہو وہ استحاضہ ہے۔ اور جب خون چالیس سے آگے بڑھ گیا درانحالیکہ عورت اس سے پہلے بچہ جن چکی ہے اور اس کی نفاس میں عادت ہے تو وہ اپنے ایام عادت کی طرف لوٹادی جائیگی اور اگر اس عورت کی عادت مقرر نہ ہو تو اس کا نفاس چالیس دن ہے۔

﴿نفاس کا بیان﴾

حل لغات:۔ نفاس۔ مصدر نفست المرأة (س) نَفساً ونِفَاساً بچہ جننا۔ النفاس۔ زچگی۔ ولادت کے بعد کا خون۔ کبھی یہ نُفَساء کی جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ عقیب۔ بعد ولادة۔ پیدائش۔

تشریح:۔ النفاس هو الدم:۔ حیض، استحاضہ اور نفاس یہ تین قسم کے خون عورت کے ساتھ مخصوص ہیں اس سے پہلے حیض واستحاضہ کا بیان گذر چکا اب یہاں تیسری قسم نفاس کو بیان فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں کہ بچے کی پیدائش کے بعد آنیوالے خون کو نفاس کہتے ہیں اگر حاملہ عورت کو دوران حمل یا بچے کی پیدائش کے وقت پیدائش سے پہلے خون نظر آجائے تو وہ خون عندالاحناف استحاضہ کا خون ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک حیض کا خون ہے۔ اگر بعد الولادت خون نظر نہیں آتا ہے تو یہ عورت نفساء نہیں ہوگی اور اس پر غسل واجب نہیں البتہ وضو واجب ہے جیسا کہ صاحبین کہتے ہیں مگر امام ابو حنیفہؒ وامام زفر کے نزدیک احتیاطاً غسل واجب اور ضروری ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور یہی قول مفتی بہ ہے۔

اقل النفاس لاحدَّ له:۔ جمہور کے نزدیک نفاس کی ادنیٰ مدت مقرر نہیں ہے اگر بعد الولادت ایک ساعت بھی خون آکر بند ہو جائے تو عورت پاک مانی جائے گی اور اس پر نماز اور روزہ واجب ہو جائے گا۔ یہی مفتی بہ قول ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک نفاس کی اکثر مدت چالیس یوم ہے البتہ امام شافعی کے نزدیک ساٹھ یوم ہے۔

واذاتجاوزالدم الخ:۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ولادت کے بعد چالیس یوم سے زائد خون آنے کی صورت میں یہ دیکھنا ہے کہ اس سلسلہ میں اس کی کوئی عادت ہے یا نہیں اگر عادت ہے تو ایام عادت کی مدت نفاس سمجھا جائیگا اور باقی استحاضہ مثلاً اس کی عادت تیس دن کی تھی اور اس مرتبہ پچاس دن آیا تو تیس دن تو نفاس کے اور بیس دن استحاضہ کے قرار دیئے جائیں گے اور مقررہ عادت نہ ہونے کی صورت میں۔ چالیس یوم نفاس کے شمار ہوں گے اور باقی ایام استحاضہ کے ہونگے۔

وَمَنْ وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِي بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنِفَاسُهَا مَا خَرَجَ مِنَ الدَّمِ عَقِيْبَ الْوَلَدِ الْأَوَّلِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْوَلَدِ الثَّانِيْ.

ترجمہ:۔ اور جس عورت نے ایک پیٹ میں جو بچے جنم دیئے۔ تو امام ابو حنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک پہلے بچہ کے بعد آنے والا خون اس کا نفاس ہوگا۔ اور امام محمدؒ وامام زفرؒ نے فرمایا کہ دوسرے بچہ سے (نفاس کی ابتداء) ہوگی۔

خلاصہ۔ اگر کسی عورت کے ایک ہی پیٹ سے دو بچے پیدا ہوئے یعنی دونوں بچوں کے درمیان کا فاصلہ چھ ماہ سے کم کا ہو، تو شیخین رحمہم اللہ کے نزدیک نفاس کی ابتداء پہلے بچہ سے ہوگی اگرچہ دونوں کے درمیان چالیس روز کا فاصلہ ہو۔ اور امام محمدؒ وزفرؒ کے نزدیک نفاس کی ابتداء دوسرے بچہ کے پیدائش سے ہوگی۔

تشریح۔ اگر کسی عورت کو اس حالت میں طلاق دے دیا گیا تو بالاتفاق اس کی عدت کا شمار دوسرے بچہ کی پیدائش سے ہوگا کیونکہ عدت کا پورا ہونا ایسے وضع حمل سے متعلق ہے جس کی اضافت عورت کی طرف ہے ارشاد باری ہے "واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن'' سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ عدت وضع حمل کے بعد مکمل ہوگی اور حمل صرف پہلا بچہ نہیں ہے بلکہ جتنے بچے پیٹ میں ہیں سب حمل ہیں اس لئے سب کے وضع کے بعد عدت پوری ہوگی۔

باب الانجاس

(یہ باب نجاستوں کے بیان میں ہے)

الانجاس:۔ نجس کی جمع ہے بفتح الجیم۔ ناپاکی و گندگی۔ بکسر الجیم، ناپاک چیز۔ یہ لفظ نجاست حقیقی و حکمی دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ اس باب سے پیشتر باب میں نجاست حکمی اور اس کے طریقہ تطہیر اور احکامات بیان کئے گئے۔ اور اس باب میں نجاست حقیقی کو مع احکام بیان کیا جارہا ہے۔ نجاست حکمی قلیل مقدار کے باوجود جواز صلوٰۃ کے لئے مانع ہے، لیکن حقیقی کی قلیل مقدار جواز صلوٰۃ کے لئے مانع نہیں۔ اس لئے حکمی کو حقیقی پر تقدیم حاصل ہے۔

تَطْهِيْرُ النَّجَاسَةِ وَاجِبٌ مِنْ بَدَنِ الْمُصَلِّيْ وَثَوْبِهٖ وَالْمَكَانِ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْهِ وَيَجُوْزُ تَطْهِيْرُ النَّجَاسَةِ بِالْمَاءِ وَبِكُلِّ مَائِعٍ طَاهِرٍ يُمْكِنُ اِزَالَتُهَا بِهٖ كَالْخَلِّ وَمَاءِ الْوَرْدِ.

ترجمہ:۔ نجاست کو پاک کرنا واجب (فرض) ہے نمازی کے بدن سے، اس کے کپڑے سے اور اس جگہ سے جہاں وہ نماز پڑھتا ہے اور جائز ہے نجاست کو پاک کرنا پانی سے اور ہر ایسی بہنے والی چیز سے جو پاک ہو جس سے نجاست کا زائل کرنا ممکن ہو جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی۔

حل لغات۔ تطھیر النجاسۃ:۔ عین نجاست پاک نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے نجاسۃ سے قبل مضاف کو پوشیدہ

ماننا چاہئے یعنی تطہیر محل النجاسة جیسے قرآن کریم میں ہے "واسئل القرية" یعنی "اهل القرية" واجب۔ یہ فرض کے معنی میں ہے۔ مائع۔ بہنے والی۔ ماء الورد۔ عرق گلاب۔

خلاصہ۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ نمازی کے بدن، اس کے کپڑے اور جس مقام میں نماز پڑھتا ہے اس مقام سے نجاست کا زائل کرنا فرض ہے۔ اور مقام نجاست پانی اور ہر ایسی چیز سے پاک کیا جاسکتا ہے جس کے ذریعہ نجاست دور کی جاسکے۔ جیسے سرکہ، عرق گلاب وغیرہ۔

تشریح:۔ پانی اور ہر سیال پاک چیز سے مقام نجاست کی نجاست دور کی جاسکتی ہے جس کے ذریعہ ازالۂ نجاست ممکن ہو یہ شیخین کے نزدیک ہے۔ اور امام محمدؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مقام نجاست کی پاکی صرف پانی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔

واضح رہے کہ مقام کی طہارت میں جائے قیام کی پاکیزگی معتبر ہے چنانچہ اگر اس مقام پر ایک درہم سے زائد نجاست ہوگی تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ جائے قیام کی پاکی کے ساتھ مقام سجدہ کی پاکیزگی بھی شرط ہے لیکن اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔ طرفینؒ کے نزدیک مقام سجدہ پیشانی رکھنے کی جگہ ہے اور یہ جگہ ایک درہم کی مقدار سے زائد ہوتی ہے اس لئے اس کا پاک ہونا شرط ہے، امام ابویوسفؒ کے نزدیک مقام سجدہ ناک رکھنے کی جگہ ہے اور وہ جگہ ایک درہم کی مقدار سے کم ہے اس لئے ابویوسفؒ کے نزدیک مقام سجدہ کا پاک ہونا شرط نہیں ہے۔

وَاِذَا اَصَابَتِ الْخُفَّ نَجَاسَةٌ لَهَا جرمٌ فَجَفَّتْ فَدَلَكَهُ بِالْاَرْضِ جَازَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ وَالْمَنِيُّ نجس يَجِبُ غسلُ رطبه فَاِذَا جَفَّ عَلَى الثَّوْبِ اجزاه فِيْهِ لاالفركُ وَالنَّجَاسَةُ اِذَا اَصَابَتِ الْمِرْاٰةَ اَوِ السَّيْفَ اِكْتَفٰى بِمَسْحِهِمَا وَاِنْ اَصَابَتِ الْاَرْضَ نَجَاسَةٌ فَجَفَّتْ بِالشَّمْسِ وَذَهَبَ اَثَرُهَا جَازَتِ الصَّلٰوةُ عَلٰى مَكَانِهَا وَلَا يَجُوْزُ التَّيَمُّمُ مِنْهَا.

ترجمہ:۔ اور جب لگ گئی موزہ کو ایسی نجاست کہ جس کا جسم ہے پھر یہ خشک ہوگئی پھر اس کو زمین پر رگڑ دیا تو اس میں نماز جائز ہے اور منی نجس ہے کہ تر منی کو دھونا واجب ہے۔ اور جب کپڑے پر خشک ہو جائے تو اس میں کھرچ دینا کافی ہے۔ اور نجاست اگر آئینہ یا تلوار پر لگ جائے تو اس کا پوچھ دینا کافی ہے، اور اگر نجاست زمین پر لگ جائے۔ دھوپ سے خشک ہو جائے اور اس کا اثر جاتا رہے تو اس جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس مقام سے تیمم کرنا جائز نہیں ہوگا۔

حل لغات:۔ اصابت۔ باب افعال سے۔ یہ اَصَابَ السَّهم۔ تیر نشانہ پر لگنا۔ سے ہے۔ جِرْمٌ۔ جسم۔ جفت۔ باب (ض) سے مصدر جِفَافاً وجُفُوفاً خشک ہونا۔ دلك. دَلَكَ الشئى (ن) دَلْكاً۔ رگڑنا۔ رَطب۔ تر۔ فَرك۔ فَرَكَ الشئى عن الثَّوبِ (ن) کھرچنا۔ المرأة۔ آئینہ۔ السيف۔ تلوار۔ الشمس۔ یہاں دھوپ کے معنی میں ہے۔ اثر۔ نشان۔

خلاصہ۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر موزہ پر جسم دار نجاست لگ جائے جیسے پاخانہ، گوبر، لید، خون اور منی وغیرہ اور خشک ہونے کے بعد اس کو رگڑ دیا جائے تو شیخین کے نزدیک موزہ استحساناً پاک ہو جائیگا اور اس کو پہن کر نماز پڑھ سکتے

ہیں، امام محمدؒ کے نزدیک دونوں صورت میں دھونا ضروری ہے۔ منی ہمارے نزدیک ناپاک ہے۔ گیلی ہونے کی صورت میں دھونا ضروری ہے لیکن خشک ہو جانے پر کھرچ دینا کافی ہے دھونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک منی پاک ہے۔ آئینہ اور تلوار وغیرہ پر نجاست لگ جائے تو ان کی پاکی کے لئے صرف پونچھ دینا کافی ہے زمین پر نجاست پڑی ہو اور دھوپ سے خشک ہو کر اس کے اثرات ختم ہو جائیں تو احناف کے نزدیک اس زمین پر نماز پڑھ سکتے ہیں البتہ تیمم کی اجازت نہیں۔ امام شافعیؒ سے دو قول مروی ہیں۔ ایک تو احناف کے مطابق ہے۔ اور دوسرے قول میں نماز کی اجازت نہیں ہے۔ یہی قول امام زفرؒ کا بھی ہے۔

وَمَنْ اَصَابَتْهُ مِنَ النَّجَاسَةِ الْمُغَلَّظَةِ كَالدَّمِ وَالْبَوْلِ وَالغَائِطِ وَالْخَمْرِ مِقْدَارَ الدِّرْهَمِ وَمَا دُوْنَهٗ جَازَتِ الصَّلٰوةُ مَعَهٗ وَاِنْ زَادَ لَمْ يَجُزْ وَاِنْ اَصَابَتْهُ نَجَاسَةٌ مُخَفَّفَةٌ كَبَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهٗ جَازَتِ الصَّلٰوةُ مَعَهٗ مَالَمْ تَبْلُغْ رُبْعَ الثَّوْبِ.

ترجمہ:۔ اور جس شخص کو نجاست مغلظہ لگ جائے جیسے خون، پاخانہ، شراب۔ ایک درہم کی مقدار یا اس سے کم، تو اس نجاست کے ساتھ نماز جائز ہے۔ اور اگر (ایک درہم سے) زائد ہو تو (نماز) جائز نہیں۔ اور اگر (کسی کو) نجاست خفیفہ لگ جائے جیسے اس جانور کا پیشاب جس کا گوشت کھایا جاتا ہے تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے جب تک کہ نجاست کپڑے کی (مقام نجاست کی) چوتھائی کو نہ پہونچ جائے۔

﴿نجاست غلیظہ وخفیفہ کا بیان﴾

خلاصہ:۔ اگر کسی کے بدن یا کپڑے پر نجاست غلیظہ لگ جائے مثلاً خون، پیشاب، پاخانہ وغیرہ اور وہ ایک درہم (ساڑھے تین ماشہ) کی مقدار یا اس سے کم ہو تو احناف کے نزدیک معاف ہے اس نجاست کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور اگر ایک درہم سے زائد ہو تو معاف نہیں۔ امام زفرؒ و امام شافعیؒ کے نزدیک قلیل و کثیر یکساں ہے کوئی معاف نہیں ہے۔ اور اگر نجاست خفیفہ لگ جائے مثلاً ماکول اللحم جانور کا پیشاب لگ جائے اور (مقام نجاست کی) چوتھائی مقدار سے کم ہو تو معاف ہے اس کے ساتھ نماز پڑھنی جائز ہے۔

تشریح:۔ نجاست حقیقی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) غلیظہ۔ (۲) خفیفہ۔

ان دونوں کی تعریف میں صاحبینؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نجاست غلیظہ وہ نجاست ہے جس کا ثبوت ایسی نص سے ہو جس کے مخالف کوئی ایسی نص نہ ہو جو طہارت کو ثابت کرنے والی ہو۔ اور اگر دو نصوص متعارضہ موجود ہوں ایک مثبت طہارت ہو اور دوسری مثبت نجاست تو یہ نجاست خفیفہ کہلائے گی۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک نجاست غلیظہ وہ نجاست ہے جس کے نجس ہونے پر اجماع ہو گیا ہو۔ اور خفیفہ وہ نجاست ہے جس کی نجاست و طہارت علماء کے درمیان مختلف فیہ ہو۔ جیسے گوبر۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے اور

صاحبینؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے۔

کا لدم والبول:۔ یہ نجاست غلیظہ کی مثال ہے۔خون سے مراد انسان یا جانور کا بہنے والا خون ہے۔اور پیشاب سے انسان اور غیر ماکول اللحم جانور کا پیشاب مقصود ہے البتہ چوہا اور چمگادڑ کا استثناء ہے۔

مقدار الدرهم وما دونه:۔اگر گاڑھی نجاست ہے تو بقدر درہم،اور سیال ہے تو ہتھیلی کی گہرائی کا اعتبار ہے۔

جازت الصلوٰة معه:۔جواز صلوٰۃ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شخص فرضیت سے سبکدوش ہو گیا ہے، نماز باطل نہیں ہوئی نماز کی ادائیگی بکراہت تحریمی ہوئی۔نجاست کا دھونا ضروری ہے اگر نماز شروع کر چکا ہے تو دھونے کے خاطر نماز کا توڑنا جائز ہے۔

وان اصابته نجاسة مخففة:۔ نجاست مخففہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ماکول اللحم جانور کا پیشاب کپڑے پر لگ جائے تو کپڑے کی چوتھائی سے کم پر لگے ہونے کی صورت میں معاف ہے۔اس کپڑے میں نماز درست ہے۔

ربع الثوب:۔ مفتی بہ قول کے مطابق مقام نجاست کا چوتھائی حصہ مراد ہے، پورے بدن یا پورے کپڑے کا چوتھائی حصہ مراد نہیں ہے جیسا کہ بعض نے مراد لیا ہے۔

وَتطهِيرُ النَّجاسَةِ الَّتِي يَجبُ غَسلُهَا علىٰ وَجهَينِ فَما كَانَ لَهُ عَينٌ مرئِيَّةٌ فَطهَارَتُها زَوالُ عَينِهَا إلّا أن يَّبقىٰ مِن اَثَرِهَا ما يَشُقُّ اِزالَتُها وَمَا لَيسَ لَهُ عَينٌ مرئِيَّةٌ فَطهَارَتُها ان يُّغسِلَ حتّىٰ يَغلِبَ علىٰ ظَنِّ الغَاسِلِ اَنَّهُ قَد طَهُرَ.

ترجمہ:۔ اور وہ نجاست جس کا دھونا واجب ہے اس سے پاکی حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں پس جو نجاست بعینہ دکھائی دیتی ہو (نجاست مرئی ہو) تو اس کی پاکی عین نجاست کا زائل ہو جانا ہے اِلّا یہ کہ نجاست کے اثر سے وہ چیز باقی رہ جائے جس کا دور کرنا مشکل ہو۔اور جو نجاست بعینہ دکھائی نہ دے (نجاست غیر مرئی ہو) اس کی طہارت یہ ہے کہ اس قدر دھوئے کہ دھونے والے کے گمان پر یہ غالب ہو جائے کہ وہ پاک ہو گئی۔

﴿نجاست مرئی وغیر مرئی کا بیان﴾

حل لغات:۔ عين مرئية۔ایسی نجاست جو خشک ہونے کے بعد نظر آئے۔اثر۔ نشان۔ دھبہ۔ یشقّ۔ باب (ن) سے مصدر مشقۃً دشوار ہونا۔ الغاسل۔دھونے والا۔

خلاصہ:۔ نجاست کی دو قسمیں ہیں۔(۱) نجاست مرئی۔(۲) نجاست غیر مرئی۔

(۱) نجاست مرئی۔اگر یہ نجاست بدن پر یا کپڑے پر لگ جائے تو اس سے مقام نجاست کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اصل نجاست کو دور کر دیا جائے اور اگر کوئی داغ دھبہ باقی رہ جاتا ہے اور اس کا دور کرنا مشکل اور دشوار طلب ہو، تو وہ شرعاً درگذر کے قابل ہے۔

(۲) نجاست غیر مرئی۔اس نجاست سے اس مقام کو پاک کرنے کی شکل یہ ہے کہ اس کو بار بار دھویا جائے کہ خود دھونے والے کو ظن غالب ہو جائے کہ اب کپڑا پاک ہو گیا ہو گا۔اور یہ گمان تین مرتبہ سے حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا اس کو

تین مرتبہ دھویا جائے۔

تشریح۔ عين مرئية: ۔ایسی نجاست جو خشک ہونے کے بعد نظر آئے جیسے پاخانہ وغیرہ اور جو خشک ہونے کے بعد نظر نہ آئے وہ غیر مرئیہ کہلاتی ہے۔

فطهارتها زوال عينها: ۔منشاء کلام یہ ہے کہ عین نجاست کے دور ہو جانے کے بعد اس مقام کا مزید دھونا شرط نہیں ہے خواہ ایک ہی مرتبہ میں کیوں نہ پاک ہو جائے۔ گو بعض فقہاء کہ رائے ہے کہ زوال عین کے بعد بھی تین مرتبہ دھویا جائے۔ بہر کیف تعداد کی شرط نہیں ہے بلکہ مقصود ازالۂ نجاست ہے۔

ما يشق ازالتها: ۔اس کلام کا منشاء یہ ہے کہ اثر نجاست دور کرنے میں پانی کے علاوہ صابن، گرم پانی وغیرہ کی ضرورت محسوس ہو۔

وَالِاسْتِنْجَاءُ سُنَّةٌ يجزى فِيْهِ الْحَجَرُ وَالْمَدَرُ وَمَا قَامَ مَقَامَهُما يَمْسَحُهُ حَتّٰى يُنَقِّيَهُ وَلَيْسَ فِيْهِ عَدَدٌ مَسْنُوْنٌ وَغَسْلُهُ بِالْمَاءِ اَفْضَلُ وَاِنْ تَجَاوَزَتِ النَّجَاسَةُ مَخْرَجَهَا لَمْ يَجُزْ فِيْهِ اِلَّا الْمَاءُ اَوِ الْمَائِعُ وَلَا يَسْتَنْجِيْ بِعَظْمٍ وَلَارَوْثٍ وَلَا بِطَعَامٍ وَلَا بِيَمِيْنِهِ.

ترجمہ: ۔اور استنجاء سنت ہے اور استنجاء میں پتھر، ڈھیلا اور ان کے قائم مقام چیزیں کافی ہیں مقام نجاست کو پونچھے یہاں تک کہ اس کو صاف کردے اور اس کے اندر کوئی عدد مخصوص مسنون نہیں ہے اور اسے پانی سے دھونا افضل ہے اور اگر نجاست اپنے مخرج سے آگے بڑھ گئی اور اس میں سوائے پانی اور بہنے والی چیز کے کچھ جائز نہیں ہے۔ اور ہڈی، لید، کھانہ اور دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کرے۔

﴿استنجے کا بیان﴾

حل لغات: ۔ الاستنجاء ۔ یہ نجو سے ماخوذ ہے اور نجو پیٹ سے نکلنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ بلند جگہ۔ استنجاء کہتے ہیں پاخانہ اور پیشاب کے راستہ سے جو نجاست خارج ہو اس کو مخرج سے صاف کرنا خواہ پانی کے ذریعہ ہو یا مٹی وغیرہ کے ذریعہ۔ المَدَرُ ۔ڈھیلا۔ ينقيه ۔باب تفعیل سے ہے مصدر تنقيه ۔صاف ستھرا کرنا المائع ۔سیال چیز ۔روث ۔لید ۔يمين ۔داہنا۔

خلاصہ: ۔ صاحب قدوری نے امام محمدؒ کے طرز عمل کو اختیار کرتے ہوئے استنجاء کے بیان کو باب الانجاس میں ذکر کیا گو بعض حضرات کے خیال کے مطابق وضو کی سنتوں کے تحت ذکر کرنا چاہئے تھا۔ ان حضرات کا جواب یہ ہے کہ استنجاء کا تعلق نجاست حقیقیہ سے ہے اور سنن وضو کا تعلق نجاست حکمیہ سے۔ اس لئے اس کو باب الانجاس میں ذکر کیا گیا۔ فرماتے ہیں کہ استنجاء سنت ہے۔ اور استنجاء میں پتھر، ڈھیلا یا ایسی چیز کو کافی قرار دیا گیا ہے جو ان کے قائم مقام ہو یعنی خود پاک ہو، اس میں ازالۂ نجاست کی صلاحیت ہو اور کم قیمت ہو جیسے مٹی کپڑا وغیرہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس قدر مسح کرے اور پونچھے کہ پاک وصاف ہو جائے کیونکہ مقصود پاک کرنا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے پتھر اور ڈھیلا وغیرہ کی کوئی تعداد مسنون نہیں ہے۔ اور ڈھیلوں سے پونچھنے کے بعد پانی کا استعمال افضل ہے۔ اور اگر نجاست اصل مقام سے ہٹ کر ادھر ادھر پھیل

جائے تو پھر صرف پانی یا سیال چیز سے دور کی جا سکتی ہے۔ ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنا شرعاً ممنوع ہے اسی طرح کھانے سے اور داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنا ممنوع ہے۔

تشریح: **الاستنجاء سنة**:۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے۔

یجزی فیه الحجر الخ:۔ یہ حکم نجاست کے معتاد ہونے کی صورت میں ہے لیکن خون یا پیپ ہو تو صرف پانی سے ازالہ کیا جائیگا۔ البتہ پتھروں کے استعمال کے بعد مزید صفائی اور پاکیزگی کے تحت پانی کا استعمال افضل ہے۔

یمسحه حتی ینقیه الخ:۔ استنجاء کے وقت جسم کا دباؤ بائیں ٹانگ پر ہونا چاہئے۔ قبلہ رخ نہ ہو۔ پائخانہ کی صفائی کے لئے کم از کم تین ڈھیلا استعمال کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر گرمی کا موسم ہے تو پہلا ڈھیلا سامنے سے پیچھے کی طرف لے جائے۔ دوسرا ڈھیلا پیچھے سے سامنے کی طرف تیسرا ڈھیلا سامنے سے پیچھے کی طرف۔ موسم سرما میں اس کا برعکس ہے۔ اور خواتین ہر موسم میں موسم گرما والا طریقہ اختیار کریں گی۔

وَلَیْسَ فیه عدد الخ:۔ احناف کے یہاں ڈھیلوں کے تعداد کی کوئی تخصیص نہیں۔ کیونکہ استنجاء سے مقصود مقام نجاست کی صفائی ہے البتہ امام شافعیؒ کے یہاں تین کی تعداد ضروری ہے۔

وان تجاوزت الخ:۔ مخرج سے تجاوز کی صورت میں پانی کا استعمال ضروری ہے مقدار مانع کا اعتبار مقام استنجاء کے علاوہ ہے یا اس کے ساتھ؟ شیخین کے نزدیک اس کا اعتبار مقام استنجاء کے علاوہ ہے کیونکہ خود مقام استنجاء میں یہ مقدار ساقط الاعتبار ہے، امام محمدؒ کے نزدیک اس کا اعتبار مقام استنجاء کے ساتھ ہے۔

ولا یستنجی یعظم الخ:۔ ہڈی اور لید سے استنجاء مکروہ تحریمی ہے کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔

بسم الله الرحمن الرحیم

کتاب الصلوة

نماز ام العبادات ہونے کی وجہ سے تمام عبادات پر مقدم کی گئی چونکہ طہارت، صلوٰۃ کے لئے شرط ہے اور اصول ہے کہ شرط شئی، شئی سے مقدم ہوتی ہے اس لئے کتاب الطہارۃ کو کتاب الصلوٰۃ پر مقدم کیا گیا ہے۔

صلوۃ۔ صلی سے مشتق ہے معنی ہے ٹیڑھی لکڑی کو آگ دکھا کر سیدھا کرنا۔ نماز ایک اہم ترین عبادت اسی مناسبت سے ہے کہ نفس انسانی کی فطری کجی کا علاج صرف نماز ہے کیونکہ انسان جب بارگاہ خداوندی میں اس کجی کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے تو اس ذات کی ہیبت و عظمت کی حرارت و جلالت اس کجی کو دور کر دیتی ہے۔ اس کے معنی دعا کے بھی آتے ہیں۔ ارشاد باری ہے " وَصَلِّ عَلَیْهِمْ اِنَّ صلوتك سكن لهم " یہاں صلوۃ دعا کے معنی میں ہے۔ اصطلاح شریعت میں افعال معلومہ اور ارکان مخصوصہ کا نام نماز ہے۔ نماز کو صلوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مشتمل بہ دعا ہوتی ہے۔ قرآن کریم، احادیث

نبویہ اور اجماع امت سے نماز کی فرضیت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی بعض آیات صلوٰۃ خمسہ کو اجمالاً ثابت کرتی ہیں مثلاً "اِن الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موْقوتاً" اور بعض آیات تفصیلی طور پر ثابت کرتی ہیں مثلاً "وسَبِّحْ بحَمْدِ رَبِّكَ قبل طلوع الشمس وقبل غروبها ومن آنآئ اللَّيْلِ فسبح واطراف النَّهَارِ" قبل طلوع الشمس سے نماز فجر مراد ہے، قبل غروبہا سے نماز عصر مراد ہے۔ آنآئ اللیل سے مغرب وعشاء مراد ہے اور اطراف النہار سے ظہر مراد ہے۔ اہل سیر وحدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ صلوٰۃ خمسہ شب معراج میں فرض ہوئی ہے سن فرضیت میں موزخین کا اختلاف ہے البتہ جمہور ۵ ھ کے قائل ہیں۔

شب معراج سے قبل نماز کی فرضیت وعدم فرضیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء عدم فرضیت کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے پہلے تہجد کی نماز فرض تھی۔ بعض علماء کی رائے کے مطابق نماز تہجد صرف حضور ﷺ پر فرض تھی۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ عام مسلمانوں پر صلوٰۃ خمسہ سے قبل عشاء وفجر کی نماز فرض ہو چکی تھی۔ ارشاد باری ہے "وسَبِّح بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالعَشِيِّ وَالاَبْكَارِ" اس آیت کا نزول اسراء سے پہلے ہے۔ سورہ جن میں جنات کے جس سماع کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔ وہ فجر ہی کی نماز میں ہوا تھا، اور یہ واقعہ غالباً اسراء سے قبل کا ہے۔ یہ دونوں نمازیں آپ پر فرض تھیں یا آپ تطوعاً پڑھتے تھے، احادیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے۔

اَوّل وقت الفجر اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ الثَّانِیْ وَهُوَ الْبَيَاضُ الْمُعْتَرِضُ فِی الْاُفُقِ وَآخر وَقْتِهَا مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ.

ترجمہ:۔ فجر کا ابتدائی وقت جبکہ فجر ثانی طلوع ہو اور فجر ثانی وہ سفیدی ہے جو افق میں چوڑائی میں پھیلتی ہے اور فجر کا آخری وقت جب تک کہ آفتاب نہ نکلے۔

﴿نماز فجر کے وقت کا بیان﴾

حل لغات:۔ الفجر الثانی۔ دوسری فجر۔ اس سے مراد صبح صادق ہے جو آسمان کے کناروں میں چوڑائی میں دائیں بائیں پھیلتی ہے اور لحہ بہ لحہ اس کی روشنی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اسی کے مقابل میں ایک صبح کاذب ہوتی ہے جو بھیڑیے کی دم کے مانند بلند ہوتی ہے آسمان میں لمبائی میں ظاہر ہوتی ہے، مگر تھوڑے وقفہ کے بعد اس کی سفیدی، سیاہی کے روپ میں آجاتی ہے۔ البیاض ۔ سفیدی۔ المعترض ۔ اسم فاعل۔ ایسی چیز جو چوڑائی میں پھیلے۔ یہ باب افتعال سے ہے۔ الافق۔ آسمان کا کنارہ جمع آفاق۔

خلاصہ:۔ (نماز کے اوقات نماز کے اسباب میں ہیں، اور سبب شئی، شئی پر طبعاً مقدم ہوتا ہے اس لئے وضعاً بھی اوقات کے اسباب کو مقدم کیا گیا ہے۔ گو حدیث میں ظہر کا وقت مقدم ہے لیکن چونکہ فجر ایک ایسی نماز ہے جس کے اول وقت اور آخر وقت پر سب کا اتفاق ہے اس کے برعکس دوسری نمازوں کے اوقات کے بارے میں اختلاف ہے اس لئے صاحب کتاب نماز فجر کے وقت کو سب سے پہلے بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ فجر کا ابتدائی وقت صبح صادق سے

شروع ہوتا ہے اور اس کا آخری وقت طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔ (صبح صادق کی تشریح اوپر گذر گئی۔ صاحب کتاب نے الفجر الثانی کی قید سے الفجر الاول یعنی صبح کاذب کو نکال دیا ہے۔)

وَاَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِذَا صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْئٍ مِثْلَیْهِ سِوَی فِی الزَّوَالِ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّد رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْئٍ مِثْلَهٗ وَاَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ اذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ عَلیٰ الْقَوْلَیْنِ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ.

ترجمہ:۔ اور ظہر کا اول وقت جب کہ سورج ڈھل جائے اور ظہر کا آخری وقت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہو جائے سایہ اصلی کے علاوہ، اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جبکہ ہر شئی کا سایہ اس کے ایک مثل ہو جائے۔ اور عصر کا اول وقت جبکہ دونوں قول کے مطابق ظہر کا وقت نکل جائے اور اس کا آخر وقت غروب آفتاب تک ہے۔

نماز ظہر و عصر کے وقت کا بیان

تشریح:۔ مسئلہ:۔ نماز ظہر کا وقت زوال آفتاب کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے گویا اگر اس سے قبل نماز ظہر ادا کر لی جائے تو نماز درست نہیں ہوگی اس پر جمہور کا اتفاق ہے۔ البتہ آخر وقت کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق ظہر کا وقت اس وقت باقی رہتا ہے جب کہ ہر چیز کا سایہ، سایہ اصلی کو چھوڑ کر دوگنا ہو جائے۔ اور امام یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک امام صاحب کے ایک قول کے مطابق ظہر کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ سایہ اصلی کے سوا ہر چیز کا سایہ اس چیز کے برابر ہو جائے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام زفر اور امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

فائدہ:۔ مالا بد منہ میں سایہ اصلی کے پہچاننے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ہموار زمین پر ایک دائرہ بنائیں اور ٹھیک درمیان میں قطر دائرہ کے چوتھائی سے نوکیلے سرے کی ایک بڑی لکڑی نصب کر دیں، جب سورج طلوع ہوگا تو اس لکڑی کا سایہ دائرہ سے بالکل باہر ہوگا جیسے جیسے سورج چڑھیگا سایہ کم ہوگا اور دائرہ کے اندر داخل ہونا شروع ہو جائیگا جب دائرہ کے محیط پر سایہ پہونچ جائے اور اندر داخل ہونا شروع ہو تو محیط پر اس جگہ ایک نشان لگادیں جس جگہ سے سایہ اندر داخل ہو رہا ہے، پھر دوپہر بعد سایہ بڑھ کر محیط سے نکلنا شروع ہوگا۔ محیط سے سایہ کے نکلنے کی جگہ ایک نشان لگادیں۔ پھر دونوں نشانوں کو ایک خط مستقیم کے ذریعہ ملادیں۔ اب محیط دائرہ کے اس قوسی حصہ کے نصف پر جو کہ دونوں علامتوں کے درمیان ہے ایک نشان قائم کر کے اس کو خط مستقیم کے ذریعہ جو مرکز دائرہ پر گذرے محیط تک پہونچائیں۔ یہ نصف النہار کہلائے گا اور اس خط پر جو سایہ پڑے گا وہ سایہ اصلی کہا جائیگا۔

سایۂ اصلی کے نقشہ کو سمجھنے کے لئے ذیل کی اصطلاحات ذہن نشین کرلیں۔

(۱) قدم۔ ہر شی کے قد کے ساتویں حصہ کو کہتے ہیں۔ جو ساٹھ دقیقہ کا ہوتا ہے۔ (۲) دقیقہ۔ ساٹھ آن کا ہوتا ہے۔ (۳) آن۔ اتنا وقت جس میں گیارہ بار "اللہ" کہا جاسکے۔ (۴) ساعت یا گھڑی۔ ساٹھ پل کی ہوتی ہے۔ (۵) پل۔ ساٹھ ریزے کی ہوتی ہے۔ (۶) ریزہ۔ اتنا وقت کہ جس میں دو حرفی لفظ مثلاً "رب" کہا جاسکے۔

مندرجہ ذیل نقشہ میں سات مہینہ کا حساب اس طرح دیا ہے کہ ساون کا سایۂ اصلی ڈیڑھ قدم بتایا ہے پھر اس سے پہلے تین مہینوں اور بعد کے تین مہینوں میں ایک ایک قدم کا اضافہ ہونا بتایا ہے جس کو اس سے دیکھا جائے۔

بیساکھ	جیٹھ	اساڑھ	ساون	بھادوں	کنوار	کاتک
۴-۱/۲	۳-۱/۲	۲-۱/۲	۱-۱/۲	۲-۱/۲	۳-۱/۲	۴-۱/۲

ان سات مہینوں کے علاوہ باقی ماندہ مہینوں میں دو دو قدم دونوں طرف زیادہ بڑھائے جائیں۔

چیت	پھاگن	ماگھ	پوس	اگہن
۶-۱/۲	۸-۱/۲	۱۰-۱/۲	۸-۱/۲	۶-۱/۲

جدول اقدار سایہ اصلی

تحویل آفتاب در بروج	۱ حمل	۲ ثور	۳ جوزا	۴ سرطان	۵ اسد	۶ سنبلہ	۷ میزان	۸ عقرب	۹ قوس	۱۰ جدی	۱۱ دلو	۱۲ حوت	عرض البلد	طول البلد
تطابق تحویل تاریخہائے عیسوی	۳ر مارچ	۲۱ر اپریل	۲۲ر مئی	۲۲ر جون	۲۴ر جولائی	۲۴ر اگست	۲۴ر ستمبر	۲۴ر اکتوبر	۲۳ر نومبر	۲۲ر دسمبر	۲۰ر جنوری	۱۹ر فروری		
اقدام و دقیقہ	قدم دقیقہ	قدم دقیقہ	قدم دقیقہ	قدم دقیقہ	قدم دقیقہ	قدم دقیقہ	قدم دقیقہ	قدم دقیقہ	قدم دقیقہ	قدم دقیقہ	قدم دقیقہ	قدم دقیقہ	درجہ دقیقہ	درجہ دقیقہ
احمد نگر (بمبئی)	۲ ۲۵	۰ ۵۵	۰ ۲۰	۰ ۳۲	۰ ۲۰	۰ ۵۵	۲ ۲۵	۴ ۴	۵ ۴۷	۶ ۲۶	۵ ۴۷	۴ ۴	۱۹ ۵	۷۲ ۴۸
اورنگ آباد	۲ ۳۷	۱ ۷	۰ ۰	۰ ۲۱	۰ ۰	۱ ۷	۲ ۳۷	۴ ۲۲	۶ ۲	۶ ۴۵	۶ ۲	۴ ۲۲	۱۹ ۵۳	۷۵ ۲۳
سورت	۲۰ ۴۵	۱ ۱۳	۰ ۸	۰ ۱۴	۰ ۸	۱ ۱۳	۲ ۴۵	۴ ۲۳	۶ ۱۴	۷ ۲	۶ ۱۴	۴ ۲۳	۲۱ ۱۲	۷۲ ۵۲
کلکتہ	۲ ۵۰	۱ ۱۸	۰ ۱۳	۰ ۱۱	۰ ۱۳	۱ ۱۸	۲ ۵۰	۴ ۲۹	۶ ۲۱	۷ ۸	۶ ۲۱	۴ ۲۹	۲۲ ۳۴	۸۸ ۲۴
احمد آباد (گجرات)	۳ ۱	۱ ۲۷	۰ ۲۲	۰ ۱	۰ ۳۲	۱ ۲۷	۳ ۱	۴ ۵۱	۶ ۳۹	۶ ۲۷	۶ ۳۹	۴ ۵۱	۲۳ ۲	۷۲ ۳۸
مرشد آباد	۳ ۱۵	۱ ۴۱	۰ ۳۴	۰ ۱۲	۰ ۳۴	۱ ۴۱	۳ ۱۵	۵ ۱۱	۷ ۴	۷ ۵۶	۷ ۴	۵ ۱۱	۲۴ ۱۱	۸۸ ۱۹

الہ آباد	۳ ۲۵	۱ ۴۹	۰ ۴۲	۰ ۱۹	۰ ۴۲	۱ ۴۹	۳ ۲۵	۵ ۲۳	۷ ۱۹	۸ ۱۲	۷ ۱۹	۵ ۲۳	۲۵ ۲۸	۸۱ ۵۴
مدارس	۳ ۲۷	۱ ۵۱	۰ ۴۴	۰ ۲۱	۰ ۴۴	۱ ۵۱	۳ ۲۷	۵ ۲۶	۷ ۲۲	۸ ۱۶	۷ ۲۲	۵ ۲۶	۲۵ ۳۰	۸۲ ۰
پٹنہ	۳ ۲۷	۱ ۵۱	۰ ۴۴	۰ ۲۱	۰ ۴۴	۱ ۵۱	۳ ۲۷	۵ ۲۶	۷ ۲۲	۸ ۱۶	۷ ۲۲	۵ ۲۶	۲۵ ۳۷	۸۵ ۱۳
جون پور	۳ ۲۸	۱ ۵۱	۰ ۴۴	۰ ۲۱	۰ ۴۴	۱ ۵۱	۳ ۲۸	۵ ۲۷	۷ ۲۴	۸ ۱۷	۷ ۲۴	۵ ۲۷	۲۵ ۴۶	۸۲ ۴۴
لکھنؤ (وفیض آباد)	۳ ۳۰	۱ ۵۳	۰ ۴۶	۰ ۲۲	۰ ۴۶	۱ ۵۳	۳ ۳۰	۵ ۲۹	۷ ۲۷	۸ ۲۰	۷۰ ۲۷	۵ ۲۹	۲۶ ۵۵	۸۰ ۵۹
آگرہ	۳ ۳۲	۱ ۵۵	۰ ۴۸	۰ ۲۴	۰ ۴۸	۱ ۵۵	۳ ۳۲	۵ ۳۱	۷ ۲۹	۸ ۲۴	۷ ۲۹	۵ ۳۱	۲۷ ۱۰	۷۸ ۵
بدایوں	۳ ۳۸	۲ ۰	۰ ۵۳	۰ ۲۹	۰ ۵۳	۲ ۰	۳ ۳۸	۵ ۴۰	۷ ۴۲	۸ ۴۰	۷ ۴۲	۵ ۴۰	۳۸ ۳	۷۹ ۱۰
سنبھل	۳ ۴۸	۲ ۸	۰ ۵۹	۰ ۳۷	۰ ۵۹	۲ ۸	۳ ۴۸	۵ ۵۲	۷ ۵۹	۸ ۵۴	۷ ۵۹	۵ ۵۲	۲۸ ۳۵	۷۸ ۳۷
دہلی	۳ ۴۹	۲ ۱۰	۱ ۱	۰ ۳۸	۱ ۱	۲ ۱۰	۳ ۴۹	۵ ۵۴	۸ ۲	۸ ۵۸	۸ ۲	۵ ۵۴	۲۸ ۳۸	۷۷ ۱۲
پانی پت	۳ ۵۲	۲ ۱۱	۱ ۴	۰ ۴۰	۱ ۴	۲ ۱۱	۳ ۵۲	۵ ۵۸	۸ ۶	۹ ۲	۸ ۶	۵ ۵۸	۲۹ ۲۳	۷۷ ۱
ہردوار	۴ ۵	۲ ۲۳	۱ ۱۴	۰ ۵۰	۱ ۱۴	۲ ۲۳	۴ ۵	۶ ۱۵	۸ ۳۱	۹ ۳۵	۸ ۳۱	۶ ۱۵	۲۹ ۵۸	۷۸ ۱۳
سرہند	۴ ۸	۲ ۲۵	۱ ۱۵	۰ ۵۱	۰ ۱۵	۲ ۲۵	۴ ۸	۶ ۱۸	۸ ۳۵	۹ ۴۱	۸ ۳۵	۶ ۱۸	۳۰ ۳۸	۷۶ ۲۹
لاہور	۴ ۲۲	۲ ۳۶	۱ ۲۶	۱ ۵۱	۱ ۲۶	۲ ۳۶	۴ ۲۲	۶ ۳۶	۹ ۰	۱۰ ۱۰	۹ ۰	۶ ۳۶	۳۱ ۲۷	۷۴ ۲۶
کابل	۴ ۴۹	۳ ۰	۱ ۴۷	۱ ۲۰	۱ ۴۷	۳ ۰	۴ ۴۹	۷ ۱۵	۹ ۵۵	۱۱ ۱۴	۹ ۵۵	۷ ۱۵	۳۴ ۳۰	۶۹ ۱۸

دائرہ سایہ اصلی
بھادوں
ساون

شمال
قوس
مخرج الظل
مدخل الظل
راس المقیاس
مشرق
مغرب
جنوب

وَاَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ اِذَا غَرُبَتِ الشَّمْسُ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَغِبِ الشَّفَقُ وَهُوَ الْبَيَاضُ الَّذِیْ يُرٰی فِی الْاُفُقِ بَعْدَ الْحُمْرَةِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی هُوَ الْحُمْرَةُ.

ترجمہ:۔ اور مغرب کا ابتدائی وقت جب آفتاب غروب ہو جائے اور اس کا آخری وقت جب تک شفق غائب نہ ہو۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شفق وہ سفیدی ہے جو افق میں سرخی کے بعد دکھائی دیتی ہے اور امام ابو یوسفؒ و محمدؒ نے فرمایا کہ وہ سرخی ہی ہے۔

﴿نماز مغرب کے وقت کا بیان﴾

تشریح:۔ غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور اس کا آخری وقت غروب شفق تک رہتا ہے۔ مغرب کے آخری وقت کے بارے میں امام شافعیؒ کی ایک روایت کے مطابق صرف اتنی دیر رہتا ہے جتنی دیر میں پانچ رکعتیں پڑھی جا سکتیں۔ لیکن امام شافعیؒ کا مفتی بہ قول جمہور کے قول کے مطابق ہے۔ البتہ شفق کی تعیین کے بارے میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین شفق سے شفق احمر مراد لیتے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شفق سے شفق ابیض مراد ہے اور ایک روایت کے مطابق امام مالک بھی شفق ابیض کے قائل ہیں، شفق ابیض۔ وہ سفیدی ہے جو شفق احمر کے بعد آسمان کے کناروں میں نظر آتی ہے۔ شفق احمر۔ وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے بعد مغرب کی جانب ہوتی ہے۔ بہر کیف اہل لغت اور فقہاء کی تحقیق کی روشنی میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک قوی تر اور راجح معلوم ہوتا ہے۔

وَ اَوَّلُ وَقْتِ الْعِشَاءِ اِذَا غَابَ الشَّفَقُ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ الثَّانِیْ وَاَوَّلُ وَقْتِ الْوِتْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ.

ترجمہ:۔ اور عشاء کا ابتدائی وقت جبکہ شفق غروب ہو جائے اور اس کا آخری وقت جب تک کہ فجر ثانی (صبح صادق) طلوع نہ ہو جائے اور وتر کا ابتدائی وقت عشاء کے بعد (سے) ہے اور اس کا آخری وقت جب تک فجر طلوع نہ ہو۔

تشریح:۔ عشاء کا ابتدائی وقت غروب شفق کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے اور یہ وقت طلوع صبح تک برقرار رہتا ہے۔ یعنی نماز عشاء صبح صادق کے طلوع تک پڑھ سکتے ہیں۔ اور بلا کراہت نصف رات تک پڑھ سکتے ہیں، اور مستحب وقت تہائی رات تک ہے۔ صحیح قول کے مطابق عشاء کے آخری وقت کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے وتر کا ابتدائی وقت عشاء کی نماز کے بعد شروع ہو جاتا ہے اور طلوع صبح صادق تک رہتا ہے۔ صاحبینؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا اختلاف ہے۔ صاحبینؒ کا مسلک وہی ہے جو متن میں موجود ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عشاء اور وتر دونوں کا وقت یکساں ہے یعنی غروب شفق سے طلوع صبح صادق تک۔ لیکن چونکہ ترتیب واجب ہے۔ اس لئے عشاء سے قبل وتر کا پڑھنا درست نہیں مگر سہواً۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وتر واجب ہے۔ اور صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر سنت ہے۔ اس اختلاف کا ثمرہ

ایسے شخص پر مرتب ہوگا کہ جس نے نماز عشاء بھول کر بغیر وضو کے پڑھ لی اور وتر با وضو پڑھ لی۔ اس کے بعد اس کو یاد آیا کہ عشاء کی نماز بلا وضو پڑھی ہے تو ایسی صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وتر کا لوٹانا واجب نہ ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک وتر کا لوٹانا واجب ہوگا۔ البتہ اگر کسی نے جان بوجھ کر وتر کی نماز عشاء سے پہلے پڑھ لی تو بالاتفاق اعادہ واجب ہوگا۔

وَيُسْتَحَبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ وَالْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي الصَّيْفِ وَتَقْدِيْمُهُمَا فِي الشِّتَاءِ وَتَاخِيْرُ الْعَصْرِ مَالَمْ تَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ وَتَعْجِيْلُ الْمَغْرِب وَتَاخِيْرُ الْعِشَاءِ اِلٰى مَا قَبْلَ ثُلُثِ اللَّيْلِ وَيُسْتَحَبُّ فِي الْوِتْرِ لِمَنْ يَالَفُ صَلٰوةَ اللَّيْلِ اَنْ يُّؤَخِّرَ الْوِتْرَ اِلٰى اٰخِرِ الَّيْلِ وَاِنْ لَمْ يَثِقْ بِالْاِنْتِبَاهِ اَوْتَرَ قَبْلَ النَّوْمِ.

ترجمہ:۔ فجر کی نماز میں اسفار کرنا مستحب ہے اور گرمی کے موسم میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا (مستحب ہے) اور موسم سرما میں اسکو مقدم کرنا۔ اور عصر کی نماز کو مؤخر کرنا (مستحب ہے) جب تک کہ آفتاب میں تغیر نہ آئے، اور مغرب کی نماز میں جلدی کرنا اور نماز عشاء کو تہائی رات سے پہلے تک مؤخر کرنا۔ گ جو شخص رات کی نماز کا شوقین ہو اس کیلئے نماز وتر میں مستحب ہے کہ نماز وتر کو اخیر شب تک مؤخر کرے۔ اور اگر بیدار ہونے پر اعتماد نہ ہو تو سونے سے پہلے نماز وتر پڑھ لے۔

﴿نماز کے اوقات مستحبہ کا بیان﴾

حل لغات:۔ الاسفار۔ باب افعال سے ہے۔ روشن ہونا۔ با کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے جیسے اسفروابالفجر۔ فجر کو روشن کرو۔ الابراد۔ ٹھنڈا کرنا۔ الصیف۔ گرمی کا موسم۔ الشتاء سردی کا موسم۔ یالف۔ باب (س) سے مصدر اَلْفاً۔ شوقین ہونا۔ دوستی و محبت کرنا۔ یثق۔ باب (ض) سے مصدر وُثُوقاً۔ اعتماد ہونا۔ انتباہ۔ بیدار ہونا۔ اوتر۔ فعل ماضی۔ وتر پڑھنا۔

تشریح:۔ اس سے قبل نماز کے جواز اوقات کا تذکرہ ہوا اب یہاں سارے مستحب اوقات کا بیان ہے۔ احناف کے یہاں نماز فجر اسفار میں پڑھنا مستحب ہے البتہ امام شافعی کے یہاں غلس اور اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے یعنی ابھی روشنی افق میں نہ پھیلی ہو۔ اور ظہر کی نماز گرمی کے زمانہ میں ٹھنڈے وقت میں پڑھنا مستحب ہے اور سردی کے زمانہ میں ابتدائی وقت میں مستحب ہے۔ اور نماز عصر ہر موسم میں تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے بشرطیکہ آفتاب متغیر نہ ہوا ہو یعنی اس کی چمک باقی ہو۔ اور امام مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک تعجیل افضل ہے۔ نماز مغرب میں جلد کرنا مستحب ہے یعنی اذان و اقامت کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو، عشاء کی نماز کو تہائی رات سے پہلے تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ اس میں موسم کی کوئی رعایت نہیں ہے جس شخص کو قیام لیل کا شوق ہو اور اس کی عادت ہو اور بیدار ہونے پر بھرپور اعتماد ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ نماز وتر کو تہجد کے بعد آخر شب میں پڑھے۔ البتہ جس کو اپنے جاگنے پر بھروسہ نہ ہو تو اس کو سونے سے پہلے نماز وتر پڑھ لینی چاہئے۔

بــاب الاذان

اذان کا بیان

صاحب کتاب نے اس سے قبل اوقات صلوٰۃ کو بیان کیا ہے اور اس باب میں نماز کے لئے اعلان کے طریقہ کو بیان کریں گے، چونکہ مقصود وقت نماز کی آمد کی اطلاع ہے اس لئے وقت کو پہلے بیان کیا گیا۔ اذان کا لغوی معنیٰ آگاہ کرنا۔ خبر پہنچانا ہے اور اصطلاح شرع میں کہتے ہیں اوقات مخصوصہ میں مخصوص الفاظ کے ذریعہ نماز کے لئے پکارنا۔ نماز کا وقت آجانے کا اعلان کرنا۔ اذان کی مشروعیت مدینہ طیبہ ۱ھ میں ہوئی اور کلمات اذان کا واقعہ ۲ھ میں پیش آیا۔ ابتداء میں مسلمانوں کی مقدار بہت کم تھی اس لئے بلا کسی اطلاع کے وقت پر صحابہ کرام مسجد میں اکٹھا ہوجایا کرتے تھے لیکن جب اسلام کا حلقہ وسیع ہوا تو پھر اس کی ضرورت محسوس ہوئی، آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب فرمایا، بعض حضرات نے وقت کی آمد پر آگ روشن کرنے کو کہا تو بعض نے وقت کی آمد پر ناقوس بجانے کا مشورہ دیا بہر کیف کوئی تجویز طے نہیں ہوسکی صحابہ کرامؓ اپنے اپنے گھر تشریف لے گئے مگر حضور پر نور ﷺ کی فکر مندی دیکھ کر بعض صحابہ کرامؓ بھی فکر مند تھے انمیں ایک صحابی عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ بہت فکر مند تھے اسی فکر میں وہ سوگئے تو خواب میں ایک شخص کو نماز کے اعلان کے لئے کھڑا ہوا دیکھا کہ وہ باواز بلند اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ رہا ہے پھر اس نے پورے کلمات اذان ادا کئے صبح کو حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر پورا خواب بیان فرمایا چونکہ آپؐ نے لیلۃ الاسراء میں ملائکہ سے یہ کلمات سنے تھے اس لئے بلا تامل ارشاد فرمایا "ان ھذہ لرؤیا حق" یعنی یہ خواب بالکل سچا ہے پھر آپؐ نے فرمایا کہ اٹھو اور بلال کو اپنے ساتھ لے کر اذان دو کیونکہ بلال کی آواز تمہاری آواز سے بلند ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اس رات تقریباً گیارہ صحابہ نے خواب دیکھا۔

اَلْاَذَانُ سُنَّةٌ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَةِ دُوْنَ مَاسِوَاهَا وَلَا تَرْجِيْعَ فِيْهِ.

ترجمہ:۔ اذان پانچوں نمازوں اور جمعہ کے لئے سنت ہے نہ کہ ان کے علاوہ کے لئے اور (احناف کے نزدیک) اذان میں ترجیع نہیں ہے۔

خلاصہ:۔ اذان پانچوں نمازوں اور جمعہ کے لئے مسنون ہے گو بعض مشائخ اس کو واجب کہتے ہیں۔ کیونکہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ترک اذان پر اتفاق کرنے والوں سے قتال کیا جائے۔ اور قتال ترک واجب پر ہے نہ کہ ترک سنت پر مگر اذان تو سنت ہی ہے البتہ ایسا عمل کرنے والوں سے قتال کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح احناف کے یہاں کلمات اذان میں ترجیع نہیں ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ترجیع سنت ہے۔ یعنی کلمات اذان میں سے شہادتین کو چار مرتبہ کہنا ہے دو مرتبہ آہستہ اور دو مرتبہ باآواز بلند۔

وَ يَزِيْدُ فِيْ اَذَانِ الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ وَالْاِقَامَةُ مِثْلُ الْاَذَانِ اِلَّا اَنَّهٗ يَزِيْدُ فِيْهَا بَعْدَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ مَرَّتَيْنِ وَيَتَرَسَّلُ فِيْ

الاَذان ويَحْدِرُ فِي الْاِقَامَةِ وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا الْقِبْلَةَ فَإِذَا بَلَغَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَالْفَلاحِ حَوَّلَ وَجْهَهُ يَمِيناً وَشِمَالاً وَيُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَةِ وَيُقِيمُ فَإِنْ فَاتَتْهُ الصَّلٰواتُ اَذَّنَ لِلْاُوْلٰى وَاَقَامَ وَكَانَ مُخَيَّراً فِي الثانِيَةِ اِنْ شَاءَ اَذَّنَ وَاَقَامَ وَاِنْ شَاءَ اِقْتَصَرَ عَلَى الْاِقَامَةِ وَيَنْبَغِي اَنْ يُّؤَذِّنَ وَيُقِيمَ عَلٰى طُهْرٍ فَإِنْ اَذَّنَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ جَازَ وَيُكْرَهُ اَنْ يُّقِيمَ عَلٰى غَيْرِ وَضُوْءٍ او يُؤَذِّنَ وَهُوَ جُنُبٌ وَلَا يُؤَذَّنُ لِصَلٰوةٍ قَبْلَ دُخُوْلِ وَقْتِهَا اِلَّا فِي الْفَجْرِ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ.

ترجمہ:۔ اور فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوۃ خیر من النوم دو مرتبہ بڑھائے اور اقامت، اذان کی طرح ہے مگر اقامت میں حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ بڑھائے۔ اور اقامت میں ترسیل کرے اور اذان میں حدر کرے اور ان دونوں میں قبلہ کا استقبال کرے اور جب حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح تک پہونچے تو اپنا چہرہ دائیں اور بائیں طرف گھمائے۔ اور فوت شدہ کے لئے اذان اور اقامت کہے۔ پس اگر کئی نمازیں فوت ہو جائیں تو پہلی نماز کیلئے اذان واقامت کہے اور باقی نمازوں میں اختیار ہے اگر چاہے اذان واقامت دونوں کہے اور اگر چاہے صرف اقامت پر اکتفا کرے اور مناسب ہے کہ اذان واقامت باوضو کہے، پس اگر بلا وضوء کہے تو جائز ہے اور بلا وضوء اقامت کہنا مکروہ ہے اور بحالت جنابت اذان کہنا (مکروہ ہے) اور کسی نماز کے لئے دخول وقت سے قبل اذان نہ کہی جائے بجز نماز فجر کے امام ابویوسفؒ کے نزدیک۔

حل لغات:۔ الفلاح۔ درستی۔ کامیابی۔ النوم۔ نیند۔ یترسل۔ باب تفعل سے ٹھہر ٹھہر کر کہے۔ یحدر۔ ذرا جلدی کہے۔ حوّل۔ باب تفعیل سے۔ پھرانا۔ گھمانا۔ اقام۔ تکبیر کہنا۔ اقتصر علی۔ اکتفا کرنا۔ غیر وضوء۔ بلا وضوء۔ جنب۔ ناپاک۔

تشریح:۔ ویزید:۔ اذان فجر میں حی علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا مستحب ہے۔ حضرت بلالؓ نے حضورؐ کو نماز فجر کی اطلاع دینے کیلئے کہ اتفاق سے آپؐ سوئے ہوئے تھے "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہا۔ حضورؐ کو یہ کلمات پسند آئے۔ اس لئے ان کو اذان فجر میں شامل کرنے کا حکم فرمایا۔ گویا "الصلوٰۃ خیر من النوم" عمل بلال اور ارشاد نبویؐ سے ثابت ہے۔

والاقامة مثل الاذان:۔ یعنی اذان کی طرح تکبیر کے کلمات بھی دو دو مرتبہ کہنے چاہئیں البتہ اللہ اکبر ابتداء میں چار مرتبہ ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک تکبیر کے کلمات ایک ایک بار ہیں البتہ "قد قامت الصلوٰۃ" دوبار کہے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک کلمات تکبیر مفرد ہے۔ الحاصل اقامت ابو محذورہ میں تکرار تھا۔ گویا احناف نے اذان بلال اور اقامت ابو محذورہ کو اختیار کیا۔

ویترسل فی الاذان:۔ دو کلموں کے درمیان فصل کرنے کو ترسّل کہتے ہیں۔ اس کی شکل یہ ہے کہ ایک سانس میں اللہ اکبر دوبار کہہ کر وقفہ اختیار کرے۔ پھر دوسری سانس میں اللہ اکبر دو مرتبہ کہہ کر ٹھہر جائے۔ پھر ہر سانس میں ایک

ایک کلمہ کہتا جائے۔ اور تکبیر کا حدر یہ ہے کہ پہلی سانس میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہے اس کے بعد ہر سانس میں دو کلمات کہتا جائے اور لا الہ الا اللہ یہ آخری کلمہ ایک سانس میں کہے۔

ویؤذن للفائتہ:۔ مسئلہ:۔ قضاء نماز کے لئے اذان و اقامت دونوں کہے خواہ اکیلا ہو یا جماعت ہو۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف اقامت کافی ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص کی کئی نمازیں چھوٹ جائیں تو پہلی نماز کے لئے اذان و اقامت دونوں کہے۔ البتہ باقی نمازوں میں اس کو اختیار ہے چاہے تو ہر ایک کے لئے اذان و اقامت کہے اور چاہے تو صرف اقامت پر اکتفا کرے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ پہلی نماز کے بعد والی نماز کے لئے اقامت ضرور کہنا چاہئے۔ مشائخ کا بیان ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہی قول امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا بھی ہو۔

ولا یؤذن لصلوٰۃ:۔ طرفینؒ کے نزدیک قبل از وقت اذان دینا صحیح نہیں ہے (مکروہ تحریمی ہے) اگر کسی نے وقت سے پہلے اذان کہہ دی تو وقت کے اندر اندر اس کا اعادہ کر لیا جائے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے بیان کیا ہے البتہ امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فجر کی اذان اخیر شب میں بھی جائز ہے۔

باب شروط الصلوٰۃ التی تتقدمہا

(نماز کی ان شرطوں کا بیان جو نماز پر مقدم ہوا کرتی ہیں)

اس موقع کے لئے تین لفظ استعمال کئے جاتے ہیں (۱) شروط۔ (۲) اشراط۔ (۳) شرائط۔

(۱) شروط:۔ یہ شرط (بسکون الراء) کی جمع ہے۔ کسی شئی کو لازم پکڑنا۔ اصطلاحی مفہوم:۔ وہ چیز جس پر کسی چیز کے وجود کا انحصار ہو مگر وہ اس کی ماہیت میں داخل نہ ہو جیسے وضوء لیکن اگر داخل ماہیت ہے تو اس کا نام رکن ہے۔ جیسے رکوع سجدہ وغیرہ۔

(۲) اشراط:۔ یہ شَرَط کی جمع ہے۔ علامت۔ اصطلاحی مفہوم:۔ وہ چیز جس پر کسی کا انحصار نہ ہو جیسے اذان۔

(۳) شرائط:۔ یہ شریطۃ کی جمع ہے۔ پھٹے ہونے کان والا اونٹ۔ اس مقام پر متعلقات مشروع کی تعبیر لفظ شروط سے کی گئی ہے۔ عام کتابوں میں لفظ شروط ہی مذکور ہے شرط کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) شرط حقیقی۔ (۲) شرط جعلی۔ شرط جعلی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) شرط شرعی۔ (۲) شرط غیر شرعی۔

شروط صلوٰۃ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) انعقاد کی شرط جیسے (۱) نماز کی نیت۔ (۲) تکبیر تحریمہ (۳) وقت صلوٰۃ (۴) خطبہ جمعہ۔

(۲) شرط دوام جیسے (۱) حدث کی پاکی (۲) نجاست سے پاکی (۳) ستر عورت (۴) استقبال قبلہ۔

(۳) شرط بقاء جیسے قرأت اس قسم میں صرف قرأت داخل ہے۔ یہ تینوں اقسام، شرط شرعی میں داخل ہیں۔

يَجِبُ عَلَى الْمُصَلِّي اَنْ يُقَدِّمَ الطَّهَارَةَ مِنَ الاحداث والانجاس عَلٰى مَا قَدَّمْنَاه وَيَسْتِرُ عَوْرَتَهُ وَالعَوْرَةُ مِنَ الرَّجُلِ مَا تَحْتَ السُّرَّةِ اِلَى الرُّكْبَةِ وَالرُّكْبَةُ عَوْرَةٌ دُوْنَ السُّرَّةِ وَبَدَنُ الْمَرْأَةِ الْحُرَّةِ كُلُّهُ عَوْرَةٌ اِلَّا وَجْهَهَا وَ كَفَّيْهَا.

ترجمه:۔ نمازی پر واجب ہے کہ پہلے نجاست حقیقی اور حکمی سے پاکی حاصل کرلے اس طریقہ کے مطابق جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ اور اپنی مقام حیاء کو چھپائے۔ اور مرد کا مقام حیاء ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنہ تک ہے اور گھٹنہ ستر میں داخل ہے نہ کہ ناف۔ اور آزاد عورت کا پورا بدن ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے۔

﴿شرائط صلوٰۃ کی تفصیل﴾

حل لغات:۔ اَحْدَاث۔ حدث کی جمع۔ ناپاکی۔ پاخانہ۔ یَسْتِرُ۔ باب (ض،ن) سے مصدر سِتْراً وسَتْراً کسی چیز کو چھپانا۔ عورۃ۔ انسان کے اعضاء جن کو حیاء سے چھپایا جائے۔ جمع عَوْرات۔ السرۃ۔ ناف۔ الرکبۃ۔ گھٹنہ۔

خلاصه:۔ گذشتہ صفحات میں اسباب یعنی اوقات کو بیان کیا گیا اس کے بعد علامات یعنی اذان کو ذکر کیا گیا اور اب اس باب میں شرائط صلوٰۃ کو بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ نمازی پر فرض ہے کہ سب سے پہلے حدث اصغر وحدث اکبر سے طہارت وپاکیزگی حاصل کرے۔ اور حصول طہارت کا طریقہ وہی ہے جو باب الانجاس میں ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری شرط اپنی شرم وحیاء کے مقامات کو چھپانا ہے۔ اس کی بھی فرضیت کا ثبوت آیۃ کریمہ "خذوا زينتكم عند كل مسجد" سے ملتا ہے۔ یہ احناف، امام شافعیؒ واحمدؒ اور عام فقہاء کے نزدیک شرط ہے (آگے مقام ستر کی حد بندی بیان کی جارہی ہے) ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مرد کا واجب الستر جسم ناف کے نیچے سے گھٹنہ تک ہے یعنی ناف ستر عورت میں داخل نہیں ہے البتہ گھٹنہ داخل ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ناف داخل ستر ہے اور گھٹنہ داخل ستر نہیں ہے۔ اور آزاد عورت کا چہرا اور ہتھیلی چھوڑ کر باقی پورا جسم واجب الستر ہے یعنی قابل شرم وحیا ہے۔

وَمَا كَانَ عَوْرَةً مِنَ الرَّجُلِ فَهُوَ عَوْرَةٌ مِنَ الْاَمَةِ وَبَطْنُهَا وَظَهْرُهَا عَوْرَةٌ وَمَا سوى ذلك مِنْ بَدَنِهَا لَيْس بعَوْرَةٍ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ مَا يُزِيْلُ بِهِ النَّجَاسَةَ صَلّٰى مَعَهَا وَ لَمْ يُعِدْ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ ثَوْباً صَلّٰى عُرْيَاناً قَاعِداً يُوْمِي بالركوع وَالسُّجُودِ فَاِنْ صَلّٰى قَائِماً اَجْزَأَهُ الاول اَفْضَلُ

ترجمه:۔ اور مرد کا جو حصہ ستر ہے وہ باندی کا ستر ہے اور اس کا پیٹ اور اس کی پیٹھ بھی ستر ہے اور اس کے علاوہ باندی کا پورا بدن ستر نہیں ہے۔ اور جس کو نجاست دور کرنے کے لئے کوئی چیز دستیاب نہ ہو تو اسی نجس کپڑے کے ساتھ نماز پڑھے اور نماز کا اعادہ نہ کرے اور جو شخص کپڑا نہ پائے تو ننگے بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرے اور اگر ننگے بدن شخص نے کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی تو اس کو کافی ہے (جائز ہے) مگر اول افضل ہے۔

حل لغات:۔ الامۃ۔ باندی۔ بطن۔ پیٹ۔ ظہر۔ پیٹھ۔ نجاسۃ۔ گندگی۔ ناپاکی۔ عریاناً۔ ننگا۔ یومی۔ اشارہ

کرتا ہے۔ اجزأ۔ کافی ہونا۔ جائز ہونا۔

خلاصه:۔ اس عبارت میں باندی کے ستر عورت کے ساتھ دو مسئلے مذکور ہیں، چنانچہ صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ مرد کا جو حصۂ جسم واجب الستر ہے وہی باندی کا ہے یعنی ناف سے گھٹنہ تک اس کے علاوہ باندی کا پیٹ اور پیٹھ بھی ستر عورت میں داخل ہے کیونکہ یہ دونوں محل شہوت ہیں البتہ اس کے علاوہ حصہ بدن ستر عورت میں داخل نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ (۱) اگر کسی شخص کے پاس نجس کپڑے کے علاوہ دوسرا کوئی پاک کپڑا نہ ہو اور مزیل نجاست کوئی چیز نہ ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ اسی نجس کپڑے میں نماز ادا کرے اور پھر اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ (۲) اگر کسی کے پاس کسی قسم کا یعنی پاک یا ناپاک کوئی کپڑا نہ ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ بیٹھ کر ننگے نماز پڑھے اور رکوع و سجدہ اشارہ سے کرے۔ کیونکہ یہ شخص حکماً قیام سے عاجز ہے اس لئے اس عجز کے باعث بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہے۔ لیکن اس کے لئے ننگے ہو کر بیٹھ کر نماز پڑھنا افضلیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں پردہ کرنا نماز کے حق میں اور لوگوں کے حق میں یعنی دونوں کے لئے واجب ہے، اور طہارت صرف نماز کے حق کیوجہ سے واجب ہے۔

تشریح:۔ **ومن لم يجد ما يزيل به النجاسة**:۔ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں

(۱) اگر چوتھائی یا اس سے زائد کپڑا پاک ہے تو اسی صورت میں اسی کپڑے میں نماز پڑھے کیونکہ چوتھائی کو کل کا درجہ حاصل ہے۔ پس چوتھائی کی پاکی کل کے پاکی کو بتاتا ہے۔ اس لئے پاک کپڑے کو چھوڑ کر ننگے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

(۲) اگر چوتھائی سے کم پاک ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ حضرات شیخین کے نزدیک مصلی کو اختیار ہے خواہ برہنہ نماز پڑھے، خواہ اسی نجس کپڑے میں مگر نجس کپڑے میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک اسی نجس کپڑے میں نماز پڑھنا واجب اور ضروری ہے۔ امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور امام شافعیؒ کے دو قول میں سے ایک قول بھی اسی طرح کا ہے اور دوسرا قول برہنہ نماز پڑھنے کا ہے اور یہی قول امام شافعیؒ کا ظاہری مذہب ہے۔

وَيَنْوِىْ لِلصَّلٰوةِ الَّتِىْ يَدْخُلُ فِيْهَا بِنِيَّةٍ لا يَفْصِلُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ التَّحْرِيْمَةِ بِعَمَلٍ وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ خَائِفاً فَيُصَلِّىْ اِلٰى اَىِّ جِهَةٍ قَدَرَ فَاِنِ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ وَلَيْسَ بِحَضْرَتِهٖ مَنْ يَّسْئَلُهٗ عَنْهَا اِجْتَهَدَ وَصَلّٰى فَاِنْ عَلِمَ اَنَّهٗ اَخْطَأَ بَعْدَ مَا صَلّٰى فَلَا اِعَادَةَ عَلَيْهِ وَاِنْ عَلِمَ ذَالِكَ وَهُوَ فِى الصَّلٰوةِ اِسْتَدَارَ اِلَى الْقِبْلَةِ وَبَنٰى عَلَيْهَا.

ترجمه:۔ اور اس نماز کے لئے نیت کرے جس میں داخل ہوتا ہے ایسی نیت کہ نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کسی عمل سے کوئی فصل نہ ہو اور قبلہ کی طرف رخ کرے البتہ اگر وہ خوف زدہ ہو تو جس طرف قادر ہو نماز پڑھے۔ اور اگر نمازی پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور اس جگہ کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس سے قبلہ کا رخ دریافت کر سکے تو غور و فکر کر کے نماز پڑھ لے۔ پھر اگر اسکو نماز پڑھنے کے بعد یہ علم ہوا کہ اس نے (تحری میں) غلطی کی ہے تو اسکے ذمہ اعادہ (واجب) نہیں ہے۔ اور اگر (غور و فکر کرنے والے کو جہت قبلہ میں) غلطی کا علم نماز کے اندر ہوا تو قبلہ کی طرف گھوم جائے اور اسی پر بنا کرے۔

حل لغات:۔ یفصل بین الشیئین۔ فاصلہ ہو۔ باب (ض) سے مصدر فَصْلاً. جهة۔ رخ، سمت۔ حضرة۔ موجودگی۔ اجتهد اجتهاداً کوشش کرنا۔ تحری وغور وفکر کرنا۔ یہاں دوسرا معنیٰ مراد ہے۔ استدار استداراً گھومنا۔ بنی علیها۔ سابق کیفیت کی نقل کرنا۔ از سر نو نہ کرنا۔

خلاصه:۔ واضح رہے کہ اس موقع پر پانچ مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

مسئلہ (۱) :۔ یہ ہے کہ مصلیٰ جس نماز میں داخل ہوتا ہے اس کی نیت کرے بشرطیکہ نیت اور تحریمہ کے درمیان کوئی عمل فاصل نہ ہے یعنی نیت کے اعتبار کے لئے دونوں کے درمیان اتصال ہونا ضروری ہے۔ اور استقبال قبلہ بھی شرائط نماز میں سے ایک شرط ہے (یعنی اگر بلا عذر قصداً غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی تو کفر ہے)۔

مسئلہ (۲) :۔ اگر کوئی شخص خوف کے باعث استقبال قبلہ پر قدرت نہ رکھتا ہو تو جس رخ پر قادر ہو اسی رخ پر نماز پڑھ لے یہ خوف خواہ جانی ہو یا مالی دشمن کا ہو یا درندوں اور رہزن وغیرہ کا۔

مسئلہ (۳) :۔ اگر کسی شخص کو جہت قبلہ کے متعلق اشتباہ ہو جائے اور کوئی واقف کار شخص نہ ہو جس سے جہت قبلہ کے متعلق دریافت کیا جا سکے تو ایسی صورت میں حکم ہے کہ تحری اور غور وفکر سے کام لے اور جس جہت کی طرف قلب کا اطمینان ہو اس طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔

مسئلہ (۴) :۔ اگر اشتباہ کی وجہ سے تحری کرنے کے بعد نماز پڑھ لی اور نماز کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ تحری میں چوک ہو گئی ہے تو عند الاحناف اعادۂ صلوٰۃ واجب نہیں ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تحری سے نماز پڑھنے میں یہ ثابت ہو جائے کہ پشت قبلہ کی طرف تھی تو اعادۂ صلوٰۃ واجب ہے۔

مسئلہ (۵) :۔ تحری کر کے نماز پڑھنے والے کو دوران نماز یہ معلوم ہو جائے کہ مجھ سے تحری میں چوک ہو گئی ہے تو اسی حالت میں قبلہ کی طرف گھوم جائے۔ (اس لئے کہ جب اہل قباء کو دوران نماز یہ معلوم ہوا کہ اب قبلہ بجائے بیت المقدس کے خانہ کعبہ ہو گیا ہے تو وہ نماز ہی میں بحالت رکوع خانہ کعبہ کیطرف گھوم گئے اور حضور ﷺ نے اس کو باقی رکھا تھا۔ لہٰذا دوران نماز معلوم ہونے کی صورت میں تحویل قبلہ کر کے بقیہ نماز اسی پر پوری کرنی چاہیئے)۔

تشریح:۔ وینوی للصلوٰة:۔ عبادت مقصودہ میں نیت ضروری ہے۔ نماز چونکہ عبادت مقصودہ میں داخل ہے اس لئے شرائط نماز میں سے صحت نماز کے لئے ایک شرط نیت بھی ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کما قال ابن المنذرؒ۔ ارشاد نبوی ہے " انما الاعمال بالنیات '' یعنی اعمال کا دار ومدار نیت پر ہے۔ صاحب ہدایہ اور بعض دوسرے حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نیت کرنا ضروری ہے صحت نیت کے لئے ارادہ قلبی ہی کافی ہے زبان کے استعمال کی ضرورت نہیں اگر دونوں کو استعمال کر لیں تو سبحان اللہ۔ نفل کی نمازوں میں مطلق نیت کافی ہے اور فرض نمازوں میں فرض کی تعیین لازمی ہے جیسے ظہر کی فرض نماز ہے یا عصر وغیرہ کی۔

باب صفة الصلوٰة

(نماز کی صفت کا بیان)

یہاں تک مقدمات نماز کا بیان تھا، اور اب اصل مقصود یعنی نماز کو بیان فرمارہے ہیں۔

صفة:۔ صرفی اعتبار سے اس کی اصل وِصفٌ ہے واؤ کو حذف کر کے اس کے عوض آخر میں ۃ لگادی گئی اور عین کلمہ یعنی صاد کو کسرہ دیدیا گیا۔ صفت ہو گیا بمعنی نعمت، خوبی۔ اور از روئے لغت وصف اور صفۃ دونوں مترادف اور مصدر ہیں جیسے وَعْدٌاور عِدَۃٌ وَعظٌ اور عِظَۃ لیکن ہمارے متکلمین علماء کے نزدیک دونوں میں فرق ہے۔ قائم بالواصف یعنی ممدوح کی تعریف بیان کرنیوالے کے کلام کو وصف کہتے ہیں، جیسے زید عالم۔ عالم ہونا زید کا وصف ہے۔ اور قائم بالموصوف یعنی وہ صفات حمیدہ جو ممدوح کے ساتھ قائم ہیں اس کو صفت کہتے ہیں۔ جیسے علم وجمال وغیرہ۔ صفت کی مراد کے سلسلے میں مختلف رائے ہے۔

صاحب عنایہ کی تحقیق کے مطابق صفت سے مراد نماز کی وہ ہیئت ہے جو اس کے ارکان وعوارض سے حاصل ہوتے ہیں اور اس کا اطلاق قیام قعود سجود و قرأت وغیرہ پر ہوتا ہے۔ اکثر نے اسی کو بیان کیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک صفت اس کیفیت کے مفہوم میں ہے جو فرض، واجب، سنن اور مندوب کو شامل ہے۔

فَرَائِضُ الصَّلٰوةِ سِتَّةٌ اَلتَّحْرِیْمَةُ وَالْقِیَامُ وَالْقِرَاءَةُ وَالرُّکُوْعُ وَالسُّجُوْدُ وَالْقَعْدَةُ الْاٰخِیْرَةُ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ وَمَا زَادَ عَلٰی ذٰلِكَ فَهُوَ سُنَّةٌ.

ترجمہ:۔ نماز کے فرائض چھ ہیں۔ تکبیر تحریمہ، قیام، قرأت۔ رکوع۔ سجود۔ اورتشہد کی مقدار قعدہ اخیرہ۔ اور جو افعال اس سے زائد ہیں وہ سنت ہیں (سنت سے ثابت ہیں)

تشریح:۔ صاحب قدوری یہاں سے نماز کے فرائض کی ابتداء فرمارہے ہیں۔

فرائض:۔ یہ فرض کی جمع ہے۔ اندازہ کرنا۔ اصطلاحاً فرض اس کو کہتے ہیں جس کی مشروعیت دلیل قطعی سے ثابت ہو خواہ رکن ہے یا شرط ہے۔ اور رکن وہ ہے جو اصل ماہیت میں داخل ہو۔ اس کی دوسری تعریف یہ ہے کہ جس عمل کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو اور اس کا منکر کافر ہو۔

فرائض نماز کی کل تعداد چھ ہیں۔

(۱) تکبیر تحریمہ:۔ جیسے اللہ اکبر۔ تحریم کسی چیز کو حرام کرنا۔ چونکہ ایک نمازی پر تحریمہ سے قبل گفتگو وغیرہ جو جائز تھی وہ تحریمہ سے حرام ہو گئی اس لئے اس کا نام تحریمہ رکھا گیا۔ ارشاد باری ہے "وربَّكَ فكبّر" باجماع مفسرین یہاں تکبیر سے تکبیر تحریمہ اور تکبیر افتتاح مقصود ہے۔ صاحب قدوری کے نزیک تحریمہ ارکان میں داخل ہے، امام محمد بھی یہی کہتے ہیں البتہ شیخین کے نزدیک شرط میں داخل ہے۔

(۲) قیام:۔ ارشاد باری ہے " وقوموا لِلهِ قٰانتین "اس سے باجماع مفسرین قیام نماز مقصود ہے۔ اور علی وجہ

الاتفاق قیام ارکان نماز میں ہے بشرطیکہ سجدہ و قیام پر قدرت حاصل ہو۔

(۳) **قراء ت**:۔ ارشاد باری ہے۔" فاقرء و ما تیسر من القرآن " قراءت اس قدر فرض ہے جتنا کہ آسان ہو۔ اصح قول کے مطابق اس کی مقدار ایک بڑی آیت ہے۔ عند الجمہور یہ رکن میں داخل ہے۔

(۵،٤) **رکوع وسجود**:۔ ارشاد باری ہے " وارکعوا واسجدوا " ان دونوں کا رکن اور فرض ہونا متفق علیہ ہے۔

(٦) **مقدار تشهد قعدۂ اخیرۃ**:۔ حضور ﷺ نے عبد اللہ بن مسعود سے فرمایا کہ جب اسے کہہ لو تو تمہاری نماز مکمل ہو جائے گی۔ معلوم یہ ہوا کہ نماز کی تکمیل بقدر تشہد قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنے پر موقوف ہے۔ پڑھنا شرط نہیں ہے البتہ واجب کے درجے میں ہے نفس قعدہ کے متعلق مختلف خیالات ہیں بعض کے نزدیک رکن، بعض کے نزدیک شرط اور بعض کے نزدیک رکن زائد ہے۔ صاحب بدائع نے اسی اخیر نظریہ کی تصحیح فرمائی ہے۔

فهو سنة:۔ صاحب قدوری نے چھ چیزوں کے علاوہ کو سنت فرمایا جب کہ **وما زاد ذلك** میں واجبات بھی داخل ہیں جیسے تکبیرات عیدین۔ فاتحہ کے ساتھ سورۃ کا ملانا۔ لہٰذا یہاں سنت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے واجب ہونے کا ثبوت سنت سے ہے۔

وَاِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ فِیْ صَلٰوتِہٖ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ مَعَ التَّکْبِیْرِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِاِبْھَامَیْہِ شَحْمَۃَ اُذُنَیْہِ فَاِنْ قَالَ بَدْلاً مِنَ التَّکْبِیْرِ اَللّٰہُ اَجَلُّ اَوْ اَعْظَمُ اَوِ الرَّحْمٰنُ اَکْبَرُ اَجْزَاہُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَھُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا یَجُوْزُ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَوِ اللّٰہُ الْاَکْبَرُ اَوْ اللّٰہُ الْکَبِیْرُ.

ترجمه:۔ اور جب آدمی اپنی نماز میں داخل ہو تو تکبیر کہے اور تکبیر کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک اپنے دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی لو کے مقابل آجائیں۔ پس اگر الله اکبر کے بدلہ الله اجل یا الله اعظم یا الرحمن اکبر کہا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کافی ہے اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے مگر یہ کہ کہے الله اکبر یا الله الاکبر یا الله الکبیر۔

حل لغات:۔ **یحاذی**۔ مصدر محاذاۃ۔ مقابل میں ہونا۔ **ابهامیه**۔ ابہام کا تثنیہ ہے۔ اضافت کے سبب تثنیہ کا نون ساقط ہو گیا۔ انگوٹھا۔ **شحمة**۔ کان کی لو۔

تشریح۔ **اذا دخل الرجل الخ**:۔ مسئلہ:۔ جب نماز شروع کرنے کا ارادہ کرے نماز خواہ فرض ہو یا نفل تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہے۔ اور مرد اپنے دونوں ہاتھ تکبیر کے ساتھ ساتھ اس قدر اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی لو تک پہونچ جائیں۔ یہ حنفیہ کے نزدیک ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کاندھوں تک، امام مالکؒ کے نزدیک سر تک اور طاؤس کے نزدیک سر کے اوپر تک۔ یہی اختلاف قنوت، عیدین، جنازہ کی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانے میں ہے۔

فان قال بدلاً الخ :۔اس عبارت میں افتتاح نماز کے الفاظ کو بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ اکبر کی جگہ دوسرے اسماء ربانی مثلاً اللہ اکبر۔ اللہ اعظم۔ الرحمٰن اکبر میں سے کسی سے نماز شروع کرنا چاہے تو اس صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ طرفین کے نزدیک مذکورہ الفاظ سے نماز شروع کرنا جائز ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اچھی طرح تکبیر کہنے پر قادر ہے تو اس کے لئے صرف تین الفاظ یعنی اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ الکبیر میں سے کسی ایک سے نماز شروع کرنا جائز ہے ان کے علاوہ کسی اور لفظ سے جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ صرف اللہ اکبر، اللہ الاکبر کے ساتھ جائز مانتے ہیں اور امام مالکؒ کے نزدیک صرف اللہ اکبر کے ساتھ جائز ہے یہی امام احمدؒ کا قول ہے شامی کی تحقیق یہ ہے کہ صحیح قول طرفین کا ہے۔

وَ يَعْتَمِدُ بِيَدِهِ الْيُمنىٰ عَلَى الْيسرىٰ وَيَضَعُهُمَا تحت السُّرَّةِ ثُمَّ يَقُولُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسمك وتعالىٰ جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ وَيَسْتَعِيْذُ بِا اللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَيَقْرَأُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَيُسِرُّ بِهِمَا ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً مَعَهَا اَوْ ثَلٰثَ اٰيَاتٍ مِنْ اَىِّ سُوْرَةٍ شَاءَ وَاِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ اٰمِيْن وَيَقُوْلُهَا الْمُؤْتَمُّ وَيُخْفِيْهَا.

ترجمہ:۔ اور اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑے اور ان دونوں کو ناف کے نیچے رکھے پھر سبحانك اللهم الخ پڑھے۔ پھر اعوذ بالله من الشيطان الرجيم کہے اور بسم الله الرحمن الرحيم پڑھے۔ اور ان دونوں کو آہستہ پڑھے۔ اس کے بعد سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورہ یا تین آیت جس سورۃ سے چاہے پڑھے۔ اور جب امام ولا الضالین کہے تو خود امام آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہے مگر آہستہ۔

حل لغات:۔ یعتمد۔اعتمد علیه بھروسہ کرنا۔ مراد پکڑنا ہے۔ یستعیذ۔ پناہ طلب کرنا۔ یُسِرّ۔ اَسَرَّ الیه بکذا۔ چپکے سے بیان کرنا۔ الموتم۔ مقتدی یخفی۔ از (افعال) پوشیدہ کرنا۔ چھپانا۔

خلاصہ:۔ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا مسنون ہے اس کے بعد ثنا پڑھے، پھر تعوذ و تسمیہ پڑھے یہ امام ہو یا منفرد۔ اور مقتدی تعوذ و تسمیہ نہیں پڑھیگا اور یہ تعوذ و تسمیہ آہستہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے۔ اس کے بعد سورہ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ کوئی سورۃ یا چھوٹی تین آیت یا ایک لمبی آیت جس سورۃ سے چاہئے پڑھے، اور جب سورۃ فاتحہ مکمل ہونے پر امام ولا الضالین کہے تو امام اور مقتدی دونوں آہستہ آہستہ آمین کہیں گے۔

تشریح:۔ ویضعهما تحت السرة:۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ہاتھ سینے پر باندھنا چاہئے۔ اور امام مالکؒ کے مشہور مذہب کے مطابق ہاتھ چھوڑ دینا چاہئے یہی راجح قول ہے۔

ویستعیذ بالله:۔ امام مالک کے نزدیک امام کو نہ ثناء پڑھنی چاہئے اور نہ اعوذ باللہ۔ ثناء، اعوذ باللہ کے تابع ہے یا قرأت کے۔ امام یوسفؒ کے نزدیک ثناء اعوذ باللہ کے تابع ہے مگر طرفینؒ کے نزدیک یہ قرأت کے تابع ہے اور راجح قول یہی ہے۔

ویسر بهما:۔ امام ابو حنیفہؒ و احمدؒ کے نزدیک سورۃ فاتحہ سے قبل اعوذ باللہ اور بسم اللہ میں مسنون یہ ہے کہ آہستہ

پڑھے۔ امام مالکؒ کے نزدیک فرض نمازوں میں بسم اللہ پڑھنا درست نہیں ہے۔ امام شافعیؒ واحمدؒ جہری نمازوں میں بسم اللہ جہراً پڑھنے کے قائل ہیں۔

ویقولها المؤتم ویخفیها:۔ عندالاحناف آمین آہستہ کہنا مطلقاً مسنون ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک آمین کہنا صرف مقتدی کے لئے ہے۔ مذہب شافعیؒ کے مطابق امام ومقتدی سب کو آمین بالجہر کہنا چاہئے۔ امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَيُفَرِّجُ اَصَابِعَهُ وَيَبْسُطُ ظَهْرَهُ وَلَا يَرْفَعُ رَاْسَهُ وَلَا يُنَكِّسُهُ وَيَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثَلٰثاً وَذَالِكَ اَدْنَاهُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَاْسَهُ وَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَيَقُوْلُ الْمُؤْتَمُّ رَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ فَاِذَا اسْتَوٰى قَائِماً كَبَّرَ وَسَجَدَ وَاعْتَمَدَ بِيَدَيْهِ عَلَى الْاَرْضِ وَوَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ وَسَجَدَ عَلٰى اَنْفِهٖ وَجَبْهَتِهٖ فَاِنِ اقْتَصَرَ عَلٰى اَحَدِهِمَا جَازَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا لَا يَجُوْزُ الْاِقْتِصَارُ عَلَى الْاَنْفِ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ فَاِنْ سَجَدَ عَلٰى كَوْرِ عِمَامَتِهٖ اَوْ عَلٰى فَاضِلِ ثَوْبِهٖ جَازَ وَيُبْدِيْ ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِيْ بَطْنَهُ عَنْ فَخِذَيْهِ وَيُوَجِّهُ اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَيَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثَلٰثاً وَذَالِكَ اَدْنَاهُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَاْسَهُ وَيُكَبِّرُ وَاِذَا اطْمَاَنَّ جَالِساً كَبَّرَ وَسَجَدَ فَاِذَا اطْمَاَنَّ سَاجِداً كَبَّرَ وَاسْتَوٰى قَائِماً عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ وَلَا يَقْعُدُ وَلَا يَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْاَرْضِ۔

ترجمہ:۔ پھر تکبیر کہے اور رکوع کرے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر ٹیکے، اور اپنی انگلیوں کو کشادہ کرے اور اپنی پشت کو ہموار رکھے اور اپنا سر نہ اٹھائے اور نہ جھکائے۔ اور اپنے رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہے، اور یہ کہنے کا ادنیٰ درجہ ہے اور پھر اپنا سر اٹھائے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہے، اور مقتدی ربنالک الحمد کہے، پھر جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔ اور اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے، اور اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے بیچ رکھے، اور اپنی ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے۔ اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفاء کیا تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ناک پر بلا کسی عذر کے اکتفاء جائز نہیں ہے۔ پھر اگر پگڑی کی پیچ یا زائد کپڑے پر سجدہ کیا تو جائز ہے، اور اپنی بغل کو کشادہ کرے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے جدا کرے، اور اپنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کے رخ کرے۔ اور سجدہ میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور یہ کہنے کی ادنیٰ مقدار ہے۔ اس کے بعد سر اٹھائے اور تکبیر کہے۔ پھر جب اطمینان سے بیٹھ جائے تو تکبیر کہے اور (دوسرا) سجدہ کرے۔ پھر جب اطمینان سے سجدہ کر چکے تو اپنے پنجوں کے بل سیدھا کھڑا ہو جائے اور نہ بیٹھے اور نہ اپنے دونوں ہاتھوں سے زمین پر ٹیک لگائے۔

حل لغات:۔ یفرج۔ تفریجاً۔ کھولنا۔ کشادہ کرنا۔ اصابع۔ جمع اصبع۔ انگلی۔ یبسط (ن) بسطاً پھیلانا۔ ظهر۔ پشت۔ پیٹھ۔ ینکسه۔ تنکیساً۔ اوندھا کرنا مراد جھکانا۔ استوی قائماً۔ سیدھا کھڑا ہونا۔ کف۔ ہتھیلی۔ انف۔

ناک۔ جبھة۔ پیشانی۔ کور۔ پیچ۔ عمامة۔ پگڑی۔ فاضل۔ زائد۔ یبدی۔ ابداءً ظاہر کرنا یہاں کشادہ کرنا کے معنیٰ میں ہے۔ ضبعیه۔ اضافت کی وجہ سے نون تثنیہ ساقط ہو گیا ہے۔ بغل۔ بازو کا وسط۔ یہاں بغل مراد لیا گیا ہے۔ جمع اضباع۔ یجافی۔ مجافاۃً علحدہ رکھنا۔ جدا رکھنا۔ فخذ۔ ران۔ صدور القدم۔ پنجہ۔

تشریح۔ ثم یکبر ویرکع:۔ یعنی صاحب قدوری کے نزدیک حالت قیام میں تکبیر کرے گا پھر رکوع میں جائے گا اور یہی مذہب صحیح ہے۔ اور جامع صغیر کی تصریح کے مطابق رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہے اور رکوع میں پوری کرے۔ امام طحاوی کے نزدیک یہی صحیح ہے۔

وذالك ادناہ:۔ رکوع اور سجدہ میں تین بار تسبیح کہنا کمال سنت کا ادنیٰ درجہ ہے۔ ترک تسبیح یا ادنیٰ مقدار سے کم مکروہ تنزیہی ہے۔ منفرد کے حق میں تین سے زائد افضل ہے طاق عدد کی رعایت کے ساتھ۔ امام احمد ایک مرتبہ تسبیح کے وجوب کے قائل ہیں

ویقول المؤتم:۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام صرف سمع الله لمن حمده کہے اور مقتدی صرف ربنا لك الحمد اور صاحبین کے نزدیک امام بھی آہستہ سے ربنا لك الحمد کہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک امام و مقتدی دونوں سمع الله لمن حمده وربنالك الحمد کہیں گے۔ اور منفرد کے لئے تین قول ہیں۔ (۱) صرف سمع الله لمن حمده کہے۔ (۲) صرف ربنا لك الحمد کہے۔ (۳) دونوں کہے۔ صاحب ہدایہ کے نزدیک یہ تیسرا قول زیادہ صحیح ہے۔ ربنا لك الحمد کے سلسلے میں سب سے افضل اللهم ربنا ولك الحمد ہے۔ اس کے بعد اللهم ربنا لك الحمد اس کے بعد ربنا ولك الحمد۔ اور بقول شامی اس کے بعد ربنا لك الحمد۔ درمیان کا واو زائد ہے۔ یا برائے عطف ہے۔

وسجد علی انفه:۔ اس سلسلہ میں مفتی بہ قول صاحبین کا ہے کہ بلا عذر ناک پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا صاحبین کی طرف رجوع ثابت ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ فرض ہے۔

ثم یرفع راسه:۔ امام محمدؒ کے نزدیک نماز کا سجدہ سر اٹھانے پر پورا ہوتا ہے اور اس پر فتویٰ ہے۔ امام یوسف کے نزدیک صرف سر رکھنے سے۔

واذااطمأن:۔ طرفینؒ کے نزدیک تمام ارکان نماز میں طمانینت واجب ہے۔ امام یوسفؒ کے نزدیک فرض ہے۔

وَ يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثانية مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الْأُوْلىٰ اِلَّا اَنَّهُ لَا يَسْتَفْتِحُ وَلَا يَتعوَّذُ وَلا يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا فِي التَّكْبِيْرَةِ الْأُوْلىٰ.

ترجمه:۔ اور دوسری رکعت میں اسی کے مثل کرے جو اس نے پہلی رکعت میں کیا مگر یہ کہ سبحانك اللهم الخ اور اعوذ بالله نہ پڑھے اور ہاتھ نہ اٹھائے مگر تکبیر اولیٰ یعنی تکبیر تحریمہ میں۔

خلاصه:۔ پہلی رکعت مکمل کرنے کے بعد جب دوسری رکعت شروع کرے گا تو اس رکعت میں بھی وہی عمل کرے گا جو کچھ پہلی رکعت میں کیا گیا ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ اس دوسری رکعت میں سبحانك اللهم اور اعوذ بالله نہیں پڑھیگا اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی اور تکبیر میں ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

تشریح۔ ولا یرفع یدیه:۔احناف کے یہاں رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ میں ہے۔جمہور اہل کوفہ،اکثر اہل مدینہ اور امام مالکؒ ایک روایت کے اعتبار سے احناف کے ساتھ ہیں۔امام شافعیؒ واحمد رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کے قائل ہیں۔

فَاِذَا رَفَعَ رَاسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانية اِفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرىٰ فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَنَصَبَ الْيُمْنىٰ نَصباً وَوَجَّهَ اَصابعَهٗ نَحوَ الْقِبْلَةِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلىٰ فَخْذَيْهِ وَيَبْسُطُ اَصابعَهٗ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ وَالتَّشَهُّدُ اَن يَّقُوْلَ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ والصلواتُ والطيباتُ السلام عليك اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلىٰ عِبَادِاللهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَن لّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَلاَ يَزِيْدُ عَلىٰ هذا فِي الْقَعْدَةِالْاُوْلىٰ ويقرأ فِي الركعتين الأخريين بفاتحة الكتاب خاصَّةً.

ترجمه:۔ پس جب دوسری رکعت کے سجدہ سے سر اٹھائے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور اپنا داہنا پاؤں کھڑا رکھے۔اور انگلیوں کو قبلہ رخ متوجہ رکھے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی دونوں ران پر رکھے اور اپنی ہاتھ کی انگلیاں کشادہ رکھے پھر تشہد پڑھے اور تشہد یہ کہ کہے تمام قولی عبادتیں، تمام فعلی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ ہی کے واسطے ہیں اور اے نبی آپؐ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں، اور سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور قعدۂ اولیٰ میں اس سے زیادہ نہ پڑھے۔اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے۔

حل لغات:۔ افترش۔افتراشاً بچھانا۔ایک لفظ تورک آتا ہے جو افتراش کے مقابل میں ہے۔معنیٰ ہے سرین پر سہارا لینا۔افتراش۔کی کیفیت یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور اس کی انگلیاں قبلہ کی جانب متوجہ ہوں۔تورک کی کیفیت یہ ہے کہ اپنے بائیں سرین پر بیٹھ جائے اور دونوں پاؤں دائیں طرف نکال دے۔التحیات۔ عبادات قولیہ۔الصلوات۔عبادات بدنیہ۔الطیبات۔عبادات مالیہ۔فاتحة الکتاب۔سورہ فاتحہ۔

تشریح۔ فاذا رفع راسه الخ :۔احناف کے یہاں مردوں کے لئے افتراش اور عورتوں کے لئے تورک مسنون ہے۔امام شافعیؒ قعدۂ اولیٰ میں افتراش اور قعدۂ اخیرہ میں تورک کے قائل ہیں۔امام مالکؒ کے نزدیک دونوں قعدہ میں تورک مسنون ہے۔امام احمدؒ کے نزدیک دو رکعت والی نماز میں اور چار رکعت والی نماز کے قعدۂ اولی میں افتراش اور قعدۂ اخیرہ میں تورک مسنون ہے۔

التشهد:۔ الفاظ تشہد میں صحابہ کرامؓ کے یہاں اختلاف ملتا ہے۔لیکن عام صحابہ کرام عام محدثین اور علماء احناف نے تشہد ابن مسعود کو اختیار فرمایا۔امام شافعیؒ نے تشہد ابن عباس کو اختیار فرمایا۔اصح قول کی بنا پر قعدۂ اولیٰ میں تشہد پڑھنا واجب ہے۔

ولا یزید علی ھذا:۔ قعدۂ اولیٰ میں مقدار تشہد پر اضافہ نہ کریں۔ امام شافعیؒ کے قول جدید میں قعدۂ اولیٰ میں صلوٰۃ علی النبی بھی مسنون ہے۔

ویقرأ فی الرکعتین الخ:۔ مسئلہ یہ ہے کہ ظہر، عصر، اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں اور مغرب کی آخری ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا افضل ہے۔ چنانچہ اگر تین بار تسبیح پڑھ لی یا اتنی دیر خاموش رہا جب بھی جائز ہے۔

فَإِذَا جَلَسَ فِي اٰخِرِ الصَّلوٰةِ جَلَسَ كَمَا جَلَسَ فِي الْأُوْلٰى وَتَشَهَّدَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَعَا بِمَا شَاءَ مِمَّا يَشْبَهُ الفاظَ الْقُرْاٰنِ والادْعِيَةِ الماثُوْرَةِ وَلَا يَدْعو بِمَا يَشْبَهُ كَلَامَ النَّاسِ ثم يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ يُسَلِّمُ عَنْ يَسَارِهِ مِثْلَ ذٰلِكَ.

ترجمہ:۔ پھر جب نماز کے اخیر میں بیٹھے تو اس طرح بیٹھے جس طرح بیٹھا تھا قعدۂ اولی میں، اور تشہد پڑھے اور حضور اکرم ﷺ پر درود بھیجے اور جو چاہے دعا مانگے ان الفاظ کے ساتھ جو الفاظ قرآنی اور دعاء ماثورہ کے مشابہ ہوں اور ان الفاظ کے ساتھ دعا نہ مانگے جو لوگوں کے کلام سے مشابہ ہوں، پھر دائیں طرف سلام پھیر لے اور کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اور اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرے۔

خلاصہ:۔ فرماتے ہیں کہ قعدۂ اولیٰ میں بیٹھنے کی جو ہیئت تھی وہی ہیئت قعدۂ اخیرہ میں بھی بیٹھنے کی ہے، اس کے بعد تشہد پڑھے جو احناف کے یہاں واجب ہے پھر درود شریف پڑھے جو احناف کے یہاں مسنون ہے۔ درود شریف پڑھنے کے بعد خدا تعالیٰ سے عربی زبان میں دعاء کرے البتہ دعاء کے الفاظ قرآن کریم کے الفاظ اور آپؐ سے منقول دعاؤں کے الفاظ سے مشابہت رکھتے ہوں اور اس بات کا بھی خیال رہے کہ دعائیں ایسے الفاظ کے ساتھ نہ ہوں جو کلام انسانی کے مشابہ ہوں۔ اس کے بعد دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرے اور یہ الفاظ کہے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ"

تشریح:۔ وتشھد الخ:۔ امام شافعیؒ کے یہاں تشہد اور درود شریف دونوں کا پڑھنا فرض ہے۔ اور اس کو چھوڑ دینے سے نماز نہیں ہوگی۔

مما یشبہ الفاظ القرآن الکریم والادعیۃ الخ:۔ مثلاً "ربنا ظلمنا انفسنا" "ربنا اٰتنا فی الدنیا جسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار" یا ان کے ہم معنی دوسری دعائیں۔ یا دعاء ماثورہ مثلاً "اللھم عافنی فی بدنی اللھم عافني في سمعي اللھم عافني فی بصری لا الہ الا انت" یا اللھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً الخ۔

بما یشبہ کلام الناس:۔ جن چیزوں کا بندوں سے مانگنا محال نہ ہو جیسے کہا کہ اللھم زوجنی فلانۃ تو یہ کلام الناس سے مشابہ ہے۔ اور جب چیزوں کا بندوں سے مانگنا محال ہو جیسے اللھم اغفر لی۔ تو یہ کلام الناس سے مشابہ نہیں ہے۔

ثم یسلم الخ:۔ امام مالکؒ کے نزدیک صرف سامنے کی جانب ایک سلام ہے۔ یہاں تک مردوں کی نماز کا طریقہ بیان کیا گیا۔

وَ یَجْهَرُ بِالْقِراءَ ةِ فِی الفجر فی الرکعتین الاُوْلَیَیْنِ مِن المَغْرِبِ والعِشَاءِ ان کان اماماً و یُخْفِی الْقِراءَ ةَ ما بَعْدَ الْاُوْلَیَیْنِ وَاِنْ کَانَ مَنْفَرِداً فَهُوَ مُخَیَّرٌ اِنْ شَاءَ جَهَرَ وَاَسْمَعَ نَفْسَهٗ وَاِنْ شَاءَ خَافَتَ وَیُخْفِی الْاِ مَامُ الْقِراءَ ةَ فِی الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ.

ترجمه:۔ اور فجر میں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کے ساتھ جہر کرے اگر وہ امام ہے۔ اور پہلی دو رکعت کے بعد والی رکعات میں قرأت آہستہ کرے اور اگر منفرد ہے تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے جہر کرے اور اپنی ذات کو سنائے اور اگر چاہے تو آہستہ کرے اور امام ظہر وعصر میں قراءت آہستہ کرے گا۔

﴿جہری اور سری نمازوں کا بیان﴾

خلاصه:۔ اس سے پہلے نماز کی کیفیت، ارکان، فرائض وواجبات اور اس کی سنتوں کا بیان گذر چکا ہے اب اس موقع پر احکام قرأت کو بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر امام ہو تو اس کے لئے واجب ہے کہ نماز فجر، نماز مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اسی طرح نماز جمعہ وعیدین میں قراءت جہراً کرے اور باقی رکعتوں یعنی مغرب کی تیسری اور عشاء کی بعد والی دو رکعتوں میں قراءت سراً کرے۔ اور ظہر وعصر میں قراءت آہستہ کرے۔ اور منفرد کے لئے جہری نمازوں میں اختیار ہے کہ خواہ قراءت جہراً کرے اور اپنی ذات کو سنائے خواہ سراً لیکن جہراً افضل ہے اور سری نمازوں میں سراً۔

والْوِتْرُ ثَلٰثُ رَکَعَاتٍ لا یَفْصِلُ بَیْنَهُنَّ بِسَلامٍ وَیَقْنُتُ فِی الثَّالِثَةِ قَبْلَ الرُّکُوْعِ فِی جَمِیْعِ السَّنَةِ وَ یَقْرَأُ فِی کُلِّ رَکْعَةٍ مِنَ الْوِتْرِ فاتِحَةَ الْکِتَابِ وَسُوْرَةً مَعَهَا فَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَقْنُتَ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْهِ ثُمَّ قَنَتَ.

ترجمه:۔ اور وتر تین رکعات ہیں۔ ان کے درمیان سلام سے فصل نہ کرے اور تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے قنوت پورے سال (مستقل پڑھے) اور وتر کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورت پڑھے۔ پس جب پڑھنے کا ارادہ کرے تو تکبیر کہے اور دونوں ہاتھ اٹھائے پھر قنوت پڑھے۔

﴿نماز وتر کا بیان﴾

خلاصه:۔ صاحب کتاب یہاں وتر کا بیان کر رہے ہیں. فرماتے ہیں کہ وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ (واجب) ہیں۔ درمیان میں ایک اور سلام کے ساتھ فصل نہ کیا جائے۔ اور قنوت تیسری رکعت میں قبل الرکوع ہے اور پورے سال پڑھنا (واجب) ہے۔ وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی سورۃ کو ضم کر کے پڑھنا بالاتفاق (واجب) ہے اور اس کے بعد قنوت پڑھنے کا ارادہ ہو تو پہلے تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے پھر دعاء قنوت پڑھے (اور تکبیر کہنا واجب ہے)۔

تشریح:۔ والوتر الخ:۔ وتر کے سلسلے میں امام ابو حنیفہؒ سے تین روایات منقول ہیں۔(۱) واجب ہے۔ یہ آخری قول ہے۔ (۲) سنت مؤکدہ ہے یہ صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہے۔ (۳) فرض ہے یہ امام زفرؒ اور مالکیہ کے نزدیک ہے۔ وتر کا منکر کافر نہیں ہے۔ اس کی قضا واجب ہے۔ امام شافعیؒ سے تعداد کے بارے میں دو قول ہیں ایک احناف کے قول کے مطابق ہے۔ دوسرا قول جو امام مالکؒ کا بھی ہے کہ وتر کی تین رکعتیں دو سلام ہیں اور بقول بعض وتر ایک رکعت ہے۔

ویقنت فی الثالثة:۔ محل دعاء قنوت میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک دعاء قنوت کا محل قبل الرکوع ہے اور شوافع کے نزدی بعد الرکوع ہے۔

ویقنت فی جمیع السنة:۔ عند الاحناف پورے سال پڑھنا واجب ہے مگر شوافعؒ کے نزدیک صرف رمضان کے نصف اخیر میں پڑھنا مستحب ہے۔ اور پورے سال بلا کراہت جائز ہے۔

ورفع یدیه:۔ وتر قنوت پڑھتے وقت اولاً تکبیر کہے پھر ہاتھ دونوں کانوں تک اٹھائے صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہاتھ باندھ لے۔ قنوت تو مطلق دعاء ہے اور مطلق دعاء واجب ہے البتہ اللھم انا نستعینك الخ پڑھنا مسنون ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی قنوت پڑھ لیا تب بھی جائز ہے۔

وَلَا يَقْنُتُ فِيْ صَلوٰةٍ غَيْرِها.

ترجمہ:۔ اور قنوت وتر کے سوا کسی اور نماز میں نہ پڑھے۔

تشریح:۔ ولا یقنت الخ:۔ احناف کے نزدیک وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں دعاء قنوت نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نماز فجر میں دعا قنوت مسنون ہے۔ امام ترمذی کی تصریح کے مطابق اہل علم نماز فجر میں بلا کسی سبب قنوت پڑھنے کے قائل نہیں ہیں۔ روایات سے اتنا معلوم ہوتا ہے آپ نے کسی قبیلہ کی بد دعا کے لئے جنھوں نے ستر یا اسی قراء کو شہید کر دیا تھا نماز فجر میں ایک ماہ تک قنوت کا عمل جاری رکھا اسکے بعد ترک فرمادیا۔ آپؐ نے نہ تو اس واقعہ سے پہلے کبھی پڑھی تھی اور نہ اس کے بعد پڑھی، اور یہ درحقیقت قنوت نازلہ تھی جو منسوخ ہو گئی۔

وَ لَيْسَ فِي شَئٍ مِنَ الصَّلوٰةِ قراءةُ سُورَةٍ بِعَيْنِهَا لا يجوز غيرها ويكره ان يَتَّخِذَ قِراءَةَ سُورَةٍ بِعَيْنِهَا لِلصَّلوٰةِ لا يَقْرأ فِيهَا غَيْرَهَا وَاَدْنىٰ ما يجزى من القراءة فى الصلوٰة ما يتنا وَلُهُ اِسْمَ الْقُرْاٰن عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تعالىٰ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفُ وَمُحَمَّدُ رَحِمَهُمَا للّٰهُ تَعَالىٰ لَا يَجُوْزُ اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثِ اٰيَاتٍ قِصَارٍ اَوْ اٰيَةٍ طَوِيْلَةٍ.

ترجمہ۔ اور کسی نماز میں کسی متعین سورۃ کا پڑھنا نہیں ہے کہ اس کے علاوہ سورۃ کا پڑھنا جائز نہ ہو۔ اور نماز کے لئے کسی متعین سورۃ کا مقرر کر لینا مکروہ ہے کہ اسکے علاوہ کوئی سورۃ نماز میں تلاوت نہ کرے۔ اور قرأت کی ادنیٰ مقدار جو نماز میں کفایت کر جاتی ہے وہ ہے جسے قرآن کہا جاسکے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔ اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ نے فرمایا کہ تین چھوٹی

آیت سے کم یا ایک بڑی آیت سے کم (کی تلاوت) جائز نہیں ہے۔

خلاصہ:۔ (ہر نماز میں سورہ فاتحہ کی تلاوت واجب ہے اور اس کے علاوہ) کسی متعین سورۃ کی اس انداز سے تعین کرنا کہ اس کے علاوہ کسی اور سورۃ کی تلاوت جائز نہیں ہے درست نہیں ہے اور اسی طرح نماز کے لئے کسی مخصوص سورۃ کو متعین کر لینا اس کے علاوہ کوئی اور سورت تلاوت نہ کرے تو ایسا کرنا مکروہ ہے مثلاً جمعہ کی فجر کی رکعت اولیٰ میں **الٓم سجدہ** اور رکعت ثانیہ میں سورہ **دھر** کی تعیین باعث کراہت ہے البتہ اتباع نبیؐ کے طور پر متعین سورہ کی تلاوت کرے اور کبھی کبھی دوسری سورتیں بھی پڑھ لے تو پھر کراہت نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز میں قرأت کی ادنیٰ مقدار جس سے نماز جائز ہو جائے گی وہ ہے جس پر اسم قرآن صادق آجائے ایک آیت ہے۔ (اگر آیت دو کلموں یا زیادہ پر مشتمل ہو تو باتفاق مشائخ نماز جائز ہو گی جیسے ارشاد باری "**فقتل کیف قدر**" اور اگر ایک ہی کلمہ ہے جیسے "**مدھا متان**" یا ایک حرف ہے جیسے صٓ ، قٓ تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک کافی ہو جائے گی اور بعض کے نزدیک کافی نہیں ہو گی) اور صاحبینؒ کے نزدیک کم سے کم تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت کا ہونا ضروری ہے جیسے آیۃ الکرسی اور آیت دین، اس سے کم کی صورت میں قرأت بھی کافی نہیں ہو گی۔

وَلَا يقرأ الموتَمُ خَلْفَ الِامَامِ وَمَنْ اَرَادَ الدُّخُوْل فِىْ صَلٰوةِ غَيْرِهٖ يَحْتَاجُ اِلىٰ نِيَّتَيْنِ نِيةِ الصَّلٰوة ونِيةِ المتابَعَةِ.

ترجمہ:۔ اور مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے اور جو شخص اپنے علاوہ کی نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اس کو دو نیتوں کی ضرورت ہے (ایک) نماز کی نیت اور (دوسرے) اقتداء کی نیت۔

﴿قراءت خلف الامام﴾

خلاصہ:۔ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ احناف کے نزدیک مقتدی امام کے پیچھے بالکل قراءت نہیں کرے گا نہ فاتحہ کی اور نہ کسی سورت کی نماز جہری ہو یا سری۔ اور امام شافعیؒ کا قول جدید اور صحیح مذہب یہ ہے کہ مقتدی کے لئے ہر نماز میں خواہ جہری ہو یا سری فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک سری نماز اور جہری نماز کی جن رکعتوں میں جہر نہیں ان میں مقتدی کے لئے فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، امام شافعیؒ کا قول قدیم یہی ہے۔ ایک دوسرا مسئلہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ دو نیت کرے ایک تو نماز کی نیت دوسرے اقتداء کی نیت یہ ایک تفصیلی بحث ہے جس کی دلائل مطولات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

باب الجماعة

(جماعت کا بیان)

اس سے پہلے باب میں منفرد کی نماز کے مسائل پیش کئے گئے تھے اور اس باب میں جماعت اور امامت کو ذکر فرما رہے ہیں۔
جماعت کے بارے میں فقہاء امت کے اقوال چار ہیں۔ (۱) فرض عین ہے یعنی ہر شخص پر فرض ہے۔ (۲) فرض کفایہ ہے یعنی اگر چند نے جماعت کرلی تو باقی حضرات سے گناہ ساقط ہو جائیگا۔ (۳) واجب ہے۔ (۴) سنت مؤکدہ ہے۔ اس تاکید سے وجوب مراد ہے گویا سنت مؤکدہ اور وجوب دونوں قول کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ قول اول امام احمد اور اہل ظواہر کا ہے مگر صحت نماز کے لئے شرط نہیں ہے۔ قول دوم امام شافعیؒ کا ہے۔ قول سوم مشائخ احناف کا ہے۔ اس قول کو درست اور قوی تر کہا گیا ہے، قول چہارم اس کو صاحب کتاب نے اختیار کیا ہے۔ مگر صحت جمعہ وعیدین کے لئے جماعت شرط ہے۔ اس کے سنیت کی دلیل حضور کا ارشاد ہے "الجماعة من سنن الهدىٰ لا يتخلفها الا المنافق" جماعت سنن ہدیٰ میں سے ہے اس سے منافق ہی پیچھے رہتا ہے۔ اس کی فضیلت کے باب میں آپ کا ارشاد ہے صلوٰة الجماعة افضل من صلوٰة احدکم وحده بخمسة وعشرين درجةً یعنی جماعت سے نماز پڑھنا بہ نسبت تنہا نماز پڑھنے کے پچیس درجہ افضل ہے۔ اور ایک روایت میں ۲۷ درجہ افضل ہے۔

وَالجَمَاعَةُ سنة مؤكدة واولى الناس بالامامة اعلمهم بالسنة فان تساوَوْا فاقرأُهُمْ فان تساوَوْا فَاَوْرَعُهُمْ فَاِنْ تَسَاوَوْا فاَسَنُّهُمْ ويكره تقديم العبد والاعرابى والفاسق والاعمىٰ وولد الزناء فان تقدموا جاز وينبغى للامام ان لا يطول بهم الصلوٰة.

ترجمہ:۔ جماعت سنت مؤکدہ ہے۔ اور لوگوں میں سب سے افضل امامت کے لئے وہ شخص ہے جو جماعت والوں میں سب سے زیادہ عالم بالسنہ ہو اور اگر سب (علم میں) برابر ہوں تو ان میں جو بہتر قاری ہو، پھر اگر سب (علم اور قراءة میں) برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ متقی ہو اور اگر (علم، قراءت اور تقویٰ میں) سب برابر ہوں تو پھر وہ شخص امامت کا زیادہ مستحق ہے جو ان میں سے از راہ عمر بڑا ہو۔ اور غلام، گنوار، فاسق، نابینا اور ولد الزنا (حرامی) کو آگے بڑھانا مکروہ ہے اور اگر یہ لوگ آگے بڑھ جائیں تو جائز ہے۔ اور امام کے لئے مناسب ہے کہ مقتدی کے ساتھ نماز کو لمبی نہ کرے۔

منصب امامت کا استحقاق، اور کن لوگوں کی امامت مکروہ ہے؟

حل لغات:۔ اولى الناس:۔ لوگوں میں زیادہ حقدار۔ زیادہ لائق۔ **اعلم**۔ زیادہ جاننے والا۔ **تساوَوْا**۔ برابر ہونا۔ **اورعهم**۔ لوگوں میں زیادہ متقی۔ **الاعرابى**۔ بدو۔ گنوار۔ **الاعمى**۔ نابینا۔ **ولدالزنا**۔ حرامی۔

تشریح:۔ الاعلم بالسنة:۔ یعنی نماز کے مسائل اور احکام سے زیادہ واقف ہو خواہ دوسرے مسائل سے اس

قدر واقفیت نہ ہو، نیز مایجوز بہ الصلوٰۃ پر قدرت حاصل ہو۔ امام ابو یوسفؒ اور طرفینؒ میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اقرأ اعلم بالسنہ سے مقدم ہے۔ اور طرفینؒ اس کے برعکس کہتے ہیں یعنی اعلم بالسنۃ، اقرأ پر مقدم ہے۔ کیونکہ عہد حاضر میں ایک عمدہ قاری کی مسائل نماز اور اس کے احکام کی طرف توجہ کم ہوتی ہے ہاں اور عہد صحابہ میں جو اقرأ ہو تا وہ اعلم بھی ہو تا تھا اس لئے حدیث میں اقرأ کو اعلم پر تقدیم حاصل ہے لیکن فی زمانہ ایسا نہیں ہے اس لئے اعلم اقرأ پر مقدم ہے۔ ہاں اگر علم کے اعتبار سے سب میں مساوات ہو تو عمدہ قاری کی امامت اولیٰ ہو گی۔

اورعهم:۔ اگر سب اہل جماعت علم بالسنۃ اور قراءت میں مساوی ہوں تو جو اورع ہو وہ امامت کا زیادہ مستحق ہے۔
ورع اور تقویٰ میں فرق۔ ورع کہتے ہیں شبہات سے احتراز کرنا۔ تقویٰ کہتے ہیں محرمات سے بچنا۔

ویکرہ تقدیم العبد الخ:۔ اس عبارت میں کن لوگوں کی امامت مکروہ ہے اس کو بیان کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ غلام کی امامت اسی طرح گنوار کی امامت عدم علم و جہل کی وجہ سے، فاسق کی امامت اس سے شریعت کا احترام نہ کرنے کی وجہ سے، نابینا کی امامت پاکیزگی میں عدم احتیاط کی وجہ سے اور ولد الزنا کی امامت صحیح تعلیم و تربیت نہ پانے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ لیکن اگر کسی موقع پر ان حضرات کے علاوہ کوئی اور شخص نہ ہو تو ان کو امام بنانا بلا کراہت جائز ہے البتہ فاسق کی امامت کراہت کے ساتھ جائز ہو گی۔ اس لئے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ نماز ہر نیک و بد کے پیچھے پڑھ لو۔

وینبغی للامام ان لا یطول:۔ چونکہ مقتدیوں میں ضعیف العمر، بیمار اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں اس لئے امام کا فرض ہے کہ نماز کو طول نہ دے کر کمزور حضرات کا خیال رکھے۔

ویکرہ للنساء ان یصلینَ وَحْدَھُنَّ بجماعَةٍفاِنْ فَعلْنَ وَقَفتِ الْاِمَامَةُ وَسْطَھُنَّ كَالعُرَاةِ وَمَنْ صَلیٰ مَعَ وَاحِدٍ اَقَامَهُ عَنْ یَمِینِہٖ وَاِنْ كَانَا اِثْنَیْنِ تَقَدَّمھُما وَلا یَجُوْزُ لِلرِّجَالِ ان یقتدوا بِاِمْرَأَۃٍ اَوْ صَبِیٍّ.

ترجمہ:۔ عورتوں کے لئے تنہا باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے، اگر عورتوں نے جماعت کی تو برہنہ لوگوں کی طرح امام ان کے درمیان کھڑی ہو۔ اور جو شخص ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کو اپنے دائیں کھڑا کرے اور اگر (مقتدی) دو ہوں تو امام ان کے آگے ہو جائے۔ اور مردوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی عورت کی یا بچہ کی اقتداء کریں۔

تنہا عورتوں کی جماعت کا حکم

تشریح:۔ ویکرہ للنساء الخ:۔ عورتوں کی نماز باجماعت مکروہ تحریمی ہے اور یہی حکم برہنہ شخص کی جماعت کا ہے۔ اگر ان کی جماعت ہوئی ہے تو ان کا امام صف کی بیچ میں ہو گا تاکہ کشف عورت زیادہ نہ ہو۔ البتہ نماز جنازہ کا استثناء ہے کہ عورتوں کی نماز جنازہ کی جماعت مکروہ نہیں ہے۔

ومن صلی مع واحدٍ:۔ مقتدی کے ایک ہونے کی صورت میں اس کو امام کے دائیں کھڑا ہونا ہے، اگر مقتدی ایک سے زائد ہو تو امام آگے کھڑا ہو گا۔ درمیان میں کھڑے ہونے کی صورت میں کراہت کا حکم ہے۔

ولا یجوز للرجال الخ:۔ مردوں کے لئے عورت کی اقتداء جائز نہیں کیونکہ امام کے لئے مرد کا ہونا شرط ہے۔اور نابالغ کی بھی اقتداء جائز نہیں ہے اس لئے کہ نابالغ کی نماز نفل ہوتی ہے اور اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز نہیں ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک بچہ کی امامت درست ہے۔

وَيُصَفُّ الرِّجَالُ ثُمَّ الصِّبْيَانُ ثُمَّ الْخُنْثٰى ثُمَّ النِّسَاءُ فَاِنْ قَامَتْ اِمْرَأَةٌ اِلٰى جنب رَجُلٍ وَهُمَا مُشْتَرِكَانِ فِىْ صَلٰوةٍ وَاحِدَةٍ فَسَدَتْ صَلٰوتُهٗ .

ترجمہ:۔اور صف بنائی جائے مردوں کی، پھر بچوں کی، پھر خنثیٰ کی، پھر خواتین کی پس اگر عورت مرد کے برابر کھڑی ہو گئی ہو اور دونوں ایک نماز (کے تحریمہ) میں مشترک ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

صفوں کی ترتیب اور محاذاۃ کا بیان

تشریح۔ **ویصف الرجال الخ**:۔اس عبارت میں امام کے پیچھے کھڑے ہونے کی ترتیب کو بیان کیا گیا ہے۔امام کے پیچھے سب سے پہلے مردوں کی صف ہونی چاہئے پھر بچوں کی پھر خنثاؤں (ہجڑوں) کی اس کے بعد عورتوں کی۔
فان قامت امرأۃ الخ:۔ اس عبارت میں مسئلہ محاذاۃ کو بیان کیا گیا ہے۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت آکر مرد کے برابر میں نیت باندھ لے اور دونوں ایک نماز کے تحریمہ میں مشترک ہوں تو مرد کی نماز (استحساناً) فاسد ہو جائیگی بشرطیکہ امام نے اس عورت کے امامت کی نیت کی ہو۔البتہ قیاساً مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی جیسا کہ امام شافعیؒ کا یہی فرمان ہے۔استحساناً کی وجہ یہ ہے کہ فرمان نبویؐ "اخروھن من حیث اخرھن اللہ" کے مخاطب مرد ہیں نہ کہ عورتیں۔اور مرد ہی نے فرمان نبویؐ کے خلاف کیا ہے۔اس لئے فساد مرد کی نماز میں آئیگا نہ کہ عورت کی نماز میں۔

وَيكره لِلنِّسَاءِ حضُورُ الْجَمَاعَةِ وَلَا بَاسَ بِاَنْ تَخْرُجَ الْعَجُوْزُ فِى الْفَجرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ ابويوسفُ ومحمد رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَجُوْزُ خُرُوْجُ الْعَجُوْزِ فِىْ سَائِرِ الصَّلَوَاتِ وَلَا يُصَلِّى الطَّاهِرُ خَلْفَ مَنْ بِهٖ سَلَسُ الْبَوْلِ وَلَا الطَّاهِرَةُ خَلْفَ الْمُسْتَحَاضَةِ وَلَا الْقَارِئُ خَلْفَ الْاُمِّىِّ ولا المكتسى خَلْفَ الْعُرْيَانِ.

ترجمہ:۔ (جوان) عورتوں کے لئے جماعت میں شرکت کرنا مکروہ ہے۔اور اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ بوڑھی عورت فجر، مغرب اور عشاء میں نکلے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور ابویوسفؒ و محمدؒ نے فرمایا کہ جائز ہے بوڑھی عورتوں کا تمام نمازوں میں نکلنا۔اور پاک مرد ایسے شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھے جس کو سلس البول کا مرض ہو، اور نہ پاک عورت مستحاضہ کے پیچھے نماز پڑھے اور نہ قاری، امی کے پیچھے نماز پڑھے اور نہ کپڑا پہننے والا برہنہ کے پیچھے نماز پڑھے۔

حل لغات:۔ **حضور الجماعۃ**۔ جماعت میں شرکت۔ **العجوز**۔ بوڑھی عورت جمع عجائز۔ **سلس البول**۔ بلاارادہ پیشاب کا نکلنا۔ **الامی**۔ ان پڑھ۔ **المکتسی**۔ کپڑے پہننے والا۔ **عُریان**۔ برہنہ۔ ننگا۔

خلاصه: ۔صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جوان عورتوں کے لئے جماعت میں شرکت کرنا مکروہ ہے۔احناف کے نزدیک بوڑھی عورتوں کے لئے مساجد کی طرف نکلنے کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کا اختلاف ہے۔امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بوڑھی عورت مغرب عشاء اور فجر میں نکل سکتی ہے اور ظہر و عصر میں نکلنا مکروہ ہے۔اور صاحبینؒ کے نزدیک بوڑھی عورت کے لئے تمام نمازوں میں نکلنے کی اجازت ہے۔(فقہاء کی اصطلاح میں مستحاضہ اور جو مستحاضہ کے حکم میں ہو اس کو معذور کہتے ہیں)صورت مسئلہ یہ ہے کہ پاک مرد، سلس البول میں مبتلا شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھے اور نہ پاک عورت مستحاضہ کے پیچھے نماز پڑھے۔اسی طرح ایک ان پڑھ کے پیچھے ایک تعلیم یافتہ شخص نماز نہ پڑھے۔اسی طرح وہ شخص جو کپڑا پہنے ہوئے ہو کسی برہنہ اور ننگے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

تشریح: ۔**ویکرہ للنساء:** ۔امام شافعیؒ کے یہاں عورتوں کا مساجد کی طرف نکلنا مطلقاً جائز ہے۔حنفیہؒ کے یہاں بوڑھی عورت کے لئے جمعہ و عیدین میں شرکت مطلقاً جائز ہے۔لیکن فساد زمانہ کی وجہ سے مفتی بہ مذہب علی الاطلاق عدم جواز کا ہے۔

ولا یصلی الطاهر: ۔اس موقع پر دو باتیں ذہن نشیں رکھیں۔(۱) مقتدی کے مقابلے میں امام کا اعلیٰ ہونا یا کم از کم مقتدی کے برابر ہونا۔یہ ضابطہ فرمان نبویؐ " الامام ضامن '' سے مستنبط ہوتا ہے یعنی امام کی نماز مقتدی کی نماز کو (صحت و فساد میں) متضمن ہے۔

(۲) شئی اپنے سے کمتر یا اپنے ہم مثل کو متضمن ہوتی ہے مگر اپنے مافوق کو متضمن نہیں ہوتی۔مسئلہ یہ ہے کہ معذور کے پیچھے غیر معذور اور صحت مند کی نماز درست نہیں کیونکہ معذور غیر معذور کے مقابلہ میں ادنیٰ ہے۔البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اصح قول کے مطابق معذور کے پیچھے صحت مند نماز پڑھ سکتا ہے۔احناف میں امام زفرؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

ولا القاری خلف الامی الخ: ۔ قاری کی نماز امی کے پیچھے جائز نہیں۔اسی طرح ستر واجب کو چھپانے والا ننگے کی اقتداء نہیں کر سکتا ہے کیونکہ امی اور ننگے کی بہ نسبت قاری اور لباس پہننے والے کی حالت قوی ہے۔اور قوی حالت والا امام بن سکتا ہے۔اور امی اور ننگے کی حالت ضعیف ہے اس لئے یہ دونوں امام نہیں بن سکتے۔

وَيَجُوزُ اَن يَّؤُمَّ الْمُتَيَمِّمُ الْمُتَوَضِّئِينَ وَالْمَاسِحُ علی الْخُفَّيْنِ الغَاسِلِيْنَ وَيُصَلِّی القَائِمُ خلفَ القَاعِدِ وَلَا يُصَلِّی الَّذِی يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ خَلْفَ المُؤمِیِٔ ولا يُصَلِّی المفترضُ خلفَ المُتنفِّلِ ولا من يُصَلِّی فَرْضاً خَلْفَ من يُّصَلِّی فرضاً اٰخرَ وَ يُصَلِّی الْمُتَنَفِّلُ خَلْفَ الْمُفْتَرِضِ وَمَنِ اقْتَدٰی بامامٍ ثم عَلِمَ انَّهٗ عَلٰی غَيرِ طَهَارَةٍ اعادَ الصَّلٰوةَ.

ترجمه: ۔اور جائز ہے کہ تیمم کرنے والا وضو کرنے والے کی امامت کرے، اور موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کی (امامت کرے) اور کھڑا ہو کر پڑھنے والا بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔اور رکوع و سجدہ کرنے والا اشارہ سے پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔فرض پڑھنے والا، نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔اور ایک فرض

پڑھنے والا، دوسرے فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ اور نفل پڑھنے والا، فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور جس نے کسی امام کی اقتداء کی پھر اس کو معلوم ہوا کہ وہ شخص ناپاک تھا تو وہ اپنی نماز لوٹائے۔

حل لغات:۔ یؤم (ن) اماماً ۔ امامت کرنا۔ القائم ۔ کھڑا ہونے والا۔ خلف ۔ پیچھے۔ المومی ۔ اشارہ کرنے والا۔ مفترض ۔ نماز فرض پڑھنے والا۔ متنفل ۔ نفل پڑھنے والا۔

خلاصه:۔ صاحب کتاب نے اس مختصر سی عبارت میں آٹھ مسائل بیان کئے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ (۱) تیمم کرنے والے کے لئے وضو کرنے والے کی امامت کرنا جائز ہے۔ (۲) موزوں پر مسح کرنے والا، پاؤں دھونے والوں کی امامت کر سکتا ہے۔ (۳) قائم، قاعد کی اقتداء کر سکتا ہے۔ (۴) رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنے والا، اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ (۵) مفترض کے لئے متنفل کی اقتداء جائز نہیں ہے۔ (۶) ایک فرض پڑھنے والا دوسرے فرض پڑھنے والے کی اقتداء نہیں کر سکتا۔ (۷) نفل ادا کرنے والا، فرض ادا کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ (۸) کسی امام کی اقتداء کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ امام محدث ہے تو مقتدی کے لئے نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

تشریح۔ ویجوزان یؤم للمقیم الخ:۔ اس مسئلہ میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے۔ شیخینؒ کے نزدیک متوضی متیمم کی اقتداء کر سکتا ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک نہیں کر سکتا۔

ویصلی القائم خلف القاعد:۔ امام محمدؒ کے نزدیک قائم، قاعد کی اقتداء نہیں کر سکتا۔

ولا من یصلی فرضاً الخ:۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اقتداء کرنی جائز ہے۔ اسی طرح مسئلہ (۴) اور (۵) بھی امام شافعیؒ کے یہاں جائز ہے۔

ومن اقتدی بامام الخ:۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اعادہ صلوٰۃ واجب نہیں ہے۔

ویکره للمصلی اَنْ یَعبثَ بثوبه او بجسده ولا یقلب الحَصیٰ الا ان لا یمکنه السجود عَلیْهِ فَیُسوِّیْهِ مرَّةً واحِدَةً وَلا یُفرقعُ اَصابعَهٗ وَلا یُشبِّكُ.

ترجمه:۔ نماز پڑھنے والے کے لئے مکروہ یہ ہے کہ اپنے کپڑے یا اپنے جسم سے کھیلے، اور کنکریاں الٹ پلٹ نہ کرے مگر یہ کہ اس کے لئے ممکن نہ ہو اس پر سجدہ کرنا۔ تو اسے ایک مرتبہ برابر کرلے اور اپنی انگلیاں نہ چٹخائے اور نہ ایک انگلی دوسری میں داخل کرے۔

مکروہات نماز کا بیان

حل لغات:۔ یعبث ۔ باب (س) سے عبثاً ۔ کھیل کود کرنا، مذاق کرنا۔ یقلب ۔ باب تفعیل سے ہے۔ پلٹ دینا، مراد ہٹانا ہے۔ الحصی ۔ کنکری۔ جمع حصیات ۔ یفرقع ۔ فرقعة فرقاعاً ۔ انگلیاں چٹخانا۔ یشبك ۔ تشبیکاً ۔ ایک دوسرے میں داخل کرنا۔

خلاصه:۔ صاحب کتاب اس عبارت میں نماز کے مکروہات کو بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ نمازی کے لئے

اپنے کپڑے یا بدن سے کھیلنا مکروہ ہے۔ نماز کی حالت میں کنکریاں ہٹانا بھی مکروہ ہے۔ البتہ اگر اس کے بغیر سجدہ کرنے میں دشواری ہو تو ایک مرتبہ موضع سجدہ کو برابر کر سکتا ہے۔ غیر ظاہر الروایۃ میں دو مرتبہ کی اجازت ہے۔ لیکن افضل ہے کہ ایک مرتبہ کے بعد چھوڑ دے۔ اسی طرح انگلیاں چٹخانا اور ایک انگلی دوسری میں داخل کرنا بھی مکروہ ہے۔

وَلَا يَتَخَصَّرُ وَلَا يَسْدُلُ ثَوْبَهُ وَلَا يَكُفُّهُ وَلَا يَعْقِصُ شَعْرَهُ وَلَا يَلْتَفِتُ يَمِيْناً وَشِمَالاً وَلَا يَقْعِىْ كَاِقْعَاءِ الْكَلْبِ وَلَا يَرُدُّ السَّلَامَ بِلِسَانِهِ وَلَا بِيَدِهِ وَلَا يَتَرَبَّعُ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَلَا يَاكُلُ وَلَا يَشْرَبُ

ترجمہ:۔ کوکھ پر ہاتھ نہ رکھے اور نہ اپنے کپڑے کو لٹکائے، اور اپنا کپڑا نہ سمیٹے۔ اور اپنے بال نہ گوندھے، اور دائیں بائیں جانب نہ دیکھے، اور کتے کی نشست کی طرح نہ بیٹھے۔ اور سلام کا جواب نہ اپنی زبان سے دے اور نہ ہاتھ سے۔ اور چہار زانو نہ بیٹھے مگر کسی عذر کی وجہ سے اور نہ کھائے اور نہ پئے۔

حل لغات۔ یتخصر۔ کوکھ پر ہاتھ رکھنا۔ یسدل۔ (ض،ن) سدلاً۔ لٹکانا۔ یکفه۔ (ن) کفًا و کفافًا الشئی۔ جمع کرنا۔ سمیٹنا۔ یعقص۔ (ض) عقصاً۔ بالوں کو گوندھنا۔ یلتفت۔ التفاتاً الیه۔ چہرہ پھیرنا۔ (دیکھنا) یقعیٰ۔ قَعِیَ قعاً بانسہ کا بلند ہونا پھر جھکنا صفت اَقْعیٰ الکلبُ کتے کا جوتڑ پر بیٹھنا۔ اقعاء کتے کی طرح بیٹھنا۔ یتربع۔ چہار زانو ہو کر بیٹھنا۔

خلاصه۔ صاحب کتاب نے اس عبارت میں دس مسائل بیان کئے ہیں جن میں سے کچھ کا تعلق مکروہات سے ہے اور کچھ کا تعلق مفسدات سے ہے۔ فرماتے ہیں۔ (۱) حالت نماز میں کوکھ میں ہاتھ رکھنا مکروہ تحریمی ہے یہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہے۔ (۲) کپڑا لٹکانا مکروہ تحریمی ہے۔ (۳) کپڑے کو (مٹی سے بچانے کے لئے) سمیٹنا مکروہ ہے۔ (۴) نماز کی حالت میں سر کے بالوں کو گوندھنا مکروہ ہے۔ (۵) حالت نماز میں دائیں بائیں دیکھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (۶) نماز میں کتے کی ہیئت میں بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (۷) نماز کی حالت میں زبان سے سلام کا جواب دینا مفسد نماز ہے البتہ ہاتھ سے جواب دینا مکروہ تنزیہی ہے۔ (۸) نماز کی حالت میں بلا کسی عذر کے چار زانوں بیٹھنا مکروہ ہے۔ (۹) نماز کی حالت میں کھانا۔ (۱۰) اور نماز کی حالت میں پینا دونوں مفسد صلوٰۃ ہے۔

تشریح۔ سدل۔ کی دو تفسیر کی گئی ہے۔ (۱) سر یا کندھے پر کسی کپڑے کو رکھکر اس کے کنارے نیچے کی جانب چھوڑ دینا یہ امام کرخی کی تفسیر ہے۔ (۲) چادر یا قباء اپنے کندھے پر ڈالے اور ہاتھوں کو آستین میں نہ ڈالے خواہ قمیص کے اوپر یا نیچے۔ یہ تفسیر صاحب کفایہ کی ہے۔

لا یعقص۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) سر کے ارد گرد بالوں کی مینڈھیاں بنا کر باندھے جیسے عورتیں کرتی ہیں۔ (۲) پیشانی پر جمع کر کے دھاگے سے باندھے۔ (۳) کسی لیس دار چیز یا گوند سے چپکا دے۔

ولا یقعی:۔ اقعاء کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک امام طحاوی کے نزدیک دوسری امام کرخی کے نزدیک مگر طحاوی کی

تفسیر ہی صحیح ہے۔ صاحب ہدایہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام طحاویؒ کی تفسیر یہ ہے کہ اپنے سرین پر بیٹھ کر اپنی دونوں رانوں کو کھڑا کر کے اپنے دونوں گھٹنوں کو سینے سے ملادے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔ امام کرخی کی تفسیر یہ ہے کہ اپنے دونوں قدموں کو کھڑا کر کے ایڑیوں پر بیٹھ جائے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔

فَاِنْ سَبقَهُ الْحَدَثُ اِنْصَرَفَ وتوضَّأ وَبَنىٰ علىٰ صلوتِهِ اِنْ لَمْ يَكُنْ اِماماً فان كان اماماً اِسْتَخْلَفَ وتوضأ وبنى علىٰ صلوته مَالَمْ يتكَلَّمْ وَالِاسْتِيْنَافُ اَفْضَلُ.

ترجمہ:۔ اگر (نماز میں) کسی کو حدث پیش آجائے تو وہ لوٹ جائے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے اگر یہ امام نہیں ہے۔ اور اگر امام ہو تو اپنا قائم مقام بنائے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے۔ جب تک کہ اس نے گفتگو نہ کی ہو اور از سر نو پڑھنا افضل ہے۔

﴿نماز میں وضو ٹوٹ جانے کا بیان﴾

خلاصہ:۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو دوران نماز حدث لاحق ہو جائے جو غیر اختیاری ہوتا ہے تو وہ فوراً بلا کسی توقف کے لوٹ جائے اور وضو کر کے اپنی بقیہ نماز کو پوری کرے۔ اگر امام ہے تو کسی مدرک کو اس کا کپڑا پکڑ کر محراب تک کھینچ کر لیجا کر اپنا نائب بنادے اور وضو کرے اپنی بقیہ نماز پوری کرے۔ اور از سر نو پڑھنا افضل ہے تاکہ اختلاف کے شبہ سے احتراز رہے، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک بناء جائز نہیں ہے۔ اس لئے استیناف ہی کرنا ہوگا۔ شراح قدوری نے صحت کے بناء کی تیرہ شرطیں ذکر کی ہیں۔

وَاِن نَامَ فَاحْتَلَمَ اَوْ جُنَّ اَوْ اُغْمِيَ عَلَيْهِ او قهقه اِسْتَانَفَ الْوُضُوْءَ وَالصَّلوٰةَ وَاِنْ تَكَلَّمَ فِي صلوته ساهياً اوعامداً بطلت صلوته وان سبقه الحدث بعد ما قعد قدرالتشهُّدِ تَوَضَّأَ وَسَلَّمَ وَاِنْ تَعَمَّدَ الحدث فِيْ هٰذِهِ الْحَالَةِ اَوْ تكَلَّمَ اَوْ عَمِلَ عَمَلاً يُنَافِي الصَّلوٰةَ تَمَّتْ صَلوتُهُ وان راى المتيمم الماء فى صلوته بطلت صلوته.

ترجمہ:۔ اگر (نماز میں) سو گیا اور احتلام ہو گیا یا دیوانہ یا بیہوش ہو گیا یا قہقہہ لگایا تو دوبارہ وضو کرے اور دوبارہ نماز پڑھے۔ اور اگر نماز میں سہواً یا عمداً گفتگو کرے تو اس کو نماز باطل ہو جائیگی۔ اور اگر مقدار تشہد بیٹھ جانے کے بعد حدث لاحق ہو تو وضو کرے اور سلام پھیر دے۔ اور اگر کسی نے اس حالت میں قصداً حدث کیا یا گفتگو کی یا کوئی ایسا کام کیا جو نماز کے منافی ہو تو اس کی نماز پوری ہو گئی اور اگر متیمم نے اپنی نماز میں پانی دیکھا تو اس کی نماز باطل ہو گئی۔

﴿مفسدات نماز کا بیان﴾

حل لغات:۔ اغمی علیه۔ بیہوشی طاری ہو گئی۔ استانف از سرنو کرنا۔ ساھیاً۔ سہو قوت مدرکہ سے صورت کے زائل ہونے کا نام ہے۔ عائداً بالقصد۔

خلاصہ:۔ اس موقع پر پانچ مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔(۱) دوران نماز سو کر احتلام ہو جانے سے یا پاگل ہو جانے، یا بیہوش ہو جانے یا کھل کھلا کر ہنسنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے از سر نو وضو کر کے نماز لوٹانے کا حکم ہے (کیونکہ یہ سب نادر الوقوع عمل ہیں اور بناء غیر نادر الوقوع علم میں ہوتی ہے) (۲) اور اگر کسی نے سہواً یا عمداً اپنی نماز کے دوران کلام کیا تو اس کی نماز باطل ہو گئی۔(۳) اگر کسی نمازی کو مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد حدث لاحق ہوئی تو حکم یہ ہے کہ وضو کرے پھر سلام پھیرے کیونکہ عند الاحناف تسلیم واجب ہے اس لئے وضو کرنا ضروری ہوا تاکہ وجوب سلام ادا کرے۔(البتہ شوافع کے نزدیک نماز فاسد ہو گی کیونکہ ان کے نزدیک تسلیم فرض ہے)(۴) اگر تشہد کے بعد نمازی نے قصداً حدث کیا یا عمداً کلام کیا یا ایسا کوئی عمل کیا جو نماز کے منافی ہو تو چونکہ عمداً فعل سے خروج بصنعہ موجود ہے اس لئے اس کی نماز پوری ہو گئی۔(امام شافعیؒ کا اس صورت میں بھی اختلاف ہے) لیکن چونکہ تسلیم واجب ہے اس لئے ترک واجب کی وجہ سے نماز کو لوٹانا ہو گا۔ (۵) اگر متیمم کو دوران نماز پانی پر قدرت حاصل ہو جائے تو اسکی نماز باطل ہو گی اس کو چاہئے کہ وضو کر کے نماز پڑھے۔

تشریح:۔ وان تکلم فی صلوٰته الخ :۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور احمدؒ کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک خطا و نسیان کی صورت میں کلام مفسد صلوٰۃ نہیں ہے بشرطیکہ کلام طویل نہ ہو۔ البتہ کلام قصداً کیا یا بر بناء مصلحت یا کسی کے جبر کی بنیاد پر تو نماز فاسد ہو جائیگی جمہور فقہاء بھی یہی کہتے ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک مصلحتاً کلام مفسد نہیں ہے اور بھول و جہل قصد کے درجے میں ہیں یعنی مفسد ہے امام احمدؒ سے دو روایت ہے ایک روایت کے مطابق مصلحتاً کلام مفسد نہیں ہے اور دوسری روایت کے مطابق مفسد ہے۔

وان راٰه بَعْدَ مَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ اَوْ كَانَ مَا سِحاً فَانْقَضَتْ مُدَّةُ مَسْحِهٖ اَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ بِعَمَلٍ قَلِيْلٍ اَوْ كَانَ اُمِّياً فَتعَلَّمَ سُوْرَةً اَوْ عُرْيَاناً فَوَجَدَ ثَوْباً اَوْ مُوْمِياً فَقَدَرَ عَلَى الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ اَوْ تَذَكَّرَ اَنَّ عَلَيْهِ صَلٰوةً قَبْلَ هٰذِهٖ اَوْ اَحْدَثَ الاِمَامُ القَارِيُ فَاسْتَخْلَفَ اُمِّياً او طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِيْ صَلٰوةِ الفَجْرِ اَوْ دَخَلَ وَقْتُ العَصْرِ فِي الْجُمُعَةِ اَوْ كَانَ مَاسِحًا عَلَى الجَبِيْرَةِ فَسَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ اَوْ كَانَتْ مُسْتَحَاضَةً فَبَرَأَت بَطَلَتْ صَلٰوتُهُمْ فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ تَمَّتْ صَلٰوتُهُمْ فِيْ هٰذِهِ المسائل.

ترجمہ:۔ اگر متیمم نے مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد پانی دیکھا یا مسح کرنے والے کی مدت مسح پوری ہو گئی، یا عمل قلیل سے اپنے موزے نکال دیئے، یا ان پڑھ نے کوئی سورۃ سیکھ لی، یا برہنہ تھا اس کو کپڑا مل گیا، ایک اشارہ کرنے والا تھا اور وہ رکوع و سجدے کرنے پر قادر ہو گیا، یا اس کو یاد آ گیا کہ اس کے ذمہ اس سے پہلے کی نماز باقی (واجب القضاء) ہے یا امام قاری کو حدث لاحق ہوا اور اس نے کسی امی کو قائم مقام بنادیا، یا نماز فجر میں آفتاب طلوع ہو گیا، یا نماز جمعہ میں عصر کا وقت داخل ہو گیا یا زخم کی پٹی پر مسح کرنے والا تھا اور زخم ٹھیک ہو کر پٹی گر گئی۔ یا عورت مستحاضہ تھی پس وہ اچھی ہو گئی۔ تو ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق ان تمام کی نماز باطل ہو گئی اور ابو یوسفؒ و محمدؒ نے فرمایا کہ ان تمام مسائل میں ان سب کی نماز مکمل ہو گئی۔

مسائل اثنا عشریہ اور ان کا حکم

حل لغات:۔ خلع ۔(ف) خلعاً اتار لینا۔ عریان ۔ برہنہ۔ مومی ۔ اشارہ کرنے والا شخص۔ الجبیرۃ ۔ ٹوٹی ہڈی باندھنے کی لکڑے یا پٹی۔ جمع جبائر۔ برء ۔ مصدر باب (س) سے شفایاب ہونا۔ صحت مند ہونا۔

خلاصہ:۔ مذکورہ متن میں صاحب کتاب نے مسائل اثنا عشریہ کو بیان کیا ہے۔ یعنی وہ بارہ مسائل جو مقدار تشہد بیٹھ جانے کے بعد پیش آئیں۔

(۱) تیمم کرنے والا بقدر وضو پانی کے استعمال پر قادر ہو گیا۔ (۲) مدت مسح پوری ہو گئی۔ (۳) عمل قلیل سے موزے نکال لئے۔ (۴) امی نے جواز صلوٰۃ کی مقدار قرآن سیکھ لی۔ (۵) برہنہ شخص کو ستر پوشی کے لئے کپڑا مل جائے۔ (۶) اشارہ سے نماز پڑھنے والا رکوع و سجدے پر قادر ہو گیا۔ (۷) صاحب ترتیب کو نماز قضا یاد آجائے۔ (۸) امام قاری کسی امی کو اپنا نائب مقرر کر دے۔ (۹) نماز فجر میں طلوع آفتاب ہو جانا۔ (۱۰) نماز جمعہ میں وقت عصر کا آجانا۔ (۱۱) زخم ٹھیک ہو کر پٹی گر جائے۔ (۱۲) معذور (مستحاضہ یا جو اس کے حکم میں ہو جیسے سلس البول کا مریض یا رعاف دائم والا) کا عذر جاتا رہا۔

ان متذکرہ بالا مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بطلان نماز کا حکم ہے کیونکہ یہ عوارض دوران نماز اور تسلیم واجب سے قبل پیش آئے ہیں۔ چنانچہ اگر قعدۂ اخیرہ کے بعد بھی یہ عوارض پیش آجائیں تو نماز باطل ہو جائے گی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک ان تمام صورتوں میں نماز پوری ہو گئی کیونکہ ان حضرات کے نزدیک قعدۂ اخیرہ کے بعد ان عوارض کا پیش آنا ایسا ہے جیسے سلام پھیرنے کے بعد پیش آنا۔

ان مسائل اثناء عشریہ میں صحت نماز کی بابت صاحبینؒ کا قول زیادہ ظاہر ہے جیسا کہ صاحب شرنبلالیہ کا بیان ہے۔

باب قضاء الفوائت

(فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا بیان)

گذشتہ باب میں اداء نماز کا بیان تھا اور موجودہ باب میں قضاء نماز کا بیان ہے چونکہ قضاء اداء کی فرع اور اس کی خلیفہ ہے اس لئے اس کو اداء کے بعد بیان کر رہے ہیں۔ قضاء الفوائت کا مطلب یہ ہے کہ غیر اختیاری طور پر مثلاً غفلت نیند اور بھول کی وجہ سے نماز کا فوت ہو جانا ہے کیونکہ شان مومن سے بہت بعید بات ہے کہ وہ دانستہ طور پر نماز ترک کر دے چنانچہ اسی وجہ سے قضاء المتروک استعمال نہ کر کے قضاء الفوائت استعمال کیا۔

اداء:۔ عین واجب کو اس کے مستحق کے حوالہ کرنا۔ **قضاء:۔** مثل واجب کو سپرد کرنا۔

مامور بہ کی تین قسمیں بیان کی جاتیں ہیں (۱) اداء۔ (۲) اعادہ۔ (۳) قضاء۔

وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ قَضَاهَا اِذَا ذَكَرَهَا وَقَدَّمَهَا عَلٰى صَلٰوةِ الْوَقْتِ اِلَّا اَنْ يَّخَافَ

فَوْتَ صَلوٰةِالوَقْتِ فَيُقَدِّمُ صَلوٰةَ الْوَقْتِ عَلَى الْفَائِتِ ثُمَّ يَقْضِيْهَا وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ رَتَّبَهَا فِي الْقَضَاءِ كَمَا وَجَبَتْ فِي الْاَصَلِ اِلَّا ان تَزِيْدَ الْفَوَائِتُ عَلىٰ خَمْسِ صَلَواتٍ فَيَسْقُطُ التَّرْتِيْبُ فِيْهَا.

ترجمه:۔ اور جس شخص کی نماز فوت ہو گئی ہو تو اسے قضا کرے جب اسے یاد کرے اور اس کو وقتیہ فرض نماز پر مقدم کرے لیکن اگر وقتیہ فرض نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو وقتیہ نماز کو فوت شدہ نماز پر مقدم کرے پھر فوت شدہ کی قضا کرے۔ اور جس شخص کی کئی نمازیں فوت ہو گئی ہوں تو ان کو قضاء میں بالترتیب پڑھے جیسے اصل میں واجب ہوئیں مگر یہ کہ فوت شدہ نمازیں پانچ نماز سے زائد ہوں تو ان میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔

خلاصه:۔ اگر ایک شخص صاحب ترتیب ہو اور اس کی نماز قضا ہو گئی ہے تو یاد آتے ہی اس کو فوراً پڑھ لے اگر وقت میں گنجائش ہے تو اس کو وقتیہ نماز پر مقدم کرے کیونکہ صاحب ترتیب کے لئے فائتہ اور وقتیہ نماز کے درمیان ترتیب واجب ہے اور اگر وقت تنگ ہو اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر فائتہ پڑھے گا تو وقت نکل جائے گا تو وقتیہ نماز کو پہلے پڑھے اس کے بعد فائتہ نماز پڑھے (کیونکہ تین چیزیں ترتیب کو ساقط کر دیتی ہیں۔ (۱) وقت کی تنگی (۲) نسیان (۳) فائتہ کی کثرت) اور جس شخص کی چند نمازیں فوت ہو گئی ہوں تو ان کی قضاء اسی ترتیب کے ساتھ کرے جس ترتیب کے ساتھ اداءً واجب ہوئی تھیں۔ اگر فوت شدہ نمازوں کی تعداد پانچ سے زائد ہو تو ترتیب ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ کثرت فوائت ترتیب کے ساقط کرنے میں مؤثر ہے اور چھ نمازوں کا ہونا کثرت پر دلیل ہے لہٰذا اب ترتیب ضروری نہیں۔

نوٹ:۔ امام شافعیؒ کے یہاں ترتیب مستحب ہے۔

باب الاوقات التی تکره فیها الصلوٰة

(ان اوقات کا بیان جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے)

مقتضائے قیاس کے مطابق اس باب کو باب المواقیت میں ذکر کرنا چاہئے تھا لیکن کراہت کو عوارض سے تعلق ہونے کی وجہ سے فوات سے مشابہت ہے اس لئے اس باب کو یہاں ذکر کیا ہے۔ اور باب کی ابتداء عدم جواز سے کی ہے لیکن کراہت کے عدم جواز کے معاملہ میں اغلب اور عام ہونے کی وجہ سے باب کو کراہت کا عنوان دیا۔

لَا تَجُوْزُ الصَّلوٰةُ عند طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلا عند غُرُوْبِهَا اِلَّا عَصْرَ يَوْمِهٖ وَلا عِنْدَ قِيَامِهَا فِي الظَّهِيْرَةِ وَلَا يُصَلّٰى عَلىٰ جَنَازَةٍ وَلَا يَسْجُدُ لِلتِّلَاوَةِ.

ترجمه:۔ طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنا جائز نہیں اور نہ غروب آفتاب کے وقت مگر اسی دن کی نماز عصر، اور نہ دوپہر میں آفتاب کے قیام کے وقت۔ اور نہ نماز جنازہ پڑھے اور نہ سجدہ تلاوت کرے۔

خلاصه:۔ مسئلہ یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت، غروب آفتاب کے وقت، اسی طرح استواء شمس یعنی نصف النہار کے وقت فرائض ونوافل، نماز جنازہ، سجدۂ تلاوت ناجائز ہے (ان اوقات میں ممانعت متعدد صحابہ کی روایات سے ثابت ہے۔ البتہ اسی دن کی عصر کی نماز بوقت غروب جائز ہے)۔

وَيُكْرَهُ اَنْ يَّتَنَفَّلَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَلَا بَاسَ بِاَنْ يُّصَلِّيَ فِي هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ الفوائتَ وَيُكْرَهُ اَنْ يَّتَنَفَّلَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِاَكْثَرَ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَلَا يتنفل قَبْلَ المغرب.

ترجمہ:۔ اور نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور (اسی طرح) نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک۔ اور اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ان دونوں وقتوں میں فوت شدہ نمازیں پڑھے اور صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد دو رکعات فجر کی سنت سے زیادہ نفل پڑھنا مکروہ ہے اور مغرب سے پہلے نفل نماز نہ پڑھے۔

خلاصه:۔ مسئلہ:۔ فجر کی نماز کے بعد سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک اسی طرح نماز عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک نفل نمازیں پڑھنی مکروہ ہے (کیونکہ دربار نبویؐ سے اس کی ممانعت منقول ہے) ہاں اگر کوئی ان اوقات کے درمیان نماز قضاء، سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ پڑھتا ہے تو بلا کراہت جائز ہے۔ طلوع صبح صادق کے بعد اور نماز فجر سے پہلے اگر کوئی شخص فجر کی دو رکعت سنت سے زائد کوئی نفل نماز پڑھتا ہے تو مکروہ ہے۔ (یہ کراہت صرف سنت فجر کی حق کی وجہ سے ہے) آخر میں ایک مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب سے پہلے نفل نمازیں مکروہ ہیں کیونکہ ایسی صورت میں نماز مغرب میں تاخیر لازم آئے گی جو مکروہ تنزیہی ہے۔

باب النوافل

(نفل نمازوں کا بیان)

گزشتہ اوراق میں فرائض اور واجبات کا بیان تھا اس باب کے تحت سنن ونوافل کا بیان ہے۔ نوافل ایک ایسا لفظ ہے جو سنن اور نوافل دونوں کو شامل ہے اس لئے عنوان باب میں نوافل کو ذکر کیا گیا۔

نوافل کی مشروعیت فرائض میں پیدا شدہ نقص کو دور کرنے کے لئے ہے گویا نوافل مکملات فرائض ہیں۔

النوافل:۔ نافلہ کی جمع ہے۔ زیادتی غنیمت جو اصل مال پر زائد ہوتی ہے۔ شریعت میں نفل اس عبادت کو کہتے ہیں جو فرائض وواجبات پر زائد ہو۔ اس کے کرنے پر ثواب ہے اور نہ کرنے پر کوئی عذاب نہ ہو۔

اَلسُّنَّةُ فِي الصَّلٰوةِ اَنْ يُّصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَاَرْبَعاً قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَاَرْبَعاً قَبْلَ الْعَصْرِ وَاِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَرَكعتين بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَاَرْبَعاً

قَبْلَ الْعِشَاءِ وَاَرْبعاً بَعْدَهَا وَاِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْن.

ترجمه:۔ مسنون نمازیں یہ ہیں کہ صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد دو رکعتیں، ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں، عصر سے پہلے چار رکعتیں اور اگر چاہے تو دو رکعتیں (پڑھے) مغرب کے بعد دو رکعتیں، عشاء سے پہلے چار رکعتیں اور اگر چاہے تو دو رکعتیں (پڑھے)

خلاصہ:۔ اولاً یہ جان لیں کہ سنن کی دو قسمیں ہیں مؤکدہ۔ غیر مؤکدہ۔ مؤکدہ وہ سنتیں ہیں جن پر آپؐ نے مواظبت فرمائی ہو کبھی کبھی ترک کے ساتھ۔ غیر مؤکدہ وہ سنتیں ہیں جن پر آپؐ نے مواظبت نہ فرمائی ہو۔ سنن مؤکدہ بارہ رکعات ہیں۔ دو فجر سے پہلے، چار ظہر سے پہلے اور دو اس کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد۔ ان کے علاوہ جو سنتیں ہیں وہ سب غیر مؤکدہ ہیں۔ صاحب قدوری نے بلا تفریق دونوں کو ملا کر ذکر فرمایا کہ نماز فجر سے پہلے دو رکعت، ظہر سے پہلے چار رکعت اور دو رکعت اس کے بعد۔ عصر سے پہلے چار رکعت اور اگر چاہے تو صرف دو رکعت پڑھے۔ مغرب کے بعد دو رکعت عشاء سے پہلے چار رکعت اور عشاء کے بعد چار رکعت اور اگر چاہے تو صرف دو رکعت پڑھے۔

تشریح:۔ السنة في الصلوة:۔ سنت فجر کو تمام سنن پر اس کے تاکید ہونے کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے آپؐ سنت فجر سے زیادہ کسی سنت کا اہتمام نہ فرماتے۔ آپؐ نے اس سنت کو کبھی نہیں چھوڑا نہ سفر میں اور نہ حضر میں چنانچہ بعض فقہاء نے اس کو واجب کہا ہے اور بعض نے واجب کے قریب۔ سنت فجر اگر تنہا قضاء ہو جاتی ہے تو شیخین کے نزدیک اس کی قضاء نہیں ہے مگر امام محمدؒ کے نزدیک اس کی قضا ہے۔

اربعاً قبل الظهر:۔ اگر ظہر سے پہلے کی چار سنت چھوٹ جاتی ہے تو شیخین کے نزدیک فرض کے بعد پہلے دو رکعت پڑھے پھر پہلے والی چار رکعت پڑھے۔ امام محمدؒ کے نزدیک فرض کے بعد پہلے چار رکعت پڑھتے پھر دو رکعت پڑھے۔

فائدہ:۔ فرائض سے پہلے کی سنتوں کی مشروعیت حرص شیطان کو ختم کرنے کے لئے ہے۔ کہ جب آدمی یہ سنتیں پڑھیگا تو شیطان کہے گا کہ جو چیز اس پر فرض نہیں تھی اس کو تو چھوڑا نہیں تو فرض کب ترک کرے گا۔ اور بعد کی سنتوں کی مشروعیت فرائض میں نسیان وغیرہ کی وجہ سے پیدا شدہ کمی کو دور کرنے کے لئے ہے۔

وَ نوافِلُ النَّهَارِ اِن شَاءَ صَلىّٰ ركعتين بتسليمةٍ وَاحِدَةٍ وَاِنْ شَاءَ اربعاً ويكرهُ الزِّيَادَةُ عَلىٰ ذٰلكَ فاما نوَافِلُ اللَّيْلِ فَقَالَ اَبُوْ حَنِيفَةَ ان صَلىٰ ثَمانِىَ رَكْعَاتٍ بِتَسْلِيمَةٍ وَاحِدَةٍ جَازَ وَيكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلىٰ ذٰلِكَ وَقَالَ اَبُوْ يوسُفَ وَمُحَمَّدُ رحمهُمَا اللهُ لا يَزِيْدُ بِاللَّيْلِ عَلىٰ رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيمَةٍ واحِدَةٍ.

ترجمہ:۔ دن کی نفل نمازیں اگر چاہے تو ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پڑھے، اور اگر چاہے تو چار رکعتیں پڑھے۔ اور اس پر زیادتی مکروہ ہے، رہی رات کی نفل نمازیں تو ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعات پڑھے تو جائز ہے اور اس پر زیادتی کرنا مکروہ ہے۔ اور ابو یوسفؒ و محمدؒ نے فرمایا کہ رات میں ایک سلام کے ساتھ دو رکعات پر زیادہ نہ کرے۔

خلاصہ:۔ اس سے قبل سطور بالا میں سنن کا بیان تھا اب نوافل کا بیان ہے۔ رات و دن میں افضلیت واباحت کے اعتبار سے مقدار نوافل کے متعلق علماء مختلف الرائے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دن میں ایک سلام کے ساتھ دو رکعات پڑھے یا چار رکعات دونوں جائز ہے البتہ اس سے زائد پڑھنے میں کراہت ہے۔ اور شب میں ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعات پڑھنے کی اجازت ہے۔ البتہ اس سے زائد پڑھنا مکروہ ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک رات کی نفل نمازوں میں افضل یہ ہے کہ ایک سلام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے (جس کی بنیاد ارشاد نبویؐ "صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ" ہے) اور دن کی نفل نمازوں میں چار چار رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔

تشریح:۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دن و رات دونوں میں چار چار رکعت ایک سلام سے پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ حضورؐ کا معمول عشاء کے بعد چار رکعات، اسی طرح نماز چاشت کی چار رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھنے کا تھا۔ صاحبین کا مسلک خلاصہ میں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک شب و روز کی نفلوں میں دو دو رکعات افضل ہے۔ شب کی نوافل کو دن کی نوافل کی نسبت زیادہ فضیلت حاصل ہے جیسا کہ مفسرین اور محدثین رقم طراز ہیں۔

وَ الْقِراءَ ةُ فِي الْفَرائِضِ وَاجِبَةٌ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ وَهُوَ مُخَيَّرٌ فِي الْاُخْرَيَيْنِ اِنْ شَاءَ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ وَاِنْ شَاءَ سَكَتَ وَاِنْ شَاءَ سَبَّحَ وَالْقِراءَ ةُ وَاجِبَةٌ فِيْ جَمِيْعِ رَكْعَاتِ النَّفْلِ وَفِيْ جَمِيْعِ الْوِتْرِ.

ترجمہ:۔ اور فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے اور اخیر کی دو رکعات میں اختیار ہے اگر چاہے تو سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرے اور جی چاہے تو خاموش رہے اور جی چاہے تو تسبیح پڑھے، اور نفل کی تمام رکعتوں میں قراءت واجب ہے اور وتر کی تمام رکعتوں میں (بھی)

خلاصہ:۔ اس عبارت میں صاحب قدوری قراءت کے مسئلہ کو ذکر فرما رہے ہیں۔ یہاں صرف احناف کے مسلک کو ذکر کیا ہے اس کے علاوہ چار مسلک اور ہیں گویا مسئلہ قراءت میں کل پانچ مسلک ہیں۔

(۱) احناف کے نزدیک دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ (۲) امام شافعیؒ کے نزدیک تمام رکعتوں میں فرض ہے۔ (۳) امام مالکؒ کے نزدیک تین رکعتوں میں فرض ہے۔ (۴) امام زفرؒ اور حسن بصری کے نزدیک صرف ایک رکعت میں فرض ہے۔ (۵) ابو بکر اصم کے نزدیک نماز میں قراءت قرآن سنت ہے۔ انھوں نے قرأت کو تسبیحات نماز پر قیاس کیا ہے۔

احناف کے نزدیک فرض کی اخیر دو رکعتوں میں مصلی کو اختیار ہے خواہ قرأت سورہ فاتحہ کرے یا تین تسبیح پڑھنے کی مقدار تک خاموشی اختیار کرے یا تین تسبیح پڑھے (صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قراءت سورۂ فاتحہ کرنا افضل ہے) صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ (نفل کی ہر دو رکعت ایک علیحدہ نماز ہے اس لئے) نفل کی تمام رکعتوں میں قراءت واجب ہے اسی طرح وتر کی تمام رکعتوں میں بھی قراءت واجب ہے۔

وَمَنْ دَخَلَ فِي صلوٰة النفل ثُمَّ اَفْسَدَهَا قَضَاها فان صَلّٰى اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ وَقَعَدَ فِي

الْاُوْلَیَیْنِ ثُمَّ اَفْسَدَ الْاُخْرَیَیْنِ قَضٰی رَکْعَتَیْنِ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ یَقْضِیْ اَرْبَعًا وَیُصَلِّی النَّافِلَةَ قَاعِدًا مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَی الْقِیَامِ وَاِنِ افْتَتَحَهَا قَائِمًا ثُمَّ قَعَدَ جَازَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا لَا یَجُوْزُ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَمَنْ کَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ یَتَنَفَّلُ عَلٰی دَابَّتِهٖ اِلٰی اَیِّ جِهَةٍ تَوَجَّهَتْ یُؤْمِیْ اِیْمَاءً۔

ترجمہ:۔ جس شخص نے نماز نفل شروع کر دی پھر اس کو فاسد کر دیا تو ان کی قضا کرے اب اگر چار رکعات کی نیت کرے اور پہلی دو رکعات میں بیٹھ کر آخر کی دو رکعات فاسد کر دے تو وہ دو ہی رکعات کی قضا کرے، امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ چار رکعات کی قضا کرے گا۔ اور نفل نمازیں بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے قیام پر قدرت ہونے کے باوجود۔ اور اگر نفل نماز کھڑے ہو کر شروع کیا پھر بیٹھ گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبینؒ نے کہا کہ بلا عذر کے جائز نہیں ہے اور جو شخص شہر کے باہر ہے وہ اپنی سواری پر نماز پڑھ سکتا ہے اشارہ کرتے ہوئے جس رخ بھی سواری جا رہی ہو۔

تشریح۔ ومن دخل الخ:۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ نفل نماز یا روزہ شروع کرنے سے لازم ہوتی ہے یا نہیں چنانچہ احناف فرماتے ہیں کہ نفل نماز شروع کرنے سے لازم ہو جاتی ہے لہٰذا اگر کسی نے شروع کرنے کے بعد فاسد کر دیا تو اس کی قضا واجب ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نفل شروع کرنے سے لازم نہیں ہوتی لہٰذا اگر کسی نے نفل نماز شروع کر کے فاسد کر دی تو اس کی قضا واجب نہیں ہے۔

فان صلی اربع رکعات:۔ اگر اس نے چار رکعات کی نیت باندھی اور دو رکعت پوری کر کے قعدہ اولیٰ میں بیٹھ گیا پھر اسی شفعہ ثانیہ یعنی اخیر کی دو رکعت فاسد کر لی تو طرفینؒ اور امام ابی یوسفؒ کا اختلاف ہے۔ طرفین کے نزدیک نفل نماز کا ہر شفعہ مستقل نماز ہے اور شفعہ اولیٰ بقدر تشہد بیٹھنے کی وجہ سے مکمل ہو گیا اس لئے صرف شفعہ ثانیہ کی قضا واجب ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چاروں رکعات کو ایک نماز کا درجہ حاصل ہے اس لئے احتیاطاً چاروں کی قضا واجب ہے۔

ویصلی النافلة قاعداً:۔ اگر ایک شخص قیام پر قدرت ہونے کے باوجود نفل نماز بیٹھ کر پڑھتا ہے تو ایسا کرنا درست ہے کیونکہ ارشاد نبویؐ ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی بہ نسبت بیٹھ کر نماز پڑھنے میں آدھا ثواب ہے۔ البتہ بیٹھنے کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک اختیار ہے۔ جس کیفیت پر چاہے بیٹھے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک احتباء کی کیفیت (دونوں زانوں کھڑا رکھے اور سرین زمین پر ٹیک دے) پر بیٹھے۔ امام زفرؒ کے نزدیک تشہد کی کیفیت پر بیٹھے۔ یہی کیفیت مفتی بہ ہے کیونکہ نماز میں یہی طریقہ مشروع ہو کر معلوم ہوا ہے۔

وان افتتح قائماً الخ:۔ اگر کسی شخص نے نفل نماز کھڑے ہو کر شروع کی اور وہ بلا عذر کے بیٹھ گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے لیکن صاحبین کے نزدیک بلا عذر بیٹھنا درست نہیں ہے۔

ومن کان خارج المصر:۔ ایک مقیم شخص شہر سے باہر ایسے مقام پر ہو جہاں مسافر کو قصر کرنا پڑے تو ایسی جگہ پر سواری پر نفل نماز پڑھ سکتا ہے سواری جس رخ پر بھی ہو۔ احناف کے نزدیک ابتداء نماز کے وقت استقبال قبلہ شرط نہیں ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک استقبال قبلہ شرط ہے۔

باب سجود السهو

(سجدۂ سہو کا بیان)

سجود السهو:۔ یہ اضافت المسبب الی السبب کی قبیل سے ہے یعنی سہو وجوب سجدہ کا سبب ہے صاحب کتاب نے اس سے قبل فرائض ونوافل اداء وقضاء کا بیان کیا تھا اور یہاں سجدہ سہو کو بیان کر رہے ہیں۔ یعنی ایسا سجدہ جو نمازوں میں پیدا ہونے والی کمی کو پورا کرے۔

سُجُوْدُ السَّهْوِ وَاجِبٌ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ بَعْدَ السَّلَامِ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ وَيُسَلِّمُ.

ترجمہ:۔ زیادتی ونقصان کی صورت میں سجدہ سہو واجب ہے۔ سلام کے بعد دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھے پھر سلام پھیرے۔

خلاصہ:۔ مسئلہ:۔ اگر نماز کے اندر کسی فعل کی زیادتی ہوگئی یا کمی ہوگئی تو اس پر دو سجدے سہو کے واجب ہوں گے۔ پہلے سلام کرے پھر سجدہ سہو کرے اس کے بعد تشہد پڑھ کر پھر سلام پھیرے۔

تشریح:۔ **بعد السلام:**۔ سجدۂ سہو قبل السلام وبعد السلام دونوں جائز ہے ائمہ کا اختلاف ان کی افضلیت واولویت میں ہے۔ احناف کے نزدیک بعد السلام اولیٰ ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک قبل السلام اولیٰ وافضل ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک بصورت نقصان قبل السلام اور بصورت زیادتی بعد السلام اولیٰ ہے۔ مگر اکثر فقہا کے نزدیک سجدۂ سہو ایک سلام کے بعد ہے۔

وَيَلْزَمُ سُجُوْدُ السَّهْوِ اِذَا زَادَ فِي صَلٰوتِهٖ فعلاً من جنسها لَيْسَ مِنْهَا اَوْ تَرَكَ فعلاً مَسْنوناً اَوْ تَرَكَ قراءة فاتحةِ الكتابِ او القنوتَ او التَّشَهُّدَ او تكبيراتِ العِيْدَيْنِ او جَهَرَ الامامُ فيما يُخافِتُ او خَافَتَ فيما يُجْهَرُ وَسَهْوُ الإمَامِ يُوْجِبُ على المُوْتَمِ السُّجُوْدَ فَاِنْ لَمْ يَسْجُدِ الإمَامُ لَمْ يَسْجُدِ المُوْتَمُ فَاِنْ سَهَى الموتمُ لم يَلْزَمِ الإمامَ ولا المُوتَمَ السُّجُوْدُ وَمَنْ سَهٰى عَنِ الْقَعْدَةِ الْاُوْلٰى ثم تذكَّرَ وَهُوَ اِلٰى حَالِ الْقُعُوْدِ اَقْرَبُ عَادَ فَجَلَسَ وَتَشَهَّدَ وَاِنْ كَانَ اِلٰى حالِ الْقِيَامِ اَقْرَبُ لَمْ يَعُدْ وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ.

ترجمہ:۔ اور سجدۂ سہو لازم ہوگا جبکہ اپنی نماز میں کوئی ایسا فعل زیادہ کیا جو نماز کی جنس ہو نماز کا جزء نہ ہو یا کوئی فعل مسنون ترک کردیا، یا سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی یا دعاء قنوت یا تشہد یا عیدین کی تکبیرات کو ترک کردیا یا امام نے ان نمازوں میں جہر کیا جن میں اخفا واجب ہے یا اخفا کیا ان نمازوں میں جن میں جہر واجب ہے۔ اور امام کا سہو کرنا مقتدی پر سجدۂ سہو واجب کرتا ہے لہٰذا اگر امام نے سجدۂ سہو نہ کیا تو مقتدی سجدۂ سہو نہ کرے۔ پس اگر مقتدی نے سہو کیا تو نہ امام پر سجدۂ سہو لازم ہے اور نہ مقتدی پر۔ اور جو شخص قعدۂ اولیٰ بھول گیا پھر اس حال میں یاد آیا کہ وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو لوٹے، قعدہ کرے اور

تشہد پڑھے اور اگر قیام کے زیادہ قریب ہے تو نہ لوٹے اور سجدۂ سہو کرے۔

خلاصہ۔ گزشتہ بحث میں یہ بتایا گیا تھا کہ زیادتی اور نقصان کے باعث سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ اس مقام پر ان زیادتی اور نقصان کو بیان کر رہے ہیں جو سجدۂ سہو کا موجب ہیں۔ چنانچہ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ سجدۂ سہو اس فعل کے زیادہ کرنے سے لازم ہوتا ہے جو فعل نماز کی جنس سے تو ہو مگر جزء نماز نہ ہو مثلاً ایک رکعت کے اندر دو رکوع کرلئے یا تین سجدے کرلئے تو رکوع وسجدہ کی زیادتی جو جنس نماز سے تو ہے مگر جزء نماز نہیں لہٰذا یہ زیادتی موجب سجدۂ سہو ہے۔ یا کوئی مسنون یعنی واجب عمل ترک کردے مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ کی تلاوت چھوڑدے یا دعاء قنوت چھوڑدے یا تکبیر قنوت چھوڑدے یا تشہد کو ترک کردے یا تکبیرات عیدین ترک کردے (چونکہ آپؐ نے ان پر مواظبت فرمائی ہے کبھی ترک نہیں فرمایا اور یہ وجوب کی علامت ہے لہٰذا) سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر امام نے سری نمازوں میں جہر کیا اور جہری نمازیں اخفاء کیا تو حنفیہ کے نزدیک سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر امام سے کوئی سہو ہوگیا تو امام کے ساتھ ساتھ مقتدی پر بھی سجدۂ سہو واجب ہوگا (کیونکہ مقتدی پر صحت وفساد اور اقامت میں امام کی متابعت لازم ہے) چنانچہ اگر امام نے سجدۂ سہو نہیں کیا تو مقتدی بھی سجدۂ سہو نہیں کرے گا۔ (ورنہ مخالفت کی وجہ سے متابعت منتفی ہوجائیگی) اور اگر مقتدی کو سہو ہوجائے تو اس کی وجہ سے نہ امام پر سجدۂ سہو واجب ہوگا اور نہ مقتدی پر مثلاً مقتدی نے قعدۂ اولیٰ میں تشہد نہیں پڑھا تو کسی پر سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص تین یا چار رکعات والی فرض نمازیں قعدۂ اولیٰ بھول گیا پھر اسے یاد آگیا تو اب اس کی دو صورتیں ہیں یا تو قعود کے زیادہ قریب ہوگا یعنی ابھی گھٹنہ نہیں اٹھایا یا قیام کے زیادہ قریب ہوگا یعنی اپنے گھٹنوں کو اٹھالیا ہے تو اگر پہلی صورت ہے تو لوٹ کر قعدہ کرے اور تشہد کرے (اس لئے کہ ہر شئی کا حکم اس کے قریب کا سا ہوتا ہے تو اس جگہ کھڑا ہونا بیٹھنے کے درجہ میں ہے) اور اس صورت میں قول صحیح کے مطابق سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو لوٹے نہیں بلکہ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوجائے (کیونکہ یہ کھڑے ہونے کے حکم میں ہے) اس صورت میں بالاتفاق سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

تشریح۔ ولو جھر الامام الخ:۔ امام مالکؒ واحمدؒ کے نزدیک سری وجہری دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے بس فرق یہ ہے کہ اگر سری نماز میں جہر کیا تو سلام کے بعد اور اس کے برعکس میں سلام سے پہلے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بالکل سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔

فان لم یسجد الامام الخ:۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ واحمدؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ امام نے سجدہ نہیں کیا مگر مقتدی پر سجدہ کرنا واجب ہے۔

وَاِنْ سَهٰى عَنِ الْقَعْدَةِ الْاَخِيْرَةِ فَقَامَ اِلَى الْخَامِسَةِ رَجَعَ اِلَى الْقَعْدَةِ مَا لَمْ يَسْجُدْ وَاَلْغَى الْخَامِسَةَ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ وَاِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ بَطَلَ فَرْضُهٗ وَتَحَوَّلَتْ صَلٰوتُهٗ نَفْلاً وَكَانَ عَلَيْهِ اَنْ يَضُمَّ اِلَيْهَا رَكْعَةً سَادِسَةً وَاِنْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ يُسَلِّمْ بِظَنِّهَا الْقَعْدَةَ الْاُوْلٰى عَادَ اِلَى الْقُعُوْدِ مَالَمْ يَسْجُدْ لِلْخَامِسَةِ وَسَلَّمَ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ وَاِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ ضَمَّ اِلَيْهَا رَكْعَةً اُخْرٰى وَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُهٗ وَالرَّكْعَتَانِ نَافِلَةٌ

ترجمہ: اگر قعدۂ اخیرہ سے سہو گیا اور پانچویں رکعات کیلئے کھڑا ہوگیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے جب تک اس نے (پانچویں رکعات کا) سجدہ نہیں کیا اور پانچویں رکعات کو لغو کر دے اور سجدۂ سہو کرے۔ اور اگر اس نے پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو (احناف کے نزدیک) اس کا فرض باطل ہوگیا اور اس کی نماز بدل کر نفل ہو گئی ہے اور اس پر لازم ہے کہ اس پانچویں میں چھٹی رکعت ملادے۔ اور اگر اس نے چوتھی رکعت پر قعدہ کیا پھر کھڑا ہو گیا اور سلام نہیں پھیرا قعدۂ اولیٰ سمجھتے ہوئے تو قعدہ کی طرف جائے جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو اور سلام پھیرے اور سجدۂ سہو کرے۔ اور اگر اس نے پانچویں رکعت کو سجدہ سے مقید کر دیا ہے تو اس میں دوسری رکعت ملادے اور اسکی نماز مکمل ہو گئی ہے اور دو رکعات نفل ہونگی۔

خلاصہ: اگر کوئی شخص (چار رکعت والی نماز میں) قعدۂ اخیرہ بھول گیا اور پانچویں کے لئے کھڑا ہو گیا تو اس کی دو صورت ہے یا تو سجدہ سے مقید نہیں کیا ہو گا یا کیا ہو گا۔ اگر پہلی صورت ہے تو قعدہ کی طرف لوٹے اور سجدہ سہو کرے اس صورت میں پانچویں رکعت لغو ہو جائیگی (سجدۂ سہو کا حکم اس وجہ سے ہے کہ قعدۂ اخیرہ جو فرض ہے اس میں تاخیر ہوئی ہے) اور اگر دوسری شکل ہے تو عند الاحناف فرض نماز باطل ہو جائیگی اور ساری نماز نفل میں تبدیل ہو جائیگی لہٰذا اس کو چاہئے کہ اس زائد رکعت میں ایک اور رکعت ملادے تا کہ نفل جفت ہو جائے اور نہ ملانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر مصلی قعدۂ اخیرہ میں بقدر تشہد بیٹھ گیا پھر قعدۂ اولیٰ سمجھ کر کھڑا ہو گیا تو یہاں بھی دو شکلیں ہیں یا تو اس نے اس رکعت کو سجدہ سے مقید نہیں کیا ہو گا یا کیا ہو گا اگر پہلی صورت ہے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے اور اگر دوسری شکل ہے تو اس میں ایک رکعت اور ملادے خواہ فجر، عصر، اور مغرب ہی ہو لہٰذا اس کی فرض بھی پوری ہو جائیگی کیونکہ صرف سلام واجب کے کوئی رکن باقی نہیں جس کی تکمیل سجدۂ سہو سے ہو گئی) اور دو رکعتیں نفل ہو جائینگی (کیونکہ ایک رکعت کی ممانعت ہے)

تشریح۔ وان قيد الخامسة بسجدة بطل فرضه:۔ اس صورت میں امام شافعیؒ کا حنفیہ سے اختلاف ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ سہوا ایسا ہوا ہے اس لئے فرض باطل نہیں ہو گا بلکہ پانچویں رکعت چھوڑ کر قعدہ کی طرف لوٹ کر سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے لیکن عمداً پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہوتے ہی اس کی نماز فاسد ہو جائیگی۔ لیکن احناف کے نزدیک عمداً کی صورت میں اگر زیادتی ایک رکعت سے کم ہے تو نماز فاسد نہیں ہو گی۔

اور احناف میں امام محمدؒ کو شیخین سے اختلاف ہے امام محمدؒ کے نزدیک اصل نماز ہی باطل ہو جائیگی کیونکہ یہ نماز بلا قعدۂ اخیرہ کے پڑھی گئی ہے لہٰذا نہ فرض نماز ہو گی اور نہ نفل۔

پانچویں رکعت کے سجدہ کرنے سے فرض باطل ہو جاتا ہے۔ لیکن اب یہ دیکھنا ہے کہ سجدہ کا وقوع پیشانی زمین پر رکھنے سے ثابت ہو جاتا ہے یا پیشانی اٹھانے سے۔ اس میں امام یوسف و امام محمد کا اختلاف ہے امام یوسف اول کے قائل ہیں اور امام محمدؒ ثانی کے قائل ہیں۔ (مزید تفصیل ہدایہ میں پڑھیں گے)

وان قيد الخامسة بسجدة ضم اليها:۔ امام شافعیؒ کے نزدیک چھٹی رکعت ملانے سے فرض نماز فاسد ہو جائیگی کیونکہ سلام فرض ہے اور ترک فرض سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ایک رکعت نماز پڑھنا جائز ہے اس لئے چھٹی رکعت

ملانے کی ضرورت نہیں ہے۔

مَنْ شَكَّ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ اَثلثاً صَلّٰى ام اربعاً و ذٰلِكَ اَوَّلَ ما عَرَضَ لَهٗ اِسْتَانَفَ الصَّلٰوةَ فَاِنْ كَانَ يَعْرِضُ له كثيراً بَنٰى عَلٰى غَالِبِ ظَنِّهٖ ان كان له ظن وان لم يكن له ظن بنى على اليَقِيْن.

ترجمہ:۔ جس شخص کو اپنی نماز میں شک ہو جائے اور اس کو معلوم نہیں کہ تین پڑھی یا چار اور یہ شک اس کا پہلا شک ہے جو اس کو پیش آیا ہے تو یہ شخص نماز از سر نو پڑھے۔ اور اگر یہ شک اس کو بہت پیش آتا ہے تو اپنی غالب رائے پر بنا (اسی پر نماز پوری) کرے بشرطیکہ اس کو غالب گمان ہو اور اگر اس کی کوئی رائے نہ ہو تو یقین (اقل رکعت یعنی تین) پر بنا کرے (اور ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے)

نوٹ:۔ ترجمہ سے مسئلہ کی نوعیت بالکل واضح ہے اس لئے مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

باب صلوٰۃ المریض

(مریض کی نماز کا بیان)

صاحب کتاب نے اس سے قبل حالت صحت سے متعلق احکام نماز کو بیان کیا۔ اور اب حالت مرض سے متعلق احکام نماز کو بیان کر رہے ہیں۔ اور بیماری اور سہو دونوں عوارض سماویہ ہیں مگر سہو کو پہلے بیان کیا۔ صلوٰۃ المریض میں صلوٰۃ کی اضافت مریض کی جانب اضافت الفعل الی الفاعل کی قبیل سے ہے یا اضافت فعل الی المحل کی قبیل سے ہے۔

اذا تعذّرَ على الْمَرِيْضِ القِيَامُ صَلّٰى قَاعداً يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الركوعَ والسُّجُوْدَ اَوْمٰى ايماءً وجعلَ السجودَ اَخْفَضَ مِنَ الركوع ولا يَرْفَعُ اِلٰى وَجْهِهٖ شيئاً يَسْجُدُ عَلَيْهِ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُوْدَ اِسْتَلْقٰى عَلٰى قَفَاهُ وَجعلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْقِبْلَةِ واومى بالركوعِ والسجود واِنْ اضطجع عَلٰى جنبه ووجهه اِلَى الْقِبْلَةِ وَاَوْمٰى جازَ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْاِيْمَاءَ براسه اَخَّرَ الصَّلٰوةَ وَلا يُوْمِيْ بِعَيْنَيْهِ وَلا بِحَاجِبَيْهِ ولا بقَلْبِهٖ.

ترجمہ:۔ جب مریض کے لئے قیام دشوار ہو جائے تو بیٹھ کر رکوع و سجدہ کرتے ہوئے نماز پڑھے۔ اور اگر رکوع و سجدہ کی قدرت نہ ہو تو اشارہ کرے، اور سجدہ کا اشارہ رکوع کی بہ نسبت زیادہ پست کرے اور اپنے چہرہ کی طرف ایسی چیز نہ اٹھائے جس پر سجدہ کرے اور اگر بیٹھنے کی بھی قدرت نہ ہو تو اپنی پشت پر لیٹ جائے اور اپنے پاؤں قبلہ کی طرف کرلے اور رکوع و سجدہ کے ساتھ اشارہ کرے۔ اور اگر کروٹ پر لیٹ جائے اور چہرہ قبلہ کی طرف ہو اور اشارہ سے نماز پڑھے تو بھی جائز ہے اور اگر مریض سر سے اشارہ کی قدرت نہ رکھتا ہو تو نماز مؤخر کردے اور اپنی آنکھوں، اپنی بھنوں اور اپنے دل سے اشارہ نہیں کریگا

حل لغات: ۔ مریض ۔ فعیل کے وزن پر اور فاعل کے معنیٰ میں ہے (سمع) تعذر ۔ دشوار ہو جانا۔ اومی ۔ اشارہ کیا۔ اخفض ۔ اسم تفضیل ۔ خفض (ض) خفضاً پست کرنا۔ استلقی ۔ استلقاءً ۔ چت لیٹنا۔ پشت پر لیٹنا۔ قفا ۔ پشت ۔ اضطجع ۔ اضطجاعاً ۔ پہلو پر لیٹنا۔ جنب ۔ پہلو۔ حاجبیه ۔ ابرو۔ بھوں۔ نون تثنیہ اضافت کے باعث گر گیا۔

تشریح: ۔ عبارت بہت آسان ہے اور مسئلہ بالکل واضح ہے اس لئے خلاصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولا یرفع الی وجهه: ۔ سجدہ کرنے کے لئے پیشانی کی جانب کوئی بلند چیز نہ اٹھائی جائے۔ حدیث میں اس کی ممانعت منقول ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء نے مکروہ تحریمی لکھا ہے البتہ حضرت ام سلمہؓ سے بوجہ مرض تکیہ پر سجدہ کرنا اور حضور کا منع نہ فرمانا یہ بتاتا ہے کہ اگر تکیہ وغیرہ کوئی چیز زمین پر رکھی ہے تو اس پر سجدہ کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

اخر الصلوٰة الخ: ۔ اصح یہ ہے کہ اگر سر سے اشارہ کرنے کی قدرت نہ ہو تو نماز کو مؤخر کر دیا جائے آنکھ یا بھوؤں یا دل سے اشارہ نہ کیا جائے۔ امام مالکؒ و شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک ان تینوں سے اشارہ جائز ہے امام زفرؒ بھی اسی کے قائل ہیں مگر یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر سر سے اشارہ پر قادر ہو گیا تو اعادہ ضروری ہے۔

فَاِنْ قَدَرَ عَلَى الْقِيَامِ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ لَمْ يَلْزَمْهُ الْقِيَامُ وَجَازَ اَنْ يُّصَلِّيَ قَاعِداً يُؤْمِيْ اِيْمَاءً فَاِذَا صَلَّى الصَّحِيْحُ بَعْضَ صَلٰوتِهٖ قَائِماً ثُمَّ حَدَثَ بِهٖ مَرَضٌ اَتَمَّهَا قَاعِداً يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَيُؤْمِيْ اِيْمَاءً اِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ اَوْ مُسْتَلْقِياً اِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُوْدَ وَمَنْ صَلَّى قَاعِداً يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ لِمَرَضٍ ثُمَّ صَحَّ بَنٰى عَلٰى صَلٰوتِهٖ قَائِماً فَاِنْ صَلَّى بَعْضَ صَلٰوتِهٖ بِاِيْمَاءٍ ثُمَّ قَدَرَ عَلَى الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ اِسْتَاْنَفَ الصَّلٰوةَ وَمَنْ اُغْمِيَ عَلَيْهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فَمَا دُوْنَهَا قَضَاهَا اِذَا صَحَّ وَاِنْ فَاتَتْهُ بِالْاِغْمَاءِ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ لَمْ يَقْضِ

ترجمہ: ۔ پس اگر مریض قیام پر قادر ہو گیا لیکن رکوع و سجدہ کرنے پر قادر نہ ہوا تو (اس کے لئے) قیام ضروری نہیں ہے اور وہ بیٹھ کر اشارہ کرتے ہوئے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگر تندرست آدمی نے کچھ نماز کھڑے ہو کر پڑھی پھر اسے کوئی بیماری لاحق ہو گئی تو اس (بقیہ نماز) کو بیٹھ کر رکوع و سجدہ کر کے پوری کرے۔ رکوع و سجدہ کی قدرت نہ ہو تو اشارہ کر کے پڑھے لے یا بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو چت لیٹ کر پڑھ لئے اور جو شخص کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع و سجدہ کرتے ہوئے نماز پڑھ رہا ہو اور وہ تندرست ہو گیا تو وہ اپنی نماز کھڑے ہو کر پوری کرے۔ اگر کچھ نماز اشارہ سے پڑھی اس کے بعد رکوع و سجدہ پر قادر ہو گیا تو وہ نماز از سر نو پڑھے۔ اور جس شخص پر پانچ نمازوں یا اس سے کم تک بے ہوشی طاری ہوئی تو تندرست ہو جانے پر ان کی قضا کرے۔ اور اگر بیہوشی کی وجہ سے اس سے زائد نمازیں فوت ہو گئیں تو ان کی قضاء نہ کرے۔

تشریح۔ فان قدر علی القیام: ۔ اس صورت میں مریض کو قیام کی حالت یا قعود کی حالت میں اشارہ سے پڑھنے کے لئے اختیار دیا گیا ہے مگر حالت قعود کو افضل قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ حالت قعود میں سجدہ کا اشارہ حقیقی سجدہ کے ساتھ

زیادہ مشابہ ہے کیونکہ سرزمین سے زیادہ قریب ہوگا بہ نسبت کھڑے ہوکر اشارہ کرنے کے، مگر امام زفرؒ و شافعیؒ کے نزدیک قیام پر قدرت کی وجہ سے قیام ساقط نہیں ہوگا۔

فاذا صلی الصحیح:۔ اس مسئلہ میں صرف امام ابو یوسفؒ کے نزدیک از سرنو نماز پڑھے گا۔ طرفین نے مریض کو دوران نماز مرض لاحق ہونے کی وجہ سے اختیار دیا ہے کہ بیٹھ کر یا اشارہ سے یا چت لیٹ کر نماز پوری کرے یعنی جس طرح بھی قدرت ہو کیونکہ باقی نماز ادنیٰ ہے تو ادنیٰ کی بنا اعلیٰ پر جائز ہوگی۔

ومن صلی........ بنی علی صلوته:۔ اس صورت میں چونکہ مریض دوران نماز قیام پر قادر ہوگیا ہے تو شیخین کے نزدیک بقیہ نماز کھڑے ہوکر پوری کرے گا۔ امام محمدؒ کے نزدیک از سرنو پڑھے گا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شیخین کے نزدیک قائم قائد کی اقتداء کرسکتا ہے، مگر امام محمدؒ کے نزدیک نہیں کرسکتا۔

فان صلی بعض صلوته...... استانف الصلوٰة:۔ احناف کے یہاں یہ اصول ہے کہ رکوع کرنے والے کا اشارہ کرنے والی کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔ اس اصول کے تحت زیر بحث مسئلہ میں ائمہ ثلثہ (ابو حنیفہ وصاحبین) کے نزدیک مریض نماز از سرنو پڑھے۔ امام زفرؒ کے نزدیک بناء کرنا جائز ہے جس طرح پہلے مسئلہ میں جائز تھی۔

ومن اغمی علیه ...... لم یقض:۔ اس مسئلہ میں حنفیہ کا امام مالکؒ و شافعیؒ اور احمدؒ سے اختلاف ہے امام مالکؒ و شافعیؒ کے یہاں بیہوشی کی وجہ سے فوت شدہ نمازوں کی قضاء نہیں ہے قلت وکثرت کی کوئی قید نہیں ہے امام احمدؒ کے یہاں مطلقاً نماز کی قضا واجب ہے خواہ نماز کتنا ہی زیادہ ہوجائیں۔ احناف کے یہاں تفصیل ہے اگر نماز قلیل ہے یعنی بیہوشی پانچ نماز یا اس سے کم تک رہی تو قضا واجب ہے اور اگر اس سے زیادہ ہو تو قضا واجب نہیں یہ حکم استحسان پر مبنی ہے۔ ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر بے ہوشی نے ایک نماز کا وقت گھیر لیا تو اس پر قضا واجب نہ ہوگی جیسا کہ امام مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک ہے۔

باب سجود التلاوة

(سجدۂ تلاوت کے احکام کا بیان)

سجدۂ سہو اور سجدۂ تلاوت چونکہ دونوں میں سجدہ کا وجود ہے اس لئے مناسب تھا کہ سجدۂ سہو کے بعد سجدۂ تلاوت ذکر کرتے مگر چونکہ بیماری اور سہو دونوں عوارض سماوی ہیں جس کی وجہ سے سجدۂ سہو کے بعد صلوٰۃ المریض کو بیان کیا گیا۔ اس لئے لازمی طور پر اس باب کو موخر کرنا ہی تھا۔

سجدۂ تلاوت میں حکم کی اضافت سبب کی طرف ہے کیونکہ بالاتفاق تلاوت کے سجدہ کا سبب تلاوت ہی ہے۔ جس طرح تلاوت سجدہ کا سبب ہے اسی طرح سماع کا بھی، چنانچہ اسی وجہ سے سجدة التلاوة کہا، سجدة التلاوة والسماع نہیں کہا۔ گویا تلاوت کا ذکر من وجہ سماع کے ذکر کو شامل ہے۔ ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ آیت سجدہ کی کتابت یا اس کے ہجے کرنے سے سجدہ واجب نہیں ہوگا۔

فی القرآن اربعةَ عشرَ سجدةً (١)فی اٰخر الاعراف (٢)وفی الرعد (٣)وفی النَحْل(٤) وفی بنی اسرائیلَ (٥)ومریم (٦)وَالْاُولیٰ فی الحج (٧)والفرقان (٨)والنمل(٩) والٓمّ تنزیل (١٠) وصٓ(١١)وحم السجدة (١٢)والنجم (١٣)والانشقاق(١٤)والعلق والسجود واجب فی هذه المواضع علی التالی والسامع سواء قصد سماع القراٰن او لم یقصِدْ.

ترجمہ:۔ قرآن میں (تلاوت) کے چودہ سجدے ہیں۔ سورۂ اعراف کے آخر میں، سورۂ رعد میں، سورۂ نحل میں، سورۂ بنی اسرائیل میں، سورہ مریم میں، سورہ حج میں پہلا سجدہ، سورہ فرقان میں، سورہ نمل میں، سورۂ آلم تنزیل میں، سورہ صٓ میں، سورہ حم السجدہ میں، سورہ النجم میں، سورہ انشقاق میں، سورہ علق میں، اور سجدہ کرنا ان مقامات میں تلاوت کرنے والے اور سننے والے پر واجب ہے خواہ قرآن سننے کا ارادہ کیا ہو یا ارادہ نہ کیا ہو۔

تشریح:۔ سجدہ تلاوت کی تعداد کے متعلق اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔(۱) پندرہ کا قول ہے یہ امام احمدؒ کے نزدیک ہے۔ مگر اس کی متدل حدیث کی سند ضعیف ہے۔(۲) چودہ کا قول ہے۔ یہ احناف اور شوافع کے نزدیک ہے اور ایک قول امام احمد کا بھی ہے مگر احناف و شوافع کے درمیان بعض آیت سجدہ میں اختلاف ہے سورۂ حج میں احناف کے نزدیک ایسے ہی امام مالکؒ کے نزدیک ایک سجدہ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک دو سجدہ ہے۔ احناف کے یہاں سورہ صٓ میں سجدہ ہے۔ شوافع کے یہاں نہیں ہے۔ ابو ثور بھی چودہ کے قائل ہیں مگر سورۂ النجم کے سجدہ کے قائل نہیں ہے۔(۳) گیارہ کا قول ہے یہ امام مالکؒ کے نزدیک ہے امام شافعیؒ کا قول قدیم یہی ہے۔ ان کے نزدیک سورۂ نجم، سورہ انشقاق اور سورہ اقراء میں سجدہ نہیں ہے۔

آیت سجدہ کی تفصیل اس طرح ہے۔ سورہ اعراف میں "وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ" (پ۹ ع۱۴) (۲) رعد میں "وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ" ختم آیت پر (پ۱۳ ع۸) (۳) نحل میں "وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ" (پ۱۴ ع۱۲) (۴) بنی اسرائیل میں "یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ" ختم آیت پر (پ۱۵ ع۱۲) (۵) مریم میں "سُجَّداً وَّبُكِیًّا" (پ۱۶ ع۷) (۶) حج کا پہلا سجدہ "اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ" ختم آیت پر (پ۱۷ ع۹) (۷) فرقان میں "وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ" ختم آیت پر (پ۱۹ ع۳) (۸) نمل میں "رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ" (پ۱۹ ع۱۷) سورہ سجدہ الم تنزیل میں "وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ" پر (پ۲۱ ع۱۵) (۱۰) صٓ میں "لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ" (پ۲۳ ع۱۱) (۱۱) حم السجدہ میں "ولا یَستأمون پر" (پ۲۵ ع۱۹) (۱۲) النجم میں "فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا" (پ۲۷ ع۷) (۱۳) انشقاق میں "وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمْ" (پ۳۰ ع۹) (۱۴) علق میں "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" (پ۳۰ ع۲۱) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سورۂ حم السجدہ میں ان کنتم ایاہ تعبدون" پر اور سورہ صٓ میں فَخَرَّ رَاكِعاً وَّاَنَابَ" پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ سجدہ (۱) تا (۶) اور (۱۰) فرض قرار دیا گیا ہے اور سجدہ (۷)، (۸)، (۹) واجب ہیں اور (۸)، (۱۲)، (۱۳)، (۱۴) سنت ہیں مگر واضح رہے کہ ان چودہ مقامات میں سجدہ عملاً واجب ہے اعتقاداً واجب نہیں۔ (الجوہرۃ)

والسجود واجب الخ:۔ عند الاحناف تمام سجدہ واجب العمل ہیں کیونکہ آیت سجدہ تین قسم کی ہیں (۱) جن میں حکم صریحی موجود ہے جو وجوب کا باعث ہے۔ (۲) جن میں انبیاء کے عمل کا تذکرہ ہے اور اقتداء انبیاء واجب ہے۔ (۳) جن میں سجدہ نہ کرنے والوں کی مذمت کا تذکرہ ہے اور مذمت ترک واجب کی وجہ سے ہوتی ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے۔ اور آپ کا فی الفور سجدہ نہ کرنے سے نفس سجدہ کے وجوب کی نفی ہوتی ہے ممکن ہے کہ سجدہ بعد میں کرلیا گیا ہو جیسا کہ ائمہ ثلاثہ حضرت زید بن ثابت کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

فَإِذَا تَلَا الْإِمَامُ آيَةَ السَّجْدَةِ سَجَدَهَا وَسَجَدَ الْمَأْمُومُ مَعَهُ فَإِنْ تَلَا الْمَأْمُومُ لَمْ يَلْزَمِ الْإِمَامَ وَلَا الْمَأْمُومَ السُّجُودُ وَإِنْ سَمِعُوْا وَهُمْ فِي الصَّلوٰةِ آيَةَ السَّجْدَةِ مِنْ رَجُلٍ لَيْسَ مَعَهُمْ فِي الصَّلوٰةِ لَمْ يَسْجُدْهَا فِي الصَّلوٰةِ وَسَجَدُوْهَا بَعْدَ الصَّلوٰةِ فَإِنْ سَجَدُوْهَا فِي الصَّلوٰةِ لَمْ تُجْزِئْهُمْ وَلَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُمْ وَمَنْ تَلَا آيَةَ سَجْدَةٍ خَارِجَ الصَّلوٰةِ وَلَمْ يَسْجُدْهَا حَتّٰى دَخَلَ فِي الصَّلوٰةِ فَتَلَاهَا وَسَجَدَ لَهُمَا أَجْزَأَتْهُ السَّجْدَةُ عَنِ التِّلَاوَتَيْنِ وَإِنْ تَلَاهَا فِي غَيْرِ الصَّلوٰةِ فَسَجَدَهَا ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلوٰةِ فَتَلَاهَا سَجَدَهَا ثَانِياً وَلَمْ تُجْزِئْهُ السَّجْدَةُ الْأُوْلٰى وَمَنْ كَرَّرَ تِلَاوَةَ سَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ أَجْزَأَتْهُ سَجْدَةٌ وَاحِدَةٌ وَمَنْ أَرَادَ السُّجُوْدَ كَبَّرَ وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ وَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ رَأْسَهُ وَلَا تَشَهُّدَ عَلَيْهِ وَلَا سَلَامَ.

ترجمہ:۔ جب امام نے آیت سجدہ تلاوت کی تو امام سجدہ کرے اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے، اور اگر مقتدی نے آیت سجدہ تلاوت کی تو (شیخین کے نزدیک) نہ امام کو سجدہ لازم ہے اور نہ مقتدی کو (نہ نماز میں اور نہ نماز کے بعد) اور اگر لوگوں نے نماز کی حالت میں کسی ایسے آدمی سے آیت سجدہ سنی جو ان کے ساتھ نماز میں نہیں ہے تو (حکم یہ ہے کہ) وہ نماز کے اندر سجدہ نہ کریں اور نماز کے بعد سجدہ کریں۔ اگر ان لوگوں نے نماز کے اندر ہی سجدہ کرلیا تو یہ سجدہ ان کو کافی نہ ہوگا لیکن (شیخین کے نزدیک) نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور جس شخص نے نماز سے باہر آیت سجدہ تلاوت کی اور ابھی سجدہ کیا نہیں تھا کہ (کوئی فرض یا نفل) نماز شروع کردی پھر اسی آیت کی تلاوت کی اور سجدہ کیا تو یہ سجدہ دونوں تلاوت کی طرف سے کافی ہے۔ اور اگر نماز سے باہر آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کرلیا، پھر اس نے نماز شروع کی اور اسی آیت کی تلاوت کی تو دوبارہ سجدہ کرے اور اس کو پہلا سجدہ کافی نہیں۔ اور جس شخص نے ایک ہی مجلس میں بار بار آیت سجدہ تلاوت کی تو اس کو صرف ایک سجدہ کافی ہوگا۔ اور جو سجدۂ تلاوت کرنا چاہے (تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ) تکبیر کہے اور ہاتھ نہ اٹھائے اور سجدہ کرے پھر تکبیر کہہ کر اپنا سر اٹھائے اور اس پر نہ تشہد ہے اور نہ سلام۔

تشریح:۔فان تلا المامومُ: ۔اس صورت میں امام محمدؒ کے نزدیک نماز سے فراغت کے بعد سجدہ کرنا ضروری ہے۔

وان سمعوا......لم تفسد صلاتهم:۔ اس صورت میں امام محمدؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی شیخین فرماتے ہیں کہ نماز میں سجدہ کرنے کے باوجود اعادۂ سجدہ ضروری ہے۔

ومن تلا اية السجدة...... عن التلاوتين:۔ اس صورت میں پہلا سجدہ بھی ادا ہوگیا باوجویکہ اس کی نیت نہیں کی کیونکہ نماز والا سجدہ افضیلت کی وجہ سے پہلے سجدہ سے قوی ہے۔ نوادر میں ہے کہ دوسرا سجدہ نماز کے بعد ادا کرے (دلائل ہدایہ میں پڑھیں گے)

باب صلوٰۃ المسافر

(مسافر کی نماز کا بیان)

یہاں صلوٰۃ کی اضافت مسافر کی طرف اضافۃ الشئی الی شرطہ یا اضافت الفعل الی الفاعل کی قبیل سے ہے۔ اس باب کو گذشتہ باب سے مناسبت یوں ہے کہ دونوں باب کا تعلق ان عوارض سے ہے جس کا انسان کسب کرتا ہے یعنی تلاوت سجدہ کا سبب ہے اور سفر، قصر صلوٰۃ کا سبب ہے۔ باب سجود التلاوۃ کی اس باب پر وجہ تقدیم یہ ہے کہ سجدہ میں اصل عبادت ہے اور سفر میں اصل اباحت ہے اور عبادت کا امر مباح پر مقدم ہونا بالکل واضح ہے۔

اَلسَّفَرُ الَّذِیْ یَتَغَیَّرُ بِهِ الْاَحْكَامُ هُوَ اَنْ یَّقْصِدَ الْاِنْسَانُ مَوْضِعاً بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْمَقْصِدِ مَسِیْرَۃُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ بِسَیْرِ الْاِبِلِ وَمَشْيِ الْاَقْدَامِ وَلَا مُعْتَبَرَ فِیْ ذٰلِكَ بِالسَّیْرِ فِی الْمَاءِ.

ترجمہ:۔ جس سفر سے احکام میں تبدیلی آجاتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان ایسے مقام کا ارادہ کرے کہ اس کے اور اس مقام کے درمیان (قافلہ کے ساتھ چلنے والا) اونٹ یا پیدل کی رفتار سے تین دن کی مسافت ہو اور اس (خشکی) میں دریائی رفتار معتبر نہیں ہے۔

حل لغات:۔ مسیرۃ۔ مسافت سیر الابل۔ اونٹ کی رفتار۔ مشی الاقدام۔ پیدل کی رفتار۔ السیر فی الماء۔ دریائی رفتار۔

خلاصہ:۔ صاحب قدوری سفر کی شرعی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سفر جس کے احکام متغیر ہوجاتے ہیں یہ ہے کہ انسان تین دن اور تین رات کی مسافت کا درمیانی رفتار سے ارادہ کرے۔ اور خشکی میں درمیانی رفتار اونٹ کی یا پیدل کی معتبر ہے دریائی رفتار معتبر نہیں ہے۔

تشریح:۔ اصطلاح شرع میں سفر کہتے ہیں کہ جس سے احکام تبدیل ہوجاتے ہیں مثلاً نماز کا قصر۔ رمضان کے اندر افطار کی اجازت، مدت مسح کا تین دن تک دراز ہونا۔ جمعہ، عیدین اور قربانی کے وجوب کا ساقط ہوجانا۔ بغیر محرم کے آزاد عورت کے نکلنے کا حرام ہونا۔ واضح رہے کہ سفر شرعی میں نیت کے ساتھ ساتھ عملاً سفر (شہر سے باہر نکل جانا) بھی ضروری ہے ورنہ سفر معتبر نہ ہوگا۔ اسی طرح دن ہر ملک میں سال کے سب سے چھوٹے معتبر ہیں جیسے ہندوستان میں سردی کے ایام۔ نیز صبح سے زوال تک ہر مرحلہ پر آرام کر کے تین دن و تین رات میں مسافت کا طے ہونا معتبر ہے۔ یعنی ۲۴/ گھنٹہ چلنا مراد نہیں ہے احناف میں امام یوسفؒ کے نزدیک اقل مدت سفر دو دن مکمل اور تیسرے دن کا اکثر حصہ ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک ایک قول

میں ایک دن ایک رات اقل مدت ہے امام مالکؒ واحمدؒ کے نزدیک چار فرسخ اقل مدت ہے یہی ایک قول امام شافعیؒ کا ہے۔

وفرض المسافر عِندَ نَا فِی کُلِّ صلوٰةٍ رباعیة رکعتان ولا تجوز له الزیادةُ علیها فان صلی اربعاً وقد قَعَدَ فی الثانیة مِقْدَار التشهد اجزأ ته الرکعتانِ عن فرضه وکانت الاُخریان له نافلة وان لم یقعد فی الثانیة مقدار التشهد بطلت صلوته.

ترجمہ:۔ اور ہمارے نزدیک مسافر کی فرض نماز ہر رباعی میں دو رکعتیں ہیں اور اس کے لئے اس سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے اور اگر مسافر نے چار رکعتیں پڑھیں اور دوسری رکعت پر تشہد کی مقدار بیٹھ گیا تو اس کی (پہلی) دو رکعتیں فرض سے اس کو کافی ہو جائیں گی اور اخیر کی دو رکعتیں اس کے لئے نفل بن جائیں گی۔ اور اگر دوسری رکعت پر تشہد کی مقدار نہیں بیٹھا تو اس کی نماز باطل ہو جائیگی۔

تشریح:۔ احناف کے نزدیک مسافر کے حق میں ہر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت فرض ہے اور قصر عزیمت ہے اور امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور ایک قول میں امام مالکؒ کے نزدیک مسافر پر چار رکعت فرض ہے اور قصر رخصت ہے۔ لہٰذا ان حضرات کے نزدیک اتمام اور قصر دونوں جائز ہے البتہ اتمام (چار رکعت) افضل ہے۔ احناف کے نزدیک مسافر پر قصر کرنا ضروری ہے اگر وہ چار رکعت پڑھے گا تو گناہ کا مرتکب ہوگا۔ اس اختلاف کا ثمرہ دو رکعت پر قعدہ اولیٰ کی فرضیت اور عدم فرضیت پر ظاہر ہوگا۔ اگر کوئی شخص چار رکعت والی نماز میں تیسری رکعت پر کھڑا ہو جائے تو احناف کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

نوٹ:۔ قدوری کے اکثر نسخوں میں بلطت صلوته سے پہلے "فی الرکعتین الاولیین" موجود ہے۔ ہدایہ اور شرحات قدوری میں یہ عبارت موجود نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت زائد ہے۔

وَمَنْ خَرَجَ مُسَافِراً صَلّٰی رَکعَتَیْنِ اِذَا فَارَقَ بُیُوْتَ المصر ولا یَزَالُ عَلٰی حُکْمِ المُسَافِرِ حَتّٰی یَنْوِیَ الاِقَامَةَ فِی بلدةٍ خَمسَةَ عَشَرَ یَوْماً فَصَاعِداً فیلزمهُ الاتْمَامُ فَاِنْ نوی الاِقَامَةَ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ لَمْ یَتِمَّ وَمَنْ دَخَلَ بَلَداً وَلَمْ ینوِ ان یُّقِیْمَ فِیْهِ خَمسَةَ عَشَرَ یوماً وانما یقول غَداً اخرُجُ او بَعْدَ غدٍ اَخْرُجُ حَتّٰی بَقِیَ علی ذٰلِكَ سِنِیْنَ صَلّٰی رکعتین وَاِذَا دخل العَسکرُ فِی ارض الحرب فَنَوَوْا الاِقَامَةَ خمسةَ عَشَرَ یَوْماً لَم یَتِمُّوا الصَّلوٰة.

ترجمہ:۔ اور جو شخص سفر کی نیت سے نکلا تو جس وقت وہ شہر کی آبادی (سیوان) سے نکل جائے تو دو رکعت پڑھے اور ہمیشہ مسافر کے حکم میں رہے گا یہاں تک کہ کسی شہر (یا کسی گاؤں) میں پندرہ یا اس سے زیادہ یوم کی اقامت کی نیت کرے تو اس پر اتمام لازم ہوگا۔ اور اگر اس سے کم قیام کی نیت کی تو اتمام نہ کرے۔ اور جو شخص کسی شہر میں داخل ہوا اور اس نے وہاں پندرہ یوم اقامت کی نیت نہیں کی اور یہ کہتا رہے کہ کل نکلوں گا یہ پرسوں نکلوں گا یہاں تک اس طرح کئی سال تک ٹھہرا رہا تو دو ہی رکعت پڑھے گا۔ اور جب لشکر دار الحرب میں داخل ہوا اور اس نے پندرہ یوم اقامت کی نیت کر لی تو اتمام نہیں کرے گا۔

حل لغات:۔ فارق مفارقۃً جدا ہونا، الگ ہونا، یہاں نکلنے کے معنیٰ میں ہے۔ بیوت المصر۔ شہر کی آبادی۔ بلدۃ اور بلد۔ آباد یا غیر آباد جگہ، شہر۔ فصاعداً یوماً فصاعداً۔ ایک دن سے زاید۔ بعد غدٍ۔ پرسوں سنین جمع سنۃ۔ سال۔ عسکر لشکر۔

تشریح:۔ مسافر اس وقت قصر نماز پڑھنا شروع کرے گا جب آبادی اور سیوان سے نکل جائے اور سفر کا حکم اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ شہر یا گاؤں میں پندرہ یوم یا اس سے زائد قیام کی نیت نہ کرے۔ اور پندرہ یوم سے کم کی نیت کی صورت میں سفر کا حکم باقی رہے گا اور مسافر قصر کرتا رہے گا۔ امام مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک چار دن کے قیام کی نیت سے مسافر مقیم ہو جائیگا۔ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ جب چار دن سے زائد قیام کیا تو مقیم ہو جائیگا نیت کی کوئی شرط نہیں۔

ومن دخل الخ :۔ اس عبارت سے اخیر تک دم مسئلے بیان کئے گئے ہیں جو ترجمہ سے بالکل واضح ہیں مزید وضاحت باعث تکرار ہے۔

وَاِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ فِی صَلٰوۃِ الْمُقِیمِ مَعَ بَقَاءِ الْوَقْتِ اَتَمَّ الصَّلٰوۃَ وَاِنْ دَخَلَ مَعَہٗ فِیْ فَائِتَۃٍ لَمْ تَجُزْ صَلٰوتُہٗ خَلْفَہٗ وَاِذَا صَلَّی الْمُسَافِرُ بِالْمُقِیْمِیْنَ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَتَمَّ الْمُقِیْمُوْنَ صَلَاتَہُمْ و تستحِبُّ لَہٗ اِذَا سَلَّمَ اَنْ یَّقُوْلَ لَہُمْ اَتِمُّوْا صَلَاتَکُمْ فَاِنَّا قَوْمٌ سَفَرٌ.

ترجمہ۔ اور جب مسافر مقیم کی نماز میں شامل ہو جائے (اور ابھی) وقت باقی ہے تو وہ پوری نماز پڑھیگا۔ اور اگر مسافر نے مقیم کے ساتھ کسی فائتہ نماز میں شرکت کی تو اس کی نماز اس کے پیچھے جائز نہیں ہوگی۔ اور جب مسافر مقیم کو نماز پڑھائے تو دو رکعت پڑھے اور سلام پھیر دے اور مقیم لوگ اپنی نماز پوری کریں اور مسافر امام کے لئے مستحب یہ ہے کہ سلام کے بعد مقتدیوں سے کہے کہ تم سب اپنی نمازیں پوری کر لو ہم تو مسافر ہیں۔

حل لغات:۔ مع بقاء الوقت۔ وقت کے اندر۔ خلف۔ پیچھے۔ صلی بہ۔ نماز پڑھانا۔ قوم سَفر۔ مسافرین۔ سفر مسافر کی جمع ہے جیسے صاحب کی جمع صَحب آتی ہے۔

خلاصہ:۔ صاحب کتاب اس عبارت میں دو حکم بیان کر رہے ہیں (۱) مسافر مقیم کی اقتداء وقت کے اندر اندر کرے گا اور وقت کے اندر اقتداء کی وجہ سے بجائے قصر کے مکمل چار رکعت پڑھے گا لیکن وقتِ نماز نکل جانے کے بعد مسافر کے لئے مقیم کی اقتداء جائز نہیں ہے۔ (۲) مقیم کے لئے مسافر کی اقتداء کرنا وقت کے اندر اور وقت کے بعد دونوں صورتوں میں جائز ہے لہٰذا جب مسافر مقیم کو نماز پڑھائے تو دو رکعت سلام پھیرنے کے بعد مقتدی صاحبان سے کہہ دے کہ میں مسافر ہوں اس لئے آپ حضرات اپنی اپنی نمازیں پوری کر لیں۔

اِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ مِصْرَہٗ اَتَمَّ الصَّلٰوۃَ وَاِنْ لَمْ یَنْوِ الْاِقَامَۃَ فِیْہِ وَمَنْ کَانَ لَہٗ وَطَنٌ فَانْتَقَلَ عَنْہُ وَاسْتَوْطَنَ غَیْرَہٗ ثُمَّ سَافَرَ فَدَخَلَ وَطَنَہُ الْاَوَّلَ لَمْ یُتِمَّ الصَّلٰوۃَ وَاِذَا نَوَی الْمُسَافِرُ اَنْ یُّقِیْمَ بِمَکَّۃَ وَمِنٰی خَمْسَۃَ عَشَرَ یَوْماً لَمْ یُتِمَّ الصَّلٰوۃَ وَالْجَمْعُ بَیْنَ الصَّلٰوتَیْنِ

لِلْمُسَافِرِ یَجُوْزُ فِعلاً ولا یجوز وقتاً وتَجُوْزُ الصلوٰۃُ فِیْ سَفِیْنَۃٍ قاعِداً علی کُلِّ حَالٍ عِنْد اَبی حنیفۃ وعند ھما لا تجوزُ اِلّا بعذرٍ وَمَنْ فَاتَتْہُ صلوٰۃٌ فِی السَّفَرِ قَضَاھَا فِی الْحَضَرِ رَکْعَتَیْنِ وَمَنْ فَاتَتْہُ صلوٰۃٌ فِی الْحَضَرِ قَضَاھَا فِی السَّفرِ اَرْبعاً والعاصِیُ والمطیعُ فِی السَّفَرِ فِی الرخْصَۃِ سَوَاءٌ۔

ترجمہ:۔ اور جب مسافر اپنے شہر میں داخل ہو گیا تو وہ پوری نماز پڑھے خواہ اس نے قیام کی نیت نہ کی ہو۔ اور جس شخص کا کوئی وطن ہو اور اس نے وہاں سے منتقل ہو کر دوسری جگہ کو اپنا وطن بنالیا۔ پھر اس نے سفر کیا اور اپنے پہلے وطن میں آیا تو یہ پوری نماز نہ پڑھے۔ اور جب مسافر منی اور مکہ میں پندرہ روز قیام کرنے کی نیت کرے تو وہ پوری نماز نہ پڑھے۔ اور مسافر کے لئے عملاً (صورۃ) دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے۔ وقتاً (حقیقتاً) جائز نہیں ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا ہر حال میں جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک بلا عذر کے جائز نہیں ہے۔ اور جس شخص کی سفر میں نماز فوت ہو گئی ہو تو وہ حضر میں دو ہی رکعتیں قضا کرے۔ اور جس شخص کی حضر میں کوئی نماز فوت ہو گئی ہو تو وہ سفر میں چار رکعت قضا کرے۔ اور جو شخص سفر میں نافرمان ہے اور جو شخص سفر میں فرمانبردار ہے دونوں رخصت میں برابر ہیں۔

حل لغات:۔ استوطن۔ وطن بنالینا۔ سفینۃ۔ کشتی۔ حضر۔ اقامت۔ العاصی۔ گنہگار۔ المطیع۔ فرمانبردار۔

تشریح:۔ واذا دخل المسافر:۔ صاحب کتاب اس عبارت میں وطن کے احکام بیان فرمارہے ہیں۔ وطن کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وطن اصلی۔ (۲) وطن اقامت۔ (۳) وطن سکنی۔ وطن اصلی وہ مقام ہے جو انسان کی جائے پیدائش ہو، اسی طرح جس جگہ اس نے شادی کی اور عائلی زندگی گذارنے کا پروگرام بنایا ہو۔ وطن اقامت وہ مقام ہے جہاں پندرہ یوم قیام کا ارادہ ہو۔ وطن سکنی وہ مقام ہے جس میں پندرہ یوم سے کم قیام کا ارادہ ہو۔ محققین نے وطن سکنی کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ وطن اصلی، وطن اصلی سے باطل ہوتا ہے سفر سے نہیں۔ وطن اقامت، وطن اقامت، سفر اور وطن اصلی (تینوں) سے باطل ہو جاتا ہے۔ صاحب قدوری کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسافر وطن اصلی میں آئے تو محض وطن میں آنے سے مقیم ہو جائے گا اگرچہ اس نے اقامت کی نیت نہ کی ہو اور پوری نماز پڑھے گا۔

ومن کان لہ وطن الخ:۔ اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص کا وطن اصلی ہے پھر وہاں سے منتقل ہو کر دوسری جگہ کو اپنا وطن بنالے خواہ ان دونوں کے درمیان شرعی مدت سفر ہو یا نہ ہو تو پہلا وطن اصلی باطل ہو جائیگا۔ اب اگر وہ پہلے وطن میں آئے گا تو وہ قصر کرے گا۔ اس لئے کہ تاجدار مدینہ رحمت للعلمین ﷺ جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے اور ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپؐ نے خود کو مسافروں میں شمار کیا اور نماز پڑھانے کے بعد فرمایا کہ اے اہل مکہ تم اپنی نماز پوری کر لو ہم تو مسافر ہیں۔

واذا نوی المسافر ان یقیم الخ:۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مسافر نے مکہ اور منی دونوں جگہوں میں پندرہ روز قیام کرنے کی نیت کی تو یہ شخص مسافر نہیں ہوگا بلکہ مقیم رہے گا اور نماز قصر کرے گا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ دو مقام میں اقامت کی نیت کا معتبر ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ دو سے زائد مقامات میں بھی نیت کا اعتبار کیا جائے اور اس

طرح متعدد مقامات میں اقامت کی نیت کا اعتبار کرنا اس بات کو دعوت دیتا ہے کہ انسان کبھی مسافر ہی نہ ہو اس لئے دو مقام میں اقامت کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

والجمع بین الصلوٰتین الخ:۔ عبارت کے مفہوم کو سمجھنے سے قبل عرض ہے کہ جمع کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) صوری (۲) حقیقی۔ جمع صوری یہ ہے کہ ایک نماز کو آخر وقت میں اور دوسری نماز کو اول وقت میں ادا کی جائے۔ جمع حقیقی یہ ہے کہ نمازوں کو ایک ہی وقت میں پڑھ لے۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دو فرض نمازوں کا ایک وقت میں جمع کرنا ممنوع ہے خواہ کوئی عذر ہی کیوں نہ ہو۔ صرف حج کے موقع پر عرفات اور مزدلفہ میں دو نمازوں کو جمع کرنا فعلاً و صورۃً جائز ہے مگر حقیقی طور پر جمع کرنا ناجائز ہے۔ امام مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک حقیقۃً بھی جائز ہے۔ یعنی عرفات میں ظہر، و عصر اور مزدلفہ میں مغرب و عشا کا جمع کرنا۔ عبداللہ بن مسعود کی روایت کے مطابق حضورؐ سے ثابت ہے۔

وتجوز الصلوٰۃ الخ:۔ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا صاحبینؒ سے اختلاف ہے امام صاحب کے نزدیک بلا کسی عذر کے چلتی ہوئی کشتی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے البتہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک عذر کی شرط ہے ائمہ ثلاثہ بھی یہی کہتے ہیں۔

ومن فاتته صلوٰۃ...... فی السفر اربعاً:۔ یعنی اگر کوئی شخص سفر کی فوت شدہ نمازوں کی قضا حضر میں کرنا چاہے تو دو رکعت قضا کرے۔ اور حضر کی فوت شدہ نمازوں کو سفر میں قضا کرنا چاہے تو چار رکعت قضا کرے گا۔

والعاصی والمطیع الخ:۔ فقہاء نے سفر کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) سفر طاعت جیسے حج، جہاد۔ (۲) سفر مباح جیسے تجارت۔ (۳) سفر معصیت جیسے ڈاکہ زنی کے ارادہ سے سفر کرنا۔ آیت قرآنی "**فمن کان منکم مریضاً او علی سفر فعدۃ من ایام اخر**" ارشاد نبویؐ "**فرض المسافر رکعتان**" میں مطیع و عاصی کی کوئی تفصیل نہیں۔ اس توضیحی نوٹ کے بعد عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ سفر خواہ سفر معصیت ہو یا سفر اطاعت دونوں رخصت میں برابر ہیں البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک سفر معصیت میں رخصت نہیں ہے۔ یہی قول امام مالکؒ و احمدؒ کا بھی ہے۔

باب صلوٰۃ الجمعۃ

(جمعہ کی نماز کا بیان)

یہ باب صلوٰۃ المسافر کے باب سے کسی واسطہ سے تنصیف صلوٰۃ میں مناسبت رکھتا ہے یعنی تنصیف قصر کے اندر سفر کے واسطہ سے ہے اور جمعہ میں خطبہ کے واسطہ سے مگر سفر رباعی نماز میں منصف ہونے کی وجہ سے عام ہے اور خطبۂ جمعہ صرف نماز ظہر میں منصف ہونے کی وجہ سے خاص ہے اور تقدیم العام علی الخاص مشہور ہے، اسلئے اس باب کو صلوٰۃ المسافر کے بعد ذکر کیا گیا۔

جمعہ:۔ یہ اجتماع سے مشتق ہے جیسے فرقت، افتراق سے مشتق ہے۔ میم بالضم والفتح والسکون تینوں جائز ہے مگر بالضم فصیح ہے اس کا معنیٰ اکٹھا ہونا اور جمع ہونا ہے جمعہ کو جمعہ اس لئے کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ نے اس میں خصائل خیر بکثرت جمع فرمایا ہے۔ جمعہ کی وجہ تسمیہ میں مختلف اقوال منقول ہیں تفصیل کے لئے تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

زمانہ جاہلیت میں جمعہ کو لفظ عَرُوبہ سے یاد کیا جاتا تھا۔ سب سے پہلے کعب بن لوی نے اس دن کو جمع کے نام سے موسوم کیا۔

جمعہ کی نماز فرض عین ہے جس کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس چاروں سے ثابت ہے۔ اور اس کا منکر کافر ہے۔ کتاب اللہ سے ثبوت تو اس طرح ہے کہ ارشاد باری ہے "**یا ایها الذین امنوا اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله ودرو البیع**" ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر ذکر اللہ سے نماز مراد ہے تب تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں براہ راست نماز جمعہ کی فرضیت ثابت ہو گی۔ اور اگر خطبہ مراد ہے تو اس خطبہ کا اہتمام مقصود ہے کہ ایسے وقت چلو کہ خطبۂ جمعہ بھی سن سکو لہٰذا جب سعی الی الخطبہ کا وجوب ثابت ہوا تو نماز جمعہ جو مقصود ہے بطریق اولی واجب اور ضروری ہو گی مفسرین نے ذکر اللہ کی تفسیر نماز اور خطبہ دونوں سے کی ہے۔ اس صورت میں آیت نماز اور خطبہ دونوں پر صادق آئے گی۔ فرضیت جمعہ کا ثبوت حدیث سے ارشاد نبویؐ ہے "**اعلموا ان الله کتب علیکم الجمعة فی یومی هذافی شهری هذا فی مقامی هذا**" جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر جمعہ فرض کیا ہے میرے اس دن میں میرے اس مہینہ میں میرے اس مقام میں۔ دوسری حدیث میں ہے "**الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا اربعة مملوك او امرأة او صبی او مریض (رواه ابو داؤد)**" جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ پڑھنا حق واجب یعنی فرض ہے۔ تمیم داری کی حدیث میں بھی حق واجب ہے حدیث میں تین جمعہ بغیر عذر کے چھوڑنے والے کو منافق کہا گیا ہے اس حدیث میں ترک جمعہ پر سخت وعید بیان کی گئی ہے۔ اور وعید فرض چھوڑنے پر آتی ہے۔ الغرض ان احادیث سے فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ اور پوری امت مسلمہ کا اس کی فرضیت پر متفق ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ اجماع سے بھی اس کا فرض ہونا ثابت ہوا۔ اور جمعہ قائم کرنے کے لئے فرض ظہر کو چھوڑنے کا حکم دلیل عقلی سے جمعہ کے فرض ہونے پر ثبوت ہے۔

سب سے پہلے آپؐ نے قبا سے جانب مدینہ روانہ ہوتے ہوئے جمعہ کا وقت آجانے پر سالم بن عوف کے محلّہ میں سواری سے اتر کر اس مسجد میں نماز جمعہ ادا کی جو بطن وادی میں ہے۔ یہ اسلام کا سب سے پہلا جمعہ تھا جس میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی تھی۔

﴿شرائط جمعہ﴾

جمعہ کے فرض ہونے کی بارہ شرطیں ہیں۔ چھ وجوب کی۔ چھ صحت کی۔ وجوب کی شرطیں۔ (۱) آزاد (۲) مرد (۳) مقیم (۴) تندرست (۵) پاؤں کا سلامت ہونا (۶) آنکھوں کا سلامت ہونا۔ صحت کی شرطیں (۱) شہر (۲) جماعت (۳) سلطان (۴) وقت (۵) خطبہ (۶) عام اجازت یعنی پہلی چھ شرطوں کا تعلق مصلی کی ذات سے ہے اور دوسری چھ شرطوں کا تعلق تحقق جمعہ سے ہے ان تمام شرائط کی تفصیل صاحب کتاب خود بیان کر رہے ہیں اس لئے ہمیں الگ سے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔

لَا تَصِحُّ الجُمُعَةُ اِلَّا فِی مصرٍ جامعٍ او فی مُصَلیَّ المصر ولا تجوز فی القریٰ ولا تجوز اقامَتُها اِلَّا لِلسُّلْطَانِ او لِمَنْ اَمَرَہُ السُّلطانُ وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْوَقْتُ فَتَصِحُّ فِی وَقْتِ الظُّهرِ وَلا تَصِحُّ بَعْدَهٗ.

ترجمہ:۔ جمعہ صحیح نہیں ہوتا مگر شہر جامع یا فناء شہر میں اور گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔ اور جمعہ قائم کرنا جائز نہیں ہے مگر بادشاہ کے لئے یا اس شخص کے لئے جس کو بادشاہ نے حکم دیا ہے۔ اور جمعہ کی شرائط میں سے وقت ہے پس جمعہ ظہر کے وقت میں صحیح ہوگا اور ظہر کے وقت کے بعد صحیح نہیں ہوگا۔

خلاصہ:۔ نماز جمعہ شہر اور فناء شہر دونوں جگہ جائز ہے البتہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔ اور جمعہ کے قائم کرنے کا حکم بادشاہ دے سکتا ہے یا جس کو بادشاہ نے حکم اور اجازت دے رکھی ہو جیسے امیر یا قاضی یا خطیب۔ اور جمعہ کی شرائط میں سے ایک شرط وقت کا ہونا ہے چنانچہ جمعہ کی نماز صرف وقت ظہر میں صحیح ہے اس کے بعد صحیح نہیں ہے۔

تشریح:۔ صاحب کتاب نے ان سطروں میں تحقق جمعہ کی جملہ شرائط میں سے تین شرطوں کا تذکرہ کیا ہے۔ (۱) شہر جامع یا فناء شہر۔ (۲) سلطان یا اس کا نائب۔ (۳) وقت۔ اس عبارت میں دو لفظ مصر جامع اور مصلی المصر تشریح طلب ہیں مصر جامع کی تعریف میں مختلف اقوال ہیں مگر قول ظاہر وہ جس کو امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے۔ مصر جامع ہر وہ مقام ہے جس میں امیر و قاضی ہو جس کو احکام نافذ کرنے اور شرعی سزاؤں کے قائم کرنے پر قدرت ہو امام کرخی نے اسی کو اختیار فرمایا ہے اس کے علاوہ بھی مختلف اقوال ہیں جو فتاویٰ کی کتابوں میں درج ہیں۔ مصلی المصر شہر کا مصلی عید گاہ ہوتا ہے لیکن یہاں مصلی سے فناء شہر مراد ہے۔ فناء شہر وہ جگہ ہے جو شہر سے متصل اہل شہر کے فائدہ کے لئے مقرر ہو جیسے گھوڑ دوڑ، تیراندازی، عیدین، مردوں کی تدفین نماز جنازہ وغیرہ کے واسطے ہو۔

ولا تجوز فی القریٰ:۔ امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے نزدیک گاؤں میں بھی جمعہ جائز ہے۔

الا للسلطان:۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اداء جمعہ کے لئے سلطان یا اس کا نائب ہونا شرط نہیں۔ بادشاہ یا نائب کی شرط صرف اس وجہ سے ہے تاکہ لوگ اس اجتماع میں اختلاف کے شکار نہ ہوں اور امن قائم رہے کیونکہ ہر شخص الگ الگ رائے رکھتا ہے، کوئی کسی امام کو ترجیح دے گا اور کوئی کسی کو۔ کوئی کسی مسجد میں قیام جمعہ کی بات کرے گا اور کوئی کسی مسجد میں۔ اس لئے شاہ وقت یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہے تاکہ نقض امن کا اندیشہ نہ پیدا ہو۔

ومن شرائطها الوقت:۔ اگر سلام پھیرنے سے قبل جمعہ کا وقت نکل گیا۔ اس سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں اس میں قدرے اختلاف ہے۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد وقت نکلا ہے تو نماز پوری ہو جائے گی۔ ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی ظہر پر بنا کرنا جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ از سر نو نماز ظہر پڑھنی پڑے گی۔ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک نماز ظہر پر بناء کرنا جائز ہے۔

وَمِنْ شَرَائِطِهَا الخطبة قَبْلَ الصَّلوٰةِ يَخطِبُ الإِمَامُ خُطْبَتَيْنِ يفصل بينهما بقعدةٍ ويخطب قائماً عَلَى الطَّهارَةِ فَاِنْ اقْتصَرَ على ذِكْرِ الله جاز عِنْدَابِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَقَالاَ لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرٍ طَوِيْلٍ يُسمّٰی خُطْبَةً فَاِنْ خَطَبَ قَاعِداً او عَلٰی غَيْرِ طَهَارَةٍ جَازَ وَيُكْرَهُ وَمِنْ شَرَائِطِهَا اَلْجَمَاعَةُ وَاَقَلُّهُمْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ ثَلٰثَةٌ سِوَى الإِمَامِ وَ قَالاَ اِثْنَانِ سِوَى الْاِمَامِ وَيَجْهَرُ الْاِمَامُ لِقِراءَتِهِ في الركعتين وَلَيْسَ فِيْهَا قِرَاءَةُ سُوْرَةٍ بِعَيْنِهَا.

ترجمہ:۔ اور جمعہ کی شرطوں میں نماز سے قبل خطبہ ہے۔ امام دو خطبہ پڑھے گا۔ جن کے درمیان ایک قعدہ کے ذریعہ فصل کرے گا۔ اور کھڑے ہو کر باوضو خطبہ دے گا۔ پس اگر اللہ کے ذکر پر اکتفا کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ایک ایسا طویل ذکر ضروری ہے جس کو خطبہ کہا جاسکے۔ پس اگر امام نے بیٹھ کر یا بے وضو خطبہ دیا تو جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ اور جمعہ کی شرطوں میں سے جماعت کا ہونا ہے اور جماعت کی کم از کم تعداد امام کے علاوہ تین آدمی ہیں، اور صاحبینؒ نے کہا کہ امام کے علاوہ دو آدمی (کافی) ہیں۔ اور امام دونوں رکعتوں میں جہراً قراءت کرے اور ان دونوں رکعتوں میں کسی متعین سورۃ کا پڑھنا نہیں ہے۔

خلاصہ:۔ گذشتہ عبارت میں تین شرطیں گزر چکی ہیں۔ اور اس عبارت میں مزید دو شرطوں کا تذکرہ ہے۔ (۴) خطبہ (۵) جماعت۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں چوتھی شرط خطبہ ہے (حضورؐ نے عمر بھر کوئی جمعہ بغیر خطبہ کے نہیں پڑھا) یہ خطبہ نماز جمعہ سے پہلے اور زوال کے بعد واجب ہے اس کے علاوہ جائز نہیں ہے۔ امام باوضو قیام کی حالت میں دو خطبہ دے گا اور دونوں خطبوں کے درمیان (تین آیت کی مقدار) بیٹھک سے فصل کرے گا (بزرگوں سے یہی منقول ہے جو فقط استراحت کے لئے ہے شرط نہیں ہے) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خطبہ میں صرف اللہ کا ذکر کافی ہے (جس کی ادائیگی الحمدللہ، سبحان الله یا لاالہ الا اللہ سے ہوسکتی ہے بشرطیکہ خطبہ کے ارادہ سے ہو) مگر صاحبینؒ کے نزدیک ایسا ذکر طویل ضروری ہے جس کو خطبہ کہا جاسکے۔ اگر امام نے بے وضو اور بیٹھ کر خطبہ دیا تو جائز تو ہے مگر مکروہ ہے۔ جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے پانچویں شرط جماعت کا ہونا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام کے علاوہ کم از کم تین آدمی ہوں اور صاحبینؒ کے نزدیک امام کے علاوہ دو آدمی کا ہونا کافی ہے۔ امام نماز جمعہ میں جہری قراءت کرے گا اور امام کو اختیار ہے جس سورت کی تلاوت کرنا چاہے کرے سورت کی کوئی تعیین نہیں ہے۔

تشریح:۔ ومن شرائطها الخطبة:۔ خطبہ کے اندر دو چیزیں فرض ہیں۔ (۱) خطبہ نماز سے قبل اور زوال سے پہلے ہو۔ (۲) خطبہ کے اندر اللہ کا ذکر۔ اس کے علاوہ باقی سب سنن و آداب ہیں۔ خطبہ کے اندر تقریباً نو سنتیں ہیں۔ (۱) طہارت (۲) کھڑے ہو کر خطبہ دینا (۳) دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا (امام شافعیؒ کے نزدیک شرط ہے حتی کہ ایک خطبہ پر اکتفاء ناجائز ہے) (۴) خطبہ اتنی آواز سے پڑھنا کہ لوگ سن لیں (۵) الحمدللہ سے ابتداء کرنا (۶) شہادتین پڑھنا (۷) درود شریف پڑھنا (۸) وعظ و نصیحت (۹) قرآن کی کم از کم ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیت پڑھنا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اتنی قراءت فرض ہے۔

واضح رہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بیٹھ کر خطبہ پڑھنا جائز نہیں ہے امام مالکؒ سے بھی ایک روایت ہے امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔ اسی طرح امام ابویوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک بلا طہارت خطبہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

یسمی خطبة:۔ خطبہ یہ ہے کہ خطیب اللہ کی حمد بیان کرے، حضورؐ پر درود بھیجے، اور تمام مسلمانوں کے لئے خیر کی دعا کرے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک دو خطبہ پڑھنے واجب ہیں پہلا خطبہ اللہ کی حمد، حضورؐ پر درود شریف پڑھنا۔ تقویٰ کی وصیت اور کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہو دوسرے خطبہ میں آیت کی جگہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعاء ہو۔

ومن شرائطها الجماعة:۔ صاحب قدوری نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ ان کی تحقیق ہے مگر صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام محمدؒ، امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں امام یوسفؒ کے ساتھ نہیں ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک جماعت کے لئے کم از کم چالیس آدمی کا ہونا ضروری ہے۔

وَلَا تَجِبُ الجمعة علی مسافرٍ وَلَا امرأةٍ ولا مريضٍ ولا صبيٍ وَلَا عَبْدٍ وَلَا اَعمیٰ فَاِنْ حضروا وصلوا مع الناس اجزأ هم عن فرض الوقت ويجوز للعبد والمسافر والمريض ان يؤموا في الجمعة.

ترجمہ:۔ اور جمعہ واجب نہیں ہے کسی مسافر اور نہ عورت پر اور نہ مریض پر اور نہ بچے پر اور نہ غلام پر اور نہ نابینا پر پس اگر یہ لوگ (عدم فرضیت کے باوجود) حاضر ہوگئے اور لوگوں کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھیں تو ان کو جمعہ اس وقت کے فرض سے کافی ہوگا، اور غلام، مسافر اور مریض کے لئے جمعہ کا امام بننا جائز ہے۔

تشریح:۔ ولاتجب الجمعة علی مسافرٍ:۔ صاحب کتاب اس عبارت سے وجوب جمعہ کے شرائط بیان کرنا چاہ رہے ہیں وجوب جمعہ کی چھ شرطیں ہیں۔ (۱) مقیم ہونا (۲) مذکر ہونا (۳) تندرست ہونا (۴) آزاد ہونا (۵) آنکھوں اور پاؤں کا صحیح و سالم ہونا (۶) عاقل بالغ ہونا۔ جن حضرات پر جمعہ واجب نہیں ہے وجہ اسکی یہ ہے ان لوگوں کو جمعہ میں حاضری سے حرج و نقصان لاحق ہوگا اسلئے دفع حرج کی وجہ سے ان حضرات کو معذور قرار دیا گیا۔ صاحبین کے نزدیک اگر نابینا کو رہبر مل جاتا ہے تو اس پر جمعہ واجب ہے۔ اگر ان معذورین نے نماز جمعہ میں شرکت کرلی تو وقتی فرض یعنی نماز ظہر ادا ہو جائیگی۔

ویجوز للعبد:۔ غلام مسافر اور مریض پر اگرچہ جمعہ واجب نہیں لیکن ان کو نماز جمعہ کا امام بنانا جائز ہے کیونکہ ان حضرات کو رخصت صرف حرج اور دشواری کی وجہ سے دی گئی ہے ورنہ اصلاً جمعہ تو ہرایک پر فرض عین ہے۔ لیکن جب مسجد میں حاضر ہوگئے تو ان کی نماز فرض ادا ہوگی اس لئے اہلیت کی موجودگی میں امام بنانا درست ہے۔ البتہ امام زفرؒ کے نزدیک اجازت نہیں ہے۔

وَمَنْ صَلَّی الظُّهرَ فِیْ مَنْزِلِه يومَ الْجُمْعَةِ قبل صلوةِ الامامِ ولا عُذرَ لَهٗ كَرِه له ذٰلِكَ وجازَتْ صلوتُهٗ فاِنْ بَدَالَهٗ ان يَّحْضُرَ الْجُمُعَةَ فَتَوَجَّهَ اِلَيْهَا بَطَلَتْ صلوةُ الظُّهرِ عِنْدَ ابی حَنِيْفَة رَحِمَهُ اللّٰهُ بِالسعي اِلَيْهَا وَقَالَ ابويوسف ومحمد لا تَبْطُلُ حَتّٰی يَدْخُلَ مَعَ الاِمَامِ،

وَيُكْرَهُ اَنْ يُّصَلِّيَ المعذورُ الظهر بجماعة يَوْمَ الْجُمُعَةِ وكذالكَ اَهْلُ السِّجْنِ، وَمَنْ اَدْرَكَ الإِمَامَ يَوْمَ الجُمُعَةِ صَلّٰى مَعَهُ ما اَدْرَكَ وبَنىٰ عَلَيْهَا الجُمُعَةَ وان ادركهُ فِي التَّشَهُّدِ او فِيْ سُجُوْدِ السَّهْوِ بَنىٰ عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِنْ اَدْرَكَ مَعَهُ اَكْثَرَ الرَّكْعَةِ الثانيةِ بَنىٰ عَلَيْهَا الجُمُعَةَ وَاِنْ ادرك معه اقلها بنى عليها الظهر.

ترجمہ:۔ اور جس شخص نے جمعہ کے روز اپنے گھر میں امام کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی اور اس کو کوئی عذر نہیں ہے تو اس کے لئے مکروہ ہے اور نماز جائز ہو جائیگی۔ پھر اگر جمعہ میں حاضر ہونے کا خیال ہوا اور اس جانب چل پڑا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کی طرف سعی کرتے ہی نماز ظہر باطل ہو گئی۔ اور امام ابو یوسفؒ و محمدؒ نے فرمایا اس کی نماز باطل نہیں ہوگی یہاں تک امام کے ساتھ شریک ہو جائے۔ اور معذورین کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح قیدیوں کے لئے مکروہ ہے۔ اور جس شخص نے امام کو جمعہ کے دن پایا تو اس کے ساتھ وہ پڑھ لے جو پایا اور اسی پر جمعہ کی بنا کرلے۔ اور اگر امام کو تشہد یا سجدۂ سہو میں پایا تو امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اسی پر نماز جمعہ کی بنا کرے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر اس کو امام کے ساتھ دوسری رکعت کا اکثر مل گیا تو اسی پر جمعہ کی بنا کرے اور اگر اس سے کم پایا تو اس پر نماز ظہر کی بنا کرلے۔

تشریح:۔ صاحب کتاب اس پوری عبارت میں پانچ مسئلے بیان کر رہے ہیں۔

(۱) **ومن صلى الظهر ...... جازت صلوته**:۔ اگر ایسا شخص جسے کوئی عذر نہیں ہے اس نے جمعہ کے دن امام کے نماز پڑھانے سے پہلے گھر پر نماز ظہر ادا کرلی تو احناف کے نزدیک ظاہر الروایہ کے مطابق نماز جائز ہے مگر مکروہ تحریمی ہے۔ یہی امام شافعیؒ کا قول قدیم ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک نماز ہی جائز نہ ہوگی۔ امام مالکؒ، امام احمد اور غیر ظاہر الروایہ میں امام محمدؒ کا اور امام شافعیؒ کا قول جدید بھی یہی ہے۔

(۲) **فان بدله...... يدخل مع الامام**:۔ جس شخص نے جمعہ کے روز اپنے گھر پر ظہر کی نماز پڑھ لی اور ابھی جمعہ کی نماز ادا نہیں کی گئی ہے اسی دوران اس کو خیال آیا کہ جمعہ کی نماز پڑھ لی جائے اور وہ اسی ارادہ سے جامع مسجد کی طرف چل پڑا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گھر سے چلتے ہی نماز ظہر باطل ہو جائیگی اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کی نماز اس وقت باطل ہوگی جب وہ امام کے ساتھ شریک ہو جائے۔

(۳) **ويكره ان يصلى المعذور......اهل السجن**:۔ معذور لوگ مثلاً غلام، مسافر بیمار ایسے ہی قیدی لوگ اگر جمعہ کے روز شہر کے اندر نماز سے پہلے یا بعد میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرلیں، تو نماز ادا ہو جائیگی مگر مکروہ ہے۔ شہر میں کراہت اس وجہ سے ہے کہ اس سے نماز جمعہ میں خلل واقع ہوسکتا ہے کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ غیر معذور اس خیال سے شریک ہو جائے کہ نماز جمعہ ہے۔ اس سے ایک تو جماعت جمعہ میں کمی پیدا ہوتی۔ دوسرے اس شخص کی نماز جمعہ فوت ہوئی جو جمعہ کے حق میں خلل کا باعث ہے۔

(٤) **ومن ادرك الامام...... بنى عليها الجمعة**:۔ اگر کوئی شخص نماز جمعہ میں تاخیر سے آیا تو اس کیلئے حکم یہ ہے کہ امام کے ساتھ شریک ہو جائے جتنی نماز ملی ہے پڑھ لے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد بقیہ نماز پوری کرلے۔

(۵) وان ادرکه فی التشهد الخ :۔ نماز جمعہ میں تاخیر سے آنے والا شخص امام کو نماز جمعہ میں تشہد میں پایا ہو یا سجدہ سہو میں تو شیخین کے نزدیک جمعہ کی نماز پوری کرے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کو دوسری رکعت کا اکثر حصہ مل گیا یعنی دوسری رکعت کا رکوع مل گیا تو جمعہ کی نماز پوری کرے گا اور اگر دوسری رکعت کا اکثر حصہ نہیں ملا یعنی رکوع کے بعد شریک ہوا تو وہ نماز ظہر پوری کرے گا۔ یہی قول امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔ فتویٰ شیخینؒ کے قول پر ہے۔

وإذَا خَرَجَ الإمَامُ يَوْمَ الجُمُعَةِ تَرَكَ النّاسُ الصلوٰةَ والكلامَ حتىٰ يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَةِ وقالا لا باس بَانْ يَّتكلَّم مَالَمْ يَبْدأ بالخُطبَةِ وَإذَا اذَّنَ المُؤَذِّنُوْنَ يومَ الجُمعَةِ الاَذَانَ الاوَّلَ ترك النّاسُ البيعَ والشِّراءَ وَتوجَّهُوْا الىٰ الجُمُعَةِ فَإذَا صَعِدَ الإمَامُ الْمِنبرَ جَلَسَ واَذَّنَ المُؤَذِّنُوْنَ بين يَدَیَ الْمِنبرِ ثُمَّ يَخْطُبُ الإمَامُ وَإذَا فَرَغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ اَقَامُو الصَّلوٰةَ.

ترجمہ:۔ اور جب امام جمعہ کے روز نکلے تو لوگ نماز اور گفتگو کو چھوڑ دیں یہاں تک امام اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے اور صاحبینؒ نے کہا کہ گفتگو کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے تاوقتیکہ خطبہ شروع نہ کر دے۔ اور جب مؤذن جمعہ کے روز اذان اول دیں تو لوگ خرید و فروخت چھوڑ دیں اور جمعہ کی طرف چل پڑیں۔ پس جب امام منبر پر چڑھ کر بیٹھ جائے تو مؤذن منبر کے سامنے اذان دیں اس کے بعد امام خطبہ پڑھے۔ اور جب امام خطبہ سے فارغ ہو جائے تو لوگ نماز قائم کریں۔

تشریح:۔ یہاں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔ مسئلہ (۱) صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جب امام اپنے کمرہ سے خطبۂ جمعہ کے لئے نکل کر منبر کی طرف چل پڑے تو امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک نہ نماز پڑھی جائے اور نہ کوئی گفتگو، البتہ نماز قضا پڑھنے کی اجازت ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک خطبہ شروع ہونے سے پہلے اور خطبہ کے بعد تکبیر سے پہلے گفتگو وغیرہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے البتہ نماز وغیرہ پڑھنے کی اجازت نہیں ہے امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ کے وقت بھی تحیۃ المسجد اور سلام کا جواب دینا جائز ہے مگر امام نووی امام مالکؒ بلکہ جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک وقت مذکور میں نہ کلام کی گنجائش ہے نہ نماز کی۔ (۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب مؤذن اذان اول دے تو لوگ خرید و فروخت بند کر کے جمعہ کی طرف متوجہ ہوں۔ کس اذان کے بعد بیع حرام اور سعی واجب ہوتی ہے اس میں اختلاف ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حرمت بیع و سعی الی الجمعۃ کے واجب ہونے میں وہ اذان معتبر ہے جو منبر کے سامنے دی جاتی ہے امام شافعیؒ، احمدؒ اور اکثر فقہاء اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ مگر صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ وہ اذان معتبر ہے جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے ایجاد ہوئی، اس اذان کو اذان اول کہا گیا ہے۔ حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ حرمت بیع و سعی الی الجمعۃ میں اذان اول معتبر ہے۔ کیونکہ اذان ثانی پر خرید و فروخت بند کر کے سعی الی الجمعہ کرنے کی صورت میں سنت جمعہ اور خطبہ کے چھوٹ جانے کا امکان ہے اور اگر گھر جامع مسجد سے دور تو جمعہ بھی فوت ہو جائیگا اس لئے اذان اول معتبر ہے بشرطیکہ زوال کے بعد دی جائے اور آیت قرآنی میں ندا کا مقصد اعلان ہے وہ اس سے حاصل ہے۔

بابُ صلوٰۃ العیدین

(عیدین کی نماز کا بیان)

اس باب کو باب صلوٰۃ الجمعۃ سے مناسبت اس طور پر ہے دونوں نمازیں شہر میں، دن میں، جہری قراءت کیساتھ اور ایک بڑی جماعت اور جم غفیر میں ادا کی جاتی ہیں، بجز خطبہ کے دونوں کی شرائط میں یکسانیت ہے، کیونکہ خطبہ، جمعہ کیلئے شرط ہے اور عیدین کے لئے شرط نہیں ہے۔ نیز باب الجمعہ کو اس باب پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ فرض عین ہے اور عیدین واجب ہے۔ اور فرض، واجب کی بنسبت اقویٰ ہے اور اقویٰ کو اضعف پر تقدم حاصل ہے اسلئے جمعہ کو عیدین پر مقدم کیا گیا۔

العید:۔ اس کی اصل عِوْدٌ ہے جو عاد یعود عوداً سے مشتق ہے۔ واؤ کو ما قبل کے کسرہ کی وجہ سے یاء سے تبدیل کر دیا گیا۔ واحد میں یاء ہے اس وجہ سے اس کی جمعہ میں بھی یاء لائی گئی یعنی اعواد سے اعیاد۔ معنیٰ ہے لوٹنا، بار بار آنا۔ عید کو عید اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ ہر سال ماہ شوال کی پہلی تاریخ اور ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو ہر مسلمان امیر وغریب کے لئے بیحد انعامات خداوندی کے ساتھ ساتھ پیغام مسرت وشادمانی لے کر آتی ہے۔ صاحب شرح نقایہ کہتے ہیں کہ عیدالفطر کی نماز سب سے پہلے ۱ھ میں ادا کی گئی۔ لیکن صاحب اوجز المسالک کی تحقیق کے مطابق ۲ھ ہے اور اسی سال عید الاضحیٰ بھی مشروع ہوا۔ محدثین نے اس میں جمع وتطبیق کی کوشش کی ہے۔ عیدین کی مشروعیت میں حضرت انس کی یہ روایت اصل ہے۔ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ کے لئے دو دن (یوم النیر وز والمہر جان) کھیل کود کے تھے جب آپ تشریف لائے تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان دونوں کے بدلے ان سے بہتر دو دن عطا فرمایا ہے۔ ایک عید الفطر دوسرے عید الاضحیٰ (ابوداؤد ونسائی)

يَسْتَحبُّ يومَ الفِطرِ ان يطعمَ لانسانُ شيئاً قَبْلَ الْخُرُوجِ اِلَى الْمُصَلّٰى ويَغْتَسِلُ ويَتَطَيَّبُ ويَلْبَسُ اَحْسَنَ ثِيَابِہٖ ويَتَوَجَّهَ اِلَى الْمُصَلّٰى ولا يُكَبِّرُ فِي طَرِيْقِ المصلّى عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ وَيُكَبِّرُ عِنْدَهُمَا وَلَا يَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلّٰى قَبْلَ صلوٰةِ الْعِيْدِ فَاِذا حَلَّتِ الصَّلوٰةُ بارْتفاعِ الشَّمْسِ دَخَلَ وقتُها الى الزَّوالِ فَاِذا زَالَتِ الشَّمْسُ خَرَجَ وقتُها ويُصلِّي الاِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ يُكَبِّرُ فِي الْاُوْلىٰ تَكْبِيْرَةَ الْاِحرامِ وَ ثَلٰثاً بَعْدَ هَا ثُمَّ يَقْرأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً مَعَهَا ثُمَّ يكَبِّرُ تَكْبِيْرَةً يَرْكَعُ بِهَا ثُمَّ يَبْتَدِأُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِالْقِرَاةِ فَاِذا فَرَغَ مِنَ الْقِراءةِ كَبَّرَ ثَلٰثَ تَكْبِيْراتٍ وَ كَبَّرَ تَكْبِيْرَةً رَابِعَةً يَرْكَعُ بِهَا وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي تَكْبِيْراتِ الْعِيْدَيْنِ.

ترجمہ:۔ عید کے دن مستحب یہ ہے کہ انسان عید کے لئے نکلنے سے قبل کوئی چیز کھالے۔ اور غسل کرے۔ خوشبو لگائے۔ اور اپنے کپڑوں میں سے عمدہ کپڑا پہنے اور عید گاہ کا رخ کرے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عید گاہ کے راستہ میں تکبیر نہ کہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک تکبیر کہے۔ اور عید گاہ میں عید کی نماز سے پہلے نفل نماز نہ پڑھے۔ پس جب آفتاب کے بلند

ہونے سے نماز جائز ہوگئی تو نماز عید کا وقت شروع ہو گیا زوال آفتاب تک۔ پس جب سورج ڈھل گیا تو عید کی نماز کا وقت نکل گیا۔ اور امام لوگوں کو نماز پڑھائے۔ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد تین تکبیر کہے۔ پھر سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کسی اور سورۃ کو ملا کر تلاوت کرے۔ پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔ پھر دوسری رکعت میں قرأت شروع کرے۔ قراءت سے فارغ ہو کر تین تکبیر کہے اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کرے اور عیدین کی تکبیرات میں دونوں ہاتھ اٹھائے۔

خلاصہ۔ مستحبات یوم الفطر بارہ ہیں صاحب کتاب نے چار کا تذکرہ کیا ہے۔ (۱) عید گاہ جانے سے قبل کوئی چیز کھانا۔ (۲) غسل کرنا۔ (۳) خوشبو لگانا۔ (۴) اپنے کپڑوں میں سے عمدہ کپڑا پہننا۔ اور باقی یہ ہیں۔ (۵) مسواک کرنا۔ (۶) (نماز کے لئے نکلنے سے پہلے) صدقۂ فطر ادا کرنا۔ (۷) عمامہ باندھنا۔ (۸) صبح سویرے اٹھنا۔ (۹) عید گاہ میں سویرے جانا۔ (۱۰) محلّہ کی مسجد میں نماز فجر پڑھنا۔ (۱۱) عید گاہ پا پیادہ جانا۔ (۱۲) ایک راستہ سے جانا دوسرے راستہ سے آنا۔ راستہ میں تکبیرات کہنے کے متعلق احناف میں اختلاف ہے اور دو قول منقول ہے، قول اول تو صاحب کتاب نے ذکر کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک تکبیر آہستہ کہے اور صاحبینؒ کے نزدیک بآواز بلند کہے۔ فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔ عید الاضحیٰ کی تکبیر جہری پر اتفاق ہے۔ نماز عید سے پہلے نفل نماز نہ پڑھی جائے، نہ گھر پر نہ عید گاہ میں (اور نماز کے بعد عید گاہ میں نفل نہ پڑھے) کیونکہ آپؐ سے ممانعت منقول ہے اور جب سورج طلوع ہو کر ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہو جاتا ہے تو نماز عید کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور اس کا وقت آفتاب کے ڈھلنے تک رہتا ہے (صاحب کتاب عید کی نماز کی کیفیت احناف کے مذہب کے مطابق بیان فرما رہے ہیں کہ احناف کے یہاں تکبیرات زوائد چھ ہیں) امام لوگوں کو دو رکعت نماز اس طرح پڑھائے کہ پہلے تکبیر تحریمہ کہے پھر ثناء پڑھکر تین تکبیر زائد کہے، پھر قراءت فاتحہ اور ضم سورت کرے پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے پھر سجدہ کرے اس طرح رکعت اولیٰ پوری ہو گئی، پھر دوسری رکعت میں پہلے قراءت فاتحہ او رضم سورت کرے پھر تین تکبیر زائد کہے اور رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع کرے اور ان تکبیرات زائدہ میں دونوں ہاتھ کان تک لیجا کر چھوڑ دے۔ (تکبیرات زائدہ امام مالکؒ و احمدؒ کے نزدیک دس ہیں چھ پہلی رکعت میں اور چار دوسری رکعت میں، اور امام شافعیؒ کے نزدیک بارہ ہیں سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں)۔

ثُمَّ یَخْطُبُ بعدَ الصلوٰۃِ خطبتین یُعَلِّمُ الناسَ فِیهِمَا صَدَقَةَ الفِطْرِ واحکامَهَا وَمَنْ فَاتَتْهُ صلوٰۃ العید مَعَ الامامِ لَمْ یَقْضِهَا فان غُمَّ الهلالُ عنِ النّاسِ وشَهِدُوا عِنْدَ الامامِ بِروِیة الهلال بعدَ الزّوال صَلّیَ العِیْدَ مِنَ الغَدِ فَاِنْ حدثَ عذرٌ مَنعَ الناسَ من الصلوٰۃِ فِی الیوم الثّانِی لَمْ یُصَلِّهَا بَعْدَهٗ وَ یَسْتَحِبُّ فِیْ یَوْمِ الْاَضْحیٰ ان یغتسلَ ویتطیَّبَ ویؤ خِّرَ الاَکْلَ حتی یفرغَ مِنَ الصَّلوٰۃِ ویتو جَّهُ اِلیٰ الْمُصَلّیٰ وهُوَ یُکَبِّرُ ویُصلّی الاضحیٰ رَکْعَتَیْنِ کصلوٰۃِ الفِطْرِ ویخطُبُ بَعْدَ هَا خطبتَیْنِ یُعَلِّمُ الناسَ فیها الاُضْحِیَّةَ وتکبیراتِ التَّشرِیقِ فَاِنْ حَدَثَ عُذْرٌ مَنعَ النَّاسَ مِنَ الصلوٰۃِ یوم الاضحیٰ صلاها من الغدِ وبعد الغدِ ولا یصلیها بعد ذالِکَ۔

ترجمہ:۔ پھرامام نماز کے بعد دو خطبہ دے جس میں لوگوں کو صدقۂ فطر اور اس کے احکام (خمسہ) کی تعلیم دے۔ اور امام کے ساتھ جس کی نماز عید فوت ہو جائے اس کی قضا نہ کرے۔ پس اگر چاند لوگوں کی نظر سے چھپ گیا اور لوگوں نے آفتاب ڈھلنے کے بعد امام کے سامنے چاند دیکھنے کی شہادت دی تو امام دوسرے روز نماز پڑھے۔ اور اگر ایسا عذر پیدا ہوا جو لوگوں کو دوسرے دن نماز عید سے روکے تو اسکے بعد نہ پڑھے۔ اور عید الاضحیٰ میں مستحب یہ ہے کہ غسل کرے اور خوشبو لگائے۔ اور کھانے کو مؤخر کرے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے، اور تکبیر کہتا ہوا عید گاہ کارخ کرے۔ اور امام عید الفطر کی طرح عید الاضحیٰ کی دو رکعت پڑھے اور نماز کے بعد دو خطبہ دے جس میں قربانی اور تکبیرات تشریق کی تعلیم دے۔ پس اگر کوئی ایسا عذر پیدا ہو جائے جو لوگوں کو عید الاضحیٰ کی نماز پڑھنے سے روک دے تو دوسرے روز یا تیسرے روز نماز پڑھے اور اسکے بعد نہ پڑھے۔

حل لغات:۔ غم علیه الامر ۔ پوشیدہ ہونا۔ الھلال ۔ چاند۔ الغد ۔ آئندہ کل۔ بعد الغد ۔ پرسوں یا تیسرے روز۔ یتطیب ۔ از تفعل خوشبو لگائے۔ المصلی ۔ عید گاہ۔ اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔ الاضحیة ۔ قربانی۔ یوم الاضحی ۔ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ۔ اسی کو یوم النحر بھی کہتے ہیں۔ اور نویں کو یوم عرفہ اور یوم الحج الاکبر کہتے ہیں۔ حدث باب (ن) سے پیش آنا۔

خلاصہ:۔ امام نماز سے فارغ ہونے کے بعد دو خطبہ دے اس میں صدقۃ الفطر اور اس کے احکام بتائے کہ صدقۂ فطر کس شخص پر، کس لئے، کب، کتنا اور کس چیز سے واجب ہے۔

(صاحب کتاب نے یہاں تین مسئلے بیان کئے ہیں)

مسئلہ (۱) اگر کسی کی عیدین کی نماز فوت ہو جائے تو طرفین کے نزدیک اس کی قضا نہیں ہے خواہ اس کے فاسد کرنے سے ہو، امام یوسفؒ کے نزدیک فاسد کرنے کی صورت میں قضا ہے۔ فتویٰ طرفینؒ کے قول پر ہے۔ (امام مالکؒ کے نزدیک قضا نہیں ہے امام شافعیؒ کے نزدیک قضا ہے)

مسئلہ (۲) اگر کسی عذر مثلاً بارش وغیرہ کی وجہ سے ۲۹ رمضان کو چاند نظر نہ آیا اور ۳۰ رمضان کو زوال کے بعد لوگوں نے امام کے سامنے چاند دیکھنے کی شہادت دی اور امام نے ان کی گواہی مان لی تو روزہ توڑ دیں اور امام اگلے روز لوگوں کو نماز پڑھائے۔ اور اگر دو شوال کو بھی کسی امر مانع کیوجہ سے نماز ادا نہیں کی گئی تو ۳ شوال کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

مسئلہ (۳) اگر ذی الحجہ کی دسویں تاریخ میں کسی امر مانع کی وجہ سے نماز ادا نہیں کی گئی تو گیارہویں تاریخ میں ادا کرے اور اگر اس تاریخ میں بھی عذر موجود ہے تو بارہویں تاریخ میں نماز عید ادا کرے لیکن اگر اس تاریخ میں بھی عذر موجود ہے تو اس کے تاخیر کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ عید الاضحیٰ کی نماز تین روز تک (۱۰، ۱۱، ۱۲ میں) آفتاب کے ڈھلنے تک پڑھ سکتے ہیں۔

وَتَكْبِيْرَاتُ التَّشْرِيْقِ اَوَّلُهٗ عَقِيْبَ صلوٰةِ الفَجْرِ من يوم عَرَفَةَ واٰخِرُهٗ عَقِيْبَ صلوٰة العصرِ من يوم النَّحْرِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ اِلٰى صَلوٰةِ العصرِ

من اٰخِرِ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ والتکبیرِ عَقِیْبَ الصَّلٰوۃِ الْمَفْرُوْضَاتِ اللہُ اکبرُ اللہ اکبرُ لا الہ الّاَاللہ واللہُ اکبر اللہ اکبر وللہِ الحمد.

ترجمہ:۔ اور تکبیرات تشریق کی ابتداء یوم عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کی نماز فجر کے بعد سے ہے اور اس کی انتہاء امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کی نماز عصر کے بعد ہے اور امام ابو یوسفؒ و محمدؒ نے فرمایا کہ ایام تشریق کے آخری دن کی نماز عصر تک ہے۔ اور تکبیر تشریق فرض نمازوں کے بعد ہے۔ **اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمدُ۔**

تشریح:۔ وتکبیرات التشریق الخ:۔ تکبیر تشریق کی ابتداء نویں ذی الحجہ کی نماز فجر کے بعد سے ہوتی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ اس کی انتہاء کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دسویں ذی الحجہ کی نماز عصر تک ہے گویا کل آٹھ نمازوں میں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک تیرہویں تاریخ کی نماز عصر تک ہے گویا کل تیئس نمازوں میں ہے اور فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے تکبیرات تشریق صاحبین کے نزدیک ہر فرض نماز کے بعد ہے حتی کہ مسافر، دیہاتی اور عورتوں پر بھی واجب ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان حضرات پر واجب نہیں ہے۔ فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

باب صلوٰۃ الکسوف

(کسوف کی نماز کا بیان)

صلوٰۃ الکسوف اور صلوٰۃ العیدین میں مناسبت اس طور پر ہے کہ دونوں نمازیں دن میں بلا اذان واقامت کے ادا کی جاتی ہیں البتہ دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ عید خوشی وشادمانی کا موقعہ ہے اور یہ غم کا موقعہ ہے اسی طرح عیدین میں جماعت کی شرط اور قراءت جہری واجب ہے مگر کسوف میں ایسا نہیں ہے اسی طرح عیدین میں خطبہ ہے اور کسوف میں خطبہ نہیں ہے اور آپؐ نے جو خطبہ دیا وہ اس وجہ سے کہ عہد نبویؐ میں جس دن کسوف (سورج گرہن) ہوا اس دن حضرت ابراہیم صاحبزادہ حضورؐ کا انتقال ہوا جن کی عمر ۱۸/ ماہ کی تھی لوگوں کو خیال ہوا کہ یہ کسوف شمس آپؐ کے لخت جگر کی موت کے باعث ہوا تا کہ اس خیال کی تردید ہو جائے۔ تو آپؐ کا خطبہ اس غلط خیال کی تردید کے لئے تھا۔ البتہ امام شافعیؒ اسی واقعہ کی وجہ سے اس کے قائل ہیں۔ بہر حال نماز کسوف کی مشروعیت پر امت کا اتفاق ہے۔ ذیل کی سطور میں علم ہیئت کی روشنی میں مختصر طور پر کسوف وخسوف کی حقیقت کو قلم بند کر رہا ہوں جو فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

جب چاند، زمین اور سورج کے درمیان حائل ہو کر سورج کی روشنی کو نظروں سے غائب کر لیتا ہے تو آفتاب گرہن ہوتا ہے اور جب زمین چاند اور سورج کے درمیان حائل ہوتی ہے تو چاند گرہن ہوتا ہے۔ یہ دونوں ہر ماہ نہیں ہوتے۔ اگر مدار ارضی یعنی منطقۃ البروج ایک ہی سطح میں ہوتے تو ہر اجتماع کے وقت کسوف اور ہر استقبال کے وقت خسوف ہوتا لیکن

دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ۲/۱-۵ درجہ کا زاویہ بناتے ہیں۔ عموماً اجتماع واستقبال کے وقت آفتاب و ماہتاب اور زمین ایک خط مستقیم پر واقع نہیں ہوتے البتہ عقد تین میں اجتماع یا استقبال ہو، تو تینوں ایک خط پر واقع ہو جاتے ہیں لہٰذا عقد تین ہی میں کسوف یا خسوف کا وقوع ممکن ہے۔

چاند گرہن کی طرح سورج گرہن بھی کلی وجزوی ہوتا ہے۔ ابتداء اخفاء سے لے کر تمام انجلاء تک میعاد آفتاب گرہن ۴ گھنٹہ سے کسی قدر زیادہ ہوسکتی ہے۔ چاند گرہن کامل، دو گھنٹے تک کامل رہ سکتا ہے۔ ابتداء اخفاء سے تمام انجلاء تک اس کی میعاد تقریباً ۴ گھنٹہ ہوسکتی ہے (فلکیات جدیدہ کا مطالعہ کریں)

اِذا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الاِمَامُ بالناسِ رَكْعَتَيْنِ كَهَيْئَةِ النَّافِلَةِ فِي كُلِّ ركعةٍ ركوعٌ واحدٌ ويطول القراءةَ فيهما ويخفي عند ابي حنيفةَ وقال ابويوسفَ ومحمدٌ يَجْهَرُ ثم يدعو بعدها حتى تَنْجَلِيَ الشَّمْسُ ويُصَلِّي بِالنَّاسِ امامُ الَّذِي يُصَلِّي بِهِمُ الجُمُعَةَ فَاِنْ لَمْ يحضرِ الامامُ صلاها النَّاسُ فُرادىٰ وَلَيْسَ فى خسوف القمر جماعةٌ وَاِنَّمَا يُصَلِّي كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهِ وَلَيْسَ فِي الكُسُوْفِ خُطْبَةٌ.

ترجمہ:۔ جب سورج گرہن ہو تو امام لوگوں کو نفل کی طرح دو رکعت نماز پڑھائے ہر رکعت میں ایک رکوع ہے اور دونوں رکعتوں میں قراءت لمبی کرے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اخفاء کرے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جہر کرے اور نماز کے بعد دعا کرے یہاں تک آفتاب روشن ہو جائے۔ اور وہ امام نماز پڑھائے جو ان کو نماز جمعہ پڑھاتا ہے اور اگر امام موجود نہ ہو تو لوگ تنہا نماز پڑھیں۔ اور چاند گرہن میں جماعت نہیں ہے بلکہ ہر شخص اپنی اپنی پڑھے اور سورج گرہن میں خطبہ نہیں ہے۔

حل لغات:۔ انکسفت۔ از انفعال۔ سورج گرہن لگنا۔ تنجلی۔ از انفعال۔ روشن ہونا۔ فرادیٰ۔ تنہا۔

تشریح۔ اذا انکسفت الشمس الخ :۔ حنفیہ کے نزدیک دو رکعت کی جماعت میں ہر رکعت ایک رکوع کے ساتھ ہے۔ امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک ہر رکعت میں دو رکوع ہے ان کا استدلال حضرت عائشہ کی روایت ہے جس میں حضورؐ کا عمل نقل کیا گیا ہے کہ آپؐ نے دو رکعتوں میں چار رکوع کئے۔ احناف کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث قولی ہے جس میں ایک رکوع اور ایک سجدہ کی صراحت ہے۔ آپؐ سے مختلف روایات منقول ہیں، کسی روایت میں ایک، کسی میں دو، کسی میں تین، کسی میں چار، کسی میں پانچ، بلکہ بعض روایات میں دس رکوع منقول ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک سے زائد کی روایتیں آپؐ کے فعل کی حکایت ہیں اور اس مین مشاہدہ کی غلطی کا امکان ہے۔ اس لئے اصول کے مطابق کہ جہاں حدیث قولی و فعلی کا ٹکراؤ ہو تو قولی کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اس اعتبار سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث راجح ہو گی۔

ویخفی عند ابی حنیفة الخ :۔ امام مالکؒ و شافعیؒ بھی امام ابو حنیفہؒ کی طرح دونوں رکعتوں میں سری قراءت کے قائل ہیں اور امام احمد اور صاحبینؒ جہری قراءت کے حق میں ہیں۔ ان حضرات نے حضرت عائشہ کی روایت سے استدلال

کیاہے جس میں قراءت کا تذکرہ ہے اور امام صاحب کا مستدل حضرت ابن عباس کی روایت ہے جس میں تذکرہ ہے کہ میں نے قراءت کا ایک حرف نہیں سنا۔ ابن عباس کی روایت کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ مرد جماعت کے اندر امام کے قریب ہوتا ہے اس لئے ان پر امام کا حال بہ نسبت عورتوں کے زیادہ واضح ہوتا ہے۔

ولیس فی الکسوف خطبة:۔ احناف اور امام مالکؒ خطبہ کے قائل نہیں ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک اس نماز کسوف کے بعد خطبہ ہے اس سلسلہ میں اوپر کی سطور میں گفتگو کی گئی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

باب صلوٰۃ الاستسقاء

(نماز استسقاء کا بیان)

اس باب کو گذشتہ باب سے مناسبت اس طور پر ہے کہ دونوں نمازیں ایک عظیم اجتماع میں اور حزن وملال کی وجہ سے ادا کیجاتی ہیں اس باب کو صلوٰۃ کسوف سے صرف اس بنیاد پر مؤخر کیا کہ اس کی سنیت اور عدم سنیت میں علماء کے درمیان اختلاف ہے استسقاء کے لغوی معنی پانی طلب کرنا ہے۔ اصطلاح شرع میں خشک سالی یا بارش نہ ہونے کے موقع پر ایک خاص انداز کے ساتھ دعاء مانگنے یا نماز پڑھنے کو کہتے ہیں۔ امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ ۶ھ میں اس کی ابتداء ہوئی ہے۔ استسقاء شدت ضرورت کے وقت ایسے مقام پر ہوا کرتا ہے جہاں خود اور اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے لئے جھیل، دریا، چشمہ وغیرہ نہ ہوں یا اگر ہوں تو بقدر ضرورت نہ ہوں۔ جب صلوٰۃ استسقاء کا ارادہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ امام قوم کو تین روز تک روزہ رکھنے اور توبہ کرنے کا حکم کرے اور چوتھے روز ان کو لے کر عید گاہ کی طرف نکلے۔ اس کا ثبوت کتاب اللہ " فقلت استغفروا ربکم " سنت رسول اللہ اور اجماع سے ہے کہ آپؐ کے بعد خلفاء اور امت نے بلا نکیر ایسا کیا ہے۔

قَالَ ابوحنِیفَةَ لَیسَ فِی الاستسقاء صَلوٰةٌ مَسنُونَةٌ بِالجَمَاعَةِ فَاِنْ صَلیَّ النَّاسُ وُحداناً جَازَ وَاِنَّمَا الاِستِسقَاء الدُعَاءُ والاِستِغفَارُ وقال ابویوسفَ ومحمدٌ رَحِمَهُما اللهُ یُصَلّی الاِمامُ رکعتین یَجهَرُ فِیهِمَا بالقِرَاءَةِ ثُمّ یَخطُبُ وَیَستَقبلُ القِبلَةَ بالدُعَاءِ وَیُقَلِّبُ الامامُ رِداءَهُ ولا یُقَلِّبُ القَومُ اَردِیَتَهُم وَلَا یَحضُرُ اهلُ الذمة لِلاِستِسقَاء.

ترجمہ:۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ استسقاء میں نماز جماعت کے ساتھ مسنون نہیں ہے، اگر لوگ تنہاء نماز پڑھیں تو جائز ہے۔ اور استسقاء تو صرف دعاء اور استغفار ہے۔ اور امام ابویوسفؒ ومحمدؒ نے فرمایا کہ امام دو رکعت نماز پڑھائے گا جن میں قراءت کے ساتھ جہر کرے، پھر خطبہ دے اور دعاء کے ساتھ قبلہ رخ ہو، اور امام اپنی چادر کو پلٹ دے اور لوگ اپنی چادریں نہ پلٹیں۔ اور استسقاء میں ذمی لوگ حاضر نہ ہوں۔

تشریح:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استسقاء تو صرف دعاء واستغفار ہے اگر لوگ تنے تنہا نماز پڑھیں تو جائز ہے

لیکن جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مسنون نہیں ہے۔ اور آپؐ کے استسقاء میں کبھی نماز پڑھنے اور کبھی ترک کرنے سے مسنون ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ جواز کا ثبوت ہوتا ہے اور سنت وہ ہے جس پر آپؐ نے مواظبت فرمائی ہو۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک امام دو رکعت نماز پڑھائے۔ امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ اسی کے قائل ہیں ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسفؒ امام صاحب کے ساتھ ہیں۔

ثم یخطب الخ :۔ امام صاحب جماعت کے قائل نہیں ہیں تو خطبہ کا کیا سوال۔ البتہ صاحبین اس کے قائل ہیں امام یوسف ایک خطبہ کے اور امام محمد دو خطبہ کے قائل ہیں جن میں دعاء واستغفار کا زیادہ اہتمام ہونا چاہئے۔

ویقلب الامام :۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک استسقاء ایک دعاء ہے اس لئے اس میں قلب رداء نہیں ہے اور امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ، امام مالکؒ، شافعیؒ اور واحمدؒ کے نزدیک امام قلب رداء کرے گا آپؐ سے اس کا ثبوت ملتا ہے فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر چادر چکور ہے تو اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کردے۔ اور اگر گول ہے تو دایاں حصہ بائیں کاندھے پر اور بایاں حصہ دائیں کاندھے پر کرے بایں طور کہ دونوں ہاتھ پشت کی جانب لے جائے اور دائیں ہاتھ سے بائیں پلہ کا نچلا کنارہ اور بائیں ہاتھ سے دائیں پلہ کا نچلا گوشہ پکڑے اور گھمادے اس طرح چادر کی ہیئت پلٹ جاتی ہے۔

ولا یحضر اھل الذمة:۔ چونکہ استسقاء باران رحمت کے نزول کی دعاء کے لئے ہے اور ذمی اور کافر پر خدا کی لعنت کی بارش ہوتی ہے اس لئے ذمی لوگوں کو اس میں شریک ہونے کا حکم نہ کریں ہاں اگر از خود شریک ہوں تو ان کو منع نہ کیا جائے جیسا کہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور احمدؒ فرماتے ہیں۔

باب قیام شھر رمضان

(رمضان المبارک میں تراویح پڑھنے کا بیان)

قیام شہر رمضان سے تراویح مراد ہے۔ تراویح کی نماز کو نوافل سے بہت سی چیزوں میں امتیاز ہے اس لئے اس کے لئے مستقل باب قائم کیا۔ تراویح کے اندر جماعت کا ہونا، تعداد رکعات کا متعین ہونا۔ مخصوص ایام یعنی رمضان میں ہونا۔ ایک بار قرآن کریم کا ختم ہونا مزید یہ کہ یہ رات کے ساتھ مخصوص ہونا ہے نوافل ان تمام خصوصیات سے خالی ہے۔ تراویح کو رات کے ساتھ مخصوص ہونے کے وجہ سے استسقاء کے بعد لائے کہ اس کا تعلق نوافل نماز سے ہے۔ حضورؐ کا تراویح پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ آپؐ نے صرف امت پر فرض ہو جانے کے اندیشہ سے مداومت نہیں فرمائی۔ رافضی تراویح کے منکر ہیں۔

یُسْتَحَبُّ ان یَّجْتَمِعَ النَّاسُ فِی شَھْرِ رَمَضَانَ بَعْدَ الْعِشَاءِ فَیُصَلِّی بِھِمْ اِمَامُھُمْ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ فِیْ کُلِّ تَرْوِیْحَةٍ تَسْلِیْمَتَانِ وَیَجْلِسُ بَیْنَ کُلِّ تَرْوِیْحَتَیْنِ مِقْدَارَ تَرْوِیْحَةٍ ثُمَّ یُوْتِرُ بِھِمْ وَلَا یُصَلِّی الْوِتْرُ بِجَمَاعَةٍ فِیْ غَیْرِ شَھْرِ رَمَضَانَ.

ترجمه:۔ مستحب یہ ہے کہ لوگ ماہ رمضان میں بعد نماز عشاء اکٹھا ہوں پس امام ان کو پانچ ترویحہ پڑھائے ہر ترویحہ میں دو سلام ہوں اور ہر دو ترویحہ کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار بیٹھے۔ اس کے بعد امام ان کو نماز وتر پڑھائے اور نماز وتر ماہ رمضان کے علاوہ میں جماعت کے ساتھ نہ پڑھی جائے۔

خلاصہ:۔ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان میں عشاء کی نماز کے بعد تراویح کی غرض سے لوگوں کا اجتماع مستحب ہے۔ امام تراویح پانچ ترویحہ کے ساتھ پڑھائے گا اور ہر ترویحہ دو سلام پر مشتمل ہوگا اور ہر دو ترویحہ کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار بغرض آرام بیٹھے گا۔ اس کے بعد وتر کی نماز پڑھائے۔ اس ماہ کے علاوہ کسی اور ماہ میں وتر جماعت سے نہ پڑھی جائے، (لیکن اگر پڑھ لی گئی تو جائز ہے کراہت سے خالی نہیں ہے)

تشریح:۔ یستحب:۔ ماہ رمضان میں بیس رکعات تراویح سنت مؤکدہ ہے اور جماعت کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے اکثر مشائخ اور علماء کا یہی خیال ہے۔ لفظ یستحب کا مطلب بھی یہی ہے۔

خمس ترویحات:۔ روایات سے بیس رکعات سے زیادہ کی تعداد کا ثبوت ملتا ہے لیکن جمہور علماء، امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور ایک قول کے اعتبار سے امام مالکؒ بھی بیس رکعات کے قائل ہیں۔

باب صلوٰۃ الخوف

(خوف کی نماز کا بیان)

اس باب کو گزشتہ باب سے مناسبت بحیثیت تضاد ہے کیونکہ قیام رمضان سرور کی کیفیت لئے ہوئے ہے اور خوف میں حزن وملال کی کیفیت ہے اور سرور و حزن دونوں میں تضاد ہے۔ صلوٰۃ الخوف اس نماز کو کہتے ہیں جو کفار کے خوف اور دشمن کے مقابل ہونے کے وقت پڑھی جاتی ہے، یہ نماز کتاب وسنت سے ثابت ہے اس کی مشروعیت غزوۂ خندق کے بعد ہوئی ہے۔ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ نماز نہ تو عہد رسالت تک مخصوص تھی اور نہ صرف سفر کے لئے بلکہ یہ نماز اب بھی باقی وثابت ہے اور حضر وسفر دونوں کے لئے ہے احناف کا یہی مسلک ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک صرف سفر کے لئے مخصوص ہے۔ حسن بن زیاد اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف عہد رسالت کے لئے مخصوص تھی کیونکہ آپ کی موجودگی میں کوئی دوسرا امام نہیں بن سکتا تھا اور اب ممکن ہے کہ یکے بعد دیگرے دو امام نماز پڑھائیں مگر اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی، اور بعد میں امام ابو یوسفؒ نے جمہور علماء کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا گویا یہ بھی عمومیت کے قائل ہیں۔ اس کی دائیگی کے جتنے بھی طریقے احادیث میں منقول ہیں علماء کے نزدیک سب ہی معتبر ہیں البتہ اختلاف صرف ترجیح کے بارے میں ہے۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اس طریقہ کو ترجیح دیا جو حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے منقول ہے احادیث کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے صلوٰۃ الخوف تقریباً چوبیس مرتبہ ادا کی ہے۔ فتح طبرستان کے موقعہ پر حضرت حذیفہ نے امیر لشکر سعید بن العاص کی اجازت سے صلوٰۃ الخوف ایک ایک رکعت کر کے ادا کی (ابو داؤد) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ صفین کے موقع پر صلوٰۃ الخوف ادا کی یہ مغرب کی نماز تھی۔ (بیہقی)

اِذا اشْتَدَّ الخَوْفُ جعَلَ الاِمَامُ الناسَ طائفتَيْنِ طائفةً اِلیٰ وَجْهِ العَدُوِّ وطَائِفَةً خَلْفَهُ فَيُصَلی بِهٰذِهِ الطَّائِفَةِ رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ فَاِذا رَفَعَ رَاسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثانِيَةِ مَضَتْ هٰذِهِ الطَّائِفَةُاِلیٰ وَجْهِ العَدُوِّ وَجاءَتْ تِلْكَ الطَّائِفَةُ فَيُصَلّي بِهم الاِمَامُ ركعةً وَسَجْدَتَيْنِ وَتَشهَّدَ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُسَلِّمُوْا وذَهَبُوْااِلیٰ وَجْهِ العَدُوِّ وَجاءَتِ الطَّائِفَةُ الاُوْلیٰ فَصَلُّوا وُحْداناً ركعةً وَسَجْدَتَيْنِ بغَيْرِ قِراءَةٍ وَتَشهَّدُوْا وَسَلَّمُوْا وَمَضَوْ اِلیٰ وَجْهِ العَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الاُخریٰ وصَلُّوا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ بِقِراءَةٍ تَشهَّدُوا وَسَلَّمُوا

ترجمہ:۔ جب خوف بڑھ جائے تو امام لوگوں کو دو گروہ میں کردے، ایک گروہ دشمن کے مقابل کردے اور ایک گروہ اپنے پیچھے کردے، پس اس گروہ کو ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ پڑھائے، پھر امام جب دوسرے سجدہ سے سر اٹھائے تو یہ گروہ دشمن کے مقابلہ پر چلا جائے اور وہ (دوسرا) گروہ آئے پس امام ان کو ایک رکعت دو سجدہ کے ساتھ پڑھائے اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے اور یہ لوگ سلام نہ پھیریں بلکہ دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں، اور پہلا گروہ آئے پس یہ لوگ تنہا تنہا ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ بلا قراءت پڑھیں (کیونکہ یہ لوگ لاحق ہیں) اور تشہد پڑھ کر سلام پھیریں اور دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں اور (اس کے بعد) دوسرا گروہ آئے اور ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ مع قراءت پڑھے (کیونکہ یہ لوگ مسبوق ہیں) اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔

حل لغات:۔ اشتد۔ از افتعال۔ قوی ہونا۔ اشتد الخوف۔ خوف کا بڑھنا۔ وجه العدو۔ دشمن کے مقابل۔ دشمن کے روبرو۔ طائفة۔ گروہ۔ جماعت۔ وُحداناً۔ تنہا۔ اکیلے۔

تشریح:۔ اذا اشتد الخوف:۔ ظاہری عبارت اس بات پر غماز ہے کہ صلوٰۃ خوف کے جواز کے لئے اشتداد خوف شرط ہے جبکہ عام علماء کے نزدیک ایسا نہیں ہے بلکہ دشمن کا سامنے موجود ہونا کافی ہے۔ اسی وجہ سے بعض حضرات نے خوف حقیقی مراد نہ لے کر صرف دشمن کا حاضر ہونا مراد لیا ہے۔ پس دشمن کی موجودگی خوف کے قائم مقام ہے۔ جیسے نفس سفر، مشقت کے قائم مقام ہو کر قصر صلوٰۃ اور رخصت افطار کا سبب ہے۔

فان كانَ مقيماً صَلّیٰ بِالطَّائِفَةِ الاُوْلیٰ ركعتين وبالثَّانِيَةِ ركعتينِ ويُصَلّي بالطَّائِفَةِ الاُوْلیٰ ركعتين مِنَ المغرب وبالثّانِيَةِ ركعةً ولا يُقاتِلُونَ فِي حالِ الصلوٰةِ فان فَعَلُوْا ذٰلِكَ بَطَلَتْ صَلوٰتُهُمْ وان اشتدَّ الخوفُ صَلُّوا رُكْباناًوُحْداناً يُوْمُوْنَ بِالرُّكُوعِ والسُّجُوْدِ اَیَّ جِهَةٍ شَاؤا اِذا لَمْ يَقْدِرُوا عَلَی التَّوَجُّهِ اِلیٰ الْقِبْلَةِ.

ترجمہ:۔ پس اگر امام مقیم ہو تو پہلی جماعت کو دو رکعت اور دوسری جماعت کو دو رکعت پڑھائے۔ اور پہلی جماعت کو مغرب کی دو رکعت اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے اور حالت نماز میں قتال نہ کریں پس اگر انہوں نے

ایسا کیا تو ان کی نماز باطل ہو گئی۔ اور اگر خوف زیادہ ہو جائے تو یہ لوگ سوار ہو کر الگ الگ رکوع و سجدہ سے اشارہ کریں جس سمت چاہیں نماز پڑھیں اگر قبلہ کی طرف رخ پر قدرت نہ ہو۔

حل لغات:۔ بطل۔ باطل ہونا۔ رکبانا۔ سوار ہو کر۔ یومون۔ یہ باب افعال سے ہے۔ اشارہ کرنا۔

خلاصہ:۔ اس عبارت میں صاحب کتاب نے دو مسئلے بیان کئے۔ مسئلہ (۱) اگر امام مقیم ہے تو ہر ایک جماعت کو دو دو رکعت پڑھائے۔ (کیونکہ آپ نے بحالت اقامت ظہر کی نماز اسی طرح پڑھائی ہے) اور نماز مغرب میں پہلی جماعت کو (اس کے مقدم ہونے کی وجہ سے) دو رکعت اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے (کیونکہ صلوٰۃ مغرب میں تنصیف ناممکن ہے) دوران نماز قتال کرنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔ مسئلہ (۲) اگر دشمن کا خوف اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ مسلمانوں کو سواری سے اتر کر نماز پڑھنے کا موقع نہیں مل رہا ہے تو ایسی صورت میں سواری پر بیٹھ کر رکوع و سجدہ سے اشارہ کر کے جس سمت پر قدرت ہو الگ الگ نماز پڑھنا جائز ہے لیکن اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو قضاء کریں۔

باب الجنائز

(جنازہ کا بیان)

اس باب کو ماقبل سے مناسبت اس طور پر ہے کہ پہلے ان نمازوں کا تذکرہ تھا جن کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے اور اب اس نماز کا تذکرہ کر رہے ہیں جو ان کے مرنے کے بعد زیر زمین دفن کرنے سے پہلے ضروری ہے یا اسطور پر ہے کہ بسا اوقات خوف موت کی دعوت کا سبب بن جاتا ہے اس لئے نماز جنازہ کو نماز خوف کے بعد لائے یا اس طور پر کہ انسان کو لاحق ہونے والے جملہ عوارض میں سے موت آخری عارض ہے اس لئے نماز جنازہ کو سب سے آخر میں لائے اور الصلوٰۃ فی الکعبۃ کو سب سے آخر میں اس لئے ذکر کیا تا کہ کتاب الصلوٰۃ کا اختتام متبرک ہو جائے۔

الجنائز:۔ یہ جنازہ کی جمع ہے جو جَنْزٌ سے بنا ہوا ہے لغوی معنی ہے جمع کرنا۔ ڈھانپنا۔ جیم بالفتح والکسر دونوں مستعمل ہے مگر بالکسر افصح ہے۔ اصطلاح میں جنازہ مردے کو کہتے ہیں جو تختہ تابوت پر ہوتا ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جنازہ بفتح الجیم میت کے لئے مستعمل ہے اور بکسر الجیم اس تخت کو کہتے ہیں جس پر میت کو رکھتے ہیں اور لے کر چلتے ہیں اور بعض نے اس کا برعکس کہا ہے یعنی بالفتح تخت میت اور بالکسر میت کو کہتے ہیں۔

اِذَا احْتُضِرَ الرَّجُلُ وُجِّهَ اِلَى الْقِبْلَةِ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ وَلُقِّنَ الشَّهَادَتَيْنِ وَاِذَا مَاتَ شَدُّوْا لِحْيَتَهٗ وَغَمَّضُوْا عَيْنَيْهِ.

ترجمہ:۔ جب آدمی قریب المرگ ہو جائے تو اس کو دائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے اور اس کو شہادتین کی تلقین کی جائے۔ اور جب انتقال ہو جائے تو اس کے جبڑے باندھ دیئے جائیں اور اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔

حل لغات:۔ اُحْتُضِرَ۔ باب افتعال سے ہے مصدر احتضار ہے۔ قریب المرگ ہونا۔ شق۔ جانب۔ شقة

الایمن ۔ داہنی جانب، داہنی کروٹ۔ لَقِّنَ۔ مصدر تلقین ہے۔ بالمشافه۔ روبرو سمجھانا۔ تلقین۔ شہادتین میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ اس کے سامنے کلمہ پڑھا جاتا ہے تاکہ وہ سمجھے اور پڑھ لے۔ شدوا۔ (ض،ن) شداً۔ باندھنا، کسنا۔ لحیة۔ جبڑا۔ غمضوا۔ مصدر تغمیض ہے۔ تغمیض العین۔ آنکھیں بند کرنا۔

تشریح:۔ جب انسان قریب المرگ ہوتا ہے تو اس کی کچھ علامتیں نظر آتی ہیں مثلاً دونوں قدم ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، ناک میں کجی آجاتی ہے، کنپٹیاں اندر کو دھنس جاتی ہیں، آنکھوں کی روشنی ختم ہو جاتی ہے، زبان لڑکھڑاتی ہے اور خصیہ کی کھال دراز ہو جاتی ہے۔ ایسی کیفیت کے وقت اس شخص کو دائیں پہلو پر قبلہ رخ لٹا دیا جائے اور شہادتین کی تلقین کی جائے اس کو حکم نہ کیا جائے کیونکہ یہ وقت انتہائی سختی کا ہے نعوذ باللہ اگر اس نے انکار کر دیا تو خاتمہ کفر پر ہوگا ارشاد نبوی ہے "لقّنوا موتاکم شهادة ان لا اله الا الله" یہاں موتی سے مراد قریب المرگ ہے یعنی اس حدیث میں قریب المرگ انسان کو شہادتین کی تلقین کا حکم ہے۔ اس کے بعد میت کے جبڑوں کو کپڑا وغیرہ سے باندھ دیا جائے اور دونوں آنکھیں بند کر دی جائیں۔ بڑوں سے یہی طریقہ چلا آرہا ہے۔

فَاِذَا اَرَادُوْا غَسْلَهٗ وَضَعُوْهُ عَلٰی سَرِیْرٍ وجعلُوا عَلٰی عَوْرَتِهٖ خِرْقَةً وَنَزَعُوا ثِیَابَهٗ ووضّئوه وَلَا یُمَضْمَضُ وَلَا یُسْتَنْشَقُ ثُمَّ یُفِیْضُوْنَ الماءَ عَلَیْهِ وَیُجَمَّرُ سَرِیْرُهٗ وِتْراً وَیُغْلَی الماءُ بِالسِّدْرِ اَوْ بِالحُرْضِ فَاِنْ لَمْ یَکُنْ فَالْمَاءُ الْقَرَاحُ وَیُغسلُ رَاسُهٗ وَلِحْیَتُهٗ بِالخِطْمِیِّ ثُمَّ یُضْجَعُ عَلٰی شِقِّهٖ الْاَیْسَرِ فَیُغسلُ بِالْمَاءِ وَالسِّدْرِ حَتّٰی یُرٰی اَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ اِلٰی مَایَلِیَ التخت مِنْهُ ثُمَّ یُجلِسُهٗ وَیُسنِدُ اِلَیْهِ وَیُمْسَحُ بَطْنُهٗ مَسْحاً رَقِیْقاً فَاِنْ خَرَجَ مِنْهُ شَیْئٌ غَسَلَهٗ وَلَا یُعِیْدُ غَسْلَهٗ ثُمَّ یُنَشِّفُهٗ فِیْ ثَوْبٍ وَیُدْرَجُ فِیْ اَکْفَافِهٖ وَیُجْعَلُ الحَنُوْطُ عَلٰی رَاسِهٖ وَلِحْیَتِهٖ وَالکَافُوْرُ عَلٰی مَسَاجِدِهٖ.

ترجمہ:۔ پھر جب میت کو غسل دینے کا ارادہ کریں تو اسے ایک تختہ پر رکھیں اور اس کی شرمگاہ پر کپڑا ڈالدیں اور میت کے کپڑے اتار دیں، اور اس کو بغیر کلی کرائے اور ناک میں پانی ڈالنے کے وضو کرائیں۔ پھر میت پر پانی بہائیں اور میت کو طاق عدد (خوشبو کی) دھونی دیجائے۔ اور بیر کے پتوں یا اشنان گھاس سے پانی کو گرم کیا جائے، پس اگر یہ نہ ہوں تو خالص پانی (کافی ہوگا) اور اس کا سر اور ڈاڑھی گل خیر سے دھویا جائے، پھر اس کی بائیں کروٹ پر لٹا کر پانی اور بیر کے پتوں سے غسل دیا جائے یہاں تک کہ دیکھ لیا جائے کہ پانی اس حصہ کو پہونچ گیا ہے جو حصہ تخت سے ملا ہوا ہے۔ پھر اس کو اس کے دائیں کروٹ پر لٹا کر پانی سے غسل دیا جائے یہاں تک کہ دیکھ لیا جائے کہ پانی اس حصہ کو پہونچ گیا ہے جو تخت سے ملا ہوا ہے پھر اس کو غسل دینے والا بٹھائے اور اپنی طرف اس کو سہارا دے، اور میت کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملے، اگر میت کے پیٹ سے کچھ نکلا تو اس کو دھو ڈالے اور اس کے غسل (اور وضو) کا اعادہ نہ کریں پھر میت کے بدن کو کسی کپڑے سے (پونچھ کر) خشک کر دیں (تاکہ اس کا کفن بھیگ نہ جائے) پھر میت کو اس کے کفن کے کپڑوں میں رکھ دیا جائے (یا داخل کر دیا جائے) اور میت

کے سر اور اسکی ڈاڑھی پر حنوط لگادیا جائے اور اس کے اعضاء سجدہ پر کافور مل دیا جائے۔

حل لغات:۔ سریر۔ تخت۔عورة۔ ستر۔ شرمگاہ۔خرقة۔ کپڑے کا ٹکڑا۔ نزعوا۔(ف) مصدر نزعاً سے ہے نکالنا۔یفیضون۔ باب افعال سے، مصدر افاضة ہے، گرانا۔ ڈالنا۔ بہانا۔یجمر۔ صیغۂ مجہول، مصدر تجمیر۔ دھونی دینا۔ وتراً۔ طاق عدد۔یُغلي۔ صیغۂ مجہول۔ (ض) سے، صیغۂ معروف میں ترجمہ ہوگا جوش مارنا اور صیغۂ مجہول میں ترجمہ ہوگا جوش دیا جانا یا گرم کرنا۔ السدر۔ بیر کا درخت۔ حُرُض۔ الراء بالضم والسکون اشنان۔ القُراح۔ خالص پانی۔ جمع اقرِحه۔ الخطمي۔ ایک قسم کی گھاس ہے۔ گل خیرو۔یضجع۔ صیغۂ مجہول۔ (ف) سے مصدر ضجعاً وضجوعاً۔ پہلو کے بل لٹانا۔رفیقاً۔ نرمی کے ساتھ۔ آہستہ آہستہ۔ ینشفه۔ مصدر تنشیف ہے خشک کرنا۔ سکھانا۔یُدرج۔ صیغۂ مجہول۔ باب افعال سے ہے مصدر ادراج ہے۔ داخل کرنا۔ اکفان۔ کفن کی جمع ہے۔ الحَنوط۔ ایک قسم کی خوشبو۔ مساجد۔ وہ اعضاء جن پر سجدہ کیا جاتا ہے۔ جیسے پیشانی اور گھٹنے وغیرہ۔

خلاصه:۔ صاحب کتاب میت کو غسل دینے اور اس کو کفن پہنانے کے طریقہ کو بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جب قریب المرگ شخص دنیا سے رخصت ہو جائے تو اس کو کسی تخت پر غسل دینے کے لئے لٹادیا جائے اور اس تخت کو کسی خوشبودار چیز مثلاً لوبان سے تین یا پانچ یا سات دفعہ دھونی دیدی جائے اور اس کو اس طرح لٹائیں کہ پیر قبلہ کی طرف ہو اور سر مشرق کی طرف۔ اور اگر کچھ مشکل ہو تو جس طرف چاہیں لٹائیں۔ چونکہ ستر عورت واجب ہے اس لئے شرمگاہ پر کپڑا ڈالدیا جائے اس کے بعد مکمل صفائی کے پیش نظر پورا کپڑا نکال دیا جائے (گو امام شافعی کا خیال ہے کہ کپڑوں میں غسل دیا جائے) اس کے بعد بغیر کلی کرائے اور ناک میں پانی ڈالے وضو کرایا جائے (ہاں اگر انتقال جنابت کی حالت میں ہوا تو کلی اور ناک میں پانی ڈال کر کپڑے سے پانی نکال لیں) پھر ایسا پانی جسم میت پر ڈالا جائے جس میں بیر کے پتے یا اشنان ڈال کر جوش دیا گیا ہو اگر یہ چیز میسر نہ ہو تو خالص پانی کافی ہے۔ (یہ طریقہ صاحب قدوری نے ذکر کیا ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے جسم پر سارا پانی ڈالا جائے تاکہ میل پھول جائے اس کے بعد بیر یا اشنان ڈال کر پانی استعمال کرائیں تاکہ میل صاف کر دیں اس کے بعد کافور ملا ہوا پانی استعمال کرائیں تاکہ جسم خوشبودار ہو جائے، بیر کا پتہ اور کافور دونوں کو مل کر اچھی صفائی پیدا کرتے ہیں، کیونکہ یہ دافع تعفن اور جراثیم کش ہیں سیدنا آدم علیہ السلام کے لئے یہی دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا تھا) اور اس کے سر اور ڈاڑھی کو خطمی سے دھویا جائے پھر میت کو بائیں کروٹ پر لٹائیں اور جوش دیئے ہوئے بیر کے پتے والے پانی سے میت کو نہلائیں اور پانی اسقدر ڈالا جائے کہ تخت سے ملے ہوئے جسم کے حصہ تک پانی پہونچ جائے پھر اسی طرح دائیں کروٹ پر لٹا کر پانی ڈالا جائے، اس سے فارغ ہونے کے بعد غسل دینے والا میت کو اپنے بدن کی ٹیک دے کر ذرا بٹھلانے کے قریب کر کے اس کے پیٹ کو (اوپر سے نیچے کی طرف) نرم ہاتھ سے ملے (اور دبائے) اگر کچھ فضلہ خارج ہو تو اس کو دھوے (وضو) اور غسل دہرانے کی ضرورت نہیں ہے اس کے بعد بدن کو کسی پاک صاف کپڑے سے خشک کر کے پونچھ دیا جائے (تاکہ کفن نہ بھیگے) پھر اس کو کفن پہنایا جائے، اس کے بعد سر اور ڈاڑھی میں حنوط لگایا جائے (جو چند خوشبودار چیزوں سے مرکب عطر کا نام ہے) اور اس کے اعضاء سجدہ یعنی پیشانی، ناک، ہتھیلیوں، گھٹنوں، اور پاؤں پر کافور ملا جائے جیسا کہ ابن مسعود کے اثر سے ثابت ہے۔

تشریح۔ **ولا یعید غسله**:۔ ایک مرتبہ غسل دینے کے بعد دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میت کو ایک مرتبہ غسل دینا ہم کو نص سے معلوم ہوا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک وضوء کا اور ابن سیرین کے نزدیک غسل کا اعادہ ضروری ہے۔ مرد کو اس کا قریبی رشتہ دار مرد غسل دے، اور عورت کو اس کی قریبی رشتہ اور عورت غسل دے اگر کسی نابالغ لڑکے کا انتقال ہو جائے اور وہ بھی اتنا چھوٹا ہو کہ اسے دیکھنے سے شہوت نہیں ہوتی تو مردوں کی طرح عورتیں بھی اس کو غسل دے سکتی ہیں، اور اگر نابالغ لڑکی کا انتقال ہو جائے اور وہ اتنی کم عمر ہو کہ اسے دیکھنے سے شہوت نہیں ہوتی تو ایسی لڑکی کو عورتوں کی طرح مرد بھی غسل دے سکتے ہیں البتہ نابالغ لڑکا اور لڑکی اتنے بڑے ہوں کہ انھیں دیکھنے سے شہوت ہوتی ہے تو لڑکے کو مرد اور لڑکی کو عورت ہی غسل دیں۔ اگر کسی کا خاوند مرگیا ہے تو بیوی کو اس کا چہرہ دیکھنا، نہلانا اور کفنانا درست ہے۔

وَالسُّنَّةُ ان يُكَفَّنَ الرَّجُلُ فِي ثَلٰثةِ اثوابٍ ازارٍ وقميصٍ ولفافةٍ فَاِنْ اقتصروا على ثَوْبَيْنِ جَازَ وَاِذَا اَرَادُوا لَفَّ اللِفَافَةِ عَلَيْهِ اِبْتَدَؤا بِالْجَانِبِ الْاَ يسرِ فالقوه عَلَيْهِ ثم بالاَيْمَنِ فَاِنْ خَافُوا اَن يَّنْتَشِرَ الكفنُ عَنْهُ عَقَدُوْهُ وتُكَفَّنُ المرأةُ فِيْ خَمْسَةِ اَثْوابٍ اِزارٍ وَقَمِيصٍ وخِمَارٍ وَخِرقَةٍ تُربَطُ بِهَا ثَدْيَاها وِلفَافَةٍ فَاِنْ اقْتَصَرُوا عَلٰى ثلثةِ اثوابٍ جَاز ويكونُ الخِمَارُ فَوْقَ الْقَمِيصِ تَحْتَ اللِفَافَةِ ويُجْعَلُ شَعْرُهَا عَلٰى صدرها. وَلَا يُسَرَّحُ شَعْرُ الميّتِ ولا لحيتهٗ وَلَا يُقَصُّ ظُفْرُهٗ وَلَا يُقَصُّ شَعْرُهٗ وتُجَمَّرُ الاكفانُ قبل ان يُّدْرَجَ فِيهَا وِتْراً.

ترجمہ:۔ اور سنت یہ ہے کہ مرد کو تین کپڑوں ازار، قمیص اور لفافہ میں کفنایا جائے، اور اگر دو کپڑوں پر اکتفاء کیا تو (یہ بھی) جائز ہے۔ اور جب میت پر لفافہ لپیٹنا چاہیں تو بائیں جانب سے شروع کریں پس میت پر لفافہ ڈالدیں اس کے بعد دائیں جانب سے ڈالیں۔ اگر میت سے کفن کھلنے کا اندیشہ ہو تو اس کو باندھ دیں۔ اور عورت کو پانچ کپڑوں ازار، قمیص، اوڑھنی، سینہ اور لفافہ میں کفن دیا جائے۔ اور اگر تین کپڑوں پر اکتفاء کیا تو (یہ بھی) جائز ہے۔ اور اوڑھنی قمیص سے اوپر اور لفافہ سے نیچے ہوگی۔ اور اس کے بالوں کو (دومینڈھوں میں کر کے) اس کے سینہ پر رکھ دیا جائے اور میت کے بالوں اور ڈاڑھی میں کنگھا نہ کیا جائے اور اس کے ناخن نہ تراشے جائیں اور نہ بال کاٹے جائیں اور میت کو کفنوں میں داخل کرنے سے پہلے کفنوں کو طاق بار دھونی دی جائے۔

﴿مرد اور عورت کے کفن کا بیان﴾

حل لغات:۔ ازار۔ تہبند۔ چادر۔ **قمیص**۔ کفنی۔ **لفافه**۔ پوٹ کی چادر۔ **لف**۔ لپیٹنا۔ **خمار**۔ اوڑھنی۔ دوپٹہ۔ **خرقة**۔ پٹی۔ **تربط**۔ (ن، ض) سے ہے مصدر **ربطاً**۔ باندھنا۔ **ثَدْيَا**۔ پستان۔ اضافت کیوجہ سے نون تثنیہ گرگیا۔ **صدر**۔ سینہ۔ **یُسَرَّح**۔ مصدر **تسریح**۔ کنگھا کرنا۔ **یقص**۔ (ن) سے مصدر ہے **قصاً**۔ کاٹنا۔ **ظفر**۔ ناخن جمع **اظفار**۔ **تُجَمَّر**۔ مصدر **تجمیر** **جَمَّرَ الثوبَ**۔ دھونی دینا۔

تشریح۔ والسنة:۔ کفن تین طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) کفن مسنون۔ (۲) کفن کفایہ۔ (۳) کفن ضرورت۔ صاحب قدوری نے پہلی دو قسموں کو بیان کیا ہے اور تیسری قسم کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مردوں کے لئے کفن مسنون تین کپڑے ہیں (۱) ازار یعنی تہبند، سر سے پیر تک ہوتی ہے۔ (۲) کرتہ جو بغیر کلی اور آستین کے گردن سے قدم تک ہو۔ (۳) لفافہ سر سے پاؤں تک ہو اور کفن کفایہ میں دو کپڑے ہیں۔ (۱) ازار (۲) لفافہ۔ صدیق اکبرؓ کو ان کے حکم کے مطابق ان کے دو کپڑوں میں جو بیماری کی حالت میں پہنے ہوئے تھے دھو کر کفن دیا گیا۔ عورتوں کے حق میں کفن مسنون پانچ کپڑے ہیں۔ (۱) کرتی (۲) ازار (۳) اوڑھنی (۴) لفافہ (۵) سینہ بند۔ اور کفن کفایہ میں تین کپڑے ہیں۔ (۱) ازار (۲) لفافہ (۳) اوڑھنی۔ واضح رہے کہ میت کو کفنوں میں رکھنے سے قبل طاق بار دھونی دے دی جائے۔ تیسری قسم کفن ضرورت یعنی جو میسر ہو چنانچہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ایک چادر میں کفنایا گیا تھا کفن میں سوتی کپڑا دینا افضل ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ سفید کپڑے پہنو اس لئے کہ یہ بہترین کپڑے ہیں اور انھیں میں اپنے مردوں کو کفن دو۔

واذاارادوا:۔ مرد کو کفن دینے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے لفافہ بچھائیں اس کے اوپر ازار بچھائیں اور میت کو کرتہ پہنا کر ازار پر لٹادیں پھر ازار کی بائیں جانب کو لپیٹیں پھر دائیں جانب کو تا کہ دایاں حصہ اوپر رہے۔

ویکون الخمار:۔ اور عورتوں کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ کرتی پہنا کر بالوں کو دو حصہ میں کر کے سینے پر کرتی کے اوپر رکھدیں۔ اور بالوں کے اوپر اور لفافہ کے نیچے اوڑھنی رکھی جائے پھر مذکورہ طریقہ سے لپیٹ دیا جائے۔

ولا یسرح:۔ اگر میت کے ناخن تراشے گئے ہوں یا بال کاٹے گئے ہوں تو اس کو کفن ہی میں رکھ دیا جائے کیونکہ ان چیزوں کا تعلق زینت سے ہے اور مُردوں کے لئے درست نہیں ہے۔

فَاِذَا فَرَغُوا مِنْهُ صَلُّوا عَلَيْهِ وَاَوْلیٰ الناسِ بِالْاِمَامَةِ عَلَيْهِ السُّلْطَانُ اِنْ حَضَرَ فَاِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَيُسْتَحِبُّ تَقْدِيْمُ اِمَامِ الْحَيِّ ثم الولِيُّ فَاِنْ صَلیٰ عَلَيْهِ غَيْرُ الْوَلِيِّ وَالسُّلطان اَعَادَالْوَلِيُّ وَاِنْ صَلیٰ عَلَيْهِ الْوَلِيُّ لَمْ يَجُزْ اَنْ يُصَلِّيَ عَلَيْهِ اَحَدٌ بَعْدَهُ فَاِنْ دُفِنَ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ صُلِّيَ عَلیٰ قَبْرِهِ اِلیٰ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَلَا يُصَلّیٰ بَعْدَ ذٰلِكَ ويَقُوْمُ الْمُصَلِّي بِحِذَاءِ صَدْرِ الْمَيِّتِ.

ترجمہ:۔ پس جب اس سے فارغ ہو جائیں تو اس پر نماز پڑھیں اور میت کی امامت کے لئے سب سے اولیٰ بادشاہ ہے اگر جنازہ پر حاضر ہو۔ اگر وہ موجود نہ ہو تو محلّہ کے امام کو آگے بڑھانا مستحب ہے۔ پھر میت کے ولی کو۔ پس اگر ولی یا بادشاہ کے علاوہ نے نماز پڑھی تو ولی کو نماز لوٹانے کا حق ہے (اگر چاہے) اور اگر ولی نے میت پر نماز پڑھ لی ہے تو کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے بعد اس پر نماز پڑھے۔ اور اگر دفن کر دیا گیا اور اس پر نماز نہیں پڑھی گئی تو اس کی قبر پر تین روز تک نماز پڑھی جائیگی اور اس کے بعد نہیں پڑھی جائیگی۔ اور نماز پڑھنے والا میت کے سینہ کے مقابل کھڑا ہو۔

﴿مستحق امامت کون؟﴾

خلاصہ:۔ میت کے غسل اوراس کے کفن پہنانے سے فراغت کے بعد اس کی نماز پڑھی جائے۔ نماز جنازہ کی امامت کا زیادہ مستحق بادشاہ وقت ہے اگراس موقع پر موجود ہو، بصورت دیگر محلّے کے امام کو نماز کیلئے آگے بڑھایا جائے ان دونوں کی عدم موجودگی میں ولی کو امامت کا حق حاصل ہے۔ اگر ولی اور بادشاہ کے علاوہ کسی تیسرے نے نماز پڑھی تو ولی کو نماز کے لوٹانے کا حق ہے لیکن ولی کے پڑھنے کی صورت میں کسی کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حق نہیں۔ اگر نماز سے قبل تدفین عمل میں آگئی تو اسکی قبر پر صرف تین دن تک نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ اور نماز جنازہ کا امام میت کے بالکل سینہ کے بالمقابل کھڑا ہو۔

والصلوٰة ان یکبر تکبیرةً یَحْمَدُ اللهَ تعالیٰ عَقِیْبَهَا ثُمَّ یُکَبِّرُ تَکْبِیْرَةً یُصَلِّی عَلیٰ النبیِّ عَلَیْهِ السَّلامُ ثُمَّ یُکَبِّرُ تَکْبِیْرَةً ثَالِثَةً یَدْعو فِیْهَا لِنَفْسِهٖ وَلِلْمَیِّتِ وَلِلْمُسْلِمِیْنَ ثُمَّ یُکَبِّرُ تَکْبِیْرَةً رَابِعَةً وَیُسَلِّمُ وَلَا یَرْفَعُ یَدَیْهِ اِلَّا فِی التَّکْبِیْرَةِ الْاُوْلیٰ ولا یُصَلّی عَلی مَیِّتٍ فِیْ مَسْجِدِ جَماعةٍ.

ترجمہ:۔ اور نماز یہ ہے کہ ایک تکبیر کہہ کر اللہ کی حمد وثناء کرے، پھر ایک تکبیر کہہ کر حضور علیہ السلام پر درود بھیجے پھر تیسری تکبیر کہہ کر اپنے لئے میت کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعاء کرے پھر چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دے اور صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے اور کسی میت پر جماعت والی مسجد میں نماز نہ پڑھی جائے۔

﴿نماز جنازہ کا طریقہ﴾

خلاصہ:۔ (نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس کا منکر کافر ہے اس کے دو رکن ہیں (۱) چار تکبیریں (۲) قیام۔ اور چار شرائط ہیں۔ (۱) مسلمان کا ہونا (۲) پاک ہونا (۳) مردہ کا امام کے سامنے ہونا (۴) زمین پر رکھا ہوا ہونا۔ اور سنتیں تین ہیں۔ (۱) تحمید (۲) ثناء (۳) دعاء) نماز جنازہ چار تکبیروں کا نام ہے۔ سب سے پہلے ایک تکبیر کہے اور دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اس کے بعد حمد وثنا کرے۔ اس کے بعد دوسری تکبیر کہہ کر حضور علیہ السلام پر درود بھیجے۔ پھر تیسری تکبیر کہہ کر اپنے لئے، میت کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعاء کرے پھر چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر دے (کیونکہ حضورؐ نے سب سے آخری نماز جنازہ میں چار ہی تکبیرات کہی ہیں)

فَاِذَا حَمَلُوْهُ عَلیٰ سَرِیْرِهٖ اَخَذوا بِقَوَائِمِهِ الْاَرْبَعِ وَیَمْشُوْنَ بِهٖ مُسْرِعِیْنَ دُوْنَ الْخَبَبِ فَاِذَا بَلَغُوا اِلیٰ قَبْرِهٖ کُرِهَ لِلنَّاسِ ان یَّجْلِسُوا قبل ان یُوْضَعَ مِنْ اَعْنَاقِ الرِّجَالِ وَیُحْفَرُ الْقَبْرُ وَیُلْحَدُ وَیُدْخَلُ الْمَیِّتُ مِمَّا یَلِی الْقِبْلَةَ فَاِذَا وُضِعَ فِی لَحْدِهٖ قَالَ الَّذِی یَضَعُهٗ بِسْمِ اللهِ وَعَلیٰ مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ وَ یُوَجِّهُهٗ اِلیٰ الْقِبْلَةِ وَیُحَلُّ الْعُقْدَةَ وَیُسَوِّیَ اللَّبِنَ عَلی

اللَّحدِ ویکرَهُ الا جُرُّ والخشبُ ولا باسَ بالْقَصبِ ثُمَّ یُهالُ التُّرابُ عَلَیْهِ ویُسَنَّمُ القبرُ ولا یُسطَّحُ ومَنْ اِستَهلَّ بَعْدَ الوِلَادَةِ سُمِیَّ وَغُسِلَ وَصُلِّیَ عَلَیْهِ وَاِنْ لَمْ یَسْتَهِلّ اُدْرِجَ فِیْ خِرْقَةٍ ودُفِنَ ولم یُصَلَّ عَلَیْهِ۔

ترجمہ:۔ پھر میت کو تخت پر اٹھائیں تو اس کے چاروں پائے پکڑلیں اور بغیر دوڑتے ہوئے تیز لے کر چلیں۔ پس جب اس کی قبر تک پہونچ جائیں تو جنازہ کو کندھوں سے اتار کر رکھنے سے قبل لوگوں کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے۔ اور قبر کھود کر لحد بنائی جائے اور میت کو قبلہ کی جانب سے داخل کیا جائے، پس جب میت کو قبر میں رکھ دیا جائے تو رکھنے والا "بسم الله وعلی ملة رسول الله" کہے۔ اور اس کو قبلہ کی طرف کردیا جائے اور گرہ کھولدیں۔ اور لحد پر کچی اینٹیں برابر کردی جائیں۔ اور پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے اور بانس کے استعمال میں کچھ مضائقہ نہیں ہے پھر اس کی قبر پر مٹی ڈالی جائے، اور قبر کو کوہان نما بنایا جائے، مسطح یعنی چوکور نہ بنائی جائے۔ اور جس بچہ نے ولادت کے بعد رونے کی آواز نکالی، اس کا نام رکھا جائے، اس کو غسل دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے۔ اور اگر رونے کی آواز نہیں نکالی تو اسے کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور دفن کردیا جائے اور اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔

﴿میت کو قبر میں رکھنے کا بیان﴾

حل لغات:۔ قوائم۔ واحد قائمہ ہے پایہ۔ الخبب۔ دوڑنا۔ اعناق۔ واحد عنق ہے گردن۔ یحفر۔ (ض) حفراً۔ کھودنا۔ یلحد۔ (ف) لَحداً للمیت بغلی قبر کھودنا۔ یحل۔ (ن) حَلاً العُقدَةَ۔ گرہ کھولنا۔ یسوی۔ مصدر تسویه۔ برابر کرنا۔ اللبن۔ اس میں تین لغت ہے لَبِنْ، لِبِنْ، لِبْنْ۔ کچی اینٹیں واحد لَبِنَةٌ۔ الآجر پکی اینٹیں الخشب۔ لکڑی۔ القصب۔ بانس۔ یهال۔ (ض) هیلاً علیه التراب مٹی ڈالنا۔ یسنم۔ مصدر تسنیم۔ سَنَّمَ القبرَ۔ قبر کو کوہان نما کرنا۔ استهل۔ الصبیُ پیدائش کے وقت چلانا۔ آواز کرنا۔ (رونا)

تشریح:۔ فاذا حملوہ الخ:۔ صاحب کتاب جنازہ کو اٹھانے کی کیفیت کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کو تخت پر یا چارپائی پر اٹھائیں اور اس کے پایہ کو چار شخص پکڑیں گویا چاروں طرف سے اٹھانا مسنون ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً اس کے اگلے سرے میں سے میت کے دائیں کو اپنے دائیں کاندھے پر رکھے پھر اسی طرف سے پچھلے کو اپنے دائیں کاندھے پر رکھے اس کے بعد اگلے سرے میں سے میت کے بائیں کو اپنے بائیں کاندھے پر رکھے، پھر اسی طرف سے پچھلے کو اپنے بائیں کاندھے پر رکھے۔ چلتے ہوئے رفتار تیز ہو مگر دوڑ کر نہیں جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ اور جنازہ رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے۔

ویلحد:۔ ہمارے نزدیک بغلی قبر بنانا مسنون ہے۔ آپؐ سے یہی منقول ہے اور آپ کی قبر بھی بغلی بنائی گئی تھی مگر امام شافعیؒ کے نزدیک شق سنت ہے، قبر کھود کر میت کو قبلہ کی جانب سے رکھا جائے اور رکھنے والا "بسم الله وعلی ملة رسول الله" کہے۔

ویسوی الخ :۔ لحد پر کچی اینٹیں لگادی جائیں۔ پختہ اینٹیں اور تختے کا استعمال مکروہ ہے۔ اینٹوں کی تعداد نو بتائی گئی ہے البتہ بانس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ قبر کوہان نما بنائی جائے۔ مسطح اور چوکور بنانا مکروہ ہے جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے۔

وان استھل :۔ یہاں ایک مسئلہ بیان کررہے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر بچہ ولادت کے بعد رونے کی آواز نکالتا ہے تو اس پر زندہ کا حکم لگاکر اس کا نام رکھ کر اس کو نہلا کر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اس لئے کہ ارشاد نبویؐ یہی ہے لیکن اگر بچے نے کوئی آواز نہیں نکالی تو اس کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بغیر نماز پڑھے ہوئے دفن کردیا جائے گا۔ امام یوسفؒ فرماتے ہیں کہ البتہ اس کا نام رکھا جائے اور اس کو نہلایا بھی جائے۔

باب الشهيد

(شہید کا بیان)

مقتول کے متعلق اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ اس کی موت اپنے وقت مقررہ پر آتی ہے جس طرح عام انسان کی موت اپنے وقت موعود پر آتی ہے مگر اس باب کو مستقل طور پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شہید کا درجہ عام میت سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ جنائز کے بعد شہید کا تذکرہ ایسا ہے جیسے قرآن کریم میں عام ملائکہ کے ذکر کے بعد جبریل ومیکائیل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ لفظ شہید کی لغوی تحقیق یہ ہے کہ شہید یا تو بروزن فعیل بمعنی مفعول یعنی مشہود کے معنیٰ میں ہے مطلب یہ ہے کہ فرشتے تکریم وتعظیم کے پیش نظر اس کی موت کی شہادت دیتے ہیں یا اس کے جنتی ہونے کا وعدہ ہے یا بمعنیٰ فاعل، یعنی شاہد کے معنیٰ میں ہے کیونکہ وہ خدا کے پاس موجود ہے، اسی لئے قرآن کریم میں شہید اور مقتول فی سبیل اللہ کو مردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ گویا شہید کو شہید کہنے کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شہید کے لغوی معنیٰ ہیں موجود اور حاضر ہونا۔ اس کی اصطلاحی تعریف صاحب کتاب خود ذکر کررہے ہیں جس کی وضاحت ذیل کی سطور میں کی جائے گی۔

شہید کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) جس کو غسل وکفن نہیں دیا جاتا ہے بلکہ اسی مستعمل کپڑے میں غسل دیئے بغیر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کردیا جاتا ہے۔ یہ دنیا وآخرت دونوں اعتبار سے شہید ہے۔ (۲) جو احکام آخرت کے اعتبار سے شہید ہے اگرچہ عام مسلمانوں کی طرح ان کو بھی غسل وکفن دیا جائے۔

اَلشَّهِيْدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُوْنَ اَوْ وُجِدَ فِي الْمَعْرَكَةِ وَبِهٖ اَثَرُ الْجِرَاحَةِ اَوْ قَتَلَهُ الْمُسْلِمُوْنَ ظُلْماً وَلَمْ يَجِبْ بِقَتْلِهٖ دِيَةٌ فَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ وَلَا يُغْسَلُ.

ترجمہ:۔ شہید وہ شخص ہے جس کو مشرکین نے قتل کردیا ہو یا میدان جنگ میں پایا گیا اور اس پر زخم کا نشان ہو۔ یا اس کو مسلمانوں نے ظلماً قتل کیا اور اس کے قتل کی وجہ سے دیت واجب نہ ہوئی ہو۔ تو اس کو کفن دیا جائے، اور اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کو غسل نہ دیا جائے۔

تشریح:۔ صاحب کتاب نے شہید کی تعریف بیان کی ہے جس کی تین صورتیں ہیں (۱) کسی مسلمان کو مشرکین نے قتل کردیا ہو خواہ کسی آلہ سے یا لکڑی وغیرہ سے (۲) کوئی مسلمان میدان جنگ میں پایا گیا اور اس کے جسم پر زخم کے نشانات موجود تھے (۳) کسی مسلمان کو مسلمانوں نے ظلماً قتل کردیا ہو اور اس کے قتل کی وجہ سے دیت واجب نہ ہوئی ہو۔ ان تمام صورتوں میں اس شہید کو بالاتفاق کفن دیا جائیگا اور غسل نہیں دیا جائیگا تدفین اسی خون آلود کپڑے میں ہوگی البتہ نماز کے متعلق اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک نماز پڑھی جائیگی اور امام شافعیؒ کے نزدیک نماز نہیں پڑھی جائیگی۔

وَاذااستُشْهِدَ الجُنُبُ غُسِلَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَکَذَالِكَ الصَّبِیُّ وَقَالَ ابویُوسُفؒ ومحمدؒ لا یُغسَلانِ وَلَا یُغسَلُ عَنِ الشَّهِیْدِ دَمُهٗ ولا یُنْزَعُ عَنْهُ ثِیَابُهٗ وَیُنْزَعُ عَنْهُ الفَرْوُ وَالحَشْوُ وَالخُفُّ وَالسِّلَاحُ وَمَنِ ارْتُثَّ غُسِلَ وَالْاِرْتِثَاثُ اَن یَاکُلَ اَوْ یَشْرَبَ اَوْ یُدَاوِیْ اَو یَبْقیٰ حیاً حَتّٰی یَمْضِی عَلَیْهِ وَقْتُ صَلوٰةٍ وَهُوَ یَعْقِلُ او یُنْقَلُ مِنَ المَعْرَکَةِ حَیّاً وَمَنْ قُتِلَ فِیْ حَدٍّ اَوْ قِصَاصٍ غُسِلَ وَصُلِّیَ عَلَیْهِ. وَمَنْ قُتِلَ مِنَ البُغَاةِ اَوْ قُطَّاعِ الطَّرِیْقِ لَمْ یُصَلَّ عَلَیْهِ.

ترجمہ:۔ جب کوئی ناپاک شہید ہوجائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسے غسل دیا جائیگا اور اسی طرح بچے کو بھی (غسل دیا جائیگا) اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں کو غسل نہیں دیا جائیگا، اور نہ دھویا جائے شہید کا خون شہادت اور نہ اس کا کپڑا نکالا جائے۔ اور اس کی پوستین، روئی دار کپڑے، موزے اور ہتھیار اتارے جائیں گے اور مرتث کو غسل دیا جائے اور ارتثاث یہ ہے کہ وہ کچھ کھالے یا پی لے یا علاج کروالے یا اتنی دیر زندہ رہے کہ اس پر ایک نماز کا وقت گذر جائے اور حال یہ ہے کہ وہ سمجھ بوجھ رکھتا ہے۔ یا اس کو میدان جنگ سے زندہ منتقل کیا جائے۔ اور جو شخص حد میں یا قصاص میں قتل کیا گیا تو اس کو غسل دیا جائے اور اس پر نماز (بھی) پڑھی جائے، اور باغیوں یا ڈاکوؤں میں سے کوئی شخص قتل کیا گیا ہو تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔

حل لغات:۔ الجنب۔ ناپاک۔ ینزع (ف)۔ نزعاً۔ اتارنا۔ ثیاب۔ واحد ثوب کپڑا۔ الفرو۔ پوستین۔ الحشو۔ روئی سے بھرا ہوا کپڑا۔ السلاح۔ ہتھیار۔ ارتث۔ ارتثاثاً لغۃً پرانا ہونا۔ شرعاً مجروح کا منافع زندگی حاصل کرنا۔ المعرکۃ۔ میدان جنگ۔ البغاۃ۔ واحد باغی۔ نافرمان۔ قطاع الطریق۔ ڈاکو۔

تشریح:۔ واذااستشهد الجنب:۔ صحت شہادت کے متعلق حنفیہ میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صحت شہادت کیلئے شہید کا عاقل، بالغ اور جنابت سے پاک ہونا شرط ہے لہٰذا اگر کوئی جنبی یا مجنون یا کوئی بچہ شہید ہوجائے تو اس کو غسل دیا جائیگا صاحبینؒ کے نزدیک غسل نہیں دیا جائیگا۔

ولا ینزع الخ:۔ شہید کے بدن سے کپڑے نہ اتارے جائیں بلکہ ان کو اسی زخموں اور خون آلود کپڑوں میں لپیٹ دیا جائے ہاں وہ اشیاء جن کا تعلق کفن سے نہیں ہے مثلاً پوستین، روئی دار کپڑے، موزے اور ہتھیار وغیرہ تو ان کو نکال دیا جائے حضورؐ نے شہداء احد کے بارے میں یہی حکم فرمایا تھا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ کفن مسنون کے پیش نظر شہید کے

خون آلودہ کپڑوں میں عدد مسنون کے اعتبار سے کمی ہے تو اس کو پورا کریں اور اگر عدد مسنون سے زائد ہے تو کم کر کے عدد مسنون کو باقی رکھا جائے۔

ومن ارتُث غسل :۔ اگر خدا کی راہ میں شہید ہونے والا شخص زخم خوردہ ہو کر منافع زندگی حاصل کی مثلاً کچھ کھا پی لے، یا اس کا علاج معالجہ کیا جائے یا اس پر ایک نماز کا وقت گذر گیا اور ہوش وحواس باقی ہے یا ہوش وحواس کی حالت میں میدان جنگ سے لایا گیا ہو تو ان تمام صورتوں میں ایسے شہید کو غسل دیا جائیگا۔

ومن قتل فی حَدّ الخ :۔اور جو شخص حد یا قصاص میں قتل کیا گیا اس کو غسل دیا جائیگا اور نماز بھی پڑھی جائیگی یہ شخص ظلماً نہیں بلکہ ایفاء حق کی وجہ سے قتل کیا گیا ہے اس لئے اس کا شمار شہیدوں میں نہیں ہوگا۔ اگر کسی باغی یا ڈاکو قتل کر دیا جائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے کیونکہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نہروان کے خوارج کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور فرمایا" اخواننا بغوا علینا "(مسلمان اور ہم سے باغی ہیں) تو آپ نے نماز نہ پڑھنے کی علت (بغاوت) کی طرف اشارہ فرمایا۔

باب الصلوٰة فی الکعبة

(کعبہ شریف کے اندر نماز پڑھنے کا بیان)

اس باب کو سب سے اخیر میں اس لئے ذکر کیا گیا تاکہ کتاب الصلوٰۃ کا اختتام متبرک چیز پر ہو۔

اَلصَّلوٰةُ فِیْ الْکَعْبَةِ جَائِزَةٌ فَرْضُهَا وَ نَفْلُهَا وَاِنْ صَلیَّ الْاِمَامُ فِیْهَا بِجَمَاعَةٍ فَیَجْعَلُ بَعْضُهُمْ ظَهْرَهٗ اِلیٰ ظَهْرِ الْاِمَامِ جَازَ وَمَنْ جَعَلَ مِنْهُمْ وَجْهَهٗ اِلیٰ وَجْهِ الْاِمَامِ جَازَ وَیُکْرَهُ وَمَنْ جَعَلَ مِنْهُمْ ظَهْرَهٗ اِلیٰ وَجْهِ الْاِمَامِ لَمْ تَجُزْ صَلوٰتُهٗ وَاِذَا صَلیَّ الْاِمَامُ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تَحَلَّقَ النَّاسُ حَوْلَ الْکَعْبَةِ وَصَلُّوا بِصَلوٰةِ الْاِمَامِ فَمَنْ کَانَ مِنْهُمْ اَقْرَبُ اِلیٰ الْکَعْبَةِ مِنَ الْاِمَامِ جَازَتْ صَلوٰتُهٗ اِذَا لَمْ یَکُنْ فِیْ جَانِبِ الْاِمَامِ وَمَنْ صَلیَّ علی ظَهْرِ الْکَعْبَةِ جَازَتْ صَلوٰتُهٗ.

ترجمہ:۔ کعبہ میں نماز فرض ونفل پڑھنا جائز ہے۔ اگر امام کعبہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھائے اور مقتدیوں میں سے کسی نے اپنی پشت امام کی پشت کی طرف کی تو جائز ہے اور مقتدیوں میں سے جس نے اپنا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف کیا تو جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ اور مقتدیوں میں سے جس نے اپنی پشت امام کے چہرہ کی طرف کی تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ اور جب امام نے مسجد حرام میں نماز پڑھی (اور) لوگوں نے کعبہ کے گرد حلقہ باندھا اور امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی تو ان میں سے جو شخص امام کی بہ نسبت کعبہ سے زیادہ قریب ہوگا اس کی (بھی) نماز جائز ہو جائیگی جبکہ یہ امام کی جانب میں نہ ہو۔ اور جس

شخص نے کعبہ کی چھت پر نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز ہے۔

تشریح:۔ الصلوٰۃ فی الکعبة:۔ کعبہ کے اندر فرائض اور نوافل نمازیں پڑھنے کے بارے میں قدرے اختلاف ہے احناف کے نزدیک نماز فرض و نفل دونوں جائز ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ امام مالک کے نزدیک صرف نفل نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

وان صلی الامام...... لم تجز صلوته:۔ کعبہ کے اندر نماز جماعت سے پڑھنے کی چار صورتیں ہیں۔ (۱) مقتدی کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو (۲) مقتدی کا چہرہ امام کے چہرے کی طرف ہو (۳) مقتدی کی پشت امام کے چہرہ کی طرف ہو (۴) مقتدی کا چہرہ امام کی پشت کی طرف ہو۔ ان میں اول اور چہارم صورت بلا کراہت جائز ہے۔ اور دوسری صورت مع الکراہت جائز ہے اور تیسری صورت قطعاً جائز نہیں ہے۔ صاحب کتاب نے اوپر کی تین صورتیں ذکر کی ہے۔

واذا صلی الامام......فی جانب الامام:۔ اگر مقتدی خانہ کعبہ کے اردگرد حلقہ بنا کر کھڑے ہو کر نماز پڑھیں تو نماز صحیح ہو جائیگی۔ اب جو شخص امام کی بہ نسبت خانہ کعبہ سے زیادہ قریب ہوگا بشرطیکہ امام کی جانب میں نہ ہو تو اس کی نماز درست ہو جائیگی کیونکہ یہ حکماً امام کے پیچھے ہے، لیکن اگر مقتدی، امام کی جانب میں ہے اور کعبہ سے امام کی بہ نسبت زیادہ قریب ہے تو مقتدی کی نماز درست نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں مقتدی امام سے آگے بڑھ گیا اور جو مقتدی امام سے آگے بڑھ جاتا ہے اس کی نماز درست نہیں ہوتی۔

ومن صلی علی ظهر الخ:۔ اس مسئلہ میں احنافؒ اور شوافعؒ کے درمیان اختلاف ہے احناف کے نزدیک کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بالکل جائز نہیں ہے۔ اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک دوران نماز کعبہ کی عمارت کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے اور احناف کے نزدیک قبلہ نام ہے کعبہ کا۔ اور عمارت کا نام نہیں ہے۔ بلکہ وہ میدان جہاں کعبہ کی عمارت ہے وہاں سے لے کر آسمان تک پوری خلائی فضاء کا نام کعبہ ہے عمارت کا نام کعبہ اس لئے نہیں ہے کہ عمارت منتقل ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے جبل ابی قیس پر نماز پڑھی تو جائز ہے جبکہ اس کے سامنے کوئی عمارت نہیں ہے، اسی طرح اگر کعبہ سے بہت اونچی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو جائز ہے البتہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ ایسی صورت میں کعبہ کی تعظیم باقی نہیں رہتی ہے۔ نیز حضور اکرم ﷺ نے بھی اس امر سے منع فرمایا ہے حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے سات مقامات پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (۱) مذبح (۲) کوڑا خانہ (۳) قبرستان (۴) حمام (۵) درمیان راستہ (۶) اونٹ باندھنے کی جگہ (۷) بیت اللہ کی چھت (حاشیہ قدوری)

الحمد للہ آج مورخہ ۱۳ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۷/جون ۱۹۹۹ء بروز یکشنبہ کتاب الصلوٰۃ مکمل ہو گئی۔

عبد العلی بستوی قاسمی غفرلہ

کتابُ الزکوٰۃ

(زکوٰۃ کا بیان)

عبادت کی تین قسمیں ہیں۔(۱)عبادت بدنی جیسے نماز، روزہ (۲) عبادت مالی جیسے زکوٰۃ (۳) عبادت بدنی ومالی سے مرکب جیسے حج۔ قیاس کے تقاضا کے مطابق کتاب الصلوٰۃ کے بعد کتاب الصوم کو ذکر فرما کر دونوں عبادت بدنی کو بالترتیب یکجا کرنا چاہئے تھا لیکن ایسا نہ کر کے کتاب الزکوٰۃ ذکر فرمایا جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس ترتیب میں کلام الٰہی اور کلام نبوی کی اتباع مقصود ہے۔اور قرآن کریم میں ۳۲ مقامات پر نماز کے بعد متصلاً زکوٰۃ کو ذکر کیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں میں کمال اتصال موجود ہے۔ گویا صاحب کتاب، اتباع کلام الٰہی وکلام نبوی اور کمال اتصال وارتباط کی بنیاد پر کتاب الصلوٰۃ کے بعد کتاب الزکوٰۃ ذکر فرمارہے ہیں۔

عام طور پر زکوٰۃ از روئے لغت تین معانی میں مستعمل ہے۔(۱) طہارت (۲) نمو (۳) برکت۔

(۱) طہارت۔ ارشاد باری ہے "قد افلح من تزکی" "خذ من اموالھم صدقة تطھرھم وتزکیھم بھا" "وحنانا من لدنا وزکوٰة" یعنی ہر آیت میں طہارت پاکیزگی کا مفہوم ہے۔چنانچہ زکوٰۃ کو زکوٰۃ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ دینے والے کو گناہوں اور دیگر بری خصلتوں مثلاً بخل وغیرہ سے پاک کرتی ہے۔

(۲) نمو (بڑھنا) محاورہ میں بولا جاتا ہے زکا الزرع۔ کھیتی بڑھ گئی۔ اس اعتبار سے زکوٰۃ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے سے مال میں بڑھوتری اور اضافہ ہوتا ہے بایں طور کہ زکوٰۃ دینے والے کو دنیا میں اسکا بدل ملتا ہے اور آخرت میں اس کا ثواب ملتا ہے ارشاد خداوندی ہے "وما انفقتم من شئی فھو یخلفه" یعنی جو خرچ کرتے ہو کچھ چیز وہ اس کا عوض دیتا ہے۔

(۳) برکت۔ کہا جاتا ہے "زکت البقعة ای بورك فیھا" اس اعتبار سے زکوٰۃ کی وجہ تسمیہ یہ ہوگی کہ اس عمل کی تاثیر کی وجہ سے مال میں برکت ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کا ایک نام صدقہ بھی ہے کیونکہ یہ عمل، زکوٰۃ ادا کرنے والے کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے۔

زکوٰۃ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے۔ شریعت کے بیان کے مطابق اپنے مال کی متعین مقدار کا کسی مسلم فقیر کو حکم خداوندی کی تعمیل کی نیت سے مکمل طور پر مالک بنادیا جائے اور مالک بنانے والی کی منفعت اس سے بالکل منقطع ہو بشرطیکہ وہ فقیر ہاشمی اور اس کا آزاد کردہ نہ ہو۔

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے جو رمضان کے فرض ہونے سے قبل ۲ھ میں فرض ہوا جس کا ثبوت کتاب وسنت اور اجماع تینوں سے ہے۔ ارشاد باری ہے " اقیمواالصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ "ارشادِ نبوی ہے بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ "(الحدیث) اور اسی پر اجماع منعقد ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ شریعت میں فرضیت زکوٰۃ ایک امر قطعی ہے جس کا منکر کافر ہے۔(عبد العلی غفرلہ)

الزکوٰۃ واجبۃٌ علی الحرِّ المُسلِمِ البَالِغِ العاقِلِ اِذا مَلَکَ نصاباً کاملاً تامّاً وَحال عَلَیْہِ الحَوْلُ وَلَیْسَ علی صَبِیٍّ وَلَا مَجْنُوْنٍ ولا مکاتب زکوٰۃ وَمَنْ کان علیہ دین مُحیطٌ بِمَالِہٖ فلا زکوٰۃَ عَلَیْہِ وَاِنْ کَانَ مَالُہٗ اَکْثَرَمِنَ الدَّیْنِ زکّی الْفَاضِلَ اِذا بَلَغَ نِصَاباً وَلَیْسَ فِیْ دُوْرِ السُّکْنیٰ وَثِیَابِ الْبَدَنِ وَاَثَاثِ الْمَنْزِلِ ودوابِّ الرُّکُوْبِ وعَبِیْدِ الْخِدْمَۃِ وسَلَاحِ الاِسْتِعْمَالِ زکوٰۃٌ ولا یجوز اداءُ الزکوٰۃِ اِلّا بِنِیَّۃٍ مُقَارِنَۃٍ لِلْاَدَاءِ اَوْ مُقَارِنَۃٍ لِعَزْلِ مِقْدَارِ الوَاجِبِ وَمَنْ تَصَدَّقَ بِجَمِیْعِ مَالِہٖ وَلَا یَنْوِی الزکوٰۃَ سَقَطَ فَرْضُھَا عَنْہُ.

ترجمہ:۔ زکوٰۃ، آزاد، مسلمان، بالغ، عاقل پر واجب (فرض) ہے جب کہ وہ نصاب کامل کا مکمل طور پر مالک ہو جائے اور اس (مال) پر ایک سال گذر جائے۔ اور بچہ، مجنون اور مکاتب پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور ایسا شخص کہ جس کے ذمہ مال کے برابر قرض ہو اس پر زکوٰۃ (واجب) نہیں ہے، اور اگر اس کا مال قرض سے زائد ہو تو زائد کی زکوٰۃ دے جبکہ یہ نصاب تک پہونچ جائے اور رہائشی گھروں، بدن کے کپڑوں، گھریلو سامان، سواری کے جانوروں، خدمت کے غلاموں اور استعمال کئے جانے والے ہتھیاروں میں زکوٰۃ (واجب) نہیں ہے۔ اور زکوٰۃ کا ادا کرنا جائز نہیں ہے مگر ایسی نیت سے جو ادا کرنے سے متصل ہو یا مقدار کے علیحدہ کرنے سے متصل ہو۔ اور جس شخص نے اپنا تمام مال صدقہ کر دیا اور اس نے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو فرض زکوٰۃ اس سے ساقط ہو گیا۔

﴿وجوب زکوٰۃ کی شرائط﴾

حل لغات:۔ واجبۃ۔ یہاں فرض کے معنیٰ میں ہے۔ اور ایسا ہوتا ہے کہ فرض اور واجب میں سے ہر ایک دوسرے کی جگہ مجازاً استعمال کئے جاتے ہیں یہاں بھی یہی بات ہے کہ فرض کی جگہ لفظ واجب مجازاً استعمال کیا گیا ہے۔ حال علیہ الحول۔ اس پر سال گذر گیا۔ دین۔ قرض۔ محیط۔ اسم فاعل۔ گھیرنے والا۔ احاط بہ احاطۃ۔ گھیرنا۔ احاطہ کرنا۔ زکی۔ واحد غائب مصدر تزکیۃ۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ الفاضل۔ اسم فاعل۔ زائد۔ بڑھا ہوا۔ دور۔ واحد دار گھر۔ سکنی۔ رہائش۔ اثاث۔ گھریلو سامان۔ دواب۔ واحد دابہ چوپایہ۔ الرکوب۔ سواری جمع رکائب۔ عبید۔ واحد عبد۔ غلام۔ الخدمۃ۔ مصدر (ن، ض) سے خدمت کرنا۔ سلاح۔ ہتھیار جمع اسلحہ۔ مقارنۃ۔ مصدر ہے۔ ملنا۔ عزل۔ مصدر (ض) سے جدا کرنا۔ علیحدہ کر دینا۔

تشریح:۔ الزکوٰۃ واجبۃ:۔ یہاں وجوب سے فرضیت مراد ہے۔ وجوب زکوٰۃ کی آٹھ شرائط ہیں۔ پانچ کا تعلق مالِ نصاب سے ہے اور تین کا تعلق مملوک سے ہے۔ شرائط مملوک یہ ہیں (۱) عاقل ہونا (۲) بالغ ہونا (۳) مسلمان ہونا (۴) آزاد ہونا (۵) مالک نصاب کے ذمہ دین محیط نہ ہونا، شرائط مال یہ ہیں (۱) نصاب کا کامل ہونا (۲) مال نصاب پر حولان حول یعنی سال کا گذر جانا۔ (۳) مال کا سائمہ یا برائے تجارت ہونا۔ اس آخری شرط کا بیان آگے آ رہا ہے۔

ولیس علی صبی الخ:۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بچہ اور پاگل پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

ومن کان علیه دین الخ:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص پر اس قدر قرضہ ہے کہ اس کے تمام مال کو محیط ہو۔ تو احناف کے نزدیک اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

وان کان ماله الخ:۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مدیون کے پاس قرض سے زائد مال بقدر نصاب موجود ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

ولیس فی دور السکنی...... وسلاح الاستعمال:۔ صاحب کتاب اس عبارت سے یہ مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جو چیزیں حاجت اصلیہ میں مشغول ہوں اور کسی اعتبار سے نامی نہ ہوں یعنی نہ تو خلقی اعتبار سے جیسے سونا، چاندی اور نہ تجارتی اعتبار سے جیسے مال تجارت۔ تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ چنانچہ متن میں رہائشی مکان سے لے کر استعمال کے ہتھیار تک کی چیزیں اس اصول میں داخل ہیں اس لئے ان چیزوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

ولا یجوز اداء الزکوٰۃ الخ:۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے نیت شرط ہے اور نیت کے لئے دو وقت بیان کیا۔ (۱) ادائیگی زکوٰۃ کے وقت نیت کی جائے۔ (۲) یا مقدار واجب کو مال سے نکالتے اور جدا کرتے وقت نیت کی جائے۔ بہر کیف نیت ضروری ہے کیونکہ زکوٰۃ عبادت ہے اور کوئی عبادت بغیر نیت کے معتبر نہیں ہے۔ اور نیت میں اصل یہ ہے کہ عبادت کے ساتھ متصل ہو جیسے نماز میں نیت نماز کے ساتھ متصل ہے۔ اس ضابطہ کا تقاضہ ہے کہ مال سے جدا کرتے وقت کی نیت کا اعتبار نہ ہو مگر اس کا اعتبار ضرورۃً حرج کو دور کرنے کے لئے کیا گیا ہے اس لئے کہ بسا اوقات ایک انسان متفرق اوقات میں متفرق لوگوں کو زکوٰۃ دیتا ہے اب اگر ہر مرتبہ زکوٰۃ دیتے وقت نیت ضروری قرار دی جائے تو اس شخص کو حرج اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا اس لئے آسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے مال سے جدا کرتے وقت کی نیت پر اکتفا کر لیا گیا جیسے روزہ کے اندر تقدیم نیت پر اکتفاء کیا گیا ہے کیونکہ اصل تو یہ ہے کہ روزہ کی نیت صبح صادق کے اول جزء کے ساتھ متصل ہو لیکن انسان اگر اس کی بھرپور رعایت کرتا ہے تو حرج اور تکلیف کا شکار ہوتا ہے اس لئے اس کی آسانی کے لئے کہا گیا کہ اگر نیت وقت سے پہلے بھی کر لی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس نیت کا اعتبار کر لیا جائیگا۔

ومن تصدق الخ:۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے بلا نیت زکوٰۃ اپنا پورا مال صدقہ کر دیا تو استحساناً اس سے فرض ساقط ہو جائیگا اس لئے کہ واجب تو پورے مال کا ایک جزء یعنی چالیسواں حصہ ہے اور پورے مال کے ضمن میں چالیسواں حصہ متعین ہے اور جو چیز متعین ہو تو اس کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے ایک جزء یعنی مقدار زکوٰۃ کو خصوصی طور پر متعین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

باب زکوٰۃ الابل

(اونٹ کی زکوٰۃ کا بیان)

صاحب کتاب نے اموال زکوٰۃ کی تفصیل کی ابتداء سوائم سے کی ہے اور اس میں بھی اونٹ کا انتخاب فرمایا، شارحین اس کی دو مصلحت بیان فرماتے ہیں۔ (۱) حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو زکوٰۃ کے متعلق جو مکتوب گرامی ارسال فرمایا ہے اس میں سب سے پہلے اونٹوں کی زکوٰۃ کا بیان ہے یعنی اس ترتیب میں مکتوب نبوی کی پیروی مقصود ہے۔ (۲) اہل عرب کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی مال اونٹ تھا اس وجہ سے اونٹ کی زکوٰۃ سے ابتداء کی گئی ہے۔

لَيۡسَ فِي اَقَلَّ مِنۡ خَمۡسٍ ذودٍ منَ الاِبِلِ صَدقَةٌ فَاِذَا بَلَغتۡ خَمۡساً سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيۡهَا الۡحَوۡلُ فَفِيۡهَا شَاةٌ اِلیٰ تِسۡعٍ فَاِذَا كَانَتۡ عَشۡراً فَفِيۡهَا شَاتَانِ اِلیٰ اَربَعَ عَشۡرَةَ فَاِذَا كَانَتۡ خَمۡسَ عَشۡرَةَ فَفِيۡهَا ثَلٰثُ شِيَاهٍ اِلیٰ تِسۡعَ عَشۡرَةَ فَاِذَا كَانَتۡ عِشۡرِيۡنَ فَفِيۡهَااربعة شِيَاهٍ اِلیٰ اَرۡبَعٍ وَعِشۡرِيۡنَ فَاِذَا بَلَغَتۡ خَمۡساً وَعِشۡرِيۡنَ فَفِيۡهَا بنتُ مَخَاضٍ اِلیٰ خَمۡسٍ وَثَلٰثِيۡنَ فَاِذَا بَلَغَتۡ سِتًّا وثَلٰثِيۡنَ فَفِيۡهَا بِنۡتُ لَبُوۡنٍ اِلیٰ خَمۡسٍ وَاَرۡبَعِيۡنَ فَاِذَا بَلَغتۡ سِتاً وَاَرۡبَعِيۡنَ فَفِيۡهَا حِقَّةٌ اِلیٰ سِتِّيۡنَ فَاِذَا بَلَغَتۡ اِحۡدیٰ وَسِتِّيۡنَ فَفِيۡهَا جَذۡعَةٌ اِلیٰ خَمۡسٍ وَسَبۡعِيۡنَ فَاِذَا بَلَغتۡ سِتًّا وَسَبۡعِيۡنَ فَفِيۡهَا بِنۡتُ لَبُوۡنٍ اِلیٰ تِسۡعِيۡنَ وَاِذَا كَانَتۡ اِحۡدیٰ وَتِسۡعِيۡنَ فَفِيۡهَا حِقَّتَانِ اِلیٰ مِائَةٍ وَعِشۡرِيۡنَ.

ترجمہ:۔ پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ پس جب وہ پانچ کو پہونچ جائیں اور وہ سائمہ ہیں اور اس پر سال گزر گیا تو اس میں ایک بکری ہے نو تک، جب دس ہو جائیں تو اس میں دو بکریاں ہیں چودہ تک، پس جب پندرہ ہو جائیں تو اس میں تین بکریاں ہیں انیس تک، پس جب بیس ہو جائیں تو اس میں چار بکریاں ہیں چوبیس تک، پس جب پچیس تک پہونچ جائیں تو اس میں ایک بنت مخاض ہے پینتیس تک، پس جب چھتیس کو پہونچ جائیں تو اس میں ایک بنت لبون ہے پینتالیس تک، پس جب چھیالیس کو پہونچ جائیں تو اس میں ایک حقہ ہے ساٹھ تک، پس جب اکسٹھ کو پہونچ جائیں تو اس میں ایک جذعہ ہے پچھتر تک، پس جب چھہتر کو پہونچ جائیں تو اس میں دو بنت لبون ہے نوے تک، اور جب اکیانوے ہو جائیں تو اس میں دو حقے ہیں ایکسو بیس تک۔

حل لغات:۔ ذَوۡد۔ اونٹ۔ صدقه۔ یہاں زکوٰۃ مراد ہے۔ سائمة۔ جنگل میں چرنے والے۔ شِیاۃ۔ واحد شاۃ۔ بکریاں۔ بنت مخاض۔ وہ مادہ اونٹنی کا بچہ جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں لگ گیا ہو۔ جذعه۔ جو پانچویں سال میں لگ جائے۔

تشریح:۔ فاضل مصنف اپنی عبارت میں اونٹ کا نصاب اور اس کی زکوٰۃ واجبہ کو بیان کر رہے ہیں کہ اونٹ کا نصاب پانچ اونٹ ہیں۔ اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ جانور سائمہ ہوں یعنی ایسے جنگلوں میں چرتے ہوں جہاں کا معاوضہ ادا نہ کرنا پڑتا ہو۔ اور ان سے دودھ اور افزائش نسل مقصود ہو گوشت یا سواری اور تجارت مقصود نہ ہو اگر تجارت مقصود ہو گی تو پھر تجارت کے نصاب اور حساب سے زکوٰۃ واجب ہو گی۔ سال کے اکثر حصوں میں مباح جنگلوں میں چرتے ہوں، اگر نصف سال باندھ کر چارہ دیا تو سائمہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ بہر کیف جب جانور سائمہ ہوں اور ان پر ایک سال گذر گیا ہو اور مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ کسی کی ملکیت میں پانچ اونٹ ہوں تو ان میں بکری واجب ہو گی۔ پانچ سے نو تک بھی ایک ہی بکری ہے۔ اگر کسی کے ملک میں دس اونٹ ہوں تو ان میں دو بکریاں ہیں اور چودہ تک ایسا ہی ہے۔ اگر کسی کے ملک میں پندرہ اونٹ ہوں تو ان میں تین بکریاں واجب ہوں گی اور انیس تک ایسا ہی ہے۔ اور بیس کی صورت میں چار بکریاں واجب ہوں گی اور چوبیس تک ایسا ہی ہے اور پچیس کی صورت میں ایک بنت مخاض واجب ہے اور پینتیس تک ایسا ہی ہے۔ اور چھتیس کی صورت میں ایک بنت لبون واجب ہے اور پینتالیس تک ایسا ہی ہے۔ اور چھیالیس کی صورت میں ایک حقہ واجب ہے اور ساٹھ تک ایسا ہی ہے۔ اور اکسٹھ کی صورت میں ایک جذعہ واجب ہے اور پچہتر تک ایسا ہی ہے۔ اور چھہتر کی صورت میں دو بنت لبون ہیں اور نوے تک ایسا ہی ہے اور اکیانوے کی صورت میں دو حقے ہیں اور ایک سو بیس تک ایسا ہی ہے۔

ثُمَّ تُسْتَانَفُ الفَرِیْضَۃُ فَیَکُوْنُ فِی الْخَمْسِ شَاۃٌ مَعَ الحِقَّتَیْنِ وَفِی الْعَشْرِ شَاتَانِ وفی خَمْسَ عَشَرَۃَ ثَلٰثُ شِیَاہٍ وَفِیْ عِشْرِیْنَ اَرْبَعُ شِیَاۃٍ وفِی خَمْسٍ وَعِشْرِیْنَ بنتُ مخاضٍ اِلیٰ مائۃٍ وخمسین فیکونُ فِیْھَا ثَلٰثُ حِقاقٍ ثُمَّ تُسْتَانَفُ الْفَرِیْضَۃُ فَفِی الخَمْسِ شَاۃٌ وَفِیْ العَشْرِ شاتَانِ وفِیْ خَمْسَ عِشَرَۃَ ثَلٰثُ شِیَاۃٍ وَفِی عِشْرِیْنَ اَرْبَعُ شِیَاۃٍ وَفِیْ خَمْسٍ وعِشْرِیْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ وَفِیْ سِتٍّ وَثَلٰثِیْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ فاذا بلغت مائۃ وستاً وَتِسْعِیْنَ فَفِیْھَا اَرْبَعُ حِقَاقٍ اِلیٰ مِائتینِ ثُمَّ تُسْتَاْنَفُ الفرِیْضَۃُ اَبداً کَمَا تُسْتَانَفُ فِی الْخَمْسِیْنَ الَّتِی بَعْدَ المِائَۃِ والخَمْسِیْنَ والبَخْتُ والعِرَابُ سَوَاءٌ.

ترجمہ:۔ پھر (جب ایک سو بیس پر زیادتی ہو تو) فریضہ نئے سرے سے ہوگا لہٰذا پانچ میں ایک بکری اور دو حقے واجب ہوں گے، اور دس میں دو بکریاں، اور پندرہ میں تین بکریاں، ور بیس میں چار بکریاں، اور پچیس میں ایک بنت مخاض ایک سو پچاس تک پس ان میں تین حقے ہوں گے پھر فریضہ نئے سرے سے ہوگا، پس پانچ میں ایک بکری، اور دس میں دو بکری، اور پندرہ میں تین بکری، اور بیس میں چار بکری اور پچیس میں ایک بنت مخاض، اور چھتیس میں ایک بنت لبون، پھر جب ایک سو چھیانوے تک پہونچ جائیں تو ان میں چار حقے ہوں گے دو سو تک پھر فریضہ ہمیشہ نئے سرے سے ہوتا رہے گا۔ جس طرح ایک سو پچاس کے بعد پچاس میں دہرایا گیا ہے اور (اس کے اندر) بختی اور عربی اونٹ یکساں ہیں۔

حل لغات:۔ البَخت ۔ جمع بختی۔ وہ اونٹ جو عربی اور عجمی دونوں کی نسل سے پیدا ہو۔ العِراب ۔ واحد عربی ہے۔ خالص عربی النسل اونٹ۔

تشریح:۔ مندرجہ بالا سطور میں جو کچھ بیان کیا گیا یہ احناف کے نزدیک ہے اور یہ سب حضور اکرم ﷺ کے اور صحابہ کرامؓ کے مکتوبات گرامی میں موجود ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک ایک سو بیس سے زائد کی صورت میں ہر چالیس پر ایک بنت لبون واجب ہے اور ہر پچاس کے اندر ایک حقہ اور اس سے زائد ایک سو انتیس تک ایسا ہی ہے۔ پھر ایک سو تیس کے اندر حقہ اور دو بنت لبون واجب ہے۔ اور ایک سو چالیس میں دو حقے اور ایک بنت لبون واجب ہے پھر ایک سو نوے میں دو سو تک تین حقے اور ایک بنت لبون واجب ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ایک سو بیس سے زائد کی صورت میں ایک سو تیس تک تین بنت لبون ہیں اس کے بعد کی صورت میں امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا ایک ہی مسلک ہے۔ اور امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

باب صدقة البقر

(گائے کی زکوٰۃ کا بیان)

لَيْسَ فِي اَقَلَّ من ثلثِينَ من البقر صدقةٌ فاذا كانت ثلثين سائمةً وحال عليها الحولُ ففيها تبيع او تبيعةٌ وفي اَرْبعينَ مُسِنٌّ او مسِنَّةٌ فاذا زَادَتْ عَلَى الْاَرْبَعِيْنَ وَجَبَ فِي الزيادَةِ بِقَدْرِ ذٰلِكَ اِلىٰ ستين عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فَفِي الوَاحِدَةِ رُبْعُ عشرِ مُسِنَّةٍ وَ فِي الاثنين نصف عُشرِ مُسِنّةٍ وَفِي الثلثِ ثلثةُ ارباع عُشرِ مُسِنَّةٍ وَقَالَ ابو يوسُفَ وَمُحَمَّدٌ لا شئى فِي الزيادَةِ حتى تبلغَ سِتين فيكونُ فِيْهَا تَبِيْعَانِ اَوْ تَبِيْعَتَانِ وَفِيْ سَبْعِيْنَ مُسِنَّةٌ وَتَبِيْعٌ وَفِيْ ثَمَانِيْنَ مُسِنَّتَانِ وَ فِي تِسْعِيْنَ ثلثةُ اَتْبِعَةٍ وَ فِي مائةٍ تبيعتانِ وَمُسِنَّةٌ وَعَلىٰ هٰذا يتغير الفرضُ فِيْ كُلِّ عَشْرٍ من تَبِيْعٍ اِلىٰ مُسِنَّةٍ والجوامِيْسُ والبقرُ سَواءٌ.

ترجمہ:۔ تیس گائے سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے، پھر جب تیس ہو جائیں درانحالیکہ وہ سائمہ ہوں اور اس پر ایک سال گذر جائے تو ان میں ایک تبیع یا تبیعہ ہے اور چالیس میں ایک مُسن یا مُسِنہ ہے، پھر جب چالیس سے بڑھ جائیں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک زیادتی میں ساٹھ تک اسی کے بقدر واجب ہوگا، پس ایک (زائد) میں مسنہ کے دسویں حصے کا چوتھائی، اور دو (زائد) میں مسنہ کے دسویں حصہ کا آدھا اور تین (زائد) میں مسنہ کے دسویں حصے کا تین چوتھائی۔ اور امام ابو یوسفؒ و محمدؒ نے فرمایا کہ زیادتی میں کچھ واجب نہیں یہاں تک کہ ساٹھ کو پہونچ جائیں تو ان میں دو تبیع یا دو تبیعہ ہوں گے، اور ستر میں ایک مسنہ اور ایک تبیع ہے اور اسی میں دو مسنہ ہیں اور نوے میں تین تبیع ہیں اور سو میں دو تبیعہ اور ایک مسنہ ہے اور اسی طریقہ سے ہر فرض (زکوٰۃ) ہر دس کے اندر تبیع سے مسنہ کی طرف (اور مسنہ سے تبیع کی طرف) متغیر

ہوتا رہے گا اور بھینس اور گائے یکساں ہیں۔

حل لغات:۔ تبیع۔ ایک سال کا نر بچہ تبیعہ۔ ایک سال کا مادہ بچہ۔ مُسِن۔ وہ بچہ جو پورے دو سال کا ہو گیا ہو۔ اور مسنہ اسی کا مونث ہے۔ الجوامیس۔ جاموس کی جمع ہے۔ بھینس۔

تشریح:۔ تشریح سے قبل چند باتیں یاد رکھیں وہ یہ کہ بقر اپنی ضخامت اور قیمت کے لحاظ سے غنم کی بہ نسبت اونٹ کے مناسب ہے اس لئے بقر کی زکوٰۃ کا بیان غنم پر مقدم کیا گیا۔ اور اونٹ کے بیان کے بعد فوراً لایا گیا۔ بقر میں ۃ وحدت کیلئے ہے اور اس کا اطلاق نر و مادہ دونوں پر ہوتا ہے اسی طرح جاموس بھینس اور بھینسے دونوں پر بولا جاتا ہے نیز بقر کی انواع میں وجوب زکوٰۃ کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ جانور مباح جنگلوں میں چرتا ہو اور دودھ وافزائش نسل کے لئے ہو اور ان سے تجارت مقصود نہ ہو اگر تجارت کے لئے ہیں تو تجارت کے نصاب اور حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی نہ کہ سائمہ کی زکوٰۃ، آمدم بر سر مطلب

گائے اور بھینس کا نصاب زکوٰۃ تیس ہے یعنی تیس کے اندر ایک تبیع یا تبیعہ واجب ہوگا۔ اور چالیس میں ایک مسن یا مسنہ واجب ہوگا اور چالیس بقر پر جو بھی اضافہ ہوگا اس میں امام ابو حنیفہؒ سے تین روایات ہیں پہلی روایت جس کو امام یوسفؒ نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ چالیس سے ساٹھ تک جو اضافہ ہو اس میں اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی یعنی ایک زائد میں مسنہ کے دسویں حصے کا چوتھائی (چالیسواں حصہ) اور دو زائد میں مسنہ کے دسویں حصے کا آدھا (بیسوا حصہ) واجب ہوگا۔ دوسری روایت جسکو حسن بن زیاد نے نقل کیا ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ چالیس سے زائد میں کچھ واجب نہیں ہاں! اگر زیادتی پچاس تک پہونچ گئی تو اس میں ایک مسنہ اور ایک مسنہ کا چوتھائی ہے یا ایک مسنہ اور ایک تبیعہ کا تہائی واجب ہے تیسری روایت یہ ہے کہ چالیس سے ساٹھ تک کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ اسی کے قائل ہیں، پس ساٹھ میں دو تبیعے ستر میں ایک مسنہ ایک تبیع۔ اسّی میں دو مسنے ہیں اسّی کے بعد ہر دس میں تبیع سے مسنہ کی طرف اور مسنہ سے تبیع کی طرف فریضہ بدلتا رہے گا۔

باب صدقة الغنم

(بکریوں کی زکوٰۃ کا بیان)

بکریوں کی زکوٰۃ کو گھوڑے کی زکوٰۃ پر مقدم کرنے کی دو وجہ بیان کی جاتی ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ بکریاں گھوڑے کے مقابلہ میں بکثرت پائی جاتی ہیں اس لئے اس کے بیان کی ضرورت زیادہ ہے دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بکریوں کی زکوٰۃ کے متعلق اتفاق ہے مگر گھوڑوں کی زکوٰۃ کے متعلق اختلاف ہے اور مناسب یہ ہے کہ متفق علیہ کو مختلف فیہ پر مقدم کیا جائے لفظ غنم اسم جنس ہے جو بکری اور بکرہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ بکری کا نصاب چالیس بکریاں ہیں اور اس میں بھی اونٹ اور بقر کی طرح سائمہ ہونا اور پورے ایک سال کا گذرنا شرط ہے۔ اور بکری کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں جو بھی تفصیل ہے وہ مکتوبات نبویؐ اور مکتوبات شیخینؓ میں موجود ہیں۔

لَیسَ فِیْ اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعِیْنَ شَاۃً صَدَقَۃٌ فَاِذَا کَانَتْ اربعِیْن شَاۃً سَائِمَۃً وَحَالَ عَلَیْھَا الحَوْلُ فَفِیْھَا شَاۃٌ اِلیٰ مِائَۃٍ وعِشْرِیْنَ فَاِذَا زَادَتْ وَاحِدَۃٌ فَفِیْھَا شَاتَانِ اِلیٰ مائتینِ فَاِذَا زَادَتْ واحِدَۃٌ فَفِیْھَا ثَلٰثُ شِیَاہٍ فَاِذَا بَلَغَتْ اَرْبَعمِا ئَۃٍ فَفِیْھَا اَرْبَعُ شِیَاہٍ ثُمَّ فِی کُلِّ مِائَۃٍ شَاۃٌ وَالضَّانُ وَالْمَعْزُ سَوَاءٌ .

ترجمہ:۔ چالیس بکریوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے، پس جب چالیس ہو جائیں درانحالیکہ وہ سائمہ ہوں اور ان پر سال گذر گیا ہو تو ان میں ایک سو بیس تک ایک بکری ہے پھر جب (ایک سو بیس پر) ایک زائد ہو تو ان میں دو سو تک دو بکریاں ہیں۔ پھر جب (دو سو پر) ایک زائد ہو تو ان میں تین بکریاں ہیں (یہ تعداد ۳۹۹ تک رہے گی) پھر جب چار سو ہو جائیں تو ان میں چار بکریاں ہیں اس کے بعد ہر سو پر ایک بکری (پانچ سو میں پانچ اور چھ سو میں چھ وغیرہ) ہے اور بھیڑ بکریاں یکساں ہیں۔

اونٹوں کی زکوٰۃ کا نقشہ

نصاب	مقدار واجب	نصاب	مقدار واجب	نصاب	مقدار واجب	نصاب	مقدار واجب
۵	ایک بکری	۲۰	چار بکریاں	۴۶	ایک حقہ	۹۱	دو حقے
۱۰	دو بکریاں	۲۵	بنت مخاض	۶۱	ایک جذعہ	۱۰۰	//
۱۵	تین بکریاں	۳۶	بنت لبون	۷۶	دو بنت لبون	۱۲۰	//
۱۲۵	ایک بکری دو حقے	۱۳۵	تین بکریاں دو حقے	۱۴۵	بنت مخاض دو حقے		
۱۳۰	دو بکریاں دو حقے	۱۴۰	چار بکریاں دو حقے	۱۵۰	تین حقے		
۱۵۵	ایک بکری تین حقے	۱۶۵	تین بکریاں تین حقے	۱۷۵	تین حقے ایک بنت مخاض	۱۹۶	چار حقے
۱۶۰	دو بکریاں تین حقے	۱۷۰	چار بکریاں تین حقے	۱۸۶	تین حقے ایک بنت لبون	۲۰۰	//
گائے بیل کی زکوٰۃ کا نقشہ							
۳۰	یکسالہ بچھڑا یا بچھڑی	۶۰	یکسالہ دو بچھڑے	۸۰	دو بچھڑے دو سالہ	۱۰۰	ایک دو سالہ دو یکسالہ
۴۰	دو سالہ // //	۷۰	ایک یکسالہ ایک دو سالہ	۹۰	تین بچھڑے یکسالہ		
بھیڑ بکری کی زکوٰۃ کا نقشہ							
۴۰	ایک بکری	۲۰۱	تین بکریاں	۵۰۰	پانچ بکریاں		
۱۲۱	دو بکریاں	۴۰۰	چار بکریاں	۶۰۰	چھ بکریاں (وہٰکذا)		

باب زکوٰۃ الخیل

(گھوڑوں کی زکوٰۃ کا بیان)

اِذا کَانَتِ الْخَیْلُ سائِمَۃً ذُکُوراً وَاِنَاثاً وَحالَ عَلَیْھَا الحَوْلُ فَصاحِبُھَا بِالخِیَارِ اِنْ شَاء اَعْطیٰ مِنْ کُلِّ فَرْسٍ دِیْنَاراً وَاِنْ شَاءَ قَوَّمَھا فَاَعْطیٰ عَنْ کُلِّ مِائتی دِرْھَمٍ خَمْسَۃَ دَراھِمَ وَلَیْسَ فِیْ ذُکُوْرِھَا مُنْفَرِدَۃً زَکوٰۃٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ لَا زَکوٰۃَ فِی الْخَیْلِ وَلَا شَئی فِی البِغَالِ والحَمِیْرِ اِلّا اَنْ تَکُوْنَ لِلتِّجارَۃِ وَلَیْس فِی الفُصْلَانِ والحِملانِ وَالْعَجاجِیْلِ زَکوٰۃٌ عند ابی حنیفۃ ومُحَمَّدٍ اِلّا اَن یَّکُونَ مَعَھَا کِبَارٌ وَقَالَ ابویوسُفَ تَجِبُ فِیْھَا واحِدَۃٌ منھا ومَنْ وَجبَ عَلَیْہِ مُسِنٌّ فَلَمْ یُوْجَدْ اَخَذَ الْمُصَدِّقُ اَعْلیٰ مِنْھَا ورَدَّ الْفَضْلَ اَوْ اَخذَ دُوْنَھَا واَخذَ الْفَضْلَ ویَجُوْزُ دَفْعُ القِیَمِ فِیْ الزَّکوٰۃِ ولَیْسَ فِی العَوامِلِ والْحَوامِلِ والعلوفَۃِ زکوٰۃٌ وَلَا یَاخُذُ الْمُصَدِّقُ خِیَارَ الْمَالِ وَلَارُذالَتَہٗ ویاخذ الوسَطَ.

ترجمہ:۔ جب گھوڑے سائمہ نر و مادہ ہوں اور ان پر سال گذر جائے تو ان کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو ہر گھوڑے سے ایک دینار دے دے اور اگر چاہے تو ان کی قیمت لگا کر ہر دو سو درہم سے پانچ درہم دے دے اور تنہا نر گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ (یہ) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک (ہے) اور صاحبین نے فرمایا کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور نہ خچر اور گدھوں میں مگر یہ کہ وہ تجارت کے لئے ہوں۔ اور اونٹ کے بچوں، بکری کے بچوں اور گائے کے بچوں میں امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہے اِلّا یہ کہ ان کے ساتھ بڑے بھی ہوں۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ انھیں میں سے ایک واجب ہے۔ اور جس پر مسنہ واجب ہو اور وہ نہیں ملا تو زکوٰۃ وصول کرنے والا اس سے اعلیٰ لے لے اور زائد لوٹا دے یا اس سے کم درجہ کا لے لے اور زائد لے لے۔ اور زکوٰۃ میں قیمتوں کا دینا جائز ہے۔ اور عوامل، حوامل اور علوفہ میں زکوٰۃ نہیں ہے اور وصول کرنے والا عمدہ مال یا بالکل ردی مال نہ لے بلکہ اوسط درجہ کا مال لے۔

حل لغات:۔ الخیل۔ گھوڑے کا گروہ۔ ذکور۔ مذکر، نر۔ اناث۔ مؤنث، مادہ۔ دینار۔ اشرفی۔ سونے کا سکہ۔ قوّم۔ تقویماً۔ قیمت لگانا۔ بغال۔ بغل کی جمع ہے خچر۔ حمیر۔ حمار کی جمع ہے پالتو گدھا۔ الفصلان۔ فصیل کی جمع ہے اونٹنی کا سال بھر سے کم کا بچہ۔ الحملان۔ حمل کی جمع ہے بکری کا بچہ۔ العجاجیل۔ عجل کی جمع ہے بچھڑا۔ الفضل۔ زائد۔ دون۔ گھٹیا۔ القِیَم۔ قیمۃ کی جمع ہے۔ العوامل۔ عاملہ کی جمع ہے وہ جانور جو کام کے واسطے ہوں۔ الحوامل۔ حامل کی جمع ہے۔ وہ جانور جو سامان وغیرہ لادنے کے لئے ہوں۔ العلوفۃ۔ گھر پر کھڑے ہو کر چارہ کھانے والے جانور۔ رُذالۃ۔ چیز کا ردی حصہ۔ گھٹیا حصہ۔

تشریح:۔ شراح کرام نے اس موقع پر علوفہ اور سائمہ کے تحت بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے اس سے گریز کرتے ہوئے ہم اس کا نچوڑ پیش کررہے ہیں تاکہ عبارت سے تطبیق ہو جائے۔امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک سائمہ کے سلسلے میں اختلاف ہے صاحبینؒ کے نزدیک سائمہ گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں۔امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں (۱) سائمہ ہوں (۲) گھوڑے نر و مادہ دونوں ہوں۔البتہ مالک مال کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں دو چیزوں کے درمیان اختیار ہے چاہے وہ ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار زکوٰۃ دے اور چاہے تو ہر دو سو درہم سے پانچ درہم دے۔یہ بھی خیال رہے کہ صحیح قول کے مطابق گھوڑوں کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے۔ایک گھوڑا کی موجودگی میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔امام زفرؒ امام اعظم کے ساتھ ہیں۔

ولیس فی ذکورھا...... زکوٰۃ:۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تنہا نر گھوڑوں کی بابت دو روایتیں ہیں مگر عدم وجوب کی روایت صحیح ہے۔اس لئے کہ ایسی صورت میں توالد و تناسل ممکن نہیں اس لئے نماء نہیں پایا گیا بخلاف دوسرے جانوروں کے کہ ان میں بھی تنہا نر سے توالد و تناسل ممکن نہیں مگر ان سے کھانے کا فائدہ ہوسکتا ہے۔اور تنہا گھوڑیوں کے متعلق بھی دو روایتیں ہیں مگر وجوب کی روایت صحیح ہے کیونکہ تنہا گھوڑیوں سے توالد و تناسل ہوسکتا ہے اس طور پر کہ جفتی کے لئے کسی کا گھوڑا مستعار لے لیا جائے، تناسل کے امکان کی وجہ سے ان میں نماء اور بڑھوتری پایا گیا اس لئے ان میں زکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔

ولا شی فی الخ:۔ اگر خچر اور گدھے تجارت کے طور پر نہیں ہیں تو بالاتفاق ان میں زکوٰۃ نہیں ہے اور اگر تجارت کے طور پر ہیں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ اس صورت میں دوسرے اموال تجارت کی طرح زکوٰۃ کا تعلق مالیت سے ہے۔

ولیس فی الفصلان الخ:۔ بکری اونٹ اور گائے کے بچوں میں زکوٰۃ کے متعلق امام ابو حنیفہ سے تین روایتیں ہیں (۱) ان بچوں میں وہ واجب ہوگا جو بڑوں میں واجب ہے یعنی بکری کے بچوں میں بکری کی زکوٰۃ، اونٹ کے بچوں میں اونٹ کی زکوٰۃ اور گائے کے بچوں میں گائے کی زکوٰۃ واجب ہوگی اس کو امام زفرؒ نے اختیار فرمایا ہے اور امام مالکؒ بھی یہی کہتے ہیں۔(۲) ان بچوں میں انہیں میں کا ایک واجب ہے مثلاً بکری کے چالیس بچوں میں سے ایک بچہ بطور زکوٰۃ واجب ہوگا اس قول کو امام ابو یوسفؒ نے اختیار فرمایا۔امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں (۳) ان بچوں میں زکوٰۃ نہیں ہے البتہ اگر ان کے ساتھ بڑے بھی ہوں یعنی ایک سال یا زیادہ کے ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی یہ امام صاحب کا آخری قول ہے جس کو امام محمدؒ نے اختیار فرمایا ہے۔صاحب کتاب نے قول دوم اور سوم کو ذکر کیا ہے۔

ومن وجب علیه مسن الخ:۔ زکوٰۃ میں اوسط درجہ کا جانور واجب ہوتا ہے نہ بہت گھٹیا اور بہت عمدہ۔مگر اوسط درجہ کے جانور کی عدم موجودگی میں محصل زکوٰۃ کا فرض ہے کہ اعلیٰ درجہ کا جانور لے کر زائد قیمت واپس کرے مثلاً اوسط درجہ کے بنت لبون کی قیمت بارہ سو روپیہ ہے اور اعلیٰ درجہ کی سترہ سو روپیہ ہے تو عامل زکوٰۃ کو چاہئے کہ اعلیٰ درجہ کی بنت لبون لے کر پانچ سو روپیہ رب المال کو دے دے یا عامل زکوٰۃ ادنیٰ درجہ کا جانور لے کر زیادتی کو لے لے مثلاً اوسط درجہ

کا بنت لبون جو صاحبِ مال پر واجب ہے اس کی قیمت پندرہ سو روپیہ ہے اور ادنیٰ درجہ کے بنت لبون کی قیمت گیارہ سو روپیہ ہے تو عامل ادنیٰ درجہ لے لے، اسی کے ساتھ مزید چار سو روپیہ رب المال سے لے۔

ولیس فی العوامل الخ:۔ ان جانوروں میں ہمارے اور امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہے البتہ امام مالک کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے وجوب زکوٰۃ کے لئے مال کا نامی یا برائے تجارت ہونا ہے اور یہ چیز یہاں معدوم ہے۔

وَمَنْ كَانَ لَهُ نِصَابٌ فَاسْتَفَادَ فِي اَثْنَاءِ الْحَوْلِ مِنْ جِنْسِهِ ضَمَّهُ اِلىٰ مَالِهِ وَزَكّٰاهُ بِهِ و السَّائِمَةُ هِيَ الَّتِي تَكْتَفِي بِالرَّعْيِ فِي اَكْثَرِ الْحَوْلِ فَاِنْ عَلَفَهَا نِصْفَ الْحَوْلِ اَوْ اَكْثَرَ فَلَازَكٰوةَ فِيهَا والزكٰوةُ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ وَاَبِي يُوسُفَ فِي النِّصَابِ دُوْنَ الْعَفْوِ وقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ تَجِبُ فِيهِمَا وَاِذَا هَلَكَ الْمَالُ بَعْدَ وُجُوبِ الزكٰوةِ سَقَطَتْ وَاِنْ قَدَّمَ الزكٰوةَ عَلَى الْحَوْلِ وَهُوَ مَالِكٌ لِلنِّصَابِ جَازَ.

ترجمہ:۔ جس شخص کے پاس ایک نصاب ہو اور اس نے درمیان سال میں اسی جنس کا اور مال کما لیا تو اس کو اپنے (پہلے والے) مال میں ملا کر اس کی بھی زکوٰۃ دے اور سائمہ وہ جانور ہے جو سال کے اکثر حصہ (باہر ہی) چرنے پر اکتفا کرتا ہو، پس اگر اس کو نصف سال (چھ ماہ) یا اس سے زائد گھر پر کھلایا تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے اور امام ابو حنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک زکوٰۃ نصاب میں ہے، عفو میں نہیں ہے۔ اور امام محمدؒ وامام زفرؒ نے فرمایا کہ نصاب اور عفو دونوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اور جب مال وجوب زکوٰۃ کے بعد ہلاک ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائیگی۔ اور اگر سال کے مکمل ہونے سے پہلے زکوٰۃ دے دی درانحالیکہ وہ مالک نصاب ہے تو یہ درست ہے (کیونکہ سبب یعنی کامل نصاب موجود ہے)

حل لغات:۔ استفاد۔ فائدہ اٹھانا۔ کمانا۔ اثناء۔ درمیان۔ الرعی۔ مصدر ہے چرنا۔ عَلَف۔ (ض) عَلفاً جانور کو چارہ دینا۔ عفو۔ دو نصاب کے درمیان کا عدد مثلاً نو اونٹ میں سے پانچ اونٹ ایک نصاب ہے اور اس پر ایک بکری ہے باقی چار اونٹ عفو میں داخل ہیں۔ جب دس پورے ہوں گے تو اس وقت دو نصاب ہوگا۔

تشریح:۔ ومن کان له نصاب الخ:۔ مال مستفاد کی دو قسمیں ہیں (۱) موجودہ نصاب کی جنس سے ہو (۲) موجودہ نصاب کی جنس سے نہ ہو۔ متن میں پہلی قسم بیان کی گئی ہے۔ مگر اس کی بھی دو صورت ہے۔ (۱) مال مستفاد اصل ہی سے حاصل ہوا ہو مثلاً اس کی نسل بڑھ گئی ہو (۲) کسی دیگر سبب سے حاصل ہوا ہو مثلاً خرید کر یا ہبہ کے ذریعہ۔ میراث کے ذریعہ۔ پہلی صورت میں اصل مال میں ضم کر کے اصل مال کا حول اس مال مستفاد کا حول شمار کیا جائیگا۔ اور دوسری صورت میں اصل نصاب ضم کرنے کے بعد اصل نصاب پر سال پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مال مستفاد پر الگ سے از سر نو سال گذرنا شرط ہے۔ یہاں تک جنس مال مستفاد کا بیان تھا۔ اب اگر مال مستفاد غیر جنس ہو تو اس کا الگ سے از سر نو حولان حول معتبر ہوگا۔

دون العفو الخ: اس اختلاف کا ثمرہ یہاں مرتب ہوگا مثلاً ایک شخص کی ملکیت میں نو اونٹ ہیں سال پورا ہونے پر ان میں سے چار اونٹ ہلاک ہوگئے تو شیخینؒ کے نزدیک باقی پانچ میں ایک ہی بکری واجب ہوگی۔ لیکن امام محمدؒ وزفرؒ کے نزدیک چونکہ زکوٰۃ کا تعلق نصاب اور عفو دونوں سے ہے اس لئے ان کے نزدیک بکری کی قیمت کے نو حصے کرکے اس پر پانچ حصے واجب کئے جائیں گے اور چار حصے ساقط کردیئے جائیں گے۔

واذا هلك الخ: یہ مسئلہ اسوقت ہے جب کہ از خود ہلاک ہوگیا ہو تو احناف کے نزدیک زکوٰۃ کے عین شئی سے متعلق ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ ساقط ہوگئی کیونکہ عین شئی موجود نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ ذمہ میں واجب ہوتی ہے لہٰذا ادائیگی سے عاجز ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ اور اگر صاحب مال نے خود ہی مال ہلاک کردیا تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔

باب زکوٰۃ الفضة

(چاندی کی زکوٰۃ کا بیان)

صاحب کتاب اس سے پہلے سوائم کے مسائل بیان فرمارہے تھے اور اب یہاں سے نقد روپیہ پیسہ کے زکوٰۃ کے مسائل بیان فرمارہے ہیں چونکہ سوائم پہلے بکثرت دستیاب تھے اور اہل عرب کا بیش قیمت سرمایہ تھا اس لئے اس بحث کو پہلے بیان کیا۔ اور زکوٰۃ الفضہ کو زکوٰۃ الذہب پر دو وجہ سے مقدم کیا ایک تو اس وجہ سے کہ مکتوبات نبویؐ میں زکوٰۃ الفضہ، زکوٰۃ الذہب سے پہلے بیان کیا گیا ہے دوسرے اس وجہ سے کہ سونے کے مقابل میں چاندی کا لین دین زیادہ ہے۔

لَيْسَ فِي مادون مائتى دِرْهَم صَدَقَةٌ فَاِذَا كانت مائتى درهم وحَالَ عَليها الحولُ فَفِيهَا خمسةُ دَرَاهم وَلاَ شئيَ فِي الزِّيَادَةِ حَتىّٰ تَبلُغَ اَرْبَعِينَ دِرْهماً فَيكُونُ فِيهَا درهمٌ فِي كُلِّ اربعين دِرْهماً دِرْهَمٌ عِنْدَ اَبِى حَنيفةَ وَقَالَ ابويوسف ومُحَمَّدٌ مازَادَ عَلىَ المِائَتَيْنِ فزكاتُهُ بِحِسَابِه وَاِنْ كانَ الْغَالِبُ عَلىَ الْوَرَق الفِضَّةُ فَهُوَ فِي حُكمِ الْفِضَّةِ وَاِذَا كَانَ الْغَالِبُ عَلَيْهِ الْغِشُّ فَهُوَ فِىْ حُكمِ العُرُوْضِ وَيُعْتَبَرُ اَنْ تَبلُغَ قِيمتُهَا نِصَاباً۔

ترجمہ: دو سو درہموں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے، پھر جب دو سو درہم ہوجائیں اور ان پر سال گذر جائے تو ان میں پانچ درہم ہے، اور (دو سو سے) زائد میں کچھ نہیں یہاں تک کہ چالیس درہم تک پہونچ جائیں تو ان میں ایک درہم ہے پھر ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے (یہ) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ نے فرمایا کہ دو سو پر جو زائد ہو تو اسکی زکوٰۃ اسی کے حساب سے ہے۔ اور اگر ڈھلے ہوئے سکہ میں چاندی غالب ہو تو وہ سکہ چاندی کے حکم میں ہے اور اگر اس پر کھوٹ غالب ہو تو وہ سامان کے حکم میں ہے (اور ایسی چیزوں میں) معتبر یہ ہے کہ اسکی قیمت نصاب کو پہونچ جائے۔

حل لغات :۔ الوَرِق ۔ ڈھلا ہو سکہ۔ جیسے دراہم وغیرہ۔ الغِشّ ۔ بکسر الغین۔ کدورت۔ میل کچیل یہاں غش سے چاندی اور سونے کے علاوہ دوسری دھاتیں مراد ہیں جن کو چاندی میں ملا کر سکہ ڈھالا جاتا ہے۔ العروض ۔ سامان۔

تشریح۔ فاذا کانت ما ئة الخ ۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے اور ہر دو سو پر پانچ درہم واجب ہے اور ہر چالیس پر ایک درہم ہے اور وجوب زکوٰۃ کے لئے حولان حول شرط ہے اور چالیس سے کم میں کچھ نہیں ہے۔ اگر دو سو درہم پر اضافہ ہو تو اس اضافہ پر زکوٰۃ واجب ہو گی یا نہیں امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر اس زیادتی کی مقدار چالیس درہم تک پہونچ جاتی ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی ورنہ نہیں مثلاً دو سو چالیس درہم ہوں تو ان میں چھ درہم واجب ہوں گے۔ پھر ہر چالیس پر ایک درہم بڑھتا رہے گا۔ صاحبینؒ کے نزدیک دو سو درہم پر جو بھی زیادتی ہو گی اس کی زکوٰۃ اسی کے حساب سے ہو گی یعنی دو سو درہم پر ایک درہم زیادہ ہو گیا تو پانچ درہم کے ساتھ ساتھ اضافہ شدہ درہم کا چالیسواں حصہ واجب ہو گا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔

باب زکوٰۃ الذهب

(سونے کی زکوٰۃ کا بیان)

لَیْسَ فِی مَادون عِشْرِیْنَ مِثْقالاً مِنَ الذهَب صَدَقَةٌ فَاِذا کانَتْ عِشْرِیْنَ مِثْقالاً وحالَ عَلَیْهَا الحوْلُ فَفِیْهَا نِصْفُ مِثْقال ثُمَّ فِی کُلّ اَربَعَةِ مَثَاقِیْلَ قِیراطَان وَلَیْس فِی مَادُوْنَ اَربعَةِ مَثَاقِیْلَ صَدَقَةٌ عِندَ اَبِی حَنِیْفَةَ وَ قَالَا مَازادَ علَی العِشْرِیْنَ فَزکَاتُهٗ بِحِسَابِهَا وَفِی تِبرِ الذهَبِ وَالفِضَّةِ وَحُلِیّهِمَا وَالاٰنِیَةِ مِنهُما زَکوٰةٌ.

ترجمہ:۔ بیس مثقال سونے سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ بس جب بیس مثقال ہو جائے اور ان پر سال گذر جائے تو ان میں آدھا مثقال ہے، پھر ہر چار مثقال میں دو قیراط ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چار مثقال سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ بیس (مثقال) پر جو زائد ہو اس کی زکوٰۃ اسی کے حساب سے ہے، اور سونے چاندی کی ڈلی، ان کے زیورات اور ان کے برتنوں میں (بھی) زکوٰۃ ہے۔

حل لغات:۔ الذهب ۔ سونا۔ مثقال ۔ اس سے وہ مثقال مراد ہے جن کے سات مثقال کا وزن دس درہم کے برابر ہو۔ عوام الناس میں یہی وزن متعارف ہے اس کی جمع مثاقیل ہے، قیراطان ۔ قیراط کا تثنیہ ہے، ایک خاص وزن ہے جو پانچ جَو کے دانہ کے برابر ہوتا ہے۔ اس کی اصل قِرّاط ہے اس کی جمع قراریط آتی ہے۔ پھر ایک راء کو یاء سے بدل دیا گیا قیراط ہو گیا۔ تبر ۔ سونے کا بغیر ڈھلا ہوا ڈھیلا یا پترا۔ حُلِیّ ۔ چاندی اور سونے کا زیور۔ آنیة ۔ اس کی واحد اناء ہے۔ برتن۔

تشریح۔ مثقال :۔ وزن کے اعتبار سے دینار کے برابر ہوتا ہے، گویا بیس مثقال جو سونے کی زکوٰۃ کا شرعی نصاب ہے بیس دینار کے برابر ہے۔ ایک مثقال میں بیس قیراط ہوتے ہیں اور ایک قیراط پانچ جو کا ہوتا ہے اسلئے ایک مثقال یا ایک

دینار سوجو کے برابر ہو گیا، اور ایک جو ۴-۲/اماشہ کا ہوتا ہے۔ اس لئے سونے کا نصاب شرعی ساڑھے سات تولہ ہوا۔ اور اس کا چالیسواں حصہ دوماشہ دورتی کے بقدر ہوگا لہٰذا جو بھی ذکر کردہ نصاب شرعی کا مالک ہوگا اس کو آدھا مثقال یعنی دوماشہ دورتی کے بقدر زکوٰۃ دینا واجب ہوگا۔

وحلیهما الخ:۔ حنفیہ کے نزدیک سونے چاندی کے ڈلیوں۔ ان کے زیورات اور برتنوں میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جن زیورات کا استعمال جائز ہے ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

سونے چاندی پیدائشی طور پر ثمنیت کے لئے بنائے گئے ہیں اس لئے ان میں ہر صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

باب زکوٰۃ العروض

(اسباب کی زکوٰۃ کا بیان)

الزکوٰةُ وَاجبَةٌ فِي عُرُوْضِ التِّجَارَةِ كَائِنَةً مَا كانَتْ إذَا بَلَغَتْ قِيمَتُهَا نِصَاباً مِن الورقِ او الذهبِ يُقَوِّمُهَا بِمَا هُوَ أنفَعُ لِلفُقَراءِ وَالمَسَاكِيْنِ مِنهَاوَقَالَ أبُويُوْسُفَ يُقَوِّمُ بِمَا اشْتَرَاهُ بِهِ فَإنْ اشْتَرىٰ بِغَيْرِ الثَّمَنِ يُقَوِّمُ بِالنَّقدِالغَالِبِ فِي المصرِوَقَالَ مُحَمَّدٌ بِغَالِبِ النَّقْدِ فِي المِصْرِ عَلىٰ كُلِّ حالٍ.

ترجمه:۔ سامان تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ کسی قسم کا ہو، جب اس کی قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کو پہونچ جائے تو اس سامان کی قیمت ایسے نقد سے لگائے جو فقراء ومساکین کے لئے زیادہ نفع بخش اور سود مند ہو۔ اور امام یوسف نے فرمایا کہ اس سامان کی قیمت ایسے نقد کے ساتھ لگائے جس کے عوض خریدا تھا، پس اگر اس نے سامان کو نقود کے علاوہ کسی اور چیز کے عوض خریدا ہو تو ایسے نقد سے قیمت لگائے جو شہر میں زیادہ چلتا ہو۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہر حال میں ایسے نقد (روپے پیسے) سے قیمت لگائے جو شہر میں زیادہ چلتا ہو۔

حل لغات:۔ العروض۔ متاع، سامان، اسباب۔ یقوم۔ مصدر تقویم۔ قیمت لگانا۔ قیمت کا اندازہ کرنا۔ انفع۔ اسم تفضیل زیادہ نفع بخش۔ النقد۔ قیمت۔ جو فوراً ادا کی جائے۔ نقد ان، چاندی وسونا کو کہتے ہیں۔

خلاصه:۔ واضح رہے کہ نقدین (سونا، چاندی) کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں سب اسباب وسامان میں داخل ہیں۔ اور ان کی قیمت کا اندازہ نقدین سے لگایا جاتا ہے چنانچہ صاحب کتاب اب تک نقدین سے بحث کر رہے تھے۔ اور اب عروض، سامان کو زیر بحث لا رہے ہیں۔ حاصل عبارت یہ ہے کہ تجارت کا سامان خواہ کسی قسم کا ہو اس میں زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ اس کی قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کو پہونچ جائے۔ سامان تجارت کی قیمت چاندی یا سونے کے لحاظ سے لگائی جائے گی، اب اگر سامان کی قیمت ان دونوں میں سے ہر ایک کے لحاظ سے نصاب کو پہونچ جائے تو اس صورت میں چار قول ہیں جن میں سے صاحب کتاب نے تین کو نقل کیا ہے ہم یہاں چاروں اقوال نقل کرتے ہیں پہلا قول یہ ہے کہ نقدین میں سے اس

کے ساتھ قیمت کا اندازہ کیا جائے فقراء اور مساکین کے لئے زیادہ نفع بخش ثابت ہو۔ مثلاً سامان تجارت کی قیمت اگر دراہم سے لگائی جائے تو دو سو دراہم تک پہونچ جاتی ہے اور مثقال سے لگائی جائے تو بیس مثقال تک نہیں پہونچتی ہے تو قیمت دراہم کے ساتھ لگائی جائیگی۔ یہ امام اعظمؒ کے نزدیک ہے۔ دوسرا قول جو مبسوط میں ہے یہ ہے کہ صاحب مال کو اختیار ہے چاہے چاندی کے ساتھ قیمت کا اندازہ کرے اور چاہئے سونے کے ساتھ۔ تیسرا قول امام یوسفؒ کا ہے اور امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں وہ یہ ہے کہ اس سامان کو نقدین میں سے جس کے عوض خریدا ہے اسی کے ساتھ قیمت کا اندازہ کیا جائے گا۔ اور اگر خریداری نقدین کے علاوہ سے ہے تو نقدین میں سے قیمت کا اندازہ کیا جائے گا۔ اور اگر خریداری نقدین کے علاوہ سے ہے تو نقدین میں سے اس کے ساتھ قیمت کا اندازہ کرے جس کا چلن شہر میں زیادہ ہو چوتھا قول امام محمدؒ کا ہے کہ ہر صورت میں اس نقد کا اعتبار ہوگا جو شہر میں زیادہ چلتا ہے یعنی نقد غالب ہی معتبر ہوگا۔

وَاِذَا کَانَ النِّصَابُ کَامِلاً فِی طَرَفَیِ الحَوْلِ فَنُقْصَانُهُ فِیمَا بَیْنَ ذٰلِكَ لَایُسْقِطُ الزَّکوٰةَ وَیُضَمُّ قِیمَةُ العُرُوضِ اِلَی الذَهَبِ وَالْفِضَّةِ وَکَذالِكَ یُضَمُّ الذَّهَبُ اِلَی الفِضَّةِ حَتّٰی یَتِمَّ النِّصَابُ عِنْدَ اَبِی حَنِیفَةَ وَقَالَا لَا یُضَمُّ الذَّهَبُ اِلَی الفِضَّةِ بِالْقِیمَةِ وَیُضَمُّ بِالاَجْزَاءِ.

ترجمه:۔ اور جب نصاب سال کے دونوں حصوں (ابتداء اور انتہاء) میں کامل ہو تو درمیان سال میں نصاب کا کم ہو جانا زکوٰۃ کو ساقط نہیں کرتا ہے۔ اور سامان کی قیمت کو سونے اور چاندی میں ملایا جائے گا، اور اسی طرح قیمت کے اعتبار سے سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائیگا یہاں تک کہ نصاب کامل ہو جائے ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ قیمت کے اعتبار سے سونے کو چاندی کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا بلکہ اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے گا۔

تشریح:۔ ویضم قیمة العروض الخ :۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس سامان تجارت نصاب کی مقدار میں نہ ہو مگر اس کے پاس تھوڑا سونا یا چاندی ہے تو نصاب کو پورا کرنے کے لئے سامان تجارت کی قیمت کو سونے اور چاندی کے ساتھ ملا دیا جائیگا۔ مثلاً کسی کے پاس آٹھ مثقال سونا ہے اور بارہ مثقال کی مالیت کا سامان تجارت ہے تو اس پر بیس مثقال سونے کی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

وکذلك یضم الذهب :۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس نہ تو سونے کا نصاب پورا ہو اور نہ چاندی کا تو نصاب کو پورا کرنے کے طریقہ میں امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ نصاب کو پورا کرنے کے لئے سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائیگا امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں اور صاحبین فرماتے ہیں کہ سونے کو چاندی کے ساتھ اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائیگا۔ امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اس کو مثال سے یوں سمجھیں۔ کہ ایک شخص کے پاس سو درہم چاندی ہے اور پانچ مثقال سونا ہے جو قیمت کے اعتبار سے سو درہم کو پہونچ جاتا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی۔ لیکن چونکہ اجزاء کے اعتبار سے نصاب پورا نہیں ہوا ہے اس لئے صاحبینؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

باب زکوٰۃ الزروع والثمار

(کھیتیوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کا بیان)

قَالَ ابوحَنِیفة رحمه الله فی قَلِیْلِ ما اَخرَجَتْهُ الاَرْضُ وکثیرِہِ العشرُ واجبٌ سَواءٌ سُقِیَ سَیْحاً او سَقَتْهُ السَّماءُ اِلّا الحطَبُ وَالْقَصَبُ والحشیشُ وَقَالَ اَبُویُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُما اللهُ لَا یَجبُ العُشْرُ اِلا فِیْمَا لَهُ ثَمرَةٌ بَاقِیَةٌ اِذا بَلَغَتْ خَمْسَةَ اَوْسَقٍ وَالوَسَقُ سِتُّوْنَ صَاعاً بِصَاعِ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَلَیْسَ فِی الْخَضْرَاوَاتِ عِنْدَهُمَا عُشْرٌ.

ترجمہ:۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ زمین کی پیداوار میں خواہ کم ہو یا زیادہ عشر (دسواں حصہ) واجب ہے خواہ جاری پانی سے سیراب کیا گیا ہو یا بارش کے پانی سے سیراب کیا ہو سوائے لکڑی، نرکل اور گھاس کے۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ عشر نہیں واجب نہیں ہے مگر ان میں جن کے پھل باقی رہتے ہیں۔ جبکہ (بشرطیکہ) یہ پھل پانچ وسق کو پہونچ جائیں۔ اور وسق حضور ﷺ کے ساع سے ساٹھ صاع کا ہے اور صاحبینؒ کے نزدی سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔

حل لغات:۔ زکوٰۃ اس سے عشر مراد ہے، زروع یہ زرع کی جمع ہے کھیت۔ الثمار، یہ ثمر کی جمع ہے پھل۔ سُقی۔ یہ فعل ماضی مجہول ہے باب (ض) سقیاً سیراب کرنا۔ پلانا۔ سَیحاً۔ بہنے والا پانی جمع سُیُوح واَسیاح۔ الحطب۔ لکڑی۔ القصب۔ نرکل، بانس۔ الحشیش۔ گھاس پھوس۔ اوسق۔ یہ وَسق کی جمع ہے۔ ساٹھ صاع۔ خضراوات۔ سبزیاں۔

خلاصہ:۔ زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہونے کے متعلق امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہ کوئی نصاب متعین ہے اور نہ سال بھر تک باقی رہنے والی پیداوار کی شرط ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک دو چیزیں شرط ہیں ایک نصاب کا متعین ہونا یعنی پیداوار پانچ وسق کی مقدار ہو۔ دوسرے یہ کہ زمین کی پیداوار بلا کسی تدبیر کے ایک سال تک باقی رہے۔ ایک وسق حضورؐ کے صاع سے ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک لکڑی، نرکل اور گھاس میں عشر نہیں ہے کیونکہ یہ سب خودرو ہیں۔ البتہ جن گھاسوں کی کاشت کیجاتی ہے ان میں عشر واجب ہے۔ اور سبزیوں میں صاحبین کے نزدیک ان کے ذکر کردہ شرطوں کے مطابق عشر نہیں ہے کیونکہ بلا تدبیر کے ان کا باقی رکھنا ممکن نہیں البتہ امام اعظمؒ کے نزدیک عشر واجب ہے۔

وماسُقِیَ بغَرْب اَوْ دَالِیَةٍ اَوْ سَانِیَةٍ فَفِیْهِ نِصْفُ الْعُشْرِ عَلَی القولَیْنِ وَقَالَ اَبُویُوسُفَ فِیْمَا لا یُوْسَقُ کالزَّعْفرَانِ وَالْقُطْنِ یَجبُ فِیْهِ الْعُشْرُ اِذَا بَلَغَتْ قِیمتُهُ قِیمَةَ خَمسَةِ اَوْسقٍ مِنْ ادنیٰ ما یَدْخُلُ تَحْتَ الوَسَقِ وقال محمدٌ یجبُ العشر اِذا بَلَغَ الْخَارِجُ خَمْسَةَ اَمْثَالٍ مِنْ اعلیٰ ما یُقَدَّرُ بِهٖ نَوْعُهُ فاعتُبِر فِی الْقُطْنِ خَمْسَةُ اَحْمَالٍ وفی الزَّعفرَانِ خَمْسَةَ اَمْناءٍ.

ترجمہ:۔ اور جو زمین ڈول یا رہٹ یا اونٹنی سے سینچی گئی ہو تو اس میں دونوں قول پر نصف عشر ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جو چیزیں وسق سے نہیں ہیں جیسے زعفران اور روئی تو ان میں عشر واجب ہے بشر طیکہ ان کی قیمت ایسی ادنیٰ درجہ کی پانچ وسق کی قیمت کو پہونچ جائے جو وسق سے ناپی جاتی ہوں۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ عشر واجب ہو گا بشرطیکہ پیداوار پانچ ایسی اعلیٰ چیزوں کی مقدار کو پہونچ جائے جس کے ذریعہ ان جیسی چیزوں کا انداز کیا جاتا ہے اس لئے روئی کے اندر پانچ حمل (گونوں) کا اعتبار کیا گیا ہے اور زعفران میں پانچ من (سیر) کا۔

حل لغات:۔ غرب ۔ بڑا ڈول۔ دالیہ ۔ رہٹ۔ سانیہ ۔ اونٹنی جس پر کنویں سے پانی لاکر سینچائی کی جاتی ہے۔ قطن ۔ روئی۔ احمال ۔ واحد حمل ایک اونٹ کا بوجھ۔ ایک حمل تقریباً تین من کا ہوتا ہے۔ تو پانچ حمل برابر پندرہ سو من ہوا۔ امناء ۔ یہ من کی جمع ہے۔

خلاصہ:۔ اس عبارت میں دو مسئلے مذکور ہیں مسئلہ (۱) جو زمین ڈول یا رہٹ یا اونٹنی کے ذریعہ سینچ کر سیراب کی گئی ہو اس میں دو مختلف قول ہونے کی بنیاد پر نصف عشر واجب ہو گا (کہ امام اعظم کے نزدیک پیداوار کا بقدر نصاب ہونا اور اس کا سال بھر تک باقی رہنا شرط نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک دونوں شرط ہے) مسئلہ (۲) جن چیزوں کی خرید و فروخت میں وسق سے ناپنے کا معمول نہیں ہے یعنی جو چیزیں غیر وسقی ہیں مثلاً زعفران اور روئی تو اس میں عشر کا وجوب کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ اس شرط میں صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ غیر وسقی چیز کی قیمت اگر ادنیٰ درجہ کی وسقی چیز سے پانچ وسق تک پہونچ جاتی ہے تو اس میں عشر واجب ہو گا مثلاً دو سو گرام زعفران کی قیمت پانچ وسق جوار کی قیمت کو پہونچ جاتی ہے تو دو سو گرام زعفران میں عشر واجب ہو گا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ غیر وسقی چیزیں اعلیٰ درجہ کی معیار کی پانچ کی تعداد کو پہونچ جائیں تو اس میں عشر واجب ہو گا ورنہ نہیں گویا غیر وسقی چیزوں میں اعلیٰ معیار معتبر ہے اس لئے روئی میں پانچ احمال معتبر ہیں کیونکہ روئی میں سب سے اعلیٰ اور بڑا اندازہ کرنے کا آلہ اور معیار حمل ہے اور زعفران کے اندر سب سے اعلیٰ معیار من ہے اس لئے زعفران اگر پانچ من کی مقدار میں ہو تو اس میں عشر واجب ہو گا۔

وفِی العَسَلِ العُشْرُ اِذَا اُخِذَ مِنْ اَرْضِ العُشْرِ قَلَّ اَوْ کَثُرَ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ فِیْهِ حَتّٰی تَبْلُغَ عَشَرَةَ اَزْقَاقٍ وَقَالَ مُحَمَّدٌ خَمْسَةَ اَفْرَاقٍ والفَرْقُ سِتَّةٌ وثلثون رطلاً بِالعِرَاقِیِّ ولیس فِی الْخَارِجِ مِنْ اَرْضِ الْخِرَاجِ عُشْرٌ.

ترجمہ:۔ اور شہد میں عشر ہے بشرطیکہ وہ عشری زمین سے حاصل کیا گیا ہو قلیل ہو یا کثیر، امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس (شہد) میں (عشر) اس وقت ہے جبکہ وہ دس مشکیزہ کو پہونچ جائے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جب پانچ فرق ہو اور فرق عراقی چھتیس رطل کا ہوتا۔ اور خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے۔

حل لغات:۔ العسل ۔ شہد۔ اخذ منه ۔ حاصل کیا گیا۔ ازقاق ۔ زق کی جمع ہے مشک۔ افراق ۔ فرق کی جمع ہے۔ چھتیس رطل کا ایک پیمانہ۔ الخارج: پیداوار۔

تشریح۔ وفی العسل العشر:۔ مسئلہ یہ ہے کہ عشری زمین سے لئے گئے شہد میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک عشر واجب نہیں ہے۔ احناف کے نزدیک واجب ہے البتہ نصاب کے بارے میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نصاب متعین نہیں ہے اس لئے شہد تھوڑا ہو یا زیادہ سب میں واجب ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے دو روایت ہے ایک روایت کے اعتبار سے شہد اگر پانچ وسق کی قیمت کے برابر ہو تو عشر واجب ہو گا ورنہ نہیں، ان کے نزدیک یہی اصل ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ شہد کی مقدار دس مشکیزہ کے برابر ہو تو عشر واجب ہو گا ورنہ نہیں۔ دس مشکیزہ کے استدلال میں قدوری کی حاشیہ پر قوم بنی شبانہ کا واقعہ نقل کیا گیا ہے اس کا مطالعہ فرمائیں۔ امام محمدؒ کے نزدیک پانچ فرق کا اعتبار ہے۔ ایک فرق چھتیس رطل کا ہوتا ہے۔

لیس فی الخارج:۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک خراجی زمین کی پیداوار میں عشر واجب نہیں کیونکہ عشر کے واجب ہونے کے لئے دیگر شرائط کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ زمین خراجی نہ ہو کیونکہ عشر اور خراج کا یکجا ہونا ممکن نہیں ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے "لا تجمع عشر وخراج" امام شافعیؒ خراجی زمین میں عشر کے قائل ہیں۔

باب من یجوز دفع الصدقة الیه ومن لا یجوز

(اس کا بیان جس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور جس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے)

اس سے پہلے زکوٰۃ اور اس کے احکام کو بیان کر رہے تھے اور اب اس باب میں زکوٰۃ و صدقات کے مصارف کو بیان کریں گے۔

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ الآیة فَھٰذِہٖ ثَمَانِیَةُ اصنافٍ فَقَدْ سَقَطَ منها المُؤَلَّفَةُ قُلُوْبُھُم لِاَنَّ اللہَ تعالیٰ اَعَزَّ الاِسْلَامَ وَاَغنیٰ عَنْھُم وَالْفَقِیْرُ مَنْ لَہٗ اَدْنیٰ شئیٌ وَالْمِسْکِیْنُ مَنْ لَا شئی لَہٗ وَالْعَامِلُ یَدْفَعُ اِلَیْہِ الاِمَامُ اِنْ عَمِلَ بِقَدْرِ عَمَلِہٖ وَفِی الرِّقَابِ ان یُّعَانَ الْمُکَاتَبُوْنَ فِی فَکِّ رِقَابِھِمْ والغَارِمُ مَنْ لَزِمَہٗ دَیْنٌ وَفِیْ سَبِیْلِ اللہِ مُنْقَطِعُ الْغُزَاۃِ وابنُ السَّبِیْلِ مَنْ کَانَ لَہٗ مالٌ فِیْ وَطَنِہٖ وَھُوَ فِیْ مَکَانٍ اٰخَرَ لَا شئی لَہٗ فِیْہِ فَھٰذِہٖ جِھَاتُ الزکوٰۃِ وللمالك ان یَدْفَعَ اِلیٰ کُلِّ وَاحِدٍ مِنْھُمْ ولَہٗ ان یَّقْتَصِرَ عَلیٰ صِنْفٍ وَاحِدٍ۔

ترجمہ:۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ یقیناً صدقات فقراء و مساکین کا حق ہے۔ (الآیۃ) پس یہ آٹھ اقسام ہیں جن میں سے مؤلف القلوب (۱) ساقط ہو گئے۔ اس لئے کہ اللہ نے اسلام کو غالب کر دیا۔ اور ان لوگوں سے بے نیاز کر دیا۔ اور فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی ادنیٰ چیز ہو اور مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ اور امام عامل کو اس کے عمل کے بقدر دے گا اگر اس نے کام کیا ہے۔ اور گردنوں کے چھڑانے میں۔ وہ یہ ہے کہ مکاتبوں کی ان کی گردنوں کے چھڑانے میں مدد کی جائے۔ اور غارم وہ شخص ہے جس کے ذمہ قرض لازم ہو۔ اور اللہ کی راہ میں (اس سے مراد) منقطع الغزاۃ ہیں (وہ غازی

جو مال سے منقطع ہوں) اور ابن السبیل وہ شخص ہے جس کا مال اس کے وطن میں ہو اور وہ کسی ایسی جگہ پر ہو کہ وہاں پر اس کے پاس کچھ نہ ہو پس یہ مصارف زکوٰۃ ہیں۔ اور مالک کو اختیار ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو دے دے اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ ایک قسم کے لوگوں پر اکتفاء کرے۔

حل لغات:۔ فقراء۔ فقیر کی جمع ہے۔ غریب۔ اصناف۔ صنف کی جمع ہے۔ قسم۔ المؤلفة۔ اسم مفعول مصدر تالیف ہے ملائے گئے۔ جوڑے گئے۔ قلوب۔ قلب کی جمع ہے۔ دل۔ اعز۔ مصدر اعزازاً۔ عزیز بنانا۔ غالب کرنا۔ اغنیٰ۔ مصدر اغناء۔ اغنیٰ عنه كذا۔ بے نیاز کرنا۔ دور کرنا۔ العامل۔ کام کرنے والے۔ محکمہ زکوٰۃ کے کارندے۔ محصل زکوٰۃ۔ فك۔ مصدر فَكٌّ۔ الاَسِيرَ (ن) قیدی کو چھڑانا۔ الغارم۔ مقروض۔ ابن السبیل۔ مسافر۔ جهات۔ جهة کی جمع ہے۔ جانب۔ یہاں مصارف کے معنی میں ہے۔

خلاصه:۔ یہاں مصارف زکوٰۃ کو بیان کیا جارہا ہے اس سلسلہ میں اصل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "انما الصدقات للفقراء والمساكين الآية" اس آیت سے معلوم ہوا کہ مصارف زکوٰۃ آٹھ قسم کے لوگ ہیں۔ (۱) فقراء (۲) مساکین (۳) عاملین۔ جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات وغیرہ کے کاموں پر مامور ہوں۔ (۴) مؤلفۃ القلوب جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا وہ اسلام میں کمزور ہوں۔ (۵) فک رقاب۔ اس کی دو تفسیر کی گئی ہے۔ (۱) مال زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کیا جائے (۲) مکاتب کی بدل کتاب ادا کرنے میں مدد کی جائے۔ صاحب کتاب نے اس دوسری تفسیر کو پسند فرمایا ہے۔ (۶) غارمین۔ وہ حضرات جن کے ذمہ لوگوں کا قرض ہو اور قرضہ سے زائد مقدار نصاب کا مالک نہ ہو (۷) فی سبیل اللہ۔ جہاد میں جانے والوں کی اعانت کرنا۔ امام یوسفؒ نے فی سبیل اللہ سے غازی مراد لیا ہے جو مال سے منقطع ہو اور امام محمدؒ نے حاجی مراد لیا ہے جو مال سے منقطع ہو۔ (۸) ابن السبیل۔ وہ مسافر جو حالت سفر میں نصاب کا مالک نہ ہو اگرچہ اس اس کے مکان پر دولت ہو۔ صاحب مال کو اختیار ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مذکورہ مستحقین میں سے مؤلفۃ القلوب کو چھوڑ کر سب کو برابر برابر تقسیم کرے اور چاہے تو کسی ایک کو ہی ساری رقم دے دے۔ گویا مؤلفۃ القلوب کے استثناء کے بعد اب مصارف زکوٰۃ سات قسم کے لوگ ہیں جن کو زکوٰۃ دیجا سکتی ہے۔

تشریح۔ فقد سقط:۔ اکثر علماء کے نزدیک حضور علیہ کے بعد مؤلفۃ القلوب کی قسم نہیں رہی۔ محشی قدوری نے عنایہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مؤلفۃ القلوب کی تین قسمیں ہیں۔ اول دو قسم میں کافر ہیں تیسری قسم میں ضعیف العقیدہ مسلمان ہیں کافر کی پہلی قسم کو آپؐ زکوٰۃ اسلئے دیا کرتے تاکہ وہ خود اسلام قبول کریں اور ان کیوجہ سے ان کی قوم اسلام قبول کرے۔ کافر کی دوسری قسم کو اسلئے زکوٰۃ دیتے تاکہ مسلمان انکے شر و فساد سے محفوظ رہیں۔ تیسری قسم ضعیف العقیدہ مسلمانوں کو اسلئے دیتے تاکہ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ لیکن جب اللہ نے اسلام کو غلبہ دیا اور اسکو مضبوط کر دیا تو پھر یہ حکم ساقط ہو گیا۔

الفقير:۔ فقیر و مسکین کی تعریف میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ مال ہو مگر بقدر نصاب نہ ہو۔ اور مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ مال ہو مگر بقدر نصاب نہ ہو۔

وَلا یجوز ان یُدفَعَ الزکوٰۃُ اِلیٰ ذِمِّیٍ ولا یبنی بھَا مسجدٌ ولا یکفن بھامیّت ولا یشتری بھا رقبۃٌ یُعتَقُ ولا تُدْفَعُ اِلیٰ غَنِیٍّ ولا یَدْفَعُ المزکّیِ زکوتَہٗ اِلیٰ اَبِیْہٖ وَ جَدِّہٖ وان علا ولا الیٰ ولدِہٖ وولَدِ ولَدِہٖ وَاِنْ سَفُلَ ولا اِلیٰ اُمِّہٖ وَجَدَّاتِہٖ وَاِنْ عَلَتْ ولا اِلیٰ اِمْرَأتِہٖ وَلاَ تَدْفَعُ المَرْأۃُ اِلٰی زَوْجِھَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تعالٰی وَقَالاَ تَدْفَعُ اِلَیْہِ وَلاَ تَدْفَعُ اِلٰی مُکَاتَبِہٖ وَلاَ مَمْلُوْکِہٖ وَلاَ مَمْلُوْکِ غَنِیٍّ وَوَلَدِ غَنِیٍّ اِذَا کَانَ صَغِیْراً ولا یَدْفَعُ اِلیٰ بَنِی ھَاشِمٍ وَ ھُمْ آلُ عَلِیٍّ وَآلُ عَبَّاسٍ وَآلُ جعفرَ وَآلُ عَقِیْلٍ وَآلُ حَارِثِ بن عَبْدِ المُطَّلِبِ وموَالِیْھِمْ۔

ترجمہ:۔ اورکسی ذمی کوزکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔اورزکوٰۃ کے مال سے مسجد نہ بنائی جائے،اوراس سے کسی میت کوکفن نہ دیا جائے اوراس سے کسی غلام یاباندی کوخرید کرآزاد نہ کرایا جائے۔اورکسی مالدار کونہ دی جائے۔اورزکوٰۃ دہندہ اپنی زکوٰۃ (کی رقم) اپنے باپ اوردادا کونہ دے اگرچہ اونچے درجہ کا ہو۔اوراپنے بیٹے،پوتے کونہ دے اگرچہ نیچے درجہ کا ہو۔اوراپنی ماں اورنانی کونہ دے اگرچہ اونچے درجہ کی ہوں۔اوراپنی بیوی کونہ دے۔اورامام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت اپنے شوہر کونہ دے اورصاحبین نے کہاکہ عورت اپنے شوہر کودے سکتی ہے۔اوراپنے مکاتب اورغلام کونہ دے،اورکسی مالدار کے غلام اوراس کے چھوٹے بچے کونہ دے،اوربنوہاشم کوزکوٰۃ نہ دے اوروہ حضرت علی،حضرت عباس،حضرت جعفر،حضرت عقیل،اور حضرت حارث بن عبدالمطلب کی اولاد ہیں اوران کے غلاموں کوبھی۔

تشریح:۔ اس پوری عبارت میں تقریباًسولہ اشخاص اورجگہوں کاتذکرہ کیاگیاہے جوزکوٰۃ کے مصرف سے خارج ہیں۔

ولا یدفع المزکی زکوتہ الخ:۔ اس عبارت سے یہ اصول نکلتاہے کہ جن لوگوں کے ساتھ قرابت ولاد کارشتہ ہے ان کوزکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔کیونکہ املاک کے منافع ان لوگوں کے درمیان متصل اورمشترک ہیں،اس لئے زکوٰۃ دینے کی صورت میں تملیک کاتحقق نہیں ہوگااورجبکہ تملیک،زکوٰۃ کارکن ہے۔نیزعبارت "ولاتدفع المرأۃ الخ" سے واضح ہوتاہے کہ احناف کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ عورت اپنے شوہرکوزکوٰۃ دے سکتی ہے یانہیں؟امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت کے لئے اپنے شوہرکوزکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے گذشتہ دلیل کی وجہ سے کہ منافع دونوں کے درمیان مشترک ہیں۔لیکن صاحبینؒ کے نزدیک زکوٰۃ دینا جائز ہے کیونکہ ارشادنبوی " لك اجران اجر الصدقۃ واجر الصلۃ "یعنی تیرے لئے دواجرہیں ایک صدقہ کادوسرے صلہ رحمی کا۔یہ کلام آپ نے عبداللہ ابن مسعود کی بیوی سے ارشاد فرمایاتھاجب انھوں نے عبداللہ بن مسعود کوصدقہ دینے کے بارے میں دریافت کیاتھا۔ہم اس کاجواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث صدقات نافلہ پرمحمول ہے یعنی اس حدیث کاتعلق صرف صدقات نافلہ سے ہے زکوٰۃ سے نہیں ہے۔یہ روایت صحیحین اورنسائی میں موجود ہے۔

وَقَالَ ابو حنيفة و مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللهُ اِذَا دَفَعَ الزكوٰةَ اِلىٰ رَجُلٍ يَظُنُّهُ فقيراً ثُمَّ بَانَ اَنَّهُ غَنِيٌّ او هَاشميٌّ او كافرٌ او دَفَعَ فِى ظلمةٍ اِلى فقيرٍ ثم بَانَ انه اَبُوْهُ اَوْ اِبْنُهُ فَلا اِعَادَةَ عَلَيْهِ وَقَالَ ابويوسف رَحِمَهُ اللهُ تعالىٰ وعليه الْاِعَادَةُ وَلَوْ دَفَعَ اِلىٰ شَخْصٍ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهُ عَبْدُهُ او مُكَاتَبُهُ لَمْ يَجُزْ فِىْ قَوْلِهِمْ جميعاً وَلَا يَجُوْزُ دَفْعُ الزكوٰةِ اِلىٰ مَن يَّمْلِكُ نِصَاباً مِنْ اَىِّ مالٍ كَانَ وَ يَجُوْزُ دَفْعُهَا اِلىٰ مَن يَّمْلِكُ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ وَاِنْ كَانَ صحيحاً مُكْتَسِباً وَيُكْرَهُ نَقْلُ الزكوٰةِ مِنْ بَلَدٍ اِلىٰ بَلَدٍ اٰخر وَاِنَّمَا يُفَرَّقُ صَدَقَةُ كُلِّ قَوْمٍ فِيْهِمْ اِلَّا اَنْ يَّحْتَاجَ ان يَّنْقُلَهَا الانسانُ اِلىٰ قَرابَتِه اَوْ اِلىٰ قومٍ هُمْ اَحْوَجُ اِلَيْهِ مِنْ اَهْلِ بَلَدِه.

ترجمہ:۔ اور امام ابو حنیفہؒ وامام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے کسی شخص کو فقیر خیال کرتے ہوئے زکوٰۃ دے دی پھر انکشاف ہوا کہ وہ شخص مالدار ہے یا ہاشمی ہے یا کافر ہے یا اندھیرے میں کسی فقیر کو زکوٰۃ دی پھر پتہ چلا کہ وہ اس کا باپ یا اس کا بیٹا ہے تو اس کے لئے دوبارہ زکوٰۃ دینا ضروری نہیں ہے اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ اس کے لئے دوبارہ زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔ اور اگر کسی شخص کو زکوٰۃ دی پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شخص اس کا غلام یا اس کا مکاتب ہے تو تمام حضرات کے قول میں جائز نہیں ہے۔ اور ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے جو کسی بھی مال سے نصاب کا مالک ہوا ہو۔ اور ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جو نصاب سے کم کا مالک ہو اگر چہ تندرست کمانے والا ہو۔ اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف زکوٰۃ منتقل کرنا مکروہ ہے۔ اور ہر قوم کی زکوٰۃ انہیں میں تقسیم کردی جائے مگر یہ کہ ضرورت ہو کہ انسان اپنی زکوٰۃ کو اپنے عزیزوں یا ایسے لوگوں کی طرف منتقل کرے جو اس کے شہر والوں سے زیادہ ضرورت مند ہوں (تو کوئی مضائقہ نہیں ہے)

حل لغات:۔ بانَ۔ (ض) سے مصدر بَيَاناً وتَبْيَاناً وتِبْيَاناً۔ ظاہر ہونا۔ منکشف ہونا۔ واضح ہونا۔ مکتسباً۔ اسم فاعل، مصدر اکتساباً ہے باب افتعال سے۔ کمانے والا۔ حاصل کرنے والا۔ قَرابۃ۔ عزیز داری۔ رشتہ داری۔ احوج۔ اسم تفضیل۔ زیادہ ضرورت مند۔

خلاصہ:۔ صاحب کتاب نے اپنی اس عبارت میں پانچ مسئلوں کو قلمبند کیا ہے جو ذیل کی سطور میں نقل کئے جا رہے ہیں۔ (۱) میں طرفین اور امام ابویوسفؒ کا اختلاف ہے۔ (۲، ۳) میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (۴) میں احناف و شوافع کا اختلاف ہے۔ (۵) میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ بعض صورتوں میں کراہت ہے۔

مسئلہ:۔ (۱) اگر زکوٰۃ دینے والے نے ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جس کو وہ اپنے گمان کے مطابق زکوٰۃ کا مصرف سمجھ رہا تھا لیکن بعد میں یہ انکشاف ہوا کہ یہ شخص زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے۔ مثلاً وہ مالدار ہے یا ہاشمی ہے یا کافر ہے یا اس کا باپ یا اس کا بیٹا ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی یا عدم ادائیگی کے متعلق طرفین اور امام ابویوسفؒ کا اختلاف ہے۔ طرفین کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہو جائیگی دوبارہ زکوٰۃ دینا لازم نہیں ہے فتویٰ اسی پر ہے۔ امام ابویوسفؒ کے نزدیک زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ دوبارہ زکوٰۃ دینا ضروری اور لازمی ہے اور جو مال دیدیا گیا ہے اس کو واپس نہ لے۔

مسئلہ:۔(۲) اگر کسی نے بلا کسی پہچان کے کسی کو زکوٰۃ دے دی اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اس کا غلام ہے یا اس کا مکاتب ہے تو بالاتفاق ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ تملیک جو رکن زکوٰۃ ہے وہ معدوم ہے۔

مسئلہ:۔(۳) کسی مالک نصاب کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے خواہ کسی مال سے ہو۔

مسئلہ:۔(۴) جو شخص نصاب سے کم کا مالک ہو تو اگرچہ تندرست کمانے والا ہو حنفیہ کے نزدیک ایسی شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔(۵) زکوٰۃ کا مال ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا مکروہ ہے بلکہ جس قوم سے زکوٰۃ لی گئی ہے اسی قوم سے غریب عوام میں تقسیم کر دی جائے۔ البتہ اگر کسی دوسرے شہر میں کسی کے عزیز و رشتہ دار رہتے ہوں یا دوسرے شہر کے لوگ اس شہر کے فقراء سے زیادہ ضرورت مند ہوں تو پھر ایسی صورت میں دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

باب صدقۃ الفطر

(صدقۂ فطر کا بیان)

صدقہ کی اضافت فطر کی طرف اضافۃ الشئی الی شرطہ کی قبیل سے ہے جیسے حجۃ الاسلام یا اضافۃ الشئی الی سببہ کی سے ہے جیسے حج البیت اور صلوٰۃ الظہر میں ہے، اور صدقۃ الفطر کی کتاب الزکوٰۃ سے مناسبت اس طور پر ہے کہ دونوں عبادات مالیہ ہیں مگر زکوٰۃ کا ثبوت کتاب اللہ سے ہونے کی وجہ سے اس کا درجہ صدقۃ الفطر کے مقابل میں بلند ہے اس لئے کتاب الزکوٰۃ کو صدقۃ الفطر پر مقدم کیا گیا ہے۔ صدقۃ الفطر واجب ہے اور زکوٰۃ فرض ہے۔ صدقۃ الفطر میں، فطر، صدقہ کی شرط ہے اور فطر اپنے وجود کے اعتبار سے صوم سے مؤخر ہے اس لئے ترتیب وجودی کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو کتاب الصوم کے بعد لانا چاہئے تھا مگر اس مقام پر صرف مذکورہ بالا مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا گیا۔ صدقہ کا لغوی معنیٰ وہ عطیہ ہے جس سے عند اللہ ثواب مقصود ہو۔ صدقہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کی ادائیگی صدقہ دینے والے کی سچی رغبت کا پتہ دیتی ہے۔ لفظ فطر، فطرت سے ماخوذ ہے اور نفس و خلقت کے معنی میں ہے کیونکہ یہ صدقہ ہر نفس اور ہر انسان کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

صدقة الفطرِ واجبةٌ على الحُرِّ المُسْلِمِ اِذَا كَانَ مَالِكاً لِمِقْدارِ النصاب فاضلاً عن مَسْكَنِهٖ وَثِيَابِهٖ وَاَثَاثِهٖ وَفَرَسِهٖ وسَلَاحِهٖ وَعَبِيْدِهٖ للخدمَةِ يُخْرِجُ ذٰلِكَ عن نَفْسِهٖ وَعَنْ اَوْلَادِهِ الصِّغارِ وعَبِيدِهٖ لِلْخدمةِ وَلَا يُؤَدِّى عَنْ زوجته ولا عن اولادِهِ الكِبَارِ وان كانوا فِيْ عَيَالِهٖ ولا يُخْرِجُ عَنْ مُكَاتَبِهٖ ولا عن مماليكه للتجارَةِ وَالْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ لَا فِطْرَةَ عَلَىٰ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ويؤدى المسلمُ الفطرةَ عن عَبْدِهٖ الكافِرِ.

ترجمہ:۔ صدقۂ فطر آزاد مسلمان پر واجب ہے جبکہ وہ مقدار نصاب کا مالک ہو جو اس کے رہائشی مکان، کپڑوں، گھریلو سامان، گھوڑے، ہتھیار اور خدمتی غلام سے زائد اور فاضل ہو۔ اس صدقہ کو اپنی طرف سے، اپنی چھوٹی اور نابالغ اولاد

اور اپنے خدمتی غلام کی طرف سے نکالے، اور اپنی بیوی اور بڑی اولاد کی طرف سے ادا نہ کرے اگرچہ وہ اس کی عیال میں ہوں، اور اپنے مکاتب اور تجارتی غلام کی طرف سے نہ نکالے، اور جو غلام دو شریکوں کے درمیان ہوں ان میں سے کسی پر اس کا صدقۂ فطر واجب نہیں ہے۔ اور مسلمان اپنے کافر غلام کی طرف سے فطرہ ادا کرے۔

خلاصہ:۔ اس پوری عبارت میں اولاً وجوب صدقۂ فطر کی شرائط کو بیان کیا گیا یعنی جس پر صدقۂ فطر واجب ہے وہ آزاد ہو مسلمان ہو مقدار نصاب کا مالک ہو خواہ نامی ہو یا غیر نامی، البتہ ضروریات اصلیہ سے فاضل ہو مثلاً وہ مال رہائشی مکان کپڑے وغیرہ سے زائد ہو۔ اس کے بعد یخرج سے للخدمۃ تک کی عبارت میں یہ واضح کر دیا گیا کہ مالک نصاب کن کن لوگوں کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرے۔ اسی طرح ولا یؤدی سے منہما تک کی عبارت میں یہ واضح کر دیا گیا کہ مالک نصاب کن کن لوگوں کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرے۔ آخر میں ویؤدی المسلم الخ کی عبارت میں بیان کر دیا گیا کہ مسلمان اپنے کافر غلام کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرے گا (امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مسلمان اپنے کافر غلام کی طرف سے صدقہ ادا نہیں کرے گا)۔

تشریح:۔ صدقة الفطر واجبة:۔ ہمارے نزدیک صدقۂ فطر واجب ہے کیونکہ اس کا ثبوت اخبار آحاد سے ہے اور اخبار آحاد دلیل قطعی نہ ہونے سے اس سے وجوب کے فرضیت کا ثبوت نہیں ہوتا وہ حدیث یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا "ادواعن كل حر وعبد صغيراً او كبيراً نصف صاع من بُرٍّ او صاعاً من شعير" یعنی ادا کرو ہر آزاد اور غلام کی طرف سے خواہ صغیر ہو یا کبیر نصف صاع گیہوں کا یا ایک صاع جو کا۔ اس حدیث کو ثعلبہ بن صعیر عدوی نے روایت کیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صدقۂ فطر فرض ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے "فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكوة الفطر على الذكر والانثىٰ الخ" یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عمر کی ہے۔ اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں لفظ فرض سے اصطلاحی فرض مراد نہیں ہے بلکہ قدّر کے معنی میں ہے یعنی مقرر کیا کیونکہ اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ منکر صدقۂ فطر کافر نہیں اگر صدقۂ فطر فرض ہوتا تو یقیناً اس کا منکر کافر ہوتا۔

وَالْفِطْرَةُ نِصْفُ صَاعٍ من بُرٍّ او صاعٌ من تمرٍ او زَبِيبٍ او شَعِيرٍ والصَّاعُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ ثَمَانِيَةُ ارطالٍ بالعِرَاقِيِّ وقال ابويوسفَ خمسةَ اَرْطَالٍ وثُلُثُ رَطْلٍ ووجوبُ الفطرةِ يَتَعَلَّقُ بطلوعِ الفجر الثانى مِنْ يومِ الفِطْرِ فَمَنْ مَاتَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَمْ تَجِبْ فِطْرَتُهٗ وَمَنْ اَسْلَمَ اووُلِدَ بَعْدَ طلوعِ الْفَجْرِ لَمْ تَجِبْ فِطْرَتُهٗ والمستحبُ اَنْ يُخْرِجَ النَّاسُ الفطرةَ يومَ الفِطْرِ قبلَ الخروجِ الى المصلىٰ فان قدموهاقَبْلَ يومِ الفِطْرِ جَازَ وَاِنْ اَخَّرُوهَا عَنْ يَوْمِ الفِطْرِ لَمْ تَسْقُطْ وَكَانَ عَلَيْهِمْ اِخْرَاجُهَا.

ترجمہ:۔ اور صدقۂ فطر گیہوں کا نصف صاع ہے اور کھجور یا کشمش یا جو کا ایک صاع ہے۔ اور صاع امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک عراقی رطل سے آٹھ رطل ہے اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ پانچ رطل اور تہائی رطل ہے۔ اور فطرہ کا

وجوب عید کے روز فجر ثانی کے طلوع سے متعلق ہوتا ہے پس جو شخص اس سے قبل انتقال کر گیا اس کا صدقۂ فطر واجب نہیں ہے۔ اور جو شخص طلوع فجر کے بعد اسلام لایا یا پیدا ہوا تو اس کا فطرہ واجب نہیں ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ لوگ عیدالفطر کے دن عیدگاہ جانے سے پہلے فطرہ نکال دیں، اور اگر لوگوں نے صدقۂ فطر کو عید کے دن پر مقدم کر دیا تو جائز ہے۔ اور اگر لوگوں نے صدقۂ فطر کو عید کے دن سے مؤخر کر دیا تو یہ صدقہ (ان کے ذمہ سے) ساقط نہیں ہوگا اور ان پر اس کا نکالنا واجب رہے گا۔

حل لغات:۔ بُرّ۔ گیہوں تمر۔ کھجور۔ زبیب۔ کشمش۔ شعیر۔ جو۔ ارطال۔ رطل کی جمع ہے۔ بارہ اوقیہ کا ایک وزن ہے۔ مصلی۔ عیدگاہ۔

تشریح:۔ **والفطرة نصف صاع الخ:**۔ صدقۃ الفطر کی مقدار کے متعلق ائمہ کے درمیان قدرے اختلاف ہے جو درج ذیل ہے۔

مسلک امام اعظم:۔ گیہوں، آٹا، ستو، کشمش سے اگر صدقۂ فطر ادا کیا جائے تو اس کی مقدار نصف صاع ہے۔ اور کھجور اور جو کی مقدار ایک صاع ہے، امام مالکؒ کی بھی ایک روایت ہے۔

مسلک صاحبین:۔ گیہوں آٹا ستو کی تعداد نصف صاع ہے اور کھجور جو اور کشمش کی مقدار ایک صاع ہے۔

مسلک ائمہ ثلاثہ:۔ مذکورہ اشیاء میں سے ہر ایک کی مقدار ایک صاع ہے۔ فتویٰ امام ابو حنیفہؒ کے قول پر ہے۔

ثمانیة ارطال:۔ صاع کے متعلق ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ طرفین کے نزدیک ایک صاع عراقی آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔ امام یوسفؒ کے نزدیک ایک صاع عراقی پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا ہوتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں صاع چھوٹے اور بڑے ہوتے تھے آج کل ایک صاع میں ایک کلو چھ سو سینتیس گرام کی مقدار کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ اس موقع پر شراح کرام نے بہت تفصیلی کلام کیا۔ تفصیل طلب حضرات ہدایہ کی شروحات کی طرف رجوع کریں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ عبدالعلی غفرلہ

کتاب الصوم

(روزہ کا بیان)

چونکہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں صوم کو زکوٰۃ کے بعد بیان کیا گیا ہے اسلئے صاحب کتاب نے کتاب وسنت کی اتباع کے پیش نظر کتاب الزکوٰۃ کے بعد کتاب الصوم کو ذکر کیا۔ صوم وصیام دونوں مصدر ہیں۔ لغت میں اس کا معنی مطلقاً امساک (رکنے) کے ہیں خواہ کسی چیز سے ہو، اور شریعت میں اس کا مفہوم یہ ہے "صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ کی نیت سے کھانے پینے اور جماع سے رکنا ہے" روزہ اسلام کے ارکان خمسہ میں سے تیسرا رکن ہے۔ جس کی فرضیت ہجرت کے دوسرے سال یعنی اٹھارہ ماہ بعد ماہ شعبان میں تحویل قبلہ کے دس روز بعد ہوئی ہے، اس کی فرضیت کتاب وسنت اجماع اور قیاس سے ثابت ہے، جس کا منکر کافر اور تارک فاسق ہے۔ صوم رمضان کی فرضیت سے قبل حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام عاشوراء اور ایام بیض کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور حنفیہ کے نزدیک یہ دونوں فرض تھے اور

اہل شوافع کے نزدیک صوم رمضان کی فرضیت سے قبل کوئی روزہ فرض نہیں تھا۔ بلکہ صوم عاشورہ اور ایام بیض (چاند کی ۱۳/ ۱۴/ ۱۵/ تاریخ کو کہتے ہیں) پہلے بھی سنت تھے اور اب بھی سنت ہیں، مگر ابوداؤد کی روایت سے حنفیہ کے قول کی تائید ہورہی ہے جس میں حضورؐ نے صوم عاشوراء کے قضاء کا حکم دیا ہے کیونکہ قضاء کا تعلق فرض اور واجب سے ہے نہ کہ سنت سے۔ پھر تمام روزے صوم رمضان کی فرضیت سے منسوخ ہوگئے ارشاد باری ہے۔ فَمَنْ شَهِدَمِنكُمُ الشهر فليصمه،

الصوم ضَرْبَانِ واجبٌ ونفلٌ فالواجب ضربان منه ما يتعلق بزمان بعَيْنِهٖ كصومِ رَمَضَانَ والنذر المعين فيجوز صومُهٗ بنيةٗ من الليل فان لم ينوِ حتى اَصْبَحَ اجزأتهُ النية ما بينه وبين الزوالِ والضرب الثاني ما يثبت فى الذِمَّةِ كَقَضَاءِ رَمَضَانَ والنذر المطلق والكفارات فلا يجوز صومُهٗ اِلا بنية مِن اللَّيْلِ وكذلك صومُ الظِّهَارِ والنَّفلِ كُلّهٖ يَجُوْزُ بنيةٍ قبل الزَّوَالِ.

ترجمہ:۔ روزہ کی دوقسمیں ہیں۔ واجب اور نفل۔ پھر واجب کی دوقسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو متعین زمانہ سے تعلق رکھے جیسے رمضان اور نذر معین کے روزے، پس یہ روزے ایسی نیت سے جائز ہیں جو رات سے ہوں۔ اگر صبح تک نیت نہیں کی تو اس کو صبح اور زوال کے درمیان نیت کرنا کافی ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو ذمہ میں ثابت ہو جیسے قضاء رمضان نذر مطلق اور کفارے کے روزے، اور یہ روزے جائز نہیں ہیں مگر رات ہی کی نیت کرنے سے اور اسی طرح صوم ظہار ہے، اور تمام نفل روزے زوال سے قبل نیت کرنے پر درست ہوجاتے ہیں۔

خلاصہ:۔ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ روزہ کی دوقسمیں ہیں۔ (۱) واجب (۲) نفل۔ پھر واجب کی دوقسمیں ہیں۔ ایک وہ ہے جس کا تعلق مخصوص زمانہ سے ہو جیسے رمضان المبارک اور نذر معین کے روزے، اگر ان روزوں کی نیت رات میں کرلی جائے تو یہ روزے جائز ہوجائیں گے لیکن اگر صبح تک نیت نہیں کی تو صبح اور زوال کے درمیان (نصف النہار سے قبل تک) اگر نیت کرلی تو بھی جائز ہے۔ اور واجب کی دوسری قسم وہ ہے جو ذمہ میں ثابت ہو جیسے رمضان کی قضاء، نذر مطلق، کفارات اور ظہار کے روزے، ان روزوں کی نیت اگر طلوع صبح صادق سے پہلے کرلی جائے تو یہ روزے جائز ہوجائیں گے (اور اگر طلوع فجر کے بعد نیت کی تو یہ روزے جائز نہیں ہوں گے۔ چونکہ ان روزوں کا کوئی وقت متعین نہیں ہے، رمضان اور ایام منہی عنہا کے علاوہ کسی بھی دن رکھ سکتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ شروع ہی دن سے متعین کردیا جائے اور دن کی ابتداء طلوع فجر سے ہوتی ہے اسلئے طلوع فجر سے قبل یا فجر طلوع ہوتے ہی نیت کرے) اور تمام نفلی روزوں میں اگر نیت زوال سے پہلے پہلے کرلی جائے تو درست ہوجاتے ہیں۔ (گویا کہ اگر زوال کے بعد نیت کی گئی تو روزہ معتبر نہیں ہوگا۔ اس موقع پر یہ ذہن نشیں کرلیں کہ امام شافعیؒ وامام احمدؒ کے نزدیک رمضان، نذر معین اور نفلی روزے میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے اور امام مالک کے یہاں رات سے نیت ہر روزہ میں ضروری ہے) الحاصل روزے کی کل چھ قسمیں ہیں جن میں سے تین کا تعلق صرف رات کی نیت سے ہے۔ (۱) رمضان کے قضاء روزے (۲) نذر مطلق کے روزے (۳) کفارات کے

روزے، اور تین ایسے جو دن میں زوال سے پہلے نیت کرنے سے درست ہو جاتے ہیں (۱) رمضان کے روزے (۲) نذر معین کے روزے (۳) نفل روزے۔

ويبنبغي للناس ان يلتمسوا اللهلالَ في اليوم التاسع والعشرين من شعبانَ فإن راوه صاموا وان غُمَّ عَلَيْهِم اكملو عِدَّةَ شَعْبَانَ ثلثين يوماً ثم صاموا ومن رأى هلالَ رمَضَانَ وحدهٗ صَامَ وان لم يقبل الامامُ شهادَتَهٗ واذا كان في السماء عِلَّةٌ قَبِلَ الإمَامُ شَهَادَةَ الواحِدِ العَدْلِ في رويَةِ الهِلَالِ رجلاً كان او امرأةً حرّاً كان او عَبْداً فان لم يكن في السماء عِلَّةٌ لم تُقْبَلِ الشَّهَادَةُ حتىٰ يَرَاهُ جَمعٌ كَثِيرٌ يَقَعُ الْعِلْمُ بِخَبْرِهِمْ وَوَقْتُ الصَّوْمِ مِنْ حين طُلُوْعِ الْفَجْرِ الثاني اِلىٰ غُرُوْبِ الشَّمْسِ.

ترجمہ:۔ اور لوگوں کے لئے مناسب یہ ہے کہ چاند کو شعبان کی انتیسویں تاریخ کو تلاش کریں، پھر اگر لوگوں نے چاند دیکھ لیا تو روزہ رکھ لیں، اور اگر چاند ان پر پوشیدہ ہوگیا تو شعبان کی تیس کی تعداد پورا کریں اس کے بعد روزہ رکھیں، اور جس شخص نے تنہا رمضان کا چاند دیکھا تو وہ روزہ رکھے اگرچہ امام اس کی شہادت قبول نہ کرے، اور جب آسمان میں کوئی علت ہو تو چاند دیکھنے کے سلسلے میں امام ایک عادل شخص کی گواہی قبول کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام، پس اگر آسمان میں کوئی علت نہ ہو تو شہادت قبول نہ کرے یہاں تک کہ ایک ایسی جماعت کثیرہ چاند دیکھے جن کی خبر سے یقین آجائے۔ اور روزہ کا وقت فجر ثانی (صبح صادق) کے طلوع سے سورج کے غروب ہونے تک ہے۔

﴿رویت ہلال کے احکام﴾

خلاصہ:۔ اس موقع پر رویت ہلال سے متعلق تقریباً تین مسئلے اور صوم رمضان کے وقت کو بیان کیا گیا ہے۔ (چونکہ ماہ قمری کبھی ۲۹/ اور کبھی ۳۰/ کا ہوتا ہے) اس لئے مناسب ہے کہ شعبان کی انتیس تاریخ کو چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے اگر نظر آجاتا ہے تو اگلے دن روزہ رکھا جائے اور اگر گھٹا چھانے کی وجہ سے نظر نہیں آتا ہے تو شعبان کی تیس تاریخ پوری کر کے اگلے دن سے روزہ رکھنا شروع کردیں (جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں اسی قسم کا مضمون ہے) مسئلہ:۔ (۱) اگر کسی نے تنہا حالت بیداری میں چاند دیکھا اور ابر صاف تھا تو اس کے لئے روزہ رکھنا ضروری ہے اگرچہ امام المسلمین نے اس کی شہادت قبول نہ کی ہو۔ مسئلہ:۔ (۲) اگر مطلع بالکل صاف ہو تو رویت ہلال میں اتنی بڑی جماعت کی شہادت قبول ہوگی جن کی خبر سے چاند دیکھنے کا یقین حاصل ہو جائے۔ (امام یوسفؒ کے بیان کے مطابق کثیر سے مراد پچاس آدمی ہیں یعنی پچاس آدمی کی گواہی معتبر ہے) اور صاحب کتاب اخیر میں روزے کا وقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ روزے کا وقت صبح صادق طلوع ہونے کے وقت سے لے کر غروب آفتاب تک ہے۔

والصومُ هو الإمساكُ عن الاكل والشُرْبِ والجمَاع نهاراً مَعَ النِّيَّةِ فَإنْ اَكَلَ الصَّائِمُ او شَرِبَ او جَامَعَ ناسِياًلَم يُفطِرُ فَإنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ اونَظَرَ اِلىٰ اِمْرأتِهٖ فَانزَلَ او ادّهَنَ اَواحتجَمَ اَوِالكْتَحلَ او قَبّلَ لَمْ يُفطِرْ فَإنْ اَنزلَ بِقُبْلَةٍ اَوْ لَمْسٍ فعلَيْهِ الْقضاءُ وَلاَ كَفَّارَةَ عَلَيْهِ وَلاَ بَاْسَ بِالقُبْلَةِ اِذَاْ اَمِنَ عَلَىٰ نَفْسِهٖ ويَكْرَه اِنْ لَمْ يَاْمَنْ واِن ذَرَعَهُ القئ لَمْ يُفْطِرْ.

ترجمہ:۔ اور روزہ (شریعت کے اندر) وہ دن بھر نیت کے ساتھ کھانے، پینے اور جماع سے رکے رہنا ہے پس اگر روزے دار بھول کر کھالے یا پی لے یا جماع کرلے تو افطار نہیں ہوا (روزہ نہیں ٹوٹا) پھر اگر سو گیا اور اس کو احتلام ہو گیا یا اپنی بیوی کو دیکھا اور انزال ہو گیا یا تیل لگایا یا سینگی لگائی۔ یا سرمہ لگایا، یا بوسہ لیا تو اس کا افطار نہیں ہوا (روزہ نہیں ٹوٹا) پس اگر بوسہ لینے یا چھونے کی وجہ سے انزال ہو گیا تو اس پر قضا ہے کفارہ نہیں ہے۔ اور بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ اپنے نفس پر اطمینان ہو اور اگر اطمینان نہ ہو تو مکروہ ہے اور اگر کسی کو خود بخود قئی آگئی تو افطار نہیں ہوا۔ (روزہ نہیں ٹوٹا)

﴿ان چیزوں کا بیان جو مفسد صوم نہیں ہیں﴾

حل لغات:۔ امساك۔ باب افعال کا مصدر ہے۔ رکنا۔ ادهن صیغہ ماضی۔ مصدر ادھانا باب افتعال سے تیل لگانا احتجم۔ صیغہ ماضی، مصدر احتجاجاً۔ باب افتعال سے پچھنا لگوانا۔ اكتحل صیغہ ماضی، مصدر اکتحال۔ سرمہ لگانا قبّل صیغہ ماضیمصدر تقبیل۔ باب تفعیل سے۔ بوسہ لینا۔ لمس مصدر (ن، ض) سے ہے چھونا۔ ذرعه القی از خود قئی آگئی۔ باب (ف) سے ہے مصدر ذَرْعاً۔

خلاصہ:۔ اس پوری عبارت میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور اسی کے ذیل میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں (۱) روزہ کی شرعی تعریف (۲) دس ایسی چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں روزہ افطار نہ کرے کیونکہ ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ امام مالکؒ کے نزدیک بھول کر کھانے پینے اور جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے مگر استحساناً نہیں ٹوٹتا۔ ایک مسئلہ یہ بیان کیا گیا کہ اگر کسی کو بوسہ لینے یا چھونے سے انزال ہو جائے تو ایسی صورت میں قضا ہے کفارہ نہیں ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا گیا کہ اگر کسی کو اپنی ذات پر اطمینان ہو تو اس کو اپنی بیوی کا بوسہ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں یعنی جماع میں واقع ہونے اور انزال منی سے اطمینان ہو لیکن اگر اطمینان نہ ہو تو پھر روزے دار کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا مکروہ ہے۔

وَاِنِ اسْتقَاءَ عامِداً مِلأَ فمه فعليه القضاءُ ومَنِ ابتلَعَ الحصاةَ او الحَدِيْدَ اوالنواةَ اَفْطَرَ وَقَضىٰ.

ترجمہ:۔ اگر کسی نے قصداً منہ بھر کے قی کی تو اس پر قضاء لازم ہے اور جو شخص کنکری یا لوہا یا گھٹلی نگل گیا تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور وہ قضاء کرے۔

موجبات قضاء کا بیان

حل لغات:۔ استقاء۔ استقاءً باب استفعال سے،بتکلف قی کرنا۔عامداً اسم فاعل۔جان بوجھ کر۔ ملاء فم،منھ بھر کرابتلع۔ابتلاعاً۔باب افتعال سے۔نگلنا۔ الحصاۃ۔کنکری،الحدید۔لوہا۔النواۃ۔گھٹلی۔

تشریح:۔ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ عبارت میں جو صورت بیان کی گئی ہے اس میں قضاء ہے کفارہ نہیں ہے۔

اسقاء:۔ قے کے لوٹنے یالوٹانے میں اصل مفسد صوم کون ہے؟ صاحبین کے درمیان اختلاف ہے صاحب شرح وقایہ لکھتے ہیں کہ امام یوسف کے نزدیک اصل مفسد منھ بھر کر قے ہے۔امام محمدؒ کے نزدیک روزہ دار کا ذاتی فعل ہے۔اس اصول کی روشنی میں اگر قے منھ بھر نہ ہو اور از خود لوٹ جائے تو بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹے گا۔اور اگر قے منھ بھر ہو اور خود ہی لوٹالے تو بالاتفاق روزہ ٹوٹ جائیگا۔دونوں صورتوں میں سبب ظاہر ہے۔اگر قے منھ بھر نہ ہو اور لوٹالے تو امام محمدؒ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائیگا کیونکہ اصل مفسد موجود ہے،امام یوسفؒ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اصل مفسد موجود نہیں ہے۔اگر قے منھ بھر تھی اور خود لوٹ گئی تو امام یوسفؒ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائیگا کیونکہ اصل مفسد موجود ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اصل مفسد موجود نہیں ہے یہی قول صحیح ہے اس لئے کہ نہ تو صورتاً فطر پائی گئی یعنی از خود نگلنا اور نہ معنیً کیونکہ قے سے غذائیت حاصل نہیں ہوتی۔

قدوری کے بعض شراح نے قی کی چوبیس شکلیں بیان کی ہیں کیونکہ قے یا تو از خود ہوگی یا روزہ دار کے عمل سے،منھ بھر ہوگی یا کم۔ان چاروں صورتوں میں قے باہر آئیگی یا خود لوٹ جائے گی یا روزہ دار کے عمل سے لوٹے گی۔ان تمام صورتوں میں روزہ یاد ہوگا یا نہیں بہر کیف ان تمام صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوگا ہاں اگر قے منھ بھر ہو اور روزہ بھی یاد ہو اور روزہ دار کے عمل سے لوٹ جائے تو اس صورت میں روزہ فاسد ہو جائے گا۔

اگر قے کا غلبہ ہو اور روکنے پر قابو نہ پانے کی وجہ سے بے اختیار نکل جائے یا قے منھ بھر کر نہ ہوئی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

وَمَنْ جَامَعَ عامِداً فِي احدِ السَّبِيلَيْنِ اَوْ اَكَلَ او شَرِبَ ما يتغذى بِهِ او يتداوىٰ بِهِ فَعلَيْهِ القَضَاءُ والكفارة والكفارة مِثْلَ كَفَّارَةِ الظِهَارِ.

ترجمہ:۔ اور جس روزہ دار نے دوراستوں (فرج یامقعد) میں سے ایک میں قصداً ہمبستری کی یا ایسی چیز کھالی یا پی لی جس سے غذا حاصل کی جاتی ہے یا اس سے دوا کی جاتی ہے تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں اور روزہ کا کفارہ ظہار کے کفارہ کی طرح ہے۔

قضاء وکفارہ کے موجبات کا بیان

تشریح۔ ومن جامع الخ:۔اس صورت میں بالاتفاق قضاء وکفارہ دونوں ضروری ہیں۔البتہ او اکل الخ۔ یعنی اس عبارت میں احناف کے نزدیک قضاء وکفارہ دونوں واجب ہیں لیکن امام شافعی وامام احمد کے نزدیک صرف قضا

واجب ہے کفارہ نہیں۔ ظہار کا کفارہ یہ ہے کہ ظہار کرنے والا ایک غلام آزاد کرے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو مسلسل اور بلاناغہ دوماہ کے روزے رکھے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

وَمَنْ جامع فيما دُوْنَ الفرجِ فانزل فعليه القضاءُ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ فِي اِفْسَادِ الصَّوْمِ فِيْ غَيْرِ رَمَضَانَ كفارةٌ و مَنِ احْتَقَنَ او اسْتَعَطَ اَوْ اَقْطَرَ فِيْ اُذُنِهٖ او دَاوٰى جائِفَةً او اٰمَّةً بِدَوَاءٍ رَطْبٍ فَوَصَلَ اِلٰى جوفِهٖ او دِمَاغِهٖ اَفْطَرَ وان اَقْطَرَ فى اِحْلِيْلِهٖ لم يُفْطِرْ عِنْدَ اَبِىْ حنيفةَ وَ مُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ يُفْطِرُومَنْ ذَاقَ شَيْئاً بِفَمِهٖ لَمْ يُفْطِرْ وَيُكْرَهُ لَهٗ ذٰلك ويكره لِلْمَرْأَةِ ان تَمْضَغَ لِصَبِيِّهَا الطعامَ اذا كان لها منه بُدٌّ وَ مَضْغُ العِلْكِ لا يُفْطِرُ الصَّائِمَ ويُكْرَهُ.

ترجمہ:۔ اور جس شخص نے فرج کے علاوہ میں ہمبستری کی اور انزال ہو گیا تو اس پر قضا ہے کفارہ نہیں ہے، اور رمضان کے علاوہ میں تر دوا لگائی جو پیٹ یا دماغ تک پہونچ گئی تو روزہ ٹوٹ گیا، اور اگر ذکر کے سوراخ میں دوا ٹپکائی تو طرفین کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹا اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ روزہ ٹوٹ جائیگا۔ اور جس شخص نے اپنے منھ سے کوئی چیز چکھی تو روزہ نہیں ٹوٹا لیکن اس کے لئے یہ مکروہ ہے، اور عورت کے لئے مکروہ ہے کہ اپنے بچے کے لئے کھانا چبائے بشرطیکہ اس کے لئے اس سے کوئی چارہ ہو۔ اور روزہ دار کے لئے گوند چبانا مفطر نہیں ہے مگر مکروہ ہے۔

حل لغات:۔ افساد۔ مصدر باب افعال سے۔ فاسد کرنا۔ احتقن۔ مصدر احتقانا باب افتعال سے۔ پاخانہ کے مقام سے دوائی چڑھانا۔ استعط۔ استعاطاً باب افتعال سے۔ ناک میں دوا چڑھانا۔ جائفة۔ نیزہ کی مار جو پیٹ تک پہونچ جائے۔ آمة۔ زخم جو دماغ تک پہونچ جائے۔ دواء رطب۔ تر دوا۔ جوف۔ پیٹ۔ احلیل۔ پیشاب نکلنے کا سوراخ۔ ذاق (ن) ذوقاً۔ چکھنا۔ فم۔ منھ۔ تمضغ۔ (ن،ف) مضغاً۔ چبانا۔ بد۔ چارۂ کار۔ العلك۔ چبائی جانے والی گوند۔

خلاصہ:۔ صاحب کتاب نے اس عبارت میں آٹھ مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے۔

مسئلہ:۔ (۱) اگر روزے دار نے قبل اور دبر کے علاوہ میں مثلاً پیٹ ران وغیرہ میں ذکر کا استعمال کیا اور انزال بھی ہو گیا تو اس پر قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔ (۲) اگر کسی نے غیر رمضان میں روزہ توڑ دیا تو اس پر قضاء واجب ہے کفارہ نہیں۔ گرچہ یہ روزہ رمضان کی قضاء کا کیوں نہ ہو۔ (۳) اگر کسی روزے دار نے حقنہ کرایا یا ناک میں دوا چڑھائی یا کان میں دوا ٹپکائی تو ان تینوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (۴) اگر روزے دار نے پیٹ کے زخم یا دماغ کے زخم میں تر دوا لگائی اور یہ دوا سرایت کر کے پیٹ یا دماغ تک پہونچ گئی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائیگا البتہ صاحبینؒ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (واضح رہے کہ یہ اختلاف صرف تر دوا کے بارے میں ہے کیوں کہ خشک دوا کی صورت میں بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس مسئلہ میں فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے) (۵) اگر روزے دار نے اپنی پیشاب گاہ کے راستہ میں دوا ٹپکائی تو طرفین کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا البتہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک روزہ ٹوت جائے گا (اس اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے

کہ پیٹ اور پیشاب گاہ کے درمیان کوئی منفذ ہے یا نہیں؟ امام یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہے، اور طرفینؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان مثانہ واقع ہے اور پیشاب مثانہ سے مترشح ہوتا ہے۔ اس لئے ذکر کے سوراخ میں ڈالی گئی دوا پیٹ تک نہ پہونچ سکے گی اس لئے روزہ بھی فاسد نہیں ہوگا۔ اطباء کا بھی یہی خیال ہے۔ اسی مسئلہ کے ذیل میں یہ بھی جان لیں کہ حالت صوم میں انجکشن لگوانا درست ہے کیونکہ یہ دوا جوف معدہ یا دماغ میں براہ راست نہیں پہونچتی ہے بلکہ رگوں اور عضلات کے ذریعہ پہونچتی ہے۔ جو مفسد نہیں ہے تفصیل کے لئے "آلات جدید" کا مطالعہ کریں) (٦) اگر کسی روزے دار نے کوئی چیز چکھی تو اسکا روزہ نہیں ٹوٹے گا مگر مکروہ ہے۔ (٧) اگر کسی عورت نے روزے کی حالت میں اپنے بچے کو کوئی چیز چبا کر دیا اور دوسرا کوئی شخص موجود ہے جس پر روزہ ضروری نہیں ہے وہ چبادے تو ایسی صورت میں عورت کا روزہ مکروہ ہوگا۔ لیکن اگر خود چبا کر کھلانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے تو پھر کوئی حرج نہیں (کیوں کہ بچہ کی حفاظت بھی ضروری ہے) (٨) اگر کسی روزے دار نے گوند چبالیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن چبانا مکروہ ہے۔

وَمَنْ كَانَ مريضاً فی رمضان فخَافَ اِنْ صَامَ اِزْدَادَ مَرْضُهٗ افطر وقضیٰ وَاِنْ كَانَ مُسَافِراً لا يستضِرُّ بالصومِ فصومُهٗ اَفْضَلُ وان اَفْطَرَ وَقضیٰ جَازَ وان ماتَ المرِيْضُ او المُسَافِرُ وهُمَا علیٰ حَالِهِمَا لَمْ يَلْزَمْهُمَا القَضَاءُ وان صَحَّ المريْضُ اَوْ اقامَ المُسَافِرُ ثُمَّ ماتا لزمَهُمَا القَضَاءُ بِقَدْرِ الصِّحةِ والاِقَامةِ وقَضاء رمَضَانَ ان شَاءَ فَرَّقه وان شاءَ تَابَعَهٗ وَاِنْ اَخَّرَهٗ حتیّٰ دَخَلَ رمضانُ اٰخرَ صَامَ رَمَضَانَ الثَّانِي وَقَضیٰ الْاَوَّلَ بَعْدَهٗ وَلاَ فِدْيَةَ عَلَيْهِ .

ترجمہ:۔ اور جو شخص رمضان میں بیمار ہو اور اندیشہ ہو کہ اگر روزہ رکھا تو مرض بڑھ جائیگا تو افطار کرے اور قضا کرے اور اگر مسافر ایسا ہے جو روزے سے ضرر محسوس نہ کرتا ہو تو اس کا روزہ رکھنا افضل ہے، اور اگر افطار کرے اور قضاء کرے تو بھی جائز ہے اور اگر مریض یا مسافر مر گئے حالانکہ وہ دونوں اپنی حالت پر ہیں تو ان کے ذمہ قضاء لازم نہیں ہے۔ اور اگر مریض تندرست ہو گیا یا مسافر مقیم ہوگیا پھر وہ دونوں مر گئے تو ان پر بقدر صحت واقامت قضاء لازم ہوگی۔ اور قضاء رمضان چاہے تو متفرق طور پر رکھے اور چاہے تو پے در پے رکھے۔ اور اگر قضاء کو اتنا مؤخر کر دیا کہ دوسرا رمضان آگیا تو دوسرے رمضان کا روزہ رکھے اور پہلے رمضان کی قضاء اس کے بعد کرے۔

وہ عوارض جن میں افطار کرنا جائز ہے

تشریح:۔ مندرجہ بالا عبارت میں پانچ مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔ جن کی نوعیت بالکل واضح ہے مگر پھر بھی ان مسائل کی توضیح ضروری ہے۔ جن میں قدرے اختلاف ہے۔

ومن کان مریضا:۔ اس مسئلہ میں حنفیہ کے نزدیک ازدیاد مرض کے خوف سے افطار کی اجازت دے دی گئی ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک ہلاکت کے خوف یا عضو کے تلف ہونے کی صورت میں افطار کی اجازت ہے۔ جن عوارض میں

افطار کرنا جائز ہے وہ آٹھ ہیں (۱) مرض (۲) سفر (۳) اکراہ (۴) حمل (۵) رضاع (۶) بھوک (۷) پیاس (۸) کبرسنی۔ اور بعض نے نواں عذر کا اضافہ کیا ہے وہ مجاہد کا دشمن سے جنگ کرنا ہے کہ اگر اس کو اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے کی صورت میں لڑ نہیں سکتا ہے تو اس کے لئے افطار درست ہے۔

وان کان مسافراً لا یستضر الخ:۔ اس صورت میں احناف کے نزدیک روزہ رکھنا افضل ہے، امام شافعی اور امام کا بھی یہی مسلک ہے۔

وان شاء فرقه الخ:۔ قضاء رمضان کے متعلق روزے دار کو تاخیر کا اختیار ہے خواہ تاخیر اس قدر ہو جائے کہ اگلا رمضان آجائے مگر اس پر فدیہ نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر تاخیر بلا عذر ہے تو ہر روزہ کے لئے نصف صاع گیہوں کا فدیہ دینا لازمی ہے۔ قرآن کریم میں آٹھ روزوں کا تذکرہ ہے۔ چار ایسے ہیں جن میں تتابع اور پے در پے ہونا ضروری ہے۔ (۱) صوم رمضان (۲) صوم کفارۂ قتل (۳) کفارۂ ظہار (۴) کفارۂ یمین۔ اور چار ایسے ہیں جن میں تتابع ضروری نہیں ہے۔ (۱) قضاء رمضان (۲) صوم متعہ (۳) کفارۂ حلق راس (۴) صوم کفارۂ جزاء صید۔ اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس کفارہ میں غلام آزاد کرنا ہے اس میں تتابع شرط ہے اور جس میں غلام آزاد کرنا نہیں ہے اس میں تتابع شرط نہیں ہے۔ (کذافی النہایہ) اس اصول سے یہ معلوم ہوا کہ قضاء رمضان میں تتابع اس لئے نہیں ہے کہ اس میں غلام آزاد کرنا نہیں ہے۔ واضح رہے کہ قضاء رمضان میں اگرچہ تتابع شرط نہیں ہے مگر صاحب ہدایہ کی تصریح کے مطابق تتابع مستحب ہے۔

وَالحَامِلُ والمرضعُ اذا خافتا علی ولدَیْهِمَا افطرتا وقضتا ولا فدیةَ عَلَیْهِمَا والشیخ الفانی الذی لا یقدر عَلَی الصِّیَامِ یُفْطِرُ ویُطْعِمُ لِکُلِّ یَوْمٍ مِسْکِیناً کَمَا یُطْعَمُ فِی الکَفَّارات.

ترجمه:۔ اور حاملہ اور دودھ پلانے والی (مرضعہ) جب دونوں اپنے بچوں پر خوف کھائیں تو دونوں افطار کریں اور قضاء کریں اور ان دونوں پر کوئی فدیہ نہیں ہے۔ اور شیخ فانی جو روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو وہ افطار کرے اور ہر دن کے واسطے (فدیہ میں) ایک مسکین کو کھانا کھلائے جیسے کفارات میں کھلایا جاتا ہے۔

حل لغات:۔ الحَامل حاملہ عورت۔ المرضع اسم فاعل ہے باب افعال سے۔ دودھ پلانے والی۔ الشیخ الفانی۔ کھوسٹ بوڑھا۔ فانی اس لئے کہتے ہیں کہ یا تو فناء سے قریب ہے یا اس کی قوت فناء ہو گئی ہے۔

تشریح:۔ اس عبارت میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔ مسئلہ (۱) میں حاملہ اور مرضعہ کے لئے اپنی جان یا بچہ کے ہلاکت کے اندیشہ کی صورت میں افطار کی اجازت ہے اور بعد میں قضا کرے اس پر احناف کے نزدیک کفارہ یا فدیہ واجب نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بچہ کے ہلاکت کے اندیشہ کی صورت میں قضاء کے ساتھ ساتھ فدیہ بھی واجب ہے۔ مسئلہ (۲) میں شیخ فانی کے لئے احناف کے نزدیک افطار کی اجازت کے ساتھ فدیہ کا حکم ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اور ایک قول میں امام شافعیؒ کے نزدیک فدیہ واجب نہیں ہے۔

وَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ فاوصیٰ بِهٖ اَطْعَمَ عنه وليُّهٗ لِكُلِّ يوم مِسْكِيناً نِصْفُ صاعٍ من بُرٍّ او صاعاً من تمرٍ او شعيرٍ ومن دَخَلَ فی صوم التطوع ثُمَّ اَفْسَدَهٗ قَضَاهُ واذا بَلَغَ الصَّبِیُّ اَوْ اسلَمَ الكافِرُ فِیْ رَمَضَانَ اَمسَكَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا وَصَامَا بَعْدَهٗ ولَمْ يَقْضِيَا ما مَضیٰ ومن اُغْمِیَ عَلَيْهِ فی رَمَضَانَ لَمْ يَقْضِ اليَوْمَ الذی حَدَثَ فِيْهِ الإِغْمَاءُ وقَضیٰ ما بَعْدَهٗ واذا اَفَاقَ المَجْنُوْنُ فی بَعْضِ رَمَضَانَ قضیٰ ما مَضیٰ مِنْهُ وصَامَ مَا بَقِیَ واذا حَاضَتِ الْمَرْاَةُ او نَفُسَتْ اَفطَرَتْ وقضتْ اِذَا طَهُرَتْ واِذَا قَدِمَ المُسَافِرُ او طهرت الحائضُ فی بَعْضِ النَّهَارِ اَمْسَكَا عَنِ الطَّعَامِ والشراب بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا.

ترجمہ:۔ اور جو شخص مرنے لگا اور اس کے ذمہ رمضان کی قضاء واجب ہے پھر اس نے فدیہ کی وصیت کی تو اس کا ولی اس کی طرف سے (بطور فدیہ) ہر روز ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو دے، اور جس شخص نے نفلی روزہ شروع کر دیا پھر اس کو فاسد کر دیا تو اسکی قضا کرے اور جب رمضان کے دن میں بچہ بالغ ہو گیا یا کافر مسلمان ہو گیا تو وہ دونوں دن کے باقی حصہ میں رکے رہیں اور اس دن کے (بعد ایام رمضان کا) روزہ رکھیں اور گزشتہ ایام کی قضا نہ کریں۔ اور جس شخص پر رمضان میں بیہوشی طاری ہو گئی تو اس دن کی قضا نہ کرے جس دن اس کو بیہوشی لاحق ہوئی ہے اور اس دن کے بعد کے دنوں کے روزہ کی قضا کرے۔ اور جب مجنون کو رمضان کے بعض یعنی کسی حصہ میں افاقہ ہو جائے تو گزشتہ ایام کی قضاء کرے اور باقی ایام کے روزے رکھے۔ اور جب عورت کو حیض آجائے یا وہ نفاس والی ہو جائے تو افطار کرے اور قضاء کرے جب پاک ہو جائے۔ اور جب دن کے کسی حصہ میں مسافر آجائے یا حائضہ پاک ہو جائے تو وہ دونوں بقیہ دن کھانے پینے سے رکے رہیں۔

تشریح:۔ اس پوری عبارت میں چھ مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔ جن کی نوعیت واضح ہے البتہ جن مسائل میں قدرے اختلاف ہے اس کی وضاحت ضروری ہے۔

ومن ما......او شعیر:۔ اس مسئلہ میں احناف اور شوافع کا دو پہلو میں اختلاف ہے (۱) وارث پر بلا وصیت کے فدیہ کی ادائیگی ضروری ہے یا نہیں؟ (۲) فدیہ کی مقدار کتنے مال سے ہے؟ احناف کے نزدیک قریب المرگ شخص کے لئے فدیہ کی ادائیگی کے لئے وصیت کرنا لازم ہے تاکہ وارثین فدیہ ادا کریں چنانچہ اگر اس نے وصیت نہیں کی تو وارثین پر اس کی طرف سے فدیہ کی ادائیگی ضروری نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک وارثین پر لازم ہے کہ مرنے والے کی طرف سے فدیہ ادا کریں خواہ مرنے والے نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ امام مالکؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ فدیہ کے سلسلے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ میت کے ثلث مال سے فدیہ ادا کیا جائیگا اور امام شافعی وامام احمد وامام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک پورے مال سے۔ فدیہ کی مقدار ترجمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ومن دخل......قضاہ:۔ اگر کسی نے نفلی روزہ شروع کر کے فاسد کر دیا تو آیا اس پر قضاء مطلقاً واجب ہے یا کسی

قید کے ساتھ اس میں احناف اور ائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک مطلقاً قضاء واجب ہے، افساد صوم عذر کی وجہ سے ہو یا بلا عذر۔ امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک مطلقاً قضاء واجب نہیں ہے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک اگر افطار کسی عذر کی وجہ سے کیا ہے تو قضاء لازم نہیں اور اگر بلا عذر کیا ہے تو قضاء لازم ہے۔ احناف اور شوافع کے درمیان اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ اگر کسی نے نفلی روزہ شروع کر دیا تو احناف کے نزدیک بلا عذر افطار کرنا مباح نہیں ہے اور شوافع کے نزدیک مباح ہے۔ پس احناف کے نزدیک ایک غیر مباح کام کرنے کی وجہ سے جنایت کا ارتکاب کیا اور مرتکب جنایت پر قضاء واجب ہے اس لئے نفلی روزہ توڑنے کی وجہ سے قضاء لازم ہے۔ اور شوافع کے نزدیک چونکہ مباح ہے اس لئے افطار کی وجہ سے جنایت کا ارتکاب نہیں ہوا لہٰذا عدم ارتکاب کی وجہ سے قضاء بھی لازم نہیں ہے۔ صاحب کتاب کی عبارت مطلق ہے یعنی افطار عذر کی وجہ سے یا بلا عذر۔ درحقیقت یہ امام یوسفؒ کی ایک روایت ہے۔ اور افطار کرنا احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے فتویٰ اسی پر ہے اور ضیافت بھی ایک عذر ہے۔

واذا بلغ الصبی ...... ولم یقضیا ما مضی: ۔ اس مسئلہ کی بنیاد ایک قاعدہ کلیہ پر ہے کہ ایام رمضان میں اگر کوئی شخص دن کے آخری حصہ میں ایسی صفت اور حالت پر ہو گیا کہ اگر یہ شخص دن کے اول حصہ میں (قبل الزوال) اس حالت پر ہوتا تو اس پر روزہ رکھنا فرض ہوتا پس اس شخص پر دن کے باقی حصہ میں دیگر روزہ داروں کی طرح امساک عن الاکل والشرب ضروری ہے۔ مثلاً حائضہ یا نفاس والی عورت طلوع فجر کے بعد دن کے کسی حصہ میں پاک ہو گئی یا کسی مجنوں کو افاقہ ہو گیا یا بیمار صحت مند ہو گیا یا مسافر تھا مقیم ہو گیا۔ اور جو شخص ایسی صفت پر نہ ہو تو امساک عن الاکل والشرب واجب نہیں ہے جیسے کوئی عورت پورے دن حیض یا نفاس کی حالت میں رہی تو اس پر امساک واجب نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اکل وشرب جائز ہے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ باقی دنوں میں امساک واجب ہے یا مستحب تو ابن شجاع کے نزدیک مستحب ہے اور شیخ امام زاہد الصفار کے نزدیک واجب ہے۔

اسی قاعدہ کے تحت یہ مسئلہ ہے کہ رمضان کے دن میں ایک نابالغ بچہ بالغ ہو گیا یا کافر مسلمان ہو گیا تو یہ دونوں کھانے پینے اور جماع سے اجتناب کریں چونکہ ان پر اس دن کا روزہ واجب نہیں ہے اس لئے اگر ان لوگوں نے کھا پی لیا تو ان پر اس دن کی قضاء واجب نہ ہوگی۔

وان افاق المجنون: ۔ اس مسئلہ میں ہمارے نزدیک گزشتہ ایام کی قضاء واجب ہے، امام زفرؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک قضاء واجب نہیں ہے۔

واذا اقدم المسافر: ۔ اس مسئلہ میں ہمارے نزدیک مفطرات سے امساک واجب ہے امام شافعیؒ کے نزدیک باقی دنوں میں امساک واجب نہیں ہے۔ یہ اختلاف ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو دن کے کسی حصہ میں روزہ کامل کا اہل ہو گیا ہو مثلاً کافر مسلمان ہو گیا، بچہ بالغ ہو گیا، مجنون کو افاقہ ہو گیا۔ تو احناف کے نزدیک دن کے باقی حصہ میں امساک واجب ہے اور شوافع کے نزدیک امساک واجب نہیں ہے۔

وَمَنْ تَسَحَّرَ وهو يَظُنُّ ان الفجر لم يَطْلُعْ او اَفْطَرَ وهو يرى ان الشمس قد غَرُبَتْ ثُمَّ تبيَّنَ ان الفَجْرَ كَانَ قَدْ طَلَعَ او اَنَّ الشَّمْسَ لم تغرب قَضىٰ ذٰلِكَ اليومَ وَلاَ كَفَّارَةَ عَلَيْهِ وَمَنْ رَاىٰ هِلاَلَ الفِطْرِ وحدهُ لم يفطر وِاذَا كانت بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لم يَقْبَلِ الامامُ فِي هلال الفِطْرِ اِلاَّ شَهَادَةَ رجلين او رجل وامرأتَيْنِ وان لَم تَكُنْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لم يَقْبَلْ اِلاَّ شهادة جَمَاعَةٍ يَقَعُ العِلْمُ بِخَبَرِهِمْ.

ترجمہ:۔ اور جس شخص نے سحری کھائی یہ سمجھتے ہوئے کہ فجر طلوع نہیں ہوئی یا اس نے روزہ افطار کیا یہ خیال کرتے ہوئے کہ آفتاب غروب ہو چکا پھر معلوم ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی یا آفتاب غروب نہیں ہوا تھا (تو پہلی صورت میں پورے دن کا اور دوسری صورت میں جتنا وقت غروب میں باقی ہے اس کا امساک واجب ہے گزشتہ قاعدہ کے مطابق) تو اس دن کی قضا کرے اور (اس صورت میں) اس پر کفارہ واجب نہیں ہے۔ اور جس شخص نے تنہا عید الفطر کا چاند دیکھا تو وہ افطار نہ کرے۔ اور جب آسمان میں کوئی علت (مطلع صاف نہ) ہو تو امام المسلمین عید الفطر کے چاند میں صرف دو (آزاد) مرد یا ایک (آزاد) مرد اور دو (آزاد) عورتوں کی شہادت قبول کرے اور اگر آسمان میں کوئی علت نہ ہو تو صرف ایسی جماعت کی شہادت قبول کرے جن کی خبر پر یقین آجائے۔

تشریح: ومن تسحر ...... ولا کفارة علیه:۔ اس عبارت میں تین مسئلے مذکور ہیں مسئلہ (۱) اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں اور ان دونوں صورتوں کو بین القوسین کی عبارت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ امساک واجب ہے تاکہ رمضان کے دن کا حق بقدر امکان ادا ہو سکے اور یہ شخص اپنے فعل میں گنہگار نہیں ہے اور اس پر کفارہ بھی واجب نہیں ہے۔

ومن رای هلال لَم یفطر:۔ مسئلہ (۲) عید الفطر کا چاند جس نے بھی تنہا دیکھا اس کو اگلے دن روزہ رکھنا چاہئے خواہ مطلع صاف ہو یا نہ ہو۔ احتیاط اسی میں ہے۔ نیز اس دن دوسرے لوگوں نے بھی روزہ رکھا۔

واذا کانت بالسماء علة:۔ مسئلہ (۳) اگر مطلع صاف نہ ہو تو عید الفطر کے چاند دیکھنے میں دو آزاد مرد یا ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتوں کی گواہی شرط ہے گواہ محدود القذف نہ ہوں اسی کے ساتھ گواہی کا لفظ شہادت کے ساتھ ہونا اور گواہ کا عادل ہونا بھی شرط ہے۔ اور اگر مطلع صاف ہو تو ایک ایسی جماعت کی گواہی ضروری ہے جن کی خبروں سے یقین حاصل ہو۔

اعتکاف کا بیان

اس باب کو روزہ سے اس لئے مؤخر کیا کہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے اور شرط شئی، شئی پر مقدم ہوتی ہے اس لئے روزہ کو اعتکاف پر مقدم کیا گیا۔

الاعتكاف مستحب وهو اللبث في المسجد مع الصوم ونيةِ الاعتكافِ ويحرُمُ على المُعْتَكِفِ الوطئُ واللمسُ والقُبْلَةُ وِان اَنزَلَ بِقُبْلَةٍ اَوْ لَمسٍ فَسَدَ اِعتِكَافُهُ

وعَلَیْهِ القَضَاءُ ولا یخرج المُعْتَکِفُ مِن المسجدِ اِلَّا لِحَاجَةِ الانسان او للجُمْعَةِ ولاباس بان یبیعَ ویبتاعَ فِی الْمَسْجِدِ من غیر ان یُحْضِرَ السِلْعَةَ ولا یتکلم الابخیر ویکرله الصَّمْتُ.

ترجمہ:۔ اعتکاف کرنا مستحب ہے اور وہ مسجد میں روزہ اور اعتکاف کی نیت کے ساتھ ٹھہرنا ہے اور معتکف پر وطی کرنا، چھونا اور بوسہ لینا حرام ہے اور اگر بوسہ لینے یا چھونے سے انزال ہو گیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو گیا اور اس پر قضاء لازم ہے اور معتکف مسجد سے نہ نکلے مگر انسانی ضرورت یا جمعہ کیلئے اور مسجد میں سامان تجارت لائے بغیر خرید و فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور بات نہ کرے مگر خیر کی اور اس کے لئے خاموش رہنا مکروہ ہے۔

حل لغات:۔ الاعتکاف۔ باب افتعال کا مصدر ہے اور عکف سے ماخوذ ہے۔ یہ متعدی اور لازم دونوں آتا ہے۔ اور ثلاثی مجرد میں باب (ن، ض) سے آتا ہے بصورت متعدی اس کا مصدر عَکْفٌ آتا ہے جس کا معنی روکنا۔ ٹھہرنا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "والھدی معکوفا" اسی سے مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں اور بصورت لازم اسکا مصدر عُکُوفٌ آتا ہے جس کا معنیٰ ہے ہمیشہ ایک چیز پر جھکے رہنا۔ بطریق دوام کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا۔ ارشاد باری ہے "یعکفون علی اصنام لھم" المعتکف اسم فاعل ہے۔ اعتکاف کرنیوالا۔ القُبْلَةُ۔ بوسہ لینا۔ یبتاع۔ مصدر ابتیاعاً ہے باب افتعال سے۔ خریدنا۔ السعلة۔ سامان و ساماں تجارت جمع سِلَعٌ۔ الصمت۔ مصدر۔ باب (ن) سے ہے۔ خاموش رہنا

تشریح:۔ الاعتکاف مستحب الخ:۔ لغوی تعریف گزر چکی ہے۔ اصلاحی تعریف یہ ہے۔ بہ نیت اعتکاف روزہ کے ساتھ مسجد میں قیام کرنا۔ صاحب کتاب کی عبارت بتاتی ہے کہ اعتکاف کو صفت کی حیثیت حاصل ہے اور اس کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں (۱) ٹھہرنا (۲) مسجد (۳) نیت اعتکاف (۴) روزہ۔ ان چار چیزوں میں سے بالاتفاق لبث (ٹھہرنا) کو رکن کا درجہ اور مسجد اور نیت اعتکاف کو شرط کا درجہ حاصل ہے۔ روزہ کے بارے میں کچھ تفصیل ہے۔

صاحب قدوری رمضان شریف کے اخیر عشرہ کے اعتکاف کو مستحب فرماتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ اعتکاف رمضان سنت مؤکدہ ہے کیونکہ حضورؐ نے مواظبت فرمائی ہے مگر ترک کے ساتھ جیسا کہ صاحب ہدایہ نے وضاحت فرمائی ہے۔ اسی موقع پر یہ بھی ذہن نشین کرلیں کہ ہر اہل شہر پر رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔ جس کے لئے رمضان کی بیسویں تاریخ کو غروب آفتاب سے قبل مسجد میں داخل ہو جانا چاہئے اور بلا ضرورت شدیدہ عید الفطر کے چاند کے ثبوت سے پہلے مسجد سے نہ نکلا جائے ورنہ اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ البتہ حاجت شرعی جیسے جمعہ کی ادائیگی یا حاجت طبعی جیسے بول و براز کا استثناء ہے امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے نزدیک جمعہ کے لئے نکلنا بھی مفسد اعتکاف ہے۔ اگر جامع مسجد دور ہے تو اداء جمع کے لئے اتنے پہلے نکلے کہ نماز جمعہ کا مع خطبہ کے پانا ممکن ہو اور جمعہ کی سنتیں ادا کر سکے اور اگر قریب ہو تو زوال کے بعد نکلے تاکہ نماز جمعہ مع خطبہ پا سکے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اعتکاف مطلقاً نہ سنت ہے اور نہ مستحب۔ بلکہ اس کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) واجب۔ یہ بطریق نذر لازم کیا جاتا ہے مثلاً کسی نے ایک ماہ یا ایک دن کے اعتکاف کی نیت کرلی یا

یوں کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو مجھ پر اتنی مدت کا اعتکاف ہے۔ (۲) سنت مؤکدہ۔ یہ رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف ہے (۳) مستحب۔ جو ان دونوں کے علاوہ ہے۔

روزہ اعتکاف کے لئے ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ وامام احمدؒ کے نزدیک اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں ہے۔ امام مالکؒ احناف کے ساتھ ہیں۔ اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ اعتکاف واجب کے لئے باتفاق روایات روزہ شرط ہے اور نفلی اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے روزہ کے شرط ہونے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت جس کو حسن بن زیاد نے امام اعظمؒ سے نقل کیا ہے یہ ہے کہ نفلی اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے اور روزہ چونکہ ایک یوم کا ہوتا ہے اس لئے یہ نفلی اعتکاف بھی ایک یوم سے کم کا نہیں ہوگا، اب اگر کسی نے اعتکاف شروع کر کے فاسد کر دیا تو اس پر قضاء لازم ہے۔ دوسری روایت مبسوط کی ہے اور یہی ظاہر الروایہ ہے اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے کہ نفلی اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں ہے، اس لئے وقت کی کوئی تحدید نہیں ہے، جتنا بھی وقت بہ نیت اعتکاف مسجد میں گذار اجائے وہ اعتکاف کہلائے گا خواہ ایک ساعت ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا اگر کسی نے اعتکاف نفلی شروع کر کے ختم کر دیا تو اس پر قضاء لازم نہیں ہے۔

فی المسجد:۔ اعتکاف پنجوقتہ نماز باجماعت ادا کیجانے والی مسجد میں صحیح ہوگا یا ایسی مسجد میں جس میں نماز باجماعت نہ ہوتی ہو۔ صاحب کتاب نے مطلق مسجد کا تذکرہ فرما کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے۔ صاحبینؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ صحت اعتکاف کے لئے ایسی مسجد کا ہونا شرط ہے جس میں پنجوقتہ نمازیں باجماعت ادا کی جاتی ہوں۔ امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ صاحب ہدایہ کی عبارت "اعتکاف صحیح نہیں مگر مسجد جماعت میں" کا بھی یہی مطلب ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ اعتکاف واجب مسجد جماعت کے ساتھ مخصوص ہے، نفلی اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے۔ یہ گفتگو صحت کے لحاظ سے تھی۔ افضلیت کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو سب سے افضل اعتکاف مسجد حرام میں ہے پھر مسجد نبویؐ میں پھر بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) پھر مسجد جامع میں۔

عورت کے لئے احناف کے نزدیک افضل یہ ہے کہ گھر میں اس جگہ اعتکاف کرے جو اس کی نماز کے لئے مقرر ہے مگر امام شافعیؒ کے نزدیک گھر کی مسجد میں نہ مرد کے لئے اعتکاف کرنا جائز ہے اور نہ عورت کے لئے۔

ولا باس بان یبیع......السلعة:۔ اگر معتکف کو سامان کی خرید و فروخت کی ضرورت پڑ جائے جیسا کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ معتکف کے پاس بوقت ضرورت کوئی شخص موجود نہیں ہوتا جو اس کی ضرورت کا بندوبست کرے، اس لئے فقہاء کرام نے ضرورت کے پیش نظر خرید و فروخت کی اجازت دیدی ہے۔ البتہ مسجد میں سامان تجارت رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ جب معتکف کے لئے مکروہ ہے تو غیر معتکف کے لئے بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا، اس لئے کہ حدیث میں اس کی سخت ممانعت منقول ہے۔

ولا یتکلم الا بخیر الخ:۔ معتکف کو حالت اعتکاف میں اچھی اور دینی باتیں کرنی چاہئے اور بری باتوں سے گریز کرنا چاہئے اور عبادت سمجھ کر بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے۔

فَاِنْ جَامَعَ المعتکفُ لیلاً او نَهَاراً نَاسِیاً او عَامِداً بَطَلَ اعتکافُهُ ولو خَرَجَ من المسجدِ سَاعةً بغیر عُذْرٍ فَسَدَ اِعتِکَافُهُ عِنْدَ اَبِی حَنِیفَةَ وَقَالاَ لا یفسد حتیٰ یکونَ اکثرَ مِنْ نِصْفِ یَوْمٍ وَمَنْ اَوْجَبَ عَلیٰ نَفْسِهِ اِعْتِکَافَ اَیَّامٍ لَزِمَهُ اِعْتِکَافُهَا بِلَیَالِیْهَا وَ کَانَتْ مُتَتَابِعَةً وان لَمْ یَشْتَرِطِ التَّتَابُعَ فِیْهَا.

ترجمہ:۔ پس اگر معتکف نے رات یا دن میں بھول کر یا قصداً جماع کیا تو اس کا اعتکاف باطل ہو گیا۔ اور اگر مسجد سے بلا کسی عذر کے تھوڑی دیر کے لئے نکلا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہو گیا (اور قیاس بھی یہی ہے) اور صاحبین نے فرمایا کہ فاسد نہیں ہوگا یہاں تک کہ (اگر بلا عذر مسجد سے نکلنا) نصف یوم سے زائد ہو جائے (تو اعتکاف فاسد ہو جائیگا اور استحسان کا تقاضا بھی یہی ہے) اور جس شخص نے اپنے اوپر چند دنوں کا اعتکاف لازم کیا تو اس پر ان دنوں کا اعتکاف ان کی راتوں کے ساتھ لازم ہوگا اور اعتکاف کے دن پے در پے ہوں گے اگر چہ اس نے پے در پے کی شرط نہ کی ہو (کیونکہ اعتکاف کا مدار ہی تتابع پر ہے)

تشریح:۔ اس عبارت میں تین مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

مسئلہ:۔ (۱) فان جامع...... اعتکافه میں کوئی اختلاف نہیں ہے

مسئلہ:۔ (۲) ولو خرج......من نصف یوم۔ میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اعتکاف کا رکن لبث فی المسجد (مسجد میں ٹھہرنا) ہے اور مسجد سے نکلنا خواہ تھوڑی دیر کے لئے کیوں نہ ہو رکن کے منافی ہے اس عمل منافی کی وجہ سے اعتکاف فاسد ہو جائیگا۔ صاحبین فرماتے ہیں تھوڑی دیر کے لئے نکلنا دفع حرج کی وجہ سے معاف ہے اور اس سے زیادہ معاف نہیں ہے اور نصف یوم سے زائد قلیل و کثیر کا حد فاصل ہے یعنی نصف یوم سے زائد کثیر اور نصف یوم سے کم قلیل کہلائے گا۔ لہٰذا صاحبین کے نزدیک بلا کسی عذر کے نصف یوم سے کم تک مسجد سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے فساد اعتکاف کا حکم نافذ نہیں ہوگا۔

مسئلہ (۳) ومن اوجب الخ:۔ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

بفضل خدا وند کتاب الصوم مکمل ہوئی

عبد العلی قاسمی غفر لہ ۲۲/ ۳/ ۱۴۲۰ مطابق ۷/ ۷/ ۱۹۹۹ء
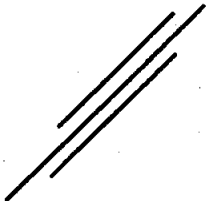
کتاب الحج

کتاب الحج کو کتاب الصوم سے درج ذیل وجوہات سے مؤخر کیا گیا ہے۔

(۱) چونکہ حدیث نبوی "بنی الاسلام علی خمس الخ" میں حج کو صوم کے بعد بیان کیا گیا ہے اسلئے اس ترتیب میں حدیث کی ترتیب مقصود ہے۔ (۲) عبادت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) عبادت بدنیہ جیسے صلوٰۃ وصوم۔ (۲) عبادت مالیہ جیسے زکوٰۃ (۳) ان دونوں سے مرکب جیسے حج۔ پس عبادت بدنیہ وعبادۃ مالیہ یعنی مفرد عبادت سے فارغ ہو کر عبادت مرکبہ کو بیان کررہے ہیں۔ (۳) روزہ ہر سال فرض ہوتا ہے اور حج پوری عمر میں صرف ایک بار فرض ہے اور اس تکرار فرض کی وجہ سے روزہ کی احتیاج زیادہ ہے اور کثرت احتیاج والی شئی تقدیم کے زیادہ مناسب ہے اس لئے صوم کو مقدم اور حج کو مؤخر کیا گیا۔

الحج۔ الحاء بالفتح وبالکسر دونوں منقول ہے۔ قرآن کریم میں ہے "**الحج اشهر معلومات. ولله علی الناس حِجُّ البیت**" حَجَّه (ن) حِجًّا (۱) قصد کرنا، ارادہ کرنا۔ (۲) کسی عظیم الشان چیز کی طرف متوجہ ہونا، ارادہ کرنا۔ اول معنیٰ زیادہ عام ہے جس کو ہر اہل لغت نے ذکر کیا ہے۔ اور اصطلاح شریعت میں حج کا معنیٰ ہے۔ مخصوص افعال کے ساتھ مخصوص زمانہ میں مخصوص مقام کا ارادہ کرنا ہے۔ مخصوص افعال سے طواف کعبہ اور مقام عرفات میں قیام مراد ہے۔ مقام مخصوص سے بیت اللہ شریف اور جبل عرفات مراد ہے اور مخصوص زمانہ سے حج کا موسم مراد ہے۔

حج کب فرض ہوا اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ (۱) ۵ ھ (۲) ۶ ھ (۳) ۷ ھ (۴) ۸ ھ (۵) ۹ ھ ۱۰ ھ کا قول زیادہ مشہور ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ۹ ھ کے اواخر میں فرض ہوا ہے۔ اس سال آپؐ افعال حج کی تعلیم میں مشغولیت اور سال آئند اسباب حج کی تیاری میں مصروفیت کی وجہ سے حج کے لئے تشریف نہیں لے گئے بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ کو حاجیوں کا امیر مقرر فرما کر بھیجا۔ اور آپؐ نے ۱۰ ھ میں حج ادا کیا جو فرضیت کے بعد آپ کا پہلا حج تھا جو آخری حج بھی ثابت ہوا جس کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ہجرت سے قبل آپؐ نے کتنے حج کئے؟ بعض کے نزدیک اس کی تعداد لا معلوم ہے بعض نے کہا کہ ہجرت سے پہلے آپؐ ہر سال حج فرماتے تھے، بعض نے کہا کہ تین حج کئے، اور بعض روایت میں ہے کہ آپؐ نے پوری زندگی میں تین حج کئے دو ہجرت سے قبل اور ایک ۱۰ ھ میں حجۃ الوداع میں قول اول (لا معلوم) راجح ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ گزشتہ امتوں پر فرض تھا یا نہیں؟ اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ (۱) پہلی امتوں پر بھی حج فرض تھا۔ (۲) صرف امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔ حج کی فرضیت کا ثبوت قرآن وحدیث اور اجماع تینوں سے ہے۔ (عبد العلی قاسمی غفرلہ)

اَلحَجُّ واجبٌ عَلَی الاَحْرَارِ المُسْلِمِینَ البَالِغِینَ العُقَلَاءِ الاصِحَّاءِ اِذَا قَدَرُوا علی الزادِ والراحِلَةِ فاضلاً عَنِ المَسْکَنِ ومَالَا بُدَّ مِنْهُ وعَنْ نفقةِ عیَالِهِ اِلیٰ حِیْنِ عَوْدِهٖ وَکَانَ الطَّرِیْقُ اٰمِناً وَیُعْتَبَرُ فی حَقِّ المَرْأَةِ ان یَّکُوْنَ لَهَا مَحْرَمٌ تَحُجُّ بِهٖ اوزوجٌ ولا یجوز لها ان تَحُجَّ بِغَیْرِهِمَا اِذَا کَانَ بَیْنَهَا وبَیْنَ مَکَّةَ مَسِیْرَةُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ فَصَاعِداً.

ترجمہ:۔ حج ایسے لوگوں پر واجب ہے جو آزاد ہوں، مسلمان ہوں، بالغ ہوں، عاقل ہوں، تندرست ہوں بشرطیکہ ایسے توشہ اور سواری پر قدرت رکھتے ہوں جو رہائشی مکان، ضروریات کی چیزوں اور تاواپسی اس کے عیال کے نفقہ سے زائد ہوں۔ اور راستہ پر امن ہو۔ اور عورت کے حق میں اس کا اعتبار ہوگا کہ عورت کے لئے کوئی محرم ہو جس کے ساتھ عورت حج کرے یا (عورت کیساتھ اس کا) شوہر ہو، اور عورت کے لئے ان دونوں کے علاوہ (کسی اور) کے ساتھ حج کرنا جائز نہیں ہے جبکہ عورت اور مکہ کے درمیان تین دن یا اس سے زائد کی مسافت ہو۔

﴿شرائط حج کا بیان﴾

حل لغات:۔ واجب اس سے اصطلاحی وجوب مراد ہے۔ بلکہ یہ ثابت اور لازم کے معنیٰ میں یعنی حج ثابت اور لازم ہے۔ اس اعتبار سے یہ لفظ فرض کو بھی شامل ہوگا۔ الاحرار حر کی جمع ہے آزاد۔ العقلاء۔ عاقل کی جمع ہے الاصحاء۔ صحیح کی جمع ہے تندرست۔ زاد توشہ۔ الراحلة، سواری، فاضلاً۔ اسم فاعل زائد۔ باب (ن، ض) سے ہے زائد ہونا۔ المسکن۔ رہائش گاہ۔ مکان، عیال۔ گھر کے لوگ۔ عود واپسی مصدر ہے۔ باب (ن) سے ہے۔ واپس ہونا، لوٹنا۔ تحج به۔ قدوری کے اکثر نسخوں میں بصیغۂ تذکیر منقول ہے اور بہ کی ضمیر بجائے تذکیر کے تانیث لائی گئی ہے یہ کاتب کی غلطی ہو سکتی ہے صحیح وہ ہے جو ہم نے نقل کیا ہدایہ کے نسخوں میں ایسا ہی ہے۔ مسیرۃ۔ مسافت۔

تشریح:۔ صاحب کتاب اس عبارت میں حج کے شرائط کو بیان کر رہے ہیں جملہ شرائط حج تین قسموں میں منقسم ہیں۔ (۱) شرائط وجوب (۲) شرائط ادا (۳) شرائط صحت۔ شرائط وجوب یہ ہیں: (۱) آزاد ہونا لہٰذا غلام پر حج فرض نہیں ہے۔ (۲) عاقل ہونا۔ (۳) بالغ ہونا (۴) وقت کا ہونا۔ (۵) زاد وراحلہ پر قدرت ہونا (۶) علم ہونا۔ شرائط ادا یہ ہیں (۱) تندرست ہونا (۲) عورت کا حالت عدت میں نہ ہونا (۳) عورت کے ساتھ اس کے شوہر یا محرم کا ہونا۔ شرائط صحت یہ ہیں (۱) ارکان کا صحیح طریقہ سے ادا کرنا۔ (۲) حج کا احرام باندھنا۔ (۳) اشہر حج کا ہونا۔ (۴) مخصوص مقام کا ہونا۔ وجوب حج کے لئے راستہ کا پر امن ہونا بھی ایک شرط ہے۔ لیکن اس میں اختلاف یہ ہے کہ اس شرط کا تعلق وجوب حج سے ہے یا ادائے حج سے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام کرخیؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک وجوب حج کی شرط ہے اور امام احمد کے نزدیک ادائے حج کی شرط ہے۔ شرط وجوب کے فقدان سے وجوب فی الذمہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ موت کے وقت وصیت حج بھی واجب نہیں ہوتی۔ اور شرط اداء کے فقدان سے وجوب فی الذمہ باقی رہتا ہے اور عدم اداء کی صورت میں وصیت حج بھی واجب ہوتی ہے (درس ترمذی ج ۳ ص ۴۵) جس شخص کے اندر حج کی جملہ شرائط موجود ہوں تو اس پر حج علی الفور واجب ہے یا علی التراخی؟

امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، امام احمدؒ، امام کرخیؒ اور بعض اصحاب شافعیؒ کے نزدیک فرضیت علی الفور ہے۔ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک حج کی فرضیت علی التراخی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ دونوں حضرات کی ایک ایک روایت اسی کے مطابق ہے (معارف السنن ج ۶ ص ۲۳۸) فرضیت علی الفور مذہب مختار ہے صاحب قدوری بھی علی الفور کے قائل ہیں۔ (تنظیم الاشتات ج ۲ ص ۶۹)

ویعتبر في حق المرأة الخ:۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت کے شہر اور مکۃ المکرمہ کے درمیان کی مسافت تین دن یا اس سے زائد ہو تو احناف کے نزدیک ضروری ہے کہ وہ کسی محرم یا شوہر کو ساتھ لئے بغیر حج کو نہ جائے۔ اگر ان دونوں میں سے کسی اور کے ساتھ جاتی ہے تو اس کا حج صحیح نہیں ہوگا، امام شافعیؒ کے نزدیک اگر عورت کے رفقاء سفر میں ثقہ اور قابل اعتماد عورتیں ہوں تو اس کے واسطے حج کو جانا جائز ہے۔

محرم:۔ ہر وہ عاقل، بالغ مسلمان آزاد یا غلام شخص ہے جس سے اس عورت کا نکاح ابدی طور پر حرام ہو خواہ قرابت کی وجہ سے یا رضاعت کی وجہ سے یا بطریقہ مصاہرت (دامادی رشتہ سے) ہو۔ محرم کا نفقہ عورت پر واجب ہے۔

راستہ کے پر امن ہونے کے سلسلے میں جو اختلاف اوپر قلمبند کیا گیا ہے وہی اختلاف محرم کے متعلق بھی ہے۔ ہر ایک کا ثمرۂ اختلاف ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ راستہ کے پر امن نہ ہونے کی وجہ سے زاد و راحلہ پر قدرت والا شخص حج نہ کر سکا اور قریب المرگ ہو گیا یا ایسے ہی مالدار عورت محرم نہ ہونے کی وجہ سے حج نہ کر سکی یا محرم موجود ہو مگر عورت نفقہ کی ادائیگی کے لئے تیار نہ ہو اور قریب المرگ ہو جائے تو اس کے لئے وصیت کرنا یا محرم کی عدم موجودگی میں حج کی خاطر اس عورت کا شادی کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ ان تمام مسائل میں جو حضرات اول (وجوب حج کی شرط) کے قائل ہیں تو ان کے نزدیک مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز لازم نہیں ہے اور جو حضرات ثانی (ادائے حج کی شرط) کے قائل ہیں تو ان کے نزدیک سب چیزیں لازم ہیں۔

والمواقيت التي لا يجوز ان يتجاوزها الانسانُ اِلّا محرماً لاهل المدينة ذوالحليفة ولاهل العراق ذاتَ عِرقٍ ولِاَهلِ الشَّامِ الجحفة ولِاَهلِ النَّجدِ قَرْن ولِاَهلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَم فَاِنْ قَدَّمَ الْاِحْرَامَ عَلٰى هٰذِهِ الْمَوَاقِيْتِ جَازَ وَمَنْ كَانَ بَعْدَ الْمَوَاقِيْتِ فَمِيقَاتُهُ الحِلُّ وَمَنْ كَانَ بِمَكَّةَ فَمِيقَاتُهُ فِي الحَجِّ الحَرَمُ وفِي العُمْرَةِ الحِلُّ.

ترجمہ:۔ وہ مواقیت کہ جن سے انسان کو احرام باندھے بغیر گذرنا جائز نہیں ہے، اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ ہے، اور اہل عراق کے لئے ذات عرق ہے اور اہل شام کے لئے جحفہ ہے۔ اور اہل نجد کے لئے قرن ہے۔ اور اہل یمن کے لئے یلملم ہے۔ پس اگر ان مواقیت پر احرام کو مقدم کر دیا تو جائز ہے اور جس کی رہائش ان میقاتوں کے بعد ہو تو اس کی میقات حل ہے۔ اور جو شخص مکہ میں ہو تو اس کی میقات حج کے لئے حرم اور عمرہ کے لئے حل ہے۔

﴿احرام کے میقاتوں کا بیان﴾

حل لغات:۔ المواقیت۔ میقات کی جمع ہے۔ وہ وقت جو فعل کے لئے مقرر ہو۔ لیکن یہاں مجازاً وہ جگہیں مراد ہیں جہاں سے حجاج کرام احرام باندھتے ہیں۔ اور مواقیت پانچ ہیں۔ ذوالحلیفہ۔ حلیفہ۔ حلفہ کی تصغیر ہے یہاں پہلے ایک درخت تھا اب مسجد بنی ہوئی ہے۔ یہ مقام مدینہ سے چھ میل کے قریب ہے۔ یہ مدینہ والوں کا میقات ہے۔ (۲) ذات عرق۔ اس جگہ سے مکۃ المکرمہ چالیس میل ہے۔ یہ اہل عراق کا میقات ہے۔ (۳) جحفہ۔ یہاں سے مکہ

۸۲/ میل ہے اور مدینہ منورہ تین منزل ہے اور بحر قلزم چھ میل ہے یہ اہل شام اور اہل مصر کا میقات ہے۔ (۴) قرن۔ مکہ سے دو مرحلہ کے فاصلے پر ایک پہاڑی ہے یہ اہل نجد کا میقات ہے (۵) یلملم۔ مکہ سے دو مرحلہ پر تہامہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ یہ اہل یمن کا میقات ہے۔ الحل۔ مکہ معظمہ کے ارد گرد حرم محترم کے علاوہ جگہ۔

تشریح:۔ اب تک موجبات حج اور شرائط حج کا بیان ہوا اور اب ان مخصوص مقامات کو ذکر کر رہے ہیں جہاں سے حجاج کرام احرام باندھ کر آگے بڑھتے ہیں۔ حجاج اور مکہ میں داخل ہونے والوں کے لئے ان مواقیت سے بلا احرام باندھے آگے بڑھنا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص میقات سے پہلے احرام باندھ لے تو بالاتفاق جائز ہے۔ اسی موقع پر یہ بات واضح ہو جائے کہ جس طرح آپ نے شام کی فتح کا علم بذریعہ وحی ہونے کی بنیاد پر اہل شام کے لئے جحفہ مقرر فرمایا اور شام بعد میں فتح ہوا اسی طرح آپؐ نے عراق کے لئے ذات عرق مقرر فرمایا۔

ومن کان بعد المیقات:۔ ایک دوسرے نسخہ میں اس طرح ہے "منزله بعد هذه المواقيت" یعنی جس کی رہائش ان مواقیت خمسہ کے بعد ہو مثلاً میقات مکہ مکرمہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے تو اب اس کی میقات حدود حرم سے پہلے پہلے ہے۔ اس لئے وہ حدود حرم سے پہلے سے احرام باندھے۔ اور اگر کسی کی رہائش خواہ مستقل طور پر یا عارضی طور پر مکہ میں ہو تو حج کے لئے حرم سے اور عمرہ کے لئے حل سے احرام باندھے (لیکن مقام تنعیم میں جا کر عمرہ کا احرام باندھنا افضل ہے) تاکہ حج و عمرہ کی صورت میں حالت احرام میں ایک سفر کا تحقق ہو۔

وإذا أَرَادَ الإِحْرَامَ اِغْتَسَلَ أَوْ تَوَضَّأَ والغسلُ أفضلُ ولَبِسَ ثَوْبَيْنِ جديدَيْنِ او غَسِيْلَيْنِ إِزَاراً او رِدَاءً ومَسَّ طِيباً إِنْ كَانَ لَهُ وَصَلّىٰ رَكْعَتَيْنِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُرِيْدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِيْ وتَقَبَّلْهُ مِنِّيْ ثُمَّ يُلَبِّي عَقِيبَ صَلٰوتِهِ فَإِنْ كَانَ مُفْرِداً بِالْحَجِّ نَوىٰ بِتَلْبِيَةِ الْحَجِّ.

ترجمہ:۔ اور جب احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو غسل کرے یا وضو کرے، اور غسل افضل ہے اور دو کپڑے پہنے دونوں نئے ہوں یا دھلے ہوئے ہوں (یعنی) تہبند اور چادر اور خوشبو لگائے اگر اس کے پاس ہو، اور دو رکعت نماز پڑھے اور کہے (یہ دعا پڑھے،) اللهم انى اريد الحج فيسره لى وتقبله منى، یعنی اے اللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں پس اس کو میرے لئے آسان کر دے اور میری طرف سے اس کو قبول فرما۔ پھر اپنی نماز کے بعد تلبیہ کہے، پس اگر یہ شخص صرف حج کا ارادہ کرنے والا ہے تو اپنے تلبیہ سے حج کی نیت کرے (تلبیہ کا بیان آگے آرہا ہے)

﴿احرام کی کیفیت کا بیان﴾

خلاصہ:۔ اس پوری عبارت میں قبل الاحرام عمل مسنون اور ایک مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ عمل مسنون یہ ہے کہ جب احرام کا ارادہ ہو تو سب سے پہلے غسل یا وضو کیا جائے لیکن غسل افضل ہے (کیوں کہ آپؐ کا غسل کرنا روایت سے ثابت ہے، یہ غسل برائے نظافت ہے اس لئے حائضہ، نفاس والی اور بچے کے لئے بھی مسنون ہے) اس کے بعد دو کپڑے

پہنے (۱) تہبند (۲) چادر (مگر یہ سلے ہوئے نہ ہوں) یہ کپڑے نئے ہوں تو بہتر ہے (جیسا کہ جدیدین کی تقدیم بتا رہی ہے) یا پھر دھلے ہوئے ہونا کافی ہے اس کے بعد اگر خوشبو میسر ہو تو اس کا استعمال کیا جائے (کیوں کہ روایت سے آپ کا قبل الاحرام خوشبو لگانا ثابت ہے، گو اس کا اثر بعد تک باقی رہے) اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے اور نماز کے بعد یہ دعاء پڑھے "اَللّٰھُمَّ اِنِّی اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّی" مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص صرف حج کا احرام باندھے تو تلبیہ کہہ کر حج کی نیت کرے کیوں کہ حج ایک اہم عبادت ہے اور عبادت بغیر نیت کے ادا نہیں ہوتی ہے اس لئے تلبیہ کہہ کر حج کی نیت کرے۔

تشریح:۔ الاحرام:۔ از روئے لغت حرم میں داخل ہونا۔ اور اصطلاح فقہاء میں اپنے اوپر مباحات کو حرام کرنا تاکہ عبادت حج یا عبادت صلوٰۃ ادا کی جا سکے۔

وَمَسَّ طیباً:۔ خوشبو کا استعمال مسنون ہے اگر اس خوشبو کا اثر احرام کے بعد بھی باقی رہے تو کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضورؐ کو ایسی خوشبو لگائی تھی جس کا جرم احرام کے بعد باقی تھا۔ البتہ عطر زعفرانی نہ ہو کیوں کہ مرد کے لئے اس کی ممانعت ہے، امام محمدؒ سے ایک ضعیف روایت اور امام زفرؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک احرام سے قبل ایسی خوشبو کا استعمال مکروہ ہے جس کے اثرات احرام کے بعد بھی باقی رہیں۔

صلی رکعتین:۔ احرام باندھنے سے قبل دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے کیونکہ آپؐ نے ذوالحلیفۃ میں احرام کے وقت دو رکعت نماز ادا کی ہے البتہ اگر احرام باندھنے سے قبل فرض نماز پڑھ لی تو یہ فرض نماز دو رکعت احرام سے کافی ہوگی۔ اور ان دو رکعتوں میں افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص پڑھے۔

ثم یلبی عقیب صلوتہ:۔ آپؐ نے تلبیہ کب پڑھا اس سلسلہ میں اختلاف ہے۔ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد متصلاً پڑھا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے مسجد سے نکلتے ہی درخت کے پاس پڑھا۔ بعض سے معلوم ہوتا کہ اونٹنی پر اچھی طرح سوار ہونے کے بعد پڑھا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ "بیداء" میں پہونچ کر پڑھا۔ لیکن ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ان تمام مقامات پر تلبیہ پڑھا تھا۔ لہٰذا جس نے جہاں بھی آپ کا تلبیہ سنا اسی کو نقل کیا۔ حنفیہ کے نزدیک مستحب یہی ہے کہ تلبیہ احرام کی رکعتوں کے فوراً بعد پڑھا جائے۔ یہ بھی یاد رہے کہ احرام کی پابندیاں احرام باندھ لینے اور رکعتیں پڑھنے یا صرف نیت کر لینے سے شروع نہیں ہوتیں تاوقتیکہ تلبیہ نہ پڑھے یا سوق ہدی نہ کرے۔

(معارف السنن ج ۲ ص ۲۶۷)

فان کان مفرداً بالحج:۔ اس موقع پر اتنا جان لیں کہ حج کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) افراد (۲) تمتع (۳) قران۔

حج افراد کا مطلب یہ ہے کہ صرف حج کا ارادہ ہو عمرہ کا ارادہ نہ ہو۔ حج تمتع یہ ہے کہ متمتع شخص پہلے عمرہ کے افعال ادا کرے پھر احرام کھول دے پھر اسی سال ایام حج میں احرام حج باندھ کر حج ادا کرے۔ حج قران۔ اس میں حج و عمرہ دونوں کا ارادہ ہوتا ہے اور دونوں کا احرام ایک ہوتا ہے اور دونوں کی نیت ایک ساتھ کرنی ہوتی ہے۔ پہلے عمرہ ادا کرے پھر احرام کے کھولے بغیر ارکان حج ادا کرے مزید تفصیل اپنے اپنے مواقع پر ملاحظہ فرمائیں گے۔

والتلبية ان يقول لبيك اللهُمَّ لبيكَ لبيك لا شريكَ لَكَ لبيك اِنَّ الحَمْدَ والنِعْمَةَ لَكَ والملكَ لَاْ شَرِيْكَ لَكَ ولا ينبغي اَنْ يُخِلَّ بِشَئيٍ من هٰذِهِ الكَلِمَاتِ فَاِذَاْ زَاْدَ فِيهَاْ جاز.

ترجمہ:۔ اور تلبیہ یہ ہے کہ یوں کہے کہ حاضر ہوں اے اللہ حاضر ہوں، حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں ہے حاضر ہوں، بیشک حمد اور نعمت آپ ہی کے لئے ہے۔ بادشاہت (بھی آپ ہی کے لئے ہے) آپ کا کوئی شریک نہیں ہے، اور مناسب نہیں ہے ان کلمات سے کچھ کم کرنا۔ پس اگر اس میں کچھ اضافہ کرے تو جائز ہے۔

﴿تلبیہ کا بیان﴾

حل لغات:۔ لبیك۔ اس لفظ کا تعلق ان مصادر سے ہے جس کے فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ یہ دراصل لب (ن) لباًبالمکان یاالب بالمکان سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی ہے اقامت کرنا۔ تو گویا اب اس کا معنی یہ ہوا کہ میں حاضر ہوں۔ میں تمہاری اطاعت پر برقرار اور قائم ہوں۔ تثنیہ تاکید کے لئے ہے اور "ک" مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جس کی اصل یہ ہے کہ "الب لك الباباًبَعْدَ اِلْبَاْب" اور "ان الحمد" میں لفظ ان بکسرالہمزہ فصیح ہے۔ الملك۔ بادشاہت، سلطنت۔ یُخِلّ۔ اَخَلَّ بالشئی اخلالاً کوتاہی کرنا۔ چھوڑ دینا۔ کم کرنا۔ زاد فیھا۔ یہاں فی ظرفیہ علی کے معنی میں ہے قرآن کریم میں ہے "ولاصلبنکم فی جذوع النخل" یعنی کلمات مذکورہ کے بعد ہی زیادتی کی جائے گی نہ کہ درمیان میں۔ کیونکہ یہ مکروہ ہے۔

تشریح:۔ صاحب کتاب نے تلبیہ کے جو الفاظ نقل کئے ہیں اکثر رواۃ کا اس پر اتفاق ہے اس لئے اس میں کمی تو غیر مناسب ہے بلکہ مکروہ کہا گیا ہے البتہ احناف کے نزدیک ان الفاظ پر اضافہ جائز ہے مثلاً لبیك وسعدیك والخیر بیدیك الرغباء الیك۔ ان الفاظ کی زیادتی ابن عمرؓ کی روایت میں ہے۔ حلبی نے اس زیادتی کو مستحب قرار دیا ہے۔ امام احمد کے نزدیک زیادتی نہ کرکے اسی کو بار بار پڑھنا چاہئے۔ امام شافعیؒ سے دو روایت ہے ربیع بن سلیمان کی روایت کے مطابق زیادتی جائز نہیں۔ اور تشہد اور اذان کے کلمات پر قیاس کیا گیا ہے۔ اور مزنی کی روایت کے مطابق زیادتی جائز ہے۔

فَاِذَالَبّیٰ فقد اَحْرَمَ فَلْيَتَّقِ مَاْ نَهىَ اللهُ عَنْهُ مِن الرفث والفُسُوْقِ والجدَال ولا يَقْبلُ صَيْداً ولا يُشِيْرُ اِلَيْهِ ولا يَدُلُّ عَلَيْهِ ولا يلبسُ قَمِيصاً وَلَاْ سَرَاْوِيلَ وَلَاْ عَمَاْمَةً وَلَاْ قَلَنْسوَةً وَلَاْ قَبَاْءً وَلَاْ خفينِ الاانْ لَاْ يَجدَ نَعْلَيْنِ فَيَقْطَعُهُمَاْ مِنْ اَسفَلِ الكَعْبَيْنِ وَلَاْ يُغطّى رَاْسَهُ وَلَاْ وَجْهَهُ وَلَاْ يَمُسُّ طِيْباً ولا يَحْلِقُ رَاْسَهُ وَلَاْ شَعْرَ بَدَنِهِ ولا يقصُّ من لحيته ولا مِنْ ظُفره ولَاْ يَلْبَسُ ثوباً مصبوغاً بِورَسٍ ولا بِزَعْفَرَاْنٍ ولا بِعُصْفُرٍ اِلَّاْ ان يَّكُوْنَ غَسِيْلاً لا ينفضُ الصَّبْغَ.

ترجمہ:۔ پس جب اس نے تلبیہ کہا تو محرم ہو گیا لہذا ان چیزوں سے بچے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے یعنی رفث، فسوق اور جدال سے، اور شکار کو قتل نہ کرے، اور نہ اس کی طرف اشارہ کرے اور نہ اس پر دلالت کرے، اور نہ قمیص پہنے نہ پائجامہ، نہ عمامہ نہ ٹوپی، نہ قبا، اور نہ موزے مگر یہ کہ جوتے نہ پائے تو ان دونوں کو ٹخنے کے نیچے سے کاٹ دے۔ اور اپنا سر اور چہرہ نہ ڈھکے۔ اور خوشبو نہ لگائے۔ اور اپنا سر اور اپنے بدن کے بال نہ مونڈے اور نہ اپنی ڈاڑھی کے بال کاٹے اور نہ ناخن تراشے اور ایسا کپڑا نہ پہنے جو ورس، زعفران اور کسم سے رنگا ہوا ہو مگر یہ کہ دھلا ہوا ہو اور رنگ نہ نکلتا ہو (اس کی خوشبو نہ آتی ہو کیونکہ ممانعت خوشبو کی ہے نہ کہ رنگ کی)

﴿وہ امور جو محرم کے لئے ممنوع ہیں﴾

حل لغات:۔ الرفث۔ اس لفظ سے یا تو جماع مراد ہے یا گندی گفتگو یا عورتوں کی موجودمیں جماع یا دواعی جماع کا تذکرہ۔ الفسوق گناہ، معاصی۔ الجدال۔ جھگڑا۔ صیداً۔ شکار۔ یدل (ن) دلالۃ۔ راہ نمائی کرنا۔ سراویل۔ سروال کی جمع ہے۔ پائجامہ۔ قلنسوۃ۔ ٹوپی۔ قبا۔ ایک لباس ہے جو کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے۔ خفین۔ خف کا تثنیہ ہے موزے۔ نعلین۔ نعل کا تثنیہ ہے جوتے۔ الکعبین۔ کعب کا تثنیہ ہے ٹخنے۔ یغطی۔ مصدر تغطیۃ۔ ڈھکنا۔ چھپانا۔ یحلق۔ (ض) حلقاً۔ مونڈنا۔ یقص (ن) بال کاٹنا۔ لحیۃ۔ ڈاڑھی۔ ظفر۔ ناخن مصبوغاً (رنگا ہوا) اسم مفعول صَبَغَ الثوبَ (ن، ف، ض) صبغاً، رنگنا۔ ورس۔ تل کی طرح ایک گھاس ہے جو رنگنے کے کام آتی ہے۔ عُصفُر۔ زرد رنگ۔ غسیلاً۔ یہاں مغسول کے معنی میں ہے یعنی دھلا ہوا۔ ینفض۔ اسکا دو ترجمہ کیا گیا ہے (۱) رنگ کا اثر دوسروں تک متجاوز نہ ہو۔ (۲) جن چیزوں سے رنگا گیا ہے اس کی خوشبو نہ آئے۔ صاحب ہدایہ نے اس دوسرے ترجمہ کو پسند فرمایا ہے۔ کیونکہ ممانعت خوشبو کی ہے رنگ کی نہیں ہے۔

خلاصہ:۔ اس موقع پر چند مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) تلبیہ پڑھنے کے بعد انسان محرم ہو جاتا ہے۔ (۲) محرم کو چاہئے کہ فحش گوئی، فسق و فجور اور جنگ و جدال اور جانور کے شکار سے بچے۔ اسی طرح نہ تو موجودہ شکار کی طرف اشارہ کرے اور نہ کسی غیر محرم کو کسی شکار کا پتہ بتائے۔ (۳) محرم کے لئے سلا ہوا کپڑا پہننا جائز نہیں ہے۔ جیسے قمیص، پائجامہ، عمامہ ٹوپی موزے وغیرہ البتہ اگر کسی محرم کے پاس جوتے نہ ہوں تو ایسے موزے پہننے کی اجازت ہے جن کے کعبین یعنی وسط قدم کے نیچے کے حصے کو کاٹ کر کفش نما بنا لے (امام احمد کے نزدیک جوتہ کی عدم موجودگی کی صورت میں موزہ، اور تہبند کی عدم موجودگی کی صورت میں پائجامہ پہننے کی اجازت ہے۔ امام شافعیؒ پائجامہ کے متعلق امام احمد کے ساتھ ہیں۔ اور موزوں کے متعلق احناف کے ساتھ ہیں اور امام مالکؒ حنفیہ کے ساتھ ہیں) (۴) محرم مرد کے لئے اپنا سر اور چہرہ ڈھکنا جائز نہیں ہے۔ (ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے) (۵) احرام باندھنے کے بعد خوشبو کا استعمال جائز نہیں ہے۔ اسی طرح سر اور بدن کے بال کا مونڈنا جائز نہیں ہے۔ (۵) محرم کے لئے ایسے کپڑے کا استعمال جائز نہیں ہے جو ورس۔ زعفران، اور عصفر سے رنگے گئے ہوں۔ کیونکہ روایت میں اس کی ممانعت ہے) لیکن اگر ان رنگین کپڑوں کی خوشبو دھونے کے بعد زائل ہو جائے تو اس کے استعمال کی اجازت ہے کیونکہ ممانعت خوشبو کی ہے نہ کہ رنگ کی۔ عصفر یعنی کسم کے اندر احناف کے

نزدیک پاکیزہ خوشبو ہوتی ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک خوشبو نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا امام شافعیؒ کے نزدیک محرم کے لئے کسم میں رنگا ہوا کپڑا پہننا جائز ہوگا۔

ولا باس بان یغتسلَ وَیَدْخُلَ الحَمَّامَ ویستَظِلَّ بالبیتِ والمَحْمَلِ وَیشُدَّ فی وَسْطِهِ الهِمْیَانَ ولا یَغْسِلُ رَاْسَهٗ ولا لِحْیَتَهٗ بالخِطْمی ویُکْثِرُ مِنَ التَلْبِیَةِ عقیبَ الصلوٰةِ وکُلَّمَا عَلَا شرفاً او هَبَطَ وادیاً او لَقِیَ رُکْبَاناً وبالْاَسْحَارِ فَاِذَا دَخَلَ بمکّةَ اِبْتَدا بالمسجدِ الحَرَامِ فَاِذَا عَایَنَ البَیْتَ کَبَّرَ وَهَلَّلَ ثُمَّ ابْتَدَأَ بالحَجَرِ الْاَسْوَدِ. فَاستَقْبَلَهٗ وَکَبَّرَ وَهَلَّلَ وَدَفَعَ یَدَیْهِ مَعَ التَکْبِیرِ واستَلَمَهٗ وَقَبَّلَهٗ ان استطَاعَ مِنْ غَیرِ ان یُؤْذِی مُسْلِماً.

ترجمہ:۔ اور غسل کرنے اور حمام میں داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بیت اللہ اور کجاوہ کا سایہ لینے میں، اور اپنی کمر میں ہمیانی باندھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور اپنے سر اور داڑھی کو خطمی سے نہ دھوئے۔ اور نماز کے بعد بکثرت تلبیہ کہے۔ اور جب کسی بلندی پر چڑھے یا نشیب میں اترے یا سواروں سے ملے اور صبح کے وقت (بھی بکثرت تلبیہ کہے) پس جب مکہ میں داخل ہو تو مسجد حرام سے (داخل ہونا) شروع کرے، پس جب بیت اللہ کو دیکھے تو تکبیر و تہلیل کہے، پھر حجر اسود سے ابتداء کرے اور اس کو بوسہ دے اور تکبیر و تہلیل کہے اور اپنے دونوں ہاتھ تکبیر کے ساتھ اٹھائے اور حجر اسود کا استلام کرے اور اس کو چومے اگر ممکن ہو بغیر کسی مسلمان کو تکلیف دیئے۔

وہ امور جو محرم کے لئے جائز ہیں

حل لغات:۔ حمام۔ غسل خانہ۔ یستظل استظلالاً۔ سایہ حاصل کرنا۔ المَحْمِل۔ کجاوہ۔ یشد (ن، ض) شداً۔ باندھنا، کسنا۔ الهِمْیَان۔ روپیہ کی تھیلی۔ الخطمی ایک مشہور گھاس ہے جسے گل خیرو کہتے ہیں۔ اس میں خوشبو ہوتی ہے اور جوں کو مار ڈالتی ہے۔ علا (ن) علواً بلند ہونا۔ شرف بلند مکان۔ هبط الوادی (ن) هَبطاً۔ وادی میں اترنا۔ نشیب میں اترنا۔ رُکْبَاناً۔ سواری۔ اسحار سحر کی جمع ہے صبح کا وقت۔ عاین۔ معاینۃ۔ دیکھنا۔ هلّل تهلیاً۔ لا اله الا الله کہنا۔ استلمه استلاماً۔ یہ سَلِمَة سے ماخوذ ہے جس کے معنی پتھر کے ہیں۔ استلم۔ پتھر کو ہاتھ سے چھونا۔ بوسہ لینا ہتھیلی سے مس کرنا۔ قبّله۔ تقبیلاً۔ چومنا۔ بوسہ دینا۔

خلاصہ:۔ محرم کو گرم پانی سے غسل کرنے کے لئے حمام میں داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (البتہ میل چھڑانا مکروہ ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک میل چھڑانے کی غرض سے بدن کو ملنے پر فدیہ ادا کرنا ہوگا) چھت اور ہودج کا سایہ لے سکتا ہے۔ (امام مالکؒ کے نزدیک خیمہ وغیرہ کا سایہ حاصل کرنے میں کراہت ہے) اپنی کمر پر ہمیانی باندھ سکتا ہے خواہ اس میں اپنا روپیہ پیسہ ہو یا غیر کا (کیوں کہ اس کا استعمال سلے ہوئے کپڑے کے درجہ میں نہیں ہے امام مالکؒ اس کو سلے ہوئے کا درجہ دیتے ہیں اس لئے اگر ضرورت ہو تو اپنے پیسے کے لئے اس کا استعمال کر سکتے ہیں لیکن غیر کے لئے کراہت کے ساتھ جائز ہے) اپنے سر اور داڑھی کو خطمی سے دھونا جائز نہیں ہے۔ نمازوں کے بعد، بلند مقامات پر چڑھتے وقت۔

نشیب میں اترتے وقت، سواروں سے ملاقات کے وقت اور سحر کے وقت بکثرت تلبیہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہونا چاہئے۔ (اور باب السلام سے داخل ہونا مستحب ہے) اور جیسے ہی بیت اللہ پر نظر پڑے اللہ کی بڑائی بیان کرے اور (توحید کی تجدید کے پیش نظر) لا الہ الا اللہ کہے اور بیت اللہ میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ حجر اسود کو بوسہ دے اور تکبیر کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے اور اگر کسی مسلمان کو تکلیف دیئے بغیر حجر اسود کو بوسہ دینا ممکن ہو تو بوسہ دے (استیلام میں اگر منھ سے بوسہ ممکن نہ ہو تو اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر ہاتھ کو چوم لے)

تشریح: ولا یغسل...... بالخطمی:۔ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا اختلاف ہے خطمی کے اندر دو وصف ہیں ایک خوشبو، دوسرے سر کے جوں کو مارتا ہے اور محرم کے لئے خوشبو کا استعمال اور کسی جاندار کا قتل جائز نہیں ہے۔ ان دونوں امور کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر کسی نے خطمی سے سر اور ڈاڑھی کے بال دھوڈالے تو جنابت کامل کیوجہ سے محرم پر دم واجب ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ اس کی خوشبو کو مانتے نہیں ہیں صرف جوؤں کے مار ڈالنے کو مانتے ہیں۔ اس لئے امام یوسف کے نزدیک صدقہ واجب ہوگا۔

ثم اخذ عَن یَّمِینِهٖ ما یلی البابَ وقد اضطبع رِدَاءَهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ فیطوف بالْبَیتِ سَبْعَةَ اَشْواطٍ وَ یَجْعَلُ طَوَافَهٗ مِن وَرَاءِ الحَطِیْمِ وَیَرْمُلُ فِی الاَشْوَاطِ الثّلٰثِ الْاُوَلِ ویَمْشِیْ فِی ما بقی علی هَیْئَتِهٖ وَ یَسْتَلِمُ الحَجَرَ کُلّمَا مَرَّ بِهٖ اِن اسْتَطَاعَ وَیَخْتِمُ الطَّوَافَ بِالْاِسْتِلَامِ ثُمَّ یَأتِی المَقَامَ فَیُصَلِّیْ عِنْدَهٗ رَکْعَتَیْنِ اَوْ حَیْثُ مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْمَسْجِدِ وَهٰذِهٖ الطواف طواف القُدُوْمِ وَهُوَ سُنَّةٌ لَیْسَ بِوَاجِبٍ وَلَیْسَ عَلٰی اَهْلِ مَکَّةَ طَوَافُ الْقُدُوْمِ.

ترجمہ:۔ پھر اپنے دائیں پھر جہاں سے متصل دروازہ ہے شروع کرے حال یہ ہے کہ اپنی چادر کا اضطباع کر چکا ہے اور سات چکروں کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کرے۔ اور طواف حطیم کے پیچھے سے کرے اور پہلے تین چکروں میں رمل کرے اور بقیہ چکروں میں (اپنی پر وقار ہیئت پر چلے۔ اور اگر قدرت ہو تو جب بھی اس کے پاس سے گذرے تو حجر اسود کا استلام کرے اور طواف حجر استلام پر ختم کرے۔ پھر مقام ابراہیم پر آئے اور اس کے پاس دو رکعت نماز پڑھے یا مسجد حرام میں جہاں سہولت ہو پڑھے۔ اور یہ طواف طواف قدوم ہے اور یہ سنت ہے واجب نہیں ہے۔ اور مکہ والوں پر طواف قدوم نہیں ہے۔

طواف قدوم کا بیان

حل لغات:۔ اضطبع اضطباعاً بازو ظاہر کرنا۔ داہنی بغل سے چادر نکال کر بائیں کاندھے پر ڈالنا۔ اشواط شوط کی جمع ہے۔ چکر۔ وراء پیچھے۔ الحطیم کعبہ کے کنارہ کی دیوار۔ وہ جگہ جو رکن اور زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان ہے۔ یرمُلُ (ن) رَملاً و رَملاناً و مَرمَلاً۔ کندھوں کو ہلاتے ہوئے دوڑنا۔

خلاصہ:۔ صاحب کتاب نے اس عبارت میں طواف قدوم کے مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ استلام حجر کے بعد اپنی چادر

کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈال کر اپنی داہنی طرف سے جدھر بیت اللہ کا دروازہ ہے حطیم سمیت بیت اللہ کا سات چکر طواف کرے (اس صورت میں کعبہ طواف کرنے والے کے بائیں جانب ہوگا۔ دائیں طرف سے طواف کرنا واجب ہے اس ہیئت میں طواف کرنے والا مقتدی کے درجے میں ہے اور کعبہ امام کے درجے میں ہے کیونکہ ایک مقتدی امام کے دائیں کھڑا ہوتا ہے) پہلے تین چکر میں رمل یعنی مونڈھوں کو حرکت دیتا ہوا اکڑ کر چلے (جیسے مجاہد میدان کارزار میں صفوں کے درمیان اکڑ کر چلتا ہے) اور بقیہ چار چکروں میں پروقار طریقے پر چلے اور دوران طواف جب بھی حجر اسود سے گذرے اور مسلمانوں کو تکلیف دیئے بغیر استلام حجر ممکن ہو تو استلام کرے (ورنہ اس کی طرف رخ کر کے تکبیر وتہلیل پر اکتفا کرے) اور طواف کا اختتام حجر اسود کے استلام پر نہ کہ رکن یمانی کے استلام پر) اور طواف کے بعد مقام ابراہیم یا مسجد حرام میں جہاں بھی ہو سکے (بقیہ مقام ابراہیم میں مستحب ہے) دو رکعت نماز پڑھے۔ (یہ نماز عند الاحناف واجب ہے اور عند الشافعی سنت) یہ طواف، طواف قدوم ہے جو سنت ہے واجب نہیں ہے۔ (امام مالکؒ کے نزدیک واجب ہے) اور طواف قدوم اہل مکہ کے لئے مسنون نہیں ہے بلکہ آفاقی کے لئے ہے (طواف قدوم کی تعریف یہ ہوئی کہ وہ طوف جو مکہ مکرمہ میں ابتداءً داخل ہونے پر کیا جاتا ہے، طواف قدوم کو طواف التحیہ بھی کہتے ہیں)

تشریح:۔ یستلم الحجر الخ: ۔ صاحب کتاب نے استلام حجر کے علاوہ کسی اور چیز کے استلام کو بیان نہیں کیا کیونکہ رکن عراقی اور رکن شامی کا استلام مسنون نہیں ہے البتہ رکن یمانی کا استلام مستحب ہے جیسا کہ ظاہر الروایہ میں ہے۔ صرف امام محمد کے قول کے مطابق مسنون ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے بیان کیا ہے۔

ثم یخرُجُ الی الصَّفَا فَیَصْعَدُ عَلَیْهِ وَیَسْتَقْبِلُ البَیْتَ وَیُکَبِّرُ وَیُهَلِّلُ وَیُصَلّی علی النَّبِیِّ صَلی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَیَدْعُو اللهَ تعالیٰ لِحَاجَتِهِ ثُمَّ یَنْحَطُّ نَحْوَ المَرْوَةِ وَیَمْشِی عَلیٰ هَیْئَتِهِ فَاِذَا بَلَغَ اِلیٰ بَطْنِ الْوَادِی سعیٰ بَیْنَ الْمِیْلَیْنِ الْاَخْضَرَیْنِ سَعْیاً حَتّیٰ یَاْتِیَ الْمَرْوَةَ فَیَصْعَدُ عَلَیْهَا وَیَفْعَلُ کما فَعَلَ عَلیٰ الصَّفَا وهٰذَا شَوْطٌ فَیَطُوْفُ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ یَبْتَدِیٔ بِالصَّفَا وَیَخْتِمُ بِالْمَرْوَةِ ثُمَّ یُقِیْمُ بِمَکَّةَ مُحْرِماً فَیَطُوْفُ بِالْبَیْتِ کُلَّمَا بَدَا لَهٗ.

ترجمہ:۔ پھر (طواف قدوم سے فراغت کے بعد) صفا کی طرف نکلے اور صفا پر چڑھے اور بیت اللہ کا استقبال کرے اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہے اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے اور اپنی ضرورت کے لئے اللہ سے دعاء کرے اس کے بعد مروہ کی طرف اترے اور وقار کے ساتھ چلے پس جب بطن وادی میں پہونچے تو میلین اخضرین کے درمیان سعی کرے یہاں تک مروہ تک آئے اور اس پر چڑھے اور کرے جس طرح صفا پر کیا تھا اور یہ ایک شوط ہے پس سات شوط طواف کرے، صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے پھر (طواف قدوم اور سعی سے فراغت کے بعد) بحالت احرام مکۃ المکرمہ میں قیام کرے اور جب اس کا جی چاہے بیت اللہ کا طواف کرے (کثرت سے طواف کرے کیونکہ طواف نماز کے مانند ہے مگر اس نفل طواف میں سعی نہیں ہے اور ہر سات چکر کے بعد دو رکعت نماز پڑھے۔

﴿صفاومروہ کے درمیان سعی کا بیان﴾

حل لغات:۔ صفا۔ چکنا پتھر۔ صفااور مروہ مسجد حرام کے پاس دو پہاڑیاں ہیں صفااور مروہ کی دووجہ تسمیہ بیان کی جاتی ہے (۱) صفاحضرت آدم صفی اللہ کی نشستگاہ ہے اس لئے اس کو صفا کہتے ہیں۔ اور مروہ حضرت حوا کی نشستگاہ ہے اس لئے اس کو امرأۃ کے نام سے مروہ کہتے ہیں اسی لئے یہ لفظ مؤنث ہے۔ (۲) صفاایک مرد کااور مروہ ایک عورت کانام تھا جنھوں نے بیت اللہ میں حرام کاری کی تھی اور اللہ رب العزت نے ان کو پتھر بناڈالا اور دونوں پہاڑیوں پر عبرت کے واسطے رکھ دیا۔ یصعد (س) صعوداً چڑھنا۔ ینحط (ض) نحطاً۔ اترنا۔ المیلین الاخضرین۔ دوسبز مینار ہیں جو مسجد حرام کی پشت کی دیوار میں تراشے ہوئے ہیں۔ اشواط۔ شوط کی جمع ہے چکر۔

تشریح:۔ ترجمہ کے دوران بین القوسین بعض عبارتوں کااضافہ کر کے مطلب واضح کر دیا گیا ہے جو خلاصہ کے قائم مقام ہے۔

یخرج الی الصفا:۔ حاجی کو اختیار ہے کہ سعی بین الصفا والمروۃ کے لئے جس دروازہ سے چاہے نکلے اور حضور علیہ السلام باب مخزوم جس کو باب صفا بھی کہتے ہیں سے نکلے تھے کیونکہ یہ دروازہ دوسرے دروازوں کی بہ نسبت صفا سے زیادہ قریب تر ہے پس اس دروازہ سے نکلنا مستحب ہے نہ کہ سنت جیسا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے (ہدایہ)

وھذا شوط:۔ صفاسے مروہ تک جاناایک شوط ہے اور مروہ سے صفا تک جانادوسراشوط ہے۔ یہی قول اصح ہے امام طحاوی نے ان دونوں کو ایک شمار کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے (ہدایہ) صفااور مروہ کے درمیان سعی واجب ہے یا رکن؟ حنفیہ اور ائمہ ثلاثہ کااختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سعی واجب ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رکن ہے۔

وَ اِذَا كَانَ قَبْلَ يَوْمِ التروية بيَوْمٍ خَطَبَ الْاِمَامُ خُطْبَةً يُعَلِّمُ الناسَ فِيهَا الخُرُوْجَ اِلٰى مِنًى والصَلوٰة بعَرفاتٍ وَالوُقُوْفَ وَالْاِفَاضَةَ.

ترجمہ:۔ پھر جب یوم الترویہ (آٹھویں ذی الحجہ) سے ایک روز قبل کا وقت ہو تو (ساتویں ذی الحجہ کو ظہر کی نماز کے بعد) امام ایک ایسا خطبہ دے جس میں لوگوں کو منیٰ کی طرف نکلنا، عرفات میں نماز پڑھنا، عرفات میں ٹھہرنا اور وہاں سے واپس ہونے کی تعلیم دے۔

حل لغات:۔ یوم الترویۃ۔ آٹھویں ذی الحجہ۔ نویں کو یوم عرفہ، دسویں کو یوم النحر، گیارہوں کو یوم القر، بارھویں کو یوالنفر الاول اور تیرھویں کو یوالنفر الثانی کہتے ہیں۔ منیٰ، حدود حرم میں ایک گاؤں ہے۔ مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ہے یہ عام طور پر مذکر اور منصرف پڑھا جاتا ہے۔ عرفات۔ یہاں سے مکہ تین فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔

تشریح:۔ ایام حج میں تین خطبے دیئے جاتے ہیں۔ پہلا خطبہ مکہ میں ساتویں ذی الحجہ کو نماز ظہر کے بعد، دوسرا خطبہ نویں ذی الحجہ کو میدان عرفات میں نماز ظہر سے پہلے اور تیسرا خطبہ گیارہوں ذی الحجہ کو نماز ظہر کے بعد مقام منیٰ میں۔ تینوں خطبے ایک دن کے فاصہ سے پڑھے جائیں گے۔ پہلے اور تیسرے خطبوں کے درمیان جلوس نہیں ہے بلکہ خطبہ ایک ہی

ہوگا البتہ یوم عرفہ کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا ضروری ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک تینوں خطبے پے درپے ہوں گے بیچ میں کسی دن کا کوئی فاصلہ نہیں یعنی پہلا خطبہ آٹھویں ذی الحجہ کو دوسرا نویں اور تیسرا دسویں ذی الحجہ کو ہے (ہدایہ شرح وقایہ)

فَاِذَا صَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ بِمَكَّةَ خَرَجَ اِلَى مِنًى وَاَقَامَ بِهَا حَتّٰى يُصَلِّيَ الْفَجْرَ يَوْمَ عَرَفَةَ ثُمَّ يَتَوَجَّهُ اِلَى عَرَفَاتٍ فَيُقِيْمُ بِهَا فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ صَلَّى الْاِمَامُ بِالنَّاسِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ فَيَبْتَدِأُ بِالْخُطْبَةِ اَوَّلاً فَيَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيْهِمَا الصَّلٰوةَ وَالْوُقُوْفَ بِعَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةَ وَرَمْيَ الْجِمَارِ وَالنَّحْرِ وَالْحَلْقَ وَطَوَافَ الزِّيَارَةِ وَيُصَلِّيْ بِهِمُ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ فِيْ وَقْتِ الظُّهْرِ بِاَذَانٍ وَاِقَامَتَيْنِ۔

ترجمہ:۔ پس جب آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ میں فجر کی نماز پڑھ چکے تو منیٰ کی طرف نکلے اور منیٰ میں قیام کرے یہاں تک نویں ذی الحجہ کو فجر کی نماز پڑھے۔ پھر عرفات کی طرف متوجہ ہو اور عرفات میں قیام کرے۔ جب عرفہ کے روز آفتاب ڈھل جائے تو امام لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز پڑھائے لیکن نماز سے پہلے اول امام دو خطبہ دے دونوں خطبے میں لوگوں کو نماز پڑھنا، وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ، رمی جمار (پتھریاں مارنا) قربانی کرنا۔ سر منڈوانا، اور طواف زیارت کرنا سکھلائے۔ اور لوگوں کو ظہر کے وقت میں ایک اذان اور دو اقامت سے ظہر اور عصر کی نماز پڑھائے۔

﴿وقوف عرفہ کا بیان﴾

خلاصہ:۔ افعال حج کی ترکیب بیان کرتے ہوئے صاحب کتاب فرماتے ہیں ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو مکۃ المکرمہ میں نماز فجر ادا کر کے طلوع آفتاب کے بعد منیٰ کے لئے روانہ ہو جائے (طلوع آفتاب کی وضاحت صاحب ہدایہ نے کی ہے اور یہی سنت ہے اور طلوع آفتاب سے پہلے نکلنا خلاف سنت ہے) اور منیٰ میں نویں ذی الحجہ کی فجر تک قیام کرے اور نماز فجر منیٰ میں ادا کرے۔ اور طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات کے لئے روانہ ہو جائے۔ اور عرفات میں نماز ظہر سے پہلے امام جمعہ کے خطبہ کی طرح دو خطبے پڑھے جن میں وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ ان دونوں سے واپسی، رمی جمرۂ عقبہ، ذبح حلق اور طواف زیارت وغیرہ کے احکام سکھائے اور خطبہ کے بعد لوگوں کو ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں نمازیں ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ادا کرائے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے ظہر کے لئے اذان و اقامت دونوں کہے اور ظہر پڑھنے کے بعد عصر کے لئے اقامت کہے۔ اس لئے کہ عصر کی نماز خلاف عادت وقت مقررہ سے پہلے ادا کی جاتی ہے اس لئے حاضرین کو اطلاع کرنے کے لئے اقامت کافی ہے یہ جمع بین الصلاتین تقدیم کہلاتی ہے جو احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اسی موقع پر یہ جان لیں کہ اگر بغیر خطبہ کے نماز پڑھ لی گئی تو نماز ادا ہو جائیگی کیونکہ خطبہ فرض نہیں ہے۔ (کما ذکر فی الہدایہ)

تشریح:۔ باذان:۔ عرفات میں مؤذن اذان کب دے؟ قبل الخطبہ یا بعد الخطبہ؟ علماء کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن امام کے روبرو کھڑا ہو کر اذان دے جیسا کہ جمعہ میں ہے کہ خطبہ سے پہلے اذان دی جاتی

ہے۔امام ابو یوسفؒ سے دو روایت ہے ایک روایت میں یہ ہے کہ امام کے خیمہ سے نکلنے سے پہلے اذان دیجائے (جب مؤذن اذان سے فارغ ہو جائے تو امام اپنے خیمہ سے نکلے) دوسری روایت یہ ہے کہ اذان خطبہ کے بعد دیجائے امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں۔لیکن علماء کا ظاہر مذہب صحیح ہے (کمافی الھدایہ)

باذان واقامتین:۔ عرفات میں جمع بین الصلاتین کی صورت میں اذان واقامت کے بارے میں چھ اقوال ہیں۔ (۱) ایک اذان دو اقامت۔یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے امام مالک واحمد کی بھی ایک روایت ہے۔ (۲) دو اذان اور دو اقامت یہ امام مالک کے نزدیک ہے۔ (۳) صرف دو اقامت۔ یہ امام احمد کا مسلک ہے (معارف السنن ج ۶ ص ۴۵۲) (۴) صرف ایک اذان اور ایک اقامت۔امام زفرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (۵) صرف ایک اقامت۔یہ ابو بکر بن داؤد کا ہے۔ (۶) نہ اذان نہ امامت یہ ابن عمر کی روایت ہے (الصبح المنوری ج ۱ ص ۲۵۱)

وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي رَحْلِهِ وَحْدَهُ صَلَّى كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا فِي وَقْتِهَا عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا الْمُنْفَرِدُ ثُمَّ يَتَوَجَّهُ اِلَى الْمَوْقِفِ بِقُرْبِ الْجَبَلِ وَعَرَفَاتٌ كُلُّهَا مَوْقَفٌ اِلَّا بَطْنَ عُرْنَةَ وَينبغي لِلامَامِ ان يَقِفَ بِعَرَفَةَ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَيَدْعو ويُعَلِّمُ الناسَ المناسِكَ وَيَسْتَحِبُّ اَنْ يَّغْتَسِلَ قَبْلَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ وَيَجْتَهِدُ فِي الدُّعَاءِ.

ترجمہ:۔ اور جس شخص نے ظہر کی نماز اپنی منزل میں تنہا پڑھی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کو اپنے وقت پر پڑھے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ تنہا پڑھنے والا بھی ان دونوں کو جمع کرے پھر موقف کی طرف متوجہ ہو پہاڑ (جبل رحمت) کے قریب۔ اور سارا عرفات موقف ہے سوائے بطن عرنہ کے، اور امام کو چاہئے کہ عرفہ میں اپنی سواری (اونٹ) پر سوار ہو کر وقوف کرے اور (امام) دعا کرے اور لوگوں کو حج کے احکام سکھائے۔ اور مستحب ہے کہ وقوف عرفہ سے پہلے غسل کرے اور خوب دعا کرے۔

حل لغات:۔ رحل۔ کجاوہ۔ منزل۔موقف۔ ٹھہرنے کی جگہ،جبل اس سے جبل رحمت مراد ہے جس کا دوسرا نام جبل دعاء بھی ہے۔بطن عرنہ۔ایک چھوٹی وادی ہے جو مغرب کی جانب مسجد نمرہ سے متصل ہے اور مکہ مکرمہ کے رخ پر ہے گویا وہ عرفات کی مغربی سرحد ہے (حج و مقامات حج ص ۹۵) راحلہ سواری۔المناسك منسك کی جمع ہے، افعال وارکان حج۔

خلاصہ:۔ اس موقع پر تین مسائل اور کچھ متفرق باتیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلے مسئلے میں جمع بین الصلوٰتین جمع تقدیم کی شرائط کو بیان کیا گیا ہے جس میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین وائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے۔ مسئلہ (۱) اگر کسی حاجی نے ظہر کی نماز اپنے ٹھکانہ پر تنہا ادا کرلی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ شخص عصر کی نماز اپنے وقت میں ادا کرے یعنی جمع بین الصلاتین نہ کرے۔ صاحبینؒ کے نزدیک تنہا پڑھنے والا بھی دونوں نمازوں کو جمع کرے۔ یعنی منفرد اور باجماعت پڑھنے والا دونوں جمع بین الصلاتین کے حکم میں برابر ہیں۔ مسئلہ (۲) عرفات میں جمع بین الصلاتین سے فارغ ہونے کے بعد امام اور سبھی حضرات

موقف میں چلے جائیں اور یہاں جبل رحمت کے قریب جاکر کھڑے ہوں اور سوائے بطن عرنہ کے پورا عرفات موقف ہے۔ مسئلہ (۳) امام کے لئے سواری پر سوار ہوکر استقبال قبلہ کیساتھ وقوف عرفہ کرنا افضل ہے (ہدایہ) اور امام دعا مانگے اور لوگوں کو احکام حج سکھائے۔ اور وقوف عرفہ سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے اور دعاؤں میں خوب کوشش کرے۔

عرفات میں جمع بین الصلاتین جمع تقدیم کی شرائط

تشریح:۔ وصلی کل واحدۃ:۔ حج کے موقع پر دو مرتبہ جمع بین الصلاتین مشروع ہے ایک تو عرفات میں جمع بین الظہر والعصر جمع تقدیم اور دوسرے مزدلفہ میں جمع بین المغرب والعشاء جمع تاخیر۔ پھر حنفیہ کے نزدیک عرفات میں جمع بین الصلاتین مسنون ہے اور مزدلفہ میں واجب جبکہ دیگر حضرات کے یہاں مزدلفہ میں بھی مسنون ہے واجب نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عرفات میں جمع تقدیم کی چھ شرائط ہیں۔ (۱) احرام حج (۲) تقدیم الظہر علی العصر (۳) وقت اور زمانہ یعنی یوم عرفہ اور زوال کے بعد کا وقت (۴) مکان یعنی وادی عرفات یا اس کے آس پاس کا علاقہ جیسے مسجد نمرہ جس جہت سے ہو (۵) دونوں نمازوں کا باجماعت ہونا، چنانچہ اگر انفراداً نماز پڑھ لی تو جمع کرنا درست نہ ہوگا (۶) امام اعظم یا اس کا نائب ہونا لہٰذا اگر ان دونوں کی غیر موجودگی میں جمع بین الصلاتین کرلی تو جمع درست نہ ہوگی صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک شروع کی چار شرطیں کافی ہیں آخری دو شرائط ضروری نہیں۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۳ ص ۴۰۷) مزدلفہ میں جمع تاخیر کا بیان اگلی سطور میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

فاذا غَرُبَتِ الشَّمْسُ اَفَاضَ الاِمَامُ والناسُ مَعَهٗ علیٰ هَیْئَتِهِمْ حتیّٰ یَاْ تُوْاالمُزْدَلِفَةَ فَیَنْزِلُوْنَ بِهَا وَالْمُسْتَحَبُّ ان ینزِلُوْا بِقُرْبِ الْجَبَلِ الذی عَلَیْهِ المِیْقَدَةُ یُقَالُ لَهٗ قُزَحُ وَیُصَلِّی الْاِمَامُ بِالنَّاسِ المَغْرِبَ وَالعِشَاءَ فِی وَقْتِ العِشَاءِ بِاَذَانٍ وَاِقَامَةٍ وَمَنْ صَلیَّ الْمَغْرِبَ فِی الطَّرِیْقِ لَمْ یَجُز عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللہُ فَاِذَا طَلَعَ الفَجْرُ صَلیَّ الِاِمَامُ بِالنَّاسِ الفَجْرَ بِغَلَسٍ ثُمَّ وَقَفَ الاِمَامُ وَوَقَفَ النَّاسُ مَعَهٗ فَدَعَا وَالمُزْدَلِفَةُ کُلُّهَا مَوْقِفٌ اِلَّا بَطْنَ مُحَسِّرٍ.

ترجمہ:۔ اور جب آفتاب غروب ہو جائے تو امام لوٹے اور لوگ اس کے ساتھ ہوں اپنی میانہ چال پر یہاں تک کہ مزدلفہ آئیں اور وہیں اتر جائیں اور مستحب یہ ہے کہ اس پہاڑ کے قریب میں اترے جس پر میقدہ (آتشدان) ہے جس کو قزح کہا جاتا ہے اور امام لوگوں کو عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک اقامت (تکبیر) سے مغرب وعشاء کی نماز پڑھائے اور جس نے مغرب کی نماز راستہ میں پڑھ لی تو طرفین کے نزدیک نماز جائز نہ ہوگی۔ پس جب صبح صادق ہو جائے تو امام لوگوں کو فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھائے۔ پھر امام وقوف کرے اور لوگ اس کے ساتھ وقوف کریں اور دعا کرے اور پورا مزدلفہ موقف (وقوف کرنے کی جگہ) ہے سوائے وادی محسر کے۔

وقوف مزدلفہ کا بیان

حل لغات:۔ افاض افاضۃً لوٹنا۔ واپس ہونا۔ المیقدۃ ایک جگہ ہے جہاں زمانہ جاہلیت میں لوگ آگ روشن کیا کرتے تھے۔ قزح بضم القاف وفتح الزاء بمعنی مرتفع سے عدول ہے۔ اور علمیت اور عدل کیوجہ سے غیر منصرف ہے۔ بلند ہونے کی وجہ سے اس کا نام قزح رکھا گیا۔ میقدہ اسی پہاڑ پر تھا۔ زمانہ جاہلیت کی طرح ہارون رشید کے زمانہ میں لیلۃ مزدلفہ میں شمع روشن کیجاتی تھی اور ہارون رشید کے بڑے بڑے چراغ روشن کئے جاتے تھے۔ ابوداؤد کی روایت کے مطابق جبل قزح انبیاء علیہم السلام کا موقف ہے جس پر بقول بعض حضرت آدمؑ کی بھٹی تھی۔ غَلَس آخری شب کی تاریکی۔ جمع اغلاس۔ مُحَسِّر منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان ایک وادی ہے جہاں اصحاب فیل عذاب خداوندی کی وجہ سے غارت ہو گئے تھے اس لئے اس کو وادی محسر یعنی وادی افسوس وحیرت کہتے ہیں۔

خلاصہ:۔ اس عبارت میں چار مسئلے ذکر کئے گئے ہیں۔ مسئلہ (۱) نویں ذی الحجہ (عرفات کے دن) کو غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز ادا کئے بغیر امام اور لوگ پر وقار طریقہ پر مزدلفہ آجائیں اور جبل قزح کے قریب اتریں (یہی مستحب ہے) مسئلہ (۲) امام لوگوں کو مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نماز عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھائے (عشاء اپنے وقت میں ہے اور لوگ اکٹھا ہیں اس لئے لوگوں کو اطلاع کے لئے دوسری اقامت کی ضرورت نہیں ہے بخلاف عرفات کے کہ وہاں نماز عصر اپنے وقت پر نہیں ہوتی ہے) مسئلہ (۳) اگر کسی حاجی نے مزدلفہ پہونچنے سے پہلے مغرب کی نماز راستہ میں پڑھ لی تو طرفین (اور امام زفر وحسن بن زیاد) کے نزدیک درست نہ ہوگی بلکہ مزدلفہ پہونچنے کے بعد نماز کا اعادہ واجب ہے (فتویٰ اسی پر ہے) امام ابویوسفؒ (اور امام شافعیؒ) کے نزدیک نماز درست ہوگی۔ کیونکہ اس نے نماز مغرب اپنے وقت میں پڑھی ہے البتہ خلاف سنت ہے جو باعث گناہ ہے۔ مسئلہ (۴) یوم النحر کی صبح صادق طلوع ہونے کے بعد امام لوگوں کو نماز فجر غلس میں پڑھائے۔ اور امام اور دیگر حجاج کرام مزدلفہ میں وقوف کریں اور دعاء کریں (اور یہ وقوف مزدلفہ احناف کے نزدیک واجب ہے بلا عذر کے ترک سے دم لازم آئیگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک رکن ہے) اور میدان مزدلفہ میں جہاں چاہے وقوف کرسکتا ہے البتہ وادی محسر میں وقوف کرنا صحیح نہیں ہے۔

تشریح۔ فاذا غربت الشمس:۔ اگر مزدلفہ کے لئے روانگی غروب آفتاب سے پہلے ہوئی اور حدود عرفات سے متجاوز ہو گئے تو دم واجب ہوگا اس لئے کہ عرفات سے روانگی باتفاق رواۃ غروب آفتاب کے بعد ہے (الصبح النوری)

مزدلفہ میں جمع تاخیر کی شرائط

ویصلی الامام بالناس الخ:۔ حنفیہ کے نزدیک مزدلفہ میں جمع تاخیر کی پانچ شرطیں ہیں (۱) احرام حج (۲) وقوف عرفات کا مقدم کرنا (۳) زمان مخصوص یعنی لیلۃ النحر (۴) وقت مخصوص یعنی عشاء (۵) مکان مخصوص یعنی مزدلفہ۔ مزدلفہ میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی امام یا نائب اور جماعت کی شرط نہیں ہے۔ (المغنی ج ۳ ص ۴۱۹)

باذان واقامة:۔ مزدلفہ جمع بین الصلاتین کی صورت میں اذان واقامت کے بارے میں چار اقوال معروف ومشہور ہیں۔

(۱) ایک اذان اور ایک اقامت۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ امام احمدؒ کی ایک روایت اسی کے مطابق ہے مالکیہ میں ابن ماجشون کا بھی یہی مسلک ہے۔

(۲) ایک اذان اور دو اقامتیں۔ یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ امام مالکؒ کا بھی ایک قول اس کے مطابق ہے۔ حنفیہ میں امام زفرؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام طحاوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور شیخ ابن ہمامؒ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

(۳) دو اذان اور دو اقامتیں۔ یہ امام مالکؒ کا مسلک ہے۔

(۴) دو اقامتیں بغیر اذان کے۔ یہ امام احمدؒ کا مشہور مسلک ہے۔ امام شافعیؒ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔
(معارف السنن ج ٦ ص ٤٥٢-٤٥٣)

ثُمَّ اَفَاضَ الاِمَامُ والناسُ مَعَهُ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ حَتّٰى ياتو مِنىٰ فَيَبْتَدِأُ بِجَمْرَةِ العَقَبَةِ فَيَرْمِيْهَا مِنْ بَطْنِ الوادِی بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ مِثْلَ حَصَاةِ الخَذْفِ وَيُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ مَعَ اَوَّلِ حَصَاةٍ ثُمَّ يَذْبَحُ اِنْ اَحَبَّ ثُمَّ يَحْلِقُ اَوْ يُقَصِّرُ والحَلْقُ اَفْضَلُ وَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْئٍ اِلَّا النِّسَاءَ.

ترجمہ:۔ پھر (دعا کے بعد) امام اور اس کے ساتھ لوگ (یوم نحر کے) طلوع آفتاب سے پہلے (مزدلفہ سے) کوچ کریں یہاں تک کہ منیٰ آجائیں اور جمرہ عقبہ سے (رمی کی) ابتداء کرے پس جمرۂ عقبہ پر بطن وادی سے سات کنکریوں کے ساتھ پھینکے جو حصاۃ خذف کے مثل ہوں، اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتا رہے اور جمرۂ عقبہ کے پاس نہ ٹھہرے اور پہلی کنکری پھینکتے ہی تلبیہ ختم کردے پھر (جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد) اگر جی چاہے تو قربانی کرے پھر حلق کرے (سر منڈوالے) یا قصر کرے (بال کٹادے) اور حلق کرنا افضل ہے اور (حلق یا قصر کے بعد) محرم کے لئے ہر (وہ) چیز حلال ہوگئی (جو حرام کی وجہ سے ممنوع ہوگئی تھی) علاوہ عورتوں کے ساتھ جماع یا دواعی جماع) کے۔

﴿رمی جمار کا بیان﴾

حل لغات:۔ جَمرة۔ چھوٹی پتھری۔ حَصَيَات۔ حصاۃ کی جمع ہے کنکری۔ خذف۔ ٹھیکری وغیرہ کے پھینکنے کو کہتے ہیں۔

حصاة الخذف: مرادیہ ہے کہ کنکریاں چھوٹی ہوں۔

تشریح:۔ ترجمہ کے دوران بین القوسین بعض عبارتوں کا اضافہ کر کے عبارت واضح کردی گئی ہے اس لئے خلاصہ کے عنوان کی ضرورت نہیں ہے۔

فیبتدأ بجمرة العقبة الخ:۔ جمرہ عقبہ کی رمی کا اصل وقت دسویں تاریخ کے طلوع آفتاب سے زوال تک

ہے۔ اور زوال سے غروب آفتاب تک جائز ہے اور طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان کا وقت اسی طرح غروب آفتاب کے بعد مکروہ ہے۔ گویا کہ اس کا پورا وقت دسویں تاریخ کی طلوع فجر سے لے کر گیارہویں تاریخ کی آخری شب تک ہے اگر گیارہویں کی فجر ہوگئی اور رمی نہ کی تو دم دینا لازم ہوگا اور اگر کسی نے دسویں تاریخ کی طلوع فجر سے پہلے کی تو صحیح نہیں ہے۔ اگر کسی کی جمرہ عقبہ کی رمی قضاء ہوگئی تو اس کی قضاء کے لئے گیارہویں کی طلوع فجر سے تیرھویں کی غروب آفتاب تک گنجائش ہے لہٰذا دم کے ساتھ قضا کرے۔ اگر کسی وجہ سے قضاء کا بھی وقت نکل گیا تو بالاتفاق ترک رمی کا ایک دم دینا واجب ہوگا دسویں تاریخ میں جمرۂ عقبہ کی رمی کے علاوہ کسی اور جمرہ کی رمی بدعت ہے۔ رمی سوار اور پاپیادہ دونوں طرح سے درست ہے۔ اس سلسلے میں ایک ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ رمی جس کے بعد رمی ہو تو پاپیادہ رمی کرنا افضل ہے۔ ورنہ تو سوار ہوکر افضل ہے اس ضابطہ کے رو سے یوم نحر میں جمرۂ عقبہ کی رمی سوار ہوکر افضل ہے کیوں کہ جمرہ عقبہ کے بعد کوئی رمی نہیں ہے اور دوسرے ایام میں جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کے بعد چونکہ رمی ہے اس لئے اس کی رمی پیدل کرے۔ اور تیسرے جمرہ کے بعد چونکہ رمی نہیں ہے اس لئے اس کی رمی سوار ہوکر کرے۔ رمی کے لئے سات کنکریاں مزدلفہ سے اٹھائے اس کے علاوہ کسی اور جگہ سے اٹھائے یا راستہ میں سے لے لے جب بھی جائز ہے البتہ جمرہ کے پاس کی کنکریاں نہ اٹھائے کیونکہ یہ مردود ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس کا حج قبول ہوتا ہے اس کی کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں اور جو کنکریاں جمرہ کے پاس پڑی رہ جاتی ہیں غیر مقبول حج کی ہوتی ہیں۔ کنکریوں کا باقلہ کے دانہ کے برابر ہونا مستحب ہے گٹھلی کے بقدر یا بڑے پتھری کے بقدر بھی جائز ہے بڑے پتھر سے مکروہ ہے۔

﴿طریقۂ رمی اور رمی کرنے والے اور جمرہ کے درمیان کا فاصلہ﴾

کنکریاں کسی طرح بھی پکڑ کر پھینک دیا جائے جائز ہے مگر مستحب یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور انگشت شہادت کے سرے سے پکڑ کر مارے اس طریقہ کو اصح اور معتاد لکھا ہے مرد کو چاہئے کہ کنکری پھینکتے وقت ہاتھ اتنا اٹھائے کہ بغل نظر آئے اس بات کا خیال رہے کہ منیٰ داہنے ہو اور کعبہ بائیں ہو اور ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہے اور پہلی کنکری مارتے ہی تلبیہ ختم کردے اس سے قطع نظر کہ وہ مفرد بالحج ہو یا قارن اور متمتع۔ جمرہ اور کنکری پھینکنے والے کے درمیان پانچ ہاتھ کا فاصلہ ہونا چاہئے اتنا فاصلہ واجب ہے۔ (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک جدید و مکمل ص ۱۶۲ تا ۱۶۸ ہدایہ)

ثم یاتی مَکَّۃَ مِنْ یومہ ذلك او مِنَ الْغَدِ او مِنْ بَعْدِ الْغَدِ فَیَطُوْفُ بالْبَیْتِ طَوَافَ الزِّیَارَۃِ سَبْعَۃَ اَشْوَاطٍ فان کان سَعیٰ بین الصفا والمروۃِ عَقِیْبَ طَوَافِ الْقُدُوْمِ لم یرمل فِیْ ھٰذَا الطَّوَافِ وَلَا سعیٰ عَلَیْہِ وان لم یکن قَدَّمَ السَّعیَ رَمَلَ فی ھٰذَا الطَّوَافِ وَیَسْعیٰ بَعْدَہٗ عَلیٰ ماقَدَّمْنَاہُ وَقَدْ حَلَّ لَہُ النِّسَآءُ وَھٰذَا الطَّوَافُ الْمَفْرُوْضُ فِی الْحج وَیُکْرَہُ تاخِیْرُہٗ عَنْ ھٰذِہِ الْاَیَّامِ فَاِنْ اَخَّرَہٗ عَنْھَا لَزِمَہٗ دَمٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللہُ وَقَالَا لَا شَیْئَ عَلَیْہِ.

ترجمہ:۔ پھر (رمی، حلق اور ذبح کے بعد) اسی دن (دسویں تاریخ کو) مکہ المکرمہ آجائے یا دوسرے دن (گیارہویں کو) یا تیسرے دن (بارہویں کو) اور بیت اللہ کا طواف کرے طواف زیارت سات چکر۔ پس اگر طواف قدوم کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کر چکا ہو تو اس طواف (زیارۃ) میں رمل نہ کرے اور اس پر سعی بھی نہیں ہے اور اگر اس (حاجی) نے (طواف قدوم میں) سعی (بین الصفا والمروۃ) نہیں کی تو اس طواف (زیارت) میں رمل کو سعی پر مقدم کرے اس کے بعد سعی کرے جیسا کہ ہم نے اس کو بیان کر دیا (یعنی سعی فقط ایک مرتبہ مشروع ہوئی ہے اور رمل بھی ایک ہی مرتبہ ایسے طواف کے بعد مشروع ہوا جس کے بعد سعی ہو) اور حاجی کے لئے عورتیں حلال ہوگئیں اور یہی طواف (زیارت) حج میں فرض کیا گیا ہے۔ اور طواف زیارت کو ان ایام نحر سے مؤخر کرنا مکروہ (تحریمی) ہے۔ پس اگر (کراہت تحریمی کے باوجود) طواف زیارت کو ایام سے مؤخر کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر دم لازم ہوگا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

﴿طواف زیارت کا بیان﴾

تشریح:۔ اس پوری عبارت میں طواف زیارت کی تعریف، اس کے اوقات کی تعیین۔ نیز طواف زیارت کو اپنے ایام سے مؤخر کرنے کی صورت میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کا اختلاف منقول ہے۔ ترجمہ کے دوران بین القوسین کی عبارت کا اضافہ کر کے اصل عبارت واضح کر دی گئی ہے۔

ثم یاتی بمکۃ:۔ طواف کرنے والے کو چاہئے کہ ستر پوشی کرے اور حدث ونجس سے پاک ہو۔ عدم طہارت کی صورت میں امام شافعیؒ کے نزدیک کالعدم کے درجہ میں ہوگا۔ متاخرین احناف کے درمیان اختلاف ہے کہ طہارت واجب ہے یا سنت؟ ابن شجاع کے نزدیک طہارت سنت ہے اور ابو بکر رازی کے نزدیک واجب ہے۔

وھو المفروض:۔ طواف زیارت حج کے اندر فرض ہے اور رکن کا درجہ رکھتا ہے اس کو طواف افاضہ اور طواف یوم نحر بھی کہتے ہیں۔ اس طواف میں پہلے چار چکر رکن کے درجہ میں اور باقی تین واجب کے درجے میں ہیں۔

ویکرہ تاخیرہ:۔ اس مسئلہ میں حائضہ یا نفاس والی عورت مستثنیٰ ہے یعنی تاخیر کی اجازت ہے کوئی کراہت نہیں ہے۔

ثُمَّ یعود الی مِنیٰ فیقیم بِھَا فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْیَوْمِ الثَّانِیْ مِنْ اَیَّامِ النَّحْرِ رَمَی الجِمَارَ الثَّلٰثَ یَبْتَدِیءُ بِالَّتِیْ تَلِی الْمَسجِدَ فَیَرْمِیْھَا بِسَبْعِ حَصَیَاتٍ یُکَبِّرُ مَعَ کُلِّ حَصَاۃٍ ثُمَّ یَقِفُ عِنْدَھَا فَیَدْعُوْ ثُمَّ یَرْمِی الَّتِی تَلِیْھَا مِثْلَ ذٰلِکَ وَیَقِفُ عِنْدَھَا ثُمَّ یَرْمِی جَمْرَۃَ الْعَقَبَۃِ کَذٰلِکَ وَلَا یَقِفُ عِنْدَھَا فَاِذَا کَانَ مِنَ الْغَدِ رَمَی الْجِمَارَ الثَّلٰثَ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ کَذٰلِکَ.

ترجمہ:۔ پھر (طواف زیارت کے بعد) منیٰ واپس آئے اور وہیں قیام کرے، پس ایام قربانی کے دوسرے دن (گیارھویں تاریخ کو) زوال شمس کے بعد تینوں جمار کی رمی کرے۔ رمی کی ابتداء اس جمرہ سے کرے جو مسجد (خیف) سے متصل

واقع ہے اور اس جمرہ پر سات کنکریاں پھینکے۔ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتا رہے پھر اس جمرہ کے پاس ٹھہرے اور دعاء کرے (یہ جمرۂ اولیٰ تھی) پھر اس طرح اس جمرہ کی رمی کرے جو اس جمرۂ اولیٰ سے متصل ہے (یہ جمرۂ وسطیٰ تھی) اور اس (جمرۂ وسطیٰ) کے پاس بھی ٹھہرے پھر اسی طرح جمرۂ عقبہ کی رمی کرے اور اس کے پاس نہ ٹھہرے۔ جب اگلا دن (ایام نحر کے تیسرے دن یعنی بارہویں تاریخ) ہو تو اسی طرح زوال آفتاب کے بعد جمار ثلثہ کی رمی کرے۔

﴿تینوں جمروں کی رمی کا بیان﴾

تشریح:۔ جمرۂ اولیٰ اور وسطیٰ کے پاس توقف کا حکم ہے اور جمرۂ عقبہ کے پاس توقف کا حکم نہیں ہے۔ اس توقف کا ضابطہ یہ ہے کہ جس رمی کے بعد رمی ہو اس میں توقف ہے اس میں دعا واستغفار کا حکم ہے۔ اور جس رمی کے بعد رمی نہ ہو تو اس کے بعد توقف نہ کرے۔ اسی لئے ایام نحر میں جمرۂ عقبہ کے بعد توقف کا حکم نہیں (ہدایہ) رمی کی مذکورہ بالا ترتیب مسنون ہے واجب نہیں ہے۔

وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّتَعَجَّلَ النَّفَرَ نَفَرَ اِلىٰ مَكَّةَ وَاِنْ اَرَادَ ان يُّقِيْمَ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلٰثَ فِي الْيَوْمِ الرَّابِعِ بَعْدَ زَوَالِ الشمس كَذٰالِكَ فَاِنْ قَدَّمَ الرَّمْيَ فِي هٰذَا الْيَوْمِ قَبْلَ الزَّوَالِ بَعْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ جَازَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَقَالَا لَا يَجُوْزُ وَيُكْرَهُ ان يُّقَدِّمَ الْاِنْسَانُ ثِقْلَهُ اِلىٰ مَكَّةَ وَيُقِيْمَ بِهَا حَتّٰى يرمى.

ترجمہ:۔ اور اگر جلدی روانگی کا ارادہ ہو تو مکہ کی جانب روانہ ہو جائے اور اگر قیام کرنے کا ارادہ ہو تو (قیام کرے اور) اسی طرح چوتھے دن (۱۳/ ذی الحجہ کو) زوال آفتاب کے بعد تینوں جمروں کی رمی کرے۔ اور اگر اس نے رمی کو اس دن یعنی چوتھے دن زوال آفتاب سے پہلے طلوع فجر کے بعد مقدم کر دی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبینؒ نے کہا کہ (تمام ایام پر قیاس کرتے ہوئے) جائز نہیں ہے اور مکروہ ہے کہ انسان اپنا سامان مکہ کی جانب پہلے روانہ کر دے اور خود یہاں رمی تک قیام کرے۔

حل لغات:۔ نَفَر۔ مصدر نفر من كذا (ض) نَفراً ونُفُوراً۔ کوچ کرنا۔ روانہ ہونا۔ رجوع کرنا۔ نَفَرَ الحاج من منیٰ مکہ کی طرف کوچ کرنا۔ ثقل مسافر کا سامان۔ بوجھ اور نوکر چاکر۔ جمع اثقال۔

تشریح۔ واذا اراد الخ:۔ اگر کسی حاجی کو جلدی ہو تو گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو تینوں جمروں کی رمی سے فراغت بعد اگر مکۃ المکرمہ واپس ہونا چاہے تو اس کے لئے اجازت ہے۔ اور اگر کسی شخص نے منیٰ میں ایام نحر کے چوتھے روز یعنی تیرہویں تاریخ کی طلوع فجر تک قیام کیا تو اس کے لئے لازم ہے کہ چوتھے روز آفتاب کے ڈھل جانے کے بعد حسب سابق تینوں جمروں کی رمی کرے اور پھر مکہ جائے اسی وجہ سے بارہویں تاریخ کا نام یوم النفر الاول اور تیرہویں تاریخ کا نام یوم النفر الثانی ہے۔ بہر کیف تیرہویں ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام افضل ہے۔

فان قدم الخ:۔ صاحب کتاب ایک مسئلہ بیان کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر کسی حاجی نے چوتھے روز طلوع فجر کے

بعد اور زوال شمس سے پہلے رمی جمار کیا۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں امام اعظم ابو حنیفہ اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک تقدیم جائز ہے صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔ یہی مذہب امام شافعیؒ وامام احمد کا ہے (ہدایہ)

ویکرہ الخ:۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ روانگی منیٰ سے قبل اپنا سارا سامان مکہ روانہ کردینا مکروہ ہے کیونکہ قلب افعال حج سے غافل ہوکر سامان کی طرف مشغول ہو جاتا ہے (ہدایہ) اس عبارت سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ نماز پڑھتے وقت اپنا سامان پس پشت رکھنا جس سے قلب میں تشویش ہو مکروہ ہے۔ (الجوہرہ)

فاذا نفر الیٰ مکّۃ نزل بالمُحصَّب ثُمّ طَاف بالبیتِ سبعۃ اشواطٍ لا یرمُلُ فِیھا وھٰذا طواف الصَّدرِ وھُوَ وَاجبٌ اِلاّ علیٰ اَھلِ مکّۃ ثُمّ یعُودُ اِلیٰ اَھلِہٖ فاِن لم یدخلِ المُحرِمُ مکّۃ وتوجَّہ اِلیٰ عرفاتٍ ووقف بِھا علیٰ ما قدَّمناہُ سقط عنہُ طوافُ القُدُومِ ولاشیئَ علیہِ لِترکِہٖ ومن ادرک الوُقُوف بعرفۃ ما بین زوالِ الشَّمسِ مِن یومِ عرفۃ اِلیٰ طُلُوعِ الفجرِ مِن یومِ النَّحرِ فقد ادرک الحجَّ ومنِ اجتاز بعرفۃ وھُو نائِمٌ او مُغمیً علیہِ او لم یعلم انَّھا عرفاتٌ اجزاہُ ذٰلک عنِ الوُقُوفِ والمرأۃُ فِی جمِیعِ ذٰلک کالرجُلِ غیر انَّھا لا تکشِفُ رأسھا وتکشِفُ وجھھا ولا ترفعُ صوتھا بالتَّلبِیۃِ ولا ترمُلُ فِی الطَّوافِ ولا تسعیٰ بین المِیلینِ الاخضرینِ ولا تحلِقُ ولٰکن تُقصِّرُ۔

ترجمہ:۔ جب مکہ کو روانہ ہو تو محصب میں اترے۔ اس کے بعد بیت اللہ کا طواف کرے سات چکر اور اس میں رمل نہیں کرے گا۔ اور یہ طواف صدر ہے۔ اور یہ اہل مکہ کے علاوہ پر واجب ہے۔ اس طواف کے بعد اپنے گھر کو آجائے۔ اگر محرم مکہ میں داخل نہ ہوا ہو اور عرفات کی جانب روانہ ہو گیا ہو اور عرفات میں مقیم ہو گیا ہو گزشتہ تفصیل کے مطابق تو اس سے طواف قدوم ساقط ہو جائیگا۔ اور اس پر ترک کرنے کی وجہ سے کوئی چیز لازم نہیں۔ اور جس نے یوم عرفہ (نویں تاریخ) کے آفتاب کے زوال اور یوم النحر (دسویں تاریخ) کے طلوع فجر کے درمیان وقوف عرفہ کو پالیا تو اس نے حج کو پالیا۔ اور جو شخص عرفہ سے گذرا اس حال میں کہ وہ سویا ہوا ہے یا بے ہوش ہے یا اس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ عرفات ہے تو وقوف جائز ہو گیا اور عورت ان تمام احکام حج میں مرد کی طرح ہے سوائے اس کے کہ عورت اپنا سر نہیں کھولے گی اور وہ اپنا چہرہ کھولے گی اور اپنی آواز کو تلبیہ کے ساتھ بلند نہیں کرے گی۔ اور عورت نہ رمل کرے گی اور نہ میلین اخضرین کے درمیان سعی کرے گی۔ اور عورت سر نہ منڈائے بلکہ بال کتروائے۔

﴿طواف صدر کا بیان اور متفرق مسائل﴾

حل لغات:۔ المُحصَّب۔ مکہ اور منیٰ کے درمیان ایک سنگریزہ والا مقام کا نام ہے۔ یہ مقام بہ نسبت مکہ کے منیٰ سے قریب ہے۔ الصدر الصاد والدال بالفتح۔ لوٹنا واپس ہونا یہ صادر کا اسم جمع ہے۔ اجتاز اجتیازاً باب افتعال سے ہے

احتاز بالمکان ۔ گزرنا۔

تشریح:۔ اس پوری عبارت میں پانچ باتیں بیان کی گئی ہیں (۱) مکہ لوٹتے ہوئے محصب میں اترنا۔ (۲) طواف صدر کی تعریف (۳) طواف قدوم کا ساقط ہونا۔ (۴) احناف کے نزدیک وقوف عرفات کا حکم (۵) عورتوں کے متعلق کچھ احکام حج۔

فاذا نفر الخ:۔ منیٰ سے مکہ لوٹتے وقت پہلے محصب میں اترنا اور قیام کرنا سنت ہے خواہ تھوڑی دیر کے لئے ہو۔ یہ نمبر (۱) کا بیان تھا۔

ثم طاف بالبیت:۔ منیٰ سے تمام افعال حج ادا کرنے کے بعد جب حاجی مکہ المکرمہ میں داخل ہو تو بلا رمل وسعی سات چکر بیت اللہ کا طواف کرے اس طواف کو طواف صدر اور طواف وداع کہتے ہیں۔ طواف صدر تو اس لئے کہ حاجی اس طواف کے ساتھ بیت اللہ سے رخصت ہوتا ہے۔ اور طواف وداع تو اس لئے کہ حاجی بیت اللہ کو وداع کرتا ہے۔ یہ طواف احناف اور امام احمد کے نزدیک آفاقیوں پر واجب ہے۔ امام مالکؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے یہ نمبر (۲) کا بیان تھا۔

لم یعود:۔ امام اعظم کے نزدیک اس طواف کے فراغت کے بعد مکہ میں قیام مکروہ ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ مکہ کا احترام ،اس کی ہیبت ختم ہو جائے اور گناہ میں مبتلا ہو جائے۔ صاحبینؒ کے نزدیک قیام افضل ہے (الجوہرہ)

فان لم یدخل الخ:۔ مسئلہ یہ ہے کہ محرم مکہ میں داخل نہ ہو کر میدان عرفات چلا گیا اور شریعت کے بیان کردہ طریقہ کے مطابق وہاں قیام کیا تو اس کے ذمہ سے طواف قدوم ساقط ہو جائیگا۔ اور طواف قدوم کے چھوڑنے کی وجہ سے کوئی دم نہیں ہے کیونکہ طواف قدوم سنت ہے اور ترک سنت پر کوئی دم نہیں ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مسجد نہ آئے تو اس پر تحیۃ المسجد بھی نہیں ہے (ہدایہ۔ مصباح القدوری) یہ نمبر ۳ کا بیان تھا۔

ومن ادرك الخ:۔ احناف اور امام مالک کے درمیان اختلاف ہے کہ وقوف عرفہ کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے احناف کے نزدیک نویں ذی الحجہ کو زوال آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور امام مالک کے نزدیک نویں ذی الحجہ کے طلوع فجر یا طلوع آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر حاجی نے یوم عرفہ کے زوال آفتاب سے یوم النحر کی طلوع فجر تک ایک ساعت کے لئے بھی قیام کیا اور روانہ ہو گیا تو احناف کے نزدیک اس کا حج پورا ہو جائیگا خواہ نیند یا بیہوشی کی حالت میں گذر گیا یا اس کو معلوم نہ کہ یہ عرفہ ہے۔ امام مالک کے نزدیک دن میں اور رات کے ایک حصہ میں وقوف ضروری ہے گویا کہ یوم عرفہ میں غروب کے بعد روانہ ہونا ضروری ہے اس سے پہلے نہیں۔ الحاصل احناف کے نزدیک وقوف عرفات کے لئے صرف موجودگی شرط ہے نیت وقوف اور علم عرفات وغیرہ شرط نہیں ہے۔ یہ نمبر ۴ کا بیان تھا

والمرأة فی جمیع ذٰلك الخ:۔ یہاں سے نمبر ۵ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ عورت تمام احکام حج میں مردوں کے مانند ہے چند چیزوں کے علاوہ مثلاً عورت کا سر واجب الستر ہے اس لئے عورت کے لئے سر کا کھولنا حرام ہے البتہ اپنا چہرہ کھولے رکھے گی کیونکہ روایت میں ہے "احرام المرأة فی وجهها" یعنی عورت کا احرام اس کے چہرہ میں ہے، اور اگر عورت نے اپنے چہرہ پر نقاب اس طرح ڈالا کہ وہ حصہ چہرہ سے مس نہیں کھاتا تو جائز ہے کیونکہ یہ مثل محمل سے سایہ لینے کے حکم میں ہے۔ (ہدایہ، جوہرہ)

ولا ترفع صوته الخ:۔ تلبیہ میں آواز بلند نہ کرے کیونکہ اس میں فتنہ ہے۔ اسی طرح طواف میں رمل بھی نہ کرے اور نہ سعی کیونکہ دونوں صورت میں کشف بدن لازمی ہے جو حرام ہے۔ اسی طرح عورت کے لئے قصر کا حکم ہے حلق سے ممانعت ہے کیونکہ یہ عورت کے حق میں مثلہ یعنی شکل کو ممنوع حد تک بگاڑنا ہے جس طرح مردوں کے حق میں ڈاڑھی کٹانا مثلہ کرانا ہے اور مردوں کی موجودگی میں عورت استلام حجر نہ کرے (ہدایہ، جوہرہ)

باب القران

(قران کا بیان)

صاحب کتاب نے یہاں تک مفرد بالحج کے احکام اور اسکی تفصیلات کو بیان کیا اور اب قران کے متعلق احکامات کو بیان کریں گے۔

قِران۔ اقتران سے ماخوذ ہے "اقتران الشئی بالشئی" ایک شئی کا دوسری شئی کے ساتھ ملا ہوا ہونا۔ یہ قرن (ن) کا مصدر ہے معنی ہے ملانا جمع کرنا۔ بولا جاتا ہے "قرنت البعیرین" میں دو اونٹوں کو ایک رسی میں باندھ دیا۔ اور اصطلاح شرع میں کہتے ہیں ایک احرام میں حج اور عمرہ کو جمع کرنا۔ چونکہ احناف کے نزدیک حج قران افضل ہے اس لئے اس کو حج تمتع سے پہلے بیان کیا اور حج افراد سے اس لئے مؤخر کیا کہ وہ بمنزلہ مفرد کے ہے اور قران بمنزلہ مرکب کے ہے اور مفرد، مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔

محرم کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) مفرد بالحج۔ جو صرف حج کا احرام باندھے۔ اور صرف حج کی نیت کرے اور یوں کہے "لبیك بحجة" (۲) مفرد بالعمرہ۔ جو صرف دل سے عمرہ کی نیت کرے اور لبیک بعمرۃ کہہ کر عمرہ کے افعال ادا کرے (۳) قران اور قارن وہ شخص جو حج و عمرہ دونوں کے واسطے احرام باندھے اور دونوں کی بیک وقت نیت کرے۔ اور یوں کہے لبیک بحجة وعمرة۔ پہلے عمرہ کے افعال ادا کرے اس کے بعد بغیر احرام کھولے ہوئے حج کے افعال ادا کرے (۴) تمتع۔ اسی سے اسم فاعل متمتع ہے۔ متمتع وہ شخص ہے جو حج و عمرہ دونوں کا احرام الگ الگ باندھے۔ پہلے عمرہ کے واسطے احرام باندھ کر افعال عمرہ ادا کرے اس کے بعد اس احرام کو کھولدے۔ اور اسی سال حج کے موسم میں حج کا احرام باندھے اور افعال حج ادا کرے۔

القِران اَفضَلُ عِندَنَا مِنَ التَّمَتُّعِ وَالاِفرَادِ وَصِفَةُ القِرَانِ اَن یُّهِلَّ بِالعُمرَةِ وَالحَجِّ مَعاً مِنَ المِیقَاتِ وَیَقُولُ عَقِیبَ الصَّلوٰةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اُرِیدُ الحَجَّ وَالعُمرَةَ فَیَسِّرهُمَا لِی وَتَقَبَّلهُمَا مِنِّی فَاِذَا دَخَلَ مَکَّةَ اِبتَدأَ بِالطَّوَافِ فَطَافَ بِالبَیتِ سَبعَةَ اَشوَاطٍ یَرمُلُ فِی الثَّلٰثَةِ الاُوَلِ مِنهَا وَیَمشِی فِیمَا بقی عَلیٰ هَیئَتِهٖ وَسعیٰ بَعدَهَا بَینَ الصَّفَا وَالمَروَةِ وَهٰذِهٖ اَفعَالُ العُمرَةِ.

ترجمہ:۔ ہمارے یعنی احناف کے نزدیک قران، تمتع اور افراد سے افضل ہے۔ اور قران کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے حج و عمرہ (دونوں کیلئے احرام باندھ کر) دونوں کیلئے ایک ساتھ تلبیہ کہے اور نماز کے بعد کہے کہ اے اللہ میں حج اور عمرہ کا ارادہ

کرتا ہوں پس دونوں کو میرے لئے آسان فرما اور دونوں کو میری طرف سے قبول فرما۔ پھر قارن جب مکہ میں داخل ہو تو طواف سے ابتداء کرے پس سات چکر (میں) بیت اللہ کا طواف کرے، ان میں سے پہلے کے تین چکروں میں رمل کرے اور بقیہ میں وقار اور سکون کے ساتھ چلے اور اسکے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے اور یہ عمرہ کے افعال ہیں۔

﴿حج قران کا مفصل بیان﴾

تشریح۔ محرم بالحج کی تین قسمیں ہیں۔(۱) مفرد بالحج (۲) قارن (۳) متمتع۔ ان کی افضلیت میں ائمہ کے یہاں اختلاف ہے احناف کے نزدیک قران افضل ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک تمتع افضل ہے امام شافعیؒ کے نزدیک افراد، قران سے افضل ہے، امام احمدؒ کے نزدیک علی الاطلاق تمتع افضل ہے۔ امام مالکؒ کا ایک قول یہ ہے کہ افراد افضل ہے (شرح نقایہ) اس اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ حج میں حضور ﷺ کا احرام کون سا تھا؟ بعض روایات سے افراد، بعض روایات سے قران اور بعض روایات سے تمتع معلوم ہوتا ہے۔ احناف کی تحقیق یہ ہے کہ حضور ﷺ کا احرام قران کا تھا آپؐ نے دو طواف اور دو سعی کی۔ (فتح القدیر ج ا ص ۴۰۹)

ویبتدأ بالطواف:۔ یعنی قارن مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے (طواف قدوم نہ کرے) عمرہ کے افعال شروع کردے۔ چنانچہ پہلے عمرہ کا طواف کرے جن میں طواف کے تین چکروں میں رمل کرے اس کے بعد صفا و مروہ کے مابین سعی کرے۔ اگر کسی نے پہلے حج کی نیت سے طواف کیا تو وہ عمرہ ہی ہوگا اور نیت لغو ہوگی کیونکہ قرآن میں یہی ترتیب ہے۔ ارشاد باری ہے "فمن تمتع بِالعُمْرَةِ الى الحَجّ" اس آیت میں عمرہ کو ابتداء اور حج کو انتہاء قرار دیا۔ لہٰذا عمرہ کو مقدم کرنا چاہئے تا کہ انتہاج پر ہو سکے۔

ثُمّ يَطُوْفُ بعد السَّعي طَوَافَ القُدُوْمِ وَيَسْعىٰ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِلْحَجّ كَمَا بَيَّنَّاهُ فِيْ حَقّ الْمُفْرِدِ فَاِذَا رَمَى الجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ذَبَحَ شَاةً اَوْ بَقَرَةً اَوْ بَدَنَةً او سُبُعَ بَدَنَةٍ اَوْ سُبُعَ بَقَرَةٍ فَهٰذَا دَمُ الْقِرَانِ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَا يَذْبَحُ صَامَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فِي الحَجِ اٰخِرُهَا يَوْمُ عَرَفَةَ فَاِنْ فَاتَهُ الصَّوْمُ حَتّٰى دَخَلَ يَوْمُ النَّحْرِ لَمْ يُجْزِهْ اِلاَّ الدَّمُ ثُمَّ يَصُوْمُ سَبْعَةَ اَيَّامٍ اِذَا رَجَعَ اِلىٰ اَهْلِهٖ فَاِنْ صَامَهَا بِمَكَّةَ بَعْدَ فَرَاغِهٖ مِنَ الْحَجّ جَازَ فَاِنْ لَمْ يَدْخُلِ الْقَارِنُ مَكَّةَ وَتَوَجَّهَ اِلىٰ عَرَفَاتٍ فَقَدْ صَارَ رَافِضاً لِعُمْرَتِهٖ بِالوُقُوْفِ وَسَقَطَ عَنْهُ دَمُ الْقِرَانِ وَعَلَيْهِ دَمٌ لِرَفْضِ العُمْرَةِ وَعَلَيْهِ قَضَاءُهَا.

ترجمہ۔ پھر سعی کے بعد طواف قدوم کرے اور حج کے لئے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے جیسا کہ ہم نے مفرد بالحج کے حق میں بیان کردیا ہے۔ اور جب یوم نحر یعنی دس تاریخ کو جمرہ عقبہ کی رمی کرے تو ایک بکری یا ایک گائے یا ایک اونٹ ذبح کرے یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ لے۔ یہ دم قران ہے۔ پس اگر اس کے پاس کوئی جانور نہ ہو جو وہ ذبح کرے تو ایام حج

میں تین روزہ رکھے جس کا آخری روزہ عرفہ کے دن ہو۔ پس اگر اس کے روزے فوت ہو گئے یہاں تک قربانی کا دن آگیا تو سوائے دم کے کافی نہ ہوگا۔ پھر جب اپنے گھر لوٹ آئے تو سات روزے رکھے پس اگر اپنے حج سے فراغت کے بعد مکہ المکرمہ میں روزہ رکھا تب بھی جائز ہے۔ اگر قارن مکہ المکرمہ میں داخل نہیں ہوا اور عرفات چلا گیا تو وہ وقوف کی وجہ سے عمرہ کو چھوڑنے والا ہو گیا۔ اور اس سے دم قران ساقط ہو گیا اور اس پر ترک عمرہ سے ایک دم واجب ہے اور اس پر عمرہ کی قضا واجب ہے۔

حل لغات:۔ بَدَنَة۔ از روئے لغت واز روئے شرع اس کا اطلاق اونٹ اور گائے پر ہوتا ہے۔ سُبُع ساتواں حصہ۔ رَافِضاً۔ اسم فاعل صیغہ صفت۔ چھوڑنے والا جمع رَافِضُوْن ورَفَضَه ورُفَّاض۔ یہ باب (ن، ض) سے آتا ہے۔

تشریح:۔ ثم یطوف الخ:۔ صاحب کتاب کا وھذہ افعال العمرۃ کے بعد بلا کسی فصل کے ثم یطوف کا تذکرہ کرنا اس بات کو بتاتا ہے کہ افعال عمرہ کے بعد افعال حج ادا کئے جائیں چنانچہ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ حج اور عمرہ کے افعال کے درمیان (حلق یا قصر) نہیں ہے بلکہ جس طرح مفرد بالحج یوم النحر میں حلق کرائیگا اسی طرح قارن بھی، اسی طرح اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حج قران میں عمرہ اور حج دونوں کے افعال الگ الگ ادا کئے جائیں۔ احناف کا مسلک یہی ہے۔ امام شافعی، امام مالک اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک قارن، حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کرے گا۔ اگر حج وعمرہ دونوں کا طواف بیک وقت کیا یعنی ۱۴/ چکر لگائے ۷/ چکر عمرہ کے لئے اور ۷/ چکر حج کے لئے۔ اس کے بعد دونوں کے لئے بیک وقت سعی کی تو ایسا کرنا مکروہ ہے البتہ بالاتفاق کوئی جنایت لازم نہیں آئیگی (شرح وقایہ، الجوہرہ)

ذَبَحَ شَاۃً الخ:۔ قارن کے لئے یوم نحر میں جمرہ عقبہ کی رمی سے فراغت کے بعد قربانی کرنا واجب ہے اس قربانی کا نام دم قران ہے۔ جانوروں کی تفصیل ترجمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہ قربانی اس بات کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ہے کہ اللہ ربّ العزت نے دو افعال ادا کرنے کی توفیق بخشی۔ اگر کسی وجہ سے قربانی کی صلاحیت نہ ہو خواہ عدم گنجائش کی وجہ سے یا گنجائش تو ہے مگر جانور دستیاب نہیں ہے تو دس روزے رکھے تین روزے ایام حج میں اس طور پر کہ تیسرا روزہ عرفہ کے دن ہو اور (چونکہ احناف کے نزدیک ترتیب واجب ہے اس لئے) سات روزے (ایام تشریق کے بعد) وطن واپس آتے ہی رکھے اور حج سے فراغت کے بعد مکہ میں بھی رکھا جا سکتا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مکہ میں روزہ رکھنا اس وقت صحیح ہوگا جبکہ قیام کا ارادہ ہو ورنہ گھر آکر رکھے۔ امام مالکؒ دونوں کے قائل ہیں (فتح القدیر، عمدۃ الرعایہ، ہدایہ)

فان فاتہ الخ:۔ قربانی کے بدل کے طور پر ایام حج میں جو تین روزے رکھنے کا حکم دیا گیا تھا اگر وہ ایام نکل گئے یعنی یوم نحر سے پہلے نہیں رکھ سکا اور یوم نحر آگیا تو اب اس بات میں اختلاف ہے کہ روزے قضا کرے یا دم دے۔ احناف کے نزدیک روزے کی قضاء نہیں ہے بلکہ دم دینا واجب ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک ایام تشریق کے بعد روزے قضا کرے امام مالک کے نزدیک دس تاریخ کے علاوہ ایام تشریق میں بھی روزہ رکھے۔

فان لم یدخل القارن الخ:۔ قارن اگر ارکان عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ جانے کے بجائے (نویں ذی الحجہ کو زوال شمس کے بعد) عرفات میں پہونچ گیا تو وقوف عرفہ کرتے ہی۔ (امام ابو حنیفہؒ کے صحیح مذہب کے مطابق) عمرہ کا ترک کرنے والا سمجھا جائیگا یعنی صرف توجہ سے تارک نہیں سمجھا جائیگا بلکہ عرفات میں وقوف ضروری ہے لہٰذا اب یہ شخص مفرد

بالحج کے مثل ہو گیا اور مفرد بالحج پر قربانی واجب نہیں ہے اس لئے اب اس پر سے دم قران ساقط ہو گیا البتہ ترک عمرہ کی وجہ سے دم لازم آئیگا اور اس پر عمرہ کی قضا بھی واجب ہو گی۔ (ہدایہ۔ الجوہرہ)

باب التمتع

(تمتع کا بیان)

تمتع کے لغوی معنیٰ ہیں فائدہ حاصل کرنا۔ اصطلاح شرع میں ایک حج کے سفر میں عمرہ اور حج دونوں کو جمع کرنا اس طریقہ پر کہ اولاً عمرہ کا احرام باندھ کر اس کے افعال ادا کرنے کے بعد احرام کھولدے، پھر ایام حج میں حج کا احرام باندھ کر اس کے افعال ادا کرے۔ واضح رہے کہ احناف کے نزدیک تمتع افراد بالحج سے افضل ہے۔

اَلتَّمَتُّعُ اَفْضَلُ مِنَ الْاِفْرَادِ عِنْدَنَا وَالْمُتَمَتِّعُ عَلیٰ وَجْهَیْنِ یَسُوْقُ الْهَدْیَ وَمُتَمَتِّعٌ لَا یَسُوْقُ الْهَدْیَ وَصِفَةُ التَّمَتُّعِ ان یَّبْتَدِأَ مِنَ الْمِیْقَاتِ فَیُحْرِمُ بِالْعُمْرَةِ وَیَدْخُلُ مَکَّةَ فَیَطُوْفُ لَهَا وَیَسْعیٰ وَیَحْلِقُ اَوْ یُقَصِّرُ وَقَدْ حَلَّ مِنْ عُمْرَتِهٖ وَیَقْطَعُ التَّلْبِیَّةَ اِذَا ابْتَدَأَ بِالطَّوَافِ وَیُقِیْمُ بِمَکَّةَ حَلَالاً.

ترجمہ:۔ ہمارے نزدیک تمتع، افراد سے افضل ہے (یہی ظاہر الروایۃ ہے) اور تمتع کی دو قسمیں ہیں ایک متمتع وہ ہے جو ہدی (قربانی کا جانور) لیجائے (یہ صورت افضل ہے) اور ایک متمتع وہ ہے جو ہدی نہ لیجائے۔ اور تمتع کا طریقہ یہ ہے کہ (اشہر حج میں) میقات سے شروع کرے، لہٰذا عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ میں داخل ہو کر عمرہ کے لئے طواف اور سعی کرے اور حلق یا قصر کرائے اور عمرہ سے حلال ہو جائے اور جب طواف شروع کرے تو تلبیہ پڑھنا بند کر دے اور حلال ہو کر مکہ المکرمہ میں مقیم ہو جائے۔

﴿حج تمتع کا مفصل بیان﴾

تشریح:۔ اس عبارت میں چند باتیں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) عند الاحناف حج تمتع، حج افراد سے افضل ہے کیونکہ اس میں مشقت بھی زائد ہے اور دو عبادت (عمرہ اور حج) کی نیت اور اس کی ادائیگی ہے۔ (۲) تمتع کی اقسام (۳) تمتع کی کیفیت۔ تمتع میں طواف صرف عمرہ کے لئے ہے طواف قدوم اور طواف صدر نہیں ہے (فتح القدیر) اس میں حلق یا قصر لازم نہیں ہے بلکہ اولیٰ ہے امام مالک کے نزدیک عمرہ میں صرف طواف سعی ہے حلق بالکل نہیں ہے۔ احناف کے نزدیک طواف شروع کرتے ہی تلبیہ پڑھنا بند کر دے امام مالکؒ کے نزدیک بیت اللہ پر نگاہ پڑتے ہی تلبیہ پڑھنا بند کر دے۔

فاذا کان یوم الترویة احرم بالحج مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَفَعَلَ مَا یَفْعله الحاج المفردُ وَعَلَیْهِ دَمُ التَّمَتُّعِ فان لم یجد ما یذبحُ صَامَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةً اِذَا رَجَعَ

اَهْلِه، وَاِنْ اَرَادَ الْمُتَمَتِّعُ ان يَّسُوْقَ الْهَدْيَ اَحْرَمَ وَسَاقَ هَدْيَهُ فَاِنْ كَانَتْ بَدَنَةً قَلَّدَهَا بِمَزَادَةٍ او نَعْلٍ وَاَشْعَرَ الْبَدَنَةَ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَهُوَ اَنْ يَّشُقَّ سَنَامَهَا مِنَ الْجَانِبِ الْاَيْمَنِ ولايُشْعِرُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَاِذَا دَخَلَ مَكَّةَ طَافَ وَسَعٰى وَلَمْ يُحَلِّلْ حَتّٰى يُحْرِمَ بِالْحَجِّ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ فَاِنْ قَدَّمَ الْاِحْرَامَ قَبْلَهُ جَازَ وَعَلَيْهِ دَمُ التَّمَتُّعِ فَاِذَاحَلَقَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَدْ حَلَّ مِنَ الْاِحْرَامَيْنِ.

ترجمہ:۔ پھر جب یوم ترویہ (ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ) آجائے تو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھے اور وہ افعال کرے جس کو مفرد بالحج کرتا ہے اور اس پر دم تمتع واجب ہے۔اگر ذبح کے لئے جانور دستیاب نہ ہو تو تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات اس وقت جبکہ اپنے گھر واپس آجائے۔اگر متمتع ہدی کا جانور لیجانا چاہے تو احرام باندھے۔اور اپنی ہدی لے جائے (یہ افضل ہے) پس اگر وہ بدنہ ہو تو اس کے گلے میں چمڑے کے ٹکڑے یا جوتی کے ساتھ قلادہ ڈالدے اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک بدنہ کا اشعار کرے اور اشعار یہ ہے کہ دائیں جانب سے اس کے کوہان کو چیر دے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اشعار نہ کرے۔ پھر جب متمتع مکہ میں داخل ہو تو طواف اور سعی کرے اور حلال نہ ہو گا یہاں تک یوم ترویہ میں حج کا احرام باندھ لے۔اور اگر یوم ترویہ سے پہلے احرام باندھ لیا تو جائز ہے اور اس متمتع پر دم تمتع لازم ہے اور جب اس نے یوم نحر میں حلق کرالیا تو وہ (حج وعمرہ کے) دونوں احراموں سے حلال ہو گیا۔

حل لغات:۔یسوق (ن) سیاقاً الماشیۃ۔ جانور کو پیچھے سے ہانکنا بدنہ۔ یہاں اونٹ کے معنیٰ میں ہے۔قلّد۔ البعیر اونٹ کی گردن میں کھینچنے کے لئے پٹہ ڈالنا۔مزادۃ۔چمڑے کا ٹکڑا۔الاشعار لغۃً علامت لگادینا۔اصطلاح شرع میں ناقہ کے کوہان میں کچھ زخم کردینا تاکہ ہدی ہونے کی علامت ہو کر دوسرے ناقہ سے ممتاز ہو جائے (تنظیم الاشتات ج ۲ ص ۹۲)

تشریح:۔ فاذا کان:۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ متمتع کے لئے حج کا احرام، حرم سے باندھنا شرط ہے البتہ مسجد حرام سے باندھنا افضل ہے۔ احرام باندھنے کے بعد وہ افعال ادا کرے جو مفرد بالحج کرتا ہے کیونکہ اسے صرف افعال حج ادا کرنے ہیں مگر یہ شخص طواف زیارت میں رمل کریگا اور اس کے بعد سعی بین الصفا والمروہ کرے گا کیونکہ حج کے اندر اس کا یہ پہلا طواف ہے برخلاف مفرد بالحج کے کہ وہ طواف کے بعد سعی کر چکا ہے۔اور متمتع پر تمتع کی قربانی واجب ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے " فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى الآية "اگر قربانی کا جانور دستیاب نہ ہو سکے تو روزے سے متعلق جو تفصیل قارن کے لئے ہے وہی متمتع کے لئے ہے۔

وان اراد المتمتع الخ:۔ متمتع کی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جو اپنے ساتھ ہدی نہیں لے جاتا ہے۔اب تک قسم اول کا بیان تھا یہاں سے دوسری قسم بیان کر رہے ہیں یعنی متمتع اپنے ساتھ ہدی لے جاتا ہے۔اس کی صورت ترجمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔تمتع کی یہ دوسری صورت افضل ہے اس میں بھی ہدی کا ساتھ لیجانا افضل ہے روانہ کر دینے سے (ہدایہ) ہدی کا جانور اگر بدنہ یعنی اونٹ یا گائے ہے تو احناف کے نزدیک تقلید مسنون ہے اگر بکری ہے تو اس کو قلادہ نہیں پہنایا جائیگا البتہ

امام شافعیؒ واحمدؒ واسحٰقؒ کے نزدیک بکری کو بھی قلادہ پہنایا جائے گا۔ تقلید مسنون کی صورت ترجمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ گلے میں چمڑے کا ٹکڑا۔ نعل کے علاوہ مشک کا عروہ یا درخت کی چھال یا اس جیسی چیزیں بھی ڈالی جاسکتی ہیں کیونکہ اس سے بھی اصل مقصد یعنی شناخت کہ جانور ہدی کا ہے سواری کا نہیں حاصل ہو جاتی ہے (تنظیم الاشتات ج ۲ ص ۹۳)

اشعر البدنة:۔ اشعار کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کی کوہان کو دائیں یا بائیں جانب سے چیر کر خون آلود کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی کا جانور ہے اور گھاٹ وغیرہ پر کوئی تعرض نہ کرے۔ صاحبینؒ اور امام اعظمؒ کا اختلاف ہے۔ صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اشعار بدنہ مسنون ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام اعظمؒ کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ اس سے جانور کا مثلہ کرنا لازم آتا ہے مثلہ کہتے ہیں جانور کے ناک کان، ذکر یا کوئی عضو کاٹنا اور یہ حرام وممنوع ہے۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اصل اشعار مکروہ نہیں ہے بلکہ جو مثلہ کے درجہ میں ہو گا وہ مکروہ ہے البتہ اگر کوئی ماہر فن گوشت یا عضو کو نقصان پہونچائے بغیر اشعار کر سکتا ہے تو ایسا اشعار مستحب ہے ابن ہمام وغیرہ نے اسی کو پسند فرمایا ہے۔ (تنظیم الاشتات ج ۲ ص ۹۳ عمدہ بر حاشیہ شرح وقایہ ج ۱ ص ۲۷۱) صاحب قدوری کا صاحبین کے قول کو مقدم کرکے اپنے خیال کا اظہار کرنا ہے کہ فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

فاذادخل مكة طاف:۔ مسئلہ یہ ہے کہ وہ متمتع جو ہدی ساتھ لے کر چلا تو جب مکہ المکرمہ میں داخل ہو تو (عمرہ کیواسطے) طواف وسعی کرے جس طرح کہ وہ متمتع طواف وسعی کرتا ہے جو ہدی ساتھ نہ لے جائے البتہ دونوں متمتع میں اتنا فرق ہے کہ وہ متمتع جو ہدی ساتھ نہیں لیجاتا وہ عمرہ سے فراغت کے بعد حلال ہو جاتا ہے۔ اور زیر بحث متمتع کے لئے افعال عمرہ کی ادائیگی کے بعد حلال ہونے کے لئے آٹھویں ذی الحجہ (یوم الترویہ) کو احرام حج باندھنا ضروری ہے۔ اگر احرام اس تاریخ سے پہلے باندھ لیا تو بھی جائز ہے اور اس متمتع پر قربانی بھی واجب ہے جس کو دم تمتع کہا جاتا ہے اور متمتع حلق کرانے کے بعد حج وعمرہ دونوں کے احرام سے حلال ہو جائیگا یعنی احرام سے نکل جائیگا۔

وَلَيْسَ لِاَهْلِ مَكَّةَ تمتعٌ وَلَا قِرَانٌ وَاِنَّمَا لَهُمُ الْاِفْرَادُ خاصَّةً وَاِذَا عَادَ الْمُتَمَتِّعُ اِلَى بَلَدِهٖ بَعْدَ فَرَاغِهٖ مِنَ العُمْرَةِ وَلَمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْىَ بَطَلَ تَمَتُّعُهٗ وَمَنْ اَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ قَبْلَ اَشْهُرِ الْحَجِّ فَطَافَ لَهَا اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعَةِ اَشْوَاطٍ ثُمَّ دَخَلَتْ اَشْهُرُ الْحَجِّ فَتَمَّمَهَا وَاَحْرَمَ بِالْحَجِّ كَانَ مُتَمَتِّعاً فَاِنْ طَافَ لِعُمْرَتِهٖ قَبْلَ اَشْهُرِ الْحَجِّ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ فَصَاعِداً ثُمَّ حَجَّ مِنْ عَامِهٖ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ مُتَمَتِّعاً وَاَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَذُوالْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِنْ ذِى الْحِجَّةِ فَاِنْ قَدَّمَ الْاِحْرَامَ بِالْحَجِّ عَلَيْهَا جَازَ اِحْرَامُهٗ وَانْعَقَدَ حَجُّهٗ.

ترجمہ:۔ اہل مکہ کے لئے نہ حج تمتع ہے اور نہ حج قران بلکہ ان کے لئے خاص طور پر حج افراد ہے۔ اور اگر تمتع کا احرام باندھنے والا (متمتع) افعال عمرہ سے فراغت کے بعد اپنے وطن لوٹ آیا اور ہدی کا جانور ساتھ لے کر نہیں گیا تھا تو اس کا تمتع باطل ہوگا۔ اور جس شخص نے عمرہ کا احرام اشہر حج سے پہلے باندھا اور عمرہ کے لئے چار شوط سے کم طواف کیا کہ اس کے

بعد ہی اشہر حج شروع ہو گئے چنانچہ اس نے طواف کے چکروں کو پورا کر کے حج کا احرام باندھ لیا تو یہ شخص متمتع ہو جائیگا اور اگر اس نے اشہر حج سے پہلے عمرہ کیواسطے چار چکر یا اس سے زائد طواف کیا پھر اسی سال حج کیا تو یہ شخص متمتع نہیں ہوگا۔ اور اشہر حج شوال۔ ذیقعدہ، ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ اگر کسی نے حج کا احرام ان مہینوں پر مقدم کر دیا تو اس کا احرام جائز ہے اور اس کا حج منعقد (درست) ہو جائیگا۔

﴿حج تمتع کے متفرق احکام﴾

تشریح:۔ اس پوری عبارت میں چار مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

ولیس لاھل مکۃ الخ:۔ اس مسئلہ میں احناف اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک باشندگان مکہ اور اس کے قرب وجوار یعنی مواقیت میں رہنے والوں کے لئے نہ حج تمتع ہے اور نہ حج قران بلکہ ان کے لئے صرف حج افراد ہے لیکن صاحب تنویر الابصارؒ کی تحقیق کے مطابق اس نفی سے حلت کی نفی مراد ہے نہ کہ صحت کی چنانچہ اگر ان لوگوں نے حج تمتع یا حج قران کیا تو جائز ہو جائیگا مگر گنہگار ہوں گے اور اس قصور کی وجہ سے ان پر دم ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں کے لئے تمتع اور قران دونوں جائز ہے اور ان پر کوئی دم واجب نہیں ہے۔ (ہدایہ)

واذا اعاد المتمتع الخ:۔ مسئلہ یہ ہے کہ آفاقی افعال عمرہ سے فراغت کے بعد اشہر حج میں وطن لوٹ آیا پھر اسی سال حج کیا تو یہ شخص متمتع ہوگا یا نہیں۔ اس کی دو شکلیں ہیں۔ (۱) ہدی ساتھ لے کر گیا تھا (۲) ساتھ لے کر نہیں گیا تھا۔ اس دوسری صورت میں احناف کے نزدیک بالاتفاق اس کا تمتع باطل ہو جائے گا صاحب کتاب نے صرف اسی صورت کو ذکر کیا ہے۔ اور پہلی صورت میں امام محمد کے نزدیک تمتع باطل ہو جائیگا اور شیخین کے نزدیک تمتع باطل نہیں ہوگا بشرطیکہ اس کے لوٹنے کی نیت ہو۔ (ہدایہ، فتح القدیر)

ومن احرم...... لم یکن متمتعاً:۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اشہر حج سے پہلے عمرہ کا احرام باندھا اور چار چکروں سے کم طواف کیا پھر اشہر حج کے شروع ہونے کے بعد باقی چکروں کو پورا کیا اور احرام حج باندھ لیا تو احناف کے نزدیک یہ شخص متمتع ہو جائے گا۔ کیونکہ اکثر طواف اشہر حج میں پورا ہوا ہے اور اگر چار چکر یا اس سے زائد اشہر حج سے پہلے کیا تو یہ شخص متمتع نہیں ہوگا کیونکہ تمتع کے لئے ضروری ہے کہ عمرہ کا اکثر طواف اشہر حج میں پایا جائے اور اس صورت میں یہ چیز معدوم ہے اس لئے یہ شخص متمتع نہیں ہوگا۔ یہ حنفیہ کا مسلک تھا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً اشہر حج سے پہلے احرام باندھنے والا متمتع نہیں ہوگا۔ امام مالکؒ کے نزدیک متمتع ہونے کے لئے صرف اتنی شرط ہے کہ احرام سے حلال ہونا اشہر حج میں پایا گیا ہو۔

واشھر الحج:۔ صاحب کتاب نے جو اشہر حج بیان کیا یہ طرفین کا قول ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دسویں تاریخ اشہر حج میں داخل نہیں ہے۔

فان قدم الاحرام الخ:۔ اگر کسی نے حج کا احرام شوال سے پہلے باندھا تو احناف کے نزدیک یہ احرام جائز ہے اور یہ احرام حج کے لئے مانا جائیگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک بجائے حج کے عمرہ کے لئے مانا جائیگا (ہدایہ)

وَاِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ عِنْدَ الْاِحْرَامِ اِغْتَسَلَتْ وَاَحْرَمَتْ وَصَنَعَتْ كَمَا يَصْنَعُ الْحَاجُّ غَيْرَ اَنَّهَا لَا تَطُوْفُ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرَ وَاِذَا حَاضَتْ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ وَبَعْدَ طَوَافِ الزِّيَارَةِ اِنْصَرَفَتْ مِنْ مَكَّةَ وَلَا شَيْئَ عَلَيْهَا لِتَرْكِ طَوَافِ الصَّدَرِ.

ترجمہ:۔ اور جب عورت احرام کے وقت حائضہ ہو گئی تو غسل کرے اور احرام باندھے اور وہی افعال کرے جو حاجی کرتا ہے علاوہ یہ کہ بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گی یہاں تک کہ پاک ہو جائے اور جب وقوف عرفہ اور طواف زیارت کے بعد حائضہ ہو تو مکہ سے لوٹ جائے اور اس پر طواف صدر کے چھوڑنے کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

خلاصہ:۔ جب عورت احرام کے وقت حائضہ ہو گئی تو وہ احرام کیلئے غسل کر کے احرام باندھ لے اور حج کے تمام افعال ادا کرے اور بیت اللہ کا طواف پاک ہونے کے بعد کرے۔ اور اگر عورت وقوف عرفہ اور طواف زیارت کے بعد حائضہ ہو گئی تو وہ مکہ سے رخصت ہو جائے اور طواف صدر کے ترک کرنے کیوجہ سے اس حائضہ پر کوئی چیز لازم نہیں ہو گی۔

تشریح:۔ اغتسلت:۔ حائضہ عورت کا یہ غسل حصول نظافت کے لئے احرام کی وجہ سے ہے نہ کہ نماز کیلئے۔ (نہایہ)

حتیٰ تطهر:۔ طواف بالبیت اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ دخول مسجد نہ ہو اور اس ماہواری کی حالت میں دخول مسجد ممنوع ہے اس لئے حائضہ عورت کے لئے پاک ہونے سے پہلے پہلے بیت اللہ میں داخل ہونا اور اس کا طواف کرنا حرام ہے۔

باب الجنایات

(جنایات کا بیان)

صاحب کتاب محرمین کے اقسام اور ان کے احکام کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد جنایات، احصار اور فوات وغیرہ میں سے ان عوارض کو بیان فرمارہے ہیں جو محرمین کو بحالت احرام پیش آتے ہیں۔ جنایات۔ بکسرالجیم جنایہ کی جمع ہے ہر ایسے فعل کو کہتے ہیں جو شرعاً حرام ہو خواہ ان کا تعلق مال سے ہو یا جان سے۔ اس باب میں خاص طور پر محرم کا وہ فعل مراد ہے جس سے اجتناب کا اس کو حکم دیا گیا ہے۔ پھر محرم اگر اس کا ارتکاب کرتا ہے تو بعض صورتوں میں جانور کا ذبح کرنا واجب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ اس باب میں انہی چیزوں کو بیان کیا جائیگا جن سے حالت احرام میں احتراز لازم ہے۔ جنایت کی انواع واقسام بکثرت ہیں اسوجہ سے لفظ جمع اختیار فرمایا ہے۔

اِذَا تَطَيَّبَ الْمُحْرِمُ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ فَاِنْ تَطَيَّبَ عُضْواً كَامِلاً فَمَازَادَ فَعَلَيْهِ دَمٌ وَاِنْ اَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ وَاِنْ لَبِسَ ثَوْباً مَخِيْطاً اَوْ غَطّٰى رَاْسَهٗ يَوْماً كَامِلاً فَعَلَيْهِ دَمٌ وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ وَاِنْ حَلَقَ رُبُعَ رَاْسِهٖ فَصَاعِداً فَعَلَيْهِ دَمٌ وَاِنْ حَلَقَ اَقَلَّ مِنَ الرُّبُعِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ وَاِنْ حَلَقَ مَوْضَعَ الْمَحَاجِمِ مِنَ الرَّقَبَةِ فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَاَبِي

حَنِیفَةَ رَحِمَهُ اللهِ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا الله عَلَیْهِ صَدَقَةٌ.

ترجمہ:۔ اگر محرم نے خوشبو لگائی تو اس پر کفارہ واجب ہے۔ اگر پورے عضو یا اس سے زائد پر خوشبو لگائی تو اس پر دم واجب ہے، اور اگر ایک عضو سے کم حصہ پر خوشبو لگائی تو اس پر صدقہ واجب ہے۔ اور اگر محرم نے سلا ہوا کپڑا پہنا یا اپنا سر پورے ایک دن ڈھکا تو اس پر دم واجب ہے۔ اور اگر ایک یوم سے کم ہو تو اس پر صدقہ واجب ہے اور اگر محرم نے اپنے سر کا چوتھائی یا اس سے زائد کا حلق کرا لیا تو اس پر دم واجب ہے اور اگر چوتھائی سے کم کا حلق کرایا تو اس پر صدقہ واجب ہے۔ اور اگر گردن سے پچھنے لگانے کی جگہ کا حلق کرایا تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس پر دم واجب ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ اس پر صدقہ واجب ہے۔

﴿وہ جنایات جن میں صرف صدقہ یا بکری واجب ہے﴾

تشریح:۔ صاحب کتاب نے ابتداء میں مطلق خوشبو کے استعمال پر مطلق کفارہ کا تذکرہ کیا ہے مثلاً بنفشہ، چمیلی، ریحان، گلاب اور دیگر عطریات عضو کامل کی مثال۔ سر، پنڈلی اور اس کے مشابہ۔ اس موقع پر چند اصول یاد رکھیں۔ اگر جنایت کامل ہوگی تو کفارہ کامل واجب ہوگا۔ اگر جنایت ناقص ہوگی تو کفارہ ناقص واجب ہوگا۔ کفارہ ناقص صدقہ ہے اور کفارہ کامل دم ہے اور دم میں بکری دی جائیگی۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دم بقدر جرم واجب ہوگا یعنی جس قدر جنایت ہوگی اسی حساب سے دم واجب ہوگا مثلاً اگر نصف عضو پر خوشبو لگائی تو نصف دم واجب ہوگا۔ اگر چوتھائی عضو پر خوشبو لگائی تو چوتھائی دم واجب ہوگا گویا امام محمدؒ نے جز کو کل پر قیاس کیا ہے یعنی جب کل عضو میں دم ہے تو اس کے جزء میں بھی اسی کے حساب سے دم واجب ہوگا حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر خالص خوشبو استعمال کی یا خالص زیت کا استعمال کیا تو بھی دم واجب ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک صدقہ واجب ہے۔ امام اعظمؒ نے اصل خوشبو کا اعتبار کیا ہے اور صاحبین نے عرف کا اعتبار کیا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر خوشبو بالوں پر لگائی تو دم واجب ہوگا بقیہ کسی اور مقام پر لگانے سے کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

وان لبس:۔ اگر چہ ایک ہی مجلس میں متعدد کپڑوں کو استعمال کر لیا ہو تو یہ ایک ہی جنایت ہے۔ سلے ہوئے کپڑے کا اطلاق تین کپڑوں پر ہوتا ہے۔ (۱) قمیص (۲) پائجامہ (۳) قبا۔ یوم کامل میں رات بھی شامل ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اکثر دن کا اعتبار ہے۔ امام صاحب کا بھی ایک قول ایسا ہی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف استعمال کافی ہے جس قدر بھی کم وقت ہو امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے۔ حنفیہ کے نزدیک نفس لبس معتبر نہیں بلکہ لباس کا اصل مقصد سردی و گرمی سے بچاؤ کا اعتبار ہے (ہدایہ، شرح نقایہ) کپڑے کے متعلق ذکر کردہ حکم عادت کے مطابق استعمال کرنے کی صورت میں ہے خلاف عادت استعمال کی صورت میں کوئی چیز واجب نہیں ہوگی مثلاً قمیص کو ازار بنا لیا وغیرہ۔ ٹوپی یا پگڑی وغیرہ سے سر کا ڈھانپنا کسی بھی صورت میں ہو یعنی بالقصد ہو یا بلا قصد ہو بیداری میں ہو یا حالت نوم میں۔ امام اعظمؒ کے نزدیک چوتھائی سر کا اعتبار ہے۔ چہرہ اگر چوتھائی ڈھانپ لیا تو اس پر بکری ہے اور اس سے کم کی صورت میں صدقہ ہے (جوہرہ ج ۱ ص ۱۷۳)

وان حلق ربع راسه الخ:۔ صاحب کتاب نے احناف کا مسلک ذکر کیا ہے۔ امام مالک کے نزدیک تمام سر کے حلق میں دم واجب ہے امام شافعیؒ کے نزدیک مقدار قلیل میں بھی دم واجب ہے یہی حکم ڈاڑھی کا بھی ہے۔

وَاِنْ قَصَّ اَظَافِیرَ یَدَیْہِ وَرِجْلَیْہِ فَعَلَیْہِ دَمٌ وَاِنْ قَصَّ یَداً اَوْ رِجلاً فَعَلَیْہِ دَمٌ وَاِنْ قَصَّ اَقَلَّ مِنْ خَمْسَۃِ اَظَافِیرَ فَعَلَیْہِ صَدَقَۃٌ وَاِنْ قَصَّ مِنْ خَمْسَۃِ اَظَافِیرَ مُتَفَرِّقَۃً مِنْ یَدَیْہِ وَرِجْلَیْہِ فَعَلَیْہِ صَدَقَۃٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَہُمَا اللّٰہُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحمہ اللّٰہ عَلَیْہِ دَمٌ وَاِنْ تَطَیَّبَ اَوْ حَلَقَ اَوْ لَبِسَ مِنْ عُذْرٍ فَھُوَ مُخَیَّرٌ اِنْ شَاءَ ذَبَحَ شَاۃً وَاِنْ شَاءَ تَصَدَّقَ عَلٰی سِتَّۃِ مَسَاکِیْنَ بِثَلٰثَۃِ اَصْوُعٍ مِنَ الطَّعَامِ وَاِنْ شَاءَ صَامَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَاِنْ قَبَّلَ اَوْ لَمِسَ بِشَہْوَۃٍ فَعَلَیْہِ دَمٌ اَنْزَلَ اَوْ لَمْ یُنْزِلْ.

ترجمہ:۔ اوراگراس (محرم) نے اپنے دونوں ہاتھ یاپاؤں کے ناخن کاٹے تواس پر دم واجب ہے اوراگراس نے ایک ہاتھ یاایک پاؤں کے ناخن کاٹے تو بھی اس پر دم لازم ہے اور اگراس نے پانچ ناخن سے کم (دویا تین) کاٹے تو اس پر صدقہ ہے اور اگر ہاتھ وپاؤں سے متفرق طور پر پانچ سے کم ناخن تراشے تو امام ابو حنیفہؒ وامام ابویوسفؒ کے نزدیک اس پر صدقہ واجب ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس پر دم واجب ہے۔ اور اگر کسی عذر کی وجہ سے خوشبو لگائی یا بال منڈو لیا یا سلا ہوا کپڑا پہنا تو محرم کو (تین باتوں کا) اختیار ہے اگر چاہے تو ایک بکری ذبح کرے اور اگر چاہے تو ساٹھ مسکینوں کو تین صاع گیہوں صدقہ کرے اور اگر چاہے تو تین روزے رکھے۔ اور اگر محرم نے (اپنی بیوی کا) شہوت کے ساتھ بوسہ لیایا چھوا تواس پر دم واجب ہے (اس صورت میں کوئی فرق نہیں کہ) انزال ہو لیا نہیں ہوا (البتہ امام شافعی کے نزدیک اس کا احرام فاسد ہو جائیگا)

حل لغات:۔ قص (ن) قصاً۔ کاٹنا، تراشنا۔ اظافیر۔ ظفر کی جمع الجمع ہے۔ ناخن۔ اصوع صاع کی جمع ہے۔ ایک قسم کا پیمانہ جو اسی (۸۰) روپے کے سیر سے ساڑھے تین سیر کے مساوی ہے (مصباح) قَبَّلَ تقبیلاً بوسہ لینا۔ لَمَسَ (ن، ض) لَمساً چھونا۔

تشریح:۔ وان قص......فعلیہ دم:۔ جو حکم بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق ایک مجلس سے ہے۔ اگر چند مجالس میں ایسا کیا گیا تو امام محمدؒ کے نزدیک اس وقت بھی یہی حکم ہے البتہ اگر درمیان میں کفارہ دیدیا گیا تو حکم الگ الگ ہو گا یعنی پہلی صورت میں ایک ہی دم ہو گا۔ شیخین کے نزدیک اگر چار مجلسوں میں چاروں ہاتھ پاؤں کے ناخن کاٹے گئے تو چار قربانیاں واجب ہوں گی۔

اظافیر متفرقۃ:۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بعض ناخن ایک ہاتھ سے، بعض ایک ہاتھ سے اور بعض دونوں پاؤں سے کل مقدار پانچ تک ہو جائے تو اس صورت میں شیخین کے نزدیک صدقہ واجب ہے اور امام محمد کے نزدیک دم واجب ہے۔

ان شاء تصدق:۔ روزہ رکھنے کی صورت میں اختیار ہے ہر جگہ رکھنا جائز ہے حرم کی کوئی تخصیص نہیں ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے۔ صدقہ کی صورت میں صرف امام شافعیؒ کے نزدیک حرم کی تخصیص ہے البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرم کے مساکین پر صدقہ کرنا مستحب ہے۔ امام محمد کے نزدیک صدقہ میں تملیک لازمی ہے۔ حضرات شیخین کے نزدیک لازمی نہیں ہے اباحت بھی درست ہے (الجوہرہ)۔ اور بکری کا ذبح کرنا بالاتفاق حرم کے ساتھ مخصوص ہے غیر حرم میں جائز نہیں ہے۔ (الہدایہ)

وَمَنْ جَامَعَ فِي احد السبيلين قَبْلَ الوُقُوفِ بعرفة فَسدَ حَجُّهُ وَعَلَيْهِ شَاةٌ ويَمْضِيْ فِي الْحجِّ كَمَا يَمضي من لَمْ يَفسُدْ حَجُّهُ وَعَلَيْهِ الْقَضاءُ وَلَيسَ عَلَيْهِ اَنْ يُفَارِقَ امْرأتَهُ اِذَا حَجَّ بِهَا فِي القَضاءِ عِنْدَنَا وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الوقوفِ بعرفة لَمْ يَفْسُدْ وَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الحلَقِ فَعلَيْهِ شَاةٌ وَمَنْ جَامعَ فِي العُمْرةِ قَبْلَ ان يَطُوفَ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ اَفْسَدَهَا وَمَضىٰ فِيْهَا وَقَضاهَا وَعَلَيْهِ شَاةٌ وَاِنْ وَطِئَ بَعْدَ مَا طَاف اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ فَعلَيْهِ شَاةٌ وَلَا تَفسُدُ عُمْرتُهُ وَلَا يَلْزِمُهُ قَضاؤُهَا وَمَنْ جَامَعَ نَاسِياً كَمَنْ جَامَعَ عَامِداً فِي الحُكْمِ.

ترجمہ:۔ (۱) اور جس شخص نے وقوف عرفہ سے پہلے سبیلین (قبل ودبر) میں سے کسی ایک مقام میں جماع کیا تو (بالاتفاق) ان (دونوں) کا حج فاسد ہو گیا اور ان (دونوں) پر (احناف کے نزدیک) ایک بکری واجب ہے (ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بدنہ بھی) اور یہ افعال حج اسی طرح کر گزرے جس طرح وہ شخص کر گزرتا ہے جس کا حج فاسد نہ ہوا ہو۔ اور اس پر (دونوں پر) حج کی قضاء لازم ہے اور احناف کے نزدیک محرم پر واجب نہیں ہے کہ اپنی بیوی سے جدا رہے جب اس کے ساتھ (سال آئندہ) حج قضا کرے (۲) اور جس شخص نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو اس کا حج فاسد نہیں ہوا اور اس پر بدنہ واجب ہے۔ (۳) اور جس نے حلق (سر منڈوانے) کے بعد جماع کیا اس پر بکری واجب ہے (۴) اور جس نے عمرہ میں چار چکر طواف کرنے سے پہلے جماع کیا تو اس کا عمرہ فاسد ہو گیا اور اب عمرہ کے افعال پورا کرے اور اس کی قضا کرے اور اس پر ایک بکری واجب ہے۔ (۵) اور اگر چار چکر (یا زیادہ) طواف کرنے کے بعد جماع کیا تو اس پر ایک بکری واجب ہے۔ اور اس کا عمرہ فاسد نہیں ہوگا اور اس پر اس کی قضا لازم نہیں ہوگی۔ (۶) اور جس شخص نے بھول کر جماع کیا تو وہ حکم میں اس شخص کے مانند ہے جس نے قصداً جماع کیا۔

تشریح:۔ اس پوری عبارت میں چھ مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔ ہر ایک کی نوعیت ترجمہ سے واضح ہے۔

مسئلہ نمبر (۱) میں اختلاف مسئلہ کی دو شقیں ہیں۔ پہلی شق کا اختلاف دوران ترجمہ بین القوسین نقل کر دیا گیا ہے دوسری شق میں محرم کا اپنی بیوی کو قضاء حج کے دوران ساتھ رکھنے کا بیان ہے۔ احناف کا نزدیک جدا رکھنا ضروری نہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک ضروری ہے کہ دونوں گھر سے نکلتے ہی جدا ہو جائیں۔ امام زفرؒ کے نزدیک جب احرام باندھ لیں تو جدا ہو جائیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جس مقام پر جماع ہوا تھا اس مقام پر پہونچنے پر جدا ہو جائیں۔ مسئلہ نمبر (۲) میں امام شافعی کا اختلاف ہے فرماتے ہیں کہ اگر رمی سے قبل بھی جماع کر لیا تو اس کا حج فاسد ہو گیا۔ مسئلہ نمبر (۳) میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مسئلہ نمبر (۴-۵) میں امام شافعیؒ کے نزدیک عمرہ فاسد ہو جائیگا اس پر بدنہ لازم ہوگا۔ مسئلہ نمبر (۶) میں احناف کے نزدیک نسیان اور قصد دونوں کا حکم ایک ہے امام شافعیؒ کے نزدیک جماع بحالت نسیان مفسد حج نہیں ہے (الھدایہ)

وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْقُدُوْمِ مُحْدِثاً فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ وَإِنْ كَانَ جُنُباً فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَإِنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ مُحْدِثاً فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَإِنْ كَانَ جُنُباً فَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ وَالافْضَلُ اَنْ يُّعِيْدَ الطَّوَافَ مَا دَامَ بِمَكَّةَ وَلاَ ذَبحَ عَلَيْهِ وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الصَّدْرِ مُحْدِثاً فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ وَإِنْ كَانَ جُنُباً فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَإِنْ تَرَكَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ ثَلٰثَةَ اَشْوَاطٍ فَمَا دُوْنَهَا فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَإِنْ تَرَكَ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ بَقِيَ مُحْرِماً اَبَداً حَتّٰى يَطُوْفَهَا وَمَنْ تَرَكَ ثَلٰثَةَ اَشْوَاطٍ مِنْ طَوَافِ الصَّدْرِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ وَإِنْ تَرَكَ طَوَافَ الصَّدْرِ اَوْ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ شَاةٌ.

ترجمہ:۔ (۱)اور جس شخص نے بحالت حدث یعنی بے ضوء طواف قدوم کیا تو اس پر صدقہ واجب ہے اور اگر بحالت جنایت کیا تو اس پر ایک بکری واجب ہے۔(۲)اور اگر محرم نے طواف زیارت بحالت حدث کیا تو اس پر بکری واجب ہے اور اگر بحالت جنابت کیا تو اس پر ایک بدنہ واجب ہے۔اور افضل یہ ہے کہ جب تک مکہ میں مقیم ہے تو اس طواف کو لوٹالے اور اس پر (اس صورت میں) قربانی واجب نہیں ہے۔(۳)اور جس نے طواف صدر بحالت حدث کیا تو اس پر صدقہ واجب ہے اور اگر بحالت جنابت کیا تو اس پر ایک بکری واجب ہے۔(۴)اور اگر محرم نے طواف زیارت کے تین چکر یا اس سے کم چھوڑدیا تو اس پر ایک بکری واجب ہے۔اور اگر (طواف زیارت کے) چار چکر چھوڑدیئے تو اس طواف کو ادا کرنے تک محرم رہے گا۔(۵)اور جس محرم نے طواف صدر کے تین چکر چھوڑدیئے تو اس پر صدقہ واجب ہے اور اگر محرم نے طواف صدر یا اس طواف کے چار چکر چھوڑدیئے تو اس پر ایک بکری واجب ہے۔

﴿وہ جنایات جو صدقہ اور بکری کے وجوب کا باعث ہیں﴾

تشریح:۔ صاحب کتاب نے اس عبارت میں پانچ مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے اور ہر مسئلہ کی دو صورت ہے اور صرف پہلے مسئلہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے جس کو صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک بحالت حدث طواف قدوم کا اعتبار نہیں ہے البتہ ابن شجاع کے قول کے مطابق طہارت مسنون ہے اور اصح یہ ہے کہ طہارت واجب ہے جیسا کہ ابو بکر رازی کا بیان ہے (ہدایہ)

فعلیہ صدقة:۔ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ حج کے بیان میں ہر مقام پر صدقہ سے نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا کھجور مراد ہے اور ٹڈی، جوں کے مارنے یا بالوں کے اکھاڑنے میں جو صدقہ دینے کا بیان ہے اس کی مقدار کا کوئی تعین نہیں ہے جتنا چاہے صدقہ کردے۔

والافضل ان یعید:۔اور بعض نسخوں میں وعلیہ ان یعید الطواف ہے ان دونوں کے درمیان تطبیق یوں ممکن ہے کہ اگر بحالت جنایت طواف کیا تو اس محرم پر طواف کا لوٹانا واجب ہے اور اگر بے وضو یا بحالت حدث طواف کیا تو طواف کا لوٹانا مستحب ہے اور اگر بحالت حدث طواف کرنے کے بعد دوبارہ باوضوء ہو کر طواف کیا یا بحالت جنابت طواف کرنے کے بعد دوبارہ غسل کر کے طواف کیا تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

وَمَنْ تَرَكَ السَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَعَلَيْهِ دَمٌ وَحَجُّهُ تَامٌّ وَمَنْ اَفَاضَ مِنْ عَرَفَاتٍ قَبْلَ الْإِمَامِ فَعَلَيْهِ دَمٌ وَمَنْ تَرَكَ الْوُقُوْفَ بِمُزْدَلِفَةَ فَعَلَيْهِ دَمٌ وَمَنْ تَرَكَ رَمْيَ الْجِمَارِ فِي الْاَيَّامِ كُلِّهَا فَعَلَيْهِ دَمٌ وَاِنْ تَرَكَ رَمْيَ اِحْدَى الْجِمَارِ الثَّلٰثِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ وَاِنْ تَرَكَ رَمْيَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فِي يَوْمِ النَّحْرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ وَمَنْ اَخَّرَ الْحَلْقَ حَتّٰى مَضَتْ اَيَّامُ النَّحْرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَكَذٰلِكَ اِنْ اَخَّرَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ.

ترجمہ۔ (۱)اور جس شخص نے (حج میں) سعی بین الصفاوالمروۃ چھوڑدی تواس پر دم واجب ہے اور اس کا حج پورا ہے (فاسد نہیں ہے) (۲)اور جوشخص امام سے پہلے عرفات سے چلا گیا تواس پر دم واجب ہے۔(۳)اور جس شخص نے مزدلفہ کا وقوف ترک کردیا تواس پر قربانی واجب ہے۔(۴)اور جس شخص نے تمام ایام میں رمی ترک کردیا تواس پر قربانی واجب ہے۔ اور اگراس نے تینوں جمروں میں سے ایک کی رمی ترک کردی تواس پر صدقہ واجب ہے۔اور اگر یوم نحر میں جمرۂ عقبہ کی رمی ترک کردی تواس پر دم واجب ہے۔(۵)اور جس شخص نے حلق کو مؤخر کیا یہاں تک کہ ایام نحر گذر گئے توامام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر دم واجب ہے۔(۶)اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر طواف زیارت کو مؤخر کردیا۔ (تودم واجب ہے)

تشریح:۔ اس عبارت میں چھ مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔ان میں سے مسئلہ نمبر (۲-۴) جس کی تین شقیں ہیں اور مسئلہ نمبر (۶-۵) تشریح طلب ہیں۔مسائل کی تشریح سے قبل یہ واضح رہے مسئلہ نمبر (۱) میں عبارت **فعلیه دم** ہے۔ قدوری کے اکثر نسخوں اور اردو شروحات میں دم کے بجائے شاۃ ہے جو صحیح نہیں ہے بلکہ دم صحیح ہے جیسا کہ ہدایہ کے متن اور عربی شروحات میں ہے۔

مسئلہ نمبر (۲) **ومن افاض الخ:۔** بعض شراح کا کہنا ہے کہ ماتن کو غروب الشمس کہنا چاہئے تھا۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میدان عرفات سے غروب آفتاب سے قبل اور امام سے پہلے روانہ ہوگیا جبکہ احناف کے نزدیک غروب آفتاب تک وقوف عرفات واجب ہے تواس پر دم واجب ہے۔امام شافعیؒ کا دو قول ہے پہلے قول میں کوئی چیز واجب نہیں ہے اور دوسرا قول وجوب کا ہے امام مالکؒ اور امام احمدؒ بھی وجوب کے قائل ہیں۔البتہ اگر غروب آفتاب کے بعد اور امام سے پہلے عرفات سے روانہ ہوگیا تواس پر کچھ واجب نہیں ہے مگر اس میں اساءت ہے۔اگر غروب سے قبل واپس آگیا تو ساقط ہوجائیگا لیکن اگر غروب کے بعد واپس آیا تو ظاہر الروایۃ کے مطابق دم ساقط نہیں ہوگا (البدایہ والهدایہ)

مسئلہ نمبر (۴) **ومن ترك رمى الجمار الخ:۔** رمی جمار کے چار ایام ہیں ۱۰/۱۱/۱۲/۱۳/ذی الحجہ۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی محرم نے ان تمام ایام میں رمی جمار ترک کردیا تواس پر دم واجب ہے کیونکہ رمی واجب ہے اور ایک دم کافی ہوگا کیونکہ تمام ایام کی رمیوں کی جنس ایک ہے۔اور اگر ایک دن کی رمی چھوڑدی تواس پر دم واجب ہے اور اگر تینوں جمروں میں سے ایک جمرہ کی رمی ترک کردی تواس پر صدقہ کرنا واجب ہے اور ہر کنکری میں ایک صدقہ نصف صاع گیہوں ہے اور اگر یوم النحر میں جمرۂ عقبہ کی رمی ترک کردی تواس پر دم واجب ہوگا۔ (ہدایہ)

مسئلہ نمبر (۵-۶) ومن اخر الحلق:۔ دونوں مسئلوں میں صاحبین کے نزدیک کوئی چیز واجب نہیں ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک دم واجب ہے۔ اس مسئلہ کی بنیاد اس پر ہے کہ تاخیر نسک کیوجہ سے امام اعظم کے نزدیک دم واجب ہوتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔ یہی اختلاف ایک نسک کو دوسرے پر مقدم کرنیکی صورت میں ہے۔

وَاِذَاقَتَلَ الْمُحْرِمُ صَيْداًاَوْ دَلَّ عَلَيْهِ مَنْ قَتَلَهُ فَعَلَيْهِ الْجزَاءُ سَوَاءٌ فِي ذٰلِكَ الْعَامِدُ وَالنَّاسِيُ والمُبْتَدِي وَالْعَائِدُ وَالْجَزَاءُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ ان يُقَوَّمَ الصَّيْدُ فِي الْمَكَانِ الَّذِيْ قَتَلَهُ فِيْهِ اَوْ فِي اَقْرَبِ الْمَوَاضِعِ مِنْهُ اِنْ كَانَ فِي بَرِيَّةٍ يُقَوِّمُهُ ذَوَا عَدلٍ ثُمَّ هُوَ مُخيَّرٌ فِي الْقِيمَةِ اِنْ شَاءَ اِبْتَاعَ بِهَا هَدْياً فَذَبَحَهُ ان بَلَغَتْ قِيمَتُهُ هَدْياً وَاِنْ شَاءَ اِشْتَرىٰ بِهَا طَعَاماً فَتَصدَّقَ بِهٖ عَلٰى كُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفَ صَاعٍ من بُرٍّ اَوْ صَاعاً مِنْ تَمرٍ اَوْ صاعاً مِنْ شَعِيْرٍ وَاِنْ شَاءَ صَامَ عَنْ كُلِّ نِصْفِ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ يَوْماً وَعَنْ كُلِّ صَاعٍ مِنْ شَعِيْرٍ يَوْماً فَاِنْ فَضَلَ مِنَ الطَّعَامِ اَقَلَّ مِنْ نِصْفِ صَاعٍ فَهُوَ مُخَيَّرٌ اِنْ شَاءَ تَصَدَّقَ بِهٖ وَاِنْ شَاءَ صَامَ عَنْهُ يَوْماً كَامِلاً.

ترجمہ۔ اور جب محرم نے کسی شکار کے جانور کو قتل کیا یا اس نے اس پر ایسے شخص کی رہنمائی کی جس نے اس کو قتل کیا تو اس پر جزاء واجب ہے اس وجوب جزاء میں قصداً، بھول کر، پہلی بار اور دوسری بار بتلانے والے سب برابر ہیں۔ اور شیخین کے نزدیک جزاء یہ ہے کہ شکار کی قیمت اس مقام پر لگائی جائے جہاں وہ قتل ہوا یا اگر جنگل میں ہوا تو وہاں سے سب سے قریب کی آبادی میں۔ اس کی قیمت کا اندازہ دو عادل آدمی لگائیں۔ پھر قتل کرنے والا محرم جزاء کے بارے میں مختار ہے اگر چاہے تو اس کے عوض ہدی خرید کر اس کو ذبح کردے اگر اس کی قیمت ہدی کو پہونچ جائے۔ اور اگر چاہے تو اس کے عوض غلہ خرید کر اس کو صدقہ کردے۔ ہر مسکین پر گیہوں کا نصف صاع یا کھجور یا جو کا ایک صاع۔ اور اگر چاہے تو گیہوں کے نصف صاع اور کھجور وجو کے ایک صاع کے بدلہ ایک دن روزہ رکھے اور اگر غلہ نصف صاع سے کم بچ گیا تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس کو صدقہ کردے اور چاہے تو اس کے بدلہ ایک کامل دن روزہ رکھے۔

جزاء صید کا بیان

حل لغات:۔ صیداً۔ شکار۔ دل علیه رہنمائی کرنا۔ رہبری کرنا۔ یقوم مصدر تقویم، قیمت لگانا۔ فی اقرب المواضع قرب وجوار۔ بریة۔ جنگل۔ ابتاع به۔ خریدنا۔ بُرٌّ گیہوں۔

خلاصہ۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر محرم نے از خود کسی جانور کا شکار کیا یا کسی شکاری کو شکار کے مقام کی طرف رہنمائی کی تو محرم پر جزاء صید واجب ہے خواہ محرم قصداً کرلے یا بھول کر، پہلی مرتبہ ایسا کرنے یا دوبارہ شکار حل کا ہو یا حرم کا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک دلالت کرنے والے پر کچھ واجب نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جزاء صید میں شیخین کے

نزدیک معنوی مماثلت معتبر ہے اور اس سے قیمت مراد ہے جس کا اندازہ دو عادل مرد کریں گے اور قیمت مقرر کرنے میں وہ جگہ معتبر ہوگی جہاں شکار کیا گیا ہے بشرطیکہ وہاں آبادی ہو اور اگر وہاں جنگل ہے تو اس کے قرب وجوار کا اعتبار ہوگا۔ قیمت مقرر ہونے کے بعد اس محرم شکاری کو اختیار ہے کہ وہ اس قیمت سے کوئی ہدی کا جانور مکہ میں ذبح کر کے اس کے گوشت کو حرم کے مساکین پر تقسیم کرے یا غلہ خرید کر ایک ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو دے دے یا ہر مسکین کے غلہ کے عوض ایک دن کا روزہ رکھ لے۔ اور اگر نصف صاع یا ایک صاع ہر مسکین کو دینے کے بعد نصف صاع سے کم بچ جائے تو اس کو اختیار ہے چاہے تو خیرات کر دے اور چاہے تو اس کے عوض ایک روزہ رکھ لے۔

وَقَالَ محمد رَحِمَهُ اللهُ يَجبُ فِي الصَّيدِ النظير فِيمَا لَهُ نَظِيرٌ فَفِي الظَّبيِّ شاةٌ وفِي الضَّبع شاةٌ وَفِي الْاَرْنَب عَنَاقٌ وَفِي النعامةِ بدنَةٌ وفي اليَربُوع جفرَةٌ وَمَنْ جرحَ صَيداً اَوْ نَتَفَ شَعْرَهُ اَوْ قَطَعَ عَضْواً مِنْهُ ضَمِنَ مَا نَقَصَ مِنْ قِيمَتِهِ وَاِنْ نَتَفَ رِيْشَ طَائِرٍ اَوْ قَطَعَ قَوَائِمَ صَيْدٍ فَخَرَجَ بِهِ مِنْ حَيِّزِ الْاِمْتِنَاعِ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ كَامِلَةً وَمَنْ كَسَرَ بَيْضَ صَيْدٍ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ فَاِنْ خَرَجَ مِنَ البَيْضَةِ فَرْخٌ مَيِّتٌ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ حَيّاً۔

ترجمہ:۔ اور امام محمدؒ (اور امام شافعیؒ) نے فرمایا کہ شکار میں اس کی نظیر واجب ہے جس کی نظیر ممکن ہو چنانچہ ہرن میں بکری ہے اور بجو میں بکری ہے، خرگوش میں بکری کا بچہ ہے، شتر مرغ میں بدنہ ہے اور جنگلی چوہے میں چار ماہ کا بکری کا بچہ ہے۔ اور جس شخص نے شکار کو زخمی کر دیا یا اس کے بال اکھاڑ دیئے یا اس کا ایک عضو کاٹ دیا تو اس کی قیمت کے نقصان کا ضامن ہوگا اور اگر محرم نے پرندہ کا پر نوچ دیا یا شکار کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جس کی وجہ سے وہ اپنے بچاؤ سے نکل گیا تو اس پر پوری قیمت واجب ہے۔ اور جس محرم نے شکار کے انڈے توڑ دیئے تو اس پر اس کی قیمت واجب ہے۔ پس اگر انڈے سے مردہ بچہ نکلا تو اس پر زندہ بچہ کی قیمت واجب ہے۔

حل لغات:۔ ارنب خرگوش۔ عناق بکری کا چھ ماہ کا بچہ۔ نعامة شتر مرغ۔ یربوع جنگلی چوہا۔ جفرة بکری کا چار ماہ کا بچہ۔ نتف (ض) نتفاً الشعر او الريش ونحوه بال یا پر نوچنا۔ طائر پرندہ۔ قوائم۔ قائمة کی جمع ہے پاؤں بیض بیضہ کی جمع ہے انڈا۔ فرخ۔ پرندہ کا بچہ۔

خلاصہ:۔ جزاء صید کے متعلق امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک ظاہری مماثلت ضروری ہے۔ یعنی جن شکار کے جانوروں کا مثل اور نظیر موجود ہو اس کی جزاء اس کا نظیر جانور ہوگا۔ چنانچہ ہرن اور بجو کی جزاء میں بکری واجب ہوگی، خرگوش کی جزاء میں بکری کا مادہ بچہ واجب ہوگا الی آخرہ...... ومن جرح صید من قیمتہ۔ ان تمام صورتوں میں محرم شکار کی مالیت میں جو نقص پیدا ہوا ہے اس کا ضامن ہوگا مثلاً شکار کی قیمت دس روپیہ تھی اور زخمی کرنے کے بعد بال نوچ دینے یا عضو کاٹ دینے کے بعد اس کی قیمت گھٹ کر اس سے کم ہو گئی تو محرم گھٹی ہوئی رقم کا ضامن ہوگا۔ وان نتف الی آخرہ۔ پوری عبارت واضح ہے ترجمہ ملاحظہ فرمالیں کافی ہوگا۔

وَلَيْسَ فِي قَتْلِ الغُرَابِ والحِدأةِ وَالذِّئْبِ وَالْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَالْفَارَةِ وَالْكَلْبِ الْعَقُوْرِ جَزَاءٌ وَلَيْسَ فِي قَتْلِ البَعُوْضِ وَالْبَرَاغِيْثِ وَالْقُرَادِ شيئٌ وَمَنْ قَتَلَ قُمْلَةً تَصَدَّقَ بِمَا شَاءَ وَمَنْ قَتَلَ جَرَادَةً تَصَدَّقَ بِمَا شَاءَ وَتَمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جَرَادَةٍ وَمَنْ قَتَلَ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ مِنَ السِّبَاعِ وَنَحْوِهَا فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ وَلَا يَتَجَاوَزُ بِقِيْمَتِهَا شَاةً وَإِنْ صَالَ السَّبُعُ عَلَى مُحْرِمٍ فَقَتَلَهُ فَلَا شَيْئَ عَلَيْهِ وَإِنِ اضْطَرَّ الْمُحْرِمُ إِلَى أَكْلِ لَحْمِ صَيْدٍ فَقَتَلَهُ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ.

ترجمہ:۔ اور کوے، چیل، بھیڑئے، سانپ، بچھو، چوہا اور پاگل کتے کے قتل کرنے میں جزاء نہیں ہے۔ اور مچھر، پسو، اور چیچڑی کے قتل کرنے میں کچھ نہیں ہے، اور جس شخص نے جوں مار ڈالا تو جو کچھ چاہے صدقہ کردے۔ اور جس شخص نے ٹڈی کو قتل کردیا تو وہ جو چاہے صدقہ کردے۔ اور ایک کھجور ایک ٹڈی سے بہتر ہے۔ اور جس محرم نے ایسے جانور کو قتل کردیا جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا مثلاً درندہ اور اس کے مانند، تو اس پر جزاء واجب ہے (عند الشافعی واجب نہیں ہے) اور اس کی قیمت سے ایک بکری کی قیمت نہ بڑھ جائیگی۔ اور اگر درندہ نے محرم پر حملہ کیا پس محرم نے اس کو قتل کردیا تو محرم پر کچھ واجب نہیں ہے۔ اور اگر محرم شکار کا گوشت کھانے پر مجبور ہو اور اس کو قتل کردیا تو اس پر جزاء واجب ہے۔

﴿جن جانوروں کے مارنے سے محرم پر کچھ واجب نہیں﴾

حل لغات:۔ الغراب کوا۔ الحداۃ چیل۔ الذئب بھیڑیا۔ الحیۃ سانپ۔ العقرب بچھو۔ الفارۃ چوہا۔ الکلب العقور کاٹ کھانے والا کتا۔ البعوض بعوضۃ کی جمع ہے مچھر۔ البراغیث پسو۔ القراد قرادۃ کی جمع ہے۔ چیچڑی۔ قملۃ۔ جوں، جرادۃ۔ ٹڈی۔ سباع سبع کی جمع ہے درندہ۔ صال (ن) صولاً حملہ کرنا۔ اضطر اضطراراً بے قرار ہونا۔

خلاصہ:۔ صاحب کتاب نے اس عبارت میں چھ مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے جو نمبر وار بیان کئے جائیں گے۔

مسئلہ نمبر (۱):۔ اگر کسی محرم نے کوئے، چیل وغیرہ قتل کردیا تو اس پر کوئی جزاء واجب نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ روایت میں پانچ جانور کا استثناء ہے بچھو۔ چوہا۔ کاٹ کھانیوالا کتا۔ کوا اور چیل۔

مسئلہ نمبر (۲):۔ اگر محرم نے مچھر پسو اور چیچڑی کو مار ڈالا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر (۳):۔ اگر محرم نے اپنے سر یا دوسرے حصہ بدن سے پکڑ کر جوں یا ٹڈی ماردی تو مارنے والا جو چاہے صدقہ کردے اور اگر ایک ٹڈی کے عوض ایک کھجور صدقہ کردے تو کافی ہے۔

مسئلہ نمبر (۴):۔ اگر محرم نے غیر ماکول اللحم جانور کو قتل کردیا جیسے درندے، شیر، چیتے وغیرہ تو اس پر بھی جزاء واجب ہوگی صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک جزاء واجب نہیں ہوگی۔ اور اس محرم پر اس کی جزاء اس قدر واجب کی جائے کہ وہ ایک بکری کی قیمت سے زائد نہ ہو۔ امام زفرؒ کے نزدیک مقتول درندہ کی پوری قیمت واجب ہوگی خواہ کتنی ہی ہو (ہدایہ)

مسئلہ نمبر (۵) :۔ اگر درندہ نے محرم پر حملہ کیا اور محرم نے اس کو قتل کر دیا تو اس محرم پر جزاء واجب نہ ہو گی اور امام زفرؒ کے نزدیک واجب ہو گی (ہدایہ)

مسئلہ نمبر (۶) :۔ اگر محرم بھوک کی شدت کی وجہ سے کسی شکار کو مجبوراً قتل کر کے کھالے تو اس پر جزاء واجب ہو گی۔

تشریح :۔ کون سا جانور صید میں داخل ہے اور کون سا صید میں داخل نہیں ہے اس سلسلے میں ایک ضابطہ ہونا چاہئے چنانچہ حدیث نبویؐ میں جن پانچ جانوروں کا تذکرہ آتا ہے یعنی ''**الفارة والغراب والحِداٰة والعقرب والکلب العقور**'' اس میں جامع اصول یہ ہے کہ جو بھی موذی اور انسان یا اس کے مال و اسباب پر حملہ کرنے والا ہو یہ صید نہیں ہے اسی طرح بہیمۃ الانعام، مرغی اور گھر میں پرورش کئے جانے والے جانور صید نہیں ہیں۔ اور جو جانور اپنی اصل خلقت میں اپنے ہاتھ پیر یا بازو کے ذریعہ انسان سے دور رہتا ہو اور وحشت کھاتا ہو وہ صید ہے۔ اور جو جانور اپنی اصل خلقت میں اپنے ہاتھ پیر یا بازو کے ذریعہ انسان سے دور رہتا ہو اور وحشت کھاتا ہو وہ صید ہے۔ اب ابل و بقر و غنم کو محرم کے لئے ذبح کرنا حلال ہے اسی طرح گھروں میں رہنے والی مرغیاں اور بطخ بھی محرم کے لئے ذبح کرنا حلال ہے کیونکہ یہ صید میں داخل نہیں ہیں۔

محرم کے شکار کے متعلق دو باتیں ہیں۔ (۱) محرم کا از خود شکار کرنا۔ (۲) محرم کے لئے کسی جانور کا شکار کر لیا جانا۔

محرم کا از خود شکار کرنا :۔ محرم کے لئے خشکی کا شکار بنص قرآنی حرام ہے ''**یا ایها الذین امنوا لا تقتلوا الصید وانتم حُرُم**'' ''**اُحِلَّ لکم صید البحر وطعامهٗ متاعاً لکم وللسیارة وحرم علیکم صید البر ما دمتم حرماً**'' اسی طرح محرم کا غیر محرم کے شکار میں مدد کرنا یا اشارہ کرنا یا اس کی رہبری کرنا سب بالاتفاق حرام ہے۔ اگر محرم سے ان افعال مذکورہ میں سے کسی ایک کا ارتکاب ہوا تو اس پر جزاء لازم آئیگی۔

محرم کے لئے کسی جانور کا شکار کیا جانا :۔ اگر محرم کی اعانت، دلالت یا اشارہ کے بغیر کسی غیر محرم نے شکار کیا تو محرم کے حق میں ایسے شکار کے جواز و عدم جواز کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ چنانچہ ابن عباس، طاؤس اور سفیان ثوری کے نزدیک محرم پر اس شکار کا گوشت کا کھانا مطلقاً ممنوع ہے اس محرم کے لئے شکار کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک محرم کے لئے ایسا شکار کھانا مطلقاً جائز ہے خواہ محرم کے لئے شکار کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کو کھلانے کی غرض سے شکار کیا تھا تو محرم کے لئے اس کا کھانا جائز نہیں ہے اور اگر اس نیت سے شکار نہیں کیا تو محرم کے لئے کھانا جائز ہے۔

(تنظیم الاشتات ج ۳ ص ۲۱۲ درس ترمذی ج ۳ ص ۱۰۳-۱۰۲)

الغراب :۔ اس سے مراد وہ کوا ہے کہ جس کا رنگ سیاہ و سفید ہوتا ہے اور اکثر مردار اور نجاست کھاتا ہے اس کا مارنا جائز ہے اور وہ کوا جو کھیت وغیرہ میں کھاتا ہے جس کا رنگ سیاہ، چونچ اور پاؤں کا رنگ سرخ ہوتا ہے اس کے مارنے پر جزاء ہے

(مظاہر حق والجوہرہ)

الکلب العقور :۔ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ کلب میں ہر درندہ داخل ہے جس کے مارنے کی اجازت ہے۔

جرادة :۔ یہ خشکی کا جانور ہے اس لئے اس کے قتل پر محرم کے لئے جزاء لازمی ہے جو چاہے صدقہ کر دے۔ اور جس

مقام پر اس کو بحری صید کہا گیا ہے وہ صرف اس اعتبار سے کہ یہ دریائی شکار یعنی مچھلی کے مشابہ ہے کہ جس طرح مچھلی بغیر ذبح کئے ہوئے کھائی جاتی ہے اس طرح ٹڈی کو بھی بغیر ذبح کئے کھانا درست ہے۔ (مظاہر حق جدید ج ۳ ص ۳۸۱)

وَلَا بَاسَ بانْ يَذْبَحَ الْمُحْرِمُ الشاةَ والبَعِيْرَ وَالدَّجَاجَ والبط الكسكرى وان قتل حَمَاماً مُسَرْوَلاً او ظَبياً مُستَاً نساً فعلَيْهِ الْجزاءُ وَإِنْ ذَبَحَ الْمُحْرِمُ صيداً فَذَبِيْحَتُهُ مَيْتَةٌ لاَ يَحِلُّ اَكْلُهَا وَلاَ بَاسَ بِاَنْ يَّاكُلَ الْمُحْرِمُ لَحمَ صَيْدٍ اِصْطَادَهُ حَلَالٌ وَذَبَحَهُ اذا لم يدلّه الْمُحْرِمُ عَلَيْهِ وَلاَ اَمَرَهُ بِصَيْدِهٖ وَفِيْ صَيْدِ الْحَرَمِ اِذَا ذَبَحَهُ الْحَلَالُ الْجَزَاءُ وَاِنْ قَطَعَ حَشِيْشَ الْحَرَمِ اَوْ شَجَرَةَ الَّذِىْ لَيْسَ بِمَمْلُوكٍ وَلاهُوَ مِمَّا يُنْبتُهُ النَّاسُ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهُ.

ترجمہ:۔ (۱) اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ بکری، گائے، اونٹ، مرغی اور پالتو بطخ کسکری کو ذبح کرے۔ (۲) اور اگر پاموز کبوتر یا مانوس ہرن کو قتل کر دیا تو اس پر جزاء واجب ہے۔ (۳) اور اگر محرم نے کسی شکار کو ذبح کیا تو اس کا ذبیحہ مردار ہے، اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ (۴) اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ محرم ایسے شکار کا گوشت کھائے جس کو کسی حلال یعنی غیر محرم نے شکار کیا ہو اور اسی نے ذبحہ کیا ہو بشرطیکہ نہ تو محرم نے اس شکار پر دلالت کی ہو اور نہ ہی اسکو شکار کا حکم کیا ہو۔ (۵) اور محرم کے شکار میں جبکہ اس کو حلال آدمی یعنی غیر محرم ذبح کرے جزاء ہے۔ (۶) اور اگر حرم کی گھاس کاٹی یا ایسا درخت کاٹا جو کسی کی ملک نہیں ہے اور نہ ان درختوں میں سے ہے جس کو لوگ بوتے ہوں تو اس پر اسکی قیمت واجب ہے۔

احکام صید کا تتمہ

حل لغات:۔ البعیر اونٹ۔ الدجاج مرغی۔ البط وہ بطخ جو گھروں میں اور حوضوں میں رہتی ہے۔ الکسکری یہ کسکر کی طرف منسوب ہے جو نواحی بغداد کا ایک علاقہ ہے۔ اس قید سے اس طرف اشارہ ہیکہ یہ بڑی بطخ ہے۔ حماما کبوتر۔ مُسَروَل جس کے پاؤں پر پر ہو گویا کہ سراویل یعنی پائجامہ پہن رکھا ہے اسی کو پاموز کہتے ہیں۔ ظبی ہرن۔ مستانس مانوس۔ حشیش گھاس۔

تشریح:۔ اس عبارت میں چھ مسئلے بیان کئے گئے ہیں جن کی نوعیت واضح ہے۔ مسئلہ نمبر (۲) میں امام مالکؒ کے نزدیک محرم پر جزاء واجب نہیں ہے۔ مسئلہ نمبر (۳) میں امام شافعیؒ کے نزدیک اگر محرم نے کسی غیر محرم کے لئے ذبح کیا تو غیر محرم کے لئے حلال ہے اور احرام سے نکلنے کے بعد خود محرم کے لئے بھی حلال ہے۔ مسئلہ نمبر (۴) میں امام مالکؒ کے نزدیک اگر غیر محرم نے محرم کے لئے شکار کیا تو محرم کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں ہے اگرچہ اس میں محرم کا کوئی حکم نہ ہو۔ استعمال کی صورت میں جزاء لازم آئیگی۔ (ہدایہ) مسئلہ نمبر (۵) اگر حرم کے شکار کو کسی غیر محرم نے ذبح کر دیا تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی۔ صوم واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تاوان ہے، کفارہ نہیں ہے تو یہ اموال کے ضمان کے مشابہ ہے۔ البتہ محرم کے حق میں کفارہ ہے اس لئے صوم کافی ہو جائیگا (ہدایہ) مسئلہ نمبر (۶) حرم کی خودرو گھاس اور خودرو درخت، جس کو لوگ

عام طور پر کاشت نہیں کرتے اور جو کسی کی ملکیت نہ ہوں اگر کسی شخص نے اس گھاس یا درخت کو کاٹ لیا تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی روزہ کافی نہیں ہوگا البتہ اگر گھاس یا درخت خشک ہوگئے ہوں تو اس کو کاٹنے پر قیمت واجب نہیں ہوگی۔ (ہدایہ)

وَكُلُّ شَيْءٍ فعله الْقَارِنُ مِمَّا ذَكَرْنَا اَنَّ فِيهِ عَلَى الْمُفْرِدِ دَماً فَعَلَيْهِ دَمَانِ دَمٌ بِحَجَّتِهِ وَدَمٌ لِعُمْرَتِهِ اِلَّا اَن يَّتَجَاوَزَ الْمِيقَاتَ مِنْ غَيْرِ اِحْرَامٍ ثُمَّ يُحْرِمُ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ فَيَلْزَمُهُ دَمٌ وَاحِدٌ وَاِذَا اِشْتَرَكَ مُحْرِمَانِ فِي قَتْلِ صَيْدِ الْحَرَمِ فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْجَزَاءُ كَامِلاً وَاِذَا اِشْتَرَكَ حَلَالَانِ فِي قَتْلِ صَيْدِ الحَرَمِ فَعَلَيْهِمَا جَزَاءٌ وَاحِدٌ وَاِذَا بَاعَ الْمُحْرِمُ صَيْداً اَوِ ابْتَاعَهُ فَالْبَيْعُ بَاطِلٌ.

ترجمہ:۔ (۱) اور ہر وہ چیز (کام) جس کو قارن نے کیا ان کاموں (جنایات) میں سے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے ان میں مفرد بالحج پر ایک دم ہے تو قارن پر دو دم واجب ہوں گے۔ ایک دم اس کے حج کی وجہ سے اور ایک دم اس کے عمرہ کی وجہ سے الا یہ کہ قارن بغیر احرام کے میقات سے گذر جائے اس کے بعد عمرہ اور حج کا احرام باندھے تو اس پر ایک دم لازم ہوگا۔ (۲) اور اگر حرم کے (ایک) شکار کے قتل میں دو محرم شریک ہوگئے تو ان دونوں میں سے ہر ایک پر پوری جزاء واجب ہے۔ (۳) اور اگر حرم کے (ایک) شکار کے قتل میں دو حلال آدمی شریک ہوں تو ان دونوں پر ایک ہی جزاء ہے۔ (۴) اور [illegible] خت کیا یا اسے خرید ا تو بیع باطل ہے۔

تشریح:۔ اس عبارت میں چار مسئلے بیان کئے گئے ہیں جن کی تشریح بالترتیب ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر (۱):۔ اگر مفرد بالحج مذکورہ جنایت کا مرتکب ہوتا ہے تو اس پر ایک دم واجب ہوتا ہے۔ اگر قارن ان جنایت کا ارتکاب کرے گا تو احناف کے نزدیک اس پر دو دم واجب ہوں گے ایک دم حج کی وجہ سے اور دوسرا دم عمرہ کی وجہ سے۔ اور ائمہ ثلثہ کے نزدیک ایک ہی دم واجب ہوگا۔ البتہ اگر میقات سے گذر جانے کے بعد حج وعمرہ کا احرام باندھے اگرچہ نیت قران کی ہو تو ایک دم واجب ہوگا۔ امام زفرؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی دو ہی واجب ہوں گے۔ (ہدایہ الجوہرہ)

مسئلہ نمبر (۲):۔ اگر دو محرم نے حرم کے ایک شکار کو مارا تو ان دونوں میں سے ہر ایک پر الگ الگ جزاء واجب ہے۔ (ہدایہ، الجوہرہ)

مسئلہ نمبر (۳):۔ اگر دو حلال آدمی نے مل کر حرم کے ایک شکار کو مارا تو ان دونوں پر صرف ایک جزاء واجب ہوگی۔

مسئلہ نمبر (۴):۔ محرم کے لئے شکار کے جانور کی خرید وفروخت دونوں ناجائز اور باطل ہے۔

باب الاحصار

(احصار کا بیان)

احصار کے لغوی معنیٰ ہیں مطلق روک دینا۔ اصطلاح شرع میں یہ ہے کہ محرم کسی عذر شرعی کی وجہ سے حج یا عمرہ سے روک دیا جائے اور اس عذر میں دم دے کر حلال ہونا مباح ہو۔ اور جو شخص روک دیا گیا اس کو محصَر کہتے ہیں۔ احصار کا واقعہ حضورؐ کے ساتھ صلح حدیبیہ کے سال پیش آیا تھا۔ یہ عوارضات (احصار وفوات) نوادر الوقوع ہیں اس لئے ان کو آخر میں بیان کیا گیا۔ اسباب احصار میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سبب احصار صرف دشمن کا خوف ہے۔ احناف اور اصحاب احناف کے نزدیک جو چیز بھی احرام باندھنے کے بعد احرام کے تقاضوں کو پورا کرنے میں رکاوٹ بنے وہ سبب احصار ہے۔ لہٰذا احصار دشمن کے خوف، مرض، عورت کے محرم نہ رہنے، خرچ گھٹ جانے، عورت کی عدت اور راستہ کے بھول جانے وغیرہ سے ہو سکتا ہے۔ احصار کا حکم یہ ہے کہ اگر محصر مفرد بالحج یا معتمر ہے تو ایک ہدی کا جانور (مثلاً ایک بکری) اور اگر قارن ہو تو دو ہدی کا جانور (مثلاً دو بکریاں) خرید کر یا ان کی قیمت دے کر کسی کی معرفت حرم میں بھیج دے تاکہ وہ اس کی قیمت سے جانور خرید کر وہاں ذبح کرے اسی کے ساتھ ذبح کا ایک دن اور وقت متعین کر دے اگرچہ ایام نحر سے پہلے ہو، اور محصَر اسی متعین دن اور وقت میں ذبح کے بعد بلا قصر وحلق کے احرام کھول دے اور آئندہ سال اس کی قضاء کرے اگر محصر مفرد بالحج ہے تو اس پر ایک حج اور ایک عمرہ کی قضاء لازم ہے اگر معتمر ہے تو صرف ایک عمرہ کی قضاء لازم ہے اور قارن پر ایک حج اور دو عمرہ لازم ہے۔ مزید تفصیل دوران عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ (عبد العلی قاسمی غفرلہ)

اِذَا اُحْصِرَ الْمُحْرِمُ بِعَدُوٍّ اَوْ اَصَابَهُ مَرَضٌ يَمْنَعُهُ مِنَ الْمُضِيِّ جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ وَقِيلَ لَهُ اِبْعَثْ شَاةً تُذْبَحُ فِي الْحَرَمِ وواعِدْ مَنْ يَّحْمِلُهَا يَوْماً بِعَيْنِهِ يَذْبَحُهَا فِيهِ ثُمَّ تَحَلَّلَ فَاِنْ كَانَ قَارِناً بَعَثَ دَمَيْنِ وَلاَ يَجُوزُ ذَبْحُ دَمِ الْاِحْصَارِ اِلاَّ فِي الْحَرَمِ ذَبْحُهُ قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَ قَالاَ لاَ يَجُوْزُ الذَّبْحُ لِلْمُحْصَرِ بِالْحَجِّ اِلاَّ فِي يَوْمِ النَّحْرِ وَيَجُوْزُ لِلْمُحْصَرِ بِالْعُمْرَةِ اَنْ يَذْبَحَ مَتىٰ شَاءَ والمحصر اِذَا تَحَلَّلَ فَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَعُمْرَةٌ وَعَلَى الْمُحْصَرِ بِالْعُمْرَةِ الْقَضَاءُ وَعَلَى الْقَارِنِ حَجَّةٌ وَعُمْرَتَانِ.

ترجمہ:۔ جب محرم دشمن کی وجہ سے روک دیا گیا یا اس کو ایسا مرض لاحق ہو گیا جو اس کو جانے سے روک دے تو اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے اور اس سے کہا جائیگا کہ ایک بکری بھیج دے جو حرم میں ذبح کی جائیگی اور اس شخص سے وعدہ کرے جو اس کو لیجا رہا ہے متعین دن کا جس میں وہ ذبح کرے گا پھر وہ حلال ہو جائے۔ پس اگر وہ قارن ہے تو دو دم بھیجے اور دم احصار کا ذبح کرنا جائز نہیں ہے مگر حرم۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یوم النحر سے قبل دم احصار کا ذبح کرنا جائز ہے اور صاحبین

نے فرمایا کہ محصر بالحج کے لئے یوم النحر کے علاوہ ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جو عمرہ سے روک دیا گیا ہو اس کے لئے ذبح کرنا جائز ہے جب چاہے وہ ذبح کرے۔ اور محصر بالحج جب حلال ہو جائے تو اس پر ایک حج اور ایک عمرہ واجب ہے۔ اور محصر بالعمرہ پر عمرہ کی قضاء واجب ہے اور قارن پر ایک حج اور دو عمرہ لازم ہو گا۔

تشریح:۔ دم احصار کے لئے تعیین مکان کے متعلق اختلاف ہے احناف کے نزدیک دم احصار حرم میں ذبح کیا جائیگا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک حرم کی تخصیص نہیں ہے بلکہ جس مقام میں احصار ہوا ہے اسی مقام میں ذبح کرسکتا ہے اگرچہ وہ حل میں ہو۔ ہدی کے ذبح کے لئے دن کی تعیین کے سلسلے میں حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کوئی دن متعین نہیں ہے اس لئے یوم نحر سے پہلے بھی جانور ذبح کرنا جائز ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر محصر بالعمرہ ہے تو قبل یوم النحر ذبح کرنا جائز ہے لیکن اگر محصر بالحج ہے تو قبل یوم النحر دم احصار کا ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک عمرہ میں احصار کا تحقق نہیں ہوتا ہے۔

والمحصر اذا تحلل:۔ اس سلسلہ میں تفصیلی گفتگو سطور بالا میں گذر چکی ہے اس موقع پر اتنا جان لیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک حج کی قضا صرف حج فرض کی صورت میں لازم ہے نہ کہ نفلی حج میں۔

وَاِذَا بَعَثَ المحصرُ هَدْياً وَوَاعَدَهُمْ اَنْ يَّذْبَحُوْهُ فِي يَوْمٍ بِعَيْنِهٖ ثُمَّ زَالَ الْاِحْصَارُ فَاِنْ قَدَرَ عَلٰى اِدْرَاكِ الْهَدْيِ وَالْحَجِّ لَمْ يَجُزْلَهُ التَّحَلُّلُ وَلَزِمَهُ الْمُضِيُّ وَاِنْ قَدَرَ عَلٰى اِدْرَاكِ الهَدْيِ دُوْنَ الْحَجِّ تَحَلَّلَ وَاِنْ قَدَرَ عَلٰى اِدْرَاكِ الحَجِّ دُوْنَ الْهَدْيِ جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ اِسْتِحْسَاناً وَمَنْ اُحْصِرَ بِمَكَّةَ وَهُوَ مَمْنُوْعٌ عَنِ الْوُقُوْفِ وَالطَّوَافِ كَانَ مُحْصراً وَاِنْ قَدَرَ عَلٰى اِدْرَاكِ اَحَدِهِمَا فَلَيْسَ بِمُحْصَرٍ.

ترجمہ:۔ اور جب محصر نے ہدی کا جانور بھیجا اور ساتھیوں سے اس بات کا وعدہ لے لیا کہ متعین دن میں اس کو ذبح کریں پھر احصار زائل ہو گیا پس اگر وہ ہدی اور حج دونوں کے پانے پر قادر ہے تو اس کے لئے حلال ہونا جائز نہیں ہے اور اس پر چلنا لازم ہے اور اگر ہدی کے پانے پر قادر ہو نہ کہ حج کے پانے پر تو حلال ہو جائے۔ اور اگر حج کے پانے پر قادر ہو نہ کہ ہدی کے پانے پر تو اس کے لئے استحساناً حلال ہونا جائز نہیں ہے۔ اور جو شخص مکہ میں روک دیا گیا اور حال یہ ہے کہ وہ وقوف عرفہ اور طواف زیارت سے روک دیا گیا تو وہ محصر ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک کے پانے پر قادر ہو تو وہ محصر نہیں ہے۔

تشریح:۔ مسئلہ یہ ہے کہ محصر نے ہدی روانہ کردی اور ساتھیوں سے وعدہ کر لیا کہ ایک مخصوص دن میں اسکو ذبح کریں پھر احصار زائل ہو گیا تو اب اس کی چار صورتیں ہیں۔ صاحب قدوری نے تین صورتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ چار یہ ہیں (۱) حج اور ہدی دونوں پانے پر قادر ہو (۲) دونوں پر قادر نہ ہو (۳) صرف ہدی پر قادر ہو (۴) صرف حج پر قادر ہو۔ نمبر (۱) میں حج کے لئے روانہ ہونا ضروری ہے ہدی بھیج کر احرام سے حلال ہونا جائز نہیں ہے۔ نمبر (۲) کی صورت کو صاحب کتاب نے ذکر نہیں کیا ہے۔ نمبر (۲) اور (۳) دونوں صورتوں میں جانا بے فائدہ ہے بلکہ کچھ صبر کرے یہاں تک

کہ ہدی ذبح ہونے کے بعد حلال ہو جائے۔ نمبر (۴) استحساناً حلال ہونا جائز ہے۔ پھر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یوم نحر سے قبل ہدی ذبح کرنا جائز ہے اس لئے ادراک حج بلا ادراک ہدی کے ممکن ہے اور صاحبین کے نزدیک یوم نحر سے قبل ہدی ذبح کرنا جائز نہیں ہے اس لئے ان کے نزدیک ادراک حج کو ادراک ہدی لازم ہے (ہدایہ)

ومن احصر بمكة:۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو مکہ میں وقوف عرفہ اور طواف زیارت سے روک دیا گیا تو وہ شخص محصر کہلائے گا کیونکہ اس پر حج کا مکمل کرنا متعذر اور دشوار کر دیا گیا پس یہ ایسا ہو گیا جیسے کہ حل میں روک دیا گیا ہو۔ اب اگر یہ شخص طواف اور وقوف میں سے کسی ایک پر قادر ہو گیا تو یہ محصر نہیں ہے چنانچہ اگر صرف طواف پر قدرت حاصل ہو گئی، وقوف پر نہیں حتی کہ حج فوت ہو گیا تو یہ شخص فائت الحج ہوا اور فائت الحج طواف سے حلال ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہدی بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر وقوف عرفہ پر قدرت ہو جائے تو اس لئے محصر نہیں ہے کہ وقوف عرفہ کی وجہ سے حج کا ادراک کرنے والا ہو گیا اور فوات ہونے کا خوف نہ رہا کیونکہ طواف تو آخر عمر تک جب چاہے کر سکتا ہے (ہدایہ)

باب الفوات

(حج فوت ہونے کا بیان)

حج کے فوت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص حج کے لئے گیا اور حج کا احرام باندھا لیکن کوئی ایسا عذر لاحق ہو گیا کہ وہ شخص عرفہ کے دن زوال آفتاب سے لے کر یوم النحر (بقر عید) کی صبح تک کے عرصہ میں ایک منٹ کے لئے وقوف عرفات نہیں کر سکا تو اس صورت میں اس کا حج فوت ہو جائیگا۔ (اور جس کا حج فوت ہو جائے اس کو فائت الحج کہتے ہیں) حج کے فوت ہونے کی صورت میں چاہئے کہ افعال عمرہ یعنی طواف کعبہ اور سعی بین الصفاء والمروۃ سے فارغ ہونے کے بعد احرام کھولدے۔ اگر مفرد ہے تو ایک عمرہ کرے اور اگر قارن ہے تو دو عمرہ کرے۔ اس کے بعد حلق یا قصر کرائے اور آئندہ سال قضاء کرے۔

اس باب کو احصار سے اس لئے مؤخر کیا گیا کہ فوات احرام اور اداء دو چیزوں سے مرکب ہے اور احصار میں صرف احرام ہے جو مفرد ہے اور مفرد، مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔

فوات مفرد استعمال کیا گیا ہے اور صلوٰۃ کے بیان میں فوائت جمع کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حج عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے اس لئے فوات مفرد ذکر کیا گیا۔ اور نماز ایک سے زائد یعنی دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے اس لئے صلوٰۃ کے بیان میں فوائت جمع کا لفظ استعمال کیا گیا۔

وَمَنْ اَحْرَمَ بِالْحَجِّ فَفَاتَهُ الوقوفُ بِعَرَفَةَ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ وَعَلَيْهِ اَنْ يَّطُوْفَ وَيَسْعىٰ وَيَتَحَلَّلَ وَيَقْضِي الْحَجَّ من قابلٍ ولا دَمَ عَلَيْهِ وَالْعُمْرَةُ لا تفوتُ وَهِيَ جَائِزَةٌ فِي جَمِيْعِ السَّنَةِ اِلَّا خَمْسَةَ اَيَّامٍ يُكْرَهُ فِعْلُهَا فِيْهَا يَوْمُ عرفةَ وَيَوْمُ النَّحْرِ وَاَيَّامُ التَّشْرِيْقِ وَالْعُمْرَةُ سُنَّةٌ وَهِيَ الْاِحْرَامُ وَالطَّوَافُ وَالسَّعْيُ.

ترجمہ:۔ اور جس شخص نے حج کا احرام باندھا پس اس سے وقوف عرفہ فوت ہو گیا یہاں تک کہ یوم النحر کی فجر طلوع ہو گئی تو اس کا حج فوت ہو گیا۔ اور اس پر واجب ہے کہ طواف وسعی کرے اور حلال ہو جائے اور آئندہ سال حج کی قضا کرے اور اس پر دم لازم نہیں ہے اور عمرہ فوت نہیں ہوتا اور یہ پورے سال جائز ہے سوائے پانچ دن کے کہ ان دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ ہے (اور وہ دن یہ ہیں) عرفہ کا دن نحر کا دن اور ایام التشریق۔ اور عمرہ سنت ہے اور یہ احرام، طواف وسعی ہے۔

خلاصہ۔ ایک شخص نے احرام باندھا اور اس سے وقوف عرفہ فوت ہو گیا یہاں تک کہ یوم نحر کی فجر طلوع ہو گئی تو اس کا حج فوت ہو گیا اس لئے اس پر واجب ہے کہ افعال عمرہ یعنی طواف کعبہ اور سعی بین الصفاء والمروۃ ادا کر کے احرام سے حلال ہو جائے اور آئندہ سال حج کی قضاء کرے اور اس پر بطور کفارہ کے دم واجب نہ ہو گا اور عمرہ چونکہ غیر مؤقت ہے اس لئے وہ فوت نہ ہو گا بلکہ پورے سال عمرہ کرنا جائز ہے۔ (البتہ رمضان میں ادا کرنا افضل ہے) اور پانچ ایام میں مکروہ ہے وہ پانچ ایام یہ ہیں۔ یوم عرفہ، یوم نحر اور تین ایام تشریق (امام شافعیؒ کے نزدیک ان پانچ ایام میں بھی مکروہ نہیں ہے) اور عمرہ ہمارے نزدیک سنت ہے (اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے) اور عمرہ احرام اور طواف وسعی کا نام ہے۔

تشریح۔ حضور علیہ السلام کے عمرہ کی کل تعداد چار ہے جو بعد الہجرۃ اور ماہ ذیقعدہ میں ادا کئے گئے۔ (۱) عمرہ حدیبیہ ۶ھ (۲) عمرۂ قضاء ۷ھ (۳) حجۃ الوداع کے موقعہ پر ۱۰ھ (۴) عمرہ جعرانہ۔

باب الهدی

(ہدی کا بیان)

ہدی:۔ وہ جانور ہے جو تقرب خداوندی کے حصول اور اس کی رضاجوئی کے لئے حرم محترم میں بھیجا جائے۔ ہدی کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) ادنیٰ جانور اور وہ ایک سال کی بکری، بھیڑ یا چھ ماہ کا موٹا فربہ دنبہ ہے۔ (۲) اوسط۔ وہ دو سال کی گائے یا بیل یا بھینس ہے۔ (۳) اعلیٰ۔ پانچ برس کا اونٹ ہے۔ اس باب کو قران، تمتع، احصار، جزاء صید اور جنایات وغیرہ کے بعد اس لئے بیان کیا گیا کہ یہ سب امور ہدی کے اسباب میں سے ہیں گویا ہدی مسبب ہے اور سبب مقدم اور مسبب مؤخر ہوا کرتا ہے اس لئے باب الہدی کو سب سے اخیر میں بیان کیا گیا۔

اَلْهَدْیُ اَدْنَاهُ شَاةٌ وَهُوَ مِنْ ثَلٰثَةِ اَنْوَاعٍ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرَةِ وَالْغَنَمِ يُجْزِیءُ فِی ذٰلِكَ كُلِّهٖ الثَّنِیُّ فَصَاعِداً اِلَّا مِنَ الضَّاْنِ فَاِنَّ الْجَذَعَ مِنْهُ يُجْزِیُٔ فِيْهِ وَلَا يَجُوْزُ فِی الْهَدْیِ مَقْطُوْعُ الْاُذُنِ وَلَا اَكْثَرِهَا وَلَا مَقْطُوْعُ الذَنَبِ وَلَا مَقْطُوْعُ الْيَدِ وَلَا الرِّجْلِ وَلَا ذَاهِبَةُ الْعَيْنِ وَلَا الْعَجْمَاءُ وَلَا الْعَرْجَاءُ الَّتِیْ لَا تَمْشِیْ اِلَی الْمَنْسَكِ وَالشَّاةُ جَائِزَةٌ فِیْ كُلِّ شَیْءٍ اِلَّا فِیْ مَوْضَعَيْنِ مَنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ جُنُباً وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ فَاِنَّهٗ لَا يَجُوْزُ فِيْهِمَا اِلَّا بُدْنَةٌ.

ترجمہ:۔ ادنیٰ درجہ کی ہدی بکری ہے۔ اور ہدی کی تین اقسام ہیں۔ اونٹ، گائے اور بکری۔ ان تمام اقسام میں ثنی یا اس سے زائد عمر کا کافی ہو جاتا ہے البتہ دنبہ کہ اس کا جذع بھی کافی ہے اور ہدی میں پورے یا اکثر کان کٹا ہوا جائز نہیں ہے اور نہ دم کٹا ہوا، نہ ہاتھ کٹا ہوا، نہ پیر کٹا ہوا جائز ہے، اور نہ آنکھ پھوٹا ہوا، نہ انتہائی کمزور اور نہ ایسا لنگڑا جو مذبح تک نہ جا سکے۔ اور بکری ہر چیز میں جائز ہے مگر دو مقام میں (ایک یہ کہ) جس شخص نے حالت جنابت میں طواف زیارت کیا (دوسرا یہ کہ) جس شخص نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو ان دونوں میں جائز نہیں ہے مگر بدنہ۔

حل لغات:۔ ھدی، اس میں دو لغت ہے بکسر الدال و تشدید الیاء۔ بسکون الدال و تخفیف الیاء۔ دونوں لغت فصیح ہے، قربانی کا جانور۔ ثنی ایسا اونٹ جو پانچ سال پورا کر کے چھٹے سال میں لگ گیا ہو، وہ گائے جس کے دو سال مکمل ہو کر تیسرے سال لگ گئے ہوں، وہ بکری جو ایک سال پوری کر کے دوسرے سال میں لگ گئی ہو۔ الضان دنبہ۔ الجذع ایسا دنبہ جو چھ ماہ کا ہو۔ العَجفَاء دُبلا۔ العرجاء لنگڑا۔ المنسک قربانی کی جگہ۔ مذبح۔

خلاصہ:۔ ہدی کا کم از کم درجہ بکری ہے اور ہدی کی تین قسمیں ہیں۔ اس سلسلے میں تفصیل باب کے آغاز میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان تمام اقسام میں ثنی یا اس سے زائد عمر کے جانور کی قربانی کافی ہے البتہ اگر دنبہ چھ ماہ کا ہو، موٹا اور فربہ ہو تو اس کی قربانی درست ہے اور ہدی میں عیب دار جانور کی قربانی درست نہیں ہے تفصیل ترجمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ حج میں ہر جنایت میں بکری کافی ہے البتہ دو جنایت ایسے ہیں کہ ان میں بکری کی قربانی کافی نہیں بلکہ بدنہ کی قربانی ضروری ہے۔ (۱) وہ شخص جس نے بحالت جنابت طواف زیارت کیا (۲) وہ شخص جس نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا۔ ان دونوں جنایت میں اعلیٰ درجہ کا دم واجب ہے اور وہ اونٹ یا گائے ہے تاکہ محرم کو عظیم جنایت کی پاداش میں عظیم سزا مل سکے۔

والبدنَةُ وَالبقَرَةُ يُجزِئُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنهُمَا عَن سبعة اَنفُسٍ اِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشُّرَكَاءِ يُرِيدُ القُربَةَ فَاِذَا اَرَادَ اَحدُهُم بنَصِيبِهِ اللَّحمَ لَم يَجُز لِلبَاقِينَ عَنِ القُربَةِ وَيَجُوزُ الاَكلُ مِن هَدىِ التَّطَوُّعِ وَالمُتعَةِ وَالقِرَانِ وَلَا يَجُوزُ مِن بَقِيَّةِ الهَدَايَا وَلَا يَجُوزُ ذَبحُ هَدىِ التَّطَوُّعِ وَالمُتعَةِ وَالقِرَانِ اِلَّا فِي يَومِ النَّحرِ وَيَجُوزُ ذَبحُ بَقِيَّةِ الهَدَايَا فِي اَىِّ وَقتٍ شَاءَ وَلا يجوز ذَبحُ الهَدَايَا اِلَّا فِي الحَرَمِ وَيَجُوزُ ان يَّتَصَدَّقَ بِهَا عَلىٰ مَسَاكِينِ الحَرَمِ وَغَيرِهِم وَلَايَجِبُ التَّعرِيفُ بِالهَدَايَا۔

ترجمہ:۔ اور بدنہ اور گائے دونوں میں سے ہر ایک سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے، جبکہ شرکاء میں سے ہر ایک قربت کا ارادہ کرے اور جب ان میں سے کسی ایک نے اپنے حصے سے گوشت کھانے کا ارادہ کر لیا تو باقی افراد کی قربانی نیت قربت کے باوجود جائز نہیں ہو گی۔ اور نفلی ہدی، تمتع اور قران کی قربانی سے کھانا جائز ہے۔ اور بقیہ ہدیوں سے جائز نہیں ہے۔ اور نفلی ہدی، تمتع اور قران کی ہدی کا یوم النحر کے علاوہ کسی اور دن ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ بقیہ انواع کی ہدیوں کا ذبح کرنا جائز ہے کسی وقت بھی چاہے اور جائز نہیں ہے ہدیوں کا ذبح کرنا مگر حرم میں۔ اور اس کا صدقہ کرنا حرم اور غیر حرم

کے مساکین پر جائز ہے اور ہدایا میں تعریف ضروری نہیں ہے۔

حل لغات:۔ انفس نفس کی جمع ہے۔ القربة نیک کام۔ نصیب: حصہ۔ الهدایا اس کا واحد هدی ہے۔ التعریف ہدی کے جانور کو عرفات میں لے جانا۔

تشریح:۔ والبدنة الخ:۔ جن پر بکری واجب ہے اگر اس طرح کے سات آدمی ایک اونٹ یا ایک گائے میں شریک ہو کر ادا کریں اور قربت کی نیت ہو تو یہ سب کی طرف سے ادا ہو جائیگا اگر چہ نوع قربت مختلف ہو امام زفرؒ کے نزدیک اتفاق قربت لازمی ہے اور اس گوشت میں کوئی محرم بھی اپنے حصہ میں سے بھی کھانے کا ارادہ نہ کرے ورنہ نیت قربت کے باوجود کسی کے لئے بھی یہ قربانی جائز نہیں ہوگی، قربانی از سر نو کرنی پڑے گی۔

ویجوز الاکل:۔ نفلی ہدی، تمتع اور ہدی قران کا گوشت کھانا جائز بلکہ مستحب ہے البتہ اس کے علاوہ کسی اور ہدی کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے ورنہ استعمال کی صورت میں قیمت کی ادائیگی ضروری ہے۔ اور نفلی ہدی تمتع اور ہدی قران کے ذبح کے لئے یوم النحر (۱۰/۱۱/۱۲/) مخصوص ہے البتہ اس کے علاوہ مثلاً دم جنایت، دم نذر، دم احصار کے لئے (امام صاحب کے نزدیک) یوم نحر مخصوص نہیں ہے بلکہ جس وقت چاہیں ذبح کر سکتے ہیں لیکن جگہ کے اعتبار سے حرم کی تخصیص ہے یعنی حرم کے علاوہ کسی اور مقام پر ہدی کی قربانی جائز نہیں ہے۔

ویجوز ان یتصدق الخ:۔ ہدی کے گوشت حرم اور غیر حرم کے فقراء پر صدقہ کر سکتے ہیں لیکن حرم کے فقراء پر صدقہ کرنا افضل ہے امام شافعیؒ کے نزدیک غیر حرم کے فقراء پر صدقہ کرنا جائز نہیں ہے۔

ولا یجب التعریف الخ:۔ تعریف کے دو معنی ہیں (۱) حاجی کا جانور کو عرفات میں ساتھ لیجانا۔ (۲) جانور کی گردن میں قلادہ وغیرہ ڈال دینا تاکہ معلوم ہو کہ یہ ہدی ہے یہ ضروری نہیں ہے البتہ تعریف کرنا بہتر ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کو حل سے لے گیا ہے تو تعریف واجب ہے۔

وَالْاَفْضَلُ بِالْبُدُنِ النَّحْرُ وَفِی الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ وَالْاَوْلٰی ان یَّتَوَلَّی الْاِنْسَانُ ذَبْحَهَا بِنَفْسِهٖ اِذَا کَانَ یَحْسُنُ ذٰلِكَ وَیَتَصَدَّقُ بِجِلَالِهَا وَخِطَامِهَا وَلَا یُعْطِی اُجْرَةَ الْجَزَّارِ مِنْهَا وَمَنْ سَاقَ بَدَنَةً فَاضْطَرَّ اِلٰی رُکُوْبِهَا رَکِبَهَا وَاِنِ اسْتَغْنٰی عَنْ ذٰلِكَ لَمْ یَرْکَبْهَا وَاِنْ کَانَ لَهَا لَبَنٌ لَمْ یَحْلِبْهَا وَلٰکِنْ یَّنْضِحُ ضَرْعَهَا بِالْمَاءِ الْبَارِدِ حَتّٰی یَنْقَطِعَ اللَّبَنُ۔

ترجمہ:۔ اور اونٹوں میں نحر افضل ہے اور گائے اور بکری میں ذبح (افضل ہے) اور بہتر ہے کہ آدمی اپنی قربانی کو خود ذبح کرے بشرطیکہ اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو۔ اور اس کی جھولیں اور نکیلوں کو خیرات کر دے اور قصاب کو اس سے اجرت نہ دے۔ اور جو شخص ہدی کو ساتھ لے جائے اور وہ اس کی سواری کرنے پر مجبور ہو گیا ہو تو یہ اس پر سوار ہو جائے۔ اور اگر اس سے بے نیاز ہو تو اس پر سوار نہ ہو اور اگر ہدی کے دودھ ہے تو نہ نکالے البتہ اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑک دے تاکہ دودھ بند ہو جائے۔

حل لغات:۔ البدن یہ بدنة کی جمع ہے۔ جلال۔ یہ جل کی جمع ہے جھول۔ خطام نکیل، رسی۔ جزّار قصائی۔ لبن دودھ۔ یحلب (ض) دودھ دہنا، نکالنا۔ ینضج (ض) چھڑکنا۔ ضرع تھن۔

تشریح۔ عبارت کا مفہوم واضح ہے مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

وَمَنْ سَاقَ هَدْياً فَعطِبَ فَإِنْ كَانَ تَطَوُّعاً فَلَيْسَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ وَإِنْ كَانَ عَنْ وَاجِبٍ فَعَلَيْهِ اَنْ يُقِيمَ غَيْرَهُ مَقَامَهُ وَإِنْ اَصَابَهُ عَيْبٌ كَثِيرٌ اَقَامَ غَيْرَهُ مَقَامَهُ وَصَنَعَ بِالْمَعِيْبِ مَا شَاءَ وَإِذَا عَطِبَتِ الْبُدْنَةُ فِي الطَّرِيْقِ فَإِنْ كَانَ تَطَوُّعاً نَحَرَهَا وَصَبَغَ نَعْلَهَا بِدَمِهَا وَضَرَبَ بِهَا صَفْحَتَهَا وَلَمْ يَاكُلْ مِنْهَا هُوَ وَلاَ غَيْرُهُ مِنَ الأَغْنِيَاءِ وَإِنْ كَانَتْ وَاجِبَةً اَقَامَ غَيْرَهَا مَقَامَهَا وَصَنَعَ بِهَا مَا شَاءَ وَيُقَلِّدُ هَدَى التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ وَلاَ يُقَلِّدُ دَمَ الاِحْصَارِ وَلاَ دَمَ الْجِنَايَاتِ.

ترجمہ۔ اور جو شخص ہدی ساتھ لیجائے اور وہ ہلاک ہو جائے پس اگر یہ ہدی نفلی تھی تو اس پر دوسری واجب نہیں ہے اور اگر کسی واجب میں سے تھی تو اس پر واجب ہے کہ دوسری ہدی اس کا قائم مقام کرے (اس کا بدل واجب ہے) اور اگر ہدی کو زیادہ عیب پہونچ جائے (زیادہ عیب دار ہو جائے) تو دوسری ہدی اس کے قائم مقام کر دے اور عیب دار کا جو چاہے کرے اور اگر اونٹ راستہ میں ہلاکت کے قریب ہو جائے تو اس کو نحر کر دے اور اس کے نعل اس کے خون سے رنگ دے اور اس کی کوہان پر نشان لگادے اور اس کا گوشت نہ تو خود کھائے اور نہ کوئی دوسرا مالدار، اور اگر واجب کی قسم میں سے ہے تو دوسری ہدی اس کے قائم مقام کر دے اور اس کا (پہلے اونٹ کا) جو چاہے کرے اور نفلی ہدی، ہدی تمتع اور قران کی ہدی کو قلادہ ڈالا جائے اور دم احصار اور دم جنایات کی ہدی میں قلادہ نہ ڈالا جائے۔

حل لغات:۔ عَطِبَ (س) عَطَباً ہلاک ہونا۔ المَعِیب صفت مفعول۔ عیب دار۔ صَبَغ (ن، ض، ف) رنگنا۔ نعل قلادہ کے معنیٰ میں ہے نہ کہ کھر کے معنیٰ میں۔ ضرب بھا، نشان لگانا۔ صفحة۔ کوہان۔

تشریح۔ اس عبارت میں چار مسئلے بیان کئے گئے ہیں جن کی تشریح نمبروار کی جائیگی۔

مسئلہ (۱)۔ ومن ساق هدياً الخ۔ ایک شخص ہدی کا جانور لے کر جا رہا تھا راستہ میں وہ جانور ہلاکت کے قریب ہو گیا تو اس مسئلہ کی دو صورت ہے اگر یہ ہدی نفلی تھی تو اس شخص پر دوسری ہدی خرید کر ذبح کرنا واجب نہیں اور اگر وہ ہدی واجب کے قسم میں سے تھی تو اس کی جگہ دوسری ہدی یعنی اس کا بدل خرید کر ذبح کرنا واجب ہے۔

مسئلہ (۲)۔ وان اصابه عيب الخ۔ اگر جانور کے اندر غیر معمولی عیب پیدا ہو گیا تو اس کی جگہ دوسری ہدی خرید کر ذبح کرے اور اس عیب دار کے متعلق مالک کو اختیار ہے جس مصرف میں چاہے استعمال کرے۔

مسئلہ (۳)۔ واذا عطبت البدنة الخ۔ ایک شخص اونٹ لے جا رہا تھا، راستہ میں وہ اونٹ ہلاکت کے قریب ہو گیا تو اس مسئلہ کی دو صورت ہے اگر یہ اونٹ نفلی ہے تو اس کو نحر کر دے اور اس کے خون سے اس کے نعل اور کوہان کو

رنگ دے اور اس کا گوشت نہ تو خود استعمال کرے اور نہ دوسرے مالدار لوگ۔ اور اگر یہ واجب کی قسم میں سے تھا تو اس کی جگہ دوسرا اونٹ خرید کر ذبح کرے۔ اور قریب الہلاک ذبح شدہ اونٹ کا جو چاہے کرے۔

مسئلہ (۴):۔ **ویقلد هدی التطوع الخ:۔** اگر ہدی نفلی یا تمتع یا قران کا ہو تو اس کے گلے میں قلادہ وغیرہ ڈالدینا چاہئے۔ اور اگر ہدی دم احصار یا دم جنایات کی ہو تو اس کے گلے میں قلادہ ڈالنا یا ان کی تشہیر کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دم، جنایات کے نتیجہ میں لازم ہوتے ہیں اور جنایات کی تشہیر معیوب ہے اور امر معیوب کی پوشیدگی تشہیر کے مقابل میں بہتر ہے اس لئے دم احصار اور دم جنایات کی تشہیر جائز نہیں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

باری تعالیٰ کا بہت احسان و کرم ہے کہ اس نے آج مورخہ ۱۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ بعد نماز مغرب شب سہ شنبہ کو جلد اول مکمل کرادی، اور اسی کی ذات سے پر امید ہوں کہ انتہائی پر سکون ماحول میں اس کی جلد ثانی بھی پوری فرمائے اور اس سعی کو قبولیت عطا فرمائے اور دارین کے لئے نافع بنائے آمین یا رب العلمین.

عبد العلی قاسمی اجملی

۱۳/ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ

مطابق ۲۶/ جولائی ۱۹۹۹ء
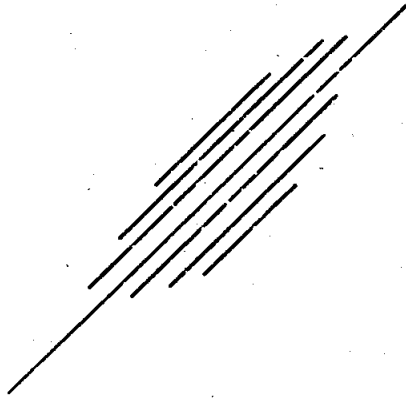
بعض ضروری طول اور وزان کے فقہی اور عصری پیمانے

طول کے پیمانے

(۱)	ایک گز	۹۱ء۴۴ سینٹی میٹر
(۲)	ایک فرلانگ	(۲۲۰ گز) ۲۰۱ء۱۷ میٹر
(۳)	ایک میل انگریزی	(۱۷۶۰ گز) ۱۶۰۹ء۳۴۴ میٹر
(۴)	ایک میل شرعی	(۲۰۰۰ گز) ۲۱۴۵ء۷۹۲۰ میٹر
(۵)	ایک کوس	۲/۳،۲۳۴۶ گز) ۲۱۴۵ء۷۹۲۰ میٹر
(۶)	از تالیس میل	(۳۶ کوس) ۲۴۸۳۶ء ۷۷ کلومیٹر یعنی سوا ستہتر کلومیٹر
(۷)	دہ در دہ حوض	۱۵ فٹ لمبا / ۱۵ فٹ چوڑا
(۸)	ایک ذراع	۱½ فٹ
(۹)	ایک میٹر	۱۰۰ سینٹی میٹر
(۱۰)	ایک کلو میٹر	۱۰۰۰ میٹر

اوزانِ فقہی و عصری

(۱)	ایک گرام		۱۰۰۰ ملی گرام
(۲)	ایک کلوگرام		۱۰۰۰ گرام
(۳)	ایک مثقال (دینار)		۴ء۸۶ گرام
(۴)	ایک درہم		۳ گرام ۶۲ ملی گرام اور بعض نے ۳ گرام ۴۰۲ ملی گرام بیان کیا ہے
(۵)	رِطل		۳۹۸ گرام ۳۴ ملی گرام
(۶)	مُد		۷۹۶ گرام ۶۸ ملی گرام
(۷)	اوقیہ		(۱۰½ تولہ) ۱۲۲ گرام ۴۷۲ ملی گرام
(۸)	صاع	بحساب درہم	(۲۷۰ تولہ) ۳ کلو ۱۴۹ گرام ۲۸۰ ملی گرام
		مثقال	(۲۷۳ تولہ) ۳ کلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام
(۹)	وسق	بحساب درہم	(پانچ من ڈھائی سیر) ۱۸۸ کلو ۹۵۶ گرام ۸۰۰ ملی گرام
		مثقال	(۵ من پونے پانچ سیر) ۱۹۱ کلو ۰۵۶ گرام ۳۲۰ ملی گرام

شمار	ہندی اوزان	میٹرک وزن
۱	ایک رتی	۱۲۱ء۵۰ ملی گرام
۲	ایک ماشہ (۸ رتی)	۹۷۲ ملی گرام
۳	ایک تولہ (۱۲ ماشہ)	۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام
۴	ایک چھٹانک (۵ تولہ)	۵۸ گرام ۳۲۰ ملی گرام
۵	ایک سیر (۸۰ تولہ)	۹۳۳ گرام ۱۲۰ ملی گرام
۶	ایک من (۴۰ سیر)	۳۷ کلو ۳۲۴ گرام ۸۰۰ ملی گرام

التکمیل الضروری

شرح اُردو

مختصر القدوری

دوم

شارح

حضرت مولانا عبد العلی صاحب قاسمی

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ــــــ تکمیل الضروری شرح مختصر القدوری

نام شارح ــــــ مولانا عبدالعلی صاحب قاسمی

مطبع ــــــ افضل شریف پرنٹرز

ناشر ــــــ مکتبہ رحمانیہ

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

کِتَابُ البُیُوع

(خرید وفروخت کا بیان)

اسلامی نقطۂ نظر سے انسان کی عملی زندگی کے دو محور ہیں، ایک حقوق اللہ جس کو عبادت کہتے ہیں۔ دوسرے حقوق العباد جس کو معاملات کہتے ہیں۔ انہی دونوں محور پر انسانی نظامِ حیات کے جملہ اصول وقواعد کی اساس ہیں۔ ان دونوں میں حقوق اللہ کو عمومیت حاصل ہے کہ جس کا تعلق ہر فرد بشر سے ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کیا گیا۔ اوراب یہاں سے ان چیزوں کو بیان کررہے ہیں جن کا تعلق خالص معاملات سے ہے یعنی بیع اور شفعہ وغیرہ اور نکاح جو کہ من وجہ عبادت اور من وجہ معاملہ ہے اس کو آخر میں بیان کیا گیا البتہ صاحب ہدایہ نے نکاح کو عبادت سمجھتے ہوئے بیع پر مقدم کیا ہے۔ بیوع: بیع کی جمع ہے۔ یہ مصدر ہے جس کی تثنیہ وجمع نہیں آتی ہے، البتہ یہاں صیغۂ جمع کا استعمال دو وجہ سے کیا گیا ہے (۱) ''بیع'' مبیع اسم مفعول کے معنی میں ہے اور مبیع کی متعدد اقسام ہیں (۲) بیع کی متعدد اقسام ہیں، گویا مبیع یا بیع کی تعدد اقسام صیغۂ جمع کے استعمال کا سبب ہے۔

لفظ بیع اضداد میں سے ہے یعنی خرید وفروخت دونوں کے لئے مستعمل ہے، اسی طرح لفظ شراء واشتراء بھی اضداد میں سے ہیں۔ بیع کا لغوی معنی مبادلة الشئ بالشئ ہے خواہ وہ مال ہو یا نہ ہو۔ شریعت کی اصطلاح میں "مبادلة المال بالمال بالتراضی بطریق التجارة" کو کہتے ہیں یعنی آپس کی رضامندی سے تجارت کے طریقہ پر مال کو مال کے بدلہ لینا۔ اس تعریف میں بالتراضی کی قید سے بیع مکرہ خارج ہوگئی اس لئے بیع نافذ کو بیان کرنا مقصود ہے اور بطریق التجارة کی قید سے ہبہ بشرط العوض خارج ہوگیا کیونکہ ہبہ بشرط العوض میں بھی مبادلۃ المال بالمال ہے مگر بطریق التجارۃ نہیں ہے، مبادلۃ سے تملیک مراد ہے۔

مال کی تعریف میں فقہاء کی عبارتیں مختلف ہیں صاحب بدائع علامہ کاسانی نے سب سے عمدہ تعریف کی ہے ''ہر وہ چیز جس سے انتفاع حقیقۃً کیا جاتا ہو اور انتفاع کرنا جائز ہو۔ مزید تفصیلی بحث کے لئے مجلہ فقہ اسلامی، تیسرا فقہی سیمنار ملاحظہ فرمائیں۔ بیع کی بنیاد تین چیزوں پر ہے (۱) عقد بیع، یعنی نفس معاملہ کہ ایک شخص کا فروخت کرنا اور دوسرے کا خریدنا (۲) مبیع، یعنی جو چیز فروخت کی جارہی ہے خواہ وہ چیز معنوی ہی کیوں نہ ہو مثلاً برقی قوت، ہوا، گیس اور انسانی آواز وغیرہ (۳) ثمن، یعنی قیمت۔ ان تینوں اعتبار سے فقہی طور پر بیع کی اقسام بیان کی جاتی ہیں۔

عقد بیع کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں (۱) نافذ (۲) موقوف (۳) فاسد (۴) باطل۔ ان چاروں کی تفصیل آئندہ عبارت میں ملاحظہ فرمائیں۔ بیع کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں (۱) مقایضہ (بیع العین بالعین) یعنی مبیع اور ثمن دونوں مال ہوں مثلاً کپڑا کی بیع کسی دوسری شئی کے عوض جس کو عرفِ عام میں تبادلۂ مال کہتے ہیں (۲) بیع صرف (بیع الدین بالدین) یعنی نقد کا تبادلہ نقد سے کیا جائے مثلاً روپیہ کا نوٹ دے کر ریزگاری لینا (۳) بیع سلم (بیع الدین بالعین) یعنی بائع

کا مشتری سے قیمت کا پیشگی لینا اور مشتری کو سامان ایک مدت متعینہ کے بعد دینے کا وعدہ کرنا (۴) بیع مطلق (بیع العین بالدین) یعنی کسی چیز کی بیع نقد کے عوض کی جائے مثلاً بائع ایک مَن گیہوں دے اور مشتری اس کی قیمت کے طور پر تیس روپیہ ادا کرے، عام طور پر یہی قسم رائج ہے۔ ثمن کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں: (۱) مرابحہ۔ نفع کے ساتھ فروخت کرنا (۲) تولیت۔ بلا نفع کے فروخت کرنا (۳) وضعیہ۔ اصل قیمت سے کم کے عوض فروخت کرنا (۴) مساومت۔ اس قیمت کے عوض فروخت کرنا جس پر عاقدین اتفاق کرلیں۔

اَلْبَیْعُ یَنْعَقِدُ بِالْاِیْجَابِ وَ الْقُبُوْلِ اِذَا کَانَا بِلَفْظِ الْمَاضِیْ وَ اِذَا اَوْجَبَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَیْنِ فَالْاٰخَرُ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ قَبِلَ فِی الْمَجْلِسِ وَ اِنْ شَاءَ رَدَّ۔

ترجمہ: بیع ایجاب اور قبول سے منعقد (متحقق) ہو جاتی ہے بشرطیکہ دونوں کلمات (ایجاب وقبول) ماضی کے لفظ سے ہوں اور جب متعاقدین (بائع و مشتری) میں سے ایک نے بیع کا ایجاب کیا تو دوسرے کو اختیار ہے اگر چاہے تو اسی مجلس میں قبول کرے اور اگر چاہے تو رد (انکار) کردے۔

خلاصہ: بیع کا تحقق ایجاب وقبول سے ہوتا ہے (گویا دونوں بیع کے رکن ہیں) بشرطیکہ بائع و مشتری دونوں نے صیغۂ ماضی استعمال کیا ہو مثلاً ایک نے بِعْتُ کہا یعنی میں نے فروخت کیا تو دوسرے نے اِشْتَرَیْتُ کہا یعنی میں نے خرید لیا، تو بیع کا انعقاد ہو جائے گا۔ اور اگر عاقدین میں سے کسی ایک نے بیع کا ایجاب کیا مثلاً بائع نے کہا بعتُکَ ھذا بکذا یعنی میں نے یہ سامان تم سے اتنے ثمن کے بدلہ فروخت کیا تو دوسرے یعنی مشتری کو احناف کے نزدیک مجلس کے اندر (اختتام تک) قبول اور انکار کرنے کا اختیار ہے (امام شافعی کے نزدیک اختیار فی الفور ہے) اس اختیار کو اصطلاح فقہاء میں خیار قبول کہتے ہیں۔ (ہدایہ)

تشریح: ینعقد: انعقاد بیع کا مفہوم یہ ہے کہ عاقدین میں سے ایک کے کلام کا انضمام دوسرے کے کلام کے ساتھ شرعاً اس انداز سے ہو کہ اس کا اثر محل عقد یعنی مبیع میں ظاہر ہو یعنی مبیع بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری کی ملکیت میں آجائے، اور بائع کو قیمت اور مشتری کو مبیع پر حق تصرف حاصل ہو۔ عاقدین سے اولاً صادر ہونے والے کلام کو ایجاب اور ثانیاً صادر ہونے والے کلام کو قبول کہتے ہیں۔

اذا کانا بلفظ الماضی: عبارت بتاتی ہے کہ ایجاب وقبول کے لئے صیغۂ ماضی استعمال کیا جائے اور یہی اصل ہے جیسے "بعتُ" میں نے فروخت کیا۔ "اشتریتُ" میں نے خرید لیا۔ اگر دونوں کلمات ماضی کے ہم معنی حال استعمال ہوں جیسے ابیعکَ واشتریه۔ یا ایک ماضی اور ایک حال ہو تو بھی بیع منعقد ہو جائے گی البتہ انعقاد بیع کا انحصار کسی مخصوص لفظ پر نہیں ہے بلکہ حکم بیع کے تحقق کے لئے ثبوت ملکیت شرط ہے خواہ کسی لفظ سے ہو مثلاً بائع نے کہا بعتُ، اعطیتُ، بذلتُ، رضیتُ، جلعتُ لك ھذا بکذا، وغیرہ اور مشتری نے کہا اشتریتُ، اخترتُ، قبلتُ، اجزتُ، اخذتُ، قد فعلت وغیرہ۔ لیکن طلاق وعتاق کے لئے صرف وہ الفاظ معتبر ہیں جو ان کے واسطے صراحۃً یا کنایۃً موضوع ہوں۔

فَاَیُّهُمَا قَامَ مِنَ الْمَجْلِسِ قَبْلَ الْقُبُوْلِ بَطَلَ الْاِیْجَابُ فَاِذَا حَصَلَ الْاِیْجَابُ وَ الْقُبُوْلُ لَزِمَ الْبَیْعُ وَ لَا خِیَارَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا اِلَّا مِنْ عَیْبٍ اَوْ عَدمِ رُوْیَةٍ وَ الْاَعْوَاضُ الْمُشَارُ اِلَیْهَا لَا یَحْتَاجُ اِلٰی مَعْرِفَةِ مِقْدَارِهَا فِی جَوَازِ الْبَیْعِ.

ترجمہ: پس اس مجلس ایجاب سے بائع یا مشتری دونوں میں سے جو شخص بھی ایجاب وقبول سے پہلے اٹھ کھڑا ہوا (چلا جائے) تو ایجاب باطل ہو جائے گا اور جب ایجاب وقبول دونوں حاصل (ثابت) ہو جائیں تو بیع لازم ہو جائے گی اور اب ان دونوں میں سے کسی کو (رجوع کرنے کا) اختیار نہ ہوگا مگر عیب کی وجہ سے یا نہ دیکھنے کی وجہ سے۔ جن عوضوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا تو بیع کے جائز ہونے کے واسطے ان کی مقدار کے معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

خلاصہ: اگر متعاقدین میں سے ایک کے ایجاب کے بعد ان دونوں میں سے کوئی ایک قبول کرنے سے پہلے مجلس ایجاب سے کھڑا ہو گیا اور چلا گیا تو ایجاب باطل ہو جائے گا اور قبولیت کا اختیار ختم ہو جائے گا اور ایجاب وقبول ثابت ہو جانے سے بیع لازم ہو جاتی ہے یعنی بائع ثمن کا مالک ہو گیا اور مشتری مبیع کا مالک ہو گیا تو ان دونوں میں سے کسی کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا مگر اس صورت میں کہ مبیع میں کوئی عیب ہو یا مبیع کو بلا دیکھے خریدا ہو تو مشتری کو پہلی صورت میں خیار عیب اور دوسری صورت میں خیار رؤیت حاصل ہوگا۔ وہ اشیا جو بیع کے عوض میں دی جاتی ہیں، یہ خواہ ثمن ہوں یا مبیع اور ان کی طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہو (جو شناخت کے لئے کافی ہے) تو جواز بیع کے لئے ثمن یا مبیع کی مقدار جاننے کی ضرورت نہیں۔

تشریح: **قام من المجلس**: شیخ الاسلام خواہرزادہ اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ مطلق قیام اعراض کی دلیل نہیں ہے بلکہ ثبوت اعراض کے لئے کھڑا ہونے کے بعد اس مقام سے منتقل ہونا اور چلنا شرط ہے اگر حقیقۃً مجلس نہ بدلی ہو بلکہ صرف عمل میں تبدیلی آگئی ہو تو یہ بھی تبدیل مجلس کے حکم میں ہے اور اختلاف مجلس ہر اس عمل سے ثابت ہوتا ہے جو اعراض پر دلالت کرے جیسے اٹھ کھڑا ہونا، خورد ونوش، گفتگو شروع کر دینا، نماز میں مشغول ہونا، کتب بینی وغیرہ۔

فاذا حصل الخ: طرفین اور امام مالک کے نزدیک ثبوت بیع کے بعد عاقدین میں سے کسی کو بجز خیار عیب اور خیار رؤیت کے کسی طرح بھی فسخ بیع کا اختیار (خیار مجلس) حاصل نہیں ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک عاقدین میں سے ہر ایک کو خیار مجلس حاصل ہے یعنی ایجاب وقبول کے بعد ہر ایک کو اپنے دوست کی رضامندی کے بغیر مجلس کے اندر اندر فسخ بیع کا اختیار حاصل ہے مگر اختتام مجلس کے بعد یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

والاعواض الخ: اعواض سے مبیع اور ثمن مراد ہیں۔ ان دونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہوگا یا نہیں، اگر اشارہ کیا گیا ہے تو دونوں کی مقدار اور وصف کا معلوم ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ اشارہ شناخت کے لئے کافی ہے ایسی صورت میں بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ (**مثال**) مثلاً مشتری نے کہا کہ میں نے گندم کی یہ ڈھیری ان دراہم کے عوض خریدی جو میرے ہاتھ میں ہیں تو یہ بیع جائز ہے، جب کہ مبیع یعنی گندم کی مقدار، اسی طرح دراہم کی مقدار معلوم نہیں ہے۔ اور اگر مبیع وثمن کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا تو مبیع کی مقدار اور وصف کا، اسی طرح ثمن کے وصف کا معلوم ہونا ضروری ہے

ورنہ مبیع صحیح نہیں ہوگی کیونکہ عقد بیع میں تسلیم وتسلم یعنی دینا اور لینا واجب ہوتا ہے اور مقدار اور وصف کا معلوم نہ ہونا باعث نزاع ہے مثلاً مشتری نے کہا کہ میں نے اس چیز کو سونے کے عوض خرید لیا۔ اس مثال میں مقدار اور صفت دونوں کا بیان ہے۔

اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ جو جہالت باعث نزاع ہو وہ جواز بیع سے مانع ہے اور جو جہالت باعث نزاع نہ ہو وہ جوازِ بیع سے مانع نہیں ہے۔

وَ الْاَثْمَانُ الْمُطْلَقَةُ لَا تَصِحُّ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ مَعْرُوْفَةَ الْقَدْرِ وَ الصِّفَةِ وَ يَجُوْزُ الْبَيْعُ بِثَمَنٍ حَالٍ وَ مُؤَجَّلٍ اِذَا كَانَ الْاَجَلُ مَعْلُوْمًا وَ مَنْ اَطْلَقَ الثَّمَنَ فِي الْبَيْعِ كَانَ عَلٰى غَالِبِ نَقْدِ الْبَلَدِ فَاِنْ كَانَتِ النُّقُوْدُ مُخْتَلِفَةً فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ اِلَّا اَنْ يُبَيِّنَ اَحَدَهُمَا.

ترجمہ : اور جو ثمن مطلق ہیں (ان سے) عقد صحیح نہیں ہوگا مگر یہ کہ مقدار اور صفت معلوم ہو اور نقد ثمن کے عوض اور اُدھار ثمن کے عوض بیع جائز ہے بشرطیکہ مدت معلوم ہو اور جس نے بیع میں ثمن کو مطلق ذکر کیا تو اس شہر میں سب سے زیادہ رائج ہونے والے سکہ پر محمول ہوگا (بشرطیکہ مالیت میں باہم فرق نہ ہو) اور اگر (مالیت میں باہم فرق ہے اور) نقود مختلف ہیں تو بیع فاسد ہے البتہ اگر ان میں سے کسی ایک کو واضح کردے تو جائز ہے (یہ حکم اس وقت ہے جب کہ رواج میں سب نقود برابر ہوں)

شرائط بیع کا بیان

حل لغات : الاثمان المطلقة : ایسا ثمن جس کی طرف اشارہ نہ کیا گیا ہو۔ حال : حول سے مشتق ہے بمعنی نقد۔ اجل : مدت، میعاد۔ النقود : نقد کی جمع ہے، سکہ۔

خلاصہ : اگر ثمن کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا تو اس سے عقد کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کی مقدار اور وصف دونوں معلوم ہوں (تفصیلی گفتگو اوپر گذر چکی ہے) اور بیع نقد اور بیع اُدھار دونوں جائز ہے بشرطیکہ اُدھار کی مدت معلوم ہو (ورنہ بیع فاسد ہوگی) اور اگر شہر میں مختلف قسم کے سکے رائج اور مالیت میں سب برابر ہوں اور ایسی صورت میں ثمن کو مطلق ذکر کیا ہو یعنی مقدار کو ذکر کیا مگر صفت کو ذکر نہیں کیا تو جس شہر میں بیع ہوئی ہے وہاں جو نقد و سکہ زیادہ رائج ہے اسی کا اعتبار ہوگا، اگر شہر کے اندر مختلف نقود رائج ہوں اور ان کی مالیت بھی مختلف ہو تو اس صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی البتہ اگر ان میں سے کسی ایک سکہ کو بیان کردے تو بیع درست ہو جائے گی۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے بیان کئے گئے ہیں (۱) الاثمان المطلقة ...... الصفة. اس کی تشریح ماقبل میں گذر چکی ہے۔ (۲) ویجوز البیع ...... معلومًا اس کی نوعیت خلاصہ میں واضح کردی گئی ہے۔ (۳) ومن اطلق الثمن ...... البلد. اس کی بھی نوعیت خلاصہ میں واضح کردی گئی ہے مثال سے سمجھیں کسی شہر میں بخاری اور سمرقندی دونوں سکوں کا رواج ہے اور دونوں کی مالیت برابر ہے تو ایسی صورت میں اگر ثمن کو مطلق ذکر کیا یعنی مقدار کو بیان کیا اور صفت کو بیان نہیں کیا مثلاً مشتری نے کہا کہ میں نے یہ چیز دس درہم کی خریدی ہے مگر اس نے یہ نہیں کہا کہ وہ درہم بخاری

ہوں گے یا سمرقندی، تو اس صورت میں جس شہر میں بیع ہوئی ہے وہاں جو نقد سکہ رائج ہے اسی کا اعتبار ہوگا۔ (۴) **فان کانت ...... احدھا** اس مسئلہ کی نوعیت خلاصہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں (۱) نقود، رواج اور مالیت دونوں میں مختلف ہوں (۲) نقود، دونوں میں برابر ہوں (۳) نقود، مالیت میں مختلف ہوں اور رواج میں برابر ہوں (۴) نقود، رواج میں مختلف ہوں اور مالیت میں برابر ہوں۔ یہاں تیسری صورت کو بیان کیا گیا ہے جس میں بیع فاسد ہے کیونکہ مالیت کا اختلاف باعث نزاع ہے، بائع رائج سکہ کا طالب ہوگا اور مشتری کم مالیت کا سکہ پیش کرے گا اور باقی تین صورتوں میں بیع درست ہے۔ چوتھی صورت کا تذکرہ اس سے پہلے ہو چکا ہے اس چوتھی اور دوسری صورت میں زیادہ رائج سکہ کا اعتبار کیا گیا ہے اور پہلی صورت میں مشتری کو اختیار ہے جو سکہ چاہے دیدے۔

واضح رہے کہ ثمن اس کو کہتے ہیں جو عاقدین کے درمیان طے ہو جائے اور قیمت وہ ہے جو قیمت لگانے والے مقرر کرتے ہیں۔ اعیان (اشیاء) کی تین قسمیں ہیں (۱) نقود، یعنی درہم و دنانیر، فی زمانا نوٹ، روپیہ، پیسہ وغیرہ۔ (۲) سلعہ، مثلاً کپڑا، چوپائے، بیوت وغیرہ۔ (۳) مقدورات، مثلاً کیلی اشیاء، وزنی اشیاء، معدوداتِ متقاربہ اشیاء۔ اگر غیر نقدین کی بیع نقدین کے عوض ہو تو یہ بیع مبیع محض اور ثمن محض پر مشتمل ہوگی یعنی اس میں نقدین کا ثمن ہونا اور غیر نقدین کا مبیع ہونا متعین ہے، بیع مطلق کا اعتبار اسی صورت میں ہوگا اور جو عقد اس صورت کے علاوہ ہو تو اس میں لفظوں میں دخولِ باء اور عدم دخولِ باء کے ذریعہ امتیاز پیدا کرتے ہوئے ہر ایک عوض ثمن بھی ہو سکتا ہے اور مبیع بھی، بایں طور کہ جس عوض پر باء داخل ہے وہ ثمن محض ہے اور جس پر باء داخل نہیں ہے وہ مبیع ہے۔

وَ يَجُوْزُ بَيْعُ الطَّعَامِ وَ الْحُبُوْبِ كُلِّهَا مُكَايِلَةً وَ مُجَازَفَةً وَ بِاِنَاءٍ بِعَيْنِهٖ لَا يُعْرَفُ مِقْدَارُهٗ اَوْ بِوَزْنِ حَجَرٍ بِعَيْنِهٖ لَا يُعْرَفُ مِقْدَارُهٗ.

ترجمہ: گندم اور اناج کی تمام اقسام کا پیمانہ سے ناپ کر اور اندازے سے بیچنا جائز ہے اور ایسے معین برتن سے اور معین پتھر سے بھی وزن کر کے جن کی مقدار معلوم نہ ہو۔

حل لغات: **الطعام**: گندم اور اس کا آٹا مراد ہے۔ **حبوب**: یہ حب کی جمع ہے، گیہوں کے علاوہ دوسرے اناج مراد ہیں مثلاً دال، چنا، مکئی، باجرہ وغیرہ۔ **مکایلۃ**: کیل کر کے۔ **مجازفۃ**: اندازہ سے بغیر کیل اور وزن کے فروخت کرنا۔

خلاصہ: گندم اور دوسرے اناج کو پیمانہ سے ناپ کر بیچنا جائز ہے اور انکل سے بیچنا بھی جائز ہے مگر جب کہ یہ بیع خلاف جنس میں ہو مثلاً گندم کی چاول کے ساتھ، چاول کی چنے کے ساتھ وغیرہ، ایک معین برتن جس کی مقدار معلوم نہیں یعنی یہ معلوم نہیں کہ اس میں کتنا غلہ آتا ہے، اسی طرح ایک متعین پتھر جس کی مقدار معلوم نہیں یعنی یہ معلوم نہیں کہ اس پتھر کا وزن کتنا ہے تو شرعاً ان دونوں کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے۔

تشریح: یہاں تک ثمن کی تفصیلات بیان کی گئی تھیں اور اب یہاں سے مبیع کی تفصیلات کو بیان کر رہے ہیں،

اس متن میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں: مسئلہ (۱) ویجوز بیع الطعام ..... مجازفۃ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مبیع کی فروختگی بذریعہ کیل ہوئی یا اندازہ سے، پہلی صورت میں بیع ہم جنس کے عوض اور خلاف جنس کے عوض دونوں طرح درست ہے البتہ ہم جنس کی صورت میں سواء بسواء اور یداً بید کی شرط ہے اگر ایسا نہیں ہے تو ربو ہو جائے گا اور خلاف جنس میں کمی وبیشی کی صورت میں جائز ہے۔ اور اگر مبیع کی فروختگی اندازے سے ہوئی ہے تو خلاف جنس کے عوض اندازہ سے بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے مثلاً گندم کو جو کے عوض فروخت کیا ہو البتہ ہم جنس کے عوض فروختگی احتمال ربو کی وجہ سے جائز نہیں ہے اور جس طرح ربو ممنوع ہے اسی طرح احتمال ربو بھی ممنوع ہے۔

مسئلہ (۲) و باناء الخ: اس مسئلہ کی نوعیت خلاصہ میں واضح کردی گئی ہے مثال سے مزید واضح ہو جائے گی۔
مثال۔ ایک شخص نے کہا کہ ایک روپیہ میں دس بالٹی بھر گندم دوں گا یا ایک پتھر اٹھا کر کہا کہ ایک روپیہ میں اس کے وزن کے برابر گیہوں دوں گا تو یہ بیع جائز ہے، اور مقدار اور وزن کا معلوم نہ ہونا سبب نزاع نہیں ہوگا البتہ شرط یہ ہے کہ وہ برتن لوہے کا ہو یا لکڑی کا یا کسی ایسی چیز کا بنا ہوا کہ اس میں گھٹنے، بڑھنے کا احتمال نہ ہو۔ اسی طرح پتھر میں ٹوٹنے، پھوٹنے کا احتمال نہ ہو اگر احتمال ہے تو مبیع درست نہ ہوگی، نیز بیع سلم کا رأس المال نہ ہو کیونکہ اس کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ شیخین کی ایک روایت کے مطابق مقدار اور وزن معلوم نہ ہونے کی صورت میں بیع درست نہیں ہے مگر پہلا قول یعنی جواز کا قول اصح بھی ہے اور اظہر بھی ہے۔

وَ مَنْ بَاعَ صُبْرَةَ طَعَامٍ كُلَّ قَفِيْزٍ بِدِرْهَمٍ جَازَ الْبَيْعُ فِي قَفِيْزٍ وَاحِدٍ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ بَطَلَ فِي الْبَاقِي اِلَّا اَنْ يُّسَمِّيَ جُمْلَةَ قُفْزَانِهَا وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ يَصِحُّ فِي الْوَجْهَيْنِ

ترجمہ : اور جس شخص نے غلہ کا ایک ڈھیر فروخت کیا کہ ہر ایک قفیز ایک درہم میں ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع صرف ایک قفیز میں جائز ہوگی اور باقی مقدار میں باطل ہوگی، البتہ یہ کہ (اسی مجلس عقد میں) اس ڈھیری کے تمام قفیزوں (کی مقدار) کو بیان کردیا جائے (تو پورے ڈھیر کی بیع جائز ہوگی) اور صاحبین نے کہا کہ دونوں صورتوں میں بیع درست ہے (خواہ تمام قفیزوں کی مقدار بیان کی گئی ہو یا بیان نہ کی گئی ہو)

حل لغات : صبرۃ: غلہ کا ڈھیر جو ابھی وزن اور کیل نہ کیا گیا ہو۔ قفیز: لغت مغرب میں اس کی کوئی مقدار بیان نہیں کی گئی، اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ کیل کا ایک پیمانہ ہے جس میں بارہ صاع ہوتا ہے۔ قفزان: قفیز، کی جمع ہے۔

تشریح : ترجمہ میں بین القوسین کی عبارت مطلب واضح کررہی ہے۔ امام اعظمؒ کے مسلک کی بنیاد اس ضابطہ پر ہے "جب کل کی اضافت ایسی چیز کی جانب کی جائے جس کا منتہی نہیں معلوم تو اس کا اطلاق ادنیٰ پر کیا جائے گا اور ادنیٰ کی مقدار ایک عدد ہے۔ امام صاحب کے نزدیک دونوں صورت میں مشتری کو غلہ لینے نہ لینے کا اختیار ہے ائمہ ثلاثہ کا مذہب صاحبین کے مطابق ہے۔

وَ مَنْ بَاعَ قَطِيْعَ غَنَمٍ كُلَّ شَاةٍ بِدِرْهَمٍ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ فِي جَمِيْعِهَا وَ كَذٰلِكَ مَنْ بَاعَ ثَوْبًا مُذَارَعَةً كُلَّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ وَ لَمْ يُسَمِّ جُمْلَةَ الذُّرْعَانِ وَ مَنِ ابْتَاعَ صُبْرَةَ طَعَامٍ عَلٰى اَنَّهَا

مَائَةُ قَفِيْزٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ كَانَ الْمُشْتَرِيْ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ الْمَوْجُودَ بِحِصَّتِهِ مِنَ الثَّمَنِ وَ اِنْ شَاءَ فَسَخَ وَ اِنْ وَجَدَهَا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَالزِّيَادَةُ لِلْبَائِعِ

ترجمہ: اور (اگر) جس (کسی) شخص نے بکریوں کا ریوڑ فروخت کیا کہ ہر ایک بکری ایک درہم کے عوض کے حساب سے ہے تو (امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک) تمام بکریوں کی بیع فاسد ہے اور اسی طرح اگر کسی نے گزوں کے حساب سے کپڑا فروخت کیا کہ ایک گز ایک درہم کے عوض کے حساب سے ہے اور تمام گز بیان نہیں کئے اور جس (ایک) شخص نے غلہ کا ڈھیر اس شرط پر خریدا کہ سو قفیز سو درہم کے عوض ہے پھر مشتری نے (ناپنے کے بعد) اسکو کم پایا (مثلاً نوے قفیز ملا) تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو موجودہ (نوے قفیز) کو اس کے حصۂ ثمن (نوے درہم) کے عوض لے لے اور اگر چاہے تو بیع کو فسخ کردے اور اگر مشتری نے اس ڈھیر کو سو قفیز سے زائد پایا تو زیادتی بائع کے لئے ہوگی۔

حل لغات: قطیع: ریوڑ، گلہ۔ غنم: بکری، شاۃ۔ مذارعة: پیمائش۔ ذرعان: ذراع کی جمع ہے، گز۔

تشریح: اس عبارت میں تین مسئلے بیان کئے گئے ہیں (۱و۲) تقریباً ایک ہیں البتہ شکلاً دونوں میں فرق ہے اور (۳) پہلے دونوں سے علیحدہ ہے۔ ہر مسئلہ کی صورت بین القوسین سے واضح ہو جاتی ہے۔ مسئلہ ۱و۲ میں امام اعظم اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے، امام اعظمؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں بیع فاسد ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک بیع جائز ہے البتہ اگر بوقت عقد کل ریوڑ اور کپڑے کے کل تھان کی مقدار واضح کردی جائے تو بالاتفاق بیع جائز ہو جائے گی۔ مسئلہ۳: و من ابتاع صبرة طعام الخ: میں اگر غلہ کا ڈھیر وزن کرنے کے بعد بوقت عقد بیان کردہ مقدار سے کم نکلا مثلاً سو قفیز کے بجائے نوے قفیز نکلا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو موجودہ غلہ کو نوے درہم کے بدلے لے اور چاہے تو بیع کو فسخ کردے البتہ مقدار اصل سے زائد نکلنے کی صورت میں زائد مقدار کو بائع کے حوالہ کیا جائے گا کیونکہ زائد مقدار عقد میں داخل نہیں ہے۔

وَ مَنِ اشْتَرٰى ثَوْبًا عَلٰى اَنَّهُ عَشَرَةُ اَذْرُعٍ بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ اَوْ اَرْضًا عَلٰى اَنَّهَا مِائَةُ ذِرَاعٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ فَالْمُشْتَرِيْ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِجُمْلَةِ الثَّمَنِ وَ اِنْ شَاءَ تَرَكَهَا وَ اِنْ وَجَدَهَا اَكْثَرَ مِنَ الذِّرَاعِ الَّذِيْ سَمَّاهُ فَهِيَ لِلْمُشْتَرِيْ وَ لَا خِيَارَ لِلْبَائِعِ وَ اِنْ قَالَ بِعْتُكَهَا عَلٰى اَنَّهَا مِائَةُ ذِرَاعٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ كُلُّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا نَاقِصَةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِحِصَّتِهَا مِنَ الثَّمَنِ وَ اِنْ شَاءَ تَرَكَهَا وَاِنْ وَجَدَهَا زَائِدَةً كَانَ الْمُشْتَرِيْ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ الْجَمِيْعَ كُلَّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ وَ اِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَيْعَ وَ لَوْ قَالَ بِعْتُ مِنْكَ هٰذِهِ الرِّزْمَةَ عَلٰى اَنَّهَا عَشَرَةُ اَثْوَابٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ كُلُّ ثَوْبٍ بِعَشَرَةٍ فَاِنْ وَجَدَهَا نَاقِصَةً جَازَ الْبَيْعُ بِحِصَّتِهِ وَ اِنْ وَجَدَهَا زَائِدَةً فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ

ترجمہ: اور اگر کسی شخص نے کپڑا اس شرط پر خریدا کہ وہ دس گز ہے دس درہم کے عوض یا کوئی زمین اس شرط

پر خریدی کہ وہ سوگز ہے سو درہم کے عوض پھر مشتری اس کو (ناپنے کے بعد) اس سے (بیان کردہ گزوں سے) کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو پورے ثمن کے عوض لے لے اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے (نہ لے) اور اگر اس (زمین یا کپڑا) کو بیان کردہ گزوں سے زیادہ پایا تو یہ زائد مقدار مشتری کا حق ہے اور بائع کو کوئی اختیار نہیں ہے اور اگر کہا کہ میں نے تم کو یہ کپڑا اس شرط پر فروخت کیا کہ وہ (مقدار میں) سوگز ہے سو درہم کے عوض کہ ہر گز ایک درہم کے عوض ہے پھر مشتری اس کو (ناپنے کے بعد) کم پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو موجودہ کپڑے کو اس کے حصۂ ثمن کے عوض لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے اور اگر مشتری نے اس کو زائد پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو سب کو فی گز ایک درہم کے حساب سے لے لے اور اگر چاہے تو مبیع کو فسخ کر دے اور اگر (بائع نے) کہا کہ میں نے یہ گٹھری تجھ کو اس شرط پر فروخت کی کہ وہ دس کپڑے ہیں سو درہم کے عوض کہ ہر ایک کپڑا دس درہم کے عوض ہے پھر اگر مشتری نے اس کو کم پایا تو بیع اس کے حصہ کے مطابق جائز ہے اور اگر اس کو زائد پایا تو بیع فاسد ہے۔

تشریح : کچھ بنیادی باتیں محفوظ کرلیں جو بحث کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوں گی۔

قدر (اصل) اور وصف کا فرق : اگر کوئی چیز ٹکڑے کر دینے سے عیب دار ہو جاتی ہے تو اس میں کمی زیادتی کو وصف کہتے ہیں اور عیب دار نہ ہو تو زیادہ اور نقصان اس میں اصل (قدر) ہے لہٰذا کیلی اور وزنی اشیاء میں قلت و کثرت اصل ہے اور ذراع، مذروعات میں وصف ہے اور ذراع طول وعرض کا نام ہے اور طول وعرض وصف ہیں لہٰذا ذراع کپڑے اور زمین میں وصف ہے اصل یعنی قدر کے مقابل میں ثمن آتا ہے یعنی اگر اصل شئی میں کمی وزیادتی ہوگی تو ثمن میں کمی وزیادتی ہوگی، وصف کے مقابل میں ثمن نہیں آتا ہے یعنی اگر وصف میں کمی بیشی ہوئی تو ثمن میں کمی وبیشی نہیں ہوگی۔

اوپر کی عبارت میں تین مسئلے بیان کئے گئے ہیں: مسئلہ ۱ **ومن اشتری ...... ولا خیار للبائع الخ:** کی صورت ترجمہ سے بالکل واضح ہے۔ اس مسئلہ میں مشتری کو قیمت کم کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ ذراع، ثوب اور زمین میں وصف ہے اور وصف کے مقابل میں ثمن آتا نہیں ہے البتہ مقدار کے کم کی صورت میں مشتری کو اختیار ہے چاہے تو پوری قیمت دے کر مقدار موجود کو لے لے اور چاہے تو نہ لے اور مقدار مذکور سے زائد کی صورت میں بھی یہ حق مشتری کا ہے، بائع کے لئے کوئی خیار نہیں ہے کیونکہ وصف کے کم ہو جانے کی وجہ سے خیار عیب صرف مشتری کے لئے ہے۔ ابھی اس سے پہلے صبرہ (ڈھیر) کا مسئلہ گذرا ہے اس میں مقدار مقررہ سے زائد بائع کا حق ہے کیونکہ کیلی، وزنی اشیاء یعنی قدر کے مقابلہ میں ثمن ہوتا ہے اور ثمن میں کمی بیشی ہوتی ہے اس لئے مشتری کو قیمت کے کم کرنے کا اختیار ہے۔ حاصل بحث یہ ہے کہ مسئلہ ۱ کا وصف سے اور صبرہ کے مسئلہ کا تعلق قدر اور اصل سے ہے۔

مسئلہ ۲ **وان قال بعتکھا ...... فسخ البیع الخ:** صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے، بس اتنا جان لیں کہ مسئلہ (۱) میں ہر ذراع کو مستقل شئی کا درجہ نہیں دیا گیا مگر اس مسئلہ ۲ میں ہر ذراع کی قیمت جداگانہ طور پر بیان کر کے اس کو مستقل شئی کا درجہ دیا گیا اس لئے یہ وصف ہونے کے باوجود اصل کے حکم میں ہو گیا اور اصل مبیع کے زیادہ ہونے سے ثمن زیادہ ہوتا ہے لہٰذا مقدار مذروع سے کم کی صورت میں اور اسی طرح زائد کی صورت میں مشتری کو اختیار ہے کہ جس قدر مال

ہے اسی حساب سے رقم ادا کر کے مال لے لے اور چاہے تو بیع فسخ کر دے۔

مسئلہ ۳ **ولو قال بعت الخ:** کسی بائع نے کہا کہ میں نے کپڑے کا گٹھر تم سے اس شرط پر فروخت کیا کہ اس میں دس تھان کپڑے ہیں جن کی قیمت سو درہم ہے اور ہر ایک تھان کی قیمت دس درہم ہے پھر شمار کرنے کے بعد اس میں تھان اصل تعداد سے کم، یعنی نو تھان نکلے تو اس صورت میں موجودہ تھانوں کے بقدر بیع صحیح ہو جائے گی اور مشتری کو خریدنے اور نہ خریدنے کا اختیار ہے البتہ دس تھان سے زائد یعنی گیارہ تھان نکلنے کی صورت میں بیع فاسد ہوگی کیونکہ مبیع مجہول ہے جو باعث نزاع ہے۔ واضح رہے کہ یہ مثال عددی اشیاء کی ہے۔

وَ مَنْ بَاعَ دَارًا دَخَلَ بِنَاءُ هَا فِي الْبَيْعِ وَ اِنْ لَمْ يُسَمِّهِ وَمَنْ بَاعَ اَرْضًا دَخَلَ مَا فِيْهَا مِنَ النَّخْلِ وَ الشَّجَرِ فِي الْبَيْعِ وَ اِنْ لَمْ يُسَمِّهِ وَ لَا يَدْخُلُ الزَّرْعُ فِي بَيْعِ الْاَرْضِ اِلَّا بِالتَّسْمِيَةِ وَ مَنْ بَاعَ نَخْلًا اَوْ شَجَرًا فِيْهِ ثَمَرَةٌ فَثَمْرَتُهُ لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يَشْتَرِطَهَا الْمُبْتَاعُ وَيُقَالُ لِلْبَائِعِ اِقْطَعْهَا وَ سَلِّمِ الْمَبِيْعَ.

ترجمہ: جس شخص نے کوئی مکان فروخت کیا تو اس کی عمارت بیع میں داخل ہوگی اگر چہ اس کو بیان نہ کیا ہو اور جس شخص نے کوئی زمین فروخت کی تو اس میں جو کھجور کے درخت اور دوسرے درخت ہیں بیع میں داخل ہوں گے اگر چہ اس کو بیان نہ کیا ہو اور زمین کی بیع میں اس زمین کی کھیتی داخل نہ ہوگی البتہ بیان کر دینے سے اور جس شخص نے کھجور کا درخت یا کوئی درخت جس پر پھل ہو فروخت کیا تو اس کے پھل بائع کے لئے ہوں گے الا یہ کہ خریدار اس کی شرط کرے اور (ایسی صورت میں) بائع سے کہا جائے گا کہ پھلوں کو توڑ کر مبیع مشتری کے حوالہ کر۔

جو چیزیں بلا تذکرہ بیع میں داخل ہوتی ہیں اور جو نہیں داخل ہوتی ہیں

حل لغات: دار: اردو زبان میں اس کا اطلاق گھر اور مکان پر ہوتا ہے اور اسی معنی میں منزل اور بیت بھی ہے۔ اور عربی زبان میں "دار" ایسے مکان پر بولا جاتا ہے جس میں صحن، چھوٹے چھوٹے کمرے، سامنے کا چبوترہ، مطبخ اور جانوروں کا اصطبل موجود ہو۔ "منزل" اس کا اطلاق ایسے مکان پر ہوتا ہے جس میں چھوٹے چھوٹے کمرے، باورچی خانہ اور بیت الخلاء موجود ہو لیکن صحن نہ ہو۔ "بیت" اس ایک مسقف کوٹھری کو کہتے ہیں جس میں ایک دہلیز ہو۔ (حاشیہ ہدایہ بحوالہ سقایہ)

بناء: عمارت، بنیاد۔ النخل: کھجور کا درخت۔ الشجر: مطلق غیر پھل دار درخت، یہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ الزرع: کاشت، کھیتی۔ المبتاع: اسم فاعل مصدر "ابتیاع" بروزن افتعال، مشتری، خریدار۔

خلاصہ: اس عبارت میں چار مسئلوں کا تذکرہ ہے۔ اس سے پہلے یہ جان لیں کہ ان مسائل اور آئندہ آنے والے مسائل کی بنیاد تین اصول پر ہیں (۱) عرف عام میں جس چیز پر مبیع کا اطلاق ہوتا ہے وہ بغیر بیان کے مبیع میں داخل ہوتی ہے (۲) اور جو چیز مبیع کے ساتھ باقی رہنے کے لئے متصل رہتی ہے وہ تابع ہو کر مبیع میں داخل ہوتی ہے (۳) اور جو ان دونوں

کے علاوہ مبیع کے حقوق ومرافق میں سے ہوں وہ بغیر ذکر صریح کے مبیع میں داخل نہیں ہوتیں۔ مسئلہ ۱ ایک شخص نے دار فروخت کیا تو اس کی عمارت بیع میں داخل ہوگی اگر چہ اس نے صراحت کے ساتھ عمارت کا تذکرہ نہ کیا ہو۔ مسئلہ ۲ ایک شخص نے زمین فروخت کی اور اس زمین میں درخت ہیں تو یہ درخت بھی زمین کی بیع میں داخل ہوں گے یہ درخت پھل دار ہوں یا بغیر پھلوں کے، چھوٹے ہوں یا بڑے اگر چہ واضح طور پر اس کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو۔ مسئلہ ۳ ایک شخص نے زمین فروخت کی اور اس زمین میں کاشت کی گئی ہے تو اس بیع میں کاشت داخل نہیں ہوگی اس لئے کہ اس کا اتصال زمین سے برائے فصل ہے باقی رہنے کے لئے نہیں ہے۔ مسئلہ ۴ اگر کسی نے پھل دار درختوں کو فروخت کیا تو اولاً یہ پھل بائع کی ملکیت میں رہیں گے البتہ اگر خریدار نے درخت کو پھلوں کے ساتھ خریدا تو پھل خریدار کے لئے ہوں گے، لہٰذا اول صورت میں بائع کے لئے ضروری ہے کہ پھل توڑ کر درخت مشتری کے حوالہ کرے۔

تشریح : **ولا یدخل الزرع**: اس مسئلہ کے تحت شارحین نے یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ اگر کوئی باندی یا جانور مثلاً گائے، بکری حمل سے ہو اور اسے فروخت کر دیا گیا تو ماں کی بیع میں حمل بھی داخل ہوگا کیونکہ ماں کے ساتھ حمل کا اتصال جدا ہونے کے لئے ہے جب کہ اصول کا تقاضہ ہے کہ حمل بیع میں داخل نہیں ہونا چاہئے۔

جواب: حمل کا جدا کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے اس پر صرف خدا کو قدرت حاصل ہے اور کھیتی اور سامان وغیرہ کا جدا کرنا انسان کی قدرت میں ہے اسلئے حمل کو کھیتی اور مکان کے سامانوں پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ (الجوہرہ وحاشیہ ہدایہ ج ۳)

ومن باع نخلاً: اس مسئلہ (۴) میں احناف اور ائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر کھجور سے پھل میں تابیر ہوئی ہے تو پھل بائع کا ہے ورنہ مشتری کا۔ احناف کے نزدیک تابیر اور عدم تابیر کی کوئی شرط نہیں ہے، پھل بائع کی ملکیت ہے۔ تابیر کہتے ہیں کہ مادہ کھجور کے شگوفہ کا غلاف چیر کر اس میں نر کھجور کا شگوفہ داخل کر دیا جائے۔

یقال للبائع: احناف کے نزدیک بائع کے لئے ضروری ہے کہ پھل دار درخت کو فروخت کرنے کے بعد فوراً پھل توڑ کر درخت کو مشتری کے حوالہ کرے لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پھلوں کو فوراً توڑنے کے بجائے اس کے قابل انتفاع ہونے تک پھلوں کو درخت پر رہنے دیا جائے۔

> وَمَنْ بَاعَ ثَمْرَةً لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهَا اَوْ بَدَا جَازَ الْبَيْعُ وَوَجَبَ عَلَى الْمُشْتَرِىْ قَطْعُهَا فِى الْحَالِ فَاِنْ شَرَطَ تَرْكَهَا عَلَى النَّخْلِ فَسَدَ الْبَيْعُ وَ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَّبِيْعَ ثَمْرَةً وَ يَسْتَثْنِىَ مِنْهَا اَرْطَالاً مَعْلُوْمَةً وَ يَجُوْزُ بَيْعُ الْحِنْطَةِ فِىْ سُنْبُلِهَا وَ الْبَاقِلٰى فِىْ قِشْرِهَا.

ترجمہ : اور جس شخص نے ایسے پھل فروخت کئے جن کی صلاح (نفع) ظاہر نہیں ہوئی یا ظاہر ہوگئی تو بیع (احناف کے نزدیک) جائز ہے اور مشتری پر فی الحال ان پھلوں کا توڑنا واجب ہے۔ اور اگر مشتری نے درخت پر پھلوں کو چھوڑنے کی شرط لگادی تو بیع فاسد ہے۔ اور پھلوں کو بیچنا اور ارطال معلومہ کا استثناء (جدا) کرنا جائز نہیں ہے اور گیہوں (اور اسی طرح چاول اور چنا بھی) کو اس کی بالیوں میں اور باقلیٰ (لوبئے اسی طرح سرسوں) کو اس کی پھل میں بیچنا جائز ہے۔

حل لغات : یبد : بدا (ن) بُدُوًّا ظاہر ہونا، نمودار ہونا۔ صلاح : نفع۔ ارطال : رطل کی جمع ہے، چالیس تولہ کا ایک وزن۔ حنطة : گیہوں۔ سنبل : بالی، خوشہ۔ باقلی : لوبیا۔ قشر : چھلکا، پھلی۔

تشریح : بدوء الصلاح کی تفسیر پر متن میں ذکر کردہ مسائل کی بنیاد ہے۔ احناف کے نزدیک بدوء الصلاح یہ ہے کہ پھل آدمی کی آفت، بیماری اور پالہ وغیرہ کے فساد سے محفوظ رہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بدء الصلاح یہ ہے کہ پھل پکنے کے قریب ہو جائیں اور انمیں مٹھاس آجائے۔

درخت پر پھلوں کی فروختگی کی پانچ شکلیں ہیں (۱) پھلوں کے ظہور سے پہلے فروختگی بالاتفاق ناجائز ہے۔ (۲) پھلوں کے ظہور کے بعد ظہور صلاح سے پہلے احناف کے نزدیک جائز ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ (۳) ظہور صلاح کے بعد بالاتفاق جائز ہے۔ (۴) ظہور صلاح (کارآمد) ہونے سے پہلے اس شرط کے ساتھ فروختگی ہو کہ مشتری پھلوں کو پکنے کے بعد توڑلے گا تو بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔ (۵) پھلوں کی بڑھوتری مکمل ہونے کے بعد بیع ہوئی اور درخت پر رکے رہنے کی شرط لگائی تو شیخین اور امام محمد کا اختلاف ہے، یہ بیع شیخین کے نزدیک فاسد ہے اور امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔

ومن باع ثمرة ...... فسد البیع : اس عبارت کے اندر ایک سے چار تک مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

ولا یجوز ...... معلومة : صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو چند ارطال معلومہ مثلاً بیس کلو کا استثناء کر کے فروخت کرنا جائز نہیں ہے یہ امام ابوحنیفہؒ سے حضرت حسن بن زیاد کی روایت ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحب کنز جواز کے قائل ہیں۔ اور اشرف الہدایہ ج ۸ ص ۵۹ پر ہے کہ (ائمہ ثلاثہ میں سے) امام شافعی واحمد امام اعظم کے ساتھ ہیں۔ یہ تحقیق عینی شرح کنز ج ۳ ص ۱۵ کی تحقیق کے مطابق نہیں ہے، یعنی قابل نظر ہے۔

ویجوز بیع الحنطة الخ : یہ مسئلہ احناف کی طرح امام مالک اور امام احمد کے نزدیک بھی جائز ہے البتہ امام شافعی عدم جواز کے قائل ہیں، لیکن گیہوں کی بالی کے سلسلے میں ایک قول جواز کا بھی ہے۔ (البدایہ)

وَ مَنْ بَاعَ دَارًا دَخَلَ فِي الْبَيْعِ مَفَاتِيحُ اَغْلَاقِهَا وَ اُجْرَةُ الْكَيَّالِ وَ نَاقِدُ الثَّمنِ عَلَى الْبَائِعِ وَ اُجْرَةُ وَازِنِ الثَّمَنِ عَلَى الْمُشْتَرِيْ وَ مَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِثَمَنٍ قِيْلَ لِلْمُشْتَرِي اِدْفَعِ الثَّمَنَ اَوَّلاً فَاِذَا دَفَعَ قِيْلَ لِلْبَائِعِ سَلِّمِ الْمَبِيْعَ وَ مَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِسِلْعَةٍ اَوْ ثَمَنًا بِثَمَنٍ قِيْلَ لَهُمَا سَلِّمَا مَعًا

ترجمہ : اور جس شخص نے مکان فروخت کیا تو بیع میں اس کے تالوں کی کنجیاں بھی داخل ہوں گی اور ناپنے اور روپیہ پرکھنے والے کی مزدوری بائع کے ذمہ ہے اور ثمن تولنے (قیمت جانچنے) والے کی مزدوری مشتری پر ہے۔ اور جس شخص نے سامان کو ثمن کے عوض فروخت کیا تو مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے تم ثمن دو، اور جب مشتری ثمن دیدے تو بائع سے کہا جائے گا کہ تم مبیع حوالہ کرو۔ اور جس شخص نے سامان کو سامان کے عوض یا ثمن کو ثمن کے عوض فروخت کیا تو دونوں سے کہا جائے گا کہ تم دونوں ایک ساتھ سپرد کرو۔

حل لغات : مفاتیح : مفتاح کی جمع ہے کنجی، چابی۔ اغلاق : غلق کی جمع ہے تالے۔ یہ دو قسم کے ہوتے ہیں

ایک وہ تالہ جو کواڑ میں جڑ دیا جاتا ہے جس کا نام ہضمی تالہ ہے، دوسرا وہ تالہ جس کا نام قفل ہے جسے کنڈے میں ڈال کر بند کیا جاتا ہے یہاں قسم اوّل مراد ہے۔ **الکیّال**: وہ شخص جو ناپنے کا پیشہ اختیار کرے۔ **ناقد**: دراہم وغیرہ پرکھنے والا۔ **سلعة**: سامان۔

خلاصہ: اس عبارت میں چار مسئلے بیان کئے گئے ہیں: (۱) اگر کسی نے مکان فروخت کیا تو دروازوں میں جو ہضمی تالے لگے ہوئے ہیں ان کی کنجیاں بھی اس بیع میں داخل ہوں گی خواہ بائع نے ان کا تذکرہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ (۲) اگر کسی نے کیلی چیز کو کیل کر کے فروخت کیا تو کیل کرنے والے، اسی طرح مشتری جو ثمن ادا کرے گا اس کا کھرا کھوٹا پرکھنے والے کی اُجرت بائع کے ذمہ واجب ہے اور ثمن جانچنے والے کی اُجرت مشتری کے ذمہ واجب ہے۔ (۳) اگر کسی نے سامان کو ثمن کے عوض فروخت کیا اور سامان موجود ہے اور عاقدین کے درمیان اختلاف ہوگیا، بائع کا کہنا ہے کہ پہلے مشتری قیمت دے تو میں سامان اس کو دوں، مشتری کا کہنا ہے کہ پہلے بائع سامان مجھے دے تو میں اس کو سامان کی قیمت دوں تو ایسی نزاعی صورت میں پہلے مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے تم قیمت ادا کرو مشتری کے قیمت کی ادائیگی کے بعد بائع سے کہا جائے گا کہ اب وہ سامان مشتری کے حوالہ کردے۔ (۴) اگر کسی نے سامان کو سامان کے عوض یا ثمن کو ثمن کے عوض فروخت کیا تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ بائع و مشتری دونوں بیک وقت ایک دوسرے کو سپرد کردیں۔

تشریح: **واُجرة الکیال الخ**: صاحب قدوریؒ نے مکیلات کے کیل کی اُجرت کو بیان کیا ہے، واضح رہے کہ یہی حکم موزونی اشیاء کو وزن کرنے والے کی اجرت، مزروعات کی گزوں سے پیمائش کرنے والوں کی اُجرت، عددی اشیاء کو شمار کرنے والوں کی اُجرت کا ہے، یعنی ان سب کی اُجرت بائع پر لازم ہے۔ ناقد ثمن کی اُجرت کے متعلق امام محمد سے دو روایت ہے ایک روایت ابن رستم سے ہے جو صاحب قدوری نے ذکر کیا ہے کہ اس کی اُجرت بائع پر ہے۔ دوسری روایت جس کو ابن سماعہ نے نقل کیا ہے یہ کہ ناقد ثمن کی اُجرت مشتری کے ذمہ ہے۔ صدر الشہید کا فتویٰ اسی پر ہے۔ (فتح القدیر ج۵ ص۴۹۵)

ومن باع سلعة الخ: مبیع کو سامنے رکھنا ضروری ہے اگر نہیں ہے تو بائع اس کو سامنے حاضر کرے۔ قیمت کی ادائیگی اس کے بعد ہوگی۔ اس مسئلہ میں احناف کا مسلک بیان کیا گیا ہے کہ پہلے مشتری قیمت ادا کرے پھر مبیع لے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بائع پر لازم ہے کہ پہلے مبیع کو مشتری کے حوالہ کرے۔ (عینی ج۳ ص۱۶)

ومن باع سلعة بسلعة الخ: اس مسئلہ میں اختلاف صورت میں بائع و مشتری دونوں بیک وقت بلا کسی تقدیم وتاخیر کے ایک دوسرے کو سپرد کریں۔

باب خیار الشرط

خیارِ شرط کا بیان

اصل بحث شروع کرنے سے قبل چند باتیں قلم بند کی جارہی ہیں جن کی اہمیت مسلّم ہے۔

خیار کی لغوی تحقیق: یہ لفظ مفرد اور جمع دونوں ممکن ہے، اگر مفرد ہے تو بروزنِ حساب، پسندیدگی کے معنی میں ہے۔ اگر جمع ہے تو بروزنِ جبال اہل خیر کی جماعت مراد ہے۔

اصطلاحی تعریف : خیار ایک ایسی شرط کا نام ہے جو صحت بیع سے منع نہیں کرتی ہے البتہ عقد بیع کے نفاذ سے منع کرتی ہے اور اس مدت کے دوران صاحب اختیار کو عقد فسخ کرنا جائز نہیں۔ اور مدت مقررہ کے گذر جانے اور صاحب اختیار کے سکوت اختیار کر لینے سے عقد تام ہوتا ہے۔

اضافت: خیار کی اضافت شرط کی طرف اضافت المسبب الی السبب کے قبیل سے ہے کیونکہ اس خیار کا سبب شرط ہے۔

اقسام خیارات : خیارات کی تین قسمیں ہیں جو زیادہ مشہور ہیں (۱) خیار شرط (۲) خیار رویت (۳) خیار عیب۔

خیار شرط کی دیگر خیارات پر وجہ تقدیم : خیار شرط کو دیگر خیارات پر اس لئے مقدم کیا کہ خیار شرط ابتداء حکم کے لئے مانع ہے بعد ازاں خیار رویت کو بیان کیا کیونکہ وہ تمام حکم کے لئے مانع ہے اس کے بعد خیار عیب کو بیان کیا کیونکہ یہ لزوم حکم کے لئے مانع ہے۔

موانع کی کل پانچ قسمیں ہیں (۱) جو انعقاد علت یعنی بیع منعقد کرنے سے مانع ہو جیسے مبیع کا آزاد ہونا (۲) جو انعقاد علت کے لئے مانع نہ ہو کر تمام علت کے لئے مانع ہو جیسے کسی غیر کے مال مثلاً غلام کو بلا اجازت مالک فروخت کرنا (۳) وہ مانع ہے جو انعقاد علت کے بعد ابتداء حکم کے لئے مانع ہو جیسے خیار شرط کی بیع (۴) وہ مانع ہے جو حکم کے متحقق ہونے کے بعد تمام حکم کو روکتا ہے جیسے مشتری کے لئے خیار رویت (۵) وہ مانع ہے جو لزوم حکم کو روکتا ہے جیسے خیار عیب۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۴۹۷، نور الانوار ص ۲۰۹)

خِیَارُ الشَّرْطِ جَائِزٌ فِی الْبَیْعِ لِلْبَائِعِ وَ الْمُشْتَرِیْ وَ لَهُمَا الْخِیَارُ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ فَمَا دُوْنَهَا وَلَا یَجُوْزُ اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ یَجُوْزُ اِذَا سَمّٰی مُدَّةً مَعْلُوْمَةً وَ خِیَارُ الْبَائِعِ یَمْنَعُ خُرُوْجَ الْمَبِیْعِ مِنْ مِلْکِهٖ فَاِنْ قَبَضَهُ الْمُشْتَرِیْ فَهَلَكَ بِیَدِهٖ فِیْ مُدَّةِ الْخِیَارِ ضَمِنَهُ بِالْقِیْمَةِ وَ خِیَارُ الْمُشْتَرِیْ لَایَمْنَعُ خُرُوْجَ الْمَبِیْعِ مِنْ مِلْكِ الْبَائِعِ اِلَّا اَنَّ الْمُشْتَرِیَ لَایَمْلِکُهٗ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ یَمْلِکُهٗ فَاِنْ هَلَكَ بِیَدِهٖ هَلَكَ بِالثَّمَنِ وَ کَذٰلِكَ اِنْ دَخَلَهٗ عَیْبٌ۔

ترجمہ : بیع میں خیار شرط بائع اور مشتری دونوں کے لئے (احادیث صحیحہ کی وجہ سے) جائز ہے (گو خلاف قیاس ہے) اور ان دونوں کو تین دن یا اس سے کم کا اختیار ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ (تین دن سے زیادہ) جائز ہے بشرطیکہ مدت معلومہ مقرر ذکر کر دیں اور بائع کا اختیار مبیع کو اس کی ملکیت سے نکلنے سے مانع ہے پس اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا اور وہ مال مدت خیار میں مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا تو مشتری قیمت کے ساتھ اس کا ضمان ادا کرے گا اور مشتری کا خیار مبیع کو بائع کی ملکیت سے نکلنے سے مانع نہیں ہے مگر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مشتری اس کا مالک نہیں ہوتا اور صاحبین نے فرمایا کہ مشتری اس کا مالک ہو جاتا ہے پھر اگر مبیع مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہو گئی تو ثمن کے عوض ہلاک ہو گی اور اسی طرح اگر مبیع کے اندر کوئی عیب پیدا ہو جائے۔

خلاصہ : خیار شرط انفرادی طور پر صرف بائع کے لئے اور صرف مشتری کے لئے جائز ہے اور ایک ساتھ دونوں کے لئے بھی جائز ہے اور (مدت خیار میں اختلاف ہے) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مدت خیار زائد سے زائد تین دن ہے اور صاحبین کے نزدیک خیار شرط کی کوئی مدت متعین نہیں ہے البتہ جو مدت بھی بیان کی جائے وہ معلوم ہونی چاہئے۔ اگر خیار شرط فقط بائع کے لئے ہے تو مبیع اس کی ملکیت سے نہیں نکلے گی اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا اور مبیع مدت خیار کے اندر مشتری کے قبضہ میں رہ کر ہلاک ہوگئی تو مشتری پر قیمت کی صورت میں تاوان لازم آئے گا نہ کہ ثمن کی صورت میں اور اگر خیار مشتری کے لئے ہے تو مبیع بائع کی ملکیت سے نکل جائے گی (البتہ ملکیت مشتری کے لئے ثابت ہوگی یا نہیں اس میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کا اختلاف ہے) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مشتری مالک نہیں ہوگا اور صاحبین (اور ائمہ ثلاثہ) کے نزدیک مشتری مالک ہوگا، اگر مبیع مشتری کے قبضہ میں رہ کر ہلاک ہوگئی تو ایسی صورت میں لزوم عقد کے ساتھ مشتری پر ثمن واجب ہوگا (یعنی خیار بائع کی صورت میں مبیع کے مشتری کے قبضہ میں رہ کر ہلاک ہونے سے مشتری پر قیمت واجب ہوگی اور خیار مشتری کی صورت میں مبیع کے مشتری کے قبضہ میں رہ کر ہلاک ہونے سے مشتری پر ثمن واجب ہوگا) اور اسی طرح اگر خیار مشتری کی صورت میں مدت خیار میں مشتری کے قبضہ میں رہتے ہوئے مبیع کے اندر زائل نہ ہونے والا عیب پیدا ہوجائے (مثلاً غلام کا ہاتھ کاٹ دیا جائے) تو لزوم عقد کے ساتھ مشتری پر ثمن واجب ہوگا۔

تشریح : **البیع:** بیع کی اصلاً دو قسمیں ہیں (۱) بیع حلال (۲) بیع حرام۔ قسم اول کو شرعاً تجارت کہتے ہیں اور قسم دوم کو ربوا کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اسی کو بیان کیا گیا ہے "اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا" بیع حلال کی دو قسمیں ہیں (۱) بیع لازم (۲) بیع غیر لازم۔ بیع لازم اس کو کہتے ہیں جس میں شرائط بیع کے پائے جانے کے بعد اختیار نہ رہے۔ بیع غیر لازم وہ بیع ہے جس میں اختیار رہتا ہو۔ بیع لازم اصل اور اقویٰ ہے اس لئے پہلے اس کا بیان کیا گیا اور بیع غیر لازم خلاف اصل ہے اس لئے اس کو بعد میں بیان کر رہے ہیں، اقسام خیارات کا تعلق بیع غیر لازم سے ہے۔

خیار شرط کی تین قسمیں ہیں (۱) بالاتفاق فاسد، مثلاً عاقدین میں سے کوئی ایک کہے کہ مجھے اختیار حاصل ہے یا چند روز کا اختیار ہے یا ہمیشہ کے لئے (۲) بالاتفاق جائز، تین دن یا اس سے کم کا اختیار حاصل ہے (۳) مختلف فیہ، مثلاً ایک ماہ یا دو ماہ کا اختیار لیا تو یہ قسم امام ابوحنیفہؒ، امام زفرؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ناجائز ہے اور صاحبین اور امام احمدؒ کے نزدیک جائز ہے اسی قسم کو صاحب قدوری نے بیان کیا ہے۔

ضمنه بالقیمة: ہلاکت مبیع کی وجہ سے مشتری پر تاوان کے طور پر قیمت لازم ہوگی جب کہ وہ شئی قیمتی ہو اگر وہ شئی مثلی ہے تو مشتری پر مثل واجب ہوگا۔

وَ مَنْ شُرِطَ لَهُ الْخِیَارُ فَلَهُ اَنْ یَفْسَخَ فِی مُدَّةِ الْخِیَارِ وَ لَهُ اَنْ یُجِیْزَهُ فَاِنْ اَجَازَهُ بِغَیْرِ حَضْرَةِ صَاحِبِهٖ جَازَ وَ اِنْ فَسَخَ لَمْ یَجُزْ اِلاَّ اَنْ یَکُوْنَ الْاٰخَرُ حَاضِرًا وَ اِذَا مَاتَ مَنْ لَهُ الْخِیَارُ بَطَلَ خِیَارُهُ وَ لَمْ یَنْتَقِلْ اِلٰی وَرَثَتِهٖ وَ مَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلٰی اَنَّهُ خَبَّازٌ اَوْ کَاتِبٌ فَوَجَدَهُ بِخِلَافِ ذٰلِكَ فَالْمُشْتَرِی بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهُ بِجَمِیْعِ الثَّمَنِ وَ اِنْ شَاءَ تَرَکَهُ.

ترجمہ : اور جس شخص کے لئے خیارِ شرط ہے تو اس کو اختیار ہے کہ مدت خیار میں بیع فسخ کر دے اور اس کو اختیار ہے کہ بیع کی اجازت دے پس اگر اس نے اپنے ساتھی کی غیر موجودگی میں بیع کی اجازت دیدی تو جائز ہے اور اگر فسخ کیا تو جائز نہیں ہے مگر یہ کہ دوسرا موجود ہو اور اگر مر گیا وہ شخص جس کے لئے خیارِ شرط تھا تو خیار باطل ہو جائے گا اور اسکے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا اور جس شخص نے غلام اس شرط پر فروخت کیا کہ وہ روٹی پکانے والا ہے یا کاتب ہے اور مشتری نے اس کو اس کے خلاف پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو پورے ثمن کے عوض لے لے (خرید لے) اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

خلاصہ : صاحب کتاب نے اس عبارت میں تین مسئلے بیان کئے ہیں: اور ۲ میں ائمہ کا اختلاف ہے اور ۳ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (۱) بائع و مشتری میں سے جس کو خیار حاصل ہے اس کو مدت خیار کے اندر بیع کے فسخ کرنے اور جائز قرار دینے کا اختیار ہے اس لئے اگر صاحب خیار بیع کے جائز قرار دینے میں اپنے دوسرے ساتھی کو ناواقف رکھتا ہے تو بالاتفاق جائز ہے لیکن اگر اپنے دوسرے ساتھی کو لاعلم رکھ کر بیع کو فسخ کرتا ہے تو (طرفین کے نزدیک یہ فسخ) جائز نہیں ہے (فتویٰ اسی پر ہے امام ابو یوسف، امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فسخ کرنا جائز ہے) (۲) اگر صاحب خیار انتقال کر جائے تو اس کا خیار شرط ختم ہو جائے گا اور (احناف کے نزدیک) اس کا خیار وارثین کی طرف منتقل نہیں ہوگا یعنی وراثت جاری نہیں ہوگی (امام مالک اور امام شافعی وراثت کے جاری ہونے کے قائل ہیں) (۳) اگر کسی نے غلام اس شرط پر خریدا کہ وہ روٹی پکانے والا ہے یا کاتب ہے لیکن بعد میں انکشاف ہوا کہ دونوں کے اندر ہنر موجود نہیں ہے تو مشتری کو اختیار ہے (وصف کے معدوم ہونے کے باوجود) چاہے تو پوری قیمت ادا کر کے غلام خرید لے اور چاہے تو بیع ترک کر دے۔

باب خيار الرؤية

خیار رؤیت کا بیان

خیار رویت کی خیار عیب پر وجہ تقدیم یہ بیان کی جاتی ہے کہ خیار رویت خیار عیب سے اقویٰ ہے بایں وجہ کہ خیار رویت تمام بیع کے لئے مانع ہے اور خیار عیب بیع کے لازم ہونے سے مانع ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو چیز بیع کو مکمل ہونے سے روکتی ہے وہ اس چیز سے اقویٰ ہوگی جو بیع کو لازم نہیں ہونے دیتی۔ خیار کی اضافت رویت کی طرف اضافت الحکم الی السبب کی قبیل سے ہے۔ خیار رویت چار مقامات میں ثابت ہوتا ہے (۱) اعیان و ذوات کی خریداری میں (۲) اجارہ میں (۳) اس صلح میں جو مال کے دعویٰ سے کسی شئی معین پر ہو (۴) قسمت میں، لہٰذا دیون، نقود اور ان عقود میں خیار رویت نہیں جو فسخ کرنے سے فسخ نہیں ہوتے جیسے مہر، بدل خلع، بدل صلح عن القصاص۔ (فتح القدیر ج۵ ص۵۳۲)

وَ مَنِ اشْتَرىٰ مَا لَمْ يَرَهُ فَالْبَيْعُ جَائِزٌ وَ لَهُ الْخِيَارُ اِذَا رَاٰهُ اِنْ شَاءَ اَخَذَهُ وَ اِنْ شَاءَ رَدَّهُ وَ مَنْ بَاعَ مَا لَمْ يَرَهُ فَلَا خِيَارَ لَهُ وَ اِنْ نَظَرَ اِلىٰ وَجْهِ الصُّبْرَةِ اَوْ اِلىٰ ظَاهِرِ الثَّوْبِ مَطْوِيًّا اَوْ اِلىٰ وَجْهِ الْجَارِيَةِ اَوْ اِلىٰ وَجْهِ الدَّابَّةِ وَ كِفْلِهَا فَلَا خِيَارَ لَهُ وَ اِنْ رَاٰى صِحْنَ الدَّارِ فَلَا

خِيَارَ لَهُ وَ اِنْ لَمْ يُشَاهِدْ بُيُوْتَهَا.

ترجمہ : اور جس شخص نے بغیر دیکھے کوئی چیز خریدی تو (یہ) بیع جائز ہے اور مشتری کو اختیار ہے جس وقت اس کو دیکھے اگر چاہے تو اس کو (پورے ثمن کے عوض) لے لے اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے اور جس شخص نے کوئی چیز بغیر دیکھے فروخت کر دی تو اس کو اختیار نہیں ہے اور اگر غلہ کے ڈھیر کے اوپر کو دیکھ لیا یا لپیٹے ہوئے تھان کے اوپر کو دیکھ لیا یا باندی کے چہرہ کو دیکھ لیا یا سواری کے چہرہ اور اس کی سرین کو دیکھ لیا تو اس کے لئے اختیار نہیں ہوگا اور اگر مکان کے صحن کو دیکھ لیا تو مشتری کے لئے اختیار نہیں ہے اگر چہ اس نے اس کے کمروں کو نہیں دیکھا۔

حل لغات : الصبرة : ڈھیر۔ مطویًا : لپٹا ہوا، تہ کیا ہوا۔ الجارية : باندی۔ الدابة : سواری کا جانور۔ كِفل : سرین۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلوں کو بیان کیا گیا ہے۔

مسئلہ (۱) **و من اشترى ...... رده** : اس مسئلہ میں احناف، امام مالک اور امام احمد جواز کے قائل ہیں اور مشتری کو اس چیز کو دیکھنے کے بعد اختیار حاصل ہے چاہے تو پورے ثمن کے عوض لے لے اور چاہے تو نہ لے اگر چہ دیکھنے سے قبل اس سے متفق ہو گیا ہو۔ امام شافعیؒ کا قول جدید عدم جواز کا ہے لیکن قول قدیم جواز کا ہے۔

(۲) **و من باع ...... فلاخيار له** : اس مسئلہ میں بیع تو جائز ہے مگر بائع کو خیار رویت حاصل نہیں ہے مثلاً اس شخص کو کوئی چیز وراثت میں ملی اور اس نے بغیر دیکھے فروخت کر دیا تو اس کو دیکھنے کے بعد فسخ بیع کا اختیار رہوگا۔ امام صاحب کا قول قدیم حصول خیار رویت کا ہے امام شافعی کے نزدیک بغیر مال کے دیکھے اس کی فروختگی بالکل جائز نہیں ہے۔

مسئلہ (۳) **وان نظر ...... فلاخيار له** : واضح رہے کہ مبیع کی تین قسمیں ہیں (۱) مبیع شئی واحد ہو (۲) مبیع اشیاء متعددہ متقارب الآحاد ہوں (۳) مبیع اشیاء متعددہ متفاوت الآحاد ہوں۔ اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ خیار رویت ساقط کرنے کے لئے تمام مبیع کا دیکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ مبیع کا اتنا حصہ دیکھنا کافی ہے جس سے مقصود کا علم حاصل ہو جائے چنانچہ مکیلی اور موزونی اشیاء کے ڈھیر کی ظاہری سطح کا دیکھنا، تھان میں لپٹے ہوئے کپڑے کے ظاہری حصہ کا دیکھنا، باندی یا غلام کے چہرہ کا دیکھنا (آدمی کے اندر صرف چہرہ مقصود ہے) اور سواری کے جانوروں (گھوڑے، گدھے، خچر) میں چہرہ اور سرین (جانوروں میں یہی مقصود ہے) کا دیکھا خیار رویت ساقط کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ بعض کا دیکھنا گویا کل کا دیکھنا ہے۔ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ اگر اشیاء کے افراد متفاوت ہوں تو ان اشیاء متعددہ میں ہر ایک کا دیکھنا ضروری ہے صرف کسی ایک فرد کا دیکھنا کافی نہ ہوگا جیسے کپڑے کے تھان اور چوپائے کہ ایک فرد کو دیکھ کر باقی کے اوصاف معلوم نہیں ہو سکتے۔ (مزید تفصیل ہدایہ میں ملاحظہ کریں)

مسئلہ (۴) **وان رای صحن الدار الخ** : اگر کسی نے مکان خریدا اور اس نے صرف صحن کو دیکھا اس کے کمروں کو نہیں دیکھا تو امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے نزدیک خیار رویت کے ساقط کرنے میں اتنا دیکھنا کافی ہے۔ امام زفرؒ

فرماتے ہیں کہ مکان کے خریدتے وقت گھر کے تمام کمروں اور کوٹھریوں میں داخل ہوکر دیکھنا ضروری ہے اس کے بغیر خیار رویت ساقط نہیں ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اہل کوفہ اور اہل بغداد کے مکانات میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا تھا مکانات اندر اور باہر ایک جیسے ہوتے تھے صاحب قدوری کا عمارتوں کے متعلق حکم بیان کرنا ان لوگوں کی عادت کے مطابق ہے مگر عصر حاضر کے مکانات کا اندرونی اور بیرونی منظر جداگانہ ہوتا ہے اس لئے مکان خریدتے وقت کمروں کے اندر داخل ہوکر ہر کمرہ علیحدہ طور پر دیکھنا ضروری ہے اس دور میں فتویٰ امام زفر کے قول پر ہے۔

وَ بَیْعُ الاَعْمٰی وَ شِرَاؤُہٗ جَائِزٌ وَ لَہُ الخِیَارُ اِذَا اشْتَرٰی وَ یَسْقُطُ خِیَارُہٗ بِاَنْ یُّجَسِّسَ المَبِیْعَ اِذَا کَانَ یُعْرَفُ بِالجَسِّ اَوْ یَشُمَّہٗ اِذَا کَانَ یُعْرَفُ بِالشَّمِّ اَوْ یَذُوْقَہٗ اِذَا کَانَ یُعْرَفُ بِالذَّوْقِ وَ لَایَسْقُطُ خِیَارُہٗ فِی العَقَارِ حَتّٰی یُوْصَفَ لَہٗ وَ مَنْ بَاعَ مِلْکَ غَیْرِہٖ بِغَیْرِ اَمْرِہٖ فَالْمَالِکُ بِالخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَجَازَ البَیْعَ وَ اِنْ شَاءَ فَسَخَ وَ لَہُ الاِجَازَۃُ اِذَا کَانَ المَعْقُوْدُ عَلَیْہِ بَاقِیًا وَ المُتَعَاقِدَانِ بِحَالِھِمَا وَ مَنْ رَاٰی اَحَدَ الثَّوْبَیْنِ فَاشْتَرَاھُمَا ثُمَّ رَاٰی الاٰخَرَ جَازَ لَہٗ اَنْ یَرُدَّھُمَا وَ مَنْ مَاتَ وَ لَہٗ خِیَارُ الرُّؤْیَۃِ بَطَلَ خِیَارُہٗ وَ مَنْ رَاٰی شَیْئًا ثُمَّ اشْتَرَاہُ بَعْدَ مُدَّۃٍ فَاِنْ کَانَ عَلَی الصِّفَۃِ الَّتِیْ رَاٰہُ فَلَا خِیَارَ لَہٗ وَ اِنْ وَجَدَہٗ مُتَغَیِّرًا فَلَہُ الخِیَارُ.

ترجمہ: اور نابینا کی خرید و فروخت جائز ہے اور اس کے لئے خیار ہوگا جب کہ وہ خرید لے اور اندھے کا خیار رویت مبیع کو ٹٹول کر چھونے سے ساقط ہوجائے گا جب کہ وہ ٹٹول کر چھونے سے معلوم ہوجائے اور سونگھنے سے ساقط ہوجائے گا جب کہ وہ سونگھ کر معلوم ہوجائے اور چکھنے سے ساقط ہوجائے گا جب کہ وہ چکھنے سے معلوم ہوجائے اور غیر منقولہ جائداد (کے خریدنے کی صورت) میں اس کا خیار ساقط نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کے واسطے وصف کو بیان کیا جائے۔ اور جس شخص نے کسی دوسرے کی کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر فروخت کی تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو بیع کی اجازت دے اور اگر چاہے تو بیع کو فسخ کردے اور مالک کو جواز بیع کا حق اسوقت ہے جب کہ معقود علیہ موجود ہو اور بائع و مشتری اسی حالت پر ہوں اور جس شخص نے دو تھان میں سے ایک دیکھا اور دونوں کو خرید لیا اس کے بعد اس نے دوسرے کو دیکھا تو وہ دونوں تھان لوٹا سکتا ہے، اگر وہ شخص مرگیا جس کو خیار رویت تھا تو اس کا خیار باطل ہوگیا اور جس شخص نے کوئی چیز دیکھی اور ایک مدت کے بعد اس کو خریدا پس اگر وہ شئی اسی حالت پر ہے جس حالت پر اس کو دیکھا تھا تو مشتری کے لئے خیار نہیں ہے اور اگر مشتری نے اس کو متغیر اور بدلا ہوا پایا تو مشتری کے لئے خیار ہے۔

حل لغات: الاعمی: نابینا۔ یجس: از نصر جسًا معلوم کرنے کے لئے ہاتھ سے چھونا، ٹٹولنا۔ یشمه: از نصر شمًا سونگھنا۔ یذوقه: از نصر ذوقًا چکھنا۔ عقار: غیر منقولہ جائداد، غیر منقولہ چیز۔

خلاصہ: احناف کے نزدیک نابینا کی خرید و فروخت جائز ہے (اگر چہ مادر زاد نابینا ہو) اگر نابینا نے کوئی چیز خریدی تو اس کے لئے خیار رویت ہے جس طرح ایک بینا شخص کے لئے بغیر دیکھی ہوئی چیز کے خریدنے میں خیار رویت حاصل

ہے۔اب اس نابینا کا خیارِ رویت کب ساقط ہوگا تو اس کا حکم یہ ہے کہ مبیع اگر ایسی شئی ہو جس کو ہاتھ سے ٹٹول کر یا سونگھ کر یا چکھ کر پہچانا جاسکتا ہے تو اس شئی کو ٹٹولنے یا سونگھنے یا چکھنے سے خیار رویت ساقط ہو جائے گا اور اگر نابینا نے کوئی غیر منقولہ جائداد خریدی (مثلاً درخت خریدا یا مکان خریدا یا زمین خریدی) تو ایسی صورت میں خیار رویت ساقط ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کے سامنے مبیع کے اوصاف کو بیان کیا جائے۔اگر کسی نے غیر کی کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر فروخت کردی تو مالک کو بیع کے نافذ کرنے اور فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے لیکن مالک کو بیع کے نافذ کرنے کا اختیار اس وقت ہے جب کہ چار چیزیں علی حالہ باقی ہوں (۱) بائع (۲) مشتری (۳) مالک (۴) مبیع۔اگر کسی نے دو تھان میں سے ایک کو دیکھ کر دونوں کو خرید لیا پھر دوسرے تھان کو دیکھا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو دونوں کو ایک ساتھ لوٹا دے۔اگر کسی شخص کو خیارِ رویت حاصل تھا اور اس کا انتقال ہوگیا تو اس کا خیار کا حق ختم ہو جائے گا۔اگر کسی نے کوئی چیز دیکھی اور ایک عرصہ کے بعد اس کو خریدا تو اب اس کی دو صورت ہے یا تو یہ چیز اپنی سابقہ حالت پر موجود ہے یا اس میں تبدیلی آچکی ہے اگر سابقہ حالت پر موجود ہے تو اختیار باقی نہیں رہے گا اور اگر تبدیلی آچکی ہے تو اس کے لئے اختیار باقی رہے گا۔

تشریح: اس عبارت میں چھ مسئلوں کو بیان کیا گیا ہے اور ہر مسئلہ کی صورت خلاصہ میں بیان کردی گئی ہے۔

مسئلہ(۱) **و بیع الاعمی ...... جائز**: احناف کا مسلک بیان کردیا گیا۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص پہلے بینا تھا بعد میں نابینا ہوگیا تو اس کی خرید وفروخت جائز ہے لیکن اگر مادرزاد نابینا ہے تو اس کی خرید وفروخت بالکل جائز نہیں ہے۔

مسئلہ(۲) **و لا یسقط ...... یوصف له**: اوصاف کا بیان کرنا رویت کے قائم مقام ہے جیسے بیع سلم میں مسلم فیہ گو غیر موجود ہوتی ہے مگر بیان وصف، مسلم فیہ کے قائم مقام ہے۔

مسئلہ(۳) **و من باع ...... بحالهما**: مالک کی اجازت سے قبل مشتری کو مبیع میں تصرف کا حق نہیں ہے خواہ مشتری نے اس پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔مالک کا ثمن پر قبضہ کرلینا یہ اجازت بیع کی دلیل ہے گویا مالک کی طرف سے اجازت ہے۔

مسئلہ(۴) **و من رای ...... ان یردهما**: جب اشیاء متفاوت الآحاد ہوں تو ہر ایک کو جداگانہ طور پر دیکھنا ضروری ہے چنانچہ ایک تھان دیکھنے سے دوسرے تھان کے اوصاف کا اندازہ نہیں ہوگا اس لئے مشتری کو اختیار ہے کہ بغیر قضاء قاضی اور بغیر بائع کی رضامندی کے بیع کو ختم کردے۔

مسئلہ(۵) **و من مات ...... بطل خیاره**: احناف کے نزدیک خیارِ رویت میں وراثت جاری نہیں ہوتی اس کا بیان خیار شرط میں گذر چکا ہے۔

مسئلہ(۶) **و من رای شیئًا الخ**: خلاصہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

باب خیار العیب

خیارِ عیب کا بیان

اس سے پہلے خیارِ شرط اور خیارِ رویت کو بیان کیا گیا اور اب خیار عیب کو بیان کررہے ہیں۔ خیارِ عیب تمام عقد کے بعد لزوم عقد سے مانع ہوتا ہے، بلا کسی شرط کے ثابت ہوتا ہے۔ خیار العیب میں خیار کی اضافت عیب کی طرف اضافت الشئی الی سببہ کی قبیل سے ہے۔ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ عیب ہر وہ چیز ہے جس سے شئی کی اصل فطرتِ سلیمہ خالی ہو اور اس کی وجہ سے وہ شئی ناقص شمار کی جانے لگے۔ (فتح القدیر ج۶ ص۲، الجوہرہ ج۱ ص۲۰۰)

اِذَا اطَّلَعَ الْمُشْتَرِیْ عَلٰی عَیْبٍ فِی الْمَبِیعِ فَھُوَ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَہٗ بِجَمِیْعِ الثَّمَنِ وَ اِنْ شَاءَ رَدَّہٗ وَ لَیْسَ لَہٗ اَنْ یُّمْسِکَہٗ وَ یَاخُذَ النُّقْصَانَ وَ کُلُّ مَا اَوْجَبَ نُقْصَانَ الثَّمَنِ فِیْ عَادَۃِ التُّجَّارِ فَھُوَ عَیْبٌ وَ الْاِبَاقُ وَالْبَوْلُ فِی الْفِرَاشِ وَ السَّرِقَۃُ عَیْبٌ فِی الصَّغِیْرِ مَا لَمْ یَبْلُغْ فَاِذَا بَلَغَ فَلَیْسَ ذٰلِکَ بِعَیْبٍ حَتّٰی یُعَاوِدَہٗ بَعْدَ الْبُلُوْغِ وَ الْبَخَرُ وَالدَّفْرُ عَیْبٌ فِی الْجَارِیَۃِ وَ لَیْسَ بِعَیْبٍ فِی الْغُلَامِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ مِنْ دَاءٍ وَ الزِّنَا وَ وَلَدُ الزِّنَا عَیْبٌ فِی الْجَارِیَۃِ دُوْنَ الْغُلَامِ وَ اِذَا حَدَثَ عِنْدَ الْمُشْتَرِیْ عَیْبٌ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰی عَیْبٍ کَانَ عِنْدَ الْبَائِعِ فَلَہٗ اَنْ یَّرْجِعَ بِنُقْصَانِ الْعَیْبِ وَ لَا یَرُدُّ الْمَبِیْعَ اِلَّا اَنْ یَّرْضَی الْبَائِعُ اِنْ یَّاخُذَ بِعَیْبِہٖ وَ اِنْ قَطَعَ الْمُشْتَرِی الثَّوْبَ وَ خَاطَہٗ اَوْ صَبَغَہٗ اَوْ لَتَّ السَّوِیْقَ بِسَمْنٍ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰی عَیْبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِہٖ وَ لَیْسَ لِلْبَائِعِ اِنْ یَّاخُذَ بِعَیْنِہٖ.

ترجمہ: اگر مشتری کو مبیع کے اندر کسی عیب کا پتہ چل جائے تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو مبیع کو پورے ثمن کے عوض لے لے اور اگر چاہے تو اس کو واپس کردے۔ اور مشتری کے لئے یہ جائز نہیں کہ مبیع کو روک لے اور (بائع سے) نقصان وصول کرلے۔ اور ہر وہ چیز جو تاجروں کی عادت میں ثمن کی نقصان کا موجب ہو وہ عیب ہے۔ بھاگنا، بستر پر پیشاب کرنا اور چوری کرنا بچہ کے حق میں عیب ہے جب تک کہ بالغ نہ ہو اور جب وہ بالغ ہوگیا تو یہ عیب نہیں ہے یہاں تک کہ بالغ ہونے کے بعد اس کو دوبارہ کرے۔ منہ کی بدبو اور بغل کی بدبو باندی کے حق میں عیب ہے اور غلام کے حق میں عیب نہیں ہے مگر یہ کہ بدبو بیماری کی وجہ سے ہو۔ زنا کار ہونا اور ولد الزنا (حرامی) ہونا باندی کے حق میں عیب ہے، غلام کے حق میں (عیب) نہیں۔ اگر (مبیع کے اندر) مشتری کے پاس کوئی (نیا) عیب پیدا ہوگیا پھر اس عیب پر مطلع ہوا جو بائع کے یہاں تھا تو مشتری کو اختیار ہے کہ عیب کی کمی کو وصول کرلے اور مبیع کو واپس نہیں کرسکتا مگر یہ کہ بائع مبیع کو (نئے) عیب کے ساتھ لینے پر راضی ہو۔ اور اگر مشتری نے (خرید کردہ) کپڑا کاٹ کرسی لیا یا کپڑا (سرخ رنگ میں) رنگ لیا یا ستو کو گھی سے آلودہ کیا اس کے بعد عیب پر مطلع ہوا تو نقصان عیب (بائع سے) وصول کرے اور بائع کے لئے یہ حق نہیں ہے کہ وہ عین مبیع واپس لے لے۔

حل لغات : یمسکه: مصدر امساکاً باب افعال سے ہے، روکنا۔ التجار: تاجر کی جمع ہے۔ الاباق: مصدر اَبِقَ (س) و اَبَقَ (ن ض) اِبَاقًا و اَبِقًا و اَبْقًا، العبد او الجاریة، غلام یا باندی کا بھاگنا۔ البول: مصدر باب (ن) سے پیشاب کرنا۔ السرقة: مصدر سرق (ض) سَرَقًا و سَرِقَةً، چوری کرنا، چرانا۔ البَخر: مصدر بَخِرَ الفَمَ (س) بَخرًا گندہ دہن ہونا، جس کا منہ بدبودار ہو۔ الدفر: مصدر دَفِرَ الرجل (س) دَفَرًا و دُفرًا گندہ بغل ہونا۔ داءٌ: بیماری۔ خاطه: خاط الثوب (ض) خیطًا سینا۔ صبغه: صبغ الثوب (ن،ض،ف) صِبغًا رنگنا۔ لت السویق: (ن) لتًا ستو میں گھی ملانا، ستو کو پانی سے تر کرنا۔

تشریح : مذکورہ بالا عبارت میں ایک مسئلہ اور ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے پھر تمثیلاً چند عیوب کا تذکرہ کیا گیا۔

اذا اطلع ...... یاخذ النقصان: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مشتری مبیع کے اندر کسی عیب سے باخبر ہوا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس مبیع کو پورے ثمن کے عوض خرید ے اور اگر چاہے تو مبیع کو واپس کردے البتہ مشتری کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ عیب دار مبیع کو روک کر بائع سے ثمن کی وہ مقدار وصول لے جو عیب کی بنیاد پر گھٹ گئی ہے۔ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ ثبوت خیار عیب کے لئے شرط یہ ہے کہ عیب بائع کے قبضہ میں رہ کر پیدا ہوا ہو اور مشتری نے عقد بیع کے وقت، اسی طرح قبضہ کے وقت اس عیب کو دیکھا نہ ہو اگر عیب دیکھ کر قبضہ کیا تو رضامندی کی دلیل ہے لہٰذا اختیار عیب ختم ہو جائے گا۔

و کل ما اوجب ...... فهو عیب : اس عبارت میں ان عیوب سے متعلق ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے جو مشتری کے لئے خیار رؤیت کے ثبوت کے لئے بنیاد ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو تاجر اور سوداگر کی عادت اور عرف میں ثمن میں نقصان کا سبب بنے وہ عیب ہے، یعنی سوداگروں کے نزدیک جس چیز کی وجہ سے اشیاء کی قیمت گھٹ جائے اس کو عیب کہتے ہیں۔

الاباق ...... بعد البلوغ: تمثیل کے طور پر غلام اور باندی کے عیوب کا تذکرہ کیا گیا- غلام یا باندی کا بھاگنا- یہ بھاگنا مدت سفر کی مقدار ہو یا اس سے کم دونوں صورت میں عیب ہے۔ بستر پر پیشاب کرنا، چوری کرنا (دس درہم یا اس سے کم) یہ تینوں چیزیں بلوغت سے پہلے پہلے عیب ہیں بالغ ہونے کے بعد ان کا شمار عیب میں نہیں لیکن اگر بالغ ہونے کے بعد ان چیزوں کا اعادہ ہوا تو ان کا شمار عیب میں ہوگا۔ صاحب کفایہ نے پانچ سال یا اس سے زائد عمر کے بچوں کا بستر پر پیشاب کرنا عیب بتایا ہے۔

البخر والذفر ...... من داء: منہ کی بدبو اور بغل کی بدبو باندی کے حق میں عیب میں داخل ہے کیونکہ بسا اوقات ہمبستری کی ضرورت کے وقت یہ چیزیں مخل ثابت ہوتی ہیں، غلام میں عیب نہیں کیونکہ اس سے صرف خدمت مقصود ہوتی ہے لیکن اگر یہ بدبو کسی بیماری کے نتیجہ میں ہے تو غلام میں بھی عیب ہے کیونکہ بیماری خود عیب ہے۔

والزنا ...... دون الغلام: باندی کا زانیہ ہونا یا نطفہ زنا سے پیدا ہونا دونوں چیزیں باندی کے حق میں عیب ہیں کیونکہ یہ چیزیں باندی سے اصل مقصود یعنی جماع کرنا اور طلب ولد میں مخل ہوں گی اور بدنامی کی وجہ سے طبیعت ایسی عورت کو فراش بنانے سے نفرت کرتی ہے، البتہ غلام میں یہ چیزیں عیب نہیں ہیں الا یہ کہ غلام زنا کا عادی ہو تو اب یہ عیب میں شمار ہوگا۔

واذا حدث عند المشتری ...... بعیبه: ایک شخص نے ایک عیب دار چیز خریدی خریدار کو خریدتے وقت اس

عیب کا علم نہیں تھا اب خریدار کے قبضہ میں رہ کر مبیع کے اندر ایک اور عیب پیدا ہو گیا اس کے بعد وہ عیب سامنے آیا جو مبیع میں بائع کے قبضہ میں رہ کر پیدا ہوا تھا تو اس صورت میں مشتری سامان کو واپس کرنے کا اختیار نہیں رکھتا البتہ اسکو اتنا اختیار ہے کہ مبیع میں موجود عیب سابق کی وجہ سے ثمن میں جو نقصان لاحق ہوا ہے اس کو بائع سے وصول لے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مبیع کی قیمت بلا عیب اور عیب سابق کے ساتھ لگائی جائے اور دونوں میں جو فرق محسوس ہو اسی حساب سے نقصان ثمن وصول کیا جائے مثلاً بلا عیب مبیع کی قیمت پندرہ روپیہ ہے اور عیب سابق کے ساتھ دس روپیہ ہے تو یہ پانچ روپیہ نقصان عیب کہلائے گا، لیکن اگر بائع اس عیب دار مبیع کو لینے پر از خود راضی ہے تو یہ اس کا اپنا اختیار ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وان قطع المشتری الخ: اگر کسی نے کپڑا خریدا اور اس کو کاٹ کر سلا لیا یا اس کو رنگ دیا یا ستو خرید کر اس میں گھی یا مکھن ملا دیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں عیب تھا تو مشتری اس صورت میں عیب کی وجہ سے پیدا شدہ نقصان ثمن بائع سے وصول سکتا ہے اور بائع کے لئے شرعاً جائز نہیں ہے کہ مبیع کو زیادتی کے ساتھ واپس لے لے کیونکہ یہ زیادتی سود کے معنی میں ہے جو شرعاً حرام ہے۔

وَ مَنِ اشْتَرٰی عَبْدًا فَاَعْتَقَهٗ اَوْ مَاتَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰی عَیْبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِهٖ فَاِنْ قَتَلَ الْمُشْتَرِیْ الْعَبْدَ اَوْ کَانَ طَعَامًا فَاَکَلَهٗ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰی عَیْبِهٖ لَمْ یَرْجِعْ عَلَیْهِ بِشَیْءٍ فِیْ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَا یَرْجِعُ بِنُقْصَانِ الْعَیْبِ وَ مَنْ بَاعَ عَبْدًا فَبَاعَهُ الْمُشْتَرِیْ ثُمَّ رُدَّ عَلَیْهِ بِعَیْبٍ فَاِنْ قَبِلَهٗ بِقَضَاءِ الْقَاضِیْ فَلَهٗ اَنْ یَرُدَّهٗ عَلٰی بَائِعِهِ الْاَوَّلِ وَ اِنْ قَبِلَهٗ بِغَیْرِ قَضَاءِ الْقَاضِیْ فَلَیْسَ لَهٗ اَنْ یَرُدَّهٗ عَلٰی بَائِعِهِ الْاَوَّلِ وَ مَنِ اشْتَرٰی عَبْدًا وَ شَرَطَ الْبَائِعُ الْبَرَاءَةَ مِنْ کُلِّ عَیْبٍ فَلَیْسَ لَهٗ اَنْ یَرُدَّهٗ بِعَیْبٍ وَ اِنْ لَمْ یُسَمِّ جُمْلَةَ الْعُیُوْبِ وَ لَمْ یَعُدَّهَا.

ترجمہ: اور جس شخص نے غلام خرید کر اس کو آزاد کر دیا یا غلام اس کے پاس مر گیا پھر مشتری کسی عیب پر مطلع ہوا تو مشتری نقصان عیب لے سکتا ہے، پس اگر مشتری نے غلام کو قتل کر دیا یا (مبیع) کھانا تھا اس کو کھا لیا پھر اس کے عیب پر مطلع ہوا تو امام ابو حنیفہؒ کے قول میں کچھ واپس نہیں لے سکتا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مشتری نقصان عیب واپس لے سکتا ہے۔ اور جس شخص نے غلام فروخت کیا پھر مشتری نے اس کو فروخت کر دیا پھر وہ غلام مشتری کی طرف کسی عیب کی وجہ سے واپس کر دیا گیا پس اگر (پہلے) مشتری نے اس کو قاضی کے حکم سے قبول کیا تو مشتری اس کو اپنے پہلے بائع کو واپس کر دے گا اور اگر مشتری نے اس کو قضائے قاضی کے بغیر قبول کیا تو وہ اس کو اپنے پہلے بائع پر نہیں لوٹا سکتا۔ اور جس شخص نے غلام خریدا اور بائع نے ہر عیب سے بری ہونے کی شرط لگا دی تو مشتری اس کو کسی عیب کی وجہ سے واپس نہیں کر سکتا اگر چہ اس نے تمام عیوب کا تذکرہ نہیں کیا تھا اور نہ اس کو شمار کرایا تھا۔

تشریح: اس عبارت میں مجموعی طور پر چار مسئلے مذکور ہیں۔

مسئلہ (۱) **ومن اشتری ...... بنقصانہ:** اگر کسی نے غلام خرید کر بلا کسی مال کے عوض آزاد کر دیا یا غلام مشتری

کے یہاں آکر مرگیا اس کے بعد مشتری اس عیب سے واقف ہوا جو مبیع کے اندر بائع کی ملکیت میں رہ کر پیدا ہوا تھا تو اس صورت میں مشتری بائع سے نقصان عیب وصول کرسکتا ہے، غلام آزاد کرنے کی صورت میں رجوع بالنقصان قیاساً نہیں بلکہ استحساناً جائز ہے۔امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بھی اس کے قائل ہیں۔اور اگر غلام کو مال کے عوض آزاد کردیا گیا اس کے بعد عیب کا علم ہوا تو اس صورت میں مشتری کو بائع سے رجوع بالنقصان کا حق نہیں ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت کے مطابق مشتری کے لئے بائع سے رجوع بالنقصان کا حق ہے۔امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام احمد اسی کے قائل ہیں۔الحاصل غلام کا آزاد کرنا بالعوض ہو یا بلاعوض، مشتری بائع سے نقصان عیب وصول سکتا ہے۔

مسئلہ(۲) **فان قتل المشتری ...... بنقصان العیب:** ایک شخص نے غلام خرید کر اس کو قتل کردیا یا کوئی چیز خرید کر کھا گیا، گویا مسئلہ کی دو صورت ہے مشتری کو مبیع کے اندر موجود عیب کا علم ہوا دونوں صورت میں امام صاحب کے نزدیک مشتری نقصان عیب بائع سے وصول نہیں سکتا، پہلی صورت میں امام ابو یوسف سے ایک روایت کے مطابق مشتری بائع سے وصول سکتا ہے۔ینابیع کے بیان کے مطابق امام محمد بھی امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں اور دوسری صورت میں صاحبین، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک مشتری کو بائع سے نقصان عیب وصولنے کا اختیار ہے فتوی صاحبین کے قول پر ہے گویا اصل اختلاف اکل طعام کے متعلق ہے۔

مسئلہ(۳) **ومن باع ...... علی بائعه الاوّل:** صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے حامد کو ایک غلام فروخت کیا حامد نے ارشد کو فروخت کردیا لیکن ارشد نے کسی عیب کی وجہ سے غلام حامد کو واپس کردیا، اب اس مسئلہ کی دو صورت ہیں (۱) حامد (بائع ثانی) نے اس واپسی کو قاضی کے حکم کی وجہ سے قبول کیا (۲) یا حامد نے اپنی رضامندی پر قبول کیا نہ کہ قاضی کے حکم کی وجہ سے، اگر پہلی صورت ہے تو حامد اس غلام کو زید (بائع اوّل) کو واپس کرسکتا ہے کیونکہ یہ فیصلۂ قاضی ہر ایک کے لئے فسخ بیع کا حکم رکھتا ہے اور اگر دوسری صورت ہے تو حامد اس غلام کو زید کو واپس نہیں کرسکتا ہے کیونکہ صورت ثانیہ غیر کے حق میں بیع جدید ہے زید ان دونوں کے اعتبار سے غیر ہے۔

مسئلہ(۴) **ومن اشتری عبداً الخ:** ایک شخص نے غلام فروخت کیا اور ہر عیب سے بری ہونے کی شرط لگادی یعنی اس نے یہ کہا کہ میں اس کے تمام عیب کا ذمہ دار نہیں ہوں مشتری نے اس شرط کے ساتھ خرید لیا تو اب مشتری کو خیار عیب یعنی عیب کی وجہ سے واپسی کا حق حاصل نہیں ہوگا، خواہ بائع نے تمام عیوب نام بنام شمار کرایا یا نہ، اور ان عیوب سے بائع یا مشتری واقف ہوں یا نہ واقف ہوں۔امام شافعیؒ کے نزدیک اس شرط کے ساتھ بیع درست نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس شرط میں ہر وہ عیب داخل ہوں گے جو بوقت عقد بیع میں بالفعل موجود ہوں اور جو مشتری کے قبضہ سے پہلے نئے عیب پیدا ہوگئے ہوں۔امام ابو یوسفؒ کا بھی ایک قول ایسا ہی ہے۔امام محمد، امام زفر اور امام مالکؒ کے نزدیک اس شرط میں عقد بیع کے وقت بالفعل موجود عیب داخل ہوں گے اور مشتری کے قبضہ سے پہلے جو عیب پیدا ہوا وہ اس میں داخل نہیں ہوگا گویا اس صورت میں مشتری کو خیار عیب کا حق حاصل ہے۔

باب بیع الفاسد

بیع فاسد کا بیان

صاحب قدوری بیع صحیح کی دونوں قسموں یعنی بیع لازم اور غیر لازم کی بحث مکمل کرنے کے بعد اب اس باب میں بیع غیر صحیح کی ابتداء فرمارہے ہیں۔ بیع غیر صحیح کی چار قسمیں ہیں (۱) بیع باطل (۲) بیع فاسد (۳) بیع مکروہ (۴) بیع موقوف۔

(۱) بیع باطل : وہ بیع ہے جو اصل (ذات) کے اعتبار سے اور ایسے ہی وصف کے اعتبار سے جائز نہ ہو یہ بیع علی الاطلاق غیر مفید ہوتی ہے قبضہ سے پہلے اور قبضہ کے بعد بھی جیسے معدوم کی بیع، شراب، خنزیر، مردار وغیرہ کی بیع۔

(۲) بیع فاسد : وہ بیع ہے جو اصل کے اعتبار سے جائز ہو البتہ وصف کے اعتبار سے ناجائز ہو یہ محض عقد سے ملکیت کا فائدہ نہیں پہونچاتی بلکہ مفید ملک کے لئے قبضہ ضروری ہے جیسے مبیع یا ثمن میں ایسی جہالت جو نزاع کا سبب بنے، غیر مقدور التسلیم کی بیع یعنی ایسی چیز کی فروختگی جس کی سپردگی کی بائع کو قدرت نہ ہو جیسے غلام مفرور، مقتضائے عقد کے خلاف شرط کرنا، مالیت نہ ہونا۔

(۳) بیع مکروہ : وہ بیع ہے جو اصل اور وصف دونوں اعتبار سے جائز ہو مگر فعل منہی عنہ اس سے متصل ہو جیسے اذانِ جمعہ کے بعد بیع کرنا۔

(۴) بیع موقوف : وہ بیع ہے جو اصل اور وصف دونوں کے اعتبار سے جائز ہو مگر عقد بیع کا جواز کسی ثالث کی اجازت پر منحصر ہو جیسے غلام کی بیع کا مدار مولیٰ کی اجازت پر ہے۔

بیع فاسد کثرتِ اسباب کی بنیاد پر چونکہ کثیر الوقوع ہے اس لئے باب کا عنوان ''البیع الفاسد'' منتخب کیا گو اس باب کے تحت بیع غیر صحیح کی دیگر اقسام کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

واضح رہے کہ فاسد اور باطل میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے یعنی فاسد کا اطلاق فاسد اور باطل دونوں پر ہوتا ہے اور باطل کا اطلاق صرف باطل پر ہوتا ہے۔

اِذَا کَانَ اَحَدُ العِوَضَینِ اَوْ کِلَاھُمَا مُحَرَّمًا فَالْبَیْعُ فَاسِدٌ کَالْبَیْعِ بِالْمَیْتَۃِ اَوْ بِالدَّمِ اَوْ بِالْخَمرِ اَوْ بِالْخِنْزِیْرِ وَ کَذَالِكَ اِذَا کَانَ الْمَبِیْعُ غَیرَ مَمْلُوْكٍ کَالحُرِّ وَ بَیْعُ اُمِّ الوَلَدِ وَ الْمُدَبَّرِ وَ الْمُکَاتَبِ فَاسِدٌ وَ لَایَجُوْزُ بَیْعُ السَّمَكِ فِی الْمَاءِ قَبْلَ اَنْ یَصْطَادَہٗ وَ لَا بَیْعُ الطَّائِرِ فِی الْھَوَاءِ.

ترجمہ : جب عوضین میں سے ایک یا دونوں چیزیں حرام ہوں تو بیع فاسد ہے جیسے بیع مردار کے عوض یا خون کے عوض یا شراب کے عوض یا سور کے عوض، اور اسی طرح جب مبیع مملوک نہ ہو جیسے آزاد آدمی، ام ولد، مدبر اور مکاتب کی بیع فاسد ہے۔ اور مچھلی کی بیع پانی میں شکار کرنے سے پہلے جائز نہیں ہے اور ہوا میں پرندہ کی بیع جائز نہیں ہے۔

بیع فاسد اور بیع باطل کے احکام

حل لغات: الفاسد: فسد (ن ض ك) فسادًا وصف کا متغیر ہو جانا، بگڑ جانا، خراب ہو جانا، اصطلاحی تعریف گذر چکی ہے۔ المیتة: مردار۔ الخمر: شراب۔ السمك: مچھلی۔ یصطاد: باب افتعال ہے مصدر اصطیاد شکار کرنا۔ الھواء: فضاء۔

تشریح: بیع باطل اور بیع فاسد کے متعلق چند اصولی بات ذہن نشین کرلیں۔

(۱) اگر رکن بیع یعنی ایجاب وقبول میں خلل ہو جیسے عاقد میں عقد کی اہلیت کا نہ ہونا، یا محل بیع میں خلل ہو جیسے کسی حرام چیز کو مبیع بنانا، یا مبیع کا معدوم ہونا یا مبیع کا مال نہ ہونا ان صورتوں میں بیع باطل ہوگی۔ (۲) اگر مبیع میں حلال چیز کے ساتھ حرام چیز داخل کردی گئی تو دونوں میں بیع باطل ہوگی۔ (۳) اگر ثمن میں کوئی خلل ہو مثلاً ثمن کوئی حرام شئی ہو یا مبیع میں کوئی خلل ہو مثلاً وہ مقدور التسلیم نہ ہو یا عقد میں کوئی ایسی شرط ہو جو نہ مقتضائے عقد ہو نہ عقد کے مناسب ہو اور اس شرط میں بائع یا مشتری یا اس مبیع کا فائدہ ہو جس میں منفعت کے استحقاق کی اہلیت ہو اور اس شرط کا نہ رواج ہو اور شریعت میں نہ اس کا جواز ہو ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔ (۴) جو چیز تنہا معقود علیہ نہ ہو سکتی ہو اگر اس کا استثناء کرلیا جائے تو بیع فاسد ہوگی۔
(الصبح النوری ج ۱، ص ۲۹۸)

اذا کان ...... بالخنزیر الخ: مردار اور خون کی بیع باطل ہے کیونکہ یہ مال نہیں ہیں اس لئے محل بیع نہیں ہیں یہی حکم آزاد شخص کی بیع کا ہے۔ خمر اور خنزیر کی بیع فاسد ہے کیونکہ یہ اہل ذمہ کے نزدیک مال میں شمار ہوتے ہیں لہٰذا مبادلۃ المال بالمال کا مصداق موجود ہے لیکن مسلمان کے نزدیک غیر مقدور التسلیم ہے اس لئے خمر اور خنزیر کی بیع فاسد ہو جائے گی۔

و کذالك ...... فاسد الخ: یہاں لفظ فاسد باطل کے معنی میں ہے۔ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جب مبیع آزاد آدمی کی طرح غیر مملوک ہو تو اس کی بیع فاسد یعنی باطل ہے جیسے ام ولد، مدبر اور مکاتب کی بیع باطل ہے کیوں کہ ان تینوں کے اندر مشتری کے لئے ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے اور جو بیع مفید ملک نہ ہو وہ بیع باطل ہوتی ہے اس لئے ان تینوں کی بیع باطل ہے۔

ام ولد: اس باندی کو کہتے ہیں جس سے اس کے مولیٰ نے وطی کی ہو اور اس کے نطفہ سے بچہ پیدا ہوا ہو، مالک کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے گی۔ **مدبر:** وہ غلام جس کو مالک نے کہہ دیا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے مالک کے انتقال کے بعد اس کے ثلث مال سے اس پر آزادی واقع ہوگی۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) مدبر مطلق (۲) مدبر مقید۔

مدبر مطلق: مدبر کی جو تعریف اوپر گذر چکی وہی تعریف مدبر مطلق کی بھی ہے متن میں دوسرے مدبر مطلق مراد ہے۔

مدبر مقید: مولیٰ نے اس کی آزادی کسی مخصوص موت پر معلق کر دیا ہو مثلاً اگر میں سفر میں مرگیا یا کسی بیماری میں مرگیا تو تم آزاد ہو۔

مکاتب: مالک نے غلام سے کہا کہ تم اس قدر مال ادا کر دو تو تم آزاد ہو۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ مدبر مقید کی بیع بالاتفاق جائز ہے البتہ امام شافعی کے نزدیک مدبر مطلق کی بیع بھی جائز ہے۔

ولا یجوز بیع السمك الخ: شکار سے قبل دریا یا نہر وغیرہ میں مچھلی کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ دریا وغیرہ کی مچھلی کسی کی ملکیت نہیں بلکہ ہر شخص کو اس کے پکڑنے کی اجازت ہے اور جو چیز غیر مملوک ہے اس کی بیع جائز نہیں ہے اس لئے تالاب وغیرہ کی مچھلی کی بیع شکار سے قبل جائز نہیں ہے۔

پرندے کی فروختگی کی تین شکلیں ہیں: (۱) شکار کرنے سے قبل پرندے کا ہوا میں فروخت کرنا (۲) پرندے کا شکار کرنے کے بعد ہاتھ سے چھوڑ کر اس کو فروخت کرنا (۳) پرندے کی اپنے آشیانہ میں آمد و رفت ہونا۔ اوّل دونوں شکلوں میں فروختگی بالاتفاق ناجائز ہے، پہلی شکل میں پرندہ غیر مملوک ہے اس لئے اس کی بیع باطل ہے اور دوسری شکل میں مملوک تو ہے مگر غیر مقدور التسلیم ہے اس لئے اس کی بیع فاسد ہے۔ تیسری صورت میں اگر آشیانہ سے بآسانی پکڑنا ممکن ہو تو اس کی بیع جائز ہے ورنہ نہیں۔ (عینی وہدایہ)

وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ الحَمْلِ فِي البَطْنِ وَ لَا النِّتَاجِ وَلَا الصُّوْفِ عَلٰى ظَهْرِ الغَنَمِ وَ لَا بَيْعُ اللَّبَنِ فِي الضَّرْعِ وَ لَا يَجُوْزُ بَيْعُ ذِرَاعٍ مِنْ ثَوْبٍ وَ لَا بَيْعُ جِذْعٍ مِنْ سَقْفٍ وَضَرْبَةُ القَانِصِ وَ لَا بَيْعُ المُزَابَنَةِ وَ هُوَ بَيْعُ الثَّمَرِ عَلَى النَّخْلِ بِخَرْصِهٖ تَمْرًا.

ترجمہ: اور پیٹ میں حمل کی بیع جائز نہیں ہے اور نہ حمل کے حمل کی اور نہ بکری کی پشت پر اون کی اور نہ تھن میں دودھ کی بیع اور تھان میں ایک گز کی بیع جائز نہیں ہے اور چھت میں سے شہتیر (کڑی) کی بیع جائز نہیں ہے نہ جال پھینکنے کی بیع اور نہ بیع مزابنہ اور وہ کھجور کے درخت پر پھلوں کا ٹوٹے ہوئے کھجور سے اندازہ کر کے بیچنا ہے۔

حل لغات: البطن: پیٹ۔ النتاج: حمل کا حمل۔ الصوف: اون۔ ظهر: پشت۔ الضرع: تھن۔ ثوب: کپڑے کا تھان۔ جذع: شہتیر، کڑی۔ سقف: چھت۔ القانص: یہ قنص سے ماخوذ ہے قنص الطیر (ض) قَنْصًا پرندہ کا شکار کرنا، القانص اسم فاعل شکاری۔ ضربة القانص: ایک بار جال لگانے سے جو شکار آجائے۔ القانص: خشکی کا شکاری۔ الغانص: دریائی شکاری۔ المزابنة: مصدر باب مفاعلہ یہ زبن سے ماخوذ ہے زَبَنَهٗ (ض) زَبْنًا دفع کرنا، ٹکر لگانا۔ المزابنة: درخت پر پھل بیچنا۔ نخل: کھجور کا درخت۔ خرص: اندازہ۔

تشریح: ولایجوز ...... ولا النتاج: اس عبارت میں مذکورہ دونوں بیع باطل ہیں جیسا کہ حدیث نبوی میں اس کی صراحت ہے۔ حمل کے بیع کی صورت یہ ہے کہ مثلاً مشتری کہتا ہے کہ اس اونٹنی یا بکری کے پیٹ میں جو بچہ ہے میں نے اسے ایک سو روپیہ میں خرید لیا، بائع نے اس کو قبول کیا۔

نتاج کی صورت یہ ہے کہ مشتری کہتا ہے کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں اگر مادہ بچہ ہو تو یہ مادہ بچہ بڑا ہو کر جو بچہ دے گا وہ میں نے خرید لیا، بائع نے اس کو قبول کیا۔

ولا الصوف علی ظهر الغنم ...... فی الضرع: بھیڑ اور بکری کی پشت پر اون کی بیع جائز نہیں ہے البتہ امام ابو یوسفؒ اور امام مالکؒ جواز کے قائل ہیں۔ اسی طرح تھن کے اندر موجود دودھ کی بیع نہ کیلاً جائز ہے اور نہ اندازہ سے۔

امام مالکؒ جواز کے قائل ہیں۔

ولا یجوز بیع ذراع ...... ضربة القانص: کسی تھان سے ایک گز کی بیع، اسی طرح چھت میں لگی شہتیر کی بیع فاسد ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں بائع کے لئے بغیر نقصان کے سپردگی ناممکن ہے اور یہ چیز مقتضیٰ عقد کے خلاف ہے البتہ اگر بائع نے مشتری کے فسخ عقد سے قبل تھان میں سے ایک گز کاٹ دیا یا چھت میں سے ایک شہتیر نکال دیا تو اس صورت میں بیع جائز ہوگی کیونکہ مفسد بیع یعنی نقصان زائل ہوگیا۔ضربۃ القانص کی بیع باطل ہے (حل لغات میں دیکھیں)

ولا بیع المزابنة الخ: بیع مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک ٹوٹی ہوئی کھجوروں کے عوض اس طور پر فروخت کرنا کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کا اندازہ کر کے اسی حساب سے ٹوٹی ہوئی کھجور کو کیل یا وزن کیا جائے کہ دونوں برابر ہوں۔اس کی صورت یہ ہے کہ اندازہ کے مطابق درخت کی کھجور تین من ہے تو مشتری نے اسی کے عوض تین من ٹوٹی ہوئی کھجور بائع کو دیدی تو اب درخت پر موجود پھل مشتری کا ہے، یہ بیع بالکل ناجائز ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ وسق سے کم کی صورت میں جائز ہے زائد کی صورت میں ناجائز ہے اور پانچ وسق کی صورت میں جواز وعدم جواز دونوں قول ہے۔ (عنایہ)

وَ لَا يَجُوزُ الْبَيْعُ بِالْقَاءِ الحَجَرِ وَ الْمُلَامَسَةِ وَ لَايَجُوْزُ بَيْعُ ثَوْبٍ مِنْ ثَوْبَيْنِ وَ مَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلٰى اَنْ يُعْتِقَهُ الْمُشْتَرِى اَوْ يُدَبِّرَهُ اَو يُكَاتِبَهُ اَوْ بَاعَ اَمَةً عَلٰى اَنْ يَسْتَوْلِدَهَا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ وَ كَذٰلِكَ لَوْ بَاعَ عَبْدًا عَلٰى اَنْ يَسْتَخْدِمَهُ الْبَائِعُ شَهْرًا اَوْ دَارًا عَلٰى اَنْ يَسْكُنَهَا الْبَائِعُ مُدَّةً مَعْلُوْمَةً اَوْ عَلٰى اَنْ يُقْرِضَهُ الْمُشْتَرِىْ دِرْهَمًا اَوْ عَلٰى اَنْ يَهْدِىَ لَهُ وَ مَنْ بَاعَ عَيْنًا عَلٰى اَنْ يُسَلِّمَهَا اِلَّا اِلٰى رَأْسِ الشَّهْرِ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ وَمَنْ بَاعَ جَارِيَةً اَوْ دَابَّةً اِلَّا حَمْلَهَا فَسَدَ البَيْعُ وَ مَنِ اشْتَرىٰ ثَوْبًا عَلٰى اَنْ يَقْطَعَهُ البَائِعُ وَ يَخِيطَهُ قَمِيْصًا اَوْ قَبَاءً اَوْ نَعْلًا عَلٰى اَنْ يَحْذُوَهَا اَوْ يُشَرِّكَهَا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ.

ترجمہ: اور پتھر ڈالنے کے ساتھ اور چھونے کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے اور دو تھانوں میں سے ایک کی بیع جائز نہیں ہے اور جس شخص نے غلام اس شرط پر فروخت کیا کہ مشتری اسکو آزاد کردے یا اس کو مدبر بنائے یا مکاتب بنائے یا باندی اس شرط پر فروخت کی کہ مشتری اس کو ام ولد بنائے تو (ان صورتوں میں) بیع فاسد ہے اور اسی طرح اگر غلام اس شرط پر فروخت کیا کہ بائع اس سے ایک ماہ تک خدمت لے گا یا مکان اس شرط پر فروخت کیا کہ بائع اس مکان میں ایک مدت معلومہ تک رہے گا یا اس شرط پر کہ مشتری، بائع کو ایک درہم قرض دے گا یا اس شرط پر کہ مشتری بائع کو کچھ ہدیہ دے۔اور جس نے کوئی چیز اس شرط پر فروخت کی کہ وہ اس کو ایک ماہ تک سپرد نہیں کرے گا تو بیع فاسد ہے اور جس نے باندی یا چوپایہ فروخت کیا بجز اس کے حمل کے تو بیع فاسد ہے اور جس شخص نے کپڑا اس شرط پر خریدا کہ بائع اس کپڑے کو کاٹ کر کرتا یا قباسی دے یا چمڑا خریدا اس شرط پر کہ اس کا جوتا بنائے یا جوتے کا تسمہ بنائے تو بیع فاسد ہے۔

حل لغات: المـلامسة: ایک دوسرے کو چھونا۔ رأس الشهر: مہینہ کی پہلی تاریخ۔ نعلا: جوتا، چمڑا۔ یہاں

عام طور پر دوسرا معنی مراد لیا گیا ہے لیکن حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتا ہے۔ **یحذو** : (ن) حذوًا النعل نمونہ پر کاٹنا، جوتا بنانا۔ اگر نعل کے معنی جوتا ہے تو حذو کا ترجمہ ہوگا نمونہ پر کاٹ کر برابر کرنا اور اگر نعل کے معنی چمڑا ہے تو حذو کا ترجمہ ہوگا جوتہ بنانا۔ **یشرك** : مصدر تشریک، جوتہ میں تسمہ لگانا۔ یہ لفظ بھی اس بات پر دال ہے کہ نعل کے معنی جوتا ہے۔ (فتح القدیر ج۶ ص۸۵)

ولا یجوز ...... والملامسة : زمانہ جاہلیت میں تین طرح کی بیع رائج تھی (۱) القاء الحجر (۲) الملامسۃ (۳) المنابذۃ۔ القاء الحجر: ایک جنس کی چند چیزیں موجود ہوں اور بائع ومشتری دونوں خرید وفروخت کے سلسلے میں گفتگو کر رہے ہوں مثلاً چند تھان کپڑے کے رکھے ہوئے تھے ابھی گفتگو چل ہی رہی تھی کہ مشتری نے ایک تھان پر کنکر ڈال دی۔ (۲) الملامسۃ: دو آدمی کسی چیز کے خرید وفروخت کے سلسلہ میں بھاؤ تاؤ کر رہے ہوں اسی دوران مشتری نے سامان کو چھو دیا۔ (۳) منابذۃ: کسی چیز کے خرید وفروخت کے متعلق دو آدمی گفتگو کر رہے ہوں اسی دوران بائع کسی ایک سامان کو مشتری کی طرف پھینک دے، ان تینوں صورتوں میں بیع لازم ہو جاتی دوسرے فریق کو واپسی کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ کی بیع کو منع فرمایا۔

ومن باع عبداً ...... ان یهدی له : اس عبارت کے اندر جو مسائل بیان کئے گئے ہیں ان میں فساد بیع کا سبب ایسے شرائط کا ہونا ہے جو اقتضاء عقد کے خلاف ہیں مسائل کی نوعیت ترجمہ سے واضح ہے۔

ومن باع عینًا ...... فالبیع فاسد : یہ اصول یاد رکھیں کہ عین مبیع میں تاخیر باطل ہے اور یہ شرط فاسد میں سے ہے کیونکہ عین مبیع میں تاخیر کی شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے البتہ دیون یعنی دراہم ودنانیر میں تاخیر مشروع ہے۔ موجودہ مسئلہ میں بائع نے مبیع کو ایک ماہ کی تاخیر کے ساتھ سپردگی کی شرط لگائی ہے تو ذکر کردہ اصول کی روشنی میں یہ بیع فاسد ہے۔

ومن باع جاریةً ...... فسد البیع : اگر کسی شخص نے ایک باندی یا جانور فروخت کیا مگر اس نے حمل کا استثناء کیا تو یہ بیع فاسد ہے کیونکہ ضابطہ کے مطابق استثناء اس چیز کا کیا جاتا ہے جس کا تنہا عقد کرنا صحیح ہو اور جس چیز کا تنہا عقد کرنا صحیح نہیں ہے اس کا عقد سے استثناء کرنا بھی صحیح نہیں ہے اور حمل کا تعلق اسی سے ہے لہٰذا حمل کا استثناء موجب عقد کے خلاف ہے پس استثناء صحیح نہیں ہوگا بلکہ شرط فاسد ہوگی اور شرط فاسد کی وجہ سے عقد بھی فاسد ہوگا اس لئے استثناء حمل کی بیع فاسد ہے۔

ومن اشتری ثوباً ...... او قباء : مشتری نے کپڑا خریدا اور بائع سے یہ شرط لگائی کہ اس کپڑے کو کاٹ کر اس کا کرتہ یا قباء بنائے تو مقتضائے عقد کے خلاف شرط کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہے۔

او نعلا علی ان یحذو الخ : ایک شخص نے چمڑا اس شرط پر خریدا کہ بائع اس کا جوتا بنادے یا جوتا اس شرط پر خریدا کہ بائع اس میں تسمہ لگا کر دے تو مقتضائے عقد کے خلاف شرط کی وجہ سے قیاس کے مطابق بیع فاسد ہونی چاہئے مگر جیسا کہ صاحب کتاب کا خیال ہے امام زفر بھی اسی کے قائل ہیں مگر عوام الناس کے تعامل کی وجہ سے استحساناً اس عقد کو جائز قرار دیا گیا۔ فتویٰ اسی پر ہے۔

وَ البَیْعُ اِلَی النَّیْرُوْزِ وَ المَهْرَجَانِ وَ صَوْمِ النَّصارىٰ وَ فِطْرِ الیَهُوْدِ اِذا لَمْ یَعْرِفِ المُتَبایِعَانِ

ذٰلِكَ فَاسِدٌ وَ لَا يَجُوْزُ الْبَيْعُ اِلَى الْحَصَادِ وَ الدِّيَاسِ وَ الْقِطَافِ وَ قُدُوْمِ الْحَاجِّ جَازَ الْبَيْعُ وَ اِذَا قَبَضَ الْمُشْتَرِيْ الْمَبِيْعَ فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ بِاَمْرِ الْبَائِعِ وَ فِي الْعَقْدِ عِوَضَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَالٌ مَلَكَ الْمَبِيْعَ وَ لَزِمَتْهُ قِيْمَتُهُ وَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَعَاقِدَيْنِ فَسْخُهُ فَاِنْ بَاعَهُ الْمُشْتَرِيْ نَفَذَ بَيْعُهُ وَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ حُرٍّ وَ عَبْدٍ اَوْ شَاةٍ ذَكِيَّةٍ وَ مَيْتَةٍ بَطَلَ الْبَيْعُ فِيْهِمَا وَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ عَبْدٍ وَ مُدَبَّرٍ اَوْ بَيْنَ عَبْدِهٖ وَ عَبْدِ غَيْرِهٖ صَحَّ الْبَيْعُ فِي الْعَبْدِ بِحِصَّتِهٖ مِنَ الثَّمَنِ۔

ترجمہ : اور نوروز، مہرجان، نصاریٰ کے روزوں اور یہودیوں کی عید تک (کے وعدہ پر) بیع فاسد ہے جب کہ بائع اور مشتری اس کو نہ جانتے ہوں اور کھیتی کاٹنے یا اس کے گاہنے یا انگور توڑنے یا حجاج کے آنے تک (کے وعدہ پر) بیع جائز نہیں ہے۔ پھر اگر بائع اور مشتری لوگوں کے کھیتیاں کاٹنے، گاہنے اور حجاج کے آنے سے میعاد کے ساقط کرنے پر راضی ہو گئے تو بیع جائز ہو جائے گی۔ اور جب مشتری نے بیع فاسد میں بائع کے حکم سے مبیع پر قبضہ کر لیا جب کہ عقد میں دو عوض ہیں ان میں سے ہر ایک مال ہے تو مشتری مبیع کا مالک ہوگا اور مشتری پر اس کی قیمت واجب ہوگی اور بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو فسخ بیع کا حق ہوگا پس اگر مشتری نے اس مبیع کو فروخت کر دیا تو اس کا فروخت کر دینا نافذ ہوگا اور جس شخص نے آزاد اور غلام کو جمع کر کے فروخت کیا یا ذبح کی ہوئی بکری اور مردار بکری کو ملا کر فروخت کیا تو دونوں میں بیع باطل ہے اور جس شخص نے غلام اور مدبر کو یا اپنے غلام کے ساتھ دوسرے کے غلام کو جمع کر کے فروخت کیا تو غلام کی بیع اس کے حصہ ثمن کے عوض جائز ہے۔

حل لغات : النیروز : دراصل نوروز سے معرب ہے، شمسی سال کا پہلا دن ہے۔ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس کا تکلم فرمایا۔ جب کفار اس دن خوشیاں مناتے تھے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہمارے لئے ہر دن نوروز ہے۔ نوروز مختلف ہیں برجندی نے اس کی تعداد سات بیان کی ہے مثلاً نوروز سلطان، نوروز مجوس، نوروز دیاقین (دیہاتیوں کا نوروز) نوروز سلطان: یہ فصل ربیع کا پہلا دن ہے جس میں آفتاب برج حمل میں آتا ہے مطابق ۲۲ مارچ۔ نوروز مجوس: اس دن آفتاب برج حوت میں آتا ہے۔ المهرجان: دراصل مہرگان کا معرب ہے، فصل خریف کا پہلا دن، ہر ماہ کا سولھواں دن جس میں آفتاب برج میزان میں آتا ہے، پارسیوں کی عید کا دن۔ حصاد: مصدر باب (ض، ن) سے کھیتی کاٹنا۔ دیاس: مصدر باب (ن) سے کھیت گاہنا۔ القطاف: میوہ توڑنے کا موسم۔ ذکیة: مذبوحہ۔

خلاصہ : اس پوری عبارت میں آٹھ مسئلے مذکور ہیں۔ مسئلہ (۱): وہ بیع جس میں مشتری نے ثمن کی ادائیگی کے لئے نوروز، مہرجان، صوم نصاریٰ اور فطر یہود کے دن کی تعیین کی، یعنی مشتری نے کہا کہ میں ان ایام میں سامان کی قیمت ادا کروں گا اور بائع مشتری کو ان ایام کا علم نہ ہو تو ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہے (کیونکہ میعاد ثمن مجہول ہے) مسئلہ (۲): اگر کسی نے کہا کہ میں نے اس چیز کو پانچ روپے میں خریدا بشرطیکہ اس کی قیمت کھیتی جس وقت کٹے گی یا اناج جس وقت گاہا جائیں گے یا حاجی کی آمد پر یا جس وقت انگور توڑے جائیں گے ادا کروں گا تو ان تمام صورتوں میں (امکان تقدیم و تاخیر کی وجہ سے) بیع فاسد ہے۔ مسئلہ (۳) اور اگر کسی نے اوقات مذکورہ کے وعدہ پر بیع کی پھر بائع اور مشتری کھیتی کٹنے، گاہنے

اور حجاج کی آمد سے قبل اسقاط مدت پر راضی ہو گئے تو (عند الاحناف) بیع جائز ہوگی۔ مسئلہ (۴) اگر مشتری نے بیع فاسد میں بائع کی اجازت پر مبیع پر قبضہ کر لیا اور اس عقد میں دونوں عوض یعنی ثمن اور مبیع مال ہوں تو (عند الاحناف) مشتری مبیع کا مالک ہو جائے گا اور مشتری پر اس کی قیمت واجب ہوگی (ثمن واجب نہ ہوگا)۔ مسئلہ (۵): (فساد دور کرنے کے لئے) متعاقدین میں سے ہر ایک کو بیع فاسد فسخ کرنے کا اختیار ہے (خواہ قبضہ سے پہلے ہو یا قبضہ کے بعد ہو)۔ مسئلہ (۶) اگر کسی شخص نے بشراء فاسد کوئی چیز خریدی پھر اس پر قبضہ کرنے کے بعد اسکو مشتری نے کسی سے فروخت کر دیا تو مشتری کی یہ بیع نافذ ہو جائے گی۔ مسئلہ (۷) اگر کسی نے عقد بیع میں آزاد آدمی اور غلام یا مذبوحہ بکری اور مردار بکری کو جمع کر دیا تو (امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک) دونوں صورتوں میں دونوں کی بیع باطل ہوگی۔ مسئلہ (۸) اگر غلام (غیر مملوک) اور مدبر کو ملا کر یا اپنے اور غیر کے غلام (مملوک) کو ملا کر فروخت کیا تو خالص غلام اور اپنے غلام (مملوک) میں ان کے حصۂ ثمن کے عوض بیع جائز ہے۔

تشریح: فان تراضیا ...... جاز البیع: یہ مسئلہ ۳ ہے اس صورت میں احناف کے نزدیک بیع جائز ہے۔ امام زفرؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع فاسد ہے۔

واذا قبض ...... لزمته قیمته: یہ مسئلہ ۴ ہے اس عبارت میں بیع فاسد کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ عند الاحناف مشتری مبیع کا مالک ہو جاتا ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مشتری، مبیع کا مالک نہیں ہوتا ہے۔

ولکل واحد ...... فسخه: یہ مسئلہ ۵ ہے اس مسئلہ میں طرفین اور امام ابو یوسف کا اختلاف ہے طرفین کے نزدیک فسخ عقد کے وقت فریق ثانی کی حاضری ضروری ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فریق ثانی کی حاضری ضروری نہیں ہے بلکہ فیصلۂ قاضی بھی شرط نہیں بشرطیکہ مبیع مین تصرف نہ کیا گیا ہو۔

ومن جمع ...... فیهما: یہ مسئلہ ۷ ہے اس مسئلہ میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک دونوں صورتوں میں خواہ دونوں کا ثمن الگ الگ بیان کیا ہو یا الگ الگ بیان نہ کیا ہو بیع باطل ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک یہاں تفصیل ہے فرماتے ہیں کہ اگر دونوں کا ثمن الگ الگ بیان کیا مثلاً یہ کہا کہ میں نے آزاد اور غلام یا مذبوحہ بکری اور مردار بکری کو بارہ سو روپیہ کے عوض خریدا اور ان میں سے ہر ایک کا ثمن چھ سو روپیہ ہے تو اس صورت میں غلام اور مذبوحہ بکری کی بیع درست ہوگی اور آزاد اور مردار بکری کی بیع باطل ہوگی اور اگر دونوں کا ثمن الگ الگ نہیں بیان کیا تو دونوں کی بیع باطل ہوگی جیسا کہ امام صاحب کا مسلک ہے۔ امام شافعی کا ایک قول اور امام احمد کی ایک روایت امام صاحب کے مذہب کے مطابق ہے۔

ومن جمع بین عبد الخ: یہ مسئلہ ۸ ہے ہمارے علمائے ثلثہ کے نزدیک غلام مملوک کی بیع اس کے حصۂ ثمن کے عوض جائز ہے اور مدبر اور غیر مملوک غلام کی بیع باطل ہے اور امام زفر کے نزدیک ہر صورت میں بیع فاسد ہے۔

وَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّجَشِ وَ عَنِ السَّوْمِ عَلٰى سَوْمِ غَيْرِهٖ وَ عَنْ تَلَقِّي الْجَلَبِ وَ عَنْ بَيْعِ الْحَاضِرِ لِلْبَادِىْ وَ الْبَيْعِ عِنْدَ اَذَانِ الْجُمُعَةِ وَ كُلُّ ذٰلِكَ يُكْرَهُ وَلَا يَفْسُدُ بِهِ الْبَيْعُ وَمَنْ مَلَكَ مَمْلُوْكَيْنِ صَغِيْرَيْنِ اَحَدُهُمَا ذُوْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنَ

الاٰخَرِ لَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَهُمَا وَ كَذَالِكَ اِذَا كَانَ اَحَدُهُمَا كَبِيْرًا وَ الاٰخَرُ صَغِيْرًا فَاِنْ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا كُرِهَ ذٰلِكَ وَ جَازَ الْبَيْعُ وَ اِنْ كَانَا كَبِيْرَيْنِ فَلاَ بَاْسَ بِالتَّفْرِيْقِ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ : اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا اور دوسرے کے دام پر دام لگانے سے اور تلقی جلب سے اور دیہاتی کا مال شہری سے فروخت کرنے سے، اور اذانِ جمعہ کے وقت فروخت کرنے سے اور یہ سب بیوع مکروہ ہیں اور کراہت کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوگی اور جو شخص ایسے دو نابالغ مملوک کا مالک ہو کہ ان دونوں میں سے ایک دوسرے کا ذی رحم محرم ہو تو ان میں تفریق نہ کرے اور اسی طرح اگر ان میں سے ایک بالغ ہو اور دوسرا نابالغ ہو تو اگر ان دونوں میں تفریق کردی تو یہ مکروہ ہے اور بیع جائز ہے اور اگر دونوں بڑے ہوں تو ان دونوں میں تفریق کردینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بیوعاتِ مکروہہ کا بیان

حل لغات : النجش: (بفتح النون) جیم میں دو لغت ہے ایک بالفتح اور دوسری بالکسر نجش (ن) نجشًا بلا ارادۂ خرید دوسروں کو ابھارنے کے لئے دام بڑھانا۔ السوم: بھاؤ۔ تلقی: ملنا۔ جلب: یعنی مجلوب، جلب الشئ (ن ض) جلبًا ایک شہر سے دوسرے شہر میں تجارت کے واسطے مال لے جانا۔ تلقی الجلب: سوداگروں سے مل جانا۔ الحاضر: مراد شہری۔ البادی: خانہ بدوش، دیہاتی، یہاں دوسرا معنی مراد ہے، مملوک، غلام۔

تشریح : عن النجش: اس کی صورت یہ ہے کہ دو آدمی کے درمیان کسی چیز کی خریداری کے متعلق گفتگو چل رہی تھی اور مبیع کی مناسب قیمت طے ہو چکی، تیسرے شخص نے آکر مشتری کو قیمت کے اضافہ پر ابھارنے کے لئے مبیع کی قیمت بڑھادی جب کہ اس کا خریدنے کا ارادہ نہیں ہے یہ بیع مکروہ ہے۔

عن السوم علی سوم غیرہ: اگر دو آدمی کسی چیز کے بارے میں گفتگو کر رہے ہوں اور مبیع کی قیمت بائع اور مشتری کے اتفاق سے طے ہو چکی ہو تیسرا شخص آکر کہتا ہے کہ میں اس سے کم قیمت میں دوں گا تو یہ بیع مکروہ ہے۔

تلقی الجلب: اس کی چند صورتیں ہیں (۱) شہر کے بعض تاجروں کو غلہ کے قافلہ کی آمد کی اطلاع ملی تو انھوں نے شہر سے باہر نکل کر قافلہ والوں سے غلہ سستا خرید لیا تاکہ حسب منشاء فروخت کریں جب کہ شہر میں قحط ہے اور غلہ بہت گراں ہے۔ (۲) قافلہ والوں سے غلہ سستا خرید لیا اور شہر کے نرخ سے واقف نہیں کرایا اور نہ قافلہ والوں کو شہر کا نرخ معلوم تھا، یہ دونوں صورتیں مکروہ تحریمی کی ہیں۔ پہلی صورت تو اس وجہ سے کہ اہل شہر کو نقصان پہونچے گا اور دوسری صورت اس وجہ سے کہ اہل قافلہ سے بھاؤ چھپا کر ان کو دھوکہ دیا گیا۔

اگر شہر میں غلہ کی تنگی نہ ہو اور قافلہ والوں سے مل کر سارا غلہ خرید لیا اسی طرح سے اگر قافلہ والوں سے غلہ کم قیمت پر یعنی سستا خریدا اور ان کو شہر کا بھاؤ بھی بتا دیا تو ان دونوں صورتوں میں بیع بلا کراہت جائز ہے۔

بیع الحاضر للبادی: للبادی کا لام یا تو اصلی معنی میں ہے یا من کے معنی میں ہے اگر لام اپنے اصل معنی میں ہے تو عبارت کا مطلب اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک دیہات کا آدمی اپنا غلہ فروخت کرنے کے لئے شہر میں آیا تو ایک شہری نے

اس سے ملاقات کی اور کہا کہ تم اہل شہر کی عادت و معاملات سے واقف نہیں ہو اور میں واقف ہوں اس لئے تم اپنا غلہ مجھے دیدو میں اسے گراں قیمت میں فروخت کردوں گا، پس یہ شہری اس دیہاتی تاجر کا وکیل بن کر زائد قیمت میں غلہ فروخت کرتا ہے تو یہ بیع مکروہ ہے کیونکہ اس صورت میں شہر والوں کا نقصان ہے بایں طور کہ شاید دیہاتی اپنا مال کم قیمت میں فروخت کرتا۔

اور اگر لام ''من'' کے معنی میں ہے تو عبارت کا مطلب اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شہری کے پاس غلہ موجود ہے وہ گراں قیمت سے بیچنے کے ارادہ سے شہر والوں سے فروخت کرنے کے بجائے دیہاتیوں سے فروخت کرتا ہے اب اس کی دو صورتیں ہیں یا تو شہر والے قحط اور تنگی میں مبتلا ہوں جس کی وجہ سے اہل شہر کو تکلیف ہوگی یا اہل شہر وسعت اور فراخی میں ہوں جس کی وجہ سے اہل شہر کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی اگر پہلی صورت ہے تو بیع مکروہ ہے اور اگر دوسری صورت ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

والبیع عند اذان الجمعة : جمعہ کے دن اذان اوّل کے بعد خرید و فروخت مکروہ ہے۔

وکل ذلك ...... البیع: مطلب یہ ہے کہ مندرجہ بالا تمام صورتوں میں بیع مکروہ ہے فاسد نہیں ہوگی۔

ومن ملك الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے دو نابالغ بچوں کا مالک ہوگیا کہ ان میں سے ایک دوسرے کا ذی رحم محرم ہے یا ان میں سے ایک بالغ اور دوسرا نابالغ ہے تو ان دونوں کے درمیان تفریق مکروہ ہے لیکن بیع جائز ہے البتہ تفریق کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور کراہت اسی وجہ سے ہے۔ اور اگر دونوں مملوک بالغ ہوں تو ان دونوں کے درمیان تفریق کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ آپؐ سے ماریہ اور سیرین کے درمیان تفریق ثابت ہے جو آپس میں بہنیں تھیں جیسا کہ روایاتِ صحیحہ میں ثابت ہے۔

باب الاقالة

اقالہ کا بیان

اقالہ کے مادۂ اشتقاق کے متعلق دو قول ہیں (۱) قول سے مشتق ہے اور اجوف واوی ہے اور ہمزہ سلب کے واسطے ہے ترجمہ ہوگا قول سابق یعنی ایجاب و قبول کو زائل کرنا۔ ابن ہمام اور بدرالدین کی تحقیق کے مطابق قول سے مشتق ماننا غلط ہے۔ (۲) قیل سے مشتق ہے اور اجوف یائی ہے اور معنی ہوگا بیع کا فسخ کرنا، توڑنا۔ اس کے صحیح ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اقالہ باب افعال کا مصدر ہے معنی ہے بیع توڑنا۔ اس باب کو بیع فاسد اور بیع مکروہ کے بعد ذکر کرنے کی یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ ان دونوں کے واجب ہونے کا اصل سبب گناہ اور معصیت ہے اور رد بیع اقالہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۱۱۳)

اَلْاِقَالَةُ جَائِزَةٌ فِی الْبَیْعِ لِلْبَائِعِ وَ الْمُشْتَرِی بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ فَاِنْ شَرَطَ اَکْثَرَ مِنْهُ اَوْ اَقَلَّ مِنْهُ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَ یُرَدُّ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ وَ هِیَ فَسْخٌ فِی حَقِّ الْمُتَعَاقِدَیْنِ بَیْعٌ جَدِیْدٌ فِی حَقِّ غَیْرِهِمَا فِی قَوْلِ اَبِی حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ هَلَاكُ الثَّمَنِ لَایَمْنَعُ صِحَّةَ الْاِقَالَةِ وَ هَلَاكُ الْمَبِیْعِ یَمْنَعُ صِحَّتَهَا وَ اِنْ هَلَكَ بَعْضُ الْمَبِیْعِ جَازَتِ الْاِقَالَةُ فِی بَاقِیْهِ.

ترجمہ: اقالہ بیع کے اندر بائع اور مشتری کے لئے ثمن اوّل کے مثل کے عوض جائز ہے پس اگر ثمن اوّل سے زیادہ یا اس سے کم کی شرط کی تو شرط باطل ہے اور مبیع ثمن اوّل کے مثل واپس کی جائے گی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقالہ متعاقدین کے حق میں فسخ بیع ہے اور ان دونوں کے علاوہ (ثالث) کے حق میں بیع جدید ہے اور ثمن کا ہلاک ہونا اقالہ کے صحیح ہونے کو نہیں روکتا اور مبیع کا ہلاک ہونا اقالہ کے صحیح ہونے کو روکتا ہے اور اگر مبیع کا کچھ حصہ ہلاک ہوگیا تو اس کے باقی کے اندر اقالہ جائز ہوگا۔

تشریح: **الاقالة ...... الاوّل:** اقالہ جائز ہے یعنی نص سے ثابت ہے اور کسی پر لازم نہیں ہے اس میں بائع کا حق ہے اور مشتری کا بھی یعنی دونوں کو اقالہ کرنے کا حق حاصل ہے اور بیع کا اقالہ ثمن کے مثل کے عوض جائز ہے یعنی مشتری نے بوقتِ عقد جو ثمن ادا کی تھی اس کی ادائیگی لازم نہیں ہے بلکہ بائع اس کے مثل دوسرا ثمن ادا کرے۔

فان شرط ...... الاوّل: اگر اقالہ میں ثمن اول سے زائد کی شرط کی یا اس سے کم کی مثلاً بائع چاہتا ہے کہ مشتری ثمن اوّل میں اضافہ کرے یا مشتری چاہتا ہے کہ بائع ثمن اوّل سے کچھ کم کرے تو ایسی شرط باطل ہے بائع پر صرف ثمن اول کا مثل واپس کرنا واجب ہے یعنی ایک چیز کی قیمت پانچ سو روپیہ ہے اگر بائع نے سو روپیہ کم کردینے کی شرط لگادی یا مشتری نے سو روپیہ زائد لینے کی شرط لگادی تو شرط باطل ہے بائع پر فقط پانچ سو روپیہ ادا کرنا لازم ہے۔

وھی فسخ ...... رحمه الله: اقالہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بائع اور مشتری کے حق میں فسخ ہے اور تیسرے کے حق میں بیع جدید ہے لیکن اگر اس فسخ کو فسخ قرار دینا ممکن نہ ہو تو اقالہ باطل ہوگا۔ امام ابویوسفؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے قول قدیم میں اقالہ عاقدین کے حق میں بیع ہوتا ہے۔ اگر بیع ہونا ناممکن ہو تو اقالہ فسخ کے حکم میں ہوگا، اور اگر فسخ قرار دینا ناممکن ہو تو اقالہ باطل ہوگا۔ امام محمد، امام زفر اور امام شافعیؒ کے قول جدید میں اقالہ ابتداءً فسخ بیع ہے، اگر یہ ناممکن ہو تو بیع قرار دیا جائے گا اور اگر یہ بھی (بیع قرار دینا) ناممکن ہو تو اقالہ باطل ہو جائے گا۔

وھلاك الثمن الخ: اگر عقد بیع کے بعد بائع سے ثمن ہلاک ہو جائے اور بائع و مشتری نے اقالہ کرنے کا ارادہ کرلیا تو اقالہ صحیح ہو جائے گا البتہ اگر مبیع ہی ہلاک ہوگئی تو اقالہ درست نہیں ہوگا کیونکہ اقالہ کا محل باقی نہیں رہا۔ اور اگر بعض مبیع ہلاک ہوگئی اور کچھ باقی ہے تو اس صورت میں بقیہ مبیع پر اسی حساب سے اقالہ جائز ہوگا کیونکہ محل عقد (مبیع) موجود ہے مثلاً دس کلو چنا آٹھ روپیہ فی کلو کے حساب سے اسی روپیہ میں خریدا اس میں سے پانچ کلو چنا خرچ ہوگیا تو بقیہ پانچ کلو چنا میں اقالہ درست ہو جائے گا۔

باب المرابحة والتولية

بیع مرابحہ اور بیع تولیہ کا بیان

اب تک ان بیوع کا تذکرہ تھا جن میں بنیادی چیز مبیع تھی اب ان بیوع کو زیب قرطاس کر رہے ہیں جن کا رشتہ ثمن سے ہے۔ صاحب الجوہرہ کی تحقیق کے مطابق بیع کی دو قسمیں ہیں (۱) بیع مساومہ (۲) بیع ضمان۔ بیع مساومہ یہ ہے کہ سامان کی قیمت اوّل پر نظر ڈالے بغیر اس کی جس قیمت پر عاقدین متفق ہو جائیں، یہ قسم زیادہ رائج ہے۔ بیع ضمان کی تین قسمیں ہیں

(۱) مرابحہ (۲) تولیہ (۳) وضعیہ۔ اوّل دونوں کی تعریف آگے آرہی ہے۔ بیع وضعیہ: ثمن اوّل سے کم کے عوض فروخت کرنا اس کا رواج بہت کم ہے مگر صاحب کفایہ نے ثمن کے اعتبار سے چار قسمیں بیان کی ہیں (۱) مساومہ (۲) وضعیہ (۳) مرابحہ (۴) تولیہ۔

اَلْمُرَابَحَةُ نَقْلُ مَا مَلَكَهُ بِالعَقْدِ الاَوَّلِ بِالثَّمَنِ الاَوَّلِ مَعَ زِيَادَةِ رِبْحٍ وَ التَّوْلِيَةُ نَقْلُ مَا مَلَكَهُ بِالعَقْدِ الاَوَّلِ بِالثَّمَنِ الاَوَّلِ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةِ رِبْحٍ وَ لَاتَصِحُّ الْمُرَابَحَةُ وَ التَّوْلِيَةُ حَتّٰى يَكُوْنَ العِوَضُ مِمَّا لَهُ مِثْلٌ.

ترجمہ: مرابحہ پہلے عقد کی وجہ سے جس شئی کا مالک ہوا ہے اس کو ثمن اوّل کے عوض کچھ زیادہ نفع کے ساتھ منتقل کرنا۔ اور تولیہ پہلے عقد کی وجہ سے جس شئی کا مالک ہوا ہے اس کو ثمن اوّل کے عوض بغیر زیادہ نفع کے منتقل کرنا اور مرابحہ اور تولیہ صحیح نہیں ہوگا یہاں تک کہ عوض ان اشیاء میں سے ہو جس کا مثل ہوتا ہے۔

خلاصہ: صاحب قدوریؒ نے بیع مرابحہ اور بیع تولیہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے، بیع مرابحہ یہ ہے کہ جتنے ثمن کے عوض مال خریدا گیا ہے اس پر متعین نفع کا اضافہ کر کے اس کو کسی اور سے فروخت کرنا مثلاً ایک اونٹ دو ہزار روپیہ میں خریدا گیا اس پر چار سو روپیہ کا اضافہ کر کے فروخت کر دیا جائے۔ بیع تولیہ یہ ہے کہ جتنے ثمن کے عوض مال خریدا گیا ہے اس پر بغیر کسی اضافہ کے اس کو اسی ثمن پر فروخت کر دیا جائے مثلاً بائع نے کہا کہ میں نے اس اونٹ کو دو ہزار روپیہ میں خریدا ہے اور اسی دام پر فروخت کرتا ہوں اور ان دونوں کے جائز ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ثمن مثلی یعنی دراہم و دنانیر یا کیلی یا وزنی یا عددیات متقاربہ ہوں کیونکہ بیع مرابحہ اور تولیہ میں خیانت اور شبہ خیانت سے احتراز بھی ضروری ہے اور ثمن کے مثلی ہونے کی صورت میں اس کا امکان ہے لیکن ثمن اگر قیمتی یعنی ذوات القیم میں سے ہو تو خیانت سے تو احتراز ممکن ہے مگر شبہ خیانت سے احتراز ناممکن ہے مثلاً ایک غلام ایک گھوڑے کے عوض خریدا اب اگر مشتری اس کو مرابحۃً یا تولیۃً فروخت کرے گا تو مشتری ثانی ہر صورت میں اندازہ کر کے قیمت ادا کرے گا کیونکہ اس کی قیمت مجہول ہے اور قیمت کے مجہول ہونے کی صورت میں خیانت سے احتراز ممکن ہے مگر شبہ خیانت سے احتراز ناممکن ہے اس لئے ثمن کا مثلی ہونا ضروری ہے۔ مزید تفصیل شروحات ہدایہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَ يَجُوْزُ اَنْ يُضِيْفَ اِلٰى رَاْسِ الْمَالِ اُجْرَةَ الْقَصَّارِ وَ الصَّبَّاغِ وَ الطَّرَّازِ وَ الْفَتْلِ وَ اُجْرَةَ حَمْلِ الطَّعَامِ وَ يَقُوْلُ قَامَ عَلَيَّ بِكَذَا وَ لَا يَقُوْلُ اِشْتَرَيْتُهُ بِكَذَا فَاِنِ اطَّلَعَ الْمُشْتَرِىْ عَلٰى خِيَانَةٍ فِي الْمُرَابَحَةِ فَهُوَ بِالخِيَارِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِنْ شَاءَ اَخَذَهُ بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَ اِنْ شَاءَ رَدَّهُ وَ اِنِ اطَّلَعَ عَلٰى خِيَانَةٍ فِى التَّوْلِيَةِ اَسْقَطَهَا مِنَ الثَّمَنِ وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَحُطُّ فِيْهِمَا وَ قَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَحُطُّ فِيْهِمَا لٰكِنْ يُخَيَّرُ فِيْهِمَا وَ مَنِ اشْتَرٰى شَيْئًا مِمَّا يُنْقَلُ وَ يُحَوَّلُ لَمْ يَجُزْ لَهُ بَيْعُهُ حَتّٰى يَقْبِضَهُ وَ يَجُوْزُ بَيْعُ العَقَارِ قَبْلَ الْقَبْضِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَ اَبِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَجُوْزُ.

ترجمہ: اور (بیع مرابحہ اور بیع تولیہ کرتے وقت) اصل مال (ثمن) کے ساتھ دھوبی، رنگریز، کشیدہ کار، رسّی بٹنے اور غلہ ڈھونے کی اجرت کا ملانا جائز ہے اور بائع کہے کہ (یہ چیز) مجھ کو اتنی (لاگت) میں پڑی ہے اور یہ نہ کہے کہ میں نے اس کو اتنے (روپے) میں خریدا ہے پھر اگر مشتری بیع مرابحہ میں کسی خیانت پر مطلع ہوا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو پورے دام کے عوض خریدے اور اگر چاہے تو اس کو واپس کردے اور اگر مشتری بیع تولیہ میں کسی خیانت پر مطلع ہوا تو مقدار خیانت کو اصل دام سے ساقط کردے اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ مرابحہ اور تولیہ دونوں میں مقدار خیانت کم کردے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں میں سے کم نہ کرے لیکن مشتری کو دونوں عقدوں میں اختیار ہے اور جس شخص نے ایسی شئی خریدی جو منتقل ہوسکتی ہے اور اس جگہ سے بدلی جاسکتی ہے تو مشتری کے لئے اس کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر قبضہ کرے اور قبضہ سے پہلے غیر منقولہ جائداد کی فروختگی حضرات شیخینؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔

حل لغات: القصّار: دھوبی۔ الصبّاغ: رنگریز۔ الطراز: کپڑے کا نقش ونگار بنانے والا، کشیدہ کار۔ الفتل: مصدر فتلَ الحبل (ض) فتلاً: رسّی بٹنا، مراد کناری لگانا، پھول بوٹے بنوانا۔ حمل الطعام: غلہ ڈھونا، بعض نے ترجمہ کیا ہے غلہ ڈھونے والا۔ یحط: حط فیه(ن) حطًا کم کرنا۔ عقار: غیر منقولہ جائداد۔

تشریح: ویجوز ...... بکذا: بین القوسین کی عبارت کی وجہ سے مفہوم واضح ہے۔

فان اطلع المشتری ...... یخیر فیهما: اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے عقد مرابحہ کے طور پر کوئی چیز فروخت کی مثلاً بائع نے کہا میں نے یہ کتاب پینتیس روپے میں خریدی ہے اور تم کو چالیس روپے میں دوں گا۔ یا عقد تولیہ میں اس نے کہا میں نے پینتیس میں خریدی ہے اور اسی قیمت پر تم کو دوں گا اور مشتری کو کتاب خریدنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ بائع نے کتاب پچیس روپے میں خریدی تھی اس نے میرے ساتھ خیانت کی ہے، اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مرابحہ میں مشتری کو اختیار ہے کہ مبیع کو پورے ثمن کے عوض لے اور چاہے تو چھوڑ دے اور اگر بیع تولیہ میں بائع کی خیانت کا علم ہوا تو بقدر خیانت کم کردے۔ امام ابویوسفؒ کے نزدیک اختیار نہیں ہے البتہ بقدر خیانت کم کردے۔ امام محمدؒ کے نزدیک دونوں عقد میں اختیار ہے چاہے تو پورے ثمن کے عوض لے لے اور چاہے تو مبیع واپس کردے۔

ومن اشتری شیئًا الخ: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے اشیاء منقولہ کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے اور اشیاء غیر منقولہ مثلاً زمین کی بیع شیخین کے نزدیک قبضہ سے پہلے جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں ہے یہی مسلک امام زفر اور امام مالک کا بھی ہے۔

وَ مَنِ اشْتَرىٰ مَكِيْلاً مُكَايَلَةً اَوْ مَوْزُوْنًا مُوَازَنَةً فَاكْتَالَهٗ اَوِ اتَّزَنَهٗ ثُمَّ بَاعَهٗ مُكَايَلَةً اَوْ مُوَازَنَةً لَمْ يَجُزْ لِلْمُشْتَرِىْ مِنْهُ اَنْ يَّبِيْعَهٗ وَ لَا اَنْ يَّاكُلَهٗ حَتّٰى يُعِيْدَ الْكَيْلَ وَ الْوَزْنَ وَ التَّصَرُّفُ فِى الثَّمَنِ قَبْلَ الْقَبْضِ جَائِزٌ وَ يَجُوْزُ لِلْمُشْتَرِىْ اَنْ يَّزِيْدَ لِلْبَائِعِ فِى الثَّمَنِ وَ يَجُوْزُ لِلْبَائِعِ اَنْ يَّزِيْدَ فِى الْمَبِيْعِ وَ يَجُوْزُ اَنْ يَّحُطَّ مِنَ الثَّمَنِ وَ يَتَعَلَّقُ الْاِسْتِحْقَاقُ بِجَمِيْعِ

ذٰلِكَ وَ مَنْ بَاعَ بِثَمَنٍ حَالٍ ثُمَّ اَجَّلَهُ اَجَلاً مَعْلُوْمًا صَارَ مُؤَجَّلاً وَ كُلُّ دَيْنٍ حَالٍ اِذَا اَجَّلَهُ صَاحِبُهُ صَارَ مُؤَجَّلاً اِلَّا الْقَرْضَ فَاِنَّ تَاجِيْلَهُ لَايَصِحُّ.

ترجمہ : اور جس شخص نے کیلی چیز کو کیل کر کے یا وزنی چیز کو وزن کر کے خریدا پھر اس کو کیل کیا یا وزن کیا پھر اس کو کیل کر کے یا وزن کر کے فروخت کیا تو مشتری کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس میں سے اس شئی کو فروخت کرے یا اس کو کھائے یہاں تک کہ دوبارہ کیل یا وزن کرے اور (بائع کیلئے عقد بیع کے بعد ثمن پر) قبضہ کرنے سے پہلے ثمن میں تصرف کرنا جائز ہے (ثمن خواہ نقود ہوں یا کیلی اور وزنی چیز ہوں) اور مشتری کے لئے جائز ہے کہ ثمن میں بائع کے لئے اضافہ کردے (ایک روپیہ کے بجائے دو روپیہ کردے) اور بائع کے لئے بھی جائز ہے کہ مشتری کے لئے مبیع میں اضافہ کردے (ایک کلو کی جگہ ڈیڑھ کلو کردے) اور (بائع کے لئے یہ بھی) جائز ہے کہ ثمن میں سے کم کردے اور استحقاق ان سب کے ساتھ متعلق ہوگا اور جس شخص نے کوئی چیز نقد ثمن کے عوض فروخت کیا پھر (عقد کے بعد) بائع نے (مشتری کے لئے) ایک میعاد مقرر کی جو معلوم ہے تو یہ ثمن ادھار ہو جائے گا اور ہر دین معجّل اگر صاحب دین اس کی میعاد مقرر کردے تو وہ دین مؤجل ہو جائے گا مگر قرض نہیں کیونکہ اس کی تاجیل درست نہیں ہے۔

تشریح : ومن اشتری ...... والوزن: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ہر کیلی یا وزنی یا عددی چیز جس کو کیل یا وزن یا شمار کر کے خریدا گیا تو مشتری کے لئے اس کا فروخت کرنا یا کھانا کیل یا وزن یا شمار کرنے سے پہلے جائز نہیں ہے۔

والتصرف ...... من الثمن: اس کا مطلب بین القوسین کی عبارت سے واضح ہے۔

ویتعلق بالاستحقاق بجمیع ذلك : یعنی استحقاق اصل ثمن اور ثمن پر اضافہ شدہ دونوں کے ساتھ متعلق ہوگا مثلاً بائع نے مبیع میں اضافہ کیا تو ادائیگی ثمن کے بعد مبیع مع اضافہ دینا لازم ہوگا اسی طرح ثمن میں اضافہ کی صورت میں جب تک مشتری ثمن مع اضافہ ادا نہ کردے بائع مبیع کو روکنے کا حق رکھتا ہے، اسی طرح ثمن کم کرنے کی صورت میں مشتری کے لئے بقیہ ثمن ادا کرنے کے بعد پوری مبیع کے مطالبہ کا حق ہے۔ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ احناف کے نزدیک ثمن میں کمی اور زیادتی اصل عقد کے ساتھ مل جاتی ہے گویا اسی کمی وزیادتی پر اصل عقد کا وقوع ہوتا ہے۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ثمن میں کمی وزیادتی اصل عقد کے ساتھ ملانا صحیح نہیں ہے اگرچہ یہ ہبہ اور صلہ کے لحاظ سے درست ہے۔

ومن باع ...... صار مؤجلاً: اگر کسی نے نقد ثمن کے عوض کوئی چیز فروخت کی پھر بائع نے مشتری کے لئے ادائیگی ثمن کے لئے ایک میعاد مقرر کردی تو اس کی دو صورتیں ہیں میعاد معلوم ہے یا مجہول اگر میعاد معلوم ہے تو میعاد مقرر کرنا جائز ہے لہٰذا ثمن ادھار ہو جائے گا۔ امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک میعاد مقرر کرنے سے ثمن ادھار نہیں ہوگا اگرچہ میعاد معلوم ہو (میعاد مجہول کی تفصیل ہدایہ میں ملاحظہ فرمائیں)

وکل دین حال الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہر وہ دین جس کی ادائیگی فی الحال واجب ہے اگر صاحب دین اس میں مدیون کے واسطے میعاد مقرر کردے تو یہ دین مؤجل ہو جائے گا خواہ دین بذریعہ عقد ہو یا کسی غیر کی کوئی چیز ہلاک کرنے کی وجہ سے

ہو لیکن اگر ادائیگی قرض کے لئے کوئی میعاد مقرر کی تو احناف کے نزدیک صحیح نہیں ہے بلکہ میعاد مقرر کرنے کے بعد قرض خواہ مقروض سے فوری مطالبہ کرسکتا ہے، البتہ امام مالک کے نزدیک دیگر دیون کی طرح قرض کی تاجیل اور میعاد مقرر کرنا درست ہے۔

قرض اور دین میں فرق : قرض ہر وہ مال ہے جو آدمی اپنے اموال میں سے نکال کر غیر کو نفع کمانے کی غرض سے دیدے۔ دین ہر وہ مال جو کسی شخص کے ذمہ کسی چیز کے معاوضہ کے طور پر واجب ہو خواہ کسی وجہ سے ہو یعنی خواہ تاوان ہو یا قرض و قیمت ہو یا کرایہ اسی طرح مہر بھی دین ہے۔

باب الربوا

سود کا بیان

الربوا: مصدر، ربا الشئی یربوا، بڑھنا، زیادہ ہونا۔ ''ربا'' بمعنی زیادتی۔ لغت کی رو سے اکثر حضرات نے اسی معنی کا تذکرہ کیا ہے۔ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں کہ یہ لفظ اسم اور مصدر دونوں اعتبار سے استعمال ہوتا ہے یعنی زیادتی اور مال زائد دونوں کے معنی میں ہے چنانچہ ارشاد باری ہے "لاتاکلوا الربوا" (سود کا مال مت کھاؤ) اس میں معنی اوّل مراد ہے اور آیت قرآنی "احلَّ اللّٰهُ البیعَ وَ حرَّمَ الرِبوا" (اللہ نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام کردیا ہے) میں معنی ثانی مراد ہے۔

اصطلاحی تعریف : مالی معاملہ میں آپس کی رضامندی سے معاملہ کرنے والوں میں سے کسی ایک کو ملنے والا زائد (عوض سے خالی) نفع۔ یعنی ہر زیادتی کا نام ربا نہیں ہے بلکہ جو زیادتی مقابلہ میں عوض سے خالی ہو وہی ربا ہے۔

ربا اور سود میں فرق : از روئے لغت دونوں الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے جاسکتے ہیں کیونکہ سود بمعنی نفع ایک فارسی لفظ ہے اس میں ہر طرح کا نفع شامل ہے خواہ جائز ہو یا ناجائز اور ''ربا'' بمعنی زیادتی جو ہر طرح کی زیادتی کو شامل ہے، اور معاملات خرید وفروخت میں زیادتی کو ہی نفع کہتے ہیں لیکن دونوں الفاظ سے مخصوص معنی مراد ہے یعنی ہر وہ نفع وزیادتی جسے شریعت جائز نہیں کہتی مگر استعمال میں فقہاء کرام ''ربا'' سے جو مفہوم مراد لیتے ہیں اُردو کا لفظ سود اس کی تمام صورتوں کو محیط نہیں ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنے رسالہ ''مسئلہ سود'' میں سود کے عرفی مفہوم پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ ''ربا اور سود'' دونوں عربی واُردو میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں لیکن حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ مروج سود ربا کی ایک قسم یا فرد کی حیثیت میں ہے۔ (مزید تفصیل اُردو کتاب ''الربا'' میں ملاحظہ فرمائیں)

ربا کی حرمت کتاب وسنت اور اجماع ہر ایک سے ثابت ہے۔ ارشاد باری ہے "یا ایُّها الّذین امنوا لاتاکلوا الربا" حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے: "لعن رسولُ اللّٰه ﷺ آکِلَ الرِّبوا ومُوکِلَهٗ وَ شاهِدَیهِ و کَاتِبَهٗ" (ترمذی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، اس کی تحریر لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور امت کا اجماع اس بات پر ہے کہ حرمت ربا کا منکر کافر ہے۔

اس باب اور گذشتہ ابواب کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ گذشتہ ابواب میں ان بیوع کا تذکرہ ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے ارشادِ باری ہے "وابتغوا من فضل اللّٰه" اور اس باب میں ان بیوع کا تذکرہ ہے جن سے شریعت نے منع کیا

ہے، ارشاد باری ہے "یا ایہا الذین امنوا لاتاکلوا الربوا" اور ظاہر ہے کہ نہی امر کے بعد ہوتی ہے اور اس باب کو مرابحہ سے مناسبت بایں طور ہے کہ دونوں میں زیادتی ہے بس فرق یہ ہے کہ مرابحہ کی زیادتی حلال ہے اور ربا کی زیادتی حرام ہے، اور اشیاء میں اصل حلت ہے اس لئے مرابحہ کے احکام کو مقدم اور ربا کے احکام کو مؤخر کیا گیا۔

اَلرِّبوٰا مُحَرَّمٌ فِی کُلِّ مَکِیْلٍ اَوْ مَوْزُوْنٍ اِذَا بِیْعَ بِجِنْسِہٖ مُتَفَاضِلاً فَالعِلَّۃُ فِیْہِ الکَیْلُ مَعَ الجِنْسِ اَوِ الوَزْنُ مَعَ الجِنْسِ فَاِذَا بِیْعَ المَکِیْلُ بِجِنْسِہٖ اَوِ المَوْزُوْنُ بِجِنْسِہٖ مِثْلاً بِمِثْلٍ جَازَ البَیْعُ وَ اِنْ تَفَاضَلاَ لَمْ یَجُزْ.

ترجمہ: ربا ہر اس چیز میں حرام کیا گیا ہے جو کیلی یا وزنی ہو جب کہ اس کو اس کی جنس کے عوض زیادتی کے ساتھ فروخت کیا جائے پس (احناف کے نزدیک) ربا میں علت کیل مع الجنس یا وزن مع الجنس ہے تو اگر کیلی یا وزنی چیز کو اس کی جنس کے عوض برابر برابر فروخت کیا جائے تو بیع جائز ہے اور اگر دونوں میں زیادتی کی تو جائز نہیں۔

ربوا اور علت ربوا کی تحقیق

تشریح: الربوا ...... مع الجنس: ربا ہر کیلی اور وزنی اشیاء میں حرام ہے بشرطیکہ اس کو اس کے ہم جنس کے عوض کمی و زیادتی کے ساتھ فروخت کیا جائے۔ احناف کے نزدیک علت ربوا کیل مع الجنس یا وزن مع الجنس ہے یعنی بائع اور مشتری نے جن دو چیزوں میں تبادلہ کیا ہے وہ دونوں ہم جنس ہونے کے ساتھ ساتھ کیلی ہوں یا وزنی ہوں تو ربوا کا حکم نافذ ہوگا لیکن اگر دونوں عوض وزنی اشیاء ہوں مگر جنس مختلف ہو جیسے سونا اور چاندی یا دونوں کیلی اشیاء ہوں مگر جنس مختلف ہو جیسے گندم و جو تو ان دونوں کے درمیان ربوا اور فضل حرام نہ ہوگا۔ لفظ قدر کیلی اور وزن کو محیط ہونے کی وجہ سے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ علت ربوا قدر مع الجنس ہے (کمافی الہدایہ) امام احمد قدر مع الجنس کے قائل ہیں۔ علت ربوا کا مستدل ابو سعید خدریؓ کی وہ حدیث ہے جس میں چھ چیزیں مذکور ہیں یعنی گیہوں کو گیہوں، جو کو جو، کھجور کو کھجور، نمک کو نمک، سونے کو سونے، چاندی کو چاندی کے عوض برابر برابر دست بدست فروخت کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے اور ان میں زیادتی کو ربا کہا گیا ہے۔ اہل ظاہر کے یہاں ربوا صرف انہیں چھ چیزوں میں ہوگا مگر حقیقت یہ ہے کہ ربا کا انحصار انہی چھ چیزوں میں نہیں ہے بلکہ یہ چھ چیزیں معیار علت ہیں دیگر اشیاء میں ربوا کا حکم انہی پر قیاس کر کے متفرع کیا جائے گا۔ تمام ائمہ کے نزدیک حکم ربوا معلوم ہے البتہ معیار حرمت اور علت ممانعت میں ان کی رائے مختلف ہیں احناف کا مسلک اوپر بیان کر دیا گیا۔ امام شافعی کے قول قدیم میں کیل یا وزن کے ساتھ مطعومات میں طعم سے اور قول جدید میں اوّل چار چیزوں میں طعم مع الجنس ہے اور سونے چاندی یعنی اثمان میں ثمنیت مع الجنس ہے لہٰذا چونہ اور نورہ میں عدم وجود علت کی وجہ سے عند الشافعی کمی بیشی جائز ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اول چار چیزوں میں سے قوت (غذائیت) اور اثمان میں ادخار (قابل ذخیرہ ہونا) مع الجنس علت ہے یعنی علت ربوا قوت اور ادخار مع الجنس ہے۔

فاذا بیع الخ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر کسی کیلی چیز کو اس کے ہم جنس کیلی چیز کے عوض برابر برابر فروخت کیا جائے یا وزنی چیز کو اس کے ہم جنس کے عوض برابر برابر فروخت کیا جائے تو یہ بیع جائز ہے کیونکہ بیع کا مقتضی مبادلۃ

المال بالمال بالتراضی موجود ہے اور جواز بیع کی شرط (مقدار اور میعاد) میں برابری بھی موجود ہے کیونکہ مثلاً بمثل سے ہر کیلی اور وزنی اشیاء میں مماثلت مراد ہے لیکن اگر عوضین میں تفاضل پایا گیا تو تحقق رباء کی وجہ سے یہ بیع ناجائز ہوگی۔

(نوٹ) ابوسعید خدریؓ کی روایت میں چھ چیزوں کو پیش کر کے ایک قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ سونا چاندی وزنی اشیاء ہیں اور گندم، جو، نمک اور چھوارہ کیلی اشیاء ہیں یعنی ہر کیلی اور وزنی اشیاء میں مماثلت ضروری ہے اور مماثلت دو اعتبار سے ہوتی ہے ایک صورت کے اعتبار سے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے، گویا کیل اور وزن سے مماثلت صوری حاصل ہوگی اور اتحاد جنس سے مماثلت معنوی حاصل ہوگی، چنانچہ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تحریم ربوا کی علت اتحاد جنس کے ساتھ کیل یا وزن کا ہونا ہے اسی بنیاد پر امام صاحب کے نزدیک پھلوں میں اور وزن اور پیمانہ سے فروخت نہ کیجانے والی اشیاء میں حکم ربوا کا تحقق نہیں ہوگا۔

وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ الجَيِّدِ بِالرَّدِی مِمَّا فِيْهِ الرِّبٰوا اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَ اِذَا عَدِمَ الوَصْفَانِ الجِنْسُ وَ المَعْنَى المَضْمُوْمُ اِلَيْهِ حَلَّ التَّفَاضُلُ وَ النَّسَا وَ اِذَا وُجِدَا حَرُمَ التَّفَاضُلُ وَ النَّسأ وَ اِذَا وُجِدَ اَحَدُهُمَا وَ عَدِمَ الاٰخَرُ حَلَّ التَّفَاضُلُ وَ حَرُمَ النَّسَا.

ترجمہ: اور اموال ربویہ میں عمدہ کو ردی کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے مگر برابر برابر اور اگر دونوں وصف باقی نہ رہیں یعنی جنس اور جو جنس کے ساتھ ملائے گئے ہیں تو (اس صورت میں) زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں اور اگر دونوں موجود ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہیں اور اگر ایک موجود ہو اور دوسرا موجود نہ ہو تو زیادتی جائز ہے اور ادھار حرام ہے۔

حل لغات: **الجید:** عمدہ، کھرا۔ **الردی:** گھٹیا، کھوٹا۔ **مما فیہ الربوا:** اموالِ ربویہ۔ **المعنی المضموم الیہ:** کیلی اور وزنی اشیاء مراد ہیں۔ **التفاضل:** کمی وزیادتی۔ **النسأ:** اُدھار۔

تشریح: **ولایجوز ...... بمثل:** اموالِ ربویہ میں جید اور ردی دونوں کی حیثیت مساوی ہے لہٰذا اگر جید کو ردی کے عوض برابر برابر فروخت کیا جائے تو جائز ہے مگر کمی بیشی کی صورت میں جائز نہیں ہے۔

واذا عدم الوصفان الخ: جب یہ بات محقق ہوگئی کہ احناف کے نزدیک علت ربوٰ قدر اور جنس ہے تو اب ملاحظہ فرمائیں کہ عقلی طور پر اس کی تین شکلیں ہیں کیونکہ یا تو دونوں وصف پائے جائیں گے یا نہیں پائے جائیں گے یا ایک وصف پایا جائے گا اور دوسرا نہیں پایا جائے گا۔ پہلی صورت میں زیادتی کے ساتھ اور اُدھار دونوں حرام ہیں مثلاً ایک قفیز گیہوں کو ایک قفیز گیہوں کے عوض فروخت کرنا جائز ہے مگر زیادتی کے طور پر یا اُدھار کے طور پر فروخت کرنا حرام ہے۔ دوسری صورت میں زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں کیونکہ علت ربوٰ موجود نہیں ہے تیسری صورت میں مثلاً صرف قدر موجود ہے جیسے گیہوں کو جو کے عوض فروخت کرنا کہ دونوں کیلی ہیں یا صرف جنس موجود ہو جیسے غلام کو غلام کے عوض فروخت کرنا یا ایک ہروی کپڑے کے تھان کو دو ہروی تھان کے عوض فروخت کرنا کیونکہ غلام اور کپڑا نہ کیلی ہیں اور نہ وزنی، لہٰذا اس تیسری صورت میں تفاضل (کمی وبیشی) تو حلال ہوگا لیکن ادھار حرام ہوگا گویا کہ زیادتی ربوٰ کی حرمت دو وصف پر موقوف ہے اور اُدھار کی

حرمت ایک وصف پر موقوف ہے امام شافعی کے نزدیک تنہا اتحاد جنس سے ادھار کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

وَ كُلُّ شَیْءٍ نَصَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلیٰ تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ فِيْهِ كَيْلاً فَهُوَ مَكِيْلٌ اَبَدًا وَ اِنْ تَرَكَ النَّاسُ فِيْهِ الْكَيْلَ مِثْلَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَ التَّمْرِ وَ الْمِلْحِ وَ كُلُّ شَیْءٍ نَصَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَلیٰ تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ فِيْهِ وَزْنًا فَهُوَ مَوْزُوْنٌ اَبَدًا وَ اِنْ تَرَكَ النَّاسُ الْوَزْنَ فِيْهِ مِثْلَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَ مَالَمْ يَنُصَّ عَلَيْهِ فَهُوَ مَحْمُوْلٌ عَلیٰ عَادَاتِ النَّاسِ وَ عَقْدُ الصَّرْفِ مَا وَقَعَ عَلیٰ جِنْسِ الْاَثْمَانِ يُعْتَبَرُ فِيْهِ قَبْضُ عِوَضَيْهِ فِی الْمَجْلِسِ وَ مَا سِوَاهُ مِمَّا فِيْهِ الرِّبٰو يُعْتَبَرُ فِيْهِ التَّعْيِيْنُ وَ لاَ يُعْتَبَرُ فِيْهِ التَّقَابُضُ.

ترجمہ : اور ہر وہ چیز جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیل کے اعتبار سے زیادتی کے حرام ہونے کی تصریح فرمادی ہے تو وہ ہمیشہ کیلی رہے گی اگر چہ لوگوں نے اس میں کیل کرنا ترک کر دیا ہو جیسے گیہوں، جو، کھجور اور نمک۔ اور ہر وہ چیز جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وزن کے اعتبار سے زیادتی کے حرام ہونے پر تصریح فرمائی ہے تو وہ ہمیشہ وزنی رہے گی اگر چہ لوگوں نے اس میں وزن کرنا ترک کر دیا ہو جیسے سونا اور چاندی اور جس چیز میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تصریح نہیں فرمائی ہے وہ لوگوں کی عادات پر محمول ہے اور بیع صرف وہ بیع ہے جو اثمان (سونا چاندی) کی اجناس پر واقع ہو اس عقد میں مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ کا اعتبار ہے اور جو چیزیں اموال ربویہ میں جنس اثمان کے علاوہ ہیں ان میں تعیین کا اعتبار ہے اور ان میں (مبیع اور ثمن) پر قبضہ معتبر نہیں ہے۔

کیلی اور وزنی ہونے کا معیار

حل لغات : نص (ن) نصا الشیٔ: نمایاں کرنا۔ اثمان: ثمن کی جمع، دام۔ عوضیه: نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔

تشریح : و کل شیٔ ...... عادات الناس: دربارِ نبوی سے جس چیز پر کیلی کا حکم لگ گیا ہے وہ ہمیشہ کیلی میں شمار کی جائیں گی اگر چہ لوگوں نے کیلی اشیاء کو اس میں کیل کر کے لین دین کرنا بند کر دیا ہو جیسے گندم، جو، کھجور اور نمک۔ اسی طرح دربارِ نبوی سے جس چیز پر وزن کا حکم لگ گیا ہے وہ ہمیشہ وزنی ہی رہیں گی اگر چہ لوگوں نے اس میں وزنی اشیاء کو وزن کر کے لین دین بند کر دیا ہے جیسے سونا، چاندی اس لئے کہ نص عرف کے مقابلہ میں اقویٰ ہے اور اقویٰ کو ادنیٰ کی موجودگی میں ترک نہیں کیا جا سکتا چنانچہ کیلی اشیاء کو اس کے ہم جنس کے ساتھ مساوات کے طور پر کیل کر کے اسی طرح وزنی اشیاء کو اس کے ہم جنس کے ساتھ مساوات کے طور پر وزن کر کے فروخت کرنا ضروری ہے کمی بیشی جائز نہیں ہے اگر سونا کو سونے کے عوض کیل کرے یا جو کو جو کے عوض وزن کر کے فروخت کیا تو بیع جائز نہیں ہوگی اور جس چیز کے کیلی یا وزنی ہونے کے متعلق نص موجود نہ ہو تو اس چیز کے کیلی یا وزنی ہونے میں تجار کی عادت کا اعتبار ہو گا یعنی تجار حضرات جس چیز کا لین کیل کے ذریعہ کرتے ہیں اس کو کیل کیا جائے گا اور جس چیز کا لین دین وزن کے ذریعہ کرتے ہیں اس کو وزن کیا جائے گا کیونکہ جن چیزوں میں لوگوں کی

جو عادت ہوتی ہے ان میں وہی عادت جواز حکم پر دلیل ہوتی ہے جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے ”ما راہ المؤمنون حسنًا فھو عند اللّٰہ حسن“ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ نص کی عدم موجودگی میں عرف عام اجماع کے درجہ میں ہے۔

وعقد الصرف ...... فی المجلس: اس عقد کا بیان آئندہ مستقل طور پر بیان کیا جائے گا چونکہ یہاں اموال ربویہ کا بیان چل رہا ہے اس لئے اس موقع پر اجمالاً ذکر کر دیا گیا ہے۔

بیع صرف میں عوضین کا تعلق نقود سے ہوتا ہے کبھی تو عوضین کی جنس میں اتحاد ہوتا ہے جیسے سونا کی بیع سونے کے عوض اور چاندی کی بیع چاندی کے عوض اور کبھی دونوں کی جنس میں اختلاف ہوتا ہے جیسے سونا کی بیع چاندی کے عوض اور چاندی کی بیع سونے کے عوض۔ اتحادِ جنس کی صورت میں عوضین کے درمیان مساوات اور مجلس عقد میں باہم قبضہ کرنا ضروری ہے اور جنس کے مختلف ہونے کی صورت میں مساوات ضروری نہیں لیکن مجلس عقد میں باہم قبضہ کرنا ضروری ہے اور **و ما سواہ الخ** اثمان یعنی سونا اور چاندی کے علاوہ باقی اموالِ ربویہ کی بیع میں عوضین کا متعین کرنا معتبر یعنی ضروری ہے البتہ مجلس کے اندر قبضہ کرنا لازم اور ضروری نہیں ہے، چنانچہ اگر گیہوں کو گیہوں کے عوض میں مساوات کے طور پر متعین کر کے فروخت کیا اور عاقدین قبضہ سے پہلے مجلس سے الگ ہو گئے تو بیع جائز ہے مگر امام شافعی، مالک اور احمد کے نزدیک بیع الطعام بالطعام کی صورت میں اتحادِ جنس ہو یعنی گیہوں کی بیع گیہوں کے عوض یا اختلافِ جنس یعنی گیہوں کی بیع جو کے عوض (دونوں صورت میں) عوضین کی تعیین کے ساتھ ساتھ مجلس عقد میں قبضہ کرنا ضروری ہے اگر عاقدین قبضہ سے پہلے مجلس سے الگ ہو گئے تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

> وَلَا يَجُوْزُ الحِنطَةِ بِالدَّقِيْقِ وَ لَا بِالسَّوِيْقِ وَ كَذالِكَ الدَّقِيْقُ بِالسَّوِيْقِ وَ يَجُوْزُ بَيْعُ اللَّحْمِ بِالحَيْوَانِ عِندَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ اَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَجُوْزُ حَتّٰى يَكُوْنَ اللَّحْمُ اَكْثَرَ مِمَّا فِي الحَيْوَانِ فَيَكُوْنُ اللَّحْمُ بِمِثْلِهِ وَ الزِّيَادَةُ بِالسَّقَطِ وَ يَجُوْزُ بَيْعُ الرُّطَبِ بِالتَّمَرِ مِثْلاً بِمِثْلٍ عِندَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ كَذٰلِكَ العِنَبُ بِالزَّبِيْبِ.

ترجمہ: اور گیہوں کو آٹا اور ستو کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور اسی طرح آٹے کو ستو کے عوض اور شیخین کے نزدیک گوشت کو زندہ جانور کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے یہاں تک کہ گوشت زیادہ ہو اس گوشت کے مقابل میں جو حیوان میں ہے پس حیوان کا گوشت، گوشت کے ہم مثل (مقابلہ میں) ہو جائے گا اور زائد (باقی) گوشت حیوان کے دیگر اجزاء یعنی ہڈی، کھال وغیرہ کے عوض ہو گا۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک تر کھجور کو خشک کھجور کے عوض برابر برابر فروخت کرنا جائز ہے (صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے) اور اسی طرح انگور کی بیع کشمش کے عوض۔

احکام ربوا کی تفصیل

حل لغات: الدقیق: آٹا۔ السویق: ستو۔ سقط: ناکارہ اور ردی چیز، یہاں گوشت کے علاوہ دیگر اشیاء مراد ہیں مثلاً سرے، پائے، اوجھڑی، ہڈی، کھال وغیرہ۔ رطب: تر کھجور۔ التمر: خشک کھجور یعنی چھوارہ۔ العنب: تر انگور۔ الزبیب: خشک انگور یعنی کشمش۔

تشریح: اس پوری عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں۔
ولایجوز ...... بالسویق: مسئلہ(۱) احناف کے نزدیک گیہوں کو آٹے کے عوض اسی طرح گیہوں کو ستو کے عوض فروخت کرنا نہ بطریق تساوی جائز ہے اور نہ ہی بالتفاضل جائز ہے۔ امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام ثوریؒ کا بھی ایک قول ایسا ہی ہے۔ امام مالک کے مذہب کے مطابق بطریق تساوی بیع جائز ہے۔ امام احمد کا قول اظہر یہی ہے۔
و کذلك الدقیق بالسویق: مسئلہ(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گیہوں کے آٹا کو گیہوں کے ستو کے عوض فروخت کرنا نہ بطریق التساوی جائز ہے اور نہ ہی تفاضل کے طور پر مگر صاحبین کے نزدیک دونوں طرح جائز ہے۔
ویجوز بیع اللحم ...... بالسقط: اس پوری عبارت میں گوشت کو جانور کے عوض فروخت کرنا بیان کیا گیا ہے۔ مسئلہ(۳) اس مسئلہ کی چار شکلیں بیان کی گئی ہیں (۱) گوشت کو دیگر جنس کے زندہ جانور کے عوض فروخت کرنا مثلاً گائے کا گوشت زندہ بکری کے عوض فروخت کرنا خواہ گائے کا گوشت بکری کے اندر موجود گوشت سے زائد ہو یا برابر ہو یا کم، یہ شکل بالاتفاق جائز ہے۔ (۲) گوشت کو اسی جنس کے مذبوحہ جانور کے عوض فروخت کرنا جس کی کھال اور دیگر اجزاء جدا کر دیئے گئے ہوں مثلاً بکری کا گوشت مذبوحہ بکری کے عوض فروخت کرنا یہ دونوں صورتیں بالاتفاق تساوی فی الوزن کی شرط کے ساتھ جائز ہیں۔ (۳) گوشت کو اسی جنس کے مذبوحہ جانور کے عوض فروخت کرنا جس کی کھال اور دیگر اجزاء جدا نہ کئے گئے ہوں۔ اس کی دو صورتیں ہیں یا مذبوحہ جانور کا گوشت اس گوشت سے زائد ہوگا یا کم اور برابر اگر زائد ہے تو بالاتفاق جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔ (۴) گوشت کو اسی جنس کے زندہ جانور کے عوض فروخت کرنا مثلاً بکری کا گوشت زندہ بکری کے عوض فروخت کرنا اس صورت میں شیخین اور امام محمد کا اختلاف ہے، شیخین کے نزدیک جائز ہے امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر الگ کیا ہوا گوشت بکری کے اندر موجود گوشت سے زائد ہے تو ایسی بیع جائز ہے ورنہ جائز نہیں مثلاً بکری کا الگ کردہ گوشت پچاس کلو ہے اور زندہ بکری کے اندر کا گوشت چالیس کلو ہے لہٰذا زندہ بکری چالیس کلو گوشت علیحدہ کئے ہوئے چالیس کلو گوشت کے مقابلہ میں ہو جائے گا اور بقیہ دس کلو گوشت زندہ بکری کے زائد اجزاء مثلاً سرے، پائے، اوجھڑی، کھال وغیرہ کے مقابلہ میں ہو جائے گا۔ صاحب کتاب نے اس آخری شکل کو ذکر کیا دیگر شکلوں کو عربی شراح نے ذکر کیا ہے۔
ویجوز بیع الرطب ...... رحمه الله: مسئلہ۴: رطب کو تمر کے عوض کمی بیشی کر کے فروخت کرنا بالاتفاق ناجائز ہے مگر تساوی کی صورت میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ہے امام صاحب تساوی کی صورت کو جائز کہتے ہیں اور صاحبین کے نزدیک اسی طرح امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ناجائز ہے۔ (فتح القدیر ج۶ ص ۱۶۸)
و کذلك العنب بالزبیب: مسئلہ۵: یہ ہے کہ انگور کو کشمش کے عوض فروخت کرنا کیسا ہے؟ اس مسئلہ میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر متساویاً کیل کر کے فروخت کرتا ہے تو بیع جائز ہے اور صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ متساویاً اور متفاضلاً دونوں صورت میں یہ بیع ناجائز ہے۔ (تبیین الحقائق ج۴ ص ۹۲، عینی ج ۳ ص ۹۸ فی ہامشہ ۴)

وَ لَا يَجُوْزُ بَيْعُ الزَّيْتُوْنِ بِالزَّيْتِ وَ السِّمْسِمِ بِالشَّيْرَجِ حَتّٰى يَكُوْنَ الزَّيْتُ وَ الشَّيْرَجُ اَكْثَرَ

مِمَّا فِی الزَّیْتُوْنِ وَ السِّمْسِمِ فَیَکُوْنُ الدُّهْنُ بِمِثْلِهٖ وَ الزِّیَادَةُ بِالثَّجِیْرَةِ وَ یَجُوْزُ بَیْعُ اللُّحْمَانِ الْمُخْتَلِفَةِ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ مُتَفَاضِلاً وَ کَذَا اَلْبَانُ الْاِبِلِ وَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ بَعْضُهَا بِبَعْضٍ مُتَفَاضِلاً وَ خَلُّ الدَّقَلِ بِخَلِّ الْعِنَبِ مُتَفَاضِلاً وَ یَجُوْزُ بَیْعُ الْخُبْزِ بِالْحِنْطَةِ وَ الدَّقِیْقِ مُتَفَاضِلاً وَ لَا رِبٰوا بَیْنَ الْمَوْلٰی وَ عَبْدِهٖ وَ لَا بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَ الْحَرْبِیِّ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ.

ترجمہ: اور زیتون کو روغن زیتون کے عوض اور تل کو روغن تل کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ زیتون اور تل کا تیل اس تیل سے زائد ہو جائے جو زیتون اور تل کے اندر ہے تاکہ تیل، تیل کے مقابلہ میں ہو جائے اور زیادتی کھلی کے عوض ہو جائے۔ اور مختلف گوشتوں میں سے بعض کو بعض کے عوض تفاضل کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے اور اسی طرح ردی کھجور کے سرکہ کا انگور کے سرکہ کے عوض تفاضل کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے اور روٹی کو گندم اور آٹے کے عوض تفاضل کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے اور مولیٰ اور اس کے غلام کے درمیان اور دار الحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان سود نہیں ہے۔

حل لغات: الزیتون: پھل جس سے روغن زیتون نکالا جاتا ہے۔ الزیت: روغن زیتون۔ السمسم: تل۔ الشیرج: تل کا تیل۔ الدھن: تیل۔ الثجیرۃ: کھلی۔ اللحمان: لحم کی جمع ہے، اونٹ، گائے اور بکری کا گوشت مراد ہے۔ البان: لبن کی جمع ہے، دودھ۔ خل: سرکہ۔ الدقل: ردی کھجور۔ الخبز: روٹی۔

تشریح: ولایجوز ...... العنب متفاضلاً: ترجمہ سے مسئلہ کی نوعیت واضح ہے۔ پوری عبارت میں کوئی تشریحی پہلو نہیں ہے، البتہ امام شافعیؒ کی ایک روایت ہے کہ ایک جانور کے گوشت کو دوسرے جانور کے گوشت کے عوض، ایک جانور کے دودھ کو دوسرے جانور کے دودھ کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ (ہدایہ)

ویجوز بیع الخبز ...... متفاضلاً: مسئلہ یہ ہے کہ روٹی کو گندم یا آٹا کے عوض کمی و بیشی کے ساتھ فروخت کرنا ہمارے علمائے ثلثہ کے نزدیک جائز ہے مگر عوضین پر مجلس عقد میں قبضہ کرنا شرط ہے امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت کے مطابق یہ بیع تساوی اور تفاضل دونوں طریقہ پر جائز نہیں ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے مگر فتویٰ جواز پر ہے اور جواز کی صورت اس وقت ہے جب کہ عوضین نقد ہوں اور معاملہ بیع سلم کے طریقہ پر ہو یعنی روٹی کو رأس المال بنا کر نقد دیا اور گندم یا آٹا کو مسلم فیہ بنا کر ادھار کر دیا ہو۔ (ہدایہ)

ولا ربوا بین المولی وعبدہ: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر غلام اور مولیٰ اموالِ ربویہ میں کمی و زیادتی کے ساتھ خرید و فروخت کریں تو ان دونوں کے درمیان ربوا کا تحقق نہیں ہوگا بشرطیکہ غلام ماذون لہ فی التجارۃ ہو اور اس پر دین مستغرق نہ ہو یعنی غلام پر لوگوں کا اس قدر قرضہ نہ ہو جو اس کے رقبہ کو محیط ہو۔ ربوا کا تحقق اس وجہ سے نہیں ہوگا کہ غلام اور جو کچھ مال غلام کے قبضہ میں ہے وہ سب اس کے مولیٰ کی ملکیت ہے۔ مثال کے طور پر حامد نے اپنے غلام کو مال دے کر تجارت کرنے کی اجازت دی پھر غلام کے دو من گیہوں کو ایک من گیہوں کے عوض خریدا تو یہ ربوا نہ کہلائے گا۔ (ہدایہ)

ولا بین المسلم الخ: اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان امان لے کر دار الحرب میں جاتا ہے اور

وہاں کسی حربی کے ساتھ ایک درہم کو دو درہم کے عوض فروخت کرتا ہے تو طرفین کے نزدیک جائز ہے یعنی دار الحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان ربوا کا تحقق نہیں ہوگا مگر امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک یہ خرید و فروخت جائز نہیں ہے یعنی مسلمان اور حربی کے درمیان ربوا کا تحقق ہوگا۔ (ہدایہ ج ۳، تبیین الحقائق ج ۴، بدائع الصنائع ج ۵)

بابُ السّلم

بیع سلم کا بیان

صاحب قدوری نے یہاں تک بیوع کی ان اقسام کو بیان فرمایا جن میں عوضین یا احد العوضین پر قبضہ ضروری نہیں ہے اور اب ان اقسام کو بیان فرمار ہے ہیں جن میں عوضین یا احد العوضین پر مجلس عقد میں قبضہ کرنا ضروری ہے اور یہ بیع سلم اور بیع صرف ہے اوّل میں احد العوضین یعنی ثمن پر قبضہ ضروری ہے اور ثانی میں عوضین یعنی مبیع اور ثمن دونوں پر قبضہ ضروری ہے گویا بیع سلم مفرد ہے اور بیع صرف مرکب ہے اور تقدیم المفرد علی المرکب کے تحت بیع سلم کو پہلے بیان کیا گیا اور بیع صرف کو بعد میں بیان کیا گیا۔

بیع سلم میں پانچ عنوان موضوع بحث ہیں (۱) بیع سلم کی مشروعیت (۲) لغوی اور اصطلاحی تعریف (۳) اس کا رکن (۴) شرائط (۵) بیع سلم کا شرعی حکم۔

(۱) بیع سلم کی مشروعیت : از روئے قیاس بیع سلم جائز نہیں ہے کیونکہ بوقت عقد مبیع غیر موجود یعنی معدوم ہوتی ہے اور شئی معدوم کی بیع ممنوع ہے مگر استحساناً اس کا جواز قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ ارشادِ نبوی ہے ”من اسلم منکم فلیسلم فی کیل معلوم ووزن معلوم إلی اجل معلوم“. دوسری حدیث میں ہے ”علیه السلام انه نهی عن بیع ما لیس عند الانسان ورخص فی السلم“. پہلی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ بیع ہر کیل معلوم یا وزن معلوم یا مدت معلوم تک کرنی چاہئے اور دوسری روایت میں حضور اکرمؐ نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا ہے جو انسان کی ملک میں نہ ہو اور سلم کی اجازت دی ہے اور ارشادِ باری ہے ”یاایها الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مُسمًّی فاکتبوه الآیة“ حضرت ابن عباسؓ اس آیت سے جواز سلم پر بڑی قوت سے استدلال فرماتے ہیں اور عہد رسالت سے لے کر آج تک اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ بیع سلم جائز ہے۔ (تحفۃ الفقہاء)

(۲) لغوی اور اصطلاحی تعریف : لفظ سلم بفتحتین یا تو اسلم سے ماخوذ ہے اور ہمزہ برائے سلب ہے کیونکہ رأس المال کے حوالہ کرنے کے بعد اس کی سلامتی رب السلم سے زائل ہو جاتی ہے، اسلم فعل کا اسم مصدر ہے اور اصل مصدر اسلام ہے یا سلَّم تسلیماً سے ماخوذ ہے کیونکہ اس بیع میں مجلس عقد میں رأس المال کی سپردگی لازمی ہے۔ سلم اور اسلم کی طرح، سلف اور اسلف آتا ہے۔ عام طور پر اہل لغت نے مترادف قرار دیا ہے جب ثمن پیشگی دیجاتی ہے تو اس موقع پر عرب بولتے ہیں ”سلف فی کذا و اسلم واسلف“۔ بعض کی تحقیق یہ ہے کہ سلف عراقی لغت ہے اور سلم حجازی لغت ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ لفظ سلف لفظ سلم کے بالمقابل عام ہے کیونکہ قرض کے لئے بھی سلف کا استعمال ہے اور سلم کا اطلاق محض بیع پر ہوتا ہے۔

(عینی بحوالہ کا کی، مغرب عمدۃ القاری)

سلم ازروئے لغت اس بیع کو کہتے ہیں جس میں ثمن پر ملکیت فی الحال ہوتی ہے اور مبیع پر تاخیر کے ساتھ۔ اور اصطلاح شرع میں سلم "اخذ عاجل باٰجل" کو کہتے ہیں یعنی مبیع بعد میں لی جاتی ہے اور قیمت کی ادائیگی پہلے ہوتی ہے پس عاجل سے رأس المال اور اجل سے مسلم فیہ مراد ہے۔ (۳) رکن: بیع سلم کا رکن ایجاب وقبول ہے، اس بیع میں خریدار کو رب السلم اور مسلِم، عاقد آخر کو مسلم الیہ، ثمن کو رأس المال اور مبیع کو مسلم فیہ کہتے ہیں، مثلاً ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ "اسلمت الیك عشرة دراهم فی کر حنطة یا اسفلت الیك عشرة دراهم فی کر حنطة" یعنی میں نے تم سے ایک کر گیہوں میں دس درہم کے عوض بیع سلم کیا دوسرا شخص کہتا ہے کہ میں نے قبول کیا تو اب صاحب دراہم رب السلم ہے اور عاقد آخر مسلم الیہ ہے، ثمن رأس المال ہے اور گندم مسلم فیہ ہے۔

(۴) شرائط: اس کا بیان کتاب کے اندر آگے آرہا ہے۔

(۵) بیع سلم کا حکم شرعی: رب السلم کے لئے مسلم فیہ میں موٴجل طور پر (تاخیر کیساتھ) ملکیت ثابت ہو اور مسلم الیہ کے لئے رأس المال میں فوری طور پر ملکیت ثابت ہو۔ (فتح القدیر ج۶ ص ۲۰۴، تحفۃ الفقہا، جلد ۲ ص ۱۷-۸-۷)

اَلسَّلَمُ جَائِزٌ فِی الْمَکِیْلَاتِ وَ الْمَوْزُوْنَاتِ وَ الْمَعْدُوْدَاتِ الَّتِی لَا تَتَفَاوَتُ کَالْجَوْزِ وَ الْبَیْضِ وَ الْمَذْرُوْعَاتِ وَ لَا یَجُوْزُ السَّلَمُ فِی الْحَیَوَانِ وَ لَا فِی اَطْرَافِهٖ وَ لَا فِی الْجُلُوْدِ عَدَدًا وَ لَا فِی الْحَطَبِ حُزَمًا وَ لَا فِی الرُّطَبِ جُرَزًا وَ لَا یَجُوْزُ السَّلَمُ حَتّٰی یَکُوْنَ الْمُسْلَمُ فِیهِ مَوْجُوْدًا مِنْ حِیْنِ الْعَقْدِ اِلٰی حِیْنِ الْمَحَلِّ وَ لَا یَصِحُّ السَّلَمُ اِلَّا مُؤَجَّلًا وَ لَا یَجُوْزُ اِلَّا بِاَجَلٍ مَعْلُوْمٍ وَ لَا یَجُوْزُ السَّلَمُ بِمِکْیَالِ رَجُلٍ بِعَیْنِهٖ وَ لَا بِذِرَاعِ رَجُلٍ بِعَیْنِهٖ وَ لَا فِی طَعَامِ قَرْیَةٍ بِعَیْنِهَا وَ لَا فِی ثَمْرَةِ نَخْلٍ بِعَیْنِهَا.

ترجمہ: بیع سلم کیلی اور وزنی اشیاء میں اور ایسی عددی اشیاء میں جائز ہے جس میں تفاوت نہیں ہوتا ہے جیسے اخروٹ اور انڈے، اور گز سے پیمائش کی جانے والی چیزوں میں (بھی جائز ہے) اور بیع سلم حیوان اور اس کے اطراف (سر اور پاؤں وغیرہ) میں جائز نہیں ہے اور نہ کھال میں عدد کے اعتبار سے اور نہ لکڑیوں میں گٹھوں کے اعتبار سے اور نہ سبز چاروں میں بوجھ کے حساب سے اور بیع سلم جائز نہیں ہے یہاں تک کہ مسلم فیہ عقد کے وقت سے لے کر ادائیگی کے وقت تک (بازار میں) موجود ہو اور بیع سلم بغیر میعاد کے جائز نہیں ہے اور جائز نہیں ہے میعاد معلوم کے ساتھ اور بیع سلم کسی مخصوص آدمی کے پیمانہ اور مخصوص آدمی کے گز سے (جس کی مقدار معلوم نہیں) جائز نہیں ہے اور نہ مخصوص گاؤں کے غلہ میں اور نہ مخصوص درخت کے پھل میں (جائز ہے)۔

وہ اشیاء جن میں سلم جائز اور جن میں سلم جائز نہیں ہے

حل لغات: الجوز: اخروٹ۔ اطراف: طرف کی جمع ہے، سر، پاؤں۔ الجلود: جلد کی جمع ہے، کھال۔

الحطب: لکڑی۔ حزماً: حزمۃ کی جمع ہے لکڑی وغیرہ کا گٹھا۔ الرطب: (الطاء بالضم والسکون) سبز چارہ۔ جرزاً: یہ جرزۃ کی جمع ہے بوجھ، بنڈل۔ مؤجل: موقت۔ اجل: مدت۔ قریۃ: گاؤں، بستی۔

خلاصہ: ہر کیلی اور وزنی اور عددی اشیاء میں بیع سلم جائز ہے بشرطیکہ عددی اشیاء کے افراد میں مالیت کے اعتبار سے کوئی فرق پیدا نہ ہوتا ہو جیسے اخروٹ اور انڈا (یعنی اگر عددی اشیاء میں مالیت اور قیمت کے اعتبار سے فرق پیدا ہوتا ہے تو اس کی بیع سلم جائز نہیں ہے) گزوں سے پیائش کی جانے والی اشیاء میں بھی بیع سلم جائز ہے (احناف کے نزدیک مطلقاً) حیوان کے اندر بیع سلم جائز نہیں ہے (البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جنس، عمر، صفت اور نوع بیان کرنے کی صورت میں جائز ہے) حیوان کے اطراف وسرے پاؤں اور کلہ وغیرہ میں اور جانور کی کھال میں عدد کے اعتبار سے بیع سلم جائز نہیں ہے (امام مالک کے نزدیک کھال میں جائز ہے) اسی طرح لکڑیوں کی گٹھوں کے حساب سے اور سبز چاروں کی بوجھ اور گڈی کے حساب سے بیع سلم جائز نہیں ہے، بیع سلم کے جواز کے لئے شرط یہ ہے کہ مسلم فیہ (احناف کے نزدیک) عقد مجلس کے وقت سے لے کر ادائیگی قیمت کے وقت تک بازار میں دستیاب رہے، اور بیع سلم بغیر اجل اور میعاد کے جائز نہیں ہے اور بیع سلم کے جواز کے لئے میعاد کے شرط ہونے کے ساتھ ساتھ میعاد کا معلوم ہونا بھی شرط ہے اور شخص معین کے پیمانہ اس کے گز سے بیع سلم جائز نہیں ہے اسی طرح کسی معین بستی کے غلہ اور معین درخت کے پھل میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

تشریح: **الموزونات**: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس سے دراہم ودنانیر کے علاوہ دیگر چیزیں مراد ہیں کیونکہ دراہم وغیرہ ثمن ہیں اور مسلم فیہ کے لئے مبیع ہونا ضروری ہے۔

ولا یجوز السلم ...... الی حین المحل: احناف کے نزدیک ضروری ہے کہ مسلم فیہ بوقت عقد ادائیگی ثمن کے وقت اور ان کے درمیانی ایام میں بازار میں دستیاب ہو۔ امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک ضروری ہے کہ مسلم فیہ ادائیگی ثمن کے وقت بازار میں دستیاب ہو اور امام مالکؒ کے نزدیک ضروری ہے کہ مسلم فیہ بوقت عقد اور ادائیگی ثمن کے وقت بازار میں دستیاب ہو۔ (ہدایہ)

ولا یجوز السلم الا مؤجلا: احناف کے نزدیک عقد سلم بغیر میعاد کے جائز نہیں ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے البتہ امام شافعی جواز کے قائل ہیں مثلاً ایک شخص نے کہا کہ میں نے ان دس دراہم کا عقد سلم ایک کر گیہوں میں کیا اور فوری طور پر حوالہ کرنے کی شرط لگائی یا وقت کی تعیین نہیں کی تو احناف کے نزدیک یہ عقد سلم جائز نہیں ہے مگر امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ (ہدایہ)

ولا یجوز الا باجل معلوم: میعاد کی ادنی مدت کے بارے میں تین قول منقول ہیں (۱) ایک ماہ (۲) تین یوم (۳) نصف یوم سے زائد۔ ان تینوں میں قول اول اصح ہے کیونکہ ایک ماہ کی مدت ایسی ہے کہ جس میں مسلم فیہ کا حصول ممکن ہے۔ (ہدایہ)

وَ لَا یَصِحُّ السَّلَمُ عِنْدَ اَبِی حَنِیفَۃَ اِلَّا بِسَبْعِ شَرَائِطَ تُذْکَرُ فِی العَقْدِ جِنْسٌ مَعْلُومٌ وَ نَوْعٌ مَعْلُومٌ وَ صِفَۃٌ مَعْلُومَۃٌ وَ مِقْدَارٌ مَعْلُومٌ وَ اَجَلٌ مَعْلُومٌ وَ مَعْرِفَۃُ مِقْدَارِ رَأسِ المَالِ اِذَا

كَانَ مِمَّا يَتَعَلَّقُ العَقْدُ عَلىٰ مِقْدَارِهٖ كَالمَكِيْلِ وَ المَوْزُوْنِ وَ المَعْدُوْدِ وَ تَسْمِيَةُ المَكَانِ الَّذِىْ يُوفِيهِ فِيْهِ إِذَا كَانَ لَهُ حَمْلٌ وَ مُؤْنَةٌ وَ قَالَ اَبُوْيُوسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يَحْتَاجُ إِلىٰ تَسْمِيَةِ رَأْسِ المَالِ إِذَا كَانَ مُعَيَّنًا وَ لَا إِلىٰ مَكَانِ التَّسْلِيمِ وَ يُسَلِّمُهُ فِي مَوْضَعِ العَقْدِ وَلَا يَصِحُّ السَّلَمُ حَتّٰى يَقْبِضَ رَأْسَ المَالِ قَبْلَ اَنْ يُفَارِقَهُ.

ترجمہ : اورامام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع سلم صحیح نہیں مگر سات شرطوں کے ساتھ جوعقد میں ذکر کی جائیں جنس معلوم ہو، نوع معلوم ہو، صفت معلوم ہو، مقدار معلوم ہو، وقت معلوم ہو، رأس المال کی مقدار بیان کرنا ایسی چیزوں میں جن کی مقدار کے ساتھ عقد متعلق ہو جیسے کیلی، وزنی اور عددی چیزیں، اس جگہ کا بیان کرنا جہاں وہ مسلم فیہ ادا کرے گا بشرطیکہ مسلم فیہ کے لئے بوجھ ہو اور خرچ ہو اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ رأس المال کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں اگر رأس المال معین ہو، اور نہ ادا کرنے کی جگہ کا نام بیان کرنے کی ضرورت ہے بلکہ مقام عقد میں سپرد کرے گا اور بیع سلم جائز نہیں ہے یہاں تک کہ جدا ہونے سے پہلے بائع رأس المال پر قبضہ کر لے۔

جواز بیع سلم کے شرائط

تشریح : بیع سلم کی شرطیں دو قسم کی ہیں ایک کا تعلق نفس عقد سے ہے اور دوسرے کا تعلق عوضین سے ہے قسم اوّل کی ایک شرط ہے وہ یہ کہ عاقدین کو یا کسی ایک کو اس عقد میں خیار شرط نہ ہو اور قسم ثانی یعنی عوضین کے اعتبار سے مجموعی طور پر بیع سلم کی سولہ شرطیں ہیں جن میں چھ رأس المال کی ہیں اور دس مسلم فیہ کی ہیں اس تفصیل کو ہم فائدہ کے عنوان سے عبارت کی تشریح کے بعد بیان کریں گے۔ صاحب کتاب نے جن سات شرطوں کا تذکرہ کیا ہے یہ انہی سترہ شرطوں میں سے ہیں جن کا بوقت عقد ذکر ضروری ہے ان میں سے اوّل پانچ شرطوں پر امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اتفاق ہے اور آخری دو میں اختلاف ہے اور ان پانچوں کا تعلق مسلم فیہ سے ہے۔

(۱) مسلم فیہ کی جنس معلوم ہو کہ وہ گیہوں ہے یا جو یا کھجور وغیرہ (۲) نوع معلوم ہو کہ مسلم فیہ ایسا غلہ ہے جو پانی سے سینچا گیا ہے یا بارش سے سیراب ہوا ہے۔ (۳) صفت معلوم ہو کہ مسلم فیہ جید ہے یا ردی یا متوسط درجہ کی۔ (۴) مسلم فیہ کی مقدار معلوم ہو کہ وہ دس کر ہوں یا دس رطل یا دس قفیز یا دس من ہوں۔ بہر کیف معاملہ ایسے پیمانہ اور وزن سے طے ہو جو عوام الناس کے درمیان مشہور ہو۔ (۵) میعاد معلوم ہو، امام شافعی کے نزدیک بلا میعاد بھی صحیح ہے ادنی مدت کے بارے میں مفتی بہ قول ایک ماہ کا ہے۔ (۶) رأس المال کی مقدار معلوم ہو اگر عقد رأس المال کی مقدار سے متعلق ہو جیسے رأس المال کیلی یا وزنی یا عددی متقارب ہو تو کیل یا وزن یا عدد سے اس کی مقدار کا معلوم کرنا ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک راس المال کی طرف اشارہ کرنا کافی نہیں ہے بلکہ اس کو بیان کرنا ضروری ہے یہی ایک قول امام شافعی کا بھی ہے۔ اور صاحبین اور ائمہ ثلثہ کے نزدیک رأس المال کی طرف اشارہ کرنا کافی ہے یہی ایک قول امام شافعی کا بھی ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر رب السلم نے کہا کہ میں نے یہ دراہم ایک کر گیہوں کے عوض تجھ کو سلم میں دیے اور درہموں کا

وزن معلوم نہ ہوا یا اس نے کہا کہ میں نے یہ گیہوں تجھ کو اتنے من زعفران کے عوض سلم میں دیے اور گیہوں کی مقدار معلوم نہ ہوئی تو امام اعظم کے نزدیک بیع صحیح نہیں اور صاحبین کے نزدیک صحیح ہوگئی۔ (۷) جن چیزوں میں بار برداری کی مشقت اور خرچ پڑتا ہو ان کی ادائیگی کا مقام بیان کرنا ضروری ہے، یہ شرط امام صاحب کے نزدیک ہے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اسکی ضرورت نہیں ہے بلکہ جس مقام پر عقد ہوا ہے مسلم فیہ کی ادائیگی کے لئے وہ مقام متعین ہے اور عقد سلم کے لئے یہ شرط ہے کہ عاقدین کے مجلس سے جدا ہونے سے پہلے بائع رأس المال پر قبضہ کرے۔

فائدہ : رأس المال کی چھ شرطیں ہیں (۱) رأس المال کی جنس بیان کرے کہ وہ دراہم ہیں یا دنانیر یا مکیلات میں سے ہیں جیسے گیہوں یا جو یا موزونات میں سے ہیں جیسے روئی، لوہا وغیرہ۔ (۲) اس کی نوع کو بیان کرے کہ یہ درہم عطریقی ہیں یا عدالی، یا دینار محمودی ہیں یا ہروی یا مروی یہ اس وقت ہے جب کہ شہر میں مختلف قسم کے نقود رائج ہوں اور اگر ایک قسم کا نقد رائج ہے تو بیان جنس کافی ہے۔ (۳) اس کی صفت بیان کرے کہ وہ جید ہے یا ردی یا متوسط درجہ کا۔ (۴) مقدار رأس المال کا بیان کرنا (اس نمبر کو تشریح میں شرط ۶ کے تحت ملاحظہ فرمائیں) (۵) دراہم و دنانیر کا انتقاد یعنی پرکھنا، یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مقدار کے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ شرط جواز میں سے ہے (۶) رأس المال کو فی الحال ادا کرنا اور عاقدین کے مجلس سے جدا ہونے سے پہلے مسلم الیہ کا رأس المال پر قبضہ کرنا خواہ رأس المال عین ہو یا دین۔

مسلم فیہ کی دس شرطیں : چھ کا تذکرہ صاحب کتاب نے کیا ہے جو تشریح میں ۱ تا ۵ اور ۷ کے تحت ہیں۔

(۷) مسلم فیہ ان چیزوں میں سے ہو جو معین کرنے سے معین ہو جاتی ہو یہاں تک دراہم و دنانیر میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔ (۸) مسلم فیہ ان چار جنسوں میں سے ہونا چاہئے یعنی کیلی یا وزنی یا ذراعی یا عددی کہ جو باہم قریب کے برابر ہوں (یہ شرط اگلی عبارت میں کل ما امکن کے تحت آرہی ہے)۔ (۹) مسلم فیہ عقد کے وقت سے میعاد کے آنے تک بازار میں دستیاب ہو (تفصیل گذشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں) (۱۰) عوضین علت ربوا کے دو وصفوں میں سے کوئی ایک شامل نہ ہو اور یہ قدر اور جنس ہیں یعنی رأس المال اور مسلم فیہ متحد قدر اور جنس کی علت نہ ہو یا نہ یہ بات ہو کہ جس سے ادھار جائز نہ ہو کیونکہ جس عقد میں ربا موجود ہوگا وہ عقد فاسد ہے۔ (فتاویٰ عالمگیریہ ج ۳ ص ۱۷۸ تا ۱۸۱، بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۰۱ تا ۲۱۷ تحفۃ الفقہاء ج ۲ ص ۸ تا ۱۴)

وَلَا يَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِي رَأْسِ الْمَالِ وَ لَا فِي الْمُسْلَمِ فِيْهِ قَبْلَ الْقَبْضِ وَلَا يَجُوْزُ الشِّرْكَةُ وَلَا التَّوْلِيَةُ فِي الْمُسْلَمِ فِيْهِ قَبْلَ قَبْضِهٖ وَ يَصِحُّ السَّلَمُ فِي الثِّيَابِ اِذَا سُمِّيَ طُوْلًا وَ عَرْضًا وَ رقعةً وَ لَايَجُوْزُ السَّلَمُ فِي الْجَوَاهِرِ وَ لَا فِي الْخَرَزِ وَلَا بَاسَ بِالسَّلَمِ فِي اللَّبِنِ وَالْاٰجُرِّ اِذَا سُمِّيَ مِلْبَنًا مَعْلُوْمًا وَ كُلُّ مَا اَمْكَنَ ضَبْطُ صِفَتِهٖ وَ مَعْرِفَةُ مِقْدَارِهٖ جَازَ السَّلَمُ فِيْهِ وَ مَالَا يُمْكِنُ ضَبْطُ صِفَتِهٖ وَ مَعْرِفَةُ مِقْدَارِهٖ لَايَجُوْزُ السَّلَمُ فِيْهِ.

ترجمہ : اور رأس المال اور مسلم فیہ میں قبضہ سے قبل تصرف کرنا جائز نہیں ہے اور مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے شرکت اور تولیہ جائز نہیں ہے اور کپڑوں میں سلم جائز ہے جب کہ لمبائی چوڑائی اور اس کی ضخامت (ہلکا اور بھاری) کو بیان

کر دیا جائے اور بیع سلم جواہر اور موتیوں میں جائز نہیں ہے اور کچی اور پکی اینٹوں میں بیع سلم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ کوئی معلوم سانچہ بیان کر دیا گیا ہو اور ہر وہ چیز جس کی صفت محفوظ کرنا اور اس کی مقدار کا پہچاننا ممکن ہو تو اس میں بیع سلم جائز ہے اور جس چیز کی صفت کا محفوظ کرنا اور اس کی مقدار کا پہچاننا ناممکن ہو اس میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

بیع سلم کے باقی احکام

حل لغات: رُقعةٌ: ٹکڑا، مراد موٹائی ہے۔ الجواهر: جوهرة کی جمع ہے۔ الخَرز: یہ خرزہ کی جمع ہے موتی۔ اللَّبِن اور اللِّبْن: کچی اینٹ، واحد اللَّبِنةُ۔ الآجر: پکی اینٹ۔ مِلبن: اینٹ ڈھالنے کا سانچہ۔

تشریح: ولایجوز ...... القبض: صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ مسلم الیہ کے لئے رأس المال میں اس پر قرضہ کرنے سے تصرف کرنا جائز نہیں ہے مثلاً ایک شخص نے کسی سے سو درہم پر ایک من گندم کی بیع سلم کی اور ابھی مسلم الیہ نے سو درہم پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ دوسرے سے سو درہم میں کوئی سامان خرید لیا تو مسلم الیہ کا یہ تصرف جائز نہیں ہے کیونکہ رأس المال پر قبضہ شرائط راس المال میں سے ہے جو فوت ہو رہی ہے۔ اسی طرح رب السلم کے لئے مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے مثلاً رب السلم نے ابھی گندم پر قبضہ نہیں کیا اور اس کو فروخت کر دیا تو یہ تصرف جائز نہیں کیونکہ مسلم فیہ مبیع ہے اور مبیع میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہے۔

ولایجوز الشرکة ...... قبضه: مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے شرکت اور تولیت دونوں جائز نہیں ہے، شرکت کی صورت یہ ہے کہ رب السلم کسی سے کہے کہ تو مجھ کو میرا آدھا رأس المال دیدے اور مسلم فیہ میں میرا برابر کا شریک بن جا۔ تولیت کی صورت یہ ہے کہ رب السلم کسی سے کہے کہ اگر تم میرا تمام رأس المال مجھے دیدو تو مسلم فیہ مکمل تمہاری ہے۔ بہر حال مسلم فیہ میں قبضہ سے قبل تصرف کے ناجائز ہونے کی وجہ سے یہ شرکت اور تولیت ناجائز ہے۔

ویصح السلم ...... رُقعة: صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر سوتی کپڑے کی لمبائی، چوڑائی اور موٹائی بیان کر دی جائے تو اس میں بیع سلم جائز ہے اور اگر کپڑا ریشمی ہے تو اس کا وزن بھی بیان کرنا ضروری ہے کیونکہ ریشم میں وزن بھی موجود ہوتا ہے جس کا بیان کرنا ضروری ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیان وزن کی شرط نہیں ہے۔ (فتح القدیر ج۶ ص ۲۴۱)

ولایجوز السلم ...... الخرز: جواہر اور موتی کی بیع سلم اس لئے جائز نہیں ہے کہ یہ ایسی عددی چیزیں ہیں کہ جن کی مالیت میں بڑا تفاوت رہتا ہے۔

ولا باس بالسم ...... ملبنا معلوما: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کچی اور پختہ اینٹ کا سانچہ متعین کر دیا گیا تو ان کی بیع سلم جائز ہے کیونکہ اینٹ عددیات متقاربہ میں سے ہے اور اسکی بیع جائز ہے اس لئے سانچہ کے متعین ہونے کی صورت میں اینٹ کی بیع سلم جائز ہے۔

وکل ما امکن الخ: کس چیز میں بیع سلم جائز ہے اور کس چیز میں جائز نہیں ہے اس سلسلے میں صاحب قدوریؒ ایک قاعدۂ کلیہ بیان فرما رہے ہیں کہ جس چیز کی صفت کو بیان کرنا اور اس کی مقدار کو معلوم کرنا ممکن ہو تو ایسی چیزوں کی بیع سلم

جائز ہے اور یہ چار اجناس ہیں جن پر یہ قاعدہ کلیہ صادق آتا ہے یعنی مکیلات، موزونات، مذروعات، عددیات متقاربہ۔ اور جن چیزوں کی صفت کو بیان کرنا اور اس کی مقدار کو معلوم کرنا ناممکن ہو تو ان کی بیع سلم جائز نہیں ہے جیسے جواہر، موتیاں، کھال، لکڑی، انار، بہی، خربوزہ وغیرہ۔ (تحفۃ الفقہاء ج ۲ ص ۱۴)

وَ يَجُوزُ بَيْعُ الكَلْبِ وَ الفَهْدِ وَ السِّبَاعِ وَ لَا يَجُوزُ بَيْعُ الخَمْرِ وَ الخِنْزِيْرِ وَ لَا يَجُوزُ بَيْعُ دُوْدِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مَعَ القَزِّ وَ لَا النَّحْلِ اِلَّا مَعَ الكُوْرَاتِ وَ اَهْلُ الذِّمَّةِ فِي البِيَاعَاتِ كَالْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا فِي الخَمْرِ وَ الخِنْزِيْرِ خَاصَّةً فَاِنَّ عَقْدَهُمْ عَلَى الخَمْرِ كَعَقْدِ المُسْلِمِ عَلَى العَصِيْرِ وَ عَقْدَهُمْ عَلَى الخِنْزِيْرِ كَعَقْدِ المُسْلِمِ عَلَى الشَّاةِ.

ترجمہ: اور کتے، چیتے اور درندوں کی بیع جائز ہے اور شراب اور خنزیر کی فروختگی جائز نہیں ہے اور ریشم کے کیڑوں کی بیع جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ ریشم کے ساتھ ہوں اور نہ ہی شہد کی مکھی کی مگر یہ کہ وہ چھتوں کے ساتھ ہوں اور ذمی لوگ خرید و فروخت میں مسلمانوں کی طرح ہیں مگر خاص کر شراب اور خنزیر میں، اس لئے کہ ان کا شراب پر معاملہ کرنا ایسا ہے جیسے مسلمان کا شیرۂ انگور پر معاملہ کرنا، اور ان کا خنزیر پر معاملہ کرنا ایسا ہے جیسے مسلمانوں کا بکری پر معاملہ کرنا ہے۔

مسائل متفرقہ

حل لغات: الکلب: کتا۔ الفہد: چیتا۔ السباع: یہ سبع کی جمع ہے درندہ۔ دود: کیڑا، یہ دودۃٌ کی جمع ہے۔ القز: ریشم۔ دودۃ القز: ریشم کا کیڑا۔ النحل: شہد کی مکھیاں، یہ نحلۃ کی جمع ہے۔ الکورات: شہد کی مکھیوں کا چھتہ۔ العصیر: شیرۂ انگور۔

تشریح: **ویجوز بیع الکلب والفہد والسباع**: کتے، چیتے اور درندے مثلاً شیر، بھیڑیئے وغیرہ کو فروخت کرنا جائز ہے۔ اصل اختلاف کتے کے متعلق ہے کتا معلَّم ہو یا غیر معلم، یا عقور ہو احناف کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے البتہ امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق کلب عقور (باؤلہ کاٹ کھانے والا کتا جو تعلیم کو قبول نہیں کرتا ہے) کی بیع جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک کتے کی بیع قطعاً جائز نہیں ہے بعض مالکیہ کا بھی یہی خیال ہے مگر امام مالک کے مشہور قول کے مطابق کتے کی بیع جائز ہے۔

ولا یجوز بیع الخمر والخنزیر: ان دونوں کی حرمت بالکل واضح ہے۔

ولایجوز بیع دود ...... مع القز: امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ریشم کے کیڑے اور اس کے انڈے کو فروخت کرنا مطلقاً جائز ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ریشم کے تابع ہو کر جائز ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے مگر فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

ولا النحل الا مع الکورات: امام اعظم اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ شہد کی مکھی کا بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بھڑ، سانپ، بچھو کی طرح حشرات الارض میں سے ہیں۔ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس

کوشہد اور اس کے چھتہ کے ساتھ فروخت کیا جائے فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔
واهل الذمة فی البیاعات الخ: ذمی وہ کافر جو دار الاسلام میں مسلمانوں کے ماتحت رہ کر جزیہ ادا کرتا ہو۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ذمی لوگ عام معاملات میں مسلمانوں کی طرح ہیں خواہ خرید وفروخت ہو یا اس کے علاوہ یعنی مسلمان کے لئے جو چیز جائز ہے وہ ان کے لئے بھی جائز ہے اور مسلمان کے لئے جو ناجائز ہے وہ ان کے لئے بھی ناجائز ہے، البتہ دو چیز کا استثناء ہے (۱) شراب (۲) سور۔ ذمی حضرات کے لئے خاص طور پر ان دونوں چیز کی خرید وفروخت جائز ہے چنانچہ ذمی لوگوں کا شراب پر عقد کرنا ایسا ہے جیسے مسلمان کا شیرۂ انگور پر عقد کرنا اور خنزیر پر عقد کرنا ایسا ہے جیسے مسلمان کا بکری پر عقد کرنا، کیونکہ شراب اور خنزیر ذمیوں کے اعتقاد میں مال متقوم ہیں اور ہمیں ان کے معتقدات کے ترک کا حکم ہے۔ (ہدایہ)

باب الصرف

عقد صرف کا بیان

مبیع کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں (۱) بیع العین بالعین (۲) بیع العین بالدین (۳) بیع الدین بالعین (۴) بیع الدین بالدین۔ اوّل تین قسموں کو بیان کرنے کے بعد اب اس چوتھی قسم کا بیان شروع فرمارہے ہیں کہ جس میں عوضین ثمن ہوتے ہیں اس قسم کو سب سے آخر میں یا تو اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ یہ اضعف الباعات ہے چنانچہ اس کے اندر مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ کرنا شرط ہے یا اس وجہ سے کہ اس میں عوضین ثمن ہوتے ہیں اور ثمن عقد بیع میں وصف کے قائم مقام ہوتا ہے اور مبیع اصل کے قائم مقام ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اصل وصف کے مقابلہ میں پہلے ذکر کی جاتی ہے اور وصف کا ذکر بعد میں ہوتا ہے اس لئے بیع صرف کو دیگر اقسام کے بعد ذکر کیا گیا۔ (اصح النوری واشرف الہدایہ ج۹)

اس عقد کو صرف کہنے کی دو وجہ بیان کی جاتی ہے (۱) صرف کا معنی ہے پھیرنا اور منتقل کرنا، اس عقد میں چونکہ عوضین کو بربناء ضرورت ہاتھ در ہاتھ پھیرا جاتا ہے اس لئے اس عقد کا نام صرف رکھا گیا۔ (۲) خلیل نحوی کی تحقیق کے مطابق یہ لفظ زیادتی کے معنی میں آتا ہے اسی مناسبت سے عبادت نافلہ کو صرف کہتے ہیں، چنانچہ ارشادِ نبوی ہے "من انتمٰی الی غیر ابیه لایقبل الله منه صرفًا ولا عدلاً" جس شخص نے خود کو اپنے باپ کے علاوہ کی طرف منسوب کیا اللہ تعالیٰ اس کا صرف اور عدل قبول نہیں کرے گا۔ اس حدیث میں صرف سے نفل مراد ہے کیونکہ یہ فرض سے زائد ہے اور عدل سے مراد فرض ہے۔ اور عقد صرف سے زیادتی مقصود ہوتی ہے کیونکہ اثمان یعنی سونا، چاندی جس پر عقد صرف کی بنیاد ہے کی ذات سے بلا تجارت کے انتفاع ناممکن ہے اور تجارت سے زیادتی مقصود ہوتی ہے چنانچہ لفظ صرف میں زیادتی کا معنی پائے جانے کی وجہ سے اس عقد کا نام عقد صرف رکھا گیا۔ اس عقد میں جہاں مقصود زیادتی ہے وہیں مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ بھی زائد اور ایک امتیازی چیز ہے جو غیر صرف میں موجود نہیں ہے تو اس تفرد کی وجہ سے بھی اس کا نام صرف رکھا گیا ہے۔

(ہدایہ ج ۳، فتح القدیر ج ۶ ص ۲۵۲، الجوہرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۲۲۳)

الصَّرْفُ هُوَ البَیْعُ اِذَا کَانَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْ عِوَضَیْهِ مِنْ جِنْسِ الاَثْمَانِ فَاِنْ بَاعَ فِضَّةً بِفِضَّةٍ اَوْ ذَهَبًا بِذَهَبٍ لَمْ یَجُزْ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَ اِنِ اخْتَلَفَا فِی الجَوْدَةِ وَ الصِّیَاغَةِ وَلَا بُدَّ مِنْ قَبْضِ العِوَضَیْنِ قَبْلَ الاِفْتِرَاقِ وَ اِذَا بَاعَ الذَّهَبَ بِالفِضَّةِ جَازَ التَّفَاضُلُ وَوَجَبَ التَّقَابُضُ وَ اِنِ افْتَرَقَا فِی الصَّرْفِ قَبْلَ قَبْضِ العِوَضَیْنِ اَوْ اَحَدِهِمَا بَطَلَ العَقْدُ وَلَا یَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِی ثَمَنِ الصَّرْفِ قَبْلَ قَبْضِهٖ وَ یَجُوْزُ بَیْعُ الذَّهَبِ بِالفِضَّةِ مُجَازَفَةً۔

ترجمہ: صرف وہ بیع ہے جب کہ اس کے عوضین میں سے ہر ایک ثمن کی جنس سے ہو پس اگر چاندی کو چاندی کے عوض یا سونے کو سونے کے عوض فروخت کیا تو جائز نہیں ہے مگر برابر برابر اگر چہ وہ کھرے ہونے اور ڈھلائی میں مختلف ہوں اور (بائع اور مشتری کے) جدا ہونے سے پہلے عوضین پر قبضہ کرنا ضروری ہے اور اگر سونے کو چاندی کے عوض فروخت کیا تو کمی وزیادتی جائز ہے اور باہمی قبضہ ضروری ہے اور اگر بائع اور مشتری عقد صرف میں عوضین یا ان میں سے ایک پر قبضہ کر لینے سے پہلے جدا ہو گئے تو عقد باطل ہو جائے گا اور عقد صرف کے ثمن میں قبضہ سے قبل تصرف جائز نہیں ہے، اور سونے کو چاندی کے عوض اندازہ سے فروخت کرنا جائز ہے۔

حل لغات: اثمان: یہ ثمن کی جمع ہے، قیمت۔ مگر اس سے وہ چیز مراد ہے جس میں پیدائشی طور پر ثمنیت ہو جیسے چاندی اور سونا۔ الجودة: عمدگی، کھرا پن۔ الصیاغة: ڈھلائی۔ افتراق: جدائی۔ التفاضل: کمی وزیادتی۔ مجازفة: اندازہ، اٹکل۔

تشریح: الصرف ...... الاثمان: بیع صرف کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ بیع صرف وہ بیع ہے جس کے عوضین ثمن کی جنس سے ہوں اس کی تین شکلیں ہیں (۱) سونا، سونے کے عوض (۲) چاندی، چاندی کے عوض (۳) ایک کو دوسرے کے عوض۔

فان باع ...... قبل الافتراق: صاحب قدوریؒ اس عبارت سے ایک مسئلہ بیان فرما رہے ہیں۔ عوضین کے متجانس ہونے کی صورت میں اگر ایک شخص نے چاندی کو چاندی کے عوض یا سونے کو سونے کے عوض فروخت کیا تو یہ بیع اسی وقت جائز ہوگی جب کہ دونوں وزن میں برابر ہوں اگر چہ کھرے ہونے اور ڈھلائی کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہو یعنی اس عقد کے جواز کے لئے عوضین میں برابری شرط ہے اگر چہ ہر ایک، ایک دوسرے سے کھرے پن اور ڈھلائی میں کمی وبیشی کا اختلاف رکھتے ہوں۔ واضح رہے کہ اس عقد صرف میں برابری کے ساتھ ساتھ بدن کے اعتبار سے جدا ہونے سے پہلے عوضین پر قبضہ کرنا ضروری ہے اس لئے کہ ارشادِ نبویؐ ہے کہ سونا سونے کے عوض برابر برابر ہاتھ در ہاتھ فروخت کرو، اور اسی ہاتھ در ہاتھ کو تقابض کہا جاتا ہے۔

واذا باع الذهب ...... العقد: ایک شخص نے سونے کو چاندی کے عوض یا چاندی کو سونے کے عوض کمی وبیشی کے ساتھ فروخت کیا تو اختلافِ جنس کی وجہ سے یہ بیع جائز ہے جیسا کہ عبادہ بن صامت کی حدیث **اذا اختلف هذه**

الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید" شاہد ہے کہ اختلافِ جنس کی صورت میں کمی وبیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے مگر آخری ٹکڑا یعنی "اذا کان یدا بید" بتاتا ہے کہ تقابض شرط ہے لہٰذا مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔اب اگر اس عقد صرف میں عوضین یا احد العوضین پر قبضہ کرنے سے قبل بائع ومشتری جدا ہوگئے تو عقد صرف باطل ہوجائے گا کیونکہ تقابض جو عقد صرف میں بقاء عقد کے لئے شرط ہے اس کا فقدان ہے اس لئے عدم وجدانِ شرط کی وجہ سے عقد صرف باطل ہوجائے گا۔

ولایجوز التصرف ...... قبل قبضه: صاحب کتابؒ فرماتے ہیں کہ عقد صرف میں قبضہ کرنے سے پہلے ثمن یعنی عوضین میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک دینار کو دس درہم کے عوض فروخت کیا اور اس درہم پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کے عوض کپڑا خرید لیا تو اس کپڑے کی بیع فاسد ہوگی کیونکہ عقد صرف میں باری تعالیٰ کے حق کی وجہ سے قبضہ کرنا واجب ہے اور اس عقد کو جائز قرار دینے کی صورت میں خدا تعالیٰ کا حق فوت کرنا لازم آئے گا اور حق تعالیٰ کا حق فوت کرنا جائز نہیں ہے اس لئے دس درہم پر قبضہ کرنے سے پہلے اس سے کپڑا خریدنا جائز نہیں ہے۔ (ہدایہ)

ویجوز بیع الذهب الخ: صاحب کتاب اس عبارت سے ایک مسئلہ بیان کر رہے ہیں۔وہ یہ ہے کہ سونے کو چاندی کے عوض اسی طرح چاندی کو سونے کے عوض بلا وزن کے اندازہ سے فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ اختلاف جنس کی وجہ سے عوضین میں برابری شرط نہیں ہے البتہ مجلس عقد سے جدا ہونے سے قبل عوضین پر قبضہ کرنا شرط ہے (جیسا کہ عبادہ بن صامت کی روایت سے معلوم ہوتا ہے) (ہدایہ-الجوہرہ ج ۱ ص ۲۲۴)

وَ مَنْ بَاعَ سَيْفًا مُحَلًّى بِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَ حِلْيَتُهُ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا فَدَفَعَ مِنْ ثَمَنِهٖ خَمْسِيْنَ دِرْهَمًا جَازَ الْبَيْعُ وَ كَانَ الْمَقْبُوْضُ مِنْ حِصَّةِ الْفِضَّةِ وَ اِنْ لَمْ يُبَيِّنْ ذٰلِكَ وَ كَذٰلِكَ اِنْ قَالَ خُذْ هٰذِهِ الْخَمْسِيْنَ مِنْ ثَمَنِهَا فَاِنْ لَمْ يَتَقَابَضَا حَتّٰى افْتَرَقَا بَطَلَ الْعَقْدُ فِي الْحِلْيَةِ وَ اِنْ كَانَ يَتَخَلَّصُ بِغَيْرِ ضَرَرٍ جَازَ الْبَيْعُ فِي السَّيْفِ وَ بَطَلَ فِي الْحِلْيَةِ.

ترجمه: اور جس شخص نے چاندی سے آراستہ ایک تلوار سو درہم کے عوض فروخت کی اور اس کی چاندی پچاس درہم کے برابر تھی اور اس نے اس تلوار کی قیمت میں سے پچاس درہم ادا کر دیئے تو بیع جائز ہوگئی اور جس درہم پر قبضہ کیا گیا ہے وہ چاندی کے حصہ کا (ثمن شمار) ہوگا اگر چہ اس نے بیان نہ کیا ہو اور اسی طرح اگر مشتری نے کہا کہ اس پچاس درہم کو ان دونوں کی قیمت سے لے اور اگر دونوں نے قبضہ نہیں کیا یہاں تک کہ جدا ہوگئے تو عقد چاندی میں باطل ہوجائے گا اور اگر چاندی، تلوار سے بغیر ضرر کے چھوٹ جائے تو تلوار کی بیع جائز ہوجائے گی اور چاندی کی بیع باطل ہوجائے گی۔

قوانین بیع صرف کی تسہیل

حل لغات: سیف: تلوار۔ محلی: اسم مفعول، زیور سے آراستہ، مراد چاندی کا زیور ہے۔ حلیه: زیور، یہاں موقع کے مناسب چاندی کا زیور مراد ہے۔ یتخلص: تخلص منه جدا ہونا۔ ضرر: نقصان۔

خلاصہ : ایک شخص نے چاندی کے زیور سے آراستہ ایک تلوار سو درہم کے عوض فروخت کی اور آراستہ چاندی پچاس درہم تھی، مشتری نے قیمت میں سے پچاس درہم نقد دیدیا لیکن اس نے یہ بیان نہیں کیا کہ یہ درہم چاندی کے زیور کے عوض ہے تو اس صورت میں بیع جائز ہوگی اور بائع نے جس پچاس درہم کو مشتری سے وصول کیا ہے وہ چاندی کے زیور کی قیمت تصور کی جائے گی۔ اور اگر مشتری نے قیمت ادا کرتے ہوئے صاف لفظوں میں یہ کہا کہ یہ پچاس درہم تلوار اور زیور دونوں کی قیمت ہے تو اس صورت میں بھی اس درہم کو زیور کی قیمت تصور کیا جائے گا کیونکہ اس عقد صرف میں زیور کے ثمن پر مجلس عقد میں قبضہ کرنا ضروری تھا جس کا تقاضایہ ہے کہ نقد کو زیور کا عوض قرار دیا جائے۔ اور اگر عاقدین نے مجلس عقد میں قبضہ نہیں کیا اور دونوں جدا ہو گئے تو زیور میں عقد باطل ہو جائے گا اور تلوار کے بارے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ زیور تلوار سے کس طرح پیوستہ ہے اگر پیوستگی اس انداز سے ہے کہ بغیر نقصان کے علیحدہ کرنا ممکن نہیں ہے تو تلوار کی بیع بھی باطل ہو جائے گی۔ اور اگر زیور، تلوار سے بغیر نقصان کے علیحدہ کیا جاسکتا ہے تو اس صورت میں تلوار کی بیع جائز ہو جائے گی اور زیور کی بیع باطل ہو جائے گی۔

وَ مَنْ بَاعَ اِنَاءَ فِضَّةٍ ثُمَّ افْتَرَقَا وَ قَدْ قَبَضَ بَعْضَ ثَمَنِهٖ بَطَلَ العَقْدُ فِيمَا لَمْ يَقْبِضْ وَ صَحَّ فِيمَا قَبَضَ وَ كَانَ الاِنَاءُ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا وَ اِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الاِنَاءِ كَانَ الْمُشْتَرِىْ بِالخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ البَاقِى بِحِصَّتِهٖ مِنَ الثَّمَنِ وَ اِنْ شَاءَ رَدَّهٗ وَ مَنْ بَاعَ قِطْعَةَ نُقْرَةٍ فَاسْتُحِقَّ بَعْضُهَا اَخَذَ مَا بَقِىَ بِحِصَّتِهٖ وَلَا خِيَارَ لَهٗ وَ مَنْ بَاعَ دِرْهَمَيْنِ وَ دِينَارًا بِدِينَارَيْنِ وَ دِرْهَمٍ جَازَ البَيْعُ وَ جُعِلَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الجِنْسَيْنِ بَدَلًا مِنْ جِنْسِ الْاٰخَرِ وَ مَنْ بَاعَ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَ دِينَارٍ جَازَ البَيْعُ وَ كَانَتِ العَشَرَةُ بِمِثْلِهَا وَ الدِّينَارُ بِدِرْهَمٍ وَ يَجُوزُ بَيْعُ دِرْهَمَيْنِ صَحِيحَيْنِ وَ دِرْهَمٍ غَلَّةٍ بِدِرْهَمٍ صَحِيحٍ وَ دِرْهَمَيْنِ غَلَّةٍ.

ترجمہ : اور جس شخص نے چاندی کا برتن فروخت کیا پھر عاقدین جدا ہو گئے اور بائع کچھ ثمن پر قبضہ کر چکا ہے تو جس حصہ کے بقدر ثمن پر بائع نے قبضہ نہیں کیا ہے اس میں بیع باطل ہو جائے گی اور جس حصہ پر قبضہ کر چکا ہے اس میں بیع درست ہو جائے گی اور برتن دونوں کے درمیان مشترک ہو جائے گا اور اگر برتن کا ایک حصہ مستحق ہو گیا (کسی تیسرے کے لئے) تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو بقیہ حصہ کو اس کی قیمت کے بقدر لے لے اور اگر چاہے تو واپس کر دے اور جس شخص نے چاندی کا ایک ٹکڑا فروخت کیا پھر اس کا ایک حصہ (کسی تیسرے کے لئے) مستحق ہو گیا تو مشتری باقی حصہ کو لے لے اور اس کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ اور جس شخص نے دو درہم اور ایک دینار کو دو دینار اور ایک درہم کے عوض فروخت کیا تو بیع جائز ہے اور (اس صورت میں) دونوں جنسوں میں سے ہر ایک کو دوسری جنس کا بدل قرار دیا جائے گا۔ اور جس شخص نے گیارہ درہم کو دس درہم اور ایک دینار کے عوض فروخت کیا تو بیع جائز ہے تو دس درہم دس درہم کے عوض ہوں گے اور ایک دینار ایک درہم کے عوض ہوگا اور دو صحیح درہم اور ایک پھٹ کر درہم کو ایک صحیح اور دو پھٹ کر درہم کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔

حل لغات : اناء: برتن۔ نقرة: کچی چاندی۔ درهم صحيح: ایک کامل درہم جو بغیر ریزگاری کا ہو۔

غلة: ریزگاری، وہ درہم و دنانیر جس کو بیت المال لوٹا دے اور تاجر حضرات اس کو لے لیں اس کے کھوٹ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ ریزگاری کی وجہ سے جس کی گنتی کرنے اور حفاظت میں دشواری ہوتی ہے جیسے آج کل، اسی وجہ سے بینکوں میں ریزگاریاں کم ملتی ہیں۔ درهم غلة: ایک درہم کے دو اجزاء جو وزن اور مالیت میں ایک درہم کے برابر ہوں جیسے ایک روپیہ کی ریزگاری چونی، اٹھنی وغیرہ کہ دو اٹھنی کی مالیت ایک روپیہ کے برابر ہے اسی پر قیاس کریں۔

(فتح القدیر ج۶ ص ۲۷۴، عینی ج ۳، اشرف الہدایہ ج ۹ ص ۱۳۶)

تشریح: اس پوری عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں۔

مسئلہ ۱: ایک شخص نے چاندی کا ایک برتن فروخت کیا مشتری نے قیمت کا ایک حصہ ادا کر دیا اس کے بعد عاقدین جدا ہو گئے تو بائع نے جس قدر قیمت وصول کی ہے اسی قدر بیع صحیح ہوگی اور جس حصہ کی قیمت وصول نہیں کی ہے اس کے اندر بیع باطل ہوگی اور اس صورت میں برتن عاقدین کے درمیان مشترک رہے گا (چونکہ یہ پورا عقد صرف ہے جس میں قبل الافتراق تقابض شرط ہے اس لئے جس مقدار میں شرط پائی گئی اسی میں عقد صحیح ہو گیا اور جس میں یہ شرط نہیں پائی گئی اس میں عقد باطل ہو گیا اور چونکہ یہ فساد اصلی نہیں ہے اس لئے یہ فساد پورے عقد میں نہیں پھیلے گا) (ہدایہ) اب اگر اس برتن کا کوئی تیسرا حقدار نکل آیا تو اس صورت میں مشتری کو اختیار ہے چاہے تو برتن کے باقی حصہ کو اس حصہ کے عوض لے لے اور چاہے تو اس کو واپس کر دے (کیونکہ برتن میں شرکت عیب ہے۔ ہدایہ)

مسئلہ ۲: اگر کسی نے گلائی ہوئی چاندی کا ٹکڑا فروخت کیا پھر کوئی تیسرا حقدار نکل آیا تو مشتری کو چاہئے کہ باقی ماندہ حصہ کو اس کی قیمت ادا کر کے لے لے اور مشتری کو لینے اور نہ لینے کا کوئی اختیار نہیں ہے کیونکہ اس خام چاندی کو ٹکڑا کر کے ایک حصہ کو دوسرے کو دیا جا سکتا ہے اس لئے اس میں شرکت عیب نہیں ہے۔ (الجوہرہ ج ۱ ص ۲۲۵)

مسئلہ ۳: اگر ایک شخص نے دو درہم اور ایک دینار کو ایک درہم اور دو دینار کے عوض فروخت کیا تو احناف کے نزدیک یہ بیع جائز ہے اور اس صورت میں ربا سے بچنے اور عقد کو صحیح قرار دینے کے لئے دونوں جنسوں میں سے ہر ایک کو دوسری مخالف جنس کا بدل قرار دیا جائے گا لہٰذا دو درہم، دو دینار کے مقابلہ میں اور ایک دینار ایک درہم کے مقابلہ میں شمار ہوگا اور بیع صحیح ہو جائے گی کیونکہ اختلاف جنس کی صورت میں عوضین میں تساوی ضروری نہیں ہے۔ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک اسی طرح امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق یہ بیع جائز نہیں ہے۔ (عینی ج ۳ ص ۱۴۵)

مسئلہ ۴: ومن باع عشرة ...... بدرهم: اگر ایک شخص نے گیارہ درہم کو دس درہم اور ایک دینار کے عوض فروخت کیا تو یہ بیع جائز ہے اور اس صورت میں دس درہم کو دس درہم کے بالمقابل اور ایک دینار کو ایک درہم کے بالمقابل کر دیا جائے گا اور درہم و دینار دو مختلف جنس ہیں اس لئے ان میں تساوی ضروری نہیں ہے۔ (ہدایہ)

مسئلہ ۵: ویجوز بیع درهمین الخ: صاحب قدوری کی عبارت صحیح نہیں ہے بلکہ صاحب ہدایہ کی عبارت صحیح ہے "ویجوز بیع درهم صحیح و درهمین غلین بدرهمین صحیحین و درهم غلة" صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک پورے درہم اور دو پھٹ کر درہم کو دو پورے درہم اور ایک پھٹ کر درہم کے عوض فروخت کیا تو عوضین

میں وزن کے اعتبار سے برابری کی وجہ سے یہ بیع جائز ہے۔ (الجوہرہ ج اص ۲۲۶-ہدایہ)

وَاِنْ كَانَ الغَالِبُ عَلىٰ الدَّرَاهِمِ الفِضَّةُ فَهِيَ فِي حُكْمِ الفِضَّةِ وَاِنْ كَانَ الغَالِبُ عَلىٰ الدَّنَانِيْرِ الذَّهَبُ فَهِيَ فِي حُكْمِ الذَّهَبِ فَيُعْتَبَرُ فِيْهِمَا مِنْ تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ مَا يُعْتَبَرُ فِي الجِيَادِ وَاِنْ كَانَ الغَالِبُ عَلَيْهِمَا الغِشُّ فَلَيْسَا فِي حُكْمِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ فَهُمَا فِي حُكْمِ العُرُوضِ فَاِذَا بِيْعَتْ بِجِنْسِهَا مُتَفَاضِلاً جَازَ البَيْعُ وَاِن اشْتَرىٰ بِهَا سِلْعَةً ثُمَّ كَسَدَتْ فَتَرَكَ النَّاسُ المُعَامَلَةَ بِهَا قَبْلَ القَبْضِ بَطَلَ البَيْعُ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُف عَلَيْهِ قِيْمَتُهَا يَوْمَ البَيعِ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ قِيْمَتُهَا اٰخِرَ مَا يَتَعَامَلُ النَّاسُ.

ترجمہ: اور اگر دراہم پر چاندی غالب ہو تو یہ چاندی کے حکم میں ہے اور اگر دنانیر پر سونا غالب ہو تو یہ سونا کے حکم میں ہے اور ان دونوں میں اسی زیادتی کا حرام ہونا معتبر ہے جو کھروں میں معتبر ہے اور اگر ان دونوں پر کھوٹ غالب ہو تو دونوں دراہم اور دنانیر کے حکم میں نہیں ہوں گے بلکہ وہ سامان کے حکم میں ہوں گے پس اگر کھوٹ دراہم کو ان کی جنس کے عوض تفاضل کے ساتھ فروخت کیا گیا تو بیع جائز ہے اور اگر ان کھوٹ دراہم کے عوض سامان خریدا پھر ان کا رواج بند ہو گیا اور لوگوں نے قبضہ سے پہلے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع باطل ہو جائے گی اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مشتری پر بیع کے دن کی ان کھوٹ دراہم کی قیمت واجب ہو گی اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مشتری پر اس کی قیمت اس آخری دن کی واجب ہو گی جس دن کی لوگ اس کے ساتھ معاملہ کر رہے ہوں (یعنی لین دین کرنے کا آخری دن)۔

عقد بیع کے متفرق قوانین

حل لغات: **التفاضل:** کمی وبیشی۔ **الجیاد:** یہ جید کی جمع ہے عمدہ، کھرا۔ **الغش:** کھوٹا پن۔ **عروض:** یہ عرض کی جمع ہے، اسباب، سامان۔ **سلعة:** سامان، سامان تجارت جمع سِلَع۔ **کسد:** (ن وک) کساداً وکسوداً الشیٔ، خواہش مندوں کی کمی کی وجہ سے رائج نہ ہونا۔ **کسدت السوق:** بازار کا مندا ہونا۔ **آخر ما یتعامل الناس:** وہ آخری دن جس میں لوگوں نے لین دین بند کر دیا ہو، یہ مرادی ترجمہ ہے۔

تشریح: اس پوری عبارت میں تین مسئلے مذکور ہیں۔

مسئلہ ۱ **وان کان الغالب ...... فی الجیاد:** اگر دراہم پر چاندی کا غلبہ ہے تو یہ دراہم خالص چاندی کے حکم میں ہیں اور اگر دنانیر پر سونا کا غلبہ ہو تو یہ دنانیر خالص سونے کے حکم میں ہیں اور اس کی ہم جنس کی بیع میں کمی وزیادتی اس طریقہ پر حرام ہے جس طریقہ پر خالص سونے اور چاندی کی ہم جنس کی بیع میں کمی وزیادتی حرام ہے چنانچہ اگر خالص دراہم کو کھوٹ ملے ہوئے دراہم کے عوض یا خالص دنانیر کو کھوٹ ملے ہوئے دنانیر کے عوض یا کھوٹ ملے ہوئے دراہم میں سے بعض کو بعض کے عوض اسی طرح کھوٹ ملے ہوئے دنانیر میں سے بعض کو بعض کے عوض فروخت کرنے کے لئے برابری شرط ہے ورنہ بیع ناجائز ہے جیسا کہ خالص دراہم کو خالص دراہم کے عوض وغیرہ میں فروخت کرنے کا حکم ہے۔

مسئلہ ۲ وان کان الغالب علیہما الغش ...... جاز البیع: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دراہم یا دنانیر میں کھوٹ غالب ہو اور چاندی یا سونا مغلوب ہو تو یہ دراہم و دنانیر کے حکم سے نکل کر سامان کے حکم میں آ جائیں گے جس میں سونا یا چاندی ملا ہوا ہے، اب اس صورت میں دراہم یا دنانیر کو اس کے ہم جنس کے عوض تفاضل کے طور پر فروخت کرنا جائز ہے۔

مسئلہ ۳ وان اشتری ...... الناس: اگر کسی نے ان کھوٹ سے آمیزش دراہم یا دنانیر کے ذریعہ کوئی سامان خریدا ابھی بائع نے ان دراہم و دنانیر کو اپنے قبضہ میں لیا نہیں تھا کہ ان کا رواج بند ہو گیا اور لوگوں نے اس سے لین دین بند کر دیا تو اس بیع کے بطلان اور عدم بطلان کے سلسلے میں امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک بیع باطل ہو گئی اور مشتری پر مبیع کی موجودگی کی صورت میں اس کی واپسی ضروری ہے اور اگر مبیع ہلاک ہو گئی تو اس کی قیمت واجب ہو گی۔ صاحبین کے نزدیک بیع باطل نہیں ہو گی البتہ مشتری پر قیمت کی ادائیگی واجب ہو گی، صاحبین کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ قیمت کے لئے کون سا دن معتبر ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وجوب قیمت کے لئے عقد بیع کا دن معتبر ہے یعنی اس دن میں کھوٹ دراہم کی جو قیمت تھی اس کی ادائیگی مشتری پر واجب ہے امام محمدؒ کے نزدیک اس آخری دن کی قیمت کا اعتبار ہو گا جس دن ان دراہم کے ساتھ لوگوں کا لین دین ختم ہوا ہے، اس مسئلہ میں فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔

رواج کا بند ہونا امام محمد کے نزدیک اس وقت تسلیم کیا جائے گا جب کہ تمام شہروں میں رواج بند ہو گیا ہو۔ حضرات شیخین کے نزدیک اس قدر کافی ہے کہ جس شہر میں عقد ہوا ہے اسی شہر میں دراہم کا چلن اور اسکا رواج بند ہو جائے اگرچہ دیگر شہروں میں باقی ہو۔ (عینی جلد ۳)

وَ يَجُوْزُ الْبَيْعُ بِالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ وَ اِنْ لَمْ يُعَيِّنْ وَ اِنْ كَانَتْ كَاسِدَةً لَمْ يَجُزِ الْبَيْعُ بِهَا حَتّٰى يُعَيِّنَهَا وَ اِذَا بَاعَ بِالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ ثُمَّ كَسَدَتْ قَبْلَ الْقَبْضِ بَطَلَ الْبَيْعُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَمَنِ اشْتَرٰى شَيْئًا بِنِصْفِ دِرْهَمٍ فُلُوْسٍ جَازَ الْبَيْعُ وَ عَلَيْهِ مَا يُبَاعُ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ مِنْ فُلُوْسٍ وَ مَنْ اَعْطٰى صَيْرَفِيًّا دِرْهَمًا فَقَالَ اَعْطِنِىْ بِنِصْفِهٖ فُلُوْسًا وَ بِنِصْفِهٖ نِصْفًا اِلَّا حَبَّةً فَسَدَ الْبَيْعُ فِى الْجَمِيْعِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَا جَازَ الْبَيْعُ فِى الْفُلُوْسِ وَ بَطَلَ فِيْمَا بَقِىَ.

ترجمہ: رائج پیسوں سے بیع کرنا جائز ہے اگرچہ اس کو متعین نہ کرے اور اگر ان پیسوں کا رواج بند ہو تو ان پیسوں سے بیع جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس کو متعین کر دے اور اگر رائج پیسوں سے فروخت کیا اور قبضہ سے پہلے ان کا رواج بند ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بیع باطل ہو گی اور جس شخص نے نصف درہم پیسوں سے کوئی چیز خریدی تو بیع جائز ہے اور مشتری پر اس قدر پیسے واجب ہوں گے جن کو نصف درہم کے عوض فروخت کیا جاتا ہے اور جس شخص نے کسی صراف کو ایک درہم دیا اور کہا کہ اس کے نصف کے بدلہ مجھے پیسے دیدے اور نصف کے بدلے ایک حبہ کم درہم دیدے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تمام میں بیع فاسد ہو گی اور صاحبین نے فرمایا کہ پیسوں میں بیع جائز ہے اور باقی میں بیع باطل ہے۔

حل لغات: فلوس: یہ فلس کی جمع ہے، پیسہ۔ النافقة: رائج۔ کاسدة: جس کا چلن بند ہو گیا ہو۔

صیرفیا: صراف، سنہار۔ حبة: دو جو کے برابر ایک وزن۔

تشریح : اس پوری عبارت میں چار مسئلے مذکور ہیں۔

مسئلہ ۱ ویجوز ...... حتی یعینها: اگر پیسے رائج ہوں تو ان کے ذریعہ خرید وفروخت جائز ہے اور دراہم ودنانیر کی طرح ان کا معین کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ اس کی ثمنیت پر لوگوں کا اتفاق ہے مثلاً پچاس پیسے کی کوئی چیز خریدی تو پچاس پیسے معین نہیں ہوں گے بلکہ پیسوں میں سے کوئی ایک پچاس پیسے دیدے اور اگر اس پیسے کا رواج بند ہو گیا ہو تو بیع کے جواز کے لئے اس کو معین کرنا ضروری ہوگا۔

مسئلہ ۲ واذا باع بالفلوس ...... عند ابی حنیفة: اگر کسی نے کوئی چیز رائج پیسے کے عوض فروخت کی، بائع نے ابھی پیسوں کو وصول نہیں کیا تھا کہ اس کا چلن بند ہو گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع باطل ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک باطل نہیں ہوگی بلکہ مشتری کے ذمہ غیر رائج پیسوں کی قیمت واجب ہوگی، امام ابویوسفؒ کے نزدیک عقد بیع کے دن کی قیمت واجب ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک رواج کے بند ہونے کے دن کی قیمت واجب ہوگی مزید تفصیل وان اشتری بها سلعة کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ ۳ ومن اشتری شیئًا من فلوس: اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک چیز نصف درہم فلوس کے بدلہ میں خریدی یعنی اتنے فلوس میں خریدی جو نصف درہم چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو یہ بیع جائز ہے اور مشتری کے ذمہ اتنی فلوس کی ادائیگی واجب ہوگی جو نصف درہم کے عوض فروخت ہوتے ہیں، امام زفر کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہے۔

(الجوہرہ ج ۱ ص ۲۲۷، ہدایہ ج ۳)

مسئلہ ۴ ومن اعطی صیرفیا الخ: ایک شخص نے صراف کو ایک درہم دیا اور کہا کہ تم مجھ کو اس ایک درم کے نصف کے عوض فلوس دیدو اور نصف درہم کے عوض ایک حبہ کم نصف درہم دیدو، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان تمام میں بیع فاسد ہو جائے گی۔ صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ فلوس میں تو بیع جائز ہوگی البتہ باقی میں بیع باطل ہوگی۔

> وَلَوْ قَالَ اَعْطِنِیْ نِصْفَ دِرْهَمٍ فُلُوْسًا وَ نِصْفًا اِلاَّ حَبَّةً جازَ البَیْعُ وَ لَوْ قَالَ اَعْطِنِیْ دِرْهَمًا صَغِیْرًا وَزْنُهٗ نِصْفُ دِرْهَمٍ اِلاَّ حَبَّةً وَ البَاقِی فُلُوْسًا جازَ البَیْعُ وَ کَانَ النِّصْفُ اِلاَّ حَبَّةً بِاِزَاءِ الدِّرْهَمِ الصَّغِیْرِ وَ البَاقِی بِاِزَاءِ الفُلُوْسِ.

ترجمہ : اور اگر کہا کہ تم مجھے نصف درہم فلوس اور حبہ بھر کم نصف درہم دیدو تو یہ بیع جائز ہے اور اگر کہا کہ تم مجھے چھوٹا درہم دیدو جس کا وزن ایک جو کم نصف درہم ہو اور باقی فلوس دیدو تو یہ بیع جائز ہے اور حبہ بھر کم نصف درہم چھوٹے درہم کے مقابلہ میں اور باقی پیسوں کے مقابلہ میں ہوگا۔

تشریح : اس عبارت میں دو مسئلے مذکور ہیں۔

مسئلہ ۱ ولو قال اعطنی ...... جاز البیع. مسئلہ ۲ ولو قال اعطنی درهمًا الخ: دونوں کی نوعیت

واضح ہے جن میں احناف کے ائمہ ثلاثہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

کتابُ الرَّهن

یہ کتاب رہن کے بیان میں ہے

عام طور پر کتابوں میں کتاب الرہن کو کتاب الصید کے بعد ذکر کیا گیا ہے اور مناسبت یہ بیان کی جاتی ہے کہ رہن اور صید دونوں کے ذریعہ مال حاصل کیا جاتا ہے مگر صاحب کتاب نے کتاب البیوع کے بعد اس مناسبت سے ذکر کیا ہے کہ بسا اوقات بیع کے بعد رہن کی ضرورت پڑتی ہے اور جس طرح بیع کا انعقاد ایجاب وقبول کے ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح رہن کا انعقاد ایجاب وقبول سے ہوتا ہے۔ رہن کا لغوی معنی ہے ''کسی چیز کا روک لینا خواہ وہ از قبیل مال ہو یا مال نہ ہو۔ اصطلاحِ شرع میں کہتے ہیں کہ ''ایسی مالی چیز کو کسی حق (دین) کے بدلہ میں روک لینا جس کے ذریعہ بعض مکمل حق وصول کر لینا ممکن ہو جیسے مرہون سے دین وصول کر لینا خواہ دین حقیقی ہو یا دین حکمی۔ رہن قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے، ارشادِ باری ہے ''وَ اِنْ کُنْتُمْ عَلیٰ سَفَرٍ وَ لَمْ تَجِدُوْا کَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوْضَةٌ'' حدیث شریف میں ہے کہ سرکارِ دوعالمؐ نے ابو الشحم یہودی سے تین صاع جو خریدی اور اس کی قیمت کے بدلہ میں زرہ رہن رکھ دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک حضر وسفر دونوں میں رہن کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔ اس کا رکن ایجاب وقبول ہے اس کی صورت یہ ہے کہ راہن یہ کہے کہ میں نے یہ چیز اس دین کے عوض جو تیرا مجھ پر ہے رہن میں دی ہے یا یہ کہے کہ یہ چیز تیرے دین کے عوض رہن ہے، یا جو لفظ اس کے قائم مقام ہوں۔ اور مرتہن کہے کہ میں نے رہن کر لی یا میں نے قبول کر لی یا جو الفاظ اس کے قائم مقام ہوں۔ بہرکیف لفظ رہن کا استعمال شرط نہیں ہے کیونکہ عقود میں معانی کا اعتبار ہے، اس کی شرائط میں ایک تفصیل ہے جو اس مقام کے مناسب نہیں ہے دورانِ عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

اس بحث میں تین الفاظ اصطلاحی ہیں راہن، مرتہن، مرہون۔ جو شخص گروی رکھتا ہے اس کو راہن کہتے ہیں۔ جس شخص کے پاس گروی رکھی جائے اس کو مرتہن کہتے ہیں اور جو چیز گروی رکھی جاتی ہے اس کو مرہون کہتے ہیں، مثلاً ایک شخص نے پانچ سو روپیہ کی کتاب خریدی اور گروی میں ایک گھڑی رکھ دی، مشتری راہن ہوا اور بائع مرتہن اور گھڑی مرہون ہوئی۔

> اَلرَّهْنُ یَنْعَقِدُ بِالْاِیْجَابِ وَ الْقَبُوْلِ وَ یَتِمُّ بِالْقَبْضِ فَاِذَا قَبَضَ الْمُرْتَهِنُ الرَّهْنَ مُحَوَّزًا مُفَرَّغًا مُمَیَّزًا تَمَّ الْعَقْدُ فِیْهِ وَ مَا لَمْ یَقْبِضْهُ فَالرَّاهِنُ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ سَلَّمَهُ اِلَیْهِ وَ اِنْ شَاءَ رَجَعَ عَنِ الرَّهْنِ.

ترجمہ : رہن ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے اور قبضہ سے مکمل ہو جاتا ہے اور جب مرتہن نے رہن پر قبضہ کر لیا درانحالے کہ وہ تقسیم شدہ ہو، فارغ کردہ ہو، تمیز کیا ہوا ہو تو اب اس میں عقد مکمل ہو گیا اور جب تک مرتہن، مرہون پر قبضہ نہ کرلے تو راہن کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس مرہون کو مرتہن کے سپرد کرے اور اگر چاہے تو رہن سے رجوع کر لے۔

حل لغات : الرهن: بمعنی مرہون جمع رہان، جیسے جبال جبل کی جمع ہے، اس کی ایک جمع رُہن بضم الراء آتی ہے۔

مُجوزًا: تقسیم شدہ۔ مفرغا: تفریغ کا اسم مفعول ہے، فارغ کردہ، غیر مشغول۔ ممیزًا: تمییز کا اسم مفعول ہے، جدا کیا ہوا، تمیز کیا ہوا، ترجیح دیا ہوا۔ یہ تینوں الفاظ ماقبل سے حال ہیں۔

خلاصہ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ عقد رہن کا انعقاد ایجاب وقبول سے ہوتا ہے اور عقد قبضہ کے بعد مکمل اور لازم ہو جاتا ہے اور جب راہن نے شئی مرہون کو مرتہن کے حوالہ کر دیا اور مرتہن نے اس پر قبضہ کر لیا بشرطیکہ شئی مرہون اکٹھی اور غیر متفرق ہو، راہن کے قبضہ اور اس کے تصرف سے خالی ہو اور غیر مرہون کے ساتھ اتصال اور اشتراک نہ ہو تو اب اس شئی مرہون کا عقد مکمل اور لازم ہو جائے گا اور جب تک مرتہن شئی مرہون پر قبضہ نہ کر لے تو اس وقت تک راہن کو اختیار حاصل ہے اگر چاہے تو شئی مرہون کو مرتہن کے حوالہ کرے اور اگر چاہے تو رہن رکھنے سے رجوع کر لے۔

تشریح: الرھن ...... بالقبض: ایجاب وقبول رہن کا رکن ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً راہن نے کہا "رھنتك هذا المال بدين لك علىّ" اور مرتہن نے کہا کہ "قبلتُ" یعنی راہن یہ کہے کہ میں نے یہ مال اس دین کے عوض جو تمہارا مجھ پر ہے رہن میں دیا ہے مرتہن نے کہا کہ میں نے قبول کیا، تو گویا ایجاب وقبول سے عقد رہن منعقد ہوتا ہے اور یہ عقد قبضہ کے بعد مرتہن کے قبضہ سے چھڑانے تک دائمی طور پر لازم ہوتا ہے گویا کہ شئی مرہون پر مرتہن کا قبضہ کرنا عقد رہن کے جواز کے لئے نہیں بلکہ عقد رہن کے لزوم کے لئے شرط ہے کیونکہ عقد رہن کو ہبہ اور صدقہ کی طرح عقد تبرع کی حیثیت حاصل ہے اور عقد تبرع کی درستگی کے لئے صرف متبرع کا واسطہ کافی ہے اس لئے انعقاد عقد رہن کا انحصار قبضہ پر نہیں ہے جیسا کہ شیخ الاسلام خواہرزادہ کا بیان ہے مگر مختصر طحاوی اور کافی کا مطالعہ، کرخی میں امام محمد کا بیان نیز امام اعظم، زفر، ابو یوسف ومحمد اور حسن بن زیاد کا بیان بتاتا ہے کہ عقد رہن کے جواز کے لئے قبضہ شرط ہے مگر صحیح مذہب وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا یعنی شئی مرہون پر قبضہ کرنا لزوم عقد کے لئے شرط ہے۔ امام مالک کے نزدیک صرف ایجاب وقبول سے عقد لازم ہو جاتا ہے قبضہ ضروری نہیں ہے۔

مجوزًا مفرغًا ممیزًا: یہ تینوں قیود احترازی ہیں۔ مجوزًا کا مطلب یہ ہے کہ شئی مرہون تقسیم شدہ، غیر کا اشتراک نہ ہو مثلاً اگر کسی نے درخت کے پھل کو بغیر درخت کے گروی رکھا تو یہ جائز نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ دونوں کو ساتھ رکھا جائے اسی طرح اگر کسی نے کھیتی کو زمین کے بغیر گروی رکھا تو یہ جائز نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ دونوں کو ساتھ رکھا جائے یعنی تنہا پھل کی یا تنہا کھیتی کو گروی رکھنا جائز نہیں ہے۔ مفرغًا: کا مطلب یہ ہے کہ رہن میں رکھی ہوئی چیز راہن کے تصرف اور اس کے قبضہ سے خالی ہو مثلاً اگر کسی نے درخت کو بغیر پھل کے یا زمین کو بغیر کھیتی کے رہن میں رکھا تو جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ پھل اور کھیتی دونوں پر راہن کا قبضہ نہ ہو بلکہ درخت اور پھل اسی طرح زمین اور کھیتی دونوں مرتہن کے قبضہ میں ہوں۔ ممیزًا: کا مطلب یہ ہے کہ شئی مرہون کا غیر مرہون کے ساتھ اتصال اور اشتراک نہ ہو مثلاً اگر کسی نے نصف عبد یا اس کا ثلث گروی رکھا باقی نہیں تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے البتہ امام مالک، امام احمد اور امام شافعیؒ کے نزدیک مشترک چیز کو گروی رکھنا جائز ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قبضہ کے وقت شئی مرہون کا ان تین اوصاف کے ساتھ متصف ہونا شرط اور لازم ہے بصورت دیگر عقد فاسد ہو جائے گا (الجوہرۃ النیرۃ ج ا ص ۲۲۸) یعنی عقد رہن ہو گا مگر فساد کے ساتھ کیونکہ مال کا متقوم ہونا اس کے

مقابل بھی مال کا مضمون ہونا جو شرط ہے وہ موجود ہے البتہ اگر سرے سے مال ہی نہ ہو جیسے آزاد، یا شراب یا مال ہو مگر اس کے مقابل مال مضمون ہو تو عقد باطل ہے کیونکہ سرے سے اس عقد رہن کا انعقاد ہی نہیں ہوگا۔

دین حقیقی : وہ دین ہے جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے یا صرف ظاہر کے اعتبار سے ذمہ میں واجب ہو جیسے ایسے غلام کا ثمن جس کا بعد میں آزاد ہونا ظاہر ہو۔

دین حکمی: جیسے وہ اعیان جن کا ضمان اگر وہ مثلی ہے تو مثل کے ذریعہ اور اگر وہ قیمتی ہے تو قیمت کے ذریعہ واجب ہوتا ہے۔

فَاِذَا سَلَّمَهُ اِلَيْهِ فَقَبَضَهُ دَخَلَ فِي ضَمَانِهِ وَلَا يَصِحُّ الرَّهْنُ اِلَّا بِدَيْنٍ مَضْمُوْنٍ وَ هُوَ مَضْمُوْنٌ بِالْاَقَلِّ مِنْ قِيْمَتِهِ وَ مِنَ الدَّيْنِ فَاِذَا هَلَكَ الرَّهْنُ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ وَ قِيْمَتُهُ وَالدَّيْنُ سَوَاءٌ صَارَ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا لِدَيْنِهِ حُكْمًا وَ اِنْ كَانَتْ قِيْمَةُ الرَّهْنِ اَكْثَرَ مِنَ الدَّيْنِ فَالْفَضْلُ اَمَانَةٌ وَ اِنْ كَانَتْ قِيْمَةُ الرَّهْنِ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ سَقَطَ مِنَ الدَّيْنِ بِقَدْرِهَا وَ رَجَعَ الْمُرْتَهِنُ بِالْفَضْلِ.

ترجمہ : اور جب راہن نے رہن کو مرتہن کے سپرد کردیا، مرتہن نے اس پر قبضہ کرلیا تو اب دین اس کے ضمان میں داخل ہو گیا اور رہن صحیح نہیں ہوگا مگر دین مضمون کے عوض اور رہن اپنی قیمت اور دین سے کم کے عوض میں ضمان میں آتا ہے اس لئے اگر دین مرتہن کے قبضہ میں رہ کر ہلاک ہو جائے اور اس کی قیمت دراں نحالے کہ دین دونوں برابر برابر ہیں تو (اس صورت میں) مرتہن حکم کے اعتبار سے اپنا دین وصول کرنے والا ہے اور اگر رہن کی قیمت دین سے زائد اور فاضل ہے تو فاضل امانت ہے اور اگر رہن کی قیمت اس (دین) سے کم ہے تو اسی کے بقدر دین ساقط ہو جائے گا اور مرتہن باقی دین (راہن سے) وصول کرلے گا۔

خلاصہ : راہن نے جب شئی مرہون کو مرتہن کے سپرد کردیا اور مرتہن نے شئی مرہون پر قبضہ کرلیا تو اب شئی مرہون مرتہن کے ضمان میں آگئی۔ رہن کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ شئی مرہون دین مضمون کے عوض میں ہو اور شئی مرہون کی قیمت اور دین میں سے جو ایک دوسرے کے بالمقابل کمتر ہوگا اس کا ضمان آئے گا لہٰذا اگر بلا تعدی شئی مرہون مرتہن کی ملکیت میں رہ کر ہلاک ہوگئی تو اب اس کی تین صورتیں ہیں یا تو شئی مرہون کی قیمت اور دین کی مالیت برابر ہے یا شئی مرہون کی قیمت دین کی مالیت سے زائد ہے یا دین کی قیمت سے کم ہے اگر دونوں برابر ہیں تو یہ سمجھا جائے گا کہ مرتہن نے اپنا قرضہ حکما وصول لیا ہے اور اگر شئی مرہون کی قیمت زائد ہے تو یہ زائد چیز احناف کے نزدیک امانت کے حکم میں ہے لہٰذا جو زائد ہے اس کے ہلاک ہونے پر کوئی ضمان اور تاوان لازم نہیں آئے گا اور اگر شئی مرہون کی قیمت دین سے کم ہے تو اس صورت میں قیمت کی مقدار کے برابر دین یعنی قرض ختم ہو جائے گا اور باقی ماندہ قرض مرتہن راہن سے وصول کرے گا۔

شئی مرہون کی ضمان کا بیان

تشریح : **دین مضمون**: یہ قید تاکید کے واسطے ہے کیونکہ ہر دین مضمون ہوتا ہے۔

وھو مضمون: شئی مرہون احناف کے نزدیک ضمانت کے طور پر ہوتی ہے امام شافعی کے نزدیک امانت کے طور پر

ہوتی ہے اس لئے ہلاکت کے بعد اس کا تاوان لازم نہیں آئے گا اور دین ساقط نہیں ہوگا۔ قاضی شریح کے نزدیک شئی مرہون ہلاک ہونے کے بعد سارا دین ساقط ہو جاتا ہے اس سے قطع نظر کہ رہن شدہ چیز کی قیمت کم ہو یا زیادہ۔ امام زفر کے نزدیک رہن کا ضمان مرتہن کے ذمہ کل قیمت ہوگا خواہ رہن کم ہو یا زیادہ۔ مثال:۔ ایک شخص نے ایک گھڑی رہن میں رکھی جس کی قیمت سو روپیہ تھی اتفاق سے مرتہن کے عمل دخل کے بغیر ہلاک ہوگئی اب اگر قرض کی مالیت اور گھڑی کی قیمت برابر ہے تو معاملہ ختم ہو گیا اور اگر دین کی مالیت پچاس روپیہ کی تھی تو روپیہ ساقط ہو کر پچاس روپیہ امانت ہوگی اور اگر دین ایک سو پچاس روپیہ تھا تو اب پچاس روپیہ مرتہن راہن سے وصول کرے گا۔ یہ احناف کے مسلک سے مطابق ہے۔ امام زفر کے مسلک کے مطابق اگر مثال مذکور میں شئی مرہون کی مالیت دین کے مقابلہ میں پچاس روپیہ زائد تھی تو راہن مرتہن سے وہ زائد رقم وصول کرے گا۔

مرہون شئی اس قابل ہونی چاہئے کہ وہ ضمان بن سکے اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے البتہ اس کی کیفیت کے اندر صحابہؓ کرام کا اختلاف ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نزدیک رہن کا ضمان مرتہن کے ذمہ کل قیمت ہوگا۔ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ کے نزدیک مرتہن کے ذمہ دین اور قیمت میں سے کم کا ضمان ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک مرتہن صرف دین کا ضامن ہوگا یعنی ہلاکت کے بعد سارا قرضہ ساقط ہو جائے گا۔

وَ لَا يَجُوْزُ رَهْنُ الْمُشَاعِ وَ لَا رَهْنُ ثَمْرَةٍ عَلٰى رُؤُسِ النَّخْلِ دُوْنَ النَّخْلِ وَ لَا زَرْعٍ فِي الْاَرْضِ دُوْنَ الْاَرْضِ وَ لَا يَجُوْزُ رِهَنُ النَّخْلِ وَ الْاَرْضِ دُوْنَهُمَا وَلَا يَصِحُّ الرَّهْنُ بِالْاَمَانَاتِ كَالْوَدَائِعِ وَ الْعَوَارِي وَ الْمُضَارَبَاتِ وَ مَالِ الشِّرْكَةِ.

ترجمہ: اور مشترک چیز کا رہن رکھنا جائز نہیں ہے اور درخت پر لگے ہوئے پھل کا بغیر درخت کے اور زمین کی کھیتی کا بغیر زمین کے رہن رکھنا جائز نہیں ہے اور درخت اور زمین کا بغیر پھل اور کھیتی کے رہن رکھنا جائز نہیں ہے اور امانتوں کا رہن رکھنا صحیح نہیں ہے جیسے ودیعتیں، عاریت کے طور پر لی گئی چیزیں، مال مضاربت اور مالِ شرکت۔

جن اشیاء کا رہن رکھنا جائز ہے اور جن کے عوض رکھنا جائز ہے اور جن میں جائز نہیں ہے

حل لغات: المشاع: مشترک، غیر تقسیم شدہ۔ ودائع: ودیعة کی جمع ہے امانت۔ العواری: عاریة کی جمع ہے، عاریت کے طور پر لی گئی چیز۔

خلاصہ: احناف کے نزدیک مال مشترک کو رہن میں رکھنا جائز نہیں ہے اس اصول کے مطابق درخت پر لگے ہوئے پھل کو درخت کے بغیر رہن میں رکھنا، اسی طرح زمین میں لگی ہوئی کھیتی کو زمین کے بغیر رہن میں رکھنا، یا اس کا برعکس یعنی پھل دار درخت کو بغیر پھل کے رہن میں رکھنا یا زمین کو لگی ہوئی کھیتی کے بغیر رہن میں رکھنا جائز نہیں ہے (کیونکہ جو مرہون ہیں وہ پیدائشی طور پر ایسی چیز سے متصل ہیں جو مرہون نہیں ہیں) اور امانتوں کو رہن میں رکھنا صحیح نہیں ہے مثلاً ودیعتیں، عاریت والی اشیاء، مالِ مضاربت، مالِ شرکت، ان چیزوں کو رہن میں رکھنا درست نہیں ہے (کیونکہ ان اشیاء کے ہلاک ہونے کے بعد امین کے ذمہ ضمان اور تاوان لازم نہیں آتا ہے)

تشریح : ولا یجوز رھن المشاع: مالِ مشترک مثلاً زمین یا مکان جس کا بٹوارہ ابھی نہیں ہوا اس کو رہن میں رکھنے کی بابت ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ عندالاحناف ایسے مال کو رہن میں رکھنا ناجائز ہے اب سے قطع نظر کہ وہ مال عقدِ رہن کے ساتھ متصل ہو یا بعد میں متصل ہوا ہو۔ اسی طرح اپنے شریک کے پاس رہن میں رکھے یا کسی غیر کے پاس، نیز وہ مشترک مال قابلِ تقسیم ہو یا نہ ہو، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ایسے مالِ مشترک کو رہن میں رکھنا صحیح ہے جس کو فروخت کیا جاسکے۔ احناف اور شوافع کا رہن کے حکم میں اختلاف ہے، احناف کے نزدیک حکم یہ ہے کہ مرتہن کو رہن کے ذریعہ استیفاء دین کا قبضہ حاصل ہوتا ہے اور مشترک چیزوں میں قبضۂ استیفاء کا تصور ناممکن ہے۔ امام شافعی کے نزدیک حکم یہ ہے کہ رہن رکھی ہوئی چیز برائے فروخت متعین ہوتی ہے۔

وَ يَصِحُّ الرَّهْنُ بِرَأسِ مَالِ السَّلَمِ وَ ثَمَنِ الصَّرْفِ وَ الْمُسْلَمِ فِيْهِ فَاِنْ هَلَكَ فِي مَجْلِسِ الْعَقْدِ تَمَّ الصَّرْفُ وَ السَّلَمُ وَ صَارَ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا لِحَقِّهٖ حُكْمًا وَاِذَا اتَّفَقَا عَلٰى وَضْعِ الرَّهْنِ عَلٰى يَدَىْ عَدْلٍ جَازَ وَلَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ وَ لَا لِلرَّاهِنِ اَخْذُهٗ مِنْ يَدِهٖ فَاِنْ هَلَكَ فِي يَدِهٖ هَلَكَ مِنْ ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ وَ يَجُوْزُ رَهْنُ الدَّرَاهِمِ وَ الدَّنَانِيْرِ وَ الْمَكِيْلِ وَ الْمَوْزُوْنِ فَاِنْ رُهِنَتْ بِجِنْسِهَا وَ هَلَكَتْ هَلَكَتْ بِمِثْلِهَا مِنَ الدَّيْنِ وَ اِنِ اخْتَلَفَا فِي الْجَوْدَةِ وَ الصِّيَاغَةِ.

ترجمہ : اور بیع سلم کے رأس المال، ثمن صرف اور مسلم فیہ کے بدلہ میں رہن رکھنا درست ہے پس اگر رہن مجلس عقد میں ہلاک ہو جائے تو عقد صرف اور عقد سلم مکمل ہو جائے گا اور مرتہن حکم کے اعتبار سے اپنا حق وصول کرنے والا (شمار) ہوگا اور اگر راہن اور مرتہن کا کسی عادل شخص کے ہاتھ پر رہن رکھنے کا اتفاق ہو جائے تو جائز ہے اور مرتہن اور راہن کا شئی مرہون کو اس کے قبضہ سے لینے کا حق نہیں ہے پس اگر اس شخص کے قبضہ میں رہ کر ہلاک ہو جائے تو مرتہن کے ضمان میں سے ہلاک (شمار) ہوگی اور دراہم و دنانیر اور کیلی و وزنی اشیاء کا رکھنا جائز ہے، پس اگر وہ اپنی جنس کے عوض رہن میں رکھی گئی اور وہ ہلاک ہوگئی تو اس کی مثل کے عوض دین میں سے ہلاک ہو جائے گا اگرچہ دونوں (رہن اور عوض رہن) عمدگی اور بناوٹ میں مختلف ہوں۔

خلاصہ : صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ بیع سلم کے رأس المال یا عقد صرف کے کسی ثمن کے عوض یا مسلم فیہ کے عوض رہن رکھنا صحیح ہے اب اگر مذکورہ چیزیں مجلس عقد میں مرتہن کے قبضہ کرنے کے بعد ہلاک ہوگئیں تو عقد صرف اور عقد سلم مکمل ہو جائے گا اور مرتہن حکم کے اعتبار سے اپنا دین وصول کرنے والا تصور کیا جائے گا۔ اگر راہن اور مرتہن کسی تیسرے قابل اعتماد شخص کے پاس رہن رکھنے پر اتفاق کرلیں تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اب ان دونوں میں کسی کو بلا ایک دوسرے کی رضامندی کے اس شخص سے شئی مرہونہ کو لینے کا حق نہیں ہے کیونکہ اس سے ہر دو کا حق متعلق ہے چونکہ تیسرا شخص امین کی حیثیت سے ہے اور مرتہن کے قبضہ کے حکم میں ہے، گویا کہ شئی مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہے اسلئے اگر شئی مرہون اس شخص کے قبضہ میں رہ کر ہلاک ہوگئی تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ شئی مرتہن کے ضمان میں سے ہلاک ہوئی ہے یعنی مرتہن اس کا ضامن ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص دراہم و دنانیر اور کیلی اشیاء اور وزنی اشیاء رہن رکھے تو جائز ہے اب اگر ایسی چیزوں کو اسی کی جنس کے مقابلہ میں رہن رکھا

جائے مثلاً درہم، درہم کے مقابلہ میں۔ دینار، دینار کے مقابلہ میں یا گیہوں، گیہوں کے مقابلہ میں وغیرہ اور وہ ہلاک ہوجائے تو قرضہ میں اپنے ہم مثل وزن کے عوض ہلاک سمجھی جائے گی اگرچہ رہن اور عوض رہن میں ایک عمدہ اور کھرا ہے، دوسرا اس سے کم درجہ کا ہے یا بناوٹ کے اعتبار سے دونوں میں تفاوت ہے۔

تشریح : ویصح الرهن ...... حکما: اس مسئلہ میں احناف اور امام زفر وائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے، احناف کے نزدیک مذکورہ بالا تینوں چیزوں کے عوض رہن رکھنا جائز ہے امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رہن رکھنا جائز نہیں ہے، چونکہ بیع کی ان تینوں صورتوں میں مجلس عقد میں ثمن پر قبضہ شرط ہے اور اس بحث میں رہن ثمن کے قائم مقام ہے اس لئے یہاں بھی رہن پر مجلس عقد میں قبضہ لازم ہے۔

واذا اتفقا ...... من ضمان المرتهن: اس مسئلہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی تیسرے قابل اعتماد شخص کے پاس رکھنا جس پر راہن اور مرتہن کا اتفاق ہو جائز ہے، امام زفر اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک اس طرح کا رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔

ویجوز الخ: درہم و دنانیر سے سونا اور چاندی مراد ہے، یہاں صاحبین اور امام صاحب کا اختلاف ہے اگر دین اور شئی مرہون متحد الجنس ہوں اور شئی مرہون ہلاک ہوگئی تو صاحبین کے نزدیک قیمت کا ضمان لازم آئے گا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تاوان بالمثل کیل اور وزن کے اعتبار سے ہوگا۔ اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی سے دس درہم قرض لئے اور بعد میں دس درہم کے بقدر چاندی رہن میں رکھ دی پھر شئی مرہون ہلاک ہوگئی اب اگر چاندی کی قیمت دس درہم ہو تو قرض بالاتفاق ساقط ہو جائے گا اور اگر اس کی قیمت دس درہم سے کم ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرض ساقط ہو جائے گا لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ مرتہن کے ذمہ خلاف جنس سے اس کی قیمت کا ضمان واجب ہوگا۔

وَ مَنْ كَانَ لَهُ دَيْنٌ عَلٰى غَيْرِهٖ فَاَخَذَ مِنْهُ مِثْلَ دَيْنِهٖ فَاَنْفَقَهٗ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ كَانَ زُيُوْفًا فَلَا شَيْءَ لَهٗ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَؒ وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَرُدُّ مِثْلَ الزُّيُوْفِ وَ يَرْجِعُ مِثْلَ الْجِيَادِ وَ مَنْ رَهَنَ عَبْدَيْنِ بِاَلْفٍ فَقَضٰى حِصَّةَ اَحَدِهِمَا لَمْ يَكُنْ لَهٗ اَنْ يَقْبِضَهٗ حَتّٰى يُؤَدِّيَ بَاقِيَ الدَّيْنِ فَاِذَا وَكَّلَ الرَّاهِنُ الْمُرْتَهِنَ اَوِ الْعَدْلَ اَوْ غَيْرَهُمَا فِي بَيْعِ الرَّهْنِ عِنْدَ حُلُوْلِ الدَّيْنِ فَالْوِكَالَةُ جَائِزَةٌ فَاِنْ شُرِطَتِ الْوِكَالَةُ فِي عَقْدِ الرَّهْنِ فَلَيْسَ لِلرَّاهِنِ عَزْلُهٗ عَنْهَا فَاِنْ عَزَلَهٗ لَمْ يَنْعَزِلْ وَ اِنْ مَاتَ الرَّاهِنُ لَمْ يَنْعَزِلْ اَيْضًا وَ لِلْمُرْتَهِنِ اَنْ يُطَالِبَ الرَّاهِنَ بِدَيْنِهٖ وَ يَحْبِسَهٗ وَ اِنْ كَانَ الرَّهْنُ فِي يَدِهٖ فَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُمَكِّنَهٗ مِنْ بَيْعِهٖ حَتّٰى يَقْبِضَ الدَّيْنَ بِثَمَنِهٖ فَاِذَا قَضَاهُ الدَّيْنَ قِيْلَ لَهٗ سَلِّمِ الرَّهْنَ اِلَيْهِ.

ترجمہ : اور جس شخص کا کسی دوسرے پر دین تھا پھر اس نے اپنے مقروض سے اپنے دین کے برابر وصول کر کے خرچ کر دیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ وہ کھوٹا تھا تو امام صاحب کے نزدیک اس کے لئے اب کچھ نہیں ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ کھوٹے کے ہم مثل لوٹا کر ہم مثل وصول کرے۔ اور جس شخص نے دو غلام ایک ہزار کے عوض رہن رکھا پھر اس کے

بعد ایک غلام کا حصہ ادا کر دیا تو اس کے لئے اس غلام پر قبضہ کرنے کا اختیار نہیں ہے یہاں تک کہ باقی دین ادا کر دے اگر راہن نے قرض کی ادائیگی کے وقت گذر جانے کے بعد مرتہن یا کسی عادل شخص کو یا ان کے علاوہ کسی تیسرے شخص کو شئی مرہون کی فروختگی کا وکیل بنایا تو یہ وکالت جائز ہے اور اگر عقد رہن میں وکالت کی شرط لگادی گئی تو راہن کو وکیل کو وکالت سے معزول کرنے کا اختیار نہیں ہے، اگر اسکو معزول کر دیا تو وہ معزول نہیں ہوگا اور اگر راہن مرگیا تب بھی وکیل معزول نہیں ہوگا اور مرتہن کو حق ہے کہ راہن سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے اور اس قرض کی وجہ سے اس کو قید کرائے اور اگر شئی مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہو تو راہن کو اس کے فروخت کرنے پر قدرت نہیں ہے یہاں تک کہ مرتہن اپنا قرضہ اس رہن کی ثمن میں سے وصول کر کے جب راہن مرتہن کو قرضہ ادا کر دے تو مرتہن سے کہا جائے گا کہ شئی مرہون کو راہن کے حوالہ کر دے۔

تشریح : ومن کان له دین ...... الجیاد: اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ جب اس نے کھوٹے سکہ سے کھرے سکہ کا فائدہ اٹھالیا ہے تو اب اس کے لئے کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اسی جیسا کھوٹا سکہ واپس کر کے کھرا سکہ لے سکتا ہے، لیکن اگر قبضہ کے وقت سکہ کا کھوٹا پن معلوم ہونے کے باوجود نہیں لوٹایا تو علی وجہ الاتفاق اسے لوٹانے کا اختیار نہیں ہے، مشہور قول کے مطابق امام محمدؒ، امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔ (الجوہرہ ج ا ص ۲۳۵)

ومن رهن ...... باقي الدين: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک ہزار کے عوض دو غلام رہن میں رکھدیا اس کے بعد قرض کا ایک حصہ ادا کر دیا تو چونکہ یہ ایک عقد ہے اور دونوں غلام تمام قرض کے عوض روکے گئے ہیں اس لئے جب تک راہن پورا قرض ادا نہیں کرے گا اس وقت تک اس کو غلام واپس لینے کا حق نہیں ہے۔

فاذا وكل ...... فالوكالة جائزة: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ راہن چونکہ اپنے مال کا مالک ہے اس لئے اگر وہ چاہے تو اپنی مرضی کے مطابق شئی مرہون کو فروخت کرنے کے لئے اپنا ولی مقرر کر دے خواہ مرتہن کو یا منصف شخص یا اور کسی شخص کو۔

فان شرطت الوكالة ...... لم ينعزل ايضا: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر عقد رہن میں وکالت کو شرط قرار دیا جائے تو ایسی صورت میں شرط عقد رہن کا وصف بن جانے کی وجہ سے راہن وکیل کو وکالت سے معزول نہیں کر سکتا ہے بالفرض اگر راہن نے وکیل کو معزول بھی کر دیا تو وکیل معزول نہیں ہوگا اسی طرح اگر راہن اتفاقا مر بھی جائے جب بھی وکیل کی وکالت ختم نہیں ہوگی اور وکیل معزول نہیں ہوگا۔

وللمرتهن ...... ويحبسه: جب راہن نے مرتہن کے پاس رہن رکھ دیا تو اب مرتہن راہن سے اپنے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے اگر بلا کسی سبب کے ٹال مٹول کرتا ہے تو راہن کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈلوا سکتا ہے۔

وان كان الرهن الخ: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جب تک راہن اپنا قرضہ مرتہن کو چکا نہ دے یا مرتہن اپنے قبضہ میں رکھی ہوئی شئی مرہون کی قیمت سے قرض وصول نہ لے اس وقت تک راہن اس شئی مرہون کو فروخت نہیں کر سکتا ہے، البتہ اگر راہن اپنا قرض ادا کر دے تو مرتہن کا فرض ہے کہ شئی مرہون راہن کے حوالہ کر دے۔

وَ اِذَا بَاعَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ بِغَيْرِ اِذْنِ الْمُرْتَهِنِ فَالْبَيْعُ مَوْقُوْفٌ فَاِنْ اَجَازَهُ الْمُرْتَهِنُ جَازَ وَاِنْ قَضَاهُ الرَّاهِنُ دَيْنَهُ جَازَ وَ اِنْ اَعْتَقَ الرَّاهِنُ عَبْدَ الرَّهْنِ بِغَيْرِ اِذْنِ الْمُرْتَهِنِ نَفَذَ عِتْقُهُ فَاِنْ كَانَ الرَّاهِنُ مُوْسِرًا وَ الدَّيْنُ حَالًّا طُوْلِبَ بِاَدَاءِ الدَّيْنِ وَ اِنْ كَانَ مُؤَجَّلًا اَخَذَ مِنْهُ قِيْمَةَ الْعَبْدِ فَجُعِلَتْ رَهْنًا مَكَانَهُ حَتّٰى يَحِلَّ الدَّيْنُ وَ اِنْ كَانَ مُعْسِرًا اِسْتَسْعَى الْعَبْدُ فِي قِيْمَتِهِ فَقَضٰى بِهِ الدَّيْنَ ثُمَّ يَرْجِعُ الْعَبْدُ عَلَى الْمَوْلٰى وَ كَذٰلِكَ اِنِ اسْتَهْلَكَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ وَ اِنِ اسْتَهْلَكَهُ اَجْنَبِيٌّ فَالْمُرْتَهِنُ هُوَ الْخَصْمُ فِي تَضْمِيْنِهِ فَيَاْخُذُ الْقِيْمَةَ فَيَكُوْنُ الْقِيْمَةُ رَهْنًا فِي يَدِهٖ

ترجمہ: اور اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر شئی مرہون کو فروخت کر دیا تو بیع موقوف ہے۔ اگر مرتہن نے اس کو جائز کر دیا تو جائز ہے، اور اگر راہن نے مرتہن کو اپنا قرض دیدیا تو (بھی) جائز ہے، اور اگر راہن نے عبد رہن کو مرتہن کی اجازت کے بغیر آزاد کر دیا تو اس کا آزاد کرنا نافذ ہو جائے گا۔ اور اگر راہن مالدار ہے اور دین فوری ہو تو راہن سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا، اور اگر قرض موجل ہو تو اس سے غلام کی قیمت لے لی جائے گی اور رہن کو غلام کی جگہ کر دیا جائے گا یہاں تک کہ قرض کی مدت آجائے، اور اگر وہ تنگ دست ہے تو غلام اپنی قیمت میں سعی کرے اور اس سے قرض ادا کرے، اس کے بعد غلام راہن آقا سے اس کو وصول کر لے۔ اور اسی طرح اگر راہن شئی مرہون کو ہلاک کر دے۔ اور اگر اس کو کسی اجنبی شخص نے ہلاک کر دیا تو اس کو ضامن بنانے میں مرتہن مدعی ہوگا، اور مرتہن اس اجنبی شخص سے اس کی قیمت وصول کر لے اور قیمت مرتہن کے قبضہ میں رہن رہے گی۔

رہن شدہ چیزوں میں تصرف کا بیان

تشریح: عبارت بہت سلیس ہے ترجمہ سے مفہوم واضح ہے اس لئے خلاصہ کی ضرورت نہیں ہے۔ صاحب قدوری نے اس عبارت میں مجموعی طور پر چار مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے جس کا تعلق شئی مرہون میں تصرف کرنے سے ہے۔

واذا باع ...... جاز: مسئلہ (۱) اس کی صورت یہ ہے کہ شئی مرہونہ مرتہن کے قبضہ میں ہے راہن اس میں تصرف کر نہیں سکتا لہٰذا اگر راہن نے شئی مرہونہ کو مرتہن کی اجازت کے بغیر فروخت کر دیا تو اب یہ بیع موقوف رہے گی۔ اس کے نفاذ کی دو صورتیں ہیں یا تو مرتہن اس کی اجازت دے یا راہن مرتہن کا قرضہ ادا کرے، اگر دونوں میں سے کوئی ایک صورت پائی گئی تو بیع نافذ ہوگی، اگر ایسا نہیں ہے تو مشتری کے لئے دو صورتیں ہیں یا تو رہن کے چھوٹنے تک انتظار کرے یا قاضی صاحب کی عدالت میں اس مسئلہ کو پیش کرے تا کہ مبیع کے غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے بیع کو فسخ کر دے۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر مرتہن نے منظوری نہیں دی تو بیع باطل ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت کے مطابق علی الاطلاق بیع نافذ ہو جائے گی کیونکہ راہن نے اپنی ملکیت میں تصرف کیا ہے جس طرح راہن کا اپنے عبد مرہون کو آزاد کرنا نافذ ہو جاتا ہے مگر قول اول صحیح ہے۔ (جوہرج ۱ص ۲۳۶-عینی ج ۴ص ۱۳۳)

وان اعتق ...... علی المولیٰ: مسئلہ (۲) یہ مسئلہ قابل توجہ ہے، اگر راہن نے اپنے عبد مرہون کو مرتہن کی

اجازت کے بغیر آزاد کر دیا تو یہ آزادی نافذ ہو جائے گی اور غلام رہن سے آزاد ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ سے تین قول منقول ہیں (۱) آزادی مطلقاً نافذ ہو جائے گی (۲) آزادی مطلقاً نافذ نہیں ہوگی (۳) آزادی مشروط ہے، اگر راہن مالدار ہے تو نافذ ہوگی اور اگر تنگدست ہے تو نافذ نہیں ہوگی، امام مالک اور امام احمد بھی یہی کہتے ہیں۔ عندالاحناف آزادی مطلقاً نافذ ہوگی البتہ اس کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ راہن مالدار ہے یا تنگدست، اگر مالدار ہے تو قرضہ علی الفور ہے یا مؤجل، اگر راہن مالدار ہے اور قرضہ علی الفور ہے تو راہن سے قرضہ کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر قرضہ مؤجل ہے تو اس صورت میں راہن پر لازم ہے کہ غلام کی جگہ غلام کی قیمت رہن میں رکھے، اور جب قرض کی ادائیگی کا وقت آجائے تو مرتہن اپنے قرض کا مطالبہ کرے اور آزاد غلام پر اپنی قیمت میں سعی کرنا لازم نہیں ہے اور اگر راہن تنگدست ہو تو اس صورت میں غلام اقل قیمت اور اقل دین کے لئے کوشش کرے گا اور اس آمدنی سے مالک کا قرض ادا کرے گا اس کے بعد غلام اپنے مولیٰ سے جب وہ صاحب حیثیت ہو جائے تو اس رقم کو وصول کرے کیونکہ اس نے اس کی طرف سے قرض ادا کیا ہے۔ (الجوہرہ ج ۱ ص ۲۳۶- عینی ج ۴ ص ۱۲۲)

و کذلك ان ...... الرهن : مسئلہ (۳) اگر راہن نے شئی مرہون کو ہلاک کر دیا تو اس صورت میں بھی مذکورہ مسئلہ کی طرح راہن شئی مرہون کی جگہ کوئی چیز رہن میں رکھے تاکہ وہ چیز رہن ہو جائے کیونکہ جس ضرورت کی بنیاد پر عقد رہن ہوا تھا وہ ضرورت ابھی باقی ہے۔ (الجوہرہ ج ۱ ص ۲۳۷- مصباح القدوری جزء ۵ ص ۴۷)

وان استهلك الراهن الخ: مسئلہ (۴) اگر شئی مرہون کو راہن اور مرتہن کے علاوہ کسی اور شخص نے ہلاک کر دیا تو اس صورت میں ہلاک کرنے والے سے شئی مرہون کا تاوان لینے میں مرتہن ہی مدعی ہوگا اور مرہون کے ہلاک ہونے کے دن اس کی جو قیمت تھی وہ قیمت ہلاک کرنے والے سے وصول کرے گا اور یہ قیمت اس کے قبضہ میں رہن رہے گی۔ اگر تلف کرنے کے روز مرہون کی قیمت پانچ سو درہم تھی اور رہن کرنے کے دن اس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی تو ہلاک کرنے والا صرف پانچ سو درہم کا ضامن ہوگا اور یہ قیمت رہن ہوگی اور مرتہن سے پانچ سو درہم کا قرضہ ساقط ہو جائے گا۔ (ہدایہ الجوہرہ ج ۱ ص ۲۳۷)

وَ جِنَايَةُ الرَّاهِنِ عَلَى الرَّهْنِ مَضْمُوْنَةٌ وَ جِنَايَةُ الْمُرْتَهِنِ عَلَيْهِ تُسْقِطُ مِنَ الدَّيْنِ بِقَدْرِهَا وَ جِنَايَةُ الرَّهْنِ عَلَى الرَّاهِنِ وَ عَلَى الْمُرْتَهِنِ وَ عَلَى مَالِهِمَا هَدْرٌ وَ اُجْرَةُ الْبَيْتِ الَّذِيْ يُحْفَظُ فِيهِ الرَّهْنُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ وَ اُجْرَةُ الرَّاعِي عَلَى الرَّاهِنِ وَ نَفَقَةُ الرَّهْنِ عَلَى الرَّاهِنِ.

ترجمہ : اور راہن کا مالِ رہن پر جنایت کر دینا موجب ضمان ہے اور مرتہن کی جنایت رہن پر قرضہ کو بقدر جنایت ساقط کر دیتی ہے اور رہن کی جنایت راہن و مرتہن پر اور ان دونوں کے مال پر ساقط الاعتبار ہے اور اس مکان کی اجرت جس میں رہن کی حفاظت کی جائے مرتہن پر ہے اور چرواہے کی اُجرت راہن پر ہے اور رہن کا نان ونفقہ راہن پر ہے۔

شئی مرہونہ میں نقصان پیدا کرنے اور دوسروں کے ذمہ مرہونہ کی جنایت کئے جانے کا بیان

تشریح : اس پوری عبارت میں دو مسئلے مذکور ہیں اور ہر ایک مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے۔

وجناية الراهن ...... هدرٌ: مسئلہ (۱) اگر راہن یا مرتہن نے مرہون پر کوئی قصور کیا تو ان دونوں پر اس کا تاوان

لازم ہے مثلاً اگر راہن نے غلام مرہون کو قتل کر دیا یا اس کے کسی عضو کو ضائع کر دیا تو راہن پر ضمان واجب ہوگا اور ضمان کے اعتبار سے مالک کی حیثیت ایک اجنبی کی سی ہوگی، اسی طرح اگر مرتہن نے مرہون غلام کے ساتھ کوئی قصور کیا تو اس مرتہن پر بھی تاوان لازم آئے گا البتہ یہ دیکھا جائے گا کہ جنایت کی مقدار کیا ہے لہٰذا جس قدر جنایت ہوگی اسی حساب سے دین ساقط ہو جائے گا اور اگر مرہون غلام نے راہن یا مرتہن کی ذات میں کوئی جنایت یا کوئی قصور کیا یا ان میں سے کسی کے مال کو کوئی نقصان پہونچایا تو ان میں سے کسی صورت میں بھی مرہون غلام پر کوئی تاوان لازم نہیں آئے گا بلکہ اس کی جنایت کو ساقط الاعتبار تصور کیا جائے گا۔

واجرۃ البیت الخ: مسئلہ (۲) صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جس گھر میں مال مرہون کی حفاظت کی جارہی ہے اس کا کرایہ مرتہن کے ذمہ ہوگا اور مرہون کے چرواہے کا وظیفہ اور خورد ونوش کا خرچہ راہن کے ذمہ ہے اس سلسلے میں یہ اصول یاد رہے کہ جس خرچ کے ضرورت شئی مرہون کی مصلحت اور اس کی بقاء سے تعلق رکھتی ہو تو وہ راہن کے ذمہ ہے جیسے نان ونفقہ، لباس، چرواہے کی اجرت وغیرہ، اور ایسے اخراجات جن کا تعلق شئی مرہون کی حفاظت سے ہو یا راہن تک مرہون کی واپسی سے ہو تو اس کا خرچ مرتہن کے ذمہ ہے جیسے گھر کی حفاظت کا کرایہ، محافظ کی تنخواہ وغیرہ۔

وَ نَمَاؤُهُ لِلرَّاهِنِ فَيَكُوْنُ النَّمَاءُ رَهْنًا مَعَ الْاَصْلِ فَاِنْ هَلَكَ النَّمَاءُ هَلَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَ اِنْ هَلَكَ الْاَصْلُ وَ بَقِيَ النَّمَاءُ اِفْتَكَّهُ الرَّاهِنُ بِحِصَّتِهٖ وَ يُقَسَّمُ الدَّيْنُ عَلٰى قِيْمَةِ الرَّهْنِ يَوْمَ الْقَبْضِ وَعَلٰى قِيْمَةِ النَّمَاءِ يَوْمَ الْفِكَاكِ فَمَا اَصَابَ الْاَصْلَ سَقَطَ مِنَ الدَّيْنِ بِقَدْرِهٖ وَ مَا اَصَابَ النَّمَاءَ اِفْتَكَّهُ الرَّاهِنُ بِهٖ وَ يَجُوْزُ الزِّيَادَةُ فِي الرَّهْنِ وَ لَايَجُوْزُ الزِّيَادَةُ فِي الدَّيْنِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَ لَا يَصِيْرُ الرَّهْنُ رَهْنًا بِهِمَا وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ جَائِزٌ.

ترجمہ: اور رہن کا اضافہ راہن کے لئے ہے اور یہ اضافہ اصل کے ساتھ رہن رہے گا پس اگر اضافہ ہلاک ہو جائے تو بلا کسی چیز کے (ضمان کے) ہلاک ہوگا اور اگر اصل ہلاک ہو گیا اور اضافہ باقی رہا تو اس اضافہ کو اس کے حصہ کے عوض چھڑا لے اور قبضہ کرنے کے دن کی قیمت رہن اور چھڑانے کے دن کی اضافہ کی قیمت پر قرضہ کو تقسیم کر دیا جائے گا، پس جو قیمت اصل کے مقابل پہونچے اسی کے بقدر قرضہ ساقط ہو جائے گا، اور جو قیمت اضافہ کے مقابل پہونچے راہن اس کے عوض اس اضافہ کو چھڑا لے گا، اور رہن میں اضافہ کرنا جائز ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک دین میں اضافہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور رہن ان دونوں کے عوض میں نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جائز ہے۔

شئی مرہونہ میں اضافہ کے احکام

تشریح: ونماؤہ ...... بغیر شیٔ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مال رہن میں جو اضافہ اور بڑھوتری ہوتی ہے مثلاً بکری تھی اس نے بچہ دیا یا دودھ دیا تو یہ تمام چیزیں راہن کی ملکیت ہوں گی اور اصل رہن کے ساتھ اس کو شامل کر دیا جائے گا، اب اگر یہ اضافہ شدہ چیز ہلاک ہو گئی تو اس کا کوئی ضامن نہیں ہوگا۔

وان ھلک الاصل ...... افتکہ الراھن بہ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر اصل شئی مرہون ہلاک ہو گئی

اوراضافہ شدہ چیز باقی رہی تو اس کو قرضہ کی مقدار کے حساب سے چھڑایا جائے گا کیونکہ اضافہ شدہ چیز نے اصل کی حیثیت اختیار کرلی اور یہ اصول ہے کہ تابع جب مقصود اور اصل ہوجائے تو قیمت اس کے مقابل آجایا کرتی ہے۔ چھڑانے کی شکل یہ ہے کہ اصل شئی مرہون میں قبضہ کی دن کی قیمت اور اضافہ میں چھڑانے کے دن کی قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہے مثلاً حامد نے ایک بکری آٹھ سوروپے میں رہن میں رکھی، قبضہ کے دن اس کی قیمت نوسوروپے ہوگئی پھر اس نے ایک بچہ دیا، چھڑانے کے دن اس کی قیمت پانچ سوروپے تھی اب دونوں کی قیمت مجموعی طور پر چودہ روپے ہوگی، بکری مرگئی، بچہ زندہ رہا تو اب قرضہ کو دونوں کی قیمت پر تین ثلث میں تقسیم کردیا جائے گا پس قرضہ کا دوثلث یعنی چھ سوروپے جو ماں کے دو حصے ہیں وہ ساقط ہوجائیں گے اور قرضہ کا ایک ثلث یعنی تین سوروپے راہن مرتہن کو دیکر بچہ چھڑالے گا۔ اسکی اور بھی مختلف مثالیں الجوہرہ ج اص ۲۳۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ویجوز الزیادۃ ...... جائز: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ احناف کے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رہن میں اضافہ کرنا جائز ہے مثلاً ایک شخص نے کسی کے پاس سوروپے کی چادر رہن میں رکھ دی، پھر راہن نے ایک اور چادر رہن میں رکھ دی تو یہ دونوں چادریں سوروپے میں رہن میں رکھی رہیں گی، یہ اضافہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے اور اگر قرض میں اضافہ کیا گیا تو اس صورت میں طرفین اور امام ابو یوسف کا اختلاف ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے سوروپے کی کوئی چیز رہن میں رکھی پھر راہن نے مرتہن سے پچاس روپیہ قرض لیا اور اسی چیز کو ایک سو پچاس روپے میں رہن میں رکھ دی تو طرفین کے نزدیک قرضہ میں اضافہ درست نہیں ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک درست ہے، امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک رہن اور قرض دونوں میں اضافہ درست نہیں ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں اشتراک لازم آتا ہے جو عقد رہن ہے۔ (الجوہرہ ج اص ۲۴۰-۲۳۹، ہدایہ ج ۴)

وَ اِذَا رَهَنَ عَيْنًا وَاحِدَةً عِنْدَ رَجُلَيْنِ بِدَيْنٍ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا جَازَ وَ جَمِيْعُهَا رَهْنٌ عِنْدَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَ الْمَضْمُوْنُ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حِصَّةُ دَيْنِهٖ مِنْهَا فَاِنْ قَضٰى اَحَدُهُمَا دَيْنَهٗ كَانَ كُلُّهَا رَهْنًا فِي يَدِ الْاٰخَرِ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ دَيْنَهٗ وَ مَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلٰى اَنْ يَرْهَنَهُ الْمُشْتَرِي بِالثَّمَنِ شَيْئًا بِعَيْنِهٖ فَامْتَنَعَ الْمُشْتَرِي مِنْ تَسْلِيْمِ الرَّهْنِ لَمْ يُجْبَرْ عَلَيْهِ وَ كَانَ الْبَائِعُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ رَضِيَ بِتَرْكِ الرَّهْنِ وَ اِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَيْعَ اِلَّا اَنْ يَدْفَعَ الْمُشْتَرِي الثَّمَنَ حَالًا اَوْ يَدْفَعَ قِيْمَةَ الرَّهْنِ فَيَكُوْنُ رَهْنًا.

ترجمہ: اور اگر کسی نے ایک چیز کو دو شخص کے پاس ان دونوں میں سے ہر ایک کے دین کے عوض رہن رکھی تو یہ جائز ہے اور وہ تمام شئی ان میں سے ہر ایک کے پاس رہن رہے گی اور ان دونوں میں سے ہر ایک پر اپنے حصہ دین کے مطابق ضمان ہوگا پس اگر انمیں سے ایک کا قرض ادا کردے تو پوری چیز دوسرے کے پاس رہن رہے گی یہاں تک کہ وہ اپنا قرض وصول کرلے۔ اور جس شخص نے غلام اس شرط پر فروخت کیا کہ مشتری اس کے پاس قیمت کے عوض کوئی مخصوص چیز رہن میں رکھے گا (مگر) مشتری عقد کے بعد رہن رکھنے سے باز رہا تو مشتری کو رہن رکھنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور بائع کو

اختیار ہے چاہے تو ترک رہن پر رضامند ہو اور چاہے تو بیع کو فسخ کردے البتہ مشتری قیمت سردست ادا کردے یا رہن کی قیمت ادا کردے تا کہ یہ قیمت رہن ہو جائے۔

رہن سے متعلق متعدد مسائل

تشریح: اس پوری عبارت میں دو مسئلے مذکور ہیں۔

مسئلہ(۱) **واذا رهن ...... يستوفى دينه:** اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص دو آدمی کا مقروض تھا اس نے قرض کے عوض کوئی چیز دونوں کے پاس بطور رہن رکھ دی تو یہ رہن رکھنا صحیح ہے اب اگر وہ مال مرہونہ ہلاک ہو گیا تو ہر مرتہن اپنے اپنے قرضہ کے حصہ کے مطابق ضامن ہوگا۔ اور اگر راہن نے کسی ایک کا قرض چکا دیا تو اب یہ تمام مال دوسرے کے قبضہ میں رہن رہے گا اور قرض ادا کرنے والا اس مال میں سے کچھ واپس نہیں لے سکتا جب تک دوسرے کا قرضہ ادا نہ ہو جائے۔

مسئلہ(۲) **ومن باع ...... فيكون رهنا:** اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے غلام فروخت کیا اور یہ شرط لگائی کہ خریدار قیمت کے بدلہ میں کوئی مخصوص اور متعین چیز رہن میں رکھے۔ از روئے قیاس یہ عقد جائز نہیں ہے مگر استحساناً جائز ہے۔ اگر مشتری نے عقد کے بعد کوئی چیز رہن میں نہ رکھی تو احناف کے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مشتری کو اس عمل پر مجبور نہیں کیا جائے گا مگر امام زفر کے نزدیک مشتری کو ایفائے وعدہ پر مجبور کیا جائے گا۔ بہرکیف اگر مشتری نے رہن میں کوئی چیز نہ رکھی تو بائع کو فسخ بیع کا اختیار ہے لیکن اگر مشتری قیمت سردست ادا کر دیتا ہے یا مشروط رہن کی قیمت رہن میں رکھ دیتا ہے تو اس صورت میں فسخ بیع کا اختیار ختم ہو جائے گا اور رہن میں رکھی گئی قیمت رہن کے قائم مقام ہوگی۔

وَ لِلْمُرْتَهِنِ اَنْ يَحْفَظَ الرَّهْنَ بِنَفْسِهِ وَ زَوْجَتِهِ وَ وَلَدِهِ وَ خَادِمِهِ الَّذِیْ فِی عَيَالِهِ وَ اِنْ حَفِظَهُ بِغَيْرِ مَنْ هُوَ فِی عَيَالِهِ اَوْ اَوْدَعَهُ ضَمِنَ وَ اِذَا تَعَدّٰی الْمُرْتَهِنُ فِی الرَّهْنِ ضَمِنَهُ ضَمَانَ الْغَصَبِ بِجَمِيْعِ قِيْمَتِهِ وَ اِذَا اَعَارَ الْمُرْتَهِنُ الرَّهْنَ لِلرَّاهِنِ فَقَبَضَهُ خَرَجَ مِنْ ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ فَاِنْ هَلَكَ فِی يَدِ الرَّاهِنِ هَلَكَ بِغَيْرِ شَیْءٍ وَ لِلْمُرْتَهِنِ اَنْ يَسْتَرْجِعَهُ اِلٰی يَدِهِ فَاِذَا اَخَذَهُ عَادَ الضَّمَانُ عَلَيْهِ وَ اِذَا مَاتَ الرَّاهِنُ بَاعَ وَصِيُّهُ الرَّهْنَ وَ قَضَی الدَّيْنَ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَصِیٌّ نَصَبَ الْقَاضِی لَهُ وَصِيًّا وَ اَمَرَهُ بِبَيْعِهِ.

ترجمہ: اور مرتہن پر لازم ہے کہ وہ مال رہن کی خود حفاظت کرے یا اس کی بیوی یا اس کی اولاد یا اس کا ملازم جو اس کی عیال داری میں ہے۔ اور اگر اس کی حفاظت ایسے شخص نے کی جو اس کی عیال داری میں نہیں ہے یا اس نے اس کو امانت رکھ دی تو وہ شخص ضامن ہوگا۔ اور اگر مرتہن نے رہن میں تعدی کی تو اس میں مثل غصب کے تمام قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر مرتہن نے شئی مرہون کو راہن کو عاریت کے طور پر دیدی اور راہن نے اس پر قبضہ کر لیا تو یہ شئی مرہون مرتہن کے ضمان سے نکل جائے گی اب اگر وہ راہن کے قبضہ میں رہ کر ہلاک ہو جائے تو وہ بلا کسی وجوب ضمان کے ہلاک ہوئی اور مرتہن اس کو اپنے قبضہ میں واپس لے سکتا ہے اب اگر اس نے اس کو قبضہ میں لے لیا تو اس پر ضمان لوٹ آئے گا اور اگر راہن مر گیا تو اس کا وصی رہن فروخت کرے اور قرضہ ادا

کرے اور اگر اس کا کوئی وصی نہیں ہے تو قاضی اس کے لئے وصی مقرر کرے اور اس کو اس کے فروخت کرنے کا حکم کرے۔

خلاصہ : اس عبارت میں تین مسئلے مذکور ہیں۔ مسئلہ (۱) مرتہن کو چاہئے کہ مالِ مرہون کی حفاظت کرے خواہ بنفس نفیس (جس کو حفاظت حقیقی کہا جاتا ہے) اور چونکہ ہروقت اس کی حفاظت نہیں کرسکتا اس لئے اپنی بیوی یا بالغ اولاد یا اپنے کسی ملازم سے حفاظت کرائے جو عیال داری میں داخل ہو (اس کو حفاظت حکمی کہتے ہیں) اب اگر مرتہن مالِ مرہون کی حفاظت کسی ایسے شخص سے کراتا ہے جس کا اس کی عیال داری سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ چیز ہلاک ہوجاتی ہے یا کسی کو امانت کے طور پر دیتا ہے تو دونوں صورت میں مرتہن پر ضمان لازم آئے گا کیونکہ مالک نے ایسی اجازت نہیں دی تو اس صورت میں رہن کے اندر تعدی لازم آتی ہے اس لئے جس طرح مال کے غصب کرنے میں پوری قیمت کا ضمان لازم آتا ہے اسی طرح اس صورت میں بھی پوری قیمت کا ضمان لازم آئے گا۔ مسئلہ (۲) اگر مرتہن مالِ مرہون راہن کو عاریۃ کے طور پر دے اور راہن اس پر قبضہ کرلے تو اس صورت میں یہ چیز مرتہن کے ضمان سے خارج ہوجائے گی اب اگر یہ چیز راہن کے قبضہ میں رہ کر ہلاک ہوجاتی ہے تو کسی پر کوئی تاوان نہیں آئے گا اور مرتہن کا قرضہ اب بھی باقی رہے گا اس ہلاکت سے قرضہ ساقط نہیں ہوگا اور اگر مرتہن اس چیز کو دوبارہ اپنے قبضہ میں لے لے تو اس پر ضمان لوٹ آئے گی۔ مسئلہ (۳) اگر راہن کا انتقال ہوجائے تو راہن نے جس کو اپنا وصی مقرر کیا ہے اس کو چاہئے کہ اس مال مرہون کو جو راہن نے مرتہن سے عاریۃ میں لیا تھا فروخت کرکے مرتہن کا قرضہ ادا کردے اور اگر راہن کا کوئی وصی نہیں ہے تو قاضی وقت کا فرض ہے کہ راہن کا وصی مقرر کرے اور اس کو حکم دے کہ اس مال مرہون کو فروخت کرے تاکہ مرتہن کا قرض ادا کیا جائے۔

کتاب الحجر

قولی تصرفات سے روکنے کا بیان

اَلْاَسْبَابُ الْمُوْجِبَةُ لِلْحَجْرِ ثَلٰثَةٌ الصِّغَرُ وَ الرِّقُّ والْجُنُوْنُ وَ لَا يَجُوْزُ تَصَرُّفُ الصَّغِيْرِ اِلَّا بِاِذْنِ وَلِيِّهٖ وَلَا يَجُوْزُ تَصَرُّفُ العَبْدِ اِلَّا بِاِذْنِ سَيِّدِهٖ وَلَا يَجُوْزُ تَصَرُّفُ الْمَجْنُوْنِ الْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهٖ بِحَالٍ.

ترجمہ : وہ اسباب جو حجر کو واجب کرتے ہیں تین ہیں کم عمری، غلامی، پاگل پن۔ اور بچہ کا تصرف جائز نہیں ہے مگر اس کے ولی کی اجازت سے اور غلام کا تصرف جائز نہیں ہے مگر اس کے آقا کی اجازت سے اور مغلوب العقل دیوانہ کا تصرف کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔

تشریح : الحجر: یہ لفظ لغت کے اعتبار سے مطلق روکنے کے معنی میں آتا ہے۔ عقل کو حجر اسی مناسبت سے کہتے ہیں کہ انسان عقل اور سمجھ کی وجہ سے افعالِ قبیحہ سے باز رہتا ہے۔ اور اصطلاحی اعتبار سے حجر تصرف قولی سے باز رہنے کو کہتے ہیں نہ کہ تصرف فعلی سے۔ تصرفات قولی کا صدور زبان سے ہوتا ہے جیسے بیع، ہبہ، وغیرہ۔ تصرفات فعلی کا صدور اعضاء کے ذریعہ ہوتا ہے جیسے قتل کرنا، کسی کا مال ہلاک کرنا۔ معلوم ہوا کہ حجر میں صرف تصرفات قولی کا نفاذ نہیں ہوتا چنانچہ اگر

بچہ کسی کا مال برباد کردے تو ضمان واجب ہوتا ہے۔

الاسباب الموجبة الخ: جن امور کی بنیاد پر انسان پر پابندی عائد ہوتی ہے وہ تین ہیں (۱) نابالغ ہونا (۲) رقیت یعنی باندی یا غلام ہونا (۳) دیوانہ ہونا۔ ان میں سے کسی کا تصرف قابل اعتبار نہیں ہے جب تک کہ بچہ کے ولی اور سرپرست کی اجازت اور غلام کے مالک کی اجازت نہ ہو اور مغلوب العقل دیوانہ جس کے اندر نفع ونقصان کے درمیان امتیاز کی صلاحیت نہیں ہوتی جسے کسی حالت میں ہوش نہ آئے اس کے تصرف کو کسی بھی حالت میں صحیح قرار نہیں دیا جائے گا اگرچہ اس کا ولی اس کے تصرف کو درست قرار دے، البتہ اگر ایسا دیوانہ ہو کہ کبھی تو دیوانگی سے افاقہ ہو جاتا ہے اور کبھی افاقہ نہیں ہوتا ہے تو اس دیوانہ کو طفل ممیز کے حکم میں رکھا جائے گا۔ صاحب جوہرہ لکھتے ہیں کہ اگر افاقہ کی صورت میں تصرف کرتا ہے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ ان اسباب ثلثہ میں حجر کا تعلق اقوال سے ہے افعال سے نہیں جیسا کہ اگلی عبارت میں آرہا ہے۔

وَ مَنْ بَاعَ مِنْ هٰؤُلَاءِ شَيْئًا اَوِ اشْتَرَاهُ وَ هُوَ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَ يَقْصِدُهُ فَالْوَلِيُّ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَجَازَهُ اِذَا كَانَ فِيْهِ مَصْلِحَةٌ وَ اِنْ شَاءَ فَسَخَهُ فَهٰذِهِ الْمَعَانِي الثَّلٰثَةُ تُوْجِبُ الْحَجَرَ فِي الْاَقْوَالِ دُوْنَ الْاَفْعَالِ وَ اَمَّا الصَّبِيُّ وَ الْمَجْنُوْنُ لَا تَصِحُّ عُقُوْدُهُمَا وَ لَا اِقْرَارُهُمَا وَ لَا يَقَعُ طَلَاقُهُمَا وَ لَا اِعْتَاقُهُمَا فَاِنْ اَتْلَفَا شَيْئًا لَزِمَهُمَا ضَمَانُهُ وَ اَمَّا الْعَبْدُ فَاَقْوَالُهُ نَافِذَةٌ فِي حَقِّ نَفْسِهٖ غَيْرُ نَافِذَةٍ فِي حَقِّ مَوْلَاهُ فَاِنْ اَقَرَّ بِمَالٍ لَزِمَهُ بَعْدَ الْحُرِّيَّةِ وَ لَمْ يَلْزَمْهُ فِي الْحَالِ وَ اِنْ اَقَرَّ بِحَدٍّ اَوْ قِصَاصٍ لَزِمَهُ فِي الْحَالِ وَ يَنْفُذُ طَلَاقُهُ وَ لَا يَقَعُ طَلَاقُ مَوْلَاهُ عَلٰى اِمْرَأَتِهٖ.

ترجمہ: اور ان میں سے جس نے کوئی چیز فروخت کی یا خریدی دراں حالے کہ وہ بیع کو سمجھتا ہو اور اس کا ارادہ کرتا ہو تو ولی کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کی اجازت دیدے بشرطیکہ اس میں کوئی مصلحت ہو اور اگر چاہے تو اس کو فسخ کردے پس یہ تین اسباب اقوال کے اندر حجر کو واجب کرتے ہیں افعال کے اندر نہیں۔ بہرحال بچہ اور مجنون ان دونوں کا نہ تو عقد درست ہوگا اور نہ اقرار، نہ ان کی طلاق واقع ہوگی اور نہ ان کا غلام کا آزاد کرنا۔ لیکن اگر ان دونوں نے کوئی چیز ضائع کردی تو ان دونوں پر اس شئی کا ضمان لازم آئے گا، بہرحال غلام تو اس کے اقوال اس کی ذات کے حق میں نافذ ہوں گے اس کے مالک کے حق میں نافذ نہیں ہوں گے پس اگر غلام نے (کسی کے لئے) مال کا اقرار کرلیا تو اس کو آزادی کے بعد لازم ہوگا فی الحال لازم نہیں ہوگا اور اگر اس نے کسی حد یا قصاص کا اقرار کرلیا تو اس پر فی الحال لازم ہوگی اور اس کی طلاق نافذ ہو جائے گی اور اس کی بیوی پر اس کے مولا کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

مجورین کے تصرفات کے احکام

خلاصہ: صاحب قدوری مجورین کے تصرفات کے متعلق چند احکام کا تذکرہ فرمارہے ہیں کہ بچہ اور غلام اور بعض کی تحقیق کے مطابق ایسا مجنون بھی جس کو افاقہ نہ ملتا ہو یعنی ان مجورین میں سے جو کسی چیز کی خرید وفروخت کرے یا ایسا عقد کرے جو نفع ونقصان کا پہلو رکھتا ہو اور اس کے اندر معاملہ کے سمجھنے کی صلاحیت بھی ہو اور ارادہ بھی ہو تو اس صورت میں ولی

یعنی باپ، دادا، قاضی اور آقا وغیرہ کو اختیار ہے اگر اس میں عقد کرنے والے کا نفع نظر آتا ہے تو عقد کو نافذ کردے اور اگر چاہے تو عقد کو فسخ کردے (مگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولی کا اجازت دینا صحیح نہیں ہے) اور یہ تین اسباب صرف اقوال میں موجب حجر ہیں افعال میں نہیں (یہاں تک تینوں کے احکام مشترک تھے اور اگلی عبارت میں بچہ، مجنون اور غلام کے تصرف میں فرق بیان کررہے ہیں) کہ اگر بچہ اور مجنون نے کسی چیز کی خرید وفروخت کی یا کسی کے لئے مال کا اقرار کیا تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اسی طرح اگر ان دونوں نے بیوی کو طلاق دیدی یا غلام آزاد کردیا تو یہ عمل معتبر نہیں ہوگا (چونکہ ان کے افعال پر کوئی حجر ہے نہیں اس لئے) اگر کسی چیز کو ضائع کردیا تو اس صورت میں ان دونوں پر اس کا ضمان لازم آئے گا (تاکہ جس کا نقصان ہوا ہے وہ محفوظ ہوجائے) اور غلام کے اقوال اور اس کے بیانات اس کے حق میں نافذ ہوں گے اس کے مالک کے حق میں نافذ نہیں ہوں گے چنانچہ اگر اس نے کسی غیر کے لئے مال کا اقرار کیا تو غلام پر اس کی ادائیگی اس کے آزاد ہونے کے بعد لازم ہوگی فی الحال لازم نہیں ہوگی (کیونکہ غلام ہونا اس سے مانع ہے) لیکن اگر حدود وقصاص میں سے کسی امر کا اقرار کرلیا (تو چونکہ یہ خدا کا حق ہے اس لئے یہ) فی الحال لازم ہوجائے گی اسی طرح اگر غلام اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو یہ طلاق نافذ ہوجائے گی لیکن اگر اس کا مالک اس کی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو یہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تشریح : **ھؤلاء**: چونکہ جمع کا اطلاق تثنیہ پر بھی ہوتا ہے اس لئے یہاں صبی اور غلام کو ھؤلاء کا مشار الیہ بنانا صحیح ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "فان کان لہ اخوۃ" اس آیت میں اخوۃ جمع ہے اخ کی اور اس سے اخوان (تثنیہ) مراد لیا گیا ہے۔ (الجوہرہ ج ۱ ص ۲۴۳)

خلاصہ میں بین القوسین کی عبارت کا اضافہ کرکے مضامین کی تشریح کردی گئی ہے اس لئے اب انفرادی طور پر تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

وَ قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ لَا يُحْجَرُ عَلَى السَّفِيْهِ اِذَا كَانَ عَاقِلًا بَالِغًا حُرًّا وَ تَصَرُّفُهُ فِي مَالِهِ جَائِزٌ وَ اِنْ كَانَ مُبَذِّرًا مُفْسِدًا يُتْلِفُ مَالَهُ فِي مَا لَا غَرَضَ لَهُ فِيْهِ وَ لَا مَصْلِحَةَ مِثْلُ اِنْ يُتْلِفَهُ فِي الْبَحْرِ اَوْ يُحْرِقَهُ فِي النَّارِ اِلَّا اَنَّهُ قَالَ اِذَا بَلَغَ الْغُلَامُ غَيْرَ رَشِيْدٍ لَمْ يُسَلَّمْ اِلَيْهِ مَالُهُ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْسًا وَ عِشْرِيْنَ سَنَةً وَ اِنْ تَصَرَّفَ فِيْهِ قَبْلَ ذٰلِكَ نَفَذَ تَصَرُّفُهُ فَاِذَا بَلَغَ خَمْسًا وَ عِشْرِيْنَ سَنَةً سُلِّمَ اِلَيْهِ مَالُهُ وَ اِنْ لَمْ يُؤْنَسْ مِنْهُ الرُّشْدُ وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُحْجَرُ عَلٰى سَفِيْهٍ وَ يُمْنَعُ مِنَ التَّصَرُّفِ فِي مَالِهِ فَاِنْ بَاعَ لَمْ يَنْفُذْ بَيْعُهُ فِي مَالِهِ وَ اِنْ كَانَ مِنْهُ مَصْلِحَةٌ اَجَازَهُ الْحَاكِمُ وَ اِنْ اَعْتَقَ عَبْدًا نَفَذَ عِتْقُهُ وَ كَانَ عَلَى الْعَبْدِ اَنْ يَسْعٰى فِي قِيْمَتِهِ وَ اِنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً جَازَ نِكَاحُهُ فَاِنْ سَمّٰى لَهَا مَهْرًا جَازَ مِنْهُ مِقْدَارُ مَهْرِ مِثْلِهَا وَبَطَلَ الْفَضْلُ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ فِيْمَنْ بَلَغَ غَيْرَ رَشِيْدٍ لَا يُدْفَعُ اِلَيْهِ مَالُهُ اَبَدًا حَتّٰى يُؤْنَسَ مِنْهُ الرُّشْدُ وَلَا يَجُوْزُ تَصَرُّفُهُ فِيْهِ.

ترجمہ : اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر سفیہ عاقل، بالغ اور آزاد ہے تو اس پر حجر نہ کیا جائے اور اس کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے اگر چہ فضول خرچ، مفسد ہو، اپنے مال کو ایسے مواقع میں خرچ کرتا ہو جس میں کوئی نفع اور مصلحت نہ ہو جیسے مال کو دریا میں ڈال دیتا ہے یا اسے آگ میں جلا دیتا ہے مگر امام صاحب نے فرمایا کہ اگر نادانی کی حالت میں بالغ ہوا تو اس کا مال اس کے حوالہ نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ پچیس سال کا ہو جائے تو اس کا مال اس کے سپرد کیا جائے گا اگر چہ اس سے دانائی کے آثار ظاہر نہ ہوں۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ سفیہ پر حجر کیا جائے گا اور اس کو اپنے مال میں تصرف سے منع کیا جائے گا اور اگر اس نے کوئی چیز فروخت کی تو اسکی بیع اس کے مال میں نافذ نہیں ہوگی اور اگر اس (خرید و فروخت) میں اس کا نفع ہے تو قاضی اس کو نافذ کر دے اور اگر اس نے کسی غلام کو آزاد کر دیا تو اس کا عتق نافذ ہوگا اور غلام پر واجب ہے کہ قیمت (کی ادائیگی) کے لئے کوشش کرے (کمائے) اور اگر اس نے کسی عورت سے نکاح کیا تو اس کا نکاح جائز ہوگا پس اگر عورت کے لئے مہر مقرر کی تو مہر مثل کے بقدر جائز ہوگا اور مقدار زائد باطل ہوگی اور صاحبین نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ جو نادانی کی حالت میں بالغ ہوا ہو کہ اس کو اس کا مال نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ اس سے دانائی اور رشد کے آثار ظاہر ہوں اور اسکا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز (معتبر) نہ ہوگا۔

بیوقوف کے تصرف کے احکام

حل لغات : السفیه: صفت، خفیف العقل، جاہل جس میں امتیاز کی صلاحیت نہ ہو، نادان، بیوقوف۔ **السفه**: جہالت، نادانی، خفت عقل۔ سفِهَ (س) سَفَهًا غیر بردبار یا جاہل یا ردی اخلاق والا ہونا۔ شریعت کے اعتبار سے سفہ اور سفاہت سے وہ فضول خرچی مراد ہے جس کا عقل اور شریعت سے کوئی تعلق نہ ہو، ذاتی ضرورتوں میں اسراف یا بلا مقصد خرچ کرنا، اسی طرح کھیل، تماشوں میں خرچ کرنا ایک سفیہ شخص کی عادت ہے، شراب نوشی، زناکاری اصطلاحی سفاہت سے خارج ہے۔ **مبذر**: اسم فاعل، فضول خرچ۔ **مفسدا**: یہ مبذر کی صفت ہے یہاں اسراف فی الخیر والشر دونوں مراد ہے۔ **یتلف**: اتلافا برباد کرنا، ضائع کرنا۔ **یحرق**: احراقاً، جلانا۔ **رشید**: راہ یافتہ۔ **یونس**: ایناسا، مانوس کرنا، آنس الشئ، دیکھنا۔ **الرشد**: دانائی، عقل و شعور۔ **الفضل**: مقدار زائد۔

تشریح : قال ابو حنیفه الخ: اس سے قبل حجر فی التصرف کے تین متفق علیہ اسباب کا تذکرہ کیا گیا تھا اب اس مقام پر اس کا چوتھا سبب "سفاہت" کو بیان کیا جا رہا ہے جو مختلف فیہ ہے اس پوری عبارت میں ایک مسئلہ بیان کیا گیا ہے لیکن اس کی دو حالت ہے۔ مسئلہ کی پہلی حالت یہ ہے کہ ایک شخص آزاد عاقل بالغ ہے مگر سفیہ اور نادان ہے، امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس شخص پر اس کی سفاہت کی وجہ سے حجر کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور اس کو تصرف فی المال سے روکا نہیں جائے گا بلکہ اس کے تصرف کا اعتبار کیا جائے گا خواہ وہ اسراف سے کیوں نہ کام لیتا ہو۔ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک اس سفیہ پر حجر کا حکم لگایا جائے گا اور اس کو تصرف فی المال سے منع کیا جائے گا اس کی خرید و فروخت نافذ نہیں ہوگی البتہ قاضی اس کے مفاد کے پیش نظر اس عقد کو نافذ کر سکتا ہے اور جن امور میں نفاذ لازمی ہے مثلاً غلام کا آزاد کرنا، کسی عورت سے نکاح کرنا، تو یہ سب نافذ ہوں گے البتہ غلام کما کر اپنی قیمت ادا کرے گا اور زوجہ کو مہر مثل ادا کرے اور مہر مثل سے جو زائد ہوگا وہ لازم نہیں ہوگی۔ امام

شافعیؒ کے نزدیک غلام کا آزاد کرنا نافذ نہیں ہوگا، اس صورت میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔ مسئلہ کی دوسری حالت یہ ہے کہ ایک شخص سفیہ اور نادان تھا اور اب بالغ ہوا اور بلوغت کے بعد بھی نفع ونقصان کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی تو اس کے متعلق امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص پچیس سال کی عمر تک مثل مجور کے ہوگا اور اس کے مال واسباب اس کے سپرد نہیں کئے جائیں گے البتہ پچیس سال کی عمر ہونے کے بعد اس کے مال واسباب اس کے حوالہ کردیئے جائیں گے خواہ اب بھی اس کے اندر رشد ودانائی کے آثار ظاہر نہ ہوئے ہوں۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اس شخص پر حجر کا حکم باقی رہے اور جب تک اس کے اندر رشد ودانائی کے آثار ظاہر نہ ہوں مال واسباب اس کے حوالہ نہیں کئے جائیں گے خواہ پوری عمر کیوں نہ گذر جائے، فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے جیسا کہ تنویر الابصار اور مجمع وغیرہ میں ہے۔

وَ تُخرَجُ الزَّكَاةُ مِنْ مَالِ السَّفِيهِ وَ يُنفِقُ عَلىٰ اَوْلَادِهٖ وَ زَوْجَتِهٖ وَ مَنْ يَجِبُ نَفَقَتُهٗ عَلَيْهِ مِنْ ذَوِى الْاَرْحَامِ فَاِنْ اَرَادَ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ لَمْ يُمْنَعْ مِنهَا وَ لَا يُسَلِّمُ القَاضِى النَّفَقَةَ اِلَيْهِ وَ لٰكِنْ يُسَلِّمُهَا اِلىٰ ثِقَةٍ مِنَ الحَاجِّ يُنْفِقُهَا عَلَيْهِ فِى طَرِيْقِ الحَجِّ فَاِنْ مَرِضَ فَاَوْصٰى بِوَصَايَا فِى القُرَبِ وَ اَبْوَابِ الخَيْرِ جَازَ ذٰلِكَ مِنْ ثُلُثِ مَالِهٖ.

ترجمہ: اور سفیہ کے مال سے زکوٰۃ نکالی جائے گی اور (اس کا مال) اس کی اولاد، اس کی بیوی اور ذوی الارحام میں سے ان لوگوں پر خرچ کیا جائے گا جن کا نفقہ اس پر واجب ہے۔ اگر اس نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو اس کو اس سے روکا نہیں جائے گا اور قاضی سفرخرچ اس کے حوالہ نہ کرے بلکہ حاجیوں میں سے کسی معتبر شخص کو دے تاکہ وہ سفرحج میں اس پر خرچ کرتا رہے، پس اگر یہ شخص بیمار ہوگیا اور اس نے کارِ ثواب اور کار خیر میں خرچ کرنے کی وصیت کی تو یہ وصیت اس کے تہائی مال سے جائز ہوگی۔

خلاصہ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر نادان صاحب نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس کے مال سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی (کیونکہ یہ حق واجب ہے) اسی طرح اولاد، بیوی اور قرابت داروں میں سے جن کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے اس کا مال ان پر خرچ کیا جائے گا، اس کو فریضۂ حج کی ادائیگی سے روکا نہیں جائے گا بلکہ قاضی کا فرض ہے کہ حجاج کی جماعتوں میں سے کسی معتبر شخص کا انتخاب کر کے اس کا سفرخرچ اس کے ذمہ کرے جسے وہ حسب ضرورت سفرحج میں خرچ کرتا رہے، نیز اگر اسی دوران اس کی طبیعت خراب ہوگئی اور اس نے فی سبیل اللہ اور کارِ خیر میں مال خرچ کرنے کی وصیت کی تو اس کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اس کے تہائی مال سے خرچ کیا جائے گا۔

وَ بُلُوْغُ الغُلَامِ بِالاِحْتِلَامِ وَ الْاِنْزَالِ وَ الْاِحْبَالِ اِذَا وَطِئَ فَاِنْ لَمْ يُوْجَدْ ذٰلِكَ فَحَتّٰى يَتِمَّ لَهٗ ثَمَانِىَ عَشَرَ سَنَةً عِنْدَ اَبِى حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ بُلُوْغُ الجَارِيَةِ بِالحَيْضِ وَ الاِحْتِلَامِ وَ الحَبْلِ فَاِنْ لَمْ يُوْجَدْ فَحَتّٰى يَتِمَّ لَهٗ سَبْعَةَ عَشَرَ سَنَةً وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا تَمَّ لِلْغُلَامِ وَ الجَارِيَةِ خَمْسَةَ عَشَرَ سَنَةً فَقَدْ بَلَغَا وَ اِذَا رَاهَقَ الغُلَامُ وَ الجَارِيَةُ

فَاشْكَلَ اَمْرُهُمَا فِي الْبُلُوغِ فَقَالاَ قَدْ بَلَغْنَا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُمَا وَ اَحْكَامُهُمَا اَحْكَامُ الْبَالِغِيْنَ.

ترجمہ: اور لڑکے کا احتلام، انزال اور حاملہ کر دینے سے بالغ ہونا ہے جب کہ وہ وطی کرے پس اگر ان تینوں میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب وہ اٹھارہ سال کا ہو جائے۔ اور لڑکی حیض، احتلام اور حاملہ ہونے سے بالغ ہوتی ہے پس اگر ان تینوں میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو جب وہ سترہ سال کی ہو جائے۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ جب لڑکے اور لڑکی کی عمر پندرہ سال پوری ہو جائے اور اگر لڑکا یا لڑکی قریب البلوغ ہو جائے اور بلوغیت کے متعلق ان کا معاملہ پیچیدہ ہو جائے اور دونوں یہ بیان دیں کہ ہم بالغ ہو گئے تو ان دونوں کا بیان معتبر ہوگا اور ان دونوں کے احکام بالغوں جیسے ہوں گے۔

لڑکا اور لڑکی کی مدت بلوغت کا بیان

حل لغات: بلوغ: (ن) پہونچنا، اصطلاحی طور پر ایام طفلی کا ختم ہونا۔ **الاحتلام:** حالت خواب میں جماع کرنا اور خروجِ منی ہونا۔ **الانزال:** منی کا نکلنا۔ **الاحبال:** حاملہ کرنا، یعنی شوہر کے وطی کرنے سے بیوی کو حمل ٹھہر جانا۔ **الجارية:** لڑکی۔ **الحبل:** حاملہ ہونا۔ **راهق:** مُراهقة جوانی کے قریب پہونچنا، قریب البلوغ ہونا۔

خلاصہ: صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ لڑکے کی بلوغت کی تین علامتیں ہیں (۱) حالت خواب میں احتلام کا ہونا (۲) انزال منی ہونا (۳) وطی کے نتیجہ میں عورت کو حمل ٹھہرانا۔ (ان تینوں میں اصل انزال ہے کیونکہ احتلام بلا انزال کا اعتبار نہیں ہے) لڑکی کی بلوغت کی تین علامتیں ہیں (۱) حیض کا آنا (۲) احتلام کا ہونا (۳) حاملہ ہو جانا۔ ان تینوں علامتوں کی عدم موجودگی کی صورت میں امام اعظمؒ کے نزدیک لڑکے پر اٹھارہ سال کی عمر ہونے پر اور لڑکی کی سترہ سال عمر ہونے پر بالغ ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا اور صاحبین (وائمہ ثلاثہ) کے نزدیک لڑکے اور لڑکی پر پندرہ سال کی عمر ہو جانے پر بالغ ہو جانے کا حکم لگا دیا جائے گا (یہی ایک روایت امام صاحب کی بھی ہے اور یہی مفتیٰ بہ قول ہے) اور اگر لڑکے اور لڑکی قریب البلوغ ہو جائیں اور ان کی بلوغت مشتبہ ہو تو ایسی صورت میں ان کے بیان اور اقرار کا اعتبار کیا جائے گا اور جو حکم بالغوں کا ہوگا وہی حکم ان کا بھی ہوگا۔

وَ قَالَ اَبُوحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لاَ اَحْجُرُ فِي الدَّيْنِ عَلَى الْمُفْلِسِ وَ اِذَا وَجَبَتِ الدُّيُوْنُ عَلٰى رَجُلٍ مُفْلِسٍ وَ طَلَبَ غُرَمَاءُهُ حَبْسَهُ وَ الْحَجْرَ عَلَيْهِ لَمْ اَحْجُرْ عَلَيْهِ وَ اِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ لَمْ يَتَصَرَّفْ فِيْهِ الْحَاكِمُ وَ لٰكِنْ يَحْبِسُهُ اَبَدًا حَتّٰى يَبِيْعَهُ فِي دَيْنِهِ وَ اِنْ كَانَ لَهُ دَرَاهِمُ وَ دَيْنُهُ دَرَاهِمُ قَضَاهُ الْقَاضِي بِغَيْرِ اَمْرِهِ وَ اِنْ كَانَ دَيْنُهُ دَرَاهِمُ وَ لَهُ دَنَانِيْرُ اَوْ عَلٰى ضِدِّ ذٰلِكَ بَاعَهَا الْقَاضِي فِي دَيْنِهِ وَ قَالَ اَبُويُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا طَلَبَ غُرَمَاءُ الْمُفْلِسِ بِالْحَجْرِ عَلَيْهِ حَجَرَ الْقَاضِي عَلَيْهِ وَ مَنَعَهُ مِنَ الْبَيْعِ وَ التَّصَرُّفِ وَ الْاِقْرَارِ حَتّٰى لاَ يَضُرَّ بِالْغُرَمَاءِ وَ بَاعَ مَالَهُ اِنِ امْتَنَعَ الْمُفْلِسُ مِنْ بَيْعِهِ وَ قَسَّمَهُ بَيْنَ غُرَمَائِهِ بِالْحِصَصِ فَاِنْ اَقَرَّ فِي حَالِ الْحَجْرِ بِاِقْرَارِ مَالٍ لَزِمَهُ ذٰلِكَ بَعْدَ قَضَاءِ الدُّيُوْنِ.

ترجمہ: اور امام اعظمؒ کا ارشاد ہے کہ میں قرضہ کے سبب غریب پر حجر نہیں کروں گا اور اگر کسی غریب نادار پر قرض ثابت ہو جائے اور اس کے قرض خواہ اس کے قید اور اس پر حجر کرنے کا مطالبہ کریں تو میں اس پر حجر نہیں کروں گا اور اگر اس کے پاس مال موجود ہے تو حاکم اس میں تصرف نہ کرے البتہ اس کو برابر قید رکھے یہاں تک کہ اپنا قرضہ ادا کرنے کے لئے اپنا مال فروخت کر دے اور اگر اس کے پاس دراہم ہوں اور اس کا قرض بھی دراہم ہوں تو قاضی اس کی اجازت کے بغیر ادا کر دے اور اگر اس کا قرض دراہم ہوں اور اس کے پاس دنانیر ہوں یا اس کے برعکس تو قاضی اس کو اس کے قرضہ میں فروخت کر دے اور صاحبین کا ارشاد ہے کہ اگر نادار کے قرض خواہ اس پر حجر کا مطالبہ کریں تو قاضی اس پر حجر کر دے اور اس کو بیع، تصرف اور اقرار سے روکے تا کہ قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو اور اس کے مال کو فروخت کر دے اگر مفلس اسے فروخت کرنے سے باز رہے اور اس کو قرض خواہوں کے درمیان حصوں کے اعتبار سے تقسیم کر دے اور اگر وہ بحالت حجر کسی مال کا اقرار کرے تو اسکو تمام قرضوں کی ادائیگی کے بعد لازم ہوگا۔

مفلس مدیون کے لئے حجر کے احکام

حل لغات: مفلس: نادار۔ دیون: دین کی جمع ہے، قرض۔ غرماء: یہ غریم کی جمع ہے، قرض خواہ۔ حبس: قید کرنا۔ ابدا: لمبا عرصہ، طویل مدت، برابر۔ حِصص: یہ حصّۃ کی جمع ہے۔

خلاصہ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک مفلس قرض دار پر صرف قرض کی بنیاد پر حجر اور پابندی نہیں لگائی جائے گی گرچہ قرض خواہ اس کا مطالبہ کریں (کیونکہ پابندی کا عائد کرنا اہلیت کو ختم کرتا ہے) اگر اس کے پاس مال موجود ہے تو قاضی کے لئے (مدیون کی حالت حیات میں) اس میں تصرف کا اختیار نہیں ہے البتہ قاضی کو چاہئے کہ اس کو ایک زمانہ تک قید رکھے تا کہ ادائیگی قرض کی خاطر اپنا مال فروخت کرے (کیونکہ ادائیگی قرض واجب ہے اور اس میں ٹال مٹول ظلم ہے تو رفع ظلم کے لئے قاضی مدیون کو قید کر سکتا ہے) اگر مدیون کے پاس موجودہ مال دراہم ہوں اور قرض بھی دراہم ہوں یا موجودہ مال اور قرض دنانیر ہوں تو (یعنی جنس ایک ہوں تو اس صورت میں بالاتفاق) قاضی مدیون کی اجازت کا انتظار کئے بغیر اور قرض خواہوں کی رعایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کو ادا کر سکتا ہے اور اگر مال دراہم ہوں اور فرس دینار ہوں یا اس کا برعکس یعنی مال دنانیر ہوں اور قرض دراہم ہوں تو اس صورت میں (امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استحساناً) قاضی ان کو فروخت کر کے قرض خواہوں کے قرض ادا کر دے (کیونکہ دراہم و دنانیر حکماً ایک ہی جنس کے ہیں کہ ہر دو نقد مال ہیں البتہ قیاس کی رو سے اس کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے جس طرح کہ اگر مال موجود اسباب و جائداد ہوں تو ان کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے) صاحبین فرماتے ہیں کہ قرض خواہوں کے مطالبہ کی بنیاد پر قاضی مدیون پر حجر کرے اور اس پر مال کے خرید و فروخت اور تصرف کرنے اور کسی غیر کے لئے مال کا اقرار کرنے پر پابندی عائد کر دے تا کہ قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو اور اگر مدیون ادائیگی قرض کے لئے مال فروخت کرنا نہیں چاہتا تو قاضی خود فروخت کر دے خواہ یہ مال اسباب و جائداد کیوں نہ ہوں اور قرض خواہوں کو ان کے قرض کے حساب سے ادا کر دے اور اگر پابندی کے دوران مدیون کسی غیر کے لئے مال کا اقرار کرے تو یہ مال مدیون پر سابق قرض خواہوں کے قرض کی ادائیگی کے بعد ہی لازم ہوں گے۔ (الجوہرہ

ج اص ۲۴۸-۲۴۹) فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (الصبح النوری ج اص ۳۴۰)

وَ يُنْفَقُ عَلَى الْمُفْلِسِ مِنْ مَالِهِ وَ عَلَىٰ زَوْجَتِهِ وَ اَوْلَادِهِ الصِّغَارِ وَ ذَوِى الْاَرْحَامِ فَاِنْ لَمْ يُعْرَفْ لِلْمُفْلِسِ مَالٌ وَطَلَبَ غُرَمَاءُهُ حَبْسَهُ وَ هُوَ يَقُوْلُ لَا مَالَ لِي حَبَسَهُ الْحَاكِمُ فِي كُلِّ دَيْنٍ لَزِمَهُ بَدَلًا عَنْ مَالٍ حَصَلَ فِي يَدِهِ كَثَمَنِ الْمَبِيْعِ وَ بَدَلِ الْقَرْضِ وَ فِي كُلِّ دَيْنٍ اِلْتَزَمَهُ بِعَقْدٍ كَالْمَهْرِ وَ الْكَفَالَةِ وَ لَمْ يَحْبِسْهُ فِيْمَا سِوَىٰ ذٰلِكَ كَعِوَضِ الْمَغْصُوْبِ وَ اَرْشِ الْجِنَايَاتِ اِلَّا اَنْ تَقُوْمَ الْبَيِّنَةُ بِاَنَّ لَهُ مَالٌ وَ يَحْبِسُهُ الْحَاكِمُ شَهْرَيْنِ اَوْ ثَلٰثَةَ اَشْهُرٍ سَالَ عَنْ حَالِهِ فَاِنْ لَمْ يَنْكَشِفْ مَالٌ خَلّٰى سَبِيْلَهُ وَ كَذٰلِكَ اِذَا قَامَ الْبَيِّنَةُ عَلَىٰ اَنَّهُ لَا مَالَ لَهُ وَ لَا يَحُوْلُ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ غُرَمَائِهِ بَعْدَ خُرُوْجِهِ مِنَ الْحَبْسِ وَ يُلَازِمُوْنَهُ وَ لَايَمْنَعُوْنَهُ مِنَ التَّصَرُّفِ وَ السَّفَرِ وَ يَاخُذُوْنَ فَضْلَ كَسْبِهِ وَ يُقَسِّمُ بَيْنَهُمْ بِالْحِصَصِ.

ترجمہ : اور مفلس (مدیون مجور) کے مال سے مفلس، اس کی بیوی، اس کے چھوٹے بچوں اور ذوی الارحام پر خرچ کیا جائے گا (جن کا خرچہ اسکے ذمہ لازم ہے) اور اگر (یہ) معلوم نہیں کہ مفلس کے پاس مال ہے اور اس کے قرض خواہ اس کو قید کرنے کا مطالبہ کریں اور وہ یہ بیان دے کہ میرے پاس مال نہیں ہے تو حاکم (کو چاہئے کہ) اس کو ہر اس قرض کی وجہ سے قید کردے (قید کرادے) جو اس پر کسی ایسے مال کے عوض لازم ہوا ہے جو مال کہ اس کے قبضہ میں آچکا ہے جیسے مبیع کی قیمت، بدل قرض، نیز ہر ایسے قرض کی وجہ سے (بھی اس کو قید کرادے) جو اس پر کسی عقد کی وجہ سے لازم ہوا ہے جیسے مہر، کفالہ۔ اور حاکم اس مفلس کو اس کے علاوہ صورتوں میں قید نہ کرے جیسے عوض، مغصوب اور جنایتوں کا تاوان، لیکن اگر اس بات کی شہادت قائم ہو جائے کہ اسکے پاس مال موجود ہے تو قاضی اسکو دو یا تین ماہ قید کرے اور اس کی حالت کے متعلق تحقیق کرتا رہے پس اگر (اس مدت کے درمیان) اس کے پاس مال کا سراغ نہ لگے تو حاکم اسکو رہا کردے اور اسی طرح حاکم (اس وقت بھی رہا کردے) جب کہ اس بات پر شہادت قائم ہو جائے کہ اس کے پاس مال نہیں ہے اور قاضی مفلس مدیون اور اس کے قرض خواہوں کے درمیان مفلس کے قید سے نکل جانے کے بعد حائل نہ ہو اور قرض خواہ اس کے پیچھے لگے رہیں لیکن اس کو تصرف اور سفر سے نہ روکیں اور یہ لوگ اس کی آمدنی سے جو بچے اس کو لیتے رہیں اور آپس میں بقدر حصہ تقسیم کرتے رہیں۔

مفلس مدیون مجور کے متفرق مسائل

حل لغات : بدل القرض: دراہم وغیرہ نقد جو بطور قرض لیا گیا ہو، اب اس کی ادائیگی بصورت بدل لازم ہوگی۔ المهر: اس موقع پر مہر سے مہر معجّل مراد ہے۔ كفالة: ضمانت لینا، غیر کے قرضہ کی ادائیگی اپنے ذمہ لینا۔ ارش: تاوان۔ البينة: شہادت، گواہی۔ خلی سبیله: چھوڑ دینا۔ يلازمون: ملازمت، پیچھا کرنا، تعاقب کرنا۔ فضل كسب: مراد یہ ہے کہ آمدنی میں سے اہل وعیال پر خرچ سے جو بچے۔

تشریح: اس پوری عبارت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مفلس مدیون جس پر پابندی عائد کی گئی ہے اگر اس سے قرض کی وصولیابی مشکل ہو تو قاضی وقت اپنی صوابدید پر چند ماہ تک قید کرسکتا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مفلس پر بیوی، اسکے چھوٹے بچے اور رشتہ داروں میں سے جن کا خرچ لازم ہے اسکو مفلس کے مال سے پورا کیا جائے اگر یہ شخص مقروض ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اس کے پاس مال ہے اور قرض خواہوں کا تقاضہ ہے کہ اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے اور مفلس ایک طرف یہ بیان دے کہ میرے پاس مال نہیں ہے کہ قرض ادا کرسکوں تو قاضی اس کو دو طرح کے قرضوں میں قید کرسکتا ہے (۱) ایسا قرض جو کسی کے مال پر قبضہ کرنے کی وجہ سے لازم ہوا ہو جیسے کسی سے کوئی چیز خریدی اور اس کی قیمت ادا نہیں کی یا کسی سے قرض لیا اور اس کو خرچ کردیا تو اس کا بدل یعنی بدل قرض (۲) ایسا قرض جو کسی عقد کی وجہ سے لازم ہوا ہو جیسے بیوی کا مہر معجّل کا قرض یا کفالت کی وجہ سے قرض لازم ہوگیا ہو اس کے علاوہ کسی اور صورت میں اس کو قید نہیں کیا جائے گا جیسے غصب کی ہوئی چیز خرچ کردی تو اس کا عوض یا جنایتوں کا تاوان (اس کی مثال کتاب الرہن میں گذر چکی ہے) اب اگر یہ شہادت مل گئی کہ اس کے پاس مال موجود ہے تو اس کی تحقیق کے لئے اس مدیون کو کب تک قید میں رکھا جائے گا اس میں اختلاف ہے۔ بعض فقیہ کی رائے دو ماہ کی ہے، بعض کی تین ماہ کی اور بعض کی چار ماہ سے چھ ماہ تک ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے کیونکہ بعض مجرم تو معمولی دھمکی سے راز فاش کردیتے ہیں اور بعض اتنے جری اور پختہ ارادہ ہوتے ہیں کہ اگر ان کو ایک طویل مدت تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا جائے جب بھی حقیقت کا انکشاف نہیں کرتے چونکہ قید کا مقصد مال کی برآمدگی ہے اس لئے یہ قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے کہ جب تک مناسب سمجھے اس کو قید میں رکھے۔ بہر حال اگر اس دورانِ قید مال کی موجودگی کا سراغ نہ مل سکے یا مال کی عدم موجودگی پر شہادت قائم ہوجائے تو دونوں صورتوں میں قاضی اس مدیون کو رہا کردے اور مدیون اور قرض خواہوں کے معاملہ میں نہ پڑے اور قرض خواہ اس کے پیچھے لگے رہیں اور تقاضا کرتے رہیں مگر اس کے تصرف اور سفر پر پابندی عائد نہ کریں البتہ مدیون جو دولت کمائے اور افرادِ خانہ پر خرچ کے بعد جو بچے قرض خواہ اس کو لے کر اپنے حصوں کے مطابق باہم تقسیم کرلیا کریں، بہرکیف قرض خواہوں کو چاہئے کہ اس نادار قرضدار کے لئے دشواری کا باعث نہ بنیں بلکہ بآسانی قرضہ وصول کریں اسئے ارشاد باری ہے "وان کان ذو عُسرة فنظرةٌ الی مَیسرة"۔

اس موقع پر یہ واضح رہے کہ اس قیدی کو کسی بھی ضرورت کے لئے قید خانہ سے باہر آنے کی اجازت نہیں ہے خواہ ضرورت شرعی ہو یا غیر شرعی، یہاں تک کہ ماہ رمضان، عیدین، جمعہ، فرض نماز، حج اور نمازِ جنازہ کے لئے بھی باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے البتہ بعض کے نزدیک اتنی گنجائش ہے کہ والدین، اجداد، جدات اور اولاد کے جنازہ کے لئے نکل سکتا ہے بشرطیکہ اپنا کوئی ضمانتی پیش کرے فتویٰ اسی قول ہے۔ (الجوہرہ ج۱ص۲۴۹) صاحبین کا مسلک اگلی عبارت میں آرہا ہے۔

ویلازمونہ: قدوری کے بعض نسخوں میں "لایلازمونہ" لاء نافیہ کے ساتھ ہے جو بالکل غلط ہے۔

وَ قَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا اَفْلَسَهُ الحَاکِمُ حَالَ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ غُرَمَائِهٖ اِلَّا اَنْ یُقِیمُوا البَیِّنَةَ اَنَّهٗ قَدْ حَصَلَ لَهٗ مَالٌ وَ لَا یُحْجَرُ عَلَی الفَاسِقِ اِذَا کَانَ مُصْلِحًا لِمَالِهٖ وَ

الفِسقُ الاَصلِی وَالطَّارِی سَوَاءٌ وَ مَنْ اُفْلِسَ وَ عِندَهٗ مَتَاعٌ لِرَجُلٍ بِعَینِهٖ اِبْتَاعَهٗ مِنْهُ فَصَاحِبُ المَتَاعِ اُسْوَۃٌ لِلغُرَمَاءِ فِیْهِ.

ترجمہ : اور امام ابو یوسفؒ ومحمدؒ نے فرمایا کہ جب حاکم نے اسکو مفلس قرار دیدیا تو اب قاضی مفلس اور اس کے قرض خواہوں کے درمیان حائل ہو (تاکہ قرض خواہ ہر وقت تقاضا نہ کریں) الا یہ کہ قرض خواہ اس بات پر شہادت قائم کردے کہ اس کے پاس مال ہے (تو اب یہ لوگ مطالبہ کرسکتے ہیں) اور فاسق پر حجر نہیں کیا جائے گا جب کہ وہ اپنے مال کا خیال کرنے والا ہو اور فسق اصلی اور فسق طاری (دونوں) برابر ہیں اور جو شخص مفلس ہوگیا اور اس کے پاس کسی شخص کا سامان بعینہٖ موجود ہے جس کو اس نے اس شخص سے خریدا تھا تو مالک سامان (احناف کے نزدیک) دیگر قرض خواہوں کے برابر ہے۔

حل لغات : فلس: القاضی فلاناً، کسی کے دیوالیہ ہونے کا حکم لگانا، کسی کے غریب ہونے کا حکم لگانا۔ الطاری: عارضی۔ الفسق الطاری: وہ فسق جو بلوغت کے بعد عارض ہوا ہو۔ اسوۃ: برابر۔

تشریح : **وقال ابویوسف ...... له مال:** جب حاکم نے مدیون پر مفلس کا حکم لگادیا تو اب صاحبین کے مسلک کے مطابق قاضی کو چاہئے کہ مفلس مدیون اور قرض خواہوں کے درمیان حائل ہو تاکہ قرض خواہ مطالبہ نہ کریں لیکن اگر قرض خواہوں نے مفلس کے پاس مال کی موجودگی کے شواہد پیش کردیئے تو اب یہ لوگ مطالبہ کرنے کے مجاز ہو جائیں گے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسی کے حق میں مفلس کا فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ آنے جانے والی شئی ہے آج ہے کل نہیں ہے۔

ولا یحجر علی الفاسق ...... سواء: احناف کے نزدیک فاسق پر حجر نہیں لگایا جائے گا، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک زجر و توبیخ کے پیش نظر فاسق کو تصرف سے روکا جائے گا اور اس سلسلے میں فسق اصلی اور عارضی فسق سب برابر ہے۔

ومن اُفلس الخ: اگر ایک شخص پر مفلس کا حکم لگادیا گیا اور کسی شخص سے خریدی ہوئی چیز اس کے پاس جوں کی توں موجود ہے تو احناف کے نزدیک مالک سامان کے لئے سامان کے متعلق وہی حکم ہوگا جو سابق قرض خواہوں کے لئے ہے یعنی دیگر قرض خواہوں کی طرح یہ بھی قرض خواہ کی حیثیت سے رہے گا عقد ناسخ نہیں کرسکتا مگر شرط یہ ہے کہ حکم افلاس مال پر قبضہ کے بعد لگایا گیا ہو اور امام شافعیؒ کے نزدیک مالک سامان کو فسخ عقد کا اختیار رہے کیونکہ وہ شخص اپنی چیز کا حقدار ہے۔

کتاب الاقرار

اقرار کا بیان

اقرار: یہ بابِ افعال کا مصدر ہے ثابت کرنا۔ جب کوئی چیز ثابت ہوجاتی ہے تو اس کے لئے قرَّ الشئ بولتے ہیں اور جب کسی غیر کے لئے کوئی چیز ثابت کی جاتی ہے تو اس کے لئے اقرَّ بولتے ہیں۔ اقرَّ بالحق مان لینا، اقرار کرنا۔ اور اصطلاحی طور پر اپنی ذات پر کسی دوسرے شخص کے حق کے واجب کی اطلاع دینے کو اقرار کہتے ہیں۔

کتاب الاقرار کو کتاب الحجر کے بعد اس لئے ذکر کیا گیا کہ حجر کے بعض مسائل کا تعلق اقرار سے ہے۔

اقرار کا ثبوت کتاب وسنت اور اجماع تینوں سے ہے۔ کتاب اللہ سے ثبوت ارشاد ربانی ہے "وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ" (ترجمہ: اور وہ شخص لکھوا دے جس کے ذمہ حق واجب ہو) اگر اقرار حجت نہ ہوتا تو اس حکم کے کوئی معنی نہ تھے۔
سنت سے ثبوت: حضرت ماعز اسلمیؓ نے جب زنا کا اقرار کرلیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم فرمایا۔ اجماع سے ثبوت: عہد نبوی سے لے کر آج تک امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب مقر اقرار کر لیتا ہے تو حدود وقصاص ثابت ہو جاتے ہیں تو اقرار سے مال کا ثبوت بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔

اقرار کرنے والے کو مقر اور جس کے لئے اقرار کیا گیا اس کو مقر لہ اور جس چیز کا اقرار کیا گیا اس کو مقر بہ کہتے ہیں۔ ہم ذیل میں اقرار کا رکن، شرائط، حکم اور مقر بہ کے اقسام بیان کر رہے ہیں اس کے بعد اصل بحث کو شروع کریں گے۔

اقرار کا رکن: مقر ان الفاظ میں کہے "لفلانٍ علیَّ کذا" فلاں کا مجھ پر اتنا درہم ہے، یا یوں کہے "لفلانٍ قبلی کذا" فلاں کا میری طرف اتنا درہم ہے۔ مقر کا اس طرح بیان کرنا اقرار کہلاتا ہے کیونکہ "علیٰ" از روئے لغت کلمۂ ایجاب ہے۔

شرائط اقرار: مقر عاقل ہو، بالغ ہو، ان دونوں پر سب کا اتفاق ہے۔ آزاد ہونا بعض چیزوں کے اقرار میں شرط ہے اور بعض میں شرط نہیں ہے۔ رضامندی، جس پر زبردستی کی گئی اس کا اقرار صحیح نہیں ہے۔ ایک مخصوص شرط یہ بھی ہے کہ مقر بہ ایسی چیز ہو جس کا مقر لہ کو سپرد کرنا واجب ہو خواہ بعینہ اس کا سپرد کرنا ہو مثلاً اپنے قبضہ کی کسی معین چیز کا کسی دوسرے کے لئے اقرار کرلیا یا اس کے مثل کا سپرد کرنا ہو مثلاً اپنے ذمہ کسی قرض کا اقرار کیا۔ **حکم اقرار**: مقر بہ کا ظہور ہو۔

اقسام مقر بہ: اس کی دو قسمیں ہیں (۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد۔

(تحفۃ الفقہاء ج ۳ ص ۱۹۳-۱۹۴، عالمگیری ج ۴ ص ۱۵۶، الجوہرہ ج ۱ ص ۲۵۲)

وَ اِذَا اَقَرَّ الحُرُّ البَالِغُ العَاقِلُ بِحَقٍ لَزِمَهُ اِقْرَارُهُ مَجْهُوْلاً كَانَ مَا اَقَرَّ بِهِ اَوْ مَعْلُوْمًا وَ يُقَالُ لَهُ بَيِّنِ المَجْهُوْلَ فَاِنْ لَمْ يُبَيِّنْ اَجْبَرَهُ الحَاكِمُ عَلىٰ البَيَانِ فَاِنْ قَالَ لِفُلَانٍ عَلَيَّ شَيْءٌ لَزِمَهُ اَنْ يُبَيِّنَ مَا لَهُ قِيمَةٌ وَ القَوْلُ فِيهِ قَوْلُهُ مَعَ يَمِينِهِ اِنِ ادَّعىٰ المُقِرُّ لَهُ اَكْثَرَ مِنْهُ.

ترجمہ: اور اگر کسی آزاد، بالغ، عاقل شخص نے کسی حق کا اقرار کیا تو وہ حق اقرار کرنے والے کو لازم ہو جائے گا جس چیز کا اقرار کیا وہ چیز مجہول ہو یا معلوم اور (اگر وہ چیز مجہول ہے تو) اس سے کہا جائے گا کہ مجہول کو بیان کرو، اگر یہ شخص بیان نہ کرے تو اس کو بیان کرنے پر مجبور کرے اگر مقر نے کہا کہ فلاں کی مجھ پر ایک چیز ہے تو اس پر واجب ہے کہ یہ وضاحت کرے کہ اس چیز کی قیمت کیا ہے اور جو اس نے وضاحت کی ہے اس میں اس کا قول بحلف معتبر ہوگا اگر مقر لہ نے اس قیمت سے زائد کا دعویٰ کیا ہو۔

خلاصہ: صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک عاقل، بالغ، آزاد شخص نے (اپنی خوشی اور رضامندی سے) کسی کے حق کا اقرار کرلیا تو اس کا اقرار صحیح ہے خواہ مقر بہ کو لاعلم رکھے یا بیان کرے (کیونکہ مقر بہ کا مجہول ہونا اقرار کے لئے مضر نہیں ہے) البتہ مقر بہ کی عدم وضاحت کی صورت میں مقر سے کہا جائے گا کہ اس کو بیان کرے اور اگر بیان سے پہلو تہی

کرتا ہے تو حاکم اس کو بیان کرنے پر جبر کرے چنانچہ اگر مقر نے کہا لفلانٍ علی شئی یعنی میرے ذمہ فلاں کا کچھ ہے تو ایسی صورت میں اس پر واجب ہے کہ کسی قیمتی چیز کو بیان کرے (گو اس کی قیمت کم ہو کیونکہ بلا قیمت والی چیز کے بیان کرنے کی صورت میں اقرار صحیح نہیں ہوگا مثلاً گیہوں کا ایک دانہ، کیونکہ اس صورت میں اقرار سے رجوع کرنا لازم آئے گا) اور مقر نے اس شئی کی جو قیمت بیان کی ہے اس سلسلے میں اسی کا قول معتبر ہوگا البتہ اگر مقرلہ بیان کردہ قیمت سے زائد کا دعویٰ کرے تو اس صورت میں مقر کو حلفیہ بیان دینا پڑے گا ورنہ اس کی بیان کردہ قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

وَ اِذَا قَالَ لَهُ عَلَيَّ مَالٌ فَالْمَرْجِعُ فِي بَيَانِهِ اِلَيْهِ وَ يُقْبَلُ قَوْلُهُ فِي الْقَلِيْلِ وَ الْكَثِيْرِ فَاِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ مَالٌ عَظِيْمٌ لَمْ يُصَدَّقْ فِي اَقَلِّ مِنْ مِائَتَي دَرَاهِم وَ اِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ دَرَاهِمُ كَثِيْرَةٌ لَمْ يُصَدَّقْ فِي اَقَلِّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ فَاِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ دَرَاهِمُ فَهِيَ ثَلَاثَةٌ اِلَّا اَنْ يُبَيِّنَ اَكْثَرَ مِنْهَا وَ اِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ كَذَا كَذَا دِرْهَمًا لَمْ يُصَدَّقْ فِي اَقَلِّ مِنْ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا وَ اِنْ قَالَ كَذَا وَ كَذَا دِرْهَمًا لَمْ يُصَدَّقْ فِي اَقَلِّ مِنْ اَحَدٍ وَّ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا.

ترجمہ: اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کا میرے ذمہ مال ہے تو (مقدارِ) مال کے بیان میں اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا اور مقدار کے قلیل وکثیر میں اسی کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر اس نے (اس طرح) کہا کہ فلاں کا میرے ذمہ مال عظیم ہے تو دو سو دراہم سے کم میں اس کے قول کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور اگر اس نے (اس طرح) کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ بہت سے دراہم ہیں تو دس دراہم سے کم میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور اگر اس نے کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ دراہم ہیں تو یہ تین درہم شمار ہوں گے الا یہ کہ اس سے زائد بیان کردے اور اگر اس نے کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ اتنے اتنے دراہم ہیں تو گیارہ درہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی اور اگر اس نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر اتنے اور اتنے درہم ہیں تو اکیس دراہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

اقرار کے احکام کا بالتفصیل بیان

تشریح: اس پوری عبارت میں اقرار کی چھ شکلوں کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱) واذا قال ...... والکثیر: مال میں اجمال ہے اسلئے بیان کی ضرورت ہے، اسلئے اس مسئلہ میں مطلق بیان کی صورت میں مقر سے کہا جائے گا کہ مال کی مقدار کو بیان کرے اور کم وبیش جو بھی مقدار بیان کرے گا اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

(۲) فان قال ...... دراھم: مسئلہ کی اس صورت میں مقر نے عظیم کو مال کی صفت بنایا ہے جس کو لغو نہیں کیا جا سکتا اور نصاب کی مقدار دو سو دراہم ہیں اس لئے اگر مقر کہتا ہے کہ فلاں کا مجھ پر مال عظیم ہے تو دو سو دراہم سے کم میں اس کی تصدیق کرنی صحیح نہیں ہے، یہی قول اصح ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت کے مطابق مالِ عظیم کہنے کی کئی صورت ہیں دس دراہم سے کم میں اس کی تصدیق نہیں ہوگی، کیونکہ نصاب سرقہ دس دراہم ہیں اور اس کا شمار مالِ عظیم میں ہے چنانچہ اسی وجہ سے قابل احترام عضو (ہاتھ) کاٹ دیا جاتا ہے۔ (الجوہرہ ج ۱ ص ۲۵۲-۲۵۳).

(۳) وان قال ...... عشرة دراهم: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر مقر کہتا ہے کہ میرے ذمہ فلاں شخص کے کثیر دراہم ہیں تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دس دراہم لازم ہوں گے کیونکہ دراہم درہم کی جمع ہے، اور جمع قلت کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ دس پر ہوتا ہے اور یہ عدد جمع کثرت کا ادنیٰ درجہ ہے چنانچہ کہا جاتا ہے عشر دراهم اس کے بعد کہتے ہیں احد عشر درهما تو دس کا عدد من حیث العدد اکثر کہلائے گا، لیکن صاحبین کے نزدیک دوسو دراہم سے کم کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ شرعی طور پر مکثر اور دولت مند وہی شخص کہلاتا ہے جو صاحب نصاب ہو اور اس کی مقدار دوسو دراہم ہیں کہ جن کے ذریعہ انسان غریب سے امیر اور دولت مند ہو جاتا ہے۔ (الجوہرہ ج۱ص۲۵۳)

(٤) فان قال له ...... اکثر منها: اگر مقر کہتا ہے کہ میرے ذمہ فلاں کے درہم ہیں تو تین دراہم شمار ہوں گے کیونکہ جمع قلت کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے ہاں اگر اس سے زیادہ بیان کرتا ہے تو جو بھی زائد ہوگا وہ لازم آئے گا۔

(٥) وان قال له علی ...... درهمًا: اگر مقر کہتا ہے کہ علی کذا درہماً تو قول معتمد کے مطابق صرف ایک درہم لازم ہوگا کیونکہ لفظ درہم عدد مبہم کو واضح کر رہا ہے اور اگر کذا کو مکرر کرتے ہوئے بلا حرف عطف کے کہتا ہے یعنی کذا کذا درہماً تو اس صورت میں گیارہ درہم لازم ہوں گے لیکن اگر حرفِ عطف کے ساتھ کہتا ہے یعنی کذا وکذا درہماً تو اس صورت میں اکیس درہم واجب ہوں گے کیونکہ پہلی صورت میں دو عدد مبہم (کذا کذا) بلا حرف عطف ذکر کیا گیا ہے اس کا زیادہ سے زیادہ عدد انیس تک ہے مگر یہاں کم ہی مقدم ہے کیوں کہ اسی کا یقین ہے۔ اور دوسری صورت میں دو عدد مبہم کو حرفِ عطف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور دونوں کو ایک اسم بنادیا گیا اور اس کا کم سے کم مصداق اکیس درہم ہے اور اس کا زیادہ سے زیادہ عدد انتیس تک ہے مگر یہاں کم ہی لازم ہے کیونکہ اسی کا یقین ہے۔ (بدائع الصنائع ج۴ص۲۲۲-الجوہرہ ج۱ص۲۵۳-۲۵۴)

(٦) وان قال كذا و كذا درهمًا الخ: اس صورت کو پانچویں صورت کے تحت بیان کر دیا گیا ہے۔

وَ اِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ اَوْ قِبَلِي فَقَدْ اَقَرَّ بِدَيْنٍ وَ اِنْ قَالَ لَهٗ عِنْدِيْ اَوْ مَعِيَ فَهُوَ اِقْرَارٌ بِاَمَانَةٍ فِي يَدِهٖ وَ اِنْ قَالَ لَهٗ رَجُلٌ لِي عَلَيْكَ اَلْفُ دِرْهَمٍ فَقَالَ اِتَّزِنْهَا اَوِ انْتَقِدْهَا اَوْ اَجِّلْنِي بِهَا اَوْ قَدْ قَضَيْتُكَهَا فَهُوَ اِقْرَارٌ وَ مَنْ اَقَرَّ بِدَيْنٍ مُؤَجَّلٍ فَصَدَّقَهُ الْمُقَرُّ لَهٗ فِي الدَّيْنِ وَ كَذَّبَهٗ فِي التَّاجِيْلِ لَزِمَهُ الدَّيْنُ حَالًا وَ يُسْتَحْلَفُ الْمُقَرُّ لَهٗ فِي الْاَجَلِ.

ترجمہ: اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر یا میری طرف ہیں تو اس نے دین کا اقرار کیا اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے میرے پاس یا میرے ساتھ ہیں تو یہ امانت کا اقرار ہے جو اس کے قبضہ میں موجود ہے اور اگر کسی نے اس سے کہا تیرے ذمہ میرے ایک ہزار درہم ہیں تو اس کے جواب میں کہا کہ تو اس کو وزن کرلے یا اس کو پرکھ لے یا تو مجھ کو اس میں کچھ مہلت دے یا (کہے کہ) میں نے تجھ کو دیدیا ہے تو یہ اقرار ہے اور جس نے دین مؤجل کا اقرار کیا اور مقر لہ نے دین (معجل) میں اس کی تصدیق کردی اور مؤجل دین کی تکذیب کردی تو اس کو دین فی الحال لازم ہوگا اور تاجیل کے متعلق مقر لہ سے قسم لی جائے گی۔

تشریح: اس عبارت میں اقرار کی چار صورتوں کو بیان کیا گیا ہے جس میں اقرار دین اور اقرار امانت کا تذکرہ ہے۔

(۱) وان قال له ...... بدین : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر مقر کہتا ہے کہ فلاں کے میرے ذمہ یا میری جانب ہیں تو اس صورت کو دین اور قرض کا اقرار کہا جائے گا کیونکہ ''علی'' کلمہ ایجاب ہے اور قبلی ضمان پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جس طرح کفالۃ ضمان کو کہتے ہیں اسی طرح قبالۃ بھی ضمان کو کہتے ہیں۔ (الجوہرہ ج ۱ ص ۲۵۴)

(۲) وان قال له عندی ...... بامانة فی یده: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر مقر کہتا ہے کہ فلاں کے میرے پاس یا میرے ساتھ ہیں تو اب اس کے ہاتھ میں جو کچھ موجود ہے اس کو امانت کہا جائے گا اور اس کا اقرار اقرار امانت کہلائے گا کیونکہ عندی اور معی امانت پر دلالت کرتے ہیں گویا مقر اپنے قبضہ کی موجودہ شئی کا ضامن ہے۔

(مصباح القدوری ج ۲ ص ۱۰)

(۳) وان قال له ...... فهو اِقرارٌ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے حامد سے کہا کہ میرا تمہارے ذمہ ایک ہزار درہم ہے اور حامد نے کہا تم اس کو وزن کرلو یا پرکھ لو یا تم مجھے اس کی مہلت دو یا میں نے تم کو دیدیا ہے تو ان تمام صورتوں میں حامد کی طرف سے ایک ہزار درہم کا اقرار ہے کیونکہ ان مذکورہ صورتوں میں ضمیر ھاء، الف (ہزار) کی طرف راجع ہے اس لئے حامد کا کلام اس شخص کے کلام کا جواب ہوگا گو جداگانہ کلام نہیں ہوگا، لیکن اگر حامد مذکورہ جملوں کو بلاضمیر ھاء کے استعمال کرتا تو اس کو الگ کلام کہا جاتا اور کچھ واجب نہ ہوتا۔

(٤) ومن اقر بدین مؤجّل الخ: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے دین مؤجل کا اقرار کیا مگر مقرلہ کا دین معجل کا دعویٰ ہے تو مقر پر دین معجل ہی لازم ہوگا البتہ مقرلہ سے دین کی مدت متعین نہ ہونے پر قسم لی جائے گی کیونکہ مقر نے غیر کے لئے حق کا اقرار کے ساتھ ساتھ اپنے واسطے تاجیل کا دعویٰ کیا یعنی اس صورت میں مقر کے بیان کی تصدیق نہیں کی جائے گی بلکہ مقرلہ کے قول کا اعتبار ہوگا۔

وَ مَنْ اَقَرَّ بَدَیْنٍ وَ اسْتَثْنٰی شَیْئًا مُتَّصِلاً بِاِقْرَارِهٖ صَحَّ الِاسْتِثْنَاءُ لَزِمَهُ الْبَاقِی سَوَاءٌ اِسْتَثْنَی الْاَقَلَّ اَوِ الْاَکْثَرَ فَاِنِ اسْتَثْنَی الْجَمِیْعَ لَزِمَهُ الْاِقْرَارُ وَ بَطَلَ الِاسْتِثْنَاءُ وَ اِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ مِائَةُ دِرْهَمٍ اِلَّا دِیْنَارًا اَوْ اِلَّا قَفِیْزَ حِنْطَةٍ لَزِمَهٗ مِائَةُ دِرْهَمٍ اِلَّا قِیْمَةَ الدِّیْنَارِ اَوِ الْقَفِیْزِ وَ اِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ مِائَةٌ وَ دِرْهَمٌ فَالْمِائَةُ کُلُّهَا دَرَاهِمُ وَ اِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ مِائَةٌ وَ ثَوْبٌ لَزِمَهٗ ثَوْبٌ وَاحِدٌ وَ الْمَرْجَعُ فِی تَفْسِیْرِ الْمِائَةِ اِلَیْهِ.

ترجمه : اور جس شخص نے کسی دین کا اقرار کیا اور متصلاً اپنے اقرار سے کسی چیز کا استثناء کردیا تو یہ استثناء صحیح ہوگا اور باقی اس کو لازم آئے گا خواہ کم کا استثناء کرے یا زیادہ کا اور اگر اس نے تمام کا استثناء کردیا تو اس کو اقرار لازم ہوجائے گا اور استثناء باطل ہوجائے گا اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کا میرے ذمہ سو درہم ہیں مگر ایک دینار یا سو درہم ہیں مگر ایک قفیز گیہوں تو اس کو سو درہم لازم ہوں گے البتہ ایک دینار یا ایک قفیز گیہوں کی قیمت لازم نہ ہوگی اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ سو اور درہم ہیں تو پورے ایک سو درہم لازم ہوں گے اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر سو اور کپڑے ہیں تو اس کو

... ہوگا اور سو کی تفسیر میں اسی کی طرف رجوع ہوگا۔

استثناء اور ہم معنی استثناء کا تذکرہ

تشریح : اس عبارت میں چار صورتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۱) **ومن اقر بدين ...... بطل الاستثناء** : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر مقر نے دین کا اقرار کیا اور اس نے کسی چیز کا استثناء کر دیا تو اس کا استثناء صحیح ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ کلام میں اتصال ہو انفصال نہ ہو لہٰذا اگر کلام میں اتصال موجود ہے تو استثناء صحیح قرار دیا جائے گا اور مابقیہ چیزیں لازم ہوں گی خواہ استثناء قلیل کا ہو یا کثیر کا اور بالاتفاق تمام کا استثناء باطل ہے اور اس صورت میں تمام اقرار کردہ چیزیں لازم ہوں گی، اکثر کے استثناء کے متعلق ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، حضرات طرفین اور اکثر علماء کے نزدیک اکثر کا استثناء کرنا صحیح ہے، امام ابو یوسفؒ امام زفر اور فراء نحوی کے نزدیک اکثر کا استثناء باطل ہے لہٰذا اقرار کردہ تمام اشیاء لازم ہوں گی۔ (الجوہرہ ج ۱ ص ۲۵۵ - الصبح النوری ج ۱ ص ۳۴۶)

(۲) **وان قال ...... او القفيز** : اصل بحث سے پہلے یہ ضابطہ ذہن میں رکھیں کہ استثناء اگر مستثنیٰ منہ کے جنس کے غیر سے کیا جا رہا ہے اور ایسی چیز کا استثناء کیا جا رہا ہے جو ذمہ میں فی نفسہ ثابت نہیں ہوتی ہے جیسے کپڑا، بکری وغیرہ تو اس کا استثناء صحیح نہیں ہے اور اگر ایسی چیز کا استثناء کیا جا رہا ہے جو ذمہ میں فی نفسہ ثابت ہوتی ہے جیسے مکیلات، موزونات اور عددی متقارب وغیرہ تو اس کا استثناء کرنا صحیح ہے اگر چہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کے جنس کا غیر ہو۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے فی نفسہ ذمہ میں ثابت ہونے والی اشیاء یعنی مکیلات، موزونات اور عددی متقارب کا استثناء کیا مثلاً مقر نے کہا "له علىّ مائة درهم الا دينارًا، الا قفيز حنطة" تو شیخین کے نزدیک یہ استثناء استحساناً درست ہے اور مقر کو سو درہم لازم ہوں گے اور دینار یا قفیز کی قیمت لازم نہیں ہوگی۔ اور اگر استثناء ایسی چیز کا کیا جو فی نفسہ ذمہ میں ثابت نہیں ہوتی ہے یعنی کپڑا اور بکری کا استثناء کیا۔ مثال کے طور پر مقر نے کہا "له علىّ مائة درهم الا شاةً" تو شیخین کے نزدیک یہ استثناء درست نہیں ہے۔ امام محمدؒ اور امام زفر کے نزدیک دونوں صورتوں میں استثناء درست نہیں ہے اور قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے اور امام مالکؒ وشافعیؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں استثناء درست ہے۔ (الجوہرہ ج ۱ ص ۲۵۵ - ۲۵۶، الصبح النوری ج ۱ ص ۳۴۷)

(۳) **وان قال له ...... دراهم** : اگر مقر کہتا ہے کہ مجھ پر فلاں کے سو اور ایک درہم ہیں تو اس مقر پر تمام دراہم میں سے ایک سو ایک درہم واجب ہوں گے اسی طرح اگر دنانیر، مکیلات اور موزونات کا تذکرہ کیا تو یہ بھی اسی انداز سے لازم ہوں گے۔ قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ مائة کی تفسیر مقر پر چھوڑ دی جاتی جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں مگر استحساناً ایسا نہیں کیا گیا کیونکہ حسب عادت لفظ درہم، مائة کا بیان ہوتا ہے (الجوہرہ ج ۱ ص ۲۵۶) اور ایسا کثرتِ استعمال کے باعث ہے۔

(٤) **وان قال له علی مائة وثوب الخ** : اگر مقر کہتا ہے کہ فلاں کا مجھ پر ایک سو اور کپڑا ہے تو اس صورت میں مقر پر ایک کپڑا لازم آئے گا اور مائة کی تفسیر مقر پر چھوڑ دی جائے گی کیونکہ ثوب اور غیر مکیلی اور غیر موزونی اشیاء کا استعمال بکثرت نہیں ہے۔ (حوالہ سابق)

وَ مَنْ اَقَرَّ بِحَقٍّ وَ قَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی مُتَّصِلاً بِاِقْرَارِہٖ لَمْ یَلْزَمْہُ الْاِقْرَارُ وَ مَنْ اَقَرَّ وَ شَرَطَ الْخِیَارَ لِنَفْسِہٖ لَزِمَہُ الْاِقْرَارُ وَ بَطَلَ الْخِیَارُ وَ مَنْ اَقَرَّ بِدَارٍ وَ اسْتَثْنٰی بِنَاءَ ھَا لِنَفْسِہٖ فَلِلْمُقَرِّ لَہُ الدَّارُ وَ الْبِنَاءُ جَمِیْعًا وَ اِنْ قَالَ بِنَاءُ ھٰذِہِ الدَّارِ لِیْ وَ الْعَرْصَۃُ لِفُلَانٍ فَھُوَ کَمَا قَالَ.

ترجمہ : اور جس شخص نے کسی حق کا اقرار کیا اور اقرار کے ساتھ متصلاً انشاء اللہ کہا تو اس کو اقرار لازم نہیں آئے گا اور جس شخص نے اقرار کیا اور اپنے لئے خیار کی شرط کیا تو اس کو اقرار لازم ہوگا اور خیار باطل ہوگا اور جس شخص نے کسی گھر کا اقرار کیا اور اپنی ذات کے لئے اس کی عمارت کا استثناء کیا تو مکان اور عمارت سب مقرلہ کا ہوگا اور اگر مقر نے کہا کہ اس کی مکان کی عمارت میرے لئے ہے اور صحن فلاں کا ہے تو یہ اس کے بیان کے مطابق ہوگا۔

تشریح : اس عبارت میں بھی مذکورہ بالا کی طرح اقرار استثنائی کی چار صورتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۱) و من اقر ...... الاقرار: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر مقر کسی کے حق کا اقرار کرتا ہے اور ساتھ ہی انشاء اللہ کہتا ہے مثلاً فلاں کا مجھ پر سو درہم ہے انشاء اللہ تو اس صورت میں مقر کو اقرار لازم نہیں آئے گا کیونکہ مشیت الٰہی کے استثناء کے ساتھ اقرار یا تو حکم کو اس کے انعقاد سے قبل باطل کرنا مقصود ہوتا ہے یا حکم کو معلق کرنا مقصود ہوتا ہے اور دونوں صورتوں میں اقرار باطل ہوگا۔ اول کا بطلان واضح ہے اور تعلیق اس لئے باطل ہے کہ اقرار کے اخبار کی قبیل سے ہونے کی وجہ سے اس میں تعلیق بالشرط کا احتمال نہیں ہے۔ (ہدایہ ج ۳، فتح القدیر ج اص ۳۳۳)

(۲) ومن اقر ...... بطل الخیار: اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ کسی نے قرض، غصب، یا ودیعت یا عاریت کا اقرار کیا اس شرط کے ساتھ کہ اسکو تین یوم کا اختیار ہے تو اس صورت میں اقرار لازم ہوگا البتہ اختیار باطل ہوگا خواہ مقرلہ اس کی تصدیق کرے یا تکذیب کیونکہ اختیار فسخ عقد کے لئے ہوتا ہے اور اقرار فسخ نہیں ہوتا۔ (الجوہرہ ج اص ۲۵۷)

(۳) ومن اقر بدارٍ ...... جمیعًا: اگر مقر کسی کے لئے مکان کا اقرار کرتا ہے لیکن اس کی عمارت کا مستثنیٰ کرتا ہے تو استثناء صحیح نہیں ہوگا بلکہ مکان اور عمارت دونوں مقر کے لئے ہیں کیونکہ عمارت مکان میں داخل ہے۔

(٤) وان قال الخ: اور اگر مقر کہتا ہے کہ اس مکان کی عمارت میرے لئے اور اس کا صحن فلاں کے لئے ہے تو اس صورت میں استثناء صحیح ہوگا کیونکہ صحن زمین کا وہ ٹکڑا ہے جس میں عمارت نہ ہو اس لئے یہ دار میں داخل نہیں ہے۔

(ہدایہ ج ۳ - الجوہرہ ج اص ۲۵۷)

وَ مَنْ اَقَرَّ بِتَمَرٍ فِیْ قَوْصَرَۃٍ لَزِمَہُ التَّمَرُ وَ الْقَوْصَرَۃُ وَ مَنْ اَقَرَّ بِدَابَّۃٍ فِیْ اَصْطَبْلٍ لَزِمَہُ الدَّابَّۃُ خَاصَّۃً وَ اِنْ قَالَ غَصَبْتُ ثَوْبًا فِیْ مِنْدِیْلٍ لَزِمَاہُ جَمِیْعًا وَ اِنْ قَالَ لَہٗ عَلَیَّ ثَوْبٌ فِیْ ثَوْبٍ لَزِمَاہُ جَمِیْعًا وَ اِنْ قَالَ لَہٗ عَلَیَّ ثَوْبٌ فِیْ عَشَرَۃِ اَثْوَابٍ لَمْ یَلْزَمْہُ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ اِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ یَلْزَمُہٗ اَحَدَ عَشَرَ ثَوْبًا وَ مَنْ اَقَرَّ بِغَصْبِ ثَوْبٍ وَ جَاءَ بِثَوْبٍ مَعِیْبٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُہٗ فِیْہِ مَعَ یَمِیْنِہٖ وَ کَذَالِکَ لَوْ اَقَرَّ بِدَرَاھِمَ وَ قَالَ ھِیَ زُیُوْفٌ

وَ اِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ خَمْسَةٌ فِي خَمْسَةٍ يُرِيْدُ بِهِ الضَّرْبَ وَ الْحِسَابَ لَزِمَهُ خَمْسَةٌ وَاحِدَةٌ وَ اِنْ قَالَ اَرَدْتُ خَمْسَةً مَعَ خَمْسَةٍ لَزِمَهُ عَشَرَةٌ.

ترجمہ: اور جس شخص نے ٹوکری میں کھجور کا اقرار کیا تو اس کو کھجور اور ٹوکری (دونوں) لازم ہوگی۔ اور جس شخص نے اصطبل میں کھوڑے کا اقرار کیا تو اس پر صرف کھوڑا لازم ہوگا اور اگر اس نے کہا کہ میں نے رومال میں کپڑا غصب کیا تو اس کو دونوں لازم ہوں گے اور اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر کپڑے میں کپڑا ہے تو اس کو دونوں لازم ہوں گے اور اگر اس نے کہا کہ فلاں کا مجھ پر دس کپڑوں میں ایک کپڑا ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کو صرف ایک کپڑا لازم ہوگا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس کو گیارہ کپڑے لازم ہوں گے اور جس شخص نے کپڑے غصب کرنے کا اقرار کیا اور عیب دار کپڑا لایا تو اسی کا قول اس کے قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اسی طرح اگر اس نے دراہم کا اقرار کیا اور کہا کہ یہ کھوٹے ہیں اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر پانچ میں پانچ ہیں اور اس سے ضرب اور حساب مراد لیتا ہے تو اس کو صرف پانچ لازم ہوں گے اور اگر اس نے کہا کہ میں نے پانچ کو پانچ کے ساتھ مراد لیا ہے تو اس کو دس لازم ہوں گے۔

اقرار کے متفرق مسائل

حل لغات: القوصرة: (بالتشدید والتخفیف دونوں درست ہے) بانس سے بنا ہوا کھجور رکھنے کا ٹوکرا، کھجور کا ٹوکرا اس وقت تک کہیں گے جبتک اس میں کھجور ہو ورنہ اس کا معنی زنبیل (تھیلا) کے آتے ہیں۔ اصطبل: چوپایوں کے رکھنے کی جگہ۔ مندیل: رومال۔ معیب: عیب دار۔ زیوف: کھوٹے۔

تشریح: ومن اقرّ ...... خاصّة: اس عبارت میں دو مسئلوں کو بیان کیا گیا ہے اور دونوں کی بنیاد ایک ضابطہ پر ہے جس میں شیخین اور امام محمد کا اختلاف ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص یہ اقرار کرتا ہے کہ مجھ پر فلاں کے لئے کھجور ٹوکری میں واجب ہے تو اس صورت میں دونوں لازم ہوں گے اور اگر کہتا ہے کہ میرے ذمہ فلاں کا جانور ہے اصطبل میں۔ تو اس صورت میں صرف جانور لازم ہوگا، البتہ امام محمد کے نزدیک دونوں صورت میں دونوں لازم ہوں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان دونوں کی بنیاد اس ضابطہ پر ہے جس چیز کے اندر ظرف بننے کی صلاحیت ہو اور اس کا منتقل کرنا ممکن ہو (وہ شئی عقار نہ ہو) تو ایسی چیز کے اقرار میں ظرف و مظروف دونوں لازم ہوں گے جیسے ٹوکری میں کھجور کا اقرار کرنا، گون میں غلہ کا اقرار کرنا، رومال میں کپڑے کا اقرار کرنا وغیرہ اور اگر ظرف کا منتقل کرنا ممکن نہ ہو (ظرف عقار ہو) جیسے اصطبل، مکان وغیرہ تو شیخین کے نزدیک صرف مظروف لازم آئے گا جیسے جانور، غلہ وغیرہ مگر امام محمد کے نزدیک دونوں لازم ہوں گے یعنی جانور اور اصطبل اسی طرح غلہ اور مکان۔ (فتح القدیر ج اص ۷-۳۱۸-۳۱، الجوہرہ ج اص ۲۵۷، عالمگیری، الصبح النوری ج اص ۳۴۹)

وان قال غصبت ...... لزماہ جمیعًا: اس عبارت میں دو مسئلے مذکور ہیں جن کی نوعیت واضح ہے ان کی بنیاد گذشتہ ضابطہ پر ہے، فافہم۔

وان قال له علی ...... عشر ثوبًا: اس مسئلہ میں شیخین اور امام محمد کا اختلاف ہے اور فتویٰ شیخین کے قول پر ہے

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اس بات کا اقرار کیا کہ میرے ذمہ دس کپڑوں کے اندر فلاں کا کپڑا ہے تو شیخین کے نزدیک صرف ایک کپڑا لازم ہوگا امام محمد کے نزدیک گیارہ کپڑے لازم ہوں گے۔

ومن اقر ...... هي زيوف: اس عبارت میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں جن کی نوعیت ایک ہے شکل جداگانہ ہے (۱) ایک شخص نے کسی کپڑے کے غصب کا اقرار کیا اور عیب دار کپڑا لا کر حاضر کیا تو اس کے قول کا اعتبار اس وقت کیا جائے گا جب وہ قسم کھائے (۲) اگر کسی نے دراہم کا اقرار کیا اور کہتا ہے کہ یہ دراہم کھوٹے ہیں تو اس صورت میں اس کے قول کی تصدیق قسم کی صورت میں کی جائے گی اس کے کلام میں وصل ہو یا فصل۔

وان قال له علي خمسة ...... لزمه عشرة: اس مسئلہ کی دو صورت ہے پہلی صورت میں اختلاف ہے (۱) اگر کسی شخص نے یہ اقرار کیا کہ میرے ذمہ فلاں کے پانچ میں پانچ ہیں تو پانچ لازم ہوں گے اگر چہ اس نے ضرب اور حساب کی نیت کی ہو کیونکہ ضرب سے صرف اجزاء میں اضافہ ہوتا ہے اصل مال میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا لہٰذا خمسۃ فی خمسۃ کا مطلب یہ ہوگا کہ پانچوں میں سے ہر ایک کے اندر پانچ پانچ اجزاء ہیں تو پانچ کو پانچ میں ضرب دیں گے تو پچیس اجزاء ہوں گے مگر پچیس درہم تو نہیں ہوں گے۔ حسن بن زیاد کے مسلک کے مطابق پچیس درہم لازم ہوں گے اور اگر ''فی'' کو ''مع'' کے معنی میں لیا جائے تو اس صورت میں دس لازم ہوں گے جیسا کہ اس کی دوسری صورت میں اسی کو بیان کیا گیا ہے یہی احناف کا مسلک ہے۔ (الجوہرہ ج۱ص۲۵۷) (۲) یہ صورت متن کی اس عبارت ''وان قال اردت الخ'' سے واضح ہے۔

وَ اِذَا قَالَ لَهُ عَلَيَّ مِنْ دِرْهَمٍ اِلٰى عَشَرَةٍ لَزِمَهُ تِسْعَةٌ عِنْدَ اَبِى حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَلْزَمُهُ الْاِبْتِدَاءُ وَ مَا بَعْدَهُ وَ يَسْقُطُ الْغَايَةُ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَلْزَمُهُ الْعَشَرَةُ كُلُّهَا وَ اِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ اِشْتَرَيْتُهُ مِنْهُ وَ لَمْ اَقْبِضْهُ فَاِنْ ذَكَرَ عَبْدًا بِعَيْنِهِ قِيْلَ لِلْمُقِرِّ لَهُ اِنْ شِئْتَ فَسَلِّمِ الْعَبْدَ وَ خُذِ الْاَلْفَ وَ اِلَّا فَلَا شَيْءَ لَكَ عَلَيْهِ وَ اِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ اَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ وَ لَمْ يُعَيِّنْهُ لَزِمَهُ الْاَلْفُ فِي قَوْلِ اَبِى حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ لَوْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ لَزِمَهُ الْاَلْفُ وَ لَمْ يُقْبَلْ تَفْسِيْرُهُ وَ اِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ اَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ مَتَاعٍ وَ هِيَ زُيُوْفٌ فَقَالَ الْمُقِرُّ لَهُ جِيَادٌ لَزِمَهُ الْجِيَادُ فِي قَوْلِ اَبِى حَنِيفَةَ وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِنْ قَالَ ذٰلِكَ مَوْصُوْلًا صُدِّقَ وَ اِنْ قَالَ لَهُ مَفْصُوْلًا لَا يُصَدَّقُ.

ترجمہ: اور جب مقر نے کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ ایک درہم سے دس تک ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کو نو لازم ہوں گے (یعنی) ابتداء اور اس کا مابعد لازم ہوگا اور غایت ساقط ہو جائے گی اور صاحبین نے فرمایا کہ اس کو پورے دس لازم ہوں گے اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر غلام کی قیمت کے ہزار دراہم ہیں جس سے میں نے اس کو خریدا تھا اور میں نے اس پر قبضہ نہیں کیا تھا پس اگر اس نے متعین غلام بیان کیا تو مقرلہ سے کہا جائے گا کہ اگر تم چاہو تو غلام کو دیدو اور ہزار درہم لے لو ورنہ اس کے ذمہ تمہارا کچھ نہیں ہوگا اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر غلام کی قیمت کے ایک ہزار

دراہم ہیں اور اس نے غلام کو متعین نہیں کیا تو امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق اس کو ہزار دراہم لازم ہوں گے اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ شراب یا خنزیر کے ہزار دراہم ہیں تو اس کو ہزار لازم ہوں گے اور اس کی تفسیر قبول نہ ہوگی اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ سامان کی قیمت کے ہزار دراہم ہیں اور یہ کھوٹے ہیں تو مقرلہ نے کہا کہ کھرے ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق کھرے لازم گے اور صاحبین نے فرمایا کہ اگر مقر نے متصلا کہا تو تصدیق کی جائے گی اور اگر مقر نے منفصلا کہا تو مقر کے قول کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح: اس پوری عبارت میں چار مسئلے ذکر کیے گئے ہیں۔

مسئلہ(۱) **واذا قال له ...... العشرة كلها:** ایک شخص نے اس بات کا اقرار کیا کہ میرے ذمہ فلاں کا ایک درہم سے دس درہم تک ہے، اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کا اختلاف ہے امام صاحب کے نزدیک نو دراہم لازم ہوں گے یعنی ابتداء اور مابعد (دوسرے اور تیسرے وغیرہ) لازم ہوں گے اور غایت (دسواں) ساقط ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک کل دس دراہم لازم ہوں گے یعنی اس دس میں ابتداء اور غایت دونوں داخل ہوں گے۔ امام زفر کے نزدیک صرف آٹھ دراہم لازم ہوں گے گویا ابتداء اور غایت دونوں ساقط ہو جائیں گے۔ (ہدایہ)

مسئلہ(۲) **وان قال له ...... ابی حنیفةؒ:** یہ ایک مسئلہ ہے لیکن اس کی دو صورتیں ہیں۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میرے ذمہ فلاں کے ایک ہزار درہم اس غلام کی قیمت کے ہیں جس کو میں نے اس سے خریدا اور ابھی اس پر قبضہ نہیں کیا، اب اس کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ اگر مقر نے غلام کو متعین کر دیا تو مقرلہ سے کہا جائے گا کہ اگر تم چاہو تو غلام مقر کے حوالہ کر کے ایک ہزار دراہم وصول کر لو اور اگر تم غلام واپس نہیں کرو گے تو تم کو کچھ نہیں ملے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مقر نے اقرار دراہم کے بعد غلام کو متعین نہیں کیا تو اس موقع پر اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک مقر پر ایک ہزار دراہم لازم ہوں گے اور مقر کے قبضہ نہ کرنے کے بیان کی تصدیق نہیں کی جائے گی خواہ اس نے لم اقبضہ متصلا کہا ہو یا منفصلا، امام زفر اور حسن بن زیاد بھی اسی کے قائل ہیں البتہ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر مقر نے اقرار دراہم کے بعد لم اقبضہ متصلا کہا ہے تو اس کے بیان کی تصدیق کی جائے گی اور مال لازم نہیں ہوگا لیکن اگر اس نے منفصلا کہا ہے تو مقر کے کلام کی تصدیق نہیں کی جائے گی ہاں اگر مقرلہ ثمن مبیع کی تصدیق کرتا ہے تو اس صورت میں بھی مقر کے بیان کی تصدیق کی جائے گی۔ (الجوہرہ ج۱ ص ۲۵۸ - الصبح النوری ج۱ ص ۳۴۹)

مسئلہ(۳) **ولو قال له ...... تفسیره:** صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اس بات کا اقرار کیا کہ فلاں کے میرے ذمہ شراب یا خنزیر کی قیمت کے ایک ہزار دراہم ہیں تو اس مسئلہ میں امام صاحب اور صاحبین وائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک مقر پر ایک ہزار دراہم لازم ہوں گے اور مقر کا من ثمن خمر او خنزیر سے تفسیر کرنا معتبر نہ ہوگا خواہ اس کی تفسیر متصلا ہو یا منفصلا، کیونکہ کلمہ "علی" وجوب دراہم فی الذمہ پر دال ہے اور ایک مسلم پر خمر اور خنزیر کے مال نہ ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت واجب نہیں ہے تو یہ اقرار سے رجوع کرنا ہوا جو جائز نہیں ہے، اور صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر اس کے تفسیری کلام میں اتصال ہے تو کچھ واجب نہیں ہوگا کیونکہ اس نے اپنے آخری تفسیری کلام سے یہ باور کرایا

کہ میرا مقصد ایجاب دراہم نہیں ہے۔ (الجوہرہ ج ۱ ص ۲۵۸، الصبح النوری ج ۱ ص ۳۵۰)

مسئلہ (۴) وان قال له علی الف من ثمن متاع الخ: اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ فلاں کے میرے ذمہ سامان کی قیمت کے ایک ہزار دراہم ہیں اور یہ دراہم کھوٹے ہیں تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک مقر پر کھرے دراہم لازم ہوں گے اور مقر کا بیان "وهی زیوف" قبول نہیں کیا جائے گا خواہ متصلا کہا ہو یا منفصلا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر مقر کے اوّل و آخر دونوں کلام میں اتصال ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا اور اگر دونوں کے درمیان انفصال ہے تو مقر کا قول معتبر نہ ہوگا۔ (حوالہ سابق)

وَ مَنْ اَقَرَّ لِغَيْرِهٖ بِخَاتَمٍ فَلَهُ الحَلْقَةُ وَ الفَصُّ وَ اِنْ اَقَرَّ لَهُ بِسَيْفٍ فَلَهُ النَّصْلُ وَ الجَفْنُ وَ الحَمَائِلُ وَ اِنْ اَقَرَّ لَهُ بِحَجْلَةٍ فَلَهُ العِيْدَانُ وَ الكِسْوَةُ وَ اِنْ قَالَ لِحَمْلِ فُلَانَةٍ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ فَاِنْ قَالَ اَوْصٰى لَهُ فُلَانٌ اَوْمَاتَ اَبُوْهُ فَوَرِثَهُ فَالْاِقْرَارُ صَحِيْحٌ وَ اِنْ اَبْهَمَ الْاِقْرَارَ لَمْ يَصِحَّ عِنْدَ اَبِي يُوْسُفَ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ يَصِحُّ وَ اِنْ اَقَرَّ بِحَمْلِ جَارِيَةٍ اَوْ حَمْلِ شَاةٍ لِرَجُلٍ صَحَّ الْاِقْرَارُ وَ لَزِمَهٗ.

ترجمہ: اور جس شخص نے کسی دوسرے کے لئے انگوٹھی کا اقرار کیا تو اس کے لئے حلقہ اور نگینہ (دونوں) ہوں گے اور اگر کسی کے لئے ڈولی کا اقرار کیا تو اس (مقرلہ) کے لئے تلوار، پرتلہ اور نیام (تینوں) ہوں گے اور اگر کسی کے لئے ڈولی کا اقرار کیا تو اس کے لئے لکڑیاں اور پردہ (دونوں) ہوگا اگر اس نے کہا کہ فلاں کے حمل کے مجھ پر ہزار درہم ہیں۔ اور اگر اس نے یوں کہا کہ فلاں نے اس کے لئے وصیت کی تھی یا اس کے باپ کا انتقال ہو گیا پس یہ بچہ (حمل) اس کا وارث ہے تو یہ اقرار درست ہے اور اگر اقرار کو مبہم رکھا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اقرار صحیح نہیں ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ درست ہے اور اگر مقر نے کسی شخص کے لئے کسی باندی یا بکری کے حمل کا اقرار کیا تو اس کا اقرار صحیح ہے اور اس پر (پیدائش کے بعد) لازم ہوگا۔

حل لغات: الفص: نگینہ۔ السیف: تلوار۔ النصل: پھل، لوہے والا حصہ۔ الجفن: نیام۔ الحمائل: حمالہ کی جمع ہے، پرتلہ۔ حجلة: چھپر کھٹ۔ العیدان: عود کی جمع ہے، لکڑی۔ الکسوة: لباس، یہاں پردہ کے معنی میں ہے۔

تشریح: ومن اقر لغیرہ ...... الکسوة: اس پوری عبارت میں تین مسئلے مذکور ہیں جن کی نوعیت واضح ہے۔

وان قال لحمل ...... وقال محمد یصح: یہ ایک مسئلہ ہے جس کی دو صورتیں ہیں، صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ زید نے ایک حاملہ عورت کے بچہ کے لئے اقرار کیا کہ اس جنین کا میرے ذمہ ایک ہزار دراہم لازم ہیں کیونکہ حامد نے اس کے لئے وصیت کی ہے یا اس لئے لازم ہیں کہ اس کا باپ انتقال کر گیا ہے تو میراث میں اس کا حصہ ہے جو اس کے باپ سے اس کی طرف منتقل ہوا ہے تو بالاتفاق مقر کا یہ اقرار درست ہے کیونکہ کلام میں ابہام نہیں ہے بلکہ حمل کے لئے ثبوت ملکیت کا ایک سبب صالح بیان کیا گیا ہے یہ مسئلہ کی پہلی صورت ہے دوسری صورت یہ ہے کہ مقر نے اقرار کو مبہم بیان کیا یعنی اس نے صرف اتنا کہا "لحمل فلانة علی الف درهم" مزید کچھ وضاحت نہیں کی تو اس صورت میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا

اختلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اقرار صحیح نہیں ہے کیونکہ اقرار میں ابہام ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ گو اقرار میں ابہام ہے مگر اس اقرار کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ فلاں نے اس کے لئے وصیت کی تھی (اس لئے لازم نہیں) یا اس کے باپ کا انتقال ہو گیا تھا اور اس نے میراث میں یہ حصہ پایا ہے (اس لئے لازم ہیں) (الجوہرہ ج ا ص ۲۵۹)

وان اقر بحمل جارية الخ: اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ مقر کو زید نے اپنی باندی دیدی اور اس کے حمل کی وصیت اس شخص کے لئے کردی جس کے لئے زید نے اقرار کیا اور زید کا انتقال ہو گیا تو اس موقع پر وہ وارث مقر ہو گا جس کو اس کی وصیت کا علم ہے، اسی طرح مقر کو زید نے ایک گابھن بکری دیدی اور اس کے بچہ کی اس شخص کے لئے وصیت کی جس کے لئے زید نے اقرار کیا اور زید کا انتقال ہو گیا تو دونوں صورتوں میں اقرار صحیح ہے اور مقر وارث کو لازم ہو گا کہ بعد الولادت بچہ کو مقر لہ کو دیدے۔ (عین الہدایہ ج ۳ ص ۵۱۴، فتح القدیر ج ۷ ص ۳۲۶)

وَ اِذَا اَقَرَّ الرَّجُلُ فِي مَرَضِ مَوْتِهٖ بِدُيُونٍ وَ عَلَيْهِ دُيُونٌ فِي صِحَّتِهٖ وَ دُيُونٌ لَزِمَتْهُ فِي مَرَضِهٖ بِاَسْبَابٍ مَعْلُوْمَةٍ فَدَيْنُ الصِّحَّةِ وَ الدَّيْنُ الْمَعْرُوْفُ بِالْاَسْبَابِ مُقَدَّمٌ فَاِذَا قُضِيَتْ وَ فَضَلَ شَيْءٌ مِنْهَا كَانَ فِيْمَا اَقَرَّ بِهٖ فِي حَالِ الْمَرَضِ وَ اِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دُيُوْنٌ لَزِمَتْهُ فِي صِحَّتِهٖ جَازَ اِقْرَارُهٗ وَ كَانَ الْمُقَرُّ لَهٗ اَوْلٰى مِنَ الْوَرَثَةِ وَ اِقْرَارُ الْمَرِيْضِ لِوَارِثِهٖ بَاطِلٌ اِلَّا اَنْ يُصَدِّقَهٗ فِيْهِ بَقِيَّةُ الْوَرَثَةِ.

ترجمہ: اور اگر کسی شخص نے اپنے مرض وفات میں (کسی کے لئے) دیون کا اقرار کیا اور اس پر اس کے زمانہ صحت کے دیون ہیں اور ایسے دیون بھی جو اس کو مرض وفات میں اسباب معلومہ کے ذریعہ لازم ہوئے ہیں تو صحت کے زمانہ والا قرض اور اسباب معلومہ والے قرض مقدم ہوں گے پس جب جملہ قرض ادا کر دیئے جائیں اور جو کچھ اس سے باقی بچ رہا ہو وہ اس میں خرچ ہو گا جس کا اس نے مرض وفات میں اقرار کیا ہے۔ اور اگر اس پر ایسے قرض نہیں ہیں جو صحت کے زمانہ میں لازم ہوں تو اس کا اقرار معتبر ہے اور مقر لہ ورثاء سے اولیٰ (مقدم) ہے اور مریض کا اپنے ورثاء کے لئے اقرار کرنا باطل ہے الا یہ کہ باقی ورثاء اس کی اس سلسلہ میں تصدیق کریں۔

بیمار کے اقرار کا بیان

خلاصہ: ایک شخص مرض الموت میں ہے اور اس نے اسی حالت میں کسی کے لئے قرض کا اقرار کیا اور اس کے زمانہ صحت کے بھی کچھ قرض ہیں (یہ قرض خواہ کسی اجنبی کا ہو یا کسی وارث کا خواہ اس کا علم اقرار کے ذریعہ ہوا ہو یا گواہوں کے ذریعہ) اور اس حالت مرض میں کچھ ایسے قرض بھی اس پر آپڑے ہوں جن کی وجوہات کا لوگوں کو علم ہو مثلاً بیماری کے زمانے میں قرض لیا ہو یا مال بطور قرض خریدا ہو وغیرہ، تو احناف کے نزدیک اس کے انتقال کے بعد اس مال متروکہ میں سے سب سے پہلے زمانہ صحت کا قرض اور مرض الوفات میں اسباب معلومہ کے ساتھ لازم شدہ قرض ادا کیا جائے گا اور ادائیگی قرض کے بعد جو مال بچے گا اس سے وہ قرض ادا کیا جائے گا جس کا اس نے مرض الوفات میں اقرار کیا تھا۔ اور اگر اس کے زمانہ صحت کا کوئی قرض ہے تو مرض الوفات میں قرض کا اقرار معتبر ہو گا، اور مقر لہ کا حق ورثاء کے حق سے مقدم ہے

یعنی پہلے مقرلہ کا حق ادا کیا جائے اس کے بعد ورثاء کا حق۔ اور اگر مریض نے کسی وارث کے لئے اقرار کرلیا (خواہ وصیت کا یا قرض کا) تو عندالاحناف اس کا اقرار باطل ہے (کیونکہ اس سے دیگر ورثاء کا حق باطل ہوتا ہے جو جائز نہیں ہے) البتہ اگر دیگر ورثاء نے اس کی تصدیق کردی تو پھر اس کا اقرار معتبر ہوگا۔

تشریح : واذا اقر الرجل ...... جاز اقراره: اس مسئلہ کی نوعیت خلاصہ میں بیان کردی گئی ہے اس میں احناف اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے احناف کا مسلک اوپر بیان کردیا گیا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک زمانۂ مرض اور زمانہ صحت دونوں کے قرض برابر ہیں اس لئے جس کو بھی چاہیں پہلے اسے قرض دیدیں۔ (ہدایہ)

واقرار المریض الخ: اس مسئلہ کی نوعیت خلاصہ میں واضح کردی گئی ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے احناف کا مسلک اوپر بیان کردیا گیا ہے امام احمدؒ بھی احناف کے ساتھ ہیں۔ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول میں یہ اقرار صحیح ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر اس اقرار میں ابہام ہے تو صحیح نہیں ہے ورنہ صحیح ہے۔ (ہدایہ۔ عین الہدایہ ج ۳ ص ۵۲۸)

وَ مَنْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِیٍّ فِی مَرَضِ مَوْتِہٖ ثُمَّ قَالَ ھُوَ اِبْنِی ثُبَتَ نَسَبُہٗ مِنْہُ وَ بَطَلَ اِقْرَارُہٗ لَہٗ وَ لَوْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِیَّۃٍ ثُمَّ تَزَوَّجَھَا لَمْ یَبْطُلْ اِقْرَارُہٗ لَھَا وَ مَنْ طَلَّقَ اِمْرَاَتَہٗ فِی مَرَضِ مَوْتِہٖ ثَلٰثًا ثُمَّ اَقَرَّ لَھَا بِدَیْنٍ وَ مَاتَ فَلَھَا الْاَقَلُّ مِنَ الدَّیْنِ وَ مِنْ مِیْرَاثِھَا مِنْہُ۔

ترجمہ : اور جس شخص نے اپنے مرض وفات میں کسی اجنبی کے لئے اقرار کیا پھر اس نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس سے اس کا نسب ثابت ہوجائے گا اور اس کے لئے اس کا اقرار کرنا باطل ہوجائے گا اور اگر کسی اجنبیہ کے لئے اقرار کیا پھر اس سے نکاح کرلیا تو اس کے لئے اس کا اقرار کرنا باطل نہیں ہوگا اور جس شخص نے اپنی اہلیہ کو اپنے مرض وفات میں تین طلاقیں دیدیں پھر اس کے لئے قرض کا اقرار کیا اور (عدت کے اندر) انتقال کرگیا تو اس عورت کو مقدارِ قرض اور حصۂ میراث سے جو کم ہو وہ ملے گا۔

تشریح : ومن اقر لاجنبی ...... اقرابه بها: اس عبارت میں دو مسئلے ہیں، دونوں کا حکم جداگانہ ہے۔

مسئلہ (۱) ایک شخص نے مرض میں کسی اجنبی کے لئے اقرار کیا کہ مجھ پر اس کا قرض ہے پھر اس نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا لڑکا ہے تو اس صورت میں اس کا نسب ثابت ہوجائے گا اور نسب کے ثابت ہونے سے اس کے حق میں جو اقرار کیا تھا وہ باطل ہوجائے گا۔ بعض شراح نے اس شرط کا اضافہ کیا ہے کہ وہ اجنبی مجہول النسب ہو اور مقر کے بیان کی تصدیق کرے اور اس کے اندر تصدیق کی اہلیت بھی ہو۔ مسئلہ (۲) اس مریض شخص نے ایک اجنبیہ عورت کے لئے اقرار کیا کہ اس کا مجھ پر قرض ہے اس کے بعد اس نے اس عورت سے نکاح کرلیا تو اس صورت میں اس کا اقرار اس عورت کے حق میں باطل نہیں ہوگا ان دونوں کے درمیان فرق کی وجہ یہ ہے کہ دعویٰ نسب نطفہ قرار پانے سے مستند ہوجاتا ہے تو اس کا اپنے بیٹے کے لئے اقرار ہوا اس لئے یہ اقرار صحیح نہیں ہوگا اور زوجیت کا حال اس سے جداگانہ ہے کیونکہ جس وقت نکاح کیا اس وقت سے زوجیت ثابت ہوئی لہٰذا اب اس نے اس سے قبل جو اقرار کیا تھا وہ اجنبیہ کے لئے باقی رہے گا (ہدایہ) واضح رہے کہ امام زفر کے نزدیک

اجنبیہ کے لئے نکاح کے بعد اقرار باطل ہو جائے گا۔ (الصبح النوری ج ا ص ۳۵۲)

ومن طلق امرأته ...... ومن میراثها منه: اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے مرض وفات میں اپنی بیوی کو اس کے طلب کرنے پر تین طلاقیں دیدیں پھر اس کے لئے قرض کا اقرار کیا اور عدت کے اندر اس شخص کا انتقال ہو گیا تو اس صورت میں اقرار کے نتیجہ میں زوجین کو تہمت سے بچانے کے لئے اس عورت کو قرض اور میراث میں جو کم ہو گا وہ ملے گا کیونکہ ابھی عدت کا زمانہ باقی ہے اور وارثوں کے لئے اقرار کا دروازہ بند تھا تو ممکن ہے کہ اس شخص نے میراث سے زیادہ دلانے کے لئے طلاق دینے پر اقدام کیا ہو لہٰذا کم سے کم کی صورت میں کسی تہمت کا امکان نہیں ہے۔

واضح رہے کہ ثلثاً کی قید اتفاقی ہے کیونکہ ایک یا دو طلاق کی صورت میں زوجیت کا تعلق باقی رہتا ہے اسی طرح اگر اس کا انتقال عدت کے پورا ہونے کے بعد ہوا تو جو کچھ اقرار کیا وہ سب ملے گا، اسی طرح اگر طلاق بلا طلب دی تو عورت کو میراث ملے گی۔ (الجوہرہ ج ا ص ۲۶۱ - عین الہدایہ ج ۳ ص ۵۲۹)

> وَ مَنْ اَقَرَّ بِغُلَامٍ يُوْلَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ وَ لَيْسَ لَهُ نَسَبٌ مَعْرُوْفٌ اَنَّهُ اِبْنُهُ وَ صَدَّقَهُ الْغُلَامُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَ اِنْ كَانَ مَرِيْضًا وَ يُشَارِكُ الْوَرَثَةَ فِي الْمِيْرَاثِ وَ يَجُوْزُ اِقْرَارُ الرَّجُلِ بِالْوَالِدَيْنِ وَ الزَّوْجَةِ وَ الْوَلَدِ وَ الْمَوْلٰى وَ يُقْبَلُ اِقْرَارُ الْمَرْاَةِ بِالْوَالِدَيْنِ وَ الزَّوْجِ وَ الْمَوْلٰى وَ لَا يُقْبَلُ اِقْرَارُهَا بِالْوَلَدِ اِلَّا اَنْ يُصَدِّقَهَا الزَّوْجُ فِيْ ذٰلِكَ اَوْ بِوِلَادَتِهَا قَابِلَةٌ.

ترجمہ: اور جس شخص نے کسی ایسے لڑکے کے متعلق کہ اس کے مثل ایسے آدمیوں کے لئے پیدا ہو سکتا ہے اور اس کا کوئی معروف نسب نہ ہو یہ اقرار کیا کہ وہ اس کا لڑکا ہے اور لڑکے نے اس کی تصدیق کر دی تو اس مقر سے اس لڑکے کا نسب ثابت ہو جائے گا اگر چہ مقر مریض ہو اور وہ لڑکا میراث میں ورثاء کے ساتھ شریک ہو گا اور آدمی کا (کسی کے متعلق) والدین، بیوی، لڑکا اور مولی ہونے کا اقرار کرنا جائز ہے اور عورت کا (کسی کے متعلق) والدین، شوہر اور مولیٰ ہونے کا اقرار کرنا قبول کیا جائے گا اور عورت کا (کسی کے متعلق) لڑکے کا اقرار کرنا قبول نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ شوہر اس کے بارے میں اس کی تصدیق کرے یا دایہ اس کے (اس سے) پیدائش کی شہادت دے۔

اقرار نسب کا بیان

تشریح: ومن اقر بغلام ...... فی المیراث: اگر ایک شخص نے کسی بچے کے متعلق یہ اقرار کیا کہ یہ میرا بچہ ہے تو اس بچہ کا نسب مقر سے ثابت ہو جائے گا اگر چہ مقر نے مرض وفات میں اس کا اقرار کیا ہو البتہ ثبوت نسب کے لئے چند شرائط ہیں (۱) اس جیسا بچہ اس کے یہاں پیدا ہونا ممکن ہو تاکہ بظاہر اس کی تکذیب نہ ہو (۲) وہ بچہ مجہول النسب ہو کیونکہ اگر وہ معروف النسب ہو گا تو غیر سے نسب کا ثابت ہونا ممکن نہیں ہے (۳) بچہ خود اس کی تصدیق کرے کہ میں اس کا فرزند ہوں، کیونکہ بچہ اپنے قبضہ میں ہے اس لئے کہ یہ مسئلہ ایسے بچہ کے بارے میں ہے جو اپنی ذات سے تعبیر کر سکتا ہے اور جو اپنی ذات سے تعبیر نہیں کر سکتا ہے اس کی تصدیق کی ضرورت نہیں وہ تو اپنے قابض کے قبضہ میں ہے خواہ تصدیق مقر کی

زندگی میں کرے یا مرنے کے بعد سب برابر ہے۔نسب کے ثابت ہونے کے بعد یہ بچہ بھی دیگر وارثین کی طرح مقر کا وارث بن کر میراث پائے گا۔ (عین الہدایہ ج ۳ ص ۵۳۰-الجوہرہ ج ا ص ۲۶۱)

ویجوز اقرار الرجل ...... المولیٰ: اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص صحت یا مرض کی حالت میں کسی دوسرے کے متعلق یہ اقرار کرتا ہے کہ یہ شخص میرا باپ ہے یا یہ میری ماں ہے یا یہ میرا فرزند ہے یا میری بیوی ہے یا مولی العتاقہ (آزاد کرنے والا) ہے تو اس کا اقرار کرنا معتبر ہوگا البتہ کسی بچہ کو اپنا فرزند بنانے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس جیسا بچہ اس کے یہاں پیدا ہونا ممکن ہو اگر ایسا نہیں ہے مثلاً وہ لڑکا ہم عمر یا قریب قریب ہے تو اس کا اقرار معتبر نہیں ہوگا خواہ بچہ اس کی تصدیق کرے یا نہ کرے اس پر دلیل قائم ہو یا نہ ہو کیونکہ ایسا ہونا محال ہے۔ (الجوہرہ ج ا ص ۲۶۱)

ویقبل اقرار المرأة الخ: اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ کوئی عورت کسی غیر کے متعلق یہ اقرار کرے کہ یہ شخص میرا باپ ہے یا یہ میری ماں ہے یا یہ میرا شوہر ہے یا یہ میرا مولیٰ ہے تو اس کا اقرار معتبر ہوگا البتہ اگر کسی لڑکے کے متعلق کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس اقرار کے معتبر ہونے کی دو صورتیں ہیں یا تو شوہر اس کی تصدیق کرے یا دایہ اس بات کی شہادت دے کہ یہ بچہ اس سے پیدا ہوا ہے۔

وَ مَنْ اَقَرَّ بِنَسَبٍ مِنْ غَيْرِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْوَلَدِ مِثْلُ الْاَخِ وَالْعَمِّ لَمْ يُقْبَلْ اِقْرَارُهٗ بِالنَّسَبِ فَاِنْ كَانَ لَهٗ وَارِثٌ مَعْرُوْفٌ قَرِيْبٌ اَوْ بَعِيْدٌ فَهُوَ اَوْلٰى بِالْمِيْرَاثِ مِنَ الْمُقَرِّ لَهٗ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ وَارِثٌ اِسْتَحَقَّ الْمُقَرُّ لَهٗ مِيْرَاثَهٗ وَ مَنْ مَاتَ اَبُوْهُ فَاَقَرَّ بِاَخٍ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُ اَخِيْهِ مِنْهُ وَ يُشَارِكُهٗ فِي الْمِيْرَاثِ.

ترجمہ: اور جس شخص نے والدین اور اولاد کے علاوہ کے نسب کا اقرار کیا مثلاً چچا، بھائی، تو نسب کے متعلق اس کا اقرار قبول نہیں ہوگا پس اگر اس کا کوئی معروف النسب وارث (خواہ) قریبی رشتہ دار ہو یا دور کا، تو وہ میراث کا مقرلہ سے زیادہ مستحق ہوگا اور اگر اس کا کوئی وارث نہیں ہے تو مقرلہ اس کی میراث کا مستحق ہوگا اور جس شخص کے والد کا انتقال ہو گیا اور اس نے (کسی کے متعلق) بھائی ہونے کا اقرار کیا تو اس سے اس کے بھائی ہونے کا نسب ثابت نہیں ہوگا البتہ وہ میراث میں اس کا شریک ہو جائے گا۔

تشریح: ترجمہ سے مفہوم واضح ہے مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

کتاب الاجارة

اجارہ کا بیان

اجارة - اس لفظ کی لغوی تحقیق، محققین کے درمیان مختلف فیہ ہے، صاحب نہایہ فرماتے ہیں کہ اجارة بروزن مقالة اجرة کا اسم ہے، باب (ض) سے ہے اجر یأجر اجرًا مزدوری دینا۔ اُجرة اس مزدوری کو کہتے ہیں جس کا اجیر عمل خیر پر مستحق ہوتا ہے چنانچہ اسی بنیاد پر اس لفظ کے ذریعہ دعاء دینے کا معمول ہے مثلاً کہا جاتا ہے اعظم اللّٰہ اجرك ن اہل

عرب کا خیال ہے کہ اجارہ بروزن فعالہ باب مفاعلۃ سے ہے اور آجر بروزن فاعل ہے نہ کہ بروزن افعل، اس لئے اس کا اسم فاعل مواجر آئے گا مگر صحیح موجر ہے جیسا کہ صاحب اساس کا خیال ہے۔ علامہ قہستانی کے خیال کے مطابق اجارہ گرچہ اجر یاجر (ن) کا مصدر ہے بمعنی اجیر ہونا مگر یہ ایجار (مصدر) کے معنی میں بکثرت مستعمل ہے اور اس کا اسم فاعل اس معنی میں نہیں آتا ہے الغرض اختلاف اس بات میں ہے کہ لفظ اجارۃ باب افعال سے ہے یا باب مفاعلۃ سے، فیصلہ کن بات یہ ہے کہ دونوں باب سے ہے جیسا کہ علامہ زمخشری نے اس کو تسلیم کیا ہے۔

اصطلاحِ شریعت میں اجارہ اس عقد کو کہتے ہیں جو معلوم معاوضہ پر، منافع معلومہ پر ہوتا ہے، معاوضہ خواہ مالی ہو یا غیر مالی مثلاً گھر کی رہائش کا منافع چوپایہ کی سواری کے عوض دینا۔ مزید یہ کہ عوض دین ہو جیسے مکیلات، موزونات یا عددی متقارب یا عوض عین ہو جیسے چوپائے اور کپڑے وغیرہ۔ صاحب جوہرہ نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے: ''اجارہ ایسا عقد ہے جو منافع پر مال کے عوض ہوتا ہے'' اور منافع جس قدر پائے جائیں اسی حساب سے ساعت بساعت اجارہ منعقد ہوتا رہتا ہے۔

قیاس کا تقاضہ ہے کہ اجارہ جائز نہ ہو کیونکہ اس عقد میں جس منفعت پر عقد ہوتا ہے اس کا وجود سردست عقد کے وقت نہیں بلکہ عقد کے بعد ہوتا ہے اور جس چیز کا آئندہ پایا جانا متوقع ہو اس کی طرف تملیک کی نسبت درست نہیں ہے مگر شریعت نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر اس کو جائز قرار دیا چنانچہ کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے ارشادِ باری ہے ''علیٰ ان تاجرنی ثمانی حجج''، ''فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن''، ''لو شئت لاتخذت علیه اجرا''. عبد اللہ بن مغفل کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا اور اجارہ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (رواہ مسلم) حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو (رواہ ابن ماجہ) اس کے علاوہ بخاری ومسلم وغیرہ میں متعدد احادیث اجارہ کے جواز پر موجود ہیں۔ اور عہدِ نبوی سے لے کر آج تک اس بات پر اجماع ہے کہ اجارہ جائز ہے۔ (حاشیہ قدوری نمبر ٦، الجوہرہ ج اص ٢٦٣، عین الہدایہ ج ٣ص ٦٢٥-٦٢٦)

اَلْاِجَارَةُ عَقْدٌ عَلَى الْمَنَافِعِ بِعِوَضٍ وَ لَا تَصِحُّ حَتّٰى تَكُوْنَ الْمَنَافِعُ مَعْلُوْمَةً وَ الْاَجْرُ مَعْلُوْمَةً.

ترجمہ: اجارہ ایک ایسا عقد ہے جو کسی کے بدلہ میں منافع پر واقع ہوتا ہے یہاں تک کہ منافع معلوم ہو اور اجرت معلوم ہو۔

تشریح: الاجارۃ الخ: صاحب کتاب نے اس عبارت میں اجارہ کی تعریف بیان کی ہے اور اس کے صحیح ہونے کی شرط بھی بیان کی کہ جب تک منافع اور اجرت معلوم نہ ہو اس وقت تک اجارہ صحیح نہیں ہوگا کیونکہ جہالت مفضی الی المنازعۃ ہے جو موجب فساد ہے۔ جس طرح بیع میں ثمن اور مبیع کی جہالت مفضی الی المنازعۃ ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے۔

وَ مَا جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ ثَمَنًا فِي الْبَيْعِ جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ اُجْرَةً فِي الْاِجَارَةِ وَ الْمَنَافِعُ تَارَةً تَصِيْرُ مَعْلُوْمَةً بِالْمُدَّةِ كَاسْتِيْجَارِ دُوْرٍ لِلسُّكْنٰى وَ الْاَرَضِيْنَ لِلزِّرَاعَةِ فَيَصِحُّ الْعَقْدُ عَلٰى مُدَّةٍ

مَعْلُوْمَةٍ اَیْ مُدَّةٍ کَانَتْ وَ تَارَةً تَصِیْرُ مَعْلُوْمَةً بِالْعَمَلِ وَ التَّسْمِیَةِ کَمَنْ اِسْتَاْجَرَ رَجُلًا عَلٰی صَبْغِ ثَوْبٍ اَوْ خِیَاطَةِ ثَوْبٍ اَوْ اِسْتَاجَرَ دَابَّةً لِیَحْمِلَ عَلَیْهَا مِقْدَارًا مَعْلُوْمًا اِلٰی مَوْضَعٍ مَعْلُوْمٍ اَوْ یَرْکَبُهَا مَسَافَةً مَعْلُوْمَةً وَ تَارَةً تَصِیْرُ مَعْلُوْمَةً بِالتَّعْیِیْنِ وَ الْاِشَارَةِ کَمَنْ اسْتَاجَرَ رَجُلًا لِیَنْقُلَ هٰذَا الطَّعَامَ اِلٰی مَوْضِعٍ مَعْلُوْمٍ.

ترجمہ : اور جو چیز بیع میں قیمت ہوسکتی ہے وہ اجارہ میں اجرت ہوسکتی ہے اور منافع کبھی تو مدت کے ذریعہ معلوم ہوجاتے ہیں جیسے مکانوں کو رہائش کے لئے کرایہ پر لینا اور زمینوں کو کاشت کے لئے (کرایہ پر لینا) تو عقد مدت معلومہ پر درست ہوجائے گا خواہ مدت کتنی ہی ہو اور (منافع) کبھی عمل اور تسمیہ کے ذریعہ معلوم ہوجاتے ہیں جیسے کسی نے ایک شخص کو کپڑا رنگنے یا کپڑا سینے کے لئے اجرت پر رکھا یا چوپایہ کرایہ پر لیا تاکہ اس مقام معلوم تک مقدار معلوم لادے یا کسی مسافت معلوم تک اس پر سوار ہوگا اور (منافع) کبھی تعیین اور اشارہ سے معلوم ہوجاتے ہیں مثلاً کسی نے ایک شخص (قلی) کو اجرت پر لیا تاکہ وہ اس غلہ کو معلوم جگہ تک لے جائے

منافع تین طریقے سے معلوم ہوسکتے ہیں

حل لغات : استیجار: اجرت پر لینا۔ دور: دار کی جمع ہے، مکان۔ السکنی: رہائش۔ ارضین، ارض کی جمع ہے حالت جری میں ہے، زمین۔ زراعة، کاشت۔ ای مدة کانت، اس جملہ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مدت دراز ہو یا مختصر دونوں جائز ہے۔ صِبْغ. مصدر باب (ن ض ف) رنگنا۔ خیاطة سینا۔

خلاصہ : صاحب قدوری فرماتے ہیں جس چیز کے اندر بیع میں قیمت بننے کی صلاحیت ہے تو اس کے اندر اجارہ میں اجرت بننے کی بھی صلاحیت ہے۔ نیز فرماتے ہیں منافع تین طریقے سے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔

(۱) مدت کی تعیین کرکے، مثلاً مکان رہائش کے طور پر ایک خاص مدت کے لئے کرایہ پر لینا۔ اسی طرح زمین کا ایک متعین مدت کے لئے کاشت کیلئے کرایہ پر لینا۔ مدت خواہ کم ہو یا زیادہ بہر کیف جو بھی متعین کی جائے اجارہ صحیح ہوجائے گا۔

(۲) عمل اور تسمیہ کے ذریعہ یعنی جس کام کے لئے کسی کو اجرت پر رکھا گیا ہے اس کو بیان کردیا جائے تو منافع معلوم ہوجائیں گے مثلاً کسی شخص کو کپڑے کی رنگائی کے لئے یا کپڑا سینے کے لئے اجرت پر رکھا یا جانور کو بار برداری کے لئے یا سواری کے لئے کرایہ پر لینا مگر اس کے ساتھ اس بات کی وضاحت کردی جائے کہ کپڑا کس قسم کا ہے سوتی ہے یا اونی یا ریشمی وغیرہ، رنگائی میں کون سا رنگ، سلائی کی کونسی قسم۔ بار برداری میں بوجھ کا وزن۔ مقام کی تعیین، سواری میں مقدار مسافت کیا ہے (تاکہ باہم نزاع پیدا نہ ہو)

(۳) تعیین اور اشارہ کے ذریعہ سامان جس مقام پر پہنچانا ہے اگر اس سامان کی تعیین اور جگہ کی طرف اشارہ کردیا جائے تو اجیر کو اس چیز کا اور اس مقام کے معائنہ کرنے کے بعد منفعت کا علم ہوجائے گا۔ اور یہ عقد صحیح ہوجائے گا۔ مثال متن میں ملاحظہ فرمائیں۔

تشریح : **وما جاز .... فی الاجارة**: اس کا مفہوم خلاصہ میں دیکھیں صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جس چیز کے اندر قیمت بننے کی صلاحیت نہیں ہے وہ بھی اجرت ہوسکتی ہے مثلاً اعیان یعنی نقد کے علاوہ غلام اور کپڑا وغیرہ کہ یہ بھی اجرت بن سکتے ہیں۔

وَ يَجُوْزُ اِسْتِيْجَارُ الدُّوْرِ وَالْحَوَانِيْتِ لِلسُّكْنىٰ وَاِنْ لَمْ يُبَيِّنْ مَا يَعْمَلُ فِيْهَا وَلَهُ اَنْ يَعْمَلَ كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا الْحِدَادَةَ وَ الْقِصَارَةَ وَ الطَّحْنَ وَ يَجُوْزُ اِسْتِيْجَارُ الْاَرَاضِيْ لِلزِّرَاعَةِ وَ لِلْمُسْتَاجِرِ الشُّرْبُ وَ الطَّرِيْقُ وَ اِنْ لَمْ يَشْتَرِطْ وَ لَا يَصِحُّ الْعَقْدُ حَتّٰى يُسَمِّيَ مَا يَزْرَعُ فِيْهَا اَوْ يَقُوْلَ عَلٰى اَنْ يَزْرَعَ فِيْهَا مَا شَاءَ وَ يَجُوْزُ اَنْ يَسْتَاجِرَ السَّاحَةَ لِيَبْنِيَ فِيْهَا اَوْ يَغْرِسَ فِيْهَا نَخْلًا اَوْ شَجَراً فَاِذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْاِجَارَةِ لَزِمَهُ اَنْ يَقْلَعَ الْبِنَاءَ وَ الْغَرْسَ وَ يُسَلِّمَهَا فَارِغَةً اِلَّا اَنْ يَخْتَارَ صَاحِبُ الْاَرْضِ اَنْ يَغْرَمَ لَهُ قِيْمَةَ ذٰلِكَ مَقْلُوْعًا وَ يَتَمَلَّكُهُ اَوْ يَرْضىٰ بِتَرْكِهِ عَلٰى حَالِهِ فَيَكُوْنُ الْبِنَاءُ لِهٰذَا وَ الْاَرْضُ لِهٰذَا۔

ترجمہ : اور مکانات اور دکانوں کو رہائش کے لئے کرایہ پر لینا جائز ہے اگر چہ مستاجر یہ بیان نہ کرے کہ اس میں کیا کام کرے گا اور اسے اختیار ہے (کہ کرایہ پر لینے کے بعد) جو کام چاہے کرے البتہ لوہار، دھوبی اور پسائی کا کام (بغیر مالک مکان کی اجازت کے) نہیں کر سکتا۔ اور زمینوں کو کاشت کے لئے کرایہ پر لینا جائز ہے اور مستاجر کو (اس کی زمین کے سینچنے کا) پانی اور (اس میں جانے کا) راستہ ملے گا اگر چہ (اجارہ میں) اس کی شرط نہ کی ہو۔ اور (کاشت کاری کے لیے) عقد اجارہ صحیح نہیں ہوگا یہاں تک کہ مستاجر اس چیز کو نامزد کرے جو اس زمین میں کاشت کرے گا یا کہہ دے کہ اس شرط پر کہ جو چاہے گا اس میں کاشت کرے گا۔ اور خالی زمین کو کرایہ پر لینا جائز ہے تا کہ اس میں عمارت بنائے یا اس میں کھجور کے درخت یا پھلدار درخت لگائے پھر جب اجارہ کی مدت ختم ہو جائے تو مستاجر پر لازم ہوگا کہ عمارت اور درختوں کو اکھاڑے اور زمین کو خالی کر کے (مالک کو) حوالہ کر دے البتہ اگر مالک زمین اس بات کو پسند کرے کہ مستاجر کو عمارت اور درخت کی وہ قیمت دے جو اس کے اکھڑنے کے بعد ہو۔ اور اس کا مالک ہو یا زمین کو اپنی حالت پر چھوڑنے پر راضی ہو تو (اس صورت میں) عمارت (اور درخت) مستاجر کے لئے اور زمین مالک کے لئے ہوگی۔

عقد اجارہ کن کن صورتوں میں جائز ہے؟

حل لغات : الحوانیت: حانوت کی جمع ہے، دوکان۔ حِدادۃُ: لوہارگری، لوہار کا کام کرنا۔ القصارۃ: دھوبی کا پیشہ۔ الطحن: مصدر (ف) پیسنا۔ الاراضی: ارض کی جمع ہے، زمین۔ الزراعۃ: کاشت کاری۔ الساحۃ: خالی زمین، کنارہ مکانوں کے درمیان کا چوک، میدان۔ یغرس (ض) غرسا، پودہ لگانا۔ یقلع (ف) قَلْعًا، اکھیڑنا۔ فارغۃ، خالی۔ یغرم (س) غرمًا الدین، قرض وغیرہ ادا کرنا۔ مقلوعا: اسم مفعول، اکھیڑا ہوا۔ لھذا: جو پہلے ہے اس کا مشار الیہ مستاجر ہے اور جو آخر میں آ رہا ہے اس کا مشار الیہ مالک زمین ہے۔

تشریح : اس پوری عبارت میں تین مسئلے بیان کئے گئے ہیں:

مسئلہ (۱) **ویجوز استیجار الدور .... والطحن :** صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے مکان یا دوکان بطور رہائش کرایہ پر لیا تو یہ جائز ہے۔ اور اس بات کو بیان کرنا کہ اس میں کیا کام کرے گا کرایہ پر لینے کے بعد مستاجر با اختیار ہے اس میں اپنی مرضی کے مطابق کچھ بھی کر سکتا ہے البتہ تین کام بغیر مالک مکان کی اجازت کے انجام نہ دے (۱) لوہار کا کام (۲) دھوبی کا کام (۳) آٹا کی پسائی کا کام (کیونکہ ان کاموں سے عمارت کا نقصان ہے) یہ مسئلہ استحسانا جائز ہے از روئے قیاس جائز نہیں ہے۔

مسئلہ (۲) **ویجوز استیجار الاراضی .... ان یزرع فیها ما شاء :** صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی کاشتکار کا زمین کاشت کے لئے کرایہ پر لینا جائز ہے اور کاشتکار کو اس زمین میں پانی دینے اور راستہ بنانے کا اختیار حاصل ہوگا اگر چہ بوقت عقد اس کو بیان نہ کیا گیا ہو کیونکہ پانی اور راستہ کے بغیر انتفاع ممکن نہیں ہے البتہ اس عقد کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ مستاجر دو باتوں میں سے ایک بات ضرور بیان کرے یعنی یا تو یہ واضح کرے کہ اس زمین میں کس چیز کی کاشت کرے گا یا یہ بیان کرے کہ مجھے کسی بھی چیز کی کاشت کا اختیار ہوگا۔

مسئلہ (۳) **ویجوز ان یستاجر الساحة الخ:** اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ زمین کو مکان کی تعمیر اور درخت لگانے کے لئے کرایہ پر لینا جائز ہے اور کرایہ کی مدت ختم ہو جانے کے بعد مستاجر پر لازم ہے کہ عمارت منہدم کر کے اور درخت کو اکھاڑ کر کے زمین خالی کر کے زمین دار کے حوالے کر دے لیکن اگر زمین دار منہدم شدہ عمارت اور اکھڑے ہوئے درخت کی قیمت ادا کر کے مالک بننا چاہے تو مالک بن سکتا ہے یا اگر اس بات کی خواہش ہو کہ عمارت اور درخت اپنی جگہ پر قائم رہیں تو یہ بھی جائز ہے اور اس صورت میں زمین زمیندار کی ہوگی پھر عمارت اور درخت مستاجر کی ملکیت ہوں گی۔

وَيَجُوْزُ اِسْتِيْجَارُ الدَّوَابِّ لِلرُّكُوْبِ وَ الْحَمْلِ فَاِنْ اَطْلَقَ الرُّكُوْبَ جَازَ لَهُ اَنْ يُرْكِبَهَا مَنْ شَاءَ وَ كَذٰلِكَ اِنِ اسْتَاجَرَ ثَوْبًا لِلُبْسٍ وَ اَطْلَقَ فَاِنْ قَالَ لَهُ عَلٰى اَنْ يَرْكَبَهَا فُلَانٌ اَوْ يَلْبَسَ الثَّوْبَ فُلَانٌ فَاَرْكَبَهَا غَيْرَهُ اَوْ اَلْبَسَهُ غَيْرَهُ كَانَ ضَامِنًا اِنْ عَطِبَتِ الدَّابَّةُ اَوْ تَلَفَ الثَّوْبُ وَ كَذٰلِكَ كُلُّ مَا يَخْتَلِفُ بِاِخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ فَاَمَّا الْعَقَارُ وَ مَا لَا يَخْتَلِفُ بِاِخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ فَاِنْ شَرَطَ سُكْنٰى وَاحِدٍ بِعَيْنِهٖ فَلَهُ اَنْ يُسْكِنَ غَيْرَهُ وَ اِنْ سَمّٰى نَوْعًا وَ قَدْرًا يَحْمِلُهُ عَلَى الدَّابَّةِ مِثْلَ اَنْ يَقُوْلَ خَمْسَةُ اَقْفِزَةِ حِنْطَةٍ فَلَهُ اَنْ يَحْمِلَ مَا هُوَ مِثْلُ الْحِنْطَةِ فِي الضَّرَرِ وَ اَقَلَّ كَالشَّعِيْرِ وَ السِّمْسِمِ وَ لَيْسَ لَهُ اَنْ يَحْمِلَ مَا هُوَ اَضَرُّ مِنَ الْحِنْطَةِ كَالْمِلْحِ وَ الْحَدِيْدِ وَ الرَّصَاصِ فَاِنِ اسْتَاجَرَهَا لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا قُطْنًا سَمَّاهُ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَحْمِلَ مِثْلَ وَزْنِهٖ حَدِيْدًا۔

ترجمہ : اور چوپایوں کو سواری اور بوجھ لادنے کے لئے کرایہ پر لینا جائز ہے پس اگر سوار ہونے کو مطلق بیان کیا تو مستاجر کے لئے جائز ہے کہ اس پر جس کو چاہے سوار کرے اور اسی طرح اگر اس نے کپڑے پہننے کے لئے کرایہ پر لیا

اور پہننے کو مطلق ذکر کیا اور اگر مستاجر نے مالک سے کہا کہ اس شرط پر کہ اس پر فلاں شخص سوار ہوگا یا کپڑا فلاں شخص پہنے گا لیکن مستاجر نے اس چوپایہ پر کسی اور کو سوار کیا یا وہ کپڑا کسی اور کو پہنایا تو اگر چوپایہ ہلاک ہوگیا تو مستاجر (اس کی قیمت کا) ضامن ہوگا اور اسی طرح ہر وہ چیز جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے مختلف ہو جاتی ہے۔ بہر حال عقار اور وہ چیز جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے مختلف نہیں ہوتی ہے تو اگر مستاجر نے کسی متعین آدمی کے رہنے کی شرط لگادی تو اس کو اختیار ہے کہ اس میں کسی اور کو رکھے اور اگر مستاجر نے (بوجھ کی) قسم اور مقدار کو متعین کر دیا یا جو چوپایہ پر لادے گا مثلاً پانچ قفیز گیہوں کہے تو مستاجر کو اختیار ہے کہ ایسی چیزوں کو لادے جو بوجھ میں گیہوں جیسی ہوں یا اس سے کم ہوں جیسے جو یا تل اور اس کو ایسی چیزوں کے لادنے کا اختیار نہیں ہے جو گیہوں سے زیادہ بوجھ والی ہو جیسے نمک، لوہا اور شیشا۔ اور اگر چوپایہ کرایہ پر لیا تاکہ اس پر متعین روئی لادے تو مستاجر کو اختیار نہیں ہے کہ اس پر روئی کے وزن کے برابر لوہا لادے۔

حل لغات: عطبت (س) عَطَبًا، ہلاک ہونا۔ تَلَفُ (س) لَفًا، ضائع ہونا، برباد ہونا۔ حنطة گیہوں۔ الضرر، بوجھ۔ السمسم، تل۔ الملح نمک۔ الحدید، لوہا۔ الرصاص، شیشہ۔ قطن روئی۔

خلاصہ: صاحب کتاب نے اس عبارت میں اجارہ سے متعلق تین مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے پہلے اور دوسرے مسئلے کی دو دو صورتیں ہیں اور مسئلہ نمبر (۱) کی دوسری صورت کی دو صورتیں ہیں جن کے لئے الگ ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔

مسئلہ (۱) اگر کسی نے چوپایہ مثلاً گھوڑا وغیرہ سواری یا بوجھ لادنے کے لئے یا کپڑا پہننے کے لئے کرایہ پر لیا تو شریعت کے نزدیک جائز ہے۔ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ مستاجر نے سوار ہونا یا کپڑا پہننا مطلق ذکر کیا ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مستاجر نے سوار ہونے یا کپڑا پہننے کے لئے بطور شرط کسی شخص معین کا تذکرہ کیا ہو۔ پہلی صورت میں مستاجر کو اختیار رہوگا کہ جس کو چاہے گھوڑے پر سوار کرے اور جس کو چاہے کپڑا پہنائے اور دوسری صورت کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت تو یہ ہے کہ اگر مستاجر نے شخص معین کے علاوہ کسی غیر کو سوار کیا یا کسی غیر کو کپڑا پہنایا جس کی وجہ سے جانور ہلاک ہوگیا یا کپڑا پھٹ کر برباد ہوگیا تو اس صورت میں مستاجر قیمت کا ضامن ہوگا اور یہی حکم ان چیزوں میں بھی ہوگا جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے بالکل مختلف ہو جاتی ہیں (گویا کہ یہ ایک ضابطہ ہے) اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ چیزیں جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے نہیں بدلتیں (گویا کہ ایک ضابطہ بیان کر دیا گیا) چنانچہ اگر مستاجر نے کوئی مکان کرایہ پر لیا اور یہ شرط لگائی کہ اس میں فلاں شخص مثلاً حامد رہے گا تو اس صورت میں مستاجر کو اختیار رہوگا کہ وہ اس مکان کو کسی غیر کو رہائش کے لئے دیدے (اور اس صورت میں کسی شخص معین کی قید لگانا بے سود ہے)

مسئلہ (۲) اگر مستاجر نے کسی جانور کو کرایہ پر لیا اور اس پر جو کچھ لادنا ہے اس کی قسم اور مقدار بیان کر دی مثلاً اس پر پانچ قفیز گیہوں لادوں گا تو اس صورت میں مستاجر گیہوں جیسی دوسری چیز جس کا وزن گیہوں کے برابر ہو مثلاً پانچ قفیز جو لادسکتا ہے یا جو چیز اس سے ہلکی ہو جیسے تل وغیرہ البتہ وہ چیز جس کا بوجھ گیہوں سے زیادہ ہو جیسے نمک لوہا وغیرہ تو (از روئے قیاس) اس کے لادنے کی اجازت نہیں ہوگی (لیکن استحسانا جائز ہے۔ عین الہدایہ جلد ۳)

مسئلہ (۳) اگر جانور کرایہ پر لیا تاکہ اس پر روئی لادے، مستاجر نے روئی کا وزن بیان کر دیا تو اس صورت میں

مستاجر کے لئے روئی کے وزن کے برابر لوہا لادنے کی اجازت نہیں ہوگی (کیونکہ لوہا بسا اوقات جانور کے لئے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتا ہے)

وَ اِنْ اسْتَاجَرَهَا لِيَرْكَبَهَا فَارْدَفَ مَعَهُ رَجُلاً آخَرَ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ نِصْفَ قِيْمَتِهَا اِنْ كَانَتِ الدَّابَّةُ تُطِيْقُهُمَا وَلَا يُعْتَبَرُ بِالثِّقْلِ وَ اِنْ اسْتَاجَرَهَا لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا مِقْدَارًا مِنَ الْحِنْطَةِ فَحَمَلَ عَلَيْهَا اَكْثَرَ مِنْهُ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ مَا زَادَ مِنَ الثِّقْلِ وَ اِنْ كَبَحَ الدَّابَّةَ بِلِجَامِهَا اَوْ ضَرَبَهَا فَعَطِبَتْ ضَمِنَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يَضْمَنُ.

ترجمہ: اور اگر کسی نے چوپایہ کرایہ پر لیا تا کہ اس پر سوار ہو پھر اس نے اپنے پیچھے کسی اور کو سوار کیا اور چوپایہ ہلاک ہوگیا تو مستاجر (اس صورت میں) نصف قیمت کا ضامن ہوگا بشرطیکہ چوپایہ ان دونوں (کو لیجانے) کی طاقت رکھتا ہو اور (انسان کے) بوجھ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر چوپایہ کرایہ پر لیا تا کہ اس پر گیہوں کی ایک مقدار لادے لیکن مستاجر نے اس چوپایہ پر اس سے زیادہ لادا اور وہ چوپایہ ہلاک ہوگیا تو (اس صورت میں) مستاجر زائد بوجھ کا ضامن ہوگا۔ اور (اگر کسی نے چوپایہ کو کرایہ پر لیا اور) چوپایہ کو اس کی لگام (اپنی طرف سختی سے) کھینچا یا اس کو مارا کہ وہ ہلاک ہوگیا تو (اس صورت میں) امام ابوحنیفہ کے نزدیک مستاجر ضامن ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ مستاجر ضامن نہیں ہوگا۔

حل لغات: اردف اردافا: پیچھے سوار کرنا، پیچھے سیٹ دینا۔ الثقل: بوجھ۔ کبح الدابة باللِجام (ف) کَبحًا: جانور کو روکنے کے لئے لگام کھینچنا، باز رکھنا۔ لِجام لگام۔

تشریح: اس پوری عبارت میں تین مسئلے بیان کیے گئے ہیں جن کی صورت بین القوسین اضافہ شدہ عبارت سے واضح ہے۔

مسئلہ(۱) **وان استاجرها .... بالثقل:** نصف قیمت کی ضمانت کا مسئلہ اس وقت ہے جب کہ جانور کے اندر انسان کے بوجھ اٹھانے کی طاقت ہو لیکن اگر دو کی طاقت نہیں تھی اس کے باوجود سوار ہوگئے اور وہ ہلاک ہوگیا تو مستاجر کل قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور انسان کے بوجھ کا عدم اعتبار اس لئے ہے کہ بسا اوقات کم بوجھ والے انسان کا سوار ہونا جانور کی پشت کے لئے باعث اذیت ہوتا ہے جب کہ اس کو گھوڑ سواری کے فن سے واقفیت نہ ہو اور جو گھوڑ سواری کے فن سے واقف ہوتا ہے اس کو اٹھانا جانور کے لئے آسان ہوتا ہے اگرچہ وہ بھاری ہو اس لئے سواروں کے بوجھ کا اعتبار نہ کر کے اس کی تعداد کا اعتبار کیا گیا ہے۔ (ہدایہ جلد۳ الجوہرہ ج۱ ص ۲۶۷)

مسئلہ(۲) **وان استاجرها ليحمل........ مازاد من الثقل:** صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کوئی جانور گیہوں لادنے کے لئے کرایہ پر لیا اور گیہوں کی مقدار بھی بیان کردی لیکن مستاجر نے مقدار سے زیادہ لادا مثلاً مستاجر نے پانچ من گیہوں لادنے کی بات کی تھی اور چھ من لادا تو اس میں پانچ من تو اجازت کے ہیں اور ایک من بلا اجازت کے بشرطیکہ جانور کے اندر اتنا بوجھ اٹھانے کی طاقت ہو اب اگر جانور اس بوجھ کی وجہ سے ہلاک ہوگیا تو مستاجر غیر

اجازتی حصہ کا ضامن ہوگا۔ اور اگر اتنا بوجھ ہو کہ اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں تھی تو خلاف عادت اتنے بوجھ لادنے کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے بصورت ہلاکت مستاجر پر کل قیمت کا ضمان لازم آئے گا۔ (ہدایہ جلد۳، عین الہدایہ جلد۳، الجوہرۃ ج۱ص ۲۶۸)

مسئلہ (۳) وان کبح الدابة الخ: مسئلہ کی نوعیت ترجمہ سے واضح ہے۔ صاحب الجوہرہ کی تحقیق کے مطابق فتوی امام ابوحنیفہ کے قول پر ہے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تاوان اس وقت لازم ہوگا جب کہ مستاجر کا عمل عرف عام کے خلاف ہو صاحب درمختار فرماتے ہیں فتوی اسی قول پر ہے۔ اسی طرف امام صاحب کا رجوع بھی ثابت ہے۔ (غایہ بحوالہ تتمہ)

وَالْاُجَرَاءُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ اَجِيْرٌ مُشْتَرَكٌ وَ اَجِيْرٌ خَاصٌّ فَالْمُشْتَرَكُ مَنْ لَا يَسْتَحِقُّ الْاُجْرَةَ حَتّٰى يَعْمَلَ كَالصَّبَّاغِ وَ الْقَصَّارِ وَ الْمَتَاعُ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِهٖ اِنْ هَلَكَ لَمْ يَضْمَنْ شَيْئًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَضْمَنُهٗ وَ مَا تَلَفَ بِعَمَلِهٖ كَتَخْرِيْقِ الثَّوْبِ مِنْ دَقِّهٖ وَ زَلَقِ الْحَمَّالِ وَ انْقِطَاعِ الْحَبْلِ الَّذِيْ يَشُدُّ بِهِ الْمُكَارِيْ الْحِمْلَ وَ غَرَقِ السَّفِيْنَةِ مِنْ مَدِّهَا مَضْمُوْنٌ اِلَّا اَنَّهٗ لَا يَضْمَنُ بِهٖ بَنِيْ آدَمَ فَمَنْ غَرِقَ فِي السَّفِيْنَةِ اَوْ سَقَطَ مِنَ الدَّابَّةِ لَمْ يَضْمَنْهُ وَ اِذَا فَصَدَ الْفَصَّادُ اَوْ بَزَغَ الْبَزَّاغُ وَ لَمْ يَتَجَاوَزِ الْمَوْضِعَ الْمُعْتَادَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا عَطِبَ مِنْ ذٰلِكَ وَ اِنْ تَجَاوَزَهٗ ضَمِنَ.

ترجمہ: اور اجیروں کی دو قسمیں ہیں (ایک) اجیر مشترک اور (دوسرا) اجیر خاص۔ اور اجیر مشترک وہ شخص ہے جو اجرت کا مستحق نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ کام کر دے جیسے رنگریز، دھوبی، اور سامان ان کے پاس امانت ہے اگر وہ ہلاک ہوگیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ شخص کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ وہ شخص سامان کا ضامن ہوگا اور جو چیز اس اجیر مشترک کے عمل سے تلف ہو جائے جیسے (دھوبی کا) اپنی کُندی کی چوٹ سے کپڑے کا پھاڑ دینا یا مزدور کا پھسل پڑنا، یا اس رسی کا ٹوٹ جانا جس سے (جانور) کرایہ پر دینے والا بوجھ باندھتا ہے یا (ملاح کے) کشتی کھینچنے سے کشتی کا غرقاب ہو جانا، تو (ان سب صورتوں میں) اجیر پر ضمان (واجب) ہوگا لیکن اجیر (ملاح) اپنے عمل کی وجہ سے آدمیوں (کے تلف ہو جانے) کا ضامن نہیں ہوگا لہٰذا جو شخص کشتی میں غرق ہو جائے یا کوئی چوپایہ پر سے گر (کرمر) جائے تو اجیر اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ اور اگر جراح نے فصد کھولی یا نشتر لگانے والے نے (جانور کی رگ میں) نشتر دیا اور وہ (فصد یا نشتر) معتاد جگہ (فصد یا نشتر دینے کی جگہ) سے آگے نہیں بڑھا تو اس کی وجہ سے جو بھی ہلاک ہو جائے اس کا ان دونوں پر ضمان نہیں ہوگا اور اگر فصد یا نشتر اپنی جگہ سے تجاوز کرگئی تو یہ (دونوں) ضامن ہوں گے۔

اجیر مشترک کا بیان

حل لغات: الاُجَرَاءُ: اجیر کی جمع ہے، مزدور۔ الصّبّاغ: رنگریز۔ القصار: دھوبی۔ المتاع: سامان۔ تخریق: پھاڑنا۔ دق چوٹ، مراد اس لکڑی کی ضرب اور چوٹ ہے جس سے دھوبی کپڑا پیٹتا ہے۔ زلق مصدر زَلِقَ (س ن) القدمُ، قدم پھسلنا۔ الحمال: بروزن فعال، باربردار، مزدور۔ المکاری: اسم فاعل، باب مفاعلہ سے،

مصدر مُکَارَاۃ ہے، کرایہ پر دینے والا۔ السفینة: کشتی۔ مد: مصدر باب (ن) سے کھینچنا، دراز کرنا۔ فصد: (ن) فصدًا فصد کرنا۔ رگ کھول کر فاسد خون نکالنا۔ فصاد، جراح، فصد کھولنے والا۔ بزغ (ن) بَزَغَا الحاجمُ: نشتر لگانا۔ البزاغ: نشتر لگانے والا۔

تشریح : والاُجراء .... لم یضمنه : صاحب قدوری نے اجیر کی دو قسمیں بیان فرمائی ہے (۱) اجیر مشترک (۲) اجیر خاص۔ اجیر مشترک وہ شخص ہے جو کام کرنے کے بعد اجرت کا مستحق ہوتا ہے اور مختلف لوگوں کا کام کرتا ہے اس کے لئے اوقات کی کوئی تحدید نہیں ہے جیسے رنگریز، دھوبی وغیرہ اور جو مال کام بنانے کے لئے اس کے سپرد کیا گیا ہے وہ امانت کے درجہ میں ہے۔ اگر اس میں سے کوئی چیز بلا تعدی ہلاک وضائع ہو جائے تو امام ابوحنیفہ، امام زفر اور حسن بن زیاد کے نزدیک اجیر مشترک اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ اور صاحبین، امام مالک، امام شافعی اور ایک قول میں امام احمد کے نزدیک اجیر مشترک ضامن ہوگا البتہ اگر وہ چیز کسی ایسے سبب سے ہلاک ہو جائے جس سے بچاؤ ممکن نہ ہو مثلاً چرواہے کے پاس کسی جانور کا اپنی موت مرجانا یا آگ لگ جانا تو اس وقت اجیر مشترک پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ اگر اجیر مشترک کے عمل سے کوئی چیز ضائع ہو جائے مثلاً دھوبی نے اپنی کندی اور لکڑی سے کپڑا پیٹا اور پھٹ گیا یا مزدور سامان لے جارہا تھا اور بلا کسی بھیڑ بھاڑ اور دھکہ کے پھسل کر گر پڑا یا جس رسی سے بوجھ بندھا ہوا تھا وہ ٹوٹ گئی یا ملاح نے بے قاعدہ کشتی کھینچی اور وہ ڈوب گئی تو ان تمام صورتوں میں اسباب کے ضائع ہونے سے احناف کے نزدیک اجیر مشترک پر تاوان لازم آئے گا۔ امام زفر اور امام شافعیؒ کے نزدیک کوئی تاوان نہیں ہے البتہ اگر کشتی کے غرق آب ہونے یا سواری پر سے گر جانے کی وجہ سے کوئی آدمی ہلاک ہو جائے تو اس اجیر ملاح پر آدمی کا کوئی تاوان نہیں ہے۔

واذا فصد الفصاد الخ: پوری عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے مزید وضاحت تکرار کا باعث ہے۔ (عین الہدایہ جلد ۳)

وَالاَجِیْرُ الْخَاصُّ هُوَ الَّذِیْ یَسْتَحِقُّ الْاُجْرَةَ بِتَسْلِیْمِ نَفْسِهٖ فِی الْمُدَّةِ وَ اِنْ لَّمْ یَعْمَلْ کَمَنِ اسْتَاجَرَ رَجُلاً شَهْرًا لِلْخِدْمَةِ اَوْ لِرَعْیِ الْغَنَمِ وَ لَا ضَمَانَ عَلَی الْاَجِیْرِ الْخَاصِّ فِیْمَا تَلَفَ فِیْ یَدِهٖ وَ لَا فِیْمَا تَلَفَ مِنْ عَمَلِهٖ اِلَّا اَنْ یَّتَعَدّٰی فَیَضْمَنُ وَ الْاِجَارَةُ تُفْسِدُهَا الشُّرُوْطُ کَمَا تُفْسِدُ الْبَیْعَ.

ترجمہ : اور اجیر خاص وہ شخص ہے جو مدت کے اندر اپنی ذات کے حوالہ کرنے سے اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ اس نے (ابھی) کوئی کام نہ کیا ہو جیسے کسی شخص نے کسی شخص کو خدمت کے لئے یا بکریاں چرانے کے لئے ایک ماہ کے لئے اجرت پر رکھا اور اجیر خاص پر ان چیزوں میں کوئی تاوان نہیں ہے، جو اس کے قبضہ میں رہ کر ہلاک ہو جائیں اور نہ ہی ان چیزوں میں جو اس کے عمل سے ہلاک ہو جائیں الا یہ کہ یہ اجیر زیادتی کرے تو وہ ضامن ہوگا۔ اور شرطیں اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں جس طرح کہ وہ بیع کو فاسد کر دیتی ہیں۔

اجیر خاص کا بیان

تشریح : والاجیر الخاص .... فیضمن : صاحب قدوری اجیر خاص کی تعریف بیان کر رہے

ہیں کہ یہ وہ شخص ہے جو اپنی ذات کی مدت عقد کے اندر پیش کرنے کے بعد اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے خواہ مالک نے اس سے کام لیا ہو یا نہ لیا ہو اور یہ شخص ایک وقت متعینہ تک صرف ایک مستاجر کا کام کرتا ہے مثال کے طور پر ایک شخص کو ایک ماہ کے لئے خدمت کے طور پر نوکر رکھ لیا گیا یا بکریاں چرانے کے لئے نوکر رکھ لیا گیا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس اجیر خاص کے قبضہ سے یا اس کے عمل سے کوئی چیز تباہ اور ہلاک ہو جاتی ہے تو اس پر کوئی ضمان اور تاوان نہیں ہے۔ مثلاً اس کے پاس سے کوئی چیز چوری ہوگئی یا کوئی چیز غائب ہوگئی تو اجیر خاص اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ اگر اس نے خود زیادتی کی اور عمداً چیز کو تباہ کر دیا تو بالاجماع ضامن ہوگا۔ (عین الہدایہ جلد ۳)

والاجارة الخ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اجارۃ بیع کے درجہ میں ہے اس لئے جو شرطیں بیع کو فاسد کرتی ہیں وہی شرطیں **عقد اجارہ کو بھی فاسد کر دیتی ہیں (ان شرائط کی تفصیل** بیع کے بیان میں گذر چکی ہے ملاحظہ فرمائیں)

وَ مَنِ اسْتَاجَرَ عَبْدًا لِلْخِدْمَةِ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يُّسَافِرَ بِهٖ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ عَلَيْهِ ذٰلِكَ فِي الْعَقْدِ وَ مَنِ اسْتَاجَرَ جَمَلًا لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ مَحْمِلًا وَ رَاكِبَيْنِ اِلٰى مَكَّةَ جَازَ لَهُ الْمَحْمِلُ الْمُعْتَادُ وَ اِنْ شَاهَدَ الْجَمَّالُ الْمَحْمِلَ فَهُوَ اَجْوَدُ وَ اِنِ اسْتَاجَرَ بَعِيْرًا لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ مِقْدَارًا مِنَ الزَّادِ فَاَكَلَ مِنْهُ فِي الطَّرِيْقِ جَازَ لَهُ اَنْ يَّرُدَّ عِوَضَ مَا اَكَلَ.

ترجمہ: اور جس شخص نے خدمت کے لئے ایک غلام نوکر رکھا تو اس کو سفر میں لے جانے کا اختیار نہیں ہے مگر یہ کہ عقد میں اس کی شرط کرے اور جس شخص نے اونٹ کرایہ پر لیا تا کہ اس پر کجاوہ رکھ کر دو آدمی کو مکہ تک سوار کرے تو جائز ہے اور مستاجر کے لئے معتاد (معمولی بوجھ کا) کجاوہ کی اجازت ہے اور اگر اونٹ والا کجاوہ دیکھ لے تو اور اچھا ہے۔ اور اگر اونٹ کرایہ پر لیا تا کہ اس پر توشہ کی ایک مقدار لا دے پھر اس نے راستہ میں توشہ سے کھالیا تو اس کے لئے جائز ہے کہ جس قدر (اس میں سے) کھایا ہے اس کے عوض اور کچھ اس پر لا دلے۔

متفرق مسائل

تشریح: صاحب قدوری نے اس عبارت میں تین مسئلے بیان کئے:

مسئلہ (۱) **ومن استاجر .... فی العقد:** اگر ایک شخص نے ایک غلام یا کسی آزاد آدمی کو اپنی خدمت کے لئے نوکر رکھا تو اس کو سفر میں لے جانے کا اختیار نہیں ہے البتہ اگر بوقت معاملہ سفر میں لے جانے کی شرط لگا دی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ (۲) **و من استاجر .... فهو اجود:** اگر ایک شخص نے مکہ تک جانے کے لئے ایک اونٹ کرایہ پر لیا جس پر ایک کجاوہ رکھا جائے اور دو آدمی سوار ہوں تو یہ صورت جائز ہے اور مستاجر کو چاہئے کہ ایسا کجاوہ رکھے جو معمولی بوجھ والا ہو اور اگر اونٹ والا کجاوہ کا معائنہ کرلے تو بہتر ہوگا تا کہ کجاوہ سے متعلق خصوصاً وزن کی بابت کوئی جہالت باقی نہ رہے۔

مسئلہ (۳) **وان استاجر بعیراً الخ:** اگر ایک شخص نے ایک اونٹ کرایہ پر لیا تا کہ اس پر توشہ کی ایک متعین مقدار لاد کر کہیں لے جائے اب اگر مستاجر نے راستہ میں اس میں سے کچھ کھالیا تو اس کا وزن کم ہو گیا لہٰذا اگر جس مقدار میں

کچھ کھایا ہے اس کے بدلہ کوئی اور چیز لادنا چاہے تو اس کی جازت ہے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

وَ الْاُجْرَةُ لَا تَجِبُ بِالْعَقْدِ وَ يَسْتَحِقُّ بِاَحَدِ ثَلٰثَةِ مَعَانٍ اِمَّا بِشَرْطِ التَّعْجِيْلِ اَوْ بِالتَّعْجِيْلِ مِنْ غَيْرِ شَرْطٍ اَوْ بِاِسْتِيْفَاءِ الْمَعْقُوْدِ عَلَيْهِ وَ مَنِ اسْتَاجَرَ دَارًا فَلِلْمُوْجِرِ اَنْ يُّطَالِبَهٗ بِاُجْرَةِ كُلِّ يَوْمٍ اِلَّا اَنْ يُّبَيِّنَ وَقْتَ الْاِسْتِحْقَاقِ فِي الْعَقْدِ وَ مَنِ اسْتَاجَرَ بَعِيْرًا اِلٰى مَكَّةَ فَلِلْجَمَّالِ اَنْ يُّطَالِبَهٗ بِاُجْرَةِ كُلِّ مَرْحَلَةٍ وَ لَيْسَ لِلْقَصَّارِ وَ الْخَيَّاطِ اَنْ يُّطَالِبَ بِالْاُجْرَةِ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ التَّعْجِيْلَ وَ مَنِ اسْتَاجَرَ خَبَّازًا لِيَخْبِزَ لَهٗ فِيْ بَيْتِهٖ قَفِيْزَ دَقِيْقٍ بِدِرْهَمٍ لَمْ يَسْتَحِقَّ الْاُجْرَةَ حَتّٰى يُخْرِجَ مِنَ التَّنُّوْرِ وَ مَنِ اسْتَاجَرَ طَبَّاخًا لِيَطْبُخَ لَهٗ طَعَامًا لِلْوَلِيْمَةِ فَالْغَرْفُ عَلَيْهِ وَ مَنِ اسْتَاجَرَ رَجُلًا لِيَضْرِبَ لَهٗ لَبِنًا اسْتَحَقَّ الْاُجْرَةَ اِذَا اَقَامَهٗ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يَسْتَحِقُّهَا حَتّٰى يُشَرِّجَهٗ.

ترجمہ: اور اجرت (اور کرایہ) نفس عقد سے واجب نہیں ہوتی ہے اور (مزدور) تین اسباب میں سے کسی ایک (کے پائے جانے) سے اجرت کا مستحق ہوتا ہے یا تو (مالک کے) جلد لینے کی شرط سے یا (مستاجر کے) بلا شرط جلد دینے سے یا معقود علیہ کے مکمل حاصل کر لینے سے۔ اور جس شخص نے مکان کرایہ پر لیا تو موجر (مکان مالک) کو حق ہے کہ مستاجر سے ہر روز کا کرایہ طلب کرے مگر یہ کہ عقد میں استحقاق کا وقت بیان کر دے۔ اور جس شخص نے مکہ تک (لے جانے کے لیے) ایک اونٹ کرایہ پر لیا تو اونٹ والے کو حق ہے کہ مستاجر سے ہر منزل کا کرایہ طلب کرے۔ اور دھوبی اور درزی کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ اجرت کا مطالبہ کرے یہاں تک کہ وہ کام سے فارغ ہو جائے مگر یہ کہ جلد لینے کی شرط کر لی ہو۔ اور جس شخص نے کسی نان بائی کو اجرت پر لیا تا کہ ایک درہم میں ایک قفیز گیہوں کی روٹی اس کے گھر پر اس کے لئے پکائے تو نان بائی اجرت کا مستحق نہیں ہوگا یہاں تک کہ تنور سے روٹی نکال دے۔ اور جس شخص نے ایک باورچی اجرت پر لیا تا کہ اس کے لئے ولیمہ کا کھانا پکائے تو کھانے کو برتن میں نکالنا اس کے ذمہ ہے۔ اور جس شخص نے کسی کو اجرت پر رکھا تا کہ اس کے لئے اینٹیں بنائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ شخص اجرت کا مستحق اس وقت ہوگا جب کہ وہ اینٹیں کھڑی کر کے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ وہ شخص اجرت کا مستحق نہیں ہوگا یہاں تک کہ اینٹوں کو تہ بتہ (چٹا) لگا دے۔

استحقاق اجرت کا ذکر

حل لغات: استیفاء: مصدر ہے باب استفعال سے، پورا وصول کرنا۔ الموجر: اسم فاعل ہے باب افعال سے، اجرت پر دینے والا، کرایہ پر دینے والا۔ بعیر نو سال یا چار سال کا اونٹ یا اونٹنی ج بُعْرَان و اَبْعِرَۃٌ. الجمّال اونٹوں کا مالک یا ساربان۔ مرحلة مسافت، منزل، ایک دن کا سفر۔ خباز نان بائی، روٹی پکانے والا۔ یخبز (ض) خبزًا، روٹی پکانا۔ قفیز ایک پیمانہ ہے جو غلہ کی قبیل سے بارہ صاع کا ہوتا ہے، اور گز کی قبیل سے ایک سو چوالیس شرعی گز کا ہوتا ہے۔ الغَرْف مصدر باب (ض) ڈونگے یا چمچے سے کوئی چیز نکالنا۔ لَبِنٌ کچی اینٹیں واحد لَبِنَةٌ. يُشَرِّجُ

تَشْرِيْجًا الحِجَارَةَ پتھروں کو تہ بتہ لگا کر جمانا۔ تشریج اللبن، اینٹوں کا چٹا لگانا۔

خلاصہ: صاحب قدوری نے اس عبارت میں کرایہ اور اجرت کی بابت ایک اصول اور چھ مسئلے بیان فرمائے:

فرماتے ہیں کہ اجرت اور کرایہ کی ادائیگی صرف معاملہ طے کرنے سے واجب نہیں ہوتی ہے بلکہ استحقاق اجرت کے لئے تین چیزوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے۔ (۱) مالک یا موجر پیشگی اجرت کی شرط لگا دے (۲) مستاجر بلا کسی شرط کے اجرت ازخود پیشگی دیدے (۳) مستاجر پوری منفعت حاصل کرلے یعنی مزدور اس کام کو مکمل کردے جس کا معاملہ طے ہوا تھا۔

مسئلہ (۱) اگر کسی شخص نے مکان کرایہ پر لیا تو مالک مکان کو اختیار ہے کہ ہر روز کا کرایہ طلب کرلیے بشرطیکہ مکان کرایہ پر دیتے وقت کرایہ کے استحقاق کے وقت کی وضاحت کردی جائے خواہ پیشگی کی صورت میں یا تکمیل مدت پر۔

مسئلہ (۲) اگر کسی شخص نے اونٹ کرایہ پر لیا تاکہ مکہ تک سفر کرے تو اونٹ کے مالک کو اختیار ہے کہ ہر منزل پر مستاجر سے کرایہ وصول کرلے۔

مسئلہ (۳) دھوبی اور درزی کو اپنے کام سے فراغت سے پہلے اجرت کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں ہے بشرطیکہ ان لوگوں نے پیشگی وصولیابی کی شرط کرلی ہو۔

مسئلہ (۴) اگر کسی نے ایک نان بائی کو اجرت پر رکھا تاکہ ایک درہم میں ایک قفیز گیہوں کی روٹی پکائے تو جب تک وہ روٹی تنور سے باہر نکال نہ دے اس وقت تک اجرت کا مستحق نہیں ہے۔

مسئلہ (۵) اگر کسی شخص نے ایک باورچی ولیمہ کا کھانا پکانے کے لئے اجرت پر رکھا تو اس کی ذمہ داری میں یہ داخل ہے کہ کھانا برتن میں نکال دے۔

مسئلہ (۶) اگر کسی نے ایک شخص کو اینٹ بنانے کے لئے اجرت پر رکھا تو یہ شخص اجرت کا مستحق کب ہوگا اس کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص اجرت کا مستحق اس وقت ہوگا جب کہ اینٹیں بنا کر خشک ہونے کے بعد کھڑی کردے، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص اس وقت اجرت کا مستحق ہوگا جب کہ اینٹوں کو خشک ہونے کے بعد اس کا چٹا لگا دے۔ (فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے (کما فی المصباح)

تشریح: اجیر اپنی اجرت کا مستحق کب ہوگا؟ اس سلسلے میں احناف اور شوافع کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک اجیر نفس عقد سے اجرت کا مستحق یعنی مالک نہیں ہوتا ہے بلکہ تین امور میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے جیسا کہ خلاصہ میں گذر چکا۔

امام شافعی کے نزدیک نفس عقد سے اجیر اجرت کا مستحق ہوجاتا ہے امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ (عینی، الجوہرۃ)

وَ اِذَا قَالَ لِلْخَيَّاطِ اِنْ خِطْتَ هٰذَا الثَّوْبَ فَارِسِيًّا فَبِدِرْهَمٍ وَ اِنْ خِطْتَهٗ رُوْمِيًّا فَبِدِرْهَمَيْنِ جَازَ وَ اَیَّ الْعَمَلَيْنِ عَمِلَ اِسْتَحَقَّ الاجْرَةَ وَ اِنْ قَالَ اِنْ خِطْتَهُ الْيَوْمَ فَبِدِرْهَمٍ وَ اِنْ خِطْتَهٗ غَدًا فَبِنِصْفِ دِرْهَمٍ فَاِنْ خَاطَهُ الْيَوْمَ فَلَهٗ دِرْهَمٌ وَ اِنْ خَاطَهُ غَدًا فَلَهٗ اُجْرَةُ مِثْلِهٖ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَ لَا يَتَجَاوَزُ بِهٖ نِصْفَ دِرْهَمٍ وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ الشَّرْطَانِ

جَائِزَانِ وَ اَیُّهُمَا عَمِلَ اسْتَحَقَّ الْاُجْرَةَ وَ اِنْ قَالَ اِنْ اسْکَنْتَ فِیْ هٰذَا الدُّکَّانِ عَطَّارًا فَبِدِرْهَمٍ فِی الشَّهْرِ وَ اِنْ اَسْکَنْتَهٗ حَدَّادًا فَبِدِرْهَمَیْنِ جَازَ وَ اَیُّ الْاَمْرَیْنِ فَعَلَ اسْتَحَقَّ الْمُسَمّٰی فِیْهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ الْاِجَارَةُ فَاسِدَةٌ.

ترجمہ : اوراگر کسی نے درزی سے کہا کہ اگر تو اس کپڑے کو فارسی طرز پر سئے گا تو (میں اجرت) ایک درہم (دوں گا) اوراگر رومی طرز پر سئے گا تو دو درہم (دوں گا) تو (یہ شرط) جائز ہے۔ اور دو کاموں میں سے جو بھی کام کرے گا (اس کی) اجرت کا مستحق ہوگا۔ اوراگر کسی نے (درزی سے) کہا کہ اگر تو یہ کپڑا آج سی دے گا تو ایک درہم (دوں گا) اوراگر کل سئے گا تو نصف درہم (دوں گا) اب اگر (درزی نے) کپڑا آج سی دیا تو اس کو ایک درہم ملے گا اوراگر کل سی دیا تو اس کو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اجرت مثل ملے گی۔ اور وہ اجرت نصف درہم سے آگے نہیں بڑھے گی۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں شرطیں جائز ہیں اوران دونوں میں سے جو بھی کام کرے گا اجرت کا مستحق ہوگا اوراگر موجر نے (مستاجر سے) کہا کہ اگر تو نے اس دکان میں کسی عطار کو بٹھایا تو ماہانہ ایک درہم ہوگا اوراگر اس میں کسی لوہار کو بٹھایا تو (ماہانہ) دو درہم ہوں گے۔ تو یہ (شرط) جائز ہے اوران دونوں میں سے جو کام کرے گا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسی کی اجرت مسمی کا مستحق ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ یہ اجارہ فاسد ہے۔

دو شرطوں میں سے کسی ایک شرط پر اجارہ کرنے کا بیان

تشریح : صاحب کتاب نے اس عبارت میں تین مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ہرایک کی صورت ترجمہ سے واضح ہے حسب ضرورت وضاحت ذیل کی سطور قلمبند کی جائے گی۔

مسئلہ (۱) **واذا قال .... استحق الاجرة** : یہ مسئلہ احناف کے نزدیک جائز ہے۔ امام زفر اورائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس شرط پر اجارہ فاسد ہے۔ (عینی شرح کنز ص ۴۲۴ ج ۳)

مسئلہ (۲) **وان قال .... استحق الاجرة** : یہ مسئلہ احناف کے نزدیک دونوں شرطوں کی صورت میں جائز ہے لیکن امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں۔ البتہ احناف میں امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ درزی کو کون سی اجرت ملے گی۔ تو امام صاحبؒ کے نزدیک مسئلہ کی پہلی صورت میں یعنی اگر آج سی کر دیتا ہے تو ایک درہم ملے گی اور دوسری صورت میں یعنی اگر کل کو سی کر دیتا ہے تو اجرت مثل ملے گی یعنی اس کپڑے کی سلائی کی اجرت بازار میں جو ہوگی وہی ملے گی لیکن یہ اجرت نصف درہم سے زائد نہیں ہوگی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں وہی اجرت ملے گی جو طے ہوگی۔

مسئلہ (۳) **وان قال اسکنت ....الاجارة فاسدة** : یہ مسئلہ امام صاحب کے نزدیک جائز ہے اور دونوں صورت میں جو اجرت طے ہوگی وہی ملے گی۔ صاحبینؒ کے نزدیک یہ اجارہ فاسد ہے۔ امام زفر اورائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (عینی ج ۳ ص ۴۲۵)

نوٹ : اسکنت. قدروی کے عام نسخوں میں سکنت (مجرد) ہے اور ہدایہ کے نسخوں میں اسکنت (مزید فیہ) ہے جو موقع کے مناسب ہے۔ راقم السطور نے ہدایہ کے نسخوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسکنت لکھا ہے۔ مجرد کی صورت میں مفہوم واضح نہیں ہوتا ہے۔

وَ مَنِ اسْتَاجَرَ دَارًا كُلَّ شَهْرٍ بِدِرْهَمٍ فَالْعَقْدُ صَحِيْحٌ فِيْ شَهْرٍ وَاحِدٍ وَ فَاسِدٌ فِيْ بَقِيَّةِ الشُّهُوْرِ اِلَّا اَنْ يُّسَمِّيَ جُمْلَةَ الشُّهُوْرِ مَعْلُوْمَةً فَاِنْ سَكَنَ سَاعَةً مِنَ الشَّهْرِ الثَّانِيْ صَحَّ الْعَقْدُ فِيْهِ وَ لَمْ يَكُنْ لِلْمُوْجِرِ اَنْ يُخْرِجَهُ اِلىٰ اَنْ يَنْقَضِيَ الشَّهْرُ وَ كَذٰلِكَ حُكْمُ كُلِّ شَهْرٍ يَسْكُنُ فِيْ اَوَّلِهِ يَوْمًا اَوْ سَاعَةً وَ اِذَا اسْتَاجَرَ دَارًا شَهْرًا بِدِرْهَمٍ فَسَكَنَ شَهْرَيْنِ فَعَلَيْهِ اُجْرَةُ الشَّهْرِ الْاَوَّلِ وَ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ مِنَ الشَّهْرِ الثَّانِيْ وَ اِذَا اسْتَاجَرَ دَارًا سَنَةً بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ جَازَ وَاِنْ لَمْ يُسَمِّ قِسْطَ كُلِّ شَهْرٍ مِنَ الْاُجْرَةِ.

ترجمہ : اور جس شخص نے ایک مکان ہر ماہ ایک درہم کے عوض کرایہ پر لیا تو عقد اجارہ صرف ایک مہینہ کے لئے درست ہے اور باقی مہینوں کے لئے فاسد ہے۔ مگر یہ کہ بقیہ تمام مہینوں کو معین کر کے بیان کردے (تو جائز ہے) اور اگر مستاجر دوسرے ماہ میں ایک گھڑی بھی اس (مکان) میں ٹھیر گیا تو اس (دوسرے مہینہ) میں بھی عقد صحیح ہوگا اور موجر کو اس بات کا اختیار نہیں ہے کہ مستاجر کو (مکان سے) مہینہ کے ختم ہونے سے پہلے نکال دے۔ اور اسی طرح ہر اس مہینہ کا حکم ہے جس کے شروع میں ایک دن یا ایک ساعت بھی (مستاجر اس مکان میں) ٹھیر جائے۔ اور اگر کسی نے ایک مکان ایک ماہ کے لئے ایک درہم کے عوض کرایہ پر لیا اور وہ دو مہینہ رہا تو مستاجر پر پہلے ماہ کا کرایہ واجب ہے اور دوسرے ماہ کا واجب نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایک مکان ایک سال دس درہم کے عوض کرایہ پر لے تو جائز ہے اگر چہ اس نے ہر ماہ کے کرایہ پر قسط بیان نہ کی ہو۔

مکان کے کرایہ کے احکام

تشریح : صاحب قدوری نے مکان کے کرایہ کے متعلق تین مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے۔ مسئلہ (۱) میں قدرے تفصیل ہے اور باقی مسئلے بالکل واضح ہیں۔

مسئلہ (۱) **ومن استاجر .... یوما او ساعة**: اگر ایک شخص نے ایک درہم پر ایک مکان ایک ماہ کے لئے کرایہ پر لیا تو یہ عقد صرف ایک ماہ ہی کے لئے صحیح ہوگا اور باقی مہینوں کے لئے فاسد ہوگا بشرطیکہ باقی مہینوں کو متعین طور پر واضح انداز میں بیان کردیا جائے۔ اس لئے کہ جب لفظ کل ایسی چیزوں پر داخل ہوتا ہے جس کی انتہاء معلوم نہ ہوتو اس کو فرد رار کی طرف پھیر دیا جاتا ہے کیونکہ اس کے عموم پر عمل معتذر رہتا ہے اور ایک مہینہ معلوم ہے تو عقد اجارہ ایک مہینہ میں صحیح ہوگا۔ اب اگر مستاجر نے ایک ماہ پورا کرنے کے بعد دوسرے ماہ میں ایک گھڑی بھی اس کے مکان میں قیام کیا تو اس دوسرے ماہ میں بھی عقد اجارہ صحیح ہوگا اور مکان مالک کا کرایہ دار کو مہینہ پورا ہونے سے پہلے نکالنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے۔ صاحب قدوری فرماتے ہیں مستاجر نے جس مہینہ کے شروع میں مکان میں ایک دن یا ایک ساعت بھی قیام کیا تو اس مہینہ

میں اجارہ صحیح ہوگا۔

مسئلہ (۲) واستاجر ....من الشهر الثاني: یہ مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

مسئلہ (۳) اگر کسی نے ایک مکان سال کے لئے کرایہ پر لیا اور مجموعی طور پر کرایہ کا ذکر کیا تو یہ اجارہ صحیح ہے ہر ماہ کے کرایہ کی قسط کا تذکرہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

وَيَجُوْزُ اَخْذُ اُجْرَةِ الْحَمَّامِ وَ الْحَجَّامِ وَ لَا يَجُوْزُ اَخْذُ اُجْرَةِ عَسْبِ التَّيْسِ وَلَا يَجُوْزُ الْاِسْتِيْجَارُ عَلَى الْاَذَانِ وَ الْاِقَامَةِ وَ تَعْلِيْمِ الْقُرْآنِ وَ الْحَجِّ وَ لَا يَجُوْزُ الْاِسْتِيْجَارُ عَلَى الْغِنَاءِ وَ النَّوْحِ وَ لَا يَجُوْزُ اِجَارَةُ الْمُشَاعِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِجَارَةُ الْمُشَاعِ جَائِزَةٌ وَ يَجُوْزُ اِسْتِيْجَارُ الظِّئْرِ بِاُجْرَةٍ مَعْلُوْمَةٍ وَ يَجُوْزُ بِطَعَامِهَا وَ كِسْوَتِهَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَلَيْسَ لِلْمُسْتَاجِرِ اَنْ يَمْنَعَ زَوْجَهَا مِنْ وَطْئِهَا فَاِنْ حَبِلَتْ كَانَ لَهُمْ اَنْ يَفْسَخُوْا الْاِجَارَةَ اِذَا خَافُوْا عَلَى الصَّبِيِّ مِنْ لَبَنِهَا وَ عَلَيْهَا اَنْ تُصْلِحَ طَعَامَ الصَّبِيِّ وَ اِنْ اَرْضَعَتْهُ فِى الْمُدَّةِ بِلَبَنِ شَاةٍ فَلَا اُجْرَةَ لَهَا.

ترجمہ: اور حمام اور پچھنے لگانے کی اجرت لینا جائز ہے۔ اور نر کو (مادہ پر) کودانے کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اور اذان، تکبیر، تعلیم قرآن اور حج پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اور گانے اور نوحہ کرنے پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مشترک چیز کا اجارہ جائز نہیں ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مشترک چیز کا اجارہ جائز ہے اور اَنّا (دودھ پلانے والی) کو متعین اجرت پر اجارہ پر لینا جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اَنّا کو کھانے اور کپڑے پر (استحساناً) اجارہ پر لینا جائز ہے۔ اور مستاجر کو اختیار نہیں ہے کہ اَنّا کے شوہر کو اس سے وطی کرنے سے منع کرے پھر اگر اَنّا حاملہ ہوگئی تو ان کو (بچے والوں کو) اختیار ہے کہ اجارہ کو فسخ کردیں اگر ان لوگوں کو بچہ کے حق میں اس کے دودھ سے اندیشہ ہو اور اَنّا پر لازم ہے کہ بچہ کی غذا درست کرے۔ اور اگر اَنّا نے بچہ کو مدت اجارہ میں بکری کا دودھ پلایا تو اس کے لئے اجرت نہیں ہے۔

وہ افعال جن کے انجام دینے پر اجرت لینا جائز ہے یا جائز نہیں ہے؟

حل لغات: عسب: نر کا مادہ پر چڑھانا، جفتی کرانا۔ عسب: دراصل نر جانور کے نطفہ کو کہتے ہیں۔ التيس بکرا، جنگلی بکرا۔ النوح مردہ پر رونا۔ المشاع: مشترک اور غیر منقسم چیز۔ الظئر اَنّا، غیر کے بچہ کو دودھ پلانے والی۔ کسوة لباس ج کُسیً و کِسیً. ارضعته اس کو دودھ پلایا مصدر ارضاعًا۔

تشریح: صاحب قدوری نے اس پوری عبارت میں گیارہ امور کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے اول کے دو اور آخر کے ایک امر میں اجرت لینا جائز ہے اور درمیان کے آٹھ امور میں اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

ویجوز .... التيس: حمام اور پچھنے لگوانے پر اجرت لینا جائز ہے جیسا کہ اکثر علماء کا یہی خیال ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک حجام کو اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ اور مادہ جانور کو گابھن کرنے کے لئے نر کو مادہ پر چڑھانے پر اجرت لینا جائز نہیں ہے اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

ولا یجوز الاستیجار .... والحج : اذان، تکبیر، تعلیم قرآن، حج اسی طرح امامت، فقہ کی تعلیم وغیرہ پر اجرت لینے کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک مذکورہ امور اور ہر ایسی خدمت جو مسلمان کے ساتھ مخصوص ہے اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر ایسے عمل پر اجرت لینا جائز ہے جو اجیر پر متعین یعنی واجب نہ ہو۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا ایک قول ایسا ہی ہے لیکن قول مشہور احناف کے مطابق ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک امامت پر اجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ ان کے ساتھ اذان بھی ہو۔ مشائخ بلخ کا مذہب مختار یہ ہے کہ مذکورہ امور پر اجرت لینا جائز ہے اور آج کل فتویٰ جواز پر ہے۔

ولا یجوز اجارۃ المشاع .... جائزۃ: مشترک چیز کے اجارہ کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مشترک چیز کا اجارہ درست نہیں ہے البتہ اگر ایک شریک ہو تو درست ہے۔ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک مشترک چیز کا اجارہ درست ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ویجوز استیجار الظئر......... رحمہ اللہ: دودھ پلانے والی دائی (انا) کو مقررہ تنخواہ پر نوکر رکھنے کے متعلق قدرے اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسی عورت کو مقررہ تنخواہ پر اسی طرح کھانے، کپڑے پر بھی نوکر رکھنا جائز ہے۔ صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک از روئے قیاس جائز نہیں ہے۔

ولیس للمستاجر الخ: اس پوری عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

> وَ كُلُّ صَانِعٍ لِعَمَلِهٖ اَثَرٌ فِي الْعَيْنِ كَالْقَصَّارِ وَ الصَّبَّاغِ فَلَهٗ اَنْ يَّحْبِسَ الْعَيْنَ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْ عَمَلِهٖ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الْاُجْرَةَ وَ مَنْ لَيْسَ لِعَمَلِهٖ اَثَرٌ فِي الْعَيْنِ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّحْبِسَ الْعَيْنَ لِلْاُجْرَةِ كَالْحَمَّالِ وَ الْمَلَّاحِ وَ اِذَا اشْتَرَطَ عَلَى الصَّانِعِ اَنْ يَّعْمَلَ بِنَفْسِهٖ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّسْتَعْمِلَ غَيْرَهٗ وَ اِنْ اَطْلَقَ لَهُ الْعَمَلَ فَلَهٗ اَنْ يَّسْتَاجِرَ مَنْ يَّعْمَلُهٗ.

ترجمہ : اور ہر ایسا اجیر جس کے کام کا اثر عین شیءٔ میں (ظاہر) ہو جیسے دھوبی اور رنگریز، تو اس کے لئے جائز ہے کہ اپنے کام سے فراغت کے بعد عین شیٔ کو روک لے یہاں تک کہ اجرت وصول کرے۔ اور ایسا شخص جس کے کام کا اثر عین شیٔ میں (ظاہر) نہ ہو تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اجرت کے لئے عین شیٔ کو روکے جیسے باربردار اور ناخدا۔ اور جب کاری گر سے یہ شرط کرلے کہ وہ کام خود کرے تو اس (کاری گر) کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے سے کرائے اور اگر اس کے لئے کام کو مطلق رکھا (بلا کسی شرط) کے تو اس کے لئے جائز ہے کہ کسی ایسے شخص کو اجیر رکھے جو اس کام کو کرے۔

وہ شکلیں جن میں اجیر کے لئے عین شیٔ کو روکنا جائز ہے

حل لغات: صانع: کاریگر، مراد اجیر ہے۔ **القصار:** دھوبی۔ **الصباغ:** رنگریز، کپڑا رنگنے والا۔ **یستوفی** استیفاءً پورا وصول کرنا۔ **یحبس** (ض) حبسًا: روکنا، قید کرنا۔ **الحمال:** باربردار، بوجھ اٹھانے والا۔ **الملّاح:** ناخدا، کشتی ران۔

خلاصہ : صاحب قدوری نے ایسے اصول بیان کئے جن کی روشنی میں اجرت پر کام کرنے والا مقررہ معاوضہ وصول کرنے کے لئے اصل شئ کو اپنے پاس روک سکتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جس اجیر کے کام کا اثر اصل چیز کے اندر نمایاں ہو تو وہ اپنا طے شدہ معاوضہ وصول کرنے کے لئے اصل چیز کو اپنے پاس روک سکتا ہے مثلاً کپڑا رنگنے والا یا دھوبی تو یہ دونوں اگر اپنی اجرت وصول کرنے سے پہلے کپڑا واپس نہ کریں تو جائز ہے۔ اور اگر ایسا اجیر ہے کہ جس کے کام کا اثر اصل چیز کے اندر نمایاں نہ ہو تو اس کو اپنا طے شدہ معاوضہ وصول کرنے کے لئے اصل شئ کو اپنے پاس روکنے کا اختیار نہیں ہے مثلاً ملاح اور باربردار وغیرہ کہ یہ لوگ شئ کو روکنے کا اختیار نہیں رکھتے ہیں صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر کسی اجیر سے یہ بات طے ہوئی کہ موجودہ کام تمہارے علاوہ کوئی نہیں کرے گا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ یہ کام کسی اور سے لے اور اگر کوئی ایسا معاہدہ نہیں ہوا ہے تو کسی اور سے کام لے سکتا ہے۔

تشریح : **وکل صانع** .... **والملاح** : اس عبارت میں طے شدہ معاوضہ کو روکنے کی دو صورتیں ذکر کی گئی جس میں سے ایک جائز ہے اور دوسری ناجائز ہے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں اجیر کو اصل شئ روکنے کا اختیار نہیں ہے۔

وَ اِذَا اخْتَلَفَ الْخَيَّاطُ وَ الصَّبَّاغُ وَ صَاحِبُ الثَّوْبِ فَقَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ لِلْخَيَّاطِ اَمَرْتُكَ اَنْ تَعْمَلَهُ قَبَاءً وَ قَالَ الْخَيَّاطُ قَمِيْصًا اَوْ قَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ لِلصَّبَّاغِ اَمَرْتُكَ اَنْ تَصْبَغَهُ اَحْمَرَ فَصَبَغْتَهُ اَصْفَرَ فَالْقَوْلُ قَوْلُ صَاحِبُ الثَّوْبِ مَعَ يَمِيْنِهٖ فَاِنْ حَلَفَ فَالْخَيَّاطُ ضَامِنٌ وَ اِنْ قَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ عَمِلْتَهُ لِيْ بِغَيْرِ اَجْرَةٍ وَ قَالَ الصَّانِعُ بِاُجْرَةٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُ صَاحِبُ الثَّوْبِ مَعَ يَمِيْنِهٖ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِنْ كَانَ حَرِيْفًا لَهُ فَلَهُ الْاُجْرَةُ وَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ حَرِيْفًا لَهُ فَلَا اُجْرَةَ لَهُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِنْ كَانَ الصَّانِعُ مُبْتَذِلًا لِهٰذِهِ الصُّنْعَةِ بِالْاُجْرَةِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِيْنِهٖ اَنَّهُ عَمِلَهُ بِاُجْرَةٍ.

ترجمہ : اور جب درزی، رنگریز اور کپڑے کے مالک کا (باہمی) اختلاف پیدا ہو جائے اور کپڑے والا درزی سے کہے کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ تم اس (کپڑے) کا قباء بنا دو اور درزی کہے کہ کرتے کو کہا تھا یا کپڑے کا مالک رنگریز سے کہے کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ اس (کپڑے) کو سرخ رنگ دو لیکن تم نے زرد رنگ دیا تو (ان صورتوں میں) کپڑے والے کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا پس اگر کپڑے والے نے قسم کھالی تو درزی (یا رنگریز) ضامن ہوگا۔ اور اگر کپڑے کا مالک کہے کہ تو نے وہ کام میرے لئے بلا اجرت کے کیا ہے اور کاریگر کہے کہ (میں نے) اجرت سے (کیا ہے) تو (اس صورت میں بھی) امام ابو حنیفہ کے نزدیک کپڑے والے کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر اس کا ہم پیشہ (یہی) ہے تو اس کے لئے اجرت ہے اور اگر (یہ) اس کا ہم پیشہ نہیں ہے تو اس کے لئے اجرت نہیں ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر یہ کاریگر اس کام کو اجرت سے کرنے میں مشہور ہے تو اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کہ بیشک اس نے اجرت کے ساتھ کام کیا ہے۔

حل لغات : حریف: ہم پیشہ، شریک۔ متبذل : مشہور۔ الصنعة: کام۔

خلاصہ : مالک اور کاریگر (اجیر) کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے مثلاً کپڑے والا درزی سے کہے کہ میں نے تم کو قباء سینے کے لئے کپڑا دیا تھا لیکن تو نے قباء کے بجائے کرتہ سی دیا، درزی کہتا ہے کہ میں نے تمہارے حکم کے مطابق کام کیا ہے یا رنگریز سے کہے کہ میں نے تم سے سرخ رنگ میں رنگنے کو کہا تھا اور تم نے سرخ رنگ کے بجائے زرد رنگ میں رنگ دیا، رنگریز کہتا ہے کہ میں نے تمہارے کہنے کے مطابق کام کیا ہے۔ تو ان دونوں صورتوں میں علی وجہ الاتفاق کپڑے والے کا قول قسم کے ساتھ معتبر مانا جائے گا۔ اور جب کپڑے والے نے قسم کھالی تو کپڑے کی سلائی کے مسئلہ میں درزی ضامن ہوگا یعنی اگر مالک چاہے تو اپنے کپڑے کی قیمت لے لے اور چاہے تو کپڑا لے کر درزی کو اجر المثل دے دے مگر مقدار متعینہ سے زیادہ نہ ہو۔ اور رنگریز کے مسئلہ میں مالک کو اختیار ہے کہ جب قسم کھالیا تو اگر چاہے تو اپنے کپڑے کی قیمت لے لے اور چاہے تو رنگین کپڑا لے کر اس کو اجر المثل دے دے، مگر مقدار متعینہ سے زیادہ نہ ہو۔ اسی طرح اگر کپڑے کا مالک کاریگر سے کہے کہ تم نے میرا کام بلا کسی اجرت اور معاوضہ کیا ہے لیکن کاریگر کہتا ہے کہ میں نے تمہارا کام معاوضہ پر کیا ہے تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ تینوں کا الگ الگ مسلک ہے۔ امام صاحب کے نزدیک مالک کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کپڑے کا مالک کاریگر کا شریک ہے یعنی دونوں کا لین دین پہلے سے ہے تو مالک پر اجرت واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کاریگر اجرت پر کام کرنے میں مشہور ہے تو قسم کے ساتھ اس کا قول مان لیا جائے گا۔ (درمختار میں ہے کہ فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے اور تبیین وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے)

وَ الوَاجِبُ فِيْ الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ أُجْرَةُ الْمِثْلِ لَا يَتَجَاوَزُ بِهِ الْمُسَمّٰى وَ إِذَا قَبَضَ الْمُسْتَاجِرُ الدَّارَ فَعَلَيْهِ الْأُجْرَةُ وَإِنْ لَمْ يَسْكُنْهَا فَإِنْ غَصَبَهَا غَاصِبٌ مِنْ يَدِهٖ سَقَطَتِ الْأُجْرَةُ وَ إِنْ وَجَدَ بِهَا عَيْبًا يَضُرُّ بِالسُّكْنٰى فَلَهُ الْفَسْخُ.

ترجمہ : اور اجارہ فاسدہ میں اجرت مثل واجب ہوتی ہے جو طے شدہ سے متجاوز نہیں ہوگی اور جب کرایہ دار نے مکان (یا دوکان وغیرہ) پر قبضہ کر لیا تو اس پر کرایہ واجب ہے اگر چہ وہ اس مکان میں نہ رہے اور اگر کسی غاصب نے یہ مکان اس سے غصب کر لیا تو کرایہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر کرایہ دار اس مکان میں ایسا عیب پائے جو رہائش کے لئے نقصان دہ ہو تو کرایہ دار کو اجارہ کے فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

خلاصہ : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اجارہ فاسدہ میں مزدور کو اجرت مثل دی جاتی ہے یعنی وہ اجرت جو بازار میں رائج ہے البتہ یہ اجرت اجرت مسمی سے زائد نہیں ہونی چاہیے۔ اگر کسی نے مکان یا دوکان وغیرہ کرایہ پر لیا تو کرایہ دار کو کرایہ ادا کرنا ضروری ہے اگر چہ اس نے اس کو استعمال میں نہ لایا ہو، ہاں اگر کسی نے اسی کے قبضہ میں اس مکان یا دوکان کو غصب کر لیا تو اس صورت میں کرایہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر اسی مکان میں کوئی ایسی کمی پائی گئی جو رہائش کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے تو اس صورت میں کرایہ دار اس عقد اجارہ کو فسخ کر سکتا ہے۔

تشریح : اجرة المثل: اجرت مثل کے متعلق احناف کا مسلک بیان کیا گیا۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اجارہ فاسدہ میں اجیر کو اجرت مثل دی جائے گی اگر چہ اجرت مسمی سے زائد ہو جائے۔ (ہدایہ ج ۳)

وَ اِذَا خَرِبَتِ الدَّارُ اَوْ انْقَطَعَ شُرْبُ الضَّيْعَةِ اَوْ انْقَطَعَ الْمَاءُ عَنِ الرَّحیٰ اِنْفَسَخَتِ الْاِجَارَةُ وَ اِذَا مَاتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَ قَدْ عَقَدَ الْاِجَارَةَ لِنَفْسِهِ اِنْفَسَخَتِ الْاِجَارَةُ وَاِنْ كَانَ عَقَدَهَا لِغَيْرِهِ لَمْ تَنْفَسِخْ وَ يَصِحُّ شَرْطُ الْخِيَارِ فِي الْاِجَارَةِ كَمَا فِي الْبَيْعِ وَ تَنْفَسِخُ الْاِجَارَةُ بِالْاَعْذَارِ كَمَنْ اسْتَاجَرَ دُكَّانًا فِي السُّوْقِ لِيَتَّجِرَ فِيْهِ فَذَهَبَ مَالُهُ وَ كَمَنْ اٰجَرَ دَارًا اَوْ دُكَّانًا ثُمَّ اَفْلَسَ فَلَزِمَتْهُ دُيُوْنٌ لَا يَقْدِرُ عَلٰى قَضَائِهَا اِلَّا مِنْ ثَمَنِ مَا آجَرَ فَسَخَ الْقَاضِي الْعَقْدَ وَ بَاعَهَا فِي الدَّيْنِ وَمَنْ اسْتَاجَرَ دَابَّةً لِيُسَافِرَ عَلَيْهَا ثُمَّ بَدَا لَهُ مِنَ السَّفَرِ فَهُوَ عُذْرٌ وَ اِنْ بَدَا لِلْمُكَارِيْ مِنَ السَّفَرِ فَلَيْسَ ذٰلِكَ بِعُذْرٍ.

ترجمہ : اور جب مکان ویران ہو جائے یا آب پاشی کی زمین کا پانی یا پن چکی کا پانی بند ہو جائے تو وہ اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ اور جب معاملہ کرنے والوں میں سے کوئی ایک مر جائے اور حال یہ کہ اس نے اپنے لئے اجارہ کیا تھا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ اور اگر اجارہ کسی اور کے لئے کیا تھا تو فسخ نہیں ہوگا۔ اور اجارہ میں شرط خیار صحیح ہے جیسا کہ بیع میں (صحیح) ہے۔ اور اجارہ عذروں سے فسخ ہو جاتا ہے جیسے کسی نے بازار میں دوکان تجارت کرنے کے لئے کرایہ پر لی پھر اس کا مال جاتا رہا اور جس طرح کسی شخص نے مکان یا دوکان کرایہ پر دیا پھر وہ مفلس ہو گیا اور اس کے ذمہ اتنا قرض ہو گیا جس کی ادائیگی پر اس کو قدرت نہیں ہے مگر اس چیز کی قیمت سے جو اس نے کرایہ پر دے رکھا ہے تو قاضی یعنی حاکم وقت عقد اجارہ کو فسخ کرے اور اس کو قرض میں فروخت کردے۔ اور جس شخص نے کرایہ پر چوپایہ لیا تا کہ اس پر سفر کرے پھر اس کے لئے (ایک رائے) سامنے آئی (جس نے اس کو) سفر سے (روک دیا) تو یہ ایک عذر ہے اور اگر (یہ رائے) کرایہ دینے والے کے لئے ظاہر ہو (جو اس کو) سفر سے (روک دے) تو یہ عذر نہیں ہے۔

اجارہ کے فسخ کرنے کا بیان

حل لغات : خَرِبَتْ: (س) خربًا و خرابًا البیتُ گھر کا ویران ہونا، اجاڑ ہونا۔ مشرب: پانی کا حق۔ الضیعة زمین۔ الرحیٰ: پن چکی۔ الاعذار: واحد، عذر۔ السوق: بازار۔ بدا: ظاہر ہونا۔ مکاری: اسم فاعل مصدر مکاراۃ کرایہ پر دینے والا۔

خلاصہ : کن امور کی وجہ سے عقد اجارہ فسخ ہو سکتا ہے اس کو صاحب قدوری بیان کر رہے ہیں۔

کہ اگر گھر ویران اور کھنڈرات میں تبدیل ہو جائے یا کاشت کی زمین کا پانی بند ہو جائے یا پن چکی کا پانی بند ہو جائے یعنی اگر ان چیزوں سے عیب کی وجہ سے منفعت کا حصول ناممکن ہو جائے تو عقد اجارہ فسخ ہو جاتا ہے۔ اور اگر متعاقدین یعنی مالک مکان اور کرایہ دار میں سے کوئی ایک انتقال کر جائے جب کہ اجارہ اپنے لئے کیا ہو تو اس صورت میں بھی اجارہ فسخ ہو جائے گا لیکن **اگر اجارہ کسی غیر کے لئے کیا ہو مثلاً وکیل نے مؤکل کے لئے اجارہ کیا یا وصی نے یتیم کے لئے اجارہ کیا تو اس صورت میں احد**

المتعاقدین کے انتقال سے عقد اجارہ فسخ نہیں ہوگا۔اور اگر عقد اجارہ میں موجر یا مستاجر کے لئے خیار شرط (یا خیار رویت ہو) تو یہ صحیح ہے جس طرح کی عقد بیع میں خیار شرط کا ہونا صحیح ہے (اور اس خیار کی وجہ سے بھی عقد اجارہ فسخ کر سکتے ہیں) اور عقد اجارہ عذر کی وجہ سے بھی فسخ ہوسکتا ہے مثال کے طور پر ایک شخص نے بازار میں ایک دوکان تجارت کے لئے کرایہ پر لی سوء اتفاق سے اس کا مال ضائع ہوگیا یا ایک شخص نے اپنا مکان یا اپنی دوکان کرایہ پر دیدی سوء اتفاق سے وہ مفلس ہوگیا اور اس قدر مقروض ہوگیا کہ بغیر مکان یا دوکان کے فروخت کئے قرض کی ادائیگی ممکن نہیں ہے تو قاضی عقد اجارہ کو فسخ کردے اور کرایہ پر دی گئی چیزوں کو فروخت کر کے قرض ادا کردے یا ایک شخص نے سفر کے لئے ایک سواری کرایہ پر لی پھر کسی ضرورت کی وجہ سے سفر کا ارادہ ملتوی ہوگیا تو یہ بھی ایک عذر ہے ان تینوں مثالوں میں اجارہ فسخ ہوجائے گا (گو بعض مثالوں میں حاکم کو فسخ کے لئے کہا گیا ہے) صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر مانع سفر ضرورت کرایہ پر دینے والے کے لئے پیش آئے تو اس کو عذر نہیں شمار کیا جائے گا۔

تشریح : **واذا خَرِبَت .... بالاعذار**: اس پوری عبارت میں یہ بتایا گیا ہے کہ چار چیزوں کی وجہ سے عقد اجارہ فسخ ہوجاتا ہے (۱) اجارہ میں دی گئی چیزوں میں عیب کا پیدا ہوجانا جس سے حصول منفعت ناممکن ہو۔ (۲) متعاقدین میں سے کسی ایک کا انتقال کرجانا۔ (۳) موجر یا مستاجر کے لئے خیار شرط کا ہونا۔ (۴) عاقد کے لئے عذر کا پیش آجانا۔اس کی تین مثالیں بالتفصیل خلاصہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

واذا خرِبَتِ الدّارُ .... انفسخت الاجارة : اس صورت میں عقد اجارہ کے فسخ کے متعلق احناف کا مسلک بیان کیا گیا ہے۔ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے۔عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عقد اجارہ از خود فسخ ہوجاتا ہے؛ لیکن اصح قول یہ ہے کہ مستاجر کے فسخ کرنے سے فسخ ہوتا ہے۔ (عین الہدایہ ج۳ ص ۶۷۱)

واذا مات ....انفسخت الاجارة : اس صورت میں احناف کا مسلک ذکر کیا گیا ہے۔یہی مسلک ائمہ ثلاثہ، اسحاق، ثوری اور لیث کا بھی ہے۔

ویصح شرط الخیار فی الاجارة : صاحب قدوری نے احناف کا مسلک بیان کیا، امام احمدؒ کا بھی یہی خیال ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک اجارہ میں خیار شرط صحیح نہیں ہے۔ (ہدایہ، عین الہدایہ ج۳ ص ۶۷۳)

وتنفسخ الاجارة بالاعذار: یہ حنفیہ کا مسلک ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اجارہ بلا کسی عیب کے فسخ نہیں کیا جاسکتا۔ (عین الہدایہ ج۳ ص ۶۷۳)

فسخ القاضی: عبارت بتاتی ہے کہ حاکم وقت عقد اجارہ کو ختم کرے۔زیادات میں بھی ایسا ہی ہے لیکن الجامع الصغیر کی عبارت بتاتی ہے کہ حاکم وقت کے فیصلہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (ہدایہ)

كتاب الشفعة

شفعہ کا بیان

صاحب کتاب یہاں سے شفعہ کا بیان شروع کررہے ہیں۔ہم اصل بحث کو شروع میں کرنے سے قبل چند تمہیدی

باتوں کو بیان کریں گے جن سے احتراز غیر مناسب ہے : شفعہ کی لغوی تحقیق۔شفعہ کی اصطلاحی تعریف۔شفعہ کی شرائط۔ شفعہ کارکن۔شفعہ کا حکم۔شفعہ کی صفت۔ثبوت شفعہ کی حکمت۔

شفعہ کی لغوی تحقیق : فُعلۃٌ کے وزن پر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے۔امام مطرزی کے بیان کے مطابق اس کا فعل غیر مسموع ہے البتہ فقہا کہتے ہیں "باع الشفیع الدار التی یشفع بھا ای توخذ بالشفعة" شفعة، شفع سے ماخوذ ہے۔معنی ہے ملانا، ختم کرنا۔یہ وتر (طاق) کا ضد ہے۔شفعہ میں ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ انضمام ہوتا ہے اسی معنی کے اعتبار سے شفاعت کو شفاعت اس لئے کہتے ہیں کہ اس شفاعت کے ذریعہ گنہگار کو نیک لوگوں کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔چونکہ شفیع شئ مشفوع کو اپنی ملکیت میں شامل کر لیتا ہے اس لئے اس کو شفعہ کہتے ہیں۔

(اصح النوری ج ۲ ص ۵ حاشیہ قدوری نمبر ۶)

شفعہ کی اصطلاحی تعریف : "تملُّكُ الْبُقْعَةِ جَبْرًا عَلَى الْمُشْتَرِىْ مِمَّا قَامَ عَلَيْهِ" یعنی مشتری پر زبردستی کر کے اس مال کے عوض بقعہ کا مالک ہو جاتا ہے جس کے عوض میں وہ بقعہ مشتری کو اس کی خرید میں پڑا ہے۔ (کنز الدقائق)

شفعہ کی شرائط : (۱) عقد معاوضہ کا پایا جانا۔(۲) مال کا معاوضہ مال سے ہو۔(۳) مبیع عقار ہو یا عقار کے حکم میں ہو خواہ متحمل قسمت ہو یا نہ ہو جیسے حمام، پن چکی، کنواں، چھوٹے چھوٹے دار۔(۴) مبیع سے بائع کی ملکیت کا زائل ہونا۔ (۵) مبیع سے بائع کا حق زائل ہونا۔(۶) جس دار کے ذریعہ شفیع حق شفع کا طالب ہے وہ دار مشفوعہ کی خرید کے وقت شفیع کی ملکیت ہو۔(۷) مشتری کے انکار کے وقت گواہوں یا مشتری کی تصدیق سے شفیع کی ملکیت ظاہر ہو۔(۸) دار مشفوعہ بیع کے وقت شفیع کی ملکیت نہ ہو۔(۹) شفیع کی طرف سے بیع یا حکم بیع کی صراحۃً یا دلالۃً رضامندی نہ پائی جائے۔

(عالمگیری ج ۵ ص ۱۶۲-۱۶۱-۱۶۰)

شفعہ کارکن : اسباب و شرائط کی موجودگی کے وقت متعاقدین میں سے کسی ایک سے شفیع کا حق شفعہ لینا ہے۔

شفعہ کا حکم : جب سبب متحقق ہو جائے تو شفیع کے لئے حق شفعہ کا طلب کرنا جائز ہو۔

شفعہ کی صفت : یہ ہے کہ حق شفعہ سے لینا ابتدائی طور پر خرید کے درجہ میں ہے۔ (حاشیہ قدوری نمبر ۶)

ثبوت شفعہ کی حکمت : یہ ہے کہ آدمی، اجنبی شخص کی ہمسائیگی کی تکلیف سے محفوظ رہے۔

(اصح النوری ج ۲ ص ۵)

اَلشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ لِلْخَلِيْطِ فِىْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ ثُمَّ لِلْخَلِيْطِ فِىْ حَقِّ الْمَبِيْعِ كَالشُّرْبِ وَ الطَّرِيْقِ ثُمَّ لِلْجَارِ وَلَيْسَ لِلشَّرِيْكِ فِى الطَّرِيْقِ وَ الشُّرْبِ وَ الْجَارِ شُفْعَةٌ مَعَ الْخَلِيْطِ فَاِنْ سَلَّمَ الْخَلِيْطُ فَالشُّفْعَةُ لِلشَّرِيْكِ فِى الطَّرِيْقِ فَاِنْ سَلَّمَ اَخَذَهَا الْجَارُ وَ الشُّفْعَةُ تَجِبُ بِعَقْدِ الْبَيْعِ وَ تَسْتَقِرُّ بِالْاِشْهَادِ وَ تُمْلَكُ بِالْاَخْذِ اِذَا سَلَّمَهَا الْمُشْتَرِىْ اَوْ حَكَمَ بِهَا الْحَاكِمُ.

ترجمہ : (سب سے پہلے) حق شفعہ نفس مبیع میں شریک کے لئے ثابت ہے اس کے بعد اس شخص کے لئے ہے جو حق مبیع میں شریک ہو مثلاً پانی کا شریک اور راستہ کا شریک، اس کے بعد (تیسرے نمبر پر) پڑوسی کے لئے ہے (جو مشفوعہ کے مکان سے متصل ہو) نفس مبیع میں شریک کی موجودگی میں شریک فی الطریق، شریک فی الشرب اور پڑوسی کے لئے حق شفعہ نہیں ہے۔ اگر شریک (فی نفس المبیع) حوالہ کردے یعنی نہ لے تو شفعہ اس شخص کے لئے ہوگا جو راستہ میں شریک ہے اور اگر یہ بھی حوالہ کردے یعنی نہ لے تو اس کو پڑوسی لیلے۔ اور شفعہ عقد بیع سے ثابت ہوتا ہے اور (عقد بیع کے بعد) گواہ بنا لینے سے پختہ اور قائم ہوجاتا ہے اور شفیع قبضہ کرنے سے مشفوعہ کا مالک ہوجاتا ہے جب کہ مشتری اس دار کو مشتری کے حوالہ کردے یا حاکم اس کا فیصلہ کردے۔

شفیع کی اقسام اور شفعہ کی ترتیب

حل لغات : واجبة: یہ ثابتة کے معنی میں ہے۔ الخلیط: شریک۔ **تستقر: استقرارًا** مستحکم ہونا پختہ ہونا۔ **سلّم:** حوالہ کرنا، لینے سے انکار کردینا۔ **اخذ :** لینا، قبضہ کرنا۔

خلاصہ : صاحب قدوری نے شفیع کی تین قسمیں کی ہیں : (۱) وہ شخص ہے جو نفس مبیع میں شریک ہو۔ مثلاً ایک مکان دو بھائیوں کے درمیان مشترک تھا دونوں شریک میں سے ایک نے اپنا حصہ غیر کے ساتھ فروخت کردیا تو حق شفعہ اولاً اس بھائی کا ہوگا جو اس مکان میں شریک ہے۔ (۲) وہ حق مبیع میں شریک ہو جیسے تقسیم مکان پر اپنے حصوں پر قبضہ کرنے کے بعد راستہ میں شرکت باقی ہو یا شرب خاص میں شرکت ہو۔ (۳) ایسا پڑوسی جو مشفوعہ مکان کی پشت پر ہو اور دروازہ دوسری گلی میں ہو۔ (اس میں وہ پڑوسی شامل نہیں ہے جس کا مکان سامنے ہو اور درمیان میں آر پار راستہ ہو اگرچہ دونوں مکان کے دروازے قریب قریب ہوں کیونکہ درمیان کا آر پار راستہ متوقع ضرر کو دور کرتا ہے)

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر شریک فی نفس المبیع موجود ہے تو شریک فی حق المبیع یعنی شریک فی الطریق اور شریک فی الشرب کو شفعہ کا حق نہیں ہے البتہ اگر شریک فی نفس المبیع اس سے دست بردار ہوجاتا ہے تو شریک فی الطریق کو شفعہ کا حق ملے گا۔ اگر یہ شخص بھی اس حق سے دست بردار ہوجاتا ہے تو تیسرے نمبر پر گھر کی دیوار سے ملے ہوئے پڑوسی کو شفعہ کا حق ملے گا اس کے بعد فرماتے ہیں کہ شفعہ کا ثبوت عقد بیع کے بعد ہوتا ہے یعنی حق شفعہ کا سبب تو اتصال ملک ہے لیکن اس حق کے لینے کا سبب عقد بیع ہے البتہ اس شفعہ میں پختگی اس وقت آئے گی جب کہ شفیع فروختگی کی اطلاق ملنے پر سردست اسی مجلس میں شفعہ کے طلب کرنے پر گواہ قائم کرلے (تا کہ بوقت ضرورت شہادت پیش کرسکے) اور شفیع اس دار مشفوعہ پر قبضہ کرنے کے بعد مکمل مالک ہوجاتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ اصل مشتری اپنی خوشی سے اس شفیع کے حق میں دست بردار ہوجائے یا قاضی (جج) اس کے حق میں فیصلہ کردے۔

تشریح : الشفعة .... للجار: احناف کے نزدیک حق شفع تین اشخاص کو ذکر کردہ ترتیب پر ہے جس کو صاحب قدوری نے اس عبارت میں بیان کیا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف شریک فی نفس المبیع کو حق شفعہ حاصل ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اول کے دونوں کو حق شفعہ حاصل ہے پر پڑوسی کو حاصل نہیں ہے۔

احناف کے نزدیک شفیع ہونے کے لئے بالغ، یا نابالغ، مسلمان یا ذمی کی کوئی قید نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا ایک قول امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد کے ساتھ ہے۔ ان حضرات کے نزدیک ذمی کو حق شفعہ علی الاطلاق نہیں ہے۔ ابی لیلیٰ کے نزدیک حق شفعہ بالغ کو ہے نابالغ کو نہیں ہے۔ (مصباح القدوری جزء ۶ ص ۳۴)

کالشرب و الطریق : شرب خاص اور طریق خاص مراد ہے۔ شرب خاص کی تعریف میں طرفین اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے۔ طرفین فرماتے ہیں کہ ایسی نہر ہو جس میں کشتیاں وغیرہ نہ چلتی ہوں بلکہ وہ مخصوص زمینوں میں پانی دینے کے لئے ہے پس جن لوگوں کی اراضی اس نہر سے سیراب ہوتی ہیں وہ اس شرب میں شریک ہیں اور جس نہر میں کشتیاں وغیرہ چلتی ہوں وہ شرب عام ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرب خاص وہ نہر ہے جس سے دو یا تین باغ سیراب کئے جاسکیں۔ اگر اس سے زیادہ سیراب کئے جائیں تو وہ شرب عام ہے۔

طریق خاص : وہ راستہ ہے جو نافذ اور آر پار راستہ نہ ہو۔ ورنہ عام ہے۔ (ہدایہ جلد ۴)

تینوں شفیع کے لئے حق شفعہ کا ثبوت احادیث سے ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

وَ اِذَا عَلِمَ الشَّفِيْعُ بِالْبَيْعِ اَشْهَدَ فِي مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ عَلَى الْمُطَالَبَةِ ثُمَّ يَنْهَضُ مِنْهُ فَيُشْهِدُ عَلَى الْبَائِعِ اِنْ كَانَ الْمَبِيْعُ فِيْ يَدِهٖ اَوْ عَلَى الْمُبْتَاعِ اَوْ عِنْدَ الْعَقَارِ فَاِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ اسْتَقَرَّتْ شُفْعَتُهٗ وَ لَمْ تَسْقُطْ بِالتَّاخِيْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ اِنْ تَرَكَهَا مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ شَهْرًا بَعْدَ الْاِشْهَادِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ.

ترجمہ : اور جب شفیع کو بیع کا علم ہو تو اسی مجلسِ علم میں مطالبہ پر گواہ بنائے پھر اسی مجلس سے اٹھے اور بائع کے پاس گواہ بنائے اگر مبیع اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری کے پاس (گواہ بنائے) یا زمین کے پاس لہٰذا جب شفیع یہ کام کر چکا تو اس کا (حق) شفعہ پختہ ہو گیا اور یہ (حق شفعہ) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک (طلب کو) موخر کرنے سے ساقط نہیں ہوگا۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر اس نے گواہ بنانے کے بعد ایک ماہ تک بلا کسی عذر کے شفعہ کو چھوڑ دیا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

شفعہ کے طلب کرنے کا بیان

حل لغات : اشهد اِشهادًا گواہ بنانا۔ ینهض (ف) نهوضًا اٹھنا۔ المبتاع: مشتری۔ العَقار: زمین۔

خلاصہ : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جب شفیع کو یہ معلوم ہو جائے کہ میرے شریک یا پڑوسی نے فلاں مکان فروخت کر دیا تو اطلاع ملتے ہی اس پر لازم ہے کہ اسی مجلس میں یعنی فی الفور اپنا شفعہ طلب کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شفیع یہ کہے کہ فلاں شخص نے فلاں شخص سے اپنا مکان فروخت کر دیا جب کہ میں اس کا شفیع ہوں تو میں اس مکان کو شفعہ میں لوں گا (اس طلب کو اصطلاحاً طلب المواثبۃ کہتے ہیں) جب شفیع مجلس علم میں طلب مواثبہ کر چکا ہے تو اب مجلس سے اٹھ کر بائع کے پاس آئے اور گواہ قائم کرے اگر مبیع اس کے قبضہ میں ہو، یا مشتری کے پاس گواہ قائم کرے یا مبیع یعنی زمین کے پاس گواہ قائم

کرے (اس طلب کو طلب اشہاد، طلب تقریر اور طلب استحقاق کہتے ہیں) اس کی صورت یہ ہے کہ شفیع کہے کہ فلاں نے یہ مکان خرید لیا ہے اور میں اس کا شفیع ہوں اور مجلس علم میں شفعہ طلب کر چکا ہوں اور میں اب بھی اس کو طلب کر رہا ہوں تم سب اس پر گواہ رہو۔ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر (تیسری) طلب (جس کو طلب تملیک اور طلب خصومت کہتے ہیں) کو مؤخر کر دیا تو اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حق شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ (امام ابو یوسفؒ کی بھی یہی ایک روایت ہے) امام محمدؒ (اور امام زفرؒ) فرماتے ہیں کہ ایک ماہ تک بلا کسی عذر کے تاخیر کی صورت میں حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ (طلب خصومت یہ ہے کہ شفیع گذشتہ دو طلب کے بعد اب قاضی کے پاس طلب کرے جس کی صورت یہ ہے کہ شفیع کہے کہ فلاں شخص نے فلاں مکان خرید لیا ہے جب کہ میں اس کا فلاں سبب سے شفیع ہوں اس لئے آپ مجھ کو دلانے کا حکم فرما دیں)۔

تشریح : **واذا علم .... استقرت شفعته** : شفیع پر لازم ہے کہ تین قسم کی طلب کرے (۱) طلب المواثبۃ۔ (۲) طلب الاشہاد۔ ان دونوں کو صاحب قدوری نے اس عبارت کے اندر بیان کیا۔ (۳) طلب خصومت اس قسم کو آئندہ بیان کریں گے گو کہ راقم نے آسانی کے لئے اس کو بھی خلاصہ میں بیان کر دیا ہے۔ عبارت یہ بتاتی ہے کہ اول دو طلب کے بعد شفعہ میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔

ولم تسقط الخ : تیسری طلب میں تاخیر سے حق شفعہ ساقط ہوگا یا نہیں، یہ اختلاف اس وقت ہے جب کہ تاخیر بلا کسی عذر کے ہو ورنہ عذر کی وجہ سے تاخیر کی صورت میں بالاتفاق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں ائمہ احناف سے تین اقوال منقول ہیں۔

(۱) حضرات شیخین کے نزدیک تاخیر سے شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

(۲) امام محمدؒ اور امام زفر کے نزدیک ایک ماہ پر موقوف ہے۔

(۳) امام ابو یوسفؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر قاضی کی مجلس سے بلا کسی عذر کے اعراض کیا تو شفعہ ساقط ہو جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بلا کسی عذر کے تیسری طلب میں تاخیر سے شفعہ باطل ہو جائے گا۔ امام مالکؒ ایک سال کی مدت فرماتے ہیں۔

ظاہر مذہب امام صاحب کا قول ہے لیکن آج کل مفتیٰ بہ قول امام محمدؒ کا ہے۔ (ہدایہ ج ۴، شامی ج ۵ ص ۱۴۴، عینی ج ۴ ص ۸)

وَالشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ فِي الْعَقَارِ وَ اِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُقْسَمُ كَالْحَمَّامِ وَ الرُّحىٰ وَالْبِئْرِ وَ الدُّوْرِ الصِّغَارِ وَ لَا شُفْعَةَ فِي الْبِنَاءِ وَ النَّخْلِ اِذَا بِيْعَ بِدُوْنِ الْعَرْصَةِ وَ لَا شُفْعَةَ فِي الْعُرُوْضِ وَ السُّفُنِ وَ الْمُسْلِمِ وَ الذِّمِّيُّ فِي الشُّفْعَةِ سَوَاءٌ وَ اِذَا مَلَكَ الْعَقَارَ بِعِوَضٍ هُوَ مَالٌ وَجَبَتْ فِيْهِ الشُّفْعَةُ وَلَا شُفْعَةَ فِي الدَّارِ الَّتِي يَتَزَوَّجُ الرَّجُلُ عَلَيْهَا اَوْ يُخَالِعُ الْمَرْاَةَ بِهَا اَوْ يَسْتَاجِرُ بِهَا دَارًا اَوْ يُصَالِحُ مِنْ دَمِ عَمَدٍ اَوْ يُعْتِقُ عَلَيْهَا عَبْدًا اَوْ يُصَالِحُ عَنْهَا بِاِنْكَارٍ اَوْ سُكُوْتٍ فَاِنْ صَالَحَ عَنْهَا بِاِقْرَارٍ وَجَبَتْ فِيْهِ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ : اور شفعہ زمین میں ثابت ہوتا ہے اگر چہ زمین ان اشیاء میں سے ہو جس کو تقسیم کرنا ممکن نہ ہو۔ مثلاً حمام، پن چکی، کنواں اور چھوٹے مکان۔ اور عمارت اور باغ میں شفعہ نہیں ہے جبکہ یہ بلا صحن کے فروخت ہوں۔ اور اسباب او رکشتیوں میں شفعہ نہیں ہے۔ اور شفعہ میں مسلمان اور ذمی (سب) برابر ہیں۔ اور اگر کوئی شخص جائیداد کا کسی ایسی چیز کے عوض مالک ہو جو مال ہے تو اس میں شفعہ واجب ہے۔ اور اس مکان میں شفعہ نہیں ہے جس کے عوض کوئی شخص شادی کرے یا اس کے عوض عورت سے خلع کرے یا اس کے عوض کوئی مکان کرایہ پر لے یا قتل عمد میں صلح میں دے یا اس کے بدلہ میں کوئی غلام آزاد کرے یا اس پر انکار یا سکوت کے بعد صلح کرے پس اگر اس (مکان) پر اقرار کے ساتھ صلح کر لی تو اس میں شفعہ واجب ہے۔

شفعہ کن چیزوں میں ہے اور کن چیزوں میں نہیں ہے؟

حل لغات : **عقار**: جائیداد، زمین۔ **الحمام**: غسل خانہ، گرم آبہ۔ **الرحیٰ**: پن چکی۔ **الدور**: یہ دار کی جمع ہے۔ **العرصة**: صحن، میدان، زمین مراد ہے۔ **العُروض**: یہ عرض کی جمع ہے، سامان۔ **السفن**: یہ سفینہ کی جمع ہے، کشتی۔

خلاصہ : شفعہ مال مملوک کے عوض میں ہر نوع کے عقار میں واجب ہوتا ہے ہو اہ وہ قابل تقسیم ہو جیسے زمین، بڑا مکان وغیرہ یا قابل تقسیم نہ ہو جیسے حمام، پن چکی، کنواں، چھوٹے چھوٹے گھر (جو بعد التقسیم قابل انتفاع نہ رہیں) اور نہر وغیرہ۔ اگر عمارت اور باغ بغیر زمین کے فروخت کئے جائیں تو اس میں شفعہ نہیں ہے اسی طرح اسباب اور کشتی وغیرہ میں بھی شفعہ نہیں ہے (چونکہ سوء جوار کے دفع ضرر میں) مسلمان اور ذمی (برابر ہیں اس لئے یہ) دونوں شفعہ میں (بھی) برابر ہیں۔ اگر کوئی شخص مال کے عوض میں زمین کا مالک ہو گیا تو اس زمین میں شفع ثابت ہو جائے گا۔ جس مکان کو شوہر نے اپنی بیوی کو مہر میں دیدیا ہو یا بیوی نے اس مکان کو اپنے شوہر کو بدل خلع (طلاق لینے کے عوض) میں دیدیا ہو، یا (اس کے عوض کوئی مکان کرایہ پر لے لیا ہو یا اس مکان کو قتل عمد میں صلح کے طور پر دیدیا ہو یا اس مکان کے بدلہ غلام کو آزاد کر دیا ہو مثلاً مالک نے اپنے غلام سے یہ کہا کہ میں نے تجھ کو فلاں مکان کے عوض آزاد کر دیا۔ مالک مکان نے وہ مکان غلام کو ہبہ کر دیا، غلام نے اس مکان کو مالک کو دیدیا تو ایسے مکان میں شفعہ نہیں ہے (کیونکہ ان تمام صورتوں میں مبادلۃ المال بالمال کی شرط مفقود ہے) کسی نے ایک مکان کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا مکان ہے۔ مدعی علیہ نے صاف انکار کر دیا یا بالکل ہی خاموش رہا پھر اس نے مکان کی طرف سے کچھ مال دے کر صلح کر لی تو اس مکان میں بھی شفعہ نہیں ہے۔ البتہ اگر صلح بالاقرار ہو یعنی مدعی علیہ نے اقرار کے بعد مصالحت کر لی تو اس صورت میں شفعہ ثابت ہوگا۔ (کیونکہ اعتراف کے بعد مصالحت مبادلۂ مال بالمال ہے)

تشریح : **والشفعة واجبة فی العقار**: صاحب قدوری نے جو کچھ ذکر کیا وہ احناف کا مسلک تھا جس کی وضاحت خلاصہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ امام شافعیؒ اور ایک روایت میں امام مالکؒ کے نزدیک نا قابل تقسیم اشیاء یعنی جو چیزیں تقسیم کا احتمال نہیں رکھتی ہیں ان میں شفعہ نہیں ہے، امام مالکؒ کی ایک روایت احناف کے مطابق ہے۔ (اشرف النوری ج ۲ ص ۹)

ولا شفعة فی العروض والسفن: یہ مسئلہ احناف کے نزدیک ہے۔ امام مالک کشتی میں شفعہ کے قائل ہیں۔ (حوالہ بالا)

والمسلم والذمی: اس مسئلہ پر الشفعة .... للجار کے تحت تفصیلی گفتگو گذر چکی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

ولا شفعة فی الدار .... علیها عبداً: صاحب قدوری نے اس عبارت میں اعواض کی پانچ صورتوں کا تذکرہ کیا ہے جو عندالاحناف مال نہیں ہیں اور شفعہ کے لئے مبادلۂ مال بالمال ہونا ضروری ہے اس لئے مذکورہ بالا اعواض (مہر، بدل خلع، اجرت پر مکان کا لینا، بدل صلح اور عوض عتق) میں شفعہ نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان اعواض کو قیمتی مال میں شمار کیا گیا ہے اس لئے ان حضرات کے نزدیک ان کی قیمت کے عوض میں مشفوعہ مکان لے سکتے ہیں۔ (اشرف النوری ج۲ ص۱۰)

وَ اِذَا تَقَدَّمَ الشَّفِيْعُ اِلَى الْقَاضِىْ فَادَّعَى الشِّرَاءَ وَ طَلَبَ الشُّفْعَةَ سَأَلَ الْقَاضِىْ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ عَنْهَا فَاِنْ اعْتَرَفَ بِمِلْكِهِ الَّذِىْ يَشْفَعُ بِهٖ وَ اِلَّا كَلَّفَهٗ بِاِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ فَاِنْ عَجَزَ عَنِ الْبَيِّنَةِ اسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِىْ بِاللّٰهِ مَا يَعْلَمُ اَنَّهٗ مَالِكٌ لِلَّذِىْ ذَكَرَهٗ مِمَّا يَشْفَعُ بِهٖ فَاِنْ نَكَلَ عَنِ الْيَمِيْنِ اَوْ قَامَتْ لِلشَّفِيْعِ بَيِّنَةٌ سَأَلَهُ الْقَاضِىْ هَلْ اِبْتَاعَ اَمْ لَا فَاِنْ اَنْكَرَ الْاِبْتِيَاعَ قِيْلَ لِلشَّفِيْعِ اَقِمِ الْبَيِّنَةَ فَاِنْ عَجَزَ عَنْهَا اِسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِىْ بِاللّٰهِ مَا ابْتَاعَ اَوْ بِاللّٰهِ مَا يَسْتَحِقُّ عَلٰى هٰذِهِ الدَّارِ شُفْعَةً مِنَ الْوَجْهِ الَّذِىْ ذَكَرَهٗ.

ترجمه: اور جب شفیع قاضی کے پاس آ کر خرید کا دعویٰ کرے اور شفعہ طلب کرے تو قاضی مدعی علیہ (مشتری) سے اس کے متعلق دریافت کرے پس اگر مدعی علیہ اس مکان کی ملکیت کا اعتراف کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ شفعہ طلب کرتا ہے (تو بہتر ہے اور شفیع کا مطالبہ منظور ہوگا) ورنہ قاضی مدعی (شفیع) کو گواہ قائم کرنے پر مکلف کرے۔ اگر مدعی (شفیع) گواہ (پیش کرنے) سے عاجز ہو جائے تو قاضی مشتری سے (ان الفاظ میں) قسم لے "خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ یہ اس مکان کا مالک ہے جس کا اس نے ذکر کیا ہے" یعنی جس گھر کی وجہ سے یہ شفیع بن رہا ہے۔ (یہ قسم حلف علی العلم کہلاتی ہے) پس اگر مدعی علیہ (مشتری) قسم سے انکار کر دے یا شفیع کے لئے بینہ (گواہ) قائم ہو جائے تو قاضی مدعی علیہ (مشتری) سے دریافت کرے کہ اس نے (تم نے) مکان خریدا ہے یا نہیں؟ پس اگر مدعی علیہ خریدنے کا انکار کر دے تو شفیع (مدعی) سے کہا جائے گا کہ تم بینہ قائم کرو اب اگر مدعی بینہ قائم کرنے سے عاجز ہو گیا تو قاضی مشتری سے (ان الفاظ میں) قسم لے "بخدا (میں) نے نہیں خریدا یا بخدا شفیع کا اس مکان میں اس طریقہ پر شفعہ کا استحقاق نہیں ہے جس طریقہ پر اس نے ذکر کیا ہے"۔

دعویٰ شفعہ کا بیان

خلاصہ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر شفیع قاضی یا جج کی عدالت میں مکان مشفوعہ کی خریداری کا دعویٰ دائر کرے اور حق شفعہ طلب کرے تو قاضی کو چاہیے کہ اولاً مشتری سے یہ دریافت کرلے کہ کیا واقعی شفیع کا ذاتی ملکیت کا مکان موجود ہے جس کی بنیاد پر حق شفعہ کا دعویٰ دائر کیا ہے یا نہیں ہے؟ اگر مشتری اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ شفیع کا ذاتی مکان ہے تو شفیع کا مطالبہ منظور ہوگا لیکن اگر مشتری شفیع کے لئے ذاتی مکان ہونے سے انکار کرتا ہے تو اس صورت میں قاضی شفیع سے ثبوت ملک پر بینہ اور شہادت طلب کرے، اگر شفیع بینہ پیش کرنے سے قاصر رہا تو اس کا حق شفعہ کا دعویٰ ثابت نہیں

ہوگا اور اگر شفیع مطالبہ کرے تو قاضی کو چاہیے کہ مشتری سے شفیع کے اس مطالبہ پر حلف لے کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ گھر فلاں شخص کی ملکیت ہے اور قسم کے الفاظ تو ترجمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اگر مشتری قسم سے انکار کردے یا شفیع اپنے دعویٰ پر بینہ قائم کردے تو ان دونوں صورتوں میں اس مکان مشفوعہ میں شفیع کی ملکیت ثابت ہوگی جس کی بنیاد پر وہ شفعہ کا مستحق بن رہا ہے۔ شفیع کی ملکیت ثابت ہو جانے کے بعد قاضی کو چاہیے کہ مشتری سے یہ دریافت کرے کہ کیا واقعی فلاں شخص نے تمہارے ہاتھ اپنا مکان فروخت کیا ہے یا نہیں؟ اگر مشتری انکار کردے تو قاضی شفیع سے مشتری کے مکان خریدنے پر ثبوت طلب کرے گا، اگر شفیع ثبوت نہ پیش کرسکا تو قاضی مشتری سے دوبارہ کہے گا کہ قسم کھاؤ کہ بخدا میں نے مکان نہیں خریدا یا یوں قسم کھائے کہ بخدا شفیع اس مکان پر شفعہ کا دعویٰ کرنے کا مستحق نہیں ہے۔

تشریح: **فادعی الشراء**: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جب شفیع قاضی کی عدالت میں حاضر ہو تو اولاً قاضی مشتری سے یہ دریافت کرے کہ تم جس گھر پر شفعہ کا دعویٰ کر رہے ہو یہ کہاں واقع ہے، کس شہر کس گاؤں اور کس محلہ میں ہے اس کی حدود اربعہ کیا کیا ہیں؟

المدعی علیه: صاحب الجوہرہ ج ۱ ص ۲۸۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ اگر مبیع بائع کے قبضہ میں ہے تو مدعیٰ علیہ بائع ہے اور اگر مشتری کے قبضہ میں ہے تو مدعیٰ علیہ مشتری ہے اس وجہ سے صاحب قدوری نے اس لفظ کو مبہم طور پر ذکر کیا مگر عبارت ''استحلف المشتری'' کا ظاہر بتاتا ہے کہ مدعیٰ علیہ سے مشتری مراد ہے۔

وَ تَجُوْزُ الْمُنَازَعَةُ فِی الشُّفْعَةِ وَاِنْ لَّمْ یُحْضِرِ الشَّفِیْعُ الثَّمَنَ اِلیٰ مَجْلِسِ الْقَاضِیْ وَ اِذَا قَضَی الْقَاضِیْ لَهُ بِالشُّفْعَةِ لَزِمَهُ اِحْضَارُ الثَّمَنِ وَ لِلشَّفِیْعِ اَنْ یَّرُدَّ الدَّارَ بِخِیَارِ الْعَیْبِ وَ الرُّؤْیَةِ وَ اِنْ اَحْضَرَ الشَّفِیْعُ الْبَائِعَ وَ الْمَبِیْعُ فِیْ یَدِهٖ فَلَهٗ اَنْ یُّخَاصِمَهٗ فِی الشُّفْعَةِ وَ لَا یَسْمَعُ الْقَاضِیْ الْبَیِّنَةَ حَتّٰی یَحْضُرَ الْمُشْتَرِیْ فَیَفْسَخُ الْبَیْعَ بِمَشْهَدٍ مِّنْهُ وَ یَقْضِیْ بِالشُّفْعَةِ عَلَی الْبَائِعِ وَ یَجْعَلُ الْعُهْدَةَ عَلَیْهِ.

ترجمہ: اور شفعہ کے بارے میں منازعت (جھگڑا اٹھانا) جائز ہے اگرچہ شفیع قاضی کی مجلس میں ثمن (روپیہ) لے کر نہ آیا ہو اور جب قاضی نے شفیع کے لئے شفعہ کا فیصلہ کردیا تو شفیع کے لئے ثمن کا حاضر کرنا ضروری ہے اور شفیع کے لئے جائز ہے کہ خیار عیب یا خیار رؤیت کی وجہ سے مکان کو واپس کردے۔ اور اگر شفیع بائع کو حاضر کردے حالانکہ مبیع بائع کے قبضہ میں ہے تو شفیع کے لئے حق ہے کہ وہ بائع سے شفعہ کے متعلق مخاصمت کرے لیکن قاضی بینہ نہ سنے یہاں تک کہ مشتری (عدالت میں) حاضر ہو جائے اس کے بعد قاضی مشتری کی موجودگی میں بیع کو فسخ کردے گا اور شفعہ کا فیصلہ (کرنا) بائع پر دیدے گا اور ذمہ داری اسی کے سپرد کردے گا۔

طلب خصومت کی کیفیت کا بیان

حل لغات: **یخاصمه**: باب مفاعلت سے مضارع ہے۔ **مشهد**: مصدر میمی ہے، موجودگی۔ **العهدة**: ذمہ داری، ۔ **جعلُ العُهْدَةِ**: ذمہ داری سپرد کرنا۔

خلاصہ : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر شفیع قاضی کی عدالت میں ثمن لے کر نہ آیا ہو پھر بھی شفعہ کے متعلق مخاصمت کی جاسکتی ہے البتہ جس وقت قاضی شفیع کے لئے حق شفعہ کا فیصلہ کردے تو اس وقت شفیع کے لئے ضروری ہے کہ ثمن لا کر عدالت میں پیش کردے۔ اور اگر شفیع خیار عیب اور خیار رؤیت کی بنیاد پر مشفوعہ مکان کو واپس کرنا چاہے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔ اور اگر مبیع بائع کے قبضہ میں ہے تو شفیع بائع سے خصومت کرسکتا ہے اور شفیع کو چاہیے کہ بائع کو قاضی کے سامنے حاضر کرے اور (چونکہ ملکیت مشتری کی ہے اس لیے) جب تک مشتری مجلس میں آنہ جائے اس وقت تک قاضی بینہ نہیں سنے گا اور قاضی مشتری کی موجودگی میں بیع کو فسخ کر کے شفعہ کا فیصلہ کرے گا اور اس صورت میں یہ فیصلہ بائع پر ہوگا اور وہی اس کا ذمہ دار ہوگا یعنی بائع شفیع کے لئے اس بیع کا ذمہ دار ہے اور یہ ذمہ داری یہاں تک ہے کہ بائع اس زمین کو شفیع کے حوالہ کردے۔

تشریح : وتجوز المنازعة الخ: صاحب قدوری نے فرمایا کہ دعویٰ شفع کے ساتھ ساتھ شفیع کے لئے ثمن کا پیش کرنا ضروری نہیں ہے البتہ قاضی کے فیصلہ کے بعد ثمن کا پیش کرنا ضروری ہے۔ یہی ظاہر الروایہ ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک شفیع ثمن لا کر پیش نہ کردے اس وقت تک قاضی شفعہ کا فیصلہ نہ کرے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک شفعہ کے فیصلہ کے بعد ثمن پیش کرنے کے لئے شفیع کو تین دن کی اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دو دن کی مہلت دی جائے گی۔

فینفسخ الخ: فسخ کی صورت یہ ہوگی کہ قاضی کہے کہ "میں نے مشتری کی شراء کو فسخ کردیا"۔ (الصبح النوری ج ۲ ص ۱۱) اور یہ نہ کہے کہ "میں نے بیع کو فسخ کردیا" تاکہ شفعہ باطل نہ ہوجائے کیونکہ شفعہ مبیع پر قائم ہوتا ہے اور جب بیع کو ہی فسخ کردیا گیا تو شفعہ کس پر ہوگا۔ درحقیقت مشتری کی شراء کے فسخ ہوجانے سے عقد بیع مشتری سے شفیع کی طرف منتقل ہوجائے گا اب گویا شفیع بائع سے خرید رہا ہے۔ (الجوہرہ ج ۱ ص ۲۸۲)

وَ اِذَا تَرَكَ الشَّفِيْعُ الْاِشْهَادَ حِيْنَ عَلِمَ بِالْبَيْعِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلىٰ ذٰلِكَ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ وَ كَذٰلِكَ اِنْ اَشْهَدَ فِي الْمَجْلِسِ وَ لَمْ يُشْهِدْ عَلىٰ اَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَ لَا عِنْدَ الْعَقَارِ وَ اِنْ صَالَحَ مِنْ شُفْعَتِهٖ عَلىٰ عِوَضٍ اَخَذَهٗ بَطَلَتِ الشُّفْعَةُ وَ يَرُدُّ الْعِوَضَ وَ اِذَا مَاتَ الشَّفِيْعُ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ وَ اِذَا مَاتَ الْمُشْتَرِيْ لَمْ تَسْقُطِ الشُّفْعَةُ وَ اِنْ بَاعَ الشَّفِيْعُ مَا يَشْفَعُ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يُقْضٰى لَهٗ بِالشُّفْعَةِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ وَ وَكِيْلُ الْبَائِعِ اِذَا بَاعَ وَهُوَ الشَّفِيْعُ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ وَ كَذٰلِكَ اِنْ ضَمِنَ الشَّفِيْعُ الدَّرْكَ عَنِ الْبَائِعِ وَ وَكِيْلُ الْمُشْتَرِيْ اِذَا ابْتَاعَ وَ هُوَ الشَّفِيْعُ فَلَهُ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ : اور اگر شفیع نے گواہ بنانا چھوڑ دیا جس وقت کہ اس کو فروختگی کا علم ہوچکا تھا حالانکہ وہ اس پر قادر تھا تو اس کا حق شفعہ باطل ہوجائے گا۔ اور اسی طرح اگر شفیع مجلس علم میں گواہ بنائے اور متعاقدین میں سے کسی کے پاس گواہ نہ بنائے اور عقار کے پاس (بھی گواہ نہ بنائے تو حق شفعہ باطل ہوجائے گا)۔ اور اگر شفیع نے اپنے حق شفعہ میں سے کسی عوض کو لے کر صلح کرلی تو شفعہ باطل ہوجائے گا، اور وہ عوض کو لوٹائے گا۔ اور اگر شفیع مرجائے تو حق شفعہ باطل ہوجائے گا۔ اور اگر مشتری مرجائے تو حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔ اور اگر شفیع اس چیز کو فروخت کردے جس کی وجہ سے حق شفعہ طلب کررہا ہے اس

سے قبل کہ اس کے لئے حق شفعہ کا فیصلہ ہو جائے تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور اگر بائع کا وکیل فروخت کر دے اور یہ (وکیل) جو شفیع ہو تو اس وکیل کو حق شفعہ نہ ہوگا۔ اور اسی طرح اگر شفیع بائع کی طرف سے عوارض کا ضامن ہو جائے (تو اس شفیع کو حق شفعہ نہ ہوگا) اور اگر مشتری کا وکیل (مبیع) فروخت کر دے اور یہ خود (مبیع کا) شفیع ہو تو اس کے لئے حق شفعہ ہے۔

حق شفعہ کے بطلان اور عدم بطلان کی صورتیں

تشریح: صاحب کتاب نے اس عبارت میں نو مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے۔

مسئلہ (۱) اگر شفیع نے مبیع کی فروختگی کا علم ہوتے ہی طلب اشہاد نہیں کیا باوجودیکہ وہ ایسا کر سکتا تھا تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

مسئلہ (۲) اگر شفیع مجلس علم میں گواہ بنائے مگر متعاقدین میں سے کسی ایک کے پاس یا عقار کے پاس گواہ قائم نہ کرے تو اس صورت میں بھی شفیع کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

مسئلہ (۳) اگر شفیع نے مشتری سے کچھ عوض لے کر شفعہ کی طرف سے صلح کر لی تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا اور جو عوض لیا ہے اس کو واپس کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ (۴) اگر شفیع اپنا حق شفعہ لینے سے قبل انتقال کر جائے تو احناف کے نزدیک اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا حق شفعہ باطل نہیں ہوگا۔

مسئلہ (۵) مشتری کے انتقال کرنے سے حق شفعہ باطل نہیں ہوگا کیونکہ شفعہ کا مستحق شفیع موجود ہے۔

مسئلہ (۶) شفیع جس مکان کی وجہ سے حق شفعہ کا دعویدار ہے اگر اس مکان کو شفیع حق شفعہ کے فیصلے سے پہلے فروخت کر دے تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

مسئلہ (۷) اگر بائع کے وکیل نے ایک مکان فروخت کیا اور اس وکیل کو حق شفعہ بھی حاصل ہے تو اس وکیل کے لئے حق شفعہ باقی نہیں رہے گا بلکہ باطل ہو جائے گا۔ اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک مکان تین آدمیوں کے درمیان مشترک ہے، ایک نے دوسرے کو اپنا حصہ بیچنے کا وکیل بنا دیا وکیل نے اس حصہ کو بیچ دیا تو اصل مبیع میں حق شفعہ نہ وکیل کے لئے ہوگا نہ مؤکل کے لئے بلکہ شریک ثالث کے لئے ہوگا۔

مسئلہ (۸) اگر کوئی شفیع بائع کی جانب سے درک یعنی مبیع کے حقوق کا ذمہ دار ہو تو اس کے لئے حق شفعہ نہیں ہوگا۔ یہ مسئلہ عندالاحناف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حق شفعہ ثابت ہوگا۔ (کمافی العینی شرح کنز ج ۲ص ۱۹)

مسئلہ (۹) اگر مشتری کے وکیل نے کوئی مکان خریدا اور یہ وکیل خود شفیع ہے تو اس کا حق شفعہ باقی رہے گا۔ اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک مکان میں تین آدمی شریک ہیں ان میں سے ایک نے دوسرے شریک کو تیسرے شریک کے حصہ کی خریداری کا وکیل بنا دیا تو اس صورت میں وکیل اور مؤکل دونوں کے لئے حق شفعہ ہوگا۔

وَ مَنْ بَاعَ بِشَرْطِ الْخِيَارِ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيْعِ فَإِنْ أَسْقَطَ الْبَائِعُ الْخِيَارَ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ وَ إِنْ

اشْتَرىٰ بِشَرْطِ الْخِيَارِ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ وَ مَنِ ابْتَاعَ دَارًا شِرَاءً فَاسِدًا فَلَا شُفْعَةَ فِيهَا وَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَعَاقِدَيْنِ الْفَسْخُ فَاِنْ سَقَطَ الْفَسْخُ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ وَ اِذَا اشْتَرىٰ الذِّمِّيُّ دَارًا بِخَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ وَ شَفِيْعُهَا ذِمِّيٌّ اَخَذَهَا بِمِثْلِ الْخَمْرِ وَ قِيْمَةِ الْخِنْزِيْرِ وَ اِنْ كَانَ شَفِيْعُهَا مُسْلِمًا اَخَذَهَا بِقِيْمَةِ الْخَمْرِ وَ الْخِنْزِيْرِ وَ لَا شُفْعَةَ فِي الْهِبَةِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ بِعِوَضٍ مَشْرُوْطٍ.

ترجمہ : اور جس شخص نے خیار شرط کے ساتھ (مکان) فروخت کیا تو شفیع کے لئے حق شفعہ نہیں ہے البتہ اگر بائع خیار کو ساقط کردے تو حق شفعہ واجب ہوجائے گا۔ اور اگر (مشتری) خیار شرط کے ساتھ خریدنے تو حق شفعہ واجب ہوگا۔ اور جس شخص نے مکان شراء فاسد کے طور پر خریدا تو اس مکان میں شفعہ نہیں ہے۔ اور متعاقدین میں سے ہر ایک کے لئے فسخ کرنے کی گنجائش ہے، پس اگر فسخ ہونا ساقط ہوگیا تو حق شفعہ واجب ہوگا۔ اور اگر ذمی نے مکان شراب یا خنزیر کے عوض خریدا اور اس کا (شفیع) ذمی ہے تو یہ شفیع اس مکان کو شراب کے مثل کے عوض اور خنزیر کی قیمت دے کر لے لے۔ اور اگر اس کا شفیع مسلمان ہے تو شراب کی قیمت اور خنزیر کی قیمت دے کر اس مکان کو لے لے۔ اور ہبہ (کردہ عقار) میں حق شفعہ نہیں ہے مگر یہ کہ وہ عوض مشروط کے ساتھ ہو۔

تشریح : اس عبارت میں پانچ مسئلے ذکر کیے گئے ہیں:

مسئلہ (۱) اگر کوئی شخص خیار شرط کے ساتھ مکان فروخت کرے تو شفیع کے لئے حق شفعہ ثابت نہیں ہوگا البتہ اگر بائع خیار شرط کو ساقط کردے تو شفیع کے لئے حق شفعہ ثابت ہوگا۔

مسئلہ (۲) اگر مشتری نے کوئی مکان خیارِ شرط کے ساتھ خریدا تو شفیع کے لئے حق شفعہ ثابت ہوگا۔

مسئلہ (۳) اگر کسی نے کوئی مکان شراء فساد کی صورت میں خریدا تو اس صورت میں شفیع کے لئے اس مکان میں حق شفعہ ثابت نہیں ہوگا۔ اور بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو اس عقد کے فسخ کا حق حاصل ہے۔ البتہ اگر مثلاً مشتری حق فسخ کو ساقط کردے یعنی مشتری قبضہ کرنے کے بعد وہ مکان کسی غیر کے ہاتھ بیچ دے تو اب اس صورت میں شفیع کے لئے حق شفعہ ثابت ہوگا۔

مسئلہ (۴) اگر ایک ذمی نے کسی ذمی سے شراب یا خنزیر کے عوض کوئی مکان خریدا اور اتفاق سے اس کا شفیع بھی ذمی ہے تو اس صورت میں وہ ذمی شفیع اس مکان کو مثل شراب یا خنزیر کی قیمت سے خرید سکتا ہے لیکن اگر شفیع مسلمان ہو تو اس صورت میں وہ شفیع شراب اور خنزیر کی قیمت دے کر خریدے گا۔

مسئلہ (۵) اگر کسی نے کوئی مکان کسی کو ہبہ کردیا تو اس صورت میں شفیع کے لئے حق شفعہ ثابت نہیں ہوگا، ہاں اگر واہب نے مشروط عوض کے ساتھ مکان کا ہبہ کیا تو بیع کے مشابہ ہونے کی وجہ سے شفیع کے لئے شفعہ ثابت ہوگا۔

وَ اِذَا اخْتَلَفَ الشَّفِيْعُ وَالْمُشْتَرِيْ فِي الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِيْ فَاِنْ اَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الشَّفِيْعِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمُشْتَرِيْ وَ اِذَا ادَّعَى الْمُشْتَرِيْ ثَمَنًا اَكْثَرَ وَ ادَّعىٰ الْبَائِعُ اَقَلَّ مِنْهُ وَ لَمْ

يَقْبِضِ الثَّمَنَ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ بِمَا قَالَ الْبَائِعُ وَ كَانَ ذٰلِكَ حَطًّا عَنِ الْمُشْتَرِيْ وَ اِنْ كَانَ قَبَضَ الثَّمَنَ اَخَذَهَا بِمَا قَالَ الْمُشْتَرِيْ وَ لَمْ يَلْتَفِتْ اِلٰى قَوْلِ الْبَائِعِ وَ اِذَا حَطَّ الْبَائِعُ عَنِ الْمُشْتَرِيْ بَعْضَ الثَّمَنِ يَسْقُطُ ذٰلِكَ عَنِ الشَّفِيْعِ وَ اِنْ حَطَّ عَنْهُ جَمِيْعَ الثَّمَنِ لَمْ يَسْقُطْ عَنِ الشَّفِيْعِ وَ اِذَا زَادَ الْمُشْتَرِيْ لِلْبَائِعِ فِي الثَّمَنِ لَمْ تَلْزَمِ الزِّيَادَةُ لِلشَّفِيْعِ.

ترجمہ : اور اگر شفیع اور مشتری کا قیمت کی بابت اختلاف ہو جائے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو طرفینؒ کے نزدیک شفیع کا بینہ معتبر ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مشتری کا بینہ معتبر ہوگا۔ اور اگر مشتری نے زیادہ قیمت کا دعویٰ کیا اور بائع نے اس سے کم قیمت کا دعویٰ کیا اور ابھی بائع نے قیمت پر قبضہ نہیں کیا تو شفیع اس مکان کو اس قیمت پر لے لے جو بائع نے بیان کی اور یہ مشتری کے ذمہ سے قیمت کم کرنے کے حکم میں ہوگا۔ اور اگر بائع نے قیمت پر قبضہ کر لیا تو اس مکان کو شفیع، مشتری کے بیان کے مطابق لے لے۔ اور بائع کے بیان کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور اگر بائع مشتری سے کچھ قیمت کم کر دے تو اتنی ہی مقدار شفیع سے ساقط ہو جائے گی اور اگر بائع نے مشتری سے تمام قیمت معاف کر دی تو شفیع سے تمام قیمت ساقط نہیں ہوگی۔ اور اگر مشتری نے بائع کے لئے قیمت زیادہ کر دیا تو یہ زیادتی شفیع کے ذمہ لازم نہ ہوگی۔

شفیع اور مشتری کا قیمت کے متعلق اختلاف

تشریح : اس پوری عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں:

و اذا اختلف .... قول المشتری: مسئلہ (۱) اگر شفیع اور مشتری کے درمیان قیمت کی کمی اور بیشی پر اختلاف ہو جائے، مثلاً شفیع کہتا ہے کہ تم نے اس مکان کو کم قیمت میں خریدا ہے اور مشتری کہتا ہے کہ میں نے اس سے زیادہ قیمت میں خریدا ہے یعنی مشتری شفیع کے قول کا منکر ہے تو اس صورت میں مشتری کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا بشرطیکہ شفیع بینہ قائم نہ کر سکے۔ (کمافی الجوہرہ والہدایہ)۔

فان اقاما .... بینة المشتری: مسئلہ (۲) اگر صورت مذکورہ میں شفیع اور مشتری دونوں نے اپنے دعوے پر بینہ قائم کر دیئے تو اس صورت میں حضرات طرفینؒ کے نزدیک شفیع کا بینہ معتبر ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک مشتری کا بینہ معتبر ہوگا۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دونوں بینہ ساقط اور غیر معتبر ہوں گے اور صرف مشتری کا قول معتبر ہوگا۔ اور ایک روایت کے مطابق قرعہ اندازی ہونی چاہیے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جو گواہ زیادہ عادل ہوں گے اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا ورنہ قسم کے ذریعہ فیصلہ ہوگا۔ (عینی ج ۴ ص ۱۱)

و اذا ادعی .... الی قول البائع: مسئلہ (۳) اگر مشتری اور بائع کے درمیان قیمت کے متعلق اختلاف ہو جائے مشتری زیادہ قیمت کا دعوی کرتا ہے اور بائع کم قیمت کا دعویدار ہے مثلاً مشتری کہتا ہے کہ میں نے اس مکان کو تم سے دو ہزار دینار میں خریدا اور بائع کہتا ہے کہ میں نے اس مکان کو ایک ہزار دینا میں فروخت کیا۔ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں یا تو بائع نے قیمت وصول کی ہوگی یا نہیں۔ اگر بائع نے قیمت وصول نہیں کی ہے تو اس صورت میں شفیع کے حق میں بائع کا قول

معتبر ہوگا لہذا شفیع کو چاہیے کہ بائع نے جو قیمت بیان کی ہے وہ قیمت ادا کر کے مکان لے لے خواہ وہ مکان بائع کے قبضہ میں ہو یا مشتری کے۔ اور جو قیمت کم ہوئی ہے وہ مشتری کے ذمہ سے کم کرنے کے حکم میں ہے۔ اور اگر بائع نے قیمت وصول کی تھی اس کے بعد بائع اور مشتری کے درمیان قیمت کی بابت اختلاف ہوا تو اس صورت میں شفیع مشتری کے بیان کے مطابق قیمت ادا کر کے مکان لے لے۔ اور اس صورت میں قیمت وصول کرنے کی وجہ سے بائع کی حیثیت ایک اجنبی کی سی ہے اور اختلاف صرف شفیع اور مشتری کے درمیان رہا۔ اس لئے اس کا قول ناقابل التفات اور غیر معتبر ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مشتری کا قول معتبر مانا جائے گا۔ (الجوہرۃ ج۱ص۲۸۴، الصبح النوری ج۲ص۱۵)

و اذا حط البائع .... عن الشفیع: مسئلہ (۴) مشفوعہ مکان کی قیمت جو شفیع کے ذمہ واجب ہوگی اگر بیع مکمل ہونے کے بعد بائع مشتری کے ذمہ سے کچھ قیمت کم کردے تو اتنی قیمت شفیع کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شفیع کو کل قیمت ادا کرنی ہوگی جو طے ہو چکی ہے۔ اور اگر بائع نے مکمل قیمت معاف کردی تو بالاتفاق شفیع کے ذمہ سے کچھ ساقط نہیں ہوگا، لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ بائع نے ایک کلمہ میں معاف کردیا ہو اور اگر چند کلمات کے ساتھ تھوڑا تھوڑا معاف کیا ہو تو اس صورت میں کلمۂ اخیر کے مطابق گھٹ کر جو قیمت باقی بچی تھی شفیع کا اس قیمت کو ادا کر کے مکان مشفوعہ حاصل کرلے۔ (عینی ج۴ص۱۱، الجوہرۃ ج۱ص۲۸۴)

و اذا زاد المشتری .... للشفیع: مسئلہ (۵) اگر مشتری نے بائع کے لئے قیمت میں اضافہ کردیا تو یہ اضافہ شفیع کے ذمہ لازم نہیں ہوگا بلکہ ابتدا میں جس قیمت پر عقد ہوا ہے وہی قیمت شفیع کو ادا کرنی ہوگی۔

وَ اِذَا اجْتَمَعَ الشُّفَعَاءُ فَالشُّفْعَةُ بَيْنَهُمْ عَلٰى عَدَدِ رُؤُسِهِمْ وَ لَا يُعْتَبَرُ بِاخْتِلَافِ الْاَمْلَاكِ وَ مَنِ اشْتَرٰى دَارًا بِعِوَضٍ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ بِقِيْمَتِهٖ وَ اِنِ اشْتَرَاهَا بِمَكِيْلٍ اَوْ مَوْزُوْنٍ اَخَذَهَا بِمِثْلِهٖ وَاِنْ بَاعَ عَقَارًا بِعَقَارٍ اَخَذَ الشَّفِيْعُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِقِيْمَةِ الْاٰخَرِ وَاِذَا بَلَغَ الشَّفِيْعُ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِاَلْفٍ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِاَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ اَوْ بِحِنْطَةٍ اَوْ شَعِيْرٍ قِيْمَتُهَا اَلْفٌ اَوْ اَكْثَرُ فَتَسْلِيْمُهٗ بَاطِلٌ وَ لَهُ الشُّفْعَةُ وَاِنْ بَاعَ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِدَنَانِيْرَ قِيْمَتُهَا اَلْفٌ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ وَاِذَا قِيْلَ لَهٗ اِنَّ الْمُشْتَرِىَ فُلَانٌ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ غَيْرُهٗ فَلَهُ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور اگر چند شفیع جمع ہو جائیں تو شفعہ ان تمام کے درمیان ان افراد کی تعداد کے اعتبار سے (تقسیم) ہوگا اور اختلاف املاک کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور جس شخص نے مکان کسی چیز کے عوض خریدا تو شفیع اس مکان کو اس چیز کی قیمت کے عوض خرید لے۔ اور اگر کسی نے اس مکان کو کیلی یا وزنی چیز کے عوض خریدا تو شفیع اس مکان کو اس کے ہم مثل کے عوض حاصل کرلے۔ اور اگر کسی نے زمین کو زمین کے عوض فروخت کیا تو شفیع ان دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی قیمت کے عوض حاصل کرلے۔ اور اگر شفیع کو یہ بات معلوم ہو کہ وہ مکان ایک ہزار میں فروخت کیا گیا ہے اور (اس بنیاد پر) وہ حق شفعہ سے دست بردار ہو گیا اور اس کے بعد اس کو معلوم ہوا وہ مکان اس سے کم میں یا اتنے گیہوں یا جو کے عوض فروخت ہوا ہے جس کی

قیمت ایک ہزار یا اس سے زیادہ ہے تو اس کا حق شفعہ سے دست بردار ہونا باطل ہے اور اس کے لئے حق شفعہ ہے۔ اور اگر (بعد میں) یہ بات ظاہر ہوئی کہ وہ مکان اتنے دینا میں فروخت ہوا ہے جس کی قیمت ایک ہزار ہے تو اس کے لئے حق شفعہ نہیں ہے۔ اور اگر شفیع کو یہ بتایا گیا کہ عقار کا خریدار فلاں شخص ہے اس پر وہ حق شفعہ سے دست بردار ہو گیا، اس کے بعد اس کو یہ معلوم ہوا کہ عقار کا خریدار کوئی اور ہے تو اس شفیع کے لئے حق شفعہ (باقی) ہے۔

شفعہ کے متفرق مسائل

تشریح : اس عبارت میں حق شفعہ کے متعلق چھ مسائل ذکر کئے گئے ہیں :

و اذا .... الاملاك : مسئلہ (۱) اگر مساوی درجہ کے چند شفیع اکٹھا ہو جائیں تو احناف کے نزدیک ان لوگوں کے درمیان شفعہ کی تقسیم افراد کے اعتبار سے ہوگی ملکیت کی کمی بیشی کا اعتبار نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ملکیت اور حصوں کے اعتبار سے تقسیم عمل میں آئے گی۔ مثال کے طور پر ایک مکان میں تین اشخاص حصہ دار ہیں ایک کا نصف (۱/۲) ہے دوسرے کا ثلث (۱/۳) ہے، اور تیسرے کا سدس (۱/۶) ہے۔ صاحب نصف نے اپنا حصہ فروخت کر دیا تو احناف کے نزدیک ان دونوں شفیع کو حق شفعہ برابر برابر ملے گا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک صاحب ثلث کو دو ثلث اور صاحب سدس کو ایک ثلث ملے گا۔ (الجوہرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۲۸۴)

و من اشتری .... بقیمته : مسئلہ (۲) اگر کسی شخص نے مشفوعہ مکان کسی چیز کے عوض خریدا تو اگر چاہے تو اس کی قیمت دے کر خرید سکتا ہے۔

و ان اشتراها .... بمثله: مسئلہ (۳) اگر کسی شخص نے مشفوعہ مکان کیلی یا وزنی چیز کے عوض خریدا تو شفیع اگر چاہے تو اس مکان کو اس چیز کا مثل دے کر خرید سکتا ہے۔

و ان باع .... بقیمة الاخر : مسئلہ (۴) اگر کسی نے زمین کو زمین کے بدلہ میں فروخت کیا تو شفیع اگر چاہے تو ہر ایک زمین کو دوسری قیمت کے ذریعہ لے سکتا ہے بشرطیکہ وہ شخص دونوں زمینوں کا شفیع ہو، اگر صرف ایک کا شفیع ہے تو اس صورت میں اسی کو دوسری کی قیمت کے عوض لے سکتا ہے۔ (الجوہرۃ ج ۱ ص ۲۸۴)

و اذا بلغ الشفیع .... وله الشفعة: مسئلہ (۵) اگر شفیع سے یہ بیان کیا گیا کہ مکان مشفوعہ ایک ہزار میں فروخت ہوا ہے اور شفیع اس بنیاد پر حق شفعہ سے دست بردار ہو گیا اس کے بعد اس کو یہ معلوم ہوا کہ یہ مکان ایک ہزار سے کم یا اتنے گیہوں یا اتنے جو کے عوض فروخت ہوا ہے جس کی قیمت ہزار روپئے یا اس سے زائد ہے تو اس صورت میں شفیع کے لئے دست برداری کے باوجود حق شفعہ ثابت ہوگا۔ لیکن اگر اس کو بعد میں یہ معلوم ہوا کہ وہ مکان مشفوعہ اتنے دینار میں فروخت ہوا ہے جس کی قیمت ایک ہزار یا اس سے زائد ہے تو اس صورت میں بشرطیکہ پہلی اطلاع پر دست بردار ہوا ہو تو شفیع کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔ امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی خیال ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک شفیع کو حق شفعہ ملے گا جیسا کہ استحسانا قیاس کا یہی تقاضا ہے۔ (الصبح النوری ج ۲ ص ۱۷، الجوہرۃ ج ۱ ص ۲۸۵)

و اذا قیل له .... فله الشفعة: مسئلہ (۶) اگر شفیع سے یہ بتایا گیا کہ مکان مشفوعہ فلاں مثلاً عبد الرحمن

نے خریدا اور اس نے اس بنیاد پر حق شفعہ طلب نہیں کیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ اس شخص مذکور کے علاوہ کسی اور نے خریدا ہے تو شفیع کے لئے حق شفعہ ثابت رہے گا۔

وَ مَنِ اشْتَرىٰ دَارًا لِغَيْرِهٖ فَهُوَ الْخَصِمُ فِي الشُّفْعَةِ اِلَّا اَنْ يُسَلِّمَهَا اِلَى الْمُوَكِّلِ وَ اِذَا بَاعَ دَارًا اِلَّا مِقْدَارَ ذِرَاعٍ فِيْ طُوْلِ الْحَدِّ الَّذِيْ يَلِي الشَّفِيْعَ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ وَاِنْ بَاعَ مِنْهَا سَهْمًا بِثَمَنٍ ثُمَّ ابْتَاعَ بَقِيَّتَهَا فَالشُّفْعَةُ لِلْجَارِ فِي السَّهْمِ الْاَوَّلِ دُوْنَ الثَّانِيْ وَ اِذَا ابْتَاعَهَا بِثَمَنٍ ثُمَّ دَفَعَ اِلَيْهِ ثَوْبًا عِوَضاً عَنْهُ فَالشُّفْعَةُ بِالثَّمَنِ دُوْنَ الثَّوْبِ.

ترجمہ: اور جس شخص نے کسی دوسرے کے لئے کوئی مکان خریدا تو یہ خریدار شفعہ میں مدعی علیہ ہوگا مگر یہ کہ یہ خریدار (جو وکیل بالشراء ہے) مکان کو مؤکل کے حوالہ کر دے۔ اور اگر کسی نے مکان فروخت کیا مگر ایک ہاتھ کی مقدار اس طول کی حد میں جو شفیع سے متصل ہے تو اس کے لئے حق شفعہ نہیں ہے۔ اور اگر اس مکان میں سے ایک حصہ قیمت کے عوض فروخت کردیا اس کے بعد اس کے باقی کو بھی کسی نے خرید لیا تو پڑوسی کے لئے پہلے حصہ میں شفعہ ہوگا نہ کہ دوسرے حصہ میں۔ اور اگر کسی نے اس مکان کو قیمت کے عوض خریدا لیکن بعد میں اس شخص کو قیمت کے بدلہ میں کپڑا دیدیا تو شفعہ قیمت کے عوض ہوگا نہ کہ کپڑے کے عوض۔

تشریح: اس پوری عبارت میں چار مسئلے بیان کئے گئے ہیں:

و من اشتری .... المؤکل: مسئلہ (۱) اگر ایک شخص کسی دوسرے کے لئے کوئی مکان خریدتا ہے تو یہ خریدار چونکہ عاقد ہے اس لئے یہ حق شفعہ میں مدعی علیہ ہوگا لیکن اگر اس وکیل نے مکان کو مؤکل کے سپرد کردیا تو اس صورت میں یہ خریدار مدعی علیہ نہیں ہوگا بلکہ مؤکل، مدعی علیہ ہوگا۔ احناف کا یہی مسلک ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مدعی علیہ ابتداء سے ہی مؤکل ہے۔ (حاشیہ قدوری)

و اذا باع ....فلا شفعة له: مسئلہ (۲) اگر کسی نے ایک مکان فروخت کیا مگر جو حصہ شفیع سے ملا ہوا اس میں سے ایک گز کی مقدار ایک لمبا ٹکڑا فروخت نہیں کیا تو اس صورت میں شفیع حق شفعہ کا دعویٰ دائر کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

و ان باع ....دون الثانی: مسئلہ (۳) اور اگر کسی نے مکان کا ایک حصہ (مثلاً آٹھواں حصہ) ایک متعین قیمت (مثلاً چار سو روپیہ) میں فروخت کردیا اس کے بعد اس کے بقیہ حصہ کو کسی دوسرے نے خرید لیا تو پڑوسی کے لئے صرف پہلے حصہ میں حق شفعہ ہوگا اور دوسرا حصہ مشتری کا ہوگا۔

و اذا ابتاعها الخ: مسئلہ (۴) اور اگر کسی نے مکان قیمت کے عوض خریدا مگر بعد میں قیمت کے بجائے کپڑا دیا تو شفیع کے لئے حق شفعہ قیمت کے عوض میں ہوگا یعنی شفیع اپنا حق قیمت دے کر خریدے گا نہ کہ کپڑا دے کر۔

وَ لَا تُكْرَهُ الْحِيْلَةُ فِيْ اِسْقَاطِ الشُّفْعَةِ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تُكْرَهُ وَ اِذَا بَنَى الْمُشْتَرِيْ اَوْ غَرَسَ ثُمَّ قُضِيَ لِلشَّفِيْعِ بِالشُّفْعَةِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ

اَخَذَهَا بِالثَّمَنِ وَ قِيمَةِ الْبِنَاءِ وَ الْغَرْسِ مَقْلُوْعَيْنِ وَ اِنْ شَاءَ كَلَّفَ الْمُشْتَرِىْ بِقَلْعِهٖ وَ اِنْ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ فَبَنٰى اَوْ غَرَسَ ثُمَّ اسْتُحِقَّتْ رَجَعَ بِالثَّمَنِ وَ لَا يَرْجِعُ بِقِيْمَةِ الْبِنَاءِ وَ الْغَرْسِ وَ اِذَا انْهَدَمَتِ الدَّارُ وَ احْتَرَقَتْ بِنَاءُ هَا اَوْ جَفَّ شَجَرُ الْبُسْتَانِ بِغَيْرِ عَمَلِ اَحَدٍ فَالشَّفِيْعُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ هَا بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَ اِنْ شَاءَ تَرَكَ.

ترجمہ : اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حق شفعہ کو ساقط کرنے میں حیلہ کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مکروہ ہے۔ اور اگر مشتری نے مکان بنالیا یا درخت لگالیا پھر شفیع کے لئے حق شفعہ کا فیصلہ ہو گیا تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس زمین کو ثمن اور عمارت کی قیمت اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت کے عوض لے لے اور اگر چاہے تو مشتری کو اس (عمارت اور درخت) کے اکھاڑنے پر مکلف کردے۔ اور اگر شفیع نے زمین لے لی اور مکان بنالیا یا درخت لگالیا پھر کسی اور شخص کا حق شفعہ ثابت ہو گیا تو یہ شخص (ادا کی ہوئی) قیمت کو واپس لے لے گا۔ اور مکان اور درخت کی قیمت واپس نہیں لے گا۔ اور اگر مکان گر گیا یا اس کی عمارت جل گئی یا باغ کے درخت بغیر کسی کے عمل کے خشک ہو گئے تو شفیع کو اختیار ہے چاہے تو اس زمین کو کل قیمت دے کر خرید لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

حل لغات : الحیلة: تدبیر، دوراندیشی۔ غرس (ض) غرسا: پودہ لگانا۔ مقلوعین: تثنیہ، اکھڑے ہوئے۔ کلّف تکلیفا: دشوار کام کا حکم دینا، مکلف کرنا۔ قلع: مصدر۔ باب (ف) جڑ سے اکھیڑنا۔ رجع بالثمن: قیمت واپس لینا۔ انهدمت، انهدم البناء: عمارت کا ویران و شکستہ ہونا۔ احترقت: جل جانا۔ جفّ (ض) جفافا: خشک ہونا۔ البستان: باغ۔

حق شفعہ کے اسقاط کی تدابیر اور متفرق مسائل

تشریح : مذکورہ بالا عبارت میں چار مسائل بیان کئے گئے ہیں :

و لا تکره الحیلة .... تکره: مسئلہ (۱) شفیع کو حق شفعہ سے محروم کرنے کی تدبیر کرنا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔

ایسی تدبیر جس سے شفیع حق شفعہ حاصل نہ کر سکے اس کی دو قسمیں ہیں :

(۱) حیلۂ اسقاط شفعہ (۲) حیلۂ دفع ثبوت شفعہ

صاحب قدوری نے پہلی صورت ذکر کی ہے۔ امام شافعی امام محمدؒ کے ساتھ ہیں۔ دوسری صورت بالاتفاق مکروہ ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری نے ایک مکان خریدا اور اس شفیع سے کہا کہ تو یہ مکان مجھ سے خرید لے۔ اب اگر شفیع خریدنے کا ارادہ کرتا ہے تو شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ خریدنے کے لئے اقدام کرنا اعراض کی دلیل ہے۔ شفعہ کے باب میں فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔

و اذا بنى المشترى .... بقلعه : مسئلہ (۲) صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے ایک زمین خریدی، اس

زمین میں مکان تعمیر کرایا یا درخت لگوایا، اس کے بعد شفیع کے لئے حق شفعہ کا فیصلہ ہو گیا تو اس صورت میں شفیع کے لئے دو طرح کا اختیار ہے۔ ایک یہ ہے کہ زمین کو اس کی قیمت، عمارت کی قیمت اور باغ کی قیمت ادا کر کے حاصل کر لے۔ دوسرا یہ ہے کہ مشتری سے عمارت اور درخت اُکھڑوا کر خالی زمین حاصل کر لے۔ حضرات طرفین اور امام زفر کا یہی مسلک ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق زمین کو اس کی قیمت اور عمارت وغیرہ کی قیمت ادا کر کے حاصل کر لے یا بالکل چھوڑ دے۔ کیونکہ عمارت وغیرہ اکھڑوانے کا حکم ایک قسم کا ظلم ہے۔ امام شافعی کے نزدیک مذکورہ دو اختیار کے ساتھ تیسرا اختیار یہ بھی ہے کہ شفیع مشتری سے درخت وغیرہ اکھاڑنے کو کہے اور جو نقصان ہو اس کا تاوان ادا کرے۔

و ان اخذها .... و الغرس: مسئلہ (۳) صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شفیع کے حق میں کسی زمین کا فیصلہ ہوا اور اس نے اس زمین میں مکان تعمیر کروایا یا باغ لگوایا پھر کسی مدعی نے اپنی ملکیت ثابت کی اور بائع و مشتری کی بیع باطل کرا کر شفیع سے زمین حاصل کر لی اور عمارت وغیرہ اکھڑوا دی تو اس صورت میں شفیع کو صرف زمین کی ادا کی ہوئی قیمت لینے کا اختیار ہوگا۔ عمارت وغیرہ کی قیمت، بائع و مشتری کسی سے بھی لینے کا اختیار نہیں ہوگا۔

و اذا انهدمت .... ترك: مسئلہ (۴) اگر مشفوعہ زمین قدرتی آفت کی زد میں آ گئی جس کے نتیجہ میں مکان منہدم ہو گیا یا اس کی چھت جل گئی یا باغ کے درخت قدرتی طور پر خشک ہو گئے تو اس صورت میں شفیع کو اختیار ہے کہ چاہے تو تمام قیمت ادا کر کے سب ہی کچھ لے لے اور چاہے تو بالکل دست بردار ہو جائے۔

> وَ اِنْ نَقَضَ الْمُشْتَرِیْ الْبِنَاءَ قِیْلَ لِلشَّفِیْعِ اِنْ شِئْتَ فَخُذِ الْعَرْصَةَ بِحِصَّتِهَا وَ اِنْ شِئْتَ فَدَعْ وَ لَیْسَ لَهٗ اَنْ یَّاْخُذَ النَّقْضَ وَ مَنْ اِبْتَاعَ اَرْضًا وَ عَلٰی نَخْلِهَا ثَمَرٌ اَخَذَهَا الشَّفِیْعُ بِثَمَرِهَا وَ اِنْ جَدَّهُ الْمُشْتَرِیْ سَقَطَ عَنِ الشَّفِیْعِ حِصَّتُهٗ وَ اِذَا قُضِیَ لِلشَّفِیْعِ بِالدَّارِ وَ لَمْ یَکُنْ رَاٰهَا فَلَهٗ خِیَارُ الرُّؤْیَةِ فَاِنْ وَجَدَ بِهَا عَیْبًا فَلَهٗ اَنْ یَرُدَّهَا بِهٖ وَ اِنْ کَانَ الْمُشْتَرِیْ شَرَطَ الْبَرَاءَةَ مِنْهُ.

ترجمہ: اور اگر مشتری نے (ذاتی طور پر) عمارت توڑ دی تو شفیع سے کہا جائے گا کہ اگر تم چاہو تو زمین (پلاٹ) کو اس کے حصہ کے بقدر قیمت ادا کر کے حاصل کر لو۔ اور اگر چاہو تو ترک کر دو۔ اور شفیع کے لئے لازم نہیں ہے کہ (عمارت کا) ملبہ وصول کر لے۔ اور جس شخص نے زمین خریدی اور اس کے درختوں پر پھل ہے تو شفیع اس کو اس کے پھل کے ساتھ لے لے۔ اور اگر مشتری نے پھل توڑ لیا تو شفیع سے اس کے بقدر قیمت ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر شفیع کے لئے مکان کا فیصلہ ہو گیا اور شفیع نے اس کو دیکھا نہیں تھا تو شفیع کے لئے خیار رویت ہوگا۔ پس اگر اس میں کوئی عیب پائے تو اس کو اختیار ہے کہ عیب کی وجہ سے اس کو واپس کر دے اگر چہ مشتری نے اس سے بری ہونے کی شرط لگا دی ہو۔

حل لغات: نقض (ن) نقضًا: توڑنا۔ العرصة: ہر وہ جگہ جہاں کوئی عمارت نہ ہو (پلاٹ)۔ دع وَدَعَ یَدَعُ سے امر حاضر ہے، چھوڑنا۔ النقض: ملبہ۔ جد: (ض) کاٹنا، یہاں توڑنے کا معنیٰ کیا گیا ہے۔

تشریح: اس عبارت میں تین مسئلوں کا بیان ہے۔ ہر ایک کی نوعیت واضح ہے۔ حسب ضرورت تشریح

پیش خدمت ہے :

و ان نقض .... ان یاخذ النقض : مسئلہ(۱) اس مسئلہ میں نقض عمارت کے متعلق مشتری اور اجنبی دونوں برابر ہیں۔ مکان کے ثمن کو زمین اور عمارت ہر دونوں پر ہر ایک کی قیمت کو تقسیم کیا جائے گا۔ اور اس روز کی قیمت کا اعتبار یا جائے گا جس روز کہ عقد ہوا تھا۔ (مصباح القدوری جزء ۶ بحوالہ عینی ص ۱۴۱ ج ۴) اور اس عمارت کا ملبہ چونکہ شئ منقول کے حکم میں ہے تابع نہیں ہے اس لئے شفیع اس کو نہیں لے گا۔ (ہدایہ و حاشیہ)

و من ابتاع .... عن الشفیع حصته : یہ مسئلہ(۲) واضح ہے۔

و اذا قضی للشفیع .... البراء ۃ منه : مسئلہ(۳) اس موقع پر یہ بات ذہن نشین رہے کہ شفیع مشتری کے حکم میں ہے اس لئے شفیع کو مشتری کی طرح خیار رویت حاصل ہوگا۔ اگر مشتری نے عیب سے بری ہونے کی شرط لگا دی لیکن عیب پایا گیا تو شفیع کو خیار عیب حاصل ہوگا کیونکہ مشتری کو خیار عیب کے ساقط کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ج ۱ ص)

وَ اِذَا ابْتَاعَ بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ فَالشَّفِيْعُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِثَمَنٍ حَالٍّ وَ اِنْ شَاءَ صَبَرَ حَتّٰى يَنْقَضِيَ الْاَجَلُ ثُمَّ يَاخُذُهَا وَ اِذَا اَقْسَمَ الشُّرَكَاءُ الْعَقَارَ فَلَا شُفْعَةَ لِجَارِهِمْ بِالْقِسْمَةِ، وَ اِذَا اشْتَرٰى دَارًا فَسَلَّمَ الشَّفِيْعُ ثُمَّ رَدَّهَا الْمُشْتَرِيْ بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ اَوْ بِشَرْطٍ اَوْ بِعَيْبٍ بِقَضَاءِ قَاضٍ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيْعِ وَ اِنْ رَدَّهَا بِغَيْرِ قَضَاءِ قَاضٍ اَوْ تَقَايَلَا فَلِلشَّفِيْعِ الشُّفْعَةُ.

ترجمه : اور اگر (مشتری نے) مکان ادھار ثمن پر خریدا تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس مکان کو نقد ثمن دے کر لے لے اور اگر چاہے تو مدت کے پورا ہونے تک رکا رہے اس کے بعد اس کو حاصل کر لے۔ اگر چند شرکاء نے جائداد آپس میں تقسیم کر لی تو تقسیم کی وجہ سے ان کے پڑوسیوں کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔ اور کسی نے مکان خریدا اور شفیع حق شفعہ سے دست بردار ہو گیا پھر مشتری نے قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے مکان کو خیار رویت یا خیار شرط یا خیارِ عیب کی وجہ سے واپس کر دیا یا دونوں نے اقالہ کر لیا تو شفیع کو حق شفعہ حاصل ہے۔

تشریح : اس پوری عبارت میں تین مسئلے بیان کئے گئے ہیں :

و اذا ابتاع .... ثم یاخذها : مسئلہ(۱) اگر مشتری نے کوئی مکان ادھار میں خریدا تو شفیع کو دو طرح کا اختیار حاصل ہے ایک یہ کہ فوراً قیمت دے کر مکان حاصل کر لے دوسرے یہ کہ مدت کے پورا ہونے کا انتظار کرے بعدہ وصول کر لے البتہ اس شفیع کے لئے ادھار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ امام زفر، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک شفیع کو ادھار کا اختیار حاصل ہے، امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ (حاشیہ قدوری بحوالہ عینی شرح کنز)

و اذا اقتسم .... بالقسمة : مسئلہ(۲) صورت مسئلہ واضح ہے۔

و اذا اشتری دارًا .... الشفعة : مسئلہ(۳) صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مکان فروخت ہوا کسی نے اس مکان کو خرید لیا، شفیع اپنے حق شفعہ سے دست بردار ہو گیا، اس کے بعد خریدار نے قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے خیارِ رویت یا خیارِ

شرط یا خیارِ عیب کی بنیاد پر مکان کو واپس کر دیا تو اس صورت میں بھی فسخ بیع کی وجہ سے شفیع کو حق شفعہ نہیں ملے گا، لیکن اگر خیار عیب کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ کے بغیر یا اقالہ کے ذریعہ واپس کر دیا تو اس صورت میں عندالاحناف شفیع کے لئے حق شفعہ واجب ہوگا مگر امام زفرؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی حق شفعہ واجب نہیں ہوگا۔ (کما فی اشرف النوری ج ۲ ص ۲۱)

کتاب الشرکة

شرکت کا بیان

آغاز بحث سے قبل چند باتوں کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے: (۱) شرکت کی لغوی تعریف (۲) شرکت کی اصطلاحی تعریف (۳) شریعت سے اس کا ثبوت (۴) شفعہ اور شرکت کے مابین وجہ مناسبت۔

(۱) لغوی تعریف: شریک ہونا، شمولیت، حصہ داری۔ دو حصوں کا باہم ایسا ملانا کہ امتیاز باقی نہ رہے۔

(۲) اصطلاحی تعریف: هو عقد بين المتشاركين فى الاصل والربح. اصل اور نفع میں دو حصہ داروں کا باہم شریک ہونا۔ یہ عقد شرعاً شرکت کہلاتا ہے۔ شرکت اگر صرف منفعت میں ہو تو اس کو مضاربت کہتے ہیں۔ اور اگر اصل مال یعنی راس المال میں ہو تو اس کو بضاعت کہتے ہیں۔

(۳) شریعت سے اس کا ثبوت: اس کے ثبوت پر قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سب ہی شاہد ہیں۔ ارشاد ربانی ہے "فَهُمْ شُرَكَاءُ فِى الثُّلُثِ" حدیث نبوی میں ہے کہ جس کو ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے عن السائب انه قال كان رسول الله ﷺ شريكى فى الجاهلية. ظہور اسلام کے بعد آپؐ نے اس کی نفی نہیں فرمائی۔ عہد نبوی سے لے کر آج تک اس پر برابر تعامل جاری ہے۔ یہ اجماع کی دلیل ہے۔ اور قیاس وعقل کے مطابق ہے۔

(۴) مسائل شفعہ میں بعض مسائل ایسے ہیں جن کا تعلق شرکت سے ہے اس لئے کتاب الشرکۃ کو کتاب الشفعۃ کے بعد بیان کیا جا رہا ہے۔ (حاشیہ قدوری وفتح القدیر)

> اَلشِّرْكَةُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ شِرْكَةُ اَمْلَاكٍ وَ شِرْكَةُ عُقُوْدٍ فَشِرْكَةُ الْاَمْلَاكِ الْعَيْنُ يَرِثُهَا رَجُلَانِ اَوْ يَشْتَرِيَانِهَا فَلَا يَجُوْزُ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَتَصَرَّفَ فِىْ نَصِيْبِ الْآخَرِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِىْ نَصِيْبِ صَاحِبِهٖ كَالْاَجْنَبِىْ. وَالضَّرْبُ الثَّانِىْ شِرْكَةُ الْعُقُوْدِ وَهِىَ اَرْبَعَةُ اَوْجُهٍ مُفَاوَضَةٍ وَ عَنَانٍ وَ شِرْكَةِ الصَّنَائِعِ وَ شِرْكَةِ الْوُجُوْهِ.

ترجمہ: شرکت دو قسموں پر ہے۔ شرکتِ املاک اور شرکتِ عقود۔ اور شرکت املاک (یہ ہے کہ) ایک چیز جس کے دو وارث ہوں یا اس کو دو افراد خریدیں۔ پس ان میں سے کسی ایک کے لئے دوسرے کے حصہ میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے مگر اس کی اجازت سے اور ان میں سے ہر ایک اپنے شریک کے حصہ میں اجنبی آدمی کے مثل ہے۔ اور دوسری قسم شرکت عقود ہے اور یہ چار قسموں پر ہے۔ (۱) شرکت معاوضہ (۲) شرکت عنان (۳) شرکت صنائع (۴) شرکت الوجوہ۔

تشریح : صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ شرکت کی دو قسمیں ہیں (۱) شرکت املاک (۲) شرکت عقود۔
شرکت املاک کی تعریف یہ ہے کہ دو افراد یا اس سے زائد وراثت یا خریداری یا ہبہ یا صدقہ یا اختلاط یا استیلاء وغیرہ کے ذریعہ کسی چیز کے مالک ہو جائیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ہر دو شریک ایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی شخص کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ بلا اجازت کوئی ایک دوسرے کی چیز میں تصرف کرنا کا مجاز نہیں ہے۔
شرکت کی دوسری قسم شرکت عقود ہے جس کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) شرکت مفاوضہ (۲) شرکت عنان (۳) شرکت صنائع (۴) شرکت وجوہ۔ صاحب الجوہرہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے شرکت کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) شرکت بالاموال (۲) شرکت بالاعمال (۳) شرکت بالوجوہ۔ ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ شرکت مفاوضہ (۲) شرکت عنان۔

فَاَمَّا شِرْکَۃُ الْمُفَاوَضَۃِ فَھِیَ اَنْ یَشْتَرِطَ الرَّجُلَانِ یَتَسَاوِیَانِ فِیْ مَالِھِمَا وَ تَصَرُّفِھِمَا وَ دِیْنِھِمَا فَیَجُوْزُ بَیْنَ الْحُرِّ وَ الْمَمْلُوْکِ وَ لَا بَیْنَ الصَّبِی وَ الْبَالِغِ وَ لَا بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَ الْکَافِرِ وَ تَنْعَقِدُ عَلَی الْوَکَالَۃِ وَ الْکَفَالَۃِ وَ مَا یَشْتَرِیْہِ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْھُمَا یَکُوْنُ عَلَی الشِّرْکَۃِ اِلَّا طَعَامَ اَھْلِہٖ وَ کِسْوَتَھُمْ وَ مَا یَلْزَمُ کُلَّ وَاحِدٍ مِنَ الدُّیُوْنِ بَدَلًا عَمَّا یَصِحُّ فِیْہِ الْاِشْتِرَاکُ فَالْاٰخَرُ ضَامِنٌ لَہٗ.

ترجمہ : بہر کیف شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دو شخص یہ شرط کرلیں کہ وہ اپنے مال میں، اپنے تصرف اور اپنے مذہب میں برابر رہیں گے۔ پس یہ شرکت ایسے دو آدمیوں کے درمیان جائز ہے جو آزاد ہوں، مسلمان ہوں بالغ ہوں، عاقل ہوں۔ اور آزاد و غلام، بچہ اور بالغ اور مسلم و کافر کے درمیان جائز نہیں ہے۔ اور یہ شرکت، وکالت اور کفالت پر منعقد ہوگی۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک جو چیز خریدے گا وہ خرید شرکت پر ہوگی بجز اپنے اہل و عیال کے کھانے اور کپڑے کے۔ ان میں شرکاء میں سے جس پر کوئی قرض لازم ہو ایسی چیز کے بدلہ میں جس میں شرکت صحیح ہے تو دوسرا اس کا ضامن ہوگا۔

خلاصہ : صاحب قدوری نے اس عبارت میں شرکت مفاوضہ کی تعریف اور اس کی شرائط کو بیان کیا۔

تعریف : شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دونوں شریک مال میں، تصرف میں اور مذہب میں برابر ہوں۔

شرائط : ہر دو شریک آزاد ہوں، مسلمان ہوں، مذہب میں برابر ہوں، عاقل و بالغ ہوں، حقوق میں برابر ہوں۔ چنانچہ آزاد و غلام کے درمیان، بالغ اور بچہ کے درمیان اور مسلم اور کافر کے درمیان شرکت قائم نہیں ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہو، ایک دوسرے کا کفیل ہو تا کہ ہر ایک وکیل اور کفیل ہونے کی حیثیت سے تجارت کے مطالبات کا ذمہ دار اور تصرف میں ایک دوسرے کا ضامن ہو۔
اس موقع پر یہ واضح رہے کہ یہ اشتراک انہی امور میں جائز ہوگا جن میں اشتراک درست ہوتا ہے مثلاً شراء بیع، استیجار۔ اور جو چیزیں ذاتی اور دائمی ضروریات میں داخل ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، جیسے اہل و عیال کے لئے خورد و نوش کے اسباب، لباس، رہائشی مکان کا خریدنا، جنایت، نکاح، خلع، صلح عن دم العمد۔

تشریح : ائمہ ثلاثہ شرکت مفاوضہ کے قائل نہیں ہیں۔ امام مالکؒ نے یہاں تک فرمایا کہ "لا اعرف ما

المفاوضة" مجھے نہیں معلوم کہ مفاوضہ کیا چیز ہے۔ قیاس کا بھی یہی تقاضہ ہے کیونکہ اس میں مجہول الجنس کی وکالت اور کفالت ہوتی ہے جو جائز نہیں ہے۔ البتہ استحساناً جائز ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔

حضرات طرفین کے نزدیک مسلم اور کافر کے درمیان مفاوضہ جائز نہیں ہے۔ البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ (ہدایہ، جلد۲، کتاب الشرکۃ)

تنبیہ: ان یشترط : بعض نسخوں میں ان یشترك ہے۔ بعض اردو شارحین نے دینهما میں دین کو قرض کے معنیٰ میں رکھا ہے جبکہ یہ مذہب اور دین کے معنیٰ میں ہے۔

> فَاِنْ وَرِثَ اَحَدُهُمَا مَا تَصِحُّ فِيْهِ الشِّرْكَةُ اَوْ وُهِبَ لَهُ وَ وَصَلَ اِلٰى يَدِهٖ بَطَلَتِ الْمُفَاوَضَةُ وَ صَارَتِ الشِّرْكَةُ عِنَانًا وَ لَا تَنْعَقِدُ الشِّرْكَةُ اِلَّا بِالدَّرَاهِمِ وَ الدَّنَانِيْرِ وَ الْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ وَ لَا يَجُوْزُ فِيْمَا سِوَى ذٰلِكَ اَنْ يَّتَعَامَلَ النَّاسُ بِهٖ كَالتِّبْرِ وَ النُّقْرَةِ فَتَصِحُّ الشِّرْكَةُ بِهِمَا وَاِنْ اَرَادَ الشِّرْكَةَ بِالْعُرُوْضِ بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا نِصْفَ مَالِهٖ بِنِصْفِ مَالِ الْاٰخَرِ ثُمَّ عَقَدَ الشِّرْكَةَ.

ترجمہ: اور اگر (اس کے بعد) ان دونوں میں سے کوئی ایک ایسی چیز کا وارث ہو گیا جس میں شرکت صحیح ہو یا کسی ایک کے لئے ہبہ کر دی گئی ہو اور موہوبہ شئی اس کے قبضہ میں آگئی ہو تو شرکت مفاوضہ باطل ہو کر شرکت عنان ہو جائے گی۔ اور شرکت مفاوضہ صرف دراہم، دنانیر اور رائج پیسوں (سکوں) کے ذریعہ منعقد ہوگی اور اس کے علاوہ میں شرکت جائز نہیں ہوگی الا یہ کہ عوام الناس اس کے ساتھ معاملہ کرنے لگیں۔ جیسے سونے اور چاندی کی ڈلی لہٰذا ان اشیاء سے بھی شرکت صحیح ہو جائے گی۔ اور اگر عروض واسباب کے ذریعہ شرکت کرنا چاہیں تو ان میں سے ہر ایک اپنے نصف مال کو دوسرے کے نصف مال سے فروخت کر دے اس کے بعد شرکت منعقد کریں۔

حل لغات: الفلوس: فلس کی جمع ہے، پیسہ۔ النافقة: رائج، چالو۔ الفلوس النافقة: رائج الوقت سکہ۔ التبر: سونے کی ڈلی۔ النقرة: چاندی کا پگھلا ہوا ٹکڑا۔ العروض: عرض کی جمع ہے، اسباب وسامان۔

خلاصہ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جن چیزوں میں شرکت درست ہے یعنی دراہم ودنانیر اگر ان میں سے کوئی چیز ایک شریک ہبہ یا وراثت کے ذریعہ حاصل کرلے تو اس میں شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی (کیونکہ مالی مساوات کی شرط جس طرح ابتدا میں ہے اسی طرح انتہاء میں بھی ہے، اور اس صورت میں انتہاءً مساوات مفقود ہے) اور اس کو شرکت عنان کہا جائے گا۔ اور شرکت مفاوضہ، دراہم ودنانیر اور سکۂ رائج الوقت کے علاوہ کے ذریعہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس کے ذریعہ عوام الناس خرید وفرخت کرتی ہو، جیسے سونے اور چاندی کی ڈلی۔

اور یہ شرکت مفاوضہ اسباب، سامان اور زمین وغیرہ میں درست نہیں ہے لیکن اگر کوئی ان میں شرکت مفاوضہ کرنا چاہتا ہے تو اس کی شکل یہ ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک اپنے مال کے نصف حصہ کو دوسرے کے مال کے نصف حصہ کے عوض فرخت کر دے اس کے بعد دونوں عقد شرکت کرلیں۔ (مثال کے طور پر حامل کے پاس ایک چیز ہے جس کی قیمت دوسو درہم

کے برابر ہے، راشد کے پاس ایک چیز ہے اس کی قیمت بھی دوسو درہم کے برابر ہے، لہٰذا حامد، راشد سے اس چیز کے نصف کو اپنے مال کے نصف کے عوض خرید لے اور راشد، خالد سے اپنے نصف مال کے عوض اس کے نصف مال کو خرید لے۔ اس صورت میں ہر ایک شخص ایک دوسرے کی مذکورہ چیز میں برابر کا حصہ دار اور شریک ہے۔ اس کے بعد دونوں عقد مفاوضہ کرلیں۔ گویا اب دراہم کے ذریعہ قائم ہوئی ہے)

تشریح: وان اراد الشركة بالعروض الخ: عروض و اسباب کے ذریعہ شرکت مفاوضہ کے متعلق ائمہ کرام کا قدرے اختلاف ہے۔ امام مالک کے نزدیک عروض، کیلی اور وزنی اشیاء کے ذریعہ شرکت مفاوضہ قائم کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ ہر دو جانب کی جنس ایک ہو۔ بعض شوافع کا مسلک یہ ہے کہ اگر عروض یعنی اشیاء و سامان وغیرہ مثلی ہوں تو جائز ہے۔ صاحب قدوری نے جو تذکرہ کیا ہے کہ شرکت مفاوضہ دراہم و دنانیر اور فلوس نافقہ کے ذریعہ جائز ہے متاخرین کی تحقیق کے مطابق یہ امام محمدؒ کا قول ہے۔

حضرات شیخین کے نزدیک شرکت مفاوضہ اعراض کے ذریعہ جائز نہیں ہے۔ (ہدایہ، جلد ۲ ص ۶۲۷ - ۶۲۸)

وَ اَمَّا شِرْكَةُ الْعَنَانِ فَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ دُوْنَ الْكَفَالَةِ وَ يَصِحُّ التَّفَاضُلُ فِي الْمَالِ وَ يَصِحُّ اَنْ يَتَسَاوِيَا فِي الْمَالِ وَ يَتَفَاضَلاَ فِي الرِّبْحِ وَ يَجُوْزُ اَنْ يَعْقِدَهَا كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِبَعْضِ مَالِهٖ دُوْنَ بَعْضٍ وَ لاَ تَصِحُّ اِلاَّ بِمَا بَيَّنَّا اَنَّ الْمُفَاوَضَةَ تَصِحُّ بِهٖ وَ يَجُوْزُ اَنْ يَشْتَرِكَا مِنْ جِهَةِ اَحَدِهِمَا دَنَانِيْرُ وَ مِنْ جِهَةِ الْاٰخَرِ دَرَاهِمُ.

ترجمہ: اور بہر حال شرکت عنان تو اس کا انعقاد وکالت پر ہوتا ہے نہ کہ کفالت پر۔ اور (اس شرکت میں) مال میں کمی و بیشی درست ہے اور (یہ بھی) درست ہے کہ دونوں شریک مال میں برابر ہوں اور نفع میں کم و بیش ہوں اور یہ جائز ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک شرکت عنان کا عقد اپنے بعض مال سے کرے اور بعض سے نہ کرے اور یہ شرکت صحیح نہیں ہے مگر ان چیزوں سے جس کو ہم نے بیان کر دیا کہ اس سے شرکت مفاوضہ صحیح ہے اور یہ جائز ہے کہ دونوں شریک ہوں (بایں طور کہ) ان میں سے ایک کی طرف سے دنانیر ہوں اور دوسرے کی طرف سے دراہم ہوں۔

شرکت عنان

خلاصہ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ عقد کی دوسری قسم شرکت عنان ہے شرکت کی اس قسم میں ہر ایک دوسرے کا وکیل تو ہوگا البتہ کفیل نہیں ہوگا۔ اس میں دونوں شریکوں کا مال اور نفع برابر ہو یا کم و بیش۔ اسی طرح شرکت کی اس قسم میں اگر شریکین میں سے ہر ایک بعض مال کے ذریعہ شرکت کرتا ہے تو صحیح ہے (کیونکہ شرکت عنان میں مساوات شرط نہیں ہے) اور جن اموال سے شرکت مفاوضہ درست ہوتی ہے اس قسم میں سے کسی ایک کے ساتھ شرکت عنان بھی درست ہوتی ہے۔ اور دونوں شریک تجارت کر سکتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ ایک کی طرف سے دنانیر ہوں اور دوسرے کی طرف سے دراہم۔

تشریح: شرکت عنان کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا تھا یہ احناف کے نزدیک تھا۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ عقد

شرکت میں سے صرف شرکت عنان کے جواز کے قائل ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک بھی جائز ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ مال میں برابری پر شرکت منعقد ہونے کے بعد ہر ایک دوسرے کے کو مکمل اختیارات سپرد کردے۔

و یتفاضلا فی الربح : احناف کے نزدیک مال میں مساوات اور نفع میں کمی بیشی درست ہے مگر امام زفر اور امام شافعیؒ کے نزدیک کسی ایک کے لئے اس کے مال کے حصہ سے زیادہ نفع مقرر کرنا درست نہیں ہے۔ حضرت امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے۔ (عینی ج ۲ ص ۴۵۰)

وَ مَا اشْتَرَاهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِلشِّرْكَةِ طُوْلِبَ بِثَمَنِهٖ دُوْنَ الْآخَرِ وَ يَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِحِصَّتِهٖ مِنْهُ وَ اِذَا هَلَكَ مَالُ الشِّرْكَةِ اَوْ اَحَدُ الْمَالَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّشْتَرِيَا شَيْئًا بَطَلَتِ الشِّرْكَةُ اِنِ اشْتَرٰى اَحَدُهُمَا بِمَالِهٖ وَ هَلَكَ مَالُ الْآخَرِ قَبْلَ الشِّرَاءِ فَالْمُشْتَرٰى بَيْنَهُمَا عَلٰى مَا شَرَطَا وَ يَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِحِصَّتِهٖ مِنْ ثَمَنِهٖ.

ترجمہ : اور شریکین میں سے جو بھی کوئی شرکت کے لئے خریدے گا اس کا ثمن اسی سے طلب کیا جائے گا نہ کہ دوسرے سے، اور یہ شریک (خریدار) اپنے شریک سے اس کے حصۂ شرکت کے مطابق مطالبہ کرے اور اگر شرکت کا (پورا) مال شریکین میں سے کسی ایک کا مال کسی چیز کو خریدنے سے پہلے ہلاک ہوجائے تو شرکت باطل ہوجائے گی۔ اور اگر شریکین میں سے کسی ایک نے اپنے مال سے کوئی چیز خرید لی اور دوسرے کا مال خریدنے سے پہلے ہلاک ہوجائے تو خریدا ہوا مال دونوں کے درمیان شرط کے مطابق مشترک ہوگا۔ اور خریدنے والا اپنے شریک سے اس کے حصۂ شرکت کے بقدر اس چیز کی ثمن میں سے وصول کرے گا۔

خلاصہ : اس عبارت بالا میں شرکت عنان کے تحت صاحب قدوری نے تین مسئلے بیان کئے۔

و ما اشتراہ .... منہ : مسئلہ (۱) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

و اذا هلك .... بطلت الشركة : مسئلہ (۲) اگر مال مشترک ہلاک ہوجائے (خواہ مال کے اختلاط سے قبل یا بعد میں) دونوں کا مال ہو یا کسی ایک کا بشرطیکہ یہ ہلاکت اس مال سے کسی چیز کے خریدنے سے قبل ہوئی ہو تو اس صورت میں شرکت باطل ہوجائے گی۔

و ان اشتری احدهما الخ : مسئلہ (۳) اگر شریکین میں سے کسی نے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی مگر اس کے خریدنے سے قبل دوسرے کا مال ہلاک ہوگیا تو خریدا ہوا مال حسب شرائط باہم مشترک ہوگا اور خریدار اپنے شریک سے اس کے حصہ شرکت کے بقدر اس چیز کی قیمت وصول کرے گا۔

تشریح : مسئلہ (۳) میں امام محمد اور حسن بن زیاد کا اختلاف ہے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہلاکت کے بعد بھی شرکت عقد قائم رہے گی جس طرح کہ عدم ہلاکت کی صورت میں قائم رہتی ہے اور تصرف کا حق باقی رہے گا۔ حضرت حسن بن زیادؒ فرماتے ہیں کہ یہ شرکت عقد باطل ہوجائے گی۔ شرکت ملک باقی رہے گی، ہر شخص کو اپنے مال میں تصرف کا حق ہے، اور

دوسرے کے مال میں تصرف کے لئے اجازت درکار ہوگی۔ (حاشیہ قدوری نمبر ۶۔ ہدایہ ص ۱۳۱ ۶ ج ۲۔ عینی ج ۲ ص ۴۵۲)

وَ يَجُوْزُ الشِّرْكَةُ وَ اِنْ لَّمْ يُخْلِطَا الْمَالَ وَ لَا تَصِحُّ الشِّرْكَةُ اِذَا اشْتُرِطَ لِاَحَدِهِمَا دَرَاهِمُ مُسَمَّاةٌ مِنَ الرِّبْحِ وَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُفَاوَضَيْنِ وَ شَرِيْكَىِ الْعِنَانِ اَنْ يَّبْضَعَ الْمَالَ وَ يَدْفَعَهُ مُضَارَبَةً وَ يُوَكِّلَ مَنْ يَّتَصَرَّفُ فِيْهِ وَ يَرْهَنُ وَ يَسْتَرْهِنُ وَ يَسْتَاجِرُ الْاَجْنَبِىَّ عَلَيْهِ وَ يَبِيْعُ بِالنَّقْدِ وَ النَّسِيْئَةِ وَ يَدُهُ فِى الْمَالِ يَدُ اَمَانَةٍ.

ترجمہ: اور شرکت جائز ہے اگر چہ دونوں نے مال نہ ملایا ہو۔ اور شرکت صحیح نہیں ہے اگر کسی کے لئے متعین درہموں کے نفع کی شرط لگادی جائے۔ اور مفاوضہ اور عنان کے ہر شریک کے لئے جائز ہے کہ وہ تجارت یا مضاربت کے طور پر کسی کو مال دیدے اور کسی کو وکیل بنادے جو اس مال میں تصرف کرے اور دوسرے کے پاس رہن رکھے یا کسی کے پاس رہن رکھے اور کسی کو نوکر رکھ لے۔ اور نقد اور ادھار میں خرید وفروخت کرے (یہ سب جائز ہیں) اور مال پر شریک کا قبضہ قبضۂ امانت ہوگا۔

تشریح: اس پوری عبارت میں تین مسئلے مذکور ہیں۔

و یجوز .... المال: مسئلہ (۱) اگر شرکاء عقد شرکت کے بعد مال کو آپس میں نہ ملائیں بلکہ ہر ایک اپنا مال اپنے قبضہ میں رکھے تو احناف کے نزدیک جائز ہے۔ امام احمدؒ اور امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے البتہ امام مالکؒ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ وہ مال دونوں کے ہاتھ میں ہو۔ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک جب تک دونوں کے مال کا اختلاط نہ ہوجائے اس وقت تک شرکت قائم نہیں ہوگی۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۱۳۱ ۶۔ عینی ج ۲ ص ۴۵۱)

ولا تصح الشرکۃ .... من الربح: مسئلہ (۲) اگر شریکین میں سے کسی کے لئے باہمی رضامندی سے مخصوص نفع کی شرط لگادی جائے تو ایسی صورت میں شرکت جائز نہیں ہے۔

و لکل واحدٍ الخ: مسئلہ (۳) جو لوگ شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کرتے ہیں وہ تجارت کے لئے نفع بخش صورت اختیار کرسکتے ہیں مثلاً مال مشترک کو تجارت کے لئے یا مضاربت کے طور پر کسی کو دے دینا، یا کسی شخص کو وکیل مقرر کرنا جو اس کے مال میں تصرف کرے، یا کسی کو اپنی رقم امانت کے طور پر دینا۔ یا کسی غیر کی رقم اپنے پاس امانت کے لئے رکھنا کسی اجنبی شخص کو ملازمت پر رکھنا۔ مال کو نقد و ادھار پر فروخت کرنا۔ بہر کیف شرکت عقد میں جو مال کسی کے پاس ہوتا ہے وہ امانت کے حکم میں ہوتا ہے۔

وَ اَمَّا شِرْكَةُ الصَّنَائِعِ فَالْخَيَّاطَانِ وَ الصَّبَّاغَانِ يَشْتَرِكَانِ عَلٰى اَنْ يَّتَقَبَّلَا الْاَعْمَالَ وَ يَكُوْنُ الْكَسْبُ بَيْنَهُمَا فَيَجُوْزُ ذٰلِكَ وَ مَا يَتَقَبَّلُهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ يَلْزَمُهُ وَ يَلْزَمُ شَرِيْكَهُ فَاِنْ عَمِلَ اَحَدُهُمَا دُوْنَ الْاٰخَرِ فَالْكَسْبُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ.

ترجمہ: اور بہر حال شرکت صنائع تو دو درزی یا دو رنگ ریز اس طور پر شریک ہوں کہ دونوں کام لیں گے اور آمدنی دونوں کے درمیان (تقسیم) ہوگی لہٰذا یہ (صورت) جائز ہوگی اور ان دونوں میں سے جو شخص بھی کام لے گا وہ (کام)

اس پر لازم ہوگا اور اس کے شریک پر لازم ہوگا۔ پس اگر کسی ایک نے کام انجام دیا نہ کہ دوسرے نے تو آمدنی ان دونوں کے درمیان نصف تقسیم ہوگی۔

شرکت صنائع کا بیان

حل لغات: الصنائع: صنیعة کی جمع ہے، پیشہ۔ الخیاط: درزی۔ الصباغ: رنگریز۔ الاعمال: عمل کی جمع ہے، کام۔ الکسب: آمدنی، کمائی۔

خلاصہ: شرکت عقد کی تیسری قسم شرکت صنائع ہے۔ اس کا دوسرا نام شرکت تقبیل، شرکت الاعمال اور شرکت الابدان بھی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دو پیشہ ور مثلاً دو درزی یا دو رنگ ریز کا اس بات پر اتفاق ہو جائے کہ ہر مزدوری والا کام حاصل کریں گے اور جو آمدنی ہوگی وہ مشترک ہوگی۔ اب شریکین میں سے جو بھی کام حاصل کرے گا وہ کام دونوں کو انجام دینا ہوگا۔ اور ایک کے کام انجام دینے سے جو آمدنی ہوگی وہ دونوں کے درمیان شرط کے مطابق نصف نصف تقسیم ہوگی اگر چہ دوسرے نے اس کام کو انجام نہ دیا ہو۔

تشریح: شرکت کی یہ قسم احناف کے نزدیک جائز ہے۔ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔ اسی موقعہ پر یہ واضح رہے کہ اس قسم میں احناف کے نزدیک درستگی عقد کے لئے اتحاد عمل اور اتحاد مکان شرط نہیں ہے چنانچہ اگر ایک درزی اور دوسرا دھوبی یا رنگریز ہو اور دونوں کی دکانیں بھی الگ الگ ہوں تو یہ شرکت درست ہوگی۔ امام زفرؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ہر دو میں اتحاد شرط ہے۔ (عینی ج ۲ ص ۴۵۳۔ ہدایہ وحاشیہ ج ۲ ص ۶۳۳)

> وَ اَمَّا شِرْکَةُ الْوُجُوْهِ فَالرَّجُلَانِ يَشْتَرِكَانِ وَ لَا مَالَ لَهُمَا عَلىٰ اَنْ يَشْتَرِيَا بِوُجُوْهِهِمَا وَ يَبِيْعَا فَتَصِحُّ الشِّرْكَةُ عَلىٰ هٰذَا وَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَكِيْلُ الْآخَرِ فِيْمَا يَشْتَرِيْهِ فَاِنْ شَرِطَا اَنْ يَكُوْنَ الْمُشْتَرِىْ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ فَالرِّبْحُ كَذٰلِكَ وَ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَفَاضَلَا فِيْهِ وَ اِنْ شَرِطَا اَنَّ الْمُشْتَرِىْ بَيْنَهُمَا اَثْلَاثًا فَالرِّبْحُ كَذٰلِكَ.

ترجمہ: اور بہر حال شرکت وجوہ یہ ہے کہ دو آدمی شرکت کریں اور ان کے پاس مال موجود نہ ہو اس شرط پر کہ دونوں اپنے تعارف اور وجاہت سے خرید وفروخت کریں تو اس صورت پر شرکت صحیح ہو جائے گی۔ اور دونوں میں سے ہر ایک خریدی ہوئی چیزوں میں دوسرے کا وکیل ہوگا۔ اگر دونوں نے اس بات کی شرط کر لی کہ خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان نصف، نصف ہوگی تو نفع بھی اسی طرح (نصف نصف) ہوگا اور اس میں کمی بیشی جائز نہیں ہوگی۔ اور اگر دونوں نے اس بات کی شرط کر لی کہ خرید کردہ شئ دونوں کے درمیان تین تہائی رہے گی تو نفع بھی اسی طرح (تین تہائی) ہوگا۔

شرکت الوجوہ کا بیان

خلاصہ: شرکت عقد کی چوتھی قسم شرکت وجوہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ شریکین تہی دست ہوں اور اپنے

تعلقات اور اثر ورسوخ کی بنیاد پر تاجروں سے ادھار مال لاکر فروخت کرتے ہوں اور نفع میں شرکت ہوتی ہو۔ خرید کردہ شی کے اعتبار سے حسب معاہدہ نفع برابر تقسیم ہوگا تفاضل جائز نہیں ہے یعنی اگر معاہدہ نصف نفع پر ہوا ہے تو نصف اور اگر تہائی پر ہوا ہے تو تہائی تقسیم ہوگا۔ واضح رہے کہ خریدی ہوئی چیز میں ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوگا۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ شرکت بھی جائز نہیں ہے۔ (کمافی اشرف النوری ج ۲ ص ۲۷)

وَ لَا يَجُوْزُ الشِّرْكَةُ فِي الْاِحْتِطَابِ وَ الْاِحْتِشَاشِ وَ الْاِصْطِيَادِ وَ مَا اصْطَادَهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَ احْتَطَبَهُ فَهُوَ لَهُ دُوْنَ صَاحِبِهِ وَ اِذَا اشْتَرَكَا وَ لِاَحَدِهِمَا بَغْلٌ وَ لِلْآخَرِ رِوَايَةٌ يَسْتَقِيْ عَلَيْهَا الْمَاءُ وَ الْكَسْبُ بَيْنَهُمَا لَمْ تَصِحَّ الشِّرْكَةُ وَ الْكَسْبُ كُلُّهُ لِلَّذِيْ اسْتَقَى الْمَاءَ وَ عَلَيْهِ اَجْرُ مِثْلِ الْبَغْلِ وَ كُلُّ شِرْكَةٍ فَاسِدَةٍ فَالرِّبْحُ فِيْهَا عَلٰى قَدْرِ رَاسِ الْمَالِ وَ يَبْطُلُ شَرْطُ التَّفَاضُلِ.

ترجمہ: اور لکڑی جمع کرنے (ایندھن لانے) گھاس جمع کرنے اور شکار کرنے میں شرکت جائز نہیں ہے اور ان دونوں میں سے جس نے جو شکار کیا یا جس نے جو لکڑی جمع کی وہ اسی کا ہوگا۔ کسی دوسرے ساتھی کا نہیں ہوگا۔ اور اگر دو شخص شریک ہوئے اور ان میں سے ایک شخص کا خچر ہے اور دوسرے کی مشک کہ اس سے پانی کھینچیں گے۔ اور آمدنی دونوں کے درمیان (مشترک) ہوگی تو یہ شرکت صحیح نہیں ہوگی۔ اور تمام آمدنی اسی کی ہوگی جس نے پانی کھینچا ہے۔ اور اس (دوسرے) کے لئے خچر کی اجرت مثلی واجب ہوگی۔ اور ہر شرکت فاسدہ میں نفع رأس المال کے اعتبار سے ہوگا اور کمی بیشی کی شرط باطل ہوگی۔

شرکت فاسدہ کا بیان

حل لغات: احتطاب: مصدر باب افتعال سے، لکڑی جمع کرنا۔ احتشاش: مصدر باب افتعال سے، گھاس جمع کرنا۔ اصطیاد: مصدر باب افتعال سے، شکار کرنا۔ بغل: خچر۔ راویۃ: پانی کی پکھال، مشک۔ یستقی استقاء: باب استفعال سے، پانی کھینچنا، اٹھانا۔ الکسب: آمدنی، کمائی۔ الربح: نفع۔

خلاصہ: اس عبارت میں دو مسئلے اور ایک حکم کا بیان ہے۔ نیز اس موقع پر شرکت فاسدہ کو بیان کیا گیا ہے۔ شرکت فاسدہ اس شرکت کو کہتے ہیں جس میں صحت شرکت کی کوئی شرط موجود نہ ہو۔

مسئلہ (۱) جن اشیاء کا استعمال اور اس کا تصرف مباح ہے مثلاً لکڑی، گھاس اور شکار وغیرہ ان کے جمع کرنے اور حاصل کرنے میں شرکت جائز نہیں ہے، چنانچہ جس نے جو شکار کیا یا جو لکڑی جمع کی وہ صرف اسی کی ہوگی، کسی غیر کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

مسئلہ (۲) اگر دو آدمی شریک ہوئے جن میں سے ایک کا خچر ہے اور دوسرے کے پاس پانی کا مشکیزہ اور دونوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ ان دونوں کے ذریعہ پانی اٹھائیں گے اور جو آمدنی ہوگی وہ دونوں میں تقسیم ہوگی۔ یہ شرکت بھی جائز نہیں ہے۔ چنانچہ پانی اٹھانے سے جو آمدنی ہوئی ہے وہ صرف پانی اٹھانے والے کی ہے اور خچر والے کو اس کے خچر کی اجرت مثل دی جائے گی۔

حکم : جو شرکت کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو اس میں نفع اصل مال کی مقدار کے اعتبار سے تقسیم ہوگا۔ اور تفاضل کی شرط باطل ہوگی۔

وَ اِذَا مَاتَ اَحَدُ الشَّرِيْكَيْنِ اَوْ اِرْتَدَّ وَ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتِ الشَّرِكَةُ وَ لَيْسَ لِوَاحِدٍ مِنَ الشَّرِيْكَيْنِ اَنْ يُؤَدِّيَ زَكوٰةَ مَالِ الْاٰخَرِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَاِنْ اَذِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِصَاحِبِهٖ اَنْ يُؤَدِّيَ زَكوٰتَهٗ فَاَدّٰى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَالثَّانِيْ ضَامِنٌ سَوَاءٌ عَلِمَ بِاَدَاءِ الْاَوَّلِ اَوْ لَمْ يَعْلَمْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِنْ لَّمْ يَعْلَمْ لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ : اور اگر شریکین میں سے ایک مر جائے یا مرتد ہو جائے اور دار الحرب میں چلا جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی۔ اور شریکین میں سے کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ دوسرے کے مال کی زکوٰۃ دے مگر اس کی اجازت سے۔ اگر ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے دوست کو اس بات کی اجازت دیدے کہ وہ اس کی زکوٰۃ ادا کر دے پس اگر ان دونوں میں سے ہر ایک نے زکوٰۃ دے دی تو دوسرا ضامن ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خواہ اول کی ادائیگی کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر علم نہیں ہوا تو ضامن نہ ہوگا۔

خلاصہ : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ شریکین میں سے کسی ایک کے انتقال کر جانے یا مرتد ہو کر دار الحرب میں داخل ہو جانے سے شرکت باطل ہو جاتی ہے۔ ایک شریک دوسرے شریک کے مال سے بلا اس کی اجازت کے زکوٰۃ ادا کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ اگر شریکین مین سے ہر ایک نے دوسرے کی زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت دیدی اور دونوں نے یکے بعد دیگرے زکوٰۃ ادا کر دی تو ایسی صورت میں امام صاحب کے نزدیک جس نے بعد میں زکوٰۃ ادا کی ہوگی وہ ضامن ہوگا خواہ دوسرے کا ادا کرنا اس کے علم میں ہو یا نہ ہو۔ حضرت صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر دوسرے کا ادا کرنا معلوم نہ ہو تو وہ شخص ضامن نہ ہوگا۔

کتاب المضاربۃ

مضاربت ایک قسم کی شرکت ہے اس لئے صاحب قدوری کتاب الشرکۃ کے بعد مضاربت کے احکام بیان فرما رہے ہیں۔ مضاربۃ از روئے لغت باب مفاعلہ سے ہے اور ضرب فی الارض سے ماخوذ ہے، معنیٰ ہے زمین پر چلنا، سفر کرنا۔ ارشاد باری ہے۔ ''وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ'' (النساء ۱۰۱)

وجہ تسمیہ : اس عقد کو مضاربت اس لئے کہتے ہیں کہ مضارب عموماً حصول نفع کی غرض سے زمین پر چلتا پھرتا ہے۔ اہل حجاز اس کو مقارضہ اور قرض کہتے ہیں۔ یعنی قرض کا عقد کرنا۔ اور لفظ مضاربۃ نص قرآنی کے موافق ہے ارشاد خداوندی ہے ''وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ'' (المزمل: ۲۰) یعنی لوگ تجارت کی غرض سے سفر کرتے ہیں۔

شریعت مطہرہ سے اس کا ثبوت ہے کہ آپ کی بعثت ہوئی، لوگ یہ معاملہ کرتے رہے اور اس پر باقی رہے آپؐ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، ابوموسیٰؓ اور ابن مسعودؓ اور دیگر اصحاب رسول اللہ سے اس کا ثبوت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس بن عبد المطلب نے مضاربت پر مال دیا اور بعض شرائط لگائی تو جب نبی اکرم کو ان کی خبر ہوئی

تو آپؐ نے اس کو پسند فرمایا۔ پھر لوگوں کو اس کی ضرورت ہے کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص صاحب دولت ہے مگر تجارت و کاروبار کا تجربہ نہیں رکھتا ہے اور بعض افراد ایسے ہوتے ہیں کہ دولت کے مالک نہیں مگر تجارت کا اچھا تجربہ رکھتے ہیں اس لئے ان افراد کی مصالح کی وجہ سے عقد مضاربت کی مشروعیت ضروری تھی۔ (الفقہ الحنفی وادلتہ ج ۱ ص ۱۱۰-۱۰۹۔ حاشیہ قدوری نمبر ۱۔ حاشیہ عینی نمبر ۲۔ شرح کنز ج ۲ ص ۳۵۹)

اَلْمُضَارَبَةُ عَقْدٌ عَلَى الشِّرْكَةِ فِي الرِّبْحِ بِمَالٍ مِنْ اَحَدِ الشَّرِيْكَيْنِ وَ عَمَلٍ مِنَ الْآخَرِ وَلَا تَصِحُّ الْمُضَارَبَةُ اِلَّا بِالْمَالِ الَّذِىْ بَيَّنَّا اَنَّ الشِّرْكَةَ تَصِحُّ بِهٖ وَ مِنْ شَرْطِهَا اَنْ يَّكُوْنَ الرِّبْحُ بَيْنَهُمَا مُشَاعًا لَا يَسْتَحِقُّ اَحَدُهُمَا مِنْهُ دَرَاهِمَ مُسَمَّاةً وَ لَابُدَّ اَنْ يَّكُوْنَ الْمَالُ مُسَلَّمًا اِلَى الْمُضَارِبِ وَ لَايَدَ لِرَبِّ الْمَالِ فِيْهِ.

ترجمہ: مضاربت نفع میں شرکت پر عقد کرنا ہے شریکین میں سے ایک کے مال اور دوسرے کے عمل کے ساتھ اور مضاربت درست نہیں ہوگی مگر اس مال (دراہم و دنانیر) سے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے کہ اس مال سے شرکت درست ہوتی ہے۔ اور مضاربت کی شرط میں سے یہ (بھی) ہے کہ نفع دونوں (رب المال اور مضارب) کے درمیان (اس طرح) مشترک ہو کہ ان میں سے کوئی ایک متعین دراہم کا مستحق نہ ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ مال مضارب کے سپرد ہو اور مالکِ مال کا اس مال میں کوئی قبضہ نہ ہو۔

خلاصہ: صاحب کتاب نے اس عبارت میں عقد مضاربت کی تعریف اور اس کے شرائط کو بیان کیا۔

تعریف: مضاربت اس عقد کو کہتے ہیں جس میں ایک کا مال ہو اور دوسرے کی محنت اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔ اس موقع پر یہ واضح رہے کہ مالک مال کو رب المال، محنت اور کام کرنے والے کو مضارب اور جو مال اس کام میں لگایا جائے اس کو مال مضاربت کہتے ہیں۔

شرائط: (۱) عقد مضاربت اس مال یعنی دراہم و دنانیر کے ذریعہ صحیح ہوگی جس کے ذریعہ عقد شرکت صحیح ہوتی ہے۔
(۲) نفع رب المال اور مضارب کے درمیان اس قدر مشترک ہو کہ ان میں سے کوئی ایک کسی متعین درہم کا مستحق نہ ہو۔
(۳) مال کو مضارب کے حوالہ کر دیا جائے اور اس پر رب المال کا کسی طرح کا کوئی قبضہ نہ ہو۔

تشریح: صاحب قدوری نے تین شرطوں کا تذکرہ کیا ہے مگر دیگر فقہ کی کتابوں میں پانچ کا بھی تذکرہ ہے۔
(۱) رب المال اور مضارب دونوں کے لئے نفع کی تعداد کو واضح کرنا۔ (۲) مضارب کے لئے صرف نفع میں سے دیئے جانے کو مشروط قرار دیا جائے۔ اگر راس المال یا نفع اور راس المال دونوں میں سے دئے جانے کی شرط رکھی گئی تو عقد مضاربت فاسد ہو جائے گی۔ (الفقہ الحنفی وادلتہ ج ۱ ص ۱۱۱-۱۱۰)

فَاِذَا صَحَّتِ الْمُضَارَبَةُ مُطْلَقَةً جَازَ لِلْمُضَارِبِ اَنْ يَّشْتَرِىَ وَ يَبِيْعَ وَ يُسَافِرَ وَ يُبْضِعَ وَ يُوْكِلَ وَ لَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّدْفَعَ الْمَالَ مُضَارَبَةً اِلَّا اَنْ يَّاْذَنَ لَهٗ رَبُّ الْمَالِ فِيْ ذٰلِكَ اَوْ يَقُوْلَ لَهٗ

اِعْمَلْ بِرَأْيِكَ وَ اِنْ خَصَّ لَهُ رَبُّ الْمَالِ التَّصَرُّفَ فِيْ بَلَدٍ بِعَيْنِهِ وَ فِيْ سِلْعَةٍ بِعَيْنِهَا لَمْ يَجُزْ لَهُ اَنْ يَّتَجَاوَزَ عَنْ ذٰلِكَ وَ كَذٰلِكَ اِنْ وَقَّتَ لِلْمُضَارَبَةِ مُدَّةً بِعَيْنِهَا جَازَ وَ بَطَلَ الْعَقْدُ بِمُضِيِّهَا.

ترجمہ: اور جب مضاربت مطلقا درست ہوگئی تو مضارب کے لئے جائز ہے یہ کہ خریدے، فروخت کرے، سفر کرے، مال دوسرے کو دے اور وکیل بنائے اور مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ (اس مال میں سے) مال کو مضاربت کے طور پر دے مگر یہ کہ رب المال اس کی اجازت دے دے یا مضارب کہہ دے کہ اپنی رائے کے مطابق کرو۔ اور اگر رب المال نے مضارب کے لئے تصرف (تجارت) کو کسی متعین شہر یا متعین سامان میں مخصوص کردیا تو مضارب کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس سے تجاوز کرے۔ اور اسی طرح اگر مالک نے مضاربت کی مدت متعین کردی تو بھی جائز ہے اور مدت کے گذر جانے سے عقد باطل ہوجائے گا۔

خلاصہ: مضاربت کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں ایک مضاربت مطلقہ، دوسرے مضاربت مقیدہ۔
مضاربت مطلقہ میں کسی خاص زمان، مکان اور کسی خاص سامان کی کوئی قید نہیں ہے۔ مضارب کو اختیار ہے کہ نفع کی جو صورت ہے اس کو اختیار کرے، مثلاً نقد یا ادھار خرید و فرخت کرنا، تجارت کے لئے سفر کرنا، بضاعت کے طور پر کسی دوسرے کو مال دینا، کسی کو وکیل بنانا البتہ بغیر مالک کی اجازت کے اس مال مضاربت میں کسی کو مضاربت کے طور پر مال دینے کا اختیار نہیں ہے یا یہ کہ مالک مضارب کو یہ کہہ دے کہ تم اپنی صواب دید پر عمل کرو اس وقت مضارب کو اختیار ہوگا۔ مضاربت مقدرہ یہ ہے کہ مالک مال مضارب کے لئے تصرف کے سلسلے میں کسی خاص شہر، خاص سامان کی قید لگادے۔ ایسی صورت میں مضارب کے لئے سرمو اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جس طرح مضاربت مقدرہ مکان اور سامان کے اعتبار سے متعین ہوگی اسی طرح زمان و وقت کے اعتبار سے تعین کرنا جائز ہے اور وقت کے پورے ہونے پر مضاربت ختم ہوجائے گی۔

وَ لَيْسَ لِلْمُضَارِبِ اَنْ يَّشْتَرِيَ اَبَ رَبِّ الْمَالِ وَ لَا ابْنَهُ وَ لَا مَنْ يَّعْتِقُ عَلَيْهِ فَاِنِ اشْتَرَاهُمْ كَانَ مُشْتَرِيًا لِنَفْسِهِ دُوْنَ الْمُضَارَبَةِ وَ اِنْ كَانَ فِي الْمَالِ رِبْحٌ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَّشْتَرِيَ مَنْ يَّعْتِقُ عَلَيْهِ وَ اِنِ اشْتَرَاهُمْ ضَمِنَ مَالَ الْمُضَارَبَةِ وَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْمَالِ رِبْحٌ جَازَ لَهُ اَنْ يَّشْتَرِيَهُمْ فَاِنْ زَادَتْ قِيْمَتُهُمْ عَتَقَ نَصِيْبُهُ مِنْهُمْ وَ لَمْ يَضْمَنْ لِرَبِّ الْمَالِ شَيْئًا وَ يَسْعَى الْمُعْتَقُ لِرَبِّ الْمَالِ فِيْ قِيْمَةِ نَصِيْبِهِ مِنْهُ.

ترجمہ: اور مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ رب المال کے باپ کو خریدے اور نہ اس کے بیٹے کو اور نہ اس شخص کو جو رب المال پر آزاد ہوجائے۔ پس اگر مضارب نے ان لوگوں کو خرید لیا تو مضارب اپنی ذات کے لئے خریدار ہوگا نہ کہ مضاربت کے لئے۔ اور اگر مال میں نفع ہو تو مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس شخص کو خریدے جو اس پر آزاد ہوجائے اور اگر ان لوگوں کو خرید لیا تو مال مضاربت کا ضامن ہوگا اور اگر اس مال میں کوئی نفع نہیں ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ ان لوگوں کو خرید لے پس اگر ان کی قیمت بڑھ گئی تو اس خرید کردہ میں سے اس کا حصہ آزاد ہوجائے گا۔ اور مضارب

مالک کے لئے کسی شئی کا ضامن نہیں ہوگا اور آزاد شدہ شخص مالک کے لئے اس کے حصہ کے بقدر سعی کرے گا۔

تشریح : **ولیس للمضارب .... دون المضاربة** : رب المال کے ذمہ جس کو آزاد کرنا لازم ہے یہ آزادی خواہ قرابت کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے ہو، بہر کیف ملکیت میں آنے کے بعد فوراً آزاد ہو جائے گا۔ مثلاً باپ، بیٹا، بھائی وغیرہ، یا غلام کے آزاد کرنے کی قسم کھائی ہو تو ایسی صورت میں مضارب کے لئے مال مضاربت سے ایسے قرابت دار غلام کا خریدنا جائز نہیں ہے کیونکہ عقد مضاربت کا مقصد حصول نفع ہے اور اس صورت میں اس نفع کا فقدان ہے، مگر خریدنے کی صورت میں یہ مضارب کے مال میں سے شمار ہوگا اور مضارب ہی اس کا ضامن ہوگا۔

وان کان فی المال ربح .... ان یشتری بھم : اگر مال میں کوئی نفع ہو یعنی غلام کی قیمت راس المال سے زائد ہو اور غلام مضارب کا قرابت دار ہو تو مضارب کے لئے ایسے غلام کا خریدنا جائز نہیں ہے، کیونکہ خریداری کے بعد مضارب کا حصہ دار ہو جائے گا اور رب المال کے حصہ میں فساد ہو جائے گا لیکن اگر مضارب نے اس غلام کو خرید لیا تو مال مضاربت کا ضامن ہوگا اور اب اس کا حق ہوگا۔ اور اگر مال میں کوئی نفع نہ ہو یعنی غلام کی قیمت راس المال سے زیادہ نہ ہو تو مضارب ایسے مال کو خرید سکتا ہے کیونکہ جب اس قرابت دار غلام کی قیمت راس المال سے کم یا برابر ہوگی تو مضارب کی ملکیت ظاہر نہ ہوگی اس لئے اس صورت میں خریدنے سے مضارب کے ذمہ غلام کی آزادی لازم نہیں آئے گی۔

فان زادت الخ : اگر قرابت دار غلام خریدتے وقت غلام کی قیمت راس المال سے زائد نہیں تھی مگر خریدنے کے بعد اس کی قیمت میں اضافہ ہو گیا تو ایسی صورت میں مضاربت کے حصہ کی مقدار غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ مضارب اپنے قرابت دار غلام کا مالک ہو گیا اور مضارب پر اس کا ضمان لازم نہیں آئے گا البتہ غلام پر لازم ہے کہ رقم اور منافع کے اعتبار سے رب المال کا جو حصہ رہ جاتا ہے اس کو خود کما کر ادا کرے۔

> وَ اِذَا دَفَعَ الْمُضَارِبُ الْمَالَ مُضَارَبَةً عَلٰی غَیْرِہٖ وَ لَمْ یَاْذَنْ لَهٗ رَبُّ الْمَالِ فِیْ ذٰلِكَ لَمْ یَضْمَنْ بِالدَّفْعِ وَ لَا یَتَصَرَّفُ الْمُضَارِبُ الثَّانِیْ حَتّٰی یَرْبَحَ فَاِذَا رَبِحَ ضَمِنَ الْمُضَارِبُ الْاَوَّلُ الْمَالَ لِرَبِّ الْمَالِ وَ اِذَا دَفَعَ اِلَیْهِ مُضَارِبَةً بِالنِّصْفِ فَاَذِنَ لَهٗ اَنْ یَّدْفَعَهَا مُضَارَبَةً فَدَفَعَهَا بِالثُّلُثِ جَازَ فَاِنْ کَانَ رَبُّ الْمَالِ قَالَ لَهٗ عَلٰی اَنَّ مَا رَزَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَهُوَ بَیْنَنَا نِصْفَانِ فَلِرَبِّ الْمَالِ نِصْفُ الرِّبْحِ وَ لِلْمُضَارِبِ الثَّانِیْ ثُلُثُ الرِّبْحِ وَ لِلْاَوَّلِ السُّدُسُ.

ترجمہ : اور اگر مضارب نے مال مضاربت کو کسی غیر کو مضاربت کے طور پر دے دیا اور رب المال نے اس کو اس کی اجازت نہیں دی تھی تو مضارب صرف دیدینے سے ضامن نہیں ہوگا اور نہ مضارب ثانی تصرف کرے گا یہاں تک کہ کچھ نفع ہو (جب تک کچھ نفع نہ ہو اس وقت تک مضارب ثانی کے تصرف کا اعتبار نہ ہوگا) اور جب نفع ہو جائے تو مضارب اول رب المال کے لئے مال کا ضامن ہوگا۔ اور اگر رب المال نے مضارب کو مال مضاربت بالنصف پر دیا اور مضارب کو اس بات کی اجازت دے دی کہ اس مال کو (کسی غیر کو) مضاربت کے طور پر دیدے، چنانچہ مضارب اول نے مضاربت بالثلث

پر کسی کو مال دیدیا تو جائز ہے، پس اگر رب المال نے مضارب سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ جو نفع دے گا وہ ہمارے درمیان نصف، نصف ہوگا تو رب المال کے لئے آدھا نفع ہوگا اور مضارب ثانی کے لئے تہائی ہوگا اور مضارب اول کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔

مضارب کا کسی غیر کو بطور مضاربت مال دینے کا حکم

تشریح: **واذا دفع .... لرب المال**: اگر مضارب نے مالک کی اجازت کے بغیر کسی کو مال مضاربت کے طور پر دیا تو آیا مضارب پر ضمان لازم آئے گا یا نہیں؟

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مضارب اول پر صرف مال کے دیدینے سے ضمان لازم نہیں آئے گا بلکہ مضارب ثانی تجارت شروع کردے اور اس میں نفع بھی ہو تو اس وقت مضارب اول پر ضمان لازم آئے گا۔ حسن بن زیاد کا بھی یہی قول ہے جو امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے۔ حضرات صاحبینؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر مضارب ثانی کاروبار شروع کردیتا ہے تو مضارب اول پر ضمان لازم آئے گا خواہ کاروبار میں نفع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ظاہر روایت یہی ہے۔ حضرت امام زفرؒ، ائمہ ثلاثہ اور امام ابویوسفؒ کی روایت میں صرف مضارب ثانی کو مال دینے سے ضمان لازم آجائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ رب المال کو اختیار ہے جس کو چاہے ضامن بنادے۔ اسی قول کو مشہور کیا گیا ہے۔

(ہدایہ ج ۳ ص ۲۴۷۔ عینی ج ۳ ص ۲۶۷۔ جوہرہ ج ا ص ۲۹۶)

واذا دفع الیہ الخ: اگر رب المال مضارب اول کو اس بات کی اجازت دیدے کہ وہ مال مضاربت کسی غیر کو کاروبار کے لئے دے سکتا ہے تو ایسی صورت میں مضارب اول کے لئے غیر کو مال دینے کی اجازت ہوگی۔ اب اس کی چار صورتیں ہیں۔ پہلی صورت اسی عبارت میں اور بقیہ تین صورتیں اگلی عبارت میں آرہی ہیں۔

(۱) اگر رب المال نے مضارب کو آدھے نفع پر مال دیا تھا مثلاً یہ کہا تھا "ما رزق اللّٰہ تعالیٰ بیننا نصفان" اللہ تعالیٰ جو کچھ دے گا وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا۔ مگر اس نے مضارب ثانی کو تہائی نفع کے حساب سے دیدیا تو اس صورت میں منافع کی تقسیم اس طور پر ہوگی کہ رب المال کو کل منافع کا نصف ملے گا اور مضارب ثانی کو کل منافع کا ایک تہائی اور مضارب اول کو کل منافع کا چھٹا حصہ۔ مثلاً تین سو روپیہ کل منافع ہیں تو اس میں ۱۵۰/ روپیہ رب المال کا ہوگا۔ ۱۰۰/ روپیہ مضارب ثانی کا اور ۵۰/ روپیہ مضارب اول کا ہوگا۔

وَ اِنْ کَانَ قَالَ عَلٰی اَنَّ مَارَزَقَكَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَهُوَ بَیْنَنَا نِصْفَانِ فَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِیْ الثُّلُثُ وَ مَابَقِیَ بَیْنَ رَبِّ الْمَالِ وَ الْمُضَارِبِ الْاَوَّلِ نِصْفَانِ فَاِنْ قَالَ عَلٰی اَنَّ مَا رَزَقَ اللّٰهُ فَلِیْ نِصْفُهٗ فَدَفَعَ الْمَالَ اِلٰی آخَرَ مُضَارَبَةً بِالنِّصْفِ فَلِلثَّانِیْ نِصْفُ الرِّبْحِ وَ لِرَبِّ الْمَالِ النِّصْفُ وَ لَاشَیْءَ لِلْمُضَارِبِ الْاَوَّلِ فَاِنْ شَرَطَ لِلْمُضَارِبِ الثَّانِیْ ثُلُثَیِ الرِّبْحِ فَلِرَبِّ الْمَالِ نِصْفُ الرِّبْحِ وَ لِلْمُضَارِبِ الثَّانِیْ نِصْفُ الرِّبْحِ وَ یَضْمَنُ الْمُضَارِبُ الْاَوَّلُ لِلْمُضَارِبِ الثَّانِیْ مِقْدَارَ سُدُسِ الرِّبْحِ فِیْ مَالِهٖ.

ترجمہ: اور اگر رب المال نے یہ کہا کہ اللہ رب العزت تمہیں جو کچھ بھی نفع دے گا تو وہ ہمارے درمیان نصف،

نصف ہوگا، تو مضارب ثانی کے لئے تہائی ہوگا اور جو باقی ہے وہ رب المال اور مضارب اول کے درمیان نصف، نصف ہوگا۔ اور اگر رب المال نے یہ کہا کہ اللہ رب العزت جو کچھ دے گا اس کا آدھا میرا ہے، پھر مضارب اول نے مضارب ثانی کو مال نصف کے حساب سے مضاربت کے طور پر دیدیا تو مضارب ثانی کے لئے آدھا نفع ہوگا اور رب المال کے لئے آدھا نفع ہوگا اور مضارب اول کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔ اور اگر مضاب اول نے مضارب ثانی کے لئے نفع کا دوتہائی شرط کردیا تھا تو آدھا نفع رب المال کے لئے ہوگا اور آدھا نفع مضارب ثانی کا ہوگا، اور مضارب اول مضارب ثانی کو اپنے مال کے نفع کا چھٹا حصہ دے گا۔

تشریح : مضارب اول کا غیر کو مال دینے کی چار صورتیں ہیں، جن میں سے ایک صورت اوپر ذکر کی گئی ہے، اب اس عبارت میں تینوں صورتیں ذکر کی جارہی ہیں۔

(۲) اگر رب المال نے مضارب اول کو مال دیتے ہوئے یہ کہا "ما رزقك الله بيننا نصفان" یعنی اللہ رب العزت تم کو جو نفع دے گا وہ ہمارے درمیان نصف، نصف ہوگا، تو اس صورت میں مضارب ثانی کو کل منافع کا ایک ثلث ملے گا، اور باقی دوثلث، رب المال اور مضارب اول کے درمیان نصف، نصف تقسیم ہوں گے۔ لہٰذا مضارب ثانی کو ۱۰۰ ارروپیہ ملیں گے اور بقیہ دوسو رقم رب المال اور مضارب اول کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوں گے۔

(۳) اور اگر رب المال نے مضارب اول سے یہ کہا "ما رزق الله من شيء فلي نصفه" یعنی اللہ رب العزت جس قدر نفع بخشے گا اس کا نصف میرے لئے ہے۔ اور مضارب اول کسی دوسرے کو نصف مضاربت پر مال دیدے تو اس صورت میں نصف نفع مضارب ثانی کا ہوگا اور نصف نفع رب المال کا ہوگا اور مضارب اول کو کچھ بھی نہ ملے گا۔

(۴) اور اگر مضارب اول نے مضارب ثانی کو منافع کے دوثلث کی شرط پر مال دیا تو اس صورت میں رب المال کو کل منافع میں سے نصف یعنی ڈیڑھ سوروپیہ ملے گا اور مضارب ثانی کو نفع کا نصف یعنی ڈیڑھ سوروپیہ ملے گا اور ایک سدس یعنی پچاس روپیہ مضارب اول اپنے مال میں سے مضارب ثانی کو ادا کرے گا تاکہ اس کا دوثلث پورا ہوجائے۔

وَ اِذَا مَاتَ رَبُّ الْمَالِ اَوِ الْمُضَارِبُ بَطَلَتِ الْمُضَارَبَةُ وَ اِذَا ارْتَدَّ رَبُّ الْمَالِ عَنِ الْاِسْلَامِ وَ لَحِقَ بِدَارِالْحَرْبِ بَطَلَتِ الْمُضَارَبَةُ وَ اِنْ عَزَلَ رَبُّ الْمَالِ الْمُضَارِبَ وَ لَمْ يَعْلَمْ بِعَزْلِهٖ حَتّٰى اشْتَرٰى اَوْ بَاعَ فَتَصَرُّفُهُ جَائِزٌ وَ اِنْ عَلِمَ بِعَزْلِهٖ وَ الْمَالُ عُرُوْضٌ فِيْ يَدِهٖ فَلَهُ اَنْ يَّبِيعَا وَلَا يَمْنَعُهُ الْعَزْلُ مِنْ ذٰلِكَ ثُمَّ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَّشْتَرِيَ بِثَمَنِهَا شَيْئًا آخَرَ وَ اِنْ عَزَلَهُ وَ رَأْسُ الْمَالِ دَرَاهِمُ اَوْ دَنَانِيْرُ قَدْ نَضَّتْ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَتَصَرَّفَ فِيْهَا.

ترجمہ : اور اگر رب المال یا مضارب مرجائے تو مضاربت باطل ہوجائے گی۔ اور اگر رب المال اسلام سے مرتد ہوجائے اور دارالحرب میں چلا جائے تو مضاربت باطل ہوجائے گی۔ اور اگر رب المال نے مضارب کو معزول کردیا مگر مضارب کو اپنی معزولی کا علم نہیں ہوا یہاں تک کہ اس نے خرید یا فروخت کرلی تو اس کا تصرف جائز ہے اور اگر اس کو اپنی معزولی کا علم ہوگیا حالانکہ مال اس کے قبضہ میں سامان (کی صورت میں) ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو فروخت

کردے اور معزولی اس کو اس سے مانع نہیں ہوگی پھر اس کی قیمت سے دوسری چیز خریدنا جائز نہیں ہے اور اگر اسکو معزول کر دیا جب کہ راس المال دراہم و دنانیر نقد موجود ہیں تو اب اس کے لئے ان میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

بطلان مضاربت اور اس کا جواز

حل لغات : ارتد ارتداداً: عن، فیه، دین سے پھر جانا، مرتد ہو جانا۔ عزل (ض) عزلاً: جدا کرنا۔ عروض، سامان۔ نضّت، ماله (ض) نضًا و نَضِیضًا، سامان کے بعد نقدی ہونا۔

تشریح : اس عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں۔

واذا مات .... المضاربة : مسئلہ (۱) اگر مالکِ مال یا مضارب کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں مضاربت باطل ہو جائے گی۔

واذا ارتد .... المضاربة : مسئلہ (۲) اگر مالکِ مال مرتد ہو کر دارالحرب میں چلا جائے تو اس صورت میں مضاربت باطل ہو جائے گی۔

وان عزل .... جائز : مسئلہ (۳) اگر مالکِ مال نے مضارب کو معزول کر دیا اور مضارب کو اس کا علم ہوا اور اس نے خرید و فروخت کر لی تو ایسی صورت میں اس کا تصرف جائز ہے۔

وان علم .... شیئا آخر : مسئلہ (۴) اور اگر مضارب کو اپنی معزولی کا علم ہو گیا اور مال اس کے قبضہ میں نقد کے بجائے سامان کی شکل میں ہو تو اس کا معزول ہونا اس کو سامان کے فروخت کرنے سے مانع نہ ہوگا اور اس کے بعد اس کی قیمت سے دوسری چیز خریدنا جائز نہیں ہوگا۔

وان عزله الخ : مسئلہ (۵) اور اگر مال نقد ہے مگر راس المال کی جنس سے نہیں ہے مثلاً دراہم و دنانیر یا اس کا ہم مثل جیسے نوٹ وغیرہ یا سکہ رائج الوقت ہے تو اس میں تصرف جائز نہیں ہے۔ دونوں کی جنس حکماً ایک ہی ہے۔

> وَاِذَا افْتَرَقَا وَ فِیْ الْمَالِ دُیُوْنٌ وَ قَدْ رَبِحَ الْمُضَارِبُ فِیْهِ اَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلٰی اِقْتِضَاءِ الدُّیُوْنِ وَ اِنْ لَّمْ یَكُنْ فِیْ الْمَالِ رِبْحٌ لَمْ یَلْزَمْهُ الْاِقْتِضَاءُ وَ یُقَالُ لَهٗ وَكِّلْ رَبَّ الْمَالِ فِی الْاِقْتِضَاءِ وَ مَاهَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ فَهُوَ مِنَ الرِّبْحِ دُوْنَ رَاْسِ الْمَالِ فَاِنْ زَادَ الْهَالِكُ عَلَی الرِّبْحِ فَلَا ضَمَانَ عَلَی الْمُضَارِبِ فِیْهِ وَ اِنْ كَانَا یَقْتَسِمَانِ الرِّبْحَ وَ الْمُضَارَبَةُ عَلٰی حَالِهَا ثُمَّ هَلَكَ الْمَالُ كُلُّهٗ اَوْ بَعْضُهٗ تَرَادُ الرِّبْحَ حَتّٰی یَسْتَوْفِی رَبُّ الْمَالِ رَاْسَ الْمَالِ.

ترجمہ : اور اگر رب المال اور مضارب دونوں جدا ہو گئے درانحالیکہ مال مضاربت میں قرضے ہیں اور اس میں مضارب کو نفع ہوا ہے تو حاکم مضارب پر قرضوں کے وصول کرنے پر جبر کرے گا اور اگر مال میں نفع نہ ہو تو مضارب کو وصول کرنا لازم نہیں ہے اور اس سے کہا جائے گا کہ مالکِ مال کو وصولیابی کا وکیل بنا دے اور مال مضاربت میں سے جو ضائع ہو جائے وہ نفع میں سے ہوگا نہ کہ راس المال میں سے اور اگر ضائع شدہ مال نفع سے بڑھ جائے تو مضارب پر اس میں کوئی

ضمان نہیں ہے۔ اور اگر دونوں نے نفع تقسیم کرلیا اور مضاربت اپنی حالت پر ہے اس کے بعد پورا مال یا کچھ مال ضائع ہوگیا تو دونوں نفع لوٹادیں یہاں تک کہ مالک اصل رقم کو پورا کرلے۔

تشریح : واذا افترقا .... فی الاقتضاء : اگر رب المال اور مضارب دونوں عقد مضاربت کے ختم ہونے کے بعد علیحدہ ہوجائیں اور مال مضاربت لوگوں پر قرض ہو تو اب اس کی دو صورتیں ہیں یا تو مضارب کو تجارت میں نفع ملا ہوگا یا نہیں۔ اگر نفع ملا ہے تو مضارب کو لوگوں سے قرض کی وصولیابی کے لئے مجبور کیا جائے گا کیونکہ مضارب اجیر کے درجہ میں ہے اور نفع اجرت کے درجہ میں ہے اس لئے مضارب کو کام مکمل کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور اگر نفع نہیں ملا ہوگا تو حصول قرض کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے اختیار پر ہے کیونکہ اس دوسری صورت میں مضارب متبرع کی حیثیت سے ہے اور متبرع پر جبر نہیں ہے۔ البتہ اس صورت میں مضارب سے کہا جائے گا کہ تو رب المال کو قرض کی وصولیابی کے لئے وکیل بنادے تاکہ اس کا مال ضائع نہ ہو۔

وما هلك ...... علی المضارب فيه : اگر مال مضاربت ہلاک ہوجائے تو اس نقصان کو راس المال کے بجائے نفع سے پورا کیا جائے گا لیکن اگر ہلاک ہونے والا مال نفع کی مقدار سے بھی زائد ہو تو مضارب اس نقصان کا ضامن نہیں ہوگا کیونکہ مضارب امین ہے اور امین پر ضمان نہیں ہوتا۔

وان كانا يقتسمان الخ : ابھی عقد مضاربت باقی ہے نفع کی تقسیم چل رہی ہے ادھر پورا مال یا کچھ مال ضائع ہوگیا تو اس صورت میں نقصان کو پورا کرنے کے لئے نفع کو لوٹایا جائے گا تاکہ مالک کی اصل رقم پوری ہوجائے۔

> فَاِنْ فَضَلَ شَیْءٌ كَانَ بَيْنَهُمَا وَ اِنْ نَقَصَ مِنْ رَأسِ الْمَالِ لَمْ يَضْمَنِ الْمُضَارِبُ وَ اِنْ كَانَا اِقْتَسِمَا الرِّبْحَ وَ فَسَخَا الْمُضَارَبَةَ ثُمَّ عَقَدَاهَا فَهَلَكَ الْمَالُ لَمْ يَتَرادَّا الرِّبْحَ الْاَوَّلَ وَ يَجُوْزُ لِلْمُضَارِبِ اَنْ يَبِيْعَ بِالنَّقْدِ وَ النَّسِيْئَةِ وَ لَا يُزَوِّجُ عَبْدًا وَ لَا اَمَةً مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ.

ترجمہ : اور اگر (اصل رقم پوری ہونے کے بعد نفع میں سے) کچھ رقم بچ جائے تو وہ دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی اور اگر اصل رقم سے کچھ کم رہ جائے تو مضارب ضامن نہیں ہوگا۔ اور اگر دونوں نے نفع تقسیم کرلیا اور مضاربت ختم کردی اس کے بعد (دوبارہ) عقد مضاربت کیا اور مال ہلاک ہوگیا تو پہلا نفع (جو تقسیم ہوچکا ہے) نہیں لوٹائیں گے۔ اور مضارب کے لئے جائز ہے کہ نقد اور ادھار (دونوں طریقہ سے) فروخت کرے لیکن مال مضابت سے کسی غلام یا باندی کی شادی نہ کرے۔ (مال مضاربت میں جو غلام یا باندی ہو)

تشریح : عبارت سے مفہوم واضح ہے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

اس موقع پر اتنا ذہن نشین رہے کہ حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک باندی کا نکاح جائز ہے۔

(ہدایہ ج ۳ ص ۲۶۶ ۔ فتح القدیر ج ۷ ص ۴۴۱)

کتاب الوکالۃ

وکالت کے احکام

مضاربت کو وکالت سے ایک گونہ مشابہت ہے اس لئے مضاربت کے بعد وکالت کے احکام بیان کئے جا رہے ہیں۔
اس موقع پر وکالت کی لغوی و اصطلاحی تعریف، رکن اور اس کی شرائط، حکم، صفت، کتاب اللہ و سنت، اجماع اور قیاس سے ثبوت پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

وکالت کے لغوی معنیٰ حفظ کے ہیں۔ چنانچہ آیت کریمہ "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ" (اللہ رب العزت ہمارے لئے کافی ہے اور بہترین محافظ اور کارساز ہے) اسی قبیل سے ہے۔ اس آیت میں وکیل محافظ کے معنیٰ میں ہے۔ وکالت واؤ کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ منقول ہے توکیل کا اسم ہے۔ اور توکیل باب تفعیل سے ہے اور وکول سے ماخوذ ہے۔ وکیل بنانا۔ وَكَلَ (ض) وَكْلاً و وُكُوْلاً، الیہ الامرُ سپرد کرنا، کسی پر بھروسہ کر کے اس پر اپنا کام چھوڑ دینا۔ وکیل فعیل کے وزن ہے اور مفعول کے معنیٰ میں ہے۔ وہ شخص جس پر بھروسہ کیا جائے۔ اور وکیل فاعل کے معنیٰ میں بھی آتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے۔

اصطلاحِ شرع میں توکیل کی تعریف یہ ہے "ھو اقامة الانسان غیرہ مقام نفسه فی تصرف معلوم" کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کو خاص تصرف کے لئے اپنی جگہ پر قائم مقام بنائے۔ (حاشیہ قدوری ص ۱۲۱۔ بحوالہ الجوہرہ والعنایۃ)

وکالت کا رکن : وکالت کے وہ الفاظ ہیں جن سے وکالت ثابت ہوتی ہے مثلاً میں نے تجھے اپنے اس غلام کے فروخت کرنے یا خریدنے کا وکیل بنایا۔ (عالمگیری ج ص)

شرائط : وکالت کی شرطیں چند قسم کی ہیں، بعض وہ ہیں جن کا تعلق موکل سے ہے لہٰذا شرط یہ ہے کہ مؤکل جس فعل کے لئے وکیل کرتا ہے اس کے کرنے کا خود مالک ہو اور اس پر احکام لازم ہوں اور بعض وہ ہیں جن کا تعلق وکیل سے ہے لہٰذا وکیل کا عاقل ہونا شرط ہے۔ (مزید تفصیل متن میں آرہی ہے) (عالم گیری ص)

کتاب اللہ سے ثبوت : اصحاب کہف کے واقعہ میں ایک آدمی کو وکیل بنا کر خریدنے کے لئے درہم دے کر بھیجنے کا تذکرہ ہے ارشاد باری ہے "فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ" (تم اپنے ایک آدمی کو درہم لے کر بھیج دو)۔ سابقہ شریعت ہمارے لئے حجت ہیں جب تک اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی ممانعت نہ ہو۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۵۵۴)

صفت : یہ ہے کہ وکالت ایک عقد ہے جائز ہے کہ مؤکل اور وکیل میں سے ہر ایک کو دوسرے کی رضامندی کے بغیر دوسرے کے معزول کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔

حکم : یہ ہے کہ وکیل کو اس کام کا تصرف حاصل ہو جاتا ہے۔ (حاشیہ ہدایہ ج ۳ ص ۱۶۱)

سنت سے ثبوت : ابوداؤد کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزام کو ایک دینار دے کر قربانی کا جانور خریدنے کے لئے بھیجا انہوں نے ایک دینار میں قربانی کا جانور خریدا اور اس کو دو دینار میں فروخت

کر کے ایک دوسرا جانور ایک دینار میں خریدا اور آپ کی خدمت میں ایک دینار اور ایک جانور لے کر حاضر ہوئے تو آپؐ نے دینار صدقہ کر دیا اور حضرت حکیم ابن حزام کے حق میں برکت کی دعا فرمائی۔ (فتح القدیر ج۶ ص ۵۵۵)

اجماع سے ثبوت: عہد نبوی سے لیکر آج تک وکالت کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔ (عین الہدایہ ج۳ ص۳۹۲)

قیاس سے ثبوت: قیاس کا تقاضا ہے کہ وکالت جائز ہو کیونکہ بعض اشخاص ایسے ہوتے ہیں جو بذات خود مختلف پہلو سے معاملہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اس لئے ایسے شخص کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جس کو اپنا قائم مقام بنا کر اپنی ضرورت پوری کریں۔ (ہدایہ ج۳ ص۱۶۱)

كُلُّ عَقْدٍ جَازَ اَنْ يَّعْقِدَهُ الْإِنْسَانُ بِنَفْسِهٖ جَازَ اَنْ يُّوَكِّلَ بِهٖ غَيْرَهُ وَ يَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ فِيْ سَائِرِ الْحُقُوْقِ وَ اِثْبَاتِهَا وَ يَجُوْزُ بِالْاِسْتِيْفَاءِ اِلَّا فِي الْحُدُوْدِ وَ الْقِصَاصِ فَاِنَّ الْوَكَالَةَ لَا تَصِحُّ بِاسْتِيْفَائِهَا مَعَ غَيْبَةِ الْمُوَكِّلِ عَنِ الْمَجْلِسِ.

ترجمہ: ہر وہ عقد کہ جائز ہے کہ انسان اسے بذات خود کرے تو جائز ہے یہ کہ دوسرے کو اس کا وکیل بنائے اور تمام حقوق کے دعویٰ کرنے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز ہے اور حقوق حاصل کرنے کے لئے جائز ہے مگر حدود اور قصاص میں کہ ان حقوق کو حاصل کرنے کی وکالت درست نہیں ہے مجلس (عدالت) میں موکل کی عدم موجودگی کی صورت میں۔

توکیل بالخصومۃ کا بیان

کل عقد .... واثباتها: صاحب قدوری نے ایک ضابطہ بیان کیا کہ ایک انسان جس معاملہ کو خود انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کے لئے غیر کو وکیل بنا سکتا ہے یعنی حقوق العباد میں خصومت کے لئے وکیل بنانا درست ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خصومات میں حضرت عقیل بن ابی طالب کو وکیل بنایا اور جب وہ عمر رسیدہ ہو گئے تو حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کو وکیل بنایا کمافی البیہقی۔ (ہدایہ ج۳ ص۱۶۱)

ویجوز بالاستیفاء الخ: موکل پر جن حقوق کی ادائیگی واجب ہو ان کے ایفاء میں اور جن حقوق کو موکل حاصل کرنے والا ہو ان کے استیفاء میں وکیل بنانا درست ہے البتہ حدود و قصاص کے حاصل کرنے کے لئے وکیل بنانا درست نہیں ہے کیونکہ حدود و قصاص مجرم پر جاری ہوتا اور وہ موکل ہے نہ کہ وکیل۔ اور اگر موکل عدالت میں حاضر نہ ہو تو اس صورت میں حدود و قصاص کے حاصل کرنے کے لئے وکیل بنانا درست نہیں ہے کیونکہ حدود و قصاص کے ساقط ہونے کے لئے ادنیٰ شبہ کافی ہے اور یہ شبہ یہاں موجود ہے کہ اگر موکل عدالت میں ہوتا تو شاید وہ معاف کر دیتا۔ (ہدایہ ج۳ ص۱۶۱)

وَ قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ لَا يَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ اِلَّا بِرِضَاءِ الْخَصْمِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْمُوَكِّلُ مَرِيْضًا اَوْ غَائِبًا مَسِيْرَةَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِدًا وَ قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِغَيْرِ رِضَاءِ الْخَصْمِ.

ترجمہ: اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ مقدمات میں وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔ البتہ مقابل (فریق ثانی) کی رضامندی سے مگر یہ کہ مؤکل بیمار ہو یا تین دن یا اس سے زائد کی مسافت پر ہو۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر وکیل بنانا جائز ہے۔

خلاصہ: صاحب قدوری توکیل بالخصومت کے مسالک بیان فرمارہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ امام اعظم کے نزدیک مقدمات میں وکیل بنانے کے لئے فریق ثانی کی رضامندی ضروری ہے بشرطیکہ مؤکل کے لئے کوئی ایسا عارضہ نہ ہو جس کی وجہ سے عدالت میں حاضر نہ ہوسکے مثلاً مؤکل بیمار ہو یا مدت سفر کی مقدار غائب ہو تو ایسی صورت میں خصم کی رضامندی شرط نہیں ہے۔ حضرات صاحبینؒ (اور ائمہ ثلاثہ) کے نزدیک مقدمات میں وکیل بنانے کے لئے فریق مخالف کی رضامندی شرط نہیں ہے۔

تشریح: اس موقع پر یہ واضح رہے کہ احناف کا یہ اختلاف لزوم توکیل اور عدم لزوم توکیل میں ہے جوازِ توکیل میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (ہدایہ ج۳ ص۱۶۲)

> وَ مِنْ شَرْطِ الْوِكَالَةِ اَنْ يَّكُوْنَ الْمُوَكِّلُ مِمَّنْ يَّمْلِكُ التَّصَرُّفَ وَ يَلْزَمُهُ الْاَحْكَامُ وَ الْوَكِيْلُ مِمَّنْ يَّعْقِلُ الْبَيْعَ وَ يَقْصِدُهُ وَ اِذَا وَكَّلَ الْحُرُّ الْبَالِغُ اَوِ الْمَاذُوْنُ مِثْلَهَا جَازَ وَ اِنْ وَكَّلَ صَبِيًّا مَحْجُوْرًا يَّعْقِلُ الْبَيْعَ وَ الشِّرَاءَ اَوْ عَبْدًا مَحْجُوْرًا جَازَ وَ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِمَا الْحُقُوْقُ وَ يَتَعَلَّقُ بِمُوَكِّلِيْهِمَا.

ترجمہ: اور وکالت کی شرط میں سے یہ ہے کہ مؤکل ان لوگوں میں سے ہے جو تصرف کا مالک ہو اور اس کو احکام لازم ہوتے ہوں، اور وکیل ان لوگوں میں سے ہو جو بیع کو سمجھتا ہو اور اس کا ارادہ کرتا ہو اور اگر آزاد بالغ یا عبد ماذون نے اپنے مثل کسی کو وکیل بنادیا تو جائز ہے اور اگر کسی مجور بچے کو وکیل بنادیا جو خرید وفروخت کو سمجھتا ہو یا عبد مجور کو وکیل بنادیا تو جائز ہے لیکن حقوق ان دونوں سے متعلق نہیں ہوں گے بلکہ ان کے مؤکلون سے متعلق ہوں گے۔

وکالت کی شرائط کا بیان

تشریح: ومن شرط الوکالۃ .... ویقصدہ: شرط وکالت سے متعلق ابتداء میں چند باتیں بیان کی گئی ہیں اس کو خیال رکھیں۔ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ وکالت کی جملہ شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مؤکل بذات خود تصرف پر قادر ہو اور ہر چیز میں اس کے تصرف کا اعتبار ہوتا ہو اور اس کو تصرف کے احکام لازم ہوتے ہوں۔ احکام کی مراد میں دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ اس سے تصرف مخصوص کے احکام مراد ہوں، دوسرے یہ کہ جنس تصرف کے احکام مراد ہوں، اگر پہلا احتمال مراد ہے تو اس سے وکیل سے احتراز مقصود ہے کیونکہ وکیل اس تصرف کا مالک ہوتا ہے جس کے لئے اس کو وکیل بنایا گیا ہے لیکن وہ دوسروں کو وکیل نہیں بنا سکتا کیونکہ اس پر اس تصرف کے احکام لازم نہیں ہیں چنانچہ وکیل بالشراء مبیع کا اور وکیل بالبیع ثمن کا مالک نہیں ہوتا اور اس بنیاد پر کلام میں دو شرطیں ہوں گی ایک مؤکل کا تصرف کا مالک ہونا دوسرے اس تصرف کے احکام کا اس پر لازم ہونا۔ اور اگر دوسرا احتمال مراد ہو تو اس کے ذریعہ بچہ اور مجنون سے احتراز ہوگا اور اس صورت میں تصرف کا مالک ہونا اور احکام کا لازم ہونا علیحدہ شرطیں نہ ہوں گی بلکہ یہ ایک ہی شرط ہوگی۔ صاحب عنایہ

فرماتے ہیں کہ دوسرا احتمال زیادہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ اگر موکل اپنے وکیل کو یہ کہہ دے کہ تو کسی اور کو بھی وکیل بنا سکتا ہے تو وکیل کی یہ توکیل درست ہوگی اور احکام لازم نہیں ہوں گے۔ (حاشیہ قدوری ص ۱۲۲)

واذا وکل الخ: اس عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے غور فرمائیں۔

وَ الْعُقُوْدُ الَّتِیْ یَعْقِدُھَا الْوُکَلاءُ عَلیٰ ضَرْبَیْنِ کُلُّ عَقْدٍ یُضِیْفُهُ الْوَکِیْلُ اِلیٰ نَفْسِهٖ مِثْلَ الْبَیْعِ وَ الشِّرَاءِ وَ الْاِجَارَةِ فَحُقُوْقُ ذٰلِکَ الْعَقْدِ تَتَعَلَّقُ بِالْوَکِیْلِ دُوْنَ الْمُوَکِّلِ فَیُسَلِّمُ الْمَبِیْعَ وَ یَقْبِضُ الثَّمَنَ وَ یُطَالَبُ بِالثَّمَنِ اِذَا شْتَریٰ وَ یَقْبِضُ الْمَبِیْعَ وَ یُخَاصِمُ فِی الْعَیْبِ.

ترجمہ: اور وہ عقود جس کو وکلاء کرتے ہیں دو قسم پر ہیں۔ ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے مثلاً بیع شراء اور اجارہ۔ تو اس عقد کے حقوق وکیل سے متعلق ہوں گے نہ کہ موکل سے اس لئے وکیل مبیع کو حوالہ کرے گا اور ثمن پر قبضہ کرلے اور اسی وکیل سے ثمن کا مطالبہ کیا جائے گا جبکہ وہ کچھ خرید لے گا اور یہی مبیع پر قبضہ کرے گا اسی سے عیب میں مخاصمت ہوگی (یہی عیب ہونے کی صورت میں دعویٰ دائر کرے گا)

وہ حقوق جو وکیل سے متعلق ہوتے ہیں

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جن مالات کو وکلاء انجام دیتے ہیں وہ دو طرح کے ہیں ایک تو وہ ہے جسے خود وکیل اپنی جانب منسوب کرتا ہے اور دوسرے وہ ہے جسے موکل اپنی جانب منسوب کرتا ہے اس دوسری قسم کا بیان اگلی عبارت میں آرہا ہے۔ بہرکیف جس عقد کو وکیل اپنی جانب منسوب کرتا ہے جیسے خرید و فروخت، اجارہ، صلح عن الاقرار تو اس میں حقوق عقد وکیل ہی کی طرف لوٹیں گے، موکل کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ چنانچہ مبیع کا حوالہ کرنا، ثمن پر قبضہ کرنا، خریداری کی صورت میں قیمت کا مطالبہ، مبیع پر قبضہ کرنا اور عیب پیدا ہونے کی صورت میں دعویٰ دائر کرنے کا مطالبہ وکیل ہی سے ہوگا۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر عقد میں حقوق موکل ہی سے متعلق ہوں گے (مزید تفصیل حاشیہ قدوری ص ۱۲۲، حاشیہ ملاحظہ فرمائیں)

وَ کُلُّ عَقْدٍ یُضِیْفُهُ الْوَکِیْلُ اِلیٰ مُوَکِّلِهٖ کَالنِّکَاحِ وَ الْخُلْعِ وَ الصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمَدِ فَاِنَّ حُقُوْقَهٗ مُتَعَلِّقٌ بِالْمُوَکِّلِ دُوْنَ الْوَکِیْلِ فَلَا یُطَالَبُ وَکِیْلُ الزَّوْجِ بِالْمَهْرِ وَلَا یَلْزَمُ وَکِیْلُ الْمَرْأَةِ تَسْلِیْمَهَا وَ اِذَا طَالَبَ الْمُوَکِّلُ الْمُشْتَرِیْ بِالثَّمَنِ فَلَهٗ اَنْ یَّمْنَعَهٗ اِیَّاهُ فَاِنْ دَفَعَهٗ اِلَیْهِ جَازَ وَلَمْ یَکُنْ لِلْوَکِیْلِ اَنْ یُّطَالِبَهٗ ثَانِیًا.

ترجمہ: اور ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنے موکل کی جانب منسوب کرتا ہے جیسے نکاح، خلع اور صلح عن دم عمد کہ ان کے حقوق موکل سے متعلق ہوں گے نہ کہ وکیل سے لہذا شوہر کے وکیل سے مہر کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ اور عورت کے وکیل پر عورت کا حوالہ کرنا لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر موکل مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے تو مشتری کو حق ہے کہ وہ موکل کو ثمن دینے سے منع کردے۔ اور اگر مشتری نے ثمن کو (وکیل کو نہ دے کر) موکل کو دیدیا تو (یہ بھی) جائز ہے اور اب وکیل کے لئے جائز

نہیں ہے کہ مشتری سے دوبارہ ثمن کا مطالبہ کرے۔

تشریح : جو معاملات وکلاء انجام دیتے ہیں اس کی دو قسمیں بیان کی گئی تھیں۔قسم اول پہلے بیان کی گئی اور اس عبارت میں قسم دوم بیان کی گئی ہے۔ترجمہ سے عبارت واضح ہے مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

وَ مَنْ وَكَّلَ رَجُلاً بِشِرَاءِ شَيْءٍ فَلَابُدَّ مِنْ تَسْمِيَةِ جِنْسِهِ وَ صِفَتِهِ وَ مَبْلَغِ ثَمَنِهِ اِلَّا اَنْ يُّوَكِّلَهُ وِكَالَةً عَامَّةً فَيَقُوْلُ اِبْتَعْ لِيْ مَا رَأَيْتَ وَ اِذَا اشْتَرَى الْوَكِيْلُ وَ قَبَضَ الْمَبِيْعَ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰى عَيْبٍ فَلَهُ اَنْ يَّرُدَّهُ بِالْعَيْبِ مَا دَامَ الْمَبِيْعُ فِيْ يَدِهٖ فَاِنْ سَلَّمَهُ اِلَى الْمُوَكِّلِ لَمْ يَرُدَّهُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَ يَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِعَقْدِ الصَّرْفِ وَ السَّلَمِ فَاِنْ فَارَقَ الْوَكِيْلُ صَاحِبَهُ قَبْلَ الْقَبْضِ بَطَلَ الْعَقْدُ وَ لَا يُعْتَبَرُ مُفَارَقَةُ الْمُوَكِّلِ.

ترجمہ : اور جو شخص کسی کو کسی چیز کے خریدنے کا وکیل بناوے تو (موکل پر) اس چیز کی جنس، اس کی صفت اور اس کی قیمت کی مقدار کا بیان کرنا ضروری ہے، مگر یہ کہ موکل وکیل کو وکالت عامہ سپرد کردے اور یہ کہے کہ تم میرے لئے وہ چیز خریدو جو مناسب سمجھو۔اور اگر وکیل نے خرید لیا اور مبیع پر قبضہ بھی کرلیا پھر اس کو عیب کا علم ہوا تو وکیل کو اختیار ہے کہ مبیع کو عیب کے ساتھ واپس کردے، جب تک کہ وکیل کے قبضہ میں ہے۔اور اگر وکیل نے اس مبیع کو موکل کے سپرد کردیا تو اب وکیل مبیع کو موکل کی اجازت کے بغیر نہیں لوٹائے گا۔اور عقد صرف وعقد سلم میں وکیل بنانا جائز ہے۔پس اگر وکیل (مبیع پر) قبضہ کرنے سے پہلے صاحب معاملہ (فریق ثانی) سے جدا ہوگیا ہو تو عقد باطل ہوجائے گا۔اور موکل کی جدائیگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

خرید وفروخت کے لئے وکیل کرنے کا بیان

تشریح : ومن وکل ....ما رأیت: اگر کوئی شخص کسی کو کسی چیز کے خریدنے کا وکیل بناتا ہے تو اس وقت موکل کو چاہیے کہ اس چیز کی جنس مثلاً غلام یا باندی ہونا، اس کی صفت مثلاً غلام کا حبشی یا ترکی ہونا اور اس کی قیمت کو بیان کردے تاکہ فعل معلوم کی تعمیل ممکن ہوسکے، لیکن اگر موکل نے وکالت عامہ سے توکیل کردی مثلاً موکل نے وکیل کی رائے پر چھوڑ دی یعنی موکل نے وکیل سے کہا کہ تم میرے لئے اپنی پسند سے خرید وفروخت کرو تو ایسی صورت میں کسی چیز کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ جس چیز کو وہ خریدے گا وہ حکم کے موافق ہوگا۔(اس مسئلہ کے متعلق تفصیلی بحث ہدایہ ج ۳ میں ملاحظہ فرمائیں)

واذا اشتری ....الا باذنہ: اگر وکیل نے کوئی چیز خریدی اور مبیع پر قبضہ کرلیا اس کے بعد اس کو کوئی عیب معلوم ہوا تو یہ مبیع جب تک اس کے قبضہ میں ہے اس وقت تک عیب کی وجہ سے بائع کو واپس کرسکتا ہے، لیکن اگر وکیل نے خریدی ہوئی چیز موکل کے سپرد کردی تو اب بلا موکل کی اجازت کے واپس نہیں کرسکتا کیونکہ مبیع کے سپرد کردینے سے وکالت کا حکم مکمل ہوچکا۔

ویجوز التوکیل الخ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جس طرح دیگر عقود میں وکالت درست ہے اسی طرح عقدِ صرف اور عقدِ سلم میں وکالت درست ہے۔اب اگر عقدِ صرف یا عقدِ سلم میں وکیل مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے مجلس سے

صاحب معاملہ سے جدا ہو گیا تو عقد باطل ہو جائے گا۔ اور موکل کی مجلس عقد سے مفارقت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

وَ اِذَا دَفَعَ الْوَكِيْلُ بِالشِّرَاءِ الثَّمَنَ مِنْ مَالِهٖ وَ قَبَضَ الْمَبِيْعَ فَلَهٗ اَنْ يَّرْجِعَ بِهٖ عَلَى الْمُوَكِّلِ فَاِنْ هَلَكَ الْمَبِيْعُ فِيْ يَدِهٖ قَبْلَ حَبْسِهٖ هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُوَكِّلِ وَ لَمْ يَسْقُطِ الثَّمَنُ وَ لَهٗ اَنْ يَّحْبِسَهٗ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ فَاِنْ حَبَسَهٗ فَهَلَكَ فِيْ يَدِهٖ كَانَ مَضْمُوْنًا ضَمَانَ الرَّهْنِ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ ضَمَانَ الْبَيْعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ.

ترجمہ: اور اگر وکیل بالشراء نے اپنے مال میں سے (مبیع کی) قیمت ادا کر دی اور مبیع پر قبضہ کر لیا تو وکیل کو حق ہے کہ موکل سے اس قیمت کو وصول کر لے۔ اور اگر مبیع وکیل کے قبضہ سے قیمت وصول کرنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو یہ موکل کے مال میں سے ہلاک ہوگا۔ اور ثمن ساقط نہ ہوگا، اور وکیل کو حق ہے کہ قیمت وصول کرنے تک مبیع کو روک لے۔ اگر وکیل نے مبیع کو روک لیا اور اس کے قبضہ میں رہ کر ہلاک ہو گئی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مبیع ضمانِ رہن کی طرح مضمون ہوگی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ضمانِ مبیع کی طرح مضمون ہوگی۔

تشریح: اس عبارت میں ایک مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ مگر اس کی دو صورتیں ہیں۔

مسئلہ: اگر کسی شخص کو سامان کی خریداری کا وکیل بنا دیا گیا، وکیل نے سامان کا ثمن اپنے پاس سے ادا کیا یا سامان ادھار لیا کہ موکل سے وصول کر لے گا اور ادا کر دے گا۔

اس مسئلہ میں رقم کے وصول کرنے کے لئے احناف کے نزدیک وکیل مبیع کو روک سکتا ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک وکیل مبیع کو روکنے کا حقدار نہیں ہے۔

اب مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ وکیل نے مبیع کو اپنے پاس روکا نہیں تھا البتہ اس کے پاس رہ کر ہلاک ہو گئی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مبیع کی ہلاکت وکیل کے قبضہ میں اس کے روکنے کے بعد ہوئی ہے۔

اگر پہلی صورت ہے تو مال کی ہلاکت موکل کے مال سے سمجھی جائے گی اور موکل پر ثمن کی ادائیگی واجب ہوگی کیونکہ وکیل کا قبضہ موکل کے قبضہ کے درجہ میں ہے۔ صاحب کتاب نے **فان هلك المبيع**........ **حتی یستوی الثمن** سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

دوسری صورت میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ امام محمدؒ کے ساتھ ہیں۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ضمان رہن کے حکم کے مطابق وکیل ضامن ہوگا اور مبیع مضمون ہوگی۔ اور رہن کا حکم یہ ہے کہ اگر ثمن قیمت سے زائد ہو تو وکیل زائد مقدار کو موکل سے وصول کر لے۔

امام محمدؒ کے نزدیک یہ شخص ضمان مبیع کے حکم کے مطابق ضامن ہوگا اور مبیع مضمون ہوگی، یعنی موکل کے ذمہ سے ثمن ساقط ہو جائے گا کیونکہ وکیل بائع کی طرح ہے تو جب وکیل نے ثمن کے وصول کرنے کے لئے مبیع کو روکا اور وہ ہلاک ہو چکی تو جس طرح بائع کے روکنے سے ثمن ساقط ہو جاتا ہے تو اسی طرح وکیل کے روکنے سے بھی ثمن ساقط ہو جائے گا۔ صاحب

کتاب نے "وله ان يحبسه الخ" سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (حاشیہ قدوری ص ۱۲۴)

وَ اِذَا وَكَّلَ رَجُلٌ رَجُلَيْنِ فَلَيْسَ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِيْمَا وُكِّلَا فِيْهِ دُوْنَ الْآخَرِ اِلَّا اَنْ يُّوَكِّلَهُمَا بِالْخُصُوْمَةِ اَوْ بِطَلَاقِ زَوْجَتِهٖ بِغَيْرِ عِوَضٍ اَوْ بِعِتْقِ عَبْدِهٖ بِغَيْرِ عِوَضٍ اَوْ بِرَدِّ وَدِيْعَةٍ عِنْدَهٗ اَوْ بِقَضَاءِ دَيْنٍ عَلَيْهِ وَ لَيْسَ لِلْوَكِيْلِ اَنْ يُّوَكِّلَ فِيْمَا وُكِّلَ بِهٖ اِلَّا اَنْ يَّاْذَنَ لَهُ الْمُوَكِّلُ اَوْ يَقُوْلَ لَهٗ اِعْمَلْ بِرَأْيِكَ فَاِنْ وَكَّلَ بِغَيْرِ اِذْنِ مُوَكِّلِهٖ فَعَقَدَ وَكِيْلُهٗ بِحَضْرَتِهٖ جَازَ وَ اِنْ عَقَدَ بِغَيْرِ حَضْرَتِهٖ فَاَجَازَهُ الْوَكِيْلُ الْاَوَّلُ جَازَ وَ لِلْمُوَكِّلِ اَنْ يَّعْزِلَ الْوَكِيْلَ عَنِ الْوَكَالَةِ فَاِنْ لَّمْ يَبْلُغْهُ الْعَزْلُ فَهُوَ عَلٰى وَكَالَتِهٖ وَ تَصَرُّفُهٗ جَائِزٌ حَتّٰى يَعْلَمَ.

ترجمہ: اور اگر کسی شخص نے دو افراد کو وکیل بنا دیا تو ان دونوں میں سے کسی ایک کے لئے (جائز) نہیں ہے ان امور میں تصرف کرنا جن میں وہ دونوں وکیل بنائے گئے دوسرے کے بغیر، البتہ یہ کہ ان دونوں کو خصومت (جواب دہی) کا وکیل بنایا ہو یا اپنی بیوی کو بلا کسی عوض کے طلاق دینے کا، یا اپنے غلام کو بلا کسی عوض کے آزاد کرنے کا، یا اپنے پاس کی امانت کے واپس کرنے کا، یا اپنا قرض ادا کرنے کا (ان پانچ صورتوں میں سے جو بھی ہو ان میں تصرف کر سکتا ہے) اور وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان امور میں وکیل بنائے جن میں وہ وکیل بنایا گیا ہے البتہ یہ کہ مؤکل اس وکیل کو اس کی اجازت دے یا مؤکل وکیل سے کہے کہ تم اپنی رائے سے کام کرو۔ پس اگر وکیل نے اپنے مؤکل کی اجازت کے بغیر وکیل بنا دیا تو اگر اس وکیل (ثانی) نے وکیل (اول) کی موجودگی میں کوئی معاملہ کیا تو جائز ہے۔ اور اگر وکیل (ثانی) نے وکیل (اول) کی عدم موجودگی میں کوئی معاملہ کیا اور وکیل اول نے اس کو جائز قرار دیا تو جائز ہے۔ اور مؤکل کو حق ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کر دے اور اگر وکیل کو معزولی کا علم نہ ہو تو وہ اپنی وکالت پر باقی ہے اور اس کا تصرف جائز ہے یہاں تک کہ اس کو (معزولی کا) علم ہو جائے۔

ایک شخص کا ایک کلام سے دو وکیل مقرر کرنا

تشریح: واذا وکل .... بقضاء دین علیه: اگر کسی شخص نے اپنے ایسے معاملات میں جن میں رائے اور مشورہ کی ضرورت پڑتی ہے جیسے بیع، خلع، مضاربت، قضاء وغیرہ دو آدمیوں کو ایک کلمہ سے وکیل مقرر کر دیا مثلاً اس نے کہا کہ میں نے تم دونوں کو اپنے اس غلام کے فروخت کرنے کا وکیل بنایا یا میں نے تم دونوں کو اپنی اس عورت کے خلع کرانے کا وکیل بنایا۔ تو اب اس صورت میں دونوں انفرادی طور پر تصرف کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے۔ اگر ایک نے دوسرے کے بغیر تصرف کر دیا تو یہ تصرف نافذ نہیں ہوگا کیونکہ مؤکل دونوں کی رائے سے خوش ہے نہ کہ ایک کی رائے سے۔

صاحب کتاب نے الا ان یؤکلهما الخ سے چند معاملات کا استثناء کیا ہے جن میں طلب رائے کی ضرورت نہیں ہوتی، مثلاً (۱) خصومت کیونکہ اس میں دونوں کا اجتماع متعذر ہے۔ اگر دونوں جواب دہی کریں گے تو مجلس قضاء میں شور و ہنگامہ ہوگا۔ (۲) طلاق بلا عوض۔ (۳) عتق عبد بلا عوض۔ (۴) رد ودیعت۔ (۵) قضاء دین۔

ان پانچ امور میں تنہا ایک وکیل کا تصرف نافذ ہوگا کیونکہ اس میں رائے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ تو کیل مؤکل

کے کلام کی تعبیر ہے جس میں ایک اور دو کی عبارت برابر ہے۔ (ہدایہ ج ۳ ص ۱۷۶۔ وحاشیہ قدوری ص ۱۲۲)

ولیس للوکیل .... جاز: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کام کے لئے وکیل بنایا گیا ہے وہ کسی دوسرے کو اس کام میں وکیل نہ بنائے بشرطیکہ مؤکل بذات خود وکیل کو اس کی اجازت دیدے یا اس کو اختیار دیدے کہ تم اپنی صواب دید کے مطابق عمل کرو۔ تو ایسی صورت میں وہ وکیل کسی دوسرے کو وکیل بنا سکتا ہے۔ اب اگر اس وکیل نے مؤکل کی اجازت کے بغیر کسی کو وکیل بنادیا اور وکیل ثانی نے وکیل اول کی موجودگی میں کوئی معاملہ کیا اور وکیل نے اس معاملہ کو جائز رکھا تو صحیح ہے اور اسی طرح اگر وکیل ثانی نے وکیل اول کی عدم موجودگی میں کوئی معاملہ کیا اور وکیل اول نے اس معاملہ کو جائز رکھا تو بھی درست ہے۔

وللمؤکل ان یعزل الخ: اس عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

وَ تَبْطُلُ الْوَكَالَةُ بِمَوْتِ الْمُؤَكِّلِ وَ جُنُوْنِهٖ جُنُوْنًا مُطْبِقًا وَ لِحَاقِهٖ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَ اِذَا وَكَّلَ الْمُكَاتَبُ رَجُلًا ثُمَّ عَجَزَ اَوِ الْمَاذُوْنُ لَهٗ فَحُجِرَ عَلَيْهِ اَوِ الشَّرِيْكَانِ فَافْتَرَقَا فَهٰذِهِ الْوُجُوْهُ كُلُّهَا تُبْطِلُ الْوَكَالَةَ عَلِمَ الْوَكِيْلُ اَوْ لَمْ يَعْلَمْ وَ اِذَا مَاتَ الْوَكِيْلُ اَوْ جُنَّ جُنُوْنًا مُطْبِقًا بَطَلَتْ وَكَالَتُهٗ وَ اِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا لَمْ يَجُزْ لَهُ التَّصَرُّفُ اِلَّا اَنْ يَّعُوْدَ مُسْلِمًا وَ مَنْ وَكَّلَ رَجُلًا بِشَيْءٍ ثُمَّ تَصَرَّفَ الْمُؤَكِّلُ بِنَفْسِهٖ فِيْمَا وَكَّلَ بِهٖ بَطَلَتِ الْوَكَالَةُ.

ترجمہ: اور وکالت مؤکل کے مرجانے، اس کے بالکل دیوانہ ہوجانے اور اس کے مرتد ہوکر دارالحرب میں چلے جانے سے باطل ہوجاتی ہے۔ اور اگر مکاتب نے کسی کو وکیل بنایا پھر وہ مکاتب (بدل کتابت ادا کرنے سے) عاجز ہوگیا یا عبد ماذون نے (کسی کو وکیل بنایا) پھر وہ مجور ہوگیا (اس کی اجازت سلب کرلی گئی) یا دو شریک نے (کسی کو وکیل بنایا) پھر دونوں جدا ہوگئے۔ تو یہ سب صورتیں وکالت کو باطل کردیتی ہیں۔ وکیل کو علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اور اگر وکیل مرجائے یا بالکل دیوانہ ہوگیا تو اس کی وکالت باطل ہوگئی۔ اور اگر وکیل مرتد ہوکر دارالحرب چلا جائے تو اس کے لئے تصرف جائز نہیں ہے الا یہ کہ مسلمان ہوکر (دارالاسلام) واپس آجائے۔ اور جس شخص نے کسی کو کسی کام میں وکیل بنادیا پھر مؤکل نے اس معاملہ میں خود تصرف کرلیا تو وکالت باطل ہوگئی۔

وہ امور جو وکالت کو باطل کردیتے ہیں

خلاصہ: صاحب کتاب نے اس عبارت میں ایسے امور کا تذکرہ کیا ہے جو وکالت کو ختم کردیتے ہیں۔

(۱) مؤکل مرجائے۔ (۲) مؤکل بالکل دیوانہ ہوجائے۔ (۳) مؤکل مرتد ہوکر دارالحرب میں چلا جائے۔ (۴) مکاتب کسی کو اپنے خرید و فروخت کا وکیل بنادے اس کے بعد بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہوجائے۔ (۵) عبد ماذون کسی کو وکیل بنادے پھر اس کی اجازت سلب ہوجائے، یعنی مؤکل ممنوع التصرف ہوجائے۔ (۶) دو شریک کسی کو وکیل بنانے کے بعد علیحدہ ہوجائیں۔ ان تمام امور میں وکیل کو اپنی وکالت کا علم ہو یا نہ ہو۔ وکالت باطل ہوجائے گی۔ (۷) وکیل مرجائے۔ (۸) وکیل بالکل دیوانہ ہوجائے۔ (۹) وکیل مرتد ہوکر دارالحرب چلا جائے۔ بشرطیکہ وہ اسلام قبول کرکے

دوبارہ دارالاسلام میں آجائے تو پھر اس کا تصرف معتبر ہوگا۔ (۱۰) مؤکل کسی کام کے لئے کسی کو وکیل بنانے کے بعد وہ کام خود ہی انجام دے تو وکالت باطل ہو جائے گی۔

تشریح: جنونا مطبقا: جنون مطبق کی تشریح میں مختلف اقوال ہیں۔ امام محمدؒ کے نزدیک سال بھر کے جنون کو کہا گیا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے عبادت ساقط ہو جاتی ہے۔ صاحب بحر نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک ماہ کے جنون کو کہا گیا ہے کہ اتنے جنون سے رمضان المبارک کے روزے ساقط ہو جاتے ہیں۔ قاضی خاں کے بیان کے مطابق یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی ایک دوسری روایت میں ایک دن و رات بھی منقول ہے کہ اس سے پنج وقتہ نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ (الجوہرۃ ج ۱ ص ۳۰۶۔ فتح القدیر ج ۷ ص ۳۳۔ الصبح النوری ج ۲ ص ۴۱)

لم یجز له التصرف: شیخ الاسلام نے مبسوط میں ذکر فرمایا ہے کہ اگر وکیل مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا تو وہ تمام ائمہ کے نزدیک وکالت سے معزول نہیں ہوگا جب کہ قاضی خود اس کے دار الحرب جانے کا حکم نہ دیدے۔ اسی طرح کفایہ میں بھی ہے۔ (حاشیہ قدوری ص ۱۲۶)

وَ الْوَكِيْلُ بِالْبَيْعِ وَ الشِّرَاءِ لَا يَجُوْزُ لَهُ اَنْ يَّعْقِدَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ مَعَ اَبِيْهِ وَ جَدِّهٖ وَ وَلَدِهٖ وَ وَلَدِ وَلَدِهٖ وَ زَوْجَتِهٖ وَ عَبْدِهٖ وَ مُكَاتَبِهٖ وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَجُوْزُ بَيْعُهٗ مِنْهُمْ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ اِلَّا فِيْ عَبْدِهٖ وَ مُكَاتَبِهٖ.

ترجمه: اور خرید و فروخت کے وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اپنے باپ، دادا، بیٹے، پوتے، بیوی، غلام اور اپنے مکاتب کے ساتھ معاملہ کرے اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ وکیل کا ان لوگوں کے ہاتھ مثلِ قیمت کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔ مگر اپنے غلام اور مکاتب کے ہاتھ (جائز نہیں ہے)۔

ایسے امور جو خرید و فروخت کے وکیل کے لئے جائز نہیں ہیں

تشریح: والوکیل بالبیع الخ: جس شخص کو خرید و فروخت کا وکیل بنایا گیا ہے وہ کن لوگوں کے ساتھ معاملہ کرے اس میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وکیل ان لوگوں کے ساتھ معاملہ نہ کرے جن کی گواہی وکیل کے حق میں مقبول نہیں ہے، جیسے والد، دادا، اولاد، پوتہ، بیوی، غلام اور مکاتب وغیرہ کیونکہ وکیل امین ہے اور منافع ان حضرات کے درمیان متصل ہونے کی وجہ سے تہمت کا امکان ہے۔ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک مثلِ قیمت کی شرط پر تمام لوگوں سے معاملہ کرنا جائز ہے۔ البتہ اپنے غلام اور مکاتب کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

امام احمدؒ کی ایک روایت اور امام شافعیؒ کا قول حضرات صاحبینؒ کے موافق ہے۔

(عینی شرح کنز ج ۳ ص ۲۷۳۔ الجوہرۃ ج ۱ ص ۳۰۷)

وَ الْوَكِيْلُ بِالْبَيْعِ يَجُوْزُ بَيْعُهٗ بِالْقَلِيْلِ وَ الْكَثِيْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ قَالَا يَجُوْزُ بَيْعُهٗ بِنُقْصَانٍ لَا

يَتغَابَنُ النَّاسُ فِيْ مِثْلِهِ وَ الْوَكِيْلُ بِالشِّرَاءِ يَجُوْزُ عَقْدُهُ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ وَ زِيَادَةٍ يَتغَابَنُ النَّاسُ فِيْ مِثْلِهَا وَ لَا يَجُوْزُ بِمَا لَا يَتغَابَنُ النَّاسُ فِيْ مِثْلِهِ وَ الَّذِيْ لَا يَتغَابَنُ النَّاسُ فِيْهِ مَا لَا يَدْخُلُ تَحْتَ تَقْوِيْمِ الْمُقَوِّمِيْنَ وَ اِذَا ضَمِنَ الْوَكِيْلُ بِالْبَيْعِ الثَّمَنَ عَنِ الْمُبْتَاعِ فَضَمَانُهُ بَاطِلٌ.

ترجمہ : اور فروخت کے وکیل کا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کمی وبیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ فروخت کے وکیل کا اتنی کمی سے فروخت کرنا جائز نہیں ہے جس کا خسارہ لوگ اپنے اندازہ میں نہیں اٹھاتے، اور وکیلِ خرید کے لئے برابر قیمت اور اتنی زیادہ قیمت کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے جس کا خسارہ لوگ اپنے اندازہ میں اٹھاتے ہیں اور اتنی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں ہے جس کا خسارہ لوگ اپنے اندازہ میں نہیں اٹھاتے اور وہ خسارہ جس کو لوگ اپنے اندازہ میں نہیں اٹھاتے ایسا خسارہ ہے جو اندازہ کرنے والوں میں داخل نہ ہو اور اگر فروخت کا وکیل خریدار کی طرف سے (مبیع کی) ثمن کا ضامن ہوجائے تو اس کا ضمان باطل ہے۔

تشریح : **والوکیل بالبیع .... مثلہ :** اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وکیل بالبیع کو اختیار ہے کہ وہ ثمن قلیل وکثیر اور اسباب کے عوض فروخت کرسکتا ہے اور ادھار بھی فروخت کرسکتا ہے۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر وکیل بالبیع اتنے نقصان کے ساتھ فروخت کرتا ہے جس کو عرف عام میں برداشت کیا جاتا ہے تو اس کی بیع درست ہے اور اگر یہ نقصان غبن فاحش تک پہنچتا ہے تو یہ بیع ناجائز ہے۔ نیز دراہم ودنانیر کے سوا فروختگی درست نہیں ہے اور ادھار فروخت کرنا درست نہیں ہے۔ دراہم ودنانیر اور ادھار فروختگی کی بابت حضرت امام مالکؒ واحمدؒ اور شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (حاشیہ قدوری ص ۱۲۶۔ عینی شرح کنز ج ۳ ص ۲۷۳)

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے مگر شیخ قاسم، امام نسفی، امام محبوبی، صدر الشریعہ اور موصل نے امام صاحبؒ کے قول کو قابل اعتماد اور پسند کیا ہے۔ (الصبح النوری ج ۲ ص ۴۲)

والوکیل بالشراء.......... المقومین : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ وکیل بالشراء کے لئے مثل قیمت سے اور ہلکے نقصان کے ساتھ سامان خریدنا جائز ہے یعنی اگر اس نے اتنی قیمت میں سامان خریدا جتنے میں عموماً سامان فروخت ہوتا ہے یا اتنی زیادہ قیمت دے کر خریدا کہ وہ زیادتی قیمت کا اندازہ لگانے والوں کے اندازہ میں داخل ہو تو یہ خرید درست ہے لیکن جس زیادتی اور نقصان کو لوگ برداشت نہ کرتے ہوں یا جو اندازہ کرنے والوں کے اندازہ میں داخل نہ ہو وہ خرید درست نہیں ہے۔

واذا ضمن الوکیل الخ: اگر وکیلِ فروخت خریدار کی جانب سے مبیع کی ثمن کا ضامن ہوجاتا ہے تو اس کا ضمان باطل ہوجائے گا کیونکہ یہ شخص ثمن پر قبضہ کرنے کے متعلق امین کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے علاوہ کا اس کو اختیار نہیں ہے کیونکہ ضمان کی صورت میں سامان ادھار فروخت کرنا ہوگا اور ادھار کرنے میں قبضہ کے موجب میں امین کی نفی لازم آتی ہے۔

(الجوہرہ ج ۱ ص ۳۰۹)

وَ اِذَا وَكَّلَهُ بِبَيْعِ عَبْدِهٖ فَبَاعَ نِصْفَهُ جَازَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ اِنْ وَكَّلَهُ

عَبْدٍ وَ اشْتَرىٰ نِصْفَهُ فَالشِّرَاءُ مَوْقُوْفٌ فَاِنْ اشْتَرىٰ بَاقِيَهُ لَزِمَ الْمُوَكِّلَ وَاِذَا وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ عَشْرَةِ اَرْطَالِ لَحْمٍ بِدِرْهَمٍ فَاشْتَرىٰ عِشْرِيْنَ رَطْلاً بِدِرْهَمٍ مِنْ لَحْمٍ يُبَاعُ مِثْلُهُ عَشْرَةُ اَرْطَالٍ بِدِرْهَمٍ لَزِمَ الْمُوَكِّلَ مِنْهُ عَشْرَةٌ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَلْزَمُهُ الْعِشْرُوْنَ وَ اِنْ وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ شَيْءٍ بِعَيْنِهٖ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَشْتَرِيَهُ لِنَفْسِهٖ.

ترجمہ : اور اگر کسی نے کسی شخص کو اپنے غلام کے فروخت کرنے کا وکیل بنایا وکیل نے اس کا نصف فروخت کر دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور اگر اس کو غلام خریدنے کا وکیل بنایا اور اس وکیل نے نصف غلام خریدا تو یہ خریداری موقوف ہوگی اب اگر اس نے بقیہ خرید لیا تو مؤکل کو لازم ہوگا۔ اور اگر اس کو ایک درہم کے عوض دس رطل (پانچ سیر) گوشت خریدنے کا وکیل بنایا، اس وکیل نے ایک درہم کے عوض بیس رطل (دس سیر) گوشت خریدا کہ اس جیسا گوشت ایک درہم میں دس رطل (پانچ سیر) فروخت ہوتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مؤکل کو نصف درہم میں دس رطل گوشت (لینا) لازم ہوگا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مؤکل کو بیسوں رطل (لینا) لازم ہوگا اور اگر اس کو کسی معین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو وکیل کے لئے (جائز) نہیں ہے کہ اس کو اپنے لئے خرید لے۔

وکالت کے دیگر مسائل

تشریح : واذا وکلہ .... رحمہ اللہ : صورت مسئلہ۔ ایک شخص نے کسی کو مطلق غلام فروخت کرنے کا وکیل بنایا اس وکیل نے پورا غلام فروخت نہ کر کے نصف غلام فروخت کیا۔ تو اس بیع کی صحت کے متعلق ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ بیع صحیح ہے کیونکہ توکیل مطلق ہے۔ صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر اس وکیل نے نصف آخر کو خصومت سے پہلے پہلے فروخت کر دیا تو بیع درست ہوگی ورنہ نہیں۔ فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔
(عینی شرح کنز، ج ۳ ص ۷۴۔ حاشیہ قدوری، ص ۱۴۷)

وان وکلہ .... لزم المؤکل : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر وکیل بالشراء ہوا اور اس نے نصف غلام خریدا تو بالاجماع یہ خرید موقوف ہوگی اب اگر اس وکیل نے نصف آخر کو بھی خرید لیا تو خرید صحیح ہوگی اور مؤکل کو مکمل لینا ضروری ہوگا۔ (حاشیہ عینی شرح کنز، ج ۳ ص ۷۴)

واذا وکلہ بشراء .... العشرون : اگر ایک شخص نے کسی کو ایک درہم کے عوض دس رطل (پانچ سیر) گوشت خریدنے کے لئے وکیل بنایا۔ وکیل نے ہوشیاری کا ثبوت دیتے ہوئے ایک درہم میں ایسا بیس رطل (دس سیر) گوشت خریدا جو کہ عام طور پر ایک درہم میں دس رطل گوشت ملتے ہیں اب اس مسئلہ میں مؤکل کو کتنا گوشت لینا ہوگا؟ امام ابوحنیفہؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں چونکہ وکیل دس رطل خریدنے کا مامور ہے اس لئے مؤکل کو نصف درہم میں دس رطل گوشت لینا لازم ہوگا۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ مؤکل کو بیسوں رطل گوشت لینے ضروری ہوں گے۔ قدوری کے بعض نسخوں میں ہے کہ امام محمدؒ کا قول امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہے اور ہدایہ میں بھی اسی طرح ہے لیکن اس کی

شرح میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ، امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں اور امام محمدؒ تنہا ہیں۔ (الجوہرہ ج ۱ ص ۳۱۰)

وان وکله.........لنفسه : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر مؤکل نے کوئی مخصوص چیز خریدنے کے کسی کو وکیل بنایا تو اس وکیل کے لئے اس چیز کو اپنے لئے خریدنا جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت میں اپنے آپ کو وکالت سے معزول کرنا ہے جو مؤکل کی ناموجودگی میں اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔ (الجوہرہ، ج ۱ ص ۳۱۰)

وَ اِنْ وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ عَبْدٍ بِغَيْرِ عَيْنِهٖ فَاشْتَرٰى عَبْدًا فَهُوَ لِلْوَكِيْلِ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلَ نَوَيْتُ الشِّرَاءَ لِلْمُوَكِّلِ اَوْ يَشْتَرِيَهٗ بِمَالِ الْمُوَكِّلِ وَ الْوَكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ وَكِيْلٌ بِالْقَبْضِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ اَبِيْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ اِذَا اَقَرَّ الْوَكِيْلُ بِقَبْضِ الدَّيْنِ وَكِيْلٌ بِالْخُصُوْمَةِ فِيْهِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ اِذَا اَقَرَّ الْوَكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ عَلٰى مُوَكِّلِهٖ عِنْدَ الْقَاضِيْ جَازَ اِقْرَارُهٗ وَ لَا يَجُوْزُ اِقْرَارُهٗ عَلَيْهِ عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِيْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِلَّا اَنَّهٗ يَخْرُجُ مِنَ الْخُصُوْمَةِ وَ قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجُوْزُ اِقْرَارُهٗ عَلَيْهِ عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِيْ.

ترجمہ : اور اگر اس کو کسی غیر معین غلام خریدنے کے لئے وکیل بنایا، وکیل نے غلام خریدا تو یہ غلام وکیل کا ہوگا مگر یہ کہ وکیل کہے کہ میں نے مؤکل کے لئے خریدنے کی نیت کی، یا اس کو مؤکل کے مال سے خریدے، اور جواب دہی (مقدمہ) کا وکیل قبضہ کا بھی وکیل ہے امام اعظمؒ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک، اور دین پر قبضہ کرنے والا وکیل جواب دہی کا بھی وکیل ہے امام اعظمؒ کے نزدیک، اور اگر وکیل بالخصومت نے قاضی کے سامنے اپنے مؤکل کے ذمہ کسی چیز کا اقرار کرلیا تو اس کا اقرار درست ہے، لیکن امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک غیر قاضی کے پاس اس کا مؤکل کے ذمہ اقرار کرنا درست نہیں ہے، البتہ وہ جواب دہی سے نکل جائے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ غیر قاضی کے پاس مؤکل کے ذمہ اس کا اقرار کرنا درست ہے۔

تشریح : **وان وکله .... بمال المؤکل** : صاحب قدوری نے جو مسئلہ ذکر کیا ہے اس کی چند صورتیں ہیں :

(۱) اگر وکیل نے خریدتے وقت عقد کی اضافت مؤکل کی رقم کی جانب کی تھی تو وہ سامان مؤکل کا ہوگا جیسا کہ صاحب کتاب نے "**او یشتریه بمال المؤکل**" اس عبارت سے اسی کو بیان کیا۔ اس صورت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۲) اور اگر وکیل نے عقد کی اضافت اپنی رقم کی جانب کی تھی تو یہ خریدا ہوا مال اسی وکیل کا ہوگا۔

(۳) اور اگر وکیل نے مطلقاً رقم کی طرف اضافت کی تو یہ صورت نیت پر محمول ہوگی۔ اب اگر وکیل نے مؤکل کے لئے نیت کی تو خریدا ہوا سامان مؤکل کا ہوگا۔ اور اگر اپنے لئے نیت کی تو وکیل کا ہوگا۔ اس کے علاوہ ایک صورت صاحب ہدایہ نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ اگر نیت میں ایک دوسرے کو جھوٹ گردانا تو بالاتفاق نقد پر فیصلہ ہوگا کیونکہ یہی نقد دلالت ظاہرہ ہے۔ مزید تفصیل ہدایہ، ج ۳، ص ۱۸۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔ (الجوہرہ، ج ۱، ص ۳۱۰)

والوکیل بالخصومة......... رحمهم الله : اگر کسی نے جواب دہی کے لئے کسی کو وکیل بنایا تو جواب دہی کا

وکیل قبضہ کرنے کا مالک ہوگا یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک خصومت اور جواب دہی کا وکیل قبضہ کرنے کا وکیل ہوتا ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کا مالک ہوتا ہے وہ پوری چیز کا مالک ہوتا ہے اور خصومت کا اتمام قبضہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا وکیلِ خصومت قبضہ کا وکیل ہوگا۔ امام زفرؒ کے نزدیک وکیلِ خصومت قبضہ کا وکیل نہیں ہوگا کیونکہ مؤکل تو صرف خصومت کو پسند کررہا ہے قبضہ کو نہیں۔ اور چونکہ خصومت اور قبضہ دونوں جداگانہ چیزیں ہیں اس لئے ایک کی رضاء دوسری کی رضا کو مستلزم نہیں ہے یہی مسلک حضرات ائمہ ثلاثہ کا بھی ہے فتویٰ امام زفر کے قول پر ہے کیونکہ موجودہ زمانہ میں وکلا کے اندر دھوکہ دہی اور خیانت پائی جارہی ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۱۷۸-۱۷۷۔ الجوہرہ، ج ۱، ص ۳۱۱)

والوکیل بقبض الدین.......... ابی حنیفة: اگر کوئی شخص قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل ہو تو یہ وکیل خصومت کا بھی وکیل ہوگا یا نہیں؟ اس کے متعلق احناف کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرض پر قبضہ کرنے کا وکیل خصومت کا وکیل ہوسکتا ہے یہاں تک کہ اگر وکیل کے مقابلہ میں گواہ قائم کئے گئے کہ مؤکل نے قرض وصول کیا ہے یا قرض دار اس سے بری کر دیا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ گواہ قبول ہوں گے۔ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک قرض پر قبضہ کرنے کا وکیل خصومت کا وکیل (مدعا علیہ) نہیں ہوسکتا۔ یہی حضرت حسن نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے۔ کیونکہ قبضہ کرنا اور خصومت دونوں جداگانہ چیزیں ہیں۔ اور قبضہ کرنے کی وکالت سے خصومت کی وکالت حاصل نہیں ہوسکتی۔

(الجوہرہ، ج ۱، ص ۳۱۱۔ ہدایہ، ج ۳، ص ۱۷۸)

واذا اقر الوکیل الخ: ایک شخص کسی جواب دہ معاملہ میں وکیل تھا اس وکیل نے قاضی کے سامنے اپنے مؤکل کے خلاف حدود و قصاص کے علاوہ کسی دوسری چیز کا اقرار کرلیا یا قاضی کے علاوہ کسی اور کے سامنے اقرار کرلیا۔ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے کہ وکیل کا اقرار معتبر ہے یا غیر معتبر ہے؟ حضرات طرفین کے نزدیک قاضی کی عدالت میں اقرار معتبر ہوگا۔ اور اقرار کردہ شی مؤکل پر لازم ہوگی۔ اور قاضی کے علاوہ کسی اور کے سامنے کا اقرار غیر معتبر ہوگا۔ حضرت امام ابویوسف کے نزدیک دونوں اقرار معتبر ہوں گے۔ امام زفرؒ کے نزدیک دونوں اقرار غیر معتبر ہوں گے اس لئے مؤکل پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ حضرت امام ابویوسف کا پہلا قول یہی تھا۔

(ہدایہ، ج ۳، ص ۱۷۹۔ عینی ۳، ص ۲۸۰۔ الجوہرہ، ۳۱۱)

وَ مَنِ ادَّعٰی اِنَّهٗ وَکِیْلُ الْغَائِبِ فِیْ قَبْضِ دَیْنِهٖ فَصَدَّقَهُ الْغَرِیْمُ اُمِرَ بِتَسْلِیْمِ الدَّیْنِ اِلَیْهِ فَاِنْ حَضَرَ الْغَائِبُ فَصَدَّقَهٗ جَازَ وَ اِلَّا دَفَعَ اِلَیْهِ الْغَرِیْمُ الدَّیْنَ ثَانِیًا وَ یَرْجِعُ بِهٖ عَلَی الْوَکِیْلِ اِنْ کَانَ بَاقِیًا فِیْ یَدِهٖ وَ اِنْ قَالَ اِنِّیْ وَکِیْلٌ بِقَبْضِ الْوَدِیْعَةِ فَصَدَّقَهُ الْمُوْدِعُ لَمْ یُؤْمَرْ بِالتَّسْلِیْمِ اِلَیْهِ.

ترجمہ: اور کسی نے دعویٰ کیا کہ وہ فلاں غائب شخص کا قرض وصول کرنے کا وکیل ہے مقروض نے اس کی تصدیق کردی (اس نے تسلیم کرلیا) تو اس کی جانب قرض کی ادائیگی کا حکم دیا جائے گا، پس اگر غائب شخص نے آکر اس کی تصدیق کردی تو جائز ہوجائے گا ورنہ مقروض اس غائب شخص کو دوبارہ قرض ادا کرے گا اور یہ شخص اس کو وکیل سے وصول

کرے گا اگر اس کے پاس موجود ہو۔ اور اگر کسی شخص نے کہا کہ میں ودیعت کے قبضہ کرنے کا وکیل ہوں مودع نے اس کی تصدیق کر دی تو (بھی) ودیعت کو اس کی جانب سپرد کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

خلاصہ : صاحب کتاب نے اس عبارت میں دو مسئلے بیان کئے۔

مسئلہ (۱) ایک شخص نے آکر یہ دعویٰ کیا کہ میں فلاں شخص غائب کی طرف سے آیا ہوں اور اس کے قرض وصول کرنے کا وکیل ہوں مقروض نے اس کی تصدیق کر دی تو ایسی صورت میں مقروض کو حکم دیا جائے گا کہ اس مدعی کو قرض ادا کر دے (کیونکہ اس مقروض نے وکالت کی تصدیق کر کے خود ہی اپنے قرض کیا اقرار کر لیا)۔ اور اگر غائب شخص آکر خود بھی تصدیق کر دے تو ادائیگی صحیح ہوگی لیکن اگر اس کی تصدیق نہ کرے تو اس صورت میں مقروض کو دوبارہ قرض ادا کرنا ہوگا اور مقروض پہلی ادا کی ہوئی رقم کو مدعی سے وکالت سے وصول کرے بشرطیکہ وہ رقم اس کے پاس موجود ہو لیکن اگر رقم ضائع ہوگئی تو مقروض مدعی سے نہیں وصول کرے گا۔

مسئلہ (۲) اگر ایک شخص نے آکر یہ دعویٰ کیا کہ میں امانت وصول کرنے کا وکیل ہوں اور امین نے اس کی تصدیق بھی کر دی تو بھی امین کو اس کی ادائیگی کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ (کیونکہ امین کو یہ حاصل نہیں ہے کہ غیر کی ملکیت پر اقرار ثابت کرے)۔

عبدالعلی قاسمی غفرلہ

کتاب الکفالۃ

کفالت کا بیان

وکالت اور کفالت دونوں عقد تبرع ہیں اس میں غیر کا نفع ہوتا ہے اس مشابہت کی وجہ سے کتاب الوکالت کے بعد کتاب الکفالت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ وکالت میں اپنا تصرف کا حق وکیل کی جانب منتقل کیا جاتا ہے اور کفالت میں من وجہ حق کے مطالبہ کو کفیل کی جانب منتقل کیا جاتا ہے۔ اصل مقروض بری نہیں ہوتا اس پر برابر مطالبہ قائم رہتا ہے، اسی بنیاد پر من وجہ کی قید کا اضافہ کیا گیا ہے۔

کفالۃ اسم ہے **کفالۃ** سے جمع **کفالات**. **کفل** (ن س ک) **کفلا و کفولا الرَّجلَ و بالرجلِ و المال و بالمالِ**، ضامن ہونا۔ کہا جاتا ہے **کفل عنه بالمال بغریمه**، اس نے قرض خواہ کے لئے مال کی ذمہ داری لی۔ یہ لفظ متعدی بنفسہ اور باء و عن حرف جار کے ذریعہ بھی متعدی ہوتا ہے بولا جاتا ہے **کفلته و کفلت به و عنه**، کفالت از روئے لغت ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانا ہے۔ ارشاد باری ہے **وَ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا**، یعنی حضرت زکریا نے مریم کی کفالت کی، یعنی اپنے ساتھ ملایا۔ اور اس طرح شرع میں حق مطالبہ میں کفیل کے ذمہ کو اصیل کے ذمہ کے ساتھ ملانا ہے یہ مطالبہ خواہ ذات کا ہو (اس شخص کی حاضری کا) یا دین کا یا عین کا۔ یعنی اصیل جو کسی چیز کا ذمہ دار ہے اس کی ذمہ داری کے ساتھ میں کفیل کا اپنی ذمہ داری ملانا کفالت ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ ذمہ داری ملانا مطالبہ میں ہوتا ہے یعنی کفیل سے بھی اسی طرح مطالبہ کیا جائے گا جس طرح اصیل سے کیا جاتا ہے۔ اور بعض مشائخ کا خیال ہے کہ ذمہ داری ملانا صرف قرضہ میں ہے یعنی اصیل کی طرح کفیل

بھی قرض کا ذمہ دار ہے مگر پہلا قول اصح ہے کیونکہ اگر اصیل پر دین باقی رکھتے ہوئے کفیل پر دین واجب ہوگیا تو دین واحد کا دو ہونا لازم آئے گا۔ کفالت کے رکن، شرائط اور حکم کے متعلق تفصیلی بحث ہے فتاویٰ عالمگیری کتاب الکفالۃ سے رجوع کریں۔

مدعی یعنی دائن کو مکفول، مدعیٰ علیہ مدیون کو مکفول عنہ، اصیل جس چیز کی ضمانت ہو یعنی جان و مال کو مکفول بہ، جس پر کفالت سے مطالبہ لازم ہو اس کو کفیل کہتے ہیں۔ (حاشیہ قدوری، ص ۱۲۸۔ مصباح القدوری جلد ۲، جزء ۶، ص ۸۴۔ عین الہدایہ، ج ۳، ص ۱۲۵۔ حاشیہ ہدایہ، ج ۳، ص ۹۵)

اَلْكَفَالَةُ ضَرْبَانِ كَفَالَةٌ بِالنَّفْسِ وَ كَفَالَةٌ بِالْمَالِ وَ الْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ جَائِزَةٌ وَ الْمَضْمُوْنُ بِهَا اِحْضَارُ الْمَكْفُوْلِ بِهٖ وَ تَنْعَقِدُ اِذَا قَالَ تَكَفَّلْتُ بِنَفْسِ فُلَانٍ اَوْ بِرَقَبَتِهٖ اَوْ بِرُوْحِهٖ اَوْ بِجَسَدِهٖ اَوْ بِرَأْسِهٖ اَوْ بِنِصْفِهٖ اَوْ بِثُلُثِهٖ وَ كَذٰلِكَ اِنْ قَالَ ضَمِنْتُهٗ اَوْ هُوَ عَلَيَّ اَوْ اِلَيَّ اَوْ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ اَوْ قَبِيْلٌ بِهٖ.

ترجمہ: کفالت کی دو قسمیں ہیں، کفالت بالنفس اور کفالت بالمال۔ اور کفالت بالنفس جائز ہے۔ اور اس سے جس چیز کی ضمانت ہوتی ہے مکفول بہ کو حاضر کرنا ہے اور کفالت بالنفس متعدی ہوتی ہے جب کہ کہے کہ میں نے فلاں کے جان کی یا اس کی گردن کی یا اس کی روح کی یا اس کے بدن کی یا اس کے سر کی یا اس کے نصف کی یا اس کے تہائی کی کفالت کی اور اسی طرح اگر کوئی کہے کہ میں اس کا ضامن ہوں یا وہ میرے ذمہ یا میری طرف یا میں اس کا ذمہ دار ہوں یا اس کا کفیل ہوں۔

کفالت بالنفس اور اس کے مسائل

حل لغات: اِحْضَار: افعال سے، حاضر کرنا۔ رقبة: گردن۔ جسد: بدن۔ زعیم و قبیل: یہ دونوں کفیل کے معنیٰ میں ہیں۔ اسی طرح لفظ کافل، ضامن، ضمین، صبیر اور حمیل بھی کفیل کے معنیٰ میں آتا ہے۔

تشریح: الكفالة .... المكفول به: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ کفالت کی دو قسمیں ہیں: (۱) کفالت بالنفس۔ (۲) کفالت بالمال۔ کفالت بالنفس کے متعلق ائمۂ کرام کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک کفالت بالنفس جائز ہے خواہ مکفول عنہ کی خواہش اور اجازت سے ہو یا بلا اجازت۔ امام احمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول مشہور بھی یہی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کفالت بالنفس کا اعتبار نہیں ہے۔

کفالت بالنفس میں کفیل پر یہ لازم ہے کہ اس نے جس شخص کی کفالت کی اس کو عدالت میں حاضر کرے۔

(الجوہرہ، ج ۱، ص ۳۱۲۔ ہدایہ، ج ۳، ص ۹۵۔ عینی شرح کنز، ج ۳، ص ۱۵۲)

وتنعقد اذا قال الخ: اس عبارت میں صاحب کتاب بتانا چاہ رہے ہیں کہ کن کن الفاظ سے کفالت کا اعتبار ہوگا۔ لفظ نفس اور ایسا لفظ جس سے تمام بدن مراد ہو سکتا ہے مثلاً رقبة وغیرہ یا کوئی عام لفظ استعمال کیا جائے جیسے نصف ثلث ربع وغیرہ اسی طرح لفظ ضمنته سے کفالت صحیح ہو جائے گی۔ اسی طرح لفظ عليَّ الىَّ یا انا به زعيم، انا قبيل به سے کفالت منعقد ہو جائے گی۔

فَاِنْ شُرِطَ فِی الْکَفَالَةِ تَسْلِیْمُ الْمَکْفُوْلِ بِهٖ فِیْ وَقْتٍ بِعَیْنِهٖ لَزِمَهٗ اِحْضَارُهٗ اِذَا طَالَبَهٗ فِیْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ فَاِنْ اَحْضَرَهٗ وَ اِلَّا حَبَسَهُ الْحَاکِمُ وَ اِذَا اَحْضَرَهٗ وَ سَلَّمَهٗ فِیْ مَکَانٍ یَقْدِرُ الْمَکْفُوْلُ لَهٗ عَلٰی مُحَاکَمَتِهٖ بَرِئَ الْکَفِیْلُ مِنَ الْکَفَالَةِ وَ اِذَا تَکَفَّلَ عَلٰی اَنْ یُّسَلِّمَهٗ فِیْ مَجْلِسِ الْقَاضِیْ فَسَلَّمَهٗ فِی السُّوْقِ بَرِئَ وَ اِنْ کَانَ فِیْ بَرِیَّةٍ لَمْ یَبْرَأْ.

ترجمہ : اگر کفالت میں کسی وقت میں مکفول بہ کی سپردگی کی شرط لگائی گئی تو کفیل کے لئے مکفول بہ کو حاضر کرنا لازم ہوگا جب کہ مکفول لہ اس کا اس وقت میں مطالبہ کرے، پس اگر کفیل نے مکفول بہ کو حاضر کر دیا کہ مکفول بہ اس کے فیصلہ کرانے پر قادر ہو تو کفیل کفالت سے بری ہو جائے گا۔ اور اگر کفیل نے اس شرط پر کفالت کی کہ وہ اس کو قاضی کی مجلس میں سپرد کرے گا پھر اس نے اس کو بازار میں سپرد کر دیا تو بھی بری ہو جائے گا اور اگر جنگل میں سپرد کیا تو بری نہ ہوگا۔

تشریح : فان شرط .... الکفیل من الکفالة : پوری عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا تکفل الخ : سے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر اس بات کی شرط لگا دی جائے کہ مکفول بہ کو قاضی کی عدالت میں حاضر کیا جائے تو کفیل کو چاہئے کہ وہیں حاضر کر دے۔ اگر کفیل نے قاضی کی عدالت کے بجائے بازار میں حاضر کر دیا تو بھی کفیل بری الذمہ ہو جائے گا۔ شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں بازار میں حوالہ کرنے سے کفیل بری نہیں ہوگا جبکہ قاضی کی عدالت میں حاضر کرنے کی شرط تھی۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۹۶)

وَ اِذَا مَاتَ الْمَکْفُوْلُ بِهٖ بَرِئَ الْکَفِیْلُ بِالنَّفْسِ مِنَ الْکَفَالَةِ وَ اِنْ تَکَفَّلَ بِنَفْسِهٖ عَلٰی اَنَّهٗ اِنْ لَمْ یُوَافِ بِهٖ فِیْ وَقْتِ کَذَا فَهُوَ ضَامِنٌ لِمَا عَلَیْهِ وَهُوَ اَلْفٌ فَلَمْ یُحْضِرْ فِی الْوَقْتِ لَزِمَهٗ ضِمَانُ الْمَالِ وَلَمْ یَبْرَأْ مِنَ الْکَفَالَةِ بِالنَّفْسِ وَلَاتَجُوْزُ الْکَفَالَةُ بِالنَّفْسِ فِی الْحُدُوْدِ وَ الْقِصَاصِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ.

ترجمہ : اور اگر مکفول بہ مر گیا تو کفیل بالنفس کفالت سے بری ہو جائے گا۔ اور اگر کفیل بالنفس ہوا اس طور پر کہ وہ اگر فلاں کو فلاں وقت میں حاضر نہیں کیا تو وہ اس چیز کا ضامن ہوگا جو اس پر لازم ہے، اور وہ ایک ہزار ہے، پس اس نے اس کو اس وقت میں حاضر نہیں کیا تو اس کو مال کا ضمان لازم ہوگا۔ اور وہ کفالت بالنفس سے بری نہیں ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفالت بالنفس حدود و قصاص میں جائز نہیں ہے۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

واذا مات ....من الکفالة : مسئلہ (۱) مکفول بہ کے انتقال سے کفیل کفالت سے بری ہو جائے گا۔

وان تکفل ....بالنفس : مسئلہ (۲) اگر کوئی شخص کفیل بالنفس ہوا اور اس نے کہا کہ اگر میں فلاں کو فلاں وقت پر حاضر نہیں کر سکا تو اس کے ذمہ جو دین ہے۔ مثلاً ایک ہزار تو میں اس کا ضامن ہوں، مگر کفیل اس کو وقت موعود پر حاضر نہیں کر سکا تو ایسی صورت میں کفیل مال کا ضامن ہوگا اور کفالت بالنفس سے بری نہیں ہوگا کیونکہ یہاں مال اور نفس دونوں کی

کفالت ہوگئی۔ مال کی کفالت وقت کے ساتھ مشروط ہے وقت کے گذر جانے پر مال لازم ہوگیا۔اور کفالت بالنفس اس وجہ سے باقی ہے کہ ابھی مال کی ادائیگی ختم نہیں ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ اس پر کوئی دوسرا قرضہ ہو اس لئے اس کا حاضر کرنا ضروری ہے۔ (الجوہرہ، ج۱،ص۳۱۳)

حضرت امام شافعی کے نزدیک اس کفالت کا وقوع درست نہیں ہے۔ (ہدایہ، ج۳،ص۹۷)

ولا تجوز الکفالة الخ : مسئلہ(۳) اس مسئلہ کو درج کرنے سے قبل عبارت **لا تجوز** قابل توجہ ہے۔

امام اعظمؒ کے نزدیک اس موقعہ پر **لا تجوز**، **لا تجبر** کے معنیٰ میں ہے عبارت **لاتجبر علی الکفالة** مطلب ہوگا ملزم پر کفالت کے لئے جبر نہیں ہوگا۔

مسئلہ: امام اعظمؒ کے نزدیک کفالت بالنفس حدود وقصاص میں جائز نہیں ہے۔

چونکہ یہ معاملات ایسے ہیں جن میں حدود وقصاص کو ختم کیا جاتا ہے اور کفالت کا جواز اس کو مضبوط کرتا ہے بخلاف دوسرے حقوق کے کہ وہ شبہات سے ختم نہیں ہوتے بلکہ ان کی تحقیق ہوا کرتی ہے۔

حضرات صاحبین کے نزدیک حدود وقصاص میں کفالت بالنفس جائز ہے کیونکہ یہ خاص حق العبد ہے۔(ہدایہ، ج۳،ص۹۸)

وَ اَمَّا الْكَفَالَةُ بِالْمَالِ فَجَائِزَةٌ مَعْلُوْمًا كَانَ الْمَكْفُوْلُ بِهٖ اَوْ مَجْهُوْلاً اِذَا كَانَ دَيْنًا صَحِيْحًا مِثْلُ اَنْ يَّقُوْلَ تَكَفَّلْتُ عَنْهُ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ اَوْ بِمَالَكَ عَلَيْهِ اَوْ بِمَا يُدْرِكُكَ فِيْ هٰذَا الْبَيْعِ وَ الْمَكْفُوْلُ لَهٗ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ طَالَبَ الَّذِیْ عَلَيْهِ الْاَصْلُ وَاِنْ شَاءَ طَالَبَ الْكَفِيْلَ وَيَجُوْزُ تَعْلِيْقُ الْكَفَالَةِ بِالشُّرُوْطِ مِثْلُ اَنْ يَّقُوْلَ مَا بَايَعْتَ فُلَانًا فَعَلَیَّ اَوْ مَا ذَابَ لَكَ عَلَيْهِ فَعَلَیَّ اَوْ مَا غَصَبَكَ فُلَانٌ فَعَلَیَّ.

ترجمہ : اور بہرحال کفالت بالمال تو جائز ہے مکفول بہ معلوم ہو یا مجہول جبکہ وہ دین صحیح ہو مثلاً یہ کہے کہ میں اس کی جانب سے ایک ہزار درہم کا کفیل ہوں یا اس کے ذمہ جو کچھ تیرا ہے یا اس بیع میں تیرا جس قدر مطالبہ ہوگا۔اور مکفول لہ کو اختیار ہے اگر چاہے اس شخص سے طلب کرے جس پر اصل دین ہے اور چاہے تو کفیل سے طلب کرے۔ اور کفالت کو شرطوں پر معلق کرنا جائز ہے مثلاً اس طور پر کہے کہ جو تو فلاں کے ہاتھ فروخت کرے وہ مجھ پر ہے یا جو تیرا اس کے ذمہ واجب ہے وہ مجھ پر ہے یا فلاں جو کچھ تیرا غصب کرے وہ مجھ پر ہے۔

کفالت بالمال اور اس کے مسائل

حل لغات: یدرکك: انعال سے، ادرك الشیء، لاحق ہونا۔ ذاب: واجب ہونا، ظاہر ہونا۔

تشریح : صاحب کتاب نے اس عبارت میں تین مسئلے بیان کئے ہیں :

واما الکفالة .... فی هذا البیع : مسئلہ(۱) کفالت بالمال شریعت میں جائز ہے خواہ مال مکفول بہ کی مقدار معلوم ہو یا مجہول کیونکہ یہ مقدار تبرع ہے جس کی بنیاد وسعت پر ہے اس لئے اس کفالت میں جہالت یسیرہ برداشت کی جاسکتی ہے اس میں کوئی نقصان نہیں ہے، البتہ یہ شرط ہے کہ وہ مال دین صحیح ہو اگر دین صحیح نہیں ہے تو کفالت بھی صحیح نہیں

ہوگی۔ دین صحیح ہر وہ دین جو بلا ادائیگی یا صاحب دین کے مقروض کو معاف کئے بغیر ذمہ سے ساقط نہ ہو۔ مثلاً خریدی ہوئی چیزوں کے دام، جنایات کا ارش، ہلاک شدہ اموال کی قیمت، قرض، مہر۔

والمکفول له ....طالب الکفیل : مسئلہ (۲) کفالت بالمال کے اپنی شرائط کے ساتھ مکمل ہونے کے بعد مکفول لہ کو اختیار ہے اگر چاہے تو مال کا مطالبہ کفیل سے کرے یا چاہے تو اصیل یعنی مقروض سے کرے۔ اس سے آگے صاحب الجوہرہ کہتے ہیں کہ مکفول لہ کو اختیار ہے کہ ایک ساتھ دونوں سے مطالبہ کرے، کیونکہ کفالۃ "ضم الذمة الی الذمة فی المطالبة" کو کہتے ہیں جو اس بات کا مقتضی ہے کہ دین اصیل کے ذمہ باقی رہے اصیل اس سے بری نہ ہو البتہ اگر اصیل نے براءت کی شرط لگادی تو پھر مکفول لہ اصیل سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔

ویجوز تعلیق الخ : مسئلہ (۳) کفالت بالمال کو ایسی شرطوں پر معلق کرنا جائز ہے جو کفالت کے لئے سبب ہو اور اس کے مناسب ہو مثلاً کفیل یوں کہے اگر تو کوئی شئ فلاں شخص سے فروخت کر تو وہ مجھ پر ہے۔ یا اس کے ذمہ جو تیرا واجب ہے وہ مجھ پر ہے یا فلاں نے تیری جو چیز غصب کی وہ مجھ پر ہے۔ یہ چند مثالیں ہیں۔ تعلیق الکفالۃ بالشرط کی صحت پر اس آیت "وَلِمَنْ جَاءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ" سے استدلال کیا جاتا ہے، اس آیت میں کفالت کو شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہے، اور وہ شرط حمل بعیر کے وجوب کا سبب ہے۔ (حاشیہ قدوری، ص ۱۲۹)

اس موقع پر یہ واضح رہے کہ کفالت کے درست ہونے کے لئے مکفول عنہ کا نام یا اس کی جانب اشارہ کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کی جہالت سے کفالت درست نہیں ہوگی جیسا کہ لفظ فلانا اس بات کو واضح کر رہا ہے۔ (الجوہرہ، ج ۱، ص ۳۱۴)

> وَ اِذَا قَالَ تَكَفَّلْتُ بِمَالِكَ فَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ بِاَلْفٍ عَلَيْهِ ضَمِنَهُ الْكَفِيْلُ وَ اِنْ لَّمْ تَقُمِ الْبَيِّنَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْكَفِيْلِ مَعَ يَمِيْنِهٖ فِيْ مِقْدَارِ مَا يَعْتَرِفُ بِهٖ فَاِنِ اعْتَرَفَ الْمَكْفُوْلُ عَنْهُ بِاَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ لَمْ يُصَدَّقْ عَلٰى كَفِيْلِهٖ وَ تَجُوْزُ بِاَمْرِ الْمَكْفُوْلِ عَنْهُ وَ بِغَيْرِ اَمْرِهٖ فَاِنْ كَفَلَ بِاَمْرِهٖ رَجَعَ بِمَا يُؤَدِّيْ عَلَيْهِ وَاِنْ كَفَلَ بِغَيْرِ اَمْرِهٖ لَمْ يَرْجِعْ بِمَا يُؤَدِّيْ وَ لَيْسَ لِلْكَفِيْلِ اَنْ يُّطَالِبَ الْمَكْفُوْلَ عَنْهُ بِالْمَالِ قَبْلَ اَنْ يُّؤَدِّيَ عَنْهُ فَاِنْ لُوْزِمَ بِالْمَالِ كَانَ لَهٗ اَنْ يُّلَازِمَ الْمَكْفُوْلَ عَنْهُ حَتّٰى يُخَلِّصَهٗ.

ترجمه : اور اگر کسی نے کہا کہ میں اس چیز کا کفیل ہوں جو تیرا اس پر مطالبہ ہے پھر اس پر ایک ہزار (درہم) ہونے کا بینہ قائم ہو گیا تو کفیل اس کا ضامن ہوگا اور اگر بینہ قائم نہیں ہوا تو کفیل کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اس مقدار میں جس کا وہ اقرار کرے گا، پس اگر مکفول عنہ نے اس سے زائد کا اعتراف کرلیا تو اس کے کفیل پر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اور کفالت مکفول عنہ کے حکم سے اور اس کے حکم کے بغیر (بھی) جائز ہے پس اگر مکفول عنہ کے حکم سے کفیل ہوا تو اس سے وہ مقدار وصول لے جو مقدار کہ کفیل ادا کرے اور اگر مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل ہوا ہے تو ادا کردہ چیز کو وصول نہیں کرے گا۔ اور کفیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ مکفول عنہ سے مال کا مطالبہ کرے اس کی طرف سے ادائیگی سے پہلے۔ اور اگر مال کی وجہ سے کفیل کا پیچھا کیا گیا تو کفیل کو حق ہے کہ وہ مکفول عنہ کا پیچھا کرے یہاں تک کہ وہ اس کو نجات دلادے۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلوں کا تذکرہ ہے۔

واذا قال .... لم یصدّق علی کفیله: مسئلہ (۱) اگر کفیل نے کفالت کے وقت یہ جملہ استعمال کیا "**تکفلت بمالك علیه**" یعنی کفیل نے کہا کہ تیرا جو مطالبہ اس شخص پر ہے میں اس کا ضامن ہوں مثلاً حامد کا ارشد پر کچھ قرض تھا راشد نے کہا کہ حامد ترا جو مطالبہ ارشد پر ہے میں اس کا ضامن ہوں۔ اب مسئلہ کی دو صورتیں ہیں: (۱) حامد بینہ کے ذریعہ مطالبہ مثلاً ایک ہزار درہم ثابت کردے۔ (۲) بینہ کے ذریعہ مطالبہ ثابت نہ کرسکے۔ پہلی صورت میں کفیل یعنی راشد کو ایک ہزار درہم ادا کرنے پڑیں گے۔ اور دوسری صورت میں کفیل یعنی راشد کا قول قسم کے ساتھ قابل اعتبار ہوگا جس مقدار کو بھی وہ بیان کرے گا یہاں تک کہ اگر مکفول عنہ یعنی ارشد کفیل یعنی راشد کے اعتراف سے زائد کا اعتراف کرتا ہے تو بھی یہ زائد مقدار کفیل پر لازم نہیں ہوگی بلکہ اس زائد مقدار کو کفالت سے خارج تصور کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ غیر پر اقرار ہے اور غیر پر اقرار سے کچھ ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ مقر کی اس غیر پر ولایت نہ ہو اور مکفول عنہ کی کفیل پر کوئی ولایت نہیں ہے۔ (عین الہدایہ، ج ۳، ص ۲۳۴)

وتجوز الکفالة .... لم یرجع بما یؤدی : مسئلہ (۲) کفالت (ایک امر تبرع ہے اس لئے) مکفول عنہ کی اجازت سے اور بلا اجازت کے جائز ہے، چنانچہ اگر کفیل نے مکفول عنہ کی اجازت سے کفالت کی تو ادا کردہ رقم مکفول عنہ سے وصول کرسکتا ہے اور اگر اس کی اجازت کے بغیر کفالت کی تو کفیل ادا کردہ رقم مکفول عنہ سے وصول کرنے کا مجاز نہیں ہے کیونکہ کفیل مکفول عنہ کا قرضہ ادا کرنے میں احسان کرنے والا ہے اور احسان کرنے کے بعد وصولا نہیں جاتا ہے، البتہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق بلا اجازت کی صورت میں کفیل ادا کردہ رقم وصول کرسکتا ہے۔

(ہدایہ، ج ۳، ص ۱۰۲۔ الجوہرہ، ج ۱، ص ۳۱۵۔ عینی، ج ۳، ص ۱٦۳)

ولیس للکفیل .... ان یؤدی عنه: مسئلہ (۳) جب تک کفیل مکفول عنہ کی طرف سے قرضہ ادا نہ کردے اس وقت تک کفیل کے لئے مکفول عنہ سے مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے، یعنی ادائیگی قرض سے قبل مکفول عنہ سے کفیل کا مطالبہ درست نہیں ہے۔

فان لوزم الخ: مسئلہ (۴) اگر کفیل کو کفالت بالمال کی وجہ سے گرفتار کیا گیا تو کفیل کو بھی یہ حق ہے کہ اپنی رہائی تک مکفول عنہ کو گرفتار کرلے۔ یعنی کفیل کو اس کفالت کی بنیاد پر جن حالات سے دوچار ہونا پڑے تو کفیل بھی مکفول عنہ کے ساتھ اس طرح کا رویہ اختیار کرسکتا ہے. جب تک کہ کفیل کو خلاصی نہ مل جائے۔ اور اس خلاصی کا دلانا اسی مکفول عنہ پر لازم ہے۔ (عینی، ج ۳، ص ۱٦۴)

وَاِذَا اَبرَأَ الطَّالِبُ الْمَکْفُوْلَ عَنْهُ اَوْ اِسْتَوْفیٰ مِنْهُ بَرِیٔ الْکَفِیْلُ وَاِنْ اَبرَأَ الْکَفِیْلَ لَمْ یَبرَإِ الْمَکْفُوْلُ عَنْهُ وَلَا یَجُوْزُ تَعْلِیْقُ الْبَرَاءَ ةِ مِنَ الْکَفَالَةِ بِشَرْطٍ کُلُّ حَقٍّ لَا یُمْکِنُ اِسْتِیْفَاؤُهٗ مِنَ الْکَفِیْلِ لَا تَصِحُّ الْکَفَالَةُ بِهٖ کَالْحُدُوْدِ وَ الْقِصَاصِ وَ اِذَا تَکَفَّلَ عَنِ الْمُشْتَرِیْ بِالثَّمَنِ جَازَ وَ اِنْ تَکَفَّلَ عَنِ الْبَائِعِ بِالْمَبِیْعِ لَمْ تَصِحَّ وَمَنِ اسْتَاجَرَ دَابَّةً لِلْحَمْلِ فَاِنْ کَانَتْ بِعَیْنِهَا لَمْ تَصِحَّ الْکَفَالَةُ بِالْحَمْلِ وَ اِنْ کَانَتْ بِغَیْرِ عَیْنِهَا جَازَتِ الْکَفَالَةُ.

ترجمہ : اور اگر طالب نے مکفول عنہ کو بری کر دیا یا اس سے وصول لیا تو کفیل بری ہو جائے گا اور اگر (طالب نے) کفیل کو بری کر دیا تو مکفول عنہ بری نہیں ہوگا۔ اور کفالت سے بری کرنے کو شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ہر وہ حق جس کا کفیل سے پورا کرنا ممکن نہ ہو اس کی کفالت صحیح نہیں ہے، جیسے حدود و قصاص۔ اور اگر مشتری کی طرف سے ثمن کا کفیل ہوا تو جائز ہے اور اگر بائع کی طرف سے مبیع کا کفیل ہوا تو صحیح نہیں ہے۔ اور جس کسی نے جانور لادنے کے لئے کرایہ پر لیا پس اگر وہ سواری مخصوص ہے تو کفالت بالحمل درست نہیں ہوگی اور اگر وہ سواری مخصوص نہیں ہے تو کفالت صحیح نہیں ہوگی۔

تشریح : **واذا برأ .... لم یبرأ المکفول عنه** : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ کفیل کفالت سے دو طریقہ سے بری ہو سکتا ہے (۱) طالب خود مکفول عنہ کو بری کر دے۔ (۲) طالب مکفول عنہ سے اپنے مطالبات وصول کر لے۔ اور اگر طالب نے کفیل کو بری کر دیا تو اس براءت سے مکفول عنہ بری نہیں ہوگا کیونکہ ابھی مکفول عنہ کے ذمہ قرض باقی ہے۔

ولا یجوز .... بشرط : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ کفالت سے بری کرنے کو کسی شرط پر معلق کرنا درست نہیں ہے مثلاً گھر میں داخل ہونے یا کل کے روز ملنے پر براءت کو معلق کرنا، کیونکہ براءت کو شرط پر معلق کرنے میں کسی کو مالک بنا دینے کا مفہوم ہوتا ہے جیسے دوسری براءتوں میں ہوتے ہیں۔ اور تملیکات تعلیق بالشرط کو قبول نہیں کرتیں۔

(ہدایہ، وحاشیہ ہدایہ، ج ۳، ص ۱۰۳)

وکل حق .... کالحدود والقصاص : جس حق کا کفیل سے حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو ایسے حق کی کفالت درست نہیں ہے جیسے حدود اور قصاص یعنی نفس حد کی کفالت درست نہیں ہے۔ مثلاً زید پر قصاص لازم آیا تو اگر بکر اس کی طرف قصاص کی کفالت کرتا ہے تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ بکر سے قصاص کا حصول ممکن نہیں ہے اس لئے کہ عقوبات میں نیابات جاری نہیں ہوتیں۔ اور حدود کا یہی حال ہے۔ اور جس شخص پر حد لازم آتی ہے اس کی ذات کی کفالت مختلف فیہ ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک کفالت درست نہیں ہے اور صاحبین وجمہور ائمہ کے نزدیک کفالت درست ہے۔

(عین الہدایہ، ج ۳، ص ۲۴۲۔ الجوہرہ، ج ۱، ص ۳۱۶)

واذا تکفل .... لم تصح : اگر کسی نے مشتری کی طرف سے ثمن کی کفالت کی تو یہ کفالت جائز ہوگی کیونکہ ثمن منجملہ دیون کے ایک دین ہے لیکن اگر کسی نے قبل القبض بائع کی طرف سے مبیع کی کفالت کی تو یہ کفالت درست نہیں ہوگی کیونکہ مبیع عین مضمون بالثمن ہوا کرتی ہے اور جو چیز مضمون بالثمن ہوتی ہے اگر وہ بائع کے ہاتھ میں قبل القبض ہلاک ہو جائے تو بائع کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہوتا ہے۔ (الجوہرہ، ج ۱، ص ۳۱۶)

ومن استاجر .... جازت الکفالة : صاحب قدوری کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ بار برداری کی کفالت کی دو صورتیں ہیں (۱) کسی نے کوئی مخصوص جانور بار برداری کے لئے کرایہ پر لیا ہو۔ (۲) بار برداری کے لئے کرایہ پر لیا گیا جانور غیر معین ہو۔ اگر پہلی صورت ہے تو بار برداری کی کفالت درست نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں کفالت کا مفہوم یہ ہے کہ اسی جانور پر لاد کر پہنچانے کا کفیل ہو جب کہ یہ باطل ہے کیونکہ جانور کے ہلاک ہونے کی صورت میں کفیل کو یہ ولایت حاصل نہیں ہے کہ بار برداری کے لئے دوسرے جانور کو کام میں لائے۔ اگر دوسری صورت ہے تو بار برداری کی

کفالت درست ہے۔ کیونکہ اس کفالت کا مقصد ہی بوجھ کو پہنچانا ہے اور یہ اس طور پر ممکن ہے کہ اپنے ذاتی جانور پر لاد کر پہنچا دے۔ (عین الہدایہ، ج ۳، ص ۲۴۴۔ الجوہرہ، ج ۱، ص ۳۱۶)

وَ لَا تَصِحُّ الْكِفَالَةُ اِلَّا بِقَبُوْلِ الْمَكْفُوْلِ لَهُ فِيْ مَجْلِسِ الْعَقْدِ اِلَّا فِيْ مَسْئَلَةٍ وَاحِدَةٍ وَ هِيَ اَنْ يَّقُوْلَ الْمَرِيْضُ لِوَارِثِهٖ تَكَفَّلْ عَنِّيْ بِمَا عَلَيَّ مِنَ الدَّيْنِ فَتَكَفَّلَ بِهٖ مَعَ غَيْبَةِ الْغُرَمَاءِ جَازَ وَ اِذَا كَانَ الدَّيْنُ عَلَى اثْنَيْنِ وَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا كَفِيْلٌ ضَامِنٌ عَنِ الْاٰخَرِ فَمَا اَدّٰى اَحَدُهُمَا لَمْ يَرْجِعْ بِهٖ عَلٰى شَرِيْكِهٖ حَتّٰى يَزِيْدَ مَا يُؤَدِّيْهِ عَلَى النِّصْفِ فَيَرْجِعُ بِالزِّيَادَةِ.

ترجمہ: کفالت درست نہیں ہے مگر مجلس عقد میں مکفول لہ کے قبول کرنے سے البتہ صرف ایک مسئلہ میں اور وہ یہ ہے کہ مریض اپنے وارث سے کہے کہ تو میری طرف سے ان تمام قرضوں کا کفیل بن جا جو میرے ذمہ ہے پس وہ قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں اس کا کفیل ہوگیا تو جائز ہے۔ اور اگر قرض دو آدمیوں پر ہو اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف سے ضامن ہو تو ان میں سے ایک جو کچھ ادا کرے اس کو اپنے شریک سے وصول نہ کرے یہاں تک کہ زائد ہو جائے وہ چیز جس کو وہ ادا کر رہا ہے نصف پر، پس زائد مقدار کو (اس سے) وصول لے۔

کفالت کے متفرق مسائل

تشریح: اس عبارت میں صرف دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں:

ولا تصح الكفالة .... الغرماء جاز: مسئلہ (۱) صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ کفالت بالنفس یا بالمال دونوں کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مکفول لہ اس کو مجلس عقد میں قبول کر لے۔ اس مسئلہ میں طرفین اور امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان اختلاف ہے۔ صاحب قدوری نے جو ذکر کیا ہے یہ طرفین کے مسلک کے مطابق ہے۔ امام ابو یوسف اور ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک مجلس عقد ضروری نہیں بلکہ جب اطلاع مل جائے تو قبول کرلے کفالت درست ہوگی۔

(ہدایہ، ج ۳، ص ۱۰۴۔ عینی ج ۳، ص ۱۶۷۔ الجوہرہ، ج ۱، ص ۳۱۶)

مذکورہ بالا عبارت میں کفالت کے درست ہونے کے لئے مجلس عقد میں مکفول لہ کو قبول کرنا ضروری بیان کیا گیا ہے البتہ ایک صورت استثنا کی بھی ہے جس کو صاحب کتاب الا کہہ کر بیان کر رہے ہیں وہ صورت یہ ہے کہ اگر کوئی مریض اپنے وارث سے یہ کہے کہ تم میری طرف سے اس مال کے کفیل ہو جاؤ جو میرے ذمہ قرض ہے اور وہ وارث قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں کفیل اور ضامن ہو جائے تو بالاتفاق یہ ضمانت صحیح ہے کیونکہ یہ ضمانت درحقیقت وصیت ہے اور اسی وصیت کی وجہ سے یہ کفالت درست ہے اور مریض طالب (مکفول لہ) کا قائم مقام ہے اور اس میں طالب کا نفع ہے گویا طالب بذات خود موجود ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۱۰۴)

دو شخصوں کی کفالت

واذا کان الدین الخ: صاحب قدوری نے اب تک ایک شخص کی کفالت کی بحث کو بیان کیا اور اب دو شخصوں کی

کفالت اور اس کے احکام بیان فرمارہے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص کا قرض دو شخصوں کے ذمہ ہو اور دونوں میں سے ایک دوسرے کی طرف سے کفیل ہو مثلاً دو شخصوں نے اس شخص سے ایک غلام ایک ہزار کے عوض خریدا اور ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہوگیا اب ان دونوں میں سے جو شخص بھی جو کچھ ادا کرے گا وہ اپنے شریک سے وصول نہیں کرے گا جب تک وہ نصف سے زائد ادا نہ کردے، پس نصف سے زائد مقدار جو ادا کرے گا وہ اپنے شریک سے وصول کرے گا، کیونکہ دونوں ساتھیوں میں ہر ایک نصف دین میں اصیل ہے اور نصف آخر میں کفیل ہے اور ان دونوں میں کوئی معارضہ نہیں ہے کیونکہ جو اصالت کی جہت سے ہے وہ دین ہے اور جو کفالت کی جہت سے ہے وہ مطالبہ ہے پھر مطالبہ دین کے تابع ہے اس لئے نصف دین کی طرف سے ادا ہوگا اور جو نصف سے زائد ہے وہ کفالت کی طرف سے ادا ہوگا۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۱۱۰)

وَ اِذَا تَكَفَّلَ اِثْنَانِ عَنْ رَجُلٍ بِالْفٍ عَلٰى اَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا كَفِيْلٌ عَنْ صَاحِبِهٖ فَمَا اَدّٰى اَحَدُهُمَا يَرْجِعُ بِنِصْفِهٖ عَلٰى شَرِيْكِهٖ قَلِيْلًا كَانَ اَوْ كَثِيْرًا وَ لَا تَجُوْزُ الْكَفَالَةُ بِمَالِ الْكِتَابَةِ سَوَاءٌ حُرٌّ تَكَفَّلَ بِهٖ اَوْ عَبْدٌ وَ اِذَا مَاتَ الرَّجُلُ وَ عَلَيْهِ دُيُوْنٌ وَ لَمْ يَتْرُكْ شَيْئًا فَتَكَفَّلَ رَجُلٌ عَنْهُ لِلْغُرَمَاءِ لَمْ تَصِحَّ الْكَفَالَةُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَعِنْدَهُمَا تَصِحُّ.

ترجمہ : اور اگر ایک شخص کی طرف سے جو شخص ایک ہزار (درہم) میں کفیل ہو گئے اس طور پر کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کا (بھی) کفیل ہے تو ان میں سے جس مقدار میں ادا کرے وہ اپنے شریک سے اس کا نصف وصول کرلے (ادا کردہ رقم) کم ہو یا زیادہ۔ اور مال کتابت کی کفالت جائز نہیں ہے خواہ آزاد ہو جس نے اس کی کفالت کی ہے یا غلام۔ اور اگر کوئی شخص مرجائے اور اس پر بہت سا قرض ہو اور اس نے (ترکہ میں) کوئی چیز نہیں چھوڑی، اب ایک شخص اس کی جانب سے قرض خواہوں کے لئے کفیل بن گیا تو یہ کفالت امام ابوحنیفہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک صحیح ہے۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسائل بیان کئے گئے ہیں :

واذا تکفل .... قلیلا کان او کثیرا : مسئلہ (۱) صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص پر ایک ہزار روپیہ کا قرض ہے اور اس کی کفالت دو شخصوں نے کی۔ اور ان دونوں کفیلوں نے ایک دوسرے کی بھی کفالت قبول کرلی تو اب ان دونوں کفیلوں میں سے ہر ایک جس مقدار میں رقم ادا کرے گا وہ اپنے شریک سے اس کا نصف وصول کرے گا۔ یہ ادا کردہ رقم خواہ نصف سے کم ہو یا اس سے زائد کیونکہ اس مسئلہ میں کفالت ہر اعتبار سے کفالت ہے، یعنی ہر ایک تمام مال میں دوسرے کا کفیل ہے۔ اور کفالت عن الاصیل اور کفالت عن الکفیل میں سے کسی کو کسی پر کوئی ترجیح حاصل نہیں ہے بخلاف مسئلہ گزشتہ کے کہ اس میں یہ ہے کہ جو کوئی قرض ادا کرے گا وہ دوسرے شریک سے وصول نہیں کرے گا تاوقتیکہ وہ نصف سے زائد ادا نہ کردے کیونکہ نصف کی ادائیگی بطریق اصالت ہے اور نصف کی ادائیگی بطریق کفالت ہے گویا اصالت کو کفالت پر ترجیح حاصل ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۱۱۰۔ الجوہرہ، ج ۱، ص ۳۱۷)

ولا تجوز الکفالۃ .... او عبدا : مسئلہ (۲) صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ عبد مکاتب کی جانب سے

بدل کتابت کی کفالت جائز نہیں ہے، یہ کفالت خواہ آزاد شخص کرے یا غلام کیونکہ ایسے مال کی کفالت جائز ہے جو دین مستقر یا دین صحیح ہو، اور دین مستقر وہ دین ہے جوادایا ابراء کے بغیر ساقط نہ ہو اور عبد مکاتب جب عاجز ہو جاتا ہے تو دین ساقط ہو جاتا ہے اس لئے یہ دین مستقر نہیں ہے۔ (الجوہرہ، ج ا، ص ۳۱۷۔ ہدایہ، ج ۳، ص ۱۱۲)

سوال: جب آزاد شخص کے لئے بدل کتاب کی کفالت درست نہیں ہے تو غلام کے لئے بدرجۂ اولیٰ صحیح نہیں ہوگی تو صاحب کتاب نے ''او عبدًا'' کیوں کہا؟

جواب: آزاد شخص غلام کے مقابلہ میں اشرف ہے اور کفیل اصیل کا تابع ہوا کرتا ہے، تو اب اس مقام پر یہ سوچا جاسکتا ہے کہ شاید کفالت کا جائز نہ ہونا اس بنیاد پر ہو کہ اگر کتابت کو جائز مان لیا جائے تو آزاد شخص جو اشرف ہے تابع بن جائے گا تو صاحب کتاب نے ''او عبدا'' کہہ کر یہ واضح فرمادیا کہ کفالت کے عدم جواز کی بنیاد اس بات پر ہے کہ بدل کتاب دین صحیح نہیں ہے اس بنیاد پر نہیں کہ آزاد شخص کے تابع بن جائے گا۔ (الجوہرہ، ج ا، ص ۳۰۷)

واذا مات الرجل الخ: مسئلہ (۳) اگر ایک شخص مفلسی کی حالت میں انتقال کر گیا اور اس کے ذمہ کچھ قرض ہیں اور اس نے کچھ مال ترکہ میں نہیں چھوڑا اور نہ اس کا پہلے سے کوئی کفیل ہے پھر میت کی طرف سے کسی مرد نے خواہ وارث ہو یا اجنبی قرض خواہوں کے لئے کفالت کر لی، تو اس کفالت میں اختلاف ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ کفالت جائز نہیں ہے۔ حضرات صاحبینؒ، ائمۂ ثلاثہ اور اکثر اہل علم کے نزدیک یہ کفالت جائز ہے کیونکہ روایت میں ہے کہ ایک انصاری صحابی کا جنازہ لایا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا اس کے ذمہ کوئی قرض ہے، صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ دو درہم یا دو دینار ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھو، حضرت قتادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ مجھ پر ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قیام دَین بلا محل محال ہے، اور اس مقام پر محل دین فوت ہو چکا ہے، تو یہ دین ساقط کی کفالت ہوئی جو ناجائز ہے، رہی حدیث تو اس بات کا امکان ہے کہ حضرت قتادہؓ انصاری صحابی کے انتقال سے قبل ہی کفیل ہو چکے ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر اس کی خبر دے رہے ہوں۔

(فتح القدیر، ج ٦، ص ۳۱۷۔ ہدایہ، ج ۳، ص ۱۰٦۔ الجوہرہ، ج ا، ص ۳۱۷)

کتاب الحوالہ

حوالہ کا بیان

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل بحث شروع کرنے سے قبل کتاب الکفالہ اور کتاب الحوالہ کے درمیان وجہ مناسبت، باہمی فرق، لغوی تحقیق اور اصطلاحی تعریف اور کچھ الفاظ کی تشریح زیب قرطاس کر دی جائے۔

وجہ مناسبت: کتاب الحوالہ کو کتاب الکفالہ کے ساتھ کافی مناسبت ہے کیونکہ دونوں میں وثوق کے لئے اس دین کا التزام ہوتا ہے جو اصیل کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔

باہمی فرق: دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ حوالہ اصیل کی براءت مقیدہ پر محیط ہے اور کفالت میں براءت نہیں

ہے بلکہ ضمانت ہے۔ پس اس اعتبار سے کفالت مفرد ہے اور حوالہ مرکب ہے اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔
اس باہمی مناسبت کی بناء پر ایک کو دوسرے کے مفہوم میں استعارۃً استعمال کرنا جائز ہے۔ (فتح القدیر، ج ۶ ص ۳۴۵)

لغوی تحقیق : حوالہ یہ تحویل سے ماخوذ ہے بمعنی نقل و زوال۔ حوّله تحويلاً يا حوّل هو تحويلاً. ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دینا، یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانا۔
بعض کا خیال ہے کہ یہ احالہ کا اسم مصدر ہے کہا جاتا ہے احلت زيدا بماله على عمرو فاحتال. میں نے زید کو اس کے مال کے ساتھ عمرو کے حوالہ کیا اور عمرو نے اس کو قبول کیا۔ مصباح اللغات۔ (فتح القدیر، ج ۶ ص ۳۴۵)

اصطلاحی تعریف : تحويل الدين من ذمة الاصيل الىٰ ذمة المحال عليه علىٰ سبيل التوثق به.
یعنی اصل مقروض کے ذمہ سے محتال علیہ کے ذمہ کی طرف ضمانت کے طور پر قرض منتقل کرنے کو حوالہ کہتے ہیں۔
(الجوہرہ، ج ۱ ص ۳۱۷)

اصطلاحی الفاظ : اس بحث میں چار الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں :
(۱) محیل، دین حوالہ کرنے والا (مدیون) (۲) المحال له قرض دہندہ۔ اسکو محتال، محتال له، محال اور حویل بھی کہتے ہیں۔ (۳) المحال عليه. جو شخص حوالہ کو قبول کرے، اس کو محتال علیہ بھی کہتے ہیں۔ (۴) محال به مال جو مقروض کے ذمہ ہے۔ (الجوہرہ، ج ۱ ص ۳۱۷۔ فتح القدیر، ج ۶ ص ۳۴۶) مثلاً حامد پر راشد کے ایک ہزار درہم قرض ہیں حامد نے اپنا قرض زید کے حوالہ کر دیا اور زید نے اس کو قبول کر لیا تو حامد کو محیل اور راشد کو محتال زید کو محتال علیہ اور ہزار درہم کو محال بہ کہیں گے۔ عبد العلی قاسمی غفرلہ

> اَلْحَوَالَةُ جَائِزَةٌ بِالدُّيُوْنِ وَ تَصِحُّ بِرِضَاءِ الْمُحِيْلِ وَ الْمُحْتَالِ وَ الْمُحْتَالِ عَلَيْهِ وَ اِذَا تَمَّتِ الْحَوَالَةُ بَرِئَ الْمُحِيْلُ مِنَ الدُّيُوْنِ وَ لَمْ يَرْجِعِ الْمُحْتَالُ لَهُ عَلَى الْمُحِيْلِ اِلَّا اَنْ يَّتْوىٰ حَقُّهُ والتوىٰ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِاَحَدِ الْاَمْرَيْنِ اِمَّا اَنْ يَّجْحَدَ الْحَوَالَةَ وَ يَحْلِفَ وَ لَا بَيِّنَةَ لَهُ عَلَيْهِ اَوْ يَمُوْتَ مُفْلِسًا وَ قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هٰذَانِ الْوَجْهَانِ وَ وَجْهٌ ثَالِثٌ وَ هُوَ اَنْ يَّحْكُمَ الْحَاكِمُ بِاِفْلَاسِهٖ فِىْ حَالِ حَيَاتِهٖ.

ترجمہ : دیون کا حوالہ جائز ہے اور محیل محتال اور محتال علیہ کی رضامندی سے درست ہے اور جب حوالہ مکمل ہو جائے تو محیل قرضو سے بری ہو جائے گا اور محتال لہ محیل سے مطالبہ نہیں کر سکتا بشرطیکہ اس کا حق تلف ہوتا ہو۔ اور حق کا تلف ہونا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو امروں میں سے کسی ایک کے سبب ہوتا ہے۔ یا تو محتال علیہ حوالہ کا انکار کر دے اور قسم کھالے اور محال اور محیل کے پاس بینہ نہ ہو یا محتال علیہ بحالت افلاس مر جائے۔ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ دو صورتیں ہیں اور تیسری صورت اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ حاکم اس کے افلاس کا فیصلہ کر دے اس کی زندگی میں۔

حل لغات : الديون: یہ جمع ہے قرض۔ يتوىٰ: توى المال (س) توىً، برباد ہونا تلف ہونا، ہلاک

ہونا۔ یجحد: جَحَدَ (ف) جَحْدًا و جُحُوْدًا، جاننے کے باوجود انکار کرنا۔ یحلف: حَلَفَ (ض) حلفًا، قسم کھانا۔ مفلساً: اسم فاعل، جس کے پاس پیسہ نہ ہو محتاج، غریب، کنگال۔ افلس التاجرُ: مفلس ہونا۔

تشریح: الحوالة جائزة بالدیون: دیون کا حوالہ کرنا جائز ہے۔ حوالہ کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں "مطل الغنی ظلم ومن أحیل علی ملیٔ فلیتبع" مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور کسی کو مال پر حوالہ کیا جائے تو اسے حوالہ قبول کرنا چاہئے۔ اس حدیث کے علاوہ دیگر احادیث بھی حوالہ کے جواز پر شاہد ہیں۔ اس حدیث میں فلیتبع کا صیغہ امر بالاتفاق اباحت کے لئے ہے اور امام احمد کا ایک قول وجوب کا ہے۔

صاحب قدوری نے حوالہ کو دین کے ساتھ مخصوص کیا ہے کیونکہ حوالہ نقل وتحویل سے آگاہ کرنا ہے اور تحویل صرف دین میں ممکن ہے عین میں ممکن نہیں ہے۔ (کیونکہ دین غیر متعین ہے اس لئے محتال علیہ سے اس کی ادائیگی ممکن ہے اور عین معین ہے اس لئے اس کی ادائیگی وہی کرسکتا ہے جس کے پاس وہ موجود ہو) دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حوالہ نقل شرعی کا نام ہے اور دین وصف شرعی کا نام ہے جو ذمہ میں ثابت ہوتا ہے اور اس کا اثر مطالبہ کے وقت ظاہر ہوتا ہے تو نقل شرعی کا تحقق دین ہی میں ہوگا عین میں نہیں کیونکہ عین نقل حسّی کی محتاج ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۱۱۳۔ فتح القدیر، ج ۶، ص ۳۴۶۔ حاشیہ قدوری ص ۱۳۱)

تصح برضاء .... والمحتال علیه: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ حوالہ کے صحیح ہونے کے لئے محیل، محتال اور محتال علیہ کی رضامندی شرط ہے۔ واضح رہے کہ محتال کی رضامندی پر سب کا اتفاق ہے۔ محتال کی رضامندی اس لئے شرط ہے کہ دین اس کا حق ہے اور حسنِ ادائیگی اور ٹال مٹول میں لوگوں کی عادتیں مختلف ہیں اس لئے رضامندی ضروری ہے تاکہ اس کا نقصان لام نہ آئے۔ محتال علیہ کی رضامندی اس لئے شرط ہے کہ اس پر دین کی ادائیگی لازم ہوتی ہے۔ اور لزوم بلا التزام نہیں ہوتا نیز تقاضا کے عمل میں مختلف ہیں کوئی نرمی سے قرض کا تقاضا کرتا ہے تو کوئی سخت رویہ اختیار کرتا ہے صاحب کفایہ فرماتے ہیں کہ یہ شرط صرف احناف کے نزدیک ہے۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ شرط اس وقت ہے جب کہ محیل کا محتال علیہ پر کوئی قرض نہ ہو اگر قرض ہے تو اس شرط کی ضرورت نہیں۔ محیل کی رضا کے متعلق صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حوالہ کے صحیح ہونے کے لئے محیل کی رضاء شرط نہیں ہے کیونکہ محتال علیہ کا التزام دین اپنی ذات میں تصرف کرنا ہے اس میں محیل کا کوئی نقصان نہیں بلکہ اس کا نفع ہے۔ (فتح القدیر، ج ۶، ص ۳۴۶-۳۴۷۔ ہدایہ، ج ۳، ص ۱۱۳)

واذا تمت .... ان یتوی حقُّه: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جب حوالہ اپنے تمام ارکان وشرائط کے ساتھ مکمل ہوجائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ محیل دین سے بری الذمہ ہوجاتا ہے۔ اس موقع پر واضح رہے کہ مشائخ فقہا کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ براءت دین اور مطالبہ دونوں سے ہوتی ہے یہ امام ابویوسف کا مسلک ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ یہ براءت صرف مطالبہ سے ہوتی ہے یہ امام محمدؒ کا مسلک ہے۔

منشاء اختلاف یہ ہے کہ حضرت امام محمدؒ نے ایسے دو مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے ایک کا تعلق پہلے قول سے ہے اور دوسرے کا تعلق دوسرے قول سے ہے مزید تفصیل کے لئے عنایہ بر حاشیہ فتح القدیر، ج ۶، ص ۳۴۷ کی طرف رجوع فرمائیں۔

امام شافعیؒ کے نزدیک پورے طور پر بری ہوجائے گا اگرچہ مال ہلاک ہوجائے۔ امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت امام زفرؒ

کے نزدیک محیل مطالبہ سے بھی بری نہیں ہوتا ہے۔ وہ حوالہ کو کفالہ پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ دونوں عقد توثق ہیں، مگر احناف کی دلیل یہ ہے کہ حوالہ لغۃً نقل کے معنیٰ میں ہے اور دین جب محیل کے ذمہ سے منتقل ہوجاتا ہے تو پھر اس کے ذمہ باقی نہیں رہتا برخلاف کفالہ کے کہ اس میں ذمہ سے منتقل ہونا نہیں ہوتا بلکہ ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ سے ملانا ہوتا ہے جس کا تقاضا ہے کہ ملی ہوئی چیز باقی رہے۔ اور احکام شرعیہ معانی لغویہ کے موافق ہوا کرتے ہیں۔ (فتح القدیر، ج ٦ ص ۳۴۹-۳۴۸)

کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ محیل کو براءت حاصل ہوجاتی ہے اور محتال لہ محیل پر رجوع نہیں کرسکتا الا یہ کہ اس کا مال تلف و ضائع ہوجائے یعنی مال کے ہلاک ہونے کی صورت میں محیل بری نہیں ہوگا کیونکہ محیل کا بری ہونا اگرچہ لفظاً مطلق ذکر کیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ محتال کے حقوق کے محفوظ رہنے کی شرط کے ساتھ مقید ہے۔ فتح القدیر، ج ٦، ص ۳۵۱ یعنی اگر محتال کے حقوق ضائع نہیں ہوتے ہیں تو حوالہ کے مکمل ہونے کے بعد محیل کو براءت حاصل ہوجاتی ہے لیکن حقوق ضائع ہونے کی صورت میں محیل مطالبہ سے بری نہیں ہوگا بلکہ محتال لہ محیل سے مطالبہ کرسکتا ہے۔

والتوی الخ : صاحب قدوری کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مال کی ہلاکت کا حکم کن صورتوں میں لگے گا۔ اس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ حضرت امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی دو صورتیں ہیں، ان میں سے ایک صورت پائی جائے۔ (۱) محتال علیہ عقد حوالہ کا انکار کردے اور قسم کھالے اور محیل ومحتال کے پاس گواہ نہ ہوں۔ (۲) یا محتال افلاس کی حالت میں مرجائے اور کوئی مال ترکہ میں نہ چھوڑے اور نہ کوئی دین اور نہ کوئی کفیل۔ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک ایک تیسری صورت یہ ہے کہ قاضی محتال علیہ کی زندگی ہی میں اس کے افلاس کا فیصلہ کردے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ تیسری صورت ایک اختلاف پر مبنی ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ قاضی کے فیصلہ سے افلاس ثابت نہیں ہوتا ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک ثابت ہوجاتا ہے۔ کیونکہ مال صبح کو آتا ہے اور شام کو چلا جاتا ہے۔ یعنی مال اللہ کا رزق ہے کہ انسان صبح کو تو انگر ہے اور شام کو فقیر ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۱۱۴)

وَ اِذَا طَالَبَ الْمُحْتَالُ عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَالِ الْحَوَالَةِ فَقَالَ الْمُحِيْلُ اَحَلْتُ بِدَيْنٍ لِيْ عَلَيْكَ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ وَ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ الدَّيْنِ وَاِنْ طَالَبَ الْمُحِيْلُ الْمُحْتَالَ بِمَا اَحَالَهُ بِهٖ فَقَالَ اِنَّمَا اَحَلْتُكَ لِتَقْبِضَهُ لِيْ وَ قَالَ الْمُحْتَالُ بَلْ اَحَلْتَنِيْ بِدَيْنٍ لِيْ عَلَيْكَ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُحِيْلِ مَعَ يَمِيْنِهٖ وَ يُكْرَهُ السَّفَاتِجُ وَهُوَ قَرْضٌ اِسْتَفَادَ بِهِ الْمُقْرِضُ اَمْنَ خَطَرِ الطَّرِيْقِ.

ترجمہ : اور اگر محتال علیہ نے محیل سے مال حوالہ کی مقدار (مثل) کا مطالبہ کیا محیل نے (اس کے جواب میں) کہا کہ میں نے اس قرض کے عوض حوالہ کیا جو میرا آپ کے ذمہ ہے تو محیل کا قول معتبر نہیں ہوگا اور اس پر مثل واجب ہوگا۔ اور اگر محیل نے محتال سے اس مال کا مطالبہ کیا جو اس نے حوالہ کیا تھا اور یہ کہا کہ میں نے آپ کو حوالہ کیا تھا تاکہ آپ اس پر میرے لئے قبضہ کرلیں اور محتال نے کہا کہ بلکہ آپ نے مجھے اس دین کے عوض حوالہ کیا تھا جو میرا آپ کے ذمہ تھا تو محیل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ اور سفاتج مکروہ ہے اور سفاتج وہ قرض ہے جس سے قرض دہندہ راستہ کے خطرات سے محفوظ ہونے کا فائدہ اٹھائے۔

تشریح : صاحب قدوری کی یہ عبارت تین مسائل پر مشتمل ہے۔

واذا طالب المحتال علیه .... مثل الدین : مسئلہ (۱) صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر محتال علیہ محیل سے اس دین کی مقدار میں مطالبہ کرے جو محیل حوالہ کر چکا تھا اور محیل جواب میں یوں کہے کہ میں اس قرض کے عوض حوالہ کر چکا ہوں جو میرا تمہارے ذمہ ہے تو محیل کا یہ قول نا قابل قبول ہے بلکہ اس پر حوالہ کرنے کی وجہ سے مثل دین کا ادا کرنا واجب ہوگا کیونکہ محیل دین کا مدعی ہے اور محتال علیہ اس دین کا منکر ہے اور منکر کا قول معتبر ہوتا ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ محتال علیہ کا حوالہ کو قبول کرنا اس بات کی شہادت ہے کہ وہ محیل کا مدیون تھا اس کا جواب یہ ہے کہ حوالہ کا قبول کرنا اقرار دین کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ حوالہ بغیر دین کے بھی صحیح ہوتا ہے۔ (فتح القدیر مع العنایہ، ج ۷، ص ۲۴۷)

وان طالب المحیل......... مع یمینه : مسئلہ (۲) صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر محیل محتال سے اس مال کا مطالبہ کرے جو اس نے احالہ کیا تھا اور یہ کہے کہ میں نے یہ احالہ تم کو اس ارادہ سے کیا تھا کہ تو اس کو میرے لئے وصول کرے گا (گویا میں نے تم کو قرض وصول کرنے کے لئے وکیل بنایا تھا) اس پر محتال نے جواب کے طور پر کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ احالہ اس قرض کے عوض ہوا تھا جو میرا تمہارے ذمہ تھا تو اس صورت میں محیل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ محتال قرض کا دعویدار ہے اور محیل اس کا منکر ہے اور منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔ اس موقع پر یہ واضح رہے کہ لفظ حوالہ وکالت کے مفہوم میں مجازاً استعمال کیا گیا ہے (اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے) (ہدایہ، ج ۳، ص ۱۱۴)

ویکره السفاتج الخ : یہ سُفتَجة کی جمع ہے شئی محکم کو کہتے ہیں۔ مسئلہ (۳) صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک تاجر کو کچھ روپیہ قرض کے طور پر دیا نہ کہ امانت کے طور پر اور یہ شرط لگادی کہ اپنے کسی آدمی کے نام ایک نوشتہ لکھ دو جو فلاں شہر میں رہتا ہے تا کہ اس سے یہ روپیہ وصول ہو جائے اور اس انداز سے راستہ کے خطرات سے محفوظ ہو جائے۔ یہ ایک قسم کا نفع ہے جو قرض دہندہ کو بذریعہ قرض حاصل ہوا اور حضورؐ نے ایسے قرض سے منع فرمایا ہے جس سے نفع حاصل ہو۔ اس لئے یہ مشروط صورت مکروہ ہے اگر اس نے شرط نہیں کی اور قرض دار نے از خود اس کو نوشتہ لکھ دیا تو جائز ہے۔

مشائخ نے لکھا ہے کہ شرط نہ ہونے کی صورت میں اس وقت جائز ہے جب کہ ایسا کرنے میں عرف نہ ہو، اور اگر یہ بات معروف ہو کہ ایسا معاملہ یونہی کیا جاتا ہے تو بھی ناجائز ہے۔ اس مسئلہ کو باب کے آخر میں اس مناسبت سے لایا گیا کہ یہ معاملہ بھی کفالت اور حوالہ کی طرح دین میں شامل ہے، کیونکہ قرض دہندہ نے امکانی خطرات کو مستقرض کے حوالہ کر دیا بنابریں یہ حوالہ ہی کے مفہوم میں داخل ہو جائے گا۔ (حاشیہ ہدایہ، ج ۳، ص ۱۱۵۔ عین الہدایہ، ج ۳، ص ۲۸۱۔ الجوہرہ النیرہ، ج ۱، ص ۳۱۹، حاشیہ قدوری، ص ۱۱۳)

عبد العلی قاسمی غفرلہ

۱۴۲۱/۲/۱۹ھ

۲۰۰۰/۵/۲۴ء

کتاب الصلح

صلح کا بیان

اس کتاب کو اس موقع پر ذکر کرنے کی یہ مناسبت بیان کی جاتی ہے کہ گزشتہ ابواب میں بیع، شفعہ اور معاملات کے احکامات بیان کئے گئے ہیں جن میں بسا اوقات اختلاف بھی رونما ہو جاتا ہے اس لئے کتاب الصلح کو بیان کرنا ضروری تھا تاکہ باہمی اختلاف ختم ہو اور باہمی رضامندی سے معاملہ طے ہو جائے۔ اصل بحث کے آغاز سے قبل چند ابتدائی باتیں پیش خدمت ہیں جو خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔

الصلح: یہ مصالح کا اسم مصدر ہے۔ صلاح سے مشتق ہے جو مخاصمہ کی ضد ہے۔

استقامة الحال، یعنی حال کا درست ہونا، درستگی پر قائم رہنے کے معنیٰ میں ہے۔ اصطلاح شریعت میں صلح اس عقد کا نام ہے جو دو مصالح (رضامند ہونے والے) کے درمیان باہمی رضامندی سے جھگڑا دور کرنے کے لئے موضوع ہوا ہے۔

اس کا رکن ایجاب وقبول ہے جو صلح کے لئے موضوع ہو یعنی ایجاب مطلق ہو اور قبول ان چیزوں میں سے ہونا ضروری ہے جو متعین کرنے سے متعین ہوتی ہو۔ اس کی منجملہ شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس چیز پر صلح واقع ہوئی ہے وہ مال معلوم ہو جب کہ اس پر قبضہ کی ضرورت ہو اور اگر قبضہ کی ضرورت نہ ہو تو شرط یہ ہے کہ وہ مال ہو خواہ معلوم ہو یا مجہول۔

اس کا حکم یہ ہے کہ جب باہم مصالحت قائم ہو گئی تو جس چیز پر مصالحت ہوئی ہے مدعی کی اس پر ملکیت ثابت ہو گئی خواہ وہ منکر تھا یا مقر۔

مصالح: صلح کرنے والا۔ **مصالح عنه:** جس سے صلح کی ہے۔ **مصالح علیه:** جس چیز پر صلح واقع ہوتی ہے، اس کو بدل صلح بھی کہتے ہیں۔ مثلاً زید نے خالد پر زمین یا ہزار درہم کا دعویٰ کیا اور زید نے ایک ہزار درہم پر صلح کر لی تو صلح کرنے والا مصالح ہزار درہم مصالح علیہ، اور مکان یا ہزار درہم مصالح عنہ۔

یہ مضمون الجوہرہ، ج ۲، ص ۱، عالمگیری اردو، ج ٦، ص ۳۱۸۔ مصباح القدوری، ج ۲، جزء ٦، ص ۹۵۔ سے ماخوذ ہے۔

عبد العلی قاسمی غفرلہ

> الصُّلْحُ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَضْرُبٍ صُلْحٌ مَعَ اِقْرَارِهٖ وَ صُلْحٌ مَعَ سُكُوْتٍ وَ هُوَ اَنْ لَّا يُقِرَّ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ وَ لَا يُنْكِرُ وَصُلْحٌ مَعَ اِنْكَارٍ وَ كُلُّ ذٰلِكَ جَائِزٌ فَاِنْ وَقَعَ الصُّلْحُ عَلَى الْاِقْرَارِ اُعْتُبِرَ فِيْهِ مَا يُعْتَبَرُ فِي الْبِيَاعَاتِ اِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَالٍ وَاِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَنَافِعَ فَيُعْتَبَرُ بِالْاِجَارَاتِ.

ترجمہ: صلح تین قسموں پر ہے۔ (۱) اقرار کے ساتھ صلح کرنا۔ (۲) سکوت کے ساتھ صلح کرنا اور وہ یہ ہے کہ مدعا علیہ نہ اقرار کرے اور نہ انکار کرے۔ (۳) انکار کے ساتھ صلح کرنا۔ یہ سب قسمیں جائز ہیں پس اگر صلح مع الاقرار واقع ہوئی تو ان میں ان امور کا اعتبار ہوگا جو بیع کی چیزوں میں معتبر ہیں اگر یہ معاملہ مال کا مال کے بدلہ میں تھا اور اگر

مال کا منافع کے عوض میں تھا تو اس میں اجازت کا اعتبار ہوگا۔

تشریح : اس مذکورہ بالا عبارت میں صلح کی اقسام اور صلح مع الاقرار سے متعلق قدرے تشریح بیان کی گئی ہے۔

الصلح علی ثلثة .... جائز : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ صلح کی تین قسمیں ہیں :
(۱) صلح مع الاقرار (۲) صلح مع السکوت (۳) صلح مع الانکار۔ یہ تینوں قسمیں جائز ہیں جس پر آیت قرآنی اور احادیث نبویہ شاہد ہیں۔ارشادِ باری ہے **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ**. یعنی ہر صلح خیر ہے اور ہر خیر مشروع ہے، لہٰذا ان تین اقسام میں سے جس طرح بھی صلح ہو جائے شرعاً وہ معتبر ہوگی اور صلح کا حکم شرعی اس پر جاری ہوگا۔ ارشاد نبویؐ ہے **"کل صلح جائز فیما بین المسلمین الا صلحاً اَحَلَّ حَرَامًا او حَرَّمَ حَلالاً"** مسلمانوں کے درمیان ہر صلح جائز ہے مگر وہ صلح جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرے۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ البتہ امام شافعیؒ قسم اول یعنی صلح مع الاقرار کے قائل ہیں اور صلح مع السکوت اور صلح مع الانکار کے قائل نہیں ہیں تفصیل کے لئے ہدایہ، ج ۳، ص ۲۲۹۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۵، ص ۲۹۷-۲۹۶، ملاحظہ فرمائیں۔

فان وقع الصلح الخ : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر صلح مال سے مال کے مقابلہ میں مدعیٰ علیہ کے اقرار کے ساتھ ہو تو یہ صلح بیع کے حکم میں ہوگی۔ کیونکہ اس میں بیع کا معنیٰ یعنی متعاقدین کے حق میں مبادلہ مال بالمال موجود ہے۔ اور اگر منافع کا دعویٰ ہوا تھا اور مال دینا طے ہوا تو اس میں اجارہ کے احکام جاری ہوں گے کیونکہ اس میں اجارہ کا مفہوم یعنی منافع کی ملکیت مال کے عوض حاصل کرنا موجود ہے اور عقود میں صرف معانی کا اعتبار ہوتا ہے اس لئے اس میں مدت کا بیان ہونا شرط ہے اور مدت کے اندر دونوں میں سے کسی ایک کے مرنے سے صلح باطل ہو جائے گی کیونکہ یہ اجارہ ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۳۰)

وَ الصُّلْحُ عَنِ السُّكُوْتِ وَ الْاِنْكَارُ فِيْ حَقِّ الْمُدَّعىٰ عَلَيْهِ لِاِفْتِدَاءِ الْيَمِيْنِ وَ قَطْعِ الْخُصُوْمَةِ وَ فِيْ حَقِّ الْمُدَّعِيْ لِمَعْنَى الْمُعَاوَضَةِ وَ اِذَا صَالَحَ عَنْ دَارٍ لَمْ يَجِبْ فِيْهَا الشُّفْعَةُ وَ اِذَا صَالَحَ عَلٰى دَارٍ وَجَبَتْ فِيْهَا الشُّفْعَةُ وَ اِذَا كَانَ الصُّلْحُ عَنْ اِقْرَارٍ فَاسْتُحِقَّ فِيْهِ بَعْضُ الْمُصَالَحِ عَنْهُ رَجَعَ الْمُدَّعىٰ عَلَيْهِ بِحِصَّةِ ذٰلِكَ مِنَ الْعِوَضِ وَاِذَا وَقَعَ الصُّلْحُ عَنْ سُكُوْتٍ اَوْ اِنْكَارٍ فَاسْتُحِقَّ الْمُتَنَازَعُ فِيْهِ رَجَعَ الْمُدَّعِيْ بِالْخُصُوْمَةِ وَ رَدَّ الْعِوَضَ وَاِنْ اسْتُحِقَّ بَعْضُ ذٰلِكَ رَدَّ حِصَّتَهُ وَ رَجَعَ بِالْخُصُوْمَةِ فِيْهِ وَ اِنْ اِدَّعىٰ حَقًّا فِيْ دَارٍ وَ لَمْ يُبَيِّنْهُ فَصُوْلِحَ مِنْ ذٰلِكَ عَلٰى شَيْءٍ ثُمَّ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الدَّارِ لَمْ يَرُدَّ شَيْئًا مِنَ الْعِوَضِ

ترجمہ : اور صلح مع السکوت اور صلح مع الانکار مدعیٰ علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ دینے اور جھگڑا ختم کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے مفہوم کی وجہ سے۔ اور اگر کسی گھر سے صلح کی تو اس میں شفعہ واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی مکان پر صلح کی تو اس میں شفعہ واجب ہوگا۔ اور اگر صلح مع الاقرار ہوئی پھر مصالح عنہ میں کسی کا حق نکل آئے تو مدعیٰ علیہ اس حصہ کے بقدر (ادا کردہ) عوض میں سے واپس لے لے۔ اور اگر صلح مع السکوت یا صلح مع الانکار واقع ہوئی اور متنازع

فیہ کا کوئی حق دار نکل آئے تو مدعی (مستحق کے ساتھ) خصومت کرنے پر رجوع کرے اور (صلح کا) عوض واپس کردے اور اگر اس کے بعض حصہ کا کوئی حق دار نکل آیا تو اس حصہ کے بقدر (صلح میں سے) واپس کردے اور (مدعی) اسی (قدر حصہ) میں (مستحق سے) خصومت کرے اور اگر مدعی نے کسی دار میں اپنے حق کا دعویٰ کیا اور اس کو بیان نہیں کیا پھر اس دعویٰ سے کسی چیز پر صلح کرلی گئی پھر مکان کے کچھ حصہ کا کوئی حق دار نکل آیا تو مدعی (صلح کے) عوض میں سے کچھ واپس نہ کرے۔

صلح مع السکوت اور صلح مع الانکار کے احکام

تشریح : مصنف علیہ الرحمہ کی عبارت چھ مسائل پر مشتمل ہے۔

والصلح عن السکوت.........المعاوضة : مسئلہ(۱) اگر مدعی علیہ نے خاموشی یا انکار کرکے صلح کی تو یہ صلح مدعی کے حق میں معاوضہ ہے یعنی مدعی نے جو کچھ وصول کیا اس نے اپنے حق کا معاوضہ تصور کرکے وصول کیا۔ اور مدعی علیہ کے حق میں خصومت ختم کرنا اور قسم کا فدیہ ہے یعنی مدعی علیہ نے صلح کے طریقہ سے جو کچھ دیا ہے وہ جھگڑا ختم کرنے اور قسم نہ کھانے کا فدیہ کے ارادہ سے دیا ہے۔

واذا کان الصلح .... الشفعة : مسئلہ(۲) اگر کسی شخص نے دوسرے پر کسی مکان کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے اس کا انکار کیا یا خاموش رہا پھر مدعی علیہ نے کچھ دے کرکے گھر کے معاملہ میں صلح کرلی تو ایسی صورت میں اس گھر میں شفعہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ مدعی علیہ کے خیال کے مطابق اس کی ذاتی ملکیت ہے اور جو کچھ اس نے دیکر صلح کی ہو وہ مکان کے عوض میں نہیں ہے بلکہ وہ خصومت کو ختم کرنے اور قسم نہ کھانے کا فدیہ کے طور پر ہے۔

اور اگر مدعی نے مال کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے انکار کیا یا خاموش رہا اس کے بعد اس نے مال کے بدلے اپنا مکان دینے پر مصالحت کرلی تو اس مکان میں شفعہ ثابت ہوگا۔ کیونکہ مدعی اس کو اپنے مال کا عوض سمجھ کے دے رہا ہے اور جو شخص علی وجہ المعاوضہ مکان کا مالک ہو اس میں شفعہ واجب ہوگا۔ (الجوہرہ، ج۲، ص۲)

واذا کان الصلح .... من العوض : مسئلہ(۳) اگر مدعیٰ علیہ نے مدعی کے دعویٰ کا اقرار کرنے کے بعد مال دے کر صلح کرلی اس کے بعد جس چیز سے مصالحت کی تھی اس کے کل یا بعض حصہ میں کسی غیر نے اپنا حق ثابت کردیا اور مدعیٰ علیہ سے وصول کیا تو اس سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ نے مدعی کو مصالح میں جو دیا تھا غیر کے لئے ثابت شدہ حصہ کے بقدر اس میں سے واپس لے لے گا۔ اس کو مثال سے یوں سمجھیں کہ راشد نے ایک مکان کا دعویٰ کیا۔ جو حامد کے قبضہ میں ہے۔ حامد نے اقرار کرنے کے بعد راشد سے ایک سو درہم پر صلح کرلی پھر نصف مکان یا کل مکان کا کسی غیر کا حصہ نکل آیا تو حامد راشد سے پہلی صورت (نصف) میں پچاس اور دوسری صورت میں ایک سو درہم واپس لے لے گا۔

واذا وقع الصلح .... رد العوض : مسئلہ(۴) صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس مکان تھا کسی نے آکر یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا مکان ہے اس پر مدعیٰ علیہ نے انکار کیا یا خاموش رہا پھر مدعیٰ علیہ نے ایک سو درہم پر صلح کرلی اس کے بعد اس مکان کا اور مستحق نکل آیا، تو ایسی صورت میں مدعی کو چاہئے کہ جو رقم مدعیٰ علیہ سے وصول کی تھی اس کو

واپس کرے اور مستحق سے خصومت کرے کیونکہ مدعیٰ علیہ نے مدعی کو رفع خصومت کے لئے رقم پیش کی تھی اور استحقاق غیر کے ظاہر ہونے سے یہ واضح ہوا کہ مدعی کی مدعیٰ علیہ سے خصومت بے جا تھی اس لئے مدعیٰ علیہ، مدعی سے ایک سو درہم واپس لے (اور اب مدعی کی خصومت مستحق سے ہوگی کیونکہ اب یہ مدعیٰ علیہ کے قائم مقام ہے) (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۳۰۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۲)

و ان استحق .... بالخصومة فيه : مسئلہ (۵) اس مسئلہ کی صورت، مسئلہ نمبر ۴ کی طرح ہے۔ فقط اتنی بات ہے کہ کسی مدعیٰ علیہ اور مدعی کی مصالحت کے بعد کسی چیز کا کوئی حق دار نکل آیا تو ایسی صورت میں اسی حصہ کے بقدر مدعی، مدعیٰ علیہ کو واپس کرے اور مستحق سے اسی مقدار میں خصومت کرے۔

و ان ادعىٰ .... من العوض : مسئلہ (۶) صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی مکان میں اپنے حق کا دعویٰ کیا لیکن اس نے اس حق کو کسی جزو معلوم (آدھا یا تہائی وغیرہ) یا جانب معلوم (شرقی یا غربی) کی طرف منسوب نہیں کیا اور کچھ دے کر اس سے مصالحت کر لی اس کے بعد اس مکان کے کسی جز کا کوئی حق دار نکل آیا تو ایسی صورت میں مدعی نے جو کچھ مدعیٰ علیہ سے کہا تھا اس کو واپس نہیں کرے گا، کیونکہ مدعی کے تفصیل بیان نہ کرنے کی وجہ سے اس بات کا امکان ہے کہ اس کا دعویٰ اس حصہ میں ہو جو حصہ دار کو دینے کے بعد باقی بچا ہوا ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۳۱۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۲)

وَ الصُّلْحُ جَائِزٌ مِنْ دَعْوَى الْاَمْوَالِ وَ الْمَنَافِعِ وَ جِنَايَةِ الْعَمَدِ وَ الْخَطَاءِ وَ لَا يَجُوْزُ مِنْ دَعْوٰى حَدٍّ وَ اِذَا ادَّعٰى رَجُلٌ عَلىٰ اِمْرَاَةٍ نِكَاحًا وَهِيَ تَجْحَدُ فَصَالَحَتْهُ عَلىٰ مَالٍ بَذَلَتْهُ حَتّٰى يَتْرُكَ الدَّعْوىٰ جَازَ وَ كَانَ فِيْ مَعْنَى الْخُلْعِ وَ اِذَا ادَّعَتْ اِمْرَاَةٌ نِكَاحًا عَلىٰ رَجُلٍ فَصَالَحَهَا عَلىٰ مَالٍ بَذَلَهُ لَهَا لَمْ يَجُزْ وَ اِنْ ادَّعىٰ رَجُلٌ عَلىٰ رَجُلٍ اَنَّهُ عَبْدُهُ فَصَالَحَهُ عَلىٰ مَالٍ اَعْطَاهُ جَازَ وَ كَانَ فِيْ حَقِّ الْمُدَّعِيْ فِيْ مَعْنَى الْعِتْقِ عَلىٰ مَالٍ.

ترجمہ : اور صلح اموال منافع، جنایتِ عمد اور جنایتِ خطاء کے دعووں میں کرنا جائز ہے اور حد کے دعوی سے صلح جائز نہیں ہے۔ اور اگر کسی مرد نے عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور عورت انکار کر رہی ہے پھر عورت نے اس شخص سے کچھ مال پر صلح کر لی اور عورت نے وہ مال اس شخص کو دیا تاکہ وہ شخص دعویٰ چھوڑ دے تو یہ جائز ہے اور یہ خلع کے حکم میں ہے۔ اور اگر کسی عورت نے کسی مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا پھر مرد نے اس عورت سے کچھ مال پر مصالحت کر لی اور اس نے عورت کو وہ مال دیدیا تو یہ صلح درست نہیں ہے۔ اور اگر ایک شخص نے کسی شخص پر دعویٰ کیا کہ وہ اس کا غلام ہے اور اس نے کچھ مال پر صلح کر لیا اور اس کو مال دیدیا تو یہ صلح درست ہے اور وہ مال مدعی کے حق میں مال کے عوض آزاد کرنے کے ہم معنیٰ ہے۔

تشریح : صاحب قدوری کی عبارت چار مسائل پر مشتمل ہے :

و الصلح جائز .... حدٍّ: مسئلہ (۱) کے تحت چار شقیں ہیں :

۱- **الصلح جائز من دعوى الاموال:** اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی مدعی کسی پر مال کا دعویٰ کرتا ہے تو مال کے دعویٰ کی طرف سے صلح کرنی جائز ہے کیونکہ یہ صلح بیع کے معنیٰ میں ہے۔

۲- والمنافع: یعنی کسی مدعی نے نفع کا دعویٰ کیا تو نفع کے دعویٰ کی طرف سے صلح کرنا جائز ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ فلاں شخص نے میرے لئے اس مکان میں سال بھر کی رہائش کی وصیت کی ہے، وارثین نے کچھ مال دے کر اس مدعی سے مصالحت کر لی تو ایسی صلح جائز ہے۔ صاحب ہدایہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ جواز اس لئے ہے کہ عقد اجارہ کے ذریعہ منافع کی ملکیت ہو جاتی ہے تو صلح کے ذریعہ بھی ملکیت ہو جائے گی۔

۳- وجنایة العمد والخطاء: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جنایت النفس یعنی قتل کے دعویٰ اور مادون النفس یعنی قطع ید کے دعویٰ کی طرف سے مصالحت جائز ہے خواہ جنایت عمد ہو یا جنایت خطاء۔ یعنی قتل عمد کی صورت میں قصاص واجب ہوتا ہے لیکن اگر قاتل نے بعض اولیاء مقتول سے مال کی لالچ یا عاجزی سے صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہے، بایں وجہ کہ ارشادِ باری ہے "فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَاءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قتل عمد سے صلح کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور جنایت خطاء کی صورت میں صلح اس لئے جائز ہے کہ غلطی سے قتل کے حکم سے جو چیز واجب ہوتی ہے وہ مال یعنی دیت ہے تو یہ صلح بیع کے حکم میں ہو جائے گی۔ البتہ اس صلح میں مقدار دیت پر زیادتی جائز نہیں ہے، کیونکہ مقدارِ دیتِ شرعی محدود اندازہ ہے لہٰذا زیادتی کر کے اس کا مٹانا جائز نہیں ہے بخلاف قصاص کے کہ اس سے صلح کرنے کی صورت میں مقدارِ دیت سے زیادتی جائز ہے، کیونکہ قصاص مال نہیں ہے، اور اس کا اندازہ باہمی قرارداد سے ہوتا ہے۔ مزید تفصیل عین الہدایہ، ج ۳، ص ۵۳۷۔ ہدایہ، ج ۳، ص ۲۳۱-۲۳۲۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴- ولا یجوز من دعوی حدٍّ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مدعی نے دوسرے پر حد شرعی کا دعویٰ کیا تو اس سے صلح جائز نہیں ہے مثال کے طور پر لوگوں نے کسی زانی یا چور یا شراب خور کو پکڑ کر قاضی کی عدالت میں لے جانے کا ارادہ کیا اور مجرم نے کچھ مال پر صلح کر لی تا کہ لوگ اسے چھوڑ دیں تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حدود اللہ کا حق ہے، بندہ کا نہیں ہے، اور غیر کے حق کا بدلہ لینا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اگر عورت نے اپنے طلاق دینے والے شوہر پر اپنے بچہ کے نسب کا دعویٰ کیا اور اس نے مال پر صلح کر لی تو عوض لینا جائز نہیں ہے کیونکہ نسب عورت کا حق نہیں ہے بلکہ بچہ کا حق ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۳۱)

واذا ادعیٰ .... فی معنی الخلع: مسئلہ (۲) صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا جب کہ وہ عورت انکار کر رہی ہے کہ پھر عورت نے کچھ مال دے کر اس مرد سے صلح کر لی تا کہ وہ دعویٰ ترک کر دے تو یہ صلح جائز ہے اور یہ صلح اس شخص کے حق میں خلع کے مفہوم میں ہوگی، اور خلع ترک بضع کر کے مال لینے کا نام ہے، کیونکہ مومنین کے معاملات کو امکانی طور پر صحت پر محمول کیا جاتا ہے اور اس صلح کو بھی خلع کے مفہوم میں رکھنا ممکن ہے لہٰذا یہ مصالحت قضاء درست ہوگی البتہ اگر اپنے دعویٰ میں مرد جھوٹا ہے تو اس کو ازراہِ دیانت مال لینا جائز نہیں ہے۔ (الجوہرہ، ج ۲، ص ۳۔ ہدایہ، ج ۳، ص ۲۳۲)

واذا ادعت امرأة .... لم یجز: مسئلہ (۳) صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک عورت نے کسی مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا اور مرد نے مال دے کر اس عورت سے مصالحت کر لیا تو یہ مصالحت جائز نہیں ہے، کیونکہ مرد نے جو مال عورت کو دیا ہے وہ ترک دعویٰ کے لئے ہے اب اگر اس ترک دعویٰ کو عورت کی طرف سے فرقت قرار دیں تو فرقت میں مرد کچھ مال نہیں دیا کرتا بلکہ عورت دیا کرتی ہے۔ اور اگر فرقت کے لئے نہ ٹھہرائیں تو مرد نے جو مال عورت کو دیا اس کے بدلے میں کوئی چیز نہیں

ہے اس لئے صلح نہیں ہوگی۔

قدوری کے بعض نسخوں میں لم یجز کے بجائے یجوز ہے تو اس صورت میں وہ مال جو شوہر نے عورت کو دیا ہے وہ عورت کی مہر میں زیادتی قرار دیا جائے گا۔ یعنی گویا کہ مہر میں اضافہ کر کے اصل مہر پر خلع دے دیا تو اصلی مہر ساقط ہو گیا۔ اور یہ زیادتی بدستور رہی۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۳۲۔ جوہرہ، ج ۲، ص ۳۔ عین الہدایہ، ج ۳، ص ۵۴۰)

وان ادعیٰ الخ : مسئلہ (۴) صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے جب کہ اس کے نسب کا حال معلوم نہیں یعنی مدعیٰ علیہ مجہول النسب ہے پھر اس (غلام) نے انکار کرنے کے بعد مدعی کے ساتھ کچھ مال پر صلح کرلی تو یہ صلح جائز ہے اور یہ مصالحت مدعی کے حق میں مال کے عوض آزاد کرنے کے مانند ہوگا۔ گویا مدعی نے اس کو مال لے کر آزاد کر دیا اور مدعی علیہ کے حق میں جھگڑا ختم کرنے کی وجہ سے یہ مال دیا ہے مگر غلام کے انکار کی وجہ سے اس میں مدعی کے لئے ولاء ثابت نہیں ہوگا البتہ اگر صلح کے بعد مدعی نے بینہ قائم کر دیا کہ یہ میرا غلام ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اور مدعی کے لئے غلام کی ولایت ثابت ہوگی۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۳۲۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۳)

> وَكُلُّ شَيْءٍ وَقَعَ عَلَيْهِ الصُّلْحُ وَهُوَ مُسْتَحَقٌّ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ لَمْ يُحْمَلْ عَلَى الْمُعَاوَضَةِ وَ اِنَّمَا يُحْمَلُ عَلٰى اَنَّهُ اسْتَوْفٰى بَعْضَ حَقِّهٖ وَ اَسْقَطَ بَاقِيَهٗ كَمَنْ لَهٗ عَلٰى رَجُلٍ اَلْفُ دِرْهَمٍ جِيَادٍ فَصَالَحَهٗ عَلٰى خَمْسِمِائَةٍ زُيُوْفٍ جَازَ وَ صَارَ كَاَنَّهٗ اَبْرَاَهٗ عَنْ بَعْضِ حَقِّهٖ وَ لَوْ صَالَحَهٗ عَلَى الْاَلْفِ مُؤَجَّلَةٍ جَازَ وَ كَاَنَّهٗ اَجَّلَ نَفْسَ الْحَقِّ وَ لَوْ صَالَحَهٗ عَلٰى دَنَانِيْرَ اِلٰى شَهْرٍ لَمْ يَجُزْ وَ لَوْ كَانَ لَهُ الْاَلْفُ مُؤَجَّلَةً فَصَالَحَهٗ عَلٰى خَمْسِمِائَةٍ حَالَّةٍ لَمْ يَجُزْ وَ لَوْ كَانَ لَهُ الْاَلْفُ دِرْهَمٍ سُوْدٍ فَصَالَحَهٗ عَلٰى خَمْسِمِائَةٍ بِيْضٍ لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ : اور ہر چیز جس پر صلح واقع ہوئی جب کہ وہ قد مداینت کی وجہ سے واجب ہو تو اس صلح کو معاوضہ پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ مدعی نے اپنا کچھ حق وصول لیا اور باقی حق کو ساقط کر دیا جیسے ایسا شخص جس کے کسی شخص پر ایک ہزار کھرے درہم تھے اس نے اس شخص سے پانچ سو کھوٹے نوٹ درہموں پر صلح کرلی تو یہ صلح جائز ہے اور یہ ایسا ہو گیا گویا کہ مدعی نے اس کو اپنے بعض حق سے بری قرار دیا اور اگر اس نے ایک ہزار میعادی پر صلح کرلی تو یہ بھی جائز ہے گویا اس نے نفس حق کو مؤخر کر دیا اور اگر دنانیر پر صلح کرلی ایک ماہ کی مہلت تک تو یہ جائز نہیں ہے اور اگر کسی کے ایک ہزار مؤجل تھے اور اس نے پانچ سو نقد پر صلح کرلی تو یہ جائز نہیں ہے۔ اور اگر کسی کے ایک ہزار سیاہ درہم ہوں اور پانچ سو سفید درہموں پر صلح کرلے تو یہ صلح جائز نہیں ہے۔

دَین سے مصالحت کرنے کا بیان

حل لغات : عقد المداینۃ: ادھار پر فروخت کرنا، قرض دینا۔ مداینۃ باب مفاعلت سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مدعی نے جس شی کا دعویٰ کیا ہے وہ اس کا حق سابق ہے جو عقد مداینہ کی وجہ سے قرض کی شکل میں تھا۔ استوفی،

حقه استیفاء: پورا حق لینا۔ جیاد: یہ جید کی جمع ہے، عمدہ، کھرا۔ زیوف: یہ زیف کی جمع ہے، کھوٹا، دراھم زیوف: کھوٹا درہم۔ ابرأه عنه ابراء: بری کردینا۔ مؤجلة: میعادی۔ اجّل الشیء تاجیلاً: مدت مقرر کرنا، مہلت دینا، مؤخر کرنا۔ سود: یہ اسود کی جمع ہے، کالا۔ بیض: یہ ابیض کی جمع ہے۔

تشریح : وکل شیء .... من بعض حقه : مسئلہ (۱) اس عبارت میں صاحب کتاب نے قرضہ میں صلح سے متعلق ایک اصول بیان فرمایا ہے کہ ہر چیز جس پر صلح واقع ہوئی ہو اور معاملہ قرض کی وجہ سے واجب ہو تو اس صلح کو معاوضہ پر محمول نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس بات پر محمول یا جائے گا کہ مدعی نے اپنا کچھ حق وصول کیا اور کچھ حق ساقط کردیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی سے ایک مخصوص کپڑا دس دراہم میں ادھار فروخت کیا، اور بائع و مشتری دونوں بلا تعیین مدت اور دراہم پر قبضہ کئے بغیر جدا ہوگئے اس کے بعد دونوں نے پانچ دراہم پر صلح کرلی تو یہ صلح جائز ہے، اگرچہ دونوں بدل صلح یعنی پانچ دراہم پر قبضہ سے پہلے جدا ہوگئے تھے اور اس صلح کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ مدعی نے اپنا کچھ حق وصول لیا اور کچھ کو معاف کردیا اگر اس کو معاوضہ پر محمول کرتے ہیں تو عوضین میں کمی بیشی یعنی معاملہ دس درہم پر ہوا تھا اور مصالحت پانچ دراہم پر ہوئی تو اس کمی بیشی کی وجہ سے ربوا پایا جائے گا۔ جو حرام ہے چنانچہ اگر کسی شخص کے دوسرے کے ذمہ ہزار دراہم کھرے قرض ہیں اور قرضدار نے ایک ہزار دراہم کھرے کی طرف سے پانچ سو دراہم کھوٹے پر صلح کرلی تو یہ صلح جائز ہوگی۔ اور پانچ سو بدل صلح کو معاوضہ نہیں کہیں گے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ مدعی نے مدعیٰ علیہ کو اپنے بعض حق سے بری الذمہ قرار دیا۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۳۵)

ولو صالحه علی الف .... الحق : مسئلہ (۲) اگر ایک ہزار غیر میعادی کی طرف سے ایک ہزار میعادی پر صلح کرلی تو یہ صلح جائز ہے گویا اس نے اپنے نفس حق کو مؤخر کرلیا یعنی فی الفور واجب ہونے کو ساقط کردیا۔

ولو صالحه علی دنانیر .... لم یجز: مسئلہ (۳) اگر کسی نے ہزار درہم غیر میعادی کی طرف سے ہزار دینار ایک ماہ کے وعدہ پر صلح کرلی تو یہ صلح جائز نہیں ہے کیونکہ قرضہ کے معاملہ کی وجہ سے یہ دنانیر واجب نہیں تھے لہٰذا تاجیل کو تاخیر پر محمول نہیں کرسکتے اسی لئے ہر صورت میں معاوضہ پر محمول کیا جائے گا۔ اور معاوضہ پر محمول کرنے کی صورت میں یہ بیع صَرف ہوگی اور بیع صَرف میں دراہم کی دنانیر کے عوض ادھار فروختگی ناجائز ہے۔ (فتح القدیر، ج ۷، ص ۳۲۶)

ولو کان له الف .... حالّةٍ لم یجز: مسئلہ (۴) اگر کسی کے دوسرے کے ذمہ ہزار درہم میعادی قرضہ ہوں اور اس کی طرف سے پانچ سو نقد دراہم پر صلح کرلی تو یہ صلح درست نہیں ہے، کیونکہ نقد ادھار سے بہتر ہے جب کہ قرض کے معاملہ میں دائن نقد کا مستحق نہیں تھا اور دائن نے جس قدر حق میں سے کم کیا ہے وہ میعاد کے مقابلہ میں ہے اور نصف کا کم کرنا یہ میعاد کا عوض لینا تصور ہوگا اور میعاد کا عوض لینا حرام ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۳۵)

ولو کان له الخ : مسئلہ (۵) اگر کسی کے دوسرے کے ذمہ ہزار درہم سیاہ قرض ہو اور اس نے ہزار سفید درہم پر صلح کرلی تو یہ صلح جائز نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ایک ضابطہ ہے وہ یہ کہ اگر وصول شدہ رقم اپنے حق سے کم ہے تو وہ اسقاط ہے اور اگر مقدار یا وصف کے اعتبار سے زائد ہے تو یہ معاوضہ ہے۔ اب مسئلہ کی علت ملاحظہ فرمائیں! کہ یہ صلح اس لئے درست نہیں ہے کہ دائن زیادتی کا مستحق نہیں ہے لہٰذا اس زیادتی یعنی سفیدی کو استیفاء بنانا ممکن نہیں ہے اس لئے درہم کا معاوضہ

پانچ سو کے مقابل ہے اور وصف زائد ربٰو ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر مقدار قرضہ پر صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہے کیونکہ برابر کا برابر سے معاوضہ ہے۔ اور کھرے ہونے کی صفت کا اعتبار نہیں ہے، البتہ اس صورت میں مجلس میں قبضہ کرنا شرط ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب کھرا پن یا عمدگی مال کے مقابل میں ہو تو وہ ربا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ بیع صرف ہے اور بیع صرف میں جید اور ردی برابر ہیں البتہ یدًا بید شرط ہے۔ (عنایہ بر حاشیہ فتح القدیر، ج ۷، ص ۳۹۶-۳۹۷)

وَ مَنْ وَكَّلَ رَجُلاً بِالصُّلْحِ عَنْهُ فَصَالَحَهُ لَمْ يَلْزَمِ الْوَكِيْلُ مَا صَالَحَهُ عَلَيْهِ اِلاَّ اَنْ يَّضْمَنَهُ وَالْمَالُ لاَزِمٌ لِلْمُوَكِّلِ فَاِنْ صَالَحَ عَنْهُ عَلٰى شَيْءٍ بِغَيْرِ اَمْرِهٖ فَهُوَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ اِنْ صَالَحَ بِمَالٍ وَ ضَمِنَهُ تَمَّ الصُّلْحُ وَكَذٰلِكَ لَوْ قَالَ صَالَحْتُكَ عَلٰى اَلْفِىْ هٰذِهٖ اَوْ عَلٰى عَبْدِىْ هٰذَا تَمَّ الصُّلْحُ وَ لَزِمَهُ تَسْلِيْمُهَا اِلَيْهِ وَكَذٰلِكَ لَوْ قَالَ صَالَحْتُكَ عَلٰى اَلْفٍ وَ سَلَّمَهَا اِلَيْهِ وَاِنْ قَالَ صَالَحْتُكَ عَلٰى اَلْفٍ وَ لَمْ يُسَلِّمْهَا اِلَيْهِ فَالْعَقْدُ مَوْقُوْفٌ فَاِنْ اَجَازَهُ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ جَازَ وَ لَزِمَهُ الْاَلْفُ وَاِنْ لَّمْ يُجِزْهُ بَطَلَ.

ترجمہ: اور جس شخص نے اپنی طرف سے صلح کرنے کے لئے دوسرے کو وکیل بنایا اور اس نے صلح کر لی تو جس پر صلح واقع ہوئی ہے وہ وکیل کے ذمہ لازم نہیں ہوگا، الا یہ کہ وہ وکیل اس کا خود ضامن ہو جائے، بلکہ مال مؤکل کو لازم ہوگا۔ اور اگر وکیل نے مؤکل کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر کسی چیز پر صلح کر لی تو یہ چار صورتوں پر ہے۔ اگر مال پر صلح کر لی اور اس کا ضامن ہو گیا تو صلح پوری ہو گئی۔ اور اسی طرح اگر اس نے کہا کہ میں نے تم سے ان دو ہزار پر صلح کر لی یا اپنے اس غلام پر صلح کر لی تو یہ صلح پوری ہو جائے گی۔ اور اس کا (دو ہزار روپیہ یا غلام کا) مدعی کے سپرد کرنا لازم ہوگا اور اسی طرح اگر کہا کہ میں نے تم سے ایک ہزار پر صلح کی اور اس ہزار کو مدعی کے حوالہ کر دیا اور اگر کہا میں نے تم سے ایک ہزار روپیہ پر صلح کی اور وہ ہزار مدعی کے حوالہ نہیں کیا تو عقد (صلح) موقوف ہوگی۔ پس اگر مدعی علیہ نے اس کی اجازت دے دی تو عقد یعنی صلح جائز ہو جائے گی اور اس کے ذمہ ایک ہزار روپیہ لازم ہو جائیں گے اور اگر اس نے اجازت نہیں دی تو صلح باطل ہوگی۔

صلح کے ساتھ تبرع کرنے اور صلح کے ساتھ وکیل کرنے کا بیان

تشریح: صاحب قدوری کی یہ عبارت دو مسئلوں پر مشتمل ہے اور دوسرے مسئلے کی چار شکلیں ہیں:

ومن وکل .... لازم للمؤکل: مسئلہ (۱) اگر کسی شخص نے اپنی جانب سے کسی کو وکیل بنایا تا کہ وہ صلح کرا دے اس وکیل نے صلح کرا دیا اب جس مال پر صلح واقع ہوئی ہے یعنی بدل صلح وکیل کو لازم نہیں ہوں گے بلکہ مؤکل کو لازم ہوں گے البتہ اگر وکیل نے ضمانت لے لی تو وکیل کو لازم ہوں گے۔

صاحب ہدایہ نے بعض قیود کا اضافہ کر کے اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے قتل عمد کی طرف سے یا جس قدر کی اس شخص پر قرض کا دعویٰ ہے اس کے کسی حصہ پر صلح کرنے کے لئے کسی دوسرے کو وکیل مقرر کیا اور وکیل نے مصالحت کرا دی تو بدل صلح مؤکل کو لازم ہوتا ہے نہ کہ صلح کرانے والے کو کیونکہ یہ صلح قاتل کی طرف سے قصاص کو معاف کرتا

ہے اور مدعیٰ علیہ بعض قرض کو معاف کرتا ہے، تو ایسی صورت میں وکیل سفیر محض ہے نہ کہ عاقد۔ اس لئے حقوق مؤکل کی طرف لوٹیں گے نہ کہ وکیل کی طرف۔ صاحب نہایہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ صلح علی الانکار ہو یعنی مدعیٰ علیہ منکر ہو تو وکیل پر بدل صلح لازم نہیں آئے گا بشرطیکہ خود ہی ضمانت کو قبول کرلے۔ (فتح القدیر، ج ۷، ص ۳۹۳)

فان صالح الخ : مسئلہ (۲) ایک فضولی شخص نے بغیر مدعیٰ علیہ کے حکم کے اس کی طرف سے صلح کر دی تو اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں :

۱- فضولی نے مال پر صلح کی اور خود ہی اس کا ضامن ہو گیا، تو یہ صلح مکمل ہو گئی۔

۲- فضولی نے بدل صلح کی نسبت اپنے ذاتی مال کی طرف کی مثلاً اس نے کہا کہ میں نے ان دو ہزار درہموں پر یا اپنے اس غلام پر صلح کی تو یہ صلح مکمل ہو گئی، اور اس صورت میں فضولی پر لازم ہوگا کہ دو ہزار درہم یا غلام مدعی کے حوالہ کرے۔

۳- فضولی نے نہ تو اپنے مال کی طرف نسبت کی اور نہ اشارہ کیا بلکہ اس نے مطلق کہا کہ میں نے ہزار درہم پر صلح کی اور اس نے ہزار درہم مدعی کے حوالہ کر دیا تو یہ صلح بھی جائز ہو گی، کیونکہ مدعیٰ علیہ کو جو چیز حاصل ہے وہ صرف براءت ہے اور براءت کے حق میں مدعیٰ علیہ اور اجنبی دونوں برابر ہیں تو اجنبی شخص اس صلح میں اصل بن سکتا ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۳۴)

۴- اگر فضولی نے صرف یہ جملہ استعمال کیا کہ میں نے ہزار درہم پر صلح کر لی اور وہ مال مدعی کے سپرد نہ کرے تو یہ عقد صلح موقوف ہو گی۔ اب اگر مدعیٰ علیہ نے اجازت دے دی تو یہ صلح جائز ہو گی اور مدعیٰ علیہ کے ذمہ سپردگی لازم ہو گی اور اگر اجازت نہیں دی تو صلح باطل ہو گی۔

وَ اِذَا كَانَ الدَّيْنُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ فَصَالَحَ اَحَدُهُمَا عَنْ نَصِيْبِهٖ عَلٰى ثَوْبٍ فَشَرِيْكُهٗ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اتَّبَعَ الَّذِیْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بِنِصْفِهٖ وَ اِنْ شَاءَ اَخَذَ نِصْفَ الثَّوْبِ اِلَّا اَنْ يَّضْمَنَ لَهٗ شَرِيْكُهٗ رُبْعَ الدَّيْنِ وَلَوِ اسْتَوْفٰى نِصْفَ نَصِيْبِهٖ مِنَ الدَّيْنِ كَانَ لِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُّشَارِكَهٗ فِيْمَا قَبَضَ ثُمَّ يَرْجِعَانِ عَلَى الْغَرِيْمِ بِالْبَاقِیْ وَ لَوِ اشْتَرٰى اَحَدُهُمَا بِنَصِيْبِهٖ مِنَ الدَّيْنِ سِلْعَةً كَانَ لِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُّضَمِّنَهٗ رُبْعَ الدَّيْنِ وَاِذَا كَانَ السَّلَمُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ فَصَالَحَ اَحَدُهُمَا مِنْ نَصِيْبِهٖ عَلٰى رَاْسِ الْمَالِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَجُوْزُ الصُّلْحُ.

ترجمہ : اور اگر قرض دو شریکوں کے درمیان (مشترک) ہو اور ان میں سے ایک نے اپنے حصہ کی طرف سے ایک کپڑے پر صلح کر لی تو اس کے شریک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اپنے نصف حصہ کے لئے اس شخص کا پیچھا کرے جس پر قرض ہے یعنی مدیون کا۔ اور اگر چاہے تو (اپنے شریک سے) آدھا کپڑا لے لے مگر یہ کہ اس کا شریک اس کے لئے چوتھائی قرض کا ضامن ہو۔ اور اگر کسی شریک نے اپنے قرض کا نصف حصہ وصول لیا ہے تو اس کے شریک کے لئے یہ حق ہے کہ مقبوضہ یعنی وصول شدہ چیز میں شریک ہو جائے اس کے بعد دونوں شرکاء باقی قرض مقروض سے وصول لیں، اگر ان دونوں میں سے کسی نے اپنے قرض کے عوض کچھ سامان خرید لیا تو دوسرے شریک کو اختیار ہے کہ اس سے چوتھائی قرضہ کا تاوان لے۔ اور

اگر سلم کا مال یعنی مسلم فیہ دوشریکوں کے درمیان (مشترک) ہواوران میں سے ایک نے اپنے حصہ سے رأس المال پر صلح کرلی تو امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ صلح جائز ہے۔

دَین مشترک سے صلح کا بیان

تشریح : صاحب کتاب کی عبارت چار مسئلوں پر محیط ہے :

و اذا کان الدین .... رُبع الدَین : مسئلہ (۱) صورت مسئلہ یہ ہے کہ دوشخص ہوں کسی پر ان دونوں کا قرض ہواور دونوں برابر کے شریک ہوں مثلاً زید پر ان دونوں کا پانچ سو روپیہ قرض ہے، اب ایک شریک نے اپنے نصف قرض یعنی ڈھائی سو روپیہ کے عوض کپڑا خریدنے پر مصالحت کرلی، تو دوسرے شریک کو اختیار ہے چاہے تو مدیون سے اپنے نصف قرضہ کا مطالبہ کرے اور چاہے تو وہ نصف کپڑا یعنی برابر کا روپیہ اپنے شریک سے وصول کرلے لیکن اگر شریک مصالح اس کے لئے چوتھائی قرض کا ضامن ہوجائے تو پھر دوسرے کا کپڑے میں حق باقی نہیں رہے گا۔

و لو استوفیٰ .... بالباقی : مسئلہ (۲) اگر ایک شریک نے اپنا نصف حصہ قرض وصول لیا تو دوسرا شریک اس وصول شدہ رقم میں شریک ہوسکتا ہے، اور بقیہ قرض کا مطالبہ دونوں شریک مدیون سے کریں گے۔

و لو اشتریٰ .... رُبعَ الدَّینِ : مسئلہ (۳) اور اگر ایک شریک نے اپنے قرض کے عوض مدیون سے کوئی سامان خرید لیا تو دوسرے شریک کو یہ اختیار ہے کہ اس شریک سے قرض کے چوتھائی کا تاوان وصول لے اور چاہے تو مدیون سے وصول لے، کیونکہ مدیون کے ذمہ اس کا حق باقی ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

و اذا کان السلم الخ : مسئلہ (۴) صورت مسئلہ یہ ہے کہ دوشخصوں نے مل کر ایک کر گیہوں میں عقد سلم کیا اور ایک سو درہم راس المال طے پایا اور ہر ایک فرد نے اپنے اپنے حصہ کے پچاس پچاس درہم ادا کردیئے پھر ایک شریک (رب السلم) نے اپنے نصف کُر کے بدلہ میں پچاس درہم پر مسلم الیہ سے صلح کرلی اور وہ درہم لے لئے تو یہ صلح حضرات طرفینؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، کیونکہ اس صلح میں قبضہ کرنے سے پہلے تقسیم لازم آتی ہے جو باطل ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ وہ اپنے خالص حق میں تصرف کررہا ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۳۸ ۔ فتح القدیر، ج ۷، ص ۴۰۶)

وَ اِذَا کَانَتِ التَّرِکَۃُ بَیْنَ وَرَثَۃٍ فَاَخْرَجُوْ اَحَدَھُمْ مِنْھُمَا بِمَالٍ اَعْطَوْہُ اِیَّاہُ وَ التَّرِکَۃُ عِقَارٌ اَوْ عُرُوْضٌ جَازَ قَلِیْلاً کَانَ اَوْ کَثِیْرًا فَاِنْ کَانَتِ التَّرِکَۃُ فِضَّۃً فَاَعْطَوْہُ ذَھَبًا اَوْ ذَھَبًا فَاَعْطَوْہُ فِضَّۃً فَھُوَ کَذٰلِکَ وَ اِنْ کَانَتِ التَّرِکَۃُ ذَھَبًا وَ فِضَّۃً وَغَیْرَ ذٰلِکَ فَصَالَحُوْہُ عَلیٰ ذَھَبٍ اَوْ فِضَّۃٍ فَلَابُدَّ اَنْ یَّکُوْنَ مَا اَعْطَوْہُ اَکْثَرَ مِنْ نَصِیْبِہٖ مِنْ ذٰلِکَ الْجِنْسِ حَتّٰی یَکُوْنَ نَصِیْبُہٗ بِمِثْلِہٖ وَ الزِّیَادَۃُ لِحَقِّہٖ مِنْ بَقِیَّۃِ الْمِیْرَاثِ وَاِنْ کَانَ فِی التَّرِکَۃِ دَیْنٌ عَلَی النَّاسِ فَاَدْخَلُوْہُ فِی الصُّلْحِ عَلیٰ اَنْ یُخْرِجُوْا الْمُصَالِحَ عَنْہُ وَ یَکُوْنَ الدَّیْنُ لَھُمْ فَالصُّلْحُ بَاطِلٌ فَاِنْ شَرَطُوْا اَنْ یَبْرِئَ الْغُرَمَاءُ مِنْہُ وَ لَا یَرْجِعَ عَلَیْھِمْ بِنَصِیْبِ الْمُصَالِحِ عَنْہُ فَالصُّلْحُ جَائِزٌ۔

ترجمہ : اور اگر ترکہ چند ورثہ کے درمیان ہو اور وہ اپنے میں سے ایک کو ترکہ سے کچھ مال دے کر علیحدہ کر دیں اور وہ ترکہ زمین یا اسباب ہو تو جائز ہے جو کچھ انھوں نے اس کو دیا ہے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ، اور اگر ترکہ چاندی ہو اور وہ اسے سونا دیں یا سونا ہو اور وہ اسے چاندی دیں تو یہ (بھی) جائز ہے۔ اور اگر ترکہ سونا چاندی اور اس کے علاوہ ہو اور وہ صرف چاندی یا صرف سونے پر صلح کریں۔ تو ضروری ہے کہ جو کچھ انھوں نے اس کو دیا ہے وہ اس کے حصہ سے زیادہ ہو جو اسی جنس سے ہے تاکہ اس کا حصہ اس کے برابر ہو جائے اور زائد حصہ اس کے حق کے مقابل ہو جو باقی میراث میں ہے۔ اور اگر ترکہ لوگوں پر قرض ہو اور سب حصہ دار کسی کو صلح میں اس شرط پر داخل کرلیں کہ صلح کرنے والے کو خارج کر دیں گے۔ اور سارا قرض انہی کا ہو جائے تو یہ صلح باطل ہے۔ اور اگر قرض داروں نے یہ شرط کرلی وہ شخص سارے قرض داروں کو اپنے حصہ سے بری کر دے اور اپنا حصہ ان وارثوں سے نہ لے تو یہ صلح جائز ہے۔

مسائل تخارج کا بیان

تخارج : ورثہ کا کسی وارث سے اس کے حصۂ میراث کے عوض کچھ دے کر مصالحت کرنا۔

تشریح : اس عبارت میں تخارج سے متعلق چار مسائل مذکور ہیں۔

واذا كانت ...... كثيراً : مسئلہ (۱) ایک شخص کا انتقال ہو گیا اور اس نے ترکہ میں زمین یا کچھ اسباب چھوڑا اور ورثہ نے ایک وارث کو کچھ مال دے کر میراث سے خارج کر دیا، تو علی الاطلاق یہ تخارج جائز ہے وارث کو دیا گیا مال خواہ کم ہو یا زائد۔

فان كانت التركة ...... فهو كذلك : مسئلہ (۲) اگر ترکہ میں چاندی ہو مگر وارثین نے اس وارث کو سونا دیا یا ترکہ میں سونا تھا اور لوگوں نے اس کو چاندی دیا تو یہ تخارج بھی جائز ہے خواہ دیا ہوا مال کم ہو یا زیادہ البتہ تقابض فی المجلس ضروری ہے، تاکہ ربا لازم نہ آئے۔ (ہدایہ، ج۳، ص۲۴۰)

وان كانت التركة ...... بقية الميراث : مسئلہ (۳) اگر ترکہ میں سونا چاندی کے ساتھ ساتھ دوسرے اسباب بھی ہوں اور ورثہ نے وارث کو صرف سونا یا چاندی دے کر صلح کرلی تو ایسی صورت میں اس صلح کے جائز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وارث کو سونا یا چاندی میں سے جو کچھ دیا ہے وہ اس مقدار سے زائد ہو جو اس وارث کو اس جنس کے حصہ میں ملنے والا ہے تاکہ جنس ثمن، ثمن کے برابر ہو جائے، اور زائد سونا بقیہ چاندی وعروض کے بالمقابل ہو جائے، مثلاً وارث کو میراث سے دس درہم اور کچھ اسباب ملنا تھا تو مسئلہ تخارج کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دس درہم سے زائد پر صلح ہو تاکہ دس درہم دس درہم کے عوض میں ہو جائیں اور زائد درہم اسباب کا عوض ہو جائیں، تاکہ سود لازم نہ آئے۔

و ان كان في التركة الخ : مسئلہ (۴) اگر میت کے ترکہ میں کچھ لوگوں پر قرض ہوں اور وارثین کسی وارث کو اس شرط پر نکال دیں کہ قرضہ باقی ورثہ کے لئے ہوگا تو یہ صلح باطل ہوگی کیونکہ اس وارث نے ترکہ کو باقی ورثہ کے لئے چھوڑ کر کے اپنے حصہ کا ورثہ کو مالک بنا دیا جب کہ مدیون کے علاوہ کسی غیر کو دین کا مالک بنانا باطل ہے، البتہ اگر ورثہ اس بات کی شرط کرلیں کہ مصالح قرضداروں کو اپنے قرضہ سے معاف کر دے اور اپنا حصہ ورثہ سے نہ لے تو یہ صلح جائز ہے کیونکہ اس صورت میں مدیون

کے ذمہ سے قرض ساقط کرنا ہے یا قرض کا مالک اس کو بنانا ہے جس پر قرض ہے اور یہ چیز جائز ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۴۰)

کتاب الهبة

ہبہ کا بیان

اصل بحث شروع کرنے سے قبل لفظ ھبة کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور کچھ مفید باتیں ذکر کرنا مناسب ہے۔

ھبة: یہ فعلة بکسر الفاء کے وزن ہے پر وھبَ یَھَبُ (ض) کا مصدر ہے اس کی اصل وھبة ہے، مگر بعد تعلیل ھبة ہوگیا جیسے وعد یعد عدة جس کی اصل وعدة ہے جو تعلیل کے بعد عدة ہوگیا۔ ازروئے لغت تبرع اور تفضل کے مفہوم میں ہے یعنی موہوب لہ کو ایسی چیز دیدی جائے جو اس کے لئے نفع بخش ہو وہ چیز مال ہو یا غیر مال ارشادِ باری ہے "فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا" اور اصطلاح شرع میں تمليك الاعيان بغير عوض کو کہتے ہیں یعنی کسی کو کوئی چیز بلا کسی عوض کے بطور ملک عطاء کرنا۔ اگر اس تعریف میں فی الحال کا اضافہ کردیں جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے تو بہتر ہے یعنی تمليك الاعيان بغير عوض فی الحال اب یہ تعریف وصیت پر صادق نہیں آئے گی ورنہ وصیت پر صادق آتی کیونکہ وصیت میں تملیک بعد الموت ہے۔

قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے اس کا ثبوت موجود ہے۔ ارشادِ باری ہے "فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَّرِيْئًا" یہ آیت عورت کی طرف سے مہر معاف کرنے کے متعلق ہے اور مرد کو اس کے استعمال کی اجازت ہے۔ ارشادِ نبوی ہے "تهادّوا تحابّوا" (آیت کریمہ اور حدیث نبویؐ میں ہبہ اور ہدیہ کا مفہوم موجود ہے)

صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں کہ ہبہ کے محاسن بہت ہیں جن کا احاطہ کرنا ناممکن ہے ذات باری نے اپنی صفات میں خود ارشاد فرمایا "اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْوَهَّابُ" یہ آیت کریمہ ہدیہ کی خوبیاں معلوم کرنے کے لئے نہایت کافی ہے۔

اس کا رکن ایجاب وقبول ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ موہوب لہ کے لئے ملکیت ثابت ہو جو غیر لازم ہو اور رجوع عن الہبة کا حق حاصل ہے اور شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتی ہے۔ اور موہوب پر قبضہ شرط ہے۔ ہبہ کرنے والے کو واہب، جس کو ہبہ کیا جائے اس کو موہوب لہ اور جو چیز ہبہ کی جائے اس کو موہوب کہتے ہیں۔ (حاشیہ قدوری، ص ۱۳۵۔ فتح القدیر، ج ۷، ص ۴۷۹۔ عین الہدایہ، ج ۳، ص ۶۰۷)

اَلْهِبَةُ تَصِحُّ بِالْاِيْجَابِ وَ الْقَبُوْلِ وَ تَتِمُّ بِالْقَبْضِ فَاِنْ قَبَضَ الْمَوْهُوْبُ لَهٗ فِي الْمَجْلِسِ بِغَيْرِ اِذْنِ الْوَاهِبِ جَازَ وَ اِنْ قَبَضَ بَعْدَ الْاِفْتِرَاقِ لَمْ تَصِحَّ اِلَّا اَنْ يَّاذَنَ لَهُ الْوَاهِبُ فِي الْقَبْضِ وَ يَنْعَقِدُ الْهِبَةُ بِقَوْلِهٖ وَهَبْتُ وَ نَحَلْتُ وَ اَعْطَيْتُ وَ اَطْعَمْتُكَ هٰذَا الطَّعَامَ وَ جَعَلْتُ هٰذَا الثَّوْبَ لَكَ وَ اَعْمَرْتُكَ هٰذَا الشَّيْءَ وَ حَمَلْتُكَ عَلٰى هٰذِهِ الدَّابَّةِ اِذَا نَوَى بِالْحُمْلَانِ الْهِبَةَ.

ترجمہ: ہبہ ایجاب وقبول سے صحیح ہوتا ہے اور قبضہ کرنے سے مکمل ہوجاتا ہے۔ اگر موہوب لہ نے واہب کی اجازت کے بغیر مجلس میں قبول کرلیا تو جائز ہے، لیکن اگر مجلس سے جدا ہونے کے بعد قبضہ کیا تو صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ واہب

نے موہوب لہ کو قبضہ کی اجازت دیدی ہو۔ اور ہبہ واہب کے (اس طرح) کہنے سے منعقد ہوجائے گا کہ میں نے ہبہ کردیا میں نے دیدیا، میں نے بخش دیا، میں نے تم کو یہ کھانا دیدیا، یہ کپڑا میں نے تیرے لئے (مخصوص) کردیا، یہ چیزیں میں نے تم کو عمر بھر کے لئے دیدیں، میں نے تم کو اس سواری یا جانور رسوار کردیا جبکہ سوار کرنے سے ہبہ کی نیت کی ہو۔

حل لغات : **الافتراق**: باب افتعال سے، جدا ہونا، علیحدہ ہونا۔ **نحلتُ**: باب (ف) سے مصدر **نحلاً** دینا۔ **اطعمتك**: باب افعال سے، کھلانا۔ **طعام**: کھانا، غلہ۔ **اعمرتك**: باب افعال سے، زندگی بھر کے لئے دیدینا، آباد کرنا۔ **دابۃ**: سواری۔ **حُمْلان**: **حَمَلَ الشیء علی ظهوره (ض) حَمْلاً و حُمْلاناً**، اٹھانا، سوار کرنا۔

تشریح : **الهبة .... فی القبض** : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ واہب کی جانب سے ایجاب اور موہوب لہ کی جانب سے قبول پائے جانے کی صورت میں ہبہ کا انعقاد ہوجائے گا، کیونکہ ہبہ بھی ایک عقد ہے جو ایجاب وقبول کے ذریعہ منعقد ہوتا ہے۔ مجلس ہبہ میں موہوب لہ نے اگر موہوب پر قبضہ کرلیا تو ہبہ مکمل ہوجائے گا، کیونکہ عقدِ ہبہ میں موہوب لہ کے لئے ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور ثبوت ملک کے لئے قبضہ ضروری ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک قبض القبض ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور وہ اس کو بیع پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ مشتری قبض القبض مبیع کا مالک ہوجاتا ہے۔

واضح رہے کہ موہوب پر قبضہ مجلس عقد میں معتبر ہے اور واہب کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بلا اجازت جائز نہیں ہے اور مجلس عقد کے ختم ہونے کے بعد اگر موہوب پر قبضہ کرتا ہے تو اس صورت میں واہب کی اجازت ضروری ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۶۷۔ عینی، ج ۳، ص ۳۸۹)

و ینعقد الهبة الخ: جن الفاظ سے عقد منعقد ہوتا ہے اس صاحب قدوری نے عبارت میں پیش کردیا ہے، جو ترجمہ سے واضح ہے۔

وَ لَا تَجُوْزُ الْهِبَةُ فِيْمَا يُقَسَّمُ اِلَّا مُحَوَّزَةً مَقْسُوْمَةً، وَ هِبَةُ الْمُشَاعِ فِيْمَا لَا يُقَسَّمُ جَائِزَةٌ، وَمَنْ وَهَبَ شِقْصًا مُشَاعًا فَالْهِبَةُ فَاسِدَةٌ، فَاِنْ قَسَّمَهُ وَ سَلَّمَهُ جَازَ، وَ لَوْ وَهَبَ دَقِيْقًا فِيْ حِنْطَةٍ اَوْ دُهْنًا فِيْ سِمْسِمٍ فَالْهِبَةُ فَاسِدَةٌ، فَاِنْ طَحَنَ وَ سَلَّمَ لَمْ يَجُزْ، وَاِذَا كَانَتِ الْعَيْنُ فِيْ يَدِ الْمَوْهُوْبِ لَهُ مَلَكَهَا بِالْهِبَةِ وَاِنْ لَّمْ يُجَدِّدْ فِيْهَا قَبْضًا وَ اِذَا وَهَبَ الْاَبُ لِاِبْنِهِ الصَّغِيْرِ هِبَةً مَلَكَهَا الْاِبْنُ بِالْعَقْدِ، وَ اِنْ وَهَبَ لَهُ اَجْنَبِيٌّ هِبَةً تَمَّتْ بِقَبْضِ الْاَبِ.

ترجمہ : اور ہبہ قابل تقسیم چیزوں میں جائز نہیں ہے مگر حقوق سے فارغ ہو، تقسیم شدہ ہو، اور مشترک چیز کا ہبہ جو نا قابل تقسیم ہو جائز ہے۔ اور جس شخص نے مشترک چیز کا حصہ ہبہ کردیا تو ہبہ فاسد ہے۔ اور اگر تقسیم کرکے حوالہ کردیا تو جائز ہے۔ اور اگر گیہوں میں آٹا اور تلوں میں تیل ہبہ کردیا تو ہبہ کرنا فاسد ہے۔ اور اگر پیس کر کے حوالہ کردے تو بھی جائز نہیں ہے اور اگر عین یعنی موہوب، موہوب لہ کے قبضہ میں ہو تو وہ ہبہ کی وجہ سے اس کا مالک ہوجائے گا اگر چہ اس پر نیا قبضہ نہ کرے۔ اور اگر باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کردی تو بیٹا اس کا عقد ہی سے مالک ہوجائے گا۔ اور اگر اس کو کسی

اجنبی نے کوئی چیز ہبہ کردی تو باپ کے قبضہ کرنے سے ہبہ مکمل ہو جائے گا۔

حل لغات: مَحُوْزَةً: مقبوضہ جو ملک غیر اور اسکے حقوق سے فارغ ہو۔ مشاع: مشترک، غیر منقسم۔ شِقْصًا: حصہ، کسی چیز کا ٹکڑا۔ دقیقاً: آٹا۔ حِنْطَة: گیہوں۔ دُهنًا: تیل۔ سِمْسِم: تل۔ طحن، (ف) طحْنًا: پیسنا۔

تشریح: ولا تجوز الهبة .... جائزة: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جن چیزوں میں تقسیم کا امکان ہو اور واہب ایسی چیزوں کے ہبہ کا ارادہ کرے اب اگر وہ چیزیں واہب کی ملکیت سے علیحدہ ہوں اور تقسیم شدہ ہوں تو ایسی چیزوں کا ہبہ کرنا درست ہے، لیکن اگر محوز اور مقسوم نہ ہوں تو ہبہ کرنا درست نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ لہٰذا درخت پر لگے ہوئے پھلوں کا، پشت غنم پر رہتے ہوئے اُون کا اور زمین پر کھڑی ہوئی کھیتی کا ہبہ کرنا درست نہیں ہوگا۔ اور جو چیزیں قابل تقسیم نہ ہوں یعنی تقسیم کے بعد انتفاع کے قابل نہ ہو خواہ انتفاع سرے سے ناممکن ہو جیسے عبد واحد یا دابہ واحدہ یا تقسیم سے قبل جو انتفاع ممکن تھا وہ فوت ہو جائے جیسے بیتِ صغیر، حمام صغیر وغیرہ تو ایسی چیزوں میں ہبہ مشاع یعنی ہبہ غیر مقسوم جائز ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مشاع اور غیر مشاع دونوں چیزوں کا ہبہ جائز ہے۔ تفصیل کے لئے ہدایہ حاشیہ ج ۳، ص ۲۶۹، ملاحظہ فرمائیں۔

ومن وهب .... حاز: اگر کوئی شخص مشترک چیز کا کوئی ٹکڑا ہبہ کرنا چاہتا ہے تو اس طرح کا ہبہ کرنا فاسد ہے، البتہ اگر اس کو تقسیم کرنے کے بعد حوالہ کردے تو جائز ہے۔

ولو وهب دقيقا......... لم يجز: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص گیہوں میں اس کا آٹا یا تلوں میں تیل ہبہ کرے تو اس طرح کا ہبہ کرنا فاسد ہے، اسی طرح اگر گیہوں پیس کر آٹا اس کے حوالہ کرے جب بھی ناجائز ہے کیونکہ ہبہ کے وقت آٹا موجود نہیں معدوم ہے، اور شئ معدوم محل ملک نہیں ہوتی، تو عقد باطل واقع ہوگی اس لئے آٹا ہو جانے کے بعد دوبارہ ہبہ کرنا چاہئے۔ (الجوہرہ، ج ۲، ص ۹) واضح رہے کہ گیہوں کی موجودگی بالقوۃ آٹے کی موجودگی ہے مگر اس کا اعتبار نہیں ہے بلکہ بالفعل آٹے کی موجودگی ضروری ہے۔

واذا كانت العين الخ: اس پوری عبارت میں تین مسئلے ہیں اور تینوں کی نوعیت ترجمہ سے واضح ہے۔

> وَاِذَا وَهَبَ لِلْيَتِيْمِ هِبَةً فَقَبَضَهَا لَهُ وَلِيُّهُ جَازَ وَاِنْ كَانَ فِيْ حِجْرِ اُمِّهٖ فَقَبْضُهَا لَهُ جَائِزٌ وَ كَذٰلِكَ اِنْ كَانَ فِيْ حِجْرِ اَجْنَبِيٍّ يُرَبِّيْهِ فَقَبْضُهُ لَهُ جَائِزٌ وَاِنْ قَبَضَ الصَّبِيُّ الْهِبَةَ بِنَفْسِهٖ وَ هُوَ يَعْقِلُ جَازَ وَ اِذَا وَهَبَ اِثْنَانِ مِنْ وَاحِدٍ دَارًا جَازَ وَاِنْ وَهَبَ وَاحِدٌ مِنْ اِثْنَيْنِ لَمْ تَصِحَّ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَصِحُّ.

ترجمہ: اور اگر کسی نے یتیم (بچہ) کو کوئی چیز ہبہ کی اور اس کی طرف سے اس کے ولی نے قبضہ کرلیا تو وہ ہبہ جائز ہو جائے گا۔ اور اگر وہ بچہ اپنی ماں کی گود میں ہے تو اس کی ماں کا اس کے لئے قبضہ کرنا جائز ہے اور اسی طرح اگر بچہ اجنبی کی گود میں ہے جو اس کی پرورش کررہا تھا تو اس کا قبضہ کرنا بچے کے لئے جائز ہے۔ اور اگر بچہ نے ہبہ پر خود ہی قبضہ کیا اور وہ سمجھ دار ہے تو جائز ہے اور اگر دو آدمی ایک مکان کسی ایک کو ہبہ کردیں تو یہ جائز ہے اور اگر ایک آدمی دو آدمیوں کے لئے ہبہ

کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ درست ہو جائے گا۔

تشریح: صاحب کتاب کی یہ عبارت پانچ مسئلوں پر مشتمل ہے، اور پانچویں مسئلہ کی دو شقیں ہیں، اول کے چار مسئلوں کی نوعیت واضح ہے مسئلہ نمبر (۵) کی وضاحت قلم بند کی جاتی ہے۔

واذا وهب اثنان الخ: مسئلہ (۵) اگر دو آدمیوں نے ایک گھر ایک شخص کو ہبہ کر دیا تو بالاتفاق یہ ہبہ جائز ہے، کیونکہ موہوب لہ کو پورا گھر حوالہ کر دیا گیا اس نے مکمل طور پر قبضہ کیا، جس میں کوئی اشتراک نہیں ہے۔ یہ مسئلہ کی پہلی شق تھی۔ مسئلہ کی دوسری شق اس کا برعکس ہے یعنی ایک شخص نے اپنا گھر دو آدمیوں کو ہبہ کر دیا اس کے جواز میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہبہ صحیح نہیں ہے، امام زفر کا بھی یہی مسلک ہے۔ حضرات صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ ہبہ درست ہے، کیونکہ تملیک متحد اور عقد واحد ہے لہٰذا شیوع واشتراک نہیں رہا۔ جیسے ایک چیز کا دو شخصوں کے پاس رہن رکھنا صحیح ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ واہب نے ہر ایک کو نصف نصف گھر ہبہ کیا ہے اور نصف غیر معین اور غیر مقسوم ہے لہٰذا محتمل القسمۃ میں شیوع پایا گیا جو ہبہ کے جواز کے لئے مانع ہے اور بخلاف رہن کے کہ اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں تمام شی ہر ایک کے دین کے عوض محبوس ہوگی اس لئے رہن صحیح ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۷۲۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۱۰۔ عینی شرح کنز، ج ۳، ص ۳۹۶)

وَ اِذَا وَهَبَ لِاَجْنَبِيٍّ هِبَةً فَلَهُ الرُّجُوْعُ فِيْهَا اِلَّا اَنْ يُّعَوِّضَهُ عَنْهَا اَوْ يَزِيْدَ زِيَادَةً مُّتَصِلَةً اَوْ يَمُوْتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ اَوْ يَخْرُجَ الْهِبَةُ مِنْ مِلْكِ الْمَوْهُوْبِ لَهُ وَاِنْ وَهَبَ هِبَةً لِذِيْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ فَلَا رُجُوْعَ فِيْهَا وَ كَذٰلِكَ مَا وَهَبَهُ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ لِلْآخَرِ وَ اِذَا قَالَ الْمَوْهُوْبُ لَهُ لِلْوَاهِبِ خُذْ هٰذَا عِوَضًا عَنْ هِبَتِكَ اَوْ بَدَلًا عَنْهَا اَوْ فِيْ مُقَابَلَتِهَا فَقَبَضَهُ الْوَاهِبُ سَقَطَ الرُّجُوْعُ وَ اِنْ عَوَّضَهُ اَجْنَبِيٌّ عَنِ الْمَوْهُوْبِ لَهُ مُتَبَرِّعًا فَقَبَضَ الْوَاهِبُ الْعِوَضَ سَقَطَ الرُّجُوْعُ.

ترجمہ:۔ اگر کسی نے ایک اجنبی کو کوئی چیز ہبہ کر دی تو اس کو واپس لے لینا جائز ہے مگر یہ کہ موہوب لہ اس کا معاوضہ دیدے یا اس میں ایسی زیادتی کر دے جو متصل ہو یا متعاقدین میں سے کوئی مر جائے یا ہبہ موہوب لہ کی ملک سے خارج ہو جائے۔ اور اگر کسی نے اپنے ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کیا تو اس میں رجوع نہیں ہے۔ اسی طرح وہ چیز جس کو زوجین میں سے ایک دوسرے کو ہبہ کر دے۔ اور اگر موہوب لہ نے واہب سے کہا کہ یہ چیز اپنے ہبہ کے عوض میں لے لو یا اس کا بدلہ لے لو اور اس پر واہب نے قبضہ کر لیا تو حق رجوع ساقط ہو گیا۔ اور اگر اس کا عوض موہوب لہ کی طرف سے کسی اجنبی نے سلوک کے طور پر دیا اور واہب نے عوض پر قبضہ کر لیا تو رجوع ساقط ہو گیا۔

شیٔ موہوب کو واپس لینے اور نہ لینے کا بیان

تشریح: پوری عبارت میں ایک صورت شیٔ موہوب کو واپس لینے کے جواز کی اور چند صورتیں عدم جواز کی اِلّا کے ذریعہ بیان کی گئی ہیں۔

واذا وھب .... فلہ الرجوع فیھا: اگر کسی نے کوئی چیز کسی کو ہبہ کردی تو احناف کے نزدیک ہبہ کرنے والے کے لئے موہوب کو واپس لے لینا مع الکراہت جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک واپس لے لینا جائز نہیں ہے، البتہ اگر باپ نے اپنی اولاد کو کوئی چیز ہبہ کردی تو اس کو واپس لے لینا جائز ہے۔ امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔
(ہدایہ، ج۳، ص۲۷۳۔ عینی، ج۳، ص۳۹۲)

الّا انہ .... الموھوب لہ: اب ان عبارتوں میں ان موانع کو بیان کیا جائے گا جن کی بنیاد پر واہب کو شئ موہوب واپس لینا درست نہیں ہے۔

(۱) اگر موہوب لہ واہب کو ہبہ کے عوض کوئی چیز دیدے تو واہب شئ موہوب واپس نہیں لے سکتا۔

(۲) اگر شئ موہوب میں ایسی زیادتی متصل ہو جائے جس سے اس کی قیمت میں اضافہ ہو جائے مثلاً موہوب جاریہ تھی جو دبلی تھی اس کو کھلا پلا کر فربہ کردیا یا زمین تھی اس میں مکان بنادیا یا اس میں کنواں کھود دیا یا کپڑا تھا اس کو رنگ دیا وغیرہ تو ان تمام صورتوں میں زیادتی کے بغیر واپسی ممکن نہیں اور زیادتی کے ساتھ بھی نہیں، کیونکہ زیادتی عقد کے تحت داخل نہیں ہے۔
(الجوہرہ، ج۲، ص۱۱)

(۳) احد المتعاقدین یعنی واہب اور موہوب لہ میں سے کسی ایک کے انتقال کی صورت میں شئ موہوب کو واپس لینا جائز نہیں ہے کیونکہ موہوب لہ کے مرنے سے اس کی ملکیت اس کے ورثہ کی طرف منتقل ہوگئی تو جس طرح اس کی زندگی میں انتقال ملک کے بعد واپسی جائز نہیں ہے اسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی انتقال ملک کے بعد واپسی جائز نہیں ہے اور واہب کے مرنے سے اس کے ورثہ عقد ہبہ کے اعتبار سے محض اجنبی ہیں۔ (الجوہرہ، ج۲، ص۱۲)

(۴) اگر شئ موہوب، موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جائے تو ایسی صورت میں شئ موہوب کا رجوع جائز نہیں ہے، مثلاً موہوب لہ اس شئ کو فروخت کر ڈالے یا کسی کو ہبہ کردے تو واہب کی رجوع جائز نہیں۔ (حوالہ سابق)

وان وھب ھبۃ .... للآخر: (۵) اگر کسی نے اپنے ذی رحم محرم (رشتہ دار) کو کوئی چیز ہبہ کردی تو اس کے لئے رجوع جائز نہیں ہے کیونکہ ارشاد نبوی ہے کہ جب ذی رحم محرم کے لئے ہبہ ہو تو اس میں رجوع نہیں ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ہبہ کا منشا صلۂ رحمی تھی وہ حاصل ہوگئی۔ (ہدایہ، ج۳، ص۲۷۴) اسی طرح اگر زوجین میں سے کسی نے کسی کو کوئی چیز ہبہ کردی تو اس میں رجوع جائز نہیں کیونکہ جس طرح قرابت میں صلہ رحمی ہے اسی طرح یہاں بھی صلہ رحمی موجود ہے اور یہی مقصود ہے البتہ بوقت ہبہ زوجیت شرط ہے۔ (حوالہ سابق)

واذا قال الموھوب لہ .... سقط الرجوع: (۶) اگر موہوب لہ واہب سے کہے کہ یہ چیز اپنے ہبہ کے عوض میں لے لو یا اس کے بدلہ میں یا اس کے مقابلہ میں اور واہب اس پر قبضہ کرلے تو اس صورت میں واہب کے لئے حق رجوع ساقط ہو جائے گا۔

وان عوضہ الخ: اگر واہب کو موہوب لہ کی طرف سے کسی اجنبی نے سلوک کے طور پر ہبہ کا عوض دیا اور واہب نے اس پر قبضہ کرلیا تو واہب کے لئے حق رجوع ساقط ہو جائے گا۔

وَ اِذَا اسْتُحِقَّ نِصْفُ الْهِبَةِ رَجَعَ بِنِصْفِ الْعِوَضِ وَ اِنِ اسْتُحِقَّ نِصْفُ الْعِوَضِ لَمْ يَرْجِعْ فِي الْهِبَةِ بِشَيْءٍ اِلَّا اَنْ يَرُدَّ مَا بَقِيَ مِنَ الْعِوَضِ ثُمَّ يَرْجِعَ فِي كُلِّ الْهِبَةِ وَ لَا يَصِحُّ الرُّجُوْعُ فِي الْهِبَةِ اِلَّا بِتَرَاضِيْهِمَا اَوْ بِحُكْمِ الْحَاكِمِ وَ اِذَا تَلِفَتِ الْعَيْنُ الْمَوْهُوْبَةُ ثُمَّ اسْتَحَقَّهَا مُسْتَحِقٌّ فَضَمِنَ الْمَوْهُوْبُ لَهُ لَمْ يَرْجِعْ عَلَى الْوَاهِبِ بِشَيْءٍ.

ترجمہ : اور اگر نصف ہبہ کا کوئی حق دار نکل آئے تو نصف عوض کو واپس لے لے اور اگر نصف عوض کا کوئی حق دار نکل آئے تو ہبہ میں سے کوئی چیز واپس نہ لے مگر یہ کہ باقی عوض کو واپس کردے پھر سارا ہبہ واپس لے لے۔ اور ہبہ کا واپس لے لینا صحیح نہیں مگر دونوں کی رضامندی یا حاکم کے حکم کرنے سے۔ اور اگر ہبہ کی ہوئی چیز تلف ہو جائے، اس کے بعد اس کا کوئی مستحق نکل آئے اور وہ موہوب لہ سے اس کا تاوان لے لے تو موہوب لہ واہب سے کچھ نہیں لے سکتا۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے مذکور ہیں۔

واذا استحق .... بنصف العوض : مسئلہ (۱) اگر موہوب لہ نے شی موہوب کے عوض واہب کو کوئی چیز دیدی اس کے بعد شی موہوب میں کسی تیسرے شخص کا حق نصف حصہ ثابت ہوگیا اب موہوب لہ نے تیسرے شخص کو نصف حصہ واپس کردیا تو اسی صورت میں موہوب لہ واہب سے نصف عوض واپس لے سکتا ہے۔

وان استحق نصف العوض......... کل الهبة : مسئلہ (۲) اگر اس عوض میں جو واہب کو ملا ہے کسی تیسرے شخص کا نصف عوض میں حق ثابت ہوگیا اور واہب نے مستحق کو نصف عوض دیدیا تو اس صورت میں واہب کو حق نہیں ہے کہ اپنے ہبہ کردہ مال میں نصف حصہ واپس لے البتہ اگر واہب بقیہ عوض کو موہوب لہ کو واپس کردے تو ایسی صورت میں واہب کل شیٔ موہوب کو واپس لے سکتا ہے۔ البتہ حضرت امام زفرؒ کے نزدیک واہب کے لئے نصف شی موہوب کو واپس لینے کا حق ہے جس طرح موہوب لہ کو نصف عوض واپس لینے کا حق ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص)

ولا یصح الرجوع .... الحاکم : مسئلہ (۳) واہب اگر شی موہوب کو موہوب لہ سے واپس لینا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ اس میں دونوں کی رضامندی پائی جائے یا قاضی کا فیصلہ موجود ہو، تاکہ یقینی طور پر موہوب لہ کی ملکیت ختم ہو جائے۔

واذا تلفت العین الخ: مسئلہ (۴) اگر شی موہوب ضائع ہو جائے، اس کے بعد اس میں کسی کا حق ثابت ہو جائے اور وہ شخص موہوب لہ سے تاوان وصول لے تو موہوب لہ واہب سے کسی چیز کے لینے کا حق دار نہیں ہے۔

وَ اِذَا وَهَبَ بِشَرْطِ الْعِوَضِ اُعْتُبِرَ التَّقَابُضُ فِي الْعِوَضَيْنِ جَمِيْعًا وَ اِذَا تَقَابَضَا صَحَّ الْعَقْدُ وَ كَانَ حُكْمُ الْبَيْعِ يُرَدُّ بِالْعَيْبِ وَ خِيَارِ الرُّؤْيَةِ وَ يَجِبُ فِيْهَا الشُّفْعَةُ وَ الْعُمْرٰى جَائِزَةٌ لِلْمُعْمَرِ لَهُ فِي حَالِ حَيَاتِهِ وَ لِوَرَثَتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ وَ الرُّقْبٰى بَاطِلَةٌ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ جَائِزَةٌ وَمَنْ وَهَبَ جَارِيَةً اِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ الْهِبَةُ وَ بَطَلَ الْاِسْتِثْنَاءُ وَ الصَّدَقَةُ كَالْهِبَةِ لَا تَصِحُّ اِلَّا بِالْقَبْضِ وَ لَا تَجُوْزُ فِي مُشَاعٍ يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ.

ترجمہ : اور اگر کسی نے عوض کی شرط پر ہبہ کیا تو عوضین پر اکٹھا قبضہ کرنا معتبر ہوگا۔اور اگر دونوں نے قبضہ کرلیا تو عقد ہبہ درست ہو جائے گا۔اور یہ ہبہ بیع کے حکم میں ہوگا، کہ عیب اور خیارِ رویت کی وجہ سے واپس کیا جاسکے گا اور اس میں شفعہ واجب ہوگا۔اور عمریٰ معمرلہ کے لئے اس کی زندگی میں اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کے لئے جائز ہے۔اور رقبیٰ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک باطل ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جائز ہے۔اور جس شخص نے باندی ہبہ کیا سوائے اس کے حمل کے تو ہبہ صحیح ہو جائے گا اور استثناء باطل ہوگا۔اور صدقہ، ہبہ کے مثل ہے کہ صحیح نہیں ہوتا ہے مگر قبضہ کے ذریعہ اور ایسی مشترک چیزوں کا صدقہ جائز نہیں ہے، جو تقسیم ہوسکتی ہوں۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسائل مذکور ہیں :

واذا وھب .... الشفعة : مسئلہ (۱) اگر کوئی شخص کسی کو عوض کی شرط پر کوئی چیز ہبہ کرتا ہے تو ابتدائی طور پر ہبہ ہونے کے اعتبار سے مجلس عقد میں عوضین پر ہر دو جانب سے قبضہ ضروری ہے اور واہب اور موہوب لہ کے قبضہ کے بعد عقد ہبہ درست ہو جائے گا۔اور انتہائی طور پر بیع کے حکم میں ہونے کی وجہ سے خیارِ عیب اور خیارِ رویت کی بنا پر ہبہ واپس کیا جائے گا۔اور شفیع کو حق دینا واجب ہے۔ یہ مسئلہ کی صورت تھی۔اب اختلاف کو سمجھئے۔ ہبہ بشرط العوض کی ابتدائی اور انتہائی حیثیت کے متعلق ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ صورت ابتداء عقد کے اعتبار سے ہبہ ہے اور انتہاء عقد کے اعتبار سے بیع ہے۔امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ صورت ابتداء اور انتہاء دونوں اعتبار سے بیع ہے یعنی معنیٰ کا اعتبار کرتے ہوئے بیع کے حکم میں ہے اور وہ تملیک بالعوض ہے۔اور عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے اور احناف فرماتے ہیں کہ یہاں دونوں پہلو موجود ہیں لفظی اعتبار سے ہبہ اور معنوی اعتبار سے بیع ہے لہٰذا حتی الامکان دونوں پہلو پر عمل کیا جائے گا۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۷۵۔ عینی شرح کنز، ج ۳، ص ۳۹۷-۳۹۸)

والعمریٰ .... بعد موته: (۲) عمریٰ اعمار کا اسم ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے اپنا مکان فلاں شخص کو زندگی بھر رہنے کے لئے دیدیا ہے، اور جب وہ مرجائے گا تو اس کو واپس لے لوں گا۔چنانچہ بولا جاتا ہے "اعمرته الدار عمری"۔ ہبہ کا یہ طریقہ درست ہے البتہ واپسی کی شرط باطل ہے۔یہ مکان پوری مدت معمرلہ یعنی موہوب لہ کے لئے ہوگا اور اس کے بعد اس کے ورثہ کو مل جائے گا۔امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا قول جدید یہی ہے، مگر امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا قول قدیم یہ ہے کہ معمرلہ کے انتقال کے بعد مُعمِر اس کو واپس لے لیگا۔ (عینی شرح کنز، ج ۳، ص ۳۹۹-۴۰۰)

والرُقبیٰ ....جائزة : رقبیٰ یہ ہے کہ مالک کہے "داری لك رُقبی" اگر میں تم سے پہلے مرجاؤں گا تو یہ گھر تیرا ہے، اور اگر تم مجھ سے پہلے مرجاؤ تو یہ گھر میرا ہے، حضرات طرفینؒ کے نزدیک ہبہ کی یہ شکل جائز نہیں ہے، کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا منتظر ہے۔حضرت امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ہبہ کی یہ صورت جائز ہے۔واضح رہے کہ رقبیٰ مراقبت کا اسم ہے اور انتظار کے معنیٰ میں ہے، علی وجہ الاتفاق۔ البتہ اختلاف کی بنیاد رقبیٰ کی تفسیر ہے، حضرات طرفینؒ کے نزدیک "داری لك رقبی" کا مفہوم یہ ہے کہ اگر میں تم سے پہلے مرجاؤں گا تو یہ تیرا ہے۔لہٰذا ہبہ کو موہوب لہ کی موت پر معلق کرنا ہوا اس لئے یہ باطل ہے، اور قبضہ کے بعد عاریت کے حکم میں ہوگا۔لہٰذا مالک کو

اختیار ہے جب چاہے فروخت کردے اگر چہ اس کے قبضہ میں نہیں ہے۔اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک معنیٰ یہ ہے کہ میرا مکان تیرے لئے ہبہ ہے کیونکہ یہ جملہ "دار لك" تملیک فی الحال کو بتاتا ہے اور رقبیٰ یعنی واہب کی موت کے انتظار کی شرط فاسد ہے، البتہ دونوں مسلکوں میں صحیح مسلک حضرات طرفین کا ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔ اور صاحب غایۃ البیان کے نزدیک اصح مذہب حضرت امام ابو یوسف کا ہے کیونکہ ہبہ شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا ہے۔ (عینی شرح کنز، ج ۳، ص ۴۰۰۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۱۴۔ ہدایہ وحاشیہ، ج ۳، ص ۲۷۶۔ فتح القدیر، ج ۷، ص ۵۱۵)

ومن وهب .... الاستثناء : مسئلہ (۴) اگر کسی نے باندی ہبہ کی اور اس کے حمل یعنی بچہ کا استثناء کیا تو باندی اور بچہ دونوں کا ہبہ صحیح ہو جائے گا۔اور استثناء باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ استثناء اسی محل میں عمل کرتا ہے جس میں عقد عمل کرتا ہو اور حمل میں عقد کا کوئی عمل نہیں۔ کیونکہ وہ جاریہ کا وصف اور تابع ہے جیسے جاریہ کا ہاتھ و پاؤں وغیرہ، لہٰذا استثناء شرط فاسد ہو گیا اور ہبہ شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۷۵)

والصدقة الخ : (۵) صدقہ مثل ہبہ کے ہے جب تک مصدق لہ صدقہ پر قبضہ نہ کرلے اس وقت تک صدقہ صحیح نہیں ہوتا ہے کیونکہ صدقہ بھی ہبہ کی طرح احسان اور تبرع ہے۔اور صدقہ ایسی مشترک چیزوں میں جائز نہیں ہے جس میں تقسیم کا امکان ہو۔ (الجوہرہ، ج ۲، ص ۱۵)

وَ اِذَا تَصَدَّقَ عَلیٰ فَقِیْرَیْنِ بِشَیْءٍ جَازَ وَ لَا یَصِحُّ الرُّجُوْعُ فِی الصَّدَقَةِ بَعْدَ الْقَبْضِ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِمَالِهٖ لَزِمَهٗ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِجِنْسِ مَا تَجِبُ فِیْهِ الزَّکوٰةُ وَ مَنْ نَذَرَ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِمِلْکِهٖ لَزِمَهٗ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِالْجَمِیْعِ وَ یُقَالُ لَهٗ اَمْسِكْ مِنْهُ مِقْدَارَ مَا تُنْفِقُهٗ عَلیٰ نَفْسِكَ وَ عِیَالِكَ اِلیٰ اَنْ تَکْتَسِبَ مَالاً فَاِذَا اکْتَسَبَ مَالاً قِیْلَ لَهٗ تَصَدَّقْ بِمِثْلِ مَا اَمْسَکْتَ لِنَفْسِكَ.

ترجمہ : اور اگر دو فقیروں پر کوئی چیز صدقہ کرے تو جائز ہے اور صدقہ میں قبضہ کے بعد رجوع کرنا درست نہیں ہے، اور جس شخص نے نذر کی اپنے مال میں صدقہ کرنے کی تو اس پر لازم ہے کہ اپنے اس قسم کے مال کا صدقہ کرے جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اور جس شخص نے اپنی ملک صدقہ کرنے کی نذر کی تو اس پر لازم ہے کہ تمام مال صدقہ کرے اور اس سے کہا جائے گا کہ اس مال سے اس مقدار میں روکو، جس کو تم اپنی ذات پر اور اپنے بال بچوں پر خرچ کرو گے یہاں تک کہ تم مال کما لو، اور جب وہ مال کمالے تو اس سے کہا جائے گا کہ جس قدر تو نے اپنی ذات کے لئے روکا تھا اس کے برابر صدقہ کر۔

خلاصہ : اگر کسی نے صدقہ وخیرات کا مال ایک فقیر کے بجائے دو فقیروں کو دیدیا تو صدقہ ادا ہو جائے گا اور جب مصدق لہ نے صدقہ پر قبضہ کرلیا تو اب مصدِق کے لئے اس کو واپس لینا جائز نہیں ہے۔اگر کسی نے اپنا مال صدقہ وخیرات کرنے کی نذر مان لی تو اس شخص کو چاہئے کہ مال کی اس جنس میں سے صدقہ کرے جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔اگر کسی نے اپنی پوری ملکیت کو صدقہ کرنے کی نذر مان لی تو اس شخص کو تمام مال صدقہ کرنا لازم آئے گا، البتہ ذلت ورسوائی سے بچنے کے لئے اس سے کہا جائے گا کہ سر دست سارا مال ادا نہ کرو بلکہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورت کے لئے کچھ روک لو اور اس سے

کاروبار کرو اور جب کچھ آمدنی ہو جائے تو پھر اس سے کہا جائے کہ جس قدر رقم روک لی تھی اسی قدر صدقہ ادا کر دے۔

کتاب الوقف

وقف کا بیان

لَا يَزُوْلُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنِ الْوَقْفِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يَّحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ اَوْ يُعَلِّقَهُ بِمَوْتِهِ فَيَقُوْلَ اِذَا مِتُّ فَقَدْ وَقَفْتُ دَارِىْ عَلٰى كَذَا وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَزُوْلُ الْمِلْكُ بِمُجَرَّدِ الْقَوْلِ و قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَزُوْلُ الْمِلْكُ حَتّٰى يَجْعَلَ لِلْوَقْفِ وَلِيًّا وَ يُسَلِّمَهُ اِلَيْهِ وَ اِذَا صَحَّ الْوَقْفُ عَلٰى اِخْتِلَافِهِمْ خَرَجَ مِنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ وَ لَمْ يَدْخُلْ فِىْ مِلْكِ الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ وَ وَقْفِ الْمُشَاعِ جَائِزٌ عِنْدَ اَبِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَجُوْزُ.

ترجمہ: واقف کی ملک امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وقف کرنے سے زائل نہیں ہوتی الا یہ کہ حاکم اس کے زائل ہونے کا حکم کر دے یا وہ خود اس کو اپنے مرنے پر معلق کر دے اور یہ کہے کہ جب میں مرجاؤں تو میں نے اپنا مکان فلاں شخص کو وقف کر دیا اور یہ حضرت امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ ملک محض کہنے سے زائل نہیں ہو جاتی ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ملک زائل نہیں ہوتی ہے یہاں تک کہ اس وقف کا کسی کو متولی بنادے اور ملک اس کے حوالہ کر دے۔ اور جب وقف ان تینوں کے اختلاف کے مطابق صحیح ہو جائے تو وقف واقف کی ملک سے نکل جائے گا اور موقوف علیہ کی ملک میں داخل نہیں ہوگا۔ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک مشترک چیز کا وقف کرنا جائز ہے، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔

تشریح: گذشتہ ابواب اور اس باب کے درمیان یہ مناسبت بیان کی جاتی ہے کہ ہبہ اور صدقے کی طرح وقف بھی تبرع اور احسان کے طور پر ہوتا ہے فرق اتنا ہے کہ ہبہ اور صدقہ میں شخص معین کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا ہے اور وقف میں غیر معین اشخاص کو مال کے منافع سے نفع پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ چونکہ کتاب الھبۃ اور کتاب الوقف میں قدر مشترک بندوں کو نفع پہنچانا ہوتا ہے اس لئے اس باہمی مناسبت کی وجہ سے دونوں کو قریب قریب بیان کیا گیا ہے۔

(حاشیہ قدوری، ص ۱۳۸۔ مصباح القدوری، جلد ۲ جزء ۶، ص ۱۱۰)

وقف: وقف (ض) سے مصدر ہے، وقف کرنا۔ جس روکنے کے معنیٰ میں ہے۔ یہ متعدی اور غیر متعدی دونوں ہوتا ہے۔

وقف کی اصطلاحی تعریف میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت امام صاحب کے نزدیک تعریف یہ ہے کہ واقف کسی چیز کو اپنی ملکیت میں روکے رکھے اور اس کے منافع خیرات کر دے۔ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک تعریف یہ ہے کہ کسی چیز کو اللہ کی ملکیت میں روکے اور اس کا نفع جس پر چاہے وقف کر دے۔ (الجوہرہ، ج ۲، ص ۱۷)

ولا یزول ملک .... الموقوف علیہ: اصل مضمون سے قبل چند بات ذہن نشین کرلیں، مبسوط کی روایت کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وقف جائز نہیں ہے، کیونکہ وقف میں منفعت معدوم ہوتی ہے اور شی

معدوم کا صدقہ جائز نہیں ہے مگر صحیح روایت یہ ہے کہ وقف ہر ایک کے نزدیک جائز ہے، البتہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غیر لازم ہے یعنی وقف کرنے والے کو وقف کے باطل کرنے کا اختیار ہے اصل بات اب ملاحظہ فرمائیں، چنانچہ اسی بنیاد پر واقف کی ملکیت وقف سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حاکم کے فیصلہ کے بغیر ختم نہیں ہوتی کیونکہ جن مسائل میں مجتہدین کا اختلاف ہے اس میں حاکم کے فیصلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح واقف کے وقف کو اپنی موت پر معلق کردینے سے واقف کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے، یعنی واقف یہ کہے کہ جب میں مرجاؤں تو میں نے اپنا مکان اتنے آدمیوں کے لئے وقف کردیا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف واقف کے وقف کرنے سے ہی اس کی ملکیت ختم ہوجائے گی۔ امام محمدؒ کے نزدیک واقف کی ملکیت اس وقت ختم ہوگی جب کہ اس کے لئے ایک متولی مقرر کرے اور وقف کردہ چیز اس کے حوالہ کردے۔ مشائخ کے نزدیک حضرات صاحبین کے قول کو ترجیح حاصل ہے، اور یہی مفتیٰ بہ ہے اور جب ائمہ ثلاثہ کے ذکر کردہ اقوال کے مطابق واقف کا وقف کرنا صحیح ہوگیا تو وقف کردہ چیز واقف کی ملکیت سے خارج ہوگئی البتہ موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی، اسی لئے اس کی فروختگی درست نہیں ہے، یہ امام صاحب کا مسلک ہے۔ حضرات صاحبین کے نزدیک وقف کردہ چیز اللہ کی ملکیت میں داخل ہوگئی۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدی موقوف علیہ اگر اہل ہے تو اس کی ملکیت پر وقف ہوگا اور ملکیت میں داخل ہوجائے گا۔ اور امام شافعیؒ کا دوسرا قول حضرات صاحبین کے مطابق ہے۔

(ہدایہ، ج ۲، ص ۶۳۷ - ۶۳۸۔ عینی شرح کنز، ج ۲، ص ۴۵۱)

و وقف المشاع الخ: مشاع یعنی غیر منقسم جائداد کی دو قسمیں ہیں ایک جو محتمل القسمۃ نہ ہو جیسے حمام، پن چکی وغیرہ، دوسرے جو محتمل القسمۃ ہوں جیسے زمین، مکان وغیرہ۔ قسم اول میں شئ مشاع کا وقف بالاتفاق جائز ہے البتہ مساجد اور مقابر کا وقف کرنا جائز نہیں، کیونکہ ان کا وقف عدم احتمالِ قسمت کے باوجود مکمل نہیں ہوتا۔ صاحب قدوری نے قسم دوم مشاع محتمل القسمۃ کو بیان کیا کہ محتمل القسمۃ میں شئ مشاع کا وقف حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ قسمت قبضہ کے مکمل ہونے سے ہوتی ہے اور قبضہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرط نہیں ہے۔ تو اس کا تتمہ بھی شرط نہیں ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مشاع کا وقف جائز نہیں ہے، کیونکہ آپ کے نزدیک قبضہ شرط ہے۔ مشائخ بخارا نے امام محمد کے قول کو اختیار فرمایا اور مشائخ بلخ نے امام ابو یوسف کے قول کو اختیار فرمایا۔ شرح وقایہ میں ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔

(ہدایہ، ج ۲، ص ۶۳۸۔ شرح وقایہ، ج ۲، ص ۳۵۳)

وَ لَا يَتِمُّ الْوَقْفُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ حَتّٰى يَجْعَلَ آخِرَهُ بِجِهَةٍ لَا تَنْقَطِعُ اَبَدًا وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا سَمّٰى فِيْهِ جِهَةً تَنْقَطِعُ جَازَ وَ صَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَ اِنْ لَّمْ يُسَمِّهِمْ وَيَصِحُّ وَقْفُ الْعِقَارِ وَ لَا يَجُوْزُ وَقْفُ مَا يُنْقَلُ وَ يُحَوَّلُ وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا وَقَفَ ضَيْعَةً بِبَقَرِهَا وَ اَكَرَتِهَا وَهُمْ عَبِيْدُهُ جَازَ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجُوْزُ حَبْسُ الْكُرَاعِ وَ السِّلَاحِ.

ترجمہ : اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک وقف پورا نہیں ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کا آخر (انجام کار) اس طرح بنادے کہ وہ کبھی منقطع نہ ہو اور حضرت امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ اگر واقف نے وقف میں ایسی جہت کا نام لیا جو منقطع ہوجاتی ہو تب بھی وہ وقف درست ہے اور وہ اس جہت کے بعد فقراء کے لئے ہوجائے گا۔ اگرچہ انھوں نے اسکا نام نہ لیا ہو اور زمین کا وقف صحیح ہے۔ اور ایسی چیزوں کا وقف کرنا جائز نہیں ہے جو منقول ہوتی ہوں اور بدلتی ہوں۔ اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ اگر کسی نے ایک زمین بیلوں اور اس کے کمیروں کے ساتھ وقف کردی اور وہ کمیرے اس کے غلام تھے تو جائز ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ گھوڑا اور ہتھیار وغیرہ کا روکنا جائز ہے۔

حل لغات : آخر: انجام کار۔ عقار: زمین۔ ضیعة: زمین۔ اکرۃ: کاشت کار، اکار کی جمع ہے۔ عبید: عبد کی جمع ہے، غلام، نوکر چاکر۔ الکراع: گھوڑا۔ سلاح: ہتھیار۔

تشریح : ولایتم الوقف .... وان لم یسمھم : واقف کا وقف کرنا کب مکمل ہوگا اس کے متعلق حضرات طرفین اور امام ابویوسف کے درمیان اختلاف ہے۔ اس عبارت میں اسی اختلاف کو بیان کیا گیا ہے۔

حضرات طرفین فرماتے ہیں کہ وقف کے مکمل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ واقف وقف کی صورت اس طرح بنادے کہ وقف دائمی اور غیر منقطع ہو یعنی ان حضرات کے نزدیک وقف کا مؤبد ہونا ضروری ہے، مثلاً اگر چند ایسے مخصوص لوگوں پر وقف کیا جن کا آئندہ باقی رہنا ممکن ہو تو یہ کہہ دے کہ ان حضرات کے بعد اس وقف کا نفع فقراء و مساکین اور علماء کو پہنچے۔ حضرت امام ابویوسف کے نزدیک اگر ایک جہت مقرر کردی گئی جو ختم ہونے والی ہے تو وقف مکمل ہوجائے گا اور اس جہت یعنی ایسے لوگوں کے ختم ہونے کے بعد وہ وقف فقراء و مساکین کے لئے ہوجائے گا۔ یعنی اصل وقف دائمی رہے گا اور واقف کی طرف سے دوسرے اور تیسرے موقوف علیہ کا تعین وتقرر ضروری نہیں ہے کیونکہ وقف کا مقصد تقرب الی اللہ حاصل کرنا ہے، اور وہ اس صورت سے حاصل ہوجائے گا۔

واضح رہے کہ امام ابویوسف سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ تابیدِ وقف ضروری ہے، ذکر دوام شرط نہیں ہے۔ صاحب قدوری نے اسی کو بیان کیا ہے اور یہی روایت صحیح ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ تابید اور دوام دونوں شرط نہیں ہیں۔

(ہدایہ، ج ۲، ص ۶۳۹)

ویصح وقف العقار الخ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ تنہا زمین کا وقف کرنا بالاتفاق جائز ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے البتہ اشیاء منقولہ ومحولہ کا وقف کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے زمین کو بیلوں اور کاشت کاروں سمیت وقف کردیا اور وہ کاشت کار اس کے غلام تھے تو جائز ہے کیونکہ یہ سب چیزیں مقصود یعنی غلہ کے لحاظ سے زمین کے تابع ہیں اور امام محمدؒ وقف المنقول کے تبعاً جواز کے بارے میں امام ابویوسف کے ساتھ ہیں۔

امام محمدؒ کے نزدیک گھوڑا اونٹ وغیرہ اور ہتھیار کا فی سبیل اللہ وقف کرنا جائز ہے، امام ابویوسفؒ امام محمدؒ کے ساتھ ہیں جیسا کہ مشائخ کہتے ہیں۔ (ہدایہ، ج ۲، ص ۶۴۰-۶۳۹)

وَ اِذَا صَحَّ الْوَقْفُ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهٗ وَ لَا تَمْلِيْكُهٗ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مُشَاعًا عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَيَطْلُبُ الشَّرِيْكُ الْقِسْمَةَ فَتَصِحُّ مُقَاسَمَتُهٗ وَ الْوَاجِبُ اَنْ يَّبْتَدِئَ مِنْ اِرْتِفَاعِ الْوَقْفِ بِعِمَارَتِهٖ شَرَطَ ذٰلِكَ الْوَاقِفُ اَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ وَ اِذَا وَقَفَ دَارًا عَلٰى سُكْنٰى وَلَدِهٖ فَالْعِمَارَةُ عَلٰى مَنْ لَهُ السُّكْنٰى فَاِنْ اِمْتَنَعَ مِنْ ذٰلِكَ اَوْ كَانَ فَقِيْرًا آجَرَهَا الْحَاكِمُ وَ عَمَّرَهَا بِاُجْرَتِهَا فَاِذَا عُمِّرَتْ رَدَّهَا اِلٰى مَنْ لَهُ السُّكْنٰى وَ مَا انْهَدَمَ مِنْ بِنَاءِ الْوَقْفِ وَ آلَتِهٖ صَرَفَهُ الْحَاكِمُ فِيْ عِمَارَةِ الْوَقْفِ اِنِ احْتَاجَ اِلَيْهِ وَ اِنِ اسْتَغْنٰى عَنْهُ اَمْسَكَهٗ حَتّٰى يَحْتَاجَ اِلٰى عِمَارَتِهٖ فَيَصْرِفُهٗ فِيْهَا وَ لَا يَجُوْزُ اَنْ يُّقَسِّمَهٗ بَيْنَ مُسْتَحِقِّي الْوَقْفِ.

ترجمہ : اور جب وقف صحیح ہو جائے تو اس کا بیچنا اور (کسی کو) اس کا مالک بنانا جائز نہیں ہے ہاں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر وہ مشترک ہو اور شریک تقسیم کرانا چاہے تو اس کا تقسیم کرنا درست ہے۔ اور (وقف میں) واجب یہ ہے کہ وقف کی آمدنی کو سب سے پہلے اس کی مرمت پر صرف کرے، وقف کرنے والے نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو، اگر کسی نے کوئی گھر اپنی اولاد کی رہائش کے لئے وقف کیا تو اس کی مرمت اس شخص کے ذمہ ہے جس کے لئے رہائش ہے، اور اگر وہ اس سے باز رہے یعنی مرمت نہ کرائے یا وہ فقیر ہو تو حاکم اسے کرایہ پر دیدے اور اس کے کرایہ سے اس کی مرمت کرائے اور جب اس کی مرمت ہو جائے تو وہ مکان اس شخص کو دیدے جس کے لئے رہائش (وقف) ہے اور وقف کے مکان کی جو دیوار وغیرہ گر جائے تو حاکم اس وقف کی مرمت میں صرف کرے اگر اس کی ضرورت ہو۔ اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو اس کو روک لے یہاں تک کہ جب اس کی مرمت کی ضرورت ہو تو اس کو اسی میں صرف کردے۔ اور یہ جائز نہیں کہ اس کو وقف کے مستحقین کے درمیان تقسیم کردے۔

حل لغات : ارتفاع: آمدنی۔ **عمارت**: یہ مرمت کے معنیٰ میں ہے۔ **سکنیٰ**: رہائش۔ **آجر**: اجرت پر دینا۔ **عمّرَ**: مصدر تعمیر، مرمت کرانا۔ **انهدم انهداما**: گرنا۔ **استغنیٰ عنه**: بے نیاز ہونا، کسی چیز کا ضرورت مند نہ ہونا۔

تشریح : اس عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں۔

واذا صحّ .... **مقاسمته** : مسئلہ (۱) جب وقف مکمل ہو گیا تو اس کا فروخت کرنا، کسی کو اس کا مالک بنانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر وہ شی مشترک ہے تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شریک کی طلب پر اس کی تقسیم جائز ہے۔

صاحبِ قدوری کا امام ابو یوسفؒ کی تخصیص کرنا صرف اس وجہ سے ہے کہ ان کے نزدیک مشترک چیز کو وقف کرنا جائز ہے۔ اور طرفینؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ (الجوہرہ، ج ۲، ص ۱۹)

والواجب .... **لم يشترط** : مسئلہ (۲) وقف سے جو آمدنی ہو اس کو پہلے وقف کردہ چیز کی مرمت پر خرچ کیا جائے خواہ واقف نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو، کیونکہ وقف کرنے سے واقف کا مقصد اس کو باقی رکھنا ہے، اور اس کی مرمت پر توجہ کئے بغیر وہ چیز باقی نہیں رہے گی۔ (ہدایہ، ج ۲، ص ۶۴۱)

واذا وقف .... من له السکنی : مسئلہ (۳) اگر کسی نے کوئی مکان اپنی اولاد کی رہائش کے لئے وقف کیا تو اس کی مرمت اس شخص کے ذمہ ہے جس کے لئے رہائش ہے اب اگر یہ شخص اس کی مرمت سے گریز کرتا ہے یا وہ فقیر ہے تو حاکم کو چاہیے کہ اس کو کرایہ پر دے اور جو کرایہ حاصل ہو اس رقم سے اس کی مرمت کرا دے، اور مرمت کرانے کے بعد جس کے لئے رہائش وقف ہے اس کے حوالہ کر دے۔

و ما انهدم .... فیصرفه فیها: مسئلہ (۴) وقف کی عمارت کے منہدم ہونے سے جو ملبہ حاصل ہو اور اس کی ضرورت ہو تو اس کو وقف کے مکان کی مرمت میں استعمال کرے، مگر بصورت دیگر اس کو روکے بوقت ضرورت اس کو اس مکان کی مرمت میں لگا دے۔

و لا یجوز الخ : مسئلہ (۵) جو مکان وقف علی الاولاد ہے اور مکان کے منہدم ہونے کی وجہ سے جو ملبہ موجود ہے ان کو موقوف علیہ اشخاص یعنی وقف کے مستحقین کے درمیان تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو وقت ضرورت کے لئے محفوظ رکھا جائے جبکہ بجنسہ کام آسکے لیکن اگر یہ ملبہ اس قسم کا نہیں ہے تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت محفوظ کر لی جائے۔

(عینی شرح کنز، ج ۲ ص ۴۶۴)

وَ اِذَا جَعَلَ الْوَاقِفُ غَلَّةَ الْوَقْفِ لِنَفْسِهٖ اَوْ جَعَلَ الْوِلَایَةَ اِلَیْهِ جَازَ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ لَا یَجُوْزُ وَ اِذَا بَنیٰ مَسْجِدًا لَمْ یَزَلْ مِلْكُهٗ عَنْهُ حَتّٰی یُفْرِزَهٗ عَنْ مِلْكِهٖ بِطَرِیْقِهٖ وَ یَاْذَنَ النَّاسَ بِالصَّلٰوۃِ فِیْهِ فَاِذَا صَلّٰی فِیْهِ وَاحِدٌ زَالَ مِلْكُهٗ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یَزُوْلُ مِلْكُهٗ عَنْهُ بِقَوْلِهٖ جَعَلْتُهٗ مَسْجِدًا اَوْ مَنْ بَنیٰ سِقَایَةً لِّلْمُسْلِمِیْنَ اَوْ خَانًا یَسْكُنُهٗ بَنُوْ السَّبِیْلِ اَوْ رِبَاطًا اَوْ جَعَلَ اَرْضَهٗ مَقْبَرَةً لَمْ یَزَلْ مِلْكُهٗ عِنْ ذٰلِكَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ حَتّٰی یَحْكُمَ بِهٖ حَاكِمٌ وَ قَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یَزُوْلُ مِلْكُهٗ بِالْقَوْلِ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا اسْتَقیٰ النَّاسُ مِنَ السِّقَایَةِ وَ سَكَنُوْا الْخَانَ وَ الرِّبَاطَ وَ دَفَنُوْا فِی الْمَقْبَرَةِ زَالَ الْمِلْكُ.

ترجمہ : اور اگر واقف وقف (کی زمین) کے غلہ کو اپنے لئے (وقف) کر لے یا اس کی تولیت اپنے لئے ٹھہرا لے تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ (دونوں صورتیں) جائز نہیں ہیں۔ اور اگر کسی نے کوئی مسجد بنائی تو اس کی ملکیت زائل نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ خود اس کو اپنی ملکیت سے اس کے راستہ کے ساتھ الگ کر دے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدے اب اگر کسی نے اس میں نماز پڑھ لی تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔ اور حضرت امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس کی ملکیت اس مسجد سے زائل ہو جائے گی اس کے یہ کہنے سے کہ "میں نے اس کو مسجد بنا دیا" اور جس شخص نے مسلمانوں کے لئے پانی بھرنے کی جگہ یا سرائے بنوائی تا کہ وہاں مسافر ٹھیریں یا مسافر خانہ بنوایا یا اپنی زمین کو قبرستان بنا دیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کی ملکی اس سے زائل نہیں ہوگی یہاں تک کہ حاکم اس کے (وقف ہونے کا) حکم کر دے، اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس کی ملکیت

صرف کہنے سے زائل ہو جائے گی۔ اور حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ جب لوگوں نے سقایہ سے پانی پی لیا اور لوگ سرائے اور مسافر خانہ میں ٹھیرنے لگے اور قبرستان میں دفن کرنے لگے تو اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔

تشریح : اس پوری عبارت میں تین مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

واذا جعل الواقف .... لایجوز : مسئلہ (١) اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں :

١- واقف کا وقف کی آمدنی کو اپنی ذات کے لئے شرط قرار دینا۔

٢- واقف کا خود کو متولی بنانا۔

اگر واقف نے وقف کی بعض یا کل آمدنی اپنی زندگی کے لئے وقف کرتے وقت اپنے لئے شرط کرلی اور مرنے کے بعد دوسروں پر خرچ کرنے کے لئے متعین کردی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک وقف کی شرط میں سے قبضہ کرنا ہے اور جب واقف نے اپنی ذات کے لئے شرط قرار دیا تو موقوف علیہ کا قبضہ نہیں پایا گیا۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ہلال رازی جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں وہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صدقہ موقوفہ سے کھاتے تھے۔ اور یہ کھانا بلا شرط نکالنا ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا اپنے لئے آمدنی کی شرط لگانا جائز ہے۔ یہ مسئلہ کی پہلی صورت ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بالاتفاق جائز ہے البتہ امام محمدؒ کے نزدیک غیر کے سپرد کرنا صحت وقف کے لئے شرط ہے لہٰذا پہلے دوسرے کے سپرد کرے اور اس کے بعد وہ اس پر متولی ہو جائے۔ (الجوہرہ، ج ٢، ص ٢٠۔ ہدایہ، ج ٢، ص ٦٤٣-٦٤٢۔ عینی شرح کنز، ج ٢، ص ٤٦٥)

واذا بنی مسجداً .... جعلته مسجدًا : مسئلہ (٢) اگر کسی نے مسجد تعمیر کرائی تو یہ مسجد اس شخص کی ملکیت اس وقت تک رہے گی جب تک کہ وہ راستہ کے ساتھ ساتھ اپنی ملک سے جدا نہ کردے اور اس مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہ دیدے۔ ملکیت سے جدائیگی اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر مسجد خالص خدا کے لئے نہیں ہوگی۔ اور نماز کی اجازت اس لئے ضروری ہے کہ حضرات طرفین کے نزدیک وقف میں تسلیم یعنی موقوفہ پر قبضہ کرانا ضروری ہے۔ اور ہر چیز میں قبضہ اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے۔ اور مسجد میں قبضہ نماز پڑھنا ہے اور یہی وقف کا مقصود ہے اور اسی کو حقیقی قبضہ کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے کیونکہ یہاں حقیقی قبضہ متعذر ہے۔ اب اگر اجازت کے بعد ایک شخص نے نماز پڑھ لی تو ملکیت کے ختم ہونے کے لئے کافی ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ زوال ملک کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے اس کو مسجد بنا دیا، کیونکہ ان کے یہاں تسلیم کی شرط نہیں ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک لفظ وقف کہنا ضروری ہے۔ (ہدایہ، ج ٢، ص ٦٤٤۔ عینی، ج ٢، ص ٤٦٧)

عبد العلی غفرلہ

١٤٢١/٣/٢٤ھ

کتاب الغصب

غصب کا بیان

مناسبت : گذشتہ کتاب اور اس کتاب میں مناسبت مقابلہ کی ہے کیونکہ غاصب کے لئے مغصوب سے حالتِ غصب میں نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔ اور موقوف علیہ کے لئے موقوف سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ یہ اول کی ضد ہے۔ لغت میں غصب کہتے ہیں کہ کسی غیر کی چیز کو زبردستی لے لینا خواہ مال ہو یا غیر مال۔ اصطلاح شرع میں تعریف یہ ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس کے قیمتی محترم مال پر اس طرح قبضہ کرنا کہ مالک کا قبضہ ختم ہو جائے۔ کسی کے غلام کو اس کی اجازت کے بغیر اپنی خدمت میں لگانا یا اس کے جانور پر لادنا غصب میں داخل ہے۔ اور کسی کے بستر پر بیٹھنا غصب نہیں ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اگر جان بوجھ کر غصب کیا ہے تو غاصب گنہگار ہوگا اور اس کا ضامن ہوگا۔ اور اگر اس نے غصب کیا اور مالک کے علم میں نہیں ہے تو یہ غاصب ضامن ہوگا۔ (حاشیہ قدوری، ص ۱۴۰۔ ہدایہ، ج ۳، ص ۳۵۶)

وَمَنْ غَصَبَ شَيْئًا مِمَّا لَهُ مِثْلٌ فَهَلَكَ فِيْ يَدِهٖ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ مِثْلِهٖ وَ اِذَا كَانَ مِمَّا لَا مِثْلَ لَهُ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهُ وَ عَلَى الْغَاصِبِ رَدُّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوْبَةِ فَاِنْ ادَّعٰى هَلَاكَهَا حَبَسَهُ الحَاكِمُ حَتّٰى يَعْلَمَ اَنَّهَا لَوْ كَانَتْ بَاقِيَةً لَاَظْهَرَهَا ثُمَّ قَضٰى عَلَيْهِ بِبَدَلِهَا وَ الْغَصَبُ فِيْمَا يُنْقَلُ وَ يُحَوَّلُ وَ اِذَا غَصَبَ عَقَارًا فَهَلَكَ فِيْ يَدِهٖ لَمْ يَضْمَنْهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَضْمَنُهُ وَ مَا نَقَصَ مِنْهُ بِفِعْلِهٖ وَ سُكْنَاهُ ضَمِنَهُ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا.

ترجمہ : اور جس شخص نے کوئی مثلی چیز غصب کی اور وہ اس کے قبضہ میں رہ کر ہلاک ہوگئی تو اس پر اس کے مثل کا تاوان لازم ہوگا، اور اگر وہ چیز مثلی نہیں ہے تو اس کے ذمہ اس کی قیمت واجب ہوگی۔ اور غاصب کے ذمہ اصل مغصوب کا لوٹانا واجب ہے، اور اگر اس نے اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کیا تو حاکم اس کو قید کرے یہاں تک کہ یقین ہو جائے کہ اگر وہ چیز باقی ہوتی تو یہ شخص اس کو ظاہر کر دیتا اس کے بعد حاکم اس کے عوض کا فیصلہ کر دے۔ اور غصب ان چیزوں میں ہوتا ہے جو منتقل کی جا سکتی ہیں۔ اگر کسی نے زمین غصب کی اور وہ اس کے قبضہ میں رہ کر تلف ہوگئی تو وہ شخص امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ضامن ہوگا اور زمین میں اس کے عمل اور اس کی رہائش سے جو کمی آ جائے تو بالاتفاق اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح : ومن غصب .... ببدلہا : صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کی کوئی چیز غصب کر لی اور وہ چیز مثلی ہو یعنی کیلی، موزونی اور وہ اشیاء جو کہ عددی ہوں اور باہم متفاوت نہ ہوں اور وہ اس کے قبضہ میں رہ کر ہلاک بھی ہوگئی ہو تو غاصب کے ذمہ مثل مغصوب کا تاوان دینا واجب ہوگا، اور اگر شئ مغصوب غیر مثلی ہو یعنی اس کا مثل منقطع ہوگیا اور بازار میں دستیاب نہ ہو تو غاصب کے ذمہ اس کی قیمت واپس کرنی لازم ہوگی۔ اور اگر غاصب کے پاس اصل

مغصوب باقی ہوتو اس کا واپس کرنا لازم ہوگا۔صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جس جگہ غصب کیا ہے اسی جگہ واپس کرے۔
قیمت کے سلسلے میں یہ واضح رہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حاکم کے فیصلہ کے دن اس چیز کی جو قیمت ہوگی اس کا اعتبار ہے۔امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جس دن غصب کیا ہے اس دن کی قیمت کا اعتبار ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک جس دن اس کا مثل منقطع ہوا ہے اس دن کی قیمت کا اعتبار ہے۔امام محمدؒ کا قول مفتیٰ بہ ہے۔ (الطحاوی)

فان ادعیٰ: اگر مالک قیمت نہ لے کر اصل شے کا مطالبہ کرے اور غاصب ہلاکت کا دعویٰ کردے تو حاکم کا فرض ہے کہ اس غاصب کو قید کردے اب یا تو غاصب ظاہر کردے یا اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کردے،اب اگر اس کے پاس چیز موجود ہوتی تو اس کو ظاہر کر دیتا اور قید کرنے کے باوجود ظاہر نہ ہوا تو اب قاضی کو چاہئے کہ اس کے عوض پر فیصلہ کردے۔

والغصب الخ : صورت مسئلہ یہ ہے کہ غصب کا حکم اشیاء منقولہ پر لگتا ہے چنانچہ اگر کسی نے کوئی زمین غصب کرلی اور وہ کسی آفت ساوی سے ہلاک ہوگئی تو حضرات شیخین کے نزدیک غاصب پر تاوان لازم نہیں آئے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک تاوان لازم آئے گا،کیونکہ آپ کے یہاں اشیاء غیر منقولہ پر بھی غصب کا حکم لگتا ہے۔امام زفرؒ، ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول یہی ہے البتہ اگر غاصب کے عمل سے یا اس کے رہائش سے اس زمین میں کوئی نقص پیدا ہوجائے تو احناف کے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تاوان واجب ہوگا۔

وَاِذَا هَلَكَ الْمَغْصُوْبُ فِيْ يَدِ الْغَاصِبِ بِفِعْلِهٖ اَوْ بِغَيْرِ فِعْلِهٖ فَعَلَيْهِ ضَمَانُهٗ وَ اِنْ نَقَصَ فِيْ يَدِهٖ فَعَلَيْهِ ضِمَانُ النُّقْصَانِ وَمَنْ ذَبَحَ شَاةَ غَيْرِهٖ فَمَالِكُهَا بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَهٗ قِيْمَتَهَا وَ سَلَّمَهَا اِلَيْهِ وَ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَهٗ نُقْصَانَهَا وَمِنْ خَرَقَ ثَوْبَ غَيْرِهٖ خَرْقًا يَسِيْرًا ضَمِنَ نُقْصَانَهٗ وَ اِنْ خَرَقَ خَرْقًا كَثِيْرًا يُبْطِلُ عَامَّةَ مُنَافِعِهٖ فَمَالِكُهٗ اَنْ يُضَمِّنَهٗ جَمِيْعَ قِيْمَتِهٖ۔

ترجمه : اور اگر شئ مغصوب غاصب کے پاس اس کے عمل سے یا بغیر اس کے عمل کے ہلاک ہوجائے تو اس غاصب پر اس کا تاوان لازم ہوگا۔اور اگر اس کے پاس رہ کر اس میں نقصان آگیا تو اس پر نقصان کا تاوان لازم ہوگا اور جس شخص نے کسی دوسرے کی بکری (اس کی اجازت کے بغیر) ذبح کردی تو بکری کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس بکری کی قیمت کا تاوان لے لے اور بکری غاصب کو دیدے اور اگر چاہے تو اس غاصب سے (بکری لے لے اور) نقصان کا تاوان (بھی) لے لے۔اور جس شخص نے غیر کے کپڑے کو تھوڑا سا پھاڑ دیا تو یہ شخص اس کے کپڑے کے نقصان کا ضامن ہوگا اور اگر اتنا زیادہ پھاڑ دیا کہ اس کے عام منافع کو باطل کردیا ہو تو اس کے مالک کو حق ہے کہ اس سے کپڑے کی پوری قیمت کا تاوان لے لے۔

تشریح : صاحب قدوری کی یہ عبارت تین مسئلوں پر مشتمل ہے۔

واذا هلك المغصوب .... ضمان النقصان : مسئلہ (۱) اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں غاصب کے قبضہ میں جو شئ مغصوب ہے یا تو اس کے عمل یا بغیر اس کے عمل کے ہلاک ہوگئی یا اس میں نقص پیدا ہوگیا اگر پہلی صورت ہے تو غاصب کے ذمہ شئ مغصوب کا تاوان لازم ہوگا۔اور اگر دوسری صورت ہے تو اس پر نقصان کا تاوان لازم آئے گا۔

نقصان دریافت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ مال مغصوب نقصان سے پہلے کتنے میں فروخت ہورہا تھا اورنقصان کے بعد کتنے میں فروخت ہورہا ہے اب اس کے درمیان جوفرق ہووہی نقصان ہے۔ (حاشیہ ہدایہ، ج۳، ص۲۵۸)

ومن ذبح شاة .... نقصانها : مسئلہ(۲) اگرکسی غاصب نے ماکول اللحم جانور مثلاً بکری وغیرہ غصب کی اوراس کوذبح کردیا تواس صورت مین بکری کے مالک کواختیار ہے چاہےتو بکری کا تاوان لے کربکری غاصب کے حوالہ کردےاور چاہےتو غاصب سےنقصان کے بقدرتاوان وصول لےاوربکری اپنے پاس رکھے۔

ومن خرق الخ : اگرکسی نے غیرکے کپڑے کوپھاڑ دیاتواس کی دوصورتیں ہیں :

۱- یاتو بہت معمولی پھاڑا ہوگا۔ ۲- یازیادہ پھاڑا ہوگا کہ کام میں نہیں آسکتا۔ پہلی صورت میں کپڑا مالک کا ہوگا اورجس نے اسے پھاڑاہے وہ نقصان کا تاوان دے۔اوردوسری صورت میں کپڑے کے مالک کواختیار ہے چاہےتو اس شخص سے کپڑے کی قیمت کا تاوان وصول لے۔

وَ اِذَا تَغَيَّرَتِ الْعَيْنُ الْمَغْصُوْبَةُ بِفِعْلِ الْغَاصِبِ حَتّٰى زَالَ اِسْمُهَا وَ اَعْظَمُ مَنَافِعِهَا زَالَ مِلْكُ الْمَغْصُوْبِ مِنْه عَنْهَا وَ مَلَكَهَا الْغَاصِبُ وَ ضَمِنَهَا وَ لَا يَحِلُّ لَهُ الْاِنْتِفَاعُ بِهَا حَتّٰى يُؤَدِّيَ بَدَلَهَا وَ هٰذَا كَمَنْ غَصَبَ شَاةً فَذَبَحَهَا وَ شَوَاهَا اَوْ طَبَخَهَا اَوْ غَصَبَ حِنْطَةً فَطَحَنَهَا اَوْ حَدِيْدًا فَاتَّخَذَهُ سَيْفًا اَوْ صُفْرًا فَعَمِلَهُ آنِيَةً وَاِنْ غَصَبَ فِضَّةً اَوْ ذَهَبًا فَضَرَبَهَا دَرَاهِمَ اَوْ دَنَانِيْرَ اَوْ آنِيَةً لَمْ يَزَلْ مِلْكُ مَالِكِهَا عَنْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

ترجمہ : اوراگرغاصب کے فعل سے عین مغصوبہ اتنا متغیر ہوجائے کہ اس کا نام اوراس کا اعلیٰ درجہ کا فائدہ ختم ہوجائے تومغصوب منہ کی ملکیت ختم ہوجائے گی۔اورغاصب اس کا مالک ہوجائے گا۔اوراس کا تاوان دے گا اورغاصب کے لئے اس سے انتفاع جائزنہیں ہوگا یہاں تک کہ غاصب اس کا بدلہ ادا کردے اوراس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے بکری غصب کرلی اوراس کوذبح کردیا اوراسکوبھون ڈالا (کباب بنادیا) یااس کوپکادیا یا گیہوں غصب کیا اوراسکوپیس دیا یا لوہا غصب کیا اوراس کی تلوار بنالی یا پیتل غصب کیا اوراس کا برتن بنادیا اوراگرچاندی یا سونا غصب کیا اوراس کوڈھال کردراہم یا اشرفیاں یابرتن بنائے توامام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے مالک کی ملکیت اس سے زائل نہیں ہوگی۔

تشریح : اس عبارت میں دومسئلے ہیں :

واذا تغيرت .... فعمله آنية : مسئلہ(۱) غاصب نے کوئی چیزغصب کی اوراس میں اس قدرتبدیلی پیدا کردی کہ اس کا نام باقی نہیں رہا اوراس کے اکثر منافع ختم ہوگئے مثلاً بکری کوغصب کیا اوراس کوذبح کرکے بھون دیا یا اس کو پکادیا (سالم بکری سے دودھ اورنسل کے منافع تھے اب وہ ختم ہوگئے) یا گیہوں کوغصب کیا اوراس کوپیس دیا (اب اس کا نام تبدیل ہوگیا) یالوہا تھا اس کوتلوار بنادیا (اب اس کا نام تبدیل ہوگیا) یا پیتل تھا اس کا برتن بنالیا۔اب اس صورت میں مالک کی ملکیت ختم ہوگئی اورغاصب اس کا مالک ہوگیا اورغاصب کے لئے ادائیگی ضمان سے قبل اس سے نفع اٹھانا جائزنہیں ہے۔

یہ مسلک امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور ایک روایت میں امام ابو یوسف کے نزدیک مالک کا حق ملکیت ختم نہیں ہوا مغصوب بعینہ باقی ہے اور صفت کا پیدا ہونا اصل کے تابع ہے۔ امام زفر اور امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت کے مطابق حسن بن زیاد کے نزدیک غاصب کے لئے ادائیگی ضمان سے قبل انتفاع جائز ہے۔ (عینی شرح کنز، ج ۳، ص ۴۹۶)

وان غصب فضة الخ: مسئلہ (۲) اس مسئلہ کی نوعیت واضح ہے۔ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک صنعتی تبدیلی کے باوجود مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوگی کیونکہ اصل شی باقی ہے۔ حضرات صاحبین کے نزدیک غاصب مالک ہوگا اور مالک کی ملکیت ختم ہوجائے گی۔ اور غاصب پر اتنی ہی چاندی لازم آئے گی جو اس نے غصب کی تھی اور اگر اس نے چاندی یا سونے کو صرف پگھلایا ٹھپہ نہیں لگایا تو بالاجماع مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔
(الجوہرہ، ج ۲، ص ۲۵)

وَمَنْ غَصَبَ سَاجَةً فَبَنٰى عَلَيْهَا زَالَ مِلْكُ مَالِكِهَا وَ لَزِمَ الْغَاصِبَ قِيْمَتُهَا وَمَنْ غَصَبَ اَرْضًا فَغَرَسَ فِيْهَا اَوْ بَنٰى قِيْلَ لَهُ اِقْلَعِ الْغَرْسَ وَ الْبِنَاءَ وَ رُدَّهَا اِلٰى مَالِكِهَا فَارِغَةً فَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ تَنْقُصُ بِقَلْعِ ذٰلِكَ فَلِلْمَالِكِ اَنْ يُضَمِّنَ لَهُ قِيْمَةَ الْبِنَاءِ وَ الْغَرْسِ مَقْلُوْعًا وَمَنْ غَصَبَ ثَوْبًا فَصَبَغَهُ اَحْمَرَ اَوْ سَوِيْقًا فَلَتَّهُ بِسَمَنٍ فَصَاحِبُهُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيْمَةَ ثَوْبٍ اَبْيَضَ وَ مِثْلَ السَّوِيْقِ وَ سَلَّمَهُ لِلْغَاصِبِ وَ اِنْ شَاءَ اَخَذَهُمَا وَ ضَمِنَ مَا زَادَ الصَّبْغُ و السَّمْنُ فِيْهِمَا.

ترجمہ: اور جس شخص نے ساکھو غصب کر لی اور اس پر عمارت بنالی تو اس سے اس کے مالک کی ملکیت زائل ہوجائے گی اور غاصب پر اس کی قیمت لازم ہوگی۔ اور جس شخص نے زمین غصب کی اور اس میں پودا لگا دیا یا مکان بنالیا تو اس سے کہا جائے گا کہ اس درخت اور اس مکان کو اکھاڑ اور اس کے مالک کے حوالہ کر اور اگر اس کے اکھاڑنے سے زمین میں نقصان آتا ہے تو مالک کے لئے جائز ہے کہ ان درختوں اور دیواروں کے اکھڑے ہوؤں کی قیمت غاصب کو دیدے اور جس شخص نے ایک کپڑا غصب کیا اور اس کو سرخ رنگ میں رنگ دیا یا ستو غصب کیا اور اس کو گھی میں ملا دیا تو اس کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس غاصب سے سفید کپڑے کی قیمت اور ویسا ہی ستو لے لے اور وہ (کپڑا اور ستو) غاصب کے سپرد کردے اور چاہے تو ان دونوں کو لے لے اور جو رنگ اور گھی ان دونوں میں زیادہ ہوا ہے اس کا تاوان (معاوضہ) دیدے۔

حل لغات: **ساجة:** ساکھو کی لکڑی کا لٹھا، شہتیر۔ **غرس** (ض) **غرساً:** پودہ لگانا۔ **اقلع:** امر حاضر، **قلع** (ف) **قلعًا**، اکھیڑنا۔ **مقلوعاً**، اکھیڑا ہوا۔ **البناء:** عمارت، مکان۔ **صبغه، صبغ** (ن، ض، ف) **صَبغاً:** رنگنا۔ **احمر:** سرخ۔ **سويق:** ستو۔ **لته، لَتَّ السّويق** (ن) **لتًّا:** ستو کو پانی سے تر کرنا گھی ملانا۔ **سمن:** گھی۔

تشریح: اس عبارت میں تین مسئلے مذکور ہیں۔

ومن غصب ساجة .... الغاصب قيمتها: مسئلہ (۱) اگر کسی نے ساکھو غصب کی اور اس کے اوپر عمارت بنالی تو اس صورت میں اس کے مالک کی ملکیت ختم ہوجائے گی۔ (ذخیرہ میں ہے کہ یہ اس وقت ہے جب کہ عمارت

کی قیمت زائد ہو اور اگر ساذج کی قیمت زائد ہو تو مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوگی) اور غاصب پر اس کی قیمت کی ادائیگی لازم ہوگی۔ اور عمارت خواہ ساکھو پر بنائی گئی ہو یا اس کے اردگرد کسی بھی صورت میں عمارت منہدم نہیں کی جائے گی۔ یہ مسئلہ احناف کے نزدیک ہے۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک غاصب کو چاہئے کہ عمارت کو توڑ کر لکڑی مالک کے حوالہ کر دے۔

(عینی شرح کنز، ج ۳، ص ۴۹۵۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۲۵)

ومن غصب ارضا.......... والغرس مقلوعا : مسئلہ (۲) اگر کسی نے کی زمین غصب کر لی اور اس میں پودا لگا دیا یا مکان تعمیر کر لیا تو ایسی صورت میں غاصب سے کہا جائے گا کہ درخت اکھاڑ کر اور عمارت منہدم کر کے خالی زمین مالک کے حوالہ کر و اب اگر اس سے زمین کو نقصان پہنچتا ہے تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ غاصب کو عمارت اور اکھڑے ہوئے درخت کی قیمت دیدے۔ اور اکھڑی ہوئی چیز مالک کی ہوگی۔

و من غصب ثوبا الخ : مسئلہ (۳) اگر کسی نے کپڑا غصب کیا اور اس کو سرخ رنگ میں رنگ دیا یا ستو تھا اس کو گھی میں ملا دیا تو ایسی صورت میں مالک کو اختیار ہے چاہے تو غاصب کو سفید کپڑے کی قیمت کا ضامن بنادے اور اسے وصول کر لے اور اسی جیسا ستو لے لے اور دونوں چیزیں غاصب کے حوالہ کر دے اور اگر چاہے تو ان دونوں کو لے لے اور رنگ و گھی جو اس میں زائد ہوا ہے اس کا ضامن بن کر معاوضہ ادا کر دے۔

وَمَنْ غَصَبَ عَيْنًا فَغَيَّبَهَا فَضَمَّنَهُ الْمَالِكُ قِيْمَتَهَا مَلَكَهَا الْغَاصِبُ بِالْقِيْمَةِ وَ الْقَوْلُ فِي الْقِيْمَةِ قَوْلُ الْغَاصِبِ مَعَ يَمِيْنِهٖ اِلَّا اَنْ يُقِيْمَ الْمَالِكُ الْبَيِّنَةَ بِاَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَاِذَا ظَهَرَتِ الْعَيْنُ وَ قِيْمَتُهَا اَكْثَرَ مِمَّا ضَمِنَ وَ قَدْ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْمَالِكِ اَوْ بِبَيِّنَةٍ اَقَامَهَا اَوْ بِنُكُوْلِ الْغَاصِبِ عَنِ الْيَمِيْنِ فَلَا خِيَارَ لِلْمَالِكِ وَ هُوَ لِلْغَاصِبِ وَ اِنْ كَانَ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْغَاصِبِ مَعَ يَمِيْنِهٖ فَالْمَالِكُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَمْضَى الضَّمَانَ وَ اِنْ شَاءَ اَخَذَ الْعَيْنَ وَ رَدَّ الْعِوَضَ.

ترجمہ:۔ اور جس شخص نے کوئی چیز غصب کی اور اس کو غائب کر دیا اور مالک نے اس کو اس کی قیمت کا ضامن بنا دیا (تاوان لے لیا) تو غاصب اس چیز کا قیمت کے ذریعہ مالک ہو جائے گا۔ اور قیمت میں غاصب کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ مگر یہ کہ مالک اس سے زائد پر بینہ قائم کر دے پھر اگر وہ چیز ظاہر ہو جائے اور اس کی قیمت اس تاوان سے زائد ہو جو غاصب نے دیا ہے اور غاصب نے وہ قیمت مالک کے قول یا اس کے بینہ کے مطابق دیا ہے جو اس نے قائم کیا یا غاصب (اپنے) قسم سے انکار کے سبب دیا تو مالک کے لئے کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ اور وہ چیز غاصب کی ہوگی۔ اور اگر مالک نے غاصب سے قیمت کا تاوان غاصب کے قول مع قسم لیا (زیادہ قیمت ظاہر ہونے کی صورت میں) مالک کو اختیار ہے چاہے تو تاوان (جو پہلے لے چکا ہے اس) کو جائز رکھے اور چاہے تو اس چیز کو لے لے اور عوض کو واپس کر دے۔

تشریح : اس عبارت میں غور کیا جائے تو صرف ایک مسئلہ ہے البتہ کچھ باتیں اور ہیں جو اسی کے متعلق ہیں۔

و من غصب عینا .... بالقیمة: مسئلہ۔ ایک شخص نے کوئی چیز غصب کی اور اس کو از خود غائب کر دیا اور

مالک نے اس سے قیمت کا تاوان لے لیا۔ تو ایسی صورت میں غاصب اس چیز کا قیمت دے کر مالک بن جائے گا۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک غاصب اس چیز کا مالک نہیں بنے گا کیونکہ غصب ظلم محض ہے جو ملکیت کا سبب نہیں بنتا ہے، جیسے کوئی شخص مدبّر غلام کو غصب کر کے غائب کر دے اور قیمت کا تاوان ادا کر دے تو بالاتفاق غاصب مالک نہیں ہوگا۔

احناف فرماتے ہیں کہ مالک شئ مغصوب کے بدل یعنی اس کی قیمت کا بطریق کمال مالک ہو چکا ہے اور جو شخص بدل کا مالک ہو جاتا ہے تو مبدل اس کی ملکیت سے خارج ہو کر صاحب بدل کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے تاکہ مالک بدل کا نقصان لازم نہ آئے البتہ شرط یہ ہے کہ مبدل کے اندر ایک کی ملک سے دوسرے کی ملک کی طرف منتقل ہونے کی صلاحیت ہو اور یہ چیز یہاں موجود ہے، یعنی مبدل قابل نقل ہے بخلاف مدبر کے کہ وہ منتقل ہونے کے قابل نہیں ہے۔ (ہدایہ، ج۳، ص۳۶۴)

و القول فی القیمۃ .... من ذلک : غاصب نے جو قیمت کا تاوان ادا کیا ہے اگر اس قیمت کے اندر غاصب اور مالک کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے یعنی مالک زیادتی کا مدعی ہو اور غاصب اس کا منکر ہو تو ایسی صورت میں غاصب کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا ہاں اگر مالک نے اس زیادتی پر گواہ قائم کر دیئے تو مالک کا قول معتبر ہوگا۔

فاذا ظهر الخ : اگر غصب کردہ شئ ظاہر ہو جائے اب اس کی دو صورتیں ہیں :

۱- اس شئ کی قیمت اس مقدار سے زائد ہوگی جس کا غاصب نے تاوان ادا کیا ہے۔ ۲- اس کی قیمت پیش کرد تاوان کے برابر ہوگی۔

دوسری صورت میں مسئلہ واضح ہے۔ پہلی صورت میں غاصب کی طرف سے ادا کردہ تاوان مالک کے قول کے مطابق ہوگا یا مالک کے گواہوں کے ذریعہ جو ضمان ثابت ہوا اس کے مطابق ہو یا جس مقدار پر غاصب سے قسم لی گئی اور اس کے انکار کی صورت میں مال کے طلب کردہ قیمت کے مطابق ضمان ادا کی گئی ہو اس کے مطابق ہو تو ان تمام صورتوں میں شئ مغصوب غاصب کی ملکیت ہوگی اور مالک کو کوئی اختیار نہیں ہوگا کیونکہ مالک اسی مقدار کا مدعی تھا اور اس پر وہ راضی تھا۔

البتہ اگر مالک نے گواہوں کے نہ ہونے کی صورت میں غاصب کے قول کے مطابق مع الیمین تاوان لیا تھا تو زیادہ قیمت ظاہر ہونے کی صورت میں مالک کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو وہی قیمت برقرار رکھے اور چاہے تو اصل چیز کو لے کر عوض یعنی قیمت کو واپس کر دے۔

وَ وَلَدُ الْمَغْصُوْبَةِ وَ نَمَاؤُهَا وَ ثَمْرَةُ الْبُسْتَانِ الْمَغصُوْبِ اَمَانَةٌ فِيْ الْغَاصِبِ اِنْ هَلَكَ فِيْ يَدِهٖ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ اِلَّا اَنْ يَّتَعَدّٰيْ فِيْهَا اَوْ يَطْلُبُهَا مَالِكُهَا فَيَمْنَعُهَا اِيَّاهُ وَ مَانَقَصَتِ الْجَارِيَةُ بِالْوِلَادَةِ فَهُوَ فِيْ ضَمَانِ الْغَصَبِ فَاِنْ كَانَ فِيْ قِيْمَةِ الْوَلَدِ وَفَاءٌ بِهٖ جُبِرَ النُّقْصَانُ بِالْوَلَدِ وَ سَقَطَ ضَمَانُهٗ عَنِ الْغَاصِبِ وَ لَا يَضْمَنُ الْغَاصِبُ مَنَافِعَ مَا غَصَبَهٗ اِلَّا اَنْ يَنْقُصَ بِاسْتِعْمَالِهٖ فَيَغْرَمُ النُّقْصَانَ وَ اِذَا اسْتَهْلَكَ الْمُسْلِمُ خَمْرَ الذِّمِّيِ اَوْ خِنْزِيْرَهٗ ضَمِنَ قِيْمَتَهَا وَ اِنْ اسْتَهْلَكَهُمَا الْمُسْلِمُ لِمُسْلِمٍ لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ : اور مغصوبہ کا بچہ اور اس کی بڑھوتری اور منصوب باغ کا پھل غاصب کے پاس امانت ہے اگر اس کے پاس ضائع ہو جائے تو اس کے ذمہ کوئی تاوان نہیں ہوگا۔ مگر یہ کہ وہ اس میں تعدی کرے یا اس کا مالک اس سے طلب کرے اور وہ اس کو اس سے روکے (نہ دے) اور پیدائش کی وجہ سے لونڈی میں کچھ نقصان آ جائے تو وہ نقصان غاصب کے تاوان میں ہوگا پس اگر بچہ کی قیمت سے وہ نقصان پورا ہو جائے تو وہ نقصان بچے سے پورا کیا جائے گا اور غاصب (کے ذمہ) سے اس کا تاوان ساقط ہو جائے گا۔ اور غاصب مغصوب کے منافع کا ضامن نہیں ہوتا البتہ یہ کہ اس کے استعمال سے نقصان پیدا ہو جائے تو وہ اس نقصان کا تاوان دے گا۔ اور اگر مسلمان ذمی کی شراب اور اس کا خنزیر ہلاک کر دے تو وہ ان کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور اگر مسلمان کسی مسلمان کی یہ چیزیں ہلاک کر دے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے مذکور ہیں :

و لد المغصوبة .... فیمنعها ایاه : مسئلہ (۱) مغصوبہ باندی کا بچہ اور جو کچھ پیداوار اس سے ہوئی ہو اور اسی طرح باغ مغصوب کا پھل یعنی شئ مغصوب میں جو اضافہ غاصب کے قبضہ میں رہ کر ہوا ہے وہ سب غاصب کے پاس امانت کے حکم میں ہے۔ اب اگر یہ زائد شدہ چیزیں از خود بغیر کسی تعدی کے ضائع ہو جائیں تو غاصب کے ذمہ کوئی تاوان نہیں آئے گا۔ ہاں اگر غاصب اس میں تعدی کرتا ہے مثلاً اس کو تلف کرتا ہے یا بکری کا بچہ ہے اس کو ذبح کر کے کھا جاتا ہے یا باندی کا بچہ فروخت کر کے سپرد کرتا ہے۔ یا مالک طلب کرتا ہے اور غاصب دینے سے منع کرتا ہے تو ان صورتوں میں غصب کا حکم لگے گا اور غاصب پر تاوان لازم ہوگا۔

یہ حکم احناف کے نزدیک ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مغصوب سے جس قسم کی زیادتی حاصل ہو غاصب اس کا ضامن ہے خواہ زیادتی متصلہ ہو جیسے حسن و جمال وغیرہ یا زیادتی منفصلہ ہو جیسے بچہ وغیرہ۔ تفصیل کے لئے ہدایہ، ج ۳، ص ۳۶۵۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۲۷ ملاحظہ فرمائیں۔

ما نقصت الجارية .... ضمانه عن الغاصب : مسئلہ (۲) مغصوبہ باندی میں بچہ کی پیدائش سے جو نقصان آیا ہے غاصب اس نقصان کا ضامن ہوگا بشرطیکہ باندی غاصب کے ذریعہ حاملہ ہوئی ہو یا غاصب کے غلام سے زنا کی وجہ سے حاملہ ہوئی ہو لیکن اگر وہ مالک یا شوہر کے ذریعہ حاملہ ہوئی تھی اور بچہ کی پیدائش غاصب کے یہاں ہوئی ہے تو ایسی صورت میں غاصب پر تاوان لازم ہوگا۔ پیدائش سے جو نقصان آیا ہے اگر یہ نقصان بچہ کی قیمت سے پورا ہو جاتا ہے تو اسی سے پورا کر دیا جائے گا۔ اور غاصب سے تاوان ساقط کر دیا جائے گا۔ مثلاً مغصوبہ باندی کی قیمت ۱۰۰ (سو) روپیہ تھی اور ولادت کے بعد ساٹھ روپیہ ہو گئی اب اگر بچہ کی قیمت چالیس روپیہ ہو تو اسی قیمت سے نقصان کو پورا کیا جائے گا۔ اور باندی مع بچہ مالک کو سپرد کر دی جائے گی اور غاصب پر کوئی ضمان نہیں ہوگا۔ اور اگر بچہ کی قیمت پچیس روپیہ ہے تو پندرہ روپیہ کا ضمان غاصب پر آئے گا۔ مگر واضح رہے کہ قیمت کے ذریعہ نقصان اسی وقت پورا کیا جائے گا جب کہ بچہ زندہ ہو ورنہ دیت سے پورا کیا جائے گا۔ بچہ کی قیمت سے نقصان کا پورا کرنا یہ صرف احناف کے نزدیک ہے۔ حضرت امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک بچہ کے ذریعہ نقصان کو پورا نہیں کیا جائے گا۔ (الجوہرہ، ج ۲، ص ۲۷۔ ہدایہ، ج ۳، ص ۳۶۶۔ عینی شرح کنز، ج ۳، ص ۵۰۲)

و لا یضمن الغاصب .... فیغرم النقصان : مسئلہ (۳) غاصب نے جو چیز غصب کی ہے واپسی تک مالک کے واسطہ اس کے منافع کا ضامن نہیں ہے، البتہ اگر غاصب کے استعمال سے شئی مغصوب بہ میں کوئی نقصان پیدا ہو جائے تو غاصب نقصان کا ضامن ہوگا۔ اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک غلام غصب کیا وہ غلام روٹی پکانا جانتا ہے غاصب نے اس کو مثلاً ایک ماہ تک روکے رکھا خواہ اس غلام سے کام لیا ہو یا نہ لیا ہو، پھر اس کو مالک کے حوالہ کر دیا، اب ایک ماہ تک روکنے سے جو نفع مالک کو ملتا تھا اس کا تاوان غاصب پر نہیں آئے گا۔ یہ مسئلہ احناف کے نزدیک ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جتنی مدت تک غلام کو روکا ہے اس کا اجر المثل غاصب کے ذمہ واجب ہوگا۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر غاصب نے مغصوب بہ مکان میں رہائش اختیار کی یعنی شئی مغصوب سے نفع یاب ہوا تو اجر المثل واجب ہوا اور اگر مکانِ مغصوب کو بیکار چھوڑ دیا یعنی اس سے نفع نہیں اٹھایا تو ضمان واجب نہیں ہوگا۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۳۶۷)

و اذا استهلك المسلم الخ : مسئلہ (۴) اگر مسلمان نے کسی ذمی کی شراب یا خنزیر (یا ایسی اشیاء جو ان کے حق میں مال متقوم ہیں) ہلاک کر دیا تو مسلمان ان کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر یہ چیزیں کسی مسلمان کی تھیں اور مسلمان نے اس کو ہلاک کر دیا تو وہ مسلمان ان کی قیمتوں کا ضامن نہیں ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں کوئی تاوان نہیں ہے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۳۶۸)

كتاب الوديعة

ودیعت کا بیان

ہم اس موقعہ پر ابتدائی طور پر ودیعت کی لغوی و اصطلاحی تعریف، ودیعت اور امانت کا فرق، اس کا رکن، شرائط اور اصطلاحی الفاظ قلم بند کریں گے۔

الوديعة : یہ ودعٌ سے مشتق ہے "ترک کے معنیٰ میں ہے۔ ودیعت اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کی حفاظت میں چھوڑ دی جائے۔ اصطلاح شرع میں کہتے ہیں **ترك الاعيان مع من هو اهل التصرف فى الحفظ مع بقائها على حكم مُلك المالك.** یعنی کسی چیز کو ایسے شخص کے پاس حفاظت کے لئے رکھنا جو قابل تصرف ہو باوجودے کہ وہ چیز مالک ہی کی ملکیت کے حکم میں رہتی ہے۔ (الجوہرہ، ج ۳، ص ۳۰)

صاحب کتاب الفقہ علی المذاہب لکھتے ہیں کہ مال غیر کو حفاظت کے لئے اپنے پاس رکھنا یا اپنا مال غیر کے پاس حفاظت کے لئے رکھنا۔ دونوں مفہوم ودیعت کی تعریف میں داخل ہیں کیونکہ یہ لفظ اسماء اضداد میں سے ہے۔

(کتاب الفقہ اردو، ج ۳، ص ۳۰۶)

ودیعت اور امانت میں قدرے فرق ہے۔ ودیعت بالقصد حفاظت کے لئے دیجاتی ہے۔ امانت وہ چیز ہے جو کسی کے پاس بلا قصد کے آجائے، مثلاً ہوا کسی کا کپڑا اڑا کر کسی دوسرے کے گھر میں ڈال دے۔

ودیعت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ چیز مالک کے پاس اتفاق سے پہنچ جائے تو مودَع ضمان سے بری ہو جائے گا۔ مثلاً

مالک نے کہا کہ میرا مال اس کوٹھری میں رکھنا اور اس نے دوسری کوٹھری میں رکھ دیا تو اب اگر مال چلا جائے گا تو ضمان دینا ہوگا اور اگر اسی کوٹھری میں رکھا جہاں مالک نے بتایا تھا تو ضمان نہیں ہوگا۔

اور امانت کا حکم یہ ہے کہ امانت دار جب تک امانت صاحب مال کے حوالہ نہ کردے وہ بری نہیں ہوگا۔

(الجوہرہ، ج ۲، ص ۳۰۔ غایۃ الاوطار، ج ۴، ص ۴۶۹)

ودیعت کا رکن ایجاب وقبول ہے خواہ صراحت کے ساتھ ہو یا دلالت کے ساتھ ہو۔ صراحت کی مثال ایک شخص نے اپنا کپڑا کسی کے پاس رکھ دیا دوسرے نے کہا کہ میں قبول کرتا ہوں اب اگر وہ کپڑا ضائع ہو گیا تو وہ شخص ضامن ہوگا۔ دلالت کی مثال، ایک شخص نے کسی کے پاس لاکر اپنا کپڑا رکھ دیا اور کچھ نہیں کہا اور دونوں وہاں سے چلے گئے اور یہ کپڑا ضائع ہو گیا تو یہ شخص ضامن ہوگا کیونکہ عرف میں یہ ودیعت ہے۔ (عین الہدایہ، ج ۳، ص ۵۸۵)

ودیعت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مال اس قابل ہو کہ اس پر قبضہ ثابت ہو سکے چنانچہ اگر بھاگے ہوئے غلام کو ودیعت رکھا یا جو چیز دریا میں گر گئی ہے اس کو ودیعت رکھا یا جو پرند ہوا میں اڑتا ہے اس کو ودیعت میں رکھا تو یہ ودیعت صحیح نہیں ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ امین مکلف یعنی احکام شریعت کا پابند انسان ہو چنانچہ اگر کسی بچہ کے پاس امانت رکھا اور وہ مال یعنی امانت بچے سے ضائع ہو گیا تو بچہ اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا کیونکہ بچے پر اس مال کی حفاظت واجب نہیں ہے۔

(کتاب الفقہ علی المذاہب اردو، ج ۳، ص ۳۱۱)

اس کتاب میں چار اصطلاحی الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں: (۱) ودیعت۔ (۲) مودِع: جو شخص حفاظت کے لئے مال دے۔ (۳) مودَع: جس کے پاس مال حفاظت کے لئے چھوڑا جائے۔ (۴) تعدی: مودَع نے مالِ امانت میں ودیعت کے خلاف جو فعل انجام دیا۔ (عین الہدایہ، ج ۳، ص ۵۸۵)

اَلْوَدِيْعَةُ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِ الْمُوْدَعِ اِذَا هَلَكَتْ فِيْ يَدِهٖ لَمْ يَضْمَنْهَا وَ لِلْمُوْدَعِ اَنْ يَّحْفَظَهَا بِنَفْسِهٖ وَ بِمَنْ فِيْ عَيَالِهٖ فَاِنْ حَفِظَهَا بِغَيْرِهِمْ اَوْ اَوْدَعَهَا ضَمِنَ اِلَّا اَنْ يَّقَعَ فِيْ دَارِهٖ حَرِيْقٌ فَيُسَلِّمُهَا اِلٰى جَارِهٖ اَوْ يَكُوْنُ فِيْ سَفِيْنَةٍ فَخَافَ الْغَرَقَ فَيُلْقِيْهَا اِلٰى سَفِيْنَةٍ اُخْرٰى وَ اِنْ خَلَطَهَا الْمُوْدَعُ بِمَالِهٖ حَتّٰى لَا يَتَمَيَّزَ ضَمِنَهَا فَاِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَحَبَسَهَا عَنْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى تَسْلِيْمِهَا ضَمِنَهَا وَ اِنِ اخْتَلَطَتْ بِمَالِهٖ مِنْ غَيْرِ فِعْلِهٖ فَهُوَ شَرِيْكٌ لِصَاحِبِهَا وَ اِنْ اَنْفَقَ الْمُوْدَعُ بَعْضَهَا وَ هَلَكَ الْبَاقِيْ ضَمِنَ ذٰلِكَ الْقَدْرَ فَاِنْ اَنْفَقَ الْمُوْدَعُ بَعْضَهَا ثُمَّ رَدَّ مِثْلَهٗ فَخَلَطَهٗ بِالْبَاقِيْ ضَمِنَ الْجَمِيْعَ.

ترجمہ: ودیعت مودَع کے پاس امانت ہے اگر وہ اس کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ مودَع کو اختیار ہے کہ اس کی حفاظت خود کرے یا اپنے گھر والوں سے کرائے لیکن اگر گھر کے علاوہ کسی اور سے حفاظت کرائی یا اس کو کسی کے پاس ودیعۃً رکھ دی اور وہ ضائع ہو گئی تو یہ ضامن ہوگا البتہ اگر اس کے گھر میں آگ لگ گئی اور وہ اسے اپنے پڑوسی کو دیدے یا وہ شخص کشتی میں ہو اور اسے ڈوب جانے کا اندیشہ ہو بنا بریں دوسری کشتی میں ڈالدے۔ اور اگر مودَع

نے ودیعت کو اپنے مال میں اس طرح ملا دیا کہ وہ علیحدہ نہیں ہوسکتی تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔ اور اگر مالکِ ودیعت نے ودیعت طلب کی اور مودَع نے اس کو اس سے روک لی (نہیں دی) جب کہ وہ اس کے حوالہ کرنے پر قادر تھا تو وہ ضامن ہوگا۔ اور اگر ودیعت خود اس کے مال میں بغیر اس کے عمل کے مل گئی تو مودَع صاحبِ ودیعت کے ساتھ شریک ہوگا۔ اور اگر مودَع نے کچھ ودیعت خرچ کردی اور باقی ضائع ہوگئی تو مودَع اس مقدار کا ضامن ہوگا (جتنا خرچ کیا ہے) اور اگر مودَع نے کچھ ودیعت خرچ کردی اس کے بعد اسی کے برابر لوٹا کر اس کو باقی میں ملا دی (اور وہ ضائع ہوگئی) تو یہ تمام کا ضامن ہوگا۔

حل لغات : **عیال**: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مودَع کے ساتھ رہتے ہوں خواہ نان ونفقہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ **حریق**: آگ کی بھڑک، آگ کا شعلہ، آگ۔ **جار**: پڑوسی، ہمسایہ۔ **سفینة**: کشتی، **الغرق**: ڈوبنا۔ **حبس عن الشیء** (ض) **حبسًا**: روکنا۔ **اختلطت**: باب افتعال سے، ملنا۔ **انفق**: باب افعال سے، خرچ کرنا۔

خلاصہ : عبارت میں صاحب کتاب نے نو مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے مسئلہ نمبر ۲ و ۵ اور ۹ میں ائمہ کرام کا قدرے اختلاف ہے۔

الودیعة .... لم یضمنها : مسئلہ (۱) مودَع کے پاس مال ودیعت امانت کے حکم میں ہے اگر وہ بغیر کسی تعدی کے تلف ہوجائے تو مودَع پر کوئی تاوان نہیں ہے (ورنہ کوئی شخص ودیعت رکھنے کے لئے تیار نہیں ہوگا)

وللمودَع .... فی عیاله : مسئلہ (۲) مودع مال ودیعت کی حفاظت خود کرے یا اپنے افرادِ خانہ سے کرائے بہر کیف دونوں صورتیں جائز ہیں۔

فان حفظها .... ضمن : مسئلہ (۳) اگر مودع اور اس کے اہل وعیال کے علاوہ کسی اور نے مال ودیعت کی حفاظت کی یا مودع نے اس ودیعت کو دوسرے کے پاس ودیعت کے طور پر دیدیا اور یہ چیز اس کے پاس تلف ہو تو اصل مودع پر اس کا تاوان لازم آئے گا۔

الّا ان یقع .... سفینة اخری : مسئلہ (۴) اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اگر مودع ودیعت کے ہلاک ہونے کے اندیشہ کی وجہ سے اس کی حفاظت سے خود عاجز ہوجائے اور اسے دوسرے کے حوالہ کردے مثلاً اس کے گھر میں آگ لگ جائے اور اسے حفاظت کے لئے اپنے پڑوسی کو دیدے یا کسی کشتی میں سوار ہو اور اسے ڈوب جانے کے اندیشہ سے دوسری کشتی میں ڈال دے تو ایسی حالت میں مودَع ضامن نہیں ہوگا۔ (کیونکہ ایسی حالت میں حفاظت کا بھی طریقہ متعین ہوگیا اور مالک خواہ مخواہ اس پر راضی قرار دیا جائے گا)

وان خلطها .... ضمنها : مسئلہ (۵) اگر مودع نے مال ودیعت کو اپنے مال میں اس انداز سے ملا دیا کہ امتیاز نہیں ہوسکتا تو ایسی صورت میں مودع کو اس کا تاوان دینا ہوگا۔

فان طلبها .... ضمنها : مسئلہ (۶) اگر مالک ودیعت نے مودَع سے ودیعت طلب کی اور اس نے دینے سے انکار کردیا جب کہ مودع کو اس مالِ ودیعت کے حوالہ کرنے پر قدرت تھی تو ایسی صورت میں مودَع پر ضمان لازم آئے گا۔ کیونکہ مودع انکار کرنے کی وجہ سے متعدی یعنی حد سے تجاوز کرنے والا ہوگیا اور یہ ظلم ہے۔ اور اگر اس کو ہلاک کردیا

تو غاصب کہلائے گا۔ (ہدایہ، ج۳،ص۲۵۷۔ الجوہرہ، ج۲،ص۳۱)

وان اختلطت بمالہ .... لصاحبھا : مسئلہ(۷) اگر مال ودیعت مودع کے مال میں بغیر اس کے عمل کے مل گیا تو ایسی صورت میں مودَع اور مالکِ مالِ ودیعت دونوں شریک ہوں گے یعنی شرکت کے احکام جاری ہوں گے۔

وان انفق .... ذلک القدر : مسئلہ(۸) اگر مودع نے مال ودیعت سے کچھ خرچ کر دیا اور بقیہ مال ہلاک ہو گیا تو جس قدر اس نے خرچ کیا ہے اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا۔

فان انفق المودَع الخ : مسئلہ(۹) اگر مودع نے مال ودیعت میں سے کچھ خرچ کر دیا مگر پھر اسی مقدار میں اپنے پاس سے واپس کر کے اس کو بقیہ میں ملا دیا تو مودع کو کل ودیعت کا تاوان دینا ہوگا۔

تشریح : مسئلہ(۲) یہ صرف احناف کے نزدیک ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اہل وعیال کے پاس چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ (الصبح النوری، ج۲،ص۸۱)

مسئلہ(۳) یہ امام صاحب کے نزدیک ہے، حضرات صاحبین کے نزدیک مالک ودیعت کو اختیار ہے چاہے تو تاوان مودَع اول سے لے لے اور چاہے تو مودَع ثانی سے لے اب اگر اول سے تاوان وصول کر چکا ہے تو ثانی سے نہیں لے سکتا البتہ اگر ثانی سے تاوان لیا ہے تو اس کے بعد اول سے وصول کر سکتا ہے۔ (الجوہرہ، ج۲،ص۳۰)

مسئلہ(۵) اس مسئلہ میں امام صاحب اور حضرات صاحبین کا اختلاف ہے۔ حضرت امام صاحب کے نزدیک مودع کے لئے اپنا عین مال ودیعت لینے کا کوئی چارہ نہیں ہے۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر مال ودیعت کو اس کی جنس میں ملا دیا ہے مثلاً سفید درہموں کو سفید درہموں میں ملا دیا یا سیاہ درہموں کو سیاہ درہموں میں ملا دیا تو اس میں اگر شرکت چاہے تو شرکت کر سکتا ہے اور چاہے تو تاوان لے سکتا ہے۔ (ہدایہ، ج۳،ص۲۵۷۔ الجوہرہ، ج۲،ص۳۱)

مسئلہ(۹) احناف کے نزدیک تمام کا ضمان واجب ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جس قدر خرچ کیا ہے اس میں ضمان ہوگا۔ حضرت امام مالکؒ کا ایک قول عدم ضمان کا ہے۔ (عینی شرح کنز، ج۳،ص۳۸۷)

حاشیہ ہدایہ پر ہے کہ اگر مودع نے خرچ کے لئے مال ودیعت سے کچھ لیا تھا مگر خرچ کرنے سے پہلے اس کو اسی مال میں ملا دیا تو اس صورت میں ضمان لازم نہیں آئے گا۔ (ج۳،ص۲۵۸)

وَ اِذَا تَعَدَّى الْمُوْدَعُ فِي الْوَدِيْعَةِ بِاَنْ كَانَتْ دَابَّةً فَرَكِبَهَا اَوْ ثَوْبًا فَلَبِسَهُ اَوْ عَبْدًا فَاسْتَخْدَمَهُ اَوْ اَوْدَعَهَا عِنْدَ غَيْرِهٖ ثُمَّ اَزَالَ التَّعَدِّيَ وَ رَدَّهَا اِلٰى يَدِهٖ زَالَ الضَّمَانُ فَاِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَجَحَدَهُ اِيَّاهَا ضَمِنَهَا فَاِنْ عَادَ اِلَى الْاِعْتِرَافِ لَمْ يَبْرَأْ مِنَ الضَّمَانِ وَ لِلْمُوْدَعِ اَنْ يُّسَافِرَ بِالْوَدِيْعَةِ وَ اِنْ كَانَ لَهَا حَمْلٌ وَ مُؤْنَةٌ وَ اِذَا اَوْدَعَ رَجُلَانِ عِنْدَ رَجُلٍ وَدِيْعَةً ثُمَّ حَضَرَ اَحَدُهُمَا يَطْلُبُ نَصِيْبَهُ مِنْهَا لَمْ يَدْفَعْ اِلَيْهِ شَيْئًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ حَتّٰى يَحْضُرَ الْاٰخَرُ وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَدْفَعُ اِلَيْهِ نَصِيْبَهُ.

ترجمہ: اور اگر مودع نے ودیعت میں (کچھ) تعدی کی مثلاً (ودیعت میں) کوئی جانور تھا اس نے اس پر سواری کی، یا کپڑا تھا اس نے اس کو پہن لیا، یا غلام تھا اس نے اس سے خدمت لی یا اس ودیعت کو کسی دوسرے کے پاس بطورِ ودیعت رکھ دی، اس کے بعد اس نے تعدی ختم کر دی اور اس کو (دوسرے کے پاس سے) لے کر اپنے پاس رکھ لی (پھر وہ تلف ہوگئی) تو ضمان ساقط ہوگیا۔ اور اگر مالک ودیعت نے ودیعت طلب کی اور اس نے اس ودیعت کا انکار کر دیا (اور وہ تلف ہوگئی) تو یہ ضامن ہوگا اور اگر اقرار بھی کر لیا تو تاوان سے بری نہ ہوگا۔ اور مودع کے لئے ودیعت کو سفر میں لے جانا جائز ہے، اگرچہ اس میں بوجھ اور تکلیف ہو۔ اور اگر دو آدمیوں نے کسی شخص کے پاس ودیعت رکھی پھر ان میں سے ایک آکر اپنا حصہ مانگنے لگا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس شخص کو کچھ بھی نہ دے یہاں تک کہ دوسرا (بھی) آجائے۔ اور حضرت امام ابویوسفؒ ومحمدؒ نے فرمایا اس کو اس کا حصہ دیدے۔

حل لغات: تعدی: باب تفعل سے ماضی ہے، زیادتی کرنا، حد سے آگے بڑھنا۔ دابۃ: سواری۔ جَحَدَ (ف) جَحْدًا و جُحُوْدًا: انکار کرنا۔ عادَ الی الاعتراف: اقرار کرنا۔

تشریح: صاحب قدوری کی اس عبارت میں چار مسئلے مذکور ہیں۔ مسئلہ ۱، ۳، ۴ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

واذا تعدی .... زال الضمان: مسئلہ (۱) صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مودع نے مالِ ودیعت میں زیادتی سے کام لیا مثلاً کسی نے ودیعت میں کوئی جانور دیا تھا۔ مودع نے اس پر سواری کی یا کسی نے ودیعت میں کپڑا دیا تھا مودع نے اس کو پہن لیا یا کسی نے ودیعت میں کوئی غلام دیا تھا مودع نے اس سے خدمت لی یا مودع نے اس مال ودیعت کو کسی اور کے پاس ودیعت کے طور پر رکھ دیا اس کے بعد اس تعدی سے باز آگیا اور دوسرے کو دیا ہوا مال واپس لے لیا۔ تو اگر تعدی سے باز آنے کے بعد ودیعت تلف ہوگئی تو تاوان ساقط ہوجائے گا۔

یہ احناف کے نزدیک ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ضمان واجب ہوگا۔ البتہ اگر دوران استعمال ودیعت ہلاک ہوگئی تو بالاتفاق ضمان کی ادئیگی واجب ہوگی۔ (عینی شرح کنز، ج ۳، ص ۳۷۸)

فان طلبها صاحبها .... لم یبرأ من الضمان: مسئلہ (۲) صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مالک ودیعت نے مودع سے ودیعت طلب کی اور اس نے نفس ودیعت کا انکار کر دیا یعنی یہ کہہ دیا کہ تم نے میرے پاس ودیعت نہیں رکھی ہے۔ اور وہ تلف ہوگئی تو اس صورت میں بھی ضمان واجب ہوگا، اگر وہ اس کے بعد اقرار بھی کر لیتا ہے جب بھی تاوان کی ادائیگی لازم ہوگی اس سے بری الذمہ نہیں ہوگا۔

وللمودَع .... ومؤنۃ: مسئلہ (۳) اگر مودع ودیعت کو سفر میں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے اگرچہ اس میں بوجھ اور ثقل ہو یعنی خواہ مخواہ اس کو اس کے اٹھانے میں جانور اور قلی کی ضرورت محسوس ہو۔ صاحب الجوہرہ نے اس کے ساتھ یہ شرط لگائی ہے کہ مالک کی طرف سے اس کی ممانعت نہ ہو اور ودیعت کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ حضرت صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر سفر میں اس کو اٹھانے کی ضرورت پڑتی ہے تو ودیعت کے ساتھ سفر جائز نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں ودیعت کے ساتھ سفر جائز نہیں

ہے۔ (الجوہرہ، ج ۲، ص ۳۲۔ ہدایہ، ج ۳، ص ۲۵۹)

واذا اودع الرجلان الخ: مسئلہ (۴) اگر دو افراد نے کسی شخص کے پاس کوئی چیز ودیعت کے طور پر رکھ دی۔ اب اگر ایک شخص تنہا آ کر اپنا حصہ طلب کرتا ہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مودَع کے لئے اس شخص کو اس کا حصہ دینا دوسرے کے حاضر ہوئے بغیر جائز نہیں ہے۔ حضرات صاحبین کے نزدیک دینا جائز ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف کیل اور وزنی چیزوں سے متعلق ہے۔ اگر وہ چیز ذوات القیم میں سے ہے تو یہاں تک کہ ودیعت کپڑا جانور اور غلام ہو تو اس صورت میں بلا اختلاف مودَع کے لئے اس کا حصہ دینا جائز نہیں ہے۔ (ہدایہ و حاشیہ عنایہ، ج ۳، ص ۲۵۹)

وَ اِنْ اَوْدَعَ رَجُلٌ عِنْدَ رَجُلَيْنِ شَيْئًا مِمَّا يُقَسَّمُ لَمْ يَجُزْ اَنْ يَدْفَعَهُ اَحَدُهُمَا اِلَى الْآخَرِ وَ لٰكِنَّهُمَا يَقْسِمَانِهِ فَيَحْفَظُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفَهُ وَاِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُقَسَّمُ جَازَ اَنْ يَحْفَظَ اَحَدُهُمَا بِاِذْنِ الْآخَرِ وَ اِذَا قَالَ صَاحِبُ الْوَدِيْعَةِ لِلْمُوْدَعِ لَا تُسَلِّمْهَا اِلَى زَوْجَتِكَ فَسَلَّمَهَا اِلَيْهَا لَمْ يَضْمَنْ وَ اِنْ قَالَ لَهُ اِحْفَظْهَا فِيْ هٰذَا الْبَيْتِ فَحَفِظَهَا فِيْ بَيْتٍ آخَرَ مِنَ الدَّارِ لَمْ يَضْمَنْ وَ اِنْ حَفِظَهَا فِيْ دَارٍ ضَمِنَ.

ترجمہ: اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کے پاس قابل تقسیم چیز ودیعت میں رکھی تو جائز نہیں ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو وہ چیز دیدے بلکہ دونوں اس کو تقسیم کریں پھر ان میں سے ہر ایک اپنے نصف حصہ کی حفاظت کرے، اور اگر ودیعت نا قابل تقسیم ہے چیزوں میں سے ہے تو جائز ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کی اجازت سے حفاظت کرے۔ اور اگر صاحب ودیعت نے مودع کہا کہ اس ودیعت کو اپنی بیوی کو مت دینا مگر اس نے اپنی بیوی کو دیدیا تو ضامن نہیں ہوگا۔ اور اگر صاحب ودیعت نے مودع سے کہا کہ اس کو اس کمرہ میں رکھو لیکن اس نے اس گھر کے دوسرے کمرہ میں رکھا تو ضامن نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کو دوسرے گھر میں رکھا تو ضامن ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں تین مسئلے ہیں: پہلے مسئلہ کی دو صورتیں ہیں اس میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔

وان اودع رجل .... باذن الآخر: مسئلہ (۱) اس مسئلہ کی صورت واضح ہے اگر ودیعت کی چیز قابل تقسیم ہے تو قبل القسیم دونوں مودع کے لئے جائز نہیں کہ ایک دوسرے کی حفاظت میں دی اور اگر ودیعت نا قابل تقسیم چیز ہے تو حفاظت کے لئے ایک دوسرے کی اجازت درکار ہے یہ مذہب امام اعظم کا ہے۔ حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں نصف نصف کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ (الجوہرہ، ج ۲، ص ۳۲)

واذا قال صاحب .... لم یضمن: مسئلہ (۲) اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ مودَع کے لئے جن لوگوں سے شرعاً حفاظت کرانا جائز ہے تو مالک ودیعت کے منع کر دینے اور مخصوص کر دینے کے باوجود مودَع کو حق ہے کہ ان سے حفاظت کرائے اور ضائع ہونے کی صورت میں تاوان لازم نہیں آئے گا۔ چنانچہ اگر مالک ودیعت نے مودع سے یہ کہا کہ اس ودیعت کو اپنی بیوی کے حوالہ مت کرنا مگر اس نے اپنی بیوی کے حوالہ کر دیا، اب اگر وہ چیز بیوی کے پاس سے ضائع ہو جاتی ہے تو اس پر تاوان

لازم نہیں آئے گا۔ کیونکہ بیوی ان لوگوں میں سے ہے جن سے مودع سامان کی حفاظت کرا سکتا ہے۔ (الجوہرہ، ج۲،ص۳۳)

وان قال له احفظها الخ: مسئلہ(۳) اس مسئلہ کی نوعیت وصورت واضح ہے۔ دو دار کا الگ الگ حکم ہے کیونکہ کسی میں تحفظ زیادہ فراہم ہوتا ہے اور کسی میں کم۔

کتاب العاریة

عاریت کا بیان

تنبیہ: چند ابتدائی باتیں قلم بند کرنے کے بعد اصل بحث شروع کی جائے گی۔

کتاب الودیعۃ اور کتاب العاریۃ کے درمیان وجہ مناسبت یہ ہے کہ دونوں امانت ہونے میں شریک ہیں۔ کتاب العاریۃ کو اس لئے مؤخر کیا کہ ودیعت امانت بلا تملیک ہے اور عاریت میں تملیک المنافع ہے تو اول ثانی کے بالمقابل اعلیٰ ہے اور اعلیٰ کو ادنیٰ پر فوقیت حاصل ہے۔

عاریۃ کو عاریت اس لئے کہتے ہیں کہ یہ عوض سے خالی ہوتا ہے۔ چنانچہ عاریت میں تملیک المنافع بلا عوض ہے۔

العاریة: اس میں چار لغت ہے۔ (۱) **عریة** سے مشتق ہے یہ عطیہ کے معنیٰ میں ہے۔ (۲) **عاریة** بتشدید الیاء ہے اور بالتخفیف بھی ہے، مگر تشدید اصل ہے۔ اور عار کی طرف منسوب ہے کیونکہ عاریت پر کوئی چیز طلب کرنا باعث عیب ہے۔ (۳) **عارة** کی طرف منسوب ہے یہ اعارہ کا اسم ہے، بولا جاتا ہے **اعرته الشئ اعارة و عارة** جس طرح بولنے میں **اطعته اطاعة و طاعة، اجبته اجابة و جابة**. ازہری تحقیق کے مطابق یہی صحیح ہے۔ (۴) **عاریة تعاور** سے مشتق ہے **تداول** کے معنیٰ میں ہے یعنی کسی چیز کو باری باری لینا۔ ہاتھ ہاتھ لینا۔

صاحب نہایہ نے عاریۃ جو عار کی طرف منسوب ہے کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ حضورؐ سے عاریت پر طلب کرنا ثابت ہے اگر یہ چیز باعث عیب ہوتی تو آپؐ ہرگز طلب نہ فرماتے۔

عاریۃ کی اصطلاحی تعریف: "تمليك المنافع بلا عوض" یعنی کسی کو منافع کا بلا عوض مالک بنانا۔ ابوبکر رازی نے اسی کو پسند کیا ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

عاریت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ جو چیز عاریت میں دی گئی ہے وہ قابل انتفاع ہو اور مالک کی ملکیت باقی رہے، اور دراہم ودنانیر، فلوس (کیلی اور وزنی اشیاء) عاریت پر دینا درحقیقت شرعاً قرض کے حکم میں ہے۔

عاریت کا رکن: معیر کی طرف سے ایجاب اور مستعیر کی طرف سے قبول کرنا ہے۔

عاریت کا حکم: عاریت امانت ہے اگر کسی تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو کوئی ضمان نہیں۔ اور تعدی کے ذریعہ ہلاک ہونے پر ضمان لازم آئے گی۔ (قدوری اور اس کا حاشیہ، ص۱۴۵)

اصطلاحی الفاظ: (۱) **مُعیر:** جو شخص کسی کا مالک بنائے۔ (۲) **مستعیر:** جس کو مالک بنایا جائے۔ (۳) **عاریة:** جس چیز کی منفعت کا مالک بنایا جائے۔ اس کو مستعار بھی کہتے ہیں۔

اَلْعَارِيَةُ جَائِزَةٌ وَهِيَ تَمْلِيْكُ الْمَنَافِعِ بِغَيْرِ عِوَضٍ وَ تَصِحُّ بِقَوْلِهِ اَعَرْتُكَ وَ اَطْعَمْتُكَ هٰذِهِ الْاَرْضَ وَ مَنَحْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ وَ حَمَلْتُكَ عَلٰى هٰذِهِ الدَّابَّةِ اِذَا لَمْ يُرِدْ بِهِ الْهِبَةَ وَ اَخْدَمْتُكَ هٰذَا الْعَبْدَ وَ دَارِىْ لَكَ سُكْنٰى وَدَارِىْ لَكَ عُمْرٰى سُكْنٰى وَ لِلْمُعِيْرِ اَنْ يَّرْجِعَ فِى الْعَارِيَةِ مَتٰى شَاءَ وَ الْعَارِيَةُ اَمَانَةٌ فِىْ يَدِ الْمُسْتَعِيْرِ اِنْ هَلَكَ مِنْ غَيْرِ تَعَدٍّ لَمْ يَضْمَنِ الْمُسْتَعِيْرُ وَ لَيْسَ لِلْمُسْتَعِيْرِ اَنْ يُّوْجِرَ مَا اسْتَعَارَهُ فَاِنْ آجَرَهُ فَهَلَكَ ضَمِنَ وَ لَهُ اَنْ يُّعِيْرَهُ اِذَا كَانَ الْمُسْتَعَارُ مِمَّا لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ.

ترجمہ: عاریت جائز ہے اور یہ بغیر کسی عوض کے منافع کا مالک بنانا ہے اور عاریت اس طرح کہنے سے درست ہو جائے گی۔ اعرتك یعنی میں نے تم کو عاریت پر دیدی، میں نے تم کو یہ زمین عاریت میں دیدی، میں نے تم کو یہ کپڑا دیا، میں نے تم کو اس سواری پر سوار کیا۔ بشرطیکہ ان الفاظ سے ہبہ مراد نہ ہو۔ میں نے یہ غلام تم کو خدمت کے لئے دیا۔ میرا مکان تمہارے لئے رہائش کے لئے ہے۔ میرا مکان میری پوری عمر تمہاری رہائش کے لئے ہے۔ اور معیر کے لئے جائز ہے کہ جب چاہے عاریت سے رجوع کر لے۔ اور عاریت مستعیر کے قبضے میں امانت رہے گی، اگر ہلاک ہو جائے بغیر زیادتی کے تو مستعیر اس کا ضمان نہیں دے گا۔ اور مستعیر کو یہ حق نہیں ہے کہ جس چیز کو اس نے عاریت پر لیا ہے اس کو اُجرت پر دے پس اگر اس نے اس کو اُجرت پر دیا اور وہ چیز ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا۔ اور مستعیر کو یہ حق ہے کہ اس شئی کو عاریت پر دے جبکہ شئی مستعار ایسی چیزوں میں سے ہو جو استعمال کرنے والوں کے اختلاف سے بدلتی نہ ہو۔

تشریح: صاحب قدوری کی عبارت کا مفہوم واضح ہے۔

تصح بقوله .... الارض: صاحب قدوری کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ لفظ جو عاریت پر دلالت کرے خواہ صریحی ہو یا غیر صریحی عاریت درست ہو جائیگی جیسے **اعرتك** یہ صریحی لفظ ہے۔ **اطعمتُك هذه الارض،** اس جملہ میں اطعام کی اضافت ایسی چیز کی طرف ہے جس کا کھانا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اس مجازی معنیٰ پر محمول کرتے ہوئے ایسی چیز مراد لی جائے جس پر وہ صادق آجائے لہٰذا عاریۃً زمین کی منفعت مقصود ہے۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۳۴)

و منحتك .... به الهبة: عبارت میں **لم يرد به** میں ضمیر ''ہ'' کا مرجع **منحتك و حملتك** ہے اس لئے تثنیہ کی ضمیر یعنی **بهما** لانا مناسب تھا مگر یہاں دونوں مراد لیا گیا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے ''**عوان بين ذلك**'' ذلکما نہیں کہا گیا۔ (حوالہ سابق)

صاحب قدوری کا اس عبارت سے مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ مالک بنانے کے لئے مستقل ہیں اگر یہاں ہبہ مراد نہ لیا جائے تو مجازاً عاریۃ پر محمول ہوں گے۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۲۶۳)

و اخدمتك هذا العبد: یہ تملیک المنفعۃ کے لئے صریح لفظ ہے کیونکہ اس کو غلام سے خدمت لینے کی اجازت ہے۔

داری لك سكنىٰ: یہ بھی عاریت ہے کیونکہ اس شخص نے اپنے گھر کی سکونت دوسرے شخص کے لئے اس کی پوری مدت عمر کے لئے کر دی ہے۔ (حوالہ سابق)

وللمعیر .... متیٰ شاء: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ معیر کو اس بات کا حق ہے کہ جب چاہے عاریت پر دی گئی چیز واپس لے لے خواہ عاریت مطلق ہو یا مؤقت کیونکہ ارشاد نبوی ہے "المنحة مردودة والعارية مؤداة" یعنی منحہ (وہ بکری یا اونٹنی یا گائے جو دودھ پینے کے لئے عاریت پر دی گئی ہو) لوٹائی جائے گی اور عاریت واپس کی جائے گی۔

والعارية .... لم يضمن المستعير: اس عبارت میں عاریت کا حکم بیان کیا جارہا ہے۔ ائمہ کے درمیان قدرے اختلاف ہے۔ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ عاریت مستعیر کے قبضہ میں امانت کے حکم میں ہے اگر یہ چیز مستعیر کی زیادتی کے بغیر ہلاک ہوتی ہے تو عندالاحناف ضمان لازم نہیں آئے گی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ضمان لازم آئے گی۔ امام احمدؒ کا ایک قول اسی طرح کا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر ضمان کی شرط لگادی تو ضمان لازم آئے گی ورنہ نہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک اگر سامان کی ہلاکت مخفی ہو جیسے ثیاب اور اثمان وغیرہ ورنہ نہیں اور اگر مستعیر کی زیادتی سے ہلاک ہوتی ہے مثلاً سواری پر وزن زیادہ رکھنا یا غیر مواقع میں اس کو استعمال کرنا تو ایسی صورت میں بالاتفاق ضمان لازم آئے گی۔ (یعنی، ج ۳، ص ۳۸۳)

وليس .... فهلك ضمن: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مستعیر کے لئے شریعت کی جانب سے اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ جو چیز عاریت پر لی ہے اس کو کرایہ پر دے اب اگر اس نے کرایہ پر دے دیا اور وہ ہلاک ہوگئی تو اس پر ضمان لازم آئے گی۔

وله ان يعير الخ: مستعیر شئ مستعار کو کسی کو عاریت پر دے سکتا ہے یا نہیں؟ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر مستعمل کے بدلنے سے شئ مستعار میں کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے تو مستعیر کے لئے کسی غیر کو شئ مستعار عاریت پر دینا جائز ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ ان حضرات کے نزدیک اعارہ میں منافع کی اباحت ہوتی ہے اور جب ایک شخص کے لئے کوئی چیز مباح ہو تو وہ شخص دوسرے کے لئے مباح قرار دینے کا اہل نہیں ہے۔ اور احناف کے نزدیک اعارہ میں تملیک المنافع ہے اس لئے مستعیر دوسرے کو مالک بنانے کا اہل ہے۔

(عینی شرح کنز، ج ۳، ص ۳۸۴۔ ہدایہ، ج ۳، ص ۲۶۴)

وَ عَارِيَةُ الدَّرَاهِمِ وَ الدَّنَانِيْرِ وَ الْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ قَرْضٌ وَ اِذَا اسْتَعَارَ اَرْضًا لِيَبْنِيَ فِيْهَا اَوْ يَغْرِسَ جَازَ وَ لِلْمُعِيْرِ اَنْ يَرْجِعَ عَنْهَا وَ يُكَلِّفَهُ قَلْعَ الْبِنَاءِ وَ الْغَرْسِ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ وَقَّتَ الْعَارِيَةَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ وَ اِنْ كَانَ وَقَّتَ الْعَارِيَةَ وَرَجَعَ قَبْلَ الْوَقْتِ ضَمِنَ الْمُعِيْرُ لِلْمُسْتَعِيْرِ مَا نَقَصَ مِنَ الْبِنَاءِ وَ الْغَرْسِ بِالْقَلْعِ وَ اُجْرَةُ رَدِّ الْعَارِيَةِ عَلَى الْمُسْتَعِيْرِ وَ اُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمُسْتَاجَرَةِ عَلَى الْمُوْجِرِ وَ اُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوْبَةِ عَلَى الْغَاصِبِ وَ اُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمُوْدَعَةِ عَلَى الْمُوْدِعِ وَ اِذَا اسْتَعَارَ دَابَّةً فَرَدَّهَا اِلٰى اِصْطَبْلِ مَالِكِهَا فَهَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْ وَاِنِ اسْتَعَارَ عَيْنًا وَ رَدَّهَا اِلٰى دَارِ الْمَالِكِ وَ لَمْ يُسَلِّمْهَا اِلَيْهِ لَمْ يَضْمَنْ وَ اِنْ رَدَّ الْوَدِيْعَةَ اِلٰى دَارِ الْمَالِكِ وَ لَمْ يُسَلِّمْهَا اِلَيْهِ ضَمِنَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

ترجمہ : اور دراہم، دنانیر، کیلی اور وزنی چیزوں کو عاریت پر دینا قرض ہے۔ اور اگر کسی نے کوئی زمین عاریت پر لی تا کہ اس میں مکان تعمیر کرے یا اس میں کوئی درخت لگائے تو جائز ہے اور معیر کے لئے جائز ہے کہ اس کو واپس لے لے اور مستعیر کو عمارت گرانے اور درخت اکھاڑنے پر مجبور کرے۔ اور اگر معیر نے عاریت کا کوئی وقت متعین نہیں کیا تو معیر پر (نقصان کا) کوئی تاوان نہیں آئے گا اور اگر عاریت کا وقت متعین کر دیا اور وقت سے پہلے واپس لینے لگا تو معیر مستعیر کے لئے اس نقصان کا ضامن ہوگا۔ جو عمارت کے ٹوٹنے اور درخت اکھیڑنے سے ہوا ہے اور عاریت کے واپسی کی اجرت مستعیر کے ذمہ ہے۔ اور کرایہ پر لی گئی چیز کی اجرت (مزدوری) موجر پر ہے اور غصب کی گئی چیز کی واپسی کی اجرت غاصب پر ہے۔ اور ودیعت رکھی گئی چیز کی واپسی کی اجرت مودِع پر ہے۔ اور اگر کسی نے سواری مانگ لی اور اس کو اس کے مالک اصطبل (ٹھکانہ) تک پہنچا دیا اور وہ ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی نے کوئی چیز مانگ لی اور اس کو مالک کے مکان تک پہنچا دیا مگر مالک کو نہیں دیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اور اگر ودیعت کو مالک کے مکان تک پہنچا دیا اور اس کو اس کے حوالہ نہیں کیا تو ضامن ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حل لغات : **یکلفه**: از تفعیل، دشوار کام کا حکم دینا۔ **وقّت توقیتاً**: وقت متعین کرنا۔ **العین المستاجرۃ**: کرایہ پر لی گئی چیز۔ **اصطبل**: گھوڑوں کے رہنے کی جگہ۔

تشریح : صاحب قدوری نے اس عبارت میں نو مسائل بیان کئے ہیں۔

وعاریۃ الدراهم .... قرض : مسئلہ (۱) صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے دراہم و دنانیر، کیلی و وزنی اسی طرح عدد متقارب اشیاء عاریت پر لی تو یہ عاریت قرض کے حکم میں ہوگی۔ کیونکہ اعارہ میں عین کی نہیں بلکہ منافع کی تملیک ہوتی ہے اور مستعیر کے لئے ان اشیاء سے نفع اندوز ہونا اسی وقت ممکن ہے جب کہ عین شی کو کام میں لائے یعنی خرچ کر کے اس کو تلف کر دے لہٰذا یہ اقتضاء تملیک المنافع کے بجائے تملیک العین ہوا اور تملیک العین ہبہ اور قرضہ میں ہی ممکن ہے البتہ ہبہ میں واپسی لازم نہیں اور قرضہ میں لازم ہے۔ اور جب واپسی لازم ہے تو پھر اس صورت میں عین شی کے باقی نہ ہونے کی وجہ سے اس کے مثل کی واپسی لازم ہوگی۔ مگر خیال رہے کہ ان اشیاء میں عاریت کا قرض کے حکم میں ہونا اسی وقت ہے جب کہ اعارہ مطلق ہو لیکن اگر اعارہ کی جہت متعین کر دی گئی مثلاً دراہم و دنانیر وغیرہ اس خیال سے عاریت پر لیا کہ اس سے ترازو ٹھیک کرے یا اس سے دوکان کو زینت بخشے تو اس صورت میں عاریت قرض کے حکم میں نہیں ہے چنانچہ ان اشیاء کا خرچ کرنا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ جن امور کی تعیین کے ساتھ عاریۃً حاصل کی گئی ہے اسی کے دائرہ میں خرچ کرنا جائز ہوگا۔

الغرض اگر وجہ منفعت ایسی بیان کی گئی جس میں عین مال کے تلف ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ مال باقی رہے گا تو پھر قرضہ نہیں ہے اور عین مال کی واپسی ہوگی۔ (الجوہرہ، ج ۲، ص ۳۵۔ ہدایہ، ج ۳، ص ۲۶۵۔ عین الہدایہ، ج ۳، ص ۶۰۳)

واذا استعار ارضاً .... بالقلع : مسئلہ (۲) اگر کسی شخص نے کوئی زمین مکان یا درخت لگانے کے لئے عاریت پر لی تو یہ عقد درست ہے اور معیر کو اختیار ہے کہ عاریت کو ختم کر کے زمین کو مکان اور درخت سے خالی کرا کر واپس لے لیے۔ اب اگر معیر نے عاریت کی واپسی کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا تو عمارت کے گرانے اور درخت کے اکھڑوانے کے نقصان کا تاوان معیر کے ذمہ نہیں ہوگا (کیونکہ اس صورت میں مستعیر کو دھوکہ نہیں دیا گیا بلکہ خود کو دھوکہ ہوا کیونکہ مستعیر نے معیر

کے وعدہ کے بغیر مطلق عقد پر اعتماد کیا اور معیر متعین وقت کے بغیر راضی ہوگیا) البتہ اگر معیر نے عاریت کی واپسی کا وقت مقرر کیا اور قبل از وقت واپس لینے لگا تو درست ہے (البتہ وعدہ خلافی کی وجہ سے مکروہ ہے) اور اس صورت میں عمارت کے گرانے اور درخت کے اکھڑوانے کے نقصان کا تاوان معیر مستعیر کو ادا کرے گا۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مالکِ زمین عمارت اور درخت کو اپنی حالت پر رہنے دے اور مستعیر کو اس کی قیمت ادا کردے۔ (الجوہرہ، ج ۲، ص ۳۵۔ ہدایہ، ج ۳، ص ۲۶۵)

واجرة رد العارية على المستعير: مسئلہ (۳) اگر کسی نے عاریت پر کوئی چیز لی تو جب مستعیر اس کو واپس کرے گا تو واپس کرنے میں جو کرایہ خرچ ہوگا وہ مستعیر کے ذمہ ہوگا۔

واجرة رد العين المستاجرة على الموجر : مسئلہ (۴) اگر کسی نے کرایہ پر کوئی چیز لی تو اس کو واپس کرنے میں جو کرایہ خرچ ہوگا وہ موجر کے ذمہ ہوگا۔

وواجرة رد العين المغصوبة على الغاصب : مسئلہ (۵) اگر کسی نے کوئی چیز غصب کی جس کی واپسی لازم ہوتی ہے اب اگر غاصب واپس کرے گا تو جو کرایہ خرچ ہوگا وہ غاصب ادا کرے گا۔

واجرة رد العين المودَعة على المودع : مسئلہ (۶) اگر کسی نے کسی کی ودیعت اپنے پاس رکھی تو اس ودیعت کے واپس کرنے میں جو کرایہ خرچ ہوگا وہ ودیعت رکھنے والے کے ذمہ ہوگا۔

واذا استعار .... لم يضمن : مسئلہ (۷) اگر کسی نے کوئی جانور عاریت پر لیا اور اس کو اس کے مالک کے اصطبل میں پہنچا دیا یعنی مالک کے سپرد نہیں کیا اس کے بعد وہ جانور ہلاک ہوگیا تو ایسی صورت میں مستعیر کے ذمہ کوئی تاوان نہیں آئے گا۔ یہ حکم استحساناً ہے کیونکہ اس نے متعارف طریقہ پر واپس کیا ہے اس لئے کہ عاریت کی چیزوں کو مالک کے مکان پر پہنچا دینا ہی معتاد ہے۔ اب اگر اس نے یہ جانور مالک کے پاس پہنچا دیا اور مالک نے اس کو اصطبل میں پہنچا دیا تو مستعیر کا واپس کرنا درست ہے اور قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ضامن ہو، کیونکہ اس نے مالک کے سپرد نہیں کیا بلکہ ضائع کیا۔

(ہدایہ، ج ۳، ص ۲۶۵۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۳۶)

وان استعار عينا .... لم يضمن : مسئلہ (۸) اگر کسی نے کوئی چیز عاریت پر لی اور اس کو مالک کے حوالہ کرنے کے بجائے مالک کے گھر پہنچا دیا تو ایسی صورت میں مستعیر پر ضمان لازم آئے گی۔

وان ردّ الوديعة .... ضمن : مسئلہ (۹) اگر کسی مودع نے ودیعت کو مالک کے سپرد نہ کرکے مالک کے گھر پہنچا دیا تو ایسی صورت میں مودَع ضامن ہوگا کیونکہ مودع پر واجب ہے کہ اپنے فعل کو فسخ کرے اور یہ جب ہوگا جب مالک کو سپرد کرے اور مالک اس بات سے راضی نہیں ہوگا کہ مالک کے گھر پر یا عیال خانہ کو دیدے کیونکہ اگر وہ اس سے راضی ہوتا تو مودَع کے پاس ودیعت نہ رکھتا، لہٰذا مودع کا فسخ ودیعت کرنا اس وقت ہوگا جب کہ مالک کے سپرد ہو۔

(الجوہرہ، ج ۲، ص ۳۶۔ ہدایہ، ج ۳، ص ۲۶۶)

کتاب اللقیط

لقیط کا بیان

اَللَّقِیْطُ حُرٌّ وَ نَفَقَتُهٗ مِنْ بَیْتِ الْمَالِ وَاِنِ الْتَقَطَهٗ رَجُلٌ لَمْ یَکُنْ لِغَیْرِهٖ اَنْ یَّاْخُذَ مِنْ یَّدِهٖ فَاِنِ ادَّعٰی مُدَّعٍ اَنَّهٗ اِبْنُهٗ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ مَعَ یَمِیْنِهٖ وَاِنِ ادَّعَاهُ اِثْنَانِ وَ وَصَفَ اَحَدُهُمَا عَلَامَةً فِیْ جَسَدِهٖ فَهُوَ اَوْلٰی بِهٖ وَاِذَا وُجِدَ فِیْ مِصْرٍ مِنْ اَمْصَارِ الْمُسْلِمِیْنَ اَوْ فِیْ قَرْیَةٍ مِنْ قُرَاهُمْ فَادَّعٰی ذِمِّیٌّ اَنَّهٗ اِبْنُهٗ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَ کَانَ مُسْلِمًا وَ اِنْ وُجِدَ فِیْ قَرْیَةٍ مِنْ قُرَی اَهْلِ الذِّمَّةِ اَوْ فِیْ بِیْعَةٍ اَوْ کَنِیْسَةٍ کَانَ ذِمِّیًّا.

ترجمہ: لاوارث بچہ آزاد ہے اوراس کا خرچ بیت المال سے ہے، اگراس بچہ کوکسی نے اٹھالیا تو دوسرے کو اختیار نہیں ہے کہ اس کواس کے قبضہ سے نلے لے پس اگر کسی مدعی نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اوراگراس کا دوآدمیوں نے دعویٰ کیا اوران میں سے ایک نے کوئی علامت بیان کی جو اس بچہ کے جسم میں ہے تو یہ مدعی اس کا زیادہ حق دار ہوگا۔اوراگر وہ بچہ مسلمانوں کے کسی شہر میں یا مسلمانوں کی کسی بستی میں پایا گیا پھر کسی ذمی نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ بچہ اس کا (یعنی میرا ہے) تو اس کا نسب اس (ذمی) سے ثابت ہوجائے گا۔اور بچہ مسلمان ہوگا۔اوراگر وہ بچہ ذمیوں کے کسی گاؤں میں پایا گیا یا کسی مندریا کسی گرجا گھر میں تو وہ ذمی ہوگا۔

حل لغات: لقیط: پڑاہوالاوارث بچہ۔ التقطه: باب افتعال سے، اٹھانا۔ جسد: جسم۔ امصار: جمع مصر، شہر۔ قری: جمع قریة، گاؤں، بستی۔ بیعة: مندر۔ کنیسة: گرجا۔

تشریح: اللقیط: یہ فعیل کے وزن پر ہے مفعول کے معنیٰ میں ہے مثلاً قتیل، جریح، یہ مقتول اورمجروح کے معنیٰ میں ہے۔لغوی معنیٰ الشئ المنبوذ، جو چیز گری پڑی ہو۔پھینکی گئی ہو۔یعنی ایسا بچہ جس کوکسی نے اٹھایا ہواوراس کا وارث معلوم نہ ہو۔شریعت میں انسان کے اس بچہ کو کہتے ہیں جس کولوگوں نے پرورش سے بچنے یا زنا کی تہمت سے بچنے کے لئے پھینک دیا ہو۔اوراس بچہ کولقیط مایؤل کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بچہ کا اٹھالینا مستحب ہے کیونکہ اس میں بچہ کی پرورش اورزندگی کا سامان ہوتا ہے لیکن اگر ہلاک ہونے کا قوی اندیشہ ہوتو اس کا اٹھالینا واجب ہے۔

(حاشیہ قدوری، ص ۱۴۶۔ ہدایہ، ج ۲، ص ۶۱۱۔ جوہرہ، ج ۲، ص ۳۷۔ عینی شرح کنز، ج ۲، ص ۴۲۵)

اللقیط حرٌ .... مع یمینه: اس پوری عبارت کا خلاصہ مع تشریح یہ ہے کہ چونکہ بنی آدم اصل میں آزاد ہوتا ہے اس لئے لقیط تمام احکام میں آزاد ہے، غلامی ایک امر عارض ہے اگراس کے پاس مال نہیں ہے تو اس کو بیت المال سے خرچ دیا جائے گا۔حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے یہی منقول ہے، اوراس کی میراث بیت المال میں جائے گی اوراس کی جنایت وقصور کا تاوان بیت المال سے دیا جائے گا۔اگراس کوکسی شخص نے اٹھالیا تو اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کے

لئے جائز نہیں کہ اس کو قبضہ سے لے لے۔ اگر کوئی دعویدار دعویٰ کرے کہ وہ میرا لڑکا ہے تو اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ گویا ملتقط نے نسب کا دعویٰ کیا، اگر ملتقط نے نسب کا دعویٰ کردیا تو بدرجہ اولیٰ ملتقط اسکا مستحق ہوگا۔

(ہدایہ، ج ۲، ص ۶۱۲-۶۱۱۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۳۷)

وان ادعاہ اثنان .... فھو اولیٰ بہ : اگر لقیط کسی مسلم شہر میں یا کسی مسلم گاؤں میں پایا گیا اور ایک ذمی نے یہ دعویٰ کردیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو ذمی سے اس بچہ کا نسب ثابت ہوجائے گا البتہ بچہ مسلمان رہے گا یہ استحسانا ہے کیونکہ ذمی کے اس دعویٰ میں دو باتیں ہیں ایک نسب کا دعویٰ یہ بچہ کے لئے نفع بخش ہے۔ دوسرے اسلام کا مٹانا یہ بچہ کے لئے دارالاسلام کے ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ یہ دعویٰ بچہ کے لئے نقصان دہ ہے لہٰذا ذمی کا جو دعویٰ بچہ کے لئے مفید ہوگا وہی صحیح ہوگا اور جو مضر ہوگا وہ صحیح نہیں ہوگا۔ (ہدایہ، ج ۲، ص ۶۱۲۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۳۸)

وان وجد فی قریۃ .... کان ذمیا : اگر کوئی لقیط ذمیوں کے کسی گاؤں میں یا مندر میں یا کلیسہ میں پایا گیا تو وہ ذمی ہوگا، اگر اس کا پانے والا ذمی ہے تو بالاتفاق وہ لقیط ذمی ہوگا یہی ایک روایت ہے اور اگر کسی مسلمان نے اس لقیط کو ذمیوں کے ان مذکورہ مقامات میں پایا یا کسی ذمی نے لقیط کو مسلمانوں کے کسی مقام پر پایا تو ان دونوں صورتوں میں روایات مختلف ہیں۔ چنانچہ کتاب اللقیط کی روایت میں مکان کا اعتبار کیا گیا ہے یعنی اگر ذمیوں کی جگہ میں پایا گیا تو ذمی ہوگا خواہ پانے والا مسلمان ہو، اور مسلمانوں کی جگہ پایا گیا تو مسلمان ہوگا، خواہ پانے والا ذمی ہو۔ اور کتاب الدعویٰ کی روایت میں بعض نسخوں میں پانے والے کا اعتبار کیا گیا ہے یعنی اگر پانے والا ذمی ہے تو لقیط ذمی ہوگا خواہ مسلمانوں کی جگہ پایا گیا ہو، اور اگر پانے والا مسلمان ہے تو لقیط مسلمان ہوگا خواہ ذمیوں کی جگہ پایا گیا ہو۔ اور یہی ابن سماعہ نے امام محمدؒ سے روایت کیا ہے کیونکہ قابض کے قبضہ کو قوت ہے، اور کتاب الدعویٰ کی روایت میں بعض نسخوں میں بچہ کی بھلائی کا لحاظ کرکے اسلام کا اعتبار کیا گیا ہے۔ خواہ پانے والا مسلمان ہو یا ذمی کیونکہ اس کے حق یہی بہتر ہے۔ (ہدایہ، ج ۲، ص ۶۱۲۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۳۸)

وَمَنِ ادَّعیٰ اَنَّ اللَّقِیْطَ عَبْدُہٗ اَوْ اَمَتُہٗ لَمْ یُقْبَلْ مِنْہُ وَ کَانَ حُرًّا وَ اِنِ ادَّعیٰ عَبْدٌ اَنَّہٗ اِبْنُہٗ ثَبَتَ نَسَبُہٗ مِنْہُ وَ کَانَ حُرًّا وَاِنْ وُجِدَ مَعَ اللَّقِیْطِ مَالٌ مَشْدُوْدٌ عَلَیْہِ فَھُوَ لَہٗ وَ لَا یَجُوْزُ تَزْوِیْجُ الْمُلْتَقِطِ وَ لَا تَصَرُّفُہٗ فِیْ مَالِ اللَّقِیْطِ وَ یَجُوْزُ اَنْ یَّقْبِضَ لَہُ الْھِبَۃَ وَ یُسَلِّمَہٗ فِیْ صَنَاعَۃٍ وَ یُوَاجِرَہٗ.

ترجمہ : اور جس شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ لقیط اس کا (میرا) غلام یا اس کی (میری) باندی ہے تو اس کی طرف سے قبول نہیں ہوگا اور لقیط آزاد ہوگا۔ اور اگر کسی غلام نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو اسکا نسب اس غلام سے ثابت ہوجائے گا، اور وہ لقیط آزاد ہوگا۔ اور اگر لقیط کے ساتھ مال پایا گیا جو اس پر بندھا ہوا تھا تو وہ مال اسی کا ہوگا اور ملتقط کو (اس سے) شادی کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ملتقط کا لقیط کے مال میں تصرف کرنا جائز ہے۔ اور ملتقط کے لئے ہبہ پر قبضہ کرنا، اور اس کو کسی پیشہ کے لئے سپرد کرنا اور اس کو مزدوری پر لگانا جائز ہے۔

تشریح : اس عبارت میں چند مسائل مذکور ہیں۔

ومن ادعیٰ.......... لم یقبل منہ : اگر کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ لقیط میرا غلام یا میری باندی ہے تو اس کا یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ بظاہر یہ لقیط آزاد ہے لہٰذا محض دعویٰ سے غلام نہیں ہوگا۔ بلکہ مدعی بینہ قائم کرے کہ یہ لقیط میرا غلام ہے۔ (حوالہ سابق)

وان ادعیٰ عبد .... و کان حراً : اور اگر کسی غلام نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ لقیط میرا بیٹا ہے تو اس دعویٰ سے لقیط کا نسب اس غلام سے ثابت ہو جائے گا، اور لقیط آزاد رہے گا کیونکہ ہمیں بچہ کے نفع کا خیال کرنا ہے، چنانچہ اس دعویٰ میں دو چیزیں ہیں ایک ثبوت نسب دوسرے لقیط کا غلام ہونا، تو ثبوت نسب اس بچہ کے لئے نفع بخش ہے مگر غلام ہونا نقصان دہ ہے لہٰذا جس چیز میں بچہ کے لئے نفع ہے وہ صحیح ہوگی، اور جس چیز میں نقصان ہے وہ باطل ہوگی، کیونکہ کبھی آزاد عورت بھی مملوک کے لئے بچہ جنتی ہے لہٰذا لقیط کی ظاہری آزادی شک کی وجہ سے باطل نہیں ہوگی۔ (ہدایہ، ج ۳، ص ۶۱۳۔ جوہرہ، ج ۲، ص ۳۸)

وان وُجد .... فھو لہ : اگر لقیط کے ساتھ لقیط پر کچھ بندھا ہوا مال ہے تو بظاہر وہ مال لقیط کا ہے اور جس نے پایا وہ حاکم کے حکم سے اس مال کو لقیط پر خرچ کرے گا کیونکہ اس مال کا کوئی محافظ نہیں اور ایسا مال لقیط پر خرچ کرنے کی حاکم کو ولایت حاصل ہے۔ (ہدایہ، ج ۲، ص ۶۱۳)

ولا یجوز تزویج الملتقط، ولا تصرفہ فی مال اللقیط: اس عبارت میں دو مسئلے ہیں :

مسئلہ ۱: ملتقط کے لئے لقیط کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ سبب ولایت قرابت ملکیت اور سلطنت ہے جو یہاں موجود نہیں ہے۔ البتہ حاکم کرا سکتا ہے۔

مسئلہ ۲: ملتقط کے لئے لقیط کے مال میں باعتبار اُمّ تصرف جائز نہیں ہے کیونکہ تصرف ولایت کا مقصد مال کا بڑھانا ہے اور یہ دو باتوں سے ہوتا ہے ایک رائے کامل دوسرے شفقتِ وافر، اور ملتقط اور ماں میں سے ہر ایک میں صرف ایک بات موجود ہے، ماں کے اندر شفقت وافر تو ہے مگر رائے کامل نہیں بلکہ ناقص ہے اور ملتقط میں رائے کامل تو ہے مگر شفقت وافر نہیں اس لئے ملتقط لقیط کے مال میں خرید و فروخت کا تجارتی تصرف نہیں کر سکتا ہے۔

(ہدایہ، ج ۳، ص ۶۱۳۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۳۸۔ عین الہدایہ، ج ۲، ص ۶۰۶)

ویجوز ان یقبض الخ: اس عبارت میں تین مسئلے ہیں :

مسئلہ ۱: ملتقط کے لئے لقیط کے واسطے ہبہ پر قبضہ کرنا جائز ہے کیونکہ یہ محض نفع ہے۔

مسئلہ ۲: ملتقط کو اختیار ہے کہ لقیط کو کسی ہنر و پیشہ کے لئے سپرد کر دے۔

مسئلہ ۳: ملتقط کو اختیار ہے کہ لقیط کو اجارہ پر دیدے۔ یہ صاحب قدوری کا قول ہے۔ مگر جامع صغیر میں ہے کہ ملتقط کے لئے لقیط کو اجارہ پر دینا جائز نہیں اور یہی صحیح ہے۔ (ہدایہ، ج ۲، ص ۶۱۳۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۳۸)

کتاب اللقطة

افتادہ چیز کے اٹھالینے کا بیان

اَللُّقَطَةُ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِ الْمُلْتَقِطِ اِذَا اَشْهَدَ الْمُلْتَقِطُ اَنَّهُ يَاْخُذَهَا لِيَحْفَظَهَا وَ يَرُدَّهَا عَلٰى صَاحِبِهَا فَاِنْ كَانَتْ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ عَرَّفَهَا اَيَّامًا وَاِنْ كَانَتْ عَشَرَةً فَصَاعِدًا عَرَّفَهَا حَوْلاً كَامِلاً فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَ اِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَهُوَ قَدْ تَصَدَّقَ بِهَا فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَمْضَى الصَّدَقَةَ وَ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْمُلْتَقِطَ.

ترجمہ: افتادہ چیز اٹھانے والے کے قبضہ میں امانت ہے بشرطیکہ ملتقط کسی کو اس بات کا گواہ بنالے کہ وہ اس لئے اٹھا رہا ہے تاکہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اس کو اس کے مالک کو دیدے۔ اب اگر لقطہ دس درہم سے کم ہو تو چند روز اس کی تشہیر کرادے اور اگر دس درہم یا اس سے زیادہ ہو تو ایک سال تک تشہیر کراوے، اگر لقطہ کا مالک آجائے (تو اس کو دیدے) ورنہ تو اس کو صدقہ کردے پھر اگر لقطہ کا مالک آجائے جب کہ ملتقط اس کو صدقہ کر چکا ہے تو مالک کو اختیار رہے چاہے صدقہ کو جائز رکھے اور چاہے تو ملتقط سے تاوان لے لے۔

حل لغات: لقطة: یہ التقاط سے ماخوذ ہے، ایسی چیز جو اٹھائی جائے۔ بضم اللام وفتح القاف اسم فاعل ہے، اٹھانے والا۔ بضم اللام وسکون القاف، اسم مفعول ہے، وہ چیز جو اٹھائی گئی ہو۔ یہ خلیل کی رائے ہے۔ ابن اعرابی، فراء اور اصمعی نے فتح القاف اسم مفعول کی حالت میں بھی جائز قرار دیا ہے۔

تشریح: اللقطة .... علی صاحبها: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ افتادہ چیز جس نے بھی اٹھائی وہ اس کے پاس امانت ہے مگر یہ شرط ہے کہ جس نے اٹھایا ہے وہ گواہ قائم کرلے کہ میں نے اس ارادہ سے اٹھایا ہے کہ اس کی حفاظت کروں اور مالک کے آنے پر اس کو واپس کردوں، کیونکہ اس انداز سے افتادہ چیز کو اٹھانا شرعاً جائز ہے۔ ہمارے علماء مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کا اٹھالینا واجب ہے۔ مثلاً ایک بکری ہے اب خوف ہو کہ بھیڑیا اس کو کھا جائے گا تو ایسی صورت میں بکری کو اپنے قبضہ میں کرنا واجب ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو افضل ہے۔ امام مالکؒ امام احمدؒ کے نزدیک ترک کردینا مستحب ہے۔ احناف کی ایک روایت اسی طرح ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اٹھانا مستحب ہے اور ایک قول میں واجب ہے۔

چونکہ لقطہ امانت ہے اس لئے اگر بلا کسی تعدی کے ضائع ہوجائے تو کوئی تاوان نہیں آئے گا۔

فان کانت .... حولاً کاملاً: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر لقطہ دس درہم سے کم کی مالیت کا ہے تو ملتقط اس کی چند دن یعنی جتنے دن تک مناسب سمجھے تشہیر کرادے اور اگر دس درہم یا اس سے زائد ہے تو ایک سال تک اس کی تشہیر کرے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت ہے۔ اور حضرت حسن نے امام صاحب سے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ تشہیر مال

کی حیثیت کے اعتبار سے ہوگی چنانچہ اگر لقطہ دوسو درہم یا اس سے زائد کی مالیت کا ہے تو اس کی تشہیر ایک سال تک کرے، اگر دس درہم سے زائد اور دوسو سے کم مالیت کا ہے تو اس کی تشہیر ایک ماہ تک کرے، اور اگر دس درہم سے کم مالیت کا ہو تو ملتقط اپنی صواب دید پر تشہیر کرے، مگر دوسری روایت میں ہے کہ اگر دس درہم سے کم اور تین یا اس سے زائد یعنی نو تک ہو تو دس دن تک تشہیر کرے اور اگر ایک درہم اور تین سے کم ہو تو اس کو تین دن تشہیر کرے، اور اگر ایک دانق یا اس سے زائد ہو تو ایک دن تشہیر کرے (اسی موقع پر صاحب الجوہرہ رقم طراز ہیں کہ ایک دن اس وقت ہے جب کہ وانق چاندی ہو اگر وانق سونا ہے تو پھر تین دن ہے) اور اگر ایک وانق سے کم ہو تو دائیں بائیں دیکھنے کے بعد اس کو کسی فقیر کو دیدے۔ حضرت امام محمدؒ نے قلیل وکثیر کے درمیان فرق کئے بغیر ایک سال تشہیر کے لئے کہا ہے۔ حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی خیال ہے۔ حضرت امام شمس الدین سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ ان مدتوں میں کوئی مقدار لازم نہیں ہے بلکہ اگر تھوڑا ہو جب بھی ملتقط اس مدت تک اعلان کرے کہ جس سے غالب گمان ہو جائے کہ اب مالک تلاش نہیں کرے گا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور تشہیر بآواز بلند ایسے مقام پر کرے جہاں لوگ جمع ہوتے ہوں جیسے بازار مساجد کے دروازے وغیرہ یا پھر جہاں پایا ہے اسی مقام پر تشہیر کرے۔ (فتح القدیر، ج ۵، ص ۳۵۱-۳۵۰۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۴۰-۳۹)

فان جاء صاحبها والا تصدق بها: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر مالک آجاتا ہے تو بہتر ہے اور اس کے بینہ قائم کرنے کے بعد لقطہ اس کے حوالہ کردے لیکن اگر نہیں آتا ہے تو اس کو صدقہ کردے تاکہ مالک کو اصل نہ پہنچ کر اس کا عوض یعنی ثواب پہنچ جائے بشرطیکہ مالک کی طرف سے اجازت معتبر رہے اور اگر چاہے تو اس کو اس امید پر روک لے کہ شاید مالک آجائے۔ (الجوہرہ، ج ۲، ص ۴۰۔ ہدایہ، ج ۲، ص ۶۱۵)

فان جاء صاحبها وهو تصدق الخ: اگر ملتقط نے لقطہ صدقہ میں دیدیا اسے بعد مالک آگیا تو اب مالک کو اختیار ہے چاہے تو اس صدقہ کو باقی رکھے جو ملتقط نے دیا ہے اور چاہے تو ملتقط کو ضامن بنا کر اس سے ضمان وصول کرے۔ ملتقط کو اگرچہ شرعاً اجازت حاصل تھی مگر چونکہ مالک کی اجازت کے بغیر صدقہ کیا اس لئے مالک کی اجازت پر اس کا صدقہ موقوف تھا۔ اب جب کہ مالک نے اجازت نہیں دی، اس لئے مالک کو ضمان وصول کرنے کا حق ہے، البتہ ملتقط فقیر سے یہ ضمان وصول نہیں کرسکتا ہے۔ اور مالک فقیر سے مال کی موجودگی میں مال اور عدم موجودگی میں ضمان لے سکتا ہے کیونکہ فقیر کی ملکیت مسلم ہونے کا باوجود واپسی سے مانع نہیں ہے۔ (فتح القدیر، ج ۵، ص ۳۵۱)

وَيَجُوْزُ اِلْتِقَاطُ الشَّاةِ وَ الْبَقَرِ وَ الْبَعِيْرِ فَاِنْ اَنْفَقَ الْمُلْتَقِطُ عَلَيْهَا بِغَيْرِ اِذْنِ الْحَاكِمِ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ وَ اِنْ اَنْفَقَ بِاِذْنِهٖ كَانَ ذٰلِكَ دَيْنًا عَلٰى صَاحِبِهَا وَ اِذَا رُفِعَ ذٰلِكَ اِلَى الْحَاكِمِ نَظَرَ فِيْهِ فَاِنْ كَانَ لِلْبَهِيْمَةِ مَنْفَعَةٌ آجَرَ وَ اَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ اُجْرَتِهَا وَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهَا مَنْفَعَةٌ وَ خَافَ اَنْ تَسْتَغْرِقَ النَّفَقَةُ قِيْمَتَهَا بَاعَهَا الْحَاكِمُ وَ اَمَرَ بِحِفْظِ ثَمَنِهَا وَ اِنْ كَانَ الْاَصْلَحُ الْاِنْفَاقَ اَذِنَ ذٰلِكَ وَ جَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلٰى مَالِكِهَا فَاِذَا حَضَرَ مَالِكُهَا فَلِلْمُلْتَقِطِ اَنْ يَّمْنَعَهُ مِنْهَا حَتّٰى يَاْخُذَ النَّفَقَةَ.

ترجمہ : اور بکری، گائے اور اونٹ کا التقاط (پکڑ لینا) جائز ہے۔ اگر ملتقط نے اس لقطہ پر حاکم کی اجازت کے بغیر خرچ کیا تو وہ تبرع ہوگا اور اگر حاکم کی اجازت سے خرچ کیا تو اس کے مالک کے ذمہ دین ہوگا۔ اور اگر حاکم کے سامنے یہ جانور لایا جائے تو حاکم اس میں غور کرلے پس اگر چوپایہ کے لئے کچھ فائدہ ہے تو اسے کرایہ پر دیدے اور اس کرایہ میں سے اس پر خرچ کرے اور اگر چوپایہ کے لئے کوئی فائدہ نہیں ہے اور یہ اندیشہ ہے کہ خرچ اس کی قیمت کو لے ڈوبے گا تو حاکم اس کو فروخت کردے، اور اس کی قیمت کو محفوظ رکھنے کا حکم دے۔ اور اگر اس پر خرچ کرنا زیادہ مفید ہو تو حاکم اس کی اجازت دیدے اور خرچ کو اس کے مالک کے ذمہ دین کردے اور جب اس کا مالک آجائے تو ملتقط کو اختیار ہے کہ اس کو لقطہ سے روک دے یہاں تک کہ خرچ وصول کرلے۔

تشریح : صاحب قدوری کی یہ عبارت پانچ مسائل پر مشتمل ہے :

ویجوز التقاط الشاة والبقر والبعیر : مسئلہ (۱) اگر کسی کو گم شدہ بکری، گائے اور اونٹ میں سے کوئی مل جائے تو اس کے لئے اس کا پکڑنا جائز ہے۔ صاحب جوہرہ فرماتے ہیں کہ یہ جواز اس وقت ہے جب کہ اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً جنگل میں شیر یا چور آتا ہے لیکن اگر کوئی خوف نہ ہو تو بکری کے علاوہ کسی اور جانور کو پکڑنا جائز نہیں ہے۔ بکری کے متعلق ارشاد ہے "**خذها فانما هي لك او لاخيك او للذئب**" اور اونٹ کے متعلق ارشاد نبویؐ ہے "**مالك ولها معها حذاؤها و سقاؤها ترد الماء وترعى الشجر حتى ياتيها صاحبها فياخذها**" امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اگر یہ جانور جنگل میں ہیں تو نہ پکڑنا افضل ہے۔ یہی اختلاف گھوڑے میں بھی ہے۔

(ہدایہ، ج ۲، ص ۶۱۵۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۴۰)

فان انفق .... علی صاحبها : مسئلہ (۲) اگر ملتقط نے لقطہ پر حاکم کی اجازت کے بغیر خرچ کیا تو یہ خرچ تبرع اور احسان ہے (کیونکہ ملتقط کی ولایت ان جانوروں پر ناقص ہے) اور اگر حاکم کی اجازت سے خرچ کیا تو اس صورت میں خرچ مالک کے ذمہ دین ہوگا۔ (کیونکہ قاضی کی ولایت غائب شخص کے حق میں ولایت کاملہ ہوتی ہے)۔

واذا رفع .... بحفظ ثمنها : مسئلہ (۳) اگر لقطہ کا معاملہ قاضی یا حاکم کی عدالت میں پیش ہو تو قاضی غور کرے کہ جانور پر خرچ کردہ رقم مالک کے لئے نفع بخش ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نفع بخش ہوسکتی ہے تو قاضی کا فرض ہے کہ اس جانور کو کرایہ پر دیدے اور جو کرایہ وصول ہو اسے اس جانور پر خرچ کرے اور اگر مالک کے لئے نفع نہ ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ خرچ اتنا زیادہ ہوگا کہ اس کی قیمت سے آگے بڑھ جائے گا تو اس صورت میں حاکم کو چاہئے کہ اس کو فروخت کرا کر اس کی قیمت کو محفوظ کرادے۔

وان كان الاصلح .... دينا على مالكها : مسئلہ (۴) اگر حاکم کے نزدیک جانور پر خرچ کرنا زیادہ مناسب معلوم ہو تو حاکم کو چاہئے کہ اس کی اجازت دے اور اس خرچ کو مالک کے ذمہ دین قرار دے اور حاکم جس قدر مناسب سمجھے اسی حساب سے دو یا تین دن ملتقط کو جانور پر خرچ کرنے یعنی دانہ چارہ دینے کا حکم دے اس امید پر کہ شاید مالک ظاہر ہو ورنہ اس کو فروخت کرنے کا حکم دے۔ مگر شرط یہ ہے کہ قاضی دانہ چارہ کا حکم دینے سے پہلے ملتقط سے اس پر گواہ قائم کرائے کیونکہ اگر جانور التقاط کا نہیں ہے بلکہ غصب کا ہے تو قاضی نفقہ کا حکم نہیں کرے گا۔ (ہدایہ، ج ۲، ص ۶۱۶)

فاذا حضر مالکها الخ: مسئلہ (۵) اگر قاضی کے نفقہ کا حکم دینے کے بعد لقطہ کا مالک آجائے تو ملتقط کو اختیار ہے کہ لقطہ کو مالک کے حوالہ نہ کرے جب تک کہ مالک ملتقط کو نفقہ ادا نہ کردے کیونکہ اسی نفقہ سے لقطہ زندہ رہا ہے۔
(ہدایہ، ج ۲، ص ۶۱۶)

وَ لُقَطَةُ الحِلِّ وَ الْحَرَمِ سَوَاءٌ وَ إِذَا حَضَرَ الرَّجُلُ فَادَّعىٰ اَنَّ اللُّقَطَةَ لَهُ لَم تُدفَعْ اِلَيهِ حَتىّٰ يُقِيمَ الْبَيِّنَةَ فَاِنْ اَعْطىٰ عَلامتها حَلَّ لِلْمُلْتَقِطِ اَنْ يَدْفَعهَا اِلَيهِ وَ لاَ يُجْبَرُ علىٰ ذٰلِكَ فِي الْقَضَاءِ وَ لاَ يَتَصَدَّقُ بِاللُّقَطَةِ علىٰ غَنِيّ وَاِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ غَنِيًّا لَمْ يَجُزْ اَنْ يَّنتَفِعَ بِهَا وَاِنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلاَ بَاسَ بِاَنْ يَّنتَفِعَ بِهَا وَ يَجُوْزُ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِهَا اِذَا كَانَ غَنِيًّا علىٰ اَبِيهِ وَ اِبنِهٖ وَ اُمِّهٖ وَ زَوْجَتِهٖ اِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ.

ترجمہ : حل اور حرم کا لقطہ برابر ہے۔ اور اگر ایک شخص آیا اور اس نے دعویٰ کیا کہ یہ لقطہ اس کی ملک ہے تو یہ لقطہ اس کے حوالہ نہ کیا جائے، یہاں تک کہ وہ گواہ پیش کردے پس اگر اس لقطہ کی کوئی علامت بیان کردی تو ملتقط کے لئے جائز ہے کہ لقطہ مدعی کے حوالہ کردے اور ملتقط اس (عمل) پر قضاءً مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اور لقطہ کسی مال پر صدقہ نہیں ہوگا۔ اور اگر ملتقط خود مالدار ہو تو اس کے لئے اس لقطہ سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔ اور اگر ملتقط خود غریب ہے تو اس کے لئے اس لقطہ سے نفع اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر ملتقط مال دار ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس لقطہ کو اپنے باپ، بیٹے، ماں اور اپنی بیوی پر صدقہ کردے، اگر وہ فقیر ہوں۔

تشریح : یہ عبارت سات مسائل پر مشتمل ہے۔

ولقطة الحل والحرم سواء : مسئلہ (۱) اگر کسی نے حرم کے اندر سے یا اس کے باہر حل سے کوئی چیز اٹھائی ہو تو دونوں کا حکم تشہیر کے سلسلے میں یکساں رہے گا یعنی ملتقط اس مدت تک اعلان کرے گا جس سے ملتقط کو یہ غالب گمان ہو جائے کہ اب مالک اس کو طلب نہیں کرے گا۔ حضرت امام شافعیؒ دونوں میں تفریق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ملتقط پر واجب ہے کہ حرم سے اٹھائی گئی چیزوں کو مالک کی آمد تک اعلان کرے۔ (شرح وقایہ، ج ۲، ص ۳۳۵۔ الجوہرہ، ج ۲، ص ۴۱)

واذا حضر .... حتی : مسئلہ (۲) اگر کوئی شخص آکر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ لقطہ میرا ہے تو مدعی کو یہ لقطہ اس وقت تک حوالہ نہ کیا جائے جب تک کہ وہ اس پر گواہ پیش نہ کردے، کیونکہ وہ خود مدعی ہے اور مدعی کے بیان کی تصدیق بلا بینہ کے نہیں کی جاتی ہے لیکن اگر اس کے باوجود ملتقط نے دیدیا تو جائز ہے، کیونکہ ارشاد نبوی ہے **فان جاء صاحبها فعرف عفاصها** (الجوہرہ، ج ۲، ص ۴۱)

فان اعطیٰ .... فی القضاء : مسئلہ (۳) اگر مدعی نے صرف اس کی علامت بیان کی مثلاً درہموں کا وزن، اس کی تعداد، ظروف کی شکل، گرہ کی ہیئت، جانوروں کا رنگ بیان کیا تو ملتقط کے لئے اس چیز کو مدعی کے حوالہ کرنا جائز ہے، اور اس پر اس کو قضاءً مجبور نہیں کیا جائے گا۔ یعنی قاضی مجبور نہیں کرے گا۔ البتہ امام مالک اور امام شافعیؒ کے نزدیک مجبور

کیا جائے گا۔ (الجوہرہ، ج ۲،ص ۴۱)

و لا يتصدق باللقطة على غنى : مسئلہ (۴) اگر ملتقط کو مالکِ لقطہ نہ ملے تو اس لقطہ کو کسی مال دار پر صدقہ نہ کرے، کیونکہ دولت مند صدقہ کا محل نہیں ہے۔

وان كان الملتقط .... ان ينتفع بها : مسئلہ (۵) اگر ملتقط کو مالکِ لقطہ نہ ملے اور ملتقط خود دولت مند ہو تو اس کے لئے اس لقطہ سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے البتہ علی سبیل القرض جائز ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً اٹھانے والے کے لئے لقطہ سے نفع اٹھانا جائز ہے خواہ وہ دولت مند کیوں نہ ہو۔ (تبیین الحقائق، ج ۳،ص ۳۰۷۔ ہدایہ، ج ۲،ص ۶۱۷)

و ان كان فقيراً .... ان ينتفع بها : مسئلہ (۶) اگر ملتقط فقیر ہو تو اس کے لئے لقطہ سے نفع اٹھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ وہ صاحب ضرورت ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک وہ ہمیشہ تشہیر کرے گا اور اس کے لئے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔ (الجوہرہ، ج ۲،ص ۴۱)

ويجوز التصدق الخ : مسئلہ (۷) اگر ملتقط دولت مند ہو اور اس کا باپ، بیٹا، بیوی فقیر ہوں تو ان لوگوں کو صدقہ دینا جائز ہے۔

كتاب الخنثىٰ

خنثیٰ کا بیان

اس کتاب کو گذشتہ کتاب سے مناسبت اس طور ہے کہ جس طرح لقیط اور لقطہ کا گم ہونا واضح ہے اسی انداز سے خنثیٰ کے حالات ظاہر نہیں ہیں۔ اسی لئے یہ بھی گم شدگی میں داخل ہیں۔

الخنثیٰ، فعلیٰ کے وزن پر ہے خنث سے ماخوذ ہے معنیٰ ہے نرم اور تکسر (ٹوٹا ہوا)

خنثیٰ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کا حال مردوں کے مقابلے میں ناقص اور ٹوٹا ہوا ہے۔ خنثیٰ کی جمع خناثیٰ آتی ہے۔

خنثیٰ کی ایک تعریف وہ ہے جس کو صاحب قدوری نے ذکر کیا ہے جو ابھی متن میں آرہی ہے اور ایک دوسری تعریف صاحب الجوہرۃ نے ینابیع کے حوالہ سے ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ ایسا مولود جس کو فرج و ذکر دونوں نہ ہوں اور خروج حدث دبر یا ناف سے ہو۔ تو اسکو خنثیٰ کہتے ہیں۔ (حاشیہ قدوری، ص ۱۴۸۔ الجوہرہ، ج ۲،ص ۴۱)

اِذَا كَانَ لِلْمَوْلُوْدِ فَرْجٌ وَ ذَكَرٌ فَهُوَ خُنْثىٰ فَاِنْ كَانَ يَبُوْلُ مِنَ الذَّكَرِ فَهُوَ غُلَامٌ وَ اِنْ كَانَ يَبُوْلُ مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ اُنْثىٰ وَاِنْ كَانَ يَبُوْلُ مِنْهُمَا وَ الْبَوْلُ يَسْبِقُ مِنْ اَحَدِهِمَا نُسِبَ اِلَى الْاَسْبَقِ مِنْهُمَا وَاِنْ كَانَا فِي السَّبَقِ سَوَاءً فَلَا يُعْتَبَرُ بِالْكَثْرَةِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُنْسَبُ اِلىٰ اَكْثَرِهَا بَوْلًا وَ اِذَا بَلَغَ الْخُنْثىٰ وَ خَرَجَتْ لَهُ لِحْيَةٌ اَوْ وَصَلَ اِلَى النِّسَاءِ فَهُوَ رَجُلٌ وَاِنْ ظَهَرَ لَهُ ثَدْيٌ كَثَدْيِ الْمَرْاَةِ اَوْ نَزَلَ لَهُ لَبَنٌ فِيْ ثَدْيَيْهِ اَوْ حَاضَ اَوْ حَبِلَ اَوْ اَمْكَنَ الْوُصُوْلُ اِلَيْهِ مِنْ جِهَةِ الْفَرْجِ فَهُوَ اِمْرَاَةٌ فَاِنْ لَمْ يَظْهَرْ لَهُ اِحْدىٰ هٰذِهِ الْعَلَامَاتِ فَهُوَ خُنْثىٰ مُشْكِلٌ.

ترجمہ: اگر نوزائیدہ بچہ کے فرج اور ذکر دونوں ہوں تو وہ خنثیٰ ہے، پس اگر وہ بچہ پیشاب کرتا ہے ذکر سے تو وہ لڑکا ہے اور اگر پیشاب کرتا ہے فرج سے تو وہ لڑکی ہے۔ اور اگر وہ دونوں سے پیشاب کرتا ہے (البتہ) ان دونوں (راستوں) میں سے ایک سے پیشاب سبقت کرتا ہے تو اس کی طرف منسوب کیا جائے گا جو ان میں سے سبقت کرتا ہے۔ اور اگر دونوں راستے سبقت کرنے میں برابر ہوں تو امام اعظم کے نزدیک (کسی راستہ سے) زیادہ پیشاب آنے کا اعتبار نہیں ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ پیشاب کے اعتبار سے ان دونوں راستوں کے اکثر کی طرف منسوب کر دیا جائے گا۔ اور جب خنثیٰ بالغ ہو جائے اور اس کو ڈاڑھی نکل آئے یا عورت سے صحبت کرے تو وہ مرد ہے اور اگر اس کی چھاتی عورتوں کی چھاتیوں کی طرح ابھر آئے یا اس کی دونوں چھاتیوں میں دودھ اتر آئے یا اس کو حیض آ جائے یا وہ حاملہ ہو جائے یا اس سے فرج کی طرف سے صحبت کرنا ممکن ہو تو وہ عورت ہے، پس اگر ان میں سے کوئی علامت اس کے لئے ظاہر نہ ہو تو وہ خنثیٰ مشکل ہے۔

حل لغات: یبول: مصدر بولاً (ن) پیشاب کرنا۔ یسبق (ن،ض) سبقة سبقًا الی کذا: آگے بڑھ جانا۔ لحیة، ڈاڑھی۔ وصل الی النساء: جماع کرنا صحبت کرنا۔ ثدی: پستان، چھاتی۔ حَبِلَ (س) حبلاً: حاملہ ہونا۔

تشریح: اذا کان للمولود الخ: صاحب قدوری نے اس پوری عبارت میں خنثیٰ مشکل کی تعریف اور اس کی حقیقت کو بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہ نوزائدہ بچہ جس کے ذکر اور فرج دونوں موجود ہوں، وہ خنثیٰ کہلاتا ہے۔ چونکہ اس بچہ کو دو مخرج ہیں اس لئے اس کی حالت مشتبہ ہے بایں وجہ علامت تمیز کے طور پر آلۂ پیشاب کا اعتبار کیا گیا ہے چنانچہ اگر وہ بچہ ذکر سے پیشاب کرتا ہے تو وہ لڑکا ہے۔ اور اگر وہ فرج سے پیشاب کرتا ہے تو وہ لڑکی ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے مولود کے وراثت کا حکم معلوم کیا گیا تو آپ نے فرمایا "من حیث یبول" جس راہ سے پیشاب کرے یعنی اگر فرج سے پیشاب کرتا ہے تو لڑکی کا حصہ ورنہ لڑکے کا حصہ۔

اگر دونوں سے پیشاب کرتا ہے تو ایسی صورت میں جس راہ سے پیشاب پہلے نکلے گا اس کو ترجیح حاصل ہوگی، کیونکہ یہ اس کے اصلی عضو ہونے کی دلیل ہے۔ اور اگر دونوں سے پیشاب ایک ساتھ نکلتا ہے تو اس صورت میں امام اعظمؒ صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک وہ مولود خنثیٰ مشکل ہے اور کسی ایک آلہ سے زیادہ پیشاب نکلنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ پیشاب کا کم یا زیادہ نکلنا مخرج کے تنگ یا کشادہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ عضو کی قوت اور اس کی اصالت کی دلیل نہیں ہے۔

حضرات صاحبینؒ کے نزدیک کثرت بول کا اعتبار ہے کیونکہ یہ اصالت عضو کی دلیل ہے لہٰذا جس مخرج سے زیاد پیشاب نکلے گا اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

واضح رہے کہ مذکورہ بالا صورت بلوغت سے پہلے کی ہیں۔ اب اگر خنثیٰ بالغ ہو گیا اور اس کو ڈاڑھی نکل آئی یا اس نے عورت سے جماع کیا تو وہ مرد ہے۔ لیکن اگر اس کی چھاتیاں عورت کی چھاتیوں کی طرح ابھر آئیں یا اس کی چھاتیوں میں دودھ اتر آیا یا اس کو حیض آ گیا یا اس کو حمل رہ گیا یا اس کی فرج کی طرف سے جماع کرنا ممکن ہو تو وہ عورت ہے۔ اور اگر ان علامات میں سے کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی تو وہ خنثیٰ مشکل ہے۔ (الجوہرہ، ج ۲، ص ۱۴۱۔ تبیین الحقائق، ج ۶، ص ۲۱۵)

وَ اِذَا وَقَفَ خَلْفَ الْاِمَامِ قَامَ بَیْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَ تُبْتَاعُ لَهُ اَمَةٌ مِنْ مَالِهٖ تَخْتِنُهُ اِنْ کَانَ لَهُ مَالٌ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَهُ مَالٌ اِبْتَاعَ لَهُ الْاِمَامُ مِنْ بَیْتِ الْمَالِ اَمَةً فَاِذَا خَتَنَتْهُ بَاعَهَا وَ رَدَّ ثَمَنَهَا اِلٰی بَیْتِ الْمَالِ وَ اِنْ مَاتَ اَبُوْهُ وَخَلَفَ اِبْنًا وَ خُنْثٰی فَالْمَالُ بَیْنَهُمَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلٰی ثَلٰثَةِ اَسْهُمٍ لِلْاِبْنِ سَهْمَانِ وَ لِلْخُنْثٰی سَهْمٌ وَ هُوَ اُنْثٰی عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِی الْمِیْرَاثِ اِلَّا اَنْ یَّثْبُتَ غَیْرُ ذٰلِكَ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ نِصْفُ مِیْرَاثِ الذَّکَرِ وَ نِصْفُ مِیْرَاثِ الْاُنْثٰی وَ هُوَ قَوْلُ الشَّعْبِیْ وَ اخْتَلَفَا فِیْ قِیَاسِ قَوْلِهٖ فَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَلْمَالُ بَیْنَهُمَا عَلٰی سَبْعَةِ اَسْهُمٍ لِلْاِبْنِ اَرْبَعَةٌ وَ لِلْخُنْثٰی ثَلٰثَةٌ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَلْمَالُ بَیْنَهُمَا عَلٰی اِثْنَیْ عَشَرَ سَهْمًا لِلْاِبْنِ سَبْعَةٌ وَ لِلْخُنْثٰی خَمْسَةٌ.

ترجمہ : اور جب خنثیٰ (نماز کے لئے) امام کے پیچھے کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو اور اس کے لئے ایک باندی اس کے مال سے خریدی جائے جو اس کا ختنہ کرے اگر اس کے پاس مال ہو، لیکن اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو امام بیت المال سے اس کے لئے باندی خریدے اور جب باندی اس کا ختنہ کردے تو اس کو فروخت کردے اور اس کی قیمت بیت المال میں داخل کردے، اور اگر اس کا باپ مرگیا اور اس نے ایک لڑکا اور خنثیٰ چھوڑا تو متروکہ مال امام اعظمؒ کے نزدیک ان دونوں کے درمیان تین حصوں پر تقسیم ہوگا۔ لڑکے کے لئے دو حصے اور خنثیٰ کے لئے ایک حصہ اور وہ امام اعظمؒ کے نزدیک میراث کے باب میں عورت (کے حکم میں) ہے مگر یہ کہ اسکے علاوہ کچھ اور ثابت ہوجائے۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ خنثیٰ کے لئے مذکر کی میراث اور مؤنث کی میراث کا نصف نصف ہوگا اور یہ امام شعبیؒ کا قول ہے اور صاحبین نے امام شعبیؒ کے قول میں اختلاف کیا ہے۔ پس امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مال ان دونوں کے درمیان سات حصوں پر تقسیم ہوگا، لڑکے کے لئے چار اور خنثیٰ کے لئے تین۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مال ان دونوں کے درمیان بارہ حصوں پر تقسیم ہوگا لڑکے کے لئے سات اور خنثیٰ کے لئے پانچ۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسائل بیان کئے گئے ہیں :

و اذا وقف .... والنساء : مسئلہ(۱) خنثیٰ مشکل نماز کے لئے امام کے پیچھے مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو، کیونکہ امور شرعیہ میں خنثیٰ کے متعلق انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے، اور یہاں احتیاط اسی میں ہے، کیونکہ اندیشہ ہے کہ خنثیٰ مردوں کی صف میں کھڑا ہو اور عورت ثابت ہو تو مردوں کی نماز فاسد ہوگی اسی طرح خنثیٰ عورت کی صف میں کھڑا ہو اور مرد ثابت ہو تو عورتوں کی نماز فاسد ہوگی۔ (الجوہرہ، ج ۲، ص ۴۲)

و تبتاع له .... الی بیت المال : مسئلہ(۲) خنثیٰ کے ختنہ کرنے کے لئے اس کے مال سے ایک باندی خریدی جائے بشرطیکہ اس کے پاس مال ہو، اور یہ باندی اس خنثیٰ کا ختنہ کرے، کیونکہ مملوکہ اپنے آقا کی شرمگاہ دیکھ سکتی ہے۔ اب اگر خنثیٰ مرد ہے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ باندی اس کی مملوکہ ہے۔ اور اگر خنثیٰ عورت ہو تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ

عورت دوسری عورت کی شرمگاہ بوقت ضرورت دیکھ سکتی ہے۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ خنثیٰ مشتباۃ میں سے ہو اگر ایسا نہیں ہے تو مرد عورت کے لئے ختنہ جائز ہے۔ اور اگر خنثیٰ کے پاس مال نہیں تو امام بیت المال سے اس کے لئے ایک باندی خریدے اور ختنہ کے بعد اس کو فروخت کر کے اس کی رقم کو بیت المال میں جمع کر دے کیونکہ باندی کا خریدنا ضرورت کے تحت تھا اور ختنہ کے بعد ضرورت ختم ہوگئی تو اس کو فروخت کر دیا۔ (حوالہ سابق)

و ان مات ابوه .... وهو قول الشعبي : مسئلہ (۳) اس مسئلہ کی نوعیت واضح ہے۔ یہاں امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ اس عبارت میں "**الا ان یثبت غیر ذلك**" موجود ہے جو تشریح طلب ہے تو صاحب الجوہرہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ انثیٰ کا حصہ مذکر کے حصہ سے زائد ہے تو اس صورت میں خنثیٰ کو مذکر کا حصہ ملے گا، جس کی تین صورتیں ہیں :

۱- ایک عورت مرگئی، اس نے شوہر، ابوین اور خنثیٰ چھوڑا تو مال متروکہ ان لوگوں کے درمیان بارہ حصوں میں تقسیم ہوگا۔ تین حصہ شوہر کا، چار حصہ والدین کا، اور پانچ حصہ خنثیٰ کا ہوگا۔

۲- ایک عورت مرگئی، اس نے شوہر، اخیافی یعنی ماں شریک بھائی اور خنثیٰ حقیقی چھوڑا تو مسئلہ چھ سے بنے گا۔ تین حصہ شوہر کا، ایک حصہ اخیافی بھائی کا۔ باقی دو حصے خنثیٰ کے ہوں گے۔ لیکن اگر خنثیٰ انثیٰ ہوتا تو اس کو تین حصے ملتے۔

۳- ایک عورت انتقال کر گئی اور وہ شوہر، حقیقی بہن، اور خنثیٰ (علاتی) چھوڑ گئی تو مسئلہ دو سے بنے گا۔ شوہر کو آدھا (ایک حصہ) اور بہن کو آدھا (ایک حصہ) ملے گا اور خنثیٰ کے لئے بالاتفاق کچھ نہیں ہوگا۔ کیونکہ خنثیٰ جب کبھی وارث ہوتا ہے تو بر بناء شک وارث نہیں ہوگا۔ (الجوہرہ، ج ۲، ص ۴۳)

و اختلفا في قياس قوله الخ: جب صاحبینؒ نے امام شعبیؒ کے قول میں قیاس کیا تو اختلاف نظر آیا۔ چنانچہ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مال میراث میں ان دو طرح کے ورثا کے درمیان سات حصوں پر تقسیم ہوگا جن میں سے چار حصے لڑکے کے لئے اور تین حصے خنثیٰ کے لئے ہوں گے۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مال میراث کی تقسیم بارہ حصوں پر ہوگی جس میں سے لڑکے کو سات حصے اور خنثیٰ کو پانچ حصے ملیں گے۔ مزید تفصیل کے لئے ہدایہ، ج ۴، ص ۶۸۸ ملاحظہ فرمائیں۔

کتاب المفقود

مفقود شخص کا بیان

المفقود: اسم مفعول بمعنیٰ معدوم، لاپتہ شخص۔ یہ **فقدت الشيء** (جب کسی چیز کو تلاش کیا جائے اور وہ نہ ملے) سے مشتق ہے صاحب نہایہ فرماتے ہیں کہ لغت میں اضداد میں سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے **فقدت الشيء وفقدته** (میں نے ایک چیز گم کیا پھر اس کو تلاش کیا اور یہ دونوں مفہوم مفقود میں موجود ہیں، اس طور پر کہ ایک شخص اپنے گھر والوں سے غائب ہو گیا اور لوگ اس کی تلاش میں ہیں۔ (تبیین، ج ۳، ص ۳۱۰)

اس کتاب کو گذشتہ کے تحت اس مناسبت سے بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح نوزائدہ بچہ جس کی جنس رجلیت یا اناث

نامعلوم ہے اور وہ خنثیٰ مشکل کے حکم میں ہوگیا گویا یہ بھی مفقود الحال ہے یعنی حالات کے معلوم نہ ہونے میں خنثیٰ اور مفقود کے درمیان مناسبت ہے۔

شریعت میں مفقود اس شخص کو کہتے ہیں جو ایسی جہت میں نکل کر گم ہوجائے کہ لوگوں کو اس کی جہت، اس کے مقام اور اس کی موت اور زندگی کا پتہ نہ ہو، اور نہ یہ معلوم ہو کہ دشمنوں نے اس کو اپنی حراست میں لے لیا یا اس کو قتل کردیا۔

حکم اس کا یہ ہے کہ ایسا شخص اپنی ذات کے حق میں زندہ ہے، اس کی بیوی کسی غیر سے شادی نہ کرے، اس کا مال اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم نہیں ہوگا اور اس کا اجارہ فسخ نہیں ہوگا، اور دوسرے لوگوں کے حق میں وہ مردہ ہے، وہ کسی رشتہ دار کا وارث نہیں ہوگا۔ (تبیین، ج ۳، ص ۳۱۰۔ حاشیہ قدوری، ص ۱۵۰)

اِذَا غَابَ الرَّجُلُ فَلَمْ یُعْرَفْ لَهٗ مَوْضَعٌ وَ لَا یُعْلَمُ اَحَیٌّ هُوَ اَمْ مَیِّتٌ نَصَبَ الْقَاضِیْ مَنْ یَّحْفَظُ مَالَهٗ وَ یَقُوْمُ عَلَیْهِ وَ یَسْتَوْفِیْ حُقُوْقَهٗ وَ یُنْفِقُ عَلٰی زَوْجَتِهٖ وَ اَوْلَادِهِ الصِّغَارِ مِنْ مَالِهٖ وَ لَا یُفَرِّقُ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ امْرَاَتِهٖ فَاِذَا تَمَّ لَهٗ مِأةٌ وَ عِشْرُوْنَ سَنَةً مِنْ یَوْمٍ وُلِدَ حَکَمْنَا بِمَوْتِهٖ وَ اعْتَدَّتْ اِمْرَاَتُهٗ وَ قُسِمَ مَالُهٗ بَیْنَ وَرَثَةِ الْمَوْجُوْدِیْنَ فِیْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ وَ مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ قَبْلَ ذٰلِكَ لَمْ یَرِثْ مِنْهُ شَیْئًا وَ لَا یَرِثُ الْمَفْقُوْدُ مِنْ اَحَدٍ مَاتَ فِیْ حَالِ فَقْدِهٖ۔

ترجمہ: اور اگر آدمی غائب ہوجائے اور اس کا ٹھکانہ معلوم نہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ وہ شخص زندہ ہے یا مردہ ہے تو قاضی ایسے شخص کو مقرر کرے جو اس کے مال کی حفاظت کرے اور اس کی نگرانی کرے اور اس کے حقوق (مال کی پیداوار، قرض وغیرہ جو قرض خواہوں نے اعتراف کرلیا ہو) وصول کرے اور اس کے مال (دراہم یا دنانیر یا جو اس کے حکم میں ہوں اس) میں سے اس کی بیوی اور اس کے چھوٹے بچوں پر خرچ کرے اور قاضی اس مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہ کرے اور جب پورے ہوجائیں ایک سو بیس سال اس کی پیدائش کے دن سے، تو اب ہم اسکی موت کا حکم لگادیں گے۔ اور اس کی بیوی عدت گزارے اور اس کا مال اس کے ان ورثاء کے درمیان تقسیم کردیا جائے جو اس وقت موجود ہوں۔ اور جو شخص اس کے ورثاء میں سے اس (فیصلہ) سے پہلے مرجائے، تو وہ اس (میراث) میں سے کسی چیز کا وارث نہیں ہوگا۔ اور مفقود شخص ایسے شخص کا وارث نہیں ہوگا جو اس کے غائب ہونے کی حالت میں انتقال کرگیا۔

تشریح: ابتداء میں مفقود کی تعریف اور اس کا حکم بیان کردیا گیا ہے جیسا کہ صاحب قدوری نے بھی اس کو اس عبارت میں بیان کیا اور مزید یہ بیان کیا ہے کہ مفقود کی حالت فقد میں قاضی وقت کی کیا ذمہ داری ہے۔

اذا غاب الرجل ...... اولادہ الصغار من مالہ: عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔ مفقود کی غیوبت کی حالت میں قاضی کا فرض ہے کہ اس کے مال کی حفاظت اس کی نگرانی اور لوگوں سے اس کے حقوق کی وصولیابی کے لئے کسی شخص کو مقرر کرے، کیونکہ قاضی ہر ایسے شخص کے واسطے مقرر ہے جو اپنے ذاتی امور کی نگہداشت سے عاجز ہے اور مفقود بھی ایسا ہی ہے کہ اپنے ذاتی امور کی نگہداشت سے عاجز ہے، اور متعین کردہ شخص، مفقود کے مال میں سے اس کی بیوی اور اس کے

چھوٹے بچوں پر خرچ کرے اور یہ حکم اولاد صغار کے علاوہ قرابت ولادت یعنی والدین، اجداد، پوتے، پڑپوتے وغیرہ کو بھی شامل ہے۔ اور اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے ''جو اس کی موجودگی میں قاضی کے حکم کے بغیر نفقہ کے مستحق تھے ان پر مفقود کی غیوبت میں بھی اس کے مال سے خرچ کرے''۔ (ہدایہ ج: ۲ ص ۶۲۰-۶۲۱)

ولا یفرق بینه وبین امرأته : قاضی مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہ کرے۔ اس سلسلے میں ائمہ ثلاثہ اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ایک قول میں، امام شافعیؒ اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک جب کوئی شخص چار سال تک لاپتہ رہے تو قاضی مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کردے، اور عورت عدت وفات گذارنے کے بعد جس سے چاہے نکاح کرلے کیونکہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کے متعلق یہی حکم فرمایا جس کو جنات مدینہ میں رات میں اُٹھالے گئے تھے جس کا پورا قصہ قدوری کے حاشیہ پر ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ مفقود کی عورت اس کی بیوی ہے یہاں تک کہ اس کو (موت یا طلاق کی) خبر پہونچے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ وہ عورت مبتلا کی گئی اس کو صبر کرنا چاہئے یہاں تک کہ شوہر کی موت معلوم ہوجائے یا طلاق کی اطلاع پائے۔

حضرت امام مالکؒ کا حضرت عمرؓ کے قول سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کا حضرت علی کے قول کی طرف رجوع کرنا ثابت ہے نیز حافظ عبدالرزاق نے ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت علیؓ کے اس قول میں موافقت کی ہے کہ امرأۃ مفقود ہمیشہ انتظار کرتی رہے گی۔

(حاشیہ قدوری بحوالہ رمز الحقائق، جوھرہ، ہدایہ وغیرہ)

فاذا تم له ...... واعتدت امرأته : اور مفقود کی عمر ایک سوبیس سال کی ہوجائے تو اب قاضی وقت اس کی موت کا فیصلہ کردے اور اس کی بیوی عدت وفات گذارے۔

مفقود کے انتقال کے متعلق معتبر مدت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، صاحب قدوری نے ایک سوبیس سال کی عمر بیان کی ہے۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے حضرت حسن کی روایت ہے اور ظاہر الروایہ میں ہے کہ جب بستی کے تمام ہم عصر مرجائیں تو مفقود کی موت کا حکم لگادیا جائے کیونکہ آدمی اپنے ہم عصروں کے بعد بھی زندہ رہے ایسا نادر ہی ہوتا ہے اور احکام شرعیہ کی بنیاد غالب اور اکثر پر ہے نہ کہ نادر پر۔ حضرت امام ابویوسفؒ سے سوسال کی مدت منقول ہے اور بعض فقہاء مثلاً ابوبکر الفضل سے نوے سال منقول ہے کیونکہ عموماً آدمی اس سے زیادہ زندہ نہیں رہتا ہے۔ شرح وقایہ اور کنز میں ایسا ہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ مذکورہ مدت کے علاوہ ۳۰، ۶۰، ۷۰، ۸۰، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۰ سال گزرجانے کے بعد موت کا حکم لگانے کے اقوال ہیں جو غیر معمول بہا ہیں۔ مذہب مختار یہ ہے کہ امام کی رائے کے حوالہ کرے کیونکہ علاقوں اور طبیعتوں کے اختلاف سے اس میں اختلاف ہوتا ہے۔ (حاشیہ شرح وقایہ ج:۳ ص ۳۳۹، تبیین الحقائق ج:۳ ص ۳۱۲، عینی ج:۲ ص ۴۴۳)

صاحب الحیلة الناجزہ لکھتے ہیں جس کا اختصار یہ ہے کہ بعض صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک اگر حاکم کو ظاہر حال سے مفقود کی ہلاکت وموت غالب گمان ہوجائے مثلاً معرکۂ جنگ میں گم ہوگیا یا ایسے مرض کی حالت میں نکل گیا ہو جس میں موت کا غالب گمان ہے یا سمندر کے سفر پر گیا ہو اور ساحل پر پہونچنے کا پتہ نہ چلا ہو تو ہم عمروں کے ختم ہونے سے پیشتر قاضی

غالب گمان کی بنیاد پر اس کی موت کا حکم دے سکتا ہے اور عورت عدت گزارنے کے بعد کسی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے، جیسا کہ شامی میں ہے۔ بعض متاخرین حنفیہ نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر رکھتے ہوئے حضرت امام مالکؒ کے مسلک پر فتویٰ دیا ہے جیسا کہ قہستانی کا قول ہے کہ اگر ضرورت کے موقع پر کوئی امام مالک کے قول پر فتویٰ دیدے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (الحیلۃ الناجزۃ ص ۶۳-۶۴)

اس موقع پر اتنا واضح رہے کہ قاضی کی مقرر کردہ موت کے ختم ہونے کے بعد احناف کے نزدیک دوبارہ درخواست دے کر قاضی سے حکم بالموت حاصل کر لیا جائے البتہ مالکیہ کے نزدیک اس کی ضرورت نہیں ہے مگر بہتر یہ ہے کہ حکم بالموت حاصل کر لیا جائے ہاں جس جگہ ایسا کرنا دشوار ہو تو وہاں اس کے بغیر عمل کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے الحیلۃ الناجزہ ملاحظہ فرمائیں۔

قُسم ماله الخ : اس عبارت کے مضامین واضح ہیں اس مضمون کو کتاب المفقود کے شروع میں حکم کے تحت بیان کر دیا گیا ہے رجوع فرمائیں۔

کتاب الاباق

غلام کے بھاگ جانے کے احکامات کا بیان

الاباق: مصدر ابق العبد (س،ن،ض) اَبْقًا و اَبَقًا و اِبَاقًا بھاگنا۔ اصطلاحی طور پر غلام اور باندی کے اپنے مالک سے از راہِ شرارت وسرکشی بھاگ جانے کو کہتے ہیں۔ بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ کر اس کے مالک تک پہونچانا مستحب ہے صرف ایسے شخص کے لئے جو اس کی حفاظت پر قادر ہو اور اس کو مالک تک پہونچا سکے کیونکہ اس عمل میں مالک کے حق کو زندہ کرنا ہے اس لئے کہ مالک اس غلام سے محروم ہو چکا ہے یا اس کا غلام مر گیا ہے۔ (تبیین الحقائق ج:۳ص ۳۰۷، الجوھرہ ج:۲ص ۴۵، عین الهدایہ ج:۲ص ۶۱۴)

ثعالبی کہتے ہیں کہ آبق اس غلام کو کہتے ہیں جو اپنے آقا سے بلا کسی ظلم وزیادتی کے فرار ہو جائے لیکن اگر آقا کے ظلم وزیادتی سے بھاگتا ہے تو اس کو ھارب کہیں گے اباق عیب ہے اور ھرب عیب نہیں ہے۔ (الجوھرہ ج:۲ص ۴۵)

صاحب نہایہ فرماتے ہیں کہ لقطہ، لقیط، مفقود اور اباق کو یکے بعد دیگرے اسی مناسبت سے بیان کیا گیا کہ ان تمام میں مجانست اس اعتبار سے ہے کہ ہر ایک میں زوال اور نقصان کا پہلو موجود ہے۔ (فتح القدیر ج:۵ ص ۳۶۰)

اِذَا اَبِقَ الْمَمْلُوْكُ فَرَدَّهُ رَجُلٌ عَلٰى مَوْلَاهُ مِنْ مَسِيْرَةِ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِدًا فَلَهُ عَلَيْهِ جُعْلُهُ وَ هُوَ اَرْبَعُوْنَ دِرْهَمًا وَ اِنْ رَدَّهُ لِاَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ فَحِسَابُهُ وَ اِنْ كَانَتْ قِيْمَتُهُ اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا قُضِيَ لَهُ بِقِيْمَتِهِ اِلَّا دِرْهَمًا وَ اِنْ اَبِقَ مِنَ الَّذِيْ رَدَّهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَ لَا جُعْلَ لَهُ وَ يَنْبَغِيْ اَنْ يُشْهِدَ اِذَا اَخَذَهُ اَنَّهُ يَاْخُذُ لِيَرُدَّ عَلٰى صَاحِبِهِ فَاِنْ كَانَ الْعَبْدُ الْاٰبِقُ رَهْنًا فَالْجُعْلُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ

ترجمہ: اگر غلام بھاگ جائے اور کوئی شخص اس کو اس کے مولیٰ کے پاس تین دن یا اس سے زائد کی مسافت سے واپس لے آئے تو اس شخص کے لئے مولا کے ذمہ اس کی اجرت ہوگی اور وہ اجرت چالیس درہم ہیں اور اگر اس غلام کو اس مسافت سے کم سے (پکڑ کر) لائے تو اس کی اُجرت اسی کے حساب سے ہوگی اور اگر غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہے تو اس کی قیمت کا فیصلہ ہوگا بجز ایک درہم کے (پکڑ کر لانے والے کو انتالیس درہم دیئے جائیں گے) اور اگر غلام اس شخص کے قبضہ سے بھاگ جائے جو اس کو (پکڑ کر) لا کر واپس کیا ہے تو اس پر کوئی ضمان نہیں ہوگا اور نہ اس کے لئے کوئی مزدوری ہوگی اور مناسب یہ ہے کہ جب اس کو پکڑے تو کسی کو گواہ بنالے کہ اس نے اس غلام کو اس لئے پکڑا ہے کہ اس کو اس کے مالک کو واپس کرے (تاکہ غصب کا الزام نہ آئے) اور اگر بھگوڑا غلام رہن تھا تو اُجرت مرتہن پر ہوگی)

تشریح: اس پوری عبارت میں پانچ مسئلے ہیں :

اذا ابق ...... فبحسابه الخ : مسئلہ(۱) اگر کوئی غلام فرار ہوگیا اور ایک شخص اس کو تین روز یا اس سے زائد مسافت سے پکڑ کر لایا اور مالک کے سپرد کر دیا تو اس لانے والے کو چالیس درہم اُجرت دی جائے گی اور اگر مذکورہ مسافت سے کم پر پکڑ کر لایا تو جس قدر مسافت کم ہوگی اسی حساب سے اُجرت دی جائے گی مثلاً اگر مدت مسافت ایک یوم ہے تو اس کی اجرت تیرہ درہم اور ایک درہم کا تہائی ہوگی (۱/۳-۱۳ درہم) بعض مشائخ کا خیال ہے کہ آقا اور لانے والے کے باہمی مصالحت سے اجرت طے ہوگی اور بعض کا خیال ہے کہ حاکم کی رائے کے مطابق اُجرت دی جائے گی اور فتویٰ اسی پر ہے، یہ احناف کا مسلک ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک (آقا کی) شرط کے بغیر کوئی اُجرت واجب نہیں ہوگی۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک بلاسفر کے اُجرت مثل دینا ہوگی اسی طرح اگر اس کو شہر سے پکڑ کر لایا تو بھی یہی حکم ہے لیکن اگر شہر سے باہر سے پکڑ کر لایا ہے تو پھر احناف کے مسلک کے مطابق (چالیس درہم) امام احمد کے نزدیک ایک دینار یا بارہ درہم سے مطلقاً لیکن اگر شہر سے پکڑ کر لایا تو دس درہم ہے اور اگر شہر سے باہر سے لایا ہے تو احناف کے مسلک کے مطابق ہے۔ (چالیس درہم) (فتح القدیر ج:۵ص ۳۶۳، عینی ج ۲:ص ۴۲۷، حاشیہ قدوری ص ۱۵۱)

وان کان قیمته ...... الا درهمًا : مسئلہ(۲) اگر گریختہ غلام کی قیمت چالیس درہم ہے تو مالک لانے والے کو ایک درہم کم (۳۹) درہم ادا کرے گا۔ یہ حضرات طرفین کا مسلک ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پورے چالیس درہم ادا کرے گا۔ (الجوہرہ ج:۲ص ۴۶، ہدایہ ج ۲:۶۱۹)

وان ابق ...... ولا جُعل له: مسئلہ(۳) اگر گریختہ غلام گرفتار کر کے لانے والے کے پاس سے بھاگ جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا اور اس کو لانے کی مزدوری (سفرخرچ) نہیں ملے گی کیونکہ یہ امانت ہے اور امانت میں بلاتعدی کوئی ضمان نہیں ہے اور امانت کا حکم اس شرط پر ہے کہ اس نے گرفتار کرتے وقت گواہ بنالئے ہوں اگر گواہ نہیں بنایا تو حضرات طرفین کے نزدیک غلام بھاگ جانے کی صورت میں ضمان لازم آئے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کوئی ضمان نہیں ہے۔

قدوری کے بعض نسخوں میں "لاشئی لہ" ہے یعنی پھر لانے والے کے واسطے کچھ نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے یعنی جب اس کے پاس سے غلام بھاگ جائے تو اس کو کوئی جعل (مزدوری) نہیں ملے گا کیونکہ وہ شخص مالک کے

ہاتھ فروخت کرنے والے کے معنی میں ہے یعنی جب تک مالک کے سپرد نہیں کرے گا اس وقت تک کسی چیز کا مستحق نہیں ہوگا چنانچہ اسی بنیاد پر پھرلانے والے کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنی مزدوری کے وصول لینے تک بھگوڑے غلام کو اپنے پاس روک لے جیسے بائع کو یہ اختیار ہے کہ اپنے نقد دام وصول کرنے تک مبیع مشتری کے سپرد نہ کرے۔ (الجوہرہ ج:۲ص ۴۶، ہدایہ ج:۲ص ۶۱۹)

وینبغی ان یشھد ...... لیرد علی صاحبه: مسئلہ (۴) گرفتار کرنے والے کو چاہئے کہ بھگوڑے غلام کو گرفتار کرتے وقت کسی کو اس بات کا گواہ بنالے کہ میری گرفتاری کا مقصد اس کو مالک تک پہونچانا ہے۔ حضرات طرفین کے نزدیک گواہ بنانا واجب ہے کیونکہ اگر وہ گواہ نہیں بناتا ہے تو اس کو تو مزدوری ملے گی اور یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اس نے اپنے واسطے گرفتار کیا ہے اور امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اشہاد واجب نہیں ہے۔

(الجوہرہ ج:۲ص ۴۶، ہدایہ وحاشیہ ج:۲ص ۶۱۹)

فان کان العبد الخ: مسئلہ (۵) اگر فرار ہونے والا غلام کسی کے پاس رہن تھا تو واپس لانے والے کی اُجرت مرتہن کے ذمہ ہوگی البتہ شرط یہ ہے کہ اس غلام کی قیمت قرض کے برابر یا اس سے کم ہو لیکن اگر قرض سے زائد ہوگی تو مرتہن کے ذمہ قرض کے بقدر واجب ہوگی اور باقی راہن کے ذمہ ہوگی کیونکہ مرتہن کا حق اس قدر ہے جس قدر اس کی ضمانت میں ہے۔

واضح رہے کہ عبد مرہون کا بھاگنا اس کو ابق سے خارج نہیں کرتا ہے اور گریختہ عبد مرہون کو راہن کی حیات میں یا اس کے انتقال کے بعد واپس لانا دونوں برابر ہے کیونکہ راہن کی موت سے رہن باطل نہیں ہوتی ہے۔

(الجوہرہ ج:۲ص ۴۶، ہدایہ ج:۲ص ۶۱۹-۶۲۰)

کتاب احیاء الموات

مردہ زمین کو زندہ کرنے کا بیان

اس کتاب کو گزشتہ کتاب مفقود، اباق وغیرہ سے مناسبت اس طور پر ہے کہ جس طرح وہ اشیاء جب تک اپنی اصلی حالت پر نہ پہونچیں اس وقت تک وہ موت کے مانند ہیں اسی طرح زمین کا اپنی اصلی حالت (کاشت کے قابل ہونا) پر نہ ہونا زمین کا مردہ ہونا ہے اس لئے اس مناسبت کے تحت اس کتاب کو یہاں بیان کیا گیا۔ (ماخوذ از مصباح القدوری ج:۷ص ۹)

احیاء الموات: یہاں دو لفظ ہیں ایک احیاء، دوسرے موات۔ دونوں لفظ کی لغوی واصطلاحی حیثیت وضاحت طلب ہے اس لئے ہم اس کو بیان کرتے ہیں۔

احیاء: مصدر زندہ کرنا، اس سے مراد زمین کو نمو اور کاشت کے قابل بنانا ہے گویا حیاۃ سے حیات نامیہ مراد ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے **كَيْفَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا**۔

الموات: یہ فعال کے وزن پر ہے جیسے غراب وسحاب اور موت سے مشتق ہے، ایسی زمین جس میں روح نہ ہو یا ایسی زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو۔ اصطلاحی طور پر ارض الموات اس زمین کو کہتے ہیں جو غیر مملوک ہو، مرافق بلد میں سے نہ ہو، آبادی سے باہر ہو، خواہ آبادی سے قریب ہو یا دور ہو، قابل انتفاع نہ ہو، خواہ اس وجہ سے کہ پانی زمین سے کٹ گیا یا اس

وجہ سے کہ پانی کی کثرت ہوگئی یا ان کے مشابہ کسی اور وجہ سے جو زراعت سے مثلاً زمین بہت نمدار ہوگئی یا شور ہوگئی۔
(الجوہرہ ج:۲ص ۴۶،ہدایہ ج:۴ص ۴۹۱،شرح وقایہ ج:۴ص ۱۰۷)

مرافق بلد : آبادی کے منافع جس سے آبادی کے لوگ مستفید ہوتے ہیں مثلاً آبادی کے لوگ وہاں سے لکڑیاں لاتے ہیں یا ان کی چراگاہ ہے۔

احیاء الموات : ناقابل انتفاع کو قابل انتفاع بنانا ہے۔موات اس لئے کہتے ہیں کہ ایسی زمین سے انتفاع منقطع ہو چکا ہے۔ (ہدایہ ج:۴ص ۴۶۱)

اَلْمَوَاتُ مَا لَا يُنْتَفَعُ بِهِ مِنَ الْاَرْضِ لِانْقِطَاعِ الْمَاءِ عَنْهُ اَوْ لِغَلَبَةِ الْمَاءِ عَلَيْهِ اَوْ مَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ مِمَّا يَمْنَعُ الزِّرَاعَةَ فَمَا كَانَ مِنْهَا عَادِيًا لَا مَالِكَ لَهُ اَوْ كَانَ مَمْلُوْكًا فِي الْإِسْلَامِ وَ لَا يُعْرَفُ لَهُ مَالِكٌ بِعَيْنِهِ وَ هُوَ بَعِيْدٌ مِنَ الْقَرْيَةِ بِحَيْثُ إِذَا وَقَفَ إِنْسَانٌ فِي اَقْصَى الْعَامِرِ فَصَاحَ لَمْ يُسْمَعِ الصَّوْتُ فِيْهِ فَهُوَ مَوَاتٌ مَنْ اَحْيَاهُ بِإِذْنِ الْإِمَامِ مَلَكَهُ وَ إِنْ اَحْيَاهُ بِغَيْرِ إِذْنِهِ لَمْ يَمْلِكْهُ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَمْلِكُهُ وَ يَمْلِكُهُ الذِّمِّيُّ بِالْإِحْيَاءِ كَمَا يَمْلِكُهُ الْمُسْلِمُ وَ مَنْ حَجَّرَ اَرْضًا وَ لَمْ يَعْمُرْهَا ثَلٰثَ سِنِيْنَ اَخَذَهَا الْإِمَامُ مِنْهُ وَ دَفَعَهَا إِلٰى غَيْرِهِ وَ لَا يَجُوْزُ إِحْيَاءُ مَا قَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ وَ يُتْرَكُ مَرْعًى لِاَهْلِ الْقَرْيَةِ وَ مَطْرَحًا لِحَصَائِدِهِمْ۔

ترجمہ : موات وہ زمین ہے جس سے نفع نہ اُٹھایا جاسکے اس سے پانی کے کٹ جانے کی وجہ سے یا اس پر پانی کے غالب آجانے کی وجہ سے یا اس سے مشابہ کسی اور چیز کی وجہ سے جو زراعت سے مانع ہو لہٰذا جو زمین قدیم زمانہ سے (ویران) ہو اس کا کوئی مالک نہ ہو یا زمانۂ اسلام میں مملوک تھی لیکن اس کا کوئی معین مالک نہیں اور وہ زمین آبادی سے اس قدر دور ہو کہ اگر کوئی انسان آبادی کے آخری کنارے پر کھڑا ہو کر آواز لگائے تو اس (غیر آباد) زمین میں اس کی آواز سنی نہ جائے تو وہ زمین موات (کے حکم میں) ہے جس شخص نے اس کو حاکم کی اجازت سے آباد اور معمور کیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور جس شخص نے اس کو مالک کی اجازت کے بغیر آباد کیا تو وہ شخص حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مالک نہیں ہوگا اور حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ وہ شخص اس کا مالک ہو جائے گا اور ذمی شخص بھی احیاء کے ذریعہ اس کا مالک ہو جائے گا جس طرح مسلمان اس کا مالک ہو جاتا ہے اور جس شخص نے زمین کی تحجیر کی (پتھر لگا کر علامت لگادی) اور اس کو تین سال آباد نہیں کیا تو امام اس زمین کو اس سے لے کر دوسرے کو دیدے اور جو زمین آبادی سے قریب ہو اس کا احیاء درست نہیں ہے بلکہ اہل بستی کے لئے چراگاہ اور کٹی ہوئی کھیتی ڈالنے (کھلیان) کے لئے چھوڑ دی جائے گی۔

حل لغات : الزراعة: کاشتکاری۔ عادیًا: یہ عاد کی طرف منسوب ہے، پرانی چیز۔ قرية: بستی، آبادی۔ اقصیٰ: انتہاء۔ العامر: آباد۔ صاح (ض) صیحًا: چیخنا، چلانا، آواز لگانا۔ حجّر: یہ بالتشدید اور بلا تشدید دونوں منقول ہے، اگر بالتشدید ہو تو ترجمہ ہوگا زمین کے اردگرد پتھر وغیرہ رکھ کر کوئی علامت لگانا۔ اور اگر بلا تشدید ہے تو ترجمہ ہوگا

دوسروں کو اس زمین سے روکنا، مگر یہاں بالتشدید اولیٰ ہے (کما فی العینی ج:۴ص۸۵) مرعیً: چراگاہ۔ مطرحًا: ڈالنے کی جگہ۔ حصائد: یہ حصیدہ کی جمع ہے، کھیت کا کٹا ہوا حصہ۔

تشریح: صاحب قدوری کی اس عبارت میں ارض موات کی تعریف، "بعید من القریة" کی تشریح اور چار مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

الموات ...... فهو موات: صاحب قدوری نے اس عبارت میں ارضِ موات کی تعریف کی اور آگے چل کر ''بعید من القریۃ'' کی قید لگائی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک ارضِ موات کے لئے شرط ہے کہ وہ آبادی سے دور ہو چنانچہ امام ابویوسفؒ اور امام طحاویؒ کے نزدیک بھی یہی شرط ہے، البتہ امام محمد کے نزدیک آبادی والوں کا اس زمین سے منتفع نہ ہونا شرط ہے خواہ وہ زمین آبادی سے دور ہو یا قریب۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے، ظاہر الروایہ میں بھی یہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (عینی ج:۴ص۸۵)

من احیاه ...... ومحمد یملکه: مسئلہ(۱) اگر کوئی شخص ویران زمین کو حاکم کی اجازت سے قابل کاشت بناتا ہے تو بالاتفاق وہ شخص اس کا مالک ہو جائے گا لیکن اگر حاکم کی اجازت کے بغیر قابل کاشت بناتا ہے تو اس میں اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ شخص اس کا مالک نہیں ہوگا، حضرات صاحبین کے نزدیک وہ شخص مالک ہو جائے گا۔ حضرات ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے، البتہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر آبادی والے چاہتے ہیں تو اجازت کا اعتبار ہوگا ورنہ نہیں۔ (عینی ج:۴ص۸۵)

ویملك الذمی ...... کما یملك المسلم: مسئلہ(۲) جس طرح ایک مسلمان شخص احیاء کے ذریعہ زمین کا مالک ہو جاتا ہے اسی طرح ایک ذمی شخص بھی احیاء کے ذریعہ زمین کا مالک ہو جائے گا کیونکہ احیاء ملکیت کا سبب ہے البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حاکم کی اجازت شرط ہے۔ (الجوھرہ ج:۲ص۴۷)

ومن حجر ...... دفعها الی غیره: مسئلہ(۳) اگر کسی شخص نے زمین میں پتھر کی نشانی لگادی اور اس کو تین سال تک بلا کاشت کے ویسے ہی چھوڑے رکھا چونکہ اس طرح چھوڑنے سے نقصان ہوگا اس لئے حاکم کو چاہئے کہ اس زمین کو اس سے لے کر کسی دوسرے کو دیدے تاکہ وہ شخص اس زمین کو قابل کاشت بنائے۔

ولایجوز احیاء الخ: مسئلہ(۴) آبادی سے قریب زمین کو قابل کاشت بنانا درست نہیں ہے بلکہ اس زمین کو آبادی والوں کے لئے چراگاہ اور کھلیان کے لئے چھوڑ دی جائے گی۔

وَ مَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي بَرِيَّةٍ فَلَهٗ حَرِيْمُهَا فَاِنْ كَانَتْ لِلْعَطَنِ فَحَرِيْمُهَا اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وَ اِنْ كَانَتْ لِلنَّاضِحِ فَحَرِيْمُهَا سِتُّوْنَ ذِرَاعًا وَ اِنْ كَانَتْ عَيْنًا فَحَرِيْمُهَا خَمْسُ مِائَةِ ذِرَاعٍ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَحْفِرَ بِئْرًا فِي حَرِيْمِهَا مُنِعَ مِنْهَا وَ مَا تَرَكَ الْفُرَاتُ وَالدِّجْلَةُ وَ عَدَلَ عَنْهُ الْمَاءُ فَاِنْ كَانَ يَجُوْزُ عَوْدُهٗ اِلَيْهِ لَمْ يَجُزْ اِحْيَاؤُهٗ وَ اِنْ كَانَ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَعُوْدَ اِلَيْهِ فَهُوَ

كَالْمَوَاتِ إِذَا لَمْ يَكُنْ حَرِيْمًا لِعَامِرٍ يَمْلِكُهُ مَنْ اَحْيَاهُ بِإِذْنِ الإِمَامِ وَ مَنْ كَانَ لَهُ نَهرٌ فِي اَرْضِ غَيْرِهِ فَلَيْسَ لَهُ حَرِيْمٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ لَهُ الْبَيِّنَةُ عَلٰى ذٰلِكَ وَ عِنْدَهُمَا لَهُ مُسَنَّاةُ النَّهْرِ يَمْشِيْ عَلَيْهَا وَ يُلْقِي عَلَيْهَا طِيْنَهُ.

ترجمہ: اور جس شخص نے کسی جنگل میں ایک کنواں کھودا تو اس کے لئے اس کنویں کا حریم ہے پس اگر یہ کنواں اونٹوں کے لئے ہو تو اس کا حریم ساٹھ ہاتھ ہے اور اگر وہ چشمہ ہے تو اس کا حریم پانچ سو ہاتھ ہے پس جو شخص اس کے حریم میں کنواں کھودنے کا ارادہ کرے تو اس کو اس سے منع کیا جائے گا اور جس زمین کو (نہر) فرات اور دجلہ چھوڑ دے اور اس سے پانی ہٹ جائے پس اگر اس طرف پانی کا دوبارہ آنا ممکن ہو تو اس کا احیاء جائز نہیں ہے اور اگر اس طرف پانی کا دوبارہ آنا ممکن نہ ہو تو یہ زمین بمنزلہ زمین موات کے ہے بشرطیکہ کسی آبادی کے حق میں حریم نہ ہو تو وہ شخص اس کا مالک ہو جائے گا جو اس کو حاکم کی اجازت سے آباد کرے گا۔ اور جس شخص کی نہر کسی دوسرے کی زمین میں ہو تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا کوئی حرم نہیں ہے، مگر جب کہ مالک نہر اس کا حریم ہونے پر کئی گواہ قائم کر دے۔ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اس کے لئے نہر کی پٹریاں (مینڈھ) ہوں گی جن پر وہ چلے اور اس پر نہر کی مٹی ڈال سکے۔

حل لغات: حفر (ض) حفرًا: گڑھا کھودنا۔ بئر: کنواں۔ بریّة: جنگل۔ حریم: اردگرد، چاروں طرف، جمع حُرُم۔ العطن: اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ۔ بئر العطن: وہ کنواں جس سے ہاتھ سے پانی بھرا جاتا ہے اور اونٹ اس کے اردگرد بیٹھ کر پانی پیتے ہیں۔ (شرح وقایہ جلد۴) دوسری تشریح یہ ہے ایسا کنواں جس میں سے جانوروں کو پانی پلا کر اس کے اردگرد آرام دیتے ہیں۔ (فتاوی عالمگیری اردو ج:۹ ص۱۴۴) ناضح: اونٹ جس پر پانی سیراب کرنے کے لئے لایا جائے۔ بئر الناضح: ایسا کنواں جس میں سے اونٹ سے پانی نکال کر زراعت کو سینچا جائے (شرح وقایہ ج۴، عینی ج۴، ص۸۶) عدل عنہ (ض) عدلًا: ہٹ جانا۔ یجوز: یعنی یمکن۔ مُسنّاۃ: بند، جو سیلاب کو روکے، مینڈھ۔ طین: مٹی۔

تشریح: صاحب قدوری کی یہ عبارت تین مسائل پر مشتمل ہے۔

و من حفر ...... مُنع الخ: مسئلہ (۱) اگر ایک شخص نے کسی جنگل میں حاکم کی اجازت سے (بالاتفاق) یا بلا اجازت حاکم (جیسا کہ صاحبین کا مسلک ہے) کنواں کھودا تو اس شخص کے لئے اس کے کنویں کا حریم ہوگا تاکہ کوئی دوسرا شخص اس حریم کے اندر کنواں نہ کھود سکے اب اگر یہ کنواں جانوروں مثلاً اونٹ یا بکری کی سیرابی کے لئے ہے تو اس کا حریم اصح قول کے مطابق ہر جانب سے چالیس گز ہے اور اگر یہ کنواں کھیت کی سینچائی کے لئے ہے تو اس کا حریم اصح قول کے مطابق ہر جانب سے ساٹھ گز ہے، یہ صاحبین کا مسلک ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں کا حریم ہر جانب سے چالیس گز ہے اور اگر یہ کنواں چشمہ کے لئے ہے تو بالاتفاق اس کا حریم اصح قول کے مطابق ہر جانب سے پانچ سو گز ہے (مجموعی طور پر دو ہزار گز) حضرت امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک حریم کی بابت عرب کے عرف کا اعتبار ہے۔ (عینی ج:۴ ص۶۸)

وما ترك الفرات ...... باذن الامام الخ: مسئلہ (۲) اس مسئلہ کی نوعیت واضح ہے، البتہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حاکم وقت کی اجازت شرط ہے۔

ومن کان لہ نھر الخ : مسئلہ (۳) اگر کسی نہر غیر کی زمین میں ہو تو اس کی حریم کے متعلق احناف کے یہاں اختلاف ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا کوئی حریم نہیں ہے بشرطیکہ صاحب نہر اس پر کوئی بینہ قائم کر دے اور حضرات صاحبین کے نزدیک اس کا حریم بقدر ضرورت جانبین سے ہے اور وہ نہر کا کنارہ یعنی مینڈھ ہے کہ جس پر وہ چل سکے اور اگر نہر مٹی سے پٹ جائے تو اس کے اندر سے مٹی نکال کر مینڈھ پر ڈال سکے۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے اور ایک تحقیق کے مطابق اس پر سب کا اتفاق ہے۔ (عینی شرح کنز ج:۴ص ۸۷)

اس سلسلہ میں مزید تفصیل قدوری ص ۱۵۲ کے حاشیہ نمبر ۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(نوٹ) واضح ہو کہ حریم بیر کی حیثیت فناء دار کی سی ہے اور جس طرح صاحب دار فناء دار کا زیادہ حقدار ہے اسی طرح صاحب بیر حریم بیر کا زیادہ حقدار ہے۔ (الجوھرہ ج:۲ص ۴۷)

کتاب الماذون

ماذون کا بیان

الماذون: یہ مفعول ہے، اذن سے ماخوذ ہے اَذن لہ فی الشیٔ اجازت دینا، مباح کرنا۔ مگر فقہاء نے اس کا ترجمہ اعلام اور آگاہ کرنا سے کیا ہے جو ایک لازمی مفہوم ہے (حاشیہ عینی شرح کنز ج:۴ص ۴۷۹)۔ ماذون وہ غلام یا طفل تمیز دار جس کو تجارت کی اجازت دیدی گئی ہو اور بیشتر اس کا اطلاق غلام پر ہوتا ہے (عین الھدایہ) اذن کے اصطلاحی اور شرعی مفہوم میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، عند الاحناف اس کا مفہوم حجر کو دور کرنا ہے جو غلام کے حق میں بسبب الرق ثابت ہوئی تھی اور مولیٰ کے حق کو ساقط کرنا ہے۔ اور حضرت امام زفرؒ، امام شافعی اور امام احمدؒ کے نزدیک وکیل کرنا اور نائب بنانا ہے اور تعریف میں اختلاف کی بنیاد پر عبد ماذون کے مسائل میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے جس کی تفصیل آئندہ سطور میں آرہی ہے۔

بہرکیف جب غلام کو اجازت ہوجاتی ہے تو وہ بطریق اصالت اپنی اہلیت اور صلاحیت کے اعتبار سے اپنے واسطے تصرف کرتا ہے نہ کہ بطریق نیابت، کیونکہ آزاد ہونے کے بعد غلام کے اندر اس کی ناطق گویائی اور عقل ممیز کے ساتھ تصرف کی اہلیت باقی تھی مگر وہ مالک کے حق کی وجہ سے تصرف سے مجبور تھا تاکہ اس کی رقبہ اور اس کی کمائی سے قرض کا تعلق نہ ہو۔ اور چونکہ یہ مولیٰ کا مال ہے اس لئے اس کی اجازت ضروری ہے تاکہ اس کا حق بغیر اسکی رضاء کے باطل نہ ہو، لیکن جب مالک نے تجارت کی اجازت دیدی اور اپنا حق ساقط کر دیا تو غلام اپنی اصل اہلیت کے اعتبار سے متصرف ہو گیا، لہٰذا اب اس اذن کے بعد عبد ماذون پر جو ذمہ داری لاحق ہوتی ہے مولیٰ اس کا ضامن نہیں ہوگا، چنانچہ اگر عبد ماذون نے کوئی چیز خریدی تو ثمن اس کے مولیٰ سے طلب نہ کی جائے گی، اور یہ اجازت کسی زمان و مکان کے ساتھ مقید و مؤقت نہیں ہوگی، چنانچہ اگر کسی نے اپنے غلام کو ایک روز کے لئے تجارت کی اجازت دی تو یہ اجازت اس کے لئے اس وقت تک باقی رہے گی جب تک کہ اس کو منع نہ کردے، کیونکہ اسقاطات کسی وقت تک محدود نہیں ہوتے اور یہ تجارت کسی ایک نوع کے ساتھ مخصوص بھی نہیں ہوگی، غلام کو تجارت کے لئے اجازت دینے کے جواز پر اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے کہ منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

گدھے پر سواری کرتے، اور غلام کی دعوت کو قبول فرماتے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ عبد ماذون کی دعوت قبول فرماتے نہ کہ عبد مجور کی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ کے پاس بیس غلام تھے اور ہر غلام دس ہزار کی تجارت کرتا، یہ مضمون ہدایہ، شرح قدوری فارسی، عینی شرح کنز، عین الهدایہ، حاشیہ قدوری وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ عبدالعلی قاسمی غفرلہ

اِذَا اَذِنَ الْمَوْلیٰ لِعَبْدِهٖ اِذْنًا عَامًّا جَازَ تَصَرُّفُهٗ فِی سَائِرِ التِّجَارَاتِ وَ لَهٗ اَنْ یَّشْتَرِیَ وَ یَبِیْعَ وَ یُرْهِنَ وَ یَسْتَرْهِنَ وَ اِنْ اَذِنَ لَهٗ فِی نَوْعٍ مِنْهَا دُوْنَ غَیْرِهٖ فَهُوَ مَاذُوْنٌ فِی جَمِیْعِهَا فَاِذَا اَذِنَ لَهٗ فِی شَیْءٍ بِعَیْنِهٖ فَلَیْسَ بِمَاذُوْنٍ وَ اِقْرَارُ الْمَاذُوْنِ بِالدُّیُوْنِ وَ الْغُصُوْبِ جَائِزٌ وَلَیْسَ لَهٗ اَنْ یَتَزَوَّجَ وَ لاَ اَنْ یُزَوِّجَ مَمَالِیْکَهٗ وَلاَ یُکَاتِبُ وَ لاَ یُعْتِقُ عَلیٰ مَالٍ وَ لاَ یَهَبُ بِعِوَضٍ وَلاَ بِغَیْرِ عِوَضٍ اِلاَّ اَنْ یَهْدِیَ الْیَسِیْرَ مِنَ الطَّعَامِ اَوْ یُضِیفَ مَنْ یُطْعِمُهٗ وَ دُیُوْنُهٗ مُتَعَلِّقَةٌ بِرَقَبَتِهٖ یُبَاعُ فِیْهَا لِلْغُرَمَاءِ اِلاَّ اَنْ یَفْدِیَهُ الْمَوْلیٰ وَ یُقَسَّمُ ثَمَنُهٗ بَیْنَهُمْ بِالْحِصَصِ فَاِنْ فَضَلَ مِنْ دُیُوْنِهٖ شَیْءٌ طُوْلِبَ بِهٖ بَعْدَ الْحُرِّیَّةِ.

ترجمہ: جب آقا نے اپنے غلام کو عام اجازت دیدی تو اس کا تصرف تمام تجارتوں میں جائز ہے اور اس کو خریدنے، فروخت کرنے، گروی ڈالنے اور گروی رکھنے (سب) کا اختیار ہے اور اگر ایک ہی قسم کی تجارت کی اجازت دی اوروں کی نہیں تب بھی وہ تمام تجارتوں میں ماذون ہوگا۔ اور اگر کسی معین چیز کی اجازت دی تو وہ ماذون نہیں ہے۔ اور ماذون کو قرضوں اور غصب کی ہوئی چیزوں کی بابت اقرار کرنا جائز ہے۔ اور اس کے لئے اپنا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اپنے غلاموں (اور لونڈیوں) کا نکاح کرنا (بھی) جائز نہیں ہے اور نہ مکاتب کر سکتا ہے اور نہ مال لے کر آزاد کر سکتا ہے اور نہ کسی چیز کے عوض یا بلا عوض (کچھ) ہبہ کر سکتا ہے مگر یہ کہ تھوڑا سا کھانا تحفۃً دے سکتا ہے یا ایسے شخص کی ضیافت و مہمان داری کر سکتا ہے جو اس کو کھانا کھلائے اس کے قرض اس کی گردن سے متعلق (گردن پر) ہیں جس میں اس کو قرض خواہوں کے لئے (ان کی درخواست پر) فروخت کردیا جائے گا مگر یہ کہ مولی اس کا فدیہ (بدلہ) دیدے اور اس کی قیمت ان قرض خواہوں کے درمیان بطور حصہ رسد تقسیم کی جائے گی اور اگر کچھ قرض باقی رہ جائے تو اس کا مطالبہ اس سے آزادی کے بعد کیا جائے گا۔

عبد ماذون کے احکام

حل لغات: الدیون: دَین کی جمع، قرض۔ الغصوب: غصب کی جمع، چھنی ہوئی چیز۔ ممالیك: مملوک کی جمع، غلام۔ یضیف: مصدر اضافۃ، مہمان داری کرنا۔ رقبة: گردن۔ الغرماء: غریم کی جمع قرض خواہ۔ یفدیه: باب (ض) سے مصدر فداءً مال وغیرہ دے کر چھڑانا۔ الحصص: حصہ کی جمع۔

تشریح: صاحب قدوری کی عبارت چھ مسائل کو محیط ہے۔

اذا اذن ...... یسترهن الخ: مسئلہ (۱) اگر آقا نے غلام کو عام اجازت دیدی مثلاً اس نے کہا کہ میں نے تم کو تجارت کی اجازت دیدی اور کسی نوع تجارت کے ساتھ خاص نہ کرے تو اس کو اب تمام تجارتی معاملات میں ہر طرح عمل درآمد کرنے کا اختیار ہے چنانچہ خرید و فروخت، لین دین، رہن لینا رہن رکھنا وغیرہ کر سکتا ہے کیونکہ رہن لینا اور رکھنا دونوں

توابع تجارت میں سے ہیں، اس موقع پر یہ واضح رہے کہ عبد ماذون اگر معمولی نقصان کے ساتھ خرید وفروخت کرتا ہے تو بالاتفاق جائز ہے لیکن اگر زیادہ نقصان (خسارہ فاحش) کے ساتھ خرید وفروخت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے مگر صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ (الجوھرہ ج:۲،ص ۴۸-۴۹)

وان اذن له ...... في جميعها الخ : مسئلہ(۲) اگر مالک نے غلام کو کسی مخصوص قسم کی تجارت کی اجازت دی تو ایسی صورت میں بھی وہ غلام تمام اقسام تجارت میں عمل درآمد کا مجاز ہوگا یہ احناف کے نزدیک ہے اور امام زفرؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک صرف اسی قسم میں اجازت ہوگی جس کی مالک نے اجازت دی ہے۔ یہ اختلاف صرف اذن کی تعریف میں اختلاف کی بنیاد پر ہے، جس کی تشریح گزر چکی ہے۔

فاذا اذن ...... فليس بماذون الخ : مسئلہ(۳) اگر آقا نے غلام کو ایک مخصوص چیز کی تجارت کی اجازت دی مثلاً یہ کہے کہ پہننے کے لئے کپڑے کو خرید لو تو اس صورت میں یہ عبد ماذون نہیں ہوگا بلکہ خدمت گاری کی ایک صورت ہے اس کو اذن نہیں کہا جائے گا۔

واقرار الماذون ...... جائز الخ : مسئلہ(۴) (جب غلام اصالۃً تجارت کرنے کا مجاز ہوگیا تو اس کی باتوں کا اعتبار کیا جائے گا) اگر عبد ماذون تجارت سے متعلق قرضوں کا اقرار کیا یا کسی چیز کے غصب کا اقرار کیا تو یہ اقرار اس کے لئے جائز ہے کیونکہ اقرار توابع تجارت میں سے ہے۔

وليس له ان يتزوج ...... او يضيف من يطعمه الخ : مسئلہ(۵) (اس عبارت سے یہ بتانا ہے کہ جو معاملات تجارت سے متعلق نہیں ہیں اس میں عبد ماذون کو کوئی اختیار نہیں ہے چنانچہ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ) عبد ماذون کے لئے اپنی شادی کرنا یا غلاموں کی شادی کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح عقد کتابت کرنا یا مال کی شرط پر غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح کسی چیز کو عوض کے ساتھ یا بلا کسی عوض کے ہبہ کرنا جائز نہیں ہے (البتہ اپنے غلام کو تجارت کے لئے اجازت دینا جائز ہے) البتہ تھوڑی مقدار میں ایسے شخص کی دعوت وغیرہ کرسکتا ہے جو اس کی دعوت کرے کیونکہ ایسا تجارت میں کیا جاتا ہے۔

(نوٹ) باندی کے نکاح کے متعلق احناف کے درمیان اختلاف ہے حضرات طرفین کے نزدیک عبد ماذون کے لئے اپنی باندی کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے ہاں حضرت امام ابویوسف کے نزدیک نکاح کرانا جائز ہے۔

(الجوھرہ ج:۲،ص ۵۰)

الا ان يهدى ...... من يطعمه الخ : اس عبارت سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ بیوی کے لئے اپنے شوہر کے گھر سے (اس کی اجازت کے بغیر) معمولی اشیاء کا صدقہ کرنا جائز ہے جیسے مثلاً چپاتی وغیرہ کیونکہ عادۃً یہ چیز ممنوع نہیں ہے لیکن روپیہ کپڑا اور اثاثِ بیت کا صدقہ کرنا (بلا اجازت) جائز نہیں ہے۔ (حوالہ سابق)

وديونه متعلقة الخ : مسئلہ(۶) اجازت کے بعد اقرار یا بینہ کے ذریعہ جس قدر قرض کے مطالبات عبد ماذون کے ذمہ ہوں گے خواہ تجارت کے سبب ہوں جیسے خرید وفروخت، اجارہ اور استجارہ وغیرہ یا یہ مطالبات ہم معنی تجارت کے سبب ہوں جیسے غصب کا تاوان یا ودیعت کا تاوان جن کا عبد ماذون انکار کرچکا ہے ان مطالبات کو پورا کرنے کے لئے قاضی یا افسر اس

غلام کوفروخت کرے اوراس کا ثمن قرض خواہوں کے درمیان ان کے حصہ کے مطابق تقسیم کرے لیکن اگر آقا خود اس غلام کی طرف سے ثمن کی مقدار فدیہ کر دے تو ایسی صورت میں غلام فروخت نہیں کیا جائے گا اور اگر تقسیم ہونے کے بعد بھی اصل دیون سے کچھ مطالبات باقی رہ جائیں تو پھر غلام کی آزادی کے بعد غلام سے وصول کیا جائے۔ (الجوہرہ ج:۲،ص ۵۱)

وَ اِنْ حَجَرَ عَلَيْهِ لَمْ يَصِرْ مَحْجُوْرًا عَلَيْهِ حَتّٰى يَظْهَرَ الحَجْرُ بَيْنَ اَهْلِ السُّوْقِ فَاِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى اَوْ جُنَّ اَوْ لَحِقَ بِدَارِ الحَرْبِ مُرْتَدًّا صَارَ الْمَاذُوْنُ مَحْجُوْرًا عَلَيْهِ وَ لَوْ اَبَقَ الْعَبْدُ الْمَاذُوْنُ صَارَ مَحْجُوْرًا عَلَيْهِ وَ اِذَا حَجَرَ عَلَيْهِ فَاِقْرَارُهُ جَائِزٌ فِيْمَا فِيْ يَدِهٖ مِنَ الْمَالِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ قَالَا لَا يَصِحُّ اِقْرَارُهُ وَ اِذَا لَزِمَتْهُ دُيُوْنٌ تُحِيْطُ بِمَالِهٖ وَ رَقَبَتِهٖ لَمْ يَمْلِكِ الْمَوْلٰى مَافِيْ يَدِهٖ فَاِنْ اَعْتَقَ عَبِيْدَهُ لَمْ يَعْتِقُوْا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَمْلِكُ مَا فِيْ يَدِهٖ.

ترجمہ : اور اگر آقا اس غلام پر حجر (پابندی) لگادے تو یہ اس وقت تک محجور (پابند) نہیں ہوگا جب تک کہ بازار والوں یعنی تاجروں کے درمیان پابندی ظاہر نہ ہوجائے اور اگر آقا مر گیا یا دیوانہ ہوگیا یا مرتد ہو کر دار الحرب میں چلا گیا تو عبد ماذون محجور علیہ ہوجائے گا اور اگر عبد ماذون بھاگ گیا تو وہ محجور علیہ ہوجائے گا اور اگر یہ محجور علیہ کر دیا جائے تو اس کا اقرار امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس مال میں جائز ہوگا جو اس کے قبضہ میں ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس کا اقرار جائز نہیں ہے اور اگر اس کے ذمہ اتنا قرض ہوجائے جو اس کے مال اور اس کے رقبہ (جان یا قیمت) کو محیط ہو تو مولی اس مال کا مالک نہیں ہوگا جو اسکے قبضہ میں ہے اور اگر مولی اپنے غلام کے غلاموں کو آزاد کر دے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غلام آزاد نہیں ہوں گے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مالک ان تمام مال کا مالک ہوجائے گا جو اس وقت عبد ماذون کے قبضہ میں ہوگا۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسائل ذکر کئے گئے ہیں۔

وان حجر علیه ...... بین اهل السوق الخ : مسئلہ (۱) اگر آقا نے عبد ماذون پر پابندی لگادی تو پابندی اس وقت نافذ ہوگی جب کہ اس کو اور اکثر بازار والوں کو علم ہوجائے تا کہ اس کے ساتھ معاملہ کرنے والوں کو دھوکہ اور نقصان نہ ہو۔ یہ احناف کے نزدیک ہے، حضرت امام شافعیؒ اور امام مالک اور امام احمد کے نزدیک عبد کے محجور ہونے کے لئے بازار والوں کا معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ صاحب الجوہرہ لکھتے ہیں کہ اگر بازار میں صرف ایک دو آدمی ہوں تو غلام محجور نہیں ہوگا کیونکہ اصل مقصود تشہیر کے ذریعہ اس کو اذن سے خارج کرنا ہے اور تشہیر ایک یا دو آدمی سے نہیں ہوتی۔

(شرح وقایہ ج:۴،ص ۴۳، عینی شرح کنز ج:۳،ص ۴۸۲، الجوہرہ ج:۲،ص ۵۱)

ولو ابق العبد ...... صار محجوراً علیه الخ : مسئلہ (۳) اگر عبد ماذون فرار ہوجائے تو وہ محجور ہوجائے گا بازار والوں کو اس کا علم ہونا ضروری نہیں ہے۔ حضرت امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک عبد ماذون محجور نہیں ہوگا کیونکہ اباق ابتداءً اذن کے خلاف نہیں ہے لہٰذا بقاء بھی اذن کے خلاف نہیں ہوگا کیونکہ صحت اذن ملک مولیٰ اور اس کی رائے کے اعتبار

سے ہوتی ہے۔اور غلام کے فرار ہونے سے ملک مولیٰ اور اس کی رائے میں کوئی خلل نہیں ہوتا، اس لئے فرار ہونے سے غلام مجور نہیں ہوتا، مگر احناف کہتے ہیں کہ غلام کا بھاگ جانا دلالۃً حجر ہے کیونکہ آقا اپنے سرکش غلام کے تصرف یعنی سقوط حق سے عادۃً راضی نہیں ہوتا ہے۔اور اگر غلام بھاگنے کے بعد دوبارہ واپس آتا ہے تو اذن کا اعادہ نہیں ہوگا حجر باقی رہے گا جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔ (تبیین الحقائق ج:۵،ص۲۱۱-۲۱۲،شرح وقایہ ج:۴،ص۴۳، الجوھرہ ج:۲،ص۵۲)

واذا حجر علیه ...... لایصحُّ اقرارہ : مسئلہ(۴) اگر عبد ماذون حجر اور پابندی لگانے کے بعد اقرار کرتا ہے کہ جو کچھ میرے قبضہ میں ہے وہ کسی شخص کی امانت ہے یا وہ مال مغصوبہ ہے یا کسی شخص کا قرض ہے تو احناف کے یہاں اختلاف ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا اقرار استحساناً جائز ہے اس لئے یہ غلام اپنے مقبوضہ مال سے قرض ادا کرے گا۔حضرات صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک از روئے قیاس اس کا اقرار جائز نہیں ہے۔ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ صحت اقرار کا مدار اذن پر ہے اور وہ حجر کی وجہ سے ختم ہو چکی ہے مزید یہ کہ اپنی کمائی پر جو قبضہ تھا اس کو بھی حجر نے ختم کر دیا کیونکہ مجور کا قبضہ غیر معتبر ہے اس لئے اقرار صحیح نہیں ہے۔اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل استحسان یہ ہے کہ صحت اقرار کی بنیاد قبضہ پر تھی اور اس کا قبضہ باقی ہے اس لئے اقرار صحیح ہے۔ (ہدایہ ج:۳،ص۳۵۱،عینی ج:۳،ص۴۸۴،تبیین الحقائق ج:۵،ص۲۱۲)

واذا لزمته دیون ...... وقالا رحمهما الله یملك ما فی یدہ : مسئلہ(۵) اگر عبد ماذون اس قدر مقروض ہو کہ اس کے مال اور اس کی ذات کو محیط ہو تو ایسی صورت میں غلام کے پاس مال موجود کا یہ آقا مالک ہوگا یا نہیں؟ اس میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک آقا، غلام کے پاس موجودہ مال کا مالک نہیں ہوگا چنانچہ اگر غلام کی کمائی میں کوئی غلام ہو اور آقا اس کو آزاد کر دے تو یہ غلام آزاد نہیں ہوگا کیونکہ آقا اپنے غلام کی کمائی کا بطریق خلافت مالک ہوتا ہے بشرطیکہ وہ مال غلام کی ضرورت سے فارغ ہو لیکن یہاں چونکہ دَین مال کو محیط ہے اور ضرورت سے فارغ نہیں ہے اس لئے آقا اس مال میں خلیفہ نہیں ہوگا۔اور صاحبین کے نزدیک آقا عبد ماذون کے مال کا مالک ہو جائے گا چنانچہ اس کے آزاد کرنے سے غلام کا غلام آزاد ہو جائے گا اور آقا قرض خواہوں کو اس غلام کی قیمت کا تاوان ادا کرے گا۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے اور اگر قرض مال کو محیط نہ ہو تو بالاتفاق مذکورہ غلام آزاد ہو جائے گا۔

(ہدایہ ج:۳،ص۳۵۱،عینی ج:۳،ص۴۸۴،شرح وقایہ، ج:۴،ص۴۴)

وَ اِذَا بَاعَ عَبْدٌ مَاذُوْنٌ مِنَ الْمَوْلیٰ شَیْئًا بِمِثْلِ الْقِیْمَةِ جَازَ وَ اِنْ بَاعَ بِنُقْصَانٍ لَمْ یَجُزْ وَ اِنْ بَاعَهُ الْمَولیٰ شَیْئًا بِمِثْلِ الْقِیْمَةِ اَوْ اَقَلَّ جَازَ الْبَیْعُ فَاِنْ سَلَّمَهُ اِلَیْهِ قَبْلَ قَبْضِ الثَّمَنِ بَطَلَ الثَّمَنُ وَ اِنْ اَمْسَكَهُ فِی یَدِهٖ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَ الثَّمَنَ جَازَ وَ اِنْ اَعْتَقَ الْمَوْلیٰ الْعَبْدَ الْمَاذُوْنَ وَ عَلَیْهِ دُیُوْنٌ فَعِتْقُهُ جَائِزٌ وَ الْمَوْلیٰ ضَامِنٌ بِقِیْمَتِهٖ لِلْغُرَمَاءِ وَ مَابَقِیَ مِنَ الدَّیْنِ یُطَالَبُ بِهِ الْمُعْتَقُ بَعْدَ الْعِتْقِ وَ اِذَا وَلَدَتِ الْمَاذُوْنَةُ مِنْ مَوْلَاهَا فَذٰلِكَ حَجْرٌ عَلَیْهَا وَ اِنْ اَذِنَ وَلِیُّ الصَّبِیِّ لِلصَّبِیِّ فِی التِّجَارَةِ فَهُوَ فِی الشِّرَاءِ وَ الْبَیْعِ كَالْعَبْدِ الْمَاذُوْنِ اِذْ لَوْ كَانَ یَعْقِلُ الْبَیْعَ وَ الشِّرَاءَ.

ترجمہ: اور اگر کوئی عبد ماذون فی التجارۃ (اپنے) آقا کے ہاتھ کوئی چیز مثلی قیمت سے فروخت کرے تو جائز ہے اور اگر نقصان سے فروخت کرے تو جائز نہیں ہے اور اگر مولیٰ اپنے غلام کے ہاتھ کوئی چیز مثل قیمت سے یا اس سے کم سے فروخت کرے تو یہ بیع جائز ہے اب اگر آقا اس چیز کو قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے غلام کے حوالہ کردے تو قیمت باطل ہو جائے گی اور اگر آقا اس چیز (مبیع) کو اپنے قبضہ میں روک لے یہاں تک کہ پوری قیمت وصول لے تو جائز ہے اور اگر آقا عبد ماذون کو آزاد کردے جب کہ اس کے ذمہ قرض ہوں تو اس کا آزاد کرنا جائز ہے اور آقا اس کی قیمت کا قرض خواہوں کے لئے ضامن ہوگا اور جو قرض باقی رہ جائے اس کا مطالبہ معتق (آزاد شدہ) سے آزادی کے بعد کیا جائے گا اور اگر ماذونہ باندی کو اس کے آقا سے بچہ پیدا ہو جائے تو یہ اس باندی پر حجر ہے اور اگر بچہ کے ولی نے بچہ کو تجارت کی اجازت دی تو وہ بچہ خرید و فروخت میں عبد ماذون کی طرح ہے بشرطیکہ وہ بچہ خرید و فروخت کو سمجھتا ہو۔

تشریح: اس عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں۔

واذا باع ...... لم یجز: مسئلہ (۱) اگر عبد ماذون مدیون ہو اور اپنے آقا سے کوئی چیز مثلی قیمت پر فروخت کرے تو ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ آقا اس کی کمائی میں ایک اجنبی کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اگر غلام مدیون نہیں ہے تو ان دونوں کے درمیان کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی کیونکہ غلام اور جو کچھ اس کے قبضہ میں ہے سب آقا کا ہے اور اگر غلام آقا سے کوئی چیز کسی نقصان کے ساتھ فروخت کرتا ہے تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے حضرت امام صاحب کے نزدیک بیع جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت میں آقا کے حق میں تہمت کا اندیشہ ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور آقا کو اختیار ہے اگر چاہے تو محاباۃ یعنی زیادتی کو ختم کردے اور چاہے تو بیع کو فسخ کردے۔

(الجوھرہ ج:۲ ص۵۲، شرح وقایہ ج:۴ ص۴۴)

وان باعہ المولیٰ ...... یستوفی الثمن جاز الخ: مسئلہ (۲) اگر آقا اپنے غلام سے کوئی چیز مثلی قیمت یا کم قیمت پر فروخت کرتا ہے تو یہ بیع جائز ہے کیونکہ اس میں کوئی تہمت کا اندیشہ نہیں ہے لیکن اگر آقا قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے مبیع کو غلام کے سپرد کرتا ہے تو قیمت باطل ہو جائے گی یعنی آقا قیمت کا مطالبہ نہیں کرسکتا ہے کیونکہ اس صورت میں غلام کے ذمہ آقا کی جانب سے قیمت قرض ہوگی جب کہ غلام کے ذمہ آقا کا قرض نہیں ہوتا ہے لہٰذا جب قیمت باطل ہوگئی تو گویا کہ آقا نے غلام سے بلا قیمت فروخت کیا اس لئے آقا کے لئے مبیع کو واپس لینا جائز ہے کیونکہ مبیع میں بائع حقدار ہے۔

(الجوھرہ ج:۲ ص۵۲، شرح وقایہ ج:۴، ص۴۵)

وان اعتق المولیٰ ...... بعد العتق الخ: مسئلہ (۳) اگر آقا اپنے عبد ماذون جس پر لوگوں کا قرض ہے آزاد کردے تو درست ہے کیونکہ غلام میں آقا کی ملکیت باقی ہے اور آزاد کرنے کے بعد آقا قرض خواہوں کو اس غلام کی قیمت کا تاوان ادا کرے گا کیونکہ قرض خواہوں کا حق غلام کی ذات سے ہے اور آقا نے غلام کو آزاد کرکے ان کا حق تلف کردیا ہے مگر یہ تاوان اس صورت میں ہے کہ غلام کی قیمت قرض کے مثل ہو یا اس سے کم ہو آقا زیادتی کا ضامن نہیں ہے چنانچہ اگر ادائیگی قیمت کے بعد بھی کچھ قرض باقی رہ جاتا ہے تو پھر غلام سے اس کے آزاد ہونے کے بعد مطالبہ کیا جائے گا۔ (حوالہ سابق)

(نوٹ) **علیه دیون:** صاحب شرح وقایہ کہتے ہیں کہ عبد ماذون پر دین محیط ہو یا غیر محیط دونوں برابر ہے مگر صاحب تبیین الحقائق کہتے ہیں کہ اگر دین محیط نہ ہو تو بالاتفاق آزاد کرنا درست ہے اور اختلاف اس کمائی میں ہے جب اس پر دین محیط ہو جیسا کہ یہی بحث اس سے پہلے گزری ہے۔ (شرح وقایہ ج:۴ ص ۴۵، تبیین الحقائق ج:۵ ص ۲۱۵)

واذا ولدت ...... حجر علیها الخ: مسئلہ (۴) ایک باندی ماذونہ تھی آقا نے اس سے وطی کی اور اس کو بچہ پیدا ہوا اب باندی کے محجور ہونے کے متعلق ائمہ کرام کا اختلاف ہے، احناف کے نزدیک باندی استیلاد کی وجہ سے دلالۃً محجور ہوگی امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محجور نہیں ہوگی جیسا کہ قیاس کا تقاضا ہے کیونکہ آقا جب باندی کو ابتداءً تجارت کی اجازت دے سکتا ہے تو بقاءً بدرجۂ اولیٰ دے سکتا ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ ام ولد عادۃً پردہ میں رہتی ہے اور خرید وفروخت کے متعلق مالک اس کے نکلنے اور لوگوں سے ملنے کو پسند نہیں کرتا ہے یہ اس کے محجور ہونے کی دلیل ہے البتہ اگر مالک استیلاد کے بعد بصراحت تجارت کی اجازت دیدے تو حجر ثابت نہیں ہوگا کیونکہ صراحت کو دلالت پر فوقیت حاصل ہے۔

(تبیین الحقائق ج:۵ ص ۲۱۲، شرح وقایہ ج:۳ ص ۳۵۰، عینی شرح کنز، ج:۳ ص:۲۸۳)

وان اذن ولیّ الصبی الخ: مسئلہ (۵) اگر بچہ کا ولی بچہ کو تجارت کی اجازت دیتا ہے تو یہ بچہ صرف خرید وفروخت میں عبد ماذون کی طرح ہوگا بشرطیکہ وہ خرید وفروخت کو سمجھتا ہو اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے جس کے لئے ہدایہ جلد ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

کتاب المزارعة

مزارعت (بٹائی) کا بیان

المزارعة: یہ باب مفاعلت سے ہے اور ''زرع'' سے مشتق ہے اس کا دو مفہوم ہے (۱) زمین میں ڈالنا، یہ مجازی معنی ہیں۔ (۲) اُگانا، یہ حقیقی معنی ہیں، بولا جاتا ہے زرع اللّٰہ یعنی انبتہ۔

یہ دو شخصوں کا باہمی عقد مزارعت کرنا ہے۔ اصطلاح شرع میں ''مزارعت'' بعض حاصلات یعنی پیداوار کے تہائی یا چوتھائی پر عقد زراعت قرار دینے کو کہتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ جو عقد مزارعت فرمائی تھی اس سے مشتق ہے۔ مزارعت کا دوسرا نام محاقلہ اور مخابرہ بھی ہے اہل عراق اس کو قراح کہتے ہیں۔

(الجوهرہ ج:۲ ص ۵۳، عینی شرح کنز، ج:۴ ص ۳۶)

فعل زرع اگرچہ ایک شخص کی جانب سے واقع ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے مگر پھر بھی لفظ مزارعت کا استعمال ہر دو شخص کے فعل پر دلالت کرتا ہے یہ غلبہ کا اعتبار کرتے ہوئے جیسے کہ مضاربت موسوم ہوا ہے۔ (العنایہ وحاشیہ عینی شرح کنز، ج:۴ ص ۳۶)

قَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْمُزَارَعَةُ بِالثُّلُثِ وَ الرُّبُعِ بَاطِلَةٌ وَ قَالَا جَائِزَةٌ وَ هِیَ عِنْدَهُمَا عَلٰی اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ اِذَا كَانَتِ الْاَرْضُ وَ الْبِذْرُ لِوَاحِدٍ وَ الْعَمَلُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ جَازَتِ الْمُزَارَعَةُ وَ اِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ لِوَاحِدٍ وَ الْعَمَلُ وَ الْبَقَرُ وَ الْبِذْرُ لِاٰخَرَ جَازَتِ الْمُزَارَعَةُ وَ اِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ وَ الْبِذْرُ لِوَاحِدٍ وَ الْبِذْرُ وَ الْعَمَلُ لِوَاحِدٍ فَهِیَ بَاطِلَةٌ۔

ترجمہ : حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ تہائی یا چوتھائی پر مزارعت باطل ہے اور حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ مزارعت جائز ہے اور مزارعت صاحبین کے نزدیک چار قسم پر ہے۔ اگر ایک کی زمین اور بیج ہو اور کام اور بیل ایک (دوسرے) کا ہو تو مزارعت جائز ہے۔ اور اگر زمین ایک کی ہو اور کام، بیل اور بیج دوسرے کا ہو تو (بھی) جائز ہے۔ اور اگر زمین اور بیل ایک کا ہو اور بیج اور کام ایک (دوسرے) کا ہو تو یہ مزارعت باطل ہے۔

تشریح : اس عبارت میں مزارعت کے جواز و بطلان کے متعلق احناف کا اختلاف اور اس کی اقسام کا تذکرہ ہے۔

قال ابو حنيفة ...... جائزة الخ : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تہائی یا چوتھائی کی بٹائی پر زمین بونے کے لئے دینا باطل یعنی فاسد ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور امام احمد اور جمہور کا بھی یہی مسلک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ حضرات صاحبین دلیل دیتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ زمین کی کاشت اور باغ کے پھلوں میں نصف پیداوار پر معاملہ کیا یعنی جب خیبر فتح کیا گیا تو وہاں کے یہودیوں کو کاشتکار اور عامل اس شرط پر رکھا کہ زمین سے جو کاشت اور باغوں سے جو پھل پیدا ہو اس کا نصف عامل کے لئے اور نصف اہل ملک کے لئے ہے۔

اور دلیل عقلی یہ ہے کہ عقد مزارعت مال و عمل کے درمیان ایک عقد شرکت ہے جس طرح کہ عقد مضاربت میں ہے اور جس طرح دفع ضرورت کی وجہ سے شرکت مضاربت جائز ہے اسی طرح دفع ضرورت کی وجہ سے مزارعت بھی جائز ہے۔

(ہدایہ ج:۴ ص ۴۰۹، عینی شرح کنز، ج:۴ ص ۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا اور مخابرہ سے مزارعت مراد ہے اس میں تفصیل ہے۔ ہدایہ ج:۴ ص ۴۰۹ ملاحظہ فرمائیں۔

وهي عندهما على اربعة اوجه الخ : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مزارعت کی چار قسمیں ہیں (۱) زمین اور بیج ایک کا ہو اور بیل اور کام کرنا کسی دوسرے کا ہو تو مزارعت کی یہ صورت جائز ہے۔ (۲) زمین ایک کی ہو اور کام کرنا، بیل اور بیج دوسرے کا ہو تو یہ صورت بھی جائز ہے۔ (۳) زمین، بیج اور بیل ایک کے ہوں اور کام کسی دوسرے کا ہو تو یہ صورت بھی جائز ہے۔ (۴) زمین اور بیل ایک کے ہوں اور بیج اور کام دوسرے کے ہوں یہ آخری اور چوتھی صورت ظاہر الروایہ کے اعتبار سے باطل ہے۔ مگر امام ابو یوسف کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہے اور تین صورتوں کا جواز مسئلہ استیجار پر نظر کرتے ہوئے ہے اور معتبر صورتوں پر قیاس کرتے ہوئے ان صورتوں کو جواز میں شمار کیا گیا ہے۔

(مصباح القدور ج: ۷ ص ۱۶، ہدایہ ج:۴ ص ۴۱۰)

اس کے علاوہ تین صورتیں اور ہیں: (۱) بیج اور بیل ایک کا ہو اور زمین اور کام دوسرے کا ہو۔ (۲) فقط بیل ایک کا ہو اور بقیہ چیزیں دوسرے کی ہوں۔ (۳) فقط بیج ایک کا ہو اور بقیہ چیزیں دوسرے کی ہوں، یہ تینوں بھی باطل ہیں گویا کل سات صورتیں ہیں جن میں سے تین جائز اور چار باطل ہیں۔ (کما فی در المختار)

وَ لَا تَصِحُّ الْمُزَارَعَةُ اِلَّا عَلٰی مُدَّةٍ مَعْلُوْمَةٍ وَ اَنْ يَكُوْنَ الْخَارِجُ بَيْنَهُمَا مُشَاعًا فَاِنْ شَرَطَا لِاَحَدِهِمَا قُفْزَانًا مُسَمَّاةً فَهِيَ بَاطِلَةٌ وَ كَذٰلِكَ اِذَا شَرَطَا مَا عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَ السَّوَاقِي وَ اِذَا صَحَّتِ الْمُزَارَعَةُ فَالْخَارِجُ بَيْنَهُمَا عَلَى الشَّرْطِ وَ اِنْ لَمْ تُخْرِجِ الْاَرْضُ شَيْئًا فَلَا شَيْءَ لِلْعَامِلِ وَ اِذَا فَسَدَتِ الْمُزَارَعَةُ فَالْخَارِجُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ فَاِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ رَبِّ الْاَرْضِ فَلِلْعَامِلِ اَجْرُ مِثْلِهِ لَا يُزَادُ عَلٰی مِقْدَارِ مَا شُرِطَ لَهٗ مِنَ الْخَارِجِ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرُ مِثْلِهِ بَالِغًا مَا بَلَغَ وَ اِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ الْعَامِلِ فَلِصَاحِبِ الْاَرْضِ اَجْرُ مِثْلِهَا وَ اِذَا عَقَدَتِ الْمُزَارَعَةُ فَامْتَنَعَ صَاحِبُ الْبَذْرِ مِنَ الْعَمَلِ لَمْ يُجْبَرْ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور مزارعت درست نہیں مگر مدت معلومہ پر اور یہ کہ ان دونوں کے درمیان پیداوار مشترک ہو پس اگر ان دونوں نے کسی ایک کے لئے ایک معین قفیز شرط کر لی تو یہ مزارعت باطل ہے اور اسی طرح اگر ان دونوں نے (کسی ایک کے لئے) اس غلہ کی شرط کر لی جو ڈولوں اور نالیوں پر پیدا ہو اور جب مزارعت درست ہو جائے تو پیداوار ان دونوں کے درمیان شرط کے مطابق ہوگی اور اگر زمین سے کچھ نہ پیدا ہو تو عامل یعنی کاشت کار کے لئے کچھ نہیں ہے اور جب مزارعت (کسی وجہ سے) فاسد ہو جائے تو (زمین کی) پیداوار بیج والے کی ہوگی۔ اور اگر بیج زمین دار کی طرف سے تھا تو کاشت کار کے لئے اُجرت مثل ہوگی جو اس مقدار سے زائد نہیں ہوگی جو کاشت کار کے لئے شرط لگائی گئی ہے پیداوار میں سے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس کو اُجرت مثلی ملے گی خواہ کہیں تک پہونچ جائے یعنی جتنی بھی ہو۔ اور اگر بیج کاشت کار کی طرف سے تھا تو زمین دار کے لئے اس کے مثل زمین کا کرایہ ہوگا اور اگر مزارعت کا عقد طے ہو گیا اور بیج والا کام یعنی بیج ڈالنے سے رک گیا تو اس کو اس پر مجبور نہ کیا جائے۔

مزارعت فاسدہ کا بیان

حل لغات: الخارج: پیداوار۔ مشاعًا: مشترک، غیر مقسوم۔ قُفزان: قفیز کی جمع ہے، بارہ صاع کا ایک پیمانہ۔ الماذیانات: ماذیان کی جمع ہے۔ دراصل فارسی لفظ سے یہ معرب کیا گیا ہے نہر سے چھوٹی اور جدول (کول) سے بڑی، یعنی وہ چھوٹا گھاٹ جس سے کچھ زمینوں کی آب پاشی کی جاتی ہے، پانی بہنے کی جگہ یا وہ پیداوار جو پانی بہنے کی جگہ ہو۔ السواقی: ساقیہ کی جمع ہے، کول سے بڑی اور نہر سے چھوٹی۔ ایسا گھاٹ جس سے تمام زمینوں کی سینچائی کی جائے۔ اجر مثل: ایسی اُجرت جس کی مقدار مشہور ہو۔ بالغًا ما بلغ: جہاں تک پہونچے۔ البذر: بیج، تخم۔

تشریح: صاحب قدوری کی مذکورہ بالا عبارت میں مزارعت کی شرائط صحت اور چار مسائل مذکور ہیں۔

ولا تصح المزارعة ...... والسواقی: صحت مزارعت کے لئے صاحبین کے نزدیک آٹھ شرطیں ہیں جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے۔ صاحب قدوری نے اس عبارت میں صرف دو کا تذکرہ کیا ہے (۱) مزارعت کی ایک ایسی مدت بیان کی جائے جو کاشت کاروں کے یہاں مشہور ہو مثلاً ایک سال یا دو سال (مگر فتویٰ اس پر ہے کہ مدت کے ذکر کی ضرورت نہیں

ہے، کمافی نورالہدایہ ترجمہ اُردو شرح وقایہ، کیونکہ ہمارے یہاں کاشت کاری کے اوقات متعین ہیں) (۲) پیداوار میں دونوں تعیین مقدار کے بغیر شریک ہوں۔ اب اگر کسی ایک کے لئے کچھ پیمانہ غلہ کی شرط قرار دی گئی تو مزارعت باطل ہو جائے گی مثلاً یہ کہہ دیا جائے کہ فلاں کو دس من غلہ ملے گا اور اس کے بعد نصف نصف یا ثلث ثلث تقسیم کریں گے۔ مزارعت اس صورت میں اس لئے باطل ہوگی کہ احتمال ہے کہ دس من غلہ کے علاوہ کچھ اور پیدا نہ ہو اس لئے ضروری ہے کہ پیداوار میں دونوں شریک ہوں، اسی طرح مزارعت اس صورت میں باطل ہو جائے گی جب کہ ڈولوں ورنالیوں پر پیدا ہونے والے غلہ کو کسی ایک کے لئے مشروط قرار دیا گیا کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ اس مقام کے علاوہ کسی اور مقام پر غلہ نہ پیدا ہو (یہاں تک صاحب قدوری کی ذکر کردہ شرطوں کا تذکرہ تھا) (۳) زمین قابل کاشت ہو، شور یلی اور ریگستانی زمین میں کاشت صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے مزارعت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے۔ (۴) متعاقدین میں عقد کی صلاحیت ہو (۵) صاحب تخم کا تذکرہ ہو یعنی زمین دار تخم دے گا یا کاشت کار (مگر بعض حضرات کے نزدیک عرف کے مطابق عمل ہوگا) (۶) تخم کس جنس کا ہوگا اس کا تذکرہ ضروری ہے مثلاً گیہوں یا جو وغیرہ (۷) جس شخص کا تخم نہیں اس کا حصہ مقرر کرنا کیونکہ حصہ عمل یا زمین کی اُجرت سے ہے اس لئے اس کا معین کرنا ضروری ہے (۸) زمین خالی کر کے محنت کرنے والے کو مکمل طور پر سپرد کر دی جائے یعنی مالک زمین یہ کہے کہ میں نے یہ زمین تمہارے سپرد کر دی ہے۔ (شرح وقایہ ج:۴ص ۲۷)

فاذا صحت المزارعة ...... فلاشئ للعامل الخ: مسئلہ(۱) اس عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا فسدت المزارعة ...... بالغا ما بلغ : مسئلہ(۲) صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر مزارعت کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو اس زمین کی پیداوار صاحب تخم کو ملے گی چنانچہ اگر یہ تخم زمین دار کی طرف سے تھا تو ایسی صورت میں حضرات شیخین اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے۔ حضرات شیخین کے نزدیک کاشت کار کو اُجرت مثل یعنی اس قدر اُجرت دی جائے گی جو اس قسم کے کام کرنے والوں کو ملتی ہے البتہ یہ مزدوری یا اُجرت اس مقدار سے زائد نہیں ہوگی جو پیداواری میں کاشت کار کے لئے مشروط کی گئی تھی۔ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک صرف اُجرت مثلی ملے گی خواہ کہیں تک پہنچ جائے یعنی مشروطہ مقدار سے زائد ہی کیوں نہ ہو جائے۔ (الجوھرہ ج:۲ص ۵۵)

وان كان البذر ...... اجر مثلها: مسئلہ(۳) اگر تخم کاشت کار کی جانب سے ہو تو زمین دار کو مثلی کرایہ یعنی اتنا کرایہ ملے گا جو اس طرح کی زمینوں کا دستور ہے، پھر اُجرت مثل کے سلسلے میں مذکورہ بالا اختلاف اس مسئلہ میں بھی جاری ہوگا یعنی شیخین کے نزدیک اجل المثل مقدار مسمیٰ سے زائد نہیں ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک جس قدر ہو دیا جائے گا۔

(حوالہ مذکورہ بالا)

واذا عقدت ...... لم يجبر عليه الخ : مسئلہ(۴) اگر عقد مزارعت کے طے ہونے کے بعد صاحب تخم نے تخم ریزی سے انکار کر دیا تو اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ بلا بیج کے نقصان برداشت کئے ہوئے عقد کا پورا کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ بیج ڈالنے کے بعد اس کے انجام کی خبر نہیں اس لئے لازماً ضرر برداشت کرنا پڑے گا اس لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (عین الہدایہ ج:۴ص ۱۱۷)

وَ اِنِ امْتَنَعَ الَّذِیْ لَیْسَ مِنْ قِبَلِهٖ الْبِذْرُ اَجْبَرَهُ الْحَاکِمُ عَلَی الْعَمَلِ وَ اِذَا مَاتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَیْنِ بَطَلَتِ الْمُزَارَعَةُ وَاِذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْمُزَارَعَةِ وَ الزَّرْعُ لَمْ یُدْرِكْ کَانَ عَلَی الْمُزَارِعِ اَجْرُ مِثْلِ نَصِیْبِهٖ مِنَ الْاَرْضِ اِلٰی اَنْ یُسْتَحْصَدَ وَ النَّفَقَةُ عَلَی الزَّرْعِ عَلَیْهِمَا عَلٰی مِقْدَارِ حُقُوْقِهِمَا وَ اُجْرَةُ الْحَصَادِ وَ الدِّیَاسِ وَ الرِّفَاعِ وَ التَّذْرِیَةِ عَلَیْهِمَا بِالْحِصَصِ فَاِنْ شَرَطَاهُ فِی الْمُزَارَعَةِ عَلَی الْعَامِلِ فَسَدَتْ.

ترجمہ: اور اگر (کام سے) ایسا شخص رک گیا جس کی جانب سے تخم نہیں ہے تو حاکم اس کو کام پر مجبور کرے گا اور اگر متعاقدین میں سے ایک مرجائے تو مزارعت باطل ہوجائے گی اور اگر مدت مزارعت گزر جائے اور کھیتی ابھی پکی نہیں تو کاشت کار کے ذمہ زمین کا کرایہ ہوگا جو اس جیسی زمین کا ہوتا ہے کھیتی کٹنے تک اور کھیتی کا صرفہ دونوں کے ذمہ ہوگا ان دونوں کے حقوق کے مطابق۔ اور کھیتی کاٹنے، گاہنے، اکٹھا کرنے اور غلہ صاف کرنے کی اُجرت دونوں کے ذمہ حصوں کے مطابق ہوگی اور اگر دونوں نے مزارعت میں اس خرچ کی شرط عامل پر کردی تو مزارعت فاسد ہوجائے گی۔

مزارعت کے متفرق احکام

حل لغات: انقضت: انقضی الشئ ختم ہونا، پورا ہونا۔ یدرك: یہ ادراک الثمر سے ماخوذ ہے، ادرک الثمر پھل کا پکنا۔ یستحصد: از استفعال استحصد، کاٹنے کا وقت قریب ہونا، یہاں کاٹنے کے معنی میں ہے۔ النفقة: صرفہ، خرچ۔ الحصاد: مصدر ہے، حصد الزرع (ن ض) درانتی سے کاٹنا۔ الدیاس: مصدر ہے، داس الزرع دیاسا ودیاسۃ، گاہنا۔ الرِّفاع: مصدر ہے، رفع القوم الزرع رفعاً ورفاعاً ورفاعۃ، کاٹنے کے بعد کھلیان میں لے جانا۔ التذریة: باب تفعیل کا مصدر ہے ذرّی الحنطۃ، اساون کرنا، غلہ صاف کرنا۔

تشریح: صاحب قدوری کی عبارت بالا پانچ مسائل پر مشتمل ہے۔

وان امتنع ...... علی العمل الخ: مسئلہ (۱) مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ عقد مزارعت طے ہونے کے بعد متعاقدین میں سے کوئی کام کرنے سے انکار کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) ایسا شخص انکار کرے جو تخم کا ذمہ دار ہو (۲) ایسا شخص انکار کرے جو تخم کا ذمہ دار نہیں ہے۔ پہلی صورت کا حکم گزشتہ عبارت کے مسئلہ نمبر ۴ کے تحت گزر چکا ملاحظہ فرمائیں۔ دوسری صورت کا تعلق موجودہ عبارت سے ہے اس صورت میں حاکم اس پر فریق ثانی کے مطالبہ پر مجبور کرے گا کیونکہ اس عقد کے پورا کرنے میں اس کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ (الجوہرہ ج:۲ص ۵۵)

واذا مات ...... بطلت المزارعة الخ: مسئلہ (۲) اگر متعاقدین میں سے کوئی ایک (زراعت سے قبل) مرجائے تو مزارعت باطل ہوجائے گی اور اگر زراعت کے بعد کسی کا انتقال ہوا تو اس میں تفصیل ہے اس کے لئے الجوہرہ ج:۲ص ۵۵ کی طرف رجوع کریں۔

واذا انقضت ...... علی مقدار حقوقهما الخ: مسئلہ (۳) اگر مدت مزارعت پوری ہوجائے اور ابھی کھیتی

پکی نہ ہوتو ایسی صورت میں کاشت کار کا فرض ہے کہ کھیتی جب تک کٹ نہ جائے اس وقت تک زمین کا وہ کرایہ ادا کرتا رہے جو اس جیسی زمین کا کرایہ ہوتا ہے اور کھیتی پر جو صرفہ آئے گا وہ ان دونوں کے ذمہ ان کے حقوق کے اعتبار سے ہوگا بشرطیکہ مدت مزارعت پوری ہوگئی ہو اور اگر مدت مزارعت مکمل نہیں ہوئی ہے تو کھیتی کا صرفہ کاشت کار پر ہوگا۔ (الجوھرہ ج:۲ص ۵۶)

واجرة الحصاد ...... بالحصص الخ : مسئلہ (۴) اور کھیتی کاٹنے پھر گاہنے اور کھلیان تک اُٹھا کر لانے اور اساون یعنی غلہ اُڑا کر صاف کرنے اور علیحدہ کرنے کی مزدوری متعاقدین کے ذمہ ان کے حصہ کے اعتبار سے ہوگی۔

فان شرطاه الخ : مسئلہ (۵) اگر مالک اور کاشت کار یہ شرط کرلیں کہ کھیت کاٹنے اور اس کو گاہنے کا خرچ کاشت کار کے ذمہ ہوگا تو ایسی صورت میں مزارعت فاسد ہو جائے گی کیونکہ کاشت کار پر یہ دونوں چیز لازم نہیں ہیں۔ کاشت کار کی ذمہ داری تو صرف کاشت کے پکنے تک تھی البتہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ باہمی تعامل کے طریقہ پر کاشت کار کے لئے ایسی شرط لگانا جائز ہے اور مشائخ نے اسی کو پسند فرمایا اور امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے دیار میں یہی زیادہ صحیح ہے۔ (ہدایہ ج:۴ص ۴۱۴، الجوھرہ ج:۲ص ۵۶)

کتاب المساقاة

مساقاۃ (درختوں کی بٹائی) کا بیان

مزارعت کے بعد مساقات کی بحث لانے کی مناسبت بالکل ظاہر ہے کیوں کہ دونوں میں پیداوار میں مشارکت ہے بس فرق اتنا ہے کہ مساقات درختوں سے متعلق ہے اور مزارعت زمین سے۔ اور مزارعت کو مساقات پر اس لئے مقدم کیا کہ مزارعت کے احکام جاننے کی ضرورت زیادہ ہے اسی طرح مزارعت کے فروعات اور اس کے مسائل بکثرت ہیں۔ مساقات باب مفاعلت کا مصدر ہے سقی سے ماخوذ ہے معنی ہے سینچنا، سیراب کرنا۔ صاحب نہایہ نے اس کے لغوی اور شرعی مفہوم میں کوئی فرق نہیں کیا۔ صحاح میں بھی ایسا ہی ہے وہ یہ کہ مساقات اس عقد کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے خرما یا انگور یا پھل دار درختوں کو کسی دوسرے کو اس لئے دے کہ وہ پانی وغیرہ سے درختوں کی پرورش، اس کی دیکھ ریکھ اور اس کی اصلاح کرے اور اس کو بھی حصہ معین مثلاً ثلث یا ربع یا نصف ملے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ جو شرائط صحت مزارعت کے لئے ہیں وہی مساقات کے لئے ہیں مگر چار چیزیں ایسی ہیں جو صرف مزارعت کے لئے مخصوص ہیں تفصیل کے لئے عینی شرح کنز ج:۴ص ۱۴۱ ملاحظہ فرمائیں۔ اہل مدینہ مساقات کو معاملہ کہتے ہیں۔ (حاشیہ ہدایہ ج:۴ص ۴۱۵، الجوھرہ ج:۲ص ۵۶، تنظیم الاشتات ج:۳ص ۲۷۳)

قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَلْمُسَاقَاةُ بِجُزْءٍ مِنَ الثَّمَرَةِ بَاطِلَةٌ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ جَائِزَةٌ اِذَا ذَكَرَا مُدَّةً مَعْلُوْمَةً وَ سَمَّيَا جُزْءً مِنَ الثَّمَرَةِ مُشَاعًا وَ تَجُوْزُ الْمُسَاقَاةُ فِي النَّخْلِ وَ الشَّجَرِ وَ الْكَرْمِ وَ الرِّطَابِ وَ اُصُوْلِ الْبَاذِنْجَانِ فَاِنْ دَفَعَ نَخْلًا فِيْهِ ثَمَرَةٌ مُسَاقَاةً وَ الثَّمَرَةُ تَزِيْدُ بِالْعَمَلِ جَازَ وَ اِنْ كَانَتْ قَدِ انْتَهَتْ لَمْ يَجُزْ وَ اِذَا فَسَدَتِ الْمُسَاقَاةُ فَلِلْعَامِلِ اَجْرُ مِثْلِهٖ وَ تَبْطُلُ الْمُسَاقَاةُ بِالْمَوْتِ وَ تَفْسَخُ بِالْاَعْذَارِ كَمَا تَفْسَخُ الْاِجَارَةُ.

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ پھل کا کچھ حصہ مقرر کر کے مساقات باطل ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جائز ہے بشرطیکہ دونوں مدت معینہ ذکر کریں اور بطریق مشاع پھل کا کچھ حصہ معین کریں۔ اور مساقات کھجوروں، درختوں، انگوروں، سبزیوں اور بیگنوں میں جائز ہے پس اگر کسی نے کھجوروں کے پھل دار درخت مساقات پر دیدیئے اور وہ پھل (پانی دینے سے) بڑھتا ہے تو یہ دینا جائز ہے اور اگر پھل کا بڑھنا پورا ہو چکا ہے تو یہ ناجائز ہے اور اگر مساقات فاسد ہو جائے تو کارندہ کو اُجرت مثل ملے گی اور مساقات مرنے سے باطل ہو جاتی ہے اور عذروں سے فسخ ہو جاتی ہے جس طرح اجارہ فسخ ہو جاتا ہے۔

حل لغات: النخل: کھجور کا درخت۔ الکَرْم: انگور کی بیل جمع کروم۔ الرِطاب: رُطبة کی جمع ہے اس کا مفہوم وسیع ہے، اس میں کھیرا، ککڑی، انار، انگور، بہی، یا بقولات مثلاً چقندر، گندنا، خرفہ کا ساگ وغیرہ شامل ہیں مگر یہاں بقولات مراد ہیں۔ الباذنجان: بیگن۔

تشریح: قال ابو حنیفه ...... مشاعا: صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پھل کا کچھ حصہ مقرر کر کے مساقات باطل ہے مگر حضرات صاحبین کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ دونوں ایک متعین مدت بیان کریں اور مشترکہ طور پر پھل کے کچھ حصہ مثلاً تہائی، چوتھائی یا نصف کا تذکرہ کریں۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ مدت کی شرط از روئے قیاس ہے نہ کہ استحساناً، چنانچہ اگر مدت کا تذکرہ نہ بھی کیا گیا جب بھی عقد درست ہو جائے گی کیونکہ ادراک ثمر کا وقت معلوم و متعین ہے۔ (عینی شرح کنز، ج:۴ص ۴۱، ہدایہ ج:۴ص ۴۱۵، الجوہرہ ج:۲ص ۵۶)

وتجوز المساقاة ...... والرطاب: اس عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مساقات صرف انگور کی بیل اور کھجور میں جائز ہے۔ (عینی شرح کنز، ج:۴ ص۴۲)

فان دفع نخلاً ...... انتهت لم يجز: مسئلہ: اگر ایک شخص نے کھجور کا باغ مساقات پر دیا اس میں کچے پھل ہیں جو عامل کی محنت سے بڑھ سکتے ہیں تو ایسی صورت میں مساقات درست ہے لیکن اگر پھل پک چکے ہوں اور ان کا بڑھنا ختم ہو چکا ہو تو پھر ایسی صورت میں مساقات درست نہیں ہے کیونکہ عامل اپنے عمل کی وجہ سے مستحق اجر ہوتا ہے اور یہاں پھل کے پک جانے کے بعد عمل کا کوئی اثر نہیں رہا۔ (ہدایہ ج:۴ص ۴۱۶)

وتبطل المساقاة الخ: مساقات احد المتعاقدین میں سے کسی ایک کے مرنے سے باطل ہو جاتی ہے اسی طرح عذر کی وجہ سے عقد مساقات فسخ ہو جاتی ہے جس طرح اجارہ فسخ ہو جاتا ہے مثلاً عامل چور ہو اور اس سے سامان اور پھلوں کی چوری کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اگر عقد فسخ نہیں ہوگا تو مالک کا نقصان ہوگا۔ (الجوہرہ ج ۲: ص ۵۷)

کتاب النکاح

نکاح کا بیان

مزارعت اور مساقات کے بعد کتاب النکاح لائی جانے کی یہ مصلحت بیان کی جاتی ہے کہ نکاح میں زراعت کا شائبہ ہے کیونکہ قرآن میں کریم میں عورت کو "حرث" سے تشبیہ دی گئی ہے، ارشادِ باری ہے "نساؤکم حرث لکم فاتو

حرثکم انی شئتم" کیونکہ جس طرح کھیت میں بیج ڈالنے سے غلہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح جب عورت کے رحم میں نطفہ پڑتا ہے تو لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوتی ہے۔

نکاح کا لغوی معنی ملانا اور جمع کرنا ہے۔ اصطلاح شرع میں اس کا دو مفہوم ہے ایک حقیقی یعنی وطی کہ اس میں ملانا اور جمع کرنے کا مفہوم موجود ہے اور دوسرا مجازی یعنی عقد۔ نکاح کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسا عقد ہے جو ملک متعہ کے لئے مفید ہو چنانچہ نکاح کے ذریعہ مرد کے لئے عورت سے نفع اُٹھانا جائز ہو جاتا ہے۔

نکاح کے اقسام : نکاح کی پانچ قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

(۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت (۴) مکروہ (۵) حرام۔

۱- عورت کی جانب شدت اشتیاق ہو اور زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو اور مہر ونفقہ پر قدرت بھی ہو تو نکاح کرنا فرض ہے۔

۲- عورت کی جانب شدت اشتیاق ہو مگر زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین نہ ہو اور مہر ونفقہ پر قدرت بھی ہو تو نکاح کرنا واجب ہے۔

۳- اعتدال کی حالت میں نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے یعنی شدت اشتیاق نہ ہو مگر مہر ونفقہ اور مجامعت پر قدرت ہو مگر ہمارے بعض مشائخ کے نزدیک حالت اعتدال میں فرض کفایہ ہے اور بعض کے نزدیک واجب کفایہ ہے مگر صحیح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ہے۔

۴- اگر یہ اندیشہ ہو کہ نکاح کے بعد اپنے مزاج کی تیزی کی وجہ سے بیوی پر ظلم وزیادتی کروں گا تو نکاح کرنا مکروہ ہے۔

۵- اگر کسی کو یہ یقین ہو کہ نکاح کے بعد بیوی پر ظلم وزیادتی کروں گا تو نکاح کرنا حرام ہے۔

نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا : پیغام نکاح دینے سے قبل ایک دوسرے کے حالات، عادات واطوار کا تحقیقی جائزہ لے لینا چاہئے تاکہ دونوں کے درمیان آئندہ دنوں میں نا چاقی ونا اتفاقی کا بازار گرم نہ ہو آخر تک ایک خوشگوار ماحول بنا رہے اگر لڑکے کے لئے ممکن ہو تو لڑکی کا چہرہ اور ہاتھ دیکھ لے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ میں اگر اس کو پیغام دوں گا تو منظور ہو جائے گا، عورت کو ایک نظر دیکھ لینے سے دونوں کے درمیان اُلفت ومحبت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اگر ممکن نہ ہو تو کسی معتبر خاتون کو بھیج کر اس کے حالات کا علم حاصل کر لیا جائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں ایک انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں آپؐ نے فرمایا کہ تم اس عورت کو دیکھ لو کیونکہ (بعض) انصاریوں کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہے (مسلم) ایک دوسری روایت حضرت جابرؓ سے ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے تو اگر وہ اس (عورت کے ان اعضاء) کو دیکھنے پر قادر ہو جو اس کو نکاح کی رغبت دلاتے ہیں (یعنی ہاتھ اور چہرہ) تو ایک نظر دیکھ لے۔ (ابوداؤد)

یہ بہت تفصیلی موضوع ہے جس پر جتنا قلم چلایا جائے کم ہے۔ دیگر کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔ عبدالعلی قاسمی غفرلہٗ

اَلنِّكَاحُ يَنْعَقِدُ بِالْاِيْجَابِ وَ الْقُبُوْلِ بِلَفْظَيْنِ يُعَبَّرُ بِهِمَا عَنِ الْمَاضِيْ اَوْ يُعَبَّرُ بِاَحَدِهِمَا عَنِ الْمَاضِيْ وَ الْاٰخَرُ عَنِ الْمُسْتَقْبَلِ مِثْلَ اَنْ يَقُوْلَ زَوِّجْنِيْ فَيَقُوْلُ زَوَّجْتُكَ.

ترجمہ : نکاح ایجاب وقبول کے ساتھ ایسے دو لفظوں سے منعقد ہو جاتا ہے جن کو صیغۂ ماضی سے تعبیر کیا

جائے یا ان میں سے ایک کو صیغۂ ماضی سے تعبیر کیا جائے اور دوسرے کو صیغۂ مستقبل سے مثلاً کوئی یوں کہے تو میرا نکاح کر دے اور (جواب میں) دوسرا کہے میں نے تجھ سے نکاح کرلیا۔

تشریح : انعقاد و تحقق نکاح کے لئے ایجاب و قبول ضروری ہے ساتھ ہی ساتھ صرف تحریری ایجاب و قبول کافی نہیں ہے بلکہ ایک غیر معذور شخص کے لئے تلفظ ضروری ہے ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے۔ ایجاب اس لفظ کو کہتے ہیں جو احد المتعاقدین کی طرف سے صادر ہوتا ہے کیونکہ یہ مخاطب پر اثبات یا نفی میں جواب کو واجب کرتا ہے یہ ایجاب خواہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے اور جو لفظ احد المتعاقدین سے دوسری مرتبہ صادق ہو وہ قبول کہلاتا ہے۔

جن دو الفاظوں سے ایجاب و قبول ہوتا ہے وہ الفاظ یا تو ایسے ہوں جو صیغۂ ماضی سے تعبیر کئے جائیں یا ایسے ہوں کہ ان میں سے ایک صیغۂ ماضی سے تعبیر کیا جائے اور دوسرا استقبال سے کیونکہ تحقق اور وقوع پر صیغۂ ماضی ہی دلالت کرتا ہے رہا زمانۂ حال تو اس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ وہ اجزاء ماضی اور اجزاء مستقبل سے مرکب ہوتا ہے اور رہا استقبال تو اس کا مضمون بوقت تکلم معدوم ہوتا ہے اس لئے صیغۂ ماضی ہر صورت میں ضروری ہے خواہ ایجاب و قبول دونوں کے لئے ماضی ہو یا ان میں سے کسی ایک کے لئے ہو اور مستقبل سے صیغۂ امر مراد ہے یعنی نکاح صیغۂ ماضی اور صیغۂ امر سے بھی منعقد ہو جاتا ہے، مثلاً مرد نے کہا کہ میرا نکاح کر دے اور عورت جواب میں کہے کہ میں نے نکاح کر دیا یا اس کا برعکس تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔

> وَلَا يَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا بِحُضُوْرِ شَاهِدَيْنِ حُرَّيْنِ بَالِغَيْنِ عَاقِلَيْنِ مُسْلِمَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَ امْرَأَتَيْنِ عُدُوْلًا كَانُوْا اَوْ غَيْرَ عُدُوْلٍ اَوْ مَحْدُوْدَيْنِ فِي قَذْفٍ فَاِنْ تَزَوَّجَ مُسْلِمٌ ذِمِّيَّةً بِشَهَادَةِ ذِمِّيَّيْنِ جَازَ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَ اَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَجُوْزُ اِلَّا اَنْ يَشْهَدَ شَاهِدَيْنِ مُسْلِمَيْنِ.

ترجمہ : مسلمانوں کا نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے مگر ایسے دو گواہوں کی موجودگی سے جو آزاد ہوں، بالغ ہوں، عاقل ہوں اور مسلمان ہوں، یا ایسے ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں جو عادل ہوں یا غیر عادل ہوں یا تہمت لگانے میں سزا یافتہ ہوں پس اگر ایک مسلمان نے کسی ذمیہ سے دو ذمی کی شہادت پر نکاح کرلیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نکاح جائز ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ نکاح جائز نہیں ہے مگر یہ کہ ایسے دو گواہ بنالے جو مسلمان ہوں۔

شرائط نکاح کا بیان

تشریح : ولاینعقد ...... فی قذف : اس عبارت میں انعقاد نکاح کے شرائط کو بیان کیا گیا ہے، ایک مسلمان کے نکاح کے لئے شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں دو گواہ موجود ہوں اور ان دو گواہوں کا آزاد ہونا، بالغ ہونا، عاقل ہو اور مسلمان ہونا شرط ہے اگر یہ دونوں گواہ مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں البتہ گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں ہے چنانچہ اگر گواہ فاسق اور محدود فی القذف ہوں جب بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔

اختلاف : حضرت امام مالکؒ کے یہاں گواہ کا ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اعلان شرط ہے مگر جمہور کے یہاں شرط ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے یہاں گواہوں کا صرف مرد ہونا شرط ہے اسی طرح عادل ہونا بھی شرط ہے۔ احناف کا مسلک اوپر گزر گیا۔
گواہوں کے لئے لفظ ایجاب وقبول سننا ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے یہاں صرف موجودگی کافی ہے الفاظ کا سننا ضروری نہیں ہے مگر اکثر مشائخ کے نزدیک الفاظ کا سننا شرط ہے ورنہ موجودگی بے سود ہوگی۔

فان تزوج الخ: مسئلہ: اگر کسی مسلمان نے کسی ذمیہ کتابیہ سے دو ذمیوں کی موجودگی میں نکاح کر لیا تو یہ نکاح حضرات شیخین کے نزدیک درست ہو جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک نکاح درست نہیں ہوگا بلکہ درست ہونے کے لئے دو مسلم گواہوں کی موجودگی شرط ہے۔ امام زفرؒ کا مسلک بھی یہی ہے، امام احمد اور امام شافعی کے نزدیک بھی یہ شہادت درست نہیں ہے۔

وَلَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِاُمِّهٖ وَ لَا بِجَدَّاتِهٖ مِنْ قِبَلِ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ وَ لَا بِبِنْتِهٖ وَ لَا بِبِنْتِ وَلَدِهٖ وَ اِنْ سَفُلَتْ وَ لَا بِاُخْتِهٖ وَ لَا بِبَنَاتِ اُخْتِهٖ وَ لَا بِعَمَّتِهٖ وَ لَا بِخَالَتِهٖ وَلَا بِبَنَاتِ اَخِيْهِ وَلَا بِاُمِّ اِمْرَأتِهٖ دَخَلَ بِاِبْنَتِهَا اَوْ لَمْ يَدْخُلْ وَ لَا بِبِنْتِ اِمْرَأتِهِ الَّتِىْ دَخَلَ بِهَا سَوَاءٌ كَانَتْ فِي حِجْرِهٖ اَوْ فِي حِجْرِ غَيْرِهٖ وَلَا بِامْرَاَةِ اَبِيْهِ وَ اَجْدَادِهٖ وَلَا بِامْرَاَةِ اِبْنِهٖ وَ بَنِي اَوْلَادِهٖ وَلَا بِاُمِّهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَلَا بِاُخْتِهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ.

ترجمہ: مرد کے لئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اپنی ماں سے، اپنی دادی سے مردوں کی طرف سے یا عورتوں کی طرف سے اور نہ اپنی بیٹی سے، نہ اپنی پوتی سے اگرچہ نیچے کی ہوں، اور نہ اپنی بہن سے، نہ اپنی بھانجی سے، نہ اپنی پھوپھی سے، نہ اپنی خالہ سے، نہ اپنی بھتیجیوں سے، نہ اپنی خوش دامن (ساس) سے کہ اس سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، نہ اپنی زوجہ کی بیٹی سے جس سے دخول کر چکا ہو، وہ لڑکی اس کی پرورش میں ہو یا دوسرے کی پرورش میں برابر ہے۔ اور نہ اپنے باپ کی بیوی اور نہ اپنے دادا کی بیوی سے نہ اپنے لڑکے کی بیوی سے، نہ اپنے اولاد کی اولاد کی بیوی (بہو) سے اور نہ اپنی رضائی ماں اور نہ رضائی بہن سے۔

محرمات ابدیہ کی تفصیل

تشریح:- پوری عبارت میں ان عورتوں کو بیان کیا گیا ہے جن سے نکاح حرام ہے۔ ایک اصول یہ ہے کہ جو رشتے نسب اور مصاہرت سے حرام ہوتے ہیں وہی رشتے رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب"۔ (صحیحین)

وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ بِنِكَاحٍ وَلَا بِمِلْكِ يَمِيْنٍ وَطْئًا وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْاَةِ وَ عَمَّتِهَا اَوْ خَالَتِهَا وَلَا اِبْنَةِ اُخْتِهَا وَلَا اِبْنَةِ اَخِيْهَا وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ اِمْرَأَتَيْنِ لَوْ كَانَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا رَجُلًا لَمْ يَجُزْ لَهٗ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِالْاُخْرٰى وَلَا بَاْسَ بِاَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ اِمْرَاَةٍ وَ اِبْنَةِ زَوْجٍ كَانَ لَهَا مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ زَنٰى بِامْرَاَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ اُمُّهَا وَ اِبْنَتُهَا وَ اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ طَلَاقًا بَائِنًا اَوْ رَجْعِيًّا لَمْ يَجُزْ لَهٗ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِاُخْتِهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا.

ترجمہ : اور نکاح کے ذریعہ دو بہنوں کو جمع نہ کرے اور نہ ہی ملک رقبہ کے ساتھ از راہِ وطی اور نہ جمع کرے عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کو اور نہ اس کی بھانجی اور بھتیجی کو، اور نہ جمع کرے ایسی دو عورتوں کو کہ اگر ان دونوں میں سے ایک مرد ہو جائے تو اس کے لئے دوسرے سے نکاح کرنا جائز نہ ہو اور اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ عورت اور اس کے سابق شوہر کی لڑکی (جو دوسری بیوی سے ہے) کو جمع کرے اور جس شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو زانی پر زانیہ کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو گئیں اور اگر مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی طلاق بائن یا رجعی تو اس شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کی بہن سے نکاح کرے یہاں تک کہ اسکی عدت پوری ہو جائے۔

کن دو عورتوں کو ایک عقد میں جمع کرنا جائز نہیں ہے؟

تشریح : اس عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں۔

ولا یجمع ...... وطئًا الخ: مسئلہ (۱) اس کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ دونوں بہنوں سے ایک ساتھ یا آگے پیچھے نکاح کرے، یہ نکاح درست نہیں ہے اور اگر دونوں سے عقد واحد میں نکاح ہوا تو دونوں کا نکاح باطل ہے لیکن اگر آگے پیچھے ہوا تو پہلی کا نکاح صحیح ہوگا اور دوسری کا نکاح باطل ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کی ملک میں دو باندیاں ہیں وہ دونوں بہن ہیں تو دونوں کو ملک میں جمع کرنا تو جائز ہے البتہ دونوں سے وطی کرنا جائز نہیں ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ دو بہنوں کو بذریعہ نکاح جمع کرنا، اسی طرح دو بہنوں کو ملک رقبہ میں ذریعہ وطی جمع کرنا جائز نہیں ہے البتہ دونوں کا مالک ہو سکتا ہے۔

ولایجمع بین المرأة ...... اخیھا: مسئلہ (۲) عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع کرنا، عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرنا، عورت اور اس کی بھتیجی کو جمع کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ گویا اس مسئلہ میں ایک عقد میں دو عورتوں کے جمع کے حرام ہونے کی چند صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

ولایجمع بین امرأتین ...... بالاخریٰ : اس عبارت میں جمع بین المرأتین کی حرمت کی بابت ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ جن دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا ہے ان میں سے ہر ایک کو مذکر فرض کر کے دیکھیں کہ ان دونوں کا آپس میں شرعاً نکاح کرنا درست ہے یا نہیں اگر درست ہے تو دونوں کو جمع کر سکتے ہیں اور اگر درست نہیں ہے تو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا درست نہیں ہے مثلاً لڑکی اور اس کی پھوپھی کو جمع کرنا حرام ہے کیونکہ اگر لڑکی مذکر فرض کر لی جائے تو ان دونوں میں پھوپھی اور بھتیجے کا رشتہ ہوگا اور اگر پھوپھی کو مذکر فرض کر لیا جائے تو چچا، بھتیجی کا رشتہ ہوگا اور ان دونوں صورتوں میں آپس میں نکاح کرنا حرام ہے لہٰذا دونوں کو جمع کرنا بھی حرام ہوگا، یہی حال خالہ اور بھانجی کا ہے۔

ولا باس ...... لھا من قبل : مسئلہ (۳) یہ مسئلہ ماقبل کے اصول پر متفرع ہے کہ عورت اور اس کے سابق شوہر کی پہلی بیوی سے جو بیٹی ہے اس کو نکاح میں جمع کرنا صحیح ہے مثلاً راشدہ نے حامد سے نکاح کیا اور حامد کی ایک بیٹی شاکرہ حامد کی پہلی بیوی سلمیٰ سے ہے پھر حامد نے راشدہ کو طلاق بائن دیدی اب اگر عبدالرحمٰن نے حامد کی بیٹی شاکرہ اور راشدہ سے نکاح کر کے جمع کر لیا تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ راشدہ اور شاکرہ کے درمیان نہ کوئی قرابت ہے اور نہ رضاعت۔ حضرت امام زفرؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ حامد کی بیٹی شاکرہ کو اگر لڑکا فرض کر لیا جائے تو راشدہ اور شاکرہ کا نکاح آپس میں جائز

نہیں ہے کیونکہ راشدہ شاکرہ کے باپ کی منکوحہ ہے اور باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اس لئے دونوں کا جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ باپ کی بیوی کو اگر مرد فرض کرلیا جائے تو ان دونوں کا آپس میں نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ جمع بین المرأتین کے حرام ہونے کی شرط یہ ہے کہ دونوں جانب سے مرد فرض کرنے کی صورت میں آپس میں نکاح حرام ہو۔ یہی حال باندی اور اس کے مالک کی بیوی کا ہے کہ اگر بی بی کو مرد قرار دیا جائے تو باندی حرام نہیں ہے لیکن باندی کو مرد قرار دیدیا جائے تو بی بی حرام ہے اس لئے ایسی دو عورتوں کے درمیان جمع کرنا جائز ہے۔

ومن زنی ...... وابنتھا : مسئلہ (۴) زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں اس سلسلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے لہٰذا زانی پر مزنیہ کے اُصول وفروع حرام ہوں گی اور مزنیہ پر زانی کے اصول وفروع۔ شوافع کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے اسی بنیاد پر زانی پر مزنیہ کے اُصول وفروع حلال ہوں گے اور مزنیہ پر زانی کے اصول وفروع حلال ہوں گے۔ اصول سے دادی ونانی وغیرہ مراد ہیں اور فروع سے پوتی اور نواسی وغیرہ۔

واذا طلق ...... عدتھا الخ : مسئلہ (۵) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا طلاق رجعی دیدی تو اب یہ شخص اس معتدہ کی بہن سے عدت کے زمانہ میں نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک معتدہ کی بہن سے عدت پوری کرنے سے پہلے نکاح کرنا درست نہیں ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اگر معتدہ عورت طلاق بائن یا تین طلاق کی وجہ سے عدت میں ہو تو اس کی بہن سے نکاح کرنا درست ہے۔

وَلَا يَجُوْزُ لِلْمولىٰ اَنْ يَتَزَوَّجَ اَمَتَهٗ وَ لَا الْمَرْاَةِ عَبْدَهَا وَ يَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْكِتَابِيَاتِ وَ لَا يَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْمَجُوْسِيَّاتِ وَ لَا الْوَثْنِيَّاتِ وَ يَجُوْزُ تَجْوِيْزُ الصَّابِيَاتِ اِنْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِنَبِيٍّ وَ يَقْرَءُ وْنَ الْكِتَابَ وَ اِنْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْكَوَاكِبَ وَلَا كِتَابَ لَهُمْ لَمْ يَجُزْ مُنَاكَحَتُهُمْ وَ يَجُوْزُ لِلْمُحْرِمِ وَ الْمُحْرِمَةِ اَنْ يَتَزَوَّجَا فِيْ حَالَةِ الْاِحْرَامِ.

ترجمہ : اور آقا کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنی باندی سے نکاح کرے اور نہ عورت (کے لئے) اپنے غلام سے (نکاح کرنا جائز ہے) اور کتابیہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور آتش پرست عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی بت پرست عورتوں سے۔ اور صابیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اگر وہ کسی نبی پر ایمان رکھتی ہوں اور کتاب پڑھتی ہوں۔ اور اگر وہ ستاروں کی پرستش کرتی ہوں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ ہو تو ان سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

حل لغات : الکتابیات : کتابیہ کی جمع ہے مذکر کتابی ہے۔ کتابی وہ شخص ہے جو نبی پر ایمان رکھتا ہو اور کتاب کا اقرار کرتا ہو۔ **المجوسیات :** یہ مجوسیہ کی جمع ہے، مذکر مجوسی ہے، آتش پرست کو مجوسی کہتے ہیں۔ **الوثنیات :** یہ وثنیۃ کی جمع ہے، مذکر وثنی ہے، وثنی وہ شخص ہے جو بت پرستی کرتا ہو۔ **الصابیات :** یہ صابیہ کی جمع ہے مذکر صابی ہے۔ صابی کی تعریف میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ صابی وہ شخص ہے جو انبیاء میں سے

کسی نبی پر ایمان رکھتا ہو اور کسی آسمانی کتاب کا اقرار کرتا ہو لہٰذا یہ اہل کتاب میں سے ہوگا۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ صابی وہ شخص ہے جو ستاروں کی پوجا کرتا ہے اور کسی آسمانی کتاب کا اقرار نہیں کرتا ہے لہٰذا یہ بت پرستوں کے حکم میں ہوگا۔

تشریح : ولایجوز للمولی ...... عبدھا: صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ مولیٰ کے لئے اپنی باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے خواہ باندی کے کل کا مالک ہو یا بعض کا۔ اسی طرح عورت اپنے غلام سے نکاح نہ کرے خواہ عورت پورے غلام کی مالک ہو یا بعض کی اگر مالک اور مملوک رہتے ہوئے نکاح کرلیا تو باطل ہو جائے گا ائمہ اربعہ کا اسی پر اتفاق ہے۔

ویجوز تزویج الکتابیات ...... الوثنیات : آزاد کتابیہ عورت سے نکاح کرنا بالاتفاق جائز ہے مگر کتابیہ باندی سے نکاح کے متعلق اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک مطلق باندی سے نکاح جائز ہے مسلمان ہو یا کتابیہ۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک کتابیہ باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے ایک روایت میں امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ آتش پرست اور بت پرست عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

ویجوز تزویج الصابیات ...... مناکحتھم : صابیہ سے نکاح کرنا کیسا ہے اس کے متعلق امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ حضرت امام صاحب کے نزدیک صابیہ سے نکاح کرنا جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے یہ اختلاف صابیہ کی تعریف میں اختلاف پر مبنی ہے صابیہ کی تعریف مع اختلاف حل لغات کے عنوان کی طرف رجوع فرمائیں۔ اسی اختلاف کی وجہ سے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ کسی نبی اور آسمانی کتاب پر ایمان رکھتی ہیں تو ان سے نکاح درست ہے اور اگر ستاروں کی پرستش کرتی ہیں اور ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے تو ان کو نکاح میں لینا جائز نہیں ہے۔

ویجوز للمحرم الخ : احرام والی عورت ہو یا مرد احناف کے نزدیک حالت احرام میں نکاح کرنا جائز ہے عورت کا ولی اور نکاح کرانے والا محرم ہو یا حلال ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

> وَ یَنْعَقِدُ نِکَاحُ الحُرَّةِ البَالِغَةِ العَاقِلَةِ بِرِضَائِهَا وَ اِنْ لَمْ یَعْقِدْ عَلَیْهَا وَلِیٌّ عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَةَ بِکْرًا کَانَتْ اَوْ ثَیِّبًا وَ قَالاَ لاَ یَنْعَقِدُ اِلاَّ بِاِذْنِ وَلِیٍّ وَ لاَ یَجُوْزُ لِلْوَلِیِّ اِجْبَارُ البِکْرِ البَالِغَةِ العَاقِلَةِ وَ اِذَا اسْتَاْذَنَهَا الوَلِیُّ فَسَکَتَتْ اَوْ ضَحِکَتْ اَوْ بَکَتْ بِغَیْرِ صَوْتٍ فَذٰلِكَ اِذْنٌ مِنْهَا وَ اِنِ اسْتَاْذَنَ الثَّیِّبَ فَلاَ بُدَّ مِنْ رِضَائِهَا بِالْقَوْلِ وَ اِذَا زَالَتْ بَکَارَتُهَا بِوَثْبَةٍ اَوْ حَیْضَةٍ اَوْ جَرَاحَةٍ اَوْ تَعْنِیْسٍ فَهِیَ فِی حُکْمِ الاَبْکَارِ وَ اِنْ زَالَتْ بَکَارَتُهَا بِالزِّنَاءِ فَهِیَ کَذٰلِكَ عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالاَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هِیَ فِی حُکْمِ الثَّیِّبِ.

ترجمہ : اور آزاد عاقل بالغ عورت کا نکاح اس کی رضا مندی سے منعقد ہو جائے گا اگر چہ ولی نے اس پر عقد نہیں کیا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ولی کی اجازت کے بغیر منعقد نہیں ہوگا اور ولی کے لئے باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے اور جب ولی نے باکرہ سے اجازت طلب کی اور وہ خاموش رہی یا ہنس پڑی یا بلا آواز کے رونے لگی تو یہ اس کی جانب سے اجازت ہے اور اگر اجازت طلب کی ثیبہ سے تو اس کی رضامندی قول کے ساتھ ضروری ہے اور اگر اس کی

بکارت (کنوارا پن) کودنے یا حیض سے یا زخم سے یا درازئ عمر کے باعث زائل ہوگئی تو وہ باکرہ کے حکم میں ہے اور اگر اس کی بکارت زنا سے زائل ہوگئی تو وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسی ہی ہے (باکرہ ہے) اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ وہ ثیبہ کے حکم میں ہے۔

باکرہ اور ثیبہ کے مسائل

حل لغات: بکرا: کنواری لڑکی۔ ثیبًا: شوہر سے جدا شدہ عورت۔ اجبار: مصدر، باب افعال سے، مجبور کرنا۔ بکت: (ض) مصدر بکاءً وبکیً رونا۔ وثبۃ: مصدر (ض) کودنا۔ جراحۃ: زخم۔ تعنیس: مصدر باب تفعیل سے، بلوغت کے بعد دیر تک بلا شادی رہنا۔ ابکار: یہ بکر کی جمع ہے۔

تشریح: صاحب قدوری نے اس عبارت میں چھ مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے۔

وینعقد ...... باذن ولی: مسئلہ (۱) حرہ بالغہ عاقلہ کا نکاح اس کی رضامندی سے ولی کے بغیر منعقد ہوگا یا نہیں؟ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح منعقد ہوجائے گا خواہ وہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ۔ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے امام اعظم کے ساتھ امام ابویوسفؒ کا تذکرہ کیا ہے اور امام محمد کے نزدیک یہ نکاح منعقد ہوکر موقوف رہے گا اگر ولی اجازت دے گا تو نکاح درست ہوگا ورنہ نہیں۔ امام مالک اور شافعیؒ کے نزدیک عورت کے الفاظ سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔ (ہدایہ)

ولا یجوز للولی ...... العاقلۃ: مسئلہ (۲) عاقلہ بالغہ باکرہ کو ولی نکاح پر مجبور نہیں کرسکتا ہے یہ احناف کے نزدیک ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ولی کے لئے بالغہ باکرہ کو نکاح پر مجبور کرنا جائز ہے۔ (ہدایہ)

واذا استاذنہا ...... فذلک اذن منہا: مسئلہ (۳) اگر ولی نے باکرہ بالغہ عورت سے نکاح کی اجازت مانگی وہ اس بات کو سن کر خاموش رہی یا ہنس پڑی یا بلا آواز رونے لگی تو یہ عمل اس کی طرف اجازت کی دلیل ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر باکرہ استہزاء کے انداز سے ہنسی تو یہ باکرہ کی جانب سے رضامندی نہیں ہوگی کیونکہ یہ ولی کی بات کا مذاق ہے نہ کہ اجازت۔ (ہدایہ)

وان استاذن الثیب ...... القول: مسئلہ (۴) اگر ثیبہ بالغہ سے نکاح کی اجازت لی جائے تو رضامندی کے لئے ضروری ہے کہ ثیبہ زبان سے اظہار کرے۔

واذا زالت بکارتہا ...... فہی فی حکم الابکار: مسئلہ (۵) اگر کسی لڑکی کی بکارت کودنے سے یا حیض (کثرت حیض) کی وجہ سے یا کسی زخم کی وجہ سے یا بلوغت کے بعد زیادہ مدت ٹھہرنے کی وجہ سے زائل ہوگئی تو یہ لڑکی باکرہ کے حکم میں ہوگی یعنی جس طرح بوقت اجازت اس کا سکوت علامت رضا ہے کلام کرنا ضروری نہیں ہے اسی طرح اس کا بھی سکوت علامت رضا ہے۔

وان زالت بکارتہا بالزنا الخ: مسئلہ (۶) اگر باکرہ عورت کی بکارت زنا سے زائل ہوگئی تو اس میں اختلاف ہے کہ باکرہ کے حکم میں ہوگی یا ثیبہ کے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باکرہ کے حکم میں ہوگی اس لئے اس کے

سکوت پر اکتفاء کیا جائے گا اور صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ثیبہ کے حکم میں ہوگی لہٰذا سکوت کافی نہیں ہوگا بلکہ زبان سے اجازت ضروری ہوگی۔

وَ اِذَا قَالَ الزَّوْجُ لِلْبِكْرِ بَلَغَكِ النِّكَاحُ فَسَكَتِّ وَ قَالَتْ لَا بَلْ رَدَدْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَ لَا يَمِيْنَ عَلَيْهَا وَ لَا يُسْتَحْلَفُ فِي النِّكَاحِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَقَالَا يُسْتَحْلَفُ فِيْهِ وَ يَنْعَقِدُ النِّكَاحُ بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَ التَّزْوِيْجِ وَ التَّمْلِيْكِ وَ الْهِبَةِ وَ الصَّدَقَةِ وَلَا يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ الْاِجَارَةِ وَ الْاِعَارَةِ وَ الْاِبَاحَةِ.

ترجمہ : اور اگر شوہر نے باکرہ سے کہا کہ تجھ کو نکاح کی خبر پہونچی مگر تو خاموش رہی اور عورت نے کہا کہ نہیں بلکہ میں نے رد کر دیا تھا تو عورت کا قول معتبر ہوگا اور اس پر کوئی قسم نہیں ہوگی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت سے قسم نہیں لی جائے گی اور صاحبین نے کہا کہ قسم لی جائے گی اور نکاح لفظ نکاح، لفظ تزویج، تملیک، ہبہ اور صدقہ سے منعقد ہو جائے گا اور لفظ اجارہ، اعارہ اور اباحت سے منعقد نہیں ہوگا۔

تشریح : اس عبارت میں صرف ایک مسئلہ اور الفاظ نکاح کو بیان کیا گیا ہے۔

واذا قال الزوج ...... یستخلف فیه : مسئلہ (۱) ایک مرد نے کسی باکرہ عورت سے کہا کہ جب تجھے نکاح کی خبر ملی تو تم نے خاموشی اختیار کی، باکرہ کہتی ہے کہ خبر ملتے ہی میں نے تو اسکو رد کر دیا تھا اور بینہ کسی کے پاس نہیں تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت کا قول بلاقسم کے معتبر ہوگا اور حضرات صاحبین کے نزدیک عورت سے قسم لی جائے گی ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام زفر کے نزدیک مرد کا قول معتبر ہوگا اور فتوی صاحبین کے قول پر ہے جیسا کہ کنز الدقائق میں ہے۔

وینعقد النکاح الخ: نکاح کن الفاظ سے منعقد ہوگا ائمہ کے درمیان اختلاف ہے احناف کے نزدیک اصول یہ ہے کہ نکاح ہر اس لفظ سے منعقد ہو جاتا ہے جو نکاح کے لئے صراحت کے ساتھ موضوع ہوں جیسے نکا، انکاح، تزویج، یا بالفعل عین شئی کی تملیک کیلئے موضوع ہو جیسے تملیک، ہبہ، صدقہ، بیع، شراء وغیرہ اور لفظ اجارہ، اعارہ اور اباحہ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا کیونکہ یہ تملیک متعہ کیلئے موضوع نہیں بلکہ تملیک منفعت کیلئے موضوع ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک صرف لفظ نکاح اور لفظ تزویج سے نکاح منعقد ہوگا۔ جیسا کہ عینی شرح کنز میں ہے۔ (ج ۲ ص ۳)

وَ يَجُوْزُ نِكَاحُ الصَّغِيْرِ وَالصَّغِيْرَةِ اِذَا زَوَّجَهُمَا الْوَلِيُّ بِكْراً كَانَتِ الصَّغِيْرَةُ اَوْ ثَيِّباً وَ الْوَلِيُّ هُوَ الْعَصَبَةُ، فَاِنْ زَوَّجَهُمَا الْاَبُ اَوِ الْجَدُّ فَلَا خِيَارَ لَهُمَا بَعْدَ الْبُلُوْغِ وَ اِنْ زَوَّجَهُمَا غَيْرُ الْاَبِ وَالْجَدِّ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْخِيَارُ اِنْ شَاءَ اَقَامَ عَلَى النِّكَاحِ وَ اِنْ شَاءَ فَسَخَ، وَلَا وِلَايَةَ لِعَبْدٍ وَلَا صَغِيْرٍ وَ لَا مَجْنُوْنٍ وَ لَا لِكَافِرٍ عَلٰى مُسْلِمَةٍ وَ قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ يَجُوْزُ لِغَيْرِ الْعَصَبَاتِ مِنَ الْاَقَارِبِ التَّزْوِيْجُ مِثْلَ الْاُخْتِ وَ الْاُمِّ وَ الْخَالَةِ وَ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهَا اِذَا زَوَّجَهَا مَوْلَاهَا الَّذِي اَعْتَقَهَا جَازَ.

ترجمہ : اور چھوٹے لڑکے اور لڑکی کا نکاح جائز ہے جبکہ ان دونوں کے ولی نے کیا ہو لڑکی باکرہ ہو یا ثیبہ۔ اور ولی وہ ہے جو عصبہ ہو، پس اگر باپ اور دادا نے ان دونوں کا نکاح کر دیا تو ان دونوں کو بلوغت کے بعد کوئی اختیار نہیں ہوگا اور اگر باپ اور دادا کے علاوہ کسی دوسرے نے ان کا نکاح کر دیا تو ان میں سے ہر ایک کو (بلوغت کے بعد) اختیار ہوگا چاہے تو نکاح باقی رکھے اور چاہے تو فسخ کر دے اور غلام، صغیر اور مجنون کو ولایت (حاصل) نہیں ہے اور نہ ہی کافر کو مسلمان عورت پر اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اقارب میں سے غیر عصبات کے لئے جائز ہے شادی کر دینا مثلاً بہن، ماں اور خالہ اور جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو اگر اس کی شادی اس کے اس مولا نے کر دی جس نے اس کو آزاد کیا تھا تو جائز ہے۔

تشریح : اس پوری عبارت میں چھ مسئلے مذکور ہیں۔

ویجوز نکاح الصغیر ...... ثیبا: مسئلہ (۱) اس مسئلہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ حق ولایت کس پر ہوگا صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ولی نے چھوٹے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح درست ہو جائے گا چھوٹی لڑکی باکرہ ہو یا ثیبہ۔ حق ولایت کس پر ہے اس میں احناف اور شوافع کا اختلاف ہے احناف کا مذہب یہ ہے کہ حق ولایت صغیرہ پر ہوگا، صغیرہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ اور شوافع کے نزدیک ولایت کا حق باکرہ پر ہوگا، باکرہ صغیرہ ہو یا بالغہ گویا احناف کے نزدیک سبب ولایت صغر ہے اور شوافع کے نزدیک سبب ولایت بکر ہے۔ اب اس مسئلہ کی چار صورتیں ہوں گی۔ (۱) باکرہ صغیرہ (۲) ثیبہ بالغہ (۳) باکرہ بالغہ (۴) ثیبہ صغیرہ۔ پہلی دو صورت متفق علیہ کی ہے۔ پہلی صورت میں احناف وشوافع دونوں کے نزدیک ولایت کا حق حاصل ہوگا دوسری صورت میں دونوں کے نزدیک ولایت کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ آخر کی دو صورتیں مختلف فیہ ہیں ان میں سے پہلی صورت یعنی باکرہ بالغہ پر شوافع کے نزدیک تو ولایت حاصل ہوگی احناف کے نزدیک ولایت حاصل نہیں ہوگی اور دوسری صورت یعنی ثیبہ صغیرہ پر احناف کے نزدیک ولایت حاصل ہوگی مگر شوافعؒ کے نزدیک ولایت حاصل نہیں ہوگی۔

والولی ھو العصبۃ: مسئلہ (۲) اس مسئلہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ حق ولایت کس کو ہوگا۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ نکاح کے باب میں وہی ولی ہوتا ہے جو وراثت کے باب میں عصبہ بنفسہ ہوتا ہے یعنی لڑکا، پوتا، پڑپوتا وغیرہ پھر باپ دادا پر دادا پھر چچا پھر اعمام الجد، پھر مولیٰ کے عصبات پھر ذوی الارحام۔

اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے امام مالک کے نزدک حق ولایت صرف باپ کو حاصل ہے امام شافعی کے نزدیک حق ولایت صرف باپ اور دادا کو۔ احناف کے نزدک ہر ولی کو حق ولایت حاصل ہے باپ دادا ہوں یا ان کے علاوہ۔

اس موقع پر یہ ذہن نشین کر لیں کہ جن کو ولایت اجبار حاصل ہے اور ولایت الزام حاصل نہیں ان کا کیا ہوا نکاح لازم نہیں ہوگا بلکہ بالغ ہونے کے بعد صغیر وصغیرہ کو خیار بلوغ حاصل ہوگا اور جس ولایت اجبار کے ساتھ ساتھ ولایت الزام بھی حاصل ہو اس کا کیا ہوا نکاح لازم ہوگا بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا۔

فان زوجھا ...... فسخ : مسئلہ (۳) اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ اگر صغیر یا صغیرہ کا نکاح باپ نے کیا یا باپ کی عدم موجودگی میں دادا نے کیا تو یہ نکاح لازم ہوگا اور بلوغت کے بعد صغیر اور صغیرہ کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ صورت ولایت الزام پر تفریع ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر صغیر اور صغیرہ کا نکاح باپ اور دادا کے علاوہ کسی

اور نے کیا تو بلوغت کے بعد صغیر اور صغیرہ کو خیار بلوغ کے تحت نکاح باقی رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار ہوگا یہ صورت ولایت اجبار پر تفریع ہے۔ یہ اختیار صرف حضرات طرفین کے نزدیک ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اختیار نہیں ہے۔

ولا ولایة لعبد ...... علی مسلمة : مسئلہ (۴) غلام، صغیر اور دیوانہ کو حق ولایت حاصل نہیں ہے اسی طرح کافر کو مسلمان پر حق ولایت حاصل نہیں ہے۔

وقال ابو حنیفة ...... والخالة : مسئلہ (۵) اس مسئلہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ عصبات کی عدم موجودگی میں ولایت کس کے لئے ثابت ہوگی البتہ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ صاحب قدوری امام صاحبؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک عصبات کے علاوہ دیگر قرابتداروں مثلاً بہن، والدہ، خالہ ماموں وغیرہ کیلئے ولایت ثابت ہے اسلئے ان کا نکاح کر دینا جائز ہے یہ قول مشہور ہے اور استحساناً ہے امام محمدؒ کے نزدیک عصبات کے علاوہ دوسرے قرابتداروں کے لئے ولایت ثابت نہیں ہے اسلئے ان کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کا قول مضطرب اور غیر واضح ہے مگر مشہور یہ ہے کہ وہ امام محمدؒ کے ساتھ ہیں۔ (کمافی الہدایہ)

ومن لا ولی الخ : مسئلہ (۶) اگر صغیرہ کا ولی یعنی عصبہ نہ ہو اور اس کا نکاح اس کے مولی عتاقہ نے کر دیا تو یہ نکاح جائز ہوگا کیونکہ یہ آخری عصبہ ہے۔ (ہدایہ)

وَاِذَا غَابَ وَلِیُّ الْاَقْرَبِ غَیْبَةً مُنْقَطِعَةً جَازَ لِمَنْ هُوَ اَبْعَدُ مِنْهُ اَنْ یُزَوِّجَهَا وَالْغَیْبَةُ الْمُنْقَطِعَةُ اَنْ یَکُوْنَ فِیْ بَلَدٍ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ الْقَوَافِلُ فِی السَّنَةِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً.

ترجمہ : اگر ولی اقرب غیبت منقطعہ کے طور پر غائب ہو گیا تو ایسے شخص کے لئے اس کا نکاح کر دینا جائز ہے جو اس سے بہت دور ہو یعنی ولی ابعد کیلئے۔ اور غیبت منقطعہ یہ ہے کہ وہ ایسے شہر میں ہو جہاں قافلے سال میں صرف ایک مرتبہ پہونچتے ہوں۔

تشریح : اس عبارت میں ایک مسئلہ اور غیبت منقطعہ کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

واذا غاب ...... ان یزوجها : مسئلہ (۱) یہ اصول ہے کہ ولی اقرب کی موجوگی میں ولی ابعد محروم رہتا ہے لیکن اگر ولی اقرب نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر ولی اقرب مثلاً باپ غیبت منقطعہ کے طور پر غائب ہو جائے تو ولی ابعد مثلاً دادا کیلئے احناف کے نزدیک ولایت تزویج ثابت ہوگی یعنی ولی ابعد کیلئے نکاح کرنا جائز ہوگا اور امام زفر کے نزدیک جائز نہیں ہے (کمافی الہدایہ)

الغیبة المنقطعة الخ : صاحب قدوریؒ کے نزدیک غیبت منقطعہ کی تعریف یہ ہے کہ آدمی ایسے شہر میں پہونچ جائے جہاں قافلے سال بھر میں ایک مرتبہ پہونچ سکتے ہوں۔ بعض متاخرین کا مذہب مختار یہ ہے کہ ادنی مدت سفر شرعی یعنی تین یوم کی مسافت سے غیبت منقطعہ ثابت ہو جائے گی۔ اور اسی پر فتوی ہے۔ (الجوہرہ، شرح وقایہ)

وَالکفائۃُ فِی النِّکَاحِ مُعْتَبرۃٌ فَاِذَا تزوَّجَتِ المَرْاَۃُ بِغَیْرِ کُفُوءٍ فَلِلْاَوْلِیَاءِ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَھُمَا وَالکِفَائۃُ تُعْتَبَرُ فِی النَّسَبِ وَالدِّیْنِ وَالمَالِ وَھُوَ اَنْ یَّکُوْنَ مَالِکًا لِلْمَھْرِ وَ النَّفْقَۃِ وَتُعتَبرُ فِی الصَّنَائِعِ وَ اِذَا تزوَّجَتِ المَرْاَۃُ وَ نَقَصَتْ مِنْ مَھْرِ مِثْلِھَا فَلِلْاَوْلِیَاءِ الاِعْتِرَاضُ عَلَیْھَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ حَتّٰی یَتِمّ لَھَا مَھْرُ مِثْلِھَا اَوْ یُفَارِقُھَا وَ اِذَا زَوَّجَ الاَبُ اِبْنَتَہُ الصَّغِیْرَۃَ وَ نَقَصَ مِنْ مَھْرِ مِثْلِھَا اَوْ اِبْنَہُ الصَّغِیْرَ وَ زَادَ فِیْ مَھْرِ اِمْرَاَتِہٖ جَازَ ذٰلِکَ عَلَیْھِمَا وَ لَا یَجُوْزُ ذَالِکَ لِغَیْرِ الاَبِ وَ الجَدِّ۔

ترجمہ: کفوء کا ہونا نکاح میں معتبر ہے پس اگر عورت نے (اپنا) نکاح غیر کفو میں کیا تو اولیاء کو اس بات کا حق ہے کہ دونوں کے درمیان تفریق کرادیں۔ اور کفاءت نسب میں، دین میں اور مال میں معتبر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ (شوہر) مہر اور نفقہ کا مالک ہو اور (کفاءت) پیشوں میں معتبر ہے۔ اور اگر عورت نے (اپنا) نکاح کرلیا اور مہر مثل سے کم مہر مقرر کی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اولیاء کو عورت پر اعتراض کرنے کا حق ہے یہاں تک کہ شوہر اس کا مہر مثل پورا کرے یا اس سے جدا ہوجائے اور اگر باپ نے اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح کیا اور اس مہر مثل میں سے کم کردیا یا اپنے چھوٹے بیٹے کی شادی کی اور اس کی بیوی کی مہر زیادہ کردی تو یہ جائز ہے اور یہ کمی زیادتی غیر اب اور غیر جد کیلئے جائز نہیں ہے۔

کفاءت کا بیان

تشریح: شریعت میں کفأت سے ایک مخصوص برابری مراد ہے اس کا اعتبار چند مصالح کے پیش نظر کیا گیا ہے ان میں سے ایک مصلحت یہ ہے کہ تاکہ اولیاء کا حق فسخ ساقط ہوکر نکاح لازم ہوجائے۔ نیز اس کفاءت سے مابین الزوجین موافقت والفت پیدا ہوتی ہے، دونوں کی زندگی خوشگوار ماحول میں گزرتی ہے اور یہ چیزیں جانبین میں برابری پر موقوف ہیں۔ البتہ کفاءت مرد کی جانب معتبر ہے کیونکہ شریف خاندان کی عورت کمتر خاندان کے مرد کی فراش بننے کو ناپسند کرے گی لیکن اگر مرد شریف خاندان کا ہو اور عورت کمتر خاندان کی ہو تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ شوہر فراش بنانے والا ہے اسلئے فراش کا ادنی اور کمتر ہونا باعث عار نہیں ہے اور تفاوت اولیاء کا حق ہے نہ کہ عورت کا۔

الکفائۃ تعتبر...... فی الصنائع: مسئلہ (۱) بعض حضرات نے کفاءت چھ چیزوں میں ذکر فرمائی ہے مگر صاحب قدوریؒ نے صرف چار چیزوں میں ذکر فرمائی ہے (۱) نسب۔ کیونکہ لوگ نسب پر فخر کرتے ہیں اب یہ نسب قریبہ ہو یا بعیدہ۔ عصر حاضر میں نسب بعیدہ کو کفو کا مقام حاصل ہوسکتا ہے اور باشندگان ہند کے انساب گو محفوظ نہیں ہیں مگر برادریوں کا منظم انداز میں لین دین میں کفو کا خیال رکھنا اس بات پر دلالت ہے کہ نسب بعیدہ محفوظ ہے (۲) دین۔ اس سے دیانت اور تقوی مراد ہے یہ حضرات شیخین کا قول ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق اخروی معاملات سے ہے (۳) مال۔ یعنی شوہر بطور ارواج مہر معجّل اور نفقہ کی ادائیگی پر قادر ہو۔ اور مرد کیلئے قدرت علی النفقہ اس وقت ضروری ہے جبکہ عورت جماع کے لائق ہو ورنہ قدرت علی النفقہ کا اعتبار نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف قدرت علی النفقہ کا

اعتبار ہے قدرت علی المہر کا اعتبار نہیں ہے (۴) پیشہ۔ یعنی پیشہ میں کفاءت کا اعتبار ہے یہ صاحبین کا مسلک ہے امام اعظم سے دو روایتیں ہیں ایک میں اعتبار ہے اور ایک میں اعتبار نہیں ہے

اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت معتبر نہیں ہے لیکن اگر پیشہ انتہائی گھٹیا ہو مثلاً حجام کا پیشہ یا جولاہہ یا دباغت کا پیشہ تو اس صورت میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا۔ چنانچہ خاکروب سنہار کا، حجام جوہری کا، دباغ بزاز کا اور تیلی عطار کا کفو نہیں ہے ظاہر الروایۃ یہی ہے۔ صاحب ہدایہ نے حریت اور اسلام میں بھی کفاءۃ ذکر فرمائی ہے مفتی بہ قول کے مطابق تفاوت میں پیشہ کا اعتبار ہے۔ (ہدایہ شرح وقایہ)

واذا تزوجت المرأة ...... اویفارقها : مسئلہ (۲) اگر بالغہ عورت نے اپنا نکاح مہر مثل سے کم پر کیا تو کیا ولی کو حق اعتراض حاصل ہے اس کے متعلق امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا اختلاف ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہے لہٰذا یا تو شوہر مہر مثل مکمل کرے یا پھر بیوی سے جدا ہو جائے حضرات صاحبین کے نزدیک اولیاء کو حق اعتراض حاصل نہیں ہے۔

واذا زَوَّج الاب ابنته الخ : مسئلہ: اگر باپ نے اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح کیا اور اسکی مہر، مہر مثل سے کم مقرر کی یا باپ نے اپنے چھوٹے لڑکے کا نکاح کیا اور اسکی بیوی کی مہر، مہر مثل سے زائد مقرر کی، یہ کمی وبیشی خواہ غبن فاحش کی قبیل سے ہو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں کے حق میں جائز ہے۔ مگر صاحبین کے نزدیک قدرے تفصیل ہے اگر کمی وبیشی معمولی ہے تو نکاح درست ہے اور اگر غبن فاحش کے طور پر ہے تو نکاح درست نہیں ہے۔ (ہدایہ)

اور اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور نے کمی وبیشی کے ساتھ نکاح کیا تو نکاح درست نہیں ہوگا۔

وَيَصِحُّ النِّكَاحُ وَاِنْ لَمْ يُسَمَّ فِيْهِ مَهْراً وَ اَقَلُّ الْمَهْرِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ فَاِنْ سَمّٰى اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ فَلَهَا عَشَرَةٌ وَ اِنْ سَمّٰى عَشَرَةً فَمَازَادَ فَلَهَا الْمُسَمّٰى اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا فَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَ الْخَلْوَةِ فَلَهَا نِصْفُ الْمُسَمّٰى وَ اِنْ تَزَوَّجَهَا وَ لَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْراً اَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى اَنْ لَا مَهْرَ لَهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا وَ اِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا وَ الْخَلْوَةِ فَلَهَا الْمُتْعَةُ وَ هِيَ ثَلٰثَةُ اَثْوَابٍ مِنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا وَ هِيَ دِرْعٌ وَ خِمَارٌ وَ مِلْحَفَةٌ.

ترجمہ : اور نکاح صحیح ہے گو اس مہر کا ذکر نہیں کیا اور مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے پس اگر دس درہم سے کم مہر ذکر کی تو عورت کیلئے دس درہم ہوں گے اور اگر دس درہم یا اس سے زائد مقرر کی تو عورت کو مقرر کردہ مہر ملے گی۔ اگر شوہر نے اس سے دخول کیا یا مر گیا۔ اور اگر شوہر نے اس عورت کو دخول اور خلوت سے پہلے طلاق دیدی تو عورت کو مہر مسمی کا نصف ملے گا اور اگر عورت سے نکاح کیا اور اس کے لئے مہر مقرر نہیں کی یا اس سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کیلئے کوئی مہر نہیں ہوگا تو (ایسی صورت) میں عورت کو مہر مثل ملے گا اگر اس نے صحبت کر لی یا مر گیا اور اگر اس کو اس سے دخول یا خلوت سے پہلے طلاق دیدی تو عورت کو متعہ ملے گا اور متعہ تین کپڑے ہیں اس جیسی عورت کے لباس سے اور وہ کرتا اوڑھنی اور چادر ہے۔

مہر کا بیان

تشریح : اس عبارت میں دو حکم اور چند مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

ویصح النکاح وان لم یسم فیه مھراً : (۱) صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ نکاح بلا مہر کے ذکر کئے ہوئے بھی صحیح ہوجاتا ہے یعنی صحت نکاح کیلئے مہر کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ نکاح عقد انضمام کا نام ہے چنانچہ آیت کریمہ اس پر شاہد ہے : "لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضة ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ"۔ (ترجمہ) کچھ گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو اس وقت کہ ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو ان کیلئے کچھ مہر اور ان کو خرچ دو مقدور والے پر اس کے موافق۔ اور تنگی والے پر اس کے موافق۔ اس آیت میں تسمیہ مہر کے بغیر طلاق کے صحیح ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، کیونکہ طلاق کا وقوع عقد صحیح کے بعد ہوتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ صحت نکاح ذکر مہر پر موقوف نہیں۔

واقل المھر عشرۃ دراھم : (۲) مہر کی اقل مقدار دس درہم ہے۔ واضح رہے کہ مہر کی اکثر مقدار کی کوئی تحدید نہیں ہے البتہ اقل مقدار کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے احناف کے نزدیک اقل مقدار دس درہم ہے جیسا کہ صاحب قدوری نے ذکر کیا۔ حضرت امام مالک کے نزدیک ربع دینار یا تین درہم ہے، ابن شبرمہ کے نزدیک کم از کم پانچ درہم ہے، حضرت ابراہیم نخعی چالیس درہم اور سعید بن جبیر پچاس درہم کے قائل ہیں امام شافعی اور احمد کے نزدیک ہر وہ چیز جو بیع میں ثمن بن سکتی ہے وہ مہر بھی بن سکتی ہے۔ (عینی شرح کنز ج ۲ ص ۳۰)

فان سمی اقل من عشرۃ فلھا عشرۃ : مسئلہ (۱) اگر کسی نے بوقت عقد دس درہم سے کم مہر مقرر کی تو احناف کے نزدیک عورت کو دس درہم ملیں گے امام زفر کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا۔ (کما فی الہدایہ)

وان سمی عشرۃ ...... فلھا نصف المسمی : مسئلہ (۲) اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ شوہر نے بیوی کا مہر دس درہم یا اس سے زائد مقرر کی پھر شوہر نے اس عورت سے وطی کی یا دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہوگا تو ایسی صورت میں پورا مقرر کردہ مہر واجب ہوگا دوسری صورت یہ ہے کہ عقد کے بعد دخول اور خلوہ سے پہلے شوہر نے عورت کو طلاق دیدی تو شوہر پر عورت کے لئے نصف مسمی واجب ہوگا۔ (عینی شرح کنز ج ۲ ص ۳۱)

وان تزوجھا ...... فلھا المتعة : مسئلہ (۳) اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں صوت اول یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر کا کوئی تذکرہ نہیں کیا یا نکاح اس شرط پر کیا کہ اس کے لئے کوئی مہر نہیں ہوگی بہر حال ایسی صورت میں عندالاحناف مہر مثل واجب ہوگا بشرطیکہ بیوی سے جماع کیا ہو یا شوہر کا انتقال ہوگیا ہو۔ حضرت امام شافعی کے نزدیک اگر شوہر کا انتقال جماع سے پہلے ہوگیا تو اس صورت میں کچھ واجب نہیں ہوگا۔

اس مسئلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ اگر شوہر نے عورت کو عقد کے بعد اور جماع سے پہلے طلاق دیدی تو ایسی صورت میں عندالاحناف شوہر پر واجب ہے کہ عورت کو متعہ دے۔ اور امام مالک کے نزدیک متعہ دینا مستحب ہے۔ گویا احناف اور امام مالک کے درمیان متعہ کے وجوب اور استحباب کا اختلاف ہے عندالاحناف واجب اور عندالمالک مستحب ہے۔ (عینی شرح کنز وہدایہ)

والمتعة ثلثة الخ : صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ متعہ میں تین کپڑے ہیں کرتا، اوڑھنی اور چادر اور یہ کپڑے اسی جیسی عورت کے لباس سے ہوں۔

صاحب قدوری کی عبارت "من کسوة" سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ کے کپڑے کے متعلق عورت کے حال کا اعتبار کیا ہے امام کرخی کا بھی یہی نظریہ ہے مگر صحیح قول یہ ہے کہ مرد کے حال کا اعتبار کیا گیا جیسا کہ آیت قرآن "ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره" اس پر دلالت کر رہی ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عورت کے حال کا اعتبار ہو یا مرد کے حال کا بہر کیف نصف مہر مثل سے زائد اور پانچ درہم سے کم نہ ہو۔ (ہدایہ)

وَاِنْ تَزَوَّجَهَا الْمُسْلِمُ عَلٰى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ فَالنِّكَاحُ جَائِزٌ وَ لَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَاِنْ تَزَوَّجَهَا وَ لَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهراً ثُمَّ تَرَاضَيَا عَلٰى تَسْمِيَةِ مَهْرٍ فَهُوَ لَهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا وَ اِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا والخَلْوَةِ فَلَهَا الْمُتْعَةُ وَ اِنْ زَادَهَا فِي الْمَهْرِ بَعْدَ الْعَقْدِ لَزِمَتْهُ الزِّيَادَةُ اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا وَ تَسْقُطُ الزِّيَادَةُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَ اِنْ حَطَّتْ عَنْهُ مِنْ مهرِهَا صَحَّ الحَطُّ.

ترجمہ : اور اگر مسلمان نے کسی عورت سے شراب یا خنزیر پر نکاح کیا تو نکاح جائز ہے اور عورت کو مہر مثل ملے گا اور اگر عورت سے نکاح کیا اور اس کے لئے مہر کا ذکر نہیں کیا اس کے بعد دونوں مہر کے ذکر کرنے پر رضا مند ہو گئے تو یہ مقرر کردہ مہر عورت کو ملے گی اگر شوہر نے اس سے صحبت کر لی یا (اس کو چھوڑ کر) مر گیا۔ اور اگر شوہر نے اس عورت کو دخول سے پہلے یا خلوت سے پہلے طلاق دیدی تو عورت کو متعہ ملے گا اور اگر شوہر نے عورت کے مہر میں عقد کے بعد اضافہ کر دیا تو شوہر پر وہ اضافہ لازم ہوگا اگر اس سے مجامعت کر لی یا (اس کو چھوڑ کر) مر گیا۔ اور اضافہ مجامعت سے قبل طلاق دینے سے ساقط ہو جائے گا۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

وان تزوّجها المسلم ...... ولها مهر مثلها : مسئلہ (۱) اگر کسی مسلم مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر میں شراب یا خنزیر کو مقرر کیا تو اس کے جواز کے متعلق ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک یہ نکاح جائز ہے۔ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک نکاح فاسد ہے۔

وان تزوجها ولم يسم ...... فلها المتعة : مسئلہ (۲) اگر کسی نے عورت سے نکاح کیا اور مہر ذکر نہیں کیا اس کے بعد شوہر اور بیوی دونوں کسی مقدار مہر پر متفق ہو گئے تو اگر شوہر نے بیوی سے وطی کی یا بلا وطی مر گیا تو یہ مقررہ مقدار مہر شوہر پر واجب ہوگی اور اگر دخول سے قبل شوہر نے بیوی کو دیدی تو اس صورت میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ طرفین کے نزدیک عورت کے لئے متعہ واجب ہوگا امام ابو یوسفؒ کا دو قول ہے ایک قول طرفین کے مطابق ہے یہ دوسرا قول ہے اور پہلا قول یہ ہے کہ مقدار مقررہ کا نصف واجب ہوگا یہی قول امام شافعیؒ کا بھی ہے۔

وان زادها الخ : مسئلہ (۳) اگر شوہر نے نکاح کے بعد بیوی کی مقررہ مہر میں اضافہ کر دیا تو یہ اضافہ شوہر پر لازم

ہوگا یا نہیں اس میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک یہ اضافہ لازم ہوگا بشرطیکہ شوہر نے بیوی سے ہمبستری کی ہو یا بلا ہمبستری کے اس کا انتقال ہوگیا ہو تو یہ زیادتی طلاق قبل الدخول سے ساقط ہو جائے گی۔ حضرت امام زفرؒ کے نزدیک مقررہ پر اضافہ کرنا درست نہیں ہے۔ امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

وَ اِنْ حَطَّتْ عَنْهُ مِنْ مَهْرِهَا صَحَّ الحَطُّ وَ اِذَا خَلَا الزَّوْجُ بِامْرَأتِهٖ وَ لَيْسَ هُنَاكَ مَانِعٌ مِنَ الوَطْيِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ المَهْرِ وَ عَلَيْهَا العِدَّةُ وَ اِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا مَرِيْضاً اَوْ صَائِماً فِيْ رَمَضَانَ اَوْ مُحْرِماً بِحَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ اَوْ كَانَتْ حَائِضاً فَلَيْسَتْ بِخَلْوَةٍ صَحِيْحَةٍ وَ اِذَا خَلَا المَجْبُوْبُ بِامْرَأتِهٖ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ المَهْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَؒ وَيَسْتَحِبُّ المُتْعَةُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ اِلَّا لِمُطَلَّقَةٍ وَاحِدَةٍ وَ هِيَ الَّتِيْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَ لَمْ يُسَمِّ لَهَامَهْراً.

ترجمہ: اور اگر عورت نے مرد کے ذمہ سے اپنی مہر میں سے کچھ کم کر دیا تو کم کرنا درست ہے۔ اور اگر مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کی اور وہاں وطی کرنے سے کوئی چیز خارج نہیں ہوئی پھر مرد نے اس عورت کو طلاق دیدی تو (ایسی صورت میں) عورت پورے مہر کی مستحق ہوگی اور اس عورت پر لازم ہوگی۔ اور اگر زوجین میں سے کوئی ایک بیمار ہو یا رمضان میں روزے سے ہو یا حج (فرض یا نفل) کا یا عمرہ کا احرام باندھے ہوئے ہو۔ یا حائضہ ہو تو (ان تمام صورتوں میں) خلوت صحیح نہیں ہے اور اگر مقطوع الذکر نے اپنی بیوی سے خلوت کی اس کے بعد اس کو طلاق دیدی تو عورت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کمال مہر کی مستحق ہوگی۔ اور متعہ ہر مطلقہ کیلئے مستحب ہے سوائے ایک مطلقہ کے اور وہ مطلقہ یہ ہے کہ اس کو شوہر نے قبل الدخول طلاق دیدی اور اس کے لئے مہر مقرر نہیں کی۔

تشریح: صاحب قدوری کی عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں۔

وان حطت ...... صح الحط: مسئلہ (۱) اگر عورت نے اپنی مہر سے شوہر کے ذمہ سے کچھ کم کر دیا تو عورت کے لئے ایسا کرنا درست ہے۔ کیونکہ مہر عورت کا حق ہے اور مہر کا حکم کرنا بقاء نکاح کی حالت میں وقوع پذیر ہوا ہے جو عورت کے اختیار میں ہے۔ (ہدایہ)

واذا خلا الزوج ...... وعليها العدة: مسئلہ (۲) اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ کی اور خلوت کے وقت وطی سے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنی اور شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو اس صورت میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ عورت کو کتنا مہر ملے گا۔ احناف کے نزدیک عورت کو پورا مہر ملے گا اور عورت پر عدت لازم ہوگی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کو نصف مہر ملے گا۔ (ہدایہ)

واضح رہے کہ خلوت کی دو قسمیں ہیں (۱) خلوت صحیحہ (۲) خلوت فاسدہ۔

(۱) خلوت صحیحہ یہ ہے کہ کوئی چیز وطی سے مانع نہ ہو لہٰذا ایسی صورت میں جو خلوت ہوگی وہ خلوت صحیحہ کہلائے گی یعنی میاں بیوی ایسے مکان میں ہوں جہاں کوئی عاقل شخص نہ ہو اس مکان میں کوئی ان کی اجازت کے بغیر جھانکتا نہ ہو، شوہر کو معلوم

ہو کہ یہ اس کی بیوی ہے۔

(۲) خلوت فاسدہ یہ ہے کہ کوئی چیز وطی سے مانع ہو لہٰذا کسی مانع کی موجودگی میں جو خلوت ہوگی وہ خلوت فاسدہ کہلائے گی۔

موانع کی کل چار قسمیں ہیں (۱) مانع حقیقی (۲) مانع طبعی (۳) مانع شرعی (۴) مانع حسی۔

مانع حقیقی جیسے مرض یعنی ایسا مرض جو وطی سے مانع ہو، مانع طبعی جیسے حیض و نفاس یہ مانع شرعی بھی ہے صرف مانع طبعی کی مثال یہ ہیکہ عورت کی شرمگاہ کا منہ بند ہو یا ایسی صغیرہ ہو جو جماع کے لائق نہ ہو۔ صرف مانع شرعی کی مثال۔ حج فرض یا نفلی حج یا رمضان کا روزہ۔ مانع حسی یہ ہے کہ زوجین جس مکان میں ہوں وہ محفوظ نہ ہو مثلاً لوگوں کی آمد و رفت ہو، کوئی جھانکتا ہو، یا دونوں کے درمیان کوئی اجنبی ہو خواہ بینا ہو یا نابینا۔ سویا ہوا ہو یا بیدار بالغ ہو یا سمجھدار بچہ۔ صاحب قدوری اگلی عبارت میں ان مواقع کو بیان کر رہے ہیں۔

وان کان احدهما ...... فلیست بخلوة صحیحة . مسئلہ (۳) اس موقع پر مانع خلوت کو بیان کیا گیا ہے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر زوجین یا ان دونوں میں سے کوئی بیمار ہو جائے یا کسی نے رمضان کا روزہ رکھ رکھا ہو یا حج فرض یا حج نفل یا عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہو یا عورت حائضہ ہو۔ لہٰذا ایسی صورت میں جو خلوت ہوگی وہ خلوت صحیح نہیں ہوگی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے ان حالات میں طلاق دیدی تو عورت کو صرف نصف مہر ملے گی۔

واذا خلا المجبوب ...... عند ابی حنیفة : مسئلہ (۴) اگر مقطوع الذکر شخص نے اپنی بیوی سے خلوت کی اسکے بعد اس نے اس کو طلاق دیدی تو احناف کے درمیان کمال مہر اور نصف مہر کے وجوب کے متعلق اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مرد پر کمال مہر واجب ہے کیونکہ عورت پر سحق (رگڑنا) کے لئے بضع کو سپرد کرنا واجب تھا وہ اس نے انجام دیدیا اسلئے خلوت صحیحہ پائی گئی اور خلوت صحیحہ میں کمال مہر واجب ہوتا ہے۔ حضرات صاحبین کے نزدیک مرد پر نصف مہر واجب ہوگا کیونکہ یہ شخص مریض کے مقابلہ میں زیادہ عاجز ہے اسلئے کہ یہ شخص مقطوع الذکر ہونے کی وجہ سے جماع پر بالکل قادر نہیں ہے لہٰذا اس کی خلوت خلوت فاسدہ کہلائے گی اور ایسی صورت میں نصف مہر واجب ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ خواہ خلوت صحیحہ ہو یا خلوت فاسدہ دونوں صورتوں میں بصورت طلاق احتیاطاً عدت واجب ہوگی۔ (کمافی الہدایہ)

وتستحب المتعة الخ : مسئلہ (۵) متعہ ہر مطلقہ عورت کیلئے مستحب ہے البتہ اسی مطلقہ کے لئے جس کو قبل الوطی طلاق دیدیا اور اس کا مہر متعین نہ ہوا ہو تو متعہ واجب ہے بشرطیکہ فرقت عورت کی جانب سے نہ ہو۔

مطلقات چار ہیں (۱) مطلقہ جس کا نکاح بلا مہر کے ہوا ہو اور قبل الوطی طلاق پڑ گئی ہوگی تو اس مطلقہ کیلئے متعہ واجب ہے (۲) مطلقہ غیر موطوءہ اور اس کا مہر معین ہو تو اسکے لئے متعہ نہ مستحب ہے اور نہ ہی واجب ہے (۳) مطلقہ موطوءہ ہو اور اس کا مہر معین نہ ہو (۴) مطلقہ موطوءہ ہو اور اس کا مہر معین ہو تو ان دونوں مطلقہ کے لئے متعہ مستحب ہے۔

(شرح وقایہ ج ۲ ص ۳۶-۳۵، الجوہرۃ ج ۲ ص ۷۳)

وَاِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ اِبْنَتَهٗ عَلٰی اَنْ یُزَوِّجَهُ الرَّجُلُ اُخْتَهٗ اَوْ اِبْنَتَهٗ لِیَکُوْنَ اَحَدُ الْعَقْدَیْنِ عِوَضاً عَنِ الْاٰخَرِ فَالْعَقْدَانِ جَائِزَانِ وَ لِکُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَ اِنْ تَزَوَّجَ حُرٌّ اِمْرَأَةً عَلٰی خِدْمَتِهٖ سَنَةً اَوْ عَلٰی تَعْلِیْمِ الْقُرْاٰنِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَ اِنْ تَزَوَّجَ عَبْدٌ حُرَّةً بِاِذْنِ مَوْلَاهُ عَلٰی خِدْمَتِهٖ سَنَةً جَازَ وَ لَهَا خِدْمَتُهٗ وَاِذَا اجْتَمَعَ فِی الْمَجْنُوْنَةِ اَبُوْهَا وَ اِبْنُهَا فَالْوَلِیُّ فِیْ نِکَاحِهَا اِبْنُهَا عِنْدَهُمَا وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَبُوْهَا.

ترجمہ : اور اگر کسی شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کیا کہ وہ شخص اس سے اپنی بہن یا اپنی بیٹی کا نکاح کردے تاکہ عقدین میں سے ایک دوسرے کا عوض بن جائے تو دونوں عقد جائز ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کیلئے مہر مثل ہوگا اور اگر کسی آزاد شخص نے کسی عورت سے اپنی یکسالہ خدمت یا تعلیم قرآن پر نکاح کیا تو اس عورت کو مہر مثل ملے گا۔ اور اگر کسی غلام نے کسی آزاد عورت سے اپنے مولا کی اجازت سے اپنی ایک سالہ خدمت پر نکاح کیا تو جائز ہے اور عورت کے لئے اس سے خدمت لینے کا حق ہے اور جب مجنونہ عورت کے حق میں اس کا باپ اور اسکا بیٹا (جو سابق شوہر سے ہے اور بالغ ہے) دونوں جمع ہو جائیں تو مجنونہ کا نکاح کرنے کے حق میں اس کا بیٹا ولی (اقرب) ہوگا حضرات شیخین کے نزدیک اور حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس کا باپ (ولی اقرب) ہوگا۔

تشریح : صاحب قدوری کی عبارت چار مسائل پر مشتمل ہے۔

واذا زوَّج الرجل ...... مهر مثلها : مسئلہ (۱) ایک شخص مثلاً راشد نے اپنی بیٹی کا نکاح خالد کے ساتھ اس شرط پر کیا کہ خالد اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح ارشد کے ساتھ کردے تاکہ ایک عقد دوسرے عقد کا عوض ہو جائے اس نکاح کو نکاح شغار کہتے ہیں۔ اب اس عقد کے جواز کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے ائمہ احناف کے نزدیک دونوں عقد صحیح ہے اور ہر دونوں عورتوں کو مہر مثل ملے گا۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ عقد باطل ہے۔ (ہدایہ)

وان تزوج حر ...... فلها مهر مثلها : مسئلہ (۲) اگر کسی آزاد شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر یہ بنایا کہ میں ایک سال بیوی کی خدمت کروں گا یا اپنی بیوی کو قرآن کی تعلیم دوں گا یعنی ایک سال بیوی کی خدمت اور تعلیم قرآن کو مہر بنایا۔ اب عورت کو کیا ملے گا اس میں احناف کے درمیان اختلاف ہے حضرات شیخین کے نزدیک شوہر پر مہر مثل واجب ہے۔ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ آزاد شوہر پر خدمت تو نہیں بلکہ اس کی قیمت واجب ہوتی ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مذکورہ دونوں چیزوں کو مہر بنانا درست ہے۔ (ہدایہ)

وان تزوج عبد ...... ولها خدمته : مسئلہ (۳) اگر کسی غلام نے آقا کی اجازت سے کسی آزاد عورت سے نکاح کیا اور مہر یہ بنایا کہ میں ایک سال عورت کی خدمت کروں گا تو بالاتفاق خدمت غلام کو مہر بنانا جائز ہے اور عورت غلام سے خدمت لے سکتی ہے کیونکہ اس صورت میں عورت کی خدمت کرنا گویا کہ آقا کی خدمت کرنا ہے۔ (ہدایہ)

واذا اجتمع فی المجنونة الخ : مسئلہ (۴) ایک مجنونہ عورت کا نکاح کرنا ہے اور اسوقت اس کا باپ اور

سابق شوہر سے اس کا بیٹا موجود ہے تو اب نکاح کی ولایت کس کو حاصل ہوگی تو اس سلسلہ میں حضرات شیخین اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے۔ حضرات شیخین کے نزدیک حق ولایت بیٹے کو حاصل ہوگی

وَ لَا یَجُوْزُ نِکَاحُ العَبْدِ و الاَمَةِ اِلَّا بِاِذْنِ مَوْلَاهُمَا وَ اِذَا تَزَوَّجَ العَبْدُ بِاِذْنِ مَوْلَاهُ فَالمَهْرُ دَینٌ فِیْ رَقَبَتِهٖ یُبَاعُ فِیْهِ وَ اِذَا زَوَّجَ المَوْلٰی اَمَتَهٗ فَلَیسَ عَلَیْهِ اَنْ یُبَوِّئَهَا بَیْتًالِلزَّوْجِ ولٰکِنَّهَا تَخْدِمُ المَوْلٰی وَیُقَالُ لِلزَّوْجِ مَتٰی ظَفِرْتَ بِهَا وَطِئْتَهَا.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے غلام اور باندی کا نکاح کرنا مگران دونوں کے مولی کی اجازت سے۔ اور اگر غلام اپنے مولی کی اجازت سے نکاح کرلے تو مہر غلام کی رقبہ میں دین ہوگا (اور) غلام کو اس دین میں فروخت کیا جائے گا۔ اور اگر مولی نے اپنی باندی کا نکاح کردیا تو مولی پر واجب نہیں ہے کہ باندی کو شوہر کے گھر میں آباد کرے لیکن باندی مولیٰ کی خدمت کرتی رہے گی اور شوہر سے کہا جائے گا کہ جب تو (اس پر قابو پانے میں) کامیاب ہوجائے تو اس سے وطی کرے۔

غلام اور باندی کے نکاح کا بیان

حل لغات: رقبة: گردن۔ یبوء: صیغہ مضارع، مصدر تبویه ہے جو باب تفعیل سے ہے منزل میں اتارنا، بسانا، اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ شوہر اور باندی کے درمیان شوہر کے مکان میں تنہائی دی جائے یعنی باندی کو شوہر کے حوالہ کردیا جائے اور مولی باندی سے خدمت نہ لے۔ ظفرت ظفر به وعلیه (س) ظفراً: کامیاب ہونا، قابو پانا مراد ہے۔

تشریح: اس عبارت میں ایک حکم اور دو مسئلے مذکور ہیں۔

ولا یجوز ...... مولاهما: ''لایجوز'' کا دو مفہوم بیان کیا گیا ہے ایک عدم انعقاد دوسرے عدم نفاذ یہاں دوسرا مفہوم صحیح مانا گیا ہے عبارت کا حاصل یہ ہے کہ غلام اور باندی کا نکاح ان دونوں کے مولی کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگا یعنی نکاح صحیح ہوجائے گا البتہ اس کا نفاذ مولیٰ کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر مولیٰ نے اجازت دیدی تو نکاح نافذ ہوگا اور اگر اجازت نہیں دی تو نکاح نافذ نہیں ہوگا۔ یہ احناف کا مسلک تھا۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک باندی کا نکاح مولیٰ کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگا لیکن غلام کا نکاح بغیر اذن مولی کے نافذ ہوجائے گا۔ (ہدایہ)

واذا تزوج العبد ...... یباع فیه: مسئلہ (۱) اگر غلام نے مولی کی اجازت سے نکاح کیا تو غلام پر مہر دین بن کر واجب ہوگا اور ادائیگی مہر کیلئے غلام کو فروخت کیا جائے گا۔

واذا زوج المولیٰ امتهٗ الخ: مسئلہ (۲) اگر مولی نے اپنی باندی کا نکاح کسی کے ساتھ کردیا تو مولیٰ پر یہ لازم نہیں ہے کہ باندی کو شوہر کے گھر میں شب باشی کرائے بلکہ باندی اپنے مولی کی خدمت کرتی رہے گی اور شوہر سے کہا جائے گا کہ جب تم کو موقع ہاتھ آئے تو تم باندی سے صحبت کرلیا کرو۔ کیونکہ مولیٰ اس کی ذات اور اس کے منافع ہر دو کا ملک ہے اسلئے اس کا حق قوی تر ہے اب اگر مولیٰ نے شوہر کے گھر شب کرائی اور اس کے گھر کو بسایا تو حق الخدمت باطل ہوجائے گا۔ (ہدایہ)

وَ اِنْ تَزَوَّجَ اِمْرَأَةً عَلیٰ اَلْفِ دِرْهَمٍ عَلیٰ اَنْ لَا يُخْرِجَهَا مِنَ الْبَلَدِ اَوْ عَلیٰ اَنْ لَا يَتَزَوَّجَ عَلَيْهَا اِمْرَأَةً فَاِنْ وَفیٰ بِالشَّرْطِ فَلَهَا الْمُسَمّٰی وَ اِنْ تَزَوَّجَ عَلَيْهَا اَوْ اَخْرَجَهَا مِنَ الْبَلَدِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَ اِنْ تَزَوَّجَهَا عَلیٰ حَيْوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ صَحَّتِ التَّسْمِيَةُ وَ لَهَا الْوَسْطُ مِنْهُ وَالزَّوْجُ مُخَيَّرٌ اِنْ شَاءَ اَعْطَاهَا ذٰلِكَ وَ اِنْ شَاءَ اَعْطَاهَا قِيْمَتَهُ وَ لَمْ تَزَوَّجَهَا عَلیٰ ثَوْبٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا.

ترجمہ : اور اگر کسی مرد نے کسی عورت سے ایک ہزار درہم پر اس شرط پر نکاح کیا کہ شوہر اس کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس شرط پر کہ شوہر اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا پس اگر شوہر نے شرط پوری کردی تو عورت کو مہر مسمّی ملے گا اور اگر اس نے اس کی موجودگی میں دوسرے سے نکاح کرلیا یا اس کو شہر سے نکال کر دوسرے شہر میں لے گیا تو عورت کو مہر مثل ملے گا۔ اور اگر کسی عورت سے نکاح کیا کسی ایسے حیوان (کو مہر بنانے) پر جس کی صفت بیان نہیں کی گئی تو یہ مقرر کرنا دست ہے اور عورت کو اوسط درجہ کا حیوان ملے گا اور شوہر کو اختیار ہوگا چاہے تو عورت کو یہ وسط دیدے اور چاہے تو اس کو اس کی قیمت دیدے اور اگر کسی نے کسی عورت سے ایسے کپڑے (کو مہر بنانے) پر نکاح کیا جس کی صفت معلوم نہیں تو عورت کو مہر مثل ملے گا۔

مہر کے متفرق مسائل

تشریح : اس پوری عبارت میں تین مسائل منقول ہیں۔

وان تزوج امرأة ...... فلها مهر مثلها : مسئلہ (۱) اس کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

وان تزوجها ...... اعطاها قيمته : مسئلہ (۲) ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر میں ایسے جانور کو مقرر کیا جس کی جنس تو بیان کی گئی مثلاً فرس یا حمار مگر اس کی صفت (نوع) بیان نہیں کی گئی کہ جانور ادنی یا اعلی یا اوسط درجہ کا ہے تو اس صورت میں عورت کو کیا ملے گا اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے احناف کے نزدیک تسمیہ صحیح ہوگی اور عورت کو جانوروں میں سے اوسط درجہ کا جانور ملے گا اور شوہر کو یہ اختیار ہے چاہے تو درمیانی قسم کا جانور دے اور چاہے تو اس کی قیمت دیدے اور اگر جنس کو بیان نہیں کیا گیا یعنی صرف دابہ کو مہر قرار دیا تو امام صاحب کے نزدیک تسمیہ صحیح نہیں ہوگی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کیلئے مہر مثل واجب ہوگا خواہ جانور کی جنس بیان کی گئی ہو یا نہ بیان کی گئی ہو۔ (ہدایہ)

ولو تزوّجها علی ثوب الخ : مسئلہ (۳) ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور کپڑے کو مہر بنایا مگر اس کپڑے کی نوع بیان نہیں کی کیونکہ کپڑے کی بہت سی نوعیت ہے مثلاً سوتی کپڑا ریشمی کپڑا وغیرہ تو ایسی صورت میں ائمہ اربعہ کے نزدیک عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوگا۔

وَنِكَاحُ الْمُتْعَةِ وَ الْمُؤَقَّتِ بَاطِلٌ وَ تَزْوِيْجُ الْعَبْدِ وَ الْاَمَةِ بِغَيْرِ اِذْنِ مَوْلَاهُمَا مَوْقُوْفٌ فَاِنْ

اَجَازَهُ الْمَوْلیٰ جَازَ وَ اِنْ رَدَّہ بَطَلَ وَ کَذٰلِكَ اِنْ زَوَّجَ رَجُلٌ اِمْرَاۃً بِغَیْرِ رِضَاھَا اَوْ رَجُلاً بِغَیْرِ رِضَاہ وَ یَجُوْزُ لِاِبْنِ الْعَمِّ اِنْ یُزَوِّجَ بِنْتَ عَمِّهٖ مِنْ نَفْسِهٖ وَ اِذَا اَذِنَتِ الْمَرْاَۃُ لِلرَّجُلِ اَنْ یُزَوِّجَھَا مِنْ نَفْسِهٖ فَعَقَدَ بِحَضْرَۃِ شَاھِدَیْنِ جَازَ وَ اِذَا ضَمِنَ الْوَلِیُّ الْمَھْرَ لِلْمَرْاَۃِ صَحَّ ضَمَانُهٗ وَلِلْمَرْاَۃِ الْخِیَارُ فِیْ مُطَالَبَةِ زَوْجِھَا اَوْ وَلِیِّھَا۔

ترجمہ : اور نکاح متعہ اور نکاح مؤقت باطل ہے۔ اور غلام اور باندی کا اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر شادی کرنا موقوف ہے پس اگر مولیٰ نے اس کی اجازت دیدی تو نکاح جائز ہوگا اور اگر مولیٰ نے اس کو رد کر دیا تو نکاح باطل ہوگا اور اسی طرح (نکاح موقوف رہے گا) اگر کسی شخص (فضولی) نے کسی عورت کی شادی اس کی مرضی کے بغیر کر دی یا کسی مرد کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کر دیا۔ اور چچا کے لڑکے کے لئے جائز ہے کہ اپنا نکاح اپنے چچا کی بیٹی سے کرے۔ اور اگر عورت کسی کو اس بات کی اجازت دے کہ وہ خود اس سے نکاح کرے اور اس شخص نے دو گواہوں کی موجودگی میں عقد کیا تو جائز ہے اور اگر ولی کسی عورت کی مہر کا ضامن ہو جائے تو اس کی ضمانت جائز ہے۔ اور عورت کو اختیار ہے مہر کے مطالبہ کرنے کا اپنے شوہر سے یا ولی سے۔

نکاح متعہ اور نکاح فضولی کے احکام

تشریح : صاحب قدوری کی عبارت میں چار مسائل مذکور ہیں۔

ونکاح المتعة والمؤقت باطل : مسئلہ (۱) نکاح متعہ اور نکاح مؤقت ائمہ اربعہ کے نزدیک باطل اور حرام ہے۔ صاحب ہدایہ نے حضرت امام مالکؒ کی طرف متعہ کے جواز کے قائل ہونے کی نسبت کی ہے مگر یہ صریح غلطی ہے البتہ شیعہ حضرات نکاح متعہ کے جواز کے قائل ہیں مگر موطا امام مالک میں ذکر کردہ حدیث ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن متعة النساء'' ان کے لئے قابل عبرت ہے جس میں صریح ممانعت ہے یہ روایت حضرت علیؓ سے منقول ہے اور نکاح مؤقت صرف امام زفر کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

تعریف نکاح متعہ : کوئی شخص کسی عورت سے کہے کہ میں مقرر مال کے عوض ایک متعینہ مدت مثلاً دس دن یا ایک ماہ تک تجھ سے نفع اٹھاؤں گا۔

تعریف نکاح مؤقت : کوئی شخص دو گواہوں کی موجودگی میں ایک عورت سے کہے میں تم سے ایک ماہ کیلئے نکاح کرتا ہوں۔

دونوں کے درمیان فرق : دونوں نکاح کے درمیان مختلف طریقہ سے فرق کیا جاتا ہے

(۱) نکاح مؤقت میں لفظ نکحت یا تزوجت ذکر کیا جاتا ہے اور متعہ میں لفظ اتمتع یا استمتع۔

(۲) نکاح مؤقت شہادت شاہدین میں ہوتا ہے اور مدت متعینہ کا ذکر کیا جاتا ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ نکاح متعہ میں مقدار مہر کا تعین لازم ہے، مؤقت میں لازم نہیں ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ مؤقت، متعہ کے افراد میں داخل ہے کما فی فتح القدیر۔

وتزویج العبد ...... ردہ بطل : مسئلہ (۲) اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ غلام یا باندی نے

اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ نکاح نافذ نہیں ہوگا بلکہ آقا کی اجازت پر موقوف رہے گا اب اگر آقا اس نکاح کی اجازت دیتا ہے تو نکاح نافذ ہوگا اور اگر اجازت نہیں دیتا ہے تو پھر نکاح باطل ہو جائے گا دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی فضولی نے کسی عورت کی شادی کردی اور اس سے اجازت نہیں لی یا کسی مرد کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کردیا تو اس صورت میں احناف کے نزدیک نکاح جائز ہوگا البتہ اس کا نفاذ اجازت پر موقوف ہوگا کیونکہ احناف کے نزدیک یہ اصول ہے کہ ہر ایسا عقد جو فضول سے صادر ہو اور مجلس میں کوئی ایجاب قبول کرنے والا موجود ہے خواہ قبول کرنے والا دوسرا فضولی ہو یا اصیل یا وکیل یہ نکاح اجازت پر موقوف ہو کر منعقد ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فضولی کے تمام تصرفات باطل ہیں حضرت امام احمد سے بھی یہ ایک روایت ہے اور حضرت امام مالکؒ نکاح عبد بغیر اذن مولے کے جواز کے قائل ہیں۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۳۲۲ عینی شرح کنز ج ۲ ص ۲۷)

یجوز لابن العمّ ...... من نفسه : مسئلہ (۳) اگر چچا کے لڑکے نے ولی بن کر اپنا نکاح اپنے چچا کی بیٹی سے کیا بشرطیکہ وہ صغیرہ ہو اور اس لڑکی کا کوئی دوسرا ولی ہو مثلاً وہ کہے کہ تم گواہ رہو کہ میں نے اپنا نکاح فلاں لڑکی سے کیا جو فلاں ابن فلاں کی بیٹی ہے تو احناف کے نزدیک نکاح جائز ہے حضرت امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں البتہ امام زفرؒ کے نزدیک یہ نکاح جائز نہیں ہے ہاں اگر وہ لڑکی بالغہ ہو تو اجنبیہ کی طرح اس سے بھی اجازت ضروری ہے۔ (جوہرہ)

واذا اذنت المرأة ...... جاز : مسئلہ (۴) اگر کسی عورت نے کسی مرد کو اپنا وکیل بنایا کہ میرا نکاح اپنے ساتھ کرلو اس وکیل نے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرلیا، تو احناف کے نزدیک یہ نکاح جائز ہو جائے گا مگر حضرت امام زفرؒ اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں ہوگا۔ (ہدایہ)

واذا ضمن الولیُّ الخ : مسئلہ (۴) اگر ولی (باپ) نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کیا اور اپنی لڑکی کے لئے اس کے شوہر کی طرف سے مہر کا ضامن ہو گیا تو ولی کا ضامن ہونا شرعاً درست ہے چنانچہ اس لڑکی کو اختیار ہے کہ مہر کا مطالبہ اپنے شوہر سے کرے یا اپنے ولی سے۔

وَ اِذَا فَرَّقَ القَاضِی بَیْنَ الزَّوْجَیْنِ فِی النِّکَاحِ الفَاسِدِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَ کَذَالِكَ بَعْدَ الخَلْوَةِ فَاِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَ لَا یُزَادُ عَلیٰ المُسَمّٰی وَ عَلَیْهَا العِدَّةُ وَ یَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا مِنْهُ وَ مَهْرُ مِثْلِهَا یُعْتَبَرُ بِاَخَوَاتِهَا وَ عَمَّاتِهَا وَ بَنَاتِ عَمَّاتِهَا وَ لَا یُعْتَبَرُ بِاُمِّهَا وَ خَالَتِهَا اِذَا لَمْ تَکُوْنَا مِنْ قَبِیْلَتِهَا وَ یُعْتَبَرُ فِی مَهْرِ المِثْلِ اَنْ یَتَسَاوِیَ المَرْأَتَانِ فِی السِّنِّ وَ الجَمَالِ وَ المَالِ وَ العَقْلِ وَ الدِّیْنِ وَ النَّسَبِ وَ البَلَدِ وَ العَصْرِ وَ العِفَّةِ.

ترجمہ : اور اگر قاضی زوجین کے درمیان نکاح فاسد کی صورت میں قبل الدخول فیصلہ کردے تو عورت کیلئے مہر نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح خلوت کے بعد بھی اور اگر اس نے عورت کے ساتھ دخول کیا تو عورت کو مہر مثل ملے گا اور یہ مہر مسمی پر زیادہ نہیں کیا جائے گا اور اس پر عدت واجب ہوگی اور اس کے لڑکے کا نسب اس مرد سے ثابت ہوگا اور اس کا مہر مثل اس کی

بہنوں، اس کی پھوپھیوں اور اس کی چچا کی بیٹیوں پر قیاس کیا جائے گا اور اس کی ماں اور اس کا خالہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بشرطیکہ وہ دونوں اس کے قبیلہ کی نہ ہوں۔ اور مہر مثل میں اس بات کا اعتبار کیا جائے گا کہ دو عورتیں عمر، جمال، مال، عقل، دین، نسب، شہر، زمانہ اور پاکدامنی میں برابر ہوں۔

نکاح فاسد اور مہر مثل کا بیان

تشریح : مندرجہ بالا عبارت چار مسئلوں پر مشتمل ہے۔

واذا فرق القاضی ...... وعلیها العدة : پہلے نکاح فاسد کی تعریف ذہن نشین کر لیں اس کے بعد اصل مسئلہ کی طرف نظر ڈالیں۔ تعریف نکاح فاسد: نکاح فاسد اس نکاح کو کہتے ہیں جس میں شرائط صحت میں سے کوئی شرط مفقود ہو۔ مثلاً زوجین کا گواہ کے بغیر ایجاب وقبول کرنا دو بہنوں کو عقد نکاح میں جمع کرنا۔ ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کرنا۔ چوتھی بیوی کی عدت میں پانچویں سے نکاح کرنا وغیرہ۔

مسئلہ (۱):۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ قاضی نے نکاح فاسد کی صورت میں زوجین کے درمیان تفریق ڈالدی اور صورتحال یہ ہے کہ ابھی شوہر نے عورت سے جماع نہیں کیا۔ ایک دوسری صورت یہ ہے کہ شوہر نے نکاح فاسد میں عورت کے ساتھ خلوت کی تو ان دونوں صورتوں میں حکم ہے کہ عورت کو مہر نہیں ملے گا البتہ اگر شوہر نے بیوی کے ساتھ دخول کر لیا تو عند الاحناف اس عورت کو مہر مثل ملے گا جو مہر مسمیٰ سے زائد نہیں ہوگا اور امام زفرؒ کے نزدیک مطلق مہر مثل واجب ہوگا خواہ مہر مسمی سے کم ہو یا زائد اور اس نکاح فاسد میں بعد التفریق عدت واجب ہوگی جس کی ابتداء تفریق کے وقت سے ہوگی ائمہ اربعہ کا یہی مسلک ہے اور امام زفر کے نزدیک عدت کی ابتداء آخری وطی سے ہوگی۔

ویثبت نسب ولدها منه : مسئلہ (۲) اگر نکاح فاسد کے نتیجہ میں کوئی بچہ پیدا ہو گیا تو اس کا نسب اسی شخص سے ثابت کیا جائے گا ورنہ بچی کی ایک نوعیت کی موت ہوگی اور مدت حمل کی ابتداء کا اعتبار حضرات شیخین کے نزدیک عقد کے وقت سے ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک دخول کے وقت سے ہوگا اور اسی پر فتوی ہے۔ (جوہرہ)

ومهر مثلها ...... اذا لم تكونا من قبيلتها : مسئلہ (۳) عورتوں کی مہر مثل میں اس عورت کے باپ کے خاندان کی عورتوں کا اعتبار کیا جائے مثلاً باپ شریک بہن، پھوپھیاں، پھوپھیوں کی لڑکیاں وغیرہ مگر عورت کی ماں اور اس کی خالہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، یہ اس وقت ہے جب کہ یہ دونوں عورتیں اس کے باپ کے خاندان سے نہوں۔ اور اگر یہ دونوں عورتیں اس عورت کے باپ کے خاندان سے ہیں تو پھر مہر مثل میں ان کا اعتبار کیا جائے گا مثلاً اس عورت کے باپ نے اپنے چچا کی لڑکی سے شادی کی تھی تو اس صورت میں اس عورت کی ماں اور خالہ دونوں اس کے باپ کے خاندان سے ہوئیں لہذا مہر مثل میں ان کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نسب میں باپ کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ ماں کا۔

ویعتبر فی مهر المثل الخ : مسئلہ (۴) مہر مثل میں اس بات کا بھی اعتبار کیا جائے گا کہ دو عورتیں عمر میں، جمال میں، مال میں، عقل میں، دیانت میں، نسب میں، شہری ہونے میں، ہمعصر ہونے میں، عفت و پاکدامنی میں (نو

اوصاف میں) برابر ہوں۔ کیونکہ ان اوصاف کے اختلاف سے مہر مثل مختلف ہو جاتا ہے۔

وَ يَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الاَمَةِ مُسْلِمَةً كَانَتْ اَوْ كِتَابِيَةً وَ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اَمَةً عَلٰى حُرَّةٍ وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الحُرَّةِ عَلَيْهَا وَ لِلحُرِّ اَن يَتَزَوَّجَ اَرْبَعاً مِنَ الحَرَائِرِ وَ الاِمَاءِ وَ لَيْسَ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِاَكْثَرِ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا يَتَزَوَّجُ العَبْدُ بِاَكْثَرَ مِنْ اِثْنَتَيْنِ فَاِنْ طَلَّقَ الحُرُّ اِحْدَى الاَرْبَعِ طَلَاقاً بَائِناً لَمْ يَجُزْ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَ رَابِعَةً حَتّٰى تَنْقَضِي عِدَّتُهَا

ترجمہ: اور باندی سے نکاح کرنا جائز ہے مسلمان ہو یا کتابیہ اور یہ جائز نہیں ہے کہ باندی سے شادی کرے آزاد عورت کی موجودگی میں۔ اور آزاد عورت سے شادی کرنا جائز ہے باندی کی موجودگی میں اور آزاد مرد کیلئے جائز ہے کہ چار آزاد عورتوں اور باندیوں سے شادی کرے اور آزاد مرد کے لئے اس سے زائد سے شادی کرنا جائز نہیں ہے اور غلام دو سے زائد شادی نہ کرے اب اگر آزاد مرد نے چار عورتوں میں سے ایک عورت کو طلاق بائن دیدیا تو اس مرد کے لئے جائز نہیں کہ کسی (دیگر) چوتھی عورت سے شادی کرے تا آنکہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔

نکاح کے چند متفرق مسائل

تشریح: مذکورہ بالا عبارت میں پانچ مسئلے ذکر کئے گئے ہیں۔

ویجوز ...... کتابیۃ: مسئلہ (۱) باندی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں اس سلسلے میں ائمہ کا اختلاف ہے احناف کے نزدیک مطلق باندی سے نکاح کرنا جائز ہے خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ، حضرت امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور ایک روایت میں امام احمدؒ کے نزدیک آزاد مرد کیلئے کتابیہ باندی سے نکاح جائز نہیں ہے البتہ مسلمان باندی سے جائز ہے بشرطیکہ وہ حرہ سے نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور اگر قدرت ہے تو مسلمہ باندی سے بھی جائز نہیں ہے۔ (ہدایہ وعینی شرح کنز)

ولا یجوز ...... الحرة علیها: مسئلہ (۲) اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اگر پہلے سے عقد میں آزاد عورت موجود ہو تو اس کی موجودگی میں کسی باندی سے نکاح کرنا درست ہے یا نہیں۔ ائمہ کرام کا اختلاف ہے احناف کے نزدیک یہ نکاح درست نہیں ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک آزاد مرد کیلئے جائز نہیں ہے البتہ غلام کیلئے جائز ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک حرۃ کی رضامندی شرط ہے کہ اگر حرہ رضامند ہے تو اس کی موجودگی میں باندی سے نکاح کرنا درست ہے اور اگر رضامند نہیں ہے تو پھر یہ نکاح درست نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے سے باندی عقد میں موجود ہو تو اس کی موجودگی میں حرہ سے نکاح کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ البتہ امام مزنی شافعی کے نزدیک حرۃ سے نکاح کرتے ہی باندی کا نکاح باطل ہو جائے گا۔

وللحر ...... باکثر من ذلك: مسئلہ (۳) آزاد مرد کے لئے بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اب یہ چاروں آزاد ہوں یا چاروں باندی ہوں یا بعض آزاد اور بعض باندی اور اس سے زائد سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک چار آزاد عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے مگر باندی کی صورت میں

صرف ایک سے نکاح کرنا درست ہے روافض کے نزدیک بیک وقت نو عورتوں سے اور خوارج کے نزدیک اٹھارہ عورتوں سے نکاح کرنا درست ہے۔

ولا یتزوج العبد باکثر من اثنین : مسئلہ (۴) ایک غلام شخص کیلئے بیک وقت دو عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اس سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک آزاد شخص کی طرح غلام کیلئے بھی چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔

فان طلق الحر احدی الاربع الخ : مسئلہ (۵) اگر آزاد مرد نے اپنی چار بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق بائن دیدی تو اس مرد کے لئے کسی دیگر چوتھی عورت سے شادی اس وقت جائز ہوگی جب کہ یہ مطلقہ عورت اپنی عدت پوری کر لے۔

وَاذا زَوَّجَ الاَمَةَ مَوْلَاهَا ثُمَّ اُعتِقَتْ فَلَهَا الخِيَارُ حُرّاً كَانَ زَوْجُهَا اَوْ عَبْداً وَ كَذالِكَ المُكَاتَبَةُ وَ اِنْ تَزَوَّجَتْ اَمَةٌ بِغَيرِ اِذْنِ مَوْلَاهَا ثُمَّ اُعتِقَتْ صَحَّ النِّكَاحُ وَ لَا خِيَارَ لَهَا وَ مَنْ تَزَوَّجَ اِمْرَأتَيْنِ فِيْ عَقْدٍ وَاحِدٍ و اِحْداهُمَا لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا صَحَّ الَّتِيْ تَحِلُّ لَهُ وَ بَطَلَ نِكَاحُ الْاُخْرىٰ وَاِذَا كَانَ بِالزَّوْجَةِ عَيْبٌ فَلَا خِيَارَ لِزَوْجِهَا وَ اِذَا كَانَ بِالزَّوْجِ جُنُوْنٌ اَوْ جُذَامٌ اَوْ بَرَصٌ فَلَا خِيَارَ لِلْمَرْأةِ عِندَ اَبِيْ حَنِيفَةَ وَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللهُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ لَهَا الخِيَارُ.

ترجمہ : اور اگر باندی کی اس کے آقا نے شادی کر دی پھر اس کو آزاد کر دیا گیا تو اس کو اختیار ہوگا، اس کا شوہر خواہ آزاد ہو یا غلام۔ اور اسی طرح مکاتب باندی (کا حکم) ہے۔ اور اگر باندی نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کر لی پھر اس کو آزاد کر دیا گیا تو نکاح صحیح رہے گا اور اسے کوئی اختیار نہیں ہوگا اور جس شخص نے دو عورتوں سے ایک عقد میں شادی کی اور ان میں سے ایک ایسی ہے کہ اس کا نکاح اس شخص کے لئے جائز نہیں ہے تو اس عورت کا نکاح صحیح ہو جائے گا جو اس شخص کے لئے جائز ہے۔ اور دوسری کا نکاح باطل ہو جائے گا۔ اور اگر بیوی میں کوئی عیب ہو تو اس اس کے شوہر کو اختیار نہیں ہوگا۔ اور اگر شوہر کو جنون یا جذام یا برص کی بیماری ہو تو عورت کو کوئی اختیار نہیں ہوگا حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس عورت کو اختیار رہوگا۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسئلے ہیں۔

واذا زَوَّجَ الاَمَةَ ...... اوعبداً : مسئلہ (۱) آقا نے اپنی باندی کا نکاح کر دیا پھر اس کو آزاد کر دیا تو اب اس صورت میں باندی کو خیار عتق حاصل ہوگا یا نہیں، اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک باندی کو نکاح باقی رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اور باندی کی آزادی کے وقت اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔ امام قدوری کا یہی مسلک ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک قدرے فرق ہے وہ یہ کہ اگر شوہر باندی کی آزادی کے وقت آزاد تھا تو عورت کو خیار عتق حاصل ہوگا۔ الغرض شوہر کے غلام ہونے کی صورت میں معتقہ باندی کو بالاتفاق خیار عتق حاصل ہوگا لیکن اگر باندی کی آزادی کے وقت شوہر آزاد ہے تو یہ صورت مختلف فیہ ہے۔ عند الاحناف عورت کو خیار عتق حاصل ہوگا اور عند

المالک والشافعی خیار عتق حاصل نہیں ہوگا۔ (ہدایہ وشروحات)

وکذا المکاتبة : مسئلہ (۲) اگر کسی نے مکاتبہ باندی کا نکاح اس کے آقا کی اجازت سے کردیا پھر مکاتبہ بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہوگئی تو اس صورت میں احناف کا مسلک مذکورہ بالا مسئلہ کے مطابق ہے اور ائمہ ثلاثہ احناف کے ساتھ ہیں، البتہ حضرت امام زفرؒ کے نزدیک اس معتقہ مکاتبہ کو خیار عتق حاصل نہیں ہوگا۔ (ہدایہ وشروحات)

وان تزوجت امة ...... ولا خیار لها : مسئلہ (۳) اگر باندی نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر از خود نکاح کرلیا اس کے بعد وہ باندی آزاد کردی گئی تو یہ نکاح نافذ اور صحیح ہوگا اور اس معتقہ باندی کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ گویا یہاں دو باتیں ہیں ایک بعد العتق نکاح کی صحت اور اس کا نفاذ، دوسرے عدم خیار عتق۔ (دلائل ہدایہ میں ملاحظہ فرمائیں)

ومن تزوج امرأتین ...... بطل نکاح الاخری : مسئلہ (۴) ایک شخص نے ایک ہی عقد میں دو عورتوں سے نکاح کیا اب ان دونوں میں سے ایک عورت ایسی ہے جو قرابت نسب یا رضاعت یا کسی اور حکم شرعی کی وجہ سے حرام ہے اور دوسری حلال ہے تو جو عورت حلال ہے اس کا نکاح صحیح ہوجائے گا اور جو حرام ہے اس کا نکاح باطل ہوجائے گا۔ اس کے آگے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مہر مسمّٰی سب کا سب اس عورت کو ملے گا جس کے ساتھ نکاح صحیح ہے یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک دونوں کے مہر مثل پر تقسیم کیا جائے گا۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۳۱۳)

واذا کان بالزوجة ...... لزوجها : مسئلہ (۵) اگر کسی نے کسی لڑکی سے شادی کی اور شادی کے بعد اس بیوی میں کوئی عیب ثابت ہوا تو عند الاحناف شوہر کو خیار عیب حاصل نہیں ہوگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک شوہر کو خیار عیب حاصل ہوگا اور عیب صرف پانچ چیزوں میں ہے (۱) جنون (۲) جذام (۳) برص (۴) رتق (۵) قرن۔ (الجوہرہ)

واذا کان بالزوج ...... لها الخیار : مسئلہ (۶) اگر کسی عورت کی شادی کی گئی اس کے شوہر کے اندر جنون، جذام اور برص میں سے کوئی عیب ثابت ہوگیا تو حضرت امام ابوحنیفہ وابی یوسفؒ کے نزدیک عورت کو خیار عیب حاصل نہیں ہوگا اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک عورت کو خیار عیب حاصل ہوگا۔

> وَاِذَا کَانَ الزَّوْجُ عِنِّیْناً اَجَّلَهُ الحَاکِمُ حَوْلاً فَاِنْ وَصَلَ اِلَیْهَا وَ اِلَّا فَرَّقَ بَیْنَهُمَا اِنْ طَلَبت المَرْأَةُ ذَالِكَ وَ کَانَت الفُرْقَةُ تَطْلِیْقَةً بَائِنَةً وَ لَهَا کَمَالُ المهر اِذَا کَانَ قَدْ خَلا بها و اِن کان مَجْبوباً فَرَّقَ القَاضِیُ بینَهُما فِیْ الحَالِ وَ لَمْ یؤَجِّلْهُ و الخصی یُؤَجَّلُ کما یؤَجَّلُ العِنِّیْنُ

ترجمہ : اور شوہر عنین ہے تو حاکم اس کو ایک سال کی مہلت دے اب اگر وہ عورت سے صحبت کے قابل ہوجائے تو بہتر ہے ورنہ حاکم ان دونوں کے درمیان تفریق کردے۔ اور اگر عورت فرقت طلب کرے اور یہ فرقت طلاق بائن ہوگی۔ اور عورت کو پورا مہر ملے گا۔ اگر شوہر نے اس سے خلوت کرلی ہو۔ اور اگر شوہر مقطوع الذکر ہو تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے اور اس کو مہلت نہ دے، اور خصی کو مہلت دی جائے گی جیسے کہ عنین کو مہلت دی جاتی ہے۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے مذکور ہیں۔

واذا کان الزوج ...... المرأة ذالك : مسئلہ (۱) اگر شوہر عنین اور نامرد ہو اور اس کی بیوی تفریق کا مطالبہ کرے تو حاکم اصلاح وعلاج کی غرض سے اس کو ایک سال کی مہلت دے اب اگر یہ شخص اس مدت کے اندر عورت سے ہمبستری کے لائق ہو گیا تو بہت بہتر ہے اور اگر سال مکمل ہونے کے بعد بھی نامرد رہا تو قاضی عورت کے مطالبہ پر ان دونوں کے درمیان تفریق کردے۔

وکانت الفرقة ...... بائنة : مسئلہ (۲) نامرد اور اس کی بیوی کے درمیان قاضی کے ذریعہ جو فرقت پیدا ہوئی ہے وہ طلاق بائن ہے یہ حکم احناف اور امام مالک کے نزدیک ہے امام شافعیؒ کے نزدیک یہ فرقت نکاح کا فسخ ہے۔

ولها کمال المهر ...... خلابها : مسئلہ (۳) اگر اس نامرد نے اپنی بیوی سے خلوت کی تو عورت کو پورا مہر دینا واجب ہوگا (اور اگر خلوت نہیں کی تو نصف مہر دینا ہوگا)

وان کان مجبوبا الخ : مسئلہ (۴) اور اگر شوہر مقطوع الذکر ہو تو قاضی کو چاہئے کہ سردست دونوں کے درمیان تفریق کردے بشرطیکہ عورت مطالبہ کرے اور جو شخص خصی ہو (اس کے فوطے نکال لئے گئے ہوں) اس کو بھی نامرد شخص کی طرح مہلت دی جائے گی۔

وَاِذَا اَسْلَمَتِ الْمَرْأَةُ وَ زَوْجُهَا کَافِرٌ عرض عَلَیْهِ الْقَاضِیُ الْاِسْلَامَ فَاِنْ اَسْلَمَ فَهِیَ اِمْرَأَتُهٗ وَ اِنْ اَبیٰ فَرَّقَ بَیْنَهُمَا وَ کَانَ ذَالِكَ طَلَاقاً بَائِناً عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ وَ قَالَ ابو یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللهُ لَیْسَ بِطَلَاقٍ وَ اِنْ اَسْلَمَ الزَّوْجُ وَ تَحْتَهٗ مَجُوْسِیَّةٌ عرض عَلَیْهَا الْاِسْلَامَ فَاِنْ اَسْلَمَتْ فَهِیَ اِمْرَأَتُهٗ وَ اِنْ اَبَتْ فَرَّقَ الْقَاضِیْ بَیْنَهُمَا وَ لَمْ تَکُنِ الْفُرْقَةُ طَلَاقاً فَاِنْ کَانَ قَدْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا کَمَالُ الْمَهْرِ وَ اِنْ لَمْ یَکُنْ دَخَلَ بِهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا.

ترجمه : اور اگر عورت اسلام لے آئے اور اس کا شوہر کافر ہو تو اس شخص کے سامنے اسلام پیش کرے اب اگر وہ شخص اسلام لے آئے تو یہ اس کی بیوی ہوگی اور اگر انکار کردے تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے اور یہ تفریق حضرت امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک طلاق بائن ہوگی اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ طلاق نہیں ہوگی اور اگر شوہر اسلام لے آئے اور اس کے نکاح میں مجوسیہ ہے تو قاضی اس مجوسیہ کے سامنے اسلام پیش کرے اب اگر وہ عورت اسلام لے آئے تو یہ عورت اس کی بیوی رہے گی اور اگر انکار کردے تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے اور یہ فرقت طلاق نہیں ہوگی اب اگر شوہر نے اس مجوسیہ سے صحبت کرلی ہے تو اسکو پورا مہر ملے گا اور اگر شوہر نے اس سے صحبت نہیں کی تو عورت کو کوئی مہر نہیں ملے گا۔

تشریح : اس عبارت میں ایک مسئلہ بیان کیا گیا ہے جس کے دو رخ ہیں۔

واذا اسلمت الخ مسئلہ کا پہلا رخ یہ ہے کہ زوجین پہلے کافر تھے اب ان میں سے عورت نے اسلام قبول کرلیا مگر شوہر کفر پر باقی رہا تو ایسی صورت میں قاضی شوہر کے سامنے اسلام پیش کرے گا اب اگر شوہر نے بھی اسلام قبول کرلیا تو یہ عورت اس شخص کی بیوی ہوگی اور اگر شوہر نے اسلام قبول نہیں کیا تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے گا اب یہ

تفریق حضرات طرفین کے نزدیک طلاق بائن کہلائے گی مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک طلاق نہیں کہلائے گی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک قاضی اسلام نہیں پیش کرے گا بلکہ اگر وہ خود ہی عورت سے جماع سے قبل اسلام لے آیا تو سردست فرقت ہو جائے گا اور اگر جماع کے بعد اسلام قبول کیا تو تین حیض کے بعد قاضی تفریق کر دے گا۔

مسئلہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ زوجین میں سے شوہر نے اسلام قبول کیا اور اس کی بیوی آتش پرست ہے تو اس صورت میں قاضی بیوی کو اسلام پیش کرے گا اب اگر بیوی اسلام قبول کر لیتی ہے تو یہ اس کی بیوی باقی رہے گی لیکن اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے تو اب قاضی دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا مگر یہ تفریق بالاتفاق طلاق کے درجہ میں نہ ہوگی۔ بحث کا حاصل یہ ہے کہ اگر شوہر اسلام قبول کرنے سے انکار کرتا ہے تو پھر تفریق کی جائے گی اور اس تفریق کو عند الطرفین طلاق بائن کہا جائے گا مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک طلاق کے حکم میں نہیں ہے، یہ اختلافی صورت ہے اور اگر بیوی اسلام قبول کرنے سے انکار کرتی ہے تو اس صورت میں بھی تفریق کی جائے گا مگر اس تفریق کو بالاتفاق طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اب اگر شوہر نے اس سے صحبت کر لی ہے تو اس کو پورا مہر بیوی کو دینا پڑے گا۔ اور اگر صحبت نہیں کی ہے تو بیوی کو مہر نہیں ملے گا۔

یہ حکم اس وقت ہے جبکہ یہ سب دار الاسلام میں ہوں۔

وَ اِذَا اَسْلَمَتِ الْمَرْاَةُ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ لَمْ تَقَعِ الْفُرْقَةُ عَلَیْهَا حَتّٰی تَحِیْضَ ثَلٰثَ حِیَضٍ فَاِذَا حَاضَتْ بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا وَ اِذَا اَسْلَمَ زَوْجُ الْکِتَابِیَةِ فَهُمَا عَلٰی نِکَاحِهِمَا وَ اِذَا خَرَجَ اَحَدُ الزَّوْجَیْنِ اِلَیْنَا مِنْ دَارِ الْحَرْبِ مُسْلِماً وَقَعَتِ الْبَیْنُوْنَةُ بَیْنَهُمَا وَ اِنْ سُبِیَ اَحَدُهُمَا وَقَعَتِ الْبَیْنُوْنَةُ بَیْنَهُمَا وَ اِنْ سُبِیَا مَعًا لَمْ تَقَعِ الْبَیْنُوْنَةُ وَ اِذَا خَرَجَتِ الْمَرْاَةُ اِلَیْنَا مُهَاجِرَةً جَازَ لَهُمَا اَنْ تَتَزَوَّجَ فِی الْحَالِ وَ لَا عِدَّةَ عَلَیْهَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَ اِنْ کَانَتْ حَامِلاً لَمْ تَتَزَوَّجْ حَتّٰی تَضَعَ حَمْلَهَا.

ترجمه : اور اگر عورت نے دار الحرب میں اسلام قبول کر لیا تو اس پر فرقت واقع نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس عورت کو تین حیض آجائیں اب اگر اس عورت کو حیض آجائے تو وہ عورت شوہر سے بائنہ ہو جائیگی اور اگر کتابیہ کا شوہر مسلمان ہو جائے تو دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے اور اگر زوجین میں سے کوئی ایک دار الحرب سے نکل کر دار الاسلام میں مسلمان ہو کر آئے تو دونوں کے درمیان جدائیگی ہو جائے گی اور اگر ان میں سے کوئی ایک قید ہو کر آئے تو جدائیگی ہو جائے گی لیکن اگر دونوں قید کر کے آئے تو پھر دونوں کے درمیان جدائیگی نہیں ہوگی اور اگر عورت دار الاسلام میں ہجرت کر کے آجائے تو اس کیلئے سردست شادی کرنا جائز ہے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر کوئی عدت نہیں ہے اور اگر حاملہ ہو تو اس کیلئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ بچہ پیدا ہو جائے۔

تشریح : اس عبارت میں سات مسئلے مذکور ہیں۔

واذا اسلمت بانت من زوجها : مسئلہ (۱) اگر کوئی عورت دار الحرب میں مشرف باسلام ہو جائے تو جب تک اس کو تین حیض نہ آجائیں یا تین ماہ گزر نہ جائیں اس وقت تک اپنے شوہر سے جدا نہیں ہوگی۔ اب اگر اس کو تین حیض

آجاتے ہیں یا تین ماہ گزر جاتے ہیں تو وہ عورت اپنے شوہر سے جدا ہو جائے گی۔

واذا اسلم ...... علی نکاحهما : مسئلہ (۲) اگر کتابی عورت کا شوہر اسلام لے آئے تو دونوں اپنے نکاح پر بدستور باقی رہیں گے۔تفریق کا حکم جاری نہیں ہوگا۔

واذا خرج ...... البینونة بینهما : مسئلہ (۳) اگر زوجین میں سے کوئی ایک بھی دارالحرب سے نکل کر دارالاسلام میں مسلمان ہوکر داخل ہو جائے تو دونوں کے درمیان فرقت پڑ جائے گی۔

وان سُبِیَ ...... البینونة بینهما : مسئلہ (۴) اگر زوجین میں سے کوئی ایک قید کر کے دارالاسلام میں لایا جائے تو بھی دونوں کے درمیان فرقت ہو جائے گی۔

نوٹ: مسئلہ (۳،۴) میں ذکر کردہ حکم احناف کے نزدیک ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فرقت واقع نہیں ہوگی۔

وان سبیا...... البینونة : مسئلہ (۵) اگر زوجین میں سے ہر دو قید کر کے لائے گئے تو دونوں کے درمیان احناف کے نزدیک فرقت نہیں ہوگی اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک فرقت ہو جائے گی۔

واذا خرجت المرأة ...... رحمه الله : مسئلہ (۶) اگر عورت ہجرت کر کے دارالاسلام میں آجائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس کے لئے سر دست شادی کرنی جائز ہے اور اس پر عدت لازم نہیں ہے۔ یہ مسلک حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ حضرات صاحبین، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عدت گزر جانے کے بعد نکاح کرنا جائز ہے۔اس سے پہلے جائز نہیں ہے۔

وان کانت حملاً ...... حملها : مسئلہ (۷) اگر عورت دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں آتی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے تو بالاتفاق وضع حمل سے پہلے اس کے لئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

> **وَ اِذَا ارْتَدَّ اَحَدُ الزَّوْجَیْنِ عَنِ الاِسْلَامِ وَقَعَتِ البَیْنُوْنَةُ بَیْنَهُمَا وَ کَانَتِ الفُرْقَةُ بِغَیْرِ طَلَاقٍ فَاِنْ کَانَ الزَّوْجُ هُوَ المُرْتَدُّ وَقَدْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا کَمَالُ المَهْرِ وَ اِنْ لَمْ یَدْخُلْ بِهَا فَلَهَا النِّصْفُ وَ اِنْ کَانَتْ هِیَ المُرْتَدَّةُ قَبْلَ الدُّخُوْلِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَ اِنْ کَانَتْ اِرْتَدَّتْ بَعْدَ الدُّخُوْلِ فَلَهَا جَمِیْعُ المَهْرِ وَ ارْتَدَّ مَعاً ثُمَّ اَسْلَمَا مَعاً فَهُمَا عَلیٰ نِکَاحِهِمَا.**

ترجمہ : اگر زوجین میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے تو دونوں کے درمیان جدائیگی ہو جائے گی اور جدائیگی بغیر طلاق کے ہوگی اور اگر شوہر مرتد ہو گیا تھا اور اس نے عورت سے صحبت بھی کر لی تو عورت کو پورا مہر ملے گا۔اور اگر شوہر نے عورت سے صحبت نہیں کی تو عورت کو نصف مہر ملے گا۔اور اگر عورت مرتد ہوگئی تھی اور (یہ مرتد ہونا) دخول سے پہلے ہو تو اسکو بالکل مہر نہیں ملے گا۔اور اگر عورت دخول کے بعد مرتد ہوگئی تو اسکو پورا مہر ملے گا اور اگر شوہر اور بیوی دونوں کے دونوں ایک ساتھ مرتد ہو گئے پھر دونوں ساتھ ہی ساتھ اسلام لے آئے تو دونوں اپنے نکاح پر باقی رہیں گے

مرتدین کے نکاح کے احکام

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے مذکور ہیں۔ ہر ایک کی نوعیت ترجمہ سے واضح ہے۔

وَ لَا یَجُوْزُ اَنْ یَتَزَوَّجَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمَةً وَ لَا مُرْتَدَّةً وَ لَا کَافِرَةً وَ کَذَالِكَ الْمُرْتَدَّةُ لَا یَتَزَوَّجُهَا مُسْلِمٌ وَلَا کَافِرٌ وَ لَا مُرْتَدٌّ وَ اِذَا کَانَ اَحَدُ الزَّوْجَیْنِ مُسْلِماً فَالْوَلَدُ عَلٰی دِیْنِهٖ وَ کَذَالِكَ اَنْ اَسْلَمَ اَحَدُهُمَا وَ لَهٗ وَلَدٌ صَغِیْرٌ صَارَ وَلَدُهٗ مُسْلِماً بِاسْلَامِهٖ وَ اِنْ کَانَ اَحَدُ الْاَبَوَیْنِ کِتَابِیاً وَا الْآخَرُ مَجُوْسِیاً فَا لْوَلَدُ کِتَابِیٌّ.

ترجمہ: اورمرتد آدمی کے لئے جائزنہیں ہے کہ کسی مسلم، مرتد اور کسی کافرعورت سے نکاح کرے اوراسی طرح مرتدعورت کہ مسلمان کافراورمرتد مرد کے لئے اس سے نکاح کرنا جائزنہیں ہے اوراگر زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہوتو بچہ اسی (مسلمان) کے دین پر ہوگا اوراسی طرح اگر زوجین میں سے کوئی ایک اسلام لے آئے اوراس کے پاس ایک چھوٹا بچہ ہوتو اسکا بچہ اس کے اسلام کے تابع ہوکر مسلمان ہوگا اوراگر والدین میں سے کوئی ایک کتابی ہوااور دوسرا مجوسی ہوتو بچہ کتابی ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں پانچ مسائل مذکور ہیں جو بالکل واضح ہیں تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

وَ اِذَا تَزَوَّجَ الْکَافِرُ بِغَیْرِ شُهُوْدٍ اَوْ فِیْ عِدَّةٍ مِنْ کَافِرٍ وَ ذَالِكَ جَائِزٌ فِیْ دِیْنِهِمْ ثُمَّ اَسْلَمَا اُقِرَّا عَلَیْهِ وَاِنْ تَزَوَّجَ الْمَجُوْسِیُّ اُمَّهٗ اَوْ اِبْنَتَهٗ ثُمَّ اَسْلَمَا فُرِّقَ بَیْنَهُمَا.

ترجمہ: اوراگر کافرشخص گواہوں کے بغیر یا کسی کافرہ کی عدت میں اس عورت سے نکاح کرے اور یہ ان کے مذہب میں جائز ہو پھر دونوں اسلام لے آئیں تو ان دونوں کو اس نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔ اوراگر آتش پرست اپنی ماں یا اپنی بیٹی سے نکاح کرلے پھر دونوں اسلام لے آئیں تو دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔

کافر کے نکاح کا بیان

تشریح: اس عبارت میں صرف دو مسئلے مذکور ہیں۔

واذا تزوج الکافر ...... اقر علیه: مسئلہ(۱) اگر کسی کافر نے کسی کافرعورت سے گواہوں کی عدم موجودگی میں نکاح کیایا اس کی عدت کی حالت میں اس سے نکاح کیا اور یہ طریقہ ان کے مذہب میں جائز بھی ہے پھر دونوں اسلام لے آئے تو ان کا نکاح بدستور باقی رہے گا یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔ حضرت امام زفرؒ کے نزدیک نکاح فاسد ہوجائے گا۔ حضرات صاحبینؒ نکاح بغیر شہود کے بارے میں امام صاحب کے ساتھ ہیں اور نکاح فی العدۃ کے بارے میں امام زفرؒ کے ساتھ ہیں۔

وَاِنْ تَزَوَّجَ الْمجوسیُّ الخ: مسئلہ(۲) اگر کسی آتش پرست نے محرمات ابدیہ عورت مثلاً اپنی یا یالڑکی سے نکاح کرلیا پھر دونوں نے اسلام قبول کرلیا تو بالاتفاق ان کا نکاح باطل ہوجائے گا اوران کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔

وَ اِنْ کَانَ لِلرَّجُلِ اِمْرَأَتَانِ حُرَّتَانِ فَعَلَیْهِ اَنْ یَعْدِلَ بَیْنَهُمَا فِی الْقَسْمِ بِکْرَیْنِ کَانَتَا اَوْ ثَیِّبَیْنِ اَوْ اِحْدَاهُمَا بِکْراً وَ الْاُخْرٰی ثَیِّباً وَ اِنْ کَانَتْ اِحْدٰهُمَا حُرَّةً وَ الْاُخْرٰی اَمَةً فَلِلْحُرَّةِ الثُّلُثَانِ وَ لِلْاَمَةِ الثُّلُثُ وَ لَا حَقَّ لَهُنَّ فِی الْقَسْمِ فِیْ حَالِ السَّفَرِ وَ یُسَافِرُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ

وَ الْاَوْلٰی اَنْ یُقْرَعَ بَیْنَهُنَّ فَیُسَافِرُ بِمَنْ خَرَجَتْ قُرْعَتُهَا وَ اِذَا رَضِیَتْ اِحْدَی الزَّوْجَاتِ بِتَرْكِ قِسْمِهَا لِصَاحِبَتِهَا جَازَ وَ لَهَا اَنْ تَرْجِعَ فِیْ ذٰلِكَ.

ترجمہ : اور اگر کسی شخص کی دو آزاد بیویاں ہوں تو اس شخص پر ان دونوں کے درمیان باری میں انصاف کرنا لازم ہے دونوں باکرہ ہوں یا ثیبہ یا ان میں سے ایک باکرہ ہو اور دوسری ثیبہ۔ اور اگر ان میں سے ایک آزاد ہو اور دوسری باندی ہو تو آزاد کیلئے (باری کے) دو ثلث یعنی دو راتیں ہوگی۔ اور باندی کیلئے ایک ثلث یعنی ایک رات ہوگی اور بیویوں کے لئے حالت سفر میں باری کا حق نہیں ہے اور ہر بیویوں میں سے جس کے ساتھ چاہے سفر کرے اور بہتر یہ ہے کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کرے اور اس بیوی کے ساتھ سفر کرے جس کے نام کا قرعہ نکلے۔ اور اگر بیوں میں سے ایک اپنی باری کو اپنی سوتن کے حق میں چھوڑنے پر راضی ہو جائے تو یہ جائز ہے اور اس کیلئے اس سے رجوع کرنا بھی جائز ہے۔

عورتوں کے درمیان باری کے احکام

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے مذکور ہیں۔

وان کان للرجل ...... والاخری ثیبا : مسئلہ (۱) اگر کسی کے عقد میں دو (یا اس سے زائد) آزاد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان باری (شب باشی) میں انصاف قائم کرنا ضروری ہے اب یہ باکرہ ہوں یا ثیبہ یا ایک باکرہ ہو اور ایک ثیبہ ہو یہ حکم احناف کے نزدیک ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک باکرہ کے لئے سات راتیں ہیں اور ثیبہ کے لئے تین راتیں ہیں۔

وان کانت احدھم ...... وللامۃ الثلث : مسئلہ (۲) اگر کسی کے عقد میں دو بیویاں ہوں ان میں سے ایک آزاد ہو اور دوسری باندی ہو تو شوہر کے لئے حکم ہے کہ آزاد کے پاس دو ثلث یعنی دو شب گزارے اور باندی کے پاس ایک ثلث یعنی ایک شب گزارے۔

ولاحق لھن ...... خرجت قرعھا : مسئلہ (۳) بیویوں کے لئے سفر کی حالت میں باری کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ شوہر کو اختیار ہے جسکو بھی سفر میں اپنے ساتھ رکھے مگر بہتر یہ ہے کہ قرعہ اندازی کرلے اور جس کا نام قرعہ اندازی میں نکلے اس کو سفر میں ساتھ لے جائے۔ یہ احناف کا مسلک ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک قرعہ اندازی واجب ہے۔

واذا رضیت احدی الموجات الخ : مسئلہ (۴) اگر بیویوں میں سے ایک اپنی باری کسی دوسری بیوی کو دینے پر راضی ہو جائے تو ایسا کرنا جائز ہے اور اگر یہ عورت اپنی باری میں رجوع کرنا چاہے تو بھی جائز ہے۔

کتاب الرضاع

رضاعت کا بیان

قَلِيْلُ الرَّضَاعِ وَ كَثِيْرُهُ إِذَا حَصَلَ فِيْ مُدَّةِ الرَّضَاعِ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ وَ مُدَّةُ الرَضَاعِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ ثلثونَ شَهْراً وَ عِندَهُمَا سَنَتَانِ وَ إِذَا مَضَتْ مُدَّةُ الرَّضَاعِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالرَّضَاعِ تَحْرِيْمٌ وَ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ اِلَّا اُمَّ اُخْتِهٖ مِنَ الرَّضَاعِ فَاِنَّهٗ يَجُوْزُ لَهٗ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اُمَّ اُخْتِهٖ مِنَ النَّسَبِ وَ اُخْتَ اِبْنِهٖ مِنَ الرَّضَاعِ يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اُخْتَ اِبْنِهٖ مِنَ النَّسَبِ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اِمْرَأَةَ اِبْنِهٖ مِنَ الرَّضَاعِ كَمَا لَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اِمْرَأَةَ اِبْنِهٖ مِنَ النَّسَبِ.

ترجمہ : رضاعت کا قلیل وکثیر (سب برابر ہے) اگر رضاعت مدت رضاعت میں حاصل ہو تو اس کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی۔ اور مدت رضاعت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تیس مہینہ ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک دو سال ہے۔ اور اگر مدت رضاعت گزر جائے تو رضاعت سے تحریم متعلق (ثابت) نہیں ہوگی اور رضاعت سے وہ چیز حرام ہوتی ہے جو نسب سے حرام ہوتی ہے بجز رضاعی بہن کی ماں کے، کہ اس کے لئے اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اور نسبی بہن کی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور رضاعی بیٹی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اور اپنے نسبی بیٹی کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اپنے رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ جس طرح اپنے نسبی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح : الرضاع : راء بالفتح والکسر ہے مگر اصل اول ہے یہ باب سمع سے ہے۔ معنی ہے چھاتی سے دودھ چوسنا اور اصطلاح شریعت میں شیر خوار بچہ کا مخصوص مدت (مدت رضاعت) میں عورت کی چھاتی سے دودھ چوسنا کو کہتے ہیں۔
مذکورہ بالا عبارت میں پانچ مسئلے، ایک ضابطہ بیان کئے گئے ہیں۔

قلیل الرضاع ...... التحریم : مسئلہ (۱) مدت رضاعت میں مطلق دودھ پینے یا پلانے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے دودھ کی مقدار کم ہو یا زیادہ۔ احناف اور جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک حرمت رضاعت ثابت ہونے کیلئے پانچ مرتبہ شکم سیر ہو کر دودھ پینا ضروری ہے۔ ظاہر الروایہ کے مطابق امام احمدؒ کا یہی خیال ہے اور ایک دوسری روایت میں تین مرتبہ پینا بھی منقول ہے۔

ومدة الرضاع ...... سنتان : مسئلہ (۲) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مدت رضاعت تیس ماہ یعنی ڈھائی سال ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک دو سال ہے۔ ائمہ ثلاثہ کا یہی قول ہے اس کے علاوہ امام مالک سے تین روایتیں ہیں ایک روایت میں دو سال ایک ماہ۔ دوسری روایت میں دو سال دو ماہ اور تیسری روایت میں یہ ہے کہ جب تک بچہ دودھ پینے کا محتاج ہے اس سے مستغنی نہیں ہوگا اور امام زفرؒ کے نزدیک تین سال ہے اس کے علاوہ مختلف اقوال ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

واذا مضت ...... تحریم : مسئلہ (۳) اگر مدت رضاعت گزر جائے اس کے بعد بچہ کو دودھ پلایا جائے تو ایسی صورت میں حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

ویحرم من الرضاع ...... ام اخته من النسب : اس عبارت میں ایک ضابطہ اور اس ضابطہ سے دوصورتوں کا استثناء بیان کیا گیا ہے۔ضابطہ یہ ہے کہ جو عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوتی ہیں۔اس ضابطہ سے دوصورتوں کا استثناء کر دیا گیا ہے پہلی صورت الام اختہ من الرضاع سے واضح کی گئی ہے یعنی رضاعی بہن کی ماں، یہ رضاعی ماں ہو یا نسبی ماں ہو، دونوں صورتوں میں نکاح جائز ہے۔رضاعی بہن کی رضاعی ماں کی صورت یہ ہے کہ راشد اور رشیدہ دونوں نے ربیعہ کا دودھ پیا اور رشیدہ نے صرف خالدہ کا دودھ پیا تو اس صورت میں راشد کا نکاح خالدہ سے جائز ہے باوجود یکہ خالدہ راشد کی رضاعی ماں ہے رضاعی بہن کی نسبی ماں کی صورت یہ ہے کہ راشد اور رشیدہ نے ایک اجنبی عورت کا دودھ پیا مگر راشد نے رشیدہ کی نسبی ماں کا دودھ نہیں پیا تو اس صورت میں راشد کے لئے راشدہ کی نسبی ماں سے نکاح جائز ہے البتہ اپنی نسبی بہن کی نسبی ماں سے نکاح جائز نہیں ہے لیکن اگر نسبی بہن کی رضاعی ماں ہو تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے اس کی صورت یہ ہے کہ راشد کی نسبی بہن ہے اور اس بہن کی رضاعی ماں ہے جس نے راشد کو دودھ نہیں پلایا ہے تو اس نسبی بہن کی رضاعی ماں سے نکاح کرنا درست ہے۔

واخت ابنه ...... ان یتزوجها : مذکورہ ضابطہ سے استثناء کی گئی دوسری صورت اس عبارت میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ رضاعی بیٹی کی بہن خواہ رضاعی ہو یا نسبی دونوں سے نکاح کرنا جائز ہے اس کی مثال گزشتہ مثال پر قیاس کرلیں۔

ولا یجوز ان یتزوج اخت ابنه من النسب : مسئلہ (۴) اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے (البتہ نسبی بیٹے کی رضاعی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے)

ولا یجوز ان یتزوج امرأة الخ: مسئلہ (۵) رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے جس طرح نسبی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

> **وَ لَبَنُ الفَحْلِ یَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِیْمُ وَ هُوَ اَنْ تَرضِعَ المَرْأةُ صَبِیَّةً فَتَحْرِمُ هٰذه الصَّبِیَّةُ علیٰ زَوْجِهَا وَ عَلیٰ اٰبَائِهٖ وَ اَبْنَائِهٖ وَیَصِیْرُ الزَّوْجُ الذِیْ نَزَلَ لَهَا مِنْهُ اللَّبَنُ اَباً لِلْمُرْضِعَةِ وَ یَجُوْزُ اَنْ یَتَزَوَّجَ الرَّجُلُ بِاُخْتِ اَخِیْهِ مِنَ الرَّضَاعِ کَمَا یَجُوْزُ اَنْ یَتَزَوَّج بِاُخْتِ اَخِیْهِ مِنَ النَّسَبِ وَ ذَالِكَ مِثْلُ الاَخِ مِنَ الاَبِ اِذَا کَانَ لَهٗ اُخْتٌ مِنْ اُمِّهٖ جَازَ لِاَخِیْهِ مِنْ اَبِیْهِ اَنْ یَتَزَوَّجَهَا.**

ترجمہ : مرد کا دودھ جس سے تحریم متعلق ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عورت ایک بچی کو دودھ پلائے پس یہ بچی اس عورت (مرضعہ یعنی دودھ پلانے والی) کے شوہر پر حرام ہوگی اور اس کے آباء پر اور اس کے ابناء پر اور وہ شوہر جس سے اس مرضعہ کو دودھ اترا ہے مرضعہ (جس کو دودھ پلایا گیا ہے) کا باپ ہوگا اور جائز ہے یہ کہ مرد اپنے رضاعی بھائی کی بہن سے شادی کرے جس طرح یہ جائز ہے کہ اپنے نسبی بھائی کی بہن سے شادی کرے اور یہ باپ شریک بھائی کی مثال ہے بشرطیکہ

اس کی ایک ماں شریک بہن ہو تو باپ شریک بھائی کے لئے جائز ہے کہ اس سے نکاح کرے۔

رضاعت کے احکام

تشریح: صاحب قدوری نے اس عبارت میں صرف دو مسئلے بیان کئے ہیں۔

لبن الفحل ...... اباً للمرضعة: لبن الفحل میں شئی کی نسبت اپنے سبب کی جانب ہے کیونکہ عورت کے پستان میں دودھ کا سبب مرد ہی ہوتا ہے۔

مسئلہ (۱) مرد کے دودھ سے حرمت وابستہ ہوتی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی عورت کسی بچی کو دودھ پلادے تو یہ بچی مرضعہ کے شوہر، شوہر کے باپ دادا، اس کے بیٹے اور پوتے پر حرام ہوگی اور جس شوہر کی وجہ سے اس مرضعہ کو دودھ اترا ہے وہ شیر خواہ بچی کا باپ ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ عام اصحاب شافعیؒ۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں البتہ ایک قول امام شافعیؒ کا یہ ہے کہ مرد کے دودھ سے حرمت وابستہ نہیں ہوتی ہے اس کو امام شافعیؒ کے نواسہ عبدالرحمن نے نقل کیا ہے مگر اسکا جواب یہ ہے کہ غالباً امام شافعیؒ نے اس دودھ کو منع فرمایا ہے جو مرد کی چھاتی سے نکلتا ہے یہ بالاتفاق محرّم نہیں ہے یعنی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی ہے۔

ویجوز ان یتزوج الخ: مسئلہ (۲) اس مسئلہ کی صورت کو مثال سے سمجھیں۔ صورت یہ ہے کہ عبدالرحمن نے ابراہیم کی ماں کا دودھ پیا تو ابراہیم، عبدالرحمن کی نسبی بہن سے شادی کرسکتا ہے جبکہ یہ لڑکی ابراہیم کے رضاعی بھائی، عبدالرحمن کی نسبی بہن ہے۔ جس کی دلیل یہ بیان کی جارہی ہے کہ نسبی بھائی کی نسبی بہن سے شادی کرنی جائز ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ عامر کے دو بیٹے ہیں اور دونوں کی ماں جدا جدا ہیں۔ اب یہ دونوں لڑکے علاتی (باپ شریک) بھائی ہیں عامر نے ایک بیوی کو طلاق دیدی۔ اس مطلقہ نے عدت گزارنے کے بعد کسی دوسرے سے شادی کرلی اس کے ذریعہ ایک لڑکی پیدا ہوئی اب یہ لڑکی ان دونوں لڑکوں میں سے کسی ایک کی اخیافی (ماں شریک) بہن ہے اور دوسرا لڑکا اس لڑکے کے لئے اجنبی ہے تو یہ دوسرا لڑکا اس لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے جبکہ رشتہ کے اعتبار سے یہ لڑکی اپنے شوہر کے نسبی بھائی کی نسبی بہن ہے مگر چونکہ یہ لڑکی اس لڑکے کے حق میں ایک اجنبیہ عورت تھی جس سے اس کا عقد ہوا ہے اس لئے یہ نکاح درست ہے۔

> **وَ کُلُّ صَبِیَّیْنِ اِجْتَمَعَا عَلٰی ثَدْیٍ وَاحِدٍ لَمْ یَجُزْ لِاَحَدِهِمَا اَنْ یَتَزَوَّجَ الْاٰخَرَ وَ لَا یَجُوْزُ اَنْ یَتَزَوَّجَ الْمُرْضَعَةُ اَحَداً مِنْ وُلْدِ الَّتِی اَرْضَعَتْهَا وَ لَا یَتَزَوَّجُ الصَّبِیُّ الْمُرْضَعُ اُخْتَ زَوْجِ الْمُرْضَعَةِ وَ اِذَا اِخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِالْمَاءِ وَ اللَّبَنُ هُوَ الْغَالِبُ یَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِیْمُ وَ اِذَا اِخْتَلَطَ بِالطَّعَامِ لَمْ یَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِیْمُ اِنْ کَانَ اللَّبَنُ غَالِباً عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ یَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِیْمُ وَ اِذَا اخْتَلَطَ بِالدَّوَاءِ وَ اللَّبَنُ غَالِبٌ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِیْمُ۔**

ترجمہ: اور ہر ایسے دو بچے (لڑکا اور لڑکی) جو ایک (عورت کے) پستان پر جمع ہو گئے ہوں تو ان میں سے ایک کیلئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے سے شادی کرے اور جائز نہیں ہے کہ مرضعہ (جس کو دودھ پلایا گیا ہے) اس عورت کے بچوں

میں سے کسی ایک سے نکاح کرے جس عورت سے اس کو دودھ پلایا ہے اور شیر خوار بچہ دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی لڑکی سے نکاح نہ کرے اور اگر دودھ پانی میں مل جائے اور دودھ ہی غالب ہو تو اس دودھ سے تحریم متعلق ہوگی اور اگر دودھ کھانے میں مل جائے تو اس دودھ سے تحریم متعلق نہیں ہوگی اگر چہ دودھ غالب ہو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس دودھ سے تحریم متعلق ہوگی اور اگر دودھ دوا میں مل جائے اور دودھ غالب ہو تو تحریم دودھ سے متعلق ہوگی۔

تشریح : صاحب قدوری نے اس عبارت میں چھ مسئلوں کا تذکرہ کیا ہے۔

وکل صبیین ...... ان یتزوج الاخ : مسئلہ (۱) اگر دو بچوں (لڑکا اور لڑکی) نے کسی ایک عورت کا دودھ ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے پیا ہو (تو چونکہ یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہوں گے اسلئے) دونوں کا نکاح آپس میں درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حرمت رضاعت کے متعلق یہ ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔

ولایجوز ...... ارضعتها : مسئلہ (۲) جس بچی کو دودھ پلایا گیا ہے اس کا نکاح دودھ پلانے والی کے کسی بچے جائز نہیں ہے۔

ولا یتزوج الصبیُّ ...... زوج المرضعة : مسئلہ (۳) اس کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا اختلط اللبن ...... به التحریم : مسئلہ (۴) اگر دودھ کو پانی میں ملا دیا جائے اور دودھ غالب ہو اور اس دودھ کو کسی بچے نے پی لیا تو غالب دودھ کا اعتبار کرتے ہوئے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اس کے آگے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر پانی غالب اور دودھ مغلوب ہو تو احناف کے نزدیک حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اگر پانچ گھونٹ کے مقدار بھی دودھ پانی میں ملا ہو اور بچے نے دودھ پی لیا تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اگر چہ پانی غالب ہو۔

نوٹ :۔ دودھ کے غلبہ سے مراد اس کا ذائقہ، رنگ اور خوشبو ہے یعنی اگر یہ تینوں چیزیں نہ پائی جائیں تو پانی کو غالب سمجھا جائے گا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک رنگ اور ذائق کا تغیر ہی کافی ہے۔ (الجوہرہ ج ۲ ص ۸۶)

واذا اختلط بالطعام ...... یتعلق به التحریم : مسئلہ (۵) اگر دودھ کھانے میں مل جائے اور دودھ غالب ہو اور کھانا مغلوب ہو تو اس صورت میں حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں اس میں امام ابوحنیفہؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ دودھ حرمت کو ثابت نہیں کرتے خواہ غالب ہو یا مغلوب اور حضرات صاحبین کے نزدیک اگر دودھ غالب ہے تو حرمت ثابت ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر دودھ ملا ہوا کھانا آگ پر پکایا گیا ہو تو اس کے استعمال سے بالاتفاق حرمت رضاعث ثابت نہیں ہوگی۔

واذا اختلط بالدواء الخ : مسئلہ (۶) اگر دودھ کو دوا میں ملا دیا گیا اور دودھ غالب بھی ہو اور بچے نے اس کو پی بھی لیا تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

وَاِذَا حُلِبَ اللَّبَنُ مِنَ الْمَرْاَةِ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاُوْجِرَ بِهِ الصَّبِیُّ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِیْمُ وَ اِذَا اخْتَلَطَ لَبَنُ الْمَرْاَةِ بِلَبَنِ شَاةٍ وَلَبَنُ الْمَرْاَةِ هُوَ الغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِیْمُ وَ اِنْ غَلَبَ لَبَنُ الشَّاةِ لَمْ یَتَعَلَّقْ بِهِ

التَّحْرِیْمُ وَاِذَا اِخْتَلَطَ لَبَنُ اِمْرَأَتَیْنِ یَتَعَلَّقُ التَّحْرِیْمُ بِاَکْثَرِھِمَا عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَہُ اللہُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللہُ تَعَلَّقَ بِھِمَا وَاِذَا نَزَلَ لِلْبِکْرِ لَبَنٌ فَاَرْضَعَتْ صَبِیًّا یَتَعَلَّقُ بِہِ التَّحْرِیْمُ.

ترجمہ: اور اگر عورت سے دودھ نکالا گیا اس کے مرنے کے بعد۔ اور اس کو بچہ کے حلق میں ڈال دیا، تو حرمت اس سے متعلق ہوگی اور اگر عورت کا دودھ بکری کے دودھ میں مل جائے اور عورت کا دودھ غالب ہو تو حرمت اس سے متعلق ہوگی اور اگر بکری کا دودھ غالب ہو جائے تو اس سے حرمت متعلق نہیں ہوگی۔ اور اگر دو عورتوں کا دودھ مل جائے تو حرمت ان میں سے اکثر سے متعلق ہوگی حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ حرمت ان دونوں سے متعلق ہوگی۔ اور اگر باکرہ کو دودھ اتر آئے اور وہ کسی بچہ کو پلا دے تو حرمت اسی سے متعلق ہوگی۔

تشریح: اس پوری عبارت میں چار مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

واذا حُلِبَ ...... تعلق به التحريم: مسئلہ (۱) اگر کسی عورت کے مرنے کے بعد اس کے پستان سے دودھ نکال کر کسی بچہ کے حلق میں ڈال دیا جائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

واذا اختلط لبن ...... لم يتعلق به التحريم: مسئلہ (۲) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا اختلط لبن امرأتين ...... تعلق بهما: مسئلہ (۳) اگر دو عورتوں کا دودھ باہم مل جائے اور کوئی بچہ پی لے تو حرمت رضاعت کے تحقق اور عدم تحقق کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جس کا دودھ غالب ہوگا اس کے ساتھ حرمت رضاعت کا تعلق ہوگا (امام شافعیؒ اسی کے قائل ہیں) امام محمدؒ کے نزدیک حرمت رضاعت کا تعلق دونوں سے ہوگا۔ امام زفرؒ کا یہی مسلک ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں ایک روایت میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ اور دوسری روایت میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

واذا نزل للبكر الخ: مسئلہ (۴) اگر باکرہ عورت کے پستان سے دودھ نکلا اس نے کسی بچہ کو پلا دیا تو بالاتفاق حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

وَ اِذَا نَزَلَ لِلرَّجُلِ لَبَنٌ فَاَرْضَعَ صَبِیًّا لَمْ یَتَعَلَّقْ بِہِ التَّحْرِیْمُ وَاِذَا شَرِبَ صَبِیَّانِ مِنْ لَبَنِ شَاۃٍ فَلَا رَضَاعَ بَیْنَھُمَا وَ اِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ صَغِیْرَۃً وَ کَبِیْرَۃً فَاَرْضَعَتِ الْکَبِیْرَۃُ الصَّغِیْرَۃَ حَرُمَتَا عَلَی الزَّوْجِ فَاِنْ کَانَ لَمْ یَدْخُلْ بِالْکَبِیْرَۃِ فَلَا مَھْرَ لَھَا وَ لِلصَّغِیْرَۃِ نِصْفُ الْمَھْرِ وَ یَرْجِعُ بِہِ الزَّوْجُ عَلَی الْکَبِیْرَۃِ اِنْ کَانَتْ تَعَمَّدَتْ بِہِ الْفَسَادَ وَ اِنْ لَمْ تَتَعَمَّدْ فَلَا شَیْءَ عَلَیْھَا وَ لَا تُقْبَلُ فِی الرَّضَاعِ شَھَادَۃُ النِّسَاءِ مُنْفَرِدَاتٍ وَ اِنَّمَا یَثْبُتُ بِشَھَادَۃِ رَجُلَیْنِ اَوْ رَجُلٍ وَ اِمْرَأَتَیْنِ.

ترجمہ: اور اگر کسی مرد کو دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچہ کو پلا دیا تو اس کی وجہ سے تحریم متعلق نہیں ہوگی اور اگر دو بچوں (لڑکا اور لڑکی) نے بکری کا دودھ پی لیا تو ان دونوں کے درمیان کوئی رضاعت نہیں ہوگی اور اگر مرد نے ایک صغیرہ

(دودھ پیتی بچی) اور ایک کبیرہ سے نکاح کر لیا اس کے بعد کبیرہ نے صغیرہ کو (مدت رضاعت میں) دودھ پلا دیا تو دونوں شوہر پر حرام ہو جائیں گی۔ اب اگر شوہر نے کبیرہ کے ساتھ دخول نہیں کیا تو اس کے لئے مہر نہیں ہوگا اور صغیرہ کے لئے نصف مہر ہوگا اور شوہر کبیرہ سے نصف مہر رجوع کر سکتا ہے بشرطیکہ کبیرہ نے اس سے فساد (نکاح) کا ارادہ کر لیا ہو اور اگر کبیرہ نے فساد (نکاح) کا ارادہ نہیں کیا تو کبیرہ پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔ اور رضاعت میں تنہا عورت کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور رضاعت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت کی شہادت سے ثابت ہوگی۔

تشریح: یہ عبارت چار مسئلوں پر مشتمل ہے۔

واذا نزل ...... لم یتعلق به التحریم: مسئلہ (۱) یہ مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا شرب ...... فلا رضاع بینهما: مسئلہ (۲) یہ مسئلہ بھی ترجمہ سے واضح ہے۔

وَ اِذَا تزوج الرجل ...... حرمتا علی الزوج: مسئلہ (۳) ایک شخص کے عقد میں ایک کبیرہ اور ایک صغیرہ یعنی دودھ پیتی بچی ہے کبیرہ نے اس صغیرہ کو اپنا دودھ پلا دیا تو اس صورت میں شوہر پر دونوں حرام ہو جائیں گی۔ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد کا بھی یہی مسلکؒ ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیلی صورت یہ ہے کہ اس کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے ک شوہر نے کبیرہ کے ساتھ جماع کیا اس کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہوا اور کبیرہ کو دودھ اتر آیا اور اس نے اس صغیرہ بیوی کو دودھ پلا دیا تو یہ صغیرہ و کبیرہ دونوں ابدی طور پر شوہر پر حرام ہو جائیں گی کیونکہ صغیرہ اور شوہر کے درمیان رضاعی بیٹی اور رضاعی باپ کا رشتہ ثابت ہو گیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کبیرہ کو سابق شوہر سے دودھ اتر آیا اس شوہر نے اس کو طلاق دیدی اس نے دوسرے سے نکاح کر لیا اب اس عقد میں صغیرہ بھی ہے، اس کبیرہ نے صغیرہ کو دودھ پلا دیا اب اگر اس شوہر نے کبیرہ سے جماع کر لیا ہے تو صغیرہ شوہر پر حرام ہو جائے گی اور اگر جماع نہیں کیا تو صغیرہ اس شوہر پر حرام نہیں ہوگی۔

الغرض کبیرہ و صغیرہ دونوں کے حرام ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دونوں رضاعی ماں اور بیٹی ہیں اور رضاعی ماں اور بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح نسبی ماں اور بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

فان کان لم یدخل ...... وللصغیر نصف المهر: اس عبارت میں مسئلہ (۳) کے تحت مہر کا حکم بیان کیا گیا ہے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے کبیرہ کے ساتھ جماع نہیں کیا تو شوہر پر کبیرہ کے لئے کوئی مہر واجب نہیں ہوگا اور صغیرہ کے لئے عندالاحناف نصف مہر واجب ہوگا۔ البتہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک مہر واجب نہیں ہوگا۔

ویرجع ...... فلا شئ علیها: اس عبارت میں مسئلہ (۳) کے تحت مہر کے متعلق دوسرا حکم بیان کیا جا رہا ہے وہ یہ کہ شوہر نے جو مہر صغیرہ کو دیا ہے اس کو کبیرہ سے وصول سکتا ہے بشرطیکہ کبیرہ نے دودھ پلا کر فساد نکاح کا ارادہ کیا ہو اور اگر فساد نکاح کا ارادہ نہیں کیا بلکہ بھوک اور ہلاکت کے ختم کرنے کا ارادہ کیا ہو تو پھر شوہر کبیرہ سے مہر واپس لینے کا مجاز نہیں ہے باوجودیکہ کبیر کو یہ معلوم ہو کہ صغیر اس شوہر کی بیوی ہے جیسا کہ ظاہر الروایہ میں بھی ہے البتہ امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک شوہر دونوں صورتوں میں کبیرہ سے مہر واپس لینے کا مجاز ہے۔ مگر ظاہر الروایہ والا مسلک صحیح ہے۔ جیسا کہ

شروحات ہدایہ میں ہے۔

ولا تقبل فی الرضاع الخ : مسئلہ (۴) رضاعت ثابت کرنے میں تنہا عورت کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی بلکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ثبوت رضاعت کیلئے ضروری ہے یہ احناف کا مسلک ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ثبوت رضاعت کے لئے چار عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک صرف ایک عورت کی شہادت سے رضاعت ثابت ہو جائے مگر شرط یہ ہے کہ عورت عادلہ ہو۔

کتاب الطلاق

صاحب قدوریؒ نکاح کے احکام سے فراغت کے بعد طلاق اور اس کے متعلقات کو بیان فرمارہے ہیں۔ طلاق چونکہ قید نکاح کو ختم کرنے کے لئے ہے اسلئے اس کو نکاح کے بعد بیان کررہے ہیں۔ رضاعت کے بعد اس لئے بیان کررہے ہیں کہ دونوں حرمت ثابت کرتے ہیں بس فرق اس قدر ہے کہ رضاعت سے حرمت موبدہ اور طلاق سے حرمت غیر مؤبدہ ثابت ہوتی ہے۔

طلاق اسم مصدر ہے اور تطلیق کے معنی میں ہے جیسے سراح بمعنی تسریح اور اسلام بمعنی تسلیم ہے۔ طلاق لغت میں مطلقا قید نکاح کے اٹھانے کو کہتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں مرد کا عورت کو نکاح سے عائد ہونی والی پابندیوں سے آزاد کردینا طلاق کہلاتا ہے۔

الطَّلَاقُ عَلٰی ثَلٰثَةِ اَوْجُهٍ اَحْسَنُ الطَّلَاقِ وَ طَلَاقُ السُّنَّةِ و طَلَاقُ البِدْعَةِ فَاَحْسَنُ الطَّلَاقِ اَنْ يُّطَلِّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ تَطْلِيْقَةً وَاحِدَةً فِیْ طُهْرٍ وَاحِدٍ لَمْ يُجَامِعْهَا فيه وَ يَتْرُكُهَا حَتّٰی تَنْقضی عِدَتُهَا وَ طَلَاقُ السُّنَّةِ اِنْ تُطَلِّقَ الْمَدْخُوْلَ بِهَا ثلثاً فِیْ ثلثة اَطْهَارٍ وَ طَلَاقُ البِدْعَةِ اَنْ يُطَلِقَهَا ثَلثاً بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ اَوْ ثَلثاً فِیْ طُهْرٍ وَاحِدٍ فَاذَا فَعلَ ذَالك وَقَعَ الطَّلَاقُ وَ بَانَتْ اِمْرأته مِنْهُ وَ كَانَ عَاصِياً

ترجمہ : طلاق تین قسموں پر ہے، احسن الطلاق، طلاق سنت، طلاق بدعت۔ طلاق احسن یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کو ایک طلاق ایسے طہر کے زمانہ میں دے کہ اس میں اس نے اس عورت سے جماع نہ کیا ہو اور (ایک طلاق کے بعد) اس کو چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔ اور طلاق سنت یہ ہے کہ اپنی مدخول بہا (زوجہ) کو تین طلاق تین طہروں میں دیا جائے اور طلاق بدعت یہ ہے کہ (مرد) اس عورت کو ایک کلمہ سے تین طلاق دے یا ایک طہر میں تین طلاق دے اور جب اس نے یہ کرلیا تو اب طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کی بیوی اس سے بائنہ ہو جائے گی اور شوہر گنہگار ہوگا۔

تشریح : اس مذکورہ عبارت میں طلاق کی تقسیم کو بیان کیا گیا ہے طلاق کی تین قسمیں ہیں (۱) طلاق احسن (۲) طلاق سنی (۳) طلاق بدعی۔ ہر ایک کی تعرف او پر گزر چکی ہے طلاق سنی کی دو قسمیں ہے (۱) سنی من حیث العدد (۲) سنی من حیث الوقت۔

واضح ہو کہ طلاق حسن واحسن یہ طلاق سنی کی قسم ہے اور طلاق سنی پر طلاق حسن کا بھی اطلاق ہوتا ہے۔ اور طلاق کا احسن ہونا یہ سنی وبدعی کے لحاظ سے ہے، اس اعتبار سے نہیں کہ طلاق فی نفسہ احسن ہے ورنہ یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ طلاق تو ابغض المباحات ہے یعنی جو چیزیں جائز ہیں ان میں طلاق سب سے زیادہ مبغوض ہے لہٰذا طلاق کیسے احسن ہو گئی ہے۔

صحابہ کرامؓ کو طلاق احسن پسند تھی کیونکہ اس میں شوہر کے لئے تدارک کی گنجائش زیادہ ہے۔ اور تین طلاق کے بعد تدارک قبضہ سے باہر ہو جاتا ہے اور جس چیز میں تدارک کی گنجائش باقی رہتی ہے عند اللہ مستحسن ہے ارشاد باری ہے فلعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً۔ اور اس صورت میں عورت کو نقصان کم پہونچے گا کیونکہ ایک طلاق کی صورت میں عورت پر عدت لمبی نہیں ہوگی۔

طلاق احسن کی عدم کراہت متفق علیہ ہے اور طلاق حسن کے متعلق امام مالکؒ کا اختلاف ہے امام مالک کے نزدیک طلاق حسن، طلاق بدعت ہے اور صرف ایک طلاق مباح ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ہر طلاق مباح ہے۔

طلاق بدعت احناف کے نزدیک حرام ہے لیکن اگر ایسا کر دیا گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت کے لئے حرمت غلیظہ ثابت ہوگی اور شوہر گنہگار ہوگا۔

وَ السُّنَّةُ فِی الطَّلاَقِ مِنْ وَجهَیْنِ سُنَّةٌ فِی الوَقْتِ وَ سُنَّةٌ فِی العَدَدِ فَالسُّنَّةُ فِی العَدَدِ یَسْتَوِیْ فِیْهَا المَدْخُوْلُ بِهَا وَ غَیْرُ المدْخُوْل بِهَا وَ السّنة فِی الوَقْتِ تَثْبُتُ فِی حَقِ المَدْخُوْلِ بِها خَاصَّةً وَ هُوَ اَنْ یُطَلِّقَهَا وَاحِدَةً فِیْ طُهْرٍ لَمْ یُجَامِعْهَا فِیْهِ وَ غَیْرُ المَدْخُوْلِ بِهَا اَنْ یُطَلِّقَهَا فِیْ حَالِ الطُّهْرِ وَ الحَیْضِ وَ اِذَ کَانَتِ المَرْأةُ لَا تَحِیْض مِنْ صِغْرٍ اَوْ کِبرٍ فَارَادَ اَنْ یُطَلِّقَهَا لِلسُّنَّةِ طَلَّقَهَا واحِدَةً فَاِذاَ مضیٰ شَهْرٌ طَلَّقَهَا اُخریٰ فَاِذَا مَضیٰ شَهْرٌ طَلَّقَهَا اُخریٰ وَیَجُوزُ اَنْ یُّطَلِّقَهَاوَ لَا یَفْصِلُ بَیْنَ وَطِئِهَا وَ طَلَاقِهَا بِزَمَانٍ وَطَلَاقُ الحَامِلِ یَجُوزُعَقِیْبَ الجماعِ وَ یُطَلِّقُهَا للسُّنَّةِ ثلثاً یَفْصِلُ بَیْنَ کُلِّ تَطْلِیقَتَیْنِ بِشَهْرٍ عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَةَ وَاَبِی یُوْسُفَ رحِمَهُما اللہ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللہُ لَا یُطَلِّقُهَا لِلسَّنَّةِ الّا وَاحِدَةً۔

ترجمہ: اور طلاق میں سنت دو طریقے سے ہے سنت فی الوقت اور سنت فی العدد۔ پس سنت فی العدد میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں برابر ہیں اور سنت فی الوقت خاص کر مدخول بہا کے حق میں ثابت ہوگی اور (اس کی صورت) یہ ہے عورت کو ایک طلاق ایسے طہر میں دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو۔ اور غیر مدخول بہا (کو طلاق دینے کی صورت یہ ہے کہ اس) کو حالت طہر یا حالت حیض میں طلاق دے۔ اور اگر عورت کو حیض نہیں آتا ہے بچپن کی وجہ سے یا زائد عمر ہونے کی وجہ سے اور اس کو طلاق سنت دینے کا ارادہ کرے تو اس کو طلاق دے اور جب ایک ماہ گزر جائے تو اس کو دوسری طلاق دے پھر جب ایک ماہ گزر جائے تو اس کو دوسری (تیسری) طلاق دیدے۔ اور (یہ بھی) جائز ہے کہ اس کو طلاق دے اور اس کی وطی اور طلاق کے درمیان کسی زمانہ کا فصل نہ کرے اور حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے اور حاملہ

عورت کو سنت کے موافق تین طلاق دے اور ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک ماہ کا فصل کرے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس کو طلاق نہ دے سنت کے موافق مگر ایک طلاق۔

تشریح : والسنة فی الطلاق...... الطهر والحیض : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ سنت فی الطلاق کی دو قسمیں ہیں (۱) سنت فی الوقت (۲) سنت فی العدد۔ جو طلاق احسن طریقہ پر دی جاتی ہے اگر اس میں وقت کا لحاظ رکھا جائے تو یہ طلاق سنت فی الوقت ہوگی اور اگر تعداد کا لحاظ رکھا جائے تو طلاق سنت فی العدد ہوگی۔ طلاق سنت فی العدد میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں برابر ہیں اس میں عورت کو ایک طہر میں ایک طلاق دیجاتی ہے اور سنت فی الوقت بالخصوص مدخول بہا کیلئے ہوتی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ مرد عورت کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو اور غیر مدخول بہا کو طلاق دینے کی صورت یہ ہے کہ اس کو طہر اور حیض کے زمانے میں طلاق دیدے۔ حضرت امام زفرؒ کے نزدیک غیر مدخول بہا کو حالت حیض میں طلاق دینا مکروہ تحریمی ہے۔ امام مالک کی بھی ایک روایت ایسی ہی ہے۔ احناف کے نزدیکؒ جائز ہے۔

واذا كانت المرأة طلقها اخرى : مسئلہ:۔ اگر کسی عورت کو حیض نہ آتا ہو خواہ کم عمر ہونے کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے اور اس کا شوہر اس کو بطریق سنت طلاق دینا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس عورت کو تین طلاق دے اور ہر طلاق کے بعد ایک ماہ کا فاصلہ رکھے یعنی پہلے ایک طلاق دے جب ایک ماہ گزر جائے تو دوسری طلاق دے اور جب ایک ماہ گزر جائے تو تیسری طلاق دے کیونکہ اس قسم کی عورتوں میں حیض کے قائم مقام ہے۔

ویجوز ان یطلقها ...... بزمان : مسئلہ۔ اگر صغیرہ اور آیسہ کو طلاق دے دیا جائے اور طلاق اور وطی کے درمیان زمانہ کا کوئی فصل نہ کیا جائے تو بالاتفاق جائز ہے البتہ امام زفر کے نزدیک وطی اور طلاق کے درمیان ایک ماہ کا فصل ضروری ہے۔

وطلاق الحامل الخ : مسئلہ حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے یعنی اگر حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دیدے اور جماع اور طلاق کے درمیان کسی زمانہ کا کوئی فصل نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر حاملہ عورت کو بطریق سنت تین طلاق دینے کا ارادہ کرے تو حضرات شیخین کے نزدیک ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک ماہ کا فصل کرے اور حضرت امام محمد کے نزدیک حاملہ عورت کے لئے طلاق سنت صرف ایک طلاق ہے حضرت امام زفرؒ اور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہ قول ہے۔

> وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهُ فِیْ حَالِ الْحَیْضِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَ یَسْتَحِبُّ لَهُ اَنْ یُّرَاجِعَهَا فَاِذَا طَهُرَتْ وَحَاضَتْ ثُمَّ طَهُرَتْ فَهُوَ مُخَیَّرٌ اِنْ شَاءَ طَلَّقَهَا وَ اِنْ شَاءَ اَمْسَکَهَا وَ یَقَعُ طَلَاقُ کُلِّ زَوْجٍ اِذَا کَانَ عَاقِلًا بَالِغًا وَ لَا یَقَعُ طَلَاقُ الصَّبِیِّ وَ الْمَجْنُوْنِ وَالنَّائِمِ وَ اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِاِذْنِ مَوْلَاهُ وَ طَلَّقَ وَقَعَ طَلَاقُهُ وَلَا یَقَعُ طَلَاقُ مَوْلَاهُ عَلٰی اِمْرَأَتِهٖ.

ترجمہ : اور اگر کسی نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور مرد کے لئے مستحب ہے کہ عورت سے مراجعت کرلے اب اگر وہ (حیض سے) پاک ہو جائے پھر اس کو حیض آجائے اس کے بعد پاک ہو جائے تو مرد کو اختیار ہے چاہے تو اس کو طلاق دیدے اور چاہے تو اس کو روک لے اور ہر شوہر کی طلاق واقع ہو جاتی ہے

بشرطیکہ عاقل اور بالغ ہو اور بچہ، مجنون اور سونے والے کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر غلام نے اپنے مولا کی اجازت سے شادی کرلی پھر طلاق دیدی تو اس کی (دی ہوئی) طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کے مولا کی اس کی بیوی پر واقع نہیں ہوگی۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے مذکور ہیں۔

واذا طلق الرجل ...... ان یراجعها : مسئلہ (۱) اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائے گی مگر مرد کے لئے مستحب یہ ہے کہ اپنی بیوی سے مراجعت کرلے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ رجعت کو مستحب قرار دیتے ہیں لیکن صحیح قول یہ ہے کہ رجعت واجب ہے کیونکہ حالت حیض میں طلاق دینا معصیت ہے اور معصیت کا اٹھانا واجب ہے چونکہ نفس طلاق کو اٹھانا ناممکن ہے اس لئے کم از کم اس کے اثر کو اٹھالیا جائے اور طلاق کا اثر عدت ہے لہذا رجعت کر کے عدت کو مرتفع کر دیا جائے۔ اور رجعت اس لئے بھی واجب ہے کہ رجعت کی وجہ سے عورت سے درازی عدت کا نقصان ختم ہو جاتا ہے۔

فاذا طهرت ...... وان شاء امسكها : مسئلہ (۲) حالت حیض میں جو عورت مطلقہ ہوئی تھی اور شوہر نے اس سے مراجعت کرلی تھی اب جب وہ عورت حیض سے پاک ہوگئی پھر وہ دوبارہ حائضہ ہوگئی اور پھر اس دوسرے حیض سے پاک ہوگئی تو اس صورت میں شوہر با اختیار ہے چاہے تو اس دوسرے طہر میں عورت کو طلاق دیدے اور چاہے تو بیوی کو روک لے اور اس کو طلاق نہ دے۔

صاحب قدوری نے جو مسلک ذکر کیا ہے یہ حضرات صاحبین کا ہے اور حضرت امام اعظم اور امام زفرؒ کے نزدیک اگر رجعت کے بعد طلاق دینا چاہے تو جس حیض میں طلاق دی گئی تھی اس کے بعد والے طہر میں طلاق دے سکتا ہے یعنی طہر اول میں طلاق دینے کا اختیار ہے۔

ویقع طلاق کل ...... والنائم : مسئلہ (۳) اگر شوہر عاقل اور بالغ ہے اور اپنی منکوحہ بیوی کو طلاق دیدے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر کوئی بچہ یا دیوانہ یا ایسا شخص جو سویا ہوا ہو وہ طلاق دے تو ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

واذا تزوج العبد الخ : مسئلہ (۴) اس مسئلہ کی نوعیت ترجمہ سے واضح ہے۔

وَالطَّلَاقُ عَلیٰ ضَربَیْنِ صَرِیحٌ وِ كِنَايَةٌ فَالصَّرِيحُ قَوْلُهُ اَنْتِ طَالِقٌ وَ مُطَلَّقَةٌ وَ طَلَّقْتُكِ فَهٰذَا يَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ وَلَا يَقَعُ بِهِ اِلَّا وَاحِدَةٌ وَ اِنْ نَوىٰ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا يَفْتَقِرُ بِهٰذِهِ الْاَلفَاظِ اِلیٰ نِيَةٍ وَقَولُه اِنْتِ الطَّلَاقُ وَاَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقُ وَاَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقاً فَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَةٌ فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَاِنْ نَوىٰ ثِنْتَينِ لَا يَقَعُ اِلَّا وَاحِدَةٌ وَ اِنْ نَوىٰ بِه ثَلَاثاً كَانَ ثلثاً.

ترجمہ : اور طلاق دو قسم پر ہے صریح اور کنایہ پس صریح اس کا قول انت طالقٌ و مُطلقةٌ و طلقتكِ پس ان کلمات سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔ اور اس (مذکورہ تینوں الفاظ) سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی اگرچہ اس سے (ایک سے) زائد کی نیت بھی کرلی ہو اور ان الفاظ صریح میں نیت کی ضرورت نہیں ہے (یعنی بلانیت کے طلاق واقع ہو جائے گی) اور شوہر کا

قول انت الطلاق (تجھکو طلاق) یا انت طالق الطلاق یا انت طالق طلاقاً (تو طلاق والی ہے) پس اگر اس کی کوئی نیت نہ ہو تو ایک طلاق رجعی ہوگی اور اگر دو کی نیت کی تو بھی ایک ہی واقع ہوگی اور اگر ان کلمات سے تین کی نیت کی تو تین طلاق واقع ہوگی۔

طلاق صریحی کا بیان

تشریح : **والطلاق علی ضربین ...... بھذہ الالفاظ الی نیة** : مندرجہ بالا عبارت میں اصل طلاق اور سنی اور بدعی ہونے کے اعتبار سے وصف طلاق کو بیان کیا گیا تھا اور اس عبارت میں من حیث الایقاع طلاق کے انواع واقسام کو بیان کیا جارہا ہے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ طلاق کی دو قسمیں ہیں ایک صریحی اور دوسرے کنائی۔

اس عبارت میں صرف طلاق صریحی کو بین کررہے ہیں اور کنائی کی بحث آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

صریح اس کو کہتے ہیں کہ جس کی مراد بغیر بیان کے واضح ہو کنایہ یہ ہے کہ جس کی مراد بغیر بیان کے واضح نہ ہو طلاق صریحی یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی سے یہ کہے کہ **انت طالق، انت مطلقة، طلقتك**.

یہ الفاظ بوجہ غلبہ استعمال کے طلاق کیلئے مستعمل ہیں۔ ان الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور ان مذکورہ الفاظ سے طلاق دینے والا خواہ ایک سے زائد کی نیت کرے یا بائن کی یا بالکل ہی طلاق کی نیت نہ کرے مگر ہر صورت میں ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق دہندہ جس قدر طلاق دینے کی نیت کرے گا خواہ دو طلاق کی یا تین کی اسی کے مطابق طلاق واقع ہوگی۔ حضرت امام مالکؒ، امام زفرؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے۔

وقولہ انت الطلاق الخ : اس عبارت میں طلاق کے لئے تین الفاظ نقل کئے گئے ہیں طلاق دہندہ ان تینوں صورتوں میں کوئی نیت نہ کرے یا ایک طلاق یا دو طلاق کی نیت کرے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر تین طلاق کی نیت کی تو تین طلاق واقع ہوگی

صاحب قدوری کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر طلاق دینے والا ایسی ترکیب اختیار کرے جس میں خبر مصدر ہو یا تاکید ہو مصدر خواہ نکرہ ہو یا معرفہ جیسے انت الطلاق انت طالق الطلاق، انت طالق طلاقاً تو ان تینوں صورتوں میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی خواہ کوئی نیت نہ کی ہو یا ایک کی یا دو کی نیت کی ہو کیونکہ خلاف صریحی میں نیت کی کوئی ضرورت نہیں ہے البتہ اگر تین کی نیت کی تو تین طلاق واقع ہوگی کیونکہ مصدر اسم جنس ہے اس لئے تمام جنس کا ارادہ ممکن ہے لہٰذا تین فرد حکمی ہے یعنی تین کا عدد طلاق کا فرد کامل ہے اور دو کا عدد طلاق کا نہ فرد حقیقی ہے اور نہ فرد حکمی۔

والضربُ الثانیُ الکنایاتُ ولا یقعُ بھا الطّلاقُ الّا بنیةٍ اَوْ بدلالة حالٍ وھی علیٰ ضربَیْنِ منْھا ثلثة الفاظٍ یقعُ بھا رجعیٌّ ولَایقعُ بھا الّا واحدةٌ و ھی قولُه اعتدیْ واسْتبرِئ رحِمَك و انْتِ واحدةٌ و بقیةُ الکنایاتِ اِذا نویٰ بھا الطّلاقَ کانتْ واحدةً بائنةً وانْ نویٰ ثلثاً کانتْ ثلثاً و انْ نویٰ ثنتیْنِ کانتْ واحدةً وھٰذہٖ مثلُ قولِه انْتِ بائنٌ وبتّةٌ و بتلةٌ و حرامٌ و حبْلُكِ علیٰ غاربكِ و الْحقِیْ باھْلِكِ و خلیّةٌ و بریّةٌ و وھبْتُكِ لاھْلِكِ و

سَرَّحْتُكِ وَ اخْتَارِی وَ فَارَقْتُكِ وَ اَنتِ حُرَّةٌ وَ تَقَنَّعِیْ وَ اسْتَتِری وَ اغْرُبِیْ وَ ابْتَغِی الْاَزْوَاجَ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهٗ نِيَة لَمْ يَقَعْ بِهٰذِهِ الْاَلْفَاظِ طَلَاقٌ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَا فِیْ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ فَيَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ فِیْ الْقَضَائش وَلَايَقَعُ فِيْمَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اِلَّا اَنْ ينويه وَ اِنْ لَمْ يَكُوْنَا فِیْ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ وَ كَانَا فِیْ غَضَبٍ اَوْ خُصُوْمَةٍ وَ قَعَ الطَّلَاق بِكُلِ لَفْظَةٍ لَا يُقْصَدُ بِهِ السَّبُّ وَ الشَّتِيْمَةُ وَ لَمْ يَقَعج بِمَا يُقجصَدُ بِهَا السَّبُ والشَّتِيْمَةُ اِلَّا اَنْ يَّنْوِيَهٗ.

ترجمہ: اور دوسری قسم کنایات ہے اور ان کے ذریعہ طلاق واقع نہیں ہوتی ہے مگر نیت سے یا دلالت حال سے اور یہ دو قسم پر ہیں۔ ان میں سے تین الفاظ ایسے ہیں جن سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ طلاق واقع نہیں ہوتی مگر ایک طلاق۔ وہ الفاظ یہ ہے اعتدی، استبرئ رحمک، انت واحدۃ۔ اور بقیہ کنایات کے کلمات (ایسے ہیں کہ) اگر ان سے طلاق کی نیت کرے گا تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔ اور اگر تین طلاق کی نیت کی تو تین طلاق واقع ہوگی اور اگر دو کی نیت کی تو ایک طلاق واقع ہوگی اور وہ الفاظ یہ ہیں مثلاً انت بائن (تو مجھ سے جدا ہے) وانت بتۃ وبتلۃ (تیرا مجھ سے قطع تعلق ہے) وحرام (تو حرام ہے) وحبلک علی غاربک (تجھے اپنا اختیار ہے) والحقی باہلک (تو اپنے عزیزوں سے جامل) انت خلیۃ (تو بالکل چھوڑ دی گئی) انت بریۃ (تو بالکل بری ہے) ووہبتک لاہلک (تجھکو تیرے عزیزہ کو ہبہ کر دیا) سرحتک (میں نے تجھے چھوڑ دیا) واختاری (خود مختار ہو جاؤ) فارقتک (میں نے تجھکو جدا کر دیا) انت حرۃ (تو آزاد ہے) انت تقنعی (تو چادر اوڑھ لے) واستتری (تو پردہ کر لے) واغربی وابتغی الازواج (وہ دور ہو جا اور شوہروں کو تلاش کر لے) پس اگر اس نے ان کلمات سے طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق واقع نہیں ہوگی مگر یہ کہ زوجین طلاق کے مذاکرہ میں ہوں تو (ایسی صورت میں) ان کلمات سے قضاء (حکماً) طلاق واقع ہو جائے گی مگر بین العبد و بین اللہ طلاق واقع نہیں ہوگی مگر یہ کہ طلاق کی نیت کر لے اور اگر زوجین مذاکرہ طلاق میں نہ ہوں بلکہ دونوں غصہ یا جھگڑے کی حالت میں ہوں تو طلاق ہر اس کلمہ سے واقع ہو جائے گی جس سے گالی گفتار مقصود نہ ہو اور ہر اس کلمہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی جس سے گالی گفتار مقصود ہو مگر یہ کہ اس سے طلاق کی نیت کر لے۔

طلاق کنائی

حل لغات: اعتدی: عدت کے دن گزار۔ استبرئ: رحم صاف کر۔ بائن: اسم فاعل ہے بینونۃ سے ماخوذ ہے۔ جدائی۔ بت و بتل: دونوں کے معنی کاٹنا ہے اور دونوں باب (ن،ض) سے ہیں۔ حبلك علی غاربك: تیری رسی تیری گردن پر ہے عرب کا طریقہ ہے کہ جب اونٹنی کو چھوڑتے ہیں تو اس کی گردن پر رسی ڈال دیتے ہیں۔ اسی طریقہ پر یہاں بھی تخلیہ سے استعارہ ہے۔ خلیۃ: یہ خلوء سے ماخوذ ہے۔ از نصر، خالی ہونا، چھوڑنا۔ سرحت۔ مصدر تسریح: باب تفعیل سے۔ آزاد کرنا، چھوڑنا۔ تقنعی: باب تفعیل سے ہے قناع سے ماخوذ ہے تقنعت المرأۃ بالقناع: دوپٹہ اوڑھنا۔ اغربی: فعل امر، غرب (ن) عروباً۔ دور ہونا۔ السب: گالی۔ الشتیمۃ: گالی۔

تشریح: والضرب الثانی ...... بدلالۃ حال: اس عبارت سے صاحب قدوری طلاق کی دوسری

قسم طلاق کنائی کو بیان کر رہے ہیں اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ طلاق کنائی بلا نیت یا بلا دلالت حال کے واقع نہیں ہوتی کیونکہ طلاق کنائی کے الفاظ طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتے ہیں اس لئے کسی ایک تعیین کیلئے کسی مرجح کی ضرورت ہوگی اور وہ مرجح یا تو نیت ہوگی یا دلالت حال۔

وھی علی ضربین...... انت واحدة : کنایہ کی دو قسمیں ہے ایک قسم یہ ہے کہ اس سے طلاق رجعی واقع ہو۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اس سے طلاق بائنہ واقع ہو۔ پہلی قسم کے تین الفاظ ہیں اور ان کلمات سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں (۱) اعتدی (۲) اسبترئ رحمك (۳) انت واحدة، یہ تینوں کلمات اپنے اندر دو احتمال رکھتے ہیں چنانچہ پہلا کلمہ اعتدی کا ایک معنی یہ ہے کہ تم عدت شمار کرو۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو۔ دوسرا کلمہ استبرئ رحمک۔ اس کلمہ میں بھی دو مفہوم کا احتمال ہے پہلا مفہوم یہ ہے کہ تم اپنے رحم کو صاف کرو کیونکہ تم مطلقہ ہوگئی ہو یعنی تم عدت گزارو۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تم حیض سے رحم کو صاف کرو تا کہ تم کو بطریق سنت طلاق دے دوں۔ تیسرا کلمہ انت واحدة: یہ کلمہ بھی دو مفہوم کا احتمال رکھتا ہے پہلا مفہوم یہ ہے کہ واحدة کو مصدر محذوف کی صفت بنا دی جائے یعنی **تطليقة واحدة** تو ایک طلاق والی ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ شوہر بیوی کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے کہ تو میرے نزدیک زمانہ میں یکتا ہے یا اپنی برادری اور قوم میں یکتا ہے یعنی تجھ جیسی کوئی عورت نہیں ہے۔ **الحاصل** یہ تینوں کلمات دو مفہوم کا احتمال رکھتے ہیں مگر مذاکرہ طلاق کی دلالت بتاتی ہے کہ شوہر کی مراد طلاق ہے اور اس کلام سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اعتدی اور استبرئ رحمک میں انت طالق اقتضاء ثابت ہے اور انت واحدة میں طلاق مقدر ہے لیکن اگر انت طالق یا تطلیقۃ ظاہر ہوتا تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور جب طلاق مقدر ہے تو بدرجۂ اولیٰ ایک طلاق واقع ہوگی۔

''واحدة'' اعراب کے اعتبار سے منصوب یا مرفوع یا بالسکون پڑھا جائے بہر صورت طلاق واقع ہو جائے گی یہی قول صحیح ہے۔ عوام الناس اس میں فرق نہیں کرتی ہے۔ اور بعض مشائخ کا قول ہے کہ اگر واحدة منصوب ہے تو طلاق بلا نیت کے واقع ہو جائے گی اور اگر مرفوع ہے تو نیت کرنے کے باوجود طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر بالسکون پڑھا جائے تو وقوع طلاق کے لئے نیت کرنے کے باوجود طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر بالسکون پڑھا جائے تو وقوع طلاق کیلئے نیت کی ضرورت ہوگی۔

وبقية الكنايات ...... بهذه الالفاظ طلاق : یہاں سے صاحب قدوری کنایات کی دوسری قسم بیان کر رہے ہیں کنایات کے مذکورہ تین الفاظ کے علاوہ بقیہ الفاظ کنایہ سے صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔ اگر تین کی نیت کی تو تین طلاق واقع ہوگی اور اگر دو کی نیت کی تو اس صورت میں ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ اس عبارت میں کنایہ کے جتنے الفاظ بیان کئے گئے ہیں ان سب میں طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال ہے اس لئے معنی طلاق کی تعیین کے لئے نیت ضروری ہے یہ احناف کا مسلک تھا امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق تمام الفاظ کنائی سے طلاق رجعی ہی واقع ہوگی۔

الا ان یکونا...... الا ان ینویه : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ کنایہ سے طلاق بلا نیت کے واقع نہیں ہوگی البتہ زوجین کے درمیان طلاق کی گفتگو چل رہی تھی شوہر نے اسی مذاکرہ کے دوران بیوی کو کسی لفظ کنایہ سے مخاطب کیا تو

ایسی صورت میں وقوع طلاق کے لئے نیت ضروری نہیں ہے بلکہ بلانیت قضاء طلاق واقع ہو جائے گی مگر دیانۃ فیما بین العبد وبین اللہ بلانیت طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وان لم یکونا ...... الا ان ینویه : صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ صاحب قدوری نے جو مذاکرہ طلاق کی حالت میں وقوع طلاق بلانیت کے متعلق تمام کنایہ کے الفاظ کو مساوی قرار دیا ہے ایسا نہیں ہے بلکہ یہ حکم صرف ان الفاظ کے لئے ہے جن میں طلاق رد کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔اس سلسلے میں تفصیلی تحقیق یہ ہے کہ زوجین کے حالات تین قسم کے ہیں (۱) مطلق رضامندی کی حالت (۲) مذاکرۂ طلاق کی حالت یعنی عورت اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کر رہی ہے یا کوئی دوسرا شخص اس عورت کے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کر رہا ہے (۳) غصہ کی حالت یعنی جانبین سے غصہ کے انداز میں گفتگو چل رہی ہے۔اسی طرح کنائی الفاظ کی تین قسمیں ہیں۔(۱) وہ الفاظ جن میں جواب اور رد دونوں مفہوم ہوں یعنی عورت کی جانب سے مطالبۂ طلاق کا جواب بھی بن سکے اور اس کے کلام کا رد بھی۔جیسے تقنعی، استتری، اغربی۔(۲) وہ الفاظ جن میں گالم گلوچ کی صلاحیت بھی ہو اور جواب بھی بن سکتے ہوں، جیسے خلیہ، بریۃ، حرام، بائن بتۃ، بتلۃ، (۳) وہ الفاظ جن میں نہ تو مطالبۂ طلاق کا رد ہو اور نہ ان میں سب وشتم کی صلاحیت ہو البتہ جواب بننے کی صلاحیت ہو۔جیسے **اعتدی، استبرئ رحمك، انت واحدة، انت حرة، اختاری، سرحتك، فارقتك۔**

الحاصل اگر زوجین رضا کی حالت میں ہیں تو کنایات کی تینوں قسم میں طلاق کا مدار نیت پر ہے اور اگر غضب کی حالت میں ہیں تو کنایات کی پہلی اور دوسری قسم میں طلاق کا مدار نیت پر ہے اور اگر مذاکرہ طلاق کی حالت میں ہیں تو اس صورت میں پہلی قسم کے کنایات کا مدار نیت پر ہے۔

صاحب قدوری کی عبارت **وان لم یکونا فی مذاکرة الخ** کا مطلب یہ ہے کہ اگر زوجین مذاکرہ طلاق کی حالت میں نہیں ہیں بلکہ غصہ یا جھگڑے کی حالت میں ہیں تو ایسی صورت میں طلاق ہر ایسے لفظ سے واقع ہو جائے گی جن سے گالی گلوچ مقصود نہ ہو یا جن الفاظ میں سب وشتم کی صلاحیت نہ ہو اور ایسے کلمات جن سے گالم گلوچ مقصود ہو ان کلمات سے طلاق اسی وقت واقع ہوگی جب کہ اس کی نیت کی جائے۔

> وَ اِذَا وَصَفَ الطَّلَاقَ بِضَرْبٍ مِنَ الزِّيَادَةِ كَانَ بَائِناً مِثْلَ اَنْ يَقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ وَ اَنْتِ طَالِقٌ اَشَدَّ الطَّلَاقِ اَوْ اَفْحَشَ الطَّلَاقِ اَوْ طَلَاقَ الشَّيْطَانِ اَوْ طَلَاقَ الْبِدْعَةِ اَوْ كَالْجَبَلِ اَوْ مَلأَ الْبَيْتِ.

ترجمہ : اور اگر طلاق کو کسی وصف زائد کے ساتھ متصف کر دیا تو طلاق بائن ہوگی مثلاً یوں کہے انت طالق بائن (تو بائنہ طلاق والی ہے) انت طالق اشد الطلاق (تو بہت سخت طلاق والی ہے) افحش الطلاق (تو بدترین طلاق والی ہے) طلاق الشیطان (تجھ پر شیطان کی طلاق ہے) طلاق البدعۃ (تجھ پر بدعت کی طلاق ہے) او کالجبل (تجھ پر پہاڑ کے برابر طلاق ہے) اوملأ البیت (تجھ پر گھر بھرنے کے مثل طلاق ہے)۔

تشریح : واذا وصف الطلاق الخ : مسئلہ (۱) اگر کوئی شخص طلاق کو زیادت یا شدت کے کسی وصف

کے ساتھ متصف کر دیتا ہے مثلاً اپنی بیوی کو کہتا ہے کہ انت طالق بائن الخ تو متن میں ذکر کردہ تمام صورتوں میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی البتہ اگر کسی نے ان مذکورہ کلمات استعمال کر کے تین کی نیت کی تو تین طلاق واقع ہوگی۔

مسئلہ (۲):۔ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق کالجبل یامثل الجبل تو حضرات طرفینؒ کے نزدیک ایک طلاق بائن ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک طلاق رجعی ہوگی۔

وَاِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلیٰ جُمْلَتِهَا اَوْ اِلیٰ مَا يُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْجُمْلَةِ وَقَعَ الطَّلَاقُ مِثْلَ اَنْ يَقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ اَوْ رَقَبَتُكِ طالق اَوْ عُنُقُكِ طَالِقٌ اَوْ رُوْحُكِ اَوْ بَدَنُكِ اَوْ جَسَدُكِ اَوْ فَرْجُكِ اَوْ وَجْهُكِ وَكَذٰلِكَ اِنْ طَلَّقَ جُزْءً شَايِعاً مِثْلَ اَنْ يَقُوْلَ نِصْفُكِ اَوْ ثُلُثُكِ طَالِقٌ وَ لَوْ قَالَ يَدُكِ اَوْ رِجْلُكِ طَالِقٌ لَا يَقَعُ الطَّلَاقُ وَ اِنْ طَلَّقَهَا نِصْفَ تَطْلِيْقَةٍ اَوْ ثُلُثَ تَطْلِيْقَةٍ كَانَتْ تَطْلِيْقَةً وَاحِدَةً وَ طَلَاقُ الْمُكْرَهِ وَ السُّكْرَانِ وَاقِعٌ وَ يَقَعُ الطَّلَاقُ اِذَا قَالَ نَوَيْتُ بِهِ الطَّلَاقَ وَ يَقَعُ طَلَاقُ الْاَخْرَسِ بِالْاِشَارَةِ.

ترجمہ: اگر طلاق کو عورت کے کل کی طرف منسوب کیا یا اس جزء کی طرف منسوب کیا جس سے کل کو تعبیر کیا جاتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً یوں کہے انت طالق (تو طلاق والی ہے) یا کہے رقبتک طالق (تیری گردن طلاق والی ہے) یا کہے تیری روح کو یا تیرے بدن کو، یا تیرے جسم کو یا تیری شرمگاہ کو یا تیرے چہرے کو طلاق ہے، اسی طرح اگر جزء شائع (ایسے جزء بدن کو جس کا تعلق تمام جسم کے ساتھ ہے) کو طلاق دیدی (تو طلاق ہو جائے گی) مثلاً یوں کہے نصفک طالق یا ثلثک طالق۔ (تیرا نصف طلاق والا یا تیرا ثلث طلاق والا ہے) اور اگر اس نے کہا یدک اور جلک طالق (تیرا ہاتھ یا تیرا پاؤں طلاق والا ہے) تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور اگر اس کو طلاق دی ایک طلاق کا نصف یا ایک طلاق کا ثلث تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ مجبور کئے گئے شخص کی طلاق، نشے میں مست شخص کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اور طلاق واقع ہو جاتی ہے اگر کسی نے (کچھ کہہ کر) کہا کہ میں نے اس سے طلاق کی نیت کی ہے۔ اور گونگے کی طلاق اشارہ سے واقع ہو جاتی ہے۔

تشریح: اس عبارت میں الفاظ طلاق کے قوانین اور پانچ مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

واذا اضاف الطلاق ...... لم يقع الطلاق: اس پوری عبارت میں تین قانون بیان کئے گئے ہیں اور اس کو مثال سے واضح کیا گیا ہے۔ (۱) اگر طلاق کو عورت کے کل حصہ بدن کی طرف منسوب کر دیا جائے جیسے انت طالق یا ایسے جزء بدن کی طرف منسوب کر دیا جائے جس سے کل عورت کو تعبیر کیا جاتا ہے جیسے رقبتك ...... وجهك تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ (۲) اگر لفظ طلاق کو جزء شائع یعنی بدن کے ایسے جزء غیر معین کی طرف منسوب کیا جائے جس کا تعلق تمام جسم سے ہو جیسے ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے نصفک طالق یا ثلثک طالق تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر طلاق کو بدن کے جزء معین کی طرف منسوب کیا جائے جس سے عورت کے تمام بدن کو تعبیر نہیں کیا جاتا ہے جیسے یدك، رجلك طالق وغیرہ۔ تو ایسی صورت میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ احناف کے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک طلاق واقع نہیں

ہوگی۔ حضرت امام زفرؒ، امام مالک، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک طلاق واقع ہوگی۔

وان طلقها ...... تطلیقة واحدة : مسئلہ (۱)۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو نصف طلاق دیدی یا ثلث طلاق دیدی تو ایسی صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی۔

طلاق المکره : مسئلہ (۲)۔ اگر کسی کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور اس نے واقعۃً مجبور ہو کر اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو احناف کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی حضرت امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی۔

السکران واقع : سکران سے مراد ایسا شخص ہے جو اسقدر نشہ کی حالت میں ہو کہ زمین وآسمان کا فرق نہ کر سکے۔ مسئلہ (۳): اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو احناف کے نزدیک طلاق واقع ہوگی۔ امام کرخی اور امام طحاوی کا پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ طلاق واقع نہ ہو۔ حضرت امام شافعیؒ کا بھی ایک قول ہے امام احمدؒ کا بھی ایک قول ہے۔ بعض مشائخ نے اسی قول پر فتوی دیا ہے مگر اکثر مشائخ کے قول کے مطابق فتوی وقوع طلاق پر ہے عصر حاضر میں علماء دیوبند و مظاہر علوم کا فتوی بھی وقوع پر ہے۔ اگر عدم وقوع کا فتوی دے دیا جائے تو بہت سے لوگ غلط فائدہ اٹھاتے اور عورتوں کو پریشان کرتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل ہورا ہے کہ مرد طلاق دیتا ہے اور اس سے طلاق دینے کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نشہ کی حالت میں جو سراسر کذب پر مبنی ہوتا ہے۔

ویقع الطلاق ...... به الطلاق : مسئلہ (۴):۔ یہ مسئلہ بالکل واضح ہے۔

ویقع الطلاق الاخرس بالاشارة : مسئلہ (۵):۔ اگر گونگا شخص اشارہ سے اپنی بیوی کو طلاق دیدیتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی خواہ کتابت پر قدرت رکھتا ہو یا نہیں۔ بعض شوافع کے نزدیک اگر گونگا کتابت پر قادر ہے تو اشارہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وَ اِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلَى النِّكَاحِ وَقَعَ عَقِيْبَ النِّكَاحِ مِثْلَ اَنْ يَقُوْلَ اِنْ تَزَوَّجْتُكِ فَاَنْتِ طَالِقٌ اَوْ قَالَ كُلُّ اِمْرَأَةٍ اَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ طَالِقٌ وَ اِذَا اَضَافَهُ اِلَى شَرْطٍ وَقَعَ عَقِيْبَ الشَّرْطِ مِثْلَ اَنْ يَقُوْلَ لِاِمْرَأَتِهِ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَ لَا يَصِحُّ اِضَافَةُ الطَّلَاقِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ الْحَالِفُ مَالِكاً اَوْ يُضِيْفَهُ اِلَى مِلْكِهِ فَاِنْ قَالَ لِاَجْنَبِيَّةٍ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَدَخَلَتِ الدَّارَ لَمْ تُطَلَّقْ

ترجمه : اور اگر طلاق کو نکاح کی جانب منسوب کر دیا تو (طلاق) نکاح کے بعد واقع ہوگی مثلاً یہ کہے کہ اگر میں نے تم سے شادی کی تو تمکو طلاق ہے یا یہ کہے کہ ہر عورت جس سے بھی میں شادی کروں اسے طلاق ہے اور اگر طلاق کو شرط کی جانب منسوب کر دیا تو (طلاق) شرط کے بعد واقع ہوگی۔ مثلاً کوئی اپنی بیوی سے یوں کہے کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تمکو طلاق ہے اور طلاق کو منسوب کرنا درست نہیں ہے مگر یہ کہ قسم کھانے والا شخص مالک ہو یا طلاق کو اپنی ملک کی طرف منسوب کرے۔ پس اگر کسی اجنبیہ سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھ کو طلاق ہے پھر اس سے نکاح کیا اور گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تعلیق بالشرط کا بیان

تشریح : واذا اضاف الطلاق...... فهی طالق: اس عبارت میں تین مسئلے ہیں
مسئلہ (۱) اگر طلاق کی اضافت نکاح کی طرف کردی گئی تو طلاق نکاح کے بعد واقع ہوگی مثلاً کسی نے کسی اجنبی عورت سے کہا ان تزوجتک فانت طالق یعنی اگر میں نے تم سے نکاح کرلیا تو تم کو طلاق ہے۔
مسئلہ (۲) اگر کسی نے کہا کہ جس عورت سے میں نے نکاح کیا اس کو طلاق ہے تو اس عورت کو نکاح کے بعد طلاق پڑ جائے گی۔
واذا اضافه...... فانت طالق : مسئلہ (۳) اگر طلاق کی اضافت کسی شرط کی جانب کی تو شرط کے پائے جانے پر طلاق واقع ہوجائے گی البتہ اس صورت میں ملکیت کا ہونا ضروری ہے مثلاً کوئی اپنی بیوی سے کہے ان دخلت الدار فانت طالق تو اگر بیوی گھر میں داخل ہوجائے گی تو طلاق واقع ہوجائے گی یعنی وجود شرط پر طلاق کا مدار ہے امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے۔
ولا یصح اضافة الطلاق الخ : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ طلاق کی اضافت کے لئے شرط یہ ہے کہ حالف (قسم کھانے والا) بذات خود مالک ہو یا ملک کی جانب منسوب کرے اور وہ آئندہ مالک ہوجائے چنانچہ اگر کسی نے کسی اجنبیہ سے کہا ان دخلت الدار فانت طالق اس کے بعد اس سے نکاح کرلیا پھر وہ گھر میں داخل ہوگئی تو یہ عورت مطلقہ نہیں ہوگی کیونکہ نہ تو وجود ملک ہے اور نہ ملک کی طرف منسوب ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ملک کی طرف نسبت کرنے کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس شخص نے عورت کا نام ونسب یا قبیلہ کا نام ذکر کردیا مثلاً حمیدہ بنت شاکر بن احمد کہا یا حمیدہ ہاشمیہ یا قرشیہ کہا تو اس صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر ایسا نہیں کہا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وَ اَلْفَاظُ الشَّرط اِنْ و اِذَا وَاِذَامَا و كُلُّ و كُلَّمَا ومَتىٰ و مَتىٰ ما فَفِىْ كُلِّ هٰذه الْاَلْفَاظِ اِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ اِنْحلَّتِ اليَمِيْنُ وَوَقعَ الطَّلَاقُ اِلّا فِىْ كُلَّما فَاِنَّ الطَّلَاقَ يَتكَرَّرُ بِتكرُّرِ الشَرْطِ حَتىٰ يَقعَ ثلث تَطْلِيْقَاتٍ فَاِنْ تزوَّجهَا بَعْدَ ذَالِكَ وَتكَرَّرَ الشَّرْطُ لَمْ يَقعْ شئٌ وَ زَوَالُ المِلْكِ بَعْدَ اليَمِيْنِ لَا يُبْطِلُهَا فَاِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ فِىْ مِلْكِهٖ اِنْحلَّتِ اليَمِيْنُ وَ وَقعَ الطَّلَاقُ وَ اِنْ وُجِدَ فِىْ غَيْرِ مِلْكٍ اِنْحلَّتِ اليَمِيْنُ وَ لَمْ يَقعْ شئٌ.

ترجمه : اورشرط کے الفاظ ان، اذا، اذا ما، کل، کلما، متی اور متی ما ہیں، پس ان تمام الفاظ میں اگر شرط پائی گئی تو قسم پوری ہوجائے گی اور طلاق واقع ہوجائے گی مگر (لفظ) کلما میں کہ اس میں طلاق، شرط کے مکرر ہونے سے مکرر ہوگی یہاں تک کہ تین طلاقیں واقع ہوجائیں اور اگر پھر اس (طلاق) کے بعد اس سے شادی کرلی اور شرط کا تکرار ہوا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور ملک کا زائل ہوجانا یمین کے بعد، یمین کو باطل نہیں کرتا۔ اب اگر شرط ملک میں پائی جائے گی تو قسم پوری ہوجائے گی اور طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر (شرط) غیر ملک میں پائی گئی تو قسم پوری ہوجائے گی البتہ کچھ بھی واقع نہیں ہوگا۔

تشریح : والفاظ الشرط ...... لم یقع شیٔ : صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ جتنے بھی الفاظ شرط بیان کئے جارہے ہیں اگر ان کا تحقق ہو جائے تو قسم پوری ہو جائے گی۔ اور قسم کے پورے ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ متن میں بیان کئے گئے الفاظ شرط عمومیت کا تقاضا نہیں کرتے البتہ لفظ کلما ان تمام سے مستثنیٰ ہے یہ عمومیت اور تکرار چاہتا ہے چنانچہ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ایک مرتبہ پائے جانے سے قسم پوری نہیں ہوتی بلکہ قسم کے پورا ہونے کے لئے تین مرتبہ شرط کا پایا جانا ضروری ہے۔ لہٰذا طلاق شرط کے مکرر ہونے سے مکرر ہوگی یعنی ہر مرتبہ طلاق واقع ہوگی حتی کہ تین مرتبہ اس طلاق کا تحقق ہو جائے۔ اب اگر کوئی شخص یوں کہے کلما تزوجت امرأۃ فہی طالق تو وہ جب بھی نکاح کرے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

وزوال الملک الخ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ قسم کے پورا ہونے کے بعد ملک زائل ہونے سے قسم باطل نہیں ہوتی ہے چنانچہ اگر ملک میں شرط پائی جاتی ہے تو قسم پوری ہو جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے کہا ان دخلت الدار فانت طالق پھر اس کو ایک یا دو طلاق بائن دی اب اس طلاق کے بعد اس کے ملکیت زائل ہو چکی تھی پھر اس عورت نے کسی دوسرے سے نکاح کیا اس کے بعد دوبارہ زوج اول کے عقد میں آگئی اور گھر میں داخل ہوگئی تو اب تعلیق بالشرط پائی گئی لہٰذا طلاق بھی واقع ہوگی اور قسم پوری ہو جائے گی۔

اور اگر شرط غیر ملک میں پائی گئی تو قسم پوری ہو جائے گی مگر طلاق واقع نہیں ہوگی بحث کا حاصل یہ ہے کہ قسم تو بہر صورت پوری ہو جائے گی مگر وقوع طلاق کے لئے شرط یہ ہے کہ شرط ملک میں پائی جائے۔

وَ اِذَا اخْتَلَفَا فِیْ وُجُوْدِ الشَّرْطِ فَالقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ فیه اِلّا اَنْ تُقِیْمَ الْمَرْأَةُ الْبَیِّنَةَ فَاِنْ کَانَ الشَّرْطُ لَا یُعْلَمُ اِلّا مِنْ جِهَتِهَا فَالقَوْلُ قَوْلُهَا فِیْ حَقِّ نَفْسِهَا مِثْل اَنْ یَقُوْلَ اِنْ حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَقَالَتْ قَدْ حِضْتُ طُلِّقَتْ وَ اِنْ قَال لَهَا اِذَا حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَ فُلَانَةٌ مَعَكِ فَقَالَتْ قَدْ حِضْتُ طُلِّقَتْ هِیَ وَلَمْ تطَلَّقْ فُلَانَةٌ وَاِذَا قَالَ لَهَا اِذَا حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فرأَتِ الدَّمَ لَمْ یَقَعِ الطَّلَاقُ حَتیّٰ یَسْتَمِرَّ الدَّمُ ثلثةَ اَیَّامٍ فَاِذَا تَمَّتْ ثلثةُ اَیَّامٍ حَکَمْنَا بِوُقُوْعِ الطَّلَاقِ مِنْ حِیْنَ حَاضَتْ وَ اِنْ قَالَ لَهَا اِذَا حِضْتِ حَیْضَةً فَاَنْتِ طَالِقٌ لَمْ تُطَلَّقْ حَتیّٰ تَطْهُرَ مِنْ حَیْضِهَا.

ترجمه : اور اگر (شوہر اور بیوی) دونوں کو شرط کے پائے جانے میں اختلاف ہو جائے تو اس شوہر کا قول معتبر ہوگا الا یہ کہ عورت بینہ قائم کر دے۔ اور اگر شرط کا علم نہیں ہو سکتا ہے مگر عورت کی جانب سے عورت تو کا قول اس کے حق میں معتبر ہوگا مثلاً (شوہر) یوں کہے کہ اگر تم کو حیض آیا تو تم کو طلاق ہے اور اس عورت نے کہا کہ میں تو حائضہ ہوگئی تو (ایسی صورت میں) طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور اگر اس عورت سے کہے کہ اگر تم کو حیض آیا تو تم کو طلاق ہے اور تمہارے ساتھ فلانی عورت کو (بھی) اس بات پر عوت نے کہا کہ میں تو حائضہ ہوگئی تو اس عورت کو طلاق ہو جاے گی اور اگر اس مرد نے عورت سے کہا کہ جب تم حائضہ ہوگی تو تم کو طلاق ہے اب اس عورت نے خون دیکھا تو (اس صورت میں) عورت کو طلاق نہیں ہوگی یہاں تک کہ خون متواتر تین دن آجائے۔ اب اگر تین دن پورے ہو جائیں تو ہم وقوع طلاق کا حکم لگا دیں گے (اسی وقت

سے) جب سے کہ حیض آیا ہے اور اگر اس مرد نے عورت سے کہا کہ اگر تم کو ایک حیض آجائے تو تمکو طلاق ہے تو اس عورت کو طلاق نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ عورت حیض سے پاک ہو جائے۔

تشریح : واذا اختلفا...... البینة : اس عبارت میں ایک اصول بیان کیا جارہا ہے کہ اگر شوہر اور بیوی دونوں کے درمیان شرط پائے جانے کے متعلق اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں شوہر کا قول معتبر ہوگا ہاں اگر بیوی اپنے دعویٰ پر بینہ قائم کردے تو پھر بیوی کا قول معتبر ہوگا۔

فان کان الشرط ...... قد حضت طلقت : اس عبارت میں ایک دوسرا اصول بیان کیا جارہا ہے کہ اگر شوہر نے طلاق کو ایسی شرط پر موقوف کر دیا جس کا علم صرف عورت کی جانب سے ہوسکتا ہے اور وجود شرط کی بابت دونوں میں اختلاف رونما ہو جائے تو ایسی صورت میں عورت کا قول صرف اسی کے حق میں معتبر ہوگا دوسری عورت کے حق میں معتبر نہیں ہوگا۔ اب اس اصول پر چار مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

(۱) شوہر نے طلاق کو حیض کے آنے پر موقوف کر دیا اور کہا "ان حضت فانت طالق" اس پر عورت نے بتایا کہ مجھے حیض آچکا ہے تو عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی یعنی عورت کا قول معتبر ہوگا۔

وان قال لھا اذا حضت الخ: اس پوری عبارت میں بقیہ تین مثالوں کا تذکرہ ہے۔

(۲) اگر شوہر نے کہا "اذا حضت فانت طالق وفلانة معك" اس پر عورت نے بتایا کہ مجھکو حیض آچکا ہے تو صرف اس عورت پر طلاق واقع ہوگی، دوسری عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ اس عورت کا قول غیر کے حق میں معتبر نہیں ہے۔

(۳) اگر شوہر نے عورت سے کہا "اذا حضت فانت طالق" اب اس عورت کو خون نظر آگیا تو اس صورت میں وقوع طلاق کے لئے تین دن متواتر خون کا آنا ضروری ہے اب اگر تین دن متواتر خون آگیا تو طلاق کا حکم اس دن سے نافذ ہوگا جس دن سے خون جاری ہوا ہے۔

(۴) اگر شوہر نے بیوی سے کہا "اذا حضت حیضةً فانت طالقٌ" تو طلاق اس وقت واقع ہوگی جب کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے گی کیونکہ اس شخص نے لفظ حیضة کا اضافہ کر کے کامل حیض مراد لیا ہے اور یہ اسوقت ممکن ہے جبکہ عورت حیض سے پاک ہو جائے۔

وطلاقُ الاَمَةِ تَطلِیقَتَانِ وَ عِدَّتُھَا حیضَتَانِ حُرًّا کَانَ زَوْجُھَا اَوْ عَبدًا وَطَلَاقُ الحُرَّۃِ ثَلٰثٌ حُرًّا کَانَ زَوْجُھَا اَوْ عَبدًا.

ترجمہ : اور باندی کی طلاق دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام اور آزاد عورت کی طلاق تین ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔

تشریح : وطلاقُ الاَمَةِ الخ: صاحب قدوری کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کی تعداد میں عورت کے حال کا اعتبار کیا گیا ہے کہ عورت آزاد ہے تو تین طلاق اور باندی ہے تو دو طلاق شوہر خواہ آزاد ہو یا غلام، احناف کا مسلک

یہی ہے۔ اور امام شافعیؒ، امام مالک اور امام احمدؒ کے نزدیک مرد کے حال کا اعتبار کیا گیا ہے یعنی مرد اگر آزاد ہے تو وہ اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کا مجاز ہے اس کی بیوی آزاد ہو یا باندی اور اگر مرد غلام ہے تو وہ اپنی بیوی کو دو طلاق دینے کا مجاز ہے اس کی بیوی خواہ آزاد ہو یا باندی۔

وَ اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهٗ قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا ثَلٰثًا وَقَعْنَ وَ اِنْ فَرَّقَ الطَّلَاقَ بَانَتْ بِالْاُوْلٰى وَ لَمْ تَقَعِ الثَّانِيَةُ وَ الثَّالِثَةُ وَ اِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ وَ احِدَةً وَ وَاحِدَةً وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ وَ اِنْ قَالَ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ اَوْ مَعَ وَاحِدَةٍ اَوْ مَعَهَا وَاحِدَةٌ وَقَعَتْ ثِنْتَانِ.

ترجمہ: اور اگر مرد نے اپنی بیوی کو صحبت سے پہلے تین طلاقیں دی تو تینوں طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور اگر طلاق دینے میں تفریق کی تو پہلی ہی طلاق سے وہ بائنہ ہو جائے گی اور دوسری اور تیسری طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تجھے ایک طلاق ہے اور ایک، تو اس عورت پر ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر کہا کہ ایک طلاق ہے ایک سے پہلے تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر کہا کہ ایک ہے اس سے پہلے بھی ایک ہے تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر کہا کہ ایک طلاق ہے ایک کے بعد یا ایک کے ساتھ یا اس کے ساتھ ایک ہے تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

طلاق قبل الدخول کا بیان

وَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ ...... وَ الثَّالِثَةُ الخ: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے قبل الدخول ''انت طالق ثلثا'' کہا تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ یہ ضابطہ ہے کہ جب وصف طلاق عدد کے ساتھ ذکر کیا جائے تو طلاق عدد سے واقع ہوگی، وصف سے نہیں کیونکہ طلاق کا وقوع مصدر محذوف سے ہوتا ہے اور یہ عدد اس کی صفت ہوتا ہے اس لئے ''انت طالق ثلثا'' کے معنی ہوں گے انت طالق طلاقا ثلثاً، پس انت طالق سے علیحدہ طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ طلاقاً ثلاثاً سے بیک وقت تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

اور اگر تین طلاق کو الگ الگ کیا اس کی مختلف صورتیں ہیں (۱) تفریق وصف کو ذکر کر کے مثلاً انت طالق واحدة وواحدة وواحدة (۲) تفریق خبر کو ذکر کر کے مثلاً انت طالق وطالق وطالق (۳) تفریق اقوال کو ذکر کرے خواہ عطف کے ساتھ ہو مثلاً انت طالق وانت طالق وانت طالق یا بلا عطف کے ساتھ مثلاً انت طالق، انت طالق، انت طالق تو ان تمام صورتوں میں عورت پہلے لفظ طلاق سے ہی بائنہ ہو جائے گی اور دوسری اور تیسری طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ دونوں لفظ لغو ہو جائیں گے کیونکہ اب عورت ان دونوں کے لئے محل طلاق نہیں رہی۔

وان قال لها ...... عليها واحدة الخ: مسئلہ: اگر شوہر نے اپنی منکوحہ غیر مدخول بہا سے کہا ''انت طالق، واحدة وواحدة'' تو اس صورت میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

وان قال واحدة ...... وقعت ثنتان الخ: اس عبارت میں دو مسئلے ہیں۔ مسئلہ (۱) اگر کسی نے اپنی غیر

مدخول بہا بیوی سے کہا ''انت طالق واحدۃ قبل واحدۃ'' تو اس صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی اور لفظ ''قبل'' ماقبل کی صفت ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ پہلا واحدۃ پہلے واقع ہوئی اور دوسرا واحدۃ بعد میں، مگر جب پہلا واحدۃ واقع ہوگئی تو غیر مدخول بہا بائنہ ہوگئی اور دوسرے واحدہ کے لئے محل باقی نہیں رہا اس لئے وہ لغو ہوگئی اور ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

مسئلہ (۲) اگر کسی نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے کہا انت طالق واحدۃً قبلها واحدۃٌ تو اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی یہاں لفظ قبل مابعد کی صفت ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ تجھ کو ایک طلاق ہے اس سے پہلے ایک طلاق، اس کلام کا تقاضا ہے کہ دوسرے طلاق کا وقوع ماضی میں ہو اور پہلے طلاق کا وقوع حال میں ہو مگر چونکہ ضابطہ ہے کہ ایقاع فی الماضی ایقاع فی الحال ہوتا ہے بنابریں دونوں طلاقیں زمانہ حال میں ایک ساتھ واقع ہو جائیں گی۔

وان قال واحدۃ الخ: یہاں بھی مسئلہ کی دو صورتیں ہیں: مسئلہ (۱) اگر کسی نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے کہا ''انت طالق واحدۃ بعد واحدۃٍ'' یعنی تجھ کو ایک طلاق ہے ایک کے بعد تو اس صورت میں دونوں طلاقیں واقع ہوں گی یہاں لفظ بعد ماقبل کی صفت ہوگا اور اس کلام کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے طلاق کے وقوع کا زمانہ حال ہے اور دوسرے کے وقوع کا زمانہ پہلے طلاق سے پہلے ہے اور ظاہر ہے کہ پہلی طلاق کے وقوع سے پہلے کا زمانہ، زمانہ ماضی ہے تو گویا دوسرا طلاق زمانہ ماضی میں واقع کیا گیا اور ضابطہ ہے ''ایقاع فی الماضی ایقاع فی الحال'' لہٰذا دونوں طلاقیں زمانہ حال میں ایک ساتھ واقع ہوں گی اسی بنیاد پر غیر مدخول بہا پر دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی

مسئلہ (۲) اگر کسی نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے کہا ''انت طالق واحدۃ مع واحدۃ یا انت طالق واحدۃ معہا واحدۃ'' تو اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ کلمہ مع اقتران واتصال کے لئے ہے لہٰذا دونوں ایک ساتھ واقع ہوں گی البتہ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت کے مطابق ''معہا واحدۃ'' کی صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی۔

وَ اِنْ قَالَ بِهَا اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَ احِدَةٌ وَ احِدَةً فَدَخَلَتِ الدَّارَ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا تَقَعُ ثِنْتَانِ وَ اِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ بِمَكَّةَ فَهِيَ طَالِقٌ فِي الْحَالِ فِي كُلِّ الْبِلَادِ وَ كَذٰلِكَ اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ فِي الدَّارِ وَ اِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا دَخَلْتِ بِمَكَّةَ لَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰى تَدْخُلَ مَكَّةَ وَ اِنْ قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ غَدًا وَقَعَ عَلَيْهَا الطَّلَاقُ بِطُلُوْعِ الْفَجْرِ الثَّانِي.

ترجمہ: اور اگر کسی نے غیر مدخول بہا بیوی سے کہا کہ اگر تو مکان میں داخل ہوئی تو تم کو ایک طلاق ہے اور ایک، پھر وہ گھر میں داخل ہوگئی تو اس پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اگر اس عورت سے کہا کہ تجھ کو طلاق ہے مکہ میں تو یہ فی الحال تمام شہروں میں طلاق والی ہوگی۔ اور اسی طرح اگر کہا تو طلاق والی ہے گھر میں۔ اور اگر اس عورت سے کہا کہ جب تو مکہ میں داخل ہوگی تو تم کو طلاق ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی یہاں تک کہ مکہ میں داخل ہو جائے۔ اور اگر اس عورت سے کہا کہ تجھ کو کل طلاق ہے تو اس پر طلاق واقع

ہو جائے گی فجر ثانی کے طلوع کے ساتھ۔

تشریح: **وان قال لها ...... ثنتان الخ:** مسئلہ(۱) اگر کسی نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے کہا ''ان دخلت الدار فانت طالق واحدۃ وواحدۃ'' یعنی اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تم کو ایک طلاق ہے اور ایک، اب وہ گھر میں داخل ہو گئی تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر ایک طلاق واقع ہوگی اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

وان قال لها ...... طالق في الدار الخ: مسئلہ(۲) اگر کسی نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے کہا ''انت طالق بمكة یا انت طالق فی الدار'' تو اس عورت پر طلاق فی الحال واقع ہو جائے گی اور یہ عورت تمام دنیا کے تمام شہروں میں مطلقہ کہلائے گی۔

وان قال لها ...... مكة الخ: مسئلہ(۳) اگر کسی نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے کہا ''انت طالق اذا دخلت مکۃ'' تو اس صورت میں عورت پر طلاق مکہ میں داخل ہونے پر ہی ہوگی کیونکہ طلاق کو دخول مکہ پر معلق کر دیا ہے۔

وان قال انت طالق الخ: اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا ''انت طالق غدا'' یعنی تجھ کو کل طلاق ہے تو اس صورت میں عورت پر طلاق فجر ثانی کے طلوع کے ساتھ ہی واقع ہو جائے گی کیونکہ اس شخص نے اپنی بیوی کو جمیع غد میں طلاق کے ساتھ متصف کیا ہے۔

وَ اِنْ قَالَ لِاِمْرَأَتِهٖ اِخْتَارِیْ نَفْسَكِ يَنْوِیْ بِذٰلِكَ الطَّلَاقَ اَوْ قَالَ لَهَا طَلِّقِیْ نَفْسَكِ فَلَهَا اَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا مَادَامَتْ فِیْ مَجْلِسِهَا ذٰلِكَ فَاِنْ قَامَتْ مِنْهُ اَوْ اَخَذَتْ فِیْ عَمَلٍ اٰخَرَ خَرَجَ الْاَمْرُ مِنْ يَدِهَا فَاِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فِیْ قَوْلِهٖ اِخْتَارِیْ نَفْسَكِ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً وَ لَا يَكُوْنُ ثَلٰثًا وَ اِنْ نَوَی الزَّوْجُ ذٰلِكَ وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ النَّفْسِ فِیْ كَلَامِهٖ اَوْ كَلَامِهَا وَ اِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا فِیْ قَوْلِهٖ طَلِّقِیْ نَفْسَكِ فَهِیَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَ اِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلٰثًا وَ قَدْ اَرَادَ الزَّوْجُ ذٰلِكَ وَقَعْنَ عَلَيْهَا وَ اِنْ قَالَ لَهَا طَلِّقِیْ نَفْسَكِ مَتٰی شِئْتِ فَلَهَا اَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا فِی الْمَجْلِسِ وَ بَعْدَهٗ وَ اِذَا قَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقِ امْرَأَتِیْ فَلَهٗ اَنْ يُطَلِّقَهَا فِی الْمَجْلِسِ وَ بَعْدَهٗ وَ اِنْ قَالَ طَلِّقْهَا اِنْ شِئْتَ فَلَهٗ اَنْ يُطَلِّقَهَا فِی الْمَجْلِسِ خَاصَّةً.

ترجمہ: اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تو اپنے آپ کو اختیار کر لے وہ شخص اس سے طلاق کی نیت کرتا ہے یا اس عورت سے کہا تو خود کو طلاق دے دے تو اس عورت کو اختیار ہے کہ خود کو طلاق دے دے جب تک کہ وہ اپنی اسی مجلس میں ہے اب اگر اس مجلس سے کھڑی ہو گئی یا دوسرا کام شروع کر دیا تو اختیار اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اب اگر عورت اپنے آپ کو اختیار کرے اس کے قول ''اختاری نفسک'' کی صورت میں تو ایک طلاق بائنہ ہوگی اور تین طلاق نہیں ہوگی اگرچہ شوہر اس (تین) کی نیت کر لے۔ اور ضروری ہے لفظ نفس کا ذکر ہونا مرد یا عورت کے کلام میں، اور اگر عورت نے اپنے آپ کو طلاق دیدی اس کے قول ''طلقی نفسك'' کی صورت میں تو یہ ایک طلاق رجعی ہے۔ اور اگر عورت نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دیدی اور شوہر نے بھی اس (تین) کی نیت کر لی تو اس عورت پر تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اور اگر اس عورت سے کہا کہ تو اپنے

آپ کو طلاق دے جس وقت چاہے تو عورت کو اختیار ہے کہ خود کو مجلس میں طلاق دے اور مجلس کے بعد (بھی)۔اور اگر کسی مرد سے کہا کہ تم میری بیوی کو طلاق دیدو تو اس کو اختیار ہے کہ عورت کو مجلس میں طلاق دے اور مجلس کے بعد۔اور اگر (کسی شخص سے) کہا کہ تو اس کو (میری بیوی کو) طلاق دیدے اگر چاہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو خاص طور پر مجلس میں طلاق دے۔

دوسرے کی طرف تفویض طلاق کا بیان

تشریح : مذکورہ بالا عبارت میں سات مسئلے مذکور ہیں۔

وان قال لامرأته ...... یدها : مسئلہ(۱) اگر کسی شخص نے طلاق کی نیت سے اپنی بیوی سے کہا ''اختاری نفسک'' یا ''طلقی نفسک'' تو ان دونوں صورتوں میں عورت کو اسی مجلس میں طلاق دینے کا اختیار ہے اور طلاق دینے سے استحساناً طلاق پڑ جائے گی گو قیاساً درست نہیں ہے لیکن اگر مجلس سے اُٹھ گئی اور دوسرے کام میں مشغول ہو گئی تو اختیار ختم ہو جائے گا۔

فان اختارت ...... وان نوی الزوج ذلك : مسئلہ(۲) اگر شوہر نے بیوی سے ''اختاری نفسک'' کہا بیوی نے اپنے آپ کو اسی مجلس میں اختیار کر لیا تو ایک طلاق بائن واقع ہو گی، تین طلاق واقع نہیں ہو گی اگر چہ شوہر تین کی نیت کرے۔

ولابد من ...... کلامها : مسئلہ(۳) صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ لفظ اختیار سے طلاق واقع کرنے کی صورت میں زوجین میں سے کسی ایک کے کلام میں لفظ نفس (یا اس کے قائم مقام یعنی لفظ اختیارۃ اور تطلیقۃ) کا ذکر کرنا ضروری ہے، چنانچہ اگر شوہر نے ''اختاری'' کہا اور بیوی نے جواب میں ''اخترت'' کہہ دیا تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔

وان طلقت نفسها ...... وقعن علیها : مسئلہ(۴) اگر شوہر نے بیوی سے کہا ''طلقی نفسك'' اس جملہ پر عورت نے اپنے آپ کو طلاق دیدی تو ایک طلاق رجعی واقع ہو گی اور اگر عورت نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دیں اور شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کر لی تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

وان قال لها ...... بعده : مسئلہ(۵) اگر مرد اپنی بیوی سے کہے ''طلقی نفسك متی شئت'' تو اس صورت میں عورت کو اختیار حاصل ہے چاہے تو اپنے آپ کو مجلس میں طلاق دے اور چاہے تو مجلس کے بعد۔

واذا قال ...... وبعده : مسئلہ(۶) ایک شخص نے کسی دوسرے سے کہا طلقی امرأتی تو اس وکیل کو اختیار ہے چاہے تو اس عورت کو مجلس میں طلاق دے اور چاہے تو مجلس کے بعد البتہ اس صورت میں شوہر کو اپنے قول سے رجوع کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

وان قال طلقها : مسئلہ(۷) شوہر نے کسی غیر سے کہا ''طلقها ان شئت'' (اگر تم چاہو تو میری بیوی کو طلاق دیدو) تو اس صورت میں اس شخص کو صرف مجلس میں طلاق دینے کا اختیار ہے اور شوہر کو اپنے قول سے رجوع کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔حضرت امام زفرؒ کے نزدیک مسئلہ نمبر ۶، ۷ دونوں برابر ہیں یعنی طلاق کا اختیار مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوگا بلکہ مجلس کے بعد بھی ہوگا، احناف کے یہاں دونوں میں فرق ہے جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے۔

وَ اِنْ قَالَ لَهَا اِنْ كُنْتِ تُحِبِّيْنِيْ اَوْ تُبْغِضِيْنِيْ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَقَالَتْ اَنَا اُحِبُّكَ اَوْ اُبْغِضُكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَ اِنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهَا خِلَافُ مَا اَظْهَرَتْ وَ اِنْ طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهُ فِيْ مَرَضِ

مَوْتِہٖ طَلَاقًا بَائِنًا فَمَاتَ وَھِیَ فِی الْعِدَّۃِ وَرِثَتْ مِنْہُ وَ اِنْ مَاتَ بَعْدَ اِنْقِضَاءِ عِدَّتِھَا فَلَا مِیْرَاثَ لَھَا وَ اِذَا قَالَ لِاِمْرَأَتِہٖ اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالیٰ مُتَّصِلًا لَمْ یَقَعِ الطَّلَاقُ وَ اِنْ قَالَ لَھَا اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا اِلَّا وَاحِدَۃً طُلِّقَتْ ثِنْتَیْنِ وَ اِنْ قَالَ ثَلٰثًا اِلَّا ثِنْتَیْنِ طُلِّقَتْ وَاحِدَۃً وَ اِنْ قَالَ ثَلٰثًا اِلَّا ثَلٰثًا یَقَعُ ثَلٰثًا وَ اِذَا مَلَکَ الزَّوْجُ اِمْرَأَتَہٗ اَوْ شِقْصًا مِنْھَا اَوْ مَلَکَتِ الْمَرْأَۃُ زَوْجَھَا اَوْ شِقْصًا مِنْہُ وَقَعَتِ الْفُرْقَۃُ بَیْنَھُمَا.

ترجمہ : اور اگر عورت سے کہا کہ اگر تو مجھ سے محبت یا بغض رکھتی ہے تو تو طلاق والی ہے اس عورت نے کہا میں تم سے محبت یا بغض رکھتی ہوں تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ اس کے دل میں اس کے خلاف ہو جو اس نے ظاہر کیا ہے۔ اگر کسی نے اپنی بیوی کو اپنے مرض وفات میں طلاق بائن دی پھر وہ مر گیا اور ابھی وہ عورت عدت میں تھی تو عورت اس کی وارث ہوگی۔ اور اگر وہ شخص عورت کی عدت پوری ہونے کے بعد مرا تو عورت کے لئے کوئی میراث نہیں ہوگی۔ اور اگر اس نے اس عورت سے کہا تو تین طلاق والی ہے مگر ایک تو دو طلاق واقع ہوگی اور اگر کہا تین ہیں مگر دو تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر کہا تین ہیں مگر تین تو تینوں واقع ہوں گی۔ اور اگر شوہر اپنی بیوی کا مالک ہو جائے یا اس کے کچھ حصے کا یا عورت اپنے شوہر کی مالک ہو جائے یا اس کے کچھ حصے کی تو ان دونوں کے درمیان فرقت واقع ہو جائے گی۔

تشریح : اس عبارت میں پانچ مسئلے ذکر کئے گئے ہیں۔

وان قال لھا ...... خلاف ما اظھرت : مسئلہ (۱) اگر کسی شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو یا اگر تم مجھ سے بغض رکھتی ہو تو تم کو طلاق ہے، بیوی نے جواب میں کہا کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں یا کہا کہ میں تم سے بغض رکھتی ہوں تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ بیوی کے قلب میں حقیقت حال سے ہٹ کر کچھ اور بات ہو۔ یہ حضرات شیخین کا مسلک ہے۔ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وان طلق الرجل ...... فلامیراث لھا : مسئلہ (۲) اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو مرض وفات میں طلاق بائن دیدی اور ابھی عورت عدت میں تھی کہ شوہر کا انتقال ہو گیا تو اس صورت میں عورت، شوہر کی وارث ہوگی یہی حکم تین طلاق دینے کی صورت میں بھی ہوگا اور طلاق رجعی میں بدرجۂ اولیٰ وراثت جاری ہوگی۔ البتہ اگر شوہر کا انتقال عدت پوری ہونے کے بعد ہوا تو اس صورت میں عورت شوہر کی وارث نہیں ہوگی۔ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ طلاق کا مطالبہ بیوی کی جانب سے ہو یہ احناف کا مسلک تھا۔ امام احمدؒ کے نزدیک عدت کے بعد انتقال کی صورت میں بھی عورت وارث ہوگی بشرطیکہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کیا ہو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقہ ثلثہ اور خلع کی صورت میں عورت وارث نہیں ہوگی، انتقال عدت کے زمانہ میں ہوا ہو یا عدت کے بعد۔

واذا قال لامرأتہ ...... لم یقع الطلاق : مسئلہ (۳) اگر ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے ''انت طالق ان شاء اللہ تعالیٰ'' اور ''انشاء اللہ تعالیٰ'' کے لفظ کو انت طالق کے ساتھ متصلاً کہتا ہے تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔ یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کا بھی مسلک یہی ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک طلاق باطل ہوگی۔ امام

مالکؒ کے نزدیک اس جملہ سے طلاق، عتاق اور صدقہ باطل نہ ہوگا، البتہ یمین اور نذر باطل ہو جائے گی۔ امام احمدؒ کے نزدیک صرف طلاق کا بطلان نہیں ہوگا، عتاق اور صدقہ کا بطلان ہوگا۔

وان قال لها انت طالق ثلثا ...... يقع ثلثا : مسئلہ (۴) اس مسئلہ میں تین صورتیں ہیں (۱) اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا ''أنت طالق ثلثا الا واحدۃ'' تو اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ (۲) اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا ''انت طالق ثلثا الا ثنتین'' تو اس صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی یہ دونوں صورتیں بتاتی ہیں کہ قلیل وکثیر دونوں کا استثناء برابر ہے۔ (۳) اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا ''انت طالق ثلثا الا ثلثا'' تو اس صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہوں گی اور اس صورت میں استثناء باطل ہوگا۔

(نوٹ) اصول ہے کہ کل سے بعض کا استثناء درست ہے البتہ کل سے کل کا استثناء درست نہیں ہے اسی اصول کے تحت مسئلہ (۴) کی تینوں صورتوں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ صورت نمبر ۱ و ۲ میں استثناء درست ہے اور نمبر ۳ میں استثناء باطل ہے۔

واذا ملك الزوج الخ : مسئلہ (۵) صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی منکوحہ بیوی کا مالک ہوگیا خواہ خریدنے کی وجہ سے یا وراثت کی وجہ سے یا ہبہ اور صدقہ کی وجہ سے یا اس کے کسی ایک حصہ کا مالک ہوگیا یا عورت اپنے شوہر کی مالک ہوگئی مذکورہ بالا وجوہات میں سے کسی وجہ سے یا اس کے کسی ایک حصہ کی مالک ہوگئی تو ان دونوں کے درمیان فرقت اور جدائیگی پیدا ہو جائے گی اور نکاح ختم ہو جائے گا کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ ایک شخص مالک ہو اور مملوک بھی ہو۔

عبدالعلی قاسمی غفرلہٗ

باب الرجعة

رجعت کا بیان

رجعۃ چونکہ اصل اور طبع کے اعتبار سے طلاق کے بعد میں ہے اس لئے وضع اور مقام کے اعتبار سے بھی بعد میں ذکر کیا گیا ہے تاکہ وضع طبع کے مناسب ہو جائے۔

لفظ رجعۃ بفتح الراء والکسر دونوں منقول ہے مگر بالفتح زیادہ فصیح ہے۔ یہ باب ضرب سے ہے معنی ہے لوٹنا، واپس ہونا۔ یہ لازم اور متعدی بنفسہ دونوں طرح منقول ہے۔ الی کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے قرآن کریم میں دونوں کی مثالیں موجود ہیں۔ لازم کی مثال۔ لئن رجعنا الى المدينه (اگر ہم شہر کی طرف لوٹتے) فلما رجعوا الى ابيهم (پس جب وہ اپنے والد کی طرف لوٹے)۔ متعدی کی مثال فان رجعك الله الى طائفة منهم (اگر اللہ رب العزت تم کو ان میں سے ایک جماعت کی طرف لوٹا دے) ثم ارجع البصر (پھر تو اپنی نگاہ لوٹا)۔

شریعت کی اصطلاح میں رجعت اس ملکیت کو برابر باقی رکھنے کا نام ہے جو نکاح کے ذریعہ قائم ہوئی ہے۔ فقہاء نے رجعت کے لئے پانچ شرطیں بیان کی ہیں۔

(۱) عورت کو صریح الفاظ سے طلاق دیا گیا ہو یا بعض الفاظ کنائی سے مثلاً اعتدی، استبرئی رحمك، انت

واحدۃ۔(۲)عورت مدخول بہا ہو(۳)تین طلاقیں نہ دی گئی ہوں(۴)طلاق بلاعوض مال ہو(۵)عدت باقی ہو خواہ بیوی راضی ہو یا نہ ہو۔

صاحب عینی شرح کنز حاشیہ پر رقم طراز ہیں رجعت قرآن کریم، احادیث نبویہ اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے ارشاد باری ہے وبعولتھن احق بردھن ای برجعتھن۔حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اپنے بیٹے سے کہو کہ بیوی سے مراجعت کرلے "مر ابنك فليرجعها" آپؐ نے حضرت سودہ سے مراجعت فرمائی اور رجعت کے جواز پر اجماع بھی منعقد ہوا ہے۔ (عینی ج۲ص۱۲۶)

إذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ إمْرَأتَهُ تطليقة رجعية اوتطليقتين فَلَهُ ان يراجعها فِي عِدَّتِها رضيت بذالك اولم ترض والرجعة ان يقول راجعتُكَ او راجعتُ إمْرَأتي او يطأها او يقلبها او يَلْمِسُها بِشَهْوةٍ اَوْ ينظُرُ إلىٰ فرجِها بِشَهْوَةٍ ويَسْتَحِبُّ اَن يَشْهَدَ علىٰ الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ وإنْ لم يَشْهَدْ صحَّتِ الرجْعَةُ واذاانقَضَتِ العِدَّةُ فَقالَ قَدْ كُنْتُ راجعْتُها فِي العِدَّةِ فَصَدَّقَتْهُ فَهِيَ رَجْعَةٌ و انْ كذَّبَتْهُ فالقولُ قَوْلُها وَلَا يَمِيْنَ عَلَيْها عِنْدَ ابِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ الله وإذا قَالَ الزَّوْجُ قَدْ رَاجَعْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيْبَةً لَهُ قَدِ انقَضَتْ عِدَّتِيْ لَم تَصِح الرَّجْعَةُ عِنْدَ ابِيْ حَنِيْفَة رَحِمَهُ الله.

ترجمہ: اگر مرد نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاقیں دیدی تو مرد کو اس بات کا حق ہے کہ عورت سے اس کی عدت کے زمانہ میں رجعت کرے عورت اس پر راضی ہو یا نہ ہو اور رجعت (کرنے کی صورت) یہ ہے کہ مرد (اپنی بیوی سے) کہے کہ میں نے تم سے رجعت کرلی یا میں نے اپنی بیوی سے رجعت کرلی یا مرد اس عورت سے وطی کرلے یا اس کو بوسہ لے لے یا اس کو شہوت کے ساتھ چھولے، یا اس کی فرج (داخل) کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھے اور مستحب یہ ہیکہ رجعت پر دو گواہ بنالے اور اگر گواہ نہیں بنایا تو بھی رجعت صحیح ہے اور اگر عدت گزرگئی پھر شوہر نے کہا کہ میں نے اس سے عدت میں رجوع کرلیا تھا عورت نے اس کی تصدیق کردی تو یہ رجعت ہوگئی اور اگر عورت نے شوہر کے قول کی تکذیب کردی تو عورت کا قول معتبر ہوگا اور اس عورت پر قسم نہیں لازم ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور اگر شوہر نے (عورت) سے کہا کہ میں نے تم سے مراجعت کرلی تھی تو عورت نے شوہر کو جواب دیتے ہوئے کہا میری عدت گزرچکی تھی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رجعت صحیح نہیں ہوگی۔

تشریح: اس عبارت میں تین مسئلے۔طریقۂ رجعت، اس کی اقسام اور رجعت پر گواہ کو بیان کیا گیا ہے۔

إذا طلق الرجل......اولم ترض: مسئلہ(۱) اگر کسی شخص نے اپنی مدخول بہا بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاقیں دیدی یعنی تین سے کم اور ابھی عدت باقی ہے تو ایسی صورت میں مرد بااختیار ہے کہ عدت کے زمانہ میں مراجعت کرلے، عورت اس رجعت پر خوش ہو یا ناخوش کیونکہ رجعت مرد کا حق ہے نہ کہ عورت کا۔مزید یہ کہ آیت قرآنی "فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف" میں رجعت کا حکم مطلق ہے عورت کی رضاء وعدم رضاء کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے ہدایہ)

والرجعة.....فرجها بشهوةٍ : اس عبارت میں رجعت کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔
عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ رجعت کا طریقہ دو قسم پر ہے (۱) رجعت بالقول (۲) رجعت بالفعل۔
(۱) رجعت بالقول کی مثال مرد اپنی بیوی سے کہے راجعتك (میں نے تم سے مراجعت کر لی) یا گواہوں کو مخاطب بنا کر کہے راجعت امرأتي (میں نے اپنی بیوی سے مراجعت کر لی) یہ الفاظ صریح کی مثال ہیں۔ ان الفاظ سے بلانیت رجعت ہو جائے گی۔ الفاظ کنائی کی مثال یہ ہے انت عندی کما کنت، انت امرأتي. ان الفاظ سے بلانیت رجعت ثابت نہیں ہوگی۔
(۲) رجعت بالفعل کی مثال یہ ہے کہ شوہر زمانۂ عدت میں اس مطلقہ رجعیہ سے وطی کرے یا اس کو بوسہ لے لے یا عورت کو شہوت کے ساتھ چھو لے یا شہوت کے ساتھ فرج داخل کی طرف دیکھ لے۔
رجعت بالقول بلا اختلاف جائز ہے البتہ رجعت بالفعل کے متعلق اختلاف ہے عندالاحناف جائز ہے امام شافعیؒ کے یہاں تفصیل۔ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر رجعت قولی پر قادر ہے تو بلا قول کے رجعت درست نہیں ہوگی اور اگر رجعت قولی پر قادر نہیں ہے مثلاً شوہر گونگا ہے یا اس کی زبان کٹی ہوئی ہے تو ایسی صورت میں اشارہ سے رجعت درست ہو جائے گی۔

ویستحب .....صحت الرجعة : صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ رجعت پر شاہدین کو گواہ بنانا مستحب ہے یعنی شوہر دو مسلمان مردوں سے کہے کہ تم گواہ رہو میں نے اپنی بیوی سے مراجعت کر لی ہے۔ اور اگر گواہ نہیں بنایا تو بھی رجعت درست ہو جائے گی۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ حضرت امام مالک اور ایک روایت میں امام شافعیؒ کے نزدیک رجعت میں شہادت شاہدین واجب ہے۔ (بحوالہ عینی شرح کنز و فتح القدیر)

وانقضت العدة ..... ولا یمین علیها عند ابی حنیفة رحمه الله: مسئلہ (۲) اگر شوہر نے عدت کے گزر جانے کے بعد اپنی اہلیہ سے کہا کہ میں نے تم سے عدت میں مراجعت کر لی ہے اب اگر اس عورت نے اپنے شوہر کے قول کی تصدیق کر دی تو یہ مراعت درست ہو جائے گی۔ لیکن اگر عورت اپنے شوہر کے قول کی تصدیق نہ کر کے تکذیب کر دی تو اس صورت میں عورت کا قول معتبر ہوگا اور اس عورت پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قسم بھی واجب نہیں ہے۔
یہ مسئلہ ان آٹھ مسائل میں سے ہے جن پر حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک قسم واجب نہیں ہے۔ جمہور کے نزدیک عدت کے گزر جانے پر عورت پر قسم واجب ہے۔ (الجوہرۃ ج۲ ص ۱۱۱)

واذا قال الزوج الخ: مسئلہ (۳) اگر شوہر اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ میں تم سے عدت میں رجعت کر چکا اور عورت سر دست جواب دیتی ہے کہ میری عدت تو گزر چکی تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رجعت درست نہیں ہوگی، حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ حضرات صاحبین کے نزدیک رجعت درست ہو جائے گی۔

وإذا قَالَ زَوْجُ الامَةِ بعد إنْقِضَاءِ عِدَّتِها قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُها فَصَدَّقَهُ المَوْلىٰ وَكَذَّبَتْهُ الامَةُ فالقَوْلُ قَوْلُهَا عِنْدَ ابِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَه الله وَإذَاإنْقَطَعَ الدَّمُ مِنَ الحَيْضَةِ الثَالِثَةِ لِعَشْرَةِ اَيَّام انْقَطَعت الرَّجْعَةُ و إنْ لَمْ تغْتَسِلْ وَ إنْ إنْقَطَعَ لِاَقَلِ مِنْ عَشْرَةِ اَيَّام لَمْ تَنْقَطع الرَّجْعَةُ حتىٰ

تَغْتَسِلَ اَوْ يَمْضِي عَلَيْهَا وَقْتُ صلوٰةٍ اَوْ تتيمَ وتُصلي عِنْدَ اَبِيْ حَنِيفَة وَ اَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُما الله وَقَالَ مُحمَّدٌ اِذا تَيممتَ إنقطعت والمُطلقةُ الرَّجعِيَّةُ تتشوف وتَتَزيّنُ وَيَستَحِبُّ لِزَوْجِهَا ان لَا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حتىّ يُوْذِنَها وَيُسْمِعَهَا خَفقَ نَعْلَيْهِ والطَلاق الرَّجعى لَا يُحرِم الوطئَ وَاِنْ كَانَ طَلَاقاً بائناً دُوْنَ الثلث فَلَهُ اَنْ يَتزوجها فِيْ عِدَّتِهَا وبَعْدَ اِنْقضاء عِدَّتِهَا.

ترجمہ: اور اگر باندی کے شوہر نے باندی کی عدت پوری ہونے کے بعد کہا کہ میں اس سے رجعت کر چکا ہوں اس پر مولیٰ نے اس کی تصدیق کر دی اور باندی نے اس کی تکذیب کر دی تو باندی کا قول امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک معتبر ہوگا اور اگر تیسرے حیض کا خون دس دن پر منقطع ہو جائے تو رجعت ختم ہو جائے گی، اگرچہ غسل نہ کرے اور اگر دس دن سے کم پر حیض منقطع ہو جائے تو رجعت منقطع نہیں ہوگی یہاں تک کہ عورت غسل کر لے یا اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے یا تیمم کر کے نماز پڑھ لے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔ اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر عورت نے تیمم کر لیا تو رجعت منقطع ہو جائے گی گرچہ نماز نہ پڑھے اور اگر عورت نے غسل کر لیا اور بدن کے کچھ حصہ کو بھول گئی جس پر پانی نہیں پہنچا تو اگر مکمل ایک عضو ہو یا اس سے زائد تو رجعت منقطع نہیں ہوگی اور اگر ایک عضو سے کم ہو تو رجعت منقطع ہو جائے گی اور (اب) عورت مطلقہ رجعیہ زیب وزینت کرے اور اس کے خاوند کیلئے مستحب یہ ہے کہ عورت کے پاس نہ جائے یہاں تک کہ اس کو بتادے اور اپنے جوتوں کی آواز اس کو سنادے۔ اور طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی اور اگر طلاق بائن دی تین سے کم تو اس کو اختیار ہے کہ اس کی عدت میں اور عدت پوری ہونے کے بعد اس عورت سے نکاح کر لے۔

حل لغات: انقضاء عدة: عدت کا گزر جانا۔ تتشوف: باب تفعل سے، مزین ہونا، زیب وزینت کرنا۔ خفق نعليه: اس کے جوتے کی آواز۔

تشریح: وإذا قال زوج .... عند ابی حنیفةؒ: مسئلہ (۱) اگر باندی کے شوہر نے باندی کی عدت گزر جانے کے بعد کہا کہ میں نے تم سے رجوع کر لیا ہے اسپر مولیٰ نے شوہر کی تصدیق کر دی مگر باندی نے تکذیب کی اور انکار کیا تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باندی کا قول معتبر ہوگا۔

اس موقع پر قدرے تفصیل بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ شوہر کے بیان کی تصدیق وتکذیب کی چار صورتیں ہیں (۱) مولیٰ اور باندی دونوں تصدیق کریں (۲) مولیٰ اور باندی دونوں ہی تکذیب کریں (۳) مولیٰ تصدیق کرے اور باندی تکذیب کرے (۴) مولیٰ تکذیب کرے اور باندی تصدیق کرے۔

پہلی صورت میں بالاتفاق رجعت درست ہے اور دوسری صورت میں بالاتفاق رجعت درست نہیں ہے مگر یہ کہ شوہر شہادت پیش کر دے۔ تیسری صورت (جس کو صاحب قدوری نے بیان کیا ہے) میں اگر شوہر کے پاس شہادت نہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باندی کا قول معتبر ہوگا۔ امام زفرؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے البتہ حضرات صاحبین کے نزدیک مولیٰ کا قول معتبر ہوگا۔

چوتھی صورت میں حضرات صاحبین کے نزدیک اور امام ابوحنیفہؒ کی صحیح روایت میں مولیٰ کا قول معتبر ہوگا۔

وإذا انقطع الدم ...... وقت صلوٰۃ : مسئلہ (۲) اگر مکمل دس دن پر حیض کا خون منقطع ہو جائے تو ایسی صورت میں رجعت ختم ہو جائے گی اگر چہ عورت نے غسل نہ کیا ہو اور اگر دس دن سے کم میں خون حیض منقطع ہو جائے تو ایسی صورت میں رجعت ختم نہیں ہوگی بلکہ عورت غسل کرے یا اس پر نماز کا کامل وقت گزر جائے۔

او تتیمم ...... وان لم تصل : مسئلہ (۳) اگر عورت طلاق رجعی والی ہو اور معتدہ ہو اور تیسرے حیض کا خون دس دن سے کم میں منقطع ہو جائے اور عورت تیمم کر کے فرض یا نفل کوئی نماز پڑھ لے تو ایسی صورت میں حضرات شیخین کے نزدیک تیمم اور نماز دونوں سے رجعت منقطع ہو جائے گی۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر صرف تیمم کرے تو صرف تیمم کر لینے سے رجعت منقطع ہو جائے گی اگر چہ اس نے نماز نہ پڑھی ہو۔ امام زفرؒ اور امام احمد کا بھی یہی خیال ہے۔

اس موقع پر یہ بات قابل غور ہیکہ حضرات شیخین کے نزدیک نماز شروع کرتے ہی رجعت کا حکم منقطع ہو جائے گا یا نماز سے فراغت کے بعد، تو بعض کی رائے پہلے کے بارے میں ہے اور بعض کی دوسرے کے بارے میں مگر دوسرا قول صحیح ہے۔

وان اغتسلت ......من عضو انقطعت : مسئلہ (۴) اگر دس دن سے کم میں خون حیض منقطع ہو گیا اور عورت نے غسل کر لیا جبکہ بدن میں سے ایک حصہ بھول گئی جس پر نہاتے ہوئے پانی نہیں پہنچ سکا اور بھول گئی تو اگر وہ حصہ بدن ایک عضو یا اس سے زائد ہے تو عدت منقطع نہیں ہوگی (عدت باقی رہے گی) اور ایسی حالت میں رجعت کرنا صحیح ہو جائے گا اور اگر وہ حصہ ایک عضو سے کم ہے تو رجعت منقطع ہو جائے گی (لہٰذا ایسی صورت میں رجعت کرنا درست نہیں ہوگا)

والمطلقة الرجعية......خفق نعليه : مسئلہ (۵) جس عورت کو طلاق رجعت دی گئی ہے اس کو چاہئے کہ خود آراستہ کرے اور زیب و زینت کرے (تاکہ شوہر رجعت کرنے پر آمادہ ہو) اور ایسی عورت کے شوہر کے لئے مستحب یہ ہے کہ بغیر اطلاع عورت کے پاس نہ جائے۔ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ شوہر کا ارادہ رجعت کرنیکا نہ ہو یا اپنے جوتوں کی آہٹ سنادے۔

والطلاق الرجعي لايحرم الوطي : مسئلہ (۶) طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی ہے یہ احناف کے نزدیک ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اور ایک روایتؒ میں امام احمدؒ کے نزدیک طلاق رجعی وطی کو حرام کرتی ہے یعنی مطلقہ رجعیہ سے شوہر کے لئے وطی کرنا حرام ہے۔

وان كان طلاقاً بائناً الخ: مسئلہ (۷) اگر شوہر نے بیوی کو طلاق بائن دی مگر تین سے کم یعنی ایک یا دو تو شوہر کے لئے اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنا عدت کے درمیان اور عدت کے ختم ہونے کے بعد (باہم رضامندی سے) جائز ہے۔

وان كان الطلاق ثلثا فی الحرة او ثنتين فی الامة لم تحِل لَهٗ حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويَدْخل بها ثم يطلقها او يموتُ عنها الصبيُّ المراهقُ فی التحليل كالبالغ ووطئُ المولىٰ امته لا يحلُّها لَهٗ وَ اذا تزوَّجها بشرط التحليل فالنكاح مكروه فانْ طلقها بعد وطيها حلَّتْ لِلاوَّلِ وَاِذَا طَلَقَ الرَّجُلُ الحُرَّةَ تَطْلِيْقَةً اَوْ تَطْلِيْقَتَيْنِ

وانقضت عِدَّتُهَا وَتزوَّجتْ بِزوْجٍ اٰخرَ فَدَخَلَ بِهَا ثُمَّ عَادَتْ اِلیٰ الاَوَّلِ عَادَتْ بثلث تَطْلِيقَاتٍ وَ يَهْدِمُ الزوج الثانی مادونَ الثلث كَمَا يَهْدِم الثلث عِنْدَ ابی حَنِيفَةَ وَ اَبِی يُوسُف رَحِمَهُما الله وَقَالَ مُحَمَّد رَحِمَهُ الله لَا يَهْدِمُ الزوجُ الثانی مَا دُونَ الثلث.

ترجمه : اور اگر آزاد عورت میں تین طلاقیں ہوں یا باندی میں دو طلاقیں ہوں تو یہ عورت مرد کے لئے حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح صحیح کرلے اور وہ شوہر اس سے دخول کرلے پھر اس کو طلاق دے یا شوہر کا انتقال ہو جائے۔ اور قریب البلوغ لڑکا حلالہ کرنے میں مثل بالغ کے (بالغ کے حکم میں) ہے اور مولیٰ کا اپنی باندی سے وطی کرنا شوہر اول کیلئے حلال نہیں کرتا۔ اور اگر کسی عورت سے حلالہ کرنے کی شرط پہ نکاح کیا تو نکاح (کا عمل) مکروہ ہے پس اگر شوہر (ثانی) نے اس عورت کو جماع کے بعد طلاق دیدی تو یہ عورت شوہر اول کیلئے حلال ہو جائے گی۔ اور اگر مرد نے آزاد عورت کو ایک طلاق یا دو طلاقیں دی اور اس کی عدت گزر گئی اور اس عورت نے کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا اور اس شوہر (ثانی) نے اس عورت سے جماع کیا پھر یہ عورت شوہر اول کے پاس لوٹ آئی تو یہ عورت تین طلاقوں کے ساتھ لوٹے گی۔ اور شوہر ثانی تین سے کم طلاقوں کو ختم کر دیتا ہے جس طرح کہ تین طلاقوں کو ختم کر دیتا ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ شوہر ثانی تین سے کم طلاقوں کو ختم نہیں کرتا ہے۔

تشریح : اس عبارت میں صاحب قدوری پانچ مسئلے ذکر فرمائے ہیں۔

وان كان الطلاق ...... او يموت عنها: مسئلہ (۱) اگر ایک شخص اپنی آزاد بیوی کو تین طلاقیں دیدی یا اپنی منکوحہ باندی کو دو طلاقیں دیدی تو یہ عورت اس شوہر کے لئے اس وقت حلال ہوگی جبکہ کسی دوسرے سے نکاح صحیح کرے اور یہ دوسرا شوہر اس سے ہم بستری کرے پھر اس کو طلاق دے اور یہ اس کی عدت گزارے یا اس کا انتقال ہو جائے اور عدت گزارے۔

معلوم یہ ہوا کہ آزاد عورت میں تین طلاقوں سے اور باندی میں دو طلاقوں سے حرمت غلیظہ ثابت ہو جاتی ہے اس موقع پر یہ واضح رہے کہ جس عورت کے لئے حرمت غلیظہ ثابت ہوگئی ہے اس کے حلالہ کے لئے شوہر ثانی کا اس کی شرمگاہ میں صرف حشفہ کا داخل کرنا کافی ہے انزال منی کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔

والصبی المراهق ...... كالبالغ : مسئلہ (۲) جو بچہ مراہق یعنی قریب البلوغ ہو وہ مطلقہ ثلثہ کو پہلے شوہر کے لئے حلال کرنے میں بالغ کے حکم میں ہے یعنی جس طرح ایک بالغ شخص سے نکاح صحیح کے بعد حلالہ معتبر ہے اسی طرح ایک مراہق بچہ سے حلالہ معتبر ہے۔

مراہق۔ وہ بچہ جو قریب البلوغ ہو یا ایسا بچہ جس کا عضو تناسل حرکت کرتا اور اس میں شہوت جماع پائی جاتی ہو شمس الائمہ سرخسی کے نزدیک دس سال کا لڑکا مراہق ہے۔

اس مسئلہ میں حضرت امام مالکؒ کا احناف سے اختلاف ہے۔ امام مالک کے نزدیک مراہق کا حلالہ غیر معتبر ہے۔

ووطی المولیٰ امته لا يحلها له: مسئلہ (۳) اگر کسی شخص نے اپنی بیوی (جو کسی دوسرے کی باندی ہے) کو دو طلاقیں دیدی جب اس نے عدت گزاری تو اس باندی کے مولیٰ نے اس سے وطی کرلی تو یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال

نہیں ہوگی چونکہ مولی کو شوہر نہیں کہا جاتا اسلئے اس کا وطی کرنا پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں کرے گا۔

واذا تزوجها ...... حلت للاول : مسئلہ (۴) اگر کسی شخص نے مطلقہ ثلثہ سے تحلیل کی شرط پر نکاح کرلیا اور یہ کہا کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا ہے کہ تجھ کو پہلے شوہر کے لئے حلال کر دوں تو اس طریقہ پر عورت شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے گی البتہ ایسا نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ کا مسلک ہے حضرت امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تحلیل کی شرط پر عقد نکاح فاسد ہو جائے گا اور عورت شوہر اول کیلئے حلال نہیں ہوگی حضرت امام محمدؒ کے نزدیک نکاح تو صحیح ہو جائے گا البتہ شوہر اول کیلئے حلال نہیں ہوگی۔

واذا طلق الرجل الحرة الخ : مسئلہ (۵) اگر کسی شخص نے آزاد عورت کو ایک یا دو طلاقیں دیدی اس عورت نے عدت مکمل کرنے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلیا اب اس دوسرے شوہر نے اس سے مباشرت کرنے کے بعد طلاق دیدی اس نے عدت گزارنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کرلیا تو یہ شوہر کے پاس تین طلاقوں کے ساتھ لوٹے گی یعنی شوہر اول تین طلاقوں کا مالک ہوگا اور دوسرا شوہر تین طلاقوں سے کم کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جس طرح تین طلاقوں کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ حضرات شیخینؒ کا مسلک ہے امام محمدؒ کے نزدیک دوسرا شوہر تین طلاقوں سے کم یعنی ایک یا دو طلاقوں کو ختم نہیں کرتا ہے بلکہ پہلا شوہر ماقبی طلاق کا مالک ہوگا اور اگر دو طلاقیں دیدی تو اب ایک کا مالک ہوگا امام زفرؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

وَإِذَا طَلَّقَهَا ثَلٰثاً فَقَالَتْ قَدْ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ وَتَزَوَّجْتُ بِزَوْجٍ آخَرَ وَدَخَلَ بِي الزَّوْجِ الثَّانِي وَ طَلَّقَنِيْ وانقَضَتْ عِدَّتِيْ والمُدَّةُ تَحْتَمِلُ ذٰلِكَ جَازَ لِلزَّوْجِ الاَوَّلِ اَنْ يُصَدِّقَهَا اِذَا كَانَ غَالِبُ ظَنِّهٖ اَنَّهَا صَادِقَةٌ.

ترجمہ : اور اگر مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی پھر اس نے (کچھ مدت کے بعد) کہا کہ میری عدت گزر گئی اور میں نے دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا اور دوسرے شوہر نے مجھ سے صحبت کی اور مجھ کو طلاق دیا اور میری عدت پوری ہوگئی درآنحالیکہ مدت ان چیزوں کا احتمال رکھتی ہے تو شوہر اول کے لئے جائز ہے کہ اس کی تصدیق کرے جبکہ اس کا غالب گمان یہ ہے کہ یہ عورت سچی ہے۔

تشریح : مسئلہ۔ اگر شوہر نے اپنی آزاد بیوی کو تین طلاقیں دیدی۔ عورت نے کچھ مدت گزر جانے کے بعد اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ جب میری عدت پوری ہوگئی تھی تو میں نے کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا چنانچہ اس نے مجھ سے ہمبستری کی اور مجھکو طلاق دیدی اور میری عدت بھی گزر گئی۔ اب اگر یہ مدت ایسی ہے کہ اس میں ان تمام باتوں کا احتمال ہے تو شوہر، عورت کے ان تمام بیان کی تصدیق کرسکتا ہے بشرطیکہ شوہر کے ظن غالب کے مطابق عورت صادق القول ہو۔

کتاب الایلاء

ایلاء کا بیان

ایلاء: یہ مصدر ہے باب افعال سے آلیٰ یولی ایلاء۔ قسم کھانا۔ شریعت میں ایلاء کہتے ہیں کہ شوہر قسم کھائے کہ وہ چار ماہ یا اس سے زائد اپنی بیوی سے مقاربت اور وطی نہیں کرے گا۔ مگر اس کی شرط میں اختلاف ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ شوہر طلاق کا اہل ہو۔ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ شوہر وجوب کفارہ کا اہل ہو۔ اس کا رکن یہ ہے کہ شوہر کہے واللہ لا اقربك اربعة اشهر. اس کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر عورت سے وطی کرے تو کفارہ لازم ہو اور اگر مدت گزر جائے تو طلاق بائن واقع ہو۔

عورت، شوہر پر چار طریقے سے حرام ہوتی ہے (۱) طلاق (۲) ایلاء (۳) ظہار (۴) لعان۔

ان چاروں میں سے سب سے پہلے طلاق کو ذکر کیا گیا کیونکہ طلاق تحریم میں اصل ہے اس کے بعد ایلاء کو ذکر کیا گیا کیونکہ اباحت میں طلاق سے قریب لیکن چونکہ ایلاء میں عورت کو حق وطی سے روکا گیا ہے جو ظلم ہے اس لئے اس کو طلاق سے مؤخر کیا گیا۔

اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لامرأتِہ واللہ لااقربُكِ او واللہ لا اَقْرُبُكِ اَرْبعَةَ اَشْهُرٍ فهو مولٍ فَاِنْ وَطِئَهَا فِيْ الاَرْبعَةِ الاَشْهُرِ حَنِثَ فِيْ يَمِيْنِہ وَ لَزِمَتْهُ الكَفَّارَةُ وَسَقطَ الاِيْلاءُ وَ اِنْ لَمْ يَقْرُبْهَا حَتّٰى مَضَتْ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ بانَتْ بتَطْلِيْقةٍ وَاحِدَةٍ فَاِنْ كَانَ حَلَفَ علىٰ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَقَدْ سَقَطَتِ اليَمِيْنُ وَاِنْ كَانَ حَلَفَ علىٰ الاَبَدِ فاليَمِيْنُ بَاقِيَةٌ فَاِنْ عَادَ فَتَزَوَّجَهَا عَادَ الاِيْلاءُ فان وَطِئَهَا وَاِلّا وَقَعَتْ بِمَضِى اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ اُخْرىٰ فَاِنْ تَزَوَّجَهَا ثَالِثاً عَادَ الاِيْلاءُ ووَقَعَتْ عَلَيْهَا بِمَضِى اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ لَمْ يَقَعْ بِذَالِكَ الاِيْلاءِ طَلاقٌ وَاليَمِيْنُ بَاقِيَةٌ فَاِنْ وَطِئَهَا كَفَّرَ عَنْ يَّمِيْنِہ.

ترجمہ: اور اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ بخدا میں تم سے قربت (جماع) نہیں کروں گا یا بخدا میں تم سے چار ماہ تک جماع نہیں کروں گا تو وہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا۔ اب اگر شوہر نے اس عورت سے چار ماہ کے اندر وطی کر لی تو وہ اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا اور اس کو کفارہ لازم ہو جائے گا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا اور اگر اس عورت سے جماع نہیں کیا یہاں تک کہ چار ماہ گزر گئے تو ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور اگر چار ماہ (کی قید کے ساتھ) قسم کھائی تو قسم ساقط ہو جائے گی اور اگر ہمیشہ کیلئے قسم کھائی تو قسم باقی رہے گی اب اگر اس نے لوٹ کر اس عورت سے (دوبارہ) نکاح کر لیا تو ایلاء لوٹ آئے گا پس اگر اس شوہر نے اس عورت سے وطی کر لی (تو بہتر ہے) ورنہ چار ماہ کے گزر جانے پر دوسری طلاق واقع ہو جائے گی اب اگر اس شوہر نے اس عورت سے تیسری مرتبہ نکاح کر لیا تو ایلاء لوٹ آئے گا اور اس پر چار ماہ کے گزر جانے سے تیسری طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر پھر اس شوہر نے دوسرے شوہر کے بعد اس عورت سے نکاح کر لیا تو اس یلاء سے

طلاق واقع نہیں ہوگی اور قسم باقی رہے گی اور اگر اس عورت سے وطی کرلی تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے گا۔

تشریح : اِذا قَالَ الرَّجلُ...... واِنْ لَمْ يَقْرُبْهَا : اس عبارت میں ایلاء کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ ایلاء کرنے والے کو مولی کہا جاتا ہے، ایلا کی دو صورتیں ہیں (۱) شوہر کہے واللہ لا اقربك ابداً یعنی بخدا میں ہمیشہ ہمیش کے لئے تم سے جماع نہیں کروں گا (۲) شوہر کہے واللہ لا اقربك اربعة اشهر بخدا میں تم سے چار ماہ تک جماع نہیں کرونگا۔ پہلی صورت کو ایلاء مؤبد اور دوسری صورت کو ایلاء مؤقت کہتے ہیں۔

پہلی صورت میں بالاتفاق شوہر ایلاء کرنے والا کہا جائے گا۔ مگر دوسری صورت میں اختلاف ہے، صرف عندالاحناف شوہر ایلاء کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک شوہر ایلاء کرنے والا نہیں کہا جائے گا بشرطیکہ شوہر چار ماہ سے زائد کی قسم کھائے چنانچہ امام مالک کے نزدیک کم از کم ایک دن زائد ہو اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایک لحظہ ہی زائد ہو۔

اگر شوہر نے چار ماہ کے اندر وطی کرلی تو شوہر اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا اور اس پر کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا (یعنی طلاق واقع نہیں ہوگی)۔ امام شافعیؒ کے قول قدیم میں شوہر حانث تو ہو جائے گا مگر کفارہ لازم نہیں آئے گا۔ اور قول جدید میں کفارہ لازم ہوگا، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

وانْ لَمْ يقربها ...... بتطليقة واحدة : مسئلہ (۱) اگر شوہر نے ایلاء کی مدت میں بیوی سے مجامعت نہیں کی اور ایلاء کا زمانہ ومدت گزر گیا تو احناف کے نزدیک یہ عورت ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ایلاء کی مدت گزر جانے کے بعد قاضی کی تفریق پر عورت بائنہ ہوگی ورنہ نہیں چنانچہ اگر شوہر نے رجوع کرنے اور جدا کرنے سے انکار کردیا اور بیوی کے مطالبہ پر قاضی نے تفریق وجدائیگی پیدا کردی تو یہ تفریق طلاق رجعی کہلائے گی۔ امام احمد کا مذہب مختار یہ ہے کہ قاضی اس عورت کو ایک طلاق رجعی دے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک حاکم کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ اس عورت کی ایک طلاق رجعی دے یا بائنہ یا دو یا تین یا نکاح ہی فسخ کردے۔

فان كان حلف ......باقية : مسئلہ (۲) اگر چار ماہ گزر گئے اور شوہر نے مجامعت نہیں کی تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) شوہر نے قسم کھائی کہ وہ چار ماہ عورت سے قربت نہیں کرے گا (۲) شوہر نے قسم کھائی کہ وہ عورت سے ہمیشہ کے لئے مجامعت وقربت نہیں کرے گا یا قسم کھائی کہ صرف مجامعت نہیں کرے گا (مطلق کہا)۔ پہلی صورت میں چار ماہ گزر جانے پر قسم ساقط ہو جائے گی۔ دوسری صورت میں چار ماہ گزر گئے اور شوہر نے وطی نہیں کی تو اس عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور قسم باقی رہے گی۔

فان عاد...... اربعة اشهر : مسئلہ (۳) اگر بینونت اور عدت گزر جانے کے بعد مولی نے اسی عورت سے دوبارہ نکاح کرلیا تو ایلاء پھر لوٹ آئے گا اب اگر شوہر نے مدت ایلاء کے درمیان مجامعت کرلی تو قسم ٹوٹ جائے گی اور قسم کا کفارہ لازم ہوگا لیکن اگر چار ماہ کے دوران شوہر نے عورت سے وطی نہیں کی اور چار ماہ گزر گئے تو دوسری طلاق واقع ہو جائے گی پھر اگر شوہر نے تیسری مرتبہ اسی عورت سے نکاح کرلیا تو ایلاء لوٹ آئے گا اب اگر شوہر نے وطی نہ کی اور چار ماہ گزر گئے تو تیسری طلاق واقع ہو جائے گی۔

فان تزوجها الخ : مسئلہ (۴) صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ عورت نے تین مرتبہ بائنہ ہونے کے بعد کسی

دوسرے شخص سے نکاح کرلیا پھر اسی سابق شوہر کے عقد میں آگئی تو اب اس ایلاء سے طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ ایلاء باطل ہو جائے گا (امام زفرؒ کے نزدیک ایلاء باطل نہیں ہوگا) البتہ قسم باقی رہے گی اب اگر اس شوہر نے عورت سے وطی کرلی تو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا کیونکہ وطی کرنے سے قسم ٹوٹ گئی۔

فَاِنْ حَلَفَ عَلیٰ اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَكُنْ مُوْلِياً وَاِنْ حَلَفَ بِحَجٍّ او صَوْمٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ عِتْقٍ اَوْطَلَاقٍ فَهُوَ مُوْلٍ وَاِنْ الي مِنَ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ كَانَ مُوْلِياً وَاِنْ آلیٰ مِنَ الْبَائِنَةِ لَمْ يَكُنْ مُوْلِياً وَمُدَّةُ اِيْلَاءِ الْاَمَةِ شَهْرَان وَاِنْ كَانَ الْمُوْلِي مَرِيضاً لَا يَقْدِرُ عَلیٰ الجِمَاعِ اَوْ كَانَتْ الْمَرأة مَرِيْضَةً او رَتْقَاءَ اَوْ صَغِيْرَةً لَا يُجَامَعُ مِثْلُهَا اَوْ كَانَتْ بَيْنَهُمَا مَسَافَةٌ لَا يَقْدِرُ اَنْ يَصِلَ اِلَيْهَا فِيْ مُدَّةِ الاِيْلَاءِ ففيئه اَنْ يَقُوْلَ بِلِسَانِهٖ فِئْتُ اِلَيْهَا فَاِنْ قَالَ ذَالِكَ سَقَطَ الاِيْلَاءُ وَ اِنْ صَحَّ فِيْ الْمُدَّةِ بَطَلَ ذَالِكَ الفِئُ وَ صَارَفِيئه الجِمَاعُ.

ترجمہ : اگر شوہر نے چار ماہ سے کم کی قسم کھائی تو مولی (ایلاء کرنے والا) نہیں ہوگا اور اگر حج یا روزہ یا صدقہ یا آزاد کرنے یا طلاق کی قسم کھائی تو وہ ایلاء کرنے والا ہے۔ اور اگر (اپنی) مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کیا تو ایلاء کرنے والا ہوگا اور اگر مطلقہ بائنہ سے ایلاء کیا تو ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا اور باندی سے ایلاء کرنے کی مدت دو ماہ ہیں۔ اور اگر مولی (ایلاء کرنے والا) مریض ہو جماع پر قادر نہ ہو یا عورت بیمار ہو یا ایسی ہو کہ پیشاب کے راستہ کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو یا اتنی چھوٹی بچی ہو کہ اس کے ساتھ جماع نہیں کیا جاسکتا یا ان دونوں (مرد و عورت) کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ مدت ایلاء (جس قدر باقی ہو اس) میں وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ تو اس کا ایلاء سے رجوع کرنا یہ ہے کہ مرد اپنی زبان سے کہے کہ میں نے اس کی طرف رجوع کرلیا، اگر وہ کہدے تو ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر مدت کے اندر صحت یاب ہو جائے تو وہ رجوع باطل ہو جائے گا اور اس کا رجوع جماع کرنا ہوگا۔

تشریح : اس عبارت میں پانچ مسئلے ذکر کئے گئے ہیں۔

فان حلف ...... لم یکن مولیا : مسئلہ (۱) اگر کسی نے چار ماہ سے کم اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تو یہ شخص مولی (ایلاء کرنے والا) نہیں ہوگا۔ مثلاً وہ کہے **واللہ لا اقربك شهراً یا شهرین یا ثلاثة اشهر**۔ تمام ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ مدت ایلاء چار ماہ سے کم نہیں ارشاد باری ہے **للذین یؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر**۔

ابن ابی لیلہ کے نزدیک اگر کوئی چار ماہ سے کم کی قسم کھائی تو وہ شخص مولی ہو جائے گا اور چار ماہ تک اپنی اس بیوی سے وطی نہ کی تو یہ عورت مطلقہ بائنہ ہو جائے گی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک شروع میں یہی تھا لیکن جب امام صاحب کو حضرت ابن عباس کا فتویٰ "کہ چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں ہے" معلوم ہوا تو امام صاحب نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا۔

وان حلف بحجٍّ ...... فهو مول: اوپر کی عبارت میں ایلاء کے اندر اللہ کی قسم کو بیان کیا گیا ہے اور اس عبارت میں اللہ کی قسم سے ہٹ کر شرط و جزاء کے ساتھ قسم کی صورتوں کو بیان کیا جارہا ہے۔

مسئلہ (۲) اگر کسی نے حج یا روزے یا صدقہ یا آزاد کرنے یا طلاق دینے کی قسم کھائی مثلاً یوں کہے کہ اگر میں تم سے

صحبت کروں گا تو مجھ پر حج یا روزہ یا صدقہ یا غلام کا آزاد کرنا لازم ہے یا یوں کہے کہ اگر میں تم سے صحبت کروں گا تو تم کو یا تمہاری سوتن کو طلاق ہے تو ان تمام صورتوں میں یہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا۔

اب اگر چار ماہ کی مدت وطی کے بغیر گزر گئی تو اس عورت پر طلاق ہو جائے گی۔

عورت کی صحبت پر اپنے غلام کی آزادی کا معلق کرنا۔ اس صورت میں ایلاء کے ثابت ہونے کے بارے میں طرفین اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں ایلاء ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اگر یہ شخص غلام کو فروخت کرنے کے بعد عورت سے وطی کرتا ہے تو ایلاء بھی واجب نہیں ہوگا۔ حضرات طرفین کے نزدیک ایلاء ہو جائے گا کیونکہ غلام کا فروخت کرنا ایک امر موہوم ہے یعنی بیچ بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔

وان آل...... لم یکن مولیا: مسئلہ (۳) اگر کسی شخص نے مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کیا تو یہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا۔ (یہ ائمہ اربعہ اور جمہور کا مسلک ہے) اور اگر مطلقہ بائنہ سے ایلاء کیا تو بالاتفاق ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔

نوٹ: اگر مطلقہ رجعیہ کی عدت، مدت ایلاء یعنی چار ماہ سے قبل مکمل ہو گئی تو ایلاء ساقط ہو جائے گا کیونکہ زوجیت مطلقہ رجعیہ میں موجود ہے اور یہی ایلاء کا محل ہے لیکن جب رجعیہ کی عدت پوری ہو گئی تو ایلاء کی محلیت ختم ہو گئی اس لئے ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ اور مطلقہ بائنہ ایلاء کا محل نہیں ہے کیونکہ بائنہ کر دینے سے عورت کی زوجیت باقی نہیں رہتی ہے۔

ومدۃ ایلاء الامۃ شهران: مسئلہ (۴) باندی اگر کسی کی بیوی ہو تو اس کی ایلاء کی مدت دو ماہ ہیں اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام۔

حضرت امام مالک کا مذہب مشہور یہ ہے کہ غلام کی بیوی کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے اس کی بیوی آزاد ہو یا غلام۔ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک آزاد مرد اور غلام، آزاد عورت اور باندی سب برابر ہیں اور تمام کی مدت ایلاء چار ماہ ہے۔

وان کان المولی مریضاً الخ: مسئلہ (۵) اگر ایلاء کرنے والا بیماری کی وجہ سے جماع پر قادر نہ ہو یا عورت بیمار ہو یا عورت رتقاء ہو یعنی اس کا رحم ہڈی وغیرہ کے ابھار کی وجہ سے بند ہو (پیشاب کے راستہ کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ ہو) یا ایسی چھوٹی بچی ہو جسکو جماع پر قدرت نہ ہو یا زوجین کے درمیان اتنی دوری ہو کہ شوہر چار ماہ کی مدت میں اس تک نہیں پہنچ سکتا ہے تو ان تمام صورتوں میں شوہر کو رجوع بالقول کا اختیار ہے مثلاً اگر شوہر مدت ایلاء میں کہتا ہے فئت الیہا (میں نے اس کی طرف رجوع کیا) تو اس جملہ سے ایلاء ساقط ہو جائے گا (مگر شوہر حانث وطی کرنے سے ہوگا) اور اگر مدت ایلاء کے درمیان جماع پر قدرت حاصل ہو جائے تو پھر رجوع وطی کرنے سے ہی ہوگا۔

بحث کا حاصل یہ ہے کہ عدم قدرت کی صورت میں رجوع بالقول معتبر ہوگا اور قدرت علی الجماع کی صورت میں رجوع بالجماع معتبر ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور امام طحاویؒ کے نزدیک بہر صورت ایلاء میں صرف رجوع بالجماع معتبر ہے۔

وَ اِذا قال لامرأتہ اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ سُئِلَ عَنْ نِيَتِهٖ فَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ الكذبَ فَهُوَ كَما قَالَ وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ بِهٖ الطلاق فَهِيَ تَطْلِيْقة بَائِنَة الا ان ينوىَ الثلث وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ به الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَار وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ بِهِ التَحْرِيم اَوْ لَمْ اَرد بِهٖ شَيْئاً فَهِيَ يَمِيْن يَصِير به مُوْلياً.

ترجمہ: اور اگر اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ پر حرام ہو تو اس کی نیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اب اگر اس نے کہا کہ میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا ہے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے کہا اور اگر اس نے کہا کہ میں نے اس سے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی مگر یہ کہ وہ تین طلاقوں کی نیت کرے اور اگر اس نے کہا کہ میں نے اس سے ظہار کا ارادہ کیا ہے تو وہ ظہار ہوگا اور اگر اس نے کہا کہ میں نے اس سے تحریم (حرام کر لینا) مراد لیا ہے یا (اس نے کہا کہ) میں نے اس سے کچھ بھی مراد نہیں لیا ہے یہ قسم ہے اور اس کی وجہ سے ایلاء کرنے والا ہو جائے گا۔

تشریح: **واذا قال لامرأته الخ:** مسئلہ۔ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا انت علی حرام تو اس صورت میں قائل سے سوال کرنے پر اس کی نیت پر فیصلہ ہوگا اب اگر وہ کہتا ہے کہ اس جملہ سے جھوٹ کی نیت کی ہے تو ایسا ہی ہوگا جیسا کہ اس نے کہا یعنی نہ طلاق ہوگی نہ ایلاء اور نہ ظہار اور اگر کہتا ہے کہ میں نے اپنے قول انت علی حرام سے طلاق کی نیت کی ہے البتہ طلاق کے عدد کی نیت نہیں کی یا ایک یا دو کی نیت کی تو ان تینوں صورتوں میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر تین طلاق کی نیت کی تو تینوں واقع ہوگی اور اگر وہ کہتا ہے کہ میں نے "انت علی حرام" سے ظہار کی نیت کی ہے تو یہ ظہار ہوگا (یہ حضرات شیخین کا مسلک ہے اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک ظہار نہیں ہوگا) اگر اس نے کہا کہ میں نے "انت علی حرام" سے عورت کو حرام کر دیا ہے یا اس نے کہا ہے کہ میں نے اس سے کسی چیز کی نیت نہیں کی ہے تو یہ قسم ہوگا۔

کتاب الخلع

خلع کا بیان

"خُلع" کے احکام کو ایلاء کے احکام کے بعد دو وجہ سے بیان کیا جا رہا ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ ایلاء مال سے خالی ہے اسی لئے یہ طلاق سے زیادہ قریب ہے، اور خلع میں عورت کی جانب سے معاوضہ حاصل ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایلاء میں شوہر کی جانب سے نافرمانی کا جذبہ کارفرما ہے اور خلع میں عورت کی جانب سے نافرمانی اور نشوز کا جذبہ کارفرما ہے اس لئے جو چیز مرد سے متعلق ہے اس کو پہلے بیان کیا گیا اور جس چیز کا تعلق عورت سے ہے اس کو بعد میں بیان کیا گیا۔ ایک تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایلاء خالی عن المال کی وجہ سے مفرد ہے اور خلع میں مال موجود ہے اس لئے مرکب ہے اور مفرد، مرکب پر مقدم ہوتا ہے اس لئے ایلاء کو پہلے اور خلع کو بعد میں بیان کیا گیا۔

خلع از روئے لغت مصدر ہے بمعنی نزع یعنی اتارنا الگ کرنا بولا جاتا ہے خلعت النعل میں نے جوتا اتارا، خلع میں "خ" بالفتح والضم دونوں منقول ہے اگر بالفتح ہے تو نزع حقیقی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اگر بالضم ہے تو نزع مجازی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

اصطلاح شرع میں ازالہ ملک نکاح کو کہتے ہیں جو لفظ خلع یا اس کے ہم معنی الفاظ کے ذریعہ ہو جس کی صحت عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہو۔ (تنویر الابصار)

ایک دوسری تعریف یہ کی جاتی ہے کہ عورت سے لفظ خلع کے ساتھ ملک نکاح کے مقابلہ میں مال لینا۔ اور خلع کی شرط وہ ہے جو طلاق کی شرط ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ خلع سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ اور اس کی صفت یہ ہے کہ شوہر کی طرف سے خلع یمین ہے اور عورت کی طرف سے معاوضہ ہے۔ اس لئے شوہر کیجانب سے یمین کے احکام کی رعایت کی جائے گی اور عورت کی جانب سے معاوضہ کے احکام کی یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک خلع دونوں کی طرف سے یمین ہے۔

اذا تشاقّا الزوجان وخافا ان لا یقیما حُدودَ اللّٰهِ فلا بأس بان تفتدی نفسها منه بمالٍ یخلعها بهٖ فاذ افعل ذالك وَقَعَ بالخلع تطلیقة بائنة ولزمها المالُ فان کان النشوز من قِبَلِهٖ کَرِهَ لَهٗ اَنْ یا خذ منها عوضاً وَ انْ کان النشوزُ منْ قِبَلِهَا کَرِهَ لَهٗ اَنْ یاخذ اکثر ممّا اعطاها فان فعل ذٰلك جازَ فی القَضَاءِ وانْ طلقها علی مال فقبلت وقع الطلاق ولزِمَهَا المالُ وَ کَانَ الطلَاقُ بائناً وَان بَطَلَ العِوَضُ فِی الخُلع مِثْل ان یخالِعَ المرأةُ المُسْلِمَةُ علیٰ خمرٍ او خنزیرٍ فلا شیٔ للزوجِ والفرقة بائنة وَانْ بَطَلَ العِوَضُ فِی الطلَاقِ کا نَ رَجْعِیاً۔

ترجمہ : اگر میاں بیوی باہم لڑیں اور دونوں کو یہ ڈر ہو کہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ عورت اپنی جان کا فدیہ ایسے مال کے عوض دیدے جس کے ذریعہ شوہر اس کو خلع دے اب اگر شوہر نے ایسا کر دیا تو خلع کے ذریعہ طلاق بائن واقع ہوگی اور بیوی پر مال لازم ہوجائے گا اگر سرکشی اور ناموافقت شوہر کی طرف سے ہو تو شوہر کے لئے بیوی سے عوض (بدل خلع) لینا مکروہ ہے اور اگر سرکشی عورت کی طرف سے ہو تو شوہر کیلئے مکروہ ہیکہ بیوی سے اس تعداد سے زائد لے جو اس نے بیوی کو دیا ہے اور اگر شوہر نے ایسا کرلیا (مہر سے زائد لے لیا) تو قضاء جائز ہے اور اگر شوہر نے بیوی کو مال پر طلاق دی اور عورت نے اس کو قبول کرلیا تو طلاق واقع ہوجائے گی اور عورت پر مال لازم ہوجائے گا اور طلاق بائن ہوگی اور اگر عوض خلع میں باطل ہوجائے مثلاً ایک مسلمان عورت شراب یا خنزیر پر خلع کرلے تو شوہر کیلئے زوجہ پر کچھ عوض نہیں ہوگا اور یہ فرقت بائنہ ہوگی اور اگر طلاق میں عوض باطل ہوجائے تو طلاق رجعی ہوگی۔

تشریح : **اذا تشاقا ...... ولزمها المال** : مسئلہ (۱) اگر میاں بیوی کے درمیان نا اتفاقی پیدا ہوجائے یا باہم جھگڑلیں اور ان کو اس بات کا احساس ہونے لگے کہ اب اللہ کے حدود قائم نہیں ہو پائیں گے یعنی حقوق زوجیت ادا نہیں ہو پائیں گے تو اگر عورت اپنے شوہر کو اپنی جان کا فدیہ یعنی مال دے کر خلع کرالے تو اس عمل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اب اگر شوہر عورت کو مال کے عوض بذریعہ خلع طلاق دیدے تو طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور عورت پر مال لازم ہوجائے گا۔

اس مسئلے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے آپ کے نزدیک ایک قول کے مطابق خلع فسخ نکاح ہے طلاق نہیں ہے۔

فان کان...... عوضاً : مسئلہ (۲) اگر نشوز یعنی نافرمانی، ناگواری یا ناموافقت شوہر کی جانب سے ہو تو شوہر کیلئے بدل خلع کے طور عورت سے کچھ لینا مکروہ ہے۔

وان کان النشوز...... جاز فی القضاء : مسئلہ (۳) اگر ناموافقت اور ناگواری عورت کی جانب سے ہو تو

شوہر کیلئے عورت سے مقدار مہر تک عوض لینا بلا کراہت جائز ہے البتہ مقدار مہر سے زیادہ لینا مکروہ ہے لیکن اگر شوہر نے عورت سے دونوں صورتوں (مسئلہ ۱ اور مسئلہ ۲) میں مقدار مہر سے زائد لے لیا تو قضاء جائز ہے۔

وان طلقها...... بائنا: مسئلہ (۴) اگر شوہر نے اپنی بیوی کو مال کے عوض طلاق دی مثلاً اس نے کہا انت طالق بالف درهم یا انت طالق علیٰ الف درهم اور عورت نے اس کو قبول کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت کے ذمہ مال لازم ہوگا اور اس صورت میں طلاق بائن ہوگی۔

وان بطل العوض الخ: مسئلہ (۵) اگر عوض خلع میں باطل ہو جائے مثلاً مرد نے اپنی مسلمان بیوی سے شراب یا خنزیر کے عوض خلع کیا تو اس صورت میں شوہر کے لئے عورت پر کوئی چیز بدل خلع کے طور پر لازم نہیں ہوگی اور عورت پر طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر عوض طلاق میں باطل ہو جائے تو طلاق رجعی واقع ہوگی۔

یہ مسلک احناف کا تھا۔ امام مالکؒ و احمدؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں طلاق رجعی واقع ہوگی امام زفرؒ کے یہاں مہر ادا کیا جائے گا اور امام شافعیؒ کے نزدیک مہر مثل ادا کیا جائے گا۔

وما جاز ان يكون مهراً في النكاح جاز ان يكون بدلاً في الخلع فان قالت خالعني علىٰ ما في يدي فخالعها ولم يكن في يدها شئي فلا شئي له عَلَيهَا وانْ قَالَتْ خَالِعْنِي علىٰ مافي يدي من مال فَخَالعهَا وَلَمْ يَكُنْ في يدها شئي ردَّت عَلَيْهِ مَهْرها وَانْ قَالَتْ خَالِعْنِي عَلىٰ مَا فِيْ يَدِى مِنْ دَرَاهِمَ اوْ مِنَ الدَّرَاهِمِ فَفعَلَ وَ لَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهَا شئيٌ فَلَهُ عَلَيْهَا ثَلٰثَة دراهِم وَ اِنْ قَالَتْ طَلِّقنِي ثلثاً بالْفٍ فطلَّقهَا وَاحِدَةً فَعَلَيْهَا ثُلُثُ الالْفِ وَانْ قَالَتْ طَلِّقنِي ثلثاً علىٰ الفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَلَمَّا شَئي عَلَيْهَا عِنْدَ ابِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ الله وَقَالَا رَحِمَهُمَاالله عَلَيْهَا ثُلُثُ الالْفِ.

ترجمہ: اور جس چیز کا نکاح میں مہر ہونا جائز ہے تو یہ بھی جائز ہیکہ وہ خلع میں بدل ہو جائے۔ اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ تم مجھ کو خلع دیدو اس چیز پر جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے چنانچہ شوہر نے عورت کو خلع دیدیا حالانکہ عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو عورت کے ذمہ شوہر کیلئے کچھ نہیں ہوگا اور اگر عورت نے کہا کہ تم مجھکو اس مال پر خلع دیدو جو میرے ہاتھ میں ہے چنانچہ شوہر نے عورت کو خلع دے دیا حالانکہ عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو عورت شوہر کو اپنا مہر واپس کردے اور اگر عورت نے کہا کہ تم مجھ کو اس دراہم پر خلع دےدو جو میرے ہاتھ میں ہے چنانچہ شوہر نے ایسا کردیا مگر عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو (ایسی صورت میں) عورت کے ذمہ تین درہم لازم ہوں گے اور اگر عورت نے کہا کہ تم مجھکو تین طلاقیں ایک ہزار کے بدلے دیدو چنانچہ شوہر نے اس عورت کو ایک طلاق دیا تو عورت کے ذمہ ایک ہزار کا ایک تہائی واجب ہوگا۔ اور اگر عورت نے کہا کہ تم مجھ کو ایک ہزار پر تین طلاقیں دیدو چنانچہ شوہر نے اس کو ایک طلاق دی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہوگا اور حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس عورت کے ذمہ ایک ہزار کا تہائی واجب ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں ایک ضابطہ اور پانچ مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

وما جاز...... بدلاً فی الخلع: اس عبارت میں ایک ضابطہ بیان کیا جارہا ہے کہ جو چیز عقد نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ بالاتفاق خلع میں بدل خلع بن سکتی ہے۔

فان قالت خالعنی......فلاشئی له علیها : مسئلہ (۱) یہ مسئلہ عبارت سے بالکل واضح ہے اس صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی۔

وان قالت......علیه مهرها: مسئلہ (۲) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

وان قالت......ثلثة دراهم : مسئلہ (۳) اس مسئلہ کی صورت بھی واضح ہے

واذا قالت...... ثلث الالف: مسئلہ (۴) اس مسئلہ کی بھی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔ امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

وان قالت طلقنی الخ : مسئلہ (۵) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔ واضح رہے کہ امام احمدؒ، امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں یعنی ان حضرات کے نزدیک ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور عورت کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہوگا اور حضرات صاحبین کے نزدیک ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور عورت کے ذمہ ایک ہزار درہم کا ایک تہائی واجب ہوگا۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

وَ لَوْ قال الزوج طَلِّقِیْ نفسك ثلثاً بالفٍ او علیٰ اَلْفٍ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا وَاحِدَةً لَمْ یَقَعْ عَلَیْهَا شَئیٌ مِنَ الطَّلَاقِ والمبارأة کالخلع والمبارأة والخُلع یسقطان کلّ حقٍ لکُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الزوجَیْنِ عَلیٰ الآخر مِمَّا یَتَعَلَّقُ بالنِکَاحِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَ قَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ المُبَارأة تُسْقِطُ وَ الخُلْعُ لا تُسقِطُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لا تسقطان اِلا ما سَمَّیَاهُ.

ترجمہ : اور اگر شوہر نے کہا کہ تم خود کو ایک ہزار کے عوض یا ایک ہزار پر تین طلاقیں دو اس عورت نے خود کو ایک طلاق دی تو کوئی طلاق (بھی) واقع نہیں ہوگی اور مبارأۃ (زوجین میں سے ایک دوسرے کو بری کرنا) خلع کے مانند ہے اور مبارأۃ اور خلع دونوں زوجین میں سے ہر ایک کے حق کو جو ایک دوسرے کے ذمہ ہیں ساقط کر دیتے ہیں ان حقوق میں سے جو نکاح سے متعلق ہوں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مبارأۃ ساقط کرتا ہے اور خلع ساقط نہیں کرتا ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں ساقط نہیں کرتے مگر جس کو ان دونوں نے متعین کر دیا ہو۔

تشریح : اس عبارت میں صرف دو مسئلے ہیں۔

ولوقال الزوج ...... من الطلاق : مسئلہ (۱) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

والمبارأة الخ : مسئلہ (۲) زوجین میں سے ایک دوسرے کو بری کرنا خلع کے مانند ہے یعنی بیوی شوہر سے کہے کہ تم مجھ کو اتنے مال پر بری کر دو اور شوہر کہے کہ میں نے تم کو بری کر دیا۔ مبارأۃ اور خلع دونوں ایسے ہیں کہ زوجین کے ہر اس حق کو ساقط کر دیتے ہیں جو نکاح سے متعلق ہوں مثلاً مہر، گزشتہ ایام کا نفقہ (البتہ عدت کا نفقہ اور سکنیٰ ساقط نہیں ہوتا بشرطیکہ

عورت نے عدت کے نفقہ پر خلع کرایا ہو) یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک تھا اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک مباراۃ حقوق کو ساقط کردیتا ہے مگر خلع ساقط نہیں کرتا۔ امام محمدؒ کے نزدیک مباراۃ اور خلع کے ذریعہ وہی حقوق ساقط ہوں گے جن کی زوجین نے تعیین کردی ہو اور جن کی تعیین نہیں کی وہ ساقط نہیں ہوں گے۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

کتاب الظھار

ظہار کا بیان

کتاب الظہار اور کتاب الخلع کے درمیان مناسبت یہ بیان کیجاتی ہے کہ دونوں کے وجود کا سبب زوجین کی ناچاقی و نااتفاقی ہے۔ اور خلع کو ظہار پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ خلع میں تحریم بدرجہ اکمل ہے کیونکہ خلع میں نکاح ختم ہونے کے بعد تحریم ہوتی ہے اور ظہار میں حرمت تو ثابت ہوتی ہے مگر نکاح باقی رہتا ہے اور یہ حرمت کفارہ ادا کردینے سے ختم ہوجاتی ہے بشرطیکہ زوجین اجتماع کے خواہشمند ہوں اور اگر افتراق چاہیں تو پھر کفارہ واجب نہیں ہوتا گویا نفس ظہار سے کفارہ واجب نہیں ہوتا بلکہ اگر ظہار کے بعد لوٹنے کا ارادہ ہو تو کفارہ واجب ہوگا۔

ظہار لغت میں مصدر ہے یہ لفظ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کوئی مرد اپنی بیوی سے۔ کہے انت علی کظهر امی یعنی تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ۔

شریعت میں کہتے ہیں کہ شوہر اپنی بیوی کو کسی ایسی عورت سے تشبیہ دے جو اس مرد کیلئے ہمیشہ کیلئے حرام ہو۔

پس منظر: عہد رسالت میں اوس بن صامت صحابی نے اپنی بیوی خولہ بن ثعلبہ کو کہہ دیا کہ تو میرے حق میں ایسی ہی جیسے میری ماں کی پشت مجھ پر حرام ہے۔ اسوقت تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ انھوں نے آپؐ سے رجوع کیا آپؐ نے اولاً یہ فرمایا کہ اجتماع کی کوئی صورت نہیں ہے اب تو طلاق واقع ہوگئی جیسا کہ اس وقت سماج میں یہی معمول تھا مگر بعد میں سورہ مجادلۃ کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں جس میں نکاح کو باقی رکھا گیا اور حکم لگایا گیا کہ شوہر اپنی منکوحہ سے اسوقت تک قریب نہ ہو جب تک کہ کفارہ ظہار ادا نہ کردے۔

احناف کے نزدیک کفارہ کی ادائیگی سے پہلے وطی اور دواعی وطی یعنی بوس و کنار سب حرام ہیں۔ امام شافعیؒ کے قول جدید اور امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق دواعی وطی حرام نہیں ہے۔

اِذا قال الرجل لامرأته اَنتِ عليَّ كظهرِ اُمّی فقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ لا يَحِلُّ لَهُ وطئها و لا مَسُّها و لا تقبيلُها حتىٰ يُكفِّرَ عَنْ ظِهارِهٖ فانْ وَطِئها قبْلَ اَنْ يكفِّرَ استغفرالله و لاشئ عَلَيْهِ غيرَ الكفَّارَةِ الاُولىٰ وَ لَا يُعاوِدُ حتىٰ يُكفِّرَ و العَوْدُالذی يجبُ بِهٖ الكفَّارَةُ هُوَ اَنْ يَعْزِمَ عَلىٰ وَطِئها وَ اِذَا قالَ اَنتِ عَلىَّ كَبَطْنِ اُمّیْ اَوْ كَفَخذِها اَوْ كَفَرْجِها فَهُوَ مُظَاهِرٌ وَ كَذالِكَ ان شَبَّهَها بِمَنْ لا يَحِلُّ لَهُ النَّظَرُ اِلَيْها عَلىٰ التابيد من محارمه مثل اُختِهٖ اَوْ عَمَّتِهٖ اَوْ اُمِّهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ.

ترجمہ: جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا ''انت علی کظہر امی'' تو یہ عورت اس مرد پر حرام ہوگئی اس مرد کیلئے اس عورت سے وطی حلال نہیں ہے اور نہ اس کو چھونا اور نہ اس کو بوسہ لینا یہاں تک کہ وہ شخص اپنے ظہار کا کفارہ ادا کرے۔ اب اگر شوہر نے بیوی سے کفارہ دینے سے قبل وطی کرلی تو وہ شخص اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور اس شخص پر پہلے کفارہ کے علاوہ کوئی اور چیز واجب نہیں ہوگی اور وہ شخص وطی کا اعادہ نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ ادا کردے اور وہ عود جس سے کفارہ واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ شخص اپنی بیوی سے وطی کرنے کا پختہ ارادہ کرلے اور اگر شوہر نے کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کے شکم کے مانند ہے یا اس کی ران کی مانند ہے یا اس کی شرمگاہ کے مانند ہے تو یہ شخص ظہار کرنے والا ہوجائے گا۔ اور اسی طرح اگر شوہر نے اپنی بیوی کو محارم میں سے ایسی عورت سے تشبیہ دی کہ اس کے لئے اس کی طرف دیکھنا حلال نہیں ہے دائمی طور پر مثلاً اپنی بہن، پھوپھی، رضاعی ماں۔

تشریح: اس عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں:

اذا قال الرجل ...... عن ظهاره: مسئلہ (۱) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

فَاِنْ وطئها .... حتى يكفر: مسئلہ (۲) اگر ظہار کرنے والا کفارہ ادا کرنے سے قبل اپنی منکوحہ سے وطی کرلے تو اس صورت میں یہ شخص استغفار کرے اور اس پر کفارۂ اولیٰ کے علاوہ کوئی اور کفارہ واجب نہیں ہوگا اب اس کو چاہئے کہ وطی نہ کرے بلکہ کفارہ ادا کرے۔

جمہور فقہاء اور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے یعنی ایک کفارہ۔ حضرت عمرو بن العاص کے نزدیک دو کفارے اور حضرت حسن بصری اور امام نخعیؒ کے نزدیک تین کفارے واجب ہوں گے۔

والعود .... علىٰ وطئها. مسئلہ (۳) اور جس عود کی وجہ سے کفارہ ظہار واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مظاہر اپنی منکوحہ سے وطی کرنے کا عزم وارادہ کرلے۔

وَاذا قال انت...... فهو مظاهر: مسئلہ (۴) مسئلہ کی صورت ترجمہ سے ظاہر ہے اور جن اعضاء کی طرف دیکھنا جائز ہے مثلاً ہاتھ، پاؤں، بال، ناخن وغیرہ ان کے ساتھ تشبیہ دینے پر ظہار کا حکم نہیں لگے گا۔

امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد کے نزدیک ہاتھ، پیر، سر اور گردن کے ساتھ تشبیہ دینے پر ظہار کا حکم لگے گا اور اگر بال یا دانت یا ناخن کے ساتھ تشبیہ دی تو ظہار کا حکم نہیں لگے گا۔

كذالك ان شبهها الخ: مسئلہ (۵) صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ یہی حکم اس وقت بھی ہے کہ اگر شوہر نے اپنی منکوحہ کو اپنی محارم میں سے ان عورتوں کے ساتھ تشبیہ دی کہ ان کو بنظر شہوت دیکھنا دائمی طور پر حرام ہے مثلاً اپنی بہن، اپنی پھوپھی یا اپنی رضاعی ماں کے ساتھ تشبیہ دی تو یہ شخص مظاہر ہوگا۔

وكذالك ان قال رأسك على كظهر امي او فرجكِ اَوْ وَجْهُكِ اَوْ رَقَبَتُكِ اَوْنِصفُكِ اَوْ ثُلُثُكِ وَاِنْ قَالَ اَنتِ عَلَيَّ مِثْل اُمِي يُرْجَعُ اِلى نِيَتِهٖ فَاِنْ قَالَ اردتُ بِهٖ الكَرامَةَ فهو كَما قَالَ وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ الظِهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ الطَّلاقَ فَهُوَ طلاق بائنٌ وَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ نيةٌ فَلَيس

بِشَيْءٍ وَلا يَكُونُ الظِّهَارُ إِلَّا من زوجَتِهِ فَإِنْ ظَاهر مِنْ امَتِهِ لَمْ يَكُنْ مظاهراً وَمَنْ قَالَ لِنِسَائِهِ انتن عليَّ كَظَهْرِ اُمِّي كانَ مظاهراً من جَمِيعهنّ وَعَلَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدةٍ مِنهُنّ كَفَّارَةٌ.

ترجمہ : اور اسی طرح اگر شوہر نے کہا کہ تیرا سر مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کے مانند ہے، یا تیری شرمگاہ، یا تیرا چہرہ یا تیری گردن، یا تیرا نصف، یا تیرا تہائی اور اگر کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کے مثل ہے تو اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا اب اگر اس نے کہا کہ میں نے اس سے کرامت اور بزرگی کا ارادہ کیا تھا تو ایسا ہی ہوگا جیسا کہ اس نے کہا اور اگر اس نے کہا کہ میں نے ظہار کا ارادہ کیا تھا تو ظہار ہوگا اور اگر اس نے کہا کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا تھا تو طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر اس کی کوئی نیت نہیں ہے تو کچھ بھی واقع نہیں ہوگا۔ اور ظہار نہیں ہوتا ہے مگر اپنی بیوی سے اگر اس نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو مظاہر نہیں ہوگا اور جس شخص نے اپنی بیویوں سے کہا کہ تم سب مجھ پر میری ماں کی پشت کی مانند ہو تو یہ شخص ان سب سے ظہار کرنے والا ہوگا اور اس شوہر پر ان میں سے ہر ایک کیلئے کفارہ ہوگا۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے مذکور ہیں۔

و کذالك...... او ثلثلك : مسئلہ (۱) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے ماقبل اور اس مسئلہ کا حکم برابر ہے۔

وإن قال انت علي...... فليس بشيءٍ: مسئلہ (۲) اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ انت علی کامی یا انت علی مثل امی تو ایسی صورت میں اس کی نیت دیکھی جائے گی تا کہ اس کا حکم ظاہر ہو جائے یعنی اس کی نیت کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ چنانچہ اگر شوہر کہتا ہے کہ تم باعزت ہونے میں میرے نزدیک میری ماں کی طرح ہو تو جیسا اس نے کہا ویسا ہی ہوگا (اور اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا) اور اگر شوہر کہتا ہے کہ میں نے اپنے بیان سے ظہار کی نیت کی ہے تو ظہار ہو جائے گا اور اگر کہتا ہے کہ میں نے اپنے کلام سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر کہتا ہے کہ اپنے کلام سے کرامت، ظہار اور طلاق میں سے کسی کا ارادہ نہیں کیا تو حضرات شیخین کے نزدیک کلام لغو ہو جائے گا اور اصحاب شافعی کا بھی یہی خیال ہے امام محمدؒ کے نزدیک ظہار ہوگا۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ولا یکون...... لم یکن مظاهراً : مسئلہ (۳) ظہار صرف اپنی بیوی سے ہوتا ہے نہ کہ کسی دوسری عورتوں سے چنانچہ اگر کسی نے اپنی باندی سے ظہار کر لیا تو یہ شخص ظہار کرنے والا نہیں ہوگا۔ یہ امام محمدؒ کا قول ہے جو جامع صغیر میں ہے حضرت امام مالکؒ کے نزدیک باندی وغیرہ سے ظہار درست ہے۔

ومن قال لنسائه الخ : مسئلہ (۴) اگر کسی شخص نے اپنی مختلف بیویوں سے کہا انتن علی کظہر امی تو ایسی صورت میں یہ شخص تمام فقہاء کے نزدیک ظہار کرنے والا ہوگا چونکہ عورتیں متعدد ہیں اس لئے کفارہ ظہار بھی ہر عورت کا الگ الگ ہوگا جن سے وطی کرنے کا عزم کرے گا۔ یہ احناف اور امام شافعیؒ کا مسلک ہے، امام مالک اور امام احمدؒ کے نزدیک متعدد عورتیں ہونے کے باوجود سب کی طرف سے صرف ایک کفارہ کافی ہوگا۔

وكَفَّارَةُ الظهارِ عِتقُ رَقَبَةٍ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ

سِتِّیْنَ مِسْکِیناً کُلُّ ذٰلِکَ قَبْلَ الْمَسِیْسِ وَیَجزِیْ فِی العِتْقِ الرَّقبةُ المُسْلِمَةُ والکَافِرَةُ والذکرُ والانثیٰ والصغیر والکبیرُ ولا یُجزیٔ العُمیاءُ ولَا مقطوعَةُ الیَدَیْنِ او الرِجْلَیْنِ وَ یَجُوْزُالاصمُّ ولا یجوز مقطوع ابهامَیِ الیَدَیْنِ وَ لَایَجُوْزُ المَجْنُوْنُ الذی لا یَعْقِلُ وَلَا یَجُوْزُ عِتْقُ المدبَّرِ وامِ الولد والمکَاتب الذی ادّی بعضَ المَالِ فَاِنْ اَعْتَقَ مَکاتبا لم یؤدِّ شیئاً جازَ فَاِنْ اشتریٰ اَباہُ اَوْ ابنه ینوی بالشراء الکفّارة جازَ عَنْهَا .

ترجمہ : اور کفارۂ ظہار ایک غلام کا آزاد کرنا ہے لیکن اگر غلام نہ پائے تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے پھر اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے اور ہر ایک (امر) وطی کرنے سے پہلے ہو اور آزاد کرنے میں غلام کا آزاد کرنا کافی ہے (خواہ غلام) مسلمان ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بڑا اور نہیں کافی ہے اندھا اور نہ ایسا غلام جس کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں۔ اور بہرہ (غلام آزاد کرنا) جائز ہے اور نہیں جائز ہے (ایسے غلام کا آزاد کرنا) جس کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں اور جائز نہیں ہے ایسے مجنون غلام (کا آزاد کرنا) جس کو عقل نہ ہو اور مدبر اور ام ولد کا آزاد کرنا کافی نہیں اور ایسے مکاتب کا (آزاد کرنا کافی نہیں ہے) جس نے کچھ مال ادا کر دیا ہو اب اگر مکاتب کو آزاد کر دیا جس نے کچھ ادا نہیں کیا تو (اس مکاتب کا آزاد کرنا) جائز ہے اور اگر اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو کفارہ کی نیت سے خریدا تو یہ کفارہ ظہار کی طرف سے جائز ہے۔

کفارہ ظہار کا بیان

حل لغات : عتق: آزاد کرنا۔ رقبة : گردن، مراد غلام متتابعین: باب تفاعل سے ہے، مسلسل، پے درپے، بلا ناغہ۔ المسیس : چھونا، مراد وطی کرنا، صحبت کرنا ہے العمیاء : اندھا۔ اصم: بہرا ابهامی ابہام کا تثنیہ ہے، انگوٹھا، اضافت کی وجہ سے تثنیہ کا نون گر گیا۔

تشریح : پوری عبارت کو چھ مسئلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

وکفارة الظهار ...... قبل المسیس : مسئلہ (۱) مظاہر سب سے پہلے کفارہ کے طور پر ایک غلام آزاد کرے اب اگر اس کے اندر اتنی طاقت نہیں ہے تو بلا ناغہ دو ماہ یعنی ساٹھ دن روزے رکھے اور اگر کمزوری کی وجہ سے اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور کفارہ ظہار قبل الوطی ہونا ضروری ہے۔

ویجزیٔ فی العتق ...... الکبیر : مسئلہ (۲) کفارہ ظہار میں مطلق غلام کا آزاد کرنا کافی ہے خواہ غلام مسلمان ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا۔ یہ احناف کا مسلک ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کافر غلام آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

ولا یجزیٔ العمیاء...... الاصم : مسئلہ (۳) اور کفارۂ ظہار میں ایسا غلام آزاد کرنا کافی نہیں ہے جس کی منفعت فوت ہوگئی ہو مثلاً اندھا جس کو بالکل نظر نہ آتا ہو یا جس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں البتہ گونگے کو کفارہ میں ادا کرنا جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ایک چشم کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔

ولا یجوز...... بعض المال: مسئلہ (۴) اگر کسی غلام (یا باندی) کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں تو کفارہ ظہار میں اس کا آزاد کرنا جائز ہے اور مجنوں غلام (یا باندی) جس کو عقل نہ ہو اس کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے اور اسی طرح مدبر اور ام ولد کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے اور ایسے مکاتب غلام کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے جس نے کچھ بدل کتابت ادا کر دیا ہو۔

فان اعتق مکاتباً لم یؤد شیئاً جاز: مسئلہ (۵) اگر مظاہر نے کفارۂ ظہار میں اس مکاتب کو آزاد کیا جس نے بالکل ہی بدل کتابت ادا نہیں کیا تو ایسے مکاتب کا آزاد کرنا جائز اور درست ہے یہ امام صاحب کا مسلک ہے۔ امام محمدؒ کی بھی ایک روایت اسی طرح ہے مگر امام شافعیؒ امام زفرؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق ایسے مکاتب کا آزاد کرنا کافی نہیں ہے۔

فان اشتریٰ الخ: مسئلہ (۶) اگر مظاہر نے اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو کفارہ کی نیت سے خریدا تو کفارہ ظہار ادا ہو جائے گا۔ یہ امام صاحب کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام زفرؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرَكٍ وَضَمِنَ قِيْمَةَ بَاقِيْهِ فَاَعْتَقَهُ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَ اِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهٖ عَنْ كَفَّارَةٍ ثُمَّ اَعْتَقَ بَاقِيَهٗ عَنْهَا جَازَ وَ اِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهٖ عَنْ كَفَّارَتِهٖ ثُمَّ جَامَعَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ اَعْتَقَ بَاقِيَهٗ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمہ: اور اگر اس نے مشترک غلام کا نصف آزاد کر دیا اور باقی غلام کی قیمت کا ضامن ہو گیا پھر اس کو آزاد کر دیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک (اس سے کفارہ ظہار) جائز نہیں ہے اور اگر اپنا آدھا غلام اپنے کفارہ کی طرف سے آزاد کر دیا یا اس کے بعد باقی غلام کو (وطی سے پہلے) آزاد کر دیا تو جائز ہے اور اگر اپنا آدھا غلام اپنے کفارہ کی طرف سے آزاد کر دیا پھر اس شخص نے اس عورت سے وطی کی جس سے اس نے ظہار کیا تھا اس کے بعد باقی غلام کو آزاد کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

تشریح: اس عبارت میں تین مسائل مذکور ہیں۔

وان اعتق...... رحمہ اللہ: مسئلہ (۱) اگر مظاہر نے دو آدمیوں کے درمیان مشترک غلام کے آدھے کو آزاد کر دیا اور اپنے شریک کے لئے باقی غلام کی قیمت کا ضامن ہو گیا پھر اس کو بھی آزاد کر دیا۔ یہ کفارۂ ظہار کی ادائیگی درست ہے یا نہیں اس میں حضرت امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک یہ ادائیگی درست نہیں۔ حضرات صاحبین کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ معتق مظاہر مالدار ہو اور اگر آزاد کرنے والا مظاہر دولتمند نہیں ہے تو بالاتفاق کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ (دلائل ہدایہ میں)

وان اعتق نصف...... جاز: مسئلہ (۲) اگر ایک شخص نے اپنے نصف غلام کو اپنے کفارہ ظہار میں آزاد کر دیا پھر جماع سے قبل بقدر نصف غلام کو آزاد کر دیا تو یہ کفارہ ادا ہو جائے گا یہ جواز استحساناً ہے ورنہ قیاس کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ادائیگی جائز نہیں ہے جیسا کہ عبد مشترک میں عدم جواز کا حکم ہے اور صاحبین کے نزدیک ہر اعتبار سے جائز ہے۔

وان اعتق الخ: مسئلہ (۳) اگر ایک شخص نے اپنے کفارہ میں نصف غلام کو آزاد کر دیا پھر جس عورت سے ظہار کیا

تھا اس سے جماع کرلیا تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفارہ ادا نہیں ہوگا البتہ حضرات صاحبین کے نزدیک کفارہ ادا ہو جائے گا۔

فَاِنْ لَمْ یَجِدْ المظاھِر مَایعتِقهُ فکفارتُهُ صَوْمُ شَهرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ لَیسَ فِیهَا شَهرُ رَمَضَانَ وَ لَا یَومُ الفِطْرِ وَ لا یَوْمُ النَّحْرِ و لَا اَیَّامُ التشْرِیْقِ فَاِنْ جَامَعَ الَّتِیْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِیْ خِلَالِ الشهرَیْنِ لَیْلاً عَامِداً اَوْ نَهَاراً نَاسِیاً استانَفَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ وَ اِنْ اَفْطَرَ یَوْماً مِنهَا بِعُذْرٍ اَوْ بِغَیْرِ عُذْرٍ استانَفَ وَاِنْ ظَاهَرَ العَبْدُ لَمْ یَجْزِه فِیْ الکَفَّارَةِ اِلَّا الصَّوْم فَاِنْ اَعْتَقَ المَوْلیٰ اَوْ اَطْعَمَ عَنْهُ لَمْ یَجْزِهٗ وَ اِنْ لَمْ یَسْتَطِعِ المُظَاهِرُ الصِیَامَ اَطْعَمَ سِتِّیْنَ مِسْکِیناً لِکُلِّ مِسْکِیْنٍ نِصف صَاعٍ مِنْ بُرٍ او صَاعاً مِنْ تَمرٍ اَوْ شَعِیْرٍ اَوْ قِیمَة ذٰلِك فَاِنْ غَدَّاهم و عَشَّاهُمْ جَازَ قَلِیْلاً کَانَ مَا اَکَلُوا اَوْ کَثِیْراً۔

ترجمہ : اگر مظاہر اس چیز کو نہ پائے جس کو آزاد کرے تو اس کا کفارہ دو ماہ کا مسلسل روزہ رکھنا ہے جس میں نہ تو رمضان المبارک کا مہینہ ہو اور نہ عید الفطر کا، نہ عید الاضحیٰ اور نہ ہی ایام تشریق ہو اب اگر دو ماہ کے اندر اس عورت سے جماع کرلیا جس سے ظہار کیا (خواہ) رات میں عمداً یا دن میں بھول کر تو حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک از سر نو روزہ رکھے، اور اگر مظاہر نے ان دو ماہ میں سے ایک دن عذر یا بغیر کسی عذر کے افطار کرلیا تو از سر نو روزہ رکھے اور اگر غلام نے ظہار کرلیا تو اس کے لئے کفارہ میں سوائے روزہ کے اور کچھ جائز نہیں ہے اب اگر مولیٰ نے غلام کی طرف سے ایک غلام آزاد کردیا یا اس کی طرف سے کھانا کھلا دیا تو یہ اس کو کافی نہیں ہوگا۔ اور اگر مظاہر کو روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکین کو کھانا کھلائے (اور) ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو یا اسکی قیمت۔ پس اگر ساٹھ مسکینوں کو صبح کھانا دیدیا یا شام میں تو جائز ہوگا خواہ انہوں نے کم کھایا ہو یا زیادہ۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسئلے منقول ہیں۔

فان لم یجد ...... ایام التشریق : مسئلہ (۱) اگر مظاہر غلام آزاد نہ کر سکے یا تو اس وجہ سے کہ اس کو غلام دستیاب نہ ہو یا اس وجہ سے کہ غلام دستیاب ہونے کے باوجود خریدنے کی استطاعت نہیں تو ایسی صورت میں کفارہ یہ ہے کہ مسلسل دو ماہ کے روزہ رکھے مگر شرط یہ ہے کہ ان دو ماہ کے دوران ماہ رمضان نہ ہو، ایام عیدین اور ایام تشریق نہ ہو۔

تسلسل کا مطلب یہ ہے کہ اگر دو ماہ کے روزے چاند کے حساب سے رکھتا ہے تو ہر صورت میں جائز ہے خواہ مہینہ تیس کا ہو یا انتیس کا۔ اب اگر مہینہ کے درمیان کے روزے رکھنے شروع کئے تو ساٹھ روزے پورے کرنے ہوں، اگر انسٹھ روزے رکھنے کے بعد افطار کرلیا تو ساٹھ روزے از سر نو رکھنے ہوں گے۔

فَاِنْ جَامَعَ ...... رَحِمَهما الله : مسئلہ (۲) اگر مظاہر نے روزوں کے درمیان اس عورت سے وطی کرلی جس سے اس نے ظہار کیا ہے یہ وطی خواہ رات میں یا دن میں قصداً کی یا بھول کر تو حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ (طرفین) کے

نزدیک از سرنو روزے رکھے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک از سرنو روزے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

وَاِنْ اَفطَرَ...... استانف : مسئلہ (۳) اگر مظاہر نے دو ماہ میں سے ایک دن بھی افطار کرلیا خواہ عذر کی وجہ سے یا بغیر کسی عذر کے تو یہ شخص از سرنو روزے رکھے گا۔

وان ظاهر...... الاالصوم : مسئلہ (۴) اگر کسی غلام نے اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کیا تو اس کا کفارہ صرف روزوں کے ذریعہ ہوگا۔

فَاِنْ اَعْتَقَ...... لَمْ یَجُز : مسئلہ (۵) یہ مسئلہ بالکل واضح ہے۔

وان لم یستطع الخ : مسئلہ (۶) اگر مظاہر کے اندر روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اسکی صورت یہ ہے کہ ہر مسکین کو آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو دیدے یا اس کی قیمت ادا کردے۔ اب اگر مظاہر نے ساٹھ مسکینوں کو صبح وشام کھانا کھلایا تو یہ بھی کافی ہے خواہ تھوڑا کھائیں یا زیادہ۔ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت کے مطابق اگر ساٹھ مسکینوں کو صبح میں کھانا کھلایا اور دوسرے ساٹھ کو شام میں تو اس سے بھی کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک صبح وشام کھانا کھلانا کافی نہیں ہے بلکہ مالک بنانا ضروری ہے۔

وَاِنْ اَطْعَمَ مِسْكِيْناً وَاحِداً سِتِّيْن يَوماً اجزاه وَ اِنْ اَعْطَاهُ فِيْ يَومٍ وَاحِدٍ طَعَام ستين مِسْكِيناً لَمْ يَجْزِهُ اِلاَّ عَنْ يَوْمِهٖ فَاِنْ قَرُبَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِيْ خِلالِ الاِطْعَام لا يَسْتَانِفُ وَ مَنْ وَجبَ عَلَيْهِ كَفَّارَتا ظِهَارٍ فَاعْتَقَ رَقَبَتَيْنِ لَا يَنْوِيْ عَنْ اِحْدَاهُمَا بِعَيْنِهَا جَازَ عَنْهَا وَ كَذَالِكَ اِنْ صَامَ اَرْبَعَة اَشْهُرٍ اَوْ اَطْعَمَ مائة وعِشْرِيْنَ مِسْكِيناً جَازَ وَاِنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً وَاحِدَةً اَوْ صَامَ شَهْرَيْنِ كَانَ لَهُ اَنْ يَجْعَلَ ذالِكَ عَنْ ايتهما شاء.

ترجمہ : اور اگر اس نے ایک مسکین کو ساٹھ دن کھانا کھلایا تو کافی ہوگا اور اگر ایک مسکین کو ایک دن میں ساٹھ مسکین کا کھانا دیدیا تو صرف ایک روز کیلئے کافی ہوگا اور اگر اس نے اس عورت سے کھانا کے درمیان وطی کرلی جس سے اس نے ظہار کیا تھا تو استیناف نہ کرے اور جس شخص پر دو ظہار کا کفارہ واجب ہو اور وہ دو رقبہ آزاد کرے اور کسی ایک کو متعین کرنے کی نیت نہ کرے تو یہ دونوں کی طرف سے کافی ہوگا اور اسی طرح اگر اس نے چار ماہ کا روزہ رکھا اور ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلایا تو جائز ہے۔ اور اگر اس نے ایک رقبہ آزاد کردیا یا دو ماہ کا روزہ رکھا تو اس کو اختیار ہے کہ اس کفارہ کو دونوں ظہار میں سے جس ایک طرف چاہے قرار دیدے۔

تشریح : **وان اطعم ...... یومه الخ** : مسئلہ (۱) اگر کسی مظاہر نے صرف ایک مسکین کو ساٹھ دن تک کھانا دیا تو کفارہ ادا ہوجائے گا لیکن اگر ایک دن میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا دیا تو صرف ایک روز کے لئے کافی ہوگا۔

فان قرب...... لا یستانف : مسئلہ (۲) اگر مظاہر نے کھانا دینے کے دوران جس عورت سے ظہار کیا تھا اس

سے وطی کرلی تو دوبارہ کھانا دینے کی ضرورت نہیں ہے پہلا کھانا کافی ہے۔

ومن وجب...... جاز: مسئلہ (۳) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے ظاہر ہے۔

وان اعتق رقبة الخ: مسئلہ (۴) اگر مظاہر نے دوظہاروں کی طرف سے ایک غلام آزاد کردیا یا دو ماہ کے روزے رکھے تو یہ ایک ظہار کی طرف سے درست ہوگا اب مظاہر کو یہ اختیار ہے کہ کسی ایک کی طرف سے کفارہ قرار دے۔

کتاب اللعان

لعان کا بیان

''لعان'' باب مفاعلۃ کا مصدر ہے پھٹکارنا، رحمت سے دور کرنا، شریعت میں ان چار شہادتوں کو کہتے ہیں جو قسموں کیساتھ موکدہوں۔

اِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ امرأتَهُ بِالزنا وهُمَا مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ والمرأة مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا اَوْ نَفِيَ نَسَبَ وَلَدِهَا وَطَالَبَتْهُ بِموجَبِ القَذَف فَعَلَيْهِ اللِّعَانُ فَاِنْ امتَنَعَ مِنْهُ حَبَسَهُ الحَاكِمُ حَتّٰى يُلَاعِنَ اَوْ يُكَذِّبَ نَفْسَهُ فَيُحَدُّ فَاِنْ لَاعَنَ وَجَبَ عَلَيْهَا اللِّعَانُ فَاِنْ اِمْتَنَعَتْ حبسها الحَاكِمُ حَتّٰى تُلَاعِنَ اَوْ تُصَدِّقَهُ وَاِذا كَانَ الزوْجُ عَبْداً اَوْ كَافِراً اَوْ مَحْدوداً فِيْ قَذَفٍ فَقَذَفَ اِمرأته فَعَلَيْهِ الحَدُّ وَاِنْ كَانَ الزوجُ مِنْ اَهْلِ الشَهادَةِ وَهِيَ اَمَةٌ اَوْ كافرةٌ او مَحْدُودَةٌ فِيْ قَذَفٍ اَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا فَا حَدَّ عَلَيْهِ فِيْ قَذَفِهَا وَ لَا لِعَانَ.

ترجمہ: اگر مرد نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائی اور دونوں شہادت کے اہل ہیں اور عورت ان میں سے ہے جن کے تہمت لگانے والے کو حد لگائی جاتی ہے یا اس کے بچہ کے نسب کی نفی کی اور عورت نے موجب قذف کا مطالبہ کیا تو مرد پر لعان کرنا واجب ہوگا اور اگر شوہر نے لعان کرنے سے انکار کیا تو حاکم اس کو قید کرے یہاں تک کہ لعان کرے یا خود کو جھٹلائے پھر اس کو حد لگائی جائے اب اگر شوہر نے لعان کیا تو عورت پر بھی لعان کرنا واجب ہوگا اگر عورت نے لعان کرنے سے انکار کیا تو حاکم اسکو قید کرے یہاں تک کہ عورت لعان کرے یا مرد کے قول کو سچا بتائے اور اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو یا محدود فی القذف ہو اور اس نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی تو اس پر حد واجب ہوگی اور اگر شوہر اہل شہادت میں سے ہو جبکہ بیوی باندی ہو یا کافرہ یا کسی کو تہمت لگانے میں حد ماری گئی ہو یا ایسی عورت کہ جس کے تہمت لگانے والے کو حد نہیں ماری جاتی ہو تو تہمت لگائے جانے میں اس پر حد نہیں جاری ہوگی اور نہ لعان ہوگا۔

تشریح: **اذا قذف...... اللعان:** مسئلہ (۱) جب مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی مثلاً اس نے کہا کہ تو زانیہ ہے یا میں نے تجھ کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے اور شوہر و بیوی شہادت کے اہل ہیں یعنی مسلمان عاقل بالغ آزاد ہیں اور عورت ایسی ہے کہ اس کے تہمت لگانے والے کو حد ماری جاتی ہے یعنی عورت تہمت زناء سے پاکدامن ہے یا شوہر نے

اپنی بیوی کے بچے کے نسب کی نفی کردی مثلاً یہ کہا کہ یہ بچہ زناء سے ہے یا یہ کہا کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے اور عورت نے اپنے شوہر سے حد قذف کا مطالبہ کیا تو شوہر پر لعان واجب ہوگا۔

لعان شوہر کے حق میں حد قذت کے قائم مقام ہے اور بیوی کے حقوق میں حد زناء کے قائم مقام ہے۔

فان امتنع ...... علیھا اللعان : مسئلہ (۲) اگر شوہر نے لعان (شہادت پیش کرنے) سے انکار کردیا تو حاکم اس کو قید کرے گا یہاں تک کہ وہ لعان کرے یا پھر اپنے آپ کو جھوٹا کہے اگر اس نے اپنی تکذیب کردی تو علیٰ وجہ الاتفاق اس پر حد جاری کی جائے گی اب اگر شوہر نے لعان کردی تو بیوی پر بھی لعان واجب ہوگی۔

نوٹ: اوپر جو بیان کیا گیا کہ شوہر کو حاکم قید کردے یہاں تک کہ وہ لعان کرے۔ یہ احناف کا مسلک ہے امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک حد جاری کی جائے۔ اس اختلاف کی بنیاد یہ ہیکہ ان ائمہ ثلاثہ کے نزدیک موجب قذف حد ہے اور ہمارے نزدیک موجب قذف لعان ہے۔

فان امتنعت ...... تصدقه : مسئلہ (۳) اگر عورت لعان کرنے سے انکار کرے تو حاکم اس کو قید کرے یہاں تک کہ وہ لعان کرے یا اپنے شوہر کی تصدیق کرے۔

امام مالک اور امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کو قید نہ کر کے صرف حد زناء جاری کی جائے گی۔

واذا کان الزوج ...... فعلیه الحد : مسئلہ (۴) اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو مثلاً زوجین کافر ہوں، بعد میں عورت نے اسلام قبول کیا اور شوہر پر اسلام پیش کرنے سے پہلے شوہر نے اپنی بیوی کو زناء کی تہمت لگادی یا شوہر ایسا ہے کہ تہمت لگانے کی وجہ سے اس کو حد قذف ماری گئی۔ ان تمام صورتوں میں اگر شوہر نے بیوی پر زناء کی تہمت لگائی تو اس پر لعان واجب نہیں ہوگا بلکہ حد قذف واجب ہوگی۔

وان کان من اھل الخ : مسئلہ (۵) اگر شوہر کے اندر شہادت کی اہلیت ہو مگر اس کی بیوی کسی کی باندی سے ہو یا کافرہ ہے یا اس پر حد قذف ماری گئی ہے یا ایسی عورت ہے جس کے تہمت لگانے والے کو حد قذف نہیں ماری جاتی بایں طور کہ وہ بچی ہو یا مجنونہ ہو یا زانیہ ہو تو ان تمام صورتوں میں اس کے شوہر پر نہ حد واجب ہوگی اور نہ لعان۔

وصفة اللعان ان یبتدی القاضی بالزوج فیشھد اربع مراتٍ یقول فی کل مرَّةٍ اَشْهَدُ باللّٰه انی لَمِنَ الصَّادِقِیْن فِیْمَا رَمَیْتُها به مِنَ الزناء ثُمَّ یَقُوْلُ فِیْ الخَامِسَة لعْنَة اللّٰه عَلَیْه اِنْ کَانَ مِنَ الکَاذِبِیْنَ فِیْمَا رَمَاهَا بِه مِنَ الزنا یُشِیْرُ اِلَیْهَا فِیْ جَمِیعِ ذٰالك ثُمَّ تشهد المرأة اربع شَهَادَاتٍ تَقُوْلُ فِیْ کُلِّ مَرَّةٍ اشهد باللّٰه انه لَمِنَ الکَاذِبِیْنَ فِیْمَا رَمَانِیْ بِهٖ مِنَ الزنَاء وَ اِذَا التعنا فَرَّقَ القَاضِیْ بَیْنَهُمَا وَکَانَتْ الفُرْقَةُ تطلیْقَةً بَائِنَةً عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَة وَمُحَمَّد رَحِمَهُمَا اللّٰه وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ رَحِمَه اللّٰه یَکُوْن تَحْرِیماً مؤبَّداً فان کان القذف بوَ لَدٍ نفی القاضی نَسَبَهٗ والحقه بِاُمّه فانْ عَادَ الزوجُ واکذب نَفْسَهُ حَدَّهُ القاضی وحَلَّ لَهٗ اَنْ یَتزوَّجَهَا وَ کَذالك اِنْ قَذَفَ غَیْرَهَا فَحُدَّبِه اَوْزَنَت فَحُدَّت.

ترجمہ : لعان کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی شوہر سے شروع کرے اور شوہر چار مرتبہ گواہی دے اور ہر بار یہ کہے کہ میں بخدا اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ میں نے عورت کو جو زناء کی تہمت لگائی ہے اس میں میں سچا ہوں پھر پانچویں مرتبہ کہے کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر وہ (میں) جھوٹا ہے اس عورت کو زنا کا الزام لگانے میں اور ان تمام امور میں اس عورت کی طرف اشارہ کرے۔ اس کے بعد عورت چار مرتبہ گواہی دے اور ہر مرتبہ کہے کہ میں خدا کو گواہ بناتا ہوں کہ بے شک وہ شخص جھوٹا ہے اس بات میں جو اس نے مجھ کو زناء کا الزام لگایا ہے اور پانچویں مرتبہ میں کہے کہ اللہ کا غضب ہو اس عورت پر (مجھ پر) اگر وہ شخص سچا ہے اس بات میں جو اس نے مجھ پر زنا کا الزام لگایا ہے۔ اور جب دونوں لعنت کر چکیں تو قاضی ان دونوں کے درمیان جدائیگی ڈالدے اور یہ جدائیگی اور تفریق حضرات طرفین کے نزدیک طلاق بائن ہوگی اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ حرمت مؤبدہ ہوگی اور اگر تہمت لگانا بچہ کے ذریعہ (بچہ کی نفی کر کے) ہو تو قاضی اس بچہ کے نسب کی نفی کرے گا اور اس بچہ کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کرے گا اور اگر شوہر رجوع کرے اور خود کی تکذیب کرے تو قاضی اسے حد قذف مارے اور اس مرد کے لئے جائز ہے کہ اس عورت سے نکاح کر لے۔ اسی طرح اگر کسی اور کو تہمت لگادی اور اس کو حد لگادی گئی یا عورت نے زنا کیا اور اس کو حد لگادی گئی۔

تشریح : اس عبارت میں لعان کی کیفیت اور دو مسئلہ بیان کئے گئے ہیں۔

وصفة اللعان …… من الزناء : اس عبارت میں صاحب قدوری کیفیت لعان کو بیان کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ جب عورت نے قاضی کی عدالت میں قذف کا مقدمہ پیش کیا تو قاضی کو چاہئے کہ میاں بیوی دونوں کو بلا کر لعان کی ابتداء شوہر سے کرے اور شوہر چار مرتبہ گواہی دے اور ہر مرتبہ یہ کہے کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ جو میں نے اس عورت کو زنا کا عیب لگایا ہے اس میں میں سچا ہوں اور پانچویں بار کہے کہ اس نے (میں نے) جو اس عورت کو عیب لگایا اس میں اگر وہ (میں) جھوٹا ہے تو اس پر خدا کی لعنت ہے اور ان باتوں کو کہتے وقت عورت کی طرف اشارہ کرتا رہے پھر اسی طرح عورت چار مرتبہ گواہی دے اور ہر مرتبہ میں کہے کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ یہ مرد جس نے مجھ پر زنا کا عیب لگایا ہے اس میں یہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس مرد نے زنا کاری کا جو عیب مجھ پر لگایا ہے اگر یہ اپنے اس قول میں سچا ہے تو اس پر (مجھ پر) خدا کا غضب ہے۔

واذا التعنا فرق القاضی بینهما …… مؤبداً : مسئلہ (۱) جب میاں بیوی نے لعان کر لیا (تو اس لعان سے فرقت واقع نہیں ہوگی) بلکہ قاضی دونوں کے درمیان تفریق کر دے اور اس لعان سے جو فرقت واقع ہوگی وہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک طلاق بائن واقع ہوگی اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس سے دائمی حرمت واقع ہو جائے گی۔

وان کان القذف الخ : مسئلہ (۲) اگر کسی نے اپنی بیوی کو زناء کا عیب اسطرح سے لگایا کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے نہیں ہے تو قاضی لعان کے بعد اس بچہ کا نسب اس مرد سے ختم کر کے اس کو ماں سے لاحق کر دے گا اب اگر شوہر نے لعان کے بعد رجوع کر لیا اور اپنی تکذیب کی تو قاضی اس کو حد قذف مارے گا تو ایسی صورت میں اس شخص کے لئے جائز ہے کہ اس عورت کے ساتھ نکاح کرے۔

اسی طرح اگر اس شخص نے کسی اجنبیہ عورت کو زناء کا الزام لگا دیا پھر اس شخص کو حد قذف ماری گئی تو بھی اس صورت میں

اس شخص کیلئے جائز ہے کہ اس عورت کے ساتھ نکاح کرے۔
یہی حکم اس وقت بھی ہے جیسے جب عورت لعان کے بعد زنا کرے اور زناء کے سبب اس کو حد (زناء) ماری گئی تو اس صورت میں اس شخص کے لئے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔

وَاِنْ قَذَفَ امرأتهٗ وَهِيَ صَغِيْرَةٌ اَوْمَجْنُوْنَةٌ فَلَا لِعَانَ بَيْنَهُمَا وَ لَا حَدَّ وقَذَفُ الاَخْرَسِ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ اللِعَانُ وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ لَيْسَ حَمْلُكِ مِنِّي فَلَا لِعَانَ وَ اِنْ قَالَ زَنَيْتِ وَ هٰذا الحَمْلُ مِنَ الزِنَا تَلَاعَنَا وَ لَمْ يَنْفِ القَاضِيْ الحَمْلَ مِنْهُ وَاِذَا نفى الرَّجُلُ ولد امرأته عَقِيْبَ الوِلَادَةِ اَوْ فِيْ الحَالِ التى تقبل التهنيةُ فِيْهَا وتُبْتَاعُ لهٗ آلة الوِلَادَة صَحَّ نفيه فِيْ مُدَّة النِفَاسِ وَاِنْ وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِيْ بَطْنٍ وَاحِدٍ وَ اِنْ اعترَفَ بالاَوَّلِ ونَفِي الثانى ثَبَتَ نَسَبُهَا وَ لَاعَنَ.

ترجمہ: اگر کسی نے اپنی بیوی کو زنا کا عیب لگایا اور حال یہ ہے کہ وہ بچی ہے یا دیوانی ہے تو ان دونوں کے درمیان نہ لعان ہوگا اور نہ حد، اور گونگے کا عیب لگانا اس کے ساتھ بھی لعان متعلق نہیں ہوگا۔ اور اگر شوہر نے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو لعان نہیں ہوگا اور اگر شوہر نے (بیوی سے) کہا کہ تو نے زنا کیا اور یہ حمل زنا سے ہے تو دونوں (قذف کے پائے جانے کی وجہ سے) لعان کریں گے اور قاضی حمل کی نفی نہیں کرے گا اور اگر مرد نے ولادت کے بعد اپنی بیوی کے بچہ کی نفی کر دی یا جس حالت میں مبارکباد دی جاتی ہے (اس حالت میں نفی کی) اور سامان ولادت خریدے جاتے ہیں تو اس کی نفی کرنا صحیح ہوگا اور اس کی وجہ سے لعان کرے گا اور اگر اس کے بعد نفی کی تو لعان کرے گا اور نسب ثابت ہوگا اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ مدت نفاس میں اس کا نفی کرنا صحیح ہوگا اور ہر ایک پیٹ میں دو بچے جنے اب شوہر نے پہلے بچے کی نفی کر دی اور دوسرے بچے کا اقرار کرلیا تو دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا اور شوہر کو حد لگے گی اور اگر اول کا اعترا اور ثانی کی نفی کر دی تو دونوں کا نسب ثابت ہوگا اور لعان کرے گا۔

تشریح: اس عبارت میں پانچ مسئلے ہیں۔

وان قذف...... به اللعان: مسئلہ (۱) اگر شوہر نے اپنی بیوی پر زنا کا عیب لگایا اور یہ عورت ابھی نابالغہ بچی ہے یا دیوانی ہے تو ان زوجین کے درمیان کوئی لعان نہیں ہوگا اور نہ قاذف کو حد ماری جاتی ہے۔ اور اگر زوجین یا ان میں سے کوئی گونگا ہو اور اشارہ سے زنا کا عیب لگائے تو اس سے بھی لعان متعلق نہیں ہوگا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جس طرح گونگے کے تصرفات مثلاً بیع وطلاق وغیرہ اشارہ سے درست ہوتے ہیں اسی طرح تہمت قذف بھی، البتہ لعان واجب نہیں ہوگا۔

واذا قال ......فلالعان: مسئلہ (۲) اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو اس سے نہ تو لعان واجب ہوگا اور نہ حد۔ لعان کا واجب نہ ہونا حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام زفرؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ہے۔ حضرات صاحبین کے نزدیک اگر اس عورت نے بچہ جنا اور بچہ جننا تہمت لگانے کے وقت سے چھ ماہ سے کم ہو تو حمل کی نفی کر دینے سے لعان واجب ہو جائے گا۔

وان قال...... الحمل منه: مسئلہ (۳) اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا سے ہے تو اس

صورت میں زوجین لعان کریں گے مگر قاضی اس حمل کے نسب کی نفی نہیں کرے گا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قاضی نسب کی نفی کرے گا۔

واذا نفی...... فی مدة النفاس: مسئلہ (۴) اس عبارت میں بچہ کی نفی کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں (۱) شوہر نے بچہ پیدا ہوتے ہی اپنی بیوی سے بچہ کی نفی کر دی (۲) شوہر نے بچہ کی نفی اس وقت کی جبکہ مبارکباد پیش کی جاتی ہے (۳) شوہر نے اس وقت بچہ کی نفی کی جب کہ پیدائش کا سامان خرید اجار ہا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں بچہ کی نفی کرنا صحیح ہے اور اس نفی کی وجہ سے شوہر لعان کرے گا اور اگر بچہ کی نفی مذکورہ تینوں اوقات کے بعد کی تو شوہر لعان کرے گا اور مرد سے بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے حضرات صاحبین ؒکے نزدیک مدت نفاس کے اندر اندر بچہ کی نفی کرنا صحیح ہو جائے گا۔

وان ولدت الخ: مسئلہ (۵) اگر ایک عورت نے ایک پیٹ سے دو بچے جنے یعنی دونوں کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہے اس عورت کے شوہر نے پہلے بچہ کے نسب کی نفی اور دوسرے بچہ کا اقرار کرلیا تو اس شخص سے دونوں بچوں کا نسب ثابت ہو جائے گا البتہ شوہر پر حد قذف ماری جائے گی کیونکہ دوسرے بچہ کے نسب کا دعویٰ کر کے خود کو جھوٹا ثابت کیا ہے اور اگر شوہر نے پہلے بچہ کے نسب کا اقرار کیا اور دوسرے بچہ کے نسب کی نفی کی تو اس صورت میں بھی دونوں بچوں کا نسب ثابت ہو جائے گا اور شوہر پر لعان کرنا واجب ہو گا۔

كتاب العدة

عدت کا بیان

عدت لغت میں شمار کرنا، گنتی کرنا، عورت کا ایام حیض شمار کرنا۔ اصطلاح شریعت میں عدت سے مراد وہ ایام ہیں جو عورت کو ملکیت متعہ زائل ہونے کے بعد انتظار میں گزارنے ضروری ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ عورت مدخول بہا ہوگئی ہو یا خلوت صحیحہ ہوگئی ہو یا خاوند مرگیا ہو۔

عورتوں کے اعتبار سے عدت کی چار قسمیں ہیں (۱) تین حیض۔ یہ ذوات الحیض کی عدت ہے۔ (۲) تین ماہ۔ غیر ذوات الحیض کی عدت ہے۔ (۳) وضع حمل۔ یہ حاملہ عورت کی عدت ہے۔ (۴) چار ماہ دس دن۔ یہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت ہے۔

اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمرأته طَلَاقاً بَائِناً اَوْ رَجْعِياً اَوْ وَقَعَتِ الفُرْقَة بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَهِيَ حُرَّةٌ مِمَّنْ تَحِيْض فَعِدَّتُهَا ثلثة اقراءٍ والاقراءُ الحيضُ وَ اِنْ كَانَتْ لَا تَحِيْضُ مِنْ صِغَرٍ اَوْكِبَرٍ فعِدتُها ثلثة اَشْهر وَاِنْ كَانَتْ حَامِلاً فَعِدَّتَها ان تَضَعَ حَمْلَهَا وَاِنْ كَانَتْ اَمَةً فَعِدَّتُها حَيْضَتَانِ وَ اِنْ كَانَتْ لَا تَحِيْضُ فَعِدَّتُهَا شَهرٌ وَنِصْفٌ.

ترجمہ: جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دیدی یا طلاق رجعی یا دونوں کے درمیان بغیر طلاق کے فرقت واقع ہوگئی حالانکہ یہ آزاد عورت ان عورتوں میں سے ہے جس کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہیں اور اقراء حیض ہیں اور اگر عورت کو صغرسنی یا بڑی عمر کی وجہ سے حیض نہ آئے تو اسکی عدت تین ماہ ہے اور اگر عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت یہ ہے کہ وہ وضع

حمل کردے۔ اور اگر عورت باندی ہو تو اس کی عدت دو حیض ہے اور اگر باندی کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے ہیں۔

اذا طلق ...... البعض : مسئلہ (۱) اس مسئلہ کی صورت واضح ہے البتہ فرقت بغیر طلاق کی صورت یہ ہے کہ خیار بلوغ یا خیار عتق یا عدم کفائت کی وجہ سے یا احد الزوجین کے آخر کا مالک ہونے کی وجہ سے یا نکاح فاسد یا عورت کے مرتدہ ہونے کی وجہ سے فرقت بغیر طلاق کے واقع ہوتی ہے۔

الاقراء : یہ قرو کی جمع ہے۔ یہ حیض اور طہر دونوں معنی کے لئے حقیقت ہے کیونکہ یہ اضداد میں سے ہے اور دونوں مفہوم بیک وقت مراد لینا ممکن نہیں ہے۔ عند الاحناف لفظ قرو سے حیض مراد ہے اور عند الشافعیؒ طہر مراد ہے۔

وان کانت ...... تضع حملها : مسئلہ (۲) اگر عورت ایسی ہو کہ اس کو کم عمری یا بڑی عمر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو ایسی صورت میں اس غیر ذوات الحیض کی عدت تین ماہ ہے لیکن اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

وان کانت امت الخ : مسئلہ (۳) ترجمہ سے صورت مسئلہ واضح ہے۔ مطلقہ باندی ذوات الحیض کی عدت دو حیض ہے اور مطلقہ باندی غیر ذوات الحیض کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے۔

وَاِذَامَاتَ الرَّجُلُ عَنْ اِمرأتِهِ الحُرَّةِ فَعِدَّتُهَا اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَ عَشَرَةُ اَيَّامٍ وَ اِنْ كَانَتْ اَمَةً فَعِدَّتُهَا شَهْرَانِ وخَمْسَةُ اَيَّامٍ وَ اِنْ كَانَتْ حَامِلاً فَعِدَّتُهَا ان تضع حملها وَ اِذَا وَرِثَتِ المُطَلَّقَةُ فِىْ المَرْضِ فَعِدَّتُهَا اَبْعَدُ الاَجْلَيْنِ وَ اِنْ اُعْتِقَتَ الاَمَةُ فِىْ عِدَّتِهَا مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيِّ اِنْتَقَلَتْ عَدَّتُهَا اِلىٰ عِدَّةِ الحَرَائِرِ وَ اِنْ اُعتِقَتْ وَ هِىَ مَبْتُوتَةٌ اَوْ مُتَوَفّىٰ عَنْهَا زَوجُهَا لَمْ تَنتَقِل عِدَّتُهَا اِلىٰ عِدَّةِ الحَرَائِرِ وَاِنْ كَانَتْ آيِسَةً فاعتَدَّتْ بِالشُهُورِ ثُمَّ رأتِ الدَّمَ اِنْتَقَضَ مَامَضىٰ مِنْ عِدَّتِهَا وَ كَانَ عَلَيْهَا اَنْ تَسْتَانِفَ العِدَّةَ بِالحَيْضِ.

ترجمہ : اور اگر مرد اپنی آزاد بیوی (کو چھوڑ کر) مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے اور اگر وہ عورت باندی ہو تو اس کی عدت دو ماہ اور پانچ دن ہے اور اگر وہ عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور اگر مطلقہ مرض الموت میں وارث ہو جائے تو اس کی عدت وہ ہے جو دو مدتوں میں زیادہ بعید ہے۔ اگر باندی کو طلاق رجعی کے ذریعہ اس کی عدت میں آزاد کر دیا گیا تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی اور اگر باندی اس حال میں آزاد کی گئی کہ وہ معتدہ بائنہ ہے یا متوفیٰ عنہا زوجہا ہے تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔ اور اگر (مطلقہ عورت) آیسہ (اپنے حیض سے مایوس) ہو اور اس نے اپنی عدت مہینوں سے شروع کر دی پھر اس نے خون دیکھا تو اس کی عدت سے جو زمانہ گزر گیا وہ عدت ٹوٹ جائے گی (باطل ہو جائے گی) اور اس عورت پر لازم ہے کہ اپنی عدت از سر نو حیض سے شروع کرے (اور اس کو پوری کرے)

تشریح : **واذا مات ...... عشرة ايام** : مسئلہ (۱) اگر آزاد عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہیں خواہ یہ عورت ذوات الحیض ہو یا غیر ذوات الحیض، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، مسلمہ ہو یا کتابیہ۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اگر عورت کتابیہ اور مدخولہ ہو تو اس پر صرف استبراء رحم واجب ہے اور اگر مدخولہ نہ ہو تو اس پر کچھ واجب نہیں۔

متوفی عنہا زوجہا کی دو عدتیں ہیں (۱) عدت طولیٰ (۲) عدت قصریٰ۔

عدت طولیٰ ایک سال ہے، عدت قصریٰ چار ماہ دس دن ہے۔ ایک سال عزیمت ہے اور چار ماہ دس دن رخصت ہے یعنی عدت کاملہ ایک سال ہے مگر چار ماہ دس دن پر اکتفاء کرنا رخصت ہے جیسا کہ بعض اسلاف فقہاء کا خیال ہے۔ مگر عام اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں متوفی عنہا زوجہا کی عدت ایک سال تھی جیسا کہ آیت ''والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً وصیة لازواجھم الآیة'' میں ہے مگر بعد میں ''یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشراً'' کی وجہ سے یہ حکم منسوخ ہو گیا اور صرف چار ماہ دس دن مقرر ہو گئے۔

وان کانت امة......ان تضع حملھا : مسئلہ (۲) اس عبارت میں دو مسئلے ہیں اور دونوں واضح ہیں۔

واذا ورثت...... ابعد الاجلین : مسئلہ (۳) ایک شخص نے اپنی بیوی کو مرض الموت میں بیوی کی رضا کے بغیر طلاق دیدی اور عدت ہی میں اس کا انتقال ہو گیا تو وہ وارث ہو گی اور اس کی عدت ابعد الاجلین ہو گی یعنی اس عورت پر طلاق کی وجہ سے تین حیض گزارنا واجب ہے اور شوہر کے انتقال کی وجہ سے چار ماہ دس دن گزارنے واجب ہوں گے تو اس کی ترکیب یہ ہو گی کہ جس وقت شوہر کا انتقال ہوا ہے اس وقت سے چار ماہ دس دن کی عدت پوری کرے اور انہی ایام میں شروع طلاق سے تین حیض بھی گزر جائیں، یہ حضرات طرفین کا مسلک ہے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی عدت تین حیض ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل اس وقت ہے جبکہ شوہر نے طلاق بائن یا تین طلاقیں دی ہوں۔ اور اگر طلاق رجعی دی ہو تو بالاتفاق اس کی عدت چار ماہ دس دن ہو گی جن میں تین حیض ہوں یا نہ ہوں۔

وان اعتقت......عدة الحرائر : مسئلہ (۴) اگر منکوحہ باندی تھی اس کے شوہر نے اس کو طلاق رجعی دیدی ابھی یہ عدت گزار رہی تھی کہ اس کے آقا نے اس کو آزاد کر دیا تو اس صورت میں اس کی عدت آزاد عورت کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی یعنی اگر ذوات الحیض میں سے ہے تو تین حیض اور اگر غیر ذوات الحیض میں سے ہے تو تین ماہ شمار کرے گی۔ اور اگر وہ منکوحہ باندی طلاق بائن یا شوہر کے انتقال کی عدت میں تھی اور اسی دوران آقا نے اس کو آزاد کر دیا تو اس صورت میں اس کی عدت آزاد عورتوں کی طرف منتقل نہیں ہو گی کیونکہ طلاق رجعی سے نکاح باقی رہتا ہے اور طلاق بائن اور انتقال شوہر سے نکاح زائل ہو جاتا ہے۔

وان کانت ایسة الخ : مسئلہ (۵) اگر مطلقہ عورت آیسہ ہو اور اس نے مہینہ سے عدت گزارنی شروع کر دی ادھر حیض آنا بھی شروع ہو گیا تو ایسی صورت میں حکم یہ ہیکہ جو کچھ عدت مہینوں میں سے گزر گئی وہ باطل ہو گئی اب از سر نو حیض کے ساتھ عدت گزارے کیونکہ عدت بالحیض اصل ہے۔

وَ الْمَنْكُوْحَةُ نِكَاحاً فَاسِداً وَ الْمَوطوئة بِشُبْهَةٍ عِدَّتُهُمَا الْحَيْضُ فِي الْفُرْقَةِ وَ الْمَوْتِ وَ اِذَا مَاتَ مَوْلٰى امِ الولد عَنْهَا اَوْ اعتقها فَعِدَّتُهَا ثلٰثُ حَيْض وَ اِذَا مَاتَ الصَّغِيْرُ عَنْ اِمْرَاتِهٖ وَبِهَا حَبْلٌ فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حملها فَاِنْ حَدَثَ الحبلُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَعِدَّتُها اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وعَشَرَةَ اَيَّامٍ وَاِذَا

طلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرأتَهٗ فِیْ حَالِ الحَیْضِ لَمْ تعتد بالحَیْضَةِ التی وَقَعَ فِیْهَا الطَّلاقُ وَ اِذا وُطِئَتِ المعتدَّةُ بِشُبْهَةٍ فَعَلَیْهَا عِدَّةٌ اُخریٰ وَ تتداخل العِدَّتان فیَکُوْنُ مَاتَرَاهُ مِنَ الحَیْضِ مُحْتَسباً مِنْهَا جَمِیْعاً وَ اِذا انقَضَتِ العِدَّةُ الاُوْلیٰ وَ لَمْ تَکْمُلِ الثانیةُ فَعَلَیْهَا اِتْمَامُ العِدَّةِ الثَّانِیَةِ.

ترجمہ : اور جس عورت سے نکاح فاسد کیا گیا اور جس عورت سے شبہ میں وطی کی گئی تو ان دونوں کی عدت فرقت اور موت میں حیض ہے اور اگر ام ولد کا آقا اسکو چھوڑ کر مرجائے یا اسکو آزاد کردے تو اسکی عدت تین حیض ہیں اور اگر نابالغ لڑکا اپنی بیوی کو چھوڑ کر مرجائے حالانکہ اس کی بیوی حاملہ ہے تو اسکی عدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کرے اور اگر حمل انتقال کے بعد ظاہر ہو تو اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے اور اگر مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تو عدت کا شمار اس حیض سے نہیں ہوگا جس میں طلاق واقع ہوئی ہے اور اگر معتدہ عورت سے شبہ میں وطی کرلی گئی تو اس پر ایک اور عدت واجب ہوگی اور دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہوجائیں گی اور عورت جس حیض کو دیکھے گی اس کا دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اور اگر پہلی عدت پوری ہوگئی مگر دوسری پوری نہیں ہوئی تو اس پر دوسری عدت پوری کرنی واجب ہے۔

تشریح : **والمنکوحة ...... الموت** : مسئلہ (۱) اگر کسی نے کسی عورت سے نکاح فاسد کرلیا۔ مثلاً نکاح بلا شاہد کے ہوا یا کسی عورت سے وطی بالشبہ کیا مثلاً دھوکہ سے اپنی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت کے پاس چلا گیا اور اس سے وطی کرگزرا تو ان سب کی عدت حیض کے حساب سے ہے خواہ عدت وفات ہو یا عدت فرقت (تفریق)

واذا مات ...... حیض : مسئلہ (۲) اگر ام ولد کی مولی انتقال کرگیا یا مولیٰ نے ام ولد کو آزاد کردیا تو ان دونوں صورتوں میں ام ولد کی عدت تین حیض ہیں۔ یہ ہمارا مسلک ہے حضرت امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس کی عدت ایک حیض ہے۔

واذا مات الصغیر...... عشرة ایام : مسئلہ (۳) ایک نابالغ لڑکا انتقال کرگیا اس کی بیوی حاملہ تھی تو اس کی عدت وضع حمل ہے (حضرات طرفین کا مسلک ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے) لیکن اگر حمل انتقال کے بعد ظاہر ہوا تو پھر اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے۔

واذا طلق الرجل..... الطلاق : مسئلہ (۴) اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تو عورت ان ایام حیض کو عدت میں شمار نہیں کرے گی بلکہ تین حیض کی مدت الگ سے پوری کی جائے گی۔

واذا وطئت ...... اتمام العدة الثانیة : مسئلہ (۵) اگر ایک عورت کسی عدت میں تھی کسی نے اس سے وطی بالشبہ کرلی مثلاً عورت بستر پر تھی کسی نے کہدیا کہ یہ تیری بیوی ہے یہ سمجھ کر اس نے اس سے وطی کرلی مگر اس کی بیوی نہیں تھی یا کسی عدت میں تھی کسی نے اس سے نکاح کرلیا شوہر کو معلوم نہیں تھا کہ عورت عدت میں ہے تو اب اس عورت پر دوسری عدت بھی واجب ہوگی اور دونوں عدتیں متداخل ہوجائیں گی اور عدت ثانیہ واجب ہونے کے بعد جو حیض نظر آئے گا اس کو دونوں عدتوں میں شمار کیا جائے گا۔ اگر پہلی عدت پوری ہوگئی تو دوسری عدت کو پورا کرنا ضروری ہوگا مثلاً عورت کو طلاق بائن واقع ہوگئی اور اس کو ایک بار حیض آگیا پھر اس نے دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا اور وطی کے بعد تفریق ہوگئی پھر دوبارہ حیض آیا تو یہ

تینوں حیض دونوں عدتوں میں شمار ہوں گے پس پہلا حیض اور بعد کے دو حیض مل کر پہلے شوہر کی عدت پوری ہوگئی اور دوسرے شوہر کی عدت کے صرف دو حیض ہوئے تو جب ایک اور حیض آئے گا تب دوسرے شوہر کی عدت پوری ہوگی۔

وابتداء العدة فِي الطَّلَاقِ عَقِيْب الطلاق وَ فِي الوَفَاةِ عَقِيْب الوَفَاةِ فَاِنْ لَمْ تَعلَمْ بالطَّلَاقِ اَو الوَفَاةِ حَتّٰى مَضَتْ مُدَّةُ العِدَّةِ فَقَدْ اِنقَضَتْ عِدَّتُهَا وَالعِدَّة فِي النِكَاحِ الفَاسِدِ عَقِيْبَ التَّفرِيْقِ بَيْنَهُمَا اَوْ عَزْمِ الوَاطِئِ علىٰ تَرْكِ وَطئِهَا.

ترجمہ: اور طلاق میں عدت کی ابتداء طلاق کے بعد ہے اور وفات میں وفات کے بعد ہے پھر اگر عورت کو طلاق یا وفات کا علم نہیں ہوا یہاں تک کہ مدت عدت گزر گئی تو اس کی عدت پوری ہو چکی اور نکاح فاسد میں عدت تفریق کے بعد یا وطی کرنے والے کے ترک وطی پر پختہ ارادہ کر لینے سے شروع ہوگی۔

تشریح: اس عبارت میں دو مسئلے ہیں۔

وابتداء ...... عدتها: مسئلہ (۱) طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق دینے کے بعد ہی ہوگی اور وفات کی صورت میں شوہر کی وفات کے بعد عدت کی ابتداء ہوگی۔ اگر شوہر نے طلاق دیدی اور بیوی کو اس کا علم نہیں ہوا یا شوہر کا انتقال ہو گیا اور بیوی کو اس کا علم نہیں ہوا اور عدت کا زمانہ گزر گیا تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ عدت پوری ہو چکی۔ اور معلوم ہونے کے بعد عدت کو لوٹایا نہیں جائے گا۔ ائمہ اربعہ کا یہی مسلک ہے۔

والمدة في النكاح الخ: مسئلہ (۲) نکاح فاسد کی صورت میں عدت کی ابتداء اس وقت ہوگی جب کہ حاکم میاں اور بیوی کے درمیان تفریق کردے یا وطی کرنے والا وطی کے ترک کرنے کا عزم مصمم کر لے۔ یہ احناف کا مسلک ہے، امام زفرؒ کے نزدیک نکاح فاسد کی صورت میں عدت کی ابتداء آخر وطی سے ہوگی۔

وَعَلىٰ المبتوتة والمتوفىٰ عَنْهَا زوجُهَا اِذَا كَانَتْ عَاقِلَةً بَالِغَةً مُسْلِمَةً الاحداد والِاحْدَادف اَنْ تترکَ الطيبَ والزينةَ والدهنَ والكحلَ الا مِنْ عُذْرٍ وَ لَا تختضبُ بالحِنَاءِ وَ لَا تَلْبَسُ ثَوْباً مَصْبوغاً بِعُصفُرٍ وَ لَا بِوَرْسٍ وَ لَا بزعْفران وَ لَا اِحْدَاد علىٰ كَافِرَةٍ وَ لَا صَغِيْرَةٍ وَ علىٰ الاَمَةِ الاِحْدَادُ وَ لَيْسَ فِيْ عِدَّةِ النِكَاحِ الفَاسِدِ وَ لَا فِيْ عِدَّةِ اُمِّ الوَلَدِ اِحْدَادٌ وَ لَا يَنْبَغِي اَنْ تُخطَبَ المُعْتَدَّةُ وَ لَا بَأسَ بالتَعْرِيْضِ فِيْ الخِطْبَةِ.

ترجمہ: اور معتدہ بائنہ (جس عورت کی اپنے شوہر سے قطعی جدائی ہوگئی ہو خواہ بیک وقت طلاق بائنہ یا ۳ طلاق یا خلع) اور متوفیٰ عنہا زوجہا (جس عورت کو چھوڑ کر اس کا شوہر مر گیا ہو) اگر وہ عاقل، بالغ مسلمان ہو تو (اس پر) سوگ منانا (واجب) ہے اور سوگ منانا یہ ہے کہ عورت خوشبو لگانا، زینت کرنا، تیل لگانا، سرمہ لگانا ترک کردے مگر عذر کی وجہ سے اور مہندی نہ لگائے اور ایسا کپڑا نہ پہنے جو عصفر، یا ورس یا زعفران سے رنگا ہوا ہو اور کافرہ عورت اور بچی پر سوگ منانا نہیں ہے اور باندی پر سوگ منانا ہے اور نہیں ہے نکاح فاسد کی عدت میں اور نہ ہی ام ولد کی عدت میں سوگ منانا۔ اور مناسب نہیں

ہے معتدہ کو نکاح کا پیغام دینا اور کنایۃً پیغام دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

شوہر کے انتقال پر عورت کے سوگ منانے کا بیان

حل لغات : **المبتوتۃ**: ایسی عورت جس کو بالکل جدائیگی ہوگئی ہو۔ **الإحداد**: عورت کا شوہر کے مرنے پر سوگ منانا۔ **الطیب**: خوشبو۔ **الدھن**: تیل۔ **الکحل**: سرمہ۔ **تختضب**: باب افتعال سے مضارع ہے، رنگ چڑھانا، خضاب کرنا۔ **الحناء**: مہندی۔ **مصبوغ**: رنگا ہوا۔ **تعریض**: اشارہ کنایہ۔ **الخطبۃ**: پیغام۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے اور کچھ متفرق باتیں بیان کی گئی ہیں۔

وعلی المبتوتۃ ...... مسلمۃ : مسئلہ (۱) اس عبارت کے ترجمہ سے مسئلہ واضح ہے۔ معتدہ بائنہ اور متوفی عنہا زوجہا پر سوگ منانا واجب ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک معتدہ پر سوگ منانا واجب نہیں ہے۔

الاحداد ...... بزعفران : اس عبارت میں سوگ منانے کا طریقہ بتایا ہے۔ **الا من عذر** کا لفظ بتاتا ہے کہ معتدہ عورت کے لئے دواء کے طور پر تیل سرمہ وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔ یعنی اگر عورت تیل لگانے کی عادی ہے اور غالب گمان ہے کہ ترک استعمال کی صورت میں سر میں درد ہو جائے گا تو ایسی صورت میں استعمال کی اجازت ہے۔ اسی طرح عذر کی وجہ سے ریشم کا کپڑا استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک معتدہ کیلئے سیاہ ریشم کا کپڑا پہننا جائز ہے۔

ولا احداد علیٰ کافرۃ ولا صغیر : مسئلہ (۲) کافرہ عورت اور صغیرہ پر سوگ منانا واجب نہیں ہے ایک کفر کی بنیاد پر دوسری کم عمری کی وجہ سے۔ سوگ کرنا حقوق شرعیہ میں سے ہے۔

سات عورتوں پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے (۱) کافرہ (۲) صغیرہ (۳) مجنونہ (۴) معتدۃ العتق (۵) معتدۃ النکاح الفاسد (۶) معتدۃ الرجعیہ (۷) معتدۃ موطوءہ بالشبہ۔

وعلیٰ الامۃ ...... احداد : عبارت کا مطلب واضح ہے۔

ولا ینبغی الخ: مسئلہ (۳) کسی معتدہ کو پیغام نکاح دینا درست نہیں ہے البتہ تعریض کی اجازت ہے یعنی گول مول باتیں کرنا۔ مثلاً کوئی شخص معتدہ سے اس طرح کہے کہ میں نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں یا میری آرزو ہے کہ خدا تعالیٰ نیک فطرت عورت عطا فرمائے۔

ولایجوز لِلمُطلقة الرجعية والمَبْتوتَةِ الخروجُ مِنْ بيتِها ليلاً ونهاراً والمتوفىٰ عَنها زوْجُها تخرج نَهاراً وَ بَعْضَ الليل ولا تبيت فى غير منزلها وعلىٰ المعتدة ان تعتد فى المنزل الذى يضاف اليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت فان كان نصيبهامن دار الميت يكفيها فليس لَها ان تخرج الا من عذر وان كان نصيبها من دار الميت لا يكفيها واَخرَجهَا الورثة مِنْ نصيبهم انتقلت ولا يجوز ان يُسافِرَ الزوْجُ بِالمطلَّقَة الرجعيةِ.

ترجمہ : اور مطلقہ رجعیہ، معتدہ بائنہ کیلئے اپنے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے نہ رات میں اور نہ دن میں اور متوفی عنہا

زوجہا دن میں اور رات کے کچھ حصہ میں نکل سکتی ہے اور اپنے گھر کے علاوہ میں رات نہ گزارے اور معتدہ پر لازم ہے کہ عدت اس گھر میں گزارے جو اس کی طرف رہائش کے ساتھ منسوب ہیں جدائیگی اور موت کے وقت میں پس اگر اس کا حصہ میت کے مکان سے اس کیلئے کافی ہو تو اس کے لئے نکلنا جائز نہیں ہے مگر کسی عذر کی وجہ سے اور اگر اس کا حصہ میت کے مکان سے اس کے لئے ناکافی ہو اور اس کو ورثہ اس کے حصہ سے نکال دیں تو وہ منتقل ہو جائے اور نہیں جائز ہے شوہر کیلئے مطلقہ رجعیہ کے ساتھ سفر کرنا۔

تشریح : **ولا یجوز للمطلقة ...... نهاراً** : مسئلہ (۱) جس عورت کو طلاق رجعی یا طلاق بائن دے دی گئی ہو تو وہ مفارقت کے وقت جس مکان میں تھی اس مکان سے دن یا رات کسی وقت بھی نہ نکلے ہاں اگر کوئی مجبوری درپیش ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

والمتوفیٰ عنها ...... منزلها : مسئلہ (۲) اور ایسی عورت جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو اس کے لئے پورا دن اور رات کا کچھ حصہ گھر سے باہر نکلنا جائز ہے البتہ رات اپنے مکان کے علاوہ کسی اور مکان میں نہیں گزارے گی۔

وعلیٰ المعتدة ...... من عذر : مسئلہ (۳) معتدہ عورت کے لئے وقوع فرقت کے وقت اور شوہر کے انتقال کے وقت جس مکان میں قیام ہے اسی مکان میں عدت گزارنی لازم ہے۔ اب اگر اس کا حصہ اتنا ہے جو اس کے لئے کافی ہے تو اسی مکان میں رہے ہاں اگر کوئی عذر ہو تو مکان سے باہر آسکتی ہے۔ مثلاً مکان گرنے کا ڈر ہو یا مکان کرایہ کا تھا اب ادائیگی کرایہ کی طاقت نہیں تو اس عذر کی وجہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے۔

وان کانت انتقلت : مسئلہ (۴) مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

ولا یجوز الخ : مسئلہ (۵) شوہر کے لئے مطلقہ رجعیہ کو سفر میں ساتھ لے جانا جائز نہیں ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک جائز ہے۔

> **وَاِذا طَلَّقَ الرَّجلُ امرأتهُ طلاقاً بائناً ثُمّ تزوَّجها فِيْ عِدَّتِها ثُمّ طَلَّقَها قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِها فَعَلَيْهِ مهرٌ كَامِلٌ وَعَلَيها عِدَّةٌ مُسْتقْبِلَةٌ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ الله لَها نِصفُ المَهْرِ وَ عَلَيْهَا اِتمَامُ العِدَّةِ الأوْلىٰ.**

ترجمہ : اور اگر مرد نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دیدی پھر اسکی عدت میں اسی سے نکاح کر لیا پھر اس کو قبل الدخول طلاق دیدی تو شوہر پر پورا مہر اور عورت پر مستقل عدت واجب ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ شوہر پر نصف مہر اور عورت پر پہلی عدت کا پورا کرنا واجب ہے۔

تشریح : ترجمہ سے مسئلہ واضح ہے۔ حضرات شیخین اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے حضرات شیخین کے نزدیک دوسرے نکاح اور طلاق کی وجہ سے پورا مہر اور عورت پر مستقل دوسری عدت واجب ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک شوہر پر نصف مہر اور عورت پر پہلی عدت کا پورا کرنا واجب ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک شوہر پر نصف واجب ہے مگر عورت پر سرے سے ہی کوئی عدت واجب نہیں ہے۔

ويثبتُ نسب ولد المطلقة الرجعية اذا جاء ت به لسنتين او اكثر ما لم تقر بانقضاء عدتها

وان جاء ت بہٖ لاقلَّ من سَنتین ثبت نسبہ وَ بَانَتْ مِنْہُ وان جاء تْ بہٖ لا کثر من سنتین ثبت نَسَبُہٗ وَکَانَتْ رَجْعَۃً والمبتوتۃُ یثبت نَسَبُ وَلَدِھَا اِذَا جَائَتْ بِہٖ لِاَقَلَّ مِنْ سَنَتَیْنِ وَ اِذَا جَاءَتْ بِہٖ لِتَمَامِ سَنَتَیْنِ مِنْ یَوْمِ الفِرْقَۃِ لَمْ یثبت نَسَبُہٗ اِلَّا اَنْ یَّدَّعِیْہِ الزوجُ ویَثْبُتُ نَسَبُ وَلَد المتوفی عنھا زَوْجُھَا مَا بَیْنَ الوَفَاۃِ وَ بَیْنَ سَنَتَیْنِ وَ اِذَا اعْتَرَفَتِ المُعتَدَّۃُ بِانقِضَاءِ عِدَّتِھَا ثُمَّ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَّ مِنْ سَتۃ اَشْھُرٍ ثَبَتَ نَسَبُہٗ وَ اِنْ جَائَتْ بِہٖ ستۃ اَشْھُرٍ لَمْ یثبت.

ترجمہ : اور مطلقہ رجعیہ کے بچہ کا نسب ہو جائے گا اگر عورت نے بچہ کو دو سال یا دو سال سے زائد میں جنا ہو جب تک کہ عورت نے اپنی عدت پوری کرنے کا اقرار نہ کرلیا ہو۔ اور اگر عورت سے دو سال سے کم میں بچہ جنا ہو تو وہ اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی اور اگر دو سال سے زائد میں بچہ جنا ہو تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور طلاق رجعی واقع ہوگی اور معتدہ بائنہ کے بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ عورت نے بچہ دو سال سے کم میں جنا ہو اور اگر عورت نے فرقت کے وقت سے پورے دو سال میں بچہ جنا تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا مگر یہ کہ شوہر خود اسکا دعویٰ کرے اور متوفی عنہا زوجہا کے بچہ کا نسب وفات کے وقت سے دو سال کے اندر ثابت ہو جائے گا۔ اگر معتدہ بائنہ نے اپنی عدت پوری کرنے کا اعتراف کرلیا پھر چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر اس عورت نے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔

ثبوت نسب کا بیان

تشریح : اس عبارت میں مجموعی طور پر پانچ مسئلے مذکور ہیں۔

ویثبت نسب ...... عدتھا : مسئلہ (۱) ایک عورت جس کو اس کے شوہر نے طلاق رجعی دیدی اس طلاق کے وقت دو سال پر یا دو سال سے زائد پر بچہ جنا تو شوہر سے اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ بشرطیکہ عورت نے عدت پورا ہو جانے کا اقرار نہ کیا ہو۔

وانْ جاء ت ...... رجعۃ : مسئلہ (۲) اگر عورت نے طلاق کے وقت سے دو سال سے کم میں بچہ جنا تو اس صورت میں نسب ہوگا اور عورت بائنہ ہوگی لیکن اگر دو سال سے زائد میں بچہ جنا تو اس صورت میں نسب ثابت ہو جائے گا اور رجعت متحقق ہو جائے گی۔

والمبتوتۃ ...... من سنتین : مسئلہ (۳) اگر کسی عورت کو طلاق بائن واقع ہوگئی اور فرقت کے وقت سے دو سال سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب مطلقہ بائنہ کے شوہر سے ثابت نہیں ہوگا ہاں اگر شوہر اس کا دعویٰ کرے کہ یہ بچہ میرا ہے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

ویثبت ...... من سنتین : مسئلہ (۴) اگر کسی عورت کا شوہر انتقال کر گیا اس کا ایک بچہ ہے جو وفات کے بعد سے دو سال کے اندر اندر پیدا ہوا تو اس کا اس کے باپ سے ثابت ہو جائے گا۔

واذا اعترفت الخ : مسئلہ (۵) اگر معتدہ بائنہ ہے یہ اعتراف کرلیا کہ میری عدت گزر گئی اسکے بعد چھ ماہ سے کم

میں اس کو بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر چھ ماہ کے اندر جنا تو پھر نسب ثابت نہیں ہوگا۔

وَ اذا وَلَدَتِ المعتدَّةُ لَم يَثبت نَسَبُهُ عِندَ اَبِى حَنِيفَةَ رَحِمَهُ الله اِلَّا اَنْ يَشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا رَجُلَانِ اَوْ رَجُلٌ وَامرأَتَانِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ هُنَاكَ حَبَلٌ ظَاهِرٌ اَوْ اِعْتِرَاف مِنْ قِبَلِ الزَّوْجِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةٍ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُف ومُحَمَّدٌ رَحِمَهما الله يثبت فى الجَمِيْعِ بِشَهَادَةِ امرأةٍ وَاحِدَةٍ وَ اِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ اِمرأَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ تزَوَّجَهَا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ وَاِنْ جَاءَتْ بِه لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ فَصَاعِداً ثَبَتَ نَسَبُهُ اِذَا اعْتَرَفَ بِهِ اَوْ سَكَتَ وَ اِنْ جَحَدَ الوِلَادَةَ يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ اِمْرأةٍ وَاحِدَةٍ تَشْهَدُ بِالوِلَادَةِ.

ترجمہ : اگر معتدہ بائنہ نے بچہ جنا تو اسکا نسب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ثابت نہیں ہوگا بشرطیکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس کے پیدائش کی شہادت دیں مگر یہ کہ وہاں حمل بالکل ظاہر ہو یا شوہر کی جانب سے اقرار ہو تو نسب گواہی کے بغیر ثابت ہو جائے گا اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تمام صورتوں میں نسب ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جائے گا اور اگر مرد نے کسی عورت سے شادی کی، عورت نے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا، جب سے اس کی شادی ہوئی ہے تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اور اگر چھ ماہ یا اس سے زیادہ میں بچہ جنا تو اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ شوہر اسکا اقرار کرے یا خاموش رہے اور اگر شوہر نے ولادت کا انکار کیا تو ایک ایسی عورت کی شہادت سے نسب ثابت ہو جائے گا جو ولادت کی شہادت دے۔

تشریح : اس عبارت میں دو مسئلے ہیں۔

واذا ولدت ...... امرأة واحدة : مسئلہ (۱) اگر ایک عورت عدت میں تھی اس نے بچہ جنا اور حمل سے پہلے ظاہر تھا یا شوہر نے حمل کا اقرار کر لیا تو دونوں صورتوں میں بلا کسی شہادت کے نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر معتدہ عورت نے بچہ جنا اور شوہر نے ولادت کا انکار کیا تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ثبوت نسب کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی بچہ کی ولادت پر شہادت شرط ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک ان تمام صورتوں میں صرف ایک عورت یعنی دایہ کی شہادت سے بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا حمل خواہ پہلے سے ظاہر ہو یا نہ ہو اور شوہر نے حمل کا اقرار کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ امام احمدؒ کا یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک چار عورتوں کی شہادت اور امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی شرط ہے۔

اذا تزوج الرجل ...... بالولادة : مسئلہ (۲) اگر مرد نے کسی عورت سے شادی کر لی اور عورت نے شادی کے دن سے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا تو اس بچہ کا نسب اس مرد سے ثابت نہیں ہوگا۔ لیکن اگر یہی بچہ شادی کے دن سے چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں پیدا ہوا تو بچہ کا نسب مرد سے ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ شوہر اس کا اعتراف کرے یا خاموشی اختیار کر لے۔ لیکن اگر شوہر چھ ماہ یا اس سے زائد کی صورت میں ولادت کا انکار کرتا ہے تو ایسی صورت میں ایک عورت کی شہادت سے نسب ثابت ہو جائے گا۔

واكثر مُدة الحَبَل سنتان واَقَلُّهُ سِتَّةُ اَشْهُرٍ وَ اِذَا طَلَّقَ ذِمِّيٌّ ذِمِّيَةً فلا عدة عليها وَ اِنْ تزَوَّجت الحَامِلَ مِن الزنا جَازَ النكَاحُ وَلَا يَطؤُهَا حَتىٰ تَضَعَ حَمْلَهَا.

ترجمہ: حمل کی اکثر مدت دو سال ہے اور اقل مدت چھ ماہ ہے۔ اگر کسی ذمی نے ذمیہ کو طلاق دیدی تو اس پر کوئی عدت نہیں۔ اور اگر شادی کی ایسی عورت نے جو زنا سے حاملہ ہوئی ہے تو اس کا نکاح درست ہو جائے گا مگر اس سے وضع حمل تک وطی نہ کرے۔

مدت حمل اور زنا سے حاملہ کا نکاح

تشریح: اس عبارت میں تین مسائل ہیں۔

واکثرمدۃ ...... اشھر: مسئلہ (۱) حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے اور کم سے کم مدت چھ ماہ ہے مدت اقل کے متعلق سب کا اتفاق ہے۔ البتہ مدت اکثر کے متعلق ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک دو سال ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک چار سال ہے۔

اذا طلق ...... فلا عدۃ علیھا: مسئلہ (۲) اگر کسی ذمی نے ذمیہ عورت کو طلاق دیدی تو ذمیہ کے اوپر کوئی عدت واجب نہیں ہوگی۔ یہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔ حضرات صاحبین کے نزدیک عدت واجب ہوگی۔

وان تزوجت الخ: مسئلہ (۳) اگر کوئی عورت زنا کی وجہ سے حاملہ ہوگئی ہو تو اس سے نکاح تو جائز ہے مگر شوہر اس سے وضع حمل سے پہلے وطی نہیں کر سکتا الا یہ کہ زانی ہی خود زوجہ ہو گیا ہو تو وہ وطی کر سکتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک زنا سے حاملہ عورت کا نکاح فاسد ہے۔

کتاب النفقات

النفقات: یہ نفقہ کی جمع ہے، خرچ کرنا۔ اصطلاحی معنیٰ یہ ہے کہ وہ روزینہ جو بقاء زندگی کیلئے مسلسل جاری رہے۔

النفقة واجبة للزوجة علیٰ زوجها مسلمةً كَانَتْ اَوْ كَافِرَةً اِذا سلمت نفسها فی منزله فعلیه نفقتُهَا وَ كِسْوَتُهَا یعتبر ذالك بِحَالِهِمَا جَمِیْعاً مُوْسِراً كَانَ الزوجُ اَوْ مُعْسِراً فَاِنْ امْتَنَعَتْ مِنْ تَسْلِیْمِ نَفْسِهَا حَتّیٰ یُعْطِیَهَا مَهْرَها فَلَهَا النَّفْقَةُ وَ اِنْ نَشَزَتْ فَلَا نَفْقَةَ لَهَا حَتّیٰ تَعُوْدَ اِلیٰ مَنْزِلِهٖ وَ اِنْ كَانَتْ صَغِیْرَةً لَا یُسْتَمَعُ بِهَا فَلَا نَفْقَةَ لَهَا وَاِنْ سَلَّمَتْ نَفْسَهَا اِلَیْهِ وَاِنْ كَانَ الزَّوْجُ صَغِیْراً لَا یَقْدِرُ عَلیٰ الْوَطْیِٔ والمرأة كَبِیْرَةٌ فَلَهَا النَّفْقَةُ مِنْ مَالِهٖ وَ اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمرأتَهٗ فَلَهَا النَّفْقَةُ والسُّكْنیٰ فِیْ عِدَّتِهَا رَجْعِیاً كَانَ اَوْ بَائِناً وَ لَا نَفْقَةَ لِلْمُتَوَفّیٰ عَنْهَا زَوْجُهَا.

ترجمہ: نفقہ بیوی کیلئے اسکے شوہر پر واجب ہے، بیوی خواہ مسلمان ہو یا کافر بشرطیکہ بیوی خود کو شوہر کے گھر سپرد کر دے تو شوہر پر اس بیوی کا نفقہ، لباس اور سکنیٰ واجب ہے اور نفقہ کی مقدار میں شوہر اور بیوی دونوں کی حال کا اعتبار ہوگا شوہر مالدار ہو یا تنگ دست۔ اگر بیوی نے خود کو (شوہر کے) سپرد کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ شوہر اس کو اس کا مہر دیدے تو عورت کیلئے نفقہ واجب ہے۔ اور اگر عورت نے نافرمانی کی تو اس کیلئے نفقہ نہیں یہاں تک کہ وہ اپنے شوہر کے گھر

لوٹ آئے۔ اور اگر بیوی ایسی صغیرہ ہو کہ اس سے تمتع (جماع) نہیں ہو سکتا تو اس کیلئے (شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہے اگرچہ اس نے خود کو شوہر کے حوالہ کر دیا اور اگر شوہر صغیر ہو اسکو جماع پر قدرت نہیں ہے اور اس کی بیوی بڑی (بالغہ) ہو تو شوہر کے مال سے بیوی کیلئے نفقہ واجب ہوگا۔ اور اگر مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو اس عورت کو عدت میں نفقہ اور سکنیٰ ملے گا (خواہ) طلاق رجعی ہو یا بائن۔ اور جس عورت کا شوہر انتقال کر گیا تو اس عورت کے لئے (عدت) کا نفقہ نہیں ہے۔

تشریح : اس عبارت میں سات مسئلے ہیں۔

النفقة ...... وسکناها : مسئلہ (۱) یہ مسئلہ ترجمہ سے بالکل واضح ہے۔

یعتبر ...... معسراً : مسئلہ (۲) ترجمہ سے مسئلہ کی صورت واضح ہے بس اتنا ذہن نشین رہے کہ اگر دونوں دولت مند ہوں تو خوشحالی کا نفقہ واجب ہوگا اور اگر دونوں تنگ دست ہوں تو تنگی کا نفقہ واجب ہوگا اور اگر شوہر مالدار ہو اور بیوی تنگ دست ہو یا شوہر تنگ دست ہو اور بیوی مالدار ہو تو اس صورت میں اوسط درجہ کا نفقہ واجب ہوگا یعنی مالدار عورتوں کے نفقہ سے کم تر اور تنگ دست عورتوں سے بڑھ کر۔ گویا کل چار صورتیں ہیں۔ امام خصاف نے اسی تیسری اور چوتھی صورت کو اختیار فرمایا ہے اور یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔

وان امتنعت ...... فلها النفقة : مسئلہ (۳) اگر کسی عورت نے خود کو شوہر کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ شوہر مہر معجل ادا کر دے تو اس صورت میں عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا بلکہ شوہر پر واجب ہوگا۔

وان نشزت ...... الیٰ منزله : مسئلہ (۴) اگر عورت نے نافرمانی اور سرکشی کی تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا یہاں تک کہ وہ عورت اپنی سرکشی سے باز آ کر شوہر کے گھر واپس آ جائے۔

وانْ کانتْ صغیرة ...... النفقة : مسئلہ (۵) اگر عورت نابالغ ہو کہ اسکے ساتھ جماع ممکن نہ ہو تو اس کے لئے شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہے خواہ یہ عورت شوہر کے مکان میں ہو یا شوہر کے مکان میں نہ ہو یہاں تک کہ جماع کے لائق ہو جائے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک نابالغہ عورت کے لئے شوہر پر نفقہ واجب ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا رخ یہ ہیکہ اگر شوہر نابالغ ہو جماع پر قادر نہ ہو اور اس کی بیوی بالغہ ہو تو شوہر کے مال سے بیوی کے لئے نفقہ واجب ہے۔

واذا طلق الرجل ...... بائناً : مسئلہ (۶) اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی خواہ طلاق رجعی ہو یا طلاق بائن تو عورت کی عدت میں اس کے لئے نفقہ وسکنیٰ واجب ہوگا۔ یہ احناف کے نزدیک ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جس عورت کو بالکل جدا کر دیا گیا ہو مثلاً ایک طلاق بائن یا تین طلاقیں دے دی ہوں یا خلع کیا ہو تو عورت کے لئے کوئی نفقہ نہیں ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی خیال ہے البتہ اگر عورت حاملہ ہو اور طلاق پڑ گئی ہو تو بالاتفاق نفقہ واجب ہوگا۔ طلاق رجعی کی صورت میں عدت پوری کرنے تک بالاتفاق نفقہ وسکنیٰ دونوں واجب ہے۔

ولا نفقة للمتوفیٰ عنها زوجها : مسئلہ (۷) اگر کسی عورت کا شوہر انتقال کر گیا تو اس عورت کیلئے عدت کا نفقہ نہیں ہے۔ یہ احناف کا قول ہے۔ امام احمدؒ کا یہی قول ہے، امام شافعیؒ کا ایک قول ایسا ہی ہے اور دوسرے قول کے مطابق اگر

میت نے مال کثیر چھوڑا ہے تو عورت کے حصۂ میراث میں سے اس پر خرچ کیا جائے گا اور اگر مال کم ہے تو جمیع مال میں سے اس پر خرچ کیا جائے گا۔ اور متوفی عنہا زوجہا کے واسطے سکنٰی کے واجب ہونے میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک کے مطابق سکنٰی واجب نہیں ہے جیسا کہ احناف کا خیال ہے اور دوسرے قول کے مطابق سکنٰی واجب ہے جیسا کہ امام مالک کا خیال ہے۔

و كل فرقة جاء ت مِنْ قِبَلِ المرأةِ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا وَ اِنْ طَلَّقَهَا ثُمَّ ارْتَدَّتْ سَقَطَتْ نَفَقَتُهَا وَ اِنْ مَكَّنَتْ اينَ زَوْ جِهَا مِنْ نَفْسِهَا فَاِنْ كَانَ بَعْدَ الطَّلَاقِ فَلَهَا النَفَقَةُ وَ اِنْ كَانَ قَبْلَ الْطَلاقِ فَلا نَفَقَةَ لَهَا وَ اِذَا اُحْبِسَتِ المرأةُ فِيْ دَيْنٍ اَوْ غَصَبَهَا رَجُلٌ كَرْهاً فَذَهَبَ بِهَا اَوْ حَجَّتْ مَعَ غَيرِ مَحْرَمٍ فَلا نَفَقَةَ لَهَا وَ اِذا مَرِضَتْ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ وَ يُفْرَض عَلىٰ الزّوجِ اِذَا كَانَ مُوْسِراً نَفَقَة خَادِمِهَا وَ لَاتُفْرَضُ لاكْثَرِ مِنْ خَادِمٍ وَاحِدٍ وَ عَلَيْهِ اَنْ يُسكِنَهَا فِيْ دارٍ مُفْرَدَةٍ لَيْسَ فِيْهَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِهِ اِلّا اَنْ تَخْتَارَ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور ہر وہ فرقت جو عورت کی طرف سے کسی معصیت کی وجہ سے ہو تو اس عورت کے لئے کوئی نفقہ نہیں ہے اور اگر اس عورت کو طلاق دیدی اس کے بعد وہ مرتد ہوگئی تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر قابو دیدے اب اگر یہ قابو دینا طلاق کے بعد ہے تو اس کو نفقہ ملے گا اور اگر یہ قابو دینا طلاق کے پہلے ہے تو اس عورت کو کوئی نفقہ نہیں دینگے اور اگر عورت کسی قرض میں قید کرلی گئی یا کسی نے زبردستی اس کو غصب کرلیا اور اس کو لے کر چلا گیا یا کسی نامحرم کے ساتھ حج کیلئے چلی گئی تو اس عورت کو کوئی نفقہ نہیں ملے گا اور اگر عورت شوہر کے گھر میں بیمار ہوگئی تو اس کا نفقہ واجب ہوگا اور اگر شوہر دولتمند ہے تو عورت کے ایک خادم کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہوگا۔ اور ایک خادم سے زائد کا (نفقہ) واجب نہیں ہوگا اور شوہر پر واجب ہے کہ بیوی کو ایک علیحدہ مکان میں رکھے جس میں شوہر کا کوئی رشتہ دار نہ ہو مگر یہ کہ عورت اس کو پسند کرے۔

تشریح: اس عبارت میں چھ مسئلے ہیں۔

و كل فرقة.....فلا نفقة لَها: مسئلہ (۱) ہر ایسی جدائیگی جس میں عورت کی کوتاہی اور اسکے جرم کی وجہ سے ہو اسمیں عورت کو نفقہ نہیں ملے گا۔

وان طلقها ...... نفقها: مسئلہ (۲) عبارت سے واضح ہے۔

وان مكنت ...... فلا نفقة لها: مسئلہ (۳) یہ مسئلہ بھی واضح ہے۔

واذا احبست ...... فلانفقة: مسئلہ (۴) یہ مسئلہ بھی عبارت سے واضح ہے۔

واذا مرضت ...... النفقة: مسئلہ (۵) بالکل واضح ہے کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ويفرض على الزوج ...... واحد: مسئلہ (۶) شوہر کا فرض ہے کہ اپنی بیوی کو ایک علیحدہ مکان میں رکھے جس گھر میں شوہر کے گھر کا کوئی فرد نہ ہو ہاں اگر عورت شوہر کے گھر کے افرد کے ساتھ رہنے کو پسند کرے یعنی سسرال والوں کے ساتھ رہے تو عورت کا اپنا اختیار ہے۔

شوہراور بیوی کوایک علیحدہ مکانمیں رہنے کی یہ مصلحت بیان کی جاتی ہے کہ اس انداز سے زوجین باہم بے تکلف اور آزادانہ طور پرزندگی گزار سکتے ہیں اور ہم بستری میں کوئی رکاوٹ پیدانہیں ہوتی ہے۔

وللزوج ان يَمنعَ والِدَيْها و ولدها مِنْ غَيْرِه واهلها مِنَ الدُّخُوْلِ عَلَيْهَا و لا يَمْنَعُهُم مِنَ النَّظْرِ اِلَيْهَا و لا مِنْ كَلامِهِمْ معها فِيْ اَيِّ وَقْتٍ اختاروا ومن اَعْسَرَ بِنَفْقَةِ اِمْرأتِه لَمْ يُفرَّقْ بَيْنَهُما و يُقَالُ لَها اِسْتَدِيْنِى عَلَيْهِ و اِذا غابَ الرَّجُلُ و لَهُ مالٌ فِيْ يَدِ رَجُلٍ يَعْتَرِفُ بِه و بالزَّوْجِيَةِ فَرَضَ القَاضِيْ فِيْ ذالِكَ المالِ نفقةَزوجةِ الغائبِ و اَوْلادِهِ الصِّغَارِ ووَالِدَيْهِ و يَاخُذُ مِنْها كَفِيْلاً بها و لا يَقْضِيْ بِنَفْقَةٍ فِيْ مالِ الغائبِ اِلّا لِهٰؤلاءِ و اِذا قَضىٰ القَاضِيْ لَها بِنفقةِ الاِعْسارِ ثُمَّ اَيسَرَ فخاصمَتْهُ تَمَّمَ لَها نفقةَ المُوْسِرِ و اِذا مَضَتْ مُدَّةٌ لَمْ يُنْفِقِ الزَّوْجُ عَلَيْها و طَالَبَتْهُ بذالك فلا شَيْئٌ لَها اِلا ان يَّكُوْنَ القَاضِي فَرَضَ لَها النَّفْقَةَ اَوْ صَالَحتِ الزوجَ عَلىٰ مِقْدارِها فَيَقْضِى لَها بِنَفْقَةِ مَا مَضىٰ.

ترجمہ : شوہرکواختیار ہے کہ بیوی کے والدین، اس کے پہلے شوہر کے لڑکے اوراس کے گھروالوں کو بیوی کے پاس آنے سے منع کرے البتہ ان لوگوں کو بیوی کی طرف دیکھنے اوراس سے گفتگو کرنے سے منع نہ کرے جب بھی چاہیں اور جو شخص اپنی بیوی کے نفقہ سے عاجز ہوجائے توان دونوں کے درمیان جدائی نہ کی جائے بلکہ (بذریعہ قاضی) کہاجائے گا کہ اپنے شوہر کے ذمہ قرضہ لے۔ اوراگر مرد غائب ہوگیا اوراس کا مال کسی دوسرے کے قبضہ میں ہے جواس کا اعتراف کررہاہے اوراس کی بیوی ہونے کا بھی۔ تو قاضی اس مال میں غائب شخص کی بیوی، اس کے چھوٹے بچوں اوراس کے والدین کا نفقہ مقرر کردے اور قاضی اس عورت سے ایک کفیل لے گا اور قاضی غائب شخص کے مال میں کسی نفقہ کا فیصلہ نہیں کرے گا بجزان (مذکورہ) لوگوں کے اورگر قاضی نے بیوی کیلئے تنگی کے نفقہ کا فیصلہ کردیا پھراس کا شوہر مالدار ہوگیا اس پر بیوی نے شوہر کے خلاف (قاضی کی عدالت میں خوشحالی کا) دعویٰ کیاتو قاضی اس عورت کے لئے مالداری (خوشحالی) کا نفقہ پورا کرے گا (مقرر کرے گا) اوراگراتنی مدت گزرگئی کہ شوہر نے بیوی کو نفقہ نہیں دیا اور بیوی نے اس کا مطالبہ کرلیا تو عورت کے لئے نہیں ہوگا مگر یہ کہ قاضی نے اس عورت کے لئے نفقہ (کی مقدار) مقرر کردی یااس عورت نے شوہر سے کسی مقدار پرمصالحت کرلی ہوتو اب اس عورت کے لئے گزشتہ نفقہ کا فیصلہ ہوگا۔

تشریح : اس عبارت میں پانچ مسئلے ہیں۔

وللزوج ...... فی ای وقت اختاروا : مسئلہ (۱) شوہرکواس بات کا اختیار ہے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس اس کے والدین، اس کے سابق شوہر کا اور دیگر رشتہ داروں کو آنے سے روک دے لیکن اگر بیوی کے والدین کسی بھی وقت اس کو دیکھنا چاہیں یااس سے ہم کلام ہونا چاہیں تو شوہران حضرات کواس عمل سے مت روکے۔ کیونکہ اس میں قطع رحم ہے اور قطع رحم حرام ہے اور قاطع رحم جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ البتہ شوہر بیوی کے والدین کوٹھہرنے سے منع کرسکتا ہے کیونکہ ٹھہرنے اور طویل گفتگو سے ہی فتنہ وفساد کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور مفتی بہ قول کے مطابق عورت کے والدین کو عورت کے یہاں اور عورت کو اپنے والدین کے

یہاں ہفتہ میں ایک بار یعنی جمعہ کو ملاقات کی اجازت ہے۔ اور والدین کے علاوہ دوسرے قرابت دار کو سال میں ایک بار ملاقات کی اجازت ہے۔ خواہ عورت ان کے پاس جائے یا وہ لوگ اس کے یہاں آئیں جیسا کہ ہدایہ جلد ثانی میں ہے۔

و من اعسر ...... استدینی علیه : مسئلہ (۲) اگر شوہر بیوی کے نفقہ سے عاجز ہو گیا تو اس بنیاد پر ان دونوں کے درمیان تفریق نہ کی جائے بلکہ قاضی کو چاہئے کہ بیوی سے کہے کہ تو شوہر کے نام پر قرض لیلے جس کو شوہر بعد میں ادا کردے گا۔

و اذا غاب الرجل ...... الاالهؤلاء : مسئلہ (۳) اگر شوہر سفر میں چلا گیا اور اس کا مال کسی ایسے شخص کے قبضہ میں ہے جس کو اس بات کا اقرار ہے اور یہ بھی اقرار کرتا ہیکہ یہ عورت غائب شخص کی بیوی ہے تو قاضی غائب شخص کے مال میں اس اس کی بیوی، اسکی نابالغ اولاد اور شوہر کے والدین کے لئے نفقہ مقرر کرے گا اور قاضی اس عورت سے ایک کفیل یعنی ایک ذمہ لے گا کہ اگر عورت نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی تو غائب کا مال واپس ہوگا مثلاً عورت اپنا نفقہ وصول کر چکی ہو یا شوہر طلاق دے چکا ہو اور عدت گزر چکی ہو تو عورت نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی اور قاضی صرف مذکورہ بالا افراد کیلئے نفقہ کا حکم کر سکتا ہے۔

و اذا قضی القاضی ...... نفقة الموسر : مسئلہ (۴) اگر قاضی نے کسی عورت کے لئے غربت کا نفقہ مقرر کیا اب اس کا شوہر دولت مند اور خوشحال ہو گیا ادھر بیوی نے قاضی کی عدالت میں خوشحالی کے نفقہ کا دعویٰ دائر کر دیا تو قاضی ایسی صورت میں اس عورت کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کرے گا۔

و اذا مضت الخ : مسئلہ (۵) اگر ایک مدت گزر گئی اور شوہر نے اپنی بیوی کو خرچ نہیں دیا پھر اس عورت نے اپنے شوہر سے اس مدت کے نفقہ کا مطالبہ کیا تو عندالاحناف بیوی کو کچھ نہیں ملے گا البتہ دو صورتیں ایسی ہیں جس میں بیوی کو گزشتہ نفقہ ملے گا (۱) قاضی نے عورت کے واسطے نفقہ کی کوئی مقدار متعین کر دی ہو (۲) عورت نے اپنے شوہر سے نفقہ کی کسی مقدار پر مصالحت کر لی ہو۔

فان مَاتَ الزَّوْجُ بَعْدَ مَا قضی عَلَیْهِ بالنفقةِ وَمَضَتْ شُهُوْرٌ سقطت النفقة و انْ اَسْلفها نَفْقَةَ سَنةٍ ثُمَّ مَاتَ لَمْ یَسْتَرجِعْ مِنهَا شَیْئاً و قَالَ مُحَمَّدٌ رحمَهُ اللّٰہُ یَحْتَسِبُ لها بنفقةِ ما مَضیٰ وَ مَابَقِیَ للزَّوْجِ و اِذا تَزَوَّجَ العبْدُ حُرَّةً فنفقَتُها دَیْنٌ عَلَیْهِ یُبَاعُ فِیْها وَ اِذا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ اَمَةً فَبَوَّأهَا مَوْ لاهَا مَعَهُ فَنَفَقتُها عَلیْهِ وَ اِنْ لَمْ یُبَوِّئها مَعَهُ فَلا نَفَقَةَ لَهَا عَلَیْهِ.

ترجمہ : اور اگر شوہر اس پر نفقہ کے فیصلہ کے بعد مر جائے اور چند ماہ گزر جائیں تو نفقہ ساقط ہو جائے گا اور اگر شوہر نے بیوی کو ایک سال کا (پیشگی) نفقہ دیدیا پھر اس کا انتقال ہو گیا تو بیوی سے کچھ واپس نہیں لیا جائے گا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جتنا زمانہ گزر گیا اس کا نفقہ عورت کو حساب کر کے دیا جائے گا اور جو باقی ہے وہ شوہر کا ہوگا اور اگر غلام نے کسی آزاد عورت سے شادی کر لی تو اس عورت کا نفقہ غلام پر قرض ہوگا کہ وہ نفقہ میں فروخت کیا جائے گا اور اگر کسی آزاد مرد نے باندی سے شادی کر لی اور مالک نے اس کو اس شوہر کے ساتھ رات میں الگ کر دیا تو باندی کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا اور اگر مالک نے باندی کو شوہر کے ساتھ رات میں الگ نہیں کیا تو باندی کا نفقہ شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے ہیں۔

فان مات ...... النفقة : مسئلہ (۱) اگر شوہر پر نفقہ کا حکم لگا دیا مگر قاضی نے بیوی کو قرض لینے کا حکم نہیں دیا اور پھر شوہر کا انتقال ہو گیا اور اس پر چند ماہ گزر گئے تو شوہر پر سے نفقہ ساقط ہو جائے گا یہ امام صاحب کا مسلک ہے امام شافعی کے نزدیک شوہر کے مرنے سے نفقہ ساقط نہیں ہوگا بلکہ شوہر کے ترکہ میں سے عورت وصول کرے گی۔

وان اسلفها ...... ما بقی للزوج : مسئلہ (۲) اگر شوہر نے بیوی کو ایک سال کا پیشگی نفقہ دیدیا بعد میں شوہر کا انتقال ہو گیا تو بیوی سے کچھ بھی واپس نہیں لیا جائے گا۔ یہ حضرات شیخین کے نزدیک ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ گزشتہ ایام کا نفقہ حساب کر کے عورت کو کیا دیا جائے گا اور باقی جو بچے گا وہ شوہر کا ہوگا۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

واذا تزوج ...... یباع فیها : مسئلہ (۳) اگر غلام نے اپنے مولیٰ کی اجازت سے کسی آزاد عورت سے نکاح کر لیا تو اس عورت کا نفقہ غلام پر قرضہ ہوگا۔ اور یہ غلام اپنی بیوی کے نفقہ میں فروخت کر دیا جائے گا۔

واذا تزوج الرجل الخ : مسئلہ (۴) اگر آزاد مرد نے کسی باندی سے نکاح کر لیا اور آقا نے اس کو شوہر کے گھر رات گزارنے دیا تو اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا اور اگر آقا نے اس کو شوہر کے گھر رات گزارنے نہیں دیا تو اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا۔

وَ نَفَقَةُ الْاَوْلَادِ الصِغَارِ عَلَى الْاَب لا یشارک فِیْهَا اَحدٌ کَمَا لَا یُشَارِکُهُ فِیْ نَفَقَةِ زَوْجَتِهٖ اَحد وان کَانَ الوَلَدُ رَضِعیاً فَلَیْسَ عَلیٰ اُمِّهٖ ان ترضِعَهٗ ویساتجرُ لَهُ الْاَبُ مَنْ تُرْضِعُهٗ عِنْدَهَا فان استاجَرَهَا وهِیَ زَوْجَتُهٗ اَوْ معتدتهٗ لِترضِعَ وَلَدَهَا لَمْ یَجُزْ وَ اِنْ اِنْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَاسْتَاجَرَهَا عَلیٰ اَرْضَاعِهٖ جَازَ وَ اِنْ قَالَ الْاَبُ اَسْتَاجِرُهَا وَ جَاءَ بِغَیْرِهَا فَرَضِیَتِ الْاُمُّ بِمِثْلِ اُجْرَةِ الْاَجْنَبِیَةِ کَانَتِ الْاُمُّ اَحَقَّ بِهٖ وَ اِنْ اِلْتَمَسَتْ زِیَادَةً لَمْ یُجْبَرِ الزَّوْجُ علیها وَ نَفَقَةُ الصَّغِیْرِ وَاجِبَةٌ عَلیٰ اَبِیْهِ وَ اِنْ خَالَفَهٗ عَلیٰ دِیْنِهٖ کَمَا تَجِبُ نَفَقَةُ الزَّوْجَةِ عَلَی الزَّوْجِ وَ اِنْ خَالَفَهٗ فِیْ دِیْنِهٖ.

ترجمہ : چھوٹے بچے کا نفقہ باپ پر ہے جس میں کوئی شریک نہیں ہے جس طرح کہ شوہر کے ساتھ کوئی شریک نہیں اس کی بیوی کے نفقہ میں اور اگر بچہ شیر خوار ہو تو اس کی ماں پر لازم نہیں ہے کہ اس کو دودھ پلائے بلکہ اسکے لئے باپ کسی ایسی عورت کو اجرت پر رکھ لے جو اس بچہ کو اس کی ماں کے پاس دودھ پلائے اب اگر اجرت پر لیا ایسی عورت کو جو اس کی بیوی ہے یا اس کی معتدہ ہے تاکہ وہ عورت اس بچہ کو دودھ پلائے تو (ایسی عورت کو اجرت پر لینا) جائز نہیں ہے اور اگر اس عورت کی عدت گزر چکی اور بچہ کو دودھ پلانے کیلئے اس عورت کو اجرت پر رکھ لے تو جائز ہے اور اگر باپ کہے کہ میں اس عورت کو اجرت پر نہیں لوں گا اور کسی دوسری عورت کو اجرت پر لے آئے اور ماں اس سے راضی ہو اتنی اجرت پر جتنی کی اجنبیہ کی اجرت ہے تو ماں اس کی زیادہ حقدار ہوگی اور اگر عورت زیادہ اجرت طلب کرے تو شوہر کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ بچہ کا نفقہ باپ پر واجب ہے اگرچہ بچہ باپ کے دین کے خلاف ہو جس طرح سے کہ بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے اگرچہ بیوی شوہر کے مذہب کے خلاف ہو۔

اولاد کے نفقہ کا بیان

تشریح : اس عبارت میں پانچ مسئلے ہیں۔

ونفقة الاولاد ...... احد : مسئلہ (۱) نابالغ بچہ کا نفقہ باپ پر واجب ہے اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے جسطرح کہ بیوی کے نفقہ میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا ہے۔

وان كان الولد ...... ترضعه عندها : مسئلہ (۲) اگر بچہ شیرخوار ہو تو اس کی ماں کیلئے ضروری نہیں کہ اسکو دودھ پلائے بلکہ باپ دودھ پلانے کے لئے کسی عورت کو اجرت پر لیلے تاکہ جو بچہ کی ماں کے پاس رہ کر بچہ کو دودھ پلائے۔

فان استاجرها ...... لم يجز : مسئلہ (۳) اگر شوہر نے عورت کو اجرت پر رکھا تاکہ بچہ کو دودھ پلائے حالانکہ یہ عورت اسی شوہر کی بیوی ہے یا شوہر نے اس کو طلاق دیدیا ہے تو اس عورت کو اجرت پر لینا جائز نہیں ہے کیونکہ دیانۃً (عند اللہ) اس عورت پر بچہ کو دودھ پلانا خود ہی واجب ہے۔

وان انقضت ...... جاز : مسئلہ (۴) اگر معتدہ کی عدت گزر چکی پھر شوہر نے اپنے بچہ کو دودھ پلانے کے لئے اسی عورت کو اجرت پر رکھ لیا تو ایسا کرنا جائز ہے۔

وان قال الاب عليها : مسئلہ (۵) اگر باپ نے کہا کہ میں اس بچہ کی ماں کو اجرت پر نہیں لوں گا اور کسی دوسری دودھ پلانے والی کو لے آیا اس کے بعد بچہ کی ماں نے اتنی ہی اجرت کو پسند کیا جتنی کہ کسی اجنبیہ کی اجرت ہے تو اس صورت میں ماں اس کی زیادہ مستحق ہے اور اگر بچہ کی ماں نے اجنبیہ کی اجرت سے زیادہ طلب کی تو شوہر کو زیادہ اجرت دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ونفقة الصغير الخ : مسئلہ (۶) نابالغ بچہ کا نفقہ باپ پر واجب ہے اگر چہ بچہ باپ کے دین کے مخالف ہو مثلاً نابالغ بچہ نے اسلام قبول کرلیا اور باپ کافر ہے یہ مسئلہ ایسے ہی ہے جس طرح کہ بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے اگر چہ بیوی کا مذہب شوہر کے مذہب کے خلاف ہو مثلاً بیوی یہودیہ یا نصرانیہ ہو۔

> واذا وقعتِ الفُرقةُ بين الزوجين فالام احق بالولد فان لَم تَكُنْ لَهُ اُمٌ فَامُّ الْاُمِّ اولىٰ مِنْ اُمِّ الابِ فان لَمْ يَكُنْ لَهُ اُمّ الْاُمِّ فَاُمُّ الابِ اَوْلىٰ مِنَ الاَخوَاتِ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ جَدَّةٌ فَالاَخوَاتُ اَوْلىٰ مِنَ العَمَّاتِ وَالخَالَاتِ وَ تَقَدَّمَ الْاُختُ مِنَ الاَبِ والْاُمِّ ثُمَّ الْاُختُ مِنَ الاُمِّ ثُمَّ الْاُختُ مِنَ الاَبِ ثُمَّ الخَالَاتُ اَوْلىٰ مِنَ العَمَّاتِ وَ يَنْزِلْنَ كَمَا تَرَكْتِ الاَخوَاتُ ثُمَّ العَمَّاتُ يَنْزِلْنَ كذالك وَكُلُّ مَنْ تزوَّجت مِنْ هٰؤلَاءِ سَقَطَ حَقُّهَا فِيْ الحِضانَةِ اِلَّا الجَدَّةِ اِذَا كَانَ زَوْجُهَا الجَدُّ۔

ترجمہ : اور اگر میاں اور بیوی کے درمیان جدائیگی واقع ہو جائے تو ماں بچے کی زیادہ حقدار ہے اور اگر اس بچہ کی ماں نہ ہو تو نانی زیادہ حقدار ہے دادی سے، اور اگر نانی نہ ہو تو دادی زیادہ حقدار ہے بہنوں سے اور اگر دادی نہ ہو تو بہنیں، پھوپھیوں اور خالاؤں سے زیادہ حقدار ہیں۔ اور (بہنوں میں) حقیقی بہن مقدم ہوگی پھر ماں شریک بہن اس کے بعد

باپ شریک بہن، پھر خالائیں، پھوپھیوں کی بہ نسبت اولیٰ ہیں پھر خالاؤں اور پھوپھیوں میں وہی ترتیب ہوگی جو بہنوں میں ہوگی پھر پھوپھیاں اسی ترتیب پر ہوں گی اور ان عورتوں میں سے جس نے شادی کی تو پرورش میں اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔ سوائے نانی کے جب کہ اس کا شوہر بچہ کا دادا ہو۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے مذکور ہیں۔

واذا وقعت ...... الام : مسئلہ (۱) اگر شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان جدائیگی واقع ہو جائے تو پرورش کے سلسلے میں سب سے زیادہ مستحق بچہ کی ماں ہے (بشرطیکہ ماں اس کا مطالبہ کرے) اب اگر بچہ کی ماں نہ ہو مثلاً اس کا انتقال ہو گیا ہو یا کسی اجنبی شخص سے نکاح کر لیا ہو۔ تو ایسی صورت میں تو بچہ کی نانی زیادہ مستحق ہوگی بہ نسبت دادی کے اور اگر بچہ کی نانی نہ ہو تو بہنوں کے مقابلہ میں دادی بچہ کی زیادہ مستحق ہوگی اور اگر بچہ کی دادی نہ ہو تو بہنیں، پھوپھیوں اور خالاؤں کے مقابلہ میں زیادہ مستحق ہوں گی۔

وتقدم الاخت ...... ینزلن کذالك : مسئلہ (۲) جس عورت کے ساتھ دو طرح کی رشتہ داری ہو وہ ایک طرح کی رشتہ داری سے زیادہ مستحق ہے چنانچہ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ حقیقی بہن یعنی ماں باپ شریک بہن، صرف ماں شریک بہن اور صرف باپ شریک بہن کے مقابلہ میں زیادہ مستحق ہے۔ اس کے بعد خالائیں پھوپھیوں پر مقدم پھر خالائیں درجہ بدرجہ اسی طرح رکھی جائیں گی جیسا کہ بہنوں کو درجہ بدرجہ رکھا گیا ہے۔

و کل من تزوجت الخ : مسئلہ (۳) مذکورہ بالا عورتوں میں سے جن کو بچہ کی پرورش کا حق حاصل ہے ان میں سے کسی نے کسی غیر محرم کے ساتھ نکاح کر لیا تو اسکا حق پرورش ساقط ہو جائے گا البتہ اگر اس بچہ کی نانی نے اپنا نکاح اس بچہ کے دادا سے کیا یا اس کی دادی نے اپنا نکاح اس بچہ کے نانا سے کیا تو اس نانی یا دادی کا حق پرورش ساقط نہیں ہوگا کیونکہ (دادا اور نانا) اس بچہ کے باپ کے قائم مقام ہیں۔

فَاِنْ لَمْ تَکُنْ لِلصَّبِیِّ امْرَأَۃٌ مِنْ اَھْلِہٖ وَاخْتَصَمَ فِیْہِ الرِّجَالُ فَاَوْلَاھُمْ بِہٖ اَقْرَبُھُمْ تَعْصِیْباً وَ الْاُمُّ وَالْجَدَّۃُ اَحَقُّ بِالْغُلَامِ حَتّٰی تَحِیْضَ و مَنْ سِوَی الْاُمِّ وَالْجَدَّۃِ اَحَقُّ بِالْجَارِیَۃِ حَتّٰی تَبْلُغَ حَداً تشتھی وَالْاَمَۃُ اِذَا اعتقَھَا مَوْلَاھَا وَ اُمُّ الْوَلَدِ اِذَا اُعْتِقَتْ فَھِیَ فِی الْوَلَدِ کَالْحُرِّ وَ لَیْسَ لِلْاَمَۃِ وَاُمِّ الْوَلَدِ قَبْلَ العتق حَقٌّ فِیْ الْوَلَدِ وَالذِمِّیَّۃُ اَحَقُّ لِوَلَدِھَا مِنْ زَوْجِھَا الْمُسْلِمِ مَا لَمْ یَعْقِلِ الْاَدْیَانَ یُخَافُ عَلَیْہِ ان یَالَفَ الکفرَ وَاِذَا ارادتِ المطلَّقَۃُ اَنْ تخرج بِوَلَدِھَا مِنَ الْمِصْرِ فَلَیْسَ لَھَا ذَالِکَ اِلَّا اَنْ تُخرِجَہٗ اِلٰی وَطَنِھَا وَقَدْ کَانَ الزَّوْجُ تزوجھا فیہ.

ترجمہ : پس اگر بچہ کیلئے کوئی عورت اس کے رشتہ داروں میں سے نہ ہو اور اس کے بارے میں مردوں نے جھگڑا کیا تو ان مردوں میں سب سے زیادہ حقدار وہ شخص ہے جو عصبہ ہونے میں سب سے قریب ہو۔ ماں اور نانی لڑکے کے زیادہ حقدار ہیں یہاں تک کہ وہ اکیلا کھائے، اکیلا پیئے، اکیلا پہن لے، اکیلا استنجاء کرے اور (ماں اور نانی) لڑکی کے (زیادہ

مستحق ہیں) اس کے حیض آنے تک اور ماں اور نانی کے علاوہ (باقی عورتیں) لڑکی کی (پرورش کرنے میں) زیادہ مستحق ہیں یہاں تک کہ لڑکی حد شہوت کو پہونچ جائے۔ اور باندی کو جب اس کے آقا نے آزاد کر دیا اور ام الولد جب آزاد ہوگئی تو وہ بچے کے حق میں آزاد عورت کے حکم میں ہے اور باندی اور ام الولد کو آزاد ہونے سے قبل بچہ کا کوئی حق نہیں ہے اور ذمیہ عورت اپنے بچہ کی اپنے مسلم شوہر کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ہے جب تک کہ بچہ دینوں کو نہ پہچان لے۔ اور اس پر کفر سے مانوس ہو جانے کا ڈر ہو۔ اور اگر مطلقہ عورت اپنے بچہ کو شہر سے باہر لے جانے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس بچہ کو اپنے اس وطن میں لیجائے جہاں شوہر نے اس سے نکاح کیا تھا۔

تشریح : اس عبارت میں کل چھ مسائل مذکور ہیں۔

فان لم تکن ...... تعصیباً : مسئلہ (۱) اگر بچہ کی پرورش کرنے والی بچہ کے خاندان میں سے کوئی عورت نہ ہو اور مردوں میں اس بچہ کی پرورش کی بات میں اختلاف پیدا ہو گیا تو ان مردوں میں بچہ کی پرورش کرنے کا زیادہ حقدار وہ شخص ہوگا جو عصبہ کے اعتبار سے اس بچہ سے سب سے زیادہ قریب ہو۔

عصبات کی ترتیب وہی ہوگی جو باب المیراث میں ہے یعنی پہلے باپ ہے پھر دادا اسطرح اوپر تک پھر حقیقی بھائی پھر باپ شریک بھائی اس کے بعد حقیقی بھائی کی اولاد پھر باپ شریک بھائی کی اولاد پھر حقیقی چچا اس کے بعد چچا کے بیٹے۔

والام ...... حتیٰ تحیض : مسئلہ (۲) ماں اور نانی بچہ کی زیادہ حقدار اس وقت تک کیلئے ہے جب کہ بچہ تنہا کھانا کھانے لگے، تنہا پانی پینے لگے، تنہا کپڑا پہننے لگے اور تنہا استنجاء کرنے لگے یعنی استنجاء کیلئے تنہا پائجامہ کھولنے اور بعد فراغت باندھنے پر قادر ہو اور لڑکی حیض کے آنے تک ماں اور نانی کی پرورش میں رہے۔ یعنی اس کے بعد باپ کے حوالہ کر دی جائے۔ تاکہ باپ لڑکے کی صحیح تربیت کرے اور لڑکی کی صحیح حفاظت کرے اسکی شادی کرے اور اسکو زنا سے بچائے اور ان کاموں پر باپ کو زیادہ قوت وقدرت حاصل ہے۔

ومن سوی ...... تشتہی : مسئلہ (۳) نابالغ بچی کو ماں، نانی اور دادی کے علاوہ دوسری عورتوں کے پاس شہوت کی حد تک پہونچنے تک رکھا جا سکتا ہے۔

والامۃ ...... حق فی الولد : مسئلہ (۴) اگر باندی کو اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا اور ام الولد آزاد کر دی گئی تو بچہ کی پرورش میں ان کو وہی حق حاصل ہے جو آزاد عورت کو حاصل ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مولیٰ نے اپنی باندی کا نکاح کسی مرد سے کر دیا اب اس کو بچہ پیدا ہوا تو اب اس بچہ کی پرورش کی زیادہ حقدار بچہ کی یہی ماں ہوگی اور باندی اور ام الولد کو آزاد ہونے سے قبل بچہ کی پرورش کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں مولیٰ کی خدمت کیوجہ سے بچہ کی پرورش سے عاجز ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

والذمیۃ ...... ان یالف الکفر : مسئلہ (۵) اگر کسی مسلمان مرد نے کسی ذمیہ کتابیہ عورت سے شادی کر لی پھر اس سے بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ مسلمان باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا مگر اس کی پرورش کی زیادہ حقدار ذمیہ ماں ہوگی اور یہ حق اس وقت تک ہے جب تک کہ بچہ کو دین کی سمجھ نہ ہو اور اس پر کفر سے مانوس ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور بچہ کو دین کی سمجھ آ جائے تو اس کا حق

پرورش ساقط ہوجائے گا کیونکہ اب اگر بچہ ماں کے پاس رہتا ہے تو بچہ کا نقصان ہے کیونکہ اس کو اخلاق کفر کا عادی بنا دے گی۔

واذا ارادت الخ : مسئلہ (۲) اگر مطلقہ عورت تکمیل عدت کے بعد اپنے بچہ کو شہر سے باہر لے جانا چاہے تو اس کیلئے یہ اختیار نہیں ہے لیکن اگر عورت بچہ کو اس وطن میں لے جانا چاہئے جہاں شوہر نے اس عورت سے نکاح کیا تھا تو عورت کے لئے اس کا اختیار ہے۔

وعلی الرجُلِ اَنْ یُنْفِقَ علیٰ اَبَوَیْہِ و اَجدَادِہٖ وَ جَدَّاتِہٖ اِذَا کَانُوا فقراءَ وَاِنْ خَالفُوہ فِیْ دِیْنِہٖ وَ لَا تَجبُ النَّفقَۃُ مَعَ اِختِلَافِ الدِّیْنِ اِلّا للزَّوْجَۃِ والاَبوَیْنِ والاَجْدادِ والجَدَّاتِ والوَلَدِ وَ وَلَدِ الوَلَدِ وَ لَا یشارِکُ الوَلَدَ فِیْ نَفَقَۃِ اَبَوَیْنِ اَحَدٌ والنفقۃُ واجبَۃٌ لِکُلِّ ذِیْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْہُ اِذَا کانَ صَغِیراً فَقِیْراً اَوْ کَانَتْ اِمرأۃ بَالِغَۃً فَقِیْرَۃً اَوْ کَانَ ذکرا زمِناً اَوْ اَعمیٰ فَقِیراً یَجبُ ذٰلِکَ علیٰ قَدرِ المِیْراثِ وَتَجبُ نَفَقَۃُ الاِبْنَۃِ البَالِغۃِ والاِبْنِ الزَمِنِ عَلیٰ اَبَوَیْہِ اَثلَاثاً علی الاَب الثلثانِ علیٰ الاُمّ الثُلُثُ وَلَا تَجبُ نَفَقَتُھُمْ مَعَ اِختِلَافِ الدینِ وَ لَا تَجبُ علیٰ الفَقِیرِ۔

ترجمہ : اور مرد پر واجب ہے کہ اپنے والدین، دادوں اور دادیوں پر خرچ کرے بشرطیکہ یہ لوگ غریب ہوں اگر چہ یہ لوگ اس کے دین کے خلاف ہوں اور اختلاف دین کے ہوتے ہوئے نفقہ واجب نہیں ہے مگر بیوی والدین، دادوں، دادیوں، بیٹوں اور پوتوں کا۔ اور بچہ کے ساتھ والدین کے نفقہ میں کوئی شریک نہیں ہے اور ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے بشرطیکہ وہ چھوٹے اور نادار ہوں یا عورت بالغ اور نادرا ہو یا کوئی مرد اپاہج ہو یا اندھا نادار ہو تو یہ نفقہ بقدر میراث واجب ہوگا اور بالغ لڑکی اور اپاہج لڑکے کا نفقہ اس کے والدین پر بطریق اثلاث واجب ہے یعنی باپ پر دو ثلث اور ماں پر ایک ثلث اور ان کا نفقہ اختلاف ین کی موجودگی میں واجب نہیں ہے۔ اور فقیر پر واجب نہیں ہے۔

حل لغات : اجداد: واحد جد، دادا۔ جدات: واحد جدۃ، دادی۔ زمن: اپاہج۔ اعمیٰ: اندھا، نابینا۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے مذکور ہیں۔

وعلیٰ الرجل فی دینہ : مسئلہ (۱) یہ مسئلہ عبارت سے واضح ہے۔

ولاتجب...... الولد : مسئلہ (۲) اختلاف دین کی موجودگی میں صرف بیوی، والدین دادا اور دادی، بیٹے اور پوتے کا نفقہ واجب ہے۔

ولا یشارك...... احد : مسئلہ (۳) اگر والدین تنگدست ہوں اور ان کا بچہ مالدار ہو تو ان کا نفقہ خاص طور پر اسی پر واجب ہوگا اس کے ساتھ نفقہ میں کوئی شریک نہیں ہوگا۔

والنفقۃ واجبۃ......المیراث : مسئلہ (۴) ذی رحم محرم اگر نابالغ محتاج ہو یا عورت بالغہ محتاج ہو یا مرد اپاہج ہو یا نابینا محتاج ہو تو اس کا نفقہ واجب ہوگا اور یہ نفقہ بقدر میراث واجب ہوگا۔

وتجب نفقۃ الابنۃ ......الثلث : مسئلہ (۵) بالغہ لڑکی کا نفقہ، اپاہج لڑکے کا نفقہ ان کے والدین پر واجب ہے

تین حصہ کر کے۔ باپ کے ذمہ دو تہائی اور ماں کے ذمہ ایک تہائی

و لا تجب ...... الدین : مسئلہ (۵) ذی رحم محرم اگر دین کا مخالف ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ اختلاف دین کی صورت میں میراث کی صلاحیت باطل ہو جاتی ہے جبکہ وجوب نفقہ کیلئے اس کا اعتبار ضروری ہے۔

و لا تجب علیٰ الفقیر : مسئلہ (۷) محتاج شخص پر کسی کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ البتہ محتاج شوہر پر اس کی بیوی کا نفقہ اور محتاج باپ پر اس کی نابالغ اولاد کا نفقہ واجب ہے۔

اِذَا کَانَ لِلاِبْنِ الغَائِبِ مال قضی عَلَیْهِ بِنَفْقَةِ اَبَوَیْهِ وَ اِنْ بَاعَ اَبَوَاهُ مَتَاعَهُ فِیْ نَفْقَتِهِمَا جَازَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰه وَ اِنْ بَاعَا العِقَارَ لَمْ یَجُزْ وَ اِنْ کَانَ لِلاِبْنِ الغَائِبِ مال فی ید اَبَوَیْهِ فانفقا مِنْهُ لَمْ یَضْمَنَا وَ اِنْ کَانَ لَهُ مَال فی ید اجنبی فانفق عَلَیْهِمَا بِغَیْرِ اَمْرِ القَاضِیْ ضَمِنَ وَ اِذَا قَضَی القَاضِیْ لِلوَلَد والوالدَینِ وَ ذَوِی الاَرْحَامِ بالنَّفَقَةِ فَمَضَتْ مُدة سَقَطَتْ اِلَّا اَنْ یَأذَن لَهُم القَاضِیْ فِی الاِسْتِدَانَةِ عَلَیْهِ وَ عَلیٰ المَوْلیٰ ان یَنْفِقَ عَلیٰ عَبْدِهٖ وامتِهٖ فان اِمْتَنَعَ وَ کَانَ لَهُمَا کَسْبٌ اکتَسَبَا انفقا منهُ علیٰ اَنْفُسِهِمَا وان لَمْ یَکُنْ لَهُمَا کسبٌ اُجبر المولیٰ علیٰ بَیْعِهِمَا.

ترجمہ : اور اگر غائب بیٹے کے پاس مال ہو تو اس میں اسکے والدین کے نفقہ کا حکم لگایا جائے گا اور اگر لڑکے کے والدین نے غائب لڑکے کا سامان اپنے نفقہ میں فروخت کر دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور اگر والدین نے زمین فروخت کر دی تو جائز نہیں ہے اور اگر غائب بیٹے کا مال اس کے والدین کے بقضہ میں ہو اور اس مال کو خرچ کر دیں تو والدین ضامن نہیں ہونگے اور اگر غائب لڑکے کا مال کسی اجنبی کے قبضہ میں ہو اور اسی اجنبی نے اس مال کو غائب شخص کے والدین پر قاضی کے حکم کے بغیر خرچ کر دیا تو اجنبی شخص ضامن ہوگا اور اگر قاضی نے اولاد، والدین اور ذوی الارحام کیلئے نفقہ کا فیصلہ کر دیا اور مدت گزر گئی تو (مدت کا نفقہ) ساقط ہو جائے گا مگر یہ کہ قاضی اس کے ذمہ قرض لینے کا حکم کر دے اور مولیٰ پر واجب ہے کہ اپنے غلام اور باندی پر خرچ کرے۔ اگر آقا اس سے رکا رہا اور جو مال ان دونوں نے کمایا تھا ان دونوں نے اس میں سے اپنی ذات پر خرچ کر لیا اور اگر ان دونوں کی کوئی کمائی نہ ہو تو مالک کو ان کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

حل لغات : متاع۔ اسباب، سامان۔ عقار۔ زمین، جائداد۔ استدانة۔ قرض لینا۔ کسب۔ کمائی۔

تشریح : اس عبارت میں کل چھ مسئلے مذکور ہیں۔

واذا کان ...... بنفقة ابویه : مسئلہ (۱) یہ مسئلہ بالکل واضح ہے۔

واذا باع ......لم یجز : مسئلہ (۲) باپ اپنے غائب بیٹے کے مال کو اپنے خرچ میں فروخت کر سکتا ہے لیکن غیر منقولہ جائداد کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین کے نزدیک منقولہ اور غیر منقولہ دونوں طرح کی جائداد کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے۔

وان کان للابن الغائب ...... لم یضمنا : مسئلہ (۳) یہ مسئلہ عبارت سے بالکل واضح ہے۔

وان کان له ...... ضمن : مسئلہ (۴) یہ مسئلہ عبارت سے بالکل واضح ہے۔
واذاقضی ...... فی الاستدانة علیه : مسئلہ (۵) اگر قاضی نے کسی شخص پر اس کے بیٹے والدین اور دیگر رشتہ داروں کا نفقہ مقرر کیا اور بغیر نفقہ کے ایک مدت گزر چکی تو اس گزری ہوئی مدت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اور اگر قاضی نے مرد غائب کے نام پر قرض لینے کا حکم دیا اور ایک مدت بغیر نفقہ کے گزر گئی تو اس صورت میں نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔
وعلی المولیٰ الخ : مسئلہ (۶) مولی پر واجب ہے کہ اپنے غلام اور باندی کو ان کا نفقہ دے اب اگر مولیٰ نفقہ دینے سے اعراض کرے تو یہ دیکھیں گے کہ غلام اور باندی کے پاس کمانے کی صلاحیت ہے یا نہیں اگر کمانے کی صلاحیت ہے تو کما کر اپنی ذات پر خرچ کریں اور اگر کمانے کی صلاحیت نہیں ہے مثلاً غلام اپاہج ہے یا باندی ایسی ہے کہ اس کو لوگ اجرت پر نہیں لیتے ہیں تو ایسی صورت میں مولیٰ کو غلام اور باندی کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

کتاب العتاق

آزادی کا بیان

اس سے پہلے کتاب النفقات کو بیان کیا گیا ہے کتاب العتاق اور النفقات کے درمیان مناسبت احیاء (زندہ کرنا) کے مفہوم کے اعتبار سے ہے عتاق میں احیاء کا مفہوم اس لئے ہے کہ کفر حکماً موت ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے "او من کان میتاً فاحییناہ" یعنی وہ کافر تھے ہم نے ان کو ہدایت دی اور غلامی کفر کا اثر ہے لہٰذا غلامی کو دور کرنا ایک طرح کا زندہ کرنا اور زندگی بخشنا ہے۔ انفاق میں بھی زندگی بخشنا موجود ہے اس کی وجہ ظاہر ہے۔
عتاق، عتاقہ اور عتق۔ یہ عین بالفتح اور بالکسر دونوں طرح منقول ہیں بالفتح کی صورت میں مصدر ہیں یعنی آزاد کرنا اور بالکسر کی صورت میں اسم مصدر ہیں یعنی آزادی۔
عتق کے لغوی معنی قوت کے ہیں کیونکہ اس کے ذریعہ غلامی جو ایک کمزوری ہے اس کو ختم کرنا ہے اور قوت حکمیہ یعنی آزادی کو ثابت کرنا ہے اور شریعت میں اس قوت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان شہادت، ولایت اور قضاء کا اہل ہوگا۔

> العِتقُ یَقَعُ من الحرِ البَالِغِ العَاقِلِ فِیْ مِلکِہٖ فاذا قال لِعَبْدِہٖ اَوْ اَمَتِہٖ انت حرٌّ اوْمُعْتَقٌ او عتیقٌ اَوْ مُحَرَّرٌ او حَرَّرْتُكَ اَوْ اَعْتَقْتُكَ فَقَدْ عَتَقَ نوَیَ المَوْلیٰ العِتْقَ اَوْ لَمْ یَنْوِ وَکَذالِكَ اِذا قَالَ رَاسُكَ حُرٌّ او رَقَبَتُكَ اَوْ بَدَنُكَ اَوْ قَالَ لِاَمَتِہٖ فَرْجُكِ حُرٌّ وَ اِنْ قَالَ لامِلْكَ لِیْ عَلَیْكَ وَ نوی به الحریَّة عَتَقَ وَ اِنْ لَمْ یَنوِ لم یَعْتِقْ وَ کَذالِكَ جَمِیعُ الکِنَایَاتِ العِتقِ و ان قَالَ لا سلطان لی علیكَ ونوی بِهٖ العِتقَ لم یَعْتِقْ وَ اِذَا قال ھذا اِبْنِیْ وَ ثَبَتَ عَلیٰ ذَالِكَ اَوْ قَالَ ھذا موْلَای اَوْ یا مولای وان قال یَا اِبنی اَوْ یا اخی لم یعتق.

ترجمه : آزادی آزاد بالغ عاقل کی طرف سے اس کے ملک میں واقع ہوتی ہے اور اگر (آقا نے) اپنے

غلام یا اپنی باندی سے کہا کہ تو آزاد ہے یا معتق ہے یا عتیق ہے یا محرر ہے یا میں نے تمکو آزاد کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گا آقا آزاد کرنے کی نیت کرے یا نہ کرے۔ اسی طرح اگر کہا کہ تیرا سر آزاد ہے یا تیری گردن یا تیرا بدن یا آقا نے اپنی باندی سے کہا کہ تیری شرمگاہ آزاد ہے یا اس نے کہا کہ نہیں ہے میری ملک تجھ پر اور اس (جملہ) سے آزادی کی نیت کی تو آزاد ہو جائے گا اور اگر (آزادی کی) نیت نہیں کی تو آزاد نہیں ہوگا اسی طرح عتق کے تمام کنائی الفاظ ہیں اور اگر کہا کہ تجھ پر میرا کوئی غلبہ نہیں ہے اور اس سے آزادی کی نیت کر لی تو آزاد نہیں ہوگا اور اگر کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور اسی پر جمار ہا یا کہا کہ یہ میرا مولیٰ ہے تو آزاد ہو جائے گا یا کہا کہ اے میرے بیٹے یا اے بھائی تو آزاد نہیں ہوگا۔

تشریح : اس عبارت میں صحت اعتاق کی شرائط اور پانچ مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

العتق ...... فی ملکہ : عبارت میں عتق سے آزاد کرنا مراد ہے۔ اس عبارت میں صحت اعتاق کی چار شرطیں بیان کی گئی ہیں (۱) آزاد کرنے والا خود آزاد ہو (۲) آزاد کرنے والا بالغ ہو (۳) آزاد کرنے والا عاقل ہو (۴) غلام آزاد کرنے والے کی ملک میں ہو۔

فاذا قال ...... لم ینو : مسئلہ (۱) اگر آقا نے اپنے غلام یا باندی سے انت حر کہا تو اس صورت میں آقا آزادی کی نیت کرے یا نہ کرے بہر صورت غلام آزاد ہو جائے گا۔

و کذالک اذا ...... حُرٌّ : مسئلہ (۲) اس کا حکم مسئلہ ۱ کے حکم کی طرح ہے۔

و ان قال لا املک ...... العتق : مسئلہ (۳) اس مسئلہ میں تمام الفاظ کنایا کے ہیں اگر نیت کی آزادی کی تو غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر نیت نہیں کی غلام کے آزاد کرنے کی تو غلام آزاد نہیں ہوگا۔

و ان قال ...... لم یعتق : مسئلہ (۴) اگر مالک نے اپنے غلام سے کہا ''لا سلطان لی علیک'' (تم پر میری سلطنت نہیں ہے) تو اس صورت میں آزادی کی نیت کے باوجود غلام آزاد نہیں ہوگا۔

و لو قال ...... یامولای : مسئلہ (۵) اگر آقا نے اپنے غلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہذا ابنی اور اسی پر جما رہا یا کہا ہذا مولای یا پکارتے ہوئے کہا یا مولای تو بلا کسی نیت کے غلام آزاد ہو جائے گا۔

و ان قال یاابنی الخ : مسئلہ (۶) اگر آقا نے غلام سے کہا یا ابنی یا اخی تو ان الفاظ سے غلام آزاد نہیں ہوگا۔

وان قال لغلام له لا یُولَدُ مثلُهُ لِمثْلِه هٰذا اِبنِیْ عَتَقَ عَلَیْهِ عِنْدَابِی حَنِیْفَة رَحِمَهُ الله وَ عِنْدَهُمَا لا یَعْتِقُ وَاِنْ قَالَ لِاَمَتِه انتِ طَالِقٌ یَنْوِی بِه الحُرِّیَةَ لَم تَعْتِقْ وَاِنْ قَالَ لِعَبْدِهٖ اَنْتَ مِثْلَ الحُرِّ لَمْ یَعْتِقْ وَاِنْ قَالَ مَا اَنْتَ اِلّا حُرٌّ عَتَقَ عَلَیْهِ وَاِذَا مَلَكَ الرَّجُلُ ذَا رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ عَتَقَ عَلَیْهِ وَ اِذَا اَعْتَقَ المَوْلٰی بَعْضَ عَبْدِهٖ عَتَقَ عَلَیْهِ ذَالِكَ البَعْضُ وَسعٰی فِی بَقِیَّة قِیْمَته لِمَوْلَاهُ عِنْدَ اَبِی حنیفَةَ رَحِمَهُ الله وقَالَا یَعْتِقُ کُلُّهُ وَ اِذَا کَانَ العَبْدُ بَیْنَ شَرِیْکَیْنِ فَاَعْتَقَ اَحَدُهُمَا نَصِیْبَهٗ عَتَقَ فَاِنْ کَانَ الْمُعْتِقُ مُوْسِراً فَشَرِیْکُهٗ بِالخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ وَ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَ شَرِیْکَهٗ قِیْمَةَ نَصِیْبِه وَاِنْ شَاءَ استسعی العَبْدَ وَاِنْ کَانَ مُعْسِراً فَالشَرِیْكُ

بِالخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ وَ اِنْ شَاءَ استسعی العَبْدَ وَ هٰذا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیفَۃ رَحِمَہُ اللّٰہ وقَالَ اَبُویوسف ومُحَمَّد رَحِمَھما اللّٰہ لَیْسَ لَہُ الا الضَّمانُ مَعَ الیَسَارِ وَالسِّعَایَۃُ مَعَ الاَعْسَارِ.

ترجمہ : اور اگر آقا نے کسی ایسے غلام سے کہ اس جیسے غلام اس جیسے آقا کیلئے پیدا نہیں ہوسکتا یہ کہا ہٰذا ابنی تو یہ غلام امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آزاد ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک آزاد نہیں ہوگا۔ اور اگر اپنی باندی سے کہا انتِ طالق اور اس سے آزادی کی نیت کرے تو باندی آزاد نہیں ہوگی اور اگر اپنے غلام سے کہا کہ تو مثلاً آزاد کے ہے تو غلام آزاد نہیں ہوگا اور اگر کہا کہ "ماانت الاحر" تو آزاد ہو جائے گا اور اگر مرد اپنے کسی ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور اگر آقا نے اپنے غلام کا کچھ آزاد کر دیا تو وہ کچھ حصہ آزاد ہو جائے گا اور باقی قیمت میں اپنے آقا کیلئے کمائی کرے گا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ پورا آزاد ہو جائے گا اور اگر غلام دو شریکوں کے درمیان ہو ایک ان میں سے اپنا حصہ آزاد کر دے اب اگر آزاد کرنے والا دولتمند ہو تو اس کے شریک کو اختیار ہے چاہے تو آزاد کر دے اور چاہے تو اپنے حصہ کی قیمت کا اپنے شریک سے تاوان لے لے اور چاہے تو اپنے غلام سے کمائے کرائے اور اگر شریک تنگدست ہو تو شریک کو اختیار ہے چاہے تو آزاد کر دے اور چاہے تو غلام سے کمائی کرائے اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ و محمدؒ نے فرمایا کہ شریک کے لئے تاوان صرف دولتمندی کی صورت میں ہے اور کمائی صرف تنگدستی کی صورت میں ہے۔

تشریح: وان قال ...... لا یعتق : مسئلہ (۱) اگر آقا نے اپنے غلام کو کہا ہٰذا ابنی جبکہ یہ غلام عمر میں اپنے آقا سے بڑا ہے یعنی اس جیسے غلام کا اس جیسے آقا سے پیدا ہونا ممکن نہیں ہے تو ایسی صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ غلام آزاد ہو جائے گا اور حضرات صاحبینؒ نزدیک غلام آزاد نہیں ہوگا۔ حضرت امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

وان قال لامتہ ...... لم یعتق : مسئلہ (۲) اگر آقا نے اپنی باندی سے کہا "انت طالق" اور اس سے آزادی کی نیت کی تو باندی آزاد نہیں ہوگی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس جملہ کے استعمال کے بعد نیت کرنے پر باندی آزاد ہو جائے گی۔

وان قال لعبدہ ...... لم یعتق : مسئلہ (۳) عبارت سے واضح ہے۔

وان قال ...... عتق علیہ : مسئلہ (۴) عبارت سے واضح ہے۔

واذا ملك ...... عتق علیہ : مسئلہ (۵) اس سے قبل جو مسئلہ بیان کیا گیا اسمیں اعتاق اختیاری تھا اور یہاں سے جو مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے اس میں اعتاق بغیر اختیار کے ثابت ہو جائے گا جیسے کسی قرابت دار کو خریدنا۔ ایسا غلام جو اسلام قبول کرنے کے بعد دار الحرب سے دار الاسلام میں آجائے۔

مسئلہ : اگر کوئی شخص اپنے کسی ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے تو وہ ذی رحم محرم اس پر آزاد ہو جائے گا۔

واذا اعتق ...... کلہ : مسئلہ (۶) اس سے قبل پورے غلام کو آزاد کرنے کا بیان تھا اب یہاں سے چند صورتیں غلام کے کچھ کو آزاد کرنے کو بیان کیا جا رہا ہے۔ مسئلہ۔ اگر مولیٰ نے اپنے غلام کے کچھ حصہ کو آزاد کر دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسی قدر آزاد ہو جائے گا اور باقی حصہ کی قیمت کما کر اپنے مولیٰ کو ادا کر دے گا اور حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

واذا کان العبد آلخ : مسئلہ(۷) عبارت کے ترجمہ سے مسئلہ کی صورت بالکل واضح ہے۔

> **وَ اذا اشتریٰ رجلانِ ابن اَحَدِهِمَا عَتَقَ نَصِیْبُ الاِبْنِ وَ لَا ضَمانَ عَلَیْهِ وَ کذٰلِکَ اذا ورثاه والشریکُ بالخِیَارِ ان شاءَ اَعْتَقَ نَصِیْبَهٗ وَ اِنْ شاءَ استسعیٰ العبد وَاِذا شهِدَ کُلُّ وَ احِدٍ مِنَ الشرِیْکَیْنِ عَلیٰ الاٰخرِ بِالحُرِّیَّةِ سَعیَ العَبْدُ لِکُلِّ وَاحِدٍمِنهُمَا فِیْ نَصِیْبِهٖ مُوسِرَینِ کَانَا اَوْ مُعْسِرَیْنِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَة رحمه الله وقَالاَ اِنْ کَانا مُوسِرَیْنِ فَلَا سِعایَةَ وَ اِنْ کانا مُعْسِرَیْنِ سَعیٰ لَهُمَا وَاِنْ کَانَا اَحَدُهُمَا مؤسِراً وَالآخرِ مُعْسِراً سَعیَ لِلمُوسِرِ و لَم یسعَ للمُعْسِرِ.**

ترجمہ : اور اگر دو آدمیوں نے اپنے میں سے کسی ایک کا لڑکا خریدا تو باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا اور اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا اور اسی طرح اگر دونوں اس کے وارث ہو گئے تو شریک کو اختیار ہوگا چاہے تو اپنا حصہ آزاد کر دے اور چاہے تو غلام سے کمائی کرائے۔ اور اگر شریکین میں سے ایک دوسرے کے خلاف گواہی دیدے تو غلام ان میں سے ہر ایک کے لئے اپنے حصہ میں کمائے دونوں شریک مالدار ہوں یا تنگ دست ہوں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر دونوں مالدار ہیں تو غلام کمائی نہیں کرے گا اور اگر تنگدست ہیں تو غلام دونوں کے لئے کمائی کرے گا اور اگر ان میں سے ایک دولتمند ہو اور دوسرا تنگدست ہو تو مالدار کے لئے کمائے اور تنگدست کے لئے نہیں کمائے۔

تشریح : یہ عبارت تین مسئلوں پر مشتمل ہے۔

واذا اشتریٰ ...... ولاضمان علیه : مسئلہ(۱) اگر دو شخص نے مل کر ایک غلام خریدا جو ان میں سے کسی کا بیٹا تھا تو باپ کا حصہ (قرابت داری کی وجہ سے) آزاد ہو جائے گا اور باپ پر کوئی ضمان نہیں ہوگا یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر باپ دولتمند ہے تو بیٹے کی آدھی قیمت کا شریک کیلئے ضامن ہوگا اور اگر باپ مفلس ہو تو بیٹا آدھی قیمت کما کر اس شخص کو دیدے۔

و کذالك ...... استسعی العبد : مسئلہ(۲) اگر مذکورہ دونوں شخص اس غلام کے وارث ہوئے تو باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کو اختیار ہوگا چاہے تو اپنا حصہ آزاد کر دے اور چاہے تو غلام سے کمائی کرا کے اپنی قیمت وصول لے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا مسلک ہے۔

واذا شهد کل واحدٍ آلخ : مسئلہ(۳) اگر دونوں شریکوں میں سے ہر ایک نے دوسرے پر یہ اقرار کرلیا کہ اس نے غلام کو آزاد کیا ہے تو اس صورت میں غلام پر واجب ہے کہ ہر ایک کے حصہ کی قیمت کما کر ادا کرے خواہ دونوں شریک خوشحال ہوں یا تنگدست، یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں مالدار ہوں تو غلام پر کمائی کرنا واجب نہیں ہے ہاں اگر دونوں شریک تنگ دست ہوں تو غلام پر ہر دونوں کیلئے کمائی کرنا واجب ہوگا اور اگر دونوں شریک میں سے ایک خوشحال ہو اور دوسرا تنگ دست ہو تو خوشحال کیلئے کمائی کرے گا اور تنگدست کے لئے کمائی نہیں کرے گا۔ اس صورت میں امام صاحبؒ کے نزدیک پہلی صورت جیسا حکم ہے۔

وَمَنْ اَعْتَقَ عَبْدَهُ لِوَجْهِ اللهِ تَعَالىٰ اَوْ لِلشَّيْطٰنِ اَوْ لِلصَّنَمِ عَتَقَ وَ عِتْقُ الْمُكْرَهِ وَالسَّكْرَانِ وَاقِعٌ وَ اِذَا اَضَافَ الْعِتْقَ اِلىٰ مِلْكٍ اَوْ شَرْطٍ صَحَّ كَمَا يَصِحُّ فِى الطَّلَاقِ وَاِذَا خَرَجَ عَبْدُ الْحَرْبِى مِنْ دَارِالْحَرْبِ اِلَيْنَا مُسْلِماً عَتَقَ وَ اِذَا اَعْتَقَ جَارِيَةً حَامِلاً عَتَقَتْ وَ عَتَقَ حَمْلُهَا وَ اِنْ اَعْتَقَ الْحَمْلَ خَاصَّةً عَتَقَ وَ لَمْ يَعْتِقِ الْاُمُّ وَاِذَا اَعْتَقَ عَبْدَهُ عَلىٰ مَالٍ فَقَبِلَ الْعَبْدُ ذَالِكَ عَتَقَ وَ لَزِمَهُ الْمَالُ وَاِنْ قَالَ اِنْ اَدَّيْتَ اِلَيَّ اَلفاً فَاَنْتَ حُرٌّ صَحَّ وَ لَزِمَهُ الْمَالُ وَ صَامَاذُوْناً فَاِنْ اَحضرَ الْمَالَ اَجْبَرَ الْحَاكِمُ الْمَوْلىٰ عَلىٰ قَبْضِهٖ وَ عَتَقَ الْعَبْدُ وَ وَلَدُ الْاَمَةِ مِنْ مَوْلَاهَا حُرٌّ وَ وَلَدُهَا مِنْ زَوْجِهَا مَمْلُوكٌ لِسَيِّدِهَا وَ وَلَدُ الْحُرَّةِ مِنَ الْعَبْدِ حُرٌّ

ترجمہ : اور جس شخص نے اپنے غلام کو اللہ کیلئے، یا شیطان کیلئے یا بت کیلئے آزاد کیا تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا ایسا شخص جس پر جبر کیا گیا یا نشہ کی حالت میں ہو تو اس کا آزاد کرنا واقع ہو جاتا ہے۔اور اگر آزادی کو ملک یا شرط کی طرف منسوب کر دیا تو صحیح ہے جیسے طلاق میں صحیح ہے۔اور اگر حربی کا غلام دار الحرب سے نکل کر ہماری طرف مسلمان ہو کر آیا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور اگر حاملہ باندی کو آزاد کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گی اور اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا اور اگر خاص طور پر حمل آزاد کیا تو آزاد ہو جائے گا ماں آزاد نہیں ہوگی اور اگر مولیٰ نے اپنا غلام مال کے عوض آزاد کیا اور غلام نے اس کو قبول کر لیا تو غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کو مال لازم ہوگا اور اگر کہے کہ اگر تم مجھے ایک ہزار دیدو تو تم آزاد ہو تو یہ صحیح ہے اور اس کو مال لازم ہوگا اور وہ غلام ماذون ہوگا اب اگر غلام مال پیش کر دے تو حاکم آقا کو مال کے لینے پر مجبور کرے گا اور غلام آزاد ہو جائے گا اور باندی کا بچہ جو اس آقا سے ہو وہ آزاد ہے اور اس کا جو بچہ اس کے شوہر سے ہو وہ اس کے آقا کا غلام ہے اور آزاد عورت کا بچہ جو غلام سے ہو وہ آزاد ہو جائے گا۔

تشریح : یہ عبارت آٹھ مسئلوں پر مشتمل ہے۔

ومن اعتق ...... عتق : مسئلہ (۱) عبارت کے ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

وعتق المکرہ والسکران واقع : مسئلہ (۲) اگر کسی شخص کو اپنا غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا اس نے آزاد کر دیا یا نشے کی حالت میں مست ہو کر اپنا غلام آزاد کر دیا تو اس انداز سے غلام آزاد ہو جائے گا۔

واذا اضاف ...... فی الطلاق : مسئلہ (۳) اگر کسی نے آزادی کو ملکیت کی طرف منسوب کیا مثلاً کہا کہ ''ان ملکتک فانت حر'' اگر میں تیرا مالک ہوں تو تو آزاد ہے یا شرط کی طرف منسوب کیا مثلاً کہا ''ان دخلت الدار فانت حر'' اگر تو گھر میں داخل ہوا تو، تو آزاد ہے۔تو یہ صحیح ہے۔

ملک کی طرف نسبت کرنے میں حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک آزادی واقع نہیں ہوگی۔

واذا خرج ...... عتق : مسئلہ (۴) اگر حربی کافر کا غلام مسلمان ہو کر دار الاسلام میں آ گیا تو وہ آزاد ہو گیا۔

واذا اعتق ...... ولم یعتق الام : مسئلہ (۵) اگر آقا نے اپنی حاملہ باندی کو آزاد کر دیا تو باندی تو آزاد ہوگی ہی بلکہ اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا لیکن اگر صرف حمل کو آزاد کیا تو صرف حمل آزاد ہوگا بچہ کی ماں یعنی باندی آزاد نہیں ہوگی۔

وان اعتق ......لزمه المال : مسئلہ (۶) اگر مالک نے اپنے غلام کو مال کی شرط پر آزاد کر دیا اور غلام نے اس شرط کو قبول بھی کر لیا تو غلام آزاد ہو جائے گا اور غلام پر مال لازم ہوگا مثلاً مالک نے کہا **انت حر علی الف او بالف او علیٰ ان تعطینی الفاً او علیٰ ان لی علیك الفا**. اور غلام نے اسی مجلس میں قبول کر لیا تو قبول کرنا صحیح ہوگا اور غلام آزاد ہو جائے گا اور اس پر ایک ہزار دین لازم ہوگا۔

وان قال..... عتق العبد : مسئلہ (۷) اور اگر مالک نے غلام کی آزادی مال پر معلق کر دیا اور یوں کہا ''ان ادیت الی الفا فانت حر'' تو یہ تعلیق صحیح ہے اور غلام پر مال لازم ہوگا اور غلام ماذون فی التجارۃ ہوگا اب اگر غلام نے مال کما کر لا کر حاضر کر دیا تو حاکم مالک کو اس بات پر مجبور کرے گا کہ اس مال پر قبضہ کرے اور اس کے بعد غلام آزاد ہو جائے گا۔

وولد الامة آلخ : مسئلہ (۸) مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

باب التدبیر

مدبر کرنے کا بیان

التدبیر باب تفعیل کا مصدر ہے۔ لغت میں کسی کام کے انجام پر غور کرنے کا نام ہے اور اصطلاحی طور پر تدبیر کہتے ہیں کہ غلام کی آزادی کو علی الاطلاق اپنی موت پر معلق کر دیا جائے۔

اذا قَالَ الْمَوْلیٰ لِمملوکہٖ اذا مِتُّ فَانتَ حُرٌّ اَوْ اَنْتَ حُرٌّعن دبر مِنّی اَوْاَنْتَ مُدَبَّرٌ اَوْ قَدْ دَبَّرْتُكَ فقَدْ صَارَ مُدَبَّراً لَا یَجُوْزُ بَیْعُہٗ وَ لَا ھِبتہٗ وَ لَا تَمْلِیْکُہٗ وَ لِلْمَوْلیٰ اَنْ یَّسْتَخْدِمَہٗ وَ یُوَاجِرَہٗ وَاِنْ کَانَتْ اَمَۃً فَلَہٗ اَنْ یَطَأَھَا وَ لَہٗ اَنْ یُّزَوِّجَھَا وَ اِذَا مَاتَ الْمَوْلیٰ عَتَقَ الْمُدَبَّرُ مِنْ ثلث مالِہٖ اِنْ خَرَجَ مِنَ الثلثِ فَان لَمْ یَکُنْ لَہٗ مَالٌ غَیْرُہٗ سعیٰ فِیْ ثلثی قِیمَۃ فان کَانَ علی الْمَوْلیٰ دینٌ یستغرقُ قِیْمَتہٗ سعیٰ فِیْ جَمِیْعِ قِیْمَتِہٖ لِغُرَمَائِہٖ وَ وَلَدُ الْمُدَبَّرَۃِ مُدبَّرٌ فَاِنْ عَلَّقَ التَدْبِیْرَ بِمَوْتِہٖ عَلیٰ صِفَۃٍ مِثْلَ اَنْ یَقُوْلَ ان مِتُّ مِنْ مَرْضِی ھٰذا اَوْ فِیْ سَفَرِی ھٰذا اَوْ مِنْ مَرضٍ کذا فَلَیْس بِمُدَبَّرٍ یَجُوْز بَیْعُہٗ فَاِنْ مَاتَ الْمَوْلیٰ علیٰ الصِّفَۃِ الَّتِی ذَکَرَھَا عَتَقَ کَمَا یَعْتِقُ الْمُدَبَّرُ.

ترجمہ : اگر مولی نے اپنے غلام سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تم آزاد ہو یا تو میرے بعد آزاد ہے یا تو مدبر ہے یا میں نے تم کو مدبر کیا تو وہ مدبر ہو جائے گا (خواہ غلام ہو یا باندی) اور (مدبر ہونے کے بعد) اس کی بیع یا اس کا ہبہ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کی تملیک (کسی طرح سے اپنی ملک سے نکالنا) جائز ہے۔ اور مولیٰ کو اختیار ہے کہ غلام مدبر سے اپنی خدمت لے اور اس کو مزدوری پر دے اور اگر باندی ہے تو اس سے وطی کرے اور (چاہے تو) اس کا نکاح کر دے۔ اور اگر مولیٰ مر جائے تو غلام مدبر اس کے تہائی مال سے آزاد ہو جائے گا اور اگر میت کے پاس غلام مدبر کے علاوہ کوئی اور مال نہ ہو تو یہ اپنی دو تہائی قیمت کیلئے (وارثوں) کے واسطے کمائے گا۔ اور اگر مولیٰ پر اتنا قرضہ ہو کہ اس کی قیمت کو محیط ہو تو اپنے قرض خواہوں کے واسطے پوری

قیمت کیلئے کمائی کرے گا اور مدبرہ باندی کا بچہ بھی مدبر ہوتا ہے اگر مولیٰ نے تدبیر (مدبر کرنا) اپنی موت کے ساتھ کسی صفت پر معلق کر دیا مثلاً یوں کہا کہ اگر میں اپنے اس مرض میں مروں یا اپنے اس سفر میں یا کسی بیماری میں تو وہ غلام مدبر نہیں ہے اور اس کا فروخت کرنا جائز ہے اگر مولی اس صفت پر مر گیا جو اس نے تذکرہ کیا تھا تو یہ آزاد ہو جائے گا جیسے مدبر آزاد ہو جاتا ہے۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسئلے ہیں۔

اذا قال ...... ولا تملیکه : مسئلہ (۱) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔ احناف اور امام مالک کے نزدیک مدبر کی بیع، اس کا ہبہ کرنا، اس کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل کرنا جائز نہیں ہے اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بوقت ضرورت جائز ہے۔

وللمولی ...... ان یزوجها : مسئلہ (۲) اگر آقا چاہے تو اپنے مدبر غلام سے اپنی خدمت لے اور اس کو مزدوری پر دیدے اور اگر باندی ہے تو چاہے تو اس سے وطی کرے اور چاہے تو اس کی شادی کر دے۔ چونکہ مدبر میں ملکیت باقی رہتی ہے اسلئے تصرفات کا اختیار حاصل ہے۔

واذا مات ...... لغرمائه : مسئلہ (۳) مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

وولد المدبرة مدبر : مسئلہ (۴) مدبرہ باندی کی اولاد بھی مدبر ہوتی ہے اس پر تمام صحابہ کا اجماع ہے۔

فان علق ...... یجوز بیعه : مسئلہ (۵) اگر آقا نے غلام کی تدبیر کو اپنی موت پر معلق کر دیا جو کسی خاص سبب کے تحت ہو مثلاً آقا نے کہا کہ اگر میں اپنی اس بیماری کی وجہ سے مر گیا یا اپنے اس سفر کی وجہ سے یا اور کسی دیگر بیماری کی وجہ سے مر گیا تو تم آزاد ہو تو فی الحال غلام آزاد نہیں ہوگا البتہ اس کی فروختگی جائز ہوگی۔

فان مات الخ : مسئلہ (۶) اگر آقا مذکورہ سبب کے تحت انتقال کر گیا تو غلام آزاد ہو جائے گا جس طرح مدبر غلام آزاد ہو جاتا ہے یعنی یہ غلام مالک کے ثلث مال سے آزاد ہوگا۔ جس طرح مطلق مدبر غلام کا بیان ہوا ہے۔ تدبیر دراصل وصیت کے ہم معنی ہے اور وصیت ثلث مال میں جاری ہوتی ہے سب پر جاری نہیں ہوتی۔

باب الاستیلاد

ام ولد بنانے کا بیان

باب التدبیر سے فراغت کے بعد باب الاستیلاد کو بیان کر رہے ہیں چونکہ تدبیر اور استیلاد دونوں استحقاق عتق بعد الموت میں مشترک ہیں بنابریں استیلاد کو تدبیر کے ساتھ بیان کیا گیا اور چونکہ تدبیر میں ایجاب عتق الفاظ کے ساتھ ہے اسلئے اس کو مقدم کرنا مناسب ہے۔

استیلاد : لغت میں خواہش اولاد کو کہتے ہیں خواہ بیوی سے ہو یا باندی سے مگر فقہاء نے اس کو باندی کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ اب جو بچہ باندی کو مولیٰ کے ذریعہ پیدا ہوگا وہ باندی ام ولد کہلائے گی۔

اذا ولدت الامة من مولاها فقد صارت ام ولد له لا يجوز بيعها و لا تمليكها و له وطئها واستخدامها و اجارتها و تزويجها و لا يثبت نسب و لدها الا ان يعترف به المولىٰ فان جائت بولد بعد ذلك ثبت نسبه منه بغير اقرار فان نفاه انتفى بقوله و ان زوجها فجائت بولد فهو في حكم امه واذا مات المولىٰ عتقت من جميع المال ولا تلزمها السعاية للغرماء ان كان على المولىٰ دين و اذا وطئ الرجل امة غيره بنكاح فولدت منه ثم ملكها صارت ام ولد له ۔

ترجمہ: جب باندی نے اپنے مولیٰ سے بچہ جنا تو وہ اس کی ام ولد ہوگئی، نہ اس باندی کی بیع جائز ہے اور نہ اس کی تملیک اور مولیٰ کو اس سے وطی کرنا، اس سے اپنی خدمت لینا اس کو مزدوری پر دینا اور اس کا نکاح کر دینے کا اختیار ہے اور اس باندی کے بچہ کا نسب ثابت نہیں ہوگا الا یہ کہ مولیٰ اس کا اقرار کرے اب اگر باندی نے اس کے بعد (اور بھی) بچہ جنا تو اب اس کا نسب مولیٰ سے اس کے اقرار کے بغیر ثابت ہو جائے گا اور اگر مولیٰ اس کی تردید اور انکار کرے تو اس کے بیان کی بنیاد پر نفی ہو جائے گی۔ اور اگر مولیٰ نے اس باندی کی شادی کر دی اور اس نے بچہ جنا تو وہ بچہ اپنی ماں کے حکم میں ہوگا۔ اور جب مالک مر جائے گا تو ام ولد کل مال کے حساب سے آزاد ہو جائے گی اور ام ولد پر کسب قرض خواہوں کے لئے لازم نہیں ہے اگر مالک کے ذمہ قرض ہے۔ اگر کسی نے دوسرے کی باندی سے نکاح کے بعد وطی کر لی اس کو بچہ پیدا ہوا اس کے بعد شوہر اس باندی بیوی کا مالک ہو گیا تو اب یہ باندی ام ولد کے حکم میں ہو جائے گی۔

تشریح: **اذا ولدت ...... وتزوجها:** مسئلہ (۱) جب آقا کے نطفہ سے باندی کو بچہ پیدا ہو جائے تو اب یہ باندی ام ولد ہو جائے گی تو ایسی صورت میں اس ام ولد کی فروختگی اور اس کو کسی دوسرے کی ملکیت میں دینا جائز نہیں ہے البتہ مالک اس ام ولد سے وطی کر سکتا ہے اور اس سے اپنی پوری خدمت لے سکتا ہے اس کو مزدوری پر دے سکتا ہے اور چاہے تو اس کا نکاح بھی کسی سے کر سکتا ہے کیونکہ اسمیں مالک کی ملکیت باقی ہے اس مدبرہ کے مشابہ ہے۔

ولا یثبت ...... انتفی بقولہ: مسئلہ (۲) ام ولد کے بچہ کا نسب آقا سے آقا کے اقرار پر ہی ثابت ہو سکتا ہے اب اگر آقا نے پہلے بچہ کا اقرار کر لیا اس کے بعد ام ولد کو دوسرا بچہ پیدا ہوا تو اب اس دوسرے بچہ کا نسب آقا سے اس کے اقرار کے بغیر ثابت ہو جائے گا اب اگر آقا نے ام ولد کے دوسرے بچے کی نفی کر دی اور اس کا انکار کر دیا تو صرف اس کے قول سے ہی نفی ہو جائے گی۔ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک اگر آقا وطی کا اقرار کرے تو بغیر دعویٰ کے نسب ثابت ہو جائے گا۔

وان زوجها ...... علی المولیٰ دین: مسئلہ (۳) اگر مولیٰ نے ام ولد کی شادی کر دی اور شادی کے بعد ایک بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ اپنی ماں کے حکم میں ہے یعنی بچہ بھی ماں کی طرح آزاد ہے۔ اب اگر مولیٰ مر جاتا ہے تو ام ولد کل مال کے حساب سے آزاد ہو جائے گی یعنی مدبرہ کی طرح ثلث مال کا حساب اس میں جاری نہیں ہوگا اور اگر مالک کے ذمہ کسی کا قرض بھی ہو تو انتقال کے بعد ام ولد پر لازم نہیں ہے کہ کما کر اس قرض کو ادا کرے جس طرح کہ مدبرہ پر لازم ہوتا ہے۔

واذا وطئ الرجل الخ: مسئلہ (۴) اگر کسی نے کسی دوسرے کی باندی سے نکاح کیا پھر اس سے وطی کی اور اس سے بچہ پیدا ہوا اس کے بعد یہ شخص اس منکوحہ باندی کا مالک ہو گیا تو اس صورت میں یہ باندی ام ولد کے حکم میں ہو جائے گی۔

وَاِذَا وَطِئَ الْاَبُ جَارِيَةَ ابْنِهِ فَجَائَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَ صَارَتْ اُمَّ وَلَدٍ وَ عَلَيْهِ قِيْمَتُهَا وَ لَيْسَ عَلَيْهِ عُقْرُهَا وَ لَا قِيْمَةُ وَلَدِهَا وَ اِنْ وَطِئَ اَبُ الْاَبِ مَعَ بَقَاءِ الْاَبِ لَمْ يَثْبُتِ النَّسَبُ مِنْهُ وَ اِنْ كَانَ الْاَبُ مَيِّتاً ثَبَتَ مِنَ الْجَدِّ كَمَا يَثْبُتُ مِنَ الْاَبِ وَ اِذَا كَانَتِ الْجَارِيَةُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ اَحَدُهُمَا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَ صَارَتْ اُمَّ وَلَدٍ لَهُ وَ عَلَيْهِ نِصْفُ عُقْرِهَا وَ نِصْفُ قِيْمَتِهَا وَ لَيْسَ عَلَيْهِ شَيْئٌ مِنْ قِيْمَةِ وَلَدِهَا وَ اِنِ ادَّعَيَاهُ مَعاً ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُمَا وَ كَانَتِ الْاَمَةُ اُمَّ وَلَدٍ لَهُمَا وَ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُ الْعُقْرِ وَ تَقَاصَّا بِمَالِهٖ عَلَى الْاٰخَرِ وَ يَرِثُ الْاِبْنُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِيْرَاثَ اِبْنٍ كَامِلٍ وَ يَرِثَانِ مِنْهُ مِيْرَاثَ اَبٍ وَاحِدٍ.

ترجمہ: اگر باپ نے اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کی اور اس کو بچہ پیدا ہوا اور باپ نے اس کا دعویٰ کیا تو بچہ کا نسب باپ سے ثابت ہو جائے گا اور باندی باپ کی ام ولد ہو جائے گی اور باپ پر اس کی قیمت واجب ہو گی اور باپ پر اس کی مہر واجب نہیں اور نہ ہی اس کے بچے کی قیمت، اور اگر دادا نے باپ کی موجودگی میں وطی کر لی تو (بعد الولادت) بچہ کا نسب دادا سے ثابت نہیں ہو گا البتہ اگر باپ کا انتقال ہو گیا ہو تو بچہ کا نسب دادا سے ثابت ہو جائے گا جس طرح کہ باپ سے ثابت ہوتا ہے اور اگر باندی دو شریکوں کے درمیان مشترک ہو اور اس کو بچہ پیدا ہو جائے اور ان میں سے ایک بچہ کا دعویٰ کرے تو بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور باندی اس شخص کی ام ولد ہو جائے گی اور اس پر باندی کی نصف مہر اور نصف قیمت واجب ہو گی اور اس پر بچہ کی قیمت میں سے کچھ واجب نہیں ہو گا۔ اور اگر دونوں شریک نے ایک ساتھ بچہ کا دعویٰ کر لیا تو اس بچہ کا نسب دونوں سے ثابت ہو جائے گا اور باندی دونوں کی ام ولد ہو گی اور دونوں میں سے ہر ایک پر نصف مہر ہو گا اور دونوں نصف مہر کا مقاصہ کریں جو دوسرے پر واجب ہے (ہر ایک دوسرے کو نصف نصف مہر ادا کرے تا کہ بدلہ ہو جائے جو دوسرے پر واجب ہے) اور یہ لڑکا ان دونوں میں سے ہر ایک سے پورے بیٹے کی میراث کا وارث ہو گا اور دونوں شریک اس بچہ کے ایک باپ کی (حیثیت سے) میراث کے وارث ہوں گے۔

تشریح: اس عبارت میں چار مسئلے ہیں۔

واذا وطئ الاب......ولدها: مسئلہ (۱) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

وان وطئ الاب......من الاب: مسئلہ (۲) اس مسئلہ کی صورت بھی ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا كانت......ولدها: مسئلہ (۳) اس مسئلہ کی صورت بھی ترجمہ سے واضح ہے۔

وان ادعياه الخ: مسئلہ (۴) اس مسئلہ کی صورت بھی ترجمہ اور بین القوسین کی عبارت سے واضح ہے۔

وَاِذَا وطئ المَوْلیٰ جَارِیَۃ مکاتَبِہ فجَائَتْ بِوَلَدٍ فادّعاہ فَاِنْ صَدَّقَہُ الْمُکَاتَب ثَبَتَ نَسَبُہُ مِنْہُ وَ کَانَ عَلَیْہِ عَقْرُھَا وَ قِیمَۃُ وَلَدِھَا وَ لَا تَصِیرُ اُمَّ وَلَدٍ لَہُ وَ اِنْ کَذَّبَہُ الْمُکَاتَبُ فِی النَسَبِ لَمْ یَثْبُتْ

ترجمہ : اوراگر مولیٰ نے اپنے مکاتب کی باندی سے وطی کی اوراس کو بچہ پیدا ہوا اور آقا نے اس کا دعویٰ کردیا اب اگر مکاتب نے اس کی تصدیق کردی تو بچہ کا نسب آقا سے ثابت ہوجائے گا اور آقا کے ذمہ باندی کی مہر اور اس کے بچہ کی قیمت واجب ہوگی اور باندی آقا کی ام ولد نہ ہوگی اوراگر مکاتب نے نسب کے بارے میں اس (آقا کے دعویٰ) کی تکذیب کردی تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔

تشریح : اس عبارت میں ایک مسئلہ بیان کیا گیا ہے جو ترجمہ سے بالکل واضح ہے۔

کتاب المکاتب

اس کتاب کو ام الولد کے احکام کے بعد لارہے ہیں۔ باب الاستیلاد اور کتاب المکاتب کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ دونوں کے لئے حریت کا حق ہے اور مکاتب کے احکام کو عتاق کے احکام کے تحت بیان کرنا زیادہ مناسب اس لئے سمجھا گیا کہ مکاتب کے لئے ولاء نہیں ہے اور یہ بھی احکام عتاق میں سے ہے۔

المکاتب: مکاتَب بروزن مفاعلہ کا اسم مفعول ہے اور کتابت کتب (ن) کا مصدر ہے معنی ہے جمع کرنا، ضم کرنا اسی سے کتاب ہے کہ ابواب وفصول کو جامع ہوتی ہے اصطلاح شرع میں اس کی تعریف دو طرح کی ہے (۱) غلام کو تصرف کے لحاظ سے بالفعل اور رقبہ کے اعتبار سے بدل کتابت ادائیگی کے بعد آزاد کرنے کو کہتے ہیں، لہٰذا ملکیت ید بالفعل حاصل ہوتی ہے اور ملک رقبہ انجام کے اعتبار سے۔ یہ تعریف معنی اول کے اعتبار سے ہے۔

(۲) ضم مخصوص یعنی ضم حریۃ العبد للمکاتب الیٰ حریۃ الرقبۃ فی المال باداء بدل الکتابۃ (غلام کی آزادی کو آزادی رقبہ کے ساتھ ملا دینا بدل کتابت کی ادائیگی کے ساتھ یہ تعریف معنیٰ ثانی کے اعتبار سے ہے۔

مکاتب بعض احکام میں آزاد کے مثل ہے کہ دوران کتابت یہ من کل الوجوہ غلام نہیں اور نہ آزاد۔

اذا کَاتَبَ الْمَوْلیٰ عَبْدَہُ اَوْ اَمَتَہُ عَلیٰ مَالٍ شَرطَہُ عَلَیْہِ وَ قَبِلَ الْعَبْدُ ذَالِکَ صَارَ مُکَاتَبًا وَ یَجُوْزُ اَنْ یَشْتَرِطَ الْمَالَ حَالاً وَ یَجُوْز مُؤَجَّلاً مُنَجَّماً وَیَجُوْزُ کِتَابَۃ الْعَبْدِ الصَّغِیْرِ اِذَا کَانَ یَعْقِلُ الْبیعَ والشراءَ فاذا صَحَّتِ الکِتَابَۃُ خَرَجَ الْمُکَاتَبُ مِنْ یَدِ الْمَوْلیٰ وَلَمْ یَخْرُجْ مِنْ مِلْکِہٖ وَ یَجُوْزُ لَہُ الْبَیْعُ والشِراءُ وَالسَفَرُ و لَا یَجُوْز لَہُ التزوج اَلّا بِاِذْنِ الْمَوْلیٰ وَ لا یھبُ وَ لَا یَتَصدَّقُ اِلّا بالشئِ الیَسِیْرِ وَ لَا یتکفل فان وُلِدَ لَہُ وَلَدٌ مِنْ اَمَۃٍ لَہُ دَخَلَ فِیْ کِتَابَتِہٖ وَ کَانَ حُکْمُہُ کَحُکْمِہٖ وَ کَسْبُہُ لَہُ فان زَوَّجَ المَوْلیٰ عَبْدَہُ مِنْ اَمَتِہٖ ثُمَّ کَاتَبَھَا فَوَلَدَتْ مِنْہُ وَ لَداً دَخَلَ فِیْ کِتَابَتِھِمَا وَ کَانَ کَسْبُہُ لَھَا.

ترجمہ : جب آقا اپنے غلام یا باندی کو کسی مال پر مکاتب کرے جس کی اس نے شرط کی ہو اور غلام اس کو قبول کرے تو غلام مکاتب ہو جائے گا اور جائز فی الفور مال دینے کی شرط لگانا، یا قسط وار دینے کی شرط لگانا۔ کمسن غلام کا مکاتب کرنا جائز ہے بشرطیکہ بیع اور شراء کو سمجھتا ہو پس جب کتابت صحیح ہو جائے تو مکاتب مولیٰ کے قبضہ سے نکل جائے گا اور اس کی ملکیت سے نہیں نکلے گا اور مکاتب کیلئے خرید و فروخت کرنا اور سفر کرنا جائز ہے اور اس کے لئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے مگر آقا کی اجازت سے اور نہ وہ ہبہ کرے اور نہ صدقہ کرے مگر تھوڑی سی چیز اور وہ کفیل نہیں ہوگا (کسی کا) اگر اس کی باندی کے بچہ پیدا ہو تو اس کی کتابت میں داخل ہو جائے گی اور بچہ کا حکم مکاتب کے حکم کی طرح ہے اور بچہ کی کمائی مکاتب کے لئے ہوگی۔ اگر آقا نے اپنے غلام کی شادی اپنی باندی سے کر دی پھر ان دونوں کو مکاتب بنا دیا اور اس کو ایک بچہ پیدا ہوا تو بچہ دونوں کی کتابت میں داخل ہوگا اور اس کی کمائی باندی (ماں) کیلئے ہوگی۔

تشریح : اس عبارت میں سات مسئلے مذکور ہیں۔

اذا کاتب ...... صار مکاتباً : مسئلہ (۱) اگر مالک نے اپنے غلام یا باندی کو مال کی ادائیگی کی شرط پر عقد کتابت کے ساتھ مکاتب بنا دیا اور اس عقد کو غلام (یا باندی) نے قبول کر لیا تو یہ غلام مکاتب ہو جائے گا۔

و یجوز ...... منجماً : مسئلہ (۲) عقد کتابت میں نقد مال کی ادائیگی کی شرط لگانا جائز ہے اسی طرح ایک مقررہ مدت تک قسط وار کی شرط لگا دینا بھی جائز ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک قسط وار ہونا جواز کے لئے ضروری ہے۔

و یجوز ...... و البیع : مسئلہ (۳) اگر غلام کم سن ہو مگر خرید و فروخت کو سمجھتا ہو تو اس کا عقد کتابت کرنا جائز ہے۔

فاذا صحت ...... من ملکہ : مسئلہ (۴) عقد کتابت کے درست ہونے کے بعد مکاتب مولیٰ کے قبضہ سے نکل جائے گا مگر مولیٰ کی ملکیت سے نہیں نکلے گا۔

و یجوز ...... و لا یتکفل : مسئلہ (۵) اور عبد مکاتب کیلئے خرید و فروخت اور مسافرت کرنا جائز ہے البتہ شادی کرنا مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہے۔ ہبہ اور صدقہ کرنے کا مجاز نہیں ہے مگر معمولی مقدار میں ہبہ اور صدقہ کر سکتا ہے اور کسی کا کفیل بننے کا مجاز بھی نہیں ہے۔

فان ولد ...... و کسبہ لہ : مسئلہ (۶) اگر مکاتب کی باندی سے کوئی بچہ پیدا ہوا اور مکاتب اس کے نسب کا دعویٰ کرے تو وہ بچہ بھی کتابت میں داخل ہو جائے گا اور بچہ کا وہی حکم ہوگا جو مکاتب کا ہوگا اور بچہ کی آمدنی مکاتب کی ہوگی۔

فان زوج المولیٰ الخ : مسئلہ (۷) اگر آقا نے اپنے غلام کی شادی اپنی باندی سے کر دی پھر ان دونوں کو مکاتب کر دیا اس کے بعد اس باندی سے بچہ ہوا تو بچہ دونوں کی کتابت میں شامل ہو جائے گا البتہ بچہ کی کمائی باندی (ماں) کے لئے ہوگی۔

وَ اِنْ وَطِئَ الْمَوْلیٰ مُکَاتَبَتَہٗ لَزِمَہُ الْعُقْرُ وَ اِنْ جنی عَلَیْهَا اَوْ عَلٰی وَلَدِهَا لَزِمَتْهُ الْجِنَایَةُ وَ اِنْ اَتْلَفَ مَالَهَا غَرِمَهُ وَ اِذَا اشْتَرَی الْمُکَاتَبُ اَبَاهُ اَوْ اِبْنَهُ دَخَلَ فِیْ کِتَابَتِهٖ وَ اِنْ اشْتَرٰی اُمَّ وَلَدِهٖ مَعَ وَلَدِهَا دَخَلَ وَلَدُهَا فِی الْکِتَابَةِ وَلَمْ یَجُزْ بَیْعُهَا وَ اِنْ اشْتَرٰی ذَارَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لَا وِلَادَ لَهٗ لَمْ یَدْخُلْ فِیْ کِتَابَتِهٖ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ.

ترجمہ : اگر آقا نے اپنی مکاتبہ باندی سے وطی کرلی تو آقا پر مہر لازم ہوگی اور اگر آقا نے باندی پیا اس کے لڑکے پر کوئی قصور (جنایت) کی تو اس کو جنایت (تاوان) لازم ہوگی اور اگر باندی کا مال ضائع کر دیا تو اس مال کا تاوان دے اور اگر مکاتب نے اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو خرید لیا تو اس کی کتابت میں داخل ہو جائیں گے اور اگر اپنی ام ولد کو اس کے بچہ کے ساتھ خریدا تو اس کا بچہ کتابت میں داخل ہو جائے گا اور اس کے لئے ام ولد کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور اگر اپنے کسی ذی رحم محرم کو خریدا کہ جس سے اس کا کوئی رشتۂ اولادی نہ ہو تو یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی کتابت میں داخل نہیں ہوگا۔

تشریح : وان وطئ المولیٰ...... غرمه : مسئلہ (۱) مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے البتہ اس کا خلاصہ یہ ہے بصورت جماع آقا پر مہر لازم ہوگی اور نفس کی جنایت کی صورت میں دیت دینا لازم ہوگا۔ اور تباہی مال کی صورت میں مثل مال یا اس کی قیمت کی ادائیگی ضروری ہوگی۔

واذا اشتر...... دخل فی کتابته : مسئلہ (۲) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

وان اشتریٰ ...... بیعها : مسئلہ (۳) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

وان اشتریٰ ذارحمٍ الخ : اگر مکاتب نے اپنے ذی رحم محرم یعنی قرابت دار میں سے کسی کو خریدا مثلاً بھائی بہن، چچا وغیرہ اور اس سے اس کا کوئی قرابت ولاد نہیں تو ایسی صورت میں یہ لوگ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکاتب کی کتابت میں داخل نہیں ہوں گے۔ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک کتابت میں داخل ہو جائیں گے۔

> واذا عجز الْمُكَاتَبُ عَنْ نَجْمٍ نَظَرَ الحَاكِمُ فِيْ حَالِهٖ فَاِنْ كَانَ لَهٗ دَيْنٌ يَقْبِضُهٗ او مَالٌ يَقْدِمُ عَلَيْهِ لَمْ يُعَجِّلْ بِتَعْجِيْزِهٖ وَانْتَظَرَ عَلَيْهِ اليَوْمَيْنِ او الثلثة وَ اِنْ لَمْ يَكُنْ له وَجْه وَ طَلَبَ الْمَوْلٰى تَعْجِيْزَهٗ عَجَّزَهٗ وَ فَسَخَ الكِتَابَةَ وَ قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللهُ لَا يُعَجِّزُهٗ حَتّٰى يَتَوَالٰى عَلَيْهِ نَجْمَانُ وَ اِذَا عَجزَ الْمُكَاتَبُ عَادَ اِلٰى حُكْمِ الرِّقِّ وَ كَانَ مَا فِيْ يَدِهٖ مِنَ الاِكْتِسَابِ لِمَوْلَاهُ فَاِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ وَ لَهٗ مَالٌ لَمْ تَنْفَسِخِ الكِتَابَةُ وَ قُضِيَ مَاعَلَيْهِ مِنْ مَالِهٖ وَحُكِمَ بِعِتْقِهٖ فِيْ اٰخِرِ جُزْءٍ مِنْ اَجْزَاءِ حَيَاتِهٖ وَ مَا بَقِيَ فَهُوَ مِيْرَاثٌ بِوَرَثَتِهٖ وَ يَعْتِقُ اَوْلَادُهٗ.

ترجمہ : اور اگر مکاتب ادائیگی قسط سے عاجز ہو جائے تو حاکم (قاضی وقت) اس کی حالت (اس کے معاملہ) کے بارے میں غور کرے پس اگر اس کا کچھ قرض ہو جس کو وہ وصول کرے گا یا کوئی مال (غائب) ہو جو اس کو ملنے والا ہے تو حاکم کو عاجز قرار دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ دو یا تین دن انتظار کرے اور اگر اس کے لئے کوئی صورت نہ ہو اور آقا (قاضی سے) اس کو عاجز قرار دینے کی درخواست کرے تو حاکم اس کو عاجز قرار دے اور عقد کتابت فسخ کر دے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ حاکم اس کو عاجز نہ قرار دے یہاں تک کہ پے در پے اس پر دو قسطیں چڑھ جائیں۔ اور اگر مکاتب عاجز ہو جائے تو وہ غلامی کے حکم کی طرف لوٹ آئے گا اور جو کچھ کمائی اس کے ہاتھ میں ہے وہ سب اس کے آقا کی ہوگی۔ اگر مکاتب مر جائے اور اس کے پاس مال ہو تو کتابت فسخ نہیں ہوگی بلکہ جو مطالبہ اس پر ہے اس کو اس کے مال سے ادا کیا جائے گا اور اس کی آزادی کا حکم کیا جائے گا اس کی

زندگی کے آخری حصہ میں اور جو کچھ (ترکہ) باقی رہے وہ اس کے ورثہ کی میراث ہوگی اور اس کی اولاد آزاد ہوگی۔

مکاتب کا بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہو جانا

تشریح : اس عبارت میں کل دو مسئلے ہیں۔

واذا عجز...... لمولاه : قدوری کے اکثر نسخوں میں یقضیه ہے جو بالکل غلط ہے اور صحیح لفظ یقبضه ہے جس سے عبارت کا صحیح مفہوم سامنے آتا ہے۔

مسئلہ (۱) آقا نے اپنے غلام کو قسط کے اعتبار سے بدل کتابت ادا کرنے پر مکاتب کر دیا تھا اب وہ کسی وجہ سے کسی قسط کے ادا کرنے سے عاجز ہو گیا تو اس صورت میں حاکم کا فرض ہے کہ اس کے معاملات پر غور و فکر سے کام لے کیونکہ ممکن ہے کہ اسکا کسی کے ذمہ قرض ہو جو اسے مل جائے اور وہ ادا کر دے یا اس کا مال غائب ہو جو اسے ملنے والا ہو اور ملنے کے بعد ادا کر دے اسلئے حاکم عاجز قرار دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ دو تین دن کی مہلت دے اس کے باوجود اگر ادائیگی کی کوئی صورت نہ ہو تو مولیٰ حاکم سے اس کو عاجز قرار دینے کی درخواست کرے اور حاکم اس درخواست پر اس مکاتب کو عاجز قرار دے کر عقد کتابت کو فسخ قرار دے۔ یہ تفصیل حضرات طرفین کے نزدیک ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ عجز کا حکم مسلسل دو قسطیں چڑھ جانے کے بعد لگایا جائے اور جب مکاتب بالکل عاجز ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ مکاتب غلامی کی طرف لوٹ آئے گا اور اس مکاتب کے قبضہ میں جو کچھ بھی دولت ہوگی وہ مولیٰ کی ہوگی۔

فان مات المکاتب الخ : مسئلہ (۲) اگر مکاتب بدل کتابت کے ادا کرنے سے قبل اتنا ترکہ چھوڑ کر انتقال کر جائے جو بدل کتابت کی ادائیگی کیلئے کافی ہو تو عقد کتابت کو فسخ نہ کر کے اسکے ترکہ میں سے بدل کتابت ادا کر دی جائے گی اور اس کی زندگی کے آخر حصہ میں اس کی آزادی کا حکم کر دیا جائے گا۔ اور ترکہ میں سے جو مال بچے گا وہ وارثین کو ملے گا اور اس کی اولاد آزاد ہو جائے گی۔ یہ احنافؒ کے نزدیک ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک عقد کتابت فسخ ہو جائے گی اور مکاتب غلامی کی حالت میں دنیا سے جائے گا اور اس کا ترکہ اس کے آقا کو ملے گا۔

وَانْ لم یترک وفاءً وترکَ وَلَداً مَوْلوداً فِیْ الکِتَابَۃِ سعی فِیْ کِتَابَۃِ اَبِیْہِ عَلیٰ نُجُوْمِہٖ فاِذَا ادیٰ حَکَمْنَا بِعِتقِ اَبِیْہِ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَ عَتَقَ الوَلَدُ وَ اِنْ تَرَکَ وَلَداً مُشْتَرًی فِیْ الکِتَابَۃِ قِیْلَ لَہٗ اِمَّا اَنْ تُؤدِّیَ الکِتَابَۃَ حَالاً وَ اِلَّا رُدِدتَ فی الرِّقِ وَ اِذَا کَاتَبَ المُسْلِمُ عَبْدَہٗ عَلیٰ خَمْرٍ اَوْ خِنزِیْرٍ اَوْ عَلیٰ قِیْمَۃِ نَفْسِہٖ فَالکِتَابَۃُ فَاسِدَۃٌ فَاِنْ اَدّیَ الخَمْرَ والخِنْزِیْرَ عَتَقَ وَلَزِمَہٗ اَنْ یَسْعیٰ فِیْ قِیْمَتِہٖ وَ لَا ینقص مِنَ المُسمیٰ لَا یُزَادُ عَلَیْہِ اِذَا زَادَتْ قِیْمَتُہٗ وَاِنْ کَاتَبَہٗ عَلیٰ حَیْوانٍ غَیْرِ مَوْصوفٍ فالکِتَابَۃُ جَائِزَۃٌ وَ اِنْ کَاتَبَہٗ علیٰ ثَوْبٍ لَمْ یُسَمَّ جِنسُہٗ لَمْ یَجُزْ وَ اِنْ اَدَّاہُ لَمْ یَعْتِقْ.

ترجمہ : اور اگر مکاتب نے مال نہیں چھوڑا بلکہ وہ بچہ چھوڑا جو عقد کتابت کے دوران پیدا ہوا تھا تو وہ بچہ اپنے باپ کی کتابت میں کوشش کرے گا اپنے باپ کی قسط کے موافق اور جب ادا کر دے گی تو ہم اس کی موت سے پہلے اس کے باپ کی

آزادی کا حکم لگا دیں گے اور بچہ آزاد ہو جائے گا اور اگر اس نے اس بچہ کو چھوڑا جو بدل کتابت کے دوران خرید ا تھا تو اس سے کہا جائے گا کہ یا تو تم سر دست بدل کتابت ادا کر دو ورنہ تم غلامی کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے اور اگر مسلمان نے اپنے غلام سے شراب پر یا خنزیر پر یا خود غلام کی قیمت پر کتابت کی تو کتابت فاسد ہے۔ اب اگر غلام شراب یا خنزیر دیدے تو آزاد ہو جائے گا اور اس کو لازم ہوگا کہ اپنی قیمت کی سعی کرے اور مقررہ مقدار سے کم نہیں ہوگا بلکہ زائد ہو سکتا ہے اگر اس کی قیمت بڑھ جائے۔ اور اگر اپنے غلام سے ایسے جانور کے عوض کتابت کی جس کی صفت بیان نہیں کی گئی تو کتابت جائز ہے اور اگر اپنے غلام سے ایسے کپڑے کے عوض کتابت کی جس کی جنس بیان نہیں کی تو کتابت جائز نہیں ہوگی اور اگر اس نے کپڑا ادا کر دیا تو غلام آزاد نہیں ہوگا۔

تشریح : اس عبارت میں پانچ مسئلے ہیں۔

وان لم یترك......عتق الولد : مسئلہ (۱) اگر مکاتب انتقال کے بعد اتنا مال نہیں چھوڑا جو بدل کتابت کی ادائیگی کیلئے پورا ہو البتہ وہ بچہ چھوڑا جو عقد کتابت کے دوران پیدا ہوا تھا تو اس لڑکے کی ذمہ داری ہے کہ کما کر اپنے باپ کی بدل کتابت کو اسکی قسطوں کے حساب سے ادا کرے اور جب لڑکا رقم ادا کر دے گا تو اس کے بعد اس کے والد کی موت سے قبل اس پر آزادگی کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا اور وہ لڑکا بھی آزاد ہو جائے گا۔

وان ترك......في الرق : مسئلہ (۲) اگر مکاتب نے وہ اولاد چھوڑی جو عقد کتابت کے دوران خریدی تو اس لڑکے سے کہا جائے گا کہ یا تو تم سر دست بدل کتابت ادا کر دو ورنہ غلام ہو جاؤ۔

واذا كاتب المسلم......قيمته : مسئلہ (۳) اگر کسی مسلمان نے اپنے غلام کو شراب یا خنزیر کے عوض مکاتب بنایا یا خود اس غلام کی قیمت کے عوض مکاتب بنایا تو یہ کتابت فاسد ہوگی اب اگر غلام نے شراب یا خنزیر ادا کر دی تو ایسی صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا اور اپنی قیمت کی ادائیگی کی کوشش کرے (کیونکہ آزاد ہونے کی وجہ سے رد رقبہ متعذر ہے اس لئے قیمت واجب ہوگی) اور جو قیمت مقرر ہوگئی ہے اس میں کمی نہیں ہوگی بلکہ اگر اس کی قیمت بڑھ جائے تو پھر قیمت زیادہ ہو سکتی ہے۔

وان كاتبه......جائزة : مسئلہ (۴) اگر غلام کو کسی ایسے جانور کے عوض مکاتب کیا جس کی جنس تو بیان کی مگر صفت نہیں بیان کی مثلاً گھوڑا یا اونٹ دینا ہوگا مگر صفت بیان نہیں کی تو کتابت جائز ہے، اور اس صورت میں متوسط قسم کا جانور یا اس کی قیمت واجب ہوگی یہ احناف کا مسلک ہے امام شافعیؒ کے نزدیک کتابت درست نہیں ہے۔

وان كاتبه على ثوب الخ : مسئلہ (۵) اگر اپنے غلام کو ایسے کپڑے کے عوض مکاتب کیا جس کی جنس بیان نہیں کی گئی تو یہ کتابت جائز نہیں ہے اور اگر غلام کپڑا دیدے تو آزاد نہیں ہوگا۔

وإنْ كَاتَبَ عَبْدَيْهِ كِتَابَةً واحِدةً بالفِ دِرْهَمٍ ان اَدّيَا عَتَقَا وَ اِنْ عَجَزُوا رُدَّ الى الرّقِ وَ اِنْ كَاتَبَهُمَا عَلىٰ اَنَّ كُلَّ وَ احِدٍ مِنْهُمَا ضَامِنٌ عَلىٰ الآخَرِ جَازَتْ الكِتَابَةُ وَ اَيُّهُمَا اَدّىٰ عَتَقَا وَ يَرْجِعُ عَلىٰ شَرِيْكِهٖ بِنِصْفِ مَا اَدّىٰ وَ اِذَا اَعْتَقَ المَوْلىٰ مُكَاتَبَهٗ عَتَقَ بِعِتْقِهٖ وَسَقَطَ عَنْهُ مَالُ الكِتَابَةِ وَاِذَا مَاتَ مَوْلىٰ المُكَاتَبِ لَمْ تَنْفَسِخِ الكِتَابَةُ وَ قِيْلَ لَهٗ اَدِّ المَالَ اِلىٰ وَرَثَةِ المَوْلىٰ عَلىٰ نُجُوْمِهٖ فَاِنْ اَعْتَقَهٗ اَحَدُ الوَرَثَةِ لَمْ يَنْفُذْ عِتْقُهٗ وَ اِنْ اعتقوهُ جَمِيْعاً عَتَقَ وَسَقَطَ عَنْهُ مَالُ الكِتَابَةِ.

ترجمہ : اگر مالک نے اپنے دو غلاموں سے ایک عقد میں کتابت کی ایک ہزار درہم کے عوض۔ اگر دونوں نے رقم ادا کردی تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور اگر دونوں (ادائیگی سے) عاجز ہو گئے تو دونوں غلامی کی طرف لوٹا دئے جائیں گے۔ اور اگر مالک نے دونوں غلام سے کتابت اس شرط پر کی کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہوگا تو کتابت جائز ہوگی۔ اور ان دونوں میں سے جس نے بھی رقم ادا کردی دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ اور ادا کرنے والا اپنے شریک سے ادا کردہ رقم کا نصف وصول کرے گا۔ اور اگر مولیٰ نے اپنے عبد مکاتب کو آزاد کردیا تو مولیٰ کے آزاد کرنے سے مکاتب آزاد ہو جائے گا اور اس سے مال کتابت ساقط ہو جائے گا اور اگر مکاتب کا مولیٰ مرجائے تو کتابت فسخ نہیں ہوگی اور مکاتب سے کہا جائے گا کہ مال کو مولیٰ کے ورثہ کی طرف اس کی قسطوں کے حساب سے ادا کردے اب اگر اس غلام کو کسی وارث نے آزاد کردیا تو اس کی آزادی نافذ نہیں ہوگی اور اگر اس کو سارے ورثہ نے آزاد کردیا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور اس سے مال کتابت ساقط ہو جائے گا۔

تشریح : وان کاتب ...... الی الرق: مسئلہ(۱) وان کاتبھما......بنصف مادی: مسئلہ(۲)، واذا اعتق...... مال الکتابۃ: مسئلہ(۳) واذا مات مولیٰ الخ: مسئلہ(۴) ان چاروں مسئلوں کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

وَ اِذَا كَاتَبَ الْمَوْلٰى اُمَّ ولدِهٖ جَازَ فَاِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى سَقَطَ عَنْهَا مَالُ الْكِتَابَةِ وَ اِنْ وَلَدَتْ مُكَاتَبَةٌ مِنْه فَهِيَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَائَتْ مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ وَ اِنْ شَائَتْ عَجَّزَتْ نَفْسَهَا وَ صَارَتْ اُمَّ وَلَدٍ لَهٗ حَتّٰى تَعْتِقَ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَ اِنْ كَاتَبَ مُدَبَّرَتَهٗ جَازَ فَاِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى وَ لَامَالَ لَهٗ غَيْرَهَا كَانَتْ بِالْخِيَارِ بَيْنَ اَنْ تَسْعٰى فِي ثُلُثَيْ قِيْمَتِهَا اَوْ فِيْ جَمِيْعِ مَالِ الْكِتَابَةِ وَ اِنْ دَبَّرَ مُكَاتَبَتَهٗ صَحَّ التَّدْبِيْرُ وَ لَهَا الْخِيَارُ اِنْ شَائَتْ مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ وَاِنْ شَائَتْ عَجَّزَتْ نَفْسَهَا وَ صَارَتْ مُدَبَّرَةً فَاِنْ مَضَتْ عَلٰى كِتَابَتِهَا وَ مَاتَ الْمَوْلٰى وَ لَا مَالَ لَهٗ فَهِيَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَائَتْ سَعَتْ فِي ثلثي مَالِ الْكِتَابَةِ وَ اِنْ شَائَتْ سَعَتْ فِي ثلثي قِيْمَتِهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ اِذَا اَعْتَقَ الْمُكَاتَبُ عَبْدَهٗ عَلٰى مَالٍ لَمْ يَجُزْ وَ اِنْ وَهَبَ عَلٰى عِوَضٍ لَمْ يَصِحَّ وَاِنْ كَاتَبَ عَبْدَهٗ جَازَ فَاِنْ اَدَّى الثَّانِيْ قَبْلَ اَنْ يَعْتِقَ الْاَوَّلَ فَوِلَاؤُه لِلْمَوْلَى الْاَوَّلِ وَ اِنْ اَدَّى الثَّانِيْ بَعْدَ عِتْقِ الْمُكَاتَبِ الْاَوَّلِ فَوِلَاؤُهٗ له.

ترجمہ : اگر مولیٰ نے اپنی ام ولد کو مکاتب کیا جائز ہے۔ اب اگر مولیٰ مرجائے تو ام ولد سے مال کتابت ساقط ہو جائے گا۔ اگر مکاتبہ باندی کو مولیٰ سے بچہ پیدا ہوا تو اب اس باندی کو اختیار ہے اگر چاہے تو کتابت پر رہے اور چاہے تو خود کو عاجز کرے اور مالک کی ام ولد ہو جائے اور مالک کی موت کے بعد آزاد ہو جائے۔ اور اگر اپنی مدبرہ باندی کو مکاتب کیا تو جائز ہے۔ اب اگر مولیٰ مرجائے اور مولیٰ کے پاس مدبرہ کے علاوہ کوئی مال نہ ہو تو مدبرہ کو اختیار ہے کہ اپنی قیمت کی دو تہائی میں یا تمام مال کتابت میں سعی کرے۔ اور اگر اپنی مکاتبہ باندی کو مدبر کیا تو تدبیر درست ہے تو اس مکاتبہ کو اختیار ہے چاہے تو مال کتابت کے دو تہائی میں سعی کرے اور چاہے تو اپنی قیمت کے دو تہائی میں سعی کرے امام ابوحنیفہؒ کے

نزدیک۔اور اگر مکاتب نے اپنے غلام کو مال کے عوض آزاد کر دیا تو جائز نہیں ہے اور اگر بالعوض ہبہ کر دیا تو بھی جائز نہیں ہے۔اور اگر مکاتب نے اپنے غلام کو مکاتب کیا تو جائز ہے اب اگر دوسرے مکاتب نے پہلے مکاتب کے آزاد ہونے سے قبل بدل کتابت ادا کر دیا تو دوسرے مکاتب کی ولاء پہلے مکاتب کے مالک کو حاصل ہوگی۔اور اگر دوسرے مکاتب نے پہلے مکاتب کی آزادی کے بعد بدل کتابت ادا کیا تو دوسرے کی ولاء مکاتب اول کو حاصل ہوگی۔

تشریح : اس عبارت میں سات مسئلے مذکور ہیں۔

واذا کاتب......جاز : مسئلہ(۱) مسئلہ واضح ہے۔

فان مات المولیٰ...... مال الکتابة : مسئلہ(۲) اگر مذکورہ عقد کتابت کے بعد مالک مرجاتا ہے یعنی ابھی ام ولد نے بدل کتابت ادا نہیں کیا اور مالک مرگیا تو عقد کتابت ختم ہو جائے گا اور مال کتابت ام ولد سے ساقط ہو جائے گا کیونکہ مالک کے مرنے سے وہ فوراً آزاد ہو جاتی ہے۔

وان ولدت......عند موته : مسئلہ(۳) اگر ام ولد نے عقد کتابت کے بعد مالک سے بچہ جنا تو اس صورت میں ام ولد مکاتبہ کو اختیار ہے چاہے تو اسی کتابت پر باقی رہے اور چاہے تو خود کو عاجز قرار دے اور ام ولد ہو جائے اور مالک کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے۔

وان کاتب مدبرته......مال الکتابة : مسئلہ(۴) اگر مولیٰ نے اپنی مدبرہ باندی کو مکاتب کر دیا تو یہ کتابت درست ہے اب اگر مولیٰ مرجاتا ہے اور اس نے مدبرہ باندی کے علاوہ کچھ اور نہیں چھوڑا تو ایسی صورت میں مدبرہ کو اختیار ہے چاہے تو اپنی قیمت کے دو تہائی قیمت کما کر ادا کرے اور چاہے تو تمام مال کتابت کما کر ادا کرے۔

یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔حضرات صاحبین کے نزدیک اختیار نہیں ہے البتہ مقدار کے سلسلے میں امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مقدار میں سے جو کچھ کم ہوگا اس کو کما کر ادا کرے گی اور امام محمدؒ کے نزدیک قیمت کے دو ثلث اور بدل کتابت کے دو ثلث میں سے جو کچھ کم ہوگا اسے کما کر ادا کرے گی۔ (الجوہرہ ج۲ ص۱۶۳)

وان دبر مکتابته ...... عند ابی حنیفةؒ : مسئلہ(۵) اگر مولیٰ نے اپنی مکاتبہ باندی کو مدبر کیا تو یہ تدبیر جائز ہے اور مکاتبہ کو اختیار ہے چاہے تو کتابت پر باقی رہے اور چاہے تو خود کو عاجز قرار دیکر مدبرہ ہو جائے اب اگر وہ مکاتبہ کتابت پر باقی رہنا چاہے اور اسی دوران مولیٰ انتقال کر جائے اور مولیٰ کے پاس اس مدبرہ کے علاوہ کوئی دوسرا مال نہ ہو تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مدبرہ چاہے تو مال کتابت کے دو تہائی مال میں سعایت کرے اور چاہے تو اپنی قیمت کے دو تہائی میں سعایت کرے۔حضراتؒ صاحبین کے نزدیک دونوں میں سے جو بھی کم ہوگا اس میں سعایت کرے گی۔

واذا اعتق......لم یصح : مسئلہ(۶) اگر مکاتب اپنے غلام کو آزاد کرنا چاہے تو آزاد نہیں ہوگا اور اگر مکاتب اپنے غلام کو بالعوض ہبہ کرنا چاہے تو ہبہ کرنا بھی درست نہیں ہوگا۔

وان کاتب عبدهٗ الخ : مسئلہ(۷) اگر مکاتب نے اپنے غلام کو مکاتب کیا تو ایسا کرنا جائز ہے اب اگر اس دوسرے غلام نے پہلے غلام (مکاتب) سے پہلے کتابت کی رقم ادا کر دی تو اس کی ولاء مکاتب اول کے مولیٰ کو حاصل ہوگی اور

اگر مکاتب ثانی سے مکاتب اول کی آزادی کے بعد بدل کتابت ادا کی تو مکاتب ثانی کی ولاء مکاتب اول کو ملے گی۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک عبد مکاتب اپنے غلام کو مکاتب نہیں بنا سکتا۔

کتاب الولاء

الولاء ازروئے لغت ولی سے مشتق ہے معنی ہے قرب ونزدیکی یا پھر موالاۃ سے مشتق ہے جو ولایۃ سے مفاعلۃ ہے معنی ہے نصرت ومحبت۔ اصطلاح شرع میں اس میراث کو کہتے ہیں جو آزاد کردہ غلام سے یا عقد موالاۃ سے حاصل ہو اول کو ولاء عتاقہ اور دوسرے کو ولاء موالاۃ کہتے ہیں۔ گویا کہ ولاء کی دو قسمیں ہیں۔

اس کتاب کو کتاب المکاتب کے بعد ذکر کرنے کی وجہ بیان کیجاتی ہے کہ ولاء آثار کتابت میں سے ہے بایں وجہ کہ بدل کتابت کی ادائیگی کے بعد ملک رقبہ زائل ہو جاتی ہے۔

اذا اعتق الرَّجُلُ مَمْلُوكَهُ فَوِلَاؤُهُ لَهُ وَ كَذَالِكَ الْمَرْأَة تَعْتِقُ فَاِنْ شَرَطَ اَنَّهُ سَائِبَةٌ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ والوِلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ وَ اِذَا اَدَّى الْمُكَاتَبُ عتق وَ وِلَاؤه لِلْمَوْلٰى وَاِنْ عَتَقَ بَعْدَ مَوْتِ الْمَوْلٰى فَوِلَاؤُهُ لِوَرَثَةِ الْمَوْلٰى، وَاِذَا مَاتَ الْمَوْلٰى عَتَقَ مُدَبَّروه وَ اُمَّهَاتُ اَوْلَاده وَ وِلَاؤُهُمْ لَهُ وَ مَنْ مَلَكَ ذَا رَحْمٍ مَحْرَمٍ عَتَقَ عَلَيْهِ وَ وِلَاؤُهُ لَهُ وَ اِذَا تَزَوَّجَ عَبْدُ رَجُل اَمَةَ الْاٰخرِ فَاَعْتَقَ مَوْلٰى الْاَمَةِ الْاَمَةَ وَهِيَ حَامِلٌ مِنَ الْعَبْدِ عَتَقَتْ وَ عَتَقَ حَمْلُهَا وَ وِلَاءُ الْحَمْلِ لِمَوْلٰى الْاُمِّ لَا يَنْتَقِلُ عَنْهُ اَبَداً فَاِنْ وَلَدَتْ بَعْدَ عِتْقِهَا لِاَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَلَداً فَوِلَاؤُهُ لِمَوْلٰى الْاُمِّ فَاِنْ اُعْتِقَ الْاَبُ جَرَّ وِلَاءَ اِبْنِهِ وانْتَقَلَ عَنْ مَوْلٰى الْاُمِّ اِلٰى مَوْلٰى الْاَبِ.

ترجمہ: اگر مرد اپنے غلام کو آزاد کرے تو غلام کی ولاء اس شخص کے لئے ہوگی اسی طرح عورت جو آزاد کرے کسی غلام کو (تو اس کی ولاء کی مستحق ہوگی) اب اگر شرط لگادی کہ مملوک سائبہ ہو یعنی آزادی کے بعد کسی کی ولاء میں نہیں ہوگا تو شرط باطل ہوگی اور ولاء اس شخص کے لئے ہوگی جس نے آزاد کیا ہے اور جب مکاتب نے بدل کتابت ادا کر دیا تو وہ آزاد ہوگیا اور اس کی ولاء مولیٰ کے لئے ہوگی اگر چہ وہ مولیٰ کے مرنے کے بعد آزاد ہوا ہو اور اس کی ولاء مولیٰ کے وارثین کیلئے ہوگی اور اگر مولیٰ مرجائے تو اسکا مدبر غلام اور امہات اولاد سب آزاد ہو جائیں گے اور ان سب کی ولایت مولیٰ کے لئے ہوگی۔ اور جو شخص کسی ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے تو وہ اسپر سے آزاد ہو جائے گا اور اسکی ولاء اس کے مالک کے لئے ہوگی۔

اگر کسی شخص کے غلام نے کسی دوسرے کی باندی سے نکاح کرلیا اس کے بعد باندی کے مولیٰ نے باندی کو آزاد کردیا درانحالیکہ باندی غلام (شوہر) سے حاملہ ہوگئی ہے تو باندی اور باندی کا حمل آزاد ہو دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ اور حمل کے ولاء ماں کے مالک کا ہوگا اور یہ ولاء مالک سے کبھی بھی منتقل نہیں ہوگا۔ اور اگر باندی نے اپنی آزادی کے بعد جو چھ ماہ سے زیادہ گزر چکا ہو بچہ جنا تو بچہ کی ولاء ماں کے مالک کے لئے ہوگا اب اگر باپ آزاد کر دیا جائے تو باپ بیٹی کی ولاء کو کھینچے گا اور ماں کے مولیٰ سے باپ کے مولیٰ کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسئلے مذکور ہیں۔

اذا اعتق……تعتق : مسئلہ(١) اگر کسی شخص نے اپنا غلام آزاد کر دیا تو اس کی ولاء آزاد کرنے والے کو حاصل ہوگی یہی حکم اس وقت بھی ہے جبکہ ایک عورت اپنا غلام آزاد کرے۔

فان شرط……لمن اعتق : مسئلہ(٢) اگر غلام کو آزاد کرنے میں یہ شرط لگادی گئی کہ یہ مملوکہ سائبہ یعنی آزادی کے بعد کسی کی ولاء میں نہیں ہوگا بلکہ خودمختار ہوگا جہاں بھی چاہے اور جو چاہے کرے اور شرط باطل ہوگی اور ولاء آزاد کرنے والے کو حاصل ہوگی۔

واذا ادی…… المولیٰ : مسئلہ(٣) اگر مکاتب نے بدل کتابت ادا کر دیا تو عبد مکاتب آزاد ہوگا اور ولاء مولیٰ کو حاصل ہوگا اگرچہ مولیٰ کے انتقال کے بعد آزاد ہوا ہو۔

واذا مات……ولاؤھم له : مسئلہ(٤) اگر مولیٰ مرجائے تو اس کا مدبر غلام (اور لونڈی) اور ایسی لونڈیاں بھی آزاد ہوجائینگی جن سے اس کی کوئی اولاد ہو اور ہر ایک کی ولا اسی میت مولیٰ کے واسطے ہوگی۔

ومن ملك……ولاؤه له : مسئلہ(٥) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا تزوج الخ : مسئلہ(٦) اگر کسی غلام نے کسی باندی سے شادی کرلی اس شادی کے بعد باندی کے مولیٰ نے باندی کو آزاد کر دیا آزادی سے پہلے یہ باندی اس غلام سے حاملہ ہوگئی تھی تو ایسی صورت میں باندی اور اس کا حمل دونوں آزاد ہوجائیں گے اور حمل کی ولاء ماں (باندی) کے مولیٰ کے لئے ہوگی۔ اور یہ ولاء مولیٰ سے ہرگز منتقل نہیں ہوگی۔ اب اگر باندی نے اپنی آزادی کے بعد کہ اس پر چھ ماہ سے زائد گزر گئے بچہ جنا تو اس بچہ کی ولاء ماں کے مولیٰ کیلئے ہوگی بشرطیکہ باپ آزاد نہ ہوا ہو لیکن اگر باپ آزاد ہوگیا تو باپ اپنے بچہ کی ولاء اپنے مولیٰ کی طرف کھینچ لے گا یعنی اگر بچہ مرجائے تو اس کی ولاء باپ کے موالی کو حاصل ہوگی، گویا اس انداز سے یعنی باپ کی آزادی کی صورت میں بچہ کی ولاء موالی ام سے موالی اب کی طرف منتقل ہوجائے گی۔

ومن تَزَوَّجَ مِنَ العَجَمِ بِمُعْتَقَتِهِ العرب فَوَلَدَتْ لَهُ اَوْلَاداً فَوِلَاءُ وَلَدِهَا لِمَوَالِيْهَا عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَۃَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَااللهُ وَ قَالَ اَبُوْ یُوْ سُفَ رَحِمَهُ اللهُ یَکُوْنُ وِلَاءُ اولادها لِاَبِیْهِمْ لِاَنَّ النَّسَبَ اِلَی الْاٰبَاءِ وَ وِلَاءُ العِتَقَةِ تَعْصِیْبٌ فَاِنْ کَانَ لِلْمُعْتِقِ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسبِ فَهُوَ اَوْلٰی مِنْهُ فَاِنْ لَمْ تَکُنْ لَهُ عَصَبَةٌ مِنَ النَسبِ فَمِیْرَاثُهُ لِلْمُعْتِقِ فَاِنْ مَاتَ الْمَوْلٰی ثُمَّ مَاتَ الْمُعْتَقُ فَمِیْرَاثُهُ لبنی الْمَوْلٰی دُوْنَ بَنَاتِهِ وَ لَیْسَ لِلنساءِ مِنَ الوِلَاءِ اِلَّا مَا اَعْتَقْنَ اَوْ اَعْتَقَ مَنْ اَعْتَقْنَ اَوْ کَاتَبْنَ اَوْ کَاتَبَ مَنْ کَاتَبْنَ اَوْ دَبَّرْنَ اَوْ دَبَّرَ مَنْ دَبَّرْنَ اَوْ جَرَّ وِلَاءَ مُعْتَقِهِن اَوْ مُعتق مُعْتَقِهِنَّ.

ترجمہ : اور جس عجمی نے کسی عربی کی آزاد کردہ سے شادی کی اور اس باندی نے بچہ جنی تو اس باندی کے بچے کی ولاء اس باندی کے آقا کیلئے ہوگی امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ باندی کے بچے کی ولاء بچوں کے باپ کیلئے ہوگی کیونکہ نسب باپ کی طرف ہے اور آزادشدہ باندی کی ولاء موجب تعصیب ہے اب اگر آزاد شدہ کا کوئی نسبی

عصبہ ہو تو یہ ولاء کا زیادہ مستحق ہے معتق کے مقابلہ میں، اور اگر اس کا کوئی نسبی عصبہ نہ ہو تو اس کی میراث آزاد کرنے والے کیلئے ہوگی۔ اگر آقا مر جائے اس کے بعد آزاد کردہ غلام مر جائے تو اس کی میراث آقا کے بیٹوں کیلئے ہوگی نہ کہ اسکی بیٹیوں کیلئے، اور عورتوں کیلئے ولاء نہیں ہے البتہ جن کو عورتوں نے خود آزاد کیا ہو یا آزاد کیا ایسے شخص نے جس کو عورتوں نے آزاد کیا ہو یا جس کو عورتوں نے مکاتب کیا یا مکاتب کیا ایسے شخص نے جس کو عورتوں نے مکاتب کیا ہو یا جس کو عورتوں نے مدبر کیا ہو یا مدبر کیا ایسے شخص نے جس کو عورتوں نے مدبر کیا ہو یا ان کی آزاد کردہ کی ولاء کھینچے یا ان کے آزاد کرنے والے کی آزاد کردہ کی ولاء کھینچ لے۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے ہیں۔

ومن تزوج......الی الآباء : مسئلہ (۱) ایک آزاد عجمی شخص نے کسی عرب کی آزاد کردہ سے شادی کر لی اس سے کوئی اولاد ہوئی تو حضرات طرفین کے نزدیک اس بچے کی ولاء اس عورت کے مولیٰ کیلئے ہوگی، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس عورت کے بچوں کی ولاء بچوں کے باپ کیلئے ہوگی کیونکہ نسب کا تعلق باپ سے حاصل ہوتا ہے۔

ولا العتاقة......دون بناته : مسئلہ (۲) ولاء العتاقۃ عصبہ بنا دیتی ہے چنانچہ اگر ایسا غلام جو آزاد کر دیا گیا ہو اس کا کوئی نسبی عصبہ موجود ہو تو وہ آزاد کرنے والے سے مقدم ہے اور اگر اس غلام کا کوئی عصبہ نسبی نہ ہو تو ایسی صورت میں تو غلام کی میراث آزاد کرنے والے کو ملے گی اب اگر مولیٰ ہی مر گیا اس کے بعد آزاد کردہ غلام بھی مر گیا تو ایسی صورت میں غلام کی میراث مولیٰ کے لڑکوں کو ملے گی لڑکیوں کو نہیں ملے گی۔

ولیس للنساء الخ : مسئلہ (۳) عورتوں کو غلام کی ولاء نہیں ملے گی البتہ اس کے ملنے کی چند صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ عورتوں نے کسی غلام کو آزاد کیا ہو یا انھوں نے جس غلام کو آزاد کیا اس نے کوئی اور غلام آزاد کیا ہو دوسری صورت یہ ہے کہ عورتوں نے غلام کو مکاتب بنایا ہو یا جس غلام کو عورتوں نے مکاتب بنایا اس نے کسی دوسرے غلام کو مکاتب بنایا ہو تیسری صورت یہ ہے کہ عورتوں نے کسی غلام کو مدبر بنایا یا عورتوں نے جس غلام کو مدبر بنایا اس نے کسی دوسرے کو مدبر بنایا ہو۔ اس مدبر کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت اپنے غلام کو مدبر کر کے مرتد ہو کر دار الحرب میں چلی گئی اب اس عورت کے لحوق کے حکم میں ہو جانے کی وجہ سے اس کا عبد مدبر آزاد ہو گیا پھر وہ عورت مسلمان ہو کر آ گئی اور مدبر مر گیا تو مدبر کی ولاء اس عورت کو ملے گی۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ عورتوں کی آزاد کردہ غلام کی ولاء کھینچ جائے یعنی منتقل ہو جائے یا جن غلاموں کو عورتوں نے آزاد کیا ہے ان میں سے کسی غلام نے کسی دوسرے کو آزاد کیا ہو تو اس کے انتقال کے بعد اس کی ولاء عورتوں کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

اس انتقال ولاء کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنے غلام کی شادی کسی حرہ عورت سے کر دی اس عورت سے بچہ پیدا ہو گیا تو بچہ ماں کی تبعیت میں آزاد ہے اب اس کی ولاء موالی ام کیلئے ہے موالی اب کے لئے نہیں ہے۔ اور اگر عورت اپنے غلام کو آزاد کر دے تو غلام اپنے بچہ کی ولاء اپنی طرف کھینچ لے گا اور عورت اپنے معتق کی ولاء اپنی طرف کھینچ لے گی اب اگر بچہ مر جائے تو اس کی میراث اس کے باپ کو ملے گی اور باپ نہ ہونے کی صورت میں ولا اس عورت کو ملے گی جس نے اس کے باپ کو آزاد کیا تھا۔

وَاِذَا تَرَكَ الْمَوْلٰى اِبْنًا وَّاَوْلَادَ ابْنٍ آخَرَ فَمِيْرَاثُ الْمُعْتَقِ لِلْاِبْنِ دُوْنَ بَنِي الْاِبْنِ لِاَنَّ الْوَلَاءَ لِلْكُبْرِ وَ اِذَا اَسْلَمَ رَجُلٌ عَلٰى يَدِ رَجُلٍ وَ وَالَاهُ عَلٰى اَنْ يَّرِثَهٗ وَ يَعْقِلَ عَنْهُ اِذَا جَنٰى اَوْ اَسْلَمَ عَلٰى

یَدِ غَیْرِہٖ وَ وَالَاہُ فالوِلَاءُ صَحِیْحٌ وَ عَقْلُہٗ عَلیٰ مَوْلَاہُ فَاِنْ مَاتَ وَلَا وَارِثَ لَہٗ فَمِیْرَاثُہٗ لِلْمَوْلیٰ وَ اِنْ کَانَ لَہٗ وَارث فَھُوَ اَوْلیٰ مِنْہُ وَ لِلْمَوْلیٰ اَنْ یَنْتَقِلَ عَنْہُ بِوِلَائِہٖ اِلیٰ غَیْرِہٖ مَالَمْ یَعْقِلْ عَنْہُ فَاِنْ عَقَلَ عَنْہُ لَمْ یَکُنْ لَہٗ اَنْ یَتَحَوَّلَ بِوِلَائِہٖ اِلیٰ غَیْرِہٖ وَ لَیْسَ لِمَوْلیٰ العِتَاقۃ اَنْ یُوَالِیَ اَحداً۔

ترجمہ: اور اگر مولیٰ نے ایک بیٹا اور دوسرے بیٹے کی اولاد چھوڑی تو معتق کی میراث بیٹے کیلئے ہوگی نہ کہ بیٹے کے اولاد کی۔ کیونکہ ولاء بڑے کیلئے ہوتی ہے اور اگر ایک شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام لے آئے اور اس سے اس شرط پر موالات کی کہ وہ اسکا وارث ہوگا اور اس کی طرف سے تاوان دے گا اب اگر وہ جنایت کرے یا کسی دوسرے کے ہاتھ پر ایمان لے آئے اور اسی سے موالات کرے تو ولاء صحیح ہے اور اس کا تاوان اس کے مولیٰ پر ہوگا اب اگر وہ شخص مرجائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کی میراث مولیٰ کے لئے ہوگی اور اگر اس کا کوئی وارث ہو تو وہ مولیٰ سے مقدم ہے اور مولیٰ کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی ولاء کو دوسرے کی طرف منتقل کر دے جب تک کہ اس نے غلام کی طرف سے تاوان ادا نہ کیا ہو اور جب تاوان ادا کر دے تو اس کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنی ولاء کو دوسرے کی طرف منتقل کرے اور مولیٰ العتاقہ کو حق نہیں ہے کہ کسی دوسرے کو ولی بنائے۔

ولاء موالاۃ کا بیان

حل لغات: **یعقل:** عقل عن فلان (ن،ض) عقلاً۔ کسی کی جانب سے تاوان یا دیت ادا کرنا۔ **العقل:** دیت جمع عقول۔ **یوالی:** مصدر موالاۃ ہے موالات کرنا۔ کسی کو ولی بنانا۔

تشریح: اس عبارت میں تین مسئلے ہیں۔

واذا ترك ...... للکبیر: مسئلہ (۱) اگر مولی نے انتقال کے بعد بیٹا اور پوتے چھوڑے تو آزاد کردہ غلام کی میراث مولیٰ کے بیٹے کو ملے گی نہ کہ پوتے کو کیونکہ ولاء اور قائم مقامی بڑے کے لئے ہے۔ یہ حضرات طرفین کا مسلک ہے۔ یہاں تک ولاء عتاقہ کا بیان تھا اب اگلی عبارت سے ولاء موالاۃ کا بیان ہوگا۔

واذا اسلم رجل......فھو اولیٰ منه: مسئلہ (۲) اگر ایک شخص دوسرے کے ہاتھ پر اسلام لے آئے اور اس نو مسلم نے اس شخص سے اس شرط پر موالاۃ کی کہ میرے مرنے کے بعد وہ شخص میرے تمام مال کا وارث ہوگا اور اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو وہ اس جرم کی طرف سے تاوان ادا کرے گا یا کسی دوسرے کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور دوسرے مسلم سے بھی موالاۃ کی تو عند الاحناف یہ عقد درست ہے اور جرم کی صورت میں اس کا تاوان اس کے مولیٰ پر ہوگا اب اگر یہ شخص انتقال کر جاتا ہے اور اس کا کوئی وارث بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کی میراث اس کے مولیٰ کے لئے ہوگی لیکن اگر اسکا کوئی وارث ہو تو یہ وارث مولیٰ کے مقابلہ میں مقدم ہے۔

حضرت امام مالکؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک موالاۃ کوئی چیز نہیں ہے۔

وللمولیٰ ان ینتقل الخ: مسئلہ (۳) نو مسلم موالات کرنے والے کے لئے جائز ہے کہ جس مولیٰ سے موالات کی ہے اس سے ہٹ کر دوسرے شخص سے موالات کرے بشرطیکہ مولائے اول نے اس کیطرف سے جرمانہ نہ دیا ہو لیکن اگر

مولائے اول نے اس نومسلم کی طرف سے جرمانہ ادا کردیا ہوتو اس نومسلم کے لئے جائز نہیں ہے کہ مولائے اول کی ولاء سے نکل کر دوسرے کی ولاء میں منتقل ہوجائے (یہاں تک حکم مولی الموالات کا تھا)۔

مولی العتاقہ کے بارے میں صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ مولی العتاقہ کیلئے اختیار نہیں ہیکہ دوسرے سے موالات کرے۔ مثلاً زید نے خالد کو آزاد کردیا اب خالد کی ولاء زید کے ساتھ لازمی ہے پھر اگر خالد نے شعیب سے موالاۃ کرلی تو یہ ولاء موالاۃ ہے جو ولاء عتاقہ کے مقابلہ میں کمزور اور غیر لازمی ہے اس لئے ولاء عتاقہ کے مقابلہ میں اسکا اثر ظاہر نہیں ہوگا۔

کتاب الجنایات

صاحب قدوریؒ کتاب العتاق اور اسکے متعلقات سے فراغت کے بعد کتاب الجنایات کو بیان فرمارہے ہیں ان دونوں کے درمیان مناسبت یہ بیان کی جاتی ہے کہ عتاق میں زندہ کرنا ہے اور جنایت میں ہلاک کرنا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں نیز جنایت میں قصاص ہے اور قصاص میں زندگی ہے آیت کریمہ "ولکم فی القصاص حیوۃ" اب دونوں کتاب میں مناسبت ایک مفہوم کے اعتبار سے ظاہر ہے۔

جنایات: یہ جنایۃ کی جمع ہے جو مصدر ہے اور اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ جنایۃ لغت میں برا کام کرنا، ظلم و زیادتی کرنا۔ یہ جنی یجنی سے ماخوذ ہے۔ شریعت میں اس فعل حرام کا نام ہے جو مال یا جان میں واقع ہو اس تعریف میں چوری، قتل، غصب اور دوسرے جرم مالی اور بدنی داخل ہیں لیکن فقہاء نے اپنی اصطلاح میں غصب اور سرقہ کو اس فعل حرام کے ساتھ خاص کیا ہے جو مال میں واقع ہو اور جنایت کو اس فعل ممنوع کے ساتھ خاص کیا ہے، جو جان اور اطراف یعنی ہاتھ، پاؤں، ناک، کان، اور آنکھ میں واقع ہو۔ جنایت علی النفس کو قتل کہتے ہیں اور جنایت علی الاطراف کو قطع اور جراحت بولتے ہیں۔ اگر تعدی فی الحال ہو تو اسکو عرف شرع میں غصب یا تلف کہتے ہیں۔

القتل علیٰ خمسة اَوْجُهٍ عَمَدٌ وشِبْهُ عَمَدٍ وخطأٌ وَمَا اُجرِی مَجْرَی الخَطَاءِ و القَتْلُ بسَبَبٍ فالعَمَدُ مَا تعَمِدُ ضَربَهُ بسَلاحٍ اَوْ مَا اُجرِیَ مَجْری السّلاحِ فِیْ تَفرِیْقِ الاَجْزاءِ کَالمُحَدَّدِ من الخَشَبِ وَالحَجرِ و النَّارِ وَ مُوْجَبُ ذلك المَاثِمُ والقَوْدُ اِلّا اَنْ یَعفُو الاَوْلِیَاءُ وَ لَا کَفَّارَةَ فِیْهِ وَشِبْهُ العمَدِ عِندَ ابِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ اَنْ یَتعَمَّدَ الضَّرْبَ بِمَ لَیْسَ بِسِلاحٍ وَ لَا مَا اُجْرِی مَجْراهُ وَ قَالَا رَحِمَهُمَااللهُ شِبْهُ العَمَدِ اَنْ یَتعَمَّدَ ضَرْبَهُ بِمَا لَا یُقْتَلُ بِهٖ غَالِباً وَ مُوْجَبُ ذالك علیٰ القولین المَاثِمُ و الکفارَةُ وَ لَا قَوْدَ فِیْهِ وَفِیْهِ دِیَةٌ مُغَلَّظَةٌ علیٰ العاقِلَةِ.

ترجمہ: قتل پانچ قسموں پر ہے قتل عمد، قتل شبہ عمد، قتل خطا، قتل قائم مقام خطا اور قتل بالسبب۔ قتل عمد، کسی ہتھیار یا جو قائم مقام ہتھیار ہو ٹکڑے کردینے میں اس سے مارنے کا ارادہ کرے جیسے لکڑی سے بنا ہوا دھار دار آلہ، پتھر، آگ۔ اس کا موجب گناہ ہے اور قصاص، مگر یہ (مقتول کے) اولیاء (قاتل کو) معاف کردیں اور اس (صورت) میں کفارہ (واجب) نہیں

ہوگا اور قتل شبہ عمد امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ ایسی چیز سے مارنے کا ارادہ کرے جو نہ تو ہتھیار ہے اور نہ ہتھیار کے قائم مقام ہے اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قتل شبہ عمد یہ ہے کہ ایسی چیز سے مارنے کا ارادہ کرے جس سے اکثر قتل نہیں کیا جاتا ہے اور اس کا موجب ہر دو اقوال پر گناہ اور کفارہ ہے۔ اور قتل شبہ عمد میں قصاص نہیں ہے البتہ اسمیں عاقلہ پر دیت مغلظ ہے۔

حل لغات: **عمد**: ارادہ۔ **ماأجری مجری الخطاء**: جو خطا کے قائم مقام ہو۔ **سلاح**: ہتھیار۔ **تفریق الاجزاء**: ٹکڑے کردینا۔ **محدد**: تیز دھاری دار۔ **خشب**: لکڑی۔ **المحدد من الخشب**: لکڑی سے تیارہ شدہ دھاری دار چیز۔ **المأثم**: گناہ، خطا، جرم، واحد مأثمة.

تشریح: اس عبارت میں اقسام قتل، قتل عمد، قتل شبہ عمد کی تعریف منقول ہے۔

القتل ...... بسبب: اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کی پانچ قسمیں ہیں (۱) قتل عمد (۲) قتل شبہ عمد (۳) قتل خطا (۴) جاری مجرائے خطا (۵) قتل بالسبب۔ آئندہ احکام ان قسموں سے متعلق ہوں گے۔

فالعمد ما تعمد...... ولا کفارة فیه: قتل عمد کی تعریف۔ قتل عمد وہ ہے جس سے انسان کو جان سے مار ڈالنا مقصود ہو۔ یہ عمل ہتھیار سے ہو جیسے تلوار چھری وغیرہ۔ یا ایسی نوکدار چیز سے ہو جو تفریق اجزاء ہتھیار کا کام کرتی ہو۔ جیسے نوکدار لکڑی، پتھر، آگ وغیرہ۔ اس قتل کا موجب گناہ ہے اور دوسرا موجب قصاص ہے مگر مال لازم نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مقتول کے اولیاء قصاص اور خون بہاء لینے میں مختار ہیں۔

ہمارے یہاں اس قتل عمد میں کوئی کفارہ نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے یہاں اس قتل میں کفارہ ہے۔

وشبه العمد ...... علی العاقلة: قتل شبہ عمد کی تعریف میں امام ابوحنیفہؒ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تعریف یہ ہے کہ ایسی چیز سے قتل کرنا جو ہتھیار نہ ہو یا ہتھیار کے قائم مقام نہ ہو صاحبین کے نزدیک تعریف یہ ہے کہ ایسی چیز سے مارنا جس سے عام طور پر قتل نہیں کیا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ دونوں قول کے مطابق اس قسم میں گناہ اور کفارہ ہے اور اس میں قصاص نہیں ہے البتہ عاقلہ یعنی مجرم پر دیت مغلظہ ہے یعنی سو اونٹ جن میں ۲۵ ایک سال کے ہوں، ۲۵ دو سال کے ہو، ۲۵ تین سال کے ہوں اور ۲۵ چار سال کے ہوں۔ امام مالکؒ کے نزدیک قتل کی صرف دو قسمیں ہیں (۱) قتل عمد (۲) قتل خطا۔

> والخطاء علیٰ وجْهَینِ خطاء فِیْ القَصْدِ وهو ان یرمِیَ شَخْصاً یظُنُّهٗ صیْداً فاذا هُو آدمِیٌّ وَ خطَاء فِیْ الغفلِ وَ هُوَ ان یرمِیَ غَرَضاً فَیصِیْب اٰدمِیّاً وَ مُوْجَبُ ذالك الكفَّارةُ والدِیَةُ علیٰ العَاقِلَةِ وَلَا مَأثم فِیْه وَ مَا اُجری مجری الخَطاء مِثْل النَّائم ینقَلِب علیٰ رَجُلٍ فَیقْتُلُه فَحُكْمُهٗ حُكْمُ الخطاءِ وَ امّا القَتْل بِسَبَبٍ كَحافِرِ البئر وَواضِع الحَجَرِ فِیْ غَیْرِ مِلْكِهٖ وَ مُوْجَبُهٗ اِذَا تَلَفَ فِیْهِ آدمِیٌّ الدِیَةُ علیٰ العَاقِلَةِ وَ لَا كَفَّارَة عَلَیْه.

ترجمہ: قتل خطا دو قسم پر ہے (۱) خطا فی القصد وہ یہ ہے کہ کسی شخص کی طرف تیر پھینکے یہ خیال کر کے کہ وہ شکار

ہے حالانکہ وہ آدمی ہے (۲) خطائی الفعل ہے وہ یہ ہے کہ کسی نشانہ پر تیر پھینکے اور وہ کسی آدمی کو لگ جائے۔ اس (گناہ) کا موجب (سزا) کفارہ ہے اور رشتہ دار پر دیت ہے البتہ اس میں گناہ نہیں ہے قتل جاری مجرائے خطا (یہ ہے کہ) مثلاً سونے والا کسی پر کروٹ لیلے اور اس کو قتل کردے اس کا حکم خطا کا حکم ہے اور قتل بالسبب (کسی دوسرے سبب سے قتل ہو جانا) مثلاً کنواں کھودنے والا، پتھر کسی دوسرے کی ملکیت میں رکھنے والا اور اس کا موجب جبکہ اس میں آدمی ہلاک ہو جائے تو عاقلہ (رشتہ دار) پر دیت ہے اور اس پر کفارہ نہیں ہے۔

خلاصہ: قتل کی تیسری قسم قتل خطا ہے اس کی دو قسمیں ہے (۱) خطاء فی القصد یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کو شکار سمجھ کر تیر مارا جبکہ وہ آدمی تھا (۲) خطائی الفعل یہ ہے کہ آدمی کسی نشانہ پر تیر چلائے اور وہ کسی آدمی کو لگ جائے تو اس کی سزا کفارہ ہے اور رشتہ دار کے ذمہ دیت ہے اور اس میں کوئی گناہ نہیں ہے چوتھی قسم قتل جاری مجرائے خطا ہے وہ یہ کہ مثال کے طور پر ایک آدمی سو رہا تھا اس نے کروٹ لی اور کوئی دوسرا آدمی کروٹ میں آکر مر گیا اس کا حکم قتل خطا کا حکم ہے یعنی ان دونوں کی سزا کفارہ ہے اور رشتہ دار پر دیت ہے۔ اور کوئی گناہ نہیں ہے۔ پانچویں قسم قتل بالسبب ہے مثلاً کسی حاکم کی اجازت کے بغیر دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھودنا۔ یا پتھر رکھدینا جس سے کوئی شخص مر جائے اس کی سزا رشتہ دار پر دیت ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔

والقِصَاصُ واجبٌ بِقَتْلِ كُلِّ مَحْقُوْنِ الدم علىٰ التابِيْدِ اِذَا قَتَلَ عَمداً وَ يُقتَلُ الحُرُّ بالحُرِّ والحُرُّ بالعَبْدِ والعَبدُ بالعَبْدِ والمُسْلِمُ بالذِّمِّيِّ ولَا يُقتَلُ المُسْلِمُ بِالمُسْتَامِنِ وَ يُقتَلُ الرَّجُلُ بِالمَرْاَةِ وَ لَا يُقتَلُ الرَّجُلُ بِابْنِهٖ وَ لَا بِعَبْدِهٖ وَ لَا بِمُدَبَّرِهٖ وَ لَا بِمكَاتَبِهٖ وَ لَا بِعَبْدِ وَلَدِهٖ وَ مَنْ وَرِثَ قِصَاصاً علىٰ اَبِيْهِ سَقَطَ وَلَا يُسْتَوْفى القِصَاصُ اِلّا بِالسَّيفِ.

ترجمہ: ہر محفوظ الدم دائمی قتل کی وجہ سے قصاص واجب ہے جبکہ عمداً قتل کرے اور آزاد کو آزاد کے بدلے، آزاد کو غلام کے بدلے، غلام کو آزاد کے بدلے، غلام کو غلام کے بدلے اور مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اور مسلمان کو مستامن کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور مرد عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا اور آدمی کو اس کے بیٹے کے بدلے، اس کے غلام کے بدلے، اس کے مدبر، اس کے مکاتب کے بدلے اور اسکے بیٹے کے غلام کے بدلہ قتل نہیں کیا جائے گا اور جو شخص اپنے باپ میں قصاص کا وارث ہو گیا تو ساقط ہو جائے گا اور قصاص نہیں لیا جائے گا مگر تلوار سے۔

وہ لوگ جن سے قصاص لیا جاتا ہے اور جن سے نہیں لیا جاتا ہے

تشریح: والقصاص ...... اذا قتل عمداً: ہر وہ شخص جو دائمی طور پر محفوظ الدم ہو اگر اس کو بالقصد قتل کر دیا جائے تو قاتل پر قصاص واجب ہے۔ اس عبارت میں محقون الدم کی قید سے زانی محض، حربی کافر، مرتد خارج ہو گیا۔ تابید کی قید سے مستامن خارج ہو گیا کیونکہ اس کا دم دارالاسلام میں قیام تک محفوظ ہے۔

ویقتل ...... العبد بالعبد: قاتل کو مقتول کے بدلے قتل کیا جائے گا مقتول خواہ آزاد ہو یا غلام مرد ہو یا عورت چنانچہ احنافؒ کے نزدیک آزاد کو آزاد کے بدلے، آزاد کو غلام کے بدلے، غلام کو آزاد کے بدلے، اور غلام کو غلام کے بدلے قتل کیا

جائے گا البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قاتل پر اس کی قیمت کا تاوان واجب ہو گا۔

والمُسلم بالذمی..... بالمرأة : اور مسلمان کو ذمہ کے بدلے قتل کیا جائے گا، مسلمان کو مستامن کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔

وَلا یقتل الرجل......ولدہٖ : اگر باپ نے بیٹے کو قتل کر دیا تو اس کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا اسی طرح اگر کسی نے اپنے غلام کو قتل کر دیا یا اپنے مدبر یا اپنے مکاتب کو قتل کر دیا یا اپنے بیٹے کے غلام کو قتل کر دیا تو ایسی صورت میں اس شخص کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ سب اس کی ملکیت میں ہیں اور بیٹے کی چیز بھی باپ کی ملکیت ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اگر باپ نے بیٹے کو بالقصد قتل کیا ہے تو اس پر قصاص واجب ہے اور اگر قتل کے ارادہ کے بغیر چھری وغیرہ پھینکی اور اسکو لگی اور وہ مر گئی تو اس پر قصاص واجب نہیں ہے۔

وَمَنْ ورَث......سقط : اگر بیٹا اپنے باپ پر قصاص کا وارث ہو جائے تو یہ قصاص ساقط ہو جائے گا مثلاً ایک شخص نے اپنے خسر محترم کو قتل کر دیا اور قاتل کی بیوی کے علاوہ خسر کا کوئی وارث نہیں ہے اتفاق سے یہ بھی مر گئی تو ایسی صورت میں اس عورت کا لڑکا جو قاتل سے پیدا ہوا ہے اس قصاص کا وراث ہو گا مگر یہ قصاص ساقط ہو جائے گا کیونکہ بیٹا باپ پر مستوجب عقوبت نہیں ہے۔

ولا یُستوفی القصاص الا بالسیف: قاتل سے صرف تلوار سے قصاص لیا جائے گا اگر چہ اس نے قتل میں تلوار کے علاوہ کوئی اور ہتھیار استعمال کیا ہو۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ حضرت امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک قاتل تک وہ عمل کیا اختیار کیا جائے گا جو اس نے مقتول کے ساتھ اختیار کیا ہے بشرطیکہ وہ عمل جائز ہو۔ اصحاب ظواہر کا بھی یہی خیال ہے۔

وَاِذَا قُتِلَ الْمُکَاتَبُ عَمَداً وَ لَیْسَ لَهٗ وارِثٌ اِلَّا الْمَوْلیٰ فَلَهُ الْقِصَاصُ اِنْ لَمْ یَتْرُكْ وَ فَاءً وَ اِنْ تَرَكَ وَ فَاءً وَ وَارِثُهٗ غَیْرَ الْمَوْلیٰ فَلَا قِصَاصَ لَهُمْ وَاِنِ اجْتَمَعُوْا مَعَ الْمَوْلیٰ وَ اِذَا قُتِلَ عَبْدُ الرَّهْنِ لَا یَجِبُ الْقِصَاصُ حَتّیٰ یَجْتَمِعَ الرَّاهِنُ والْمُرْتَهِنُ وَمَنْ جَرَحَ رَجُلاً عَمَداً فَلَمْ یَزَلْ صَاحِبَ فِرَاشٍ حَتّیٰ مَاتَ فَعَلَیْهِ الْقِصَاصُ.

ترجمہ : اگر مکاتب عمداً قتل کر دیا گیا اور اس کا کوئی وارث نہیں ہے سوائے مولیٰ کے تو اسکے لئے قصاص کا حق ہے اگر مکاتب مال نہ چھوڑے۔ اور اگر مکاتب نے مال چھوڑا ہو اور مولیٰ کے علاوہ کوئی اور اس کا وارث ہو تو اس کو قصاص کا حق نہیں ہے اگر چہ یہ لوگ مولیٰ کے ساتھ مل جائیں۔ اور اگر عبد مرہون قتل کر دیا گیا تو قصاص واجب نہیں یہاں تک کہ راہن اور مرتہن دونوں جمع ہو جائیں۔ اور جس شخص نے کسی مرد کو عمداً زخمی کیا اور مسلسل صاحب فراش رہا یہاں تک کہ مر گیا تو اس پر قصاص واجب ہے۔

مکاتب اور عبد مرہون کا قتل

واذا قتل......اجتمعوا مع المولیٰ : قتل مکاتب کی چار صورتیں بیان کی جاتی ہیں صاحب کتاب نے صرف

دوصورتوں کا تذکرہ کیا ہے۔یعنی (۱) اور (۲) والی صورت۔
(۱) مکاتب کو کسی نے عمداً قتل کیا اور اس نے آقا کے علاوہ نہ کوئی وارث چھوڑا اور نہ ہی بدل کتابت (۲) مکاتب کو کسی نے عمداً قتل کیا اور اس نے بدل کتابت، وارث اور مولیٰ سب ہی کو چھوڑا (۳) مکاتب کو کسی نے عمداً قتل کیا اور اس نے مولیٰ کے علاوہ کوئی وارث چھوڑا بدل کتابت نہیں چھوڑا (۴) مکاتب کو کسی نے عمداً قتل کیا اور وہ بدل کتاب اور آقا کو چھوڑ اگر کوئی وارث نہیں چھوڑا۔
پہلی اور تیسری صورت میں بالاتفاق مولیٰ کو قصاص لینے کا حق ہے۔دوسری صورت میں کوئی قصاص نہیں ہے۔چوتھی صورت میں حضرات شیخین کے نزدیک قاتل سے قصاص لیا جائے گا حضرت امام محمدؒ کے نزدیک قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔
واذا قتل عبد الرهن......المرتهن : اگر عبد مرہون کو قتل کر دیا گیا تو قاتل سے قصاص راہن اور مرتہن دونوں کی موجودگی کی صورت میں ہی لیا جائے گا۔امام محمدؒ کے نزدیک عبد مرہون کے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا گرچہ راہن ومرتہن دونوں موجود ہوں۔امام ابو یوسفؒ سے بھی ایک روایت اسی جیسی ہے۔
ومن جرح رجلاً الخ : اگر کسی نے کسی کو عمداً مجروح کر دیا اور وہ شخص اس زخم کی وجہ سے صاحب فراش رہا اور مرگیا تو زخمی کرنے والے پر قصاص واجب ہے۔

وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ عَمداً مِنَ المَفْصَلِ قُطِعَتْ يَدُهُ وَ كَذَا لِكَ الرِجْلُ ومارنُ الأنْفِ وَ الأذن وَمَنْ ضَرَبَ عَيْنَ رَجُلٍ فَقَلَعَهَا فَلَا قِصَاص عَلَيْهِ فَاِنْ كَانَتْ قَائِمَةً وَ ذَهَبَ ضَوْئُهَا فَعَلَيْهِ القِصَاصُ تُحْمىٰ لَهُ المِرْأة و يُجْعَلُ علىٰ وَجْهِهِ قُطْنٌ و رَطَبٌ وَ تُقَابَلُ عَيْنِيهِ بِالمِرْأةِ حَتىٰ يَذْهَبَ ضَوْئُهَا وَفِى السِنِّ القِصَاصُ وَ فِى كُلِّ شَجَّة يُمْكِنُ فِيهَا المُمَاثَلَهُ القِصَاصُ وَلَا قِصَاص فِى عَظْمٍ اِلَّا فِى السِنِّ.

ترجمہ : اور جس شخص نے کسی کا ہاتھ جوڑ سے عمداً کاٹا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اسی طرح پاؤں، نرمۂ بینی اور کان بھی۔اور جس شخص نے کسی کی آنکھ پر مارا اور اس کو نکالدیا تو اس پر کوئی قصاص نہیں ہے اب اگر آنکھ باقی ہے مگر اس کی روشنی جاتی رہے تو اس پر قصاص واجب ہے قصاص کے لئے شیشہ گرم کیا جائے اور مارنے والے کے چہرے پر تر روئی رکھی جائے اور اس گرم شیشہ کو اس کی آنکھ کے بالمقابل رکھا جائے یہاں تک کہ اس آنکھ کی روشنی چلی جائے۔اور دانت میں قصاص ہے۔ہر ایسے زخم میں جس میں مماثلت ممکن ہو قصاص لازم ہے۔اور ہڈی میں قصاص نہیں ہے سوائے دانت کے۔

جان کے علاوہ کے قصاص کا بیان

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے ہیں۔
ومن قطع ...... الاذن : اطراف جسم کو قصاص میں کاٹنے کا اصول یہ ہے کہ جن اعضاء واطراف میں قصاص ممکن ہو وہاں کا قصاص لیا جائے گا اور جہاں ممکن نہ ہو وہاں کا قصاص نہیں لیا جائے گا وہاں نقد کو پیش نظر رکھا جائے گا۔چنانچہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کا ہاتھ جوڑ پر سے کاٹ دیا تو قاطع کا ہاتھ وہیں کاٹا جائے گا اور یہی حکم پاؤں، نرمۂ بینی اور کان کا ہے۔

ومن ضرب عین ...... ضوئها : مسئلہ (۲) اگر کسی نے دوسرے کی آنکھ پر مارا اور گوشۂ چشم بھی نکال دیا تو ایسی صورت میں کوئی قصاص نہیں البتہ اگر آنکھ موجود ہے اور اسکی روشنی جاتی رہی تو قصاص واجب ہے اور اس قصاص کی صورت یہ ہے کہ ایک شیشہ گرم کیا جائے اور مارنے والے کے چہرہ پر ایک تر روئی رکھی جائے اس کے بعد اس گرم شیشہ کو اس کی آنکھ کے بالمقابل رکھا جائے یہاں تک کہ اس کی آنکھ کی روشنی چلی جائے۔

وفی السن الخ : مسئلہ (۳) دانت میں اور ہر اس زخم میں قصاص ہے جس میں مماثلت ممکن ہو اور سوائے دانت کے کسی بھی ہڈی کے ٹوٹنے میں قصاص نہیں ہے۔

وَلَيْسَ فِيما دون النفس شبه عمدٍ اِنَّمَا هُوَ عَمَدٌ اَوْ خطاءٌ وَلَا قِصَاصَ بَيْنَ الرَّجُلِ والمَرْأةِ فِيمَا دُوْنَ النَّفْسِ وَلَا بَيْنَ الحُرِّ والعَبْدِ وَ لَا بَيْنَ العَبْدَيْنِ وَ يَجِبُ القِصَاصُ فِي الاَطْرافِ بَيْنَ المُسْلِمِ والكَافِرِ وَ مَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ مِنْ نِصْفِ السَاعِدَ اَوْ جَرَحَهُ جَائِفَةً فَبَرأَمِنْهَا فَلَا قِصَاصَ عَلَيْهِ .

ترجمہ : اور جان سے کم تر (ہاتھ پاؤں وغیرہ) میں شبہ عمد نہیں ہے وہ تو عمد یا خطا ہے اور مرد وعورت کے درمیان جان سے کم تر میں قصاص نہیں ہے اور نہ ہی آزاد و غلام کے درمیان اور نہ دو غلام کے درمیان (قصاص ہے) اور مسلمان وکافر کے درمیان اطراف (اعضاء) میں قصاص واجب ہے۔ اور جس نے کسی شخص کا ہاتھ نصف بازو سے کاٹ دیا یا اس کو پیٹ تک زخم لگایا اور وہ اس سے اچھا ہو گیا تو اس پر قصاص واجب نہیں ہے۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے ہیں۔

و لیس فیما...... خطاء : مسئلہ (۱) اگر کسی نے کسی کو جان سے نہ مار کر صرف ہاتھ یا پاؤں کاٹا تو یہ شبہ عمد نہیں ہے بلکہ اس میں تو صرف قتل عمد یا قتل خطا کی دو صورتیں ہیں۔

ولاقصاص ......العبدین : مسئلہ (۲) اگر کسی مرد نے کسی عورت کا یا آزاد مرد نے غلام کا یا ایک غلام نے دوسرے غلام کا ہاتھ یا پیر وغیرہ کاٹ دیا تو احناف کے نزدیک قاطع پر قصاص نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک ان سب صورتوں میں قصاص واجب ہے۔

ویجب القصاص ......الکافر : مسئلہ (۳) مسلمان اور کافر کے درمیان قطع عضو پر قصاص جاری ہوگا یعنی اگر ایک نے دوسرے کا عضو کاٹ دیا تو قاطع کا عضو قصاصاً کاٹا جائے گا۔

ومن قطع یَدَ رجل الخ : مسئلہ (۴) اگر کسی نے دوسرے کا ہاتھ نصف ساعد سے کاٹ دیا یا اس کو سینے یا کمر کی طرف سے ایسا زخمی کیا جو پیٹ تک پہونچ گیا اور (علاج ومعالجہ کے نتیجہ میں) شفاء یاب ہو گیا تو ایسے قاطع یا جارح پر کوئی قصاص نہیں ہے۔

وَاِذَا كَانَ يَدُ المَقْطُوْعِ صَحِيْحَةً وَيدُ القَاطِعِ شَلَّاءَ او نَاقِصَةَ الاَصَابِعِ فالمَقْطُوْعُ بِالخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَطَعَ اليَدَ المَعِيْبَةَ وَ لَا شئ لَهٗ غَيْرَها وانْ شَاءَ اَخَذَ الاَرْشَ كَامِلاً وَ مَنْ

شَجَّ رَجُلاً فاستوعَبَت الشَجَّةُ مَابَيْنَ قَرنَيْهِ وَهِيَ لاتَستَوعِبُ مَا بَيْنَ قَرنَي الشَّاجِّ فالمَشْجُوْجُ بِالخيَارِ اِنْ شَاءَ اقْتَصَّ بِمِقْدَارِ شَجَّتِهٖ يَبْتَدِئ مِنْ اَيِّ الجَانِبَيْنِ شَاءَ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ الاَرْشَ كَامِلاً وَلَا قِصَاصَ فِي اللِّسَانِ وَ لَا فِي الذَّكَرِ اِلَّا اَنْ يَقْطَعَ الحَشْفَةَ.

ترجمہ: اور اگر کٹا ہوا ہاتھ تندرست ہو اور کاٹنے والے کا ہاتھ شل (بیکار، خشک شدہ) ہو یا انگلیاں کم ہوں تو مقطوع الید کو اختیار ہے اگر چاہے تو عیب دار ہاتھ کو کاٹ دے تو اس کے لئے اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوگا اور چاہے تو مکمل دیت وصول کر لے۔ اور جس نے کسی کو زخمی کر دیا اور زخم نے سر کے دونوں جانبوں کو گھیر لیا اور یہ زخم جارح کے سر کے دونوں جانبوں کو نہیں گھیرتا ہے تو زخم خوردہ کو اختیار ہے چاہے تو اپنے زخم کی مقدار کے مطابق قصاص لے لے اور جس جانب سے چاہے شروع کرے اور چاہے تو مکمل دیت وصول کر لے۔ اور زبان اور ذکر میں قصاص نہیں ہے بشرطیکہ حشفہ نہ کاٹے۔

قصاص کے متفرق احکام

حل لغات: شلاء: خشک شدہ، لنجا۔ المعیبۃ: عیب دار۔ الارش: نفس کے علاوہ اعضاء، اطراف میں جنایت کی وجہ سے جو لازم آتا ہے۔ شج الرأس (ن، ض) شجاً: زخمی کرنا، توڑنا۔ الشجّۃ: سر کا زخم۔ قَرنَیْہ: یہ قرن کا تثنیہ ہے انسان کے سر کا وہ حصہ جہاں پر جانور کو سینگ نکلتا ہے۔ تستوعب: از استفعال۔ گھیرنا۔ الشاج: سر میں زخم لگانے والا۔ المشوج: ایسا شخص جس سر میں زخم ہو۔ الحشفۃ: عضو تناسل کی سپاری۔

واذا کان ...... الاَرْش کاملاً: مسئلہ (۱) اگر مقطوع الید کا ہاتھ تندرست ہو اور قاطع کا لنجا یا اس کی انگلیاں ناقص ہوں تو ایسی صورت میں مقطوع الید کو اختیار ہے چاہے تو قاطع ید کا معیوب ہاتھ کاٹ دے اور اس کے علاوہ کچھ نہ لے اور چاہے تو ہاتھ نہ کاٹ کر دیت کامل وصول کرے۔ مفتی بہ قول یہی ہے۔

ومن شج...... الارش کاملاً: مسئلہ (۲) ترجمہ سے مسئلہ واضح ہے۔

ولا قصاص الخ: مسئلہ (۳) اس عبارت کا مفہوم بھی واضح ہے۔

وَ اِذَا اصْطَلَحَ القَاتِلُ اَوْلِيَاءَ المَقْتُوْلِ عَلىٰ مَالٍ سَقَطَ القِصَاصُ وَ وَجَبَ المَالُ قَلِيلاً كَانَ اَوْ كَثِيراً فَاِنْ عَفىٰ اَحَدُ الشركَاءِ مِنَ الدَمِ اَوْ صَالَحَ مِنْ نَصِيْبِهٖ عَلىٰ عِوَضٍ سَقَطَ حَقُّ البَاقِيْنَ مِنَ القِصَاصِ وَ كَانَ لَهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِنَ الدِّيَةِ وَ اِذَا قَتَلَ جَمَاعَةٌ وَاحِداً اُقْتُصَّ مِنْ جَمِيْعِهِمْ وَ اِذَا قَتَلَ وَاحِدٌ جَمَاعَةً فَحَضَرَ اَوْلِيَاءُ المَقْتُوْلِيْنَ قُتِلَ لِجَمَاعَتِهِمْ وَ لَا شَيْئَ لَهُمْ غَيْرَ ذٰلِكَ وَ اِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ قُتِلَ لَهٗ وَ سَقَطَ حَقُّ البَاقِيْنَ.

ترجمہ: اور اگر قاتل مقتول کے اولیاء سے کسی مال پر صلح کر لے تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور مال واجب ہو جائے گا مال کم ہو یا زائد اب اگر کوئی شریک خون معاف کر دے یا اپنے حصہ کی طرف سے کسی عوض پر صلح کر لے تو باقی اولیاء

کا حق قصاص ساقط ہو جائے گا اور دیت میں سے ان کا حصہ ہوگا اور اگر کسی جماعت نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو پوری جماعت سے قصاص لیا جائے گا اور اگر ایک شخص نے ایک جماعت کو قتل کر دیا اور مقتولین کے اولیاء حاضر ہو جائیں تو اس شخص کو ان تمام لوگوں کے لئے قتل کیا جائے گا اور انکے لئے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا اور اگر جماعت میں سے ایک حاضر ہوا تو وہ شخص ان کیلئے قتل کیا جائے گا اور باقی کا حق ساقط ہو جائے گا۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے ہیں۔

واذا اصطلح ...... من الدية : مسئلہ (۱) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے البتہ ایک مثال پیش کی جا رہی ہے۔ مثلاً زید نے عمرو کو قتل کیا عمرو کے چند ورثہ ہیں جن میں سے بعض نے قصاص کو معاف کر دیا یا اپنے حصہ کی جانب سے کچھ مال پر صلح کر لی تو سب کا حق قصاص ساقط ہو جائے گا اور باقی ورثہ کا حق مال دیت کی طرف منتقل ہو جائے گا اب جن ورثہ نے نہ قصاص معاف کیا نہ صلح کی تو وہ اپنا حصہ دیت سے پائیں گے۔

واذا قتل جماعة ...... من جميعهم : مسئلہ (۲) اگر ایک جماعت کو قتل کر دیا اور مقتولین کے اولیاء حاضر ہو گئے تو پوری جماعت کے بدلے میں اس شخص کو قتل کیا جائے گا اور اس کیلئے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور یہی قتل سب کے لئے کفایت کر جائے گا اور اگر اولیاء میں سے صرف ایک حاضر ہوا تو صرف اس ایک کیلئے قتل کیا جائے گا اور باقی اولیاء مقتولین کا حق قصاص ساقط ہو جائے گا۔

وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ القِصَاصُ فَمَاتَ سَقَطَ القِصَاصُ وَ اِذَا قَطَعَ رَجُلَانِ يَدَ رَجُلٍ فَلَا قِصَاصَ عَلٰى وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَعَلَيْهِمَا نِصْفُ الدِّيَةِ وَ اِنْ قَطَعَ وَاحِدٌ يَمِيْنَيْ رَجُلَيْنِ فَحَضَرَا فَلَهُمَا اَنْ يَقْطَعَا يَمِيْنَهُ وَ يَاْخُذَا مِنْهُ نِصْفَ الدِّيَةِ يَقْتَسِمَانِهَا نِصْفَيْنِ وَ اِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ مِنْهُمَا قَطَعَ يَدَهُ وَ لِلْآخَرِ عَلَيْهِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَ اِذَا اَقَرَّ العَبْدُ بِقَتْلِ العَمْدِ لَزِمَهُ القَوَدُ وَمَنْ رَمٰى رَجُلًا عَمَدًا فَنَفَذَ السَّهْمُ اِلٰى آخَرَ فَمَاتَا فَعَلَيْهِ القِصَاصُ لِلْاَوَّلِ وَالدِّيَةُ لِلثَّانِيْ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ.

ترجمہ : اور جس شخص پر قصاص واجب ہوا اور وہ مر جائے تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور اگر دو آدمی کسی کا ہاتھ کاٹ دیں تو ان میں سے کسی پر قصاص واجب نہیں ہے بلکہ ان دونوں پر نصف دیت (کا تاوان) واجب ہوگا اور اگر ایک شخص نے دو شخص کے داہنے ہاتھ کاٹ دیئے اور دونوں حاضر ہو گئے تو ان دونوں کو اختیار ہے کہ (یا تو) دونوں اس کا داہنا ہاتھ کاٹیں یا نصف دیت (تاوان) لیں اور دونوں اسے نصف نصف تقسیم کر لیں اور اگر ان میں سے ایک آیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دے اور دوسرا نصف دیت (کا تاوان) لے لے۔ اور اگر غلام نے قتل عمد کا اقرار کیا تو اس پر قصاص واجب ہے اور جس شخص نے کسی کو قصداً تیر مارا اور اس سے پار ہو کر دوسرے کو لگ گیا اور (اس تیر سے) دونوں مر گئے تو اس شخص پر اول شخص کے لئے قصاص ہوگا اور دوسرے کیلئے اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی۔

تشریح : اس عبارت میں پانچ مسئلے ہیں۔

ومن وجب...... سقط القصاص : مسئلہ (۱) ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا قطع...... نصف الدية : مسئلہ (۲) ترجمہ سے واضح ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

وان قطع واحد...... نصف الدية : مسئلہ (۳) اس عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا اقر ......لزمه القود : مسئلہ (۴) یہ مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

ومن رمیٰ الخ : مسئلہ (۵) مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

كتاب الديات

دیت کا بیان

اذا قتل رجلٌ رَجُلاً شِبْهَ عَمَدٍ فعلیٰ عَاقِلَته دِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ وَ عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَ دِيَةُ شِبْهَةِ العَمَدِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَاَبِیْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا الله مائة مِنَ الإبِلِ اَرْبَاعاً خَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَ خَمْسٌ وَ عِشْرُوْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَ خَمْسٌ وعِشْرُوْنَ حِقَّةٌ وَ خَمْسٌ وَ عِشْرُوْنَ جِذْعَةً وَ لَا يَثْبُتُ التَغْلِيْظُ اِلَّا فِیْ الإبِلِ خَاصَّة فَاِنْ قَضیٰ بِالدِّيَةِ مِنْ غَيْرِ الإبِلِ لَمْ تَتَغَلَّظْ وَ قَتْلُ الخَطَاءِ يَجِبُ فِيْهِ الدِّيَةُ علیٰ العَاقِلَةِ والكَفَّارَةُ علیٰ القَاتِلِ والدِّيَةُ فِیْ الخَطَا مِائةٌ مِنَ الإبِلِ اَخْمَاساً عِشْرُوْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ وَ عِشْرُوْنَ اِبْنُ مَخَاضٍ وعِشْرُوْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَ عِشْرُوْنَ حِقَّةٌ وعِشْرُوْنَ جِذْعَةٌ وَمِنَ العَيْنِ الف دِيْنَارٍ وَمِنَ الوَرَقِ عَشْرَةُ الافٍ وَلَا يَثْبُتُ الدِّيَةُ اِلَّا مِنْ هٰذِهِ الانوَاعِ الثَلٰثَةِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رحِمَهُ الله وَ قَالَا رَحِمَهُمَاالله مِنْهَا وَ مِنَ البَقَرِ مائتا بَقَرةٍ وَمِنَ الغَنَمِ الفا شَاةٍ وَ مِنَ الحُلَلِ مِائَتَا حُلَّةٍ كُلُّ حُلَّةٍ ثَوْبَانِ.

ترجمہ : اگر ایک شخص نے کسی کو شبہ عمد سے قتل کر دیا تو اس کے عاقلہ (رشتہ داروں) پر دیت مغلظہ ہے اور قاتل پر کفارہ ہے اور شبہ عمد کی دیت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک سو اونٹ ہیں (جو) چار طرح کے ہیں یعنی پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقہ اور پچیس جذعہ اور دیت مغلظہ بالخصوص صرف اونٹوں میں ہوتی ہے، اب اگر دیت اونٹ کے علاوہ سے ادا کر دی تو وہ دیت مغلظہ نہیں ہوگی۔ اور قتل خطا میں دیت عاقلہ (باپ کیطرف کے رشتہ داروں) پر واجب ہے اور کفارہ قاتل پر ہے اور دیت قتل خطا میں سو اونٹ ہیں (جو) پانچ طرح کے (ہیں) بیس بنت مخاض، بیس ابن مخاض، بیس بنت لبون، بیس حقہ اور بیس جذعے اور سونے سے ایک ہزار دینار، اور چاندی سے دس ہزار درہم۔ اور دیت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف ان تین قسموں سے ثابت ہوتی ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک ان تین قسمیں سے اسی کے ساتھ گائے سے دو سو گائے اور بکری سے دو ہزار بکریاں۔ اور جوڑوں سے دو سو جوڑے اور ہر جوڑے میں دو کپڑے ہوں گے۔

حل لغات : دیات: واحد دية تاواؤ کے عوض میں ہے کیونکہ یہ ودی سے مشتق ہے اس کی ترکیب معنی جری وخروج پر دال ہے چنانچہ وادی کو وادی اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے پانی جاری ہوتا ہے اصطلاح میں دیت آدمی یا آدمی کے عضو کے مالی عوض کا نام ہے، خوں بہا۔ عاقلة: کنبے قبیلے کے لوگ، باپ کی طرف سے رشتہ دار۔ بنت مخاض: یکسالہ اونٹنی۔ بنت لبون: دوسالہ۔ حقه: تین سالہ۔ جذعه: چار سالہ۔ عين: سونا۔ ورق: چاندی۔ بقر: گائے۔ غنم: بکری۔ شاة: بکری۔ حلل: حلة کی جمع ہے کپڑوں کا جوڑا۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسئلے ہیں۔

اذا قتل...... كفارة : مسئلہ (۱) ترجمہ سے صورت مسئلہ واضح ہے۔

و دية شبه......لم تتغلظ : مسئلہ (۲) ترجمہ سے مسئلہ واضح ہے۔ شبہ عمد کی دیت حضرات شیخین کے نزدیک ہے، امام محمدؒ، امام شافعیؒ اور ایک روایت میں امام احمدؒ کے نزدیک بطریق اثلاث ہیں یعنی ۳۰ حقے، ۳۰ جذعے، ۴۰ ثنیے (جو چھ سال کو ہو) جو حاملہ ہو۔

وقتل الخطاء......والكفارة على القاتل : مسئلہ (۳) مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

والدية......عشرون جذعة : مسئلہ (۴) اس عبارت میں قتل خطا کی دیت کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ احناف اور امام احمدؒ کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مسلک احناف کے مطابق ہے فرق صرف یہ ہے کہ احناف کے نزدیک بیس اونٹ ایک سالہ میں اور ان دونوں امام کے نزدیک دوسالہ بیس اونٹ ہیں۔

ومن العين ...... عشرة آلافٍ : مسئلہ (۵) اگر سونے سے قتل خطاء کی دیت ادا کرنی ہو تو اس کی مقدار ایک ہزار دینار ہے اور چاندی سے ادا کرنی ہو تو اس کی تعداد دس ہزار درہم ہیں یہ احناف کے نزدیک ہے۔ امام مالک اور امام شافعیؒ کے نزدیک سونے کی مقدار احناف کے مطابق ہے البتہ چاندی سے بارہ ہزار درہم ہیں۔

ولا يثبت الدية الخ : مسئلہ (۶) صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیت صرف مذکورہ تین اقسام (اونٹ، سونا، چاندی) سے ادا ہوگی اسکے علاوہ سے ادا نہیں ہوگی۔ اور حضرات صاحبینؒ ان تین اقسام کے علاوہ گائے سے جس کی مقدار دو سو ہے اسی طرح بکریوں سے جس کی مقدار دو ہزار ہے اور جوڑوں سے بھی، جس کی مقدار دو سو جوڑے ہیں اور ہر جوڑا دو کپڑوں پر مشتمل ہوگا۔

وَدِيَةُ الْمُسلِمِ والذِّمِّيِّ سواء وَ فِي النَّفْسِ الدية وفي المارن الدية وفِيْ اللسان الدية وفِيْ الذكر الدية وفِيْ العقل اذا ضَرَبَ رَاسَهُ فَذَهَبَ عَقْلُهُ الدِّيَةُ وفِي اللِّحيَةِ اذا حُلِقَتْ فَلَمْ تَنْبُتِ الدِّيَةُ وَ فِيْ شَعْرِ الرَّاسِ الدِيَةُ وَ فِي الحَاجِبَيْنِ الدِيَةُ وفِي الرِجْلَيْنِ الدِّيَةُ وفِي الاذنَينِ الدِيَةُ وفِي الشَفَتَيْنِ الدِيَةُ وفِي الانثيينِ الدِيَةُ وَ فِي ثَديَي المَرأةِ الدِّيَةُ وفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِن هٰذِهِ الاشياءِ نِصفُ الدِّيَةِ وفِي اَشفَارِ العَيْنَيْنِ الدِّيَةُ وفِي اَحدِهمارُبْعُ الدِّيَةِ وفِي كُلِّ اِصْبَعٍ مِنْ اصابعِ اليَدَيْنِ والرِجْلَيْنِ عشْرُ الدِيَةِ والاَصَابعُ كُلُّهَا سَوَاءٌ وَ كُلُّ اِصْبَعٍ فِيهَا ثلثُ

مَفَاصِلَ فَفِیْ اَحَدِهَا ثُلُثُ دِیَةِ الاِصْبَعِ وَ مَا فِیْهَا مَفْصَلَان فَفِیْ اَحَدِهِمَا نِصْفُ دِیَةِ الاِصْبَعِ وَ فِیْ کُلِّ سِنٍّ خَمْسٌ مِنَ الاِبْلِ الاَسْنَانُ وَالاَضْرَاسُ کُلُّهَا سَوَاءٌ وَ مَنْ ضَرَبَ عَضْواً فَاَذْهَبَ مَنْفَعَتَهٗ فَفِیْهِ دِیَةٌ کَامِلَةٌ کَمَا لَوْ قَطَعَهٗ کَالْیَدِ اِذَا شَلَّتْ وَالعَیْنِ اِذَا ذَهَبَ ضَوْؤُهَا.

ترجمہ: اور مسلمان اور ذمی کے دیت برابر ہے۔ جان میں دیت ہے اور نرمۂ بینی میں دیت ہے، اور زبان میں دیت ہے اور عضو تناسل میں دیت ہے۔ اور عقل میں جبکہ اس کے سر پر کسی نے مار دیا اور اس کی عقل جاتی رہی دیت ہے اور ڈاڑھی میں جب کہ مونڈی جائے اور نہ اُگے (تو) دیت ہے اور سر کے بال میں دیت ہے اور دونوں بھو میں دیت ہے۔ دونوں کانوں میں دیت ہے۔ دونوں ہونٹوں میں دیت ہے۔ دونوں خصیوں میں دیت ہے، عورت کی دونوں چھاتیوں میں دیت ہے۔ اور ان اشیاء میں سے ہر ایک میں نصف دیت ہے۔ دونوں آنکھوں کی دونوں پلکوں میں دیت ہے، اور ان میں سے ایک میں چوتھائی دیت ہے، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کی انگلیوں سے ہر ایک انگلی میں دیت کا دسواں حصہ ہے۔ تمام انگلیاں برابر ہیں اور ہر انگلی میں تین گرہیں ہیں تو ایک گرہ میں (ایک) انگلی کی تہائی دیت ہے اور جس (انگلی) میں دو گرہ ہیں تو اس کی ایک گرہ میں (ایک) انگلی کی نصف دیت ہے اور ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔ دانت اور ڈاڑھیں سب برابر ہیں۔ اور جس شخص نے کسی عضو پر مارا اور اس کے نفع کو ختم کر دیا تو اس میں مکمل دیت ہے جیسے کہ اگر کوئی اس کو کاٹ دیتا جیسے کہ ہاتھ اگر شل (بیکار) ہو جائے اور آنکھ جب کہ اسکی روشنی جاتی رہے۔

حل لغات: المارن: نرمۂ بینی۔ تنبت نبت (ن) نبتاً: اگنا۔ حاجبین: تثنیہ۔ واحد حاجب، بھوں، ابرو۔ الشفتین: تثنیہ واحد شفۃ، ہونٹ۔ انثیین: خصیتین۔ ثدی: تثنیہ واحد ثدی، پستان۔ اشفار: جمع شفر پلک۔ مفاصل: جمع مفصل، جوڑ گرہ۔ اضراس: جمع ضرس ڈاڑھ۔ شلت: تانیث کا صیغہ ہے شل (ن) شلاً خشک ہونا، لنجا ہونا۔

تشریح: اس عبارت میں دس مسئلے ہیں۔

ودیة المسلم...... سواء: مسئلہ (۱) احناف کے نزدیک مسلم اور ذمی دونوں کی دیت برابر ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہود و نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہیں۔ آتش پرست کی آٹھ سو درہم ہیں اور امام مالک کے نزدیک یہود و نصرانی کی دیت چھ ہزار درہم ہیں۔

وفی النفس...... عقله الدیة: مسئلہ (۲) اس عبارت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر عضو کی دیت کامل ہوگی کیونکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب اعضاء کی جنس منفعت یا آدمی کا حسن و جمال بطریق اتم زائل ہو جائے تو پوری دیت واجب ہوگی۔

وفی اللحیة...... الدیة: مسئلہ (۳) اگر کسی کے ڈاڑھی کے بال یا سر کے بال اکھاڑ دیے گئے اور پھر وہ نہ اُگیں تو پوری دیت واجب ہوگی۔ امام مالکؒ و شافعیؒ کے یہاں ایک عادل کا فیصلہ معتبر ہے دیت واجب نہیں ہوگی۔

وفی الحاجبین...... نصف الدیة: مسئلہ (۴) اس عبارت میں یہ بتانا ہے کہ انسان کے وہ اعضاء جو دو ہیں جیسے بھوں، ہاتھ، پاؤں، کان، ہونٹ، خصیہ، پستان۔ اگر دونوں کاٹ دیے جائیں تو دیت کامل واجب ہوگی اور اگر ان میں سے ایک کو کاٹا تو نصف دیت واجب ہوگی۔

وفی اشفا...... ربع الدیۃ : مسئلہ (۵) جو چار عضو ہیں جیسے پلک کہ اگر چاروں کو ختم کر دیا تو دیت کامل ہوگی اور اگر ایک کو ختم کر دیا تو چوتھائی دیت ہوگی۔ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ یہ نہ اگیں۔ اگر اُگ جاتی ہیں تو کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔

وفی کل اصبع......سواء : مسئلہ (۶) اور جو دس عضو ہیں جیسے ہاتھ اور پیر کی انگلیاں تو دسوں کے کاٹنے میں دیت کامل واجب ہوگی اور اگر ایک کاٹا ہو تو دسواں حصہ واجب ہوگا۔ اور تمام انگلیاں حکماً برابر ہیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی۔

وکل اصبع......دیۃ الاصبع : مسئلہ (۷) ایک انگلی میں تین گرہیں ہوتی ہیں تو ایک گرہ کی دیت انگلی کی تہائی دیت ہے اور جس انگلی میں دو گرہیں ہیں تو ایک گرہ کی دیت انگلی کی نصف دیت ہے۔

وفی کل سن خمس من الابل : مسئلہ (۸) ہر ایک دانت کی دیت پانچ اونٹ ہے بشرطیکہ خطاءً ہو اگر عمداً ہو تو قصاص واجب ہوگا اور عورت کے دانت کی دیت مرد کے دانت کی دیت کا نصف ہے۔ اور اگر دیت درہم سے ادا کرنی ہے تو پانچ سو درہم ہوں گے۔ (اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لئے الجوہرۃ النیرۃ جلد۲ ص ۱۹۵ ملاحظہ فرمائیں)۔

والاسنان والاضراس کلھا سواء : مسئلہ (۹) دانت اور ڈاڑھ دونوں حکماً برابر ہیں۔

ومن ضرب الخ : مسئلہ (۱۰) اس عبارت سے یہ بتانا ہے کہ اگر کسی چوٹ سے کسی عضو کی منفعت فوت ہو جائے تو دیت کامل واجب ہوگی جس طرح اگر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، کسی کا ہاتھ شل ہو جائے یا کسی آنکھ کی روشنی جاتی رہے تو ان تمام صورتوں میں دیت کامل واجب ہوگی کیونکہ منفعت کا فوت ہو جانا گویا اس عضو کا ختم ہو جانا ہے تو یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ صرف ضرب سے عضو کی منفعت فوت ہو جائے۔

وَالشِجَاجُ عَشْرٌ الحَارِصَةُ والدامِعَةُ والدامِيَةُ. والبَاضِعَةُ وَالمُتلاحِمَةُ والسِمحَاقُ وَالمُوضِحَةُ وَ الهَاشِمَةُ والمُنقِلَةُ والآمَةُ فَفِيْ المُوْضِحَةِ القِصَاصُ اِنْ كَانَتْ عَمداً وَ لَا قِصَاصَ فِيْ بَقِيَةِ الشِجَاجِ وَ فِيْ مَا دُوْنَ المُوْضِحَةِ حكُوْمَةُ عَدْلٍ وَ فِيْ المُوْضِحَةِ اِنْ كَانَتْ خَطَاءً نِصْفُ عُشْرِ الدِيَةِ وَ فِيْ الهَاشِمَةِ عُشْرُ الدِيَةِ وَ فِيْ المُنَقِلَةِ عُشْرٌ وَ نِصْفُ عُشْرٍ وَ فِيْ الآمَةِ ثُلُثُ الدِيَةِ وَ فِيْ الجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِيَةِ فَاِنْ نَفَذَتْ فَهِيَ جَائِفتَانِ فَفِيْهَا ثُلُثَا الدِيَةِ.

ترجمہ : اور زخم دس ہیں۔ حارضہ، دامعہ، دامیہ، باضعہ، متلاحمہ، سمحاق، موضحہ، ہاشمہ، منقلہ، آمہ۔ اور موضحہ میں قصاص ہے بشرطیکہ عمداً ہو اور باقی زخموں میں قصاص نہیں ہے اور موضحہ سے کم میں ایک عادل شخص کا فیصلہ ہے اور موضحہ بشرطیکہ خطاءً ہو دیت کے دسواں کا نصف (بیسواں) حصہ ہے اور ہاشمہ میں دیت کا دسواں حصہ ہے اور منقلہ میں دسواں اور دسواں کا نصف (بیسواں) حصہ ہے اور آمہ میں، اور جائفہ میں تہائی دیت ہے اگر زخم آر پار ہو جائے تو یہ دو جائفے ہیں اور ان دونوں میں دو تہائی دیت ہوگا۔

زخموں کی دیت کے احکام

حل لغات : **شجاج :** یہ شجہ کی جمع ہے، ایسا زخم جو چہرہ اور سر پر ہو، بدن کے بقیہ زخم کو جراحہ کہتے ہیں۔

الحارصه: ایسا زخم جس کی کھال چھل جائے جس کو ہندی میں کھرونچ کہتے ہیں۔ الدامعه: ایسا زخم جس میں آنسو کی طرح خون نمودار ہوجائے مگر نہ بہے۔ الدامیه: ایسا زخم جس میں آنسو کی طرح خون نمودار ہو اور بہے۔ الباضعة: ایسا زخم جس میں کھال کٹ جائے۔ المتلاحمه: ایسا زخم جس میں گوشت کٹ جائے۔ السمحاق: ایسا زخم جو اس باریک جھلی تک پہونچ جائے جو گوشت اور سر کی ہڈی کے درمیان ہو۔ الموضحه: ایسا زخم جس میں ہڈی کھل جائے۔ الهاشمه: ایسا زخم جو ہڈی توڑ دے۔ المنقله: ایسا زخم جو ہڈی کو اپنی جگہ سے سرکا دے۔ الآمة. ایسا زخم جو اس کھال تک پہونچ جائے جس کے اندر دماغ ہے۔ الجائفة: ایسا زخم جو سر اور پیٹ میں ہو جیسا کہ زیلعی میں ہے۔اور سراج میں ہے کہ ایسا زخم جو پیٹ یا پیٹھ یا سینے کی طرف سے پیٹ کے اندر تک یا گردن کی طرف سے اس جگہ تک پہونچ جائے جہاں تک پانی جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔عشر و نصف عشر سے مراد پندرہ اونٹ ہیں۔نصف عشر سے مراد بیسواں حصہ یعنی پانچ اونٹ چونکہ دیت کاملہ سو اونٹ ہے تو اس کا بیسوں حصہ پانچ اونٹ ہوگا اور عشر سے دسواں حصہ مراد ہے یعنی دس اونٹ۔

تشریح : مذکورہ عبارت میں جو بھی تشریح طلب الفاظ تھے ان کو حل لغات میں ذکر کر دیا گیا ہے اور جو باتیں ان الفاظ کے تحت ہیں وہ ترجمہ سے واضح ہیں۔ جو عبارت تشریح طلب ہے اس کو ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔

فاذا نفذت الخ : اگر جائفہ پیٹھ کی طرف سے پھوٹ کر آر پار ہوگیا تو دیت کا دو تہائی واجب ہوگا کیونکہ آر پار ہوجانے سے دو جائفے ہوگئے ایک پیٹ کی طرف سے دوسرا پیٹھ کی طرف سے۔

وَ فِیْ اَصَابِعِ الیَدِ نِصْف الدیَة فَاِنْ قَطَعَهَا مَعَ الكَفِّ فَفِیْهَا نِصْفُ الدیَة وَاِنْ قَطَعَهَا مَعَ نِصْفِ السَّاعِدِ فَفِیْ الاَصَابِعِ وَالكَفِّ نِصْفُ الدیَة وَ فِیْ السَّاعِدِ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ وَ فِیْ الاصْبَعِ الزائِدةِ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ وَ فِیْ عَیْنِ الصَّبِی وَ لِسَانِه وَ ذَكَرِه اِذَا لَمْ یُعْلَمْ صِحَّةُ ذٰلكَ حكومَةُ عَدْلٍ وَ مَنْ شَجَّ رَجُلاً مُوْضِحَةٍ فَذَهَبَ عَقْلُهُ اَوْ شعرُ رَاسه دَخَلَ اَرْشُ المُوْضِحَةِ فِیْ الدِیَة وَ اِنْ ذَهَبَ سَمْعُهُ اَوْ بَصَرُهُ اَوْ كَلَامُهُ فَعَلَیْهِ اَرْشُ المُوْضِحَةِ مَعَ الدِیَة وَ مَنْ قَطَعَ اِصْبَعَ رَجُلٍ فَشَلَّتْ اُخْرىٰ اِلیٰ جَنْبِهَا فَفِیْهَا الاَرْشُ وَ لَا قِصَاصَ فِیْهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ.

ترجمه : اور ہاتھ کی انگلیوں میں نصف دیت ہے۔اب اگر کسی نے انگلیاں ہتھیلی کے ساتھ کاٹ دی تو اس میں نصف دیت ہے اور اگر کسی نے انگلیاں بازوں کے ساتھ کاٹ دی تو انگلیوں اور ہتھیلی میں تو نصف دیت ہے مگر بازو کے بارے میں ایک عادل شخص کا فیصلہ (معتبر) ہے اور زائد انگلی کے بارے میں (بھی) ایک عادل شخص کا فیصلہ (معتبر) ہے بچے کی آنکھ، اس کی زبان اور اس کے عضوِ مخصوص کے بارے میں جب کہ اس کی صحت کا علم نہ ہو ایک عادل شخص کا فیصلہ (معتبر) ہے۔اور جس شخص نے کسی کے سر پر ایسا زخم لگایا (جس سے) اس کی عقل یا اس کے سر کے بال جاتے رہے تو موضحہ کی ارش دیت میں داخل ہوجائے گی اور اگر (اس زخم کی وجہ سے) اس شخص کی سننے یا دیکھنے یا گفتگو (کی قوت) جاتی رہی تو اس (جارح) پر موضحہ کی ارش دیت کے ساتھ واجب ہوگی۔اور جس شخص نے کسی کی ایک انگلی کاٹ دی اور (اس کے نتیجے

میں) دوسری انگلی اس کے بغل کی سوکھ گئی تو ان دونوں میں ارش واجب ہوگا اور قصاص نہیں ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح : یہ عبارت چار مسئلوں پر مشتمل ہے۔

وفی اصابع ...... حکمة عدل : مسئلہ (۱) ترجمہ سے صورت مسئلہ واضح ہے۔ البتہ یہ بات یاد رکھیں کہ اگر کسی نے کسی کے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں یا انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی کاٹ دی تو ان دونوں صورتوں میں نصف دیت ہوگی کیونکہ ہتھیلی انگلی کے تابع ہے اور ایک انگلی کے کاٹنے میں دیت کا دسواں حصہ ہے نصف دیت کا مطلب پچاس اونٹ ہے۔ اور اگر انگلیوں کے ساتھ نصف ساعد کاٹا، یا پانچ انگلی سے ہٹ کر کوئی زائد انگلی ہو تو ان دونوں صورتوں میں ایک عادل شخص جو فیصلہ دے گا وہ معتبر ہوگا۔

وفی عین الصبی ...... عدل : مسئلہ (۲) اگر کسی نے کسی بچہ کی آنکھ پھوڑ دی یا اس کی زبان یا اس کا عضو تناسل کاٹ دیا اور یہ معلوم نہیں کہ یہ اعضاء صحیح (قابل منفعت) تھے یا نہیں تو اس شک کی بنیاد پر دیت واجب نہیں ہوگی بلکہ ایک عادل شخص کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

ومن شج ...... الموضحة مع الدية : مسئلہ (۳) اگر ایک شخص نے کسی کو زخم موضحہ لگایا جس کی وجہ سے مجروح کی عقل یا اس کے سر کے بال جاتے رہے تو موضحہ کی دیت آدمی کی پوری دیت میں داخل ہو جائے گی یعنی مکمل جان کی دیت واجب ہوگی کیونکہ عقل کے زائل ہو جانے سے تمام اعضاء کی منفعت ختم ہو جاتی ہے اس لئے گویا یہ شخص مردہ ہے۔

اور اگر زخم موضحہ سے مجروح کی قوت سماعت یا بصارت یا قوت گویائی جاتی رہی تو چونکہ ان کے زائل ہونے سے جنس منفعت فوت نہیں ہوتی ہے اس لئے دیت موضحہ اور دیت سماعت وغیرہ دونوں الگ الگ واجب ہوگی۔

ومن قطع اصبع الخ : مسئلہ (۴) ترجمہ سے صورت مسئلہ واضح ہے یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک قاطع پر پہلی انگلی پر قصاص لازم آئے گا اور دوسری پر ارش لازم آئے گا۔ (الجوہرة ج۲ ص ۱۹۸)

وَمَنْ قَطَعَ سِنَّ رَجُلٍ فَنَبَتَتْ مَكَانَهَا اُخْرىٰ سَقَطَ الاَرْشُ وَ مَنْ شَجَّ رَجُلاً فَالْتَحَمَتِ الجَرَاحَةُ وَ لَمْ يَبْقَ لَهَا اَثَرٌ وَ نَبَتَ الشعرُ سَقَطَ الاَرْشُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَ قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ اَرْشُ الالَمْ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ اجرةُ الطَّبِيْبِ وَ مَنْ جَرَحَ رَجُلاً جَرَاحَةً لَمْ يُقْتَصَّ مِنْهُ حَتىٰ يَبْرأَ وَ مَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ خَطاءً ثُمَّ قَتَلَهُ خَطاءً قَبْلَ البُرْءِ فَعَلَيْهِ الدِّيَةُ وَ سَقَطَ اَرْشُ اليَدِ وَ اِنْ بَرأَ ثُمَّ قَتَلَهُ فَعَلَيْهِ دِيَتَانِ دِيةُ النَّفْسِ وَ دِيَةُ اليَدِ.

ترجمہ : اور جس شخص نے کسی کا دانت اکھاڑ دیا پھر (بعد میں) اس کی جگہ دوسرا دانت نکل آیا تو (ایسی صورت میں) ارش ساقط ہو جائے گی اور کسی نے کسی کو زخم لگا دیا پھر (بعد میں) زخم بھر گیا اور اس زخم کا نشان (بھی) باقی نہیں رہا اور (اس جگہ) بال اگ آیا تو (اس صورت میں بھی) امام ابوحنیفہ کے نزدیک ارش ساقط ہو جائے گی، اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جارح پر اس تکلیف کا تاوان لازم ہوگا۔ اور امام محمد نے فرمایا کہ جارح پر طبیب کی اجرت (دوا وغیرہ کا خرچ) لازم ہوگی۔ اور جس نے کسی کو زخمی کیا تو جارح سے قصاص نہیں لیا جائے گا یہاں تک کہ مجروح (زخم سے) اچھا ہو جائے۔ اور

جس شخص نے (پہلے) خطاء کسی کا ہاتھ کاٹا پھر اس کو شفایاب ہونے سے قبل خطاء قتل کر دیا تو (ایسی صورت میں) قاطع پر دیت نفس واجب ہوگی اور ہاتھ کی ارش ساقط ہو جائے گی لیکن اگر مقطوع الید شفایاب ہو گیا پھر اس کو قتل کیا (تو ایسی صورت میں) قاتل پر دو دیت واجب ہوگی (۱) دیت نفس (۲) دیت ید۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے مذکور ہیں اور چاروں کی صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

ومن قطع سن ...... سقط الارش : مسئلہ (۱) یہ سقوط ارش امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک ارش ساقط نہیں ہوگی۔

ومن شج ...... اجرة الطبیب : مسئلہ (۲) تفصیل ترجمہ میں ہے۔

ومن جرح ...... حتیٰ یبراء : مسئلہ (۳) شفایابی سے قبل قصاص کا نہ لیا جانا عندالاحناف ہے۔ امام شافعیؒ فی الفور قصاص کے قائل ہیں۔

ومن قطع ید رجل الخ : مسئلہ (۴) مسئلہ کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت میں دیت ید ہے اور دوسری صورت میں دیت نفس، اور دیت ید واجب ہے۔

وَ كُلُّ عَمَدٍ سَقَطَ فِيْهِ الْقِصَاصُ بِشُبْهَةٍ فالدِيَةُ فِيْ مَالِ الْقَاتِلِ وَ كُلُّ اَرْشٍ وَجَبَ بِالصُّلْحِ فَهُوَ فِيْ مَالِ الْقَاتِلِ وَ اِذَا قَتَلَ الاَبُ اِبْنَهُ عَمَداً فالدِّيَةُ فِيْ مَالِهِ فِيْ ثلث سنين وَّ كُلُّ جِنَايَةٍ اعترف بِهَا الجَانِيْ فَهِيَ فِيْ مَالِهِ وَ لَا يُصَدَّق علىٰ عَاقِلَتِهِ وَ عَمْدُ الصبىْ والمَجْنُوْن خطاءٌ وَفِيْهِ الدِيَةُ علىٰ العَاقِلَة وَمَنْ حفر بيراً فِيْ طَرِيْقِ المُسْلِمِيْنِ اَوْ وَضع حَجَراً فَتلَفَ بذٰلِك اِنْسَانٌ فِدْيَتُهُ عَلىٰ عَاقِلَتِهِ وَ اِنْ تَلَفَ بِهٖ بَهِيْمَةٌ فَضَمَانُهَا فِيْ مَالِهِ وَ اِنْ اَشْرَعَ فِيْ الطَّرِيْقِ روشناً اَوْ مِيْزَاباً فَسقَطَ علىٰ انْسَان فَعَطِبَ فالدِيَةُ علىٰ عَاقِلَتِهِ وَ لَا كَفَّارَةَ علىٰ حَافِرِ البير وواضِعِ الحَجَرِ فِيْ غَيْرِ مِلْكِهٖ وَ مَنْ حفر بِيراً فِيْ ملكِهٖ فَعَطِبَ بِهَا اِنْسَانٌ لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ : اور ہر وہ قتل عمد جس میں شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے تو دیت قاتل کے مال میں ہوگی اور جو ارش بذریعہ صلح واجب ہو وہ (بھی) قاتل کے مال میں ہوگی۔ اور اگر باپ نے اپنے بیٹے کو عمداً قتل کر دیا تو دیت باپ کے مال میں ہوگی (جس کی ادائیگی) تین سال میں (ہوگی) اور ہر وہ جنایت جس کا قصوروار اعتراف کرے تو دیت معترف کے مال میں (فی الفور) ہوگی اور اس کے عاقلہ پر تصدیق (موثر) نہیں کی جائیگی اور بچہ اور دیوانے کا عمد (بھی) خطا ہے اور اس میں دیت عاقلہ پر ہے۔ اور جس شخص نے مسلمانوں کے راستہ میں کوئی کنواں کھودا یا کوئی پتھر رکھدیا اور اس (میں گرنے کی وجہ سے) کوئی شخص ہلاک ہو گیا تو اس کی دیت کنواں کھودنے والے یا پتھر رکھنے والے کے عاقلہ پر ہوگی اور اگر اس (میں گرنے کی وجہ) سے کوئی جانور ہلاک ہو گیا تو اس کا تاوان اس شخص کے مال میں ہوگا، اگر کسی نے راستہ کی طرف جنگلہ یا پرنالہ نکالا۔ یہ جنگلہ یا پرنالہ کسی پر گرا اور وہ ہلاک ہو گیا تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی اور دوسرے کی ملکیت میں کنواں

کھودنے والے یا پتھر رکھنے والے پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ اور جس شخص نے اپنی ملکیت میں کنواں کھودا اور اس (میں گرنے) سے ایک شخص ہلاک ہوگیا تو کنواں کھودنے والا ضامن نہیں ہوگا۔

قاتل اور عاقلہ پر دیت کے واجب ہونے کی صورتوں کا بیان

حل لغات : جنایَة: قصور۔ جنی (ض) جنایة: گناہ کرنا۔ الجانی: اسم فاعل، گناہ گار، قصوروار۔ حفر (ض) حفراً: کھودنا۔ بهیمة: جانور، چوپایہ۔ اشرع بابه: دروازہ نکالنا۔ روشناً: جنگلہ۔ میزاب: پرنالہ۔ عَطِبَ (س) عطباً: ہلاک ہونا۔ حافر: کھودنے والا۔

تشریح : اس عبارت میں اصول اور پانچ مسئلے ہیں :

و کل عمد ...... فی مال القتل : اس عبارت میں دو اصول بیان کئے گئے ہیں (۱) ہر وہ قتل عمد جسمیں شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہوجائے تو دیت قاتل کے مال میں واجب ہوگی۔ (۲) جو دیت صلح کے نتیجے میں واجب ہوتی ہے وہ بھی قاتل کے مال میں واجب ہوتی ہے (اور فی الفور ادا کی جائے گی)۔

و اذا قتل ...... سنین : مسئلہ (۱) یہ مسئلہ اصول ۱ کے تحت ہے۔ اگر باپ اپنے بیٹے کو عمداً قتل کردے تو دیت باپ کے مال میں واجب ہوگی اور جو تین سال میں ادا کی جائے گی۔ اسی طرح اگر دس آدمی ایک شخص کو قتل کردیں ان دس قاتل میں سے ایک مقتول کا باپ ہو تو بھی دیت باپ کے مال میں ہوگی اور ادائیگی تین سال میں ہوگی۔

و کل جنایة ...... عاقلته : ایک اصول ہے اور اس میں بھی دیت کی ادائیگی فی الفور واجب ہے۔

وعمد الصبی...... علیٰ العاقلة : مسئلہ (۲) ترجمہ سے واضح ہے۔

و من حفر ...... فضمانها فی ماله : مسئلہ (۳) اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں جو ترجمہ سے واضح ہیں۔

و ان شرع ...... علی عاقلته : مسئلہ (۴) ترجمہ سے واضح ہے۔

و لا کفارة علیٰ حافر الخ : مسئلہ (۵) اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں (۱) اگر کسی نے دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھودا یا پتھر رکھا اور اس میں کوئی گر کر مر گیا تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ (۲) اگر کسی نے اپنی ملکیت میں کنواں کھودا اور اس میں گر کر کوئی شخص ہلاک ہوگیا تو کھودنے والا ضامن نہیں ہوگا۔

والراكِبُ ضَامِنٌ لِمَا وَطِئَتِ الدَّابَّةُ وَمَا اصابَتْهُ بِيَدِهَا اَوْ كَدَمَتْ بِفَمِهَا وَ لَا يَضْمَنُ مَا نَفَحَتْ بِرِجْلِهَا اَوْ بِذَنْبِهَا فَاِنْ رَاثَتْ اَوْ بَالَتْ فِي الطَّرِيْقِ فَعَطِبَ بِهِ اِنْسَانٌ لَمْ يَضْمَنْ وَ السَّائِقُ ضَامِنٌ لِمَا اَصَابَتْ بِيَدِهَا اَوْ رِجْلِهَا وَالقَائِدُ ضَامِنٌ لِمَا اَصَابَتْ بِيَدِهَا دُوْنَ رِجْلِهَا وَمَنْ قَادَ قِطَاراً فَهُوَ ضَامِنٌ لِمَا اَوْطَأَ فَاِنْ كَانَ مَعَهُ سَائِقٌ فَالضَّمَانُ عَلَيْهِمَا.

ترجمہ : اور سوار اس کا ضامن ہے جس کو چوپایہ روند دے یا اس کو ہاتھ مار دے یا منہ سے کاٹ دے اور اس کا ضامن نہیں ہوگا جسکو کہ چوپایہ اپنے پاؤں یا اپنی دم سے مارے۔ اگر چوپایہ نے راستہ میں لید کی یا پیشاب کیا اور اس سے کوئی

شخص (پھسل کر گر کر) ہلاک ہو گیا تو سوار ضامن نہیں ہوگا اور ہانکنے والا اس شخص کا ضامن ہے جس کو چوپایہ (مثلاً گھوڑا) کا ہاتھ یا پاؤں لگ جائے اور کھینچے والا اس شخص کا ضامن ہے جس کو چوپایہ کا ہاتھ لگ جائے نہ کہ پاؤں اور جو شخص اونٹ کی قطار کو پکڑ کر لے جائے تو وہ اس شخص کا ضامن ہوگا جس کو وہ کچل دیں (مار ڈالیں) اور اگر اس کے ساتھ ہانکنے والا ہو تو ضمان دونوں پر لازم ہے۔

چوپائے کی جنایت کا بیان

حل لغات : الراکب: سوار۔ وطِئَتْ: وطِئَ الشئ بِرِجْلِه یَطَأُ وطأً۔ پیر سے روندنا۔ الدابة: سواری، چوپایہ۔ کدمَتْ: کدم(ن،ض) کدماً۔ اگلے دانتوں سے کاٹنا۔ نَفَحَتْ. نفحَ (ف) نفحاً: کھر کے کنارے سے مارنا۔ ذنب: دم۔ راثت. راث(ن) روثاً: لید کرنا۔ عطب (س) عطباً: ہلاک ہو گیا۔ سائق: جانور کو پیچھے سے ہانکنا۔ قاد الدابة. یقود قوداً وقِیادةً: چوپائے کو آگے سے کھینچنا۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے ہیں۔

والراکب ضامن ...... بذنبها : مسئلہ (۱) اگر سواری نے چلتے ہوئے کسی کو روند دیا یا کسی کو ہاتھ مار دیا یا منہ سے کاٹ ڈالا تو ایسی صورت میں سوار ضامن ہوگا کیونکہ ان امور سے احتراز ممکن تھا۔ لیکن اگر سواری نے چلتے ہوئے کسی کو لات مار دیا یا دم مار دیا تو سوار ضامن نہیں ہوگا کیونکہ چلنے کی حالت میں اس سے احتراز ممکن نہیں ہے۔

فاذا راثت ...... انسان لم یَضْمَنْ : مسئلہ (۲) اگر سواری چلتے چلتے راستے میں لید کر دے یا پیشاب کر دے اور کوئی گزرنے والا اس سے پھسل کر گر کر مر جائے تو سوار اس کا ضامن نہیں ہوگا کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

السائق ضامن ...... دون رجلها : مسئلہ (۳) ایک شخص کسی چوپائے کو پیچھے سے ہانکتا ہوا لے جا رہا ہے اسکے اگلے یا پچھلے پاؤں سے کسی کو چوٹ لگ جائے اور آدمی مر جائے تو سائق ضامن ہوگا کیونکہ یہ سب اس کے سامنے ہے اور اس سے بچاؤ ممکن ہے اور اگر سوار چوپائے کو آگے سے ہانک رہا ہے اور اس کے اگلے پاؤں سے کسی کو چوٹ لگ جائے اور وہ مر جائے تو قائد ضامن ہوگا لیکن اگر پچھلے پاؤں سے چوٹ لگ کر ہلاک ہو گیا تو قائد ضامن نہیں ہوگا کیونکہ یہ چیز اس کی نظروں سے اوجھل ہے۔

ومن قاد قطاراً الخ : مسئلہ (۴) اگر کوئی شخص اونٹوں کی قطار کو پکڑ کر لے جائے اور یہ قطار کسی کو کچل دیں اور وہ مر جائے تو قائد پر ضمان آئے گا اور اگر قائد کے ساتھ سائق بھی ہو تو ضمان دونوں پر ہوگا۔

واذا جنی العَبْدُ جنایَةً خطاءً قِیْلَ لِمَوْلاہ امَّا اَنْ تَدْفَعَهُ بِهَا اَوْتفدیْه فَاِنْ دَفَعَهُ ملکه ولیُ الجِنایَةِ وَ اِنْ فَدَاهُ فَدَاهُ بارْشِهَا فان عَادَ فَجنی کَانَ حُکْمُ الجِنایَةِ الثانیَةِ حُکَمَ الاولیٰ فان جنی جِنایَتَیْنِ قِیْلَ لِمَوْلَاہُ اَمَّا اَنْ تَدْفَعَهُ اِلیٰ وَلِیِّ الجِنایَتَیْنِ یَقْتسِمَانِه علیٰ قَدْرِ حَقَّیْهِما وَ اَمَّا اِنْ تَفْدِیْه بارْشِ کُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهَا فَاِنْ اعْتقَهُ المَوْلیٰ وَ هُوَ لَایَعْلَمُ بالجِنایَةِ ضَمِنَ المَوْلیٰ الاَقَلَّ مِنْ قِیمَتِه وَ من ارشها. واِنْ بَاعَهُ اَوْ اعتقهُ بَعْدَ العِلْمِ بِالجِنایَةِ وَجَبَ عَلَیْه الاَرْشُ.

ترجمہ : اگر غلام نے خطاء جنایت کی تو اس کے آقا سے کہا جائے گا کہ یا تو اس کے عوض غلام دیدے یا اس

کے عوض اس کو تاوان دیدے اگر آقا غلام کو دیدے تو ولی جنایت اسکا مالک ہو جائے گا۔ اور اگر فدیہ دیدے تو اس کو تاوان کا فدیہ دے گا۔ اگر غلام دوبارہ جنایت کرے تو دوسری جنایت کا حکم پہلی جنایت کے حکم کی طرح ہوگا۔ اور اگر غلام نے دو جنایتیں کیں تو اسکے آقا سے کہا جائے گا کہ یا تو غلام کو دونوں جنایتوں کے ولی کو دیدویا جس کو وہ اپنے اپنے حقوق کے مطابق تقسیم کریں گے اور یا یہ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے نقصان کا تاوان دیدے۔ اور اگر آقا غلام کو آزاد کردے اور اس کو غلام کی جنایت کا پتہ نہ ہو تو آقا غلام کی قیمت اور اس کے تاوان سے کم کا ضامن ہوگا۔ اور اگر آقا نے جنایت کا علم ہونے کے بعد غلام کو فروخت کردیا یا اس کو آزاد کردیا تو آقا پر دیت واجب ہوگی۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے ہیں۔

واذا جنی العبد ...... بارشھا : مسئلہ (۱) اگر ایک شخص کے غلام نے کسی کو غلطی سے قتل کردیا تو مالک کو کہا جائے گا کہ تم کو اختیار ہے چاہے تو تم اس جنایت کے بدلے غلام کو دیدو یا فدیہ دو۔ اب اگر آقا نے غلام کو دے دیا تو ولی جنایت اس کا مالک ہوگا اور اگر فدیہ دے گا تو دیت کا فدیہ دے گا۔

فان عاد فجنی ...... حکم الاولیٰ : مسئلہ (۲) غلام نے جنایت دوبارہ کی تو اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو پہلی جنایت کا حکم ہے۔

فان جنی جنایتین ...... واحدۃ منھما : مسئلہ (۳) اگر غلام نے دو جنایتیں کیں تو آقا کو اختیار ہے چاہے تو غلام کو دونوں جنایتوں کے ولی کو دیدے گا اور وہ لوگ اسکو اپنے حقوق کے مطابق تقسیم کرلیں گے اور چاہے تو دونوں میں سے ہر ایک کے دیت کا فدیہ دے گا۔

فان اعتقہ المولیٰ الخ : مسئلہ (۴) آقا نے غلام آزاد کیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ اس نے جنایت کی تو آقا اس کی قیمت اور دیت میں سے جو کم ہوگا اسکا ضامن ہوگا لیکن جنایت کا علم ہوتے ہوئے اس کو فروخت کردیا یا آزاد کردیا تو آقا پر پوری دیت واجب ہوگی۔

وَاذا جنی الْمُدَبَّرُ اَوْ اُمُّ الوَلَدِ جنایَۃً ضَمِنَ الْمَوْلیٰ الاَقَلَّ مِنْ قِیْمَتِھَا وَ من ارشھا فَاِنْ جَنی جِنایَۃً اُخریٰ وَقَد دَفَعَ المَوْلیٰ القِیْمَۃَ لِلْوَلِیِّ الاَوَّلِ بِقَضاءٍ فَلا شَئی عَلَیْہِ وَ یتبع وَلِیُّ الجِنایَۃِ الثَّانِیَۃِ وَلِیَّ الجِنایَۃِ الاُوْلیٰ فَیُشارِکُہٗ فِیْما اَخذَ وَ اِنْ کَانَ الْمَوْلیٰ دَفَعَ القِیْمَۃَ بِغَیْرِ قَضاءٍ فَالوَلِیُّ بِالخِیارِ اِنْ شاءَ اَتْبَعَ الْمَوْلیٰ وَ اِنْ شاءَ اَتْبَعَ وَلِیَّ الجِنایَۃِ الاُوْلیٰ.

ترجمہ : اور اگر مدبر یا ام ولد نے جنایت کی تو آقا ان دونوں کی قیمت اور ان کے تاوان میں سے کم کا ضامن ہوگا۔ اب اگر (ان دونوں میں سے) کسی نے دوبارہ جنایت کی اور آقا نے قاضی کے حکم سے پہلی جنایت والے کو قیمت دیدی تو آقا کے ذمہ کچھ نہیں ہے اور دوسری جنایت کا ولی پہلی جنایت کے ولی کے پیچھے پڑے اور اس میں شریک ہو جائے جو اس نے لیا ہے اور اگر آقا نے قاضی کے حکم کے بغیر قیمت دیدی تو ولی کو اختیار ہے چاہے تو آقا کے پیچھے پڑے اور چاہے تو

پہلی جنایت والے کے پیچھے پڑے۔

تشریح : اس عبارت میں دو مسئلے ہیں۔

فان جنی المدبر ...... ارشھا : مسئلہ (۱) ترجمہ سے صورت مسئلہ واضح ہے۔

فان جنی جنایۃ اخری آلخ : مسئلہ (۲) اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں اور دونوں ترجمہ سے واضح ہیں یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک قاضی کے حکم کی کوئی تفریق نہیں بہر دو صورت آقا سے نہیں لے سکتا۔

وَاذا مال الحائطُ الیٰ طَرِیْقِ المُسْلِمِیْن فَطُوْلِبَ صَاحِبُهٗ بِنقضِهٖ وَ اُشْهِدَ عَلَیْهِ فَلَمْ یَنْقُضْهُ فِیْ مُدَّةٍ یَقْدِرُ علیٰ نَقْضِهٖ حتیٰ سَقَطَ ضَمِنَ مَا تلف بِهٖ مِنْ نَفْسٍ اَوْ مَالٍ وَ یَسْتَوِی اَنْ یُطَالِبَهٗ بِنَقْضِهٖ مُسْلِمٌ اَوْ ذِمِّیٌ وَ اِنْ مَال الیٰ دَارِ رَجُلٍ فَالمُطَالَبَةُ لِمَالِكِ الدَّارِ خَاصَّةً وَ اِذَا اصطدمَ فَارِسَان فَمَاتَا فَعَلیٰ عَاقِلَةِ کُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا دِیَةُ الآخَرِ وَ اِذَا قَتَل رَجُلٌ عَبْداً خَطَاءً فَعَلَیْهِ قِیْمَتُهٗ لَا یَزَادُ علیٰ عَشْرَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ فَاِنْ کَانَتْ قِیْمَتُهٗ عَشْرَةَ الَافِ دِرْهَمٍ اَوْ اَکْثَرَ قُضِی عَلَیْهِ بِعَشَرَةِ الَافِ اِلّا عَشَرَةَ وَ فِی الاَمَةِ اِذَا زَادَتْ قِیْمَتُهَا علیٰ الدِّیَةِ یَجِبُ خَمْسَةُ الَافِ اِلَّا عَشَرَةً وَ فِیْ یَدِ العَبْدِ نِصْفُ قِیْمَتِهٖ لَا یَزَا دُ علیٰ خَمْسَةِ الَافٍ اِلَّا خَمْسَةً وَ کُلُّ مَا یُقَدَّرُ مِنْ دِیَةِ الحُرِّ فَهُوَ مُقَدَّرٌ مِنْ قِیْمَةِ العَبْدِ.

ترجمہ : اور اگر دیوار مسلمان کے راستہ کی طرف جھک جائے اور مالک دیوار سے اسکے توڑنے کا مطالبہ کیا جائے اور اس پر گواہ قائم کرلیا جائے لیکن مالک دیوار نے اتنی مدت میں اس کو نہیں توڑا جس میں کہ اس کے توڑنے پر قادر تھا یہاں تک کہ دیوار گرگئی تو مالک دیوار اس جان اور مال کا ضامن ہوگا جو کچھ تلف ہوگا اور یہ برابر ہے کہ اسکے توڑنے کا مطالبہ مسلمان کرے یا ذمی۔ اور اگر دیوار کسی کے گھر کی طرف جھک جائے تو خاص کر مالک مکان کو مطالبہ کا حق ہے۔ اور اگر دو سوار ٹکرا کر مرجائیں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے عاقلہ پر دوسرے کی دیت ہوگی۔ اور اگر کوئی شخص کسی کو غلطی سے قتل کردے تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی جو دس ہزار سے زائد نہیں ہوگی اب اگر اس کی قیمت دس ہزار درہم یا اس سے زائد ہے تو قاتل پر دس درہم کم دس ہزار کا حکم لگایا جائے گا۔ اور باندی میں جبکہ اس کی قیمت دیت پر زائد ہو تو دس درہم کم پانچ ہزار واجب ہوں گے اور ہر وہ مقدار جو آزاد کی دیت سے مقرر ہوگی وہ غلام کی قیمت سے مقرر ہوگی۔

جھکی ہوئی دیوار اور موجب قتل غلام کے احکام

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے اور ایک اصول کا بیان ہے۔

واذا مال الحائط ...... او ذمی : مسئلہ (۱) اگر عام راستہ کی طرف کسی کے مکان کی دیوار جھ جائے اور لوگ اس کے توڑنے کا مطالبہ کریں اور وہ نہ توڑے جبکہ اس کو اتنی مہلت ملی جس میں وہ اس کو توڑدے مگر وہ گرگئی اب اس دیوار کے گرنے سے کوئی آدمی مرگیا یا کسی کا مال برباد ہوگیا تو ایسی صورت میں مالک دیوار اس جانی اور مالی نقصان کا ضامن ہوگا۔

یہ مطالبہ خواہ ایک مسلمان کرے یا ذمی کوئی حرج نہیں ہے۔ حکم دونوں کے لئے برابر ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مالک دیوار ضامن نہیں ہوگا۔

وان مال الیٰ دار ...... خاصة : مسئلہ (۲) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا اصطدمَ ...... دِيَةُ الآخرِ : مسئلہ (۳) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا قتل ...... الا خمسة : مسئلہ (۴) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے البتہ اس موقع پر یہ ذہن نشین رہے کہ یہ غلام کی قیمت میں اسی طرح باندی کی قیمت میں دس ہزار درہم کی تخفیف مملوک کے رتبہ کا انحطاط ظاہر کرنے کیلئے ہے۔ یہ حضرات طرفینؒ کے نزدیک ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قیمت میں کوئی تخفیف نہیں ہوگی بلکہ ان کی پوری قیمت ہی واجب ہوگی اور یہ قیمت جو بھی ہو۔

و کل مایقدر آلخ : ایک آزاد شخص کی دیت کا جو اندازہ ہے وہی غلام کی دیت مقرر ہوگی جو اس کی قیمت کی شکل میں دی جاتی ہے۔ یہ غلام کی دیت کا اصول ہے۔

واذا ضَربَ رجلٌ بَطْنَ اِمْرأةٍ فَالقتْ جَنِيناً مَيتاً فَعَلَيْهِ غرَّةٌ والغرَّةُ نِصْفُ عَشْرِ الدِيَةِ فالقته حَيّاً ثُمَّ مَاتَ فَعلَيْهِ دِيَةٌ كَامِلَةٌ وَ اِنْ اَلْقتْهُ مَيتاً ثُمَّ مَاتَتِ الاُمُّ فَعلَيْهِ دِيَةٌ وَغرَّةٌ وَاِنْ مَاتَتْ ثُمَّ اَلْقتْهُ مَيتاً فَلا شَئ فِيْ الجنين مَوْرُوْثٌ عَنْهُ وَ فِيْ جنين الاَمَةِ اِذَا كَانَ ذِكراً نِصْفُ عَشْرِ قِيْمَتِهٖ لَوْ كَانَ حَيّاً وَ عَشْرُ قِيْمَتِهٖ اِنْ كَانَ اُنْثیٰ وَ لَا كَفَّارَةَ فِيْ الجنين وَالكَفَّارَةُ فِيْ شِبْهِ العَمَدِ والخَطَاءِ عِتْقُ رَقَبَةٍ مُؤمِنةٍ فَاِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتابِعَيْنِ.

ترجمہ : اور اگر ایک شخص نے کسی عورت کے پیٹ پر مارا اس عورت نے مردہ بچہ ڈالدیا (گرادیا) تو شخص پر ایک غرہ واجب ہے اور غرہ دیت کے دسواں حصہ کا نصف یعنی بیسواں حصہ (پانچ اونٹ) ہے اب اگر عورت نے زندہ بچہ گرادیا پھر بچہ مرگیا تو اس شخص پر دیت کامل واجب ہوگا اور اگر اس عورت نے مردہ بچہ گرایا اسکے بعد ماں مرگئی تو اس شخص پر دیت اور غرہ (دونوں) واجب ہوں گے۔ اور اگر ماں مرگئی اسکے بعد اس نے مردہ بچہ ڈالدیا تو اب جنین میں کچھ واجب نہیں ہوگا اور جو جنین میں (غرہ یا دیت کی قسم سے) واجب ہوگا تو وہ بچہ کی طرف سے میراث ہوگی (جو وارثوں میں تقسیم ہوگی اور ماں کو بھی حصہ ملے گا) اور باندی کے جنین میں اگر وہ لڑکا ہے تو اس کی قیمت کے دسواں کا نصف یعنی بیسواں حصہ ہوگا بشرطیکہ وہ لڑکا زندہ ہے اور اگر وہ لڑکی ہے تو اس کی قیمت کا دسواں حصہ ہے۔ اور جنین میں کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ اور قتل شبہ عمد اور قتل خطاء میں ایک مومن غلام کا آزاد کرنا ہے اور اگر غلام نہ پائے تو لگاتار دو ماہ کے روزے ہیں۔

شکم کے بچہ کو ضائع کردینے کے احکام

تشریح : اس عبارت میں کل پانچ مسئلے مذکور ہیں۔

اذا ضربَ ...... فَعلَيْهِ غرَّةٌ : مسئلہ (۱) اگر کسی نے کسی عورت کے پیٹ پر مارا اس چوٹ کے نتیجہ میں بچہ باہر

آ گیا اور وہ بھی مردہ، تو ایسی صورت میں استحساناً مارنے والے پر ایک غرہ واجب ہوگا۔ گو قیاساً کچھ واجب نہیں ہوگا۔

والغرة نصف عشر الدية : احناف کے نزدیک غرہ مرد کی دیت کا بیسواں حصہ اور عورت کی دیت کا دسواں حصہ یعنی پانچ اونٹ یا پانچ سو درہم چاندی۔ حضرت امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک چھ سو درہم چاندی ہے۔ احناف کے نزدیک غرہ قاتل کے عاقلہ پر ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک غرہ قاتل کے مال میں واجب ہے۔ احناف کے نزدیک غرہ کی وصولیابی کی مدت ایک سال ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک تین سال ہے۔

فان القته حياً...... دية كاملة : مسئلہ (۲) ترجمہ سے واضح ہے۔

وان القته ...... فعليه دية وغَرَّةٌ : مسئلہ (۳) ترجمہ سے واضح ہے۔

وان ماتت ...... فلاشئ فِي الجنين : مسئلہ (۴) ترجمہ سے صورت مسئلہ واضح ہے۔ صرف ماں کی دیت واجب ہوگی۔ غرہ واجب نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک دیت اور غرہ دونوں واجب ہوگا۔

وما يجب فى الجنين موروث عنه : عبارت کا مفہوم ترجمہ اور بین القوسین کی عبارت سے واضح ہے۔

وفى جنين الامة ...... ان كان انثىٰ : مسئلہ (۵) اگر باندی کا جنین مذکر اور زندہ ہو اور اس کی قیمت دس دینار ہو تو اسکی قیمت کا بیسواں حصہ یعنی نصف دینار واجب ہوگا اور اگر یہ جنین مونث ہو اور اس کی قیمت دس دینار ہو تو قیمت کا دسواں حصہ یعنی ایک دینار کامل واجب ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے یہاں ماں کی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہوگا۔ (جوہرة ج ۲ ص ۲۰۷)

ولا كفارة فى الجنين : جنین میں کوئی کفارہ واجب نہیں ہے کیونکہ کفارہ کا وجوب نفوس کاملہ میں معروف ہے اور جنین ناقص ہے بایں وجہ کہ اسکی دیت ناقص واجب ہوتی ہے نیز یہ کہ کفارہ بسبب قتل واجب ہوتا ہے اور جنین کی زندگی نامعلوم ہے، اگر کفارہ دیدیا تو جائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک کفارہ واجب ہے۔ (جوہرة ج ۲ ص ۲۰۷)

والكفارة فى شبه العمد الخ : عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے غور کریں کوئی تفصیل نہیں ہے۔

باب القسامة

قسم کے مسائل کا بیان

القسامة: قسامة بالفتح، اس میں اہل لغت کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک مصدر ہے قسم کے مانند ہے اور بعض کے نزدیک اسم مصدر ہے۔ قسامۃ لغت میں مطلقاً قسم کے معنی میں ہے، قسم کھانے والے خواہ ایک ہوں یا زیادہ۔ اصطلاح شرع میں اللہ کے نام کی قسم کھانا ہے، جس کا سبب مخصوص ہو، قسم کھانے والوں کی تعداد مخصوص (پچاس) ہو، مخصوص شخص پر ہو اور مخصوص طریقہ پر ہو۔

اس کی شرط یہ ہے کہ قسم کھانے والا مرد عاقل بالغ آزاد ہو چنانچہ عورت، مجنون، صغیر اور غلام کی قسامت درست نہیں ہے یہ بھی شرط ہے کہ میت پر قتل کے آثار موجود ہوں۔ اس کا رکن یہ ہے کہ قسم اس طرح کھائے کہ واللہ میں نے اس کو قتل نہیں کیا ہے اور نہ میں اس کے قاتل کو جانتا ہوں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ قتل پر دیت تین سال کے اندر اندر واجب ہوگی۔

احادیث صحیحہ اور اجماع سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔اس کی مشروعیت کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہیکہ لوگ خونریزی کو معمولی امر تصور نہ کریں اور مفت خون انسانی ضائع کرنے سے بچیں اور جس پر قتل کی تہمت ہے وہ چھٹکارا پائے۔

وَاِذا وُجِدَ القَتِيْلُ فِيْ مَحَلَّةٍ لَا يُعْلَمُ من قَتَلَهُ اُسْتُحْلِفَ خَمْسُوْنَ رَجُلاً يَتَخَيَّرُهُمُ الوَلِيُّ بِاللهِ مَا قَتَلْنَاهُ وَ لَاعَلِمْنَا لَهُ قَاتِلاً فَإذَا حَلَفُوْا قُضِيَ عَلىٰ اَهْلِ المَحَلَّةِ بِالدِّيَةِ وَلَا يُسْتَحْلَفُ الوَلِيُّ وَلَا يقضي عَلَيْهِ بِالجِنَايَةِ وَ اِنْ حَلَفَ وَاِنْ اَبیٰ وَاحِدٌ مِنهُمْ حُبِسَ حَتّٰى يَحْلِفَ وَ اِنْ لَمْ يَكْمُلْ اَهْلُ المَحَلَّةِ كُرِّرَتِ الاَيْمَانُ عَلَيْهِمْ حَتّٰى يَتِمَّ خَمْسُوْنَ يَمِيْناً وَ لَايَدْخُلُ فِي القَسَامَةِ صَبِيٌّ وَ لَا مَجْنُوْنٌ وَ لَا اِمْرَأةٌ وَ لَا عَبْدٌ وَ اِنْ وُجِدَ مَيِّتٌ لَا اَثَرَ بِهٖ فَلَا قَسَامَةَ وَ لَا دِيَةَ وَ كَذَالِكَ اِنْ كَانَ الدم يَسِيْلُ مِنْ اَنْفِهٖ اَوْ دُبُرِهٖ اَوْ فَمِهٖ فَاِنْ كَانَ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ اَوْ اُذُنَيْهِ فَهُوَ قَتِيْلٌ.

ترجمہ : اور اگر کوئی لاش کسی محلہ میں پائی گئی، اس کا قاتل معلوم نہیں، تو محلہ میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی جن کو مقتول کا ولی منتخب کرے گا (اور قسم اس طرح پر ہوگی کہ) بخدا نہ تو ہم نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔اب جب محلہ والے قسم کھائیں تو اہل محلہ پر دیت کا فیصلہ کردیا جائے گا اور ولی سے قسم نہیں لی جائے گی اور نہ اس پر دیت جنایت کا حکم لگایا جائے گا اگرچہ ولی قسم کھالے اور اگر ان پچاس میں سے کوئی ایک قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ قسم کھائے اور اگر اہل محلہ (سے تعداد) مکمل نہ ہو تو ان پر قسم مکرر کی جائے گی یہاں تک کہ قسم کے اعتبار سے پچاس پورے ہوجائیں اور قسم میں بچہ، دیوانہ عورت اور غلام داخل نہیں ہوگے۔اور اگر مردہ (لاش) ملی اس پر کوئی نشان (قتل) نہیں تو نہ قسامت ہوگی اور نہ دیت۔اور اسی طرح (عدم قسامت وعدم دیت کا حکم ہوگا) اگر خون اس کی ناک، اس کے دبر (مقام براز) اور اس کے منہ سے بہہ رہا ہو۔اور اگر خون اس کی دونوں آنکھ یا دونوں کان سے نکل رہا ہو تو وہ مقتول ہے۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے اور قسامت کے شرائط کا بیان۔

وَاِذا وُجِدَ ...... خمسون یمیناً : مسئلہ (۱) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔**ولایستحلف الولی** کے تحت اس بات کو ذہن نشین کرلیں کہ قسم ولی مقتول سے نہیں لی جائے گی بلکہ صرف اہل محلہ سے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی قسم کا اشتباہ ہو مثلاً اہل محلہ کو مقتول سے ظاہری عداوت ہو یا کسی پر قتل کی ت پائی جاتی ہو یا ظاہر حال مدعی کی صداقت کا شاہد ہو تو اولیاء مقتول سے پچاس مرتبہ قسم لی جائے گی کہ محلہ والوں نے اس کو قتل کیا۔اس کے بعد مدعی علیہ پر دیت کا حکم کردیا جائے گا۔حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر قتل عمد کا دعوی ہو تو قصاص کا حکم لگایا جائے گا۔

ولا یدخل ...... ولا عبد : یہاں شرط کو بیان کررہے ہیں کہ قسم بچہ، مجنون، عورت اور غلام سے نہیں لی جائے گی۔بلکہ مرد عاقل بالغ اور آزاد سے لی جائے گی۔

وان وجد ...... ولادیة : یہاں قسامت کی دوسری شرط بیان کررہے ہیں کہ قسامت اور دیت کیلئے شرط یہ ہے کہ میت پر قتل کا اثر موجود ہو اگر میت پر قتل کا اثر موجود نہیں تو نہ قسامت لی جائے گی اور نہ دیت۔

وكذالك ...... فمه : اگر خون قتیل اس کی آنکھوں یا اس کے کانوں سے نکل رہا ہو تو یہ مقتول سمجھا جائے گا۔

واذا وُجِدَ القَتِيلُ علىٰ دابَّةٍ يَسُوقُهَا رَجُلٌ فالدِّيَةُ علىٰ عَاقِلَتِهِ دُونَ اَهْلِ المَحَلَّةِ وَ اِنْ وُجِدَ فِيْ دَارِ اِنْسَانٍ فَالقَسَامَةُ عَلَيْهِ وَالدِيَةُ علىٰ عَاقِلَتِهِ وَ لَا يَدْخُلُ السُّكَّانُ فِيْ القَسَامَةِ مَعَ المُلَّاكِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَ هِيَ علىٰ اَهْلِ الخِطَّةِ دونَ المشتريْنَ ولو بَقِيَ مِنْهُمْ وَاحِدٌ وَ اِنْ وُجِدَ القَتِيلُ فِيْ سَفِيْنَةٍ فالقَسَامَةُ علىٰ اَهْلِهَا وَ اِنْ وُجِدَ فِيْ الجَامِعِ اَوْ الشَّارِعِ الاَعْظَمِ فَلَا قَسَامَةَ فِيْهِ والدِّيَةُ عَلىٰ بَيْتِ المَالِ وَ اِنْ وُجِدَ فِيْ بَرِيَّةٍ لَيْسَ بِقُرْبِهَا عِمَارَةٌ فَهُوَ هدْرٌ وَاِنْ وُجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ كَانَ عَلىٰ اَقْرَبِهِمَا.

ترجمہ : اور اگر کوئی لاش (مقتول) کسی سواری پر ملی جس کو ایک شخص ہانک رہا تھا تو دیت قاتل کے عاقلہ پر ہوگی۔ اہل محلہ پر نہیں ہے۔ اور اگر لاش کسی کے گھر میں ملی تو گھر والے پر قسامت ہوگی اور دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔ اور کرایہ دار قسامت میں داخل نہیں ہونگے مالک مکان کی موجودگی میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔ اور قسامت اہل خطہ پر ہوگی خریداروں پر نہیں، اگر چہ اہل خطہ (پلاٹ کے مالکوں) میں سے ایک ہی باقی ہو اور اگر لاش (مقتول) کسی کشتی میں ملی تو قسامت کشتی کے سواروں اور ملاحوں پر واجب ہوگی۔ اور اگر لاش کسی محلہ کے مسجد میں ملی تو قسامت محلے والوں پر واجب ہوگی۔ اور اگر لاش جامع مسجد یا شارع عام میں ملی تو کوئی قسامت نہیں ہوگی البتہ دیت بیت المال کے ذمہ ہوگی۔ اور اگر لاش (مقتول) کسی جنگل میں ملی اس کے قریب میں کوئی آبادی نہیں ہے تو رائیگاں ہے (کوئی دیت نہیں ہے) اور اگر لاش دو گاؤں کے درمیان ملی تو ان میں جو قریب تر ہوگا اس پر قسامت واجب ہوگی۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسئلے مذکور ہیں۔

وَ اِذَا وجد القتيل ...... اهل المحلة : مسئلہ (۱) ترجمہ سے صورت مسئلہ واضح ہے۔

وان وجد ...... منهم واحد : مسئلہ (۲) مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے البتہ قدرے اختلاف ہے اگر مکان میں لاش ملی ہے تو مالک مکان کی موجودگی میں کرایہ دار پر کوئی قسم نہیں ہے یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے امام محمدؒ امام صاحب کے ساتھ ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کرایہ دار اور مالک مکان دونوں پر قسامت لازم ہے۔ اسی طرح حضرات طرفین کے نزدیک جس کا پلاٹ ہے اس میں کوئی لاش ہے تو قسامت پلاٹ والے پر ہوگی نہ کہ خریدار پر۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں پر قسامت لازم ہے۔

وان وجد...... والملاحين : مسئلہ (۳)۔ **وان وجدَ ......فالقسامة علىٰ اهلِهَا :** مسئلہ (۴)۔ **وان فی الجامع ...... بيت المال :** مسئلہ (۵) **وان وجد فی برية......فهو هدرٌ** مسئلہ (۶)۔ **وان وجدَ بينَ قريتين :** مسئلہ (۷)۔ ان تمام مسئلوں کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

وَاِنْ وُجِدَ فِیْ وَسْطِ الفُرَاتِ یَمُرُّ بِهِ الْمَاءُ فَهُوَ هَدْرٌ وَ اِنْ کَانَ مُحْتَبِساً بِالْشَاطِي فَهُوَ عَلیٰ اَقْرَبِ الْقُرىٰ مِنْ ذَالِكَ الْمَکَانِ وَ اِنْ اِدَّعیٰ الْوَلِیُّ الْقَتْلَ عَلیٰ وَاحِدٍ مِنْ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِعَیْنِهٖ لَمْ تَسْقُطِ الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ وَاِنْ اِدَّعیٰ عَلیٰ وَاحِدٍ مِنْ غَیْرِهِمْ سَقَطَتْ عَنْهُمْ وَ اِذَا قَالَ الْمُسْتَحْلِفُ قَتَلَهٗ فُلَانٌ اِسْتُحْلِفَ بِاللّٰهِ مَا قَتَلْتُهٗ وَ لَا عَلِمْتُ لَهٗ قَاتِلاً غَیْرَ فُلَانٍ وَاِذَا شَهِدَ اثْنَانِ مِنَ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَلیٰ رَجُلٍ مِنْ غَیْرِهِمْ اَنَّهٗ قَتَلَهٗ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا.

ترجمہ: اور اگر لاش نہر فرات کے درمیان پائی گئی جس پر پانی بہہ رہا ہو تو وہ بیکار ہے اور اگر لاش نہر کے کنارے پر رکی ہوئی ہو تو اس جگہ سے قریب والے گاؤں پر قسامت واجب ہوگی اور اگر لاش کے ولی نے اہل محلّہ میں سے خاص طور پر کسی ایک شخص پر قتل کا دعویٰ کر دیا (پھر بھی) اہل محلہ سے قسم ساقط نہیں ہوگی۔ اور اگر دوسرے محلہ کے کسی خاص شخص پر قتل کا دعویٰ کر دیا تو قسم اس محلّہ سے ساقط ہو جائے گی۔ اگر قسم کھانے والے نے کہا کہ اس کو فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو اس سے قسم لی جائے گی کہ بخدا نہ تو میں نے اس کو قتل کیا اور نہ مجھے معلوم ہے کہ اس کا قاتل فلاں کے علاوہ ہے اور اگر اہل محلّہ میں سے دو آدمی کسی دوسرے محلّہ کے آدمی کے خلاف گواہی دیں کہ اس نے اس شخص کو قتل کیا ہے تو ان دونوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح: پوری عبارت چھ مسئلوں پر مشتمل ہے۔

وَاِنْ وُجِدَ ...... فَهُوَ هدر: مسئلہ (۱) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

وان کان محتسباً ...... من ذالك المکان: مسئلہ (۲) حسب سابق اس کی بھی صورت واضح ہے۔

وان ادعیٰ ...... القسامة عنهم: مسئلہ (۳) **وان اِدَّعیٰ ...... سَقَطَتْ عَنْهُمْ:** مسئلہ (۴) **واِذَا قَالَ الْمُسْتَحْلِفُ ...... غیر فلان:** مسئلہ (۵) ان تینوں مسئلوں کی صورت ترجمہ سے واضح ہے کوئی تفصیل نہیں ہے۔

واِذَا شَهِدَ اِثْنَانِ الخ: مسئلہ (۶) مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔ عدم قبول شہادت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اہل محلّہ کی گواہی دوسرے محلّہ کے آدمی کے خلاف قبول کی جائے گی۔

کتاب المعاقل

احکام معاقل کا بیان

المعاقل: یہ معقلہ (فتح المیم وسکون عین وضم قاف وفتح لام) کی جمع ہے۔ دیت، اس کا دوسرا نام عقل ہے معنیٰ ہے روکنا کیونکہ دیت خونریزی سے باز رکھتی ہے۔ اس معنیٰ کے اعتبار سے دانش اور خردمندی کو عقل کہتے ہیں کیونکہ عقل انسان کو ارتکاب قبائح سے باز رکھتی ہے۔ معاقل سے دیت مراد لیا گیا ہے جبکہ کتاب الدیت گزر چکی ہے اور اس کتاب میں ان لوگوں کا بیان ہے جن پر دیت واجب ہے جس کو عاقلہ کہتے ہیں اس کی جمع عواقل آتی ہے اس لئے عنوان کتاب المعاقل کے بجائے کتاب العواقل ہونا چاہئے تھا جیسا کہ صاحب برہان نے کتاب العواقل لکھا ہے بعض حضرات نے اس کا جواب دیا

ہے کہ کلام میں مضاف محذوف ہے یعنی کتاب اہل المعاقل۔

الدية فِي شبه العَمَدِ والخَطاءِ وَ كُلُّ دِيَةٍ وَجَبَتْ بِنَفْسِ القَتْلِ علىٰ العَاقِلَةِ والعَاقِلَةُ اَهْلُ الدِّيْوَان اِنْ كَانَ القَاتِلُ مِنْ اَهْلِ الدِّيْوَان يُوْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ فِي ثَلٰثِ سِنِيْنَ فاِنْ خَرَجَتِ العَطَايَا فِيْ اَكْثَر مِنْ ثَلٰثِ سِنِيْنَ اَوْ اَقَلَّ أُخِذَ مِنها وَ مَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ اَهْلِ الدِّيوَان فَعَاقِلَتُهٗ قَبِيْلَتُهٗ تُقَسطُ عَلَيْهِمْ فِي ثلٰثِ سِنِيْنَ لَا يَزَادُ الوَاحِدُ علىٰ اَرْبَعِ دَرَاهِم فِي كُلِّ سَنَةٍ دِرْهَمٌ وَ دَانقان وَ يَنْقُصُ مِنهَا فاِنْ لَمْ تَتَّسِع القَبِيْلَةُ بِذٰلِكَ ضُمَّ اِلَيْهِمْ اَقْرَبُ القَبَائِلَ اِلَيْهِمْ وَ يَدْخُلُ القَاتِلُ مَعَ العَاقِلَةِ فَيَكُوْنُ فِيْمَا يُوَدِّى كاحدهم.

ترجمہ: قتل شبہ عمد اور قتل خطاء کی دیت اور ہر وہ دیت جو نفس قتل سے واجب ہوتی ہے وہ عاقلہ پر ہوتی ہے۔ اور عاقلہ اہل دیوان ہیں بشرطیکہ قاتل اہل دیوان میں سے ہو۔ یہ دیت ان کے وظائف میں سے (بالاقساط) تین سال میں وصول کی جائے گی۔ اب اگر وظائف تین سال سے زائد تک نکل گئے (پہونچ گئے) یا تین سال سے کم میں تو دیت اسی (اعتبار) سے وصول کی جائے گی اور جو (قاتل) اہل دیوان میں سے نہ ہو تو اس کا عاقلہ اس کا قبیلہ ہے تو ان پر تین سال میں قسط کردی جائے گی ایک آدمی پر چار درہم سے زائد (کی قسط) نہیں ہوگی ہر سال میں ایک درہم اور دو دانق اور (دیت) چار درہم سے کم ہوتی ہے اگر قبیلہ میں (دیت برداشت کرنے کی) گنجائش نہ ہو تو (تو ایسی صورت میں) ان کے ساتھ قریبی قبیلہ والے ملالئے جائیں گے اور قاتل عاقلہ کے ساتھ داخل ہو جائے گا اور یہ ادائیگی دیت میں ایک عاقلہ کے مثل ہو جائے گا۔

حل لغات: دیوان: ایسا دفتر جس میں لشکروں کے نام، روزینہ و ماہانہ وغیرہ لکھا جاتا ہے۔ دفتر، روزینہ۔ عطایا: واحد عطیہ ہے، وظائف تقسط: قسط (ن،ض) قسطاً انصاف کرنا۔ قسط وار کرنا۔ دانقان: دانق کا تثنیہ تقریباً سات رتی کا ایک وزن۔

تشریح: الدية فی شبه العمد و الخطاء: قتل شبہ عمد اور قتل خطاء میں دیت واجب ہوتی ہے۔

و کلی دیة ...... من اهل الدیوان: مسئلہ (۱) اس عبارت میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے جو ترجمہ سے واضح ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دیت کنبہ والوں پر واجب ہوتی ہے۔

یوخذ من عَطَایَاهُم ...... وینقص منها: مسئلہ (۲) دیت اہل دیوان کے وظائف سے تین سال میں لی جائے گی اور اگر وظائف تین سال سے زائد یا اس سے کم مدت میں حاصل ہوں تو دیت ان ہی میں سے لے لی جائے گی۔ لیکن اگر قاتل اہل دیوان میں سے نہ ہو تو قبیلہ کے لوگ عاقلہ ہوں گے اور دیت قسط وار تین سال پر تقسیم کردی جائے گی اور ایک آدمی کے ذمہ صرف چار درہم ہوں گے اس سے زائد نہیں اور ایک سال میں ایک درہم اور دو دانق ہوں گے۔ اور چار سے کم بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک مقدار کی کوئی تعیین نہیں ہے بلکہ عاقلہ کی استطاعت پر موقوف ہے۔ امام احمدؒ سے بھی یہی ایک روایت ہے اور دوسری روایت اور امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ مالدار لوگوں سے

نصف دینار اور متوسط طبقہ کے لوگوں سے ربع دینار لیا جائے گا۔

فان لم تتسع...... اقرب القبائل : مسئلہ (۳) اگر تین سال میں قسط تقسیم کے بعد اس قبیلہ میں گنجائش نہ ہو تو اس قبیلہ والوں کے ساتھ دیگر قبائل میں سے جو نسب کے اعتبار سے قریب ہوگا ملا دیا جائے گا یہ عصبات کی ترتیب پر ہے یعنی پہلے بھائی پھر ان کی اولاد اس کے بعد چچا پھر ان کی اولاد وغیرہ بالترتیب ملائے جائیں گے۔

ویدخل ...... کاحدھم : مسئلہ (۴) احناف کے نزدیک دیت میں عاقلہ کے ساتھ قاتل بھی شامل ہوگا اور ادائیگی دیت میں ایک عاقلہ کے مثل ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک قاتل پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

وَ عَاقِلَةُ الْمُعْتَقِ قَبِيلَةُ مَوْلَاهُ وَ مَوْلىٰ الْمَوَالَاةِ يَعْقِلُ عَنْهُ مَوْلَاهُ وَقَبِيلَتُه وَ لَا تَتَحَمَّلُ الْعَاقِلَةُ اَقَلُّ مِنْ نِصْفِ عشر الدِّيَةِ وَ تَتَحَمَّلُ نِصْفَ الْعُرِ فَصَاعِداً وَ مَا نَقَصَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُوَ مِنْ مَالِ الْجَانِيْ وَ لَا تَعْقِلُ العاقلة جِنَايَةَ الْعَبْدِ وَ لَا تَعْقِلُ الْجِنَايَةَ الَّتِي اعترف بها الْجَانِي اِلَّا اَنْ يُصَدِّقُوْهُ وَ لَا يَعْقِلُ مَا لَزِمَ بِالصُّلْحِ وَاِذَا جَنىٰ الْحُرُّ عَلىٰ الْعَبْدِ جِنَايَةَ خَطَاءٍ كَانَتْ جِنَايته علىٰ عَاقِلَتِهٖ.

ترجمہ : اور معتق کا عاقلہ اس آقا کا قبیلہ ہے اور مولی الموالات کی طرف سے اس کا آقا اور اس کا قبیلہ دیت دے گا اور عاقلہ دیت کے بیسویں حصے سے کم کا متحمل نہیں ہوتے بلکہ بیسویں حصے یا اس سے زائد کے متحمل ہوتے ہیں اور جو جرمانہ کہ دسویں حصہ دیت سے کم ہو وہ مجرم کے مال میں سے (واجب) ہوگا۔ اور عاقلہ غلام کی جنایت کی دیت نہیں دیتے اور عاقلہ اس قصور کی دیت نہیں دیتے ہیں جس کا قصور اور خود اعتراف کرے الا یہ کہ عاقلہ اس کی تصدیق کردے اور عاقلہ دیت نہیں دیتے ہیں اس جنایت کی جو صلح کی وجہ سے لازم آتی ہے اگر آزاد شخص نے کسی غلام پر خطاءً جنایت کی تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

وعاقلة المعتق قبيلة مولاہ : عبارت کا مفہوم واضح ہے۔ **مولیٰ الموالات......قبيلة :** مولیٰ الموالات کی طرف سے اس کا آقا اور اس کا قبیلہ دیت ادا کریں گے کیونکہ بعد انتقال یہی لوگ وارث ہوں گے۔

ولا تتحمل العاقلة...... من مال الجاني : مسئلہ (۱) اگر کسی نے ایسا قصور کیا جس میں پوری دیت کے دسویں حصہ کے نصف (بیسویں حصہ) سے کم واجب ہو تو یہ دیت عاقلہ پر واجب نہیں ہوگی بلکہ قاتل کی ماں پر واجب ہوگی لیکن اگر ایسا قصور کیا جس میں پوری دیت کے دسویں حصہ کا نصف (بیسواں حصہ) یا اس سے زائد واجب ہو تو عاقلہ پر واجب ہوگی۔ اور اگر دیت اس سے کم واجب ہو تو اس دیت کی ادائیگی قصوروار کے مال سے ہوگی۔

ولا تعقل...... جناية العبد : مسئلہ (۲) اگر کسی غلام نے کوئی قصور کیا تو اسکی دیت عاقلہ ادا نہیں کریں گے۔

ولا تعقل...... الا ان يصدقوه : مسئلہ (۳) اگر کسی نے کوئی قصور کیا اور قصوروار نے اس کا اعتراف بھی کر لیا تو اس کے دیت کی ادائیگی عاقلہ پر واجب نہیں ہوگی البتہ اگر عاقلہ نے خود اس کے قصور کی تصدیق کردی تو اس صورت میں ادائیگی دیت عاقلہ پر ضروری ہوگی۔

ولا یعقل مالزم بالصلح : مسئلہ (۴) اگر کسی نے کوئی قصور کیا اور مصالحت کے نتیجے میں کچھ دیت طے کر دی گئی تو دیت کی ادائیگی عاقلہ پر لازم نہیں ہوگی۔

واذا جنی الحر الخ : مسئلہ (۵) اگر کسی آزاد شخص نے کسی غلام کو غلطی سے قتل کر دیا تو اس کی دیت آزاد قصوروار کے عاقلہ پر لازم ہوگی جو غلام کی قیمت کی صورت میں ادا کی جائے گی عند الاحناف۔ امام شافعیؒ کے نزدیک آزاد کے مال سے غلام کی قیمت ادا کی جائے گی یہ امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ (کمافی الہدایہ)

کتاب الحدود

حدود : یہ حد کی جمع ہے، معنیٰ ہے روکنا۔ اسی وجہ سے دربان کو حداد کہتے ہیں کہ انسان کو داخل اور خارج ہونے سے روکتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں کہتے ہیں ھو العقوبة المقدرة حقاً لله تعالیٰ۔ شریعت کی طرف سے مقرر شدہ سزا جو بطور حق اللہ رب العزت کے جاری ہوتی ہے تاکہ انسان افعال قبیحہ کے ارتکاب سے باز رہے۔

اس باب کو گزشتہ سے مناسبت یہ ہے کہ گزشتہ باب میں صرف نفس انسانی کی حفاظت کے خاطر احکام مشروع ہوئے ہیں اور اس باب میں ایسے احکامات بیان ہوتے ہیں جن کا اجراء عزت وآبرو اور تجاوز عن الحد کی بنیاد پر ہوا۔

الزنا یَثْبُتُ بالبَیِّنَةِ وَ الاِقْرارِ فالبَیِّنَةُ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعٍ مِنَ الشُّهُودِ علیٰ رَجُلٍ اَوْ امرأةٍ بالزنا فَسألَهُمُ الاِمَامُ عَنِ الزنا مَاهُو وَ کَیْفَ هُوَ وَ اَیْنَ زَنیٰ وَمَتیٰ زَنیٰ وَ بِمَنْ زَنیٰ فَاِذَا بَیَّنُوْا ذالِكَ وَقَالُوْا رأیناهُ وَطَاهَا فِیْ فَرْجِها کَالمِیْلِ فی المِکْحَلَةِ وَ سَالُ القَاضِی عَنْهُمْ فَعُدِلُوا فِیْ السِّرِ والعَلَانِیَةِ حَکَمَ بِشَهَادَتِهِمْ والاِقْرار ان یُقِرُّ البَالِغُ العَاقِلُ علیٰ نَفْسِهِ بالزنا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فِیْ اَرْبَعَةِ مَجَالِسَ مِنْ مَجَالِسِ المُقِرِّ کُلَّمَا اَقَرَّ رَدَّهُ القَاضِی فَاِذَا تَمَّ اِقْرارُهُ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ سالَهُ القَاضِیْ عَنِ الزنَا ما هُوَ وَکَیْفَ هُوَ وَ اَیْنَ زَنیٰ وَ بِمَنْ زَنیٰ فَاِذَا بَیَّنَ ذٰلِكَ لَزِمَهُ الحَدُّ فَاِنْ کَانَ الزَّانِی مُحْصِناً رَجَمَهُ بالحِجارَةِ حَتیٰ یَمُوْتَ یُخرِجُهُ اِلیٰ اَرْضٍ فَضَاءٍ تَبْتَدِیُٔ الشُّهُوْدُ بِرَجْمِهِ ثُمَّ الاِمَامُ ثم الناس و یُغْسِلُ وَ یُکَفِّنُ وَ یُصَلِّی عَلَیْهِ وَ اِنْ لَمْ یَکُنْ مُحْصِناً وَ کَانَ حُراً فَحَدُّهُ مائة جلدَةٍ یأمُرُ الاِمَامُ بِضَرْبِهِ بِسَوْطٍ لا ثَمْرَةَ لَهُ ضَرْباً مُتَوَسِّطاً یُنْزَعُ عَنْهُ ثِیَابُهُ وَ یُفَرِّقُ الضَّرْبُ علیٰ اَعْضَائِهِ اِلَّا رَاسَهُ وَ وَجْهَهُ وَفَرْجَهُ وَ اِنْ کَانَ عَبْداً جَلَدَهُ خَمْسِیْنَ کَذالِكَ۔

ترجمہ : زنا بینہ اور اقرار سے ثابت ہوتا ہے اور بینہ یہ ہے کہ چار گواہ کسی مرد یا کسی عورت کے خلاف زنا کی گواہی دیں اور امام ان سے زنا کے بارے میں دریافت کرے کہ زنا کیا ہے؟ کس طرح ہوتا ہے، زنا کہاں کیا، کب کیا اور کس سے کیا۔ اور جب وہ لوگ اس کو بیان کر دیں اور کہہ دیں کہ ہم نے اس کو فرج میں وطی کرتے دیکھا جیسے سلائی سرمہ دانی میں (داخل) ہوتی ہے پھر قاضی ان سے (دوبارہ) حال دریافت کرے تو پوشیدہ اور ظاہری طور پر ان کا عادل ہونا بتایا گیا تو قاضی ان

کی شہادت کے مطابق حکم دے گا اور اقرار کی صورت یہ ہے کہ عاقل بالغ اپنی ذات پر چار مرتبہ اپنی مجلس کی چار جداگانہ مجلسوں میں زنا کا اقرار کرے اور جب اقرار کرے قاضی اس کو رد کر دے اور جب اس کا اقرار چار مرتبہ پورا ہو جائے تو قاضی اس کو رد کر دے تو قاضی زنا کے بارے میں دریافت کرے کہ زنا کیا ہوتا ہے اور وہ کس طرح ہوتا ہے کب اور اس نے کہاں زنا کیا اور کس سے زنا کیا اب جب وہ (ٹھیک ٹھیک) بیان کر دے تو اس پر حد لازم ہوگی۔ اور اگر زانی محصن ہے تو حاکم اس کو پتھروں سے سنگسار کرے یہاں تک کہ وہ شخص مرجائے اور اس شخص کو باہر کشادہ میدان میں لے جائیں، پہلے اسکو گواہ پتھر ماریں اس کے بعد امام پھر دوسرے لوگ اور اس کو (مرحوم کو) غسل دیں، کفن دیں اور اس پر نماز پڑھیں۔ اور اگر زانی محصن نہ ہو اور آزاد ہو تو اس کو سو درے لگائے اور امام اس کو ایسے درے سے مارنے کا حکم کرے جس میں گرہ نہ ہو اور ایسی مار مارے جو متوسط درجہ کی ہو اور (حد مارتے وقت) اس سے کپڑے اتار لئے جائیں اور ضرب کو اس کے اعضاء پر متفرق (مختلف اعضاء پر) کرے سوائے اس کے چہرہ اور فرج کے اور اگر زانی غلام (یا باندی) ہو تو اسی طرح پچاس درے مارے۔

حل لغات: **شهود:** واحد شاهد، گواہ۔ **المیل:** سرمہ کی سلائی۔ **المكحلة:** سرمہ دانی۔ **محصن:** پاکدامن، شادی شدہ۔ **رجمه. رجم(ن) رجما:** سنگسار کرنا۔ **فضاء:** کشادہ میدان۔ **جلد:** کوڑا، درے، سوط، کوڑا۔ **ثمرہ:** گرہ۔

تشریح: اس پوری عبارت میں پانچ مسئلے ہیں۔

الزنا یثبت بالبینة والاقرار: زنا کا ثبوت گواہی سے یا اقرار سے ہوتا ہے زنا کی تعریف صاحب الجوہرۃ فرماتے ہیں هو الوطئ فی فرج المرأة العاری عن النكاح او ملك او شبهتهما ویتجاوز الختان الختان. عورت کی ایسی شرمگاہ میں وطی کرنا کہ وہ نکاح یا ملک یا دونوں کے شبہ سے خالی ہو اور مرد کی ختان عورت کی ختان سے تجاوز کر جائے۔

فالبینة...... بشهادتهم: مسئلہ (۱) گواہی کہتے ہیں کہ چار گواہ مرد یا عورت کے خلاف زنا کی گواہی دیں۔ (گواہی میں لفظ زنا کو صراحت کے ساتھ ذکر کرنا ضروری ہے لفظ وطی یا لفظ جماع کافی نہیں ہے) گواہوں کے شہادت دینے کے بعد حاکم گواہوں سے دریافت کرے گا کہ زنا کسے کہتے ہیں؟ زنا کیسے ہوتا ہے؟ زنا کہاں کیا؟ یعنی دارالحرب میں یا دارالاسلام میں۔ زنا کب کیا؟ یعنی حال میں کیا یا کچھ عرصہ قبل اور کس کے ساتھ کیا (ان سوالات کا مقصد کسی حیلے سے حد کو ٹالنا ہے کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ حد کو ٹالو جہاں تک ممکن ہو) اور جب گواہ ساری بات بالتفصیل بیان کر دیں تو کہیں کہ ہم نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ وہ فلاں عورت کی شرمگاہ میں وطی کر رہا تھا جس طرح کہ سرمہ کی سلائی سرمہ دانی میں داخل کی جاتی ہے اور حاکم ان گواہوں کے حالات دریافت کرنے کے بعد علانیہ اور پوشیدہ طور پر ان کی عدالت کی تفتیش کرے۔ اس کے بعد ان لوگوں کی شہادت کی بنیاد پر زناکاری کا حکم لگا دے۔

والاقرار ...... لزمه الحد: مسئلہ (۲) اقرار کے ذریعہ ثبوت کی شکل یہ ہے کہ عاقل بالغ شخص اپنی ذات کے متعلق زنا کا چار مرتبہ جداگانہ طور پر چار مجلسوں میں اقرار کرلے۔ اس اقرار کی صورت یہ ہے کہ پہلے حاکم کے سامنے اقرار کرے پھر حاکم اس کو سامنے سے ہٹا دے پھر وہ آکر اقرار کرے اسی طرح چار مرتبہ اقرار اور رد ہوگا۔ اس اقرار کے بعد حاکم

اس مقر زانی سے سوال کرے گا کہ زنا کیا ہوتا ہے؟ کس طرح ہوتا ہے؟ زنا کہاں کیا؟ کس کے ساتھ زنا کیا؟ ان سوالات کے جوابات کے بعد اس زانی پر حد لازم ہوگی۔

فان کان الزانی...... سقط الحد : مسئلہ (۳) اگر زانی محصن ہے تو اس کو اتنا سنگسار کرے کہ مر جائے، ہاں سنگساری کیلئے اس کو کسی میدان میں لیجانا چاہئے کہ سنگساری کی ابتداء شواہد حضرات کریں گے۔ یہ احناف کے یہاں شرط ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شرط نہیں ہے۔ بلکہ حاضر ہونا مستحب ہے، شواہد کے بعد امام سنگساری کرے گا بعدہ دوسرے لوگ۔ اب اگر شواہد سنگساری میں پہل کرنے سے انکار کرتے ہیں تو حد ساقط ہو جائے گی۔

وان کان ...... ویصلی علیه : مسئلہ (۴) اگر زانی زنا کا اقرار کرتا ہے یعنی اگر زنا بالاقرار ثابت ہو رہا ہے تو ایسی صورت میں سنگساری میں امام پہل کرے گا پھر دوسرے لوگ۔ اس کے مرجانے کے بعد مردہ کو غسل دیا جائے گا، اس کو کفن دیا جائے گا پھر اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

وان لم یکن محصناً الخ : مسئلہ (۵) اگر زانی محصن نہ ہو اب اس کی دو صورتیں ہیں یا تو آزاد ہوگا یا غلام ہوگا۔ اگر آزاد ہے تو اس کی حد سو درّے ہیں۔ اور امام اس کو ایسے درے سے مارنے کا حکم دے گا جس میں گرہیں نہ ہوں۔ اور یہ ضرب درمیانی ہو اور درے لگانے سے پہلے سارے کپڑے اتار لئے جائیں، سر اور چہرہ اور شرمگاہ چھوڑ کر متفرق اعضاء پر ضرب لگائی جائے۔ اگر زانی غلام ہے تو اس کو اسی انداز سے پچاس درے لگائے جائیں۔

فان رَجَعَ المُقِرُّ عَنْ اِقْرارِهٖ قَبْلَ اِقَامَةِ الحَدِّ عَلَيْهِ اوفی وَسطِهٖ قُبِلَ رُجُوْعُهٗ وَ خُلِّيَ سَبِيْلُهٗ وَ يُسْتَحَبُّ لِلاِمَامِ اَنْ يُّلَقِّنَ المُقِرَّ الرُّجُوْعَ وَ يَقُوْلُ لَهٗ لَعَلَّكَ لَمَسْتَ اَوْ قَبَّلْتَ والرَّجُلُ والمرأَةُ فِيْ ذٰلِكَ سَوَاءٌ غَيْرَ اَنَّ المَرْأَةَ لَا تُنْزَعُ عَنْهَا ثِيَابُهَا اِلَّا الفَرْوَ والحَشْوَ. وَ اِنْ حَفَرَ لَهَا فِيْ الرَّجْمِ جَازَ وَ لَا يُقِيْمُ المَوْلٰى الحَدَّ علىٰ عَبْدِهٖ وَاَمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِ الاِمَامِ وَ اِنْ رَجَعَ اَحَدُ الشُّهُوْدِ بَعْدَ الحُكْمِ قَبْلَ الرَّجْمِ ضُرِبُوا الحَدَّ وَ سَقَطَ الرَّجْمُ عَنِ المَشْهُوْدِ عَلَيْهِ وَ اِنْ رَجَعَ بَعْدَ الرَّجْمِ حُدَّ الرَّاجِعُ وَحْدَهٗ وَ ضَمِنَ رُبْعَ الدِّيَةِ وَ اِنْ نَقَصَ عَدَدُ الشُّهُوْدِ عَنْ اَرْبَعَةٍ حُدُّوْا جَمِيْعاً وَ اِحْصَانُ الرَّجْمِ اَنْ يَكُوْنَ حُرّاً بَالِغاً عَاقِلاً مُسْلِماً قَدْ تَزَوَّجَ اِمْرَأَةً نِكَاحاً صَحِيْحاً وَ دَخَلَ بِهَا وَ هُمَا علىٰ صِفَةِ الاِحْصَانِ.

ترجمہ : اگر مقر اپنے اقرار سے اقامۃ حد سے پیشتر یا حد کے درمیان رجوع کرے تو اس کا رجوع قبول کیا جائے گا اور اس کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا۔ اور امام کے لئے مستحب یہ ہے کہ مقر کو رجوع کی تلقین کرے اور اس سے کہے کہ شاید تم نے چھوا ہوگا یا بوسہ لیا ہوگا۔ اور مرد و عورت اسمیں برابر ہیں۔ بجز اس کے کہ اس کے بدن سے اس کا کپڑا نہیں اتارا جائے گا سوائے پوستین اور موٹے کپڑے کے۔ اور اگر عورت کی سنگساری کے لئے گڑھا کھودا تو جائز ہے۔ اور آقا اپنے غلام یا باندی پر حد نہیں قائم کرے گا مگر امام کی اجازت سے۔ اگر کوئی گواہ فیصلہ کے بعد اور رجم سے پہلے رجوع کرلے تو گواہوں کو

حد لگائی جائے گی اور مشہود علیہ سے رجم ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر کسی نے رجم کے بعد (شہادت سے) رجوع کرلیا تو صرف رجوع کرنے والے پر حد لگائی جائے گی۔ اور یہ چوتھائی دیت کا ضامن ہوگا اور اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو سب کو حد لگائی جائے گی۔ اور یہ چوتھائی دیت کا ضامن ہوگا اور اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو سب کو حد لگائی جائے گی۔ رجم کا محصن ہونا یہ ہے کہ زانی آزاد، بالغ، عاقل اور مسلمان ہو اور اس نے عورت سے نکاح صحیح کیا ہو اور اس سے صحبت کی ہو اور اس وقت دونوں صفت احصان پر قائم ہوں۔

اقرار اور شہادت سے رجوع کا بیان

حل لغات : خلی : ماضی مجہول، مصدر تخلیلہ خلی الامرو عنہ چھوڑنا۔ سبیل : راستہ۔ لمست : (ن) مصدر لمساً چھونا۔ قبلت : مصدر تقبیل۔ بوسہ لینا۔ تنزع : نزع عن القوس (ض) نزعا کمان سے پھینکنا۔ نزع الثیاب عن الجسد : کپڑے اتارنا۔ الفرو : پوستین۔ الحشو : موٹے کپڑے۔ حفر (ض) حفراً : گڑھا کھودنا۔

تشریح : اس پوری عبارت کو آٹھ مسئلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فان رجع ...... خلی سبیلہ : مسئلہ (۱) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس رجوع کرنے والے کو چھوڑا نہیں جائے گا بلکہ حد جاری کی جائے گی یعنی رجوع سے حد ساقط نہیں ہوگی۔

ویستحب للامام ...... سواء : مسئلہ (۲) امام وقت کے لئے مستحب یہ ہے کہ مقر زنا کو اپنے اقرار سے رجوع کی تلقین کرے اور اس انداز سے کہے کہ شاید تم نے اس عورت کو صرف مس کیا ہو تو تم نے صرف بوسہ لیا مقصد یہ ہے کہ کسی طرح سے حد ٹل جائے۔ اور اس تلقین میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں۔

غیر ان المرأۃ ...... الحشو : مسئلہ (۳) اگر عورت پر حد جاری کی جائے گی تو اس صورت میں اس کے کپڑے میں سے صرف پوستین اور موٹے کپڑے اتارے جائیں گے باقی کپڑے جسم پر ہی رہیں گے اتارے نہیں جائیں گے۔

وان حفرَ لھا فی الرجم جاز : مسئلہ (۴) اگر عورت کو سنگسار کرنے کیلئے کوئی گڑھا کھودا جائے تو جائز ہے بلکہ بہتر ہے تاکہ پردا کا پورا اہتمام ہو، اس کی گہرائی سینے تک ہوگی البتہ مرد کیلئے گڑھا کھودنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولا یقیم المولیٰ ...... الامام : مسئلہ (۵) آقا حاکم کی اجازت کے بغیر اپنے غلام اور باندی پر حد قائم نہیں کرسکتا ہے البتہ سزا دے سکتا ہے۔

وان رجع احد ...... ربع الدیۃ : مسئلہ (۶) اگر چار گواہوں کی شہادت کی بنیاد پر سنگساری کا فیصلہ کیا گیا اس کے بعد کسی گواہ نے رجوع کرلیا تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) رجوع رجم سے قبل ہو (۲) رجوع رجم کے بعد ہو۔ اگر رجوع رجم سے قبل ہو تو تمام پر حد جاری ہوگی اور مشہود علیہ سے رجم ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر رجوع رجم کرنے کے بعد ہو تو رجوع کرنے والے پر حد قذف جاری ہوگی اور اس پر ربع دیت کا تاوان بھی واجب ہوگا۔

وان نقص ...... جمیعاً : مسئلہ (۷) اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو سب پر حد جاری ہوگی۔

واحصان الرجم الخ : مسئلہ (۸) سنگسار اس زانی کو کیا جائے گا جو محصن ہوگا اور محصن ہونے کے لئے سات

شرطیں ہیں (۱) زانی آزاد ہو۔ (۲) بالغ ہو۔ (۳) عاقل یعنی مجنون اور دیوانہ نہ ہو۔ (۴) مسلمان ہو۔ (۵) وطی کی ہو (۶) بوقت دخول نکاح صحیح کے ساتھ جماع ہوا ہو (نکاح گواہوں کی موجودگی میں ہوا ہو) (۷) وطی کے وقت زوجین کے اندر صفت احصان موجود ہو۔ چوتھی شرط میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک احصان کے لئے زانی کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔

ولا يُجمع في المحصن بين الجلد والرَّجْمِ ولا يجمع في البكر بين الجلد والنفى الا ان يرى الامام ذٰلك مَصْلِحَةً فَيعَزِّرُ بِهٖ على قدر ما يرىٰ وَ اِذَا زَنىٰ المَرِيْض وحدُّهُ الرجم رُجِمَ وَاِنْ كَانَ حَدُّهُ الجلد لم يُجلَّدُ حتىّٰ يبرأ وَ اِذَا زَنتِ الحَامِلُ لَمْ تُحَدُّ حَتىّٰ تَضَعَ حَمْلَهَا وَ اِنْ كَانَ حَدُّهُ الجلْدُ فَحتىّٰ تتعلّا مِنْ نِفَاسِهَا وَ اِنْ كَانَ حَدُّ هَا الرَّجْمُ رُجِمَتْ فِيْ النِفَاسِ وَ اِذَا شَهِدَ الشّهُوْدُ بَحدِّ مُتَقَادِمٍ لَمْ يَمْنَعْهُمْ عَنْ اِقَامَتِهٖ بُعْدُهُمْ عَنِ الِامَامِ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمْ اِلَّا فِيْ حَدِّ القَدَفِ خَاصَّةً وَ مَنْ وَطِئَ اَجْنَبِيَّةً فِيْ مَادُوْنَ الفَرْجِ عُزِّرَ وَ لَا حَدَّ عَلىٰ مَنْ وَطِئَ جَارِيَةَ وَلَدِهٖ اَوْ وَلَدَ وَلَدِهٖ وَ اِنْ قَا عَلِمْتُ اَنَّهَا حَرَامٌ عَلَيَّ.

ترجمہ : اور محصن میں کوڑے اور سنگساری کو جمع نہیں کیا جائے گا اور کنوارے میں کوڑے اور جلا وطنی کو جمع نہیں کیا جائے گا البتہ یہ کہ امام کو اس میں کوئی مصلحت نظر آئے تو اس کو اپنی رائے کے مطابق سزا دے۔ اور اگر مریض نے زنا کیا جس کی حد رجم ہے تو اس کو رجم کیا جائے گا اور اگر اس کی حد کوڑے ہوں تو اسے کوڑے نہیں مارے جائیں گے یہاں تک کہ شفایاب ہو جائے۔ اور اگر حاملہ عورت زنا کرے تو اسے کوڑے نہیں لگائے جائیں گے یہاں تک کہ وضع حمل ہو اور اگر اس کی حد کوڑے ہوں تو (اسے کوڑے نہیں لگائے جائیں گے) یہاں تک کہ اپنے نفاس سے پاک ہو جائے اور اگر اس کی حد سنگساری ہے تو نفاس میں سنگساری کر دی جائے گی اور اگر گواہوں نے پرانی حد کی گواہی دی کہ گواہوں کا امام سے دور ہونا انکو حد کے قائم کرنے سے مانع نہیں تھا تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی مگر خاص کر حد قذف میں اور اگر کسی نے کسی اجنبیہ سے فرج کے علاوہ میں وطی کی تو اس کو سزا دی جائے گی اور اس شخص پر کوئی حد نہیں ہے جس نے اپنے بیٹی کی باندی سے یا اپنے پوتے کی باندی سے وطی کی اگر چہ وہ کہے کہ مجھے معلوم تھا کہ وہ مجھ پر حرام ہے۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسئلے ہیں۔

ولا يُجمع ...... والرجم : مسئلہ (۱) احناف کے نزدیک شادی شدہ شخص میں کوڑے اور رجم کو، اسی طرح کنوارے شخص میں کوڑے اور جلا وطنی کو جمع نہیں کیا جائے گا البتہ اگر حاکم مناسب سمجھے تو تعزیراً جلا وطن کر سکتا ہے۔ اہل ظاہر و امام احمدؒ کے نزدیک جلد و رجم میں اور امام شافعیؒ کے نزدیک جلد اور جلا وطنی میں حد کے طور پر جمع کرنا جائز ہے۔ دلائل کے لئے مطولات دیکھیں۔

واذا زنىٰ المريض ...... حتىٰ يبرأ : مسئلہ (۲) اگر کسی بیمار شخص نے زنا کیا اگر اس کی حد رجم ہے تو اس کو رجم کیا جائے گا لیکن اگر اس کی حد کوڑے مارنا ہے تو شفایابی کے بعد کوڑے مارے جائیں گے۔

واذا زنت الحامل...... فی النفاس : مسئلہ (۳) اگر زانیہ حالت حمل میں ہو تو وضع حمل تک حد نہیں لگائی جائے گی اور اگر حد کوڑوں کی ہو تو نفاس سے پاک ہونے تک اس کو مؤخر کیا جائے گا اور اگر حد رجم ہو تو وضع حمل کے بعد اور حالت نفاس میں حد جاری کردی جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ اگر اس کے بچے کی کوئی پرورش کرنے والا نہ ہو تو حد کو مؤخر کیا جائے گا یہاں تک کہ بچہ ماں سے مستغنی ہو جائے۔ (الجوہرہ ج ۲ ص ۲۱۸)

واذا شهد الشهود...... خاصة : مسئلہ (۴) اگر گواہوں نے ایک مدت گزر جانے کے بعد حد زنا، حد سرقہ حد شرب کے متعلق گواہی دی اور یہ گواہ امام سے دور ہوں تو یہ دوری گواہی کے ادائیگی سے مانع نہیں ہوگی تو ایسی صورت میں گواہوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی ہاں اگر کسی نے دوسرے کو زنا کی تہمت لگائی جس کے چند گواہ ہیں پھر جب مقذوف نے مدت کے بعد دعویٰ کیا اس وقت گواہوں نے گواہی دی تو اس حد قذف کی صورت میں ان کی گواہی قبول ہوگی کیونکہ فی الفوران پر گواہی واجب نہیں تھی۔

امام شافعی کے نزدیک جن لوگوں نے ایک مدت کے بعد گواہی دی ان کی گواہی قبول ہو جائے گی۔

ومن وطی ...... عزر : مسئلہ (۵) اگر ایک شخص نے کسی اجنبیہ سے مقام فرج کو چھوڑ کر کسی اور مقام میں وطی کی تو ایسی صورت میں اس کی تعزیر کی جائے گی۔

ولا حد علیٰ من ...... علیَّ حرام : مسئلہ (۶) اگر کسی نے اپنے بیٹے کی باندی سے یا پوتے کی باندی سے وطی کی اور یہ کہے کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ باندی مجھ پر حرام ہے تو ایسی صورت میں اس شخص پر کوئی حد واجب نہیں ہوگی۔

وَ اِذَا وَطِیَ جَارِیَةَ اَبِیْهِ اَوْ اُمِّهٖ اَوْ زَوْجَتِهٖ اَوْ وَطِیَ الْعَبْدُ جَارِیَةَ مَوْلَاهُ وَقَالَ عَلِمْتُ اَنَّهَا عَلَیَّ حَرَامٌ حُدَّ وَ اِنْ قَالَ ظَنَنْتُ اَنَّهَا تَحِلُّ لِیْ لَمْ یُحَدَّ وَ مَنْ وَطِیَ جَارِیَةَ اَخِیْهِ اَوْ عَمِّهٖ وَ قَالَ ظَنَنْتُ اَنَّهَا تَحِلُّ لِیْ حُدَّ وَ مَنْ زُفَّتْ اِلَیْهِ غیر امرأتِهٖ وَ قَالَتِ النِّسَاءُ اَنَّها زَوجتك فَوَطِئَهَا فَلَا حَدَّ عَلَیْهِ وَ عَلَیْهِ الْمَهْرُ وَ مَنْ وَجَدَ اِمْرَأَةً علیٰ فِرَاشِهٖ فَوَطِئَهَا فَعَلَیْهِ الْحَدُّ وَ مَنْ تَزَوَّجَ اِمْرَأَةً لَا یَحِلُّ لَهٗ نِکَاحُهَا فَوَطِئَهَا لَمْ یَجِبْ عَلَیْهِ الْحَدُّ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ عِنْدَهُمَا یُحَدُّ.

ترجمہ : اور اگر کسی نے اپنے باپ یا اپنی ماں یا اپنی بیوی کی باندی سے وطی کی یا غلام نے اپنے آقا کی باندی سے وطی کی اور وہ یہ کہتا ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ باندی مجھ پر حرام ہے تو اس پر حد لگائی جائے گی لیکن اگر یہ کہتا ہے کہ وہ باندی میں اپنے لئے حلال خیال کرتا ہوں تو اسکو حد نہیں لگائی جائے گی۔ اور اگر کسی نے اپنے بھائی یا چچا کی باندی سے وطی کی اور کہے کہ میرا خیال ہے کہ وہ میرے لئے حلال ہے تو اس کو حد لگائی جائے گی۔ اور (اگر) کسی کے پاس شب زفاف میں کسی دوسرے کی عورت کو بھیجا گیا اور عورتوں نے یہ کہا کہ یہ تیری بیوی ہے اس نے اس عورت سے صحبت کرلی تو اس شخص پر کوئی حد نہیں ہوگی البتہ اس پر مہر واجب ہوگا۔ اور (اگر) کسی نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا کہ اسکے لئے اس سے نکاح جائز نہیں اور اس نے اس سے وطی کرلی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر حد واجب نہیں ہوگی البتہ حضرات صاحبین کے نزدیک اس شخص کو حد لگائی جائے گی۔

تشریح : اس عبارت میں پانچ مسئلے ہیں۔

واذا وطی ...... تحل لی لم یحد : مسئلہ (۱) اسکی دوصورتیں ہیں اور دونوں میں حد کا حکم وطی کرنے والے کے گمان پر موقوف ہے۔صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

ومن وطی ...... حد : مسئلہ (۲) ترجمہ سے صورت مسئلہ واضح ہے۔ یہاں بھی حکم وطی کرنے والی کے گمان پر موقوف ہے۔

ومن زُفّت ...... وعلیه المهر : مسئلہ (۳) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے اس صورت میں شب زفاف منانے والے پر مہر واجب ہوتا ہے۔

ومن وجد ...... الحد : مسئلہ (۴) ترجمہ سے صورت مسئلہ واضح ہے۔

ومن تزوج الخ : مسلہ (۵) ترجمہ سے صورت مسئلہ واضح ہے۔حد اور عدم حد کے متعلق امام ابوحنیفہؒ اور حضرات صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔ بصورت وطی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حد نہیں واجب ہوگی اور حضرات صاحبین کے نزدیک وطی واجب ہوگی۔

ومن اَتیٰ اِمرأَۃً فِی المَوْضعِ المَکْرُوہِ اَوْ عَمِلَ عَمَلَ لُوطٍ فَلا حَدَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللہ وَ یُعَزَّرُ وَ قَالَ رَحِمَهُمَا اللہ هُوَ کَالزِّنَا فَیُحَدُّ وَمَنْ وَطِیَ بَهِیْمَۃً فَلا حَدَّ عَلَیْہِ وَ مَنْ زنیٰ فِیْ دَارِ الحَرْبِ اَوْ فِیْ دَارِ البَغِی ثُمَّ خَرَجَ اِلَیْنَا لَمْ یَقُمْ عَلَیْہِ الحَدُّ.

ترجمه : اگر کسی نے عورت سے مقام مکروہ میں وطی کی یا قوم لوط کا عمل کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کوئی حد نہیں ہوگی البتہ سزادی جاے گی۔اور حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ یہ عمل زنا کی طرح ہے لہٰذا حد لگائی جائے گی اور جس نے کسی چوپایہ سے وطی کی تو اس پر کوئی حد نہیں ہے اور (اگر) کسی نے دارالحرب میں یا باغیوں کی حکومت میں زنا کیا پھر وہ ہمارے یہاں (دارالاسلام میں) آگیا تو اس پر حد نہیں ہوگی۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے ہیں۔

ومن اتیٰ ...... فیحد : مسئلہ (۱) صورت مسئلہ واضح ہے یعنی عورت کے مقام دبر میں یا قوم لوط کا عمل کرنے سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کوئی حد نہیں ہے البتہ تعزیر ہے۔حضرات صاحبین کے نزدیک یہ زنا کا حکم رکھتا ہے اس لئے اس شخص پر حد لگائی جائے گی۔

ومن وطی ...... فلا حد علیه : مسئلہ (۲) چوپائے سے وطی کرنے پر کوئی حد نہیں ہے۔

ومن زنیٰ دارالحرب الخ : مسئلہ (۳) صورت مسئلہ واضح ہے یعنی دارالحرب میں زنا کرنے سے یا باغی حکومت میں رہ کر زنا کرنے کے بعد دارالاسلام میں آجانے سے کوئی حد قائم نہیں کی جائے گی۔

باب حد الشرب

شراب نوشی کی حد کا بیان

وَمَنْ شَرِبَ الخَمْرَ فَاُخِذَ وَ رِيْحُهَا مَوْجُوْدَةٌ فَشَهِدَ عَلَيْهِ الشُّهُوْدُ بِذٰلِكَ اَوْ اَقَرَّ وَ رِيْحُهَا مَوْجُوْدَةٌ فَعَلَيْهِ الحَدُّ وَ اِنْ اَقَرَّ بَعْدَ ذِهَابِ رِيْحِهَا لَمْ يُحَدَّ وَ مَنْ سَكِرَ مِنَ النَّبِيْذِ حُدَّ وَ لَا حَدَّ عَلٰى مَنْ وُجِدَ مِنْهُ رِيحُ الخَمْرِ اَوْ تَقَيَّاهَا وَ لَا يُحَدُّ السَّكْرانُ حَتّٰى يُعْلَمَ اَنَّهُ سَكِرَ مِنَ النَّبِيْذِ وَ شَرِبَهُ طَوْعًا وَ لَا يُحَدُّ حَتّٰى يَزُوْلَ عَنْهُ السُّكْرُ وَ حَدُّ الخَمْرِ وَ السُّكْرِ فِيْ الحُرِّ ثَمَانُوْنَ سَوْطًا يُفَرَّقُ عَلٰى بَدَنِهٖ كَمَا ذَكَرْنَا فِيْ حَدِّ الزِّنَا وَ اِنْ كَانَ عَبْدًا فَحَدُّهُ اَرْبَعُوْنَ سَوْطًا وَ مَنْ اَقَرَّ بِشُرْبِ الخَمْرِ والسُّكْرِ ثُمَّ رَجَعَ لَمْ يُحَدَّ وَ يَثْبُتُ الشُّرْبُ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ اَوْ بِاِقْرَارِهٖ مَرَّةً وَاحِدَةً وَ لَا يُقْبَلُ فِيْهِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ.

ترجمه : اور جس شخص نے شراب پی اور گرفتار کیا گیا جب کہ اس کی بد بو موجود تھی گواہوں نے اس کی گواہی دی یا شرابی نے خود اقرار کرلیا جب کہ اس کی بد بو موجود تھی تو اس پر (شراب کی) حد ہے۔ اور اگر شرابی نے شراب کی بد بو دور ہونے کے بعد اس کا اقرار کیا تو اس کو (شراب کی) حد نہیں لگائی جائے گی۔ اور جو شخص نبیذ کی وجہ سے نشہ میں ہو جائے تو اس کو حد لگائی جائے گی اور ایسے شخص پر کوئی حد نہیں ہے جس سے شراب کی بد بو آئے یا وہ شراب کی قے کرے۔ اور نشہ والے کو حد نہیں لگائی جائے گی یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ وہ نبیذ کی وجہ سے نشہ میں ہوا ہے اور شراب بخوشی پی ہے اور اس شخص کو حد نہیں لگائی جائے گی یہاں تک کہ نشہ زائل ہو جائے۔ اور شراب اور نشہ کی حد آزاد کے لئے اسّی (۸۰) کوڑے ہیں جو متفرق اعضاء پر لگائے جائیں گے جیسا کہ ہم نے اس کو حد زنا میں ذکر کیا ہے اور اگر (شرابی) غلام ہو تو اس کی حد چالیس کوڑے ہیں۔ اور جس شخص نے شراب پینے کا اقرار کیا پھر اس نے رجوع کرلیا تو اس کو حد نہیں لگے گی۔ اور شراب پینا دو گواہوں کی گواہی سے یا اسکے ایک مرتبہ کے اقرار سے ثابت ہو جائے گا اور مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح : اس عبارت میں آٹھ مسئلے ہیں۔

ومن شرب ...... فعليه الحد : مسئلہ (۱) اگر کسی نے شراب پی اور اسکو اس حالت میں گرفتار کیا کہ اس کے منہ میں شراب کی بو موجود تھی اور گواہوں نے اس کی گواہی دی یا اس نے بذات خود اقرار کیا اور اس وقت بھی منہ میں بد بو تھی تو ایسی صورت میں اس شرابی پر حد لگائی جائے گی۔ (دو مردوں کی گواہی معتبر ہوگی)۔

وان اقر...... لم يحد : مسئلہ (۲) بد بو دور ہو جانے کے بعد شراب پینے کے اقرار سے حد نہیں لگائی جائے گی۔

ومن سكر من النبيذ حدّ : مسئلہ (۳) نبیذ کا نشہ کرنے والوں پر حد شراب لگائی جائے گی۔

ولا حد ...... تقياها : مسئلہ (۴) جس شخص کے منہ سے شراب کی بد بو آئے یا اس کو شراب کی قے ہو جائے تو

اس پر شراب کی حد نہیں لگائی جائے گی۔

ولا یحد ...... عنه السکر: مسئلہ (۵) جس شخص نے نشہ کیا تو اس پر حد شراب لگانے کی شرط یہ ہے کہ اس نے نبیذ کا نشہ کیا ہو اور اپنی خواہش سے پیا ہو اور اس پر نشہ کے ختم ہونے کے بعد حد لگائی جائے گی۔

وحده ...... اربعون سوطاً: مسئلہ (۶) اگر آزاد شخص ہے تو اس کی شراب اور نشہ کی حد اسی کوڑے ہیں جو بدن کے متفرق اعضاء پر مارے جائیں اور اگر غلام ہے تو اس کی حد چالیس کوڑے ہیں یہ تفصیل حد الزنا میں بیان کردی گئی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک آزاد کی بھی حد چالیس کوڑے ہیں۔ امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔

ومن اقر ...... لم یُحَدّ: مسئلہ (۷) اگر کسی نے اولاً شراب پینے یا نشہ آور چیزوں کے پینے کا اقرار کیا اس کے بعد اس سے رجوع کرلیا تو اس شخص پر حد نہیں لگائی جائے گی۔

ویثبت الشرب الخ: مسئلہ (۸) اگر دو شخص گواہی دیدیں یا شرابی خود ایک مرتبہ اقرار کرے تو شراب پینا ثابت ہو جائے گا۔ اس میں مردوں کی شہادت عورتوں کے ساتھ قبول نہیں کی جائے گی۔

باب حد القذف

حد قذف کا بیان

اذا قذف الرجل رَجُلاً مُحْصِناً اَوْ اِمْرأةً مُحْصِنَةً بِصَرِيحِ الزِّنَا وَ طَالَبَ المَقْذُوف بِالحَدِّ حَدَّهُ الحَاكِمُ ثَمَانِيْنَ سَوْطاً اِنْ كَانَ حُراً يُفَرِّقُ عَلىٰ اَعْضَائِهِ وَ لَا يُجَرَّدُ مِنْ ثِيَابِهٖ غَيرَ اَنَّهُ ينزِعُ عَنْهُ الفروُ والحشوُ وَاِنْ كَانَ عَبْداً جَلَدَهُ اَرْبَعِيْنَ سَوْطاً والاِحْصَانُ اَنْ يَكُوْنَ المَقْذُوف حُرّاً بَالِغاً عَاقِلاً مُسْلِماً عَفِيْفاً عَنْ فِعْلِ الزِّنَا وَ مَنْ نَفىٰ نَسَبَ غَيرِهٖ فَقَالَ لَسْتَ لِاَبِيْكَ اَوْ يَا ابْنَ الزَّانِيةِ وَ اُمُّهُ مُحْصِنَةٌ مَيْتَةٌ فَطَالَبَ الاِبْنُ بِحَدِّهَا حُدَّ القَاذِفُ وَ لَا يُطَالِبُ بِحَدِّ القَذَفِ لِلْمَيِّتِ اِلَّا من يَقَعُ القَدْحُ فِيْ نَسَبِهٖ بِقَذَفِهٖ وَ اِذَا كَانَ المَقْذُوْف مُحْصِناً جَازَ لِاِبْنِهِ الكَافِرِ والعبد ان يطالبُ بِالحَدِّ.

ترجمہ: اگر کسی نے کسی محصن مرد یا محصنہ عورت کو صریح زنا کی تہمت لگائی اور مقذوف نے حد کا مطالبہ کرلیا تو حاکم اس کو کوڑے حد میں لگائے گا بشرطیکہ وہ شخص آزاد ہو وہ کوڑے اس کے متفرق اعضاء پر لگائے جائیں گے اور اس کے بدن پر سے کپڑا نہیں نکالا جائے گا علاوہ اس کے کہ اس کے پوستین اور موٹے کپڑے (روئی سے بھرے ہوئے) نکالے جائیں گے اور اگر وہ غلام ہے تو حاکم اس کو چالیس کوڑے لگائے۔ اور محصن ہونا یہ ہے کہ مقذوف آزاد ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، مسلمان ہو، فعل زنا سے پاکدامن ہو۔ اور جس شخص نے کسی کے نسب کی نفی کی اور کہا تم اپنے باپ کے نہیں ہو یا زانیہ کے بیٹے اور اس کی ماں محصنہ مرچکی ہو اور بیٹا اپنی ماں کی حد کا مطالبہ کرے تو اس قاذف کو حد لگائی جائے گی۔ اور میت کے حد قذف

کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہے مگر وہ شخص جس کے نسب میں اس کے تہمت سے فرق آتا ہو۔ اگر مقذوف محصن ہو تو جائز ہے اس کے کافر بیٹے اور غلام کیلئے کہ حد کا مطالبہ کریں۔

حل لغات: قذف (ض) قذفاً: تہمت لگانا۔ پتھر پھینکنا۔ محصن: شادہ شدہ۔ مقذوف: جس کو تہمت لگائی جائے۔ جلد: باب تفعیل تجلید سے ماضی ہے۔ کوڑے لگانا۔ عفیف: پاکدامن۔ قاذف: تہمت لگانے والا۔ قدح: عیب۔

تشریح: اس عبارت میں چار مسئلے اور شرائط محصن کا بیان ہے۔

اذا قذف ...... اربعین سوطاً: مسئلہ (۱) اگر کسی شخص نے کسی محصن مرد یا محصنہ عورت پر صریح زنا کی تہمت لگائی اور تہمت زدہ شخص نے حد لگانے کا مطالبہ کیا تو اب اگر تہمت لگانے والا آزاد شخص ہے تو حاکم اس پر اسّی کوڑے لگائے اور یہ کوڑے جسم کے مختلف حد پر لگائیں جائیں اور کپڑوں میں سے صرف پوستین اور روئی دار کپڑے اتار دئے جائیں گے اور اگر غلام ہے تو اس پر چالیس کوڑے لگائے جائیں گے۔

والاحصان ...... فعل الزنا: محصن کی شرط بیان کی جارہی ہے مقذوف آزاد ہو (غلام نہ ہو) بالغ ہو (بچہ نہ ہو) عاقل ہو (مجنون نہ ہو) مسلمان ہو (کافر نہ ہو) زنا سے پاک دامن ہو۔

ومن نفی...... حد القاذف: مسئلہ (۲) اگر کسی نے کسی کے نسب کی نفی کی اور کہا کہ تم اپنے باپ کے نہیں ہو یا تم زانیہ کے بیٹے ہو اور اس کی محصنہ ماں کا انتقال ہو چکا ہے اور بیٹا اپنی ماں کی حد کا مطالبہ کرے تو ایسی صورت میں قاذف کو حد قذف لگائی جائے گی۔

ولا یطالب ...... بقذفہ: مسئلہ (۳) کسی میت کی طرف حد قذف کا مطالبہ وہی کر سکتا ہے جو اپنے نسب میں تہمت کی وجہ سے فرق محسوس کرتا ہو یعنی لڑکا اور باپ مطالبہ کر سکتے ہیں۔ یہ احناف کے نزدیک ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ہر وارث کو یہ حق حاصل ہے۔

واذا کان المقذوف الخ: مسئلہ (۴) اگر تہمت زدہ شخص محصن ہو تو اس کا کافر لڑکا یا اس کا غلام حد کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

> **ولَیْسَ لِلْعَبْدِ اَنْ یُطَالِبَ مَوْلَاہُ بِقَذْفِ اُمِّہٖ الْحُرَّۃِ وَ اِنْ اَقَرَّ بِالْقَذْفِ ثُمَّ رَجَعَ لَمْ یُقْبَلْ رُجُوْعُہٗ وَقَالَ لِعَرَبِیٍّ یَا نبطی لَمْ یُحَدَّ وَ مَنْ قَالَ لِرَجُلٍ یَاابْنَ مَاءِ السَّمَاءِ فَلَیْسَ بِقَاذِفٍ وَاِذَا نَسَبَہٗ اِلیٰ عَمِّہٖ اَوْ اِلیٰ خَالِہٖ اَوْ اِلیٰ زَوْجِ اُمِّہٖ فَلَیْسَ بِقَاذِفٍ وَ مَنْ وَطِیَٔ وَطْئاً حَرَاماً فِیْ غَیْرِ مِلْکِہٖ لَمْ یُحَدّ قَاذِفُہٗ والملاعِنَۃُ لِوَلَدٍ لَا یُحَدُّ قَاذِفُھَا۔**

ترجمہ: اور غلام کیلئے جائز نہیں ہے کہ اپنے آقا سے اپنی آزاد ماں کی تہمت کی حد کا مطالبہ کرے اور اگر اس نے تہمت کا اقرار کر لیا پھر رجوع کر لیا تو اس کا رجوع قبول نہیں ہوگا۔ اور جس نے کسی عربی سے کہا او نبطی تو حد نہیں لگائی جائے گی۔ اور جس نے کسی سے کہا کہ اے آسمان کے پانی کے بیٹے تو وہ شخص تہمت لگانے والا نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی نے کسی کو اس کے چچا یا اس کے ماموں یا اس کی ماں کے شوہر کی طرف منسوب کیا تو وہ شخص قاذف نہیں ہے اور جس شخص نے کسی غیر کی ملک میں حرام

وطی کی تو اس کے قاذف کو حد نہیں لگے گی۔ اور وہ عورت جو بچہ کی وجہ سے معاف کرنے والی ہو اس کے قاذف کو حد نہیں لگے گی۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسئلے موجود ہیں۔

ولیس...... الحرة : مسئلہ (۱) اگر کوئی آقا اپنے غلام کو یہ کہہ کر پکارے اے زانیہ کے لڑکے اور اس غلام کی ماں آزاد ہو، محصنہ ہو تو غلام اپنے آقا پر اپنی ماں کی حد قذف کا مطالبہ نہیں کرسکتا ہے۔ کیونکہ فی نفسہ غلام اپنے لئے آقا پر حد قذف کا مطالبہ نہیں کرسکتا ہے تو اپنی ماں کے لئے بھی نہیں کرسکتا ہے۔

وان اقر...... رجوعه : مسئلہ (۲) اگر کسی نے زنا کا تہمت لگانے کا اقرار کیا بعد میں اس اقرار سے پھر گیا تو اس کا پھرنا قبول نہیں ہوگا کیونکہ یہاں مقذوف کا حق متعلق ہے۔

وقال لعربی...... لم یحد : مسئلہ (۳) اگر کسی نے عربی آدمی کو کہا او نبطی تو اس کو حد نہیں ماری جائے گی کیونکہ یہاں بداخلاقی یا فصیح نہ ہونے میں تشبیہ دینا مقصود ہے تہمت مقصود نہیں ہے۔

نبط : یہ ایک عجمی قوم تھی جو عراقین کے درمیان آباد تھی پھر عوام الناس پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔

ومن قال ...... بقاذفٍ : مسئلہ (۴) اگر کوئی کسی کو یا ابن ماء السماء کہہ کر پکارتا ہے تو وہ شخص قاذف نہیں ہوگا اس لئے اس پر حد قذف نہیں لگائی جائے گی کیونکہ اس جملہ سے تہمت مقصود نہیں بلکہ جود وسخا، حسن وصفا سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔

واذا نَسبهٗ ...... فَلَیسَ بِقَاذِفٍ : مسئلہ (۵) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

ومن وَطِئَ ...... لم یُحد قاذفه : مسئلہ (۶) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

والملاعنه الخ : اگر کوئی عورت بچہ کی وجہ سے لعان کرچکی ہو تو جو شخص اس پر تہمت زنا لگائے گا اس پر حد قذف نہیں لگائی جائے گی کیونکہ اس عورت کے اندر زنا کی علامت پہلے سے موجود ہے۔

وَمَنْ قَذَفَ اَمَةً اَوْ عَبْداً اَوْ کَافِراً بالزنا اَوْ قَذَفَ مُسْلِماً بغَیْرِ الزنا فَقَالَ یَا فَاسِقُ اَوْ یَا کَافِرُ اَوْ یَا خَبِیْثُ عُزِّرَ وَ اِنْ قَالَ یَا حِمَارُ اَوْ خِنزِیْرُ لَمْ یُعَزَّرْ والتعزِیْرُ اَکْثَرُہٗ تِسْعَةٌ و ثلثوْنَ سَوْطاً وَاَقَلُّهٗ ثَلٰثُ جَلَدَاتٍ وَ قَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللهُ یَبْلُغُ بِالتعْزِیْرِ خَمْسَةٌ و سَبْعُوْنَ سَوْطاً وَ اِنْ رأی الاِمَامُ اَنْ یَّضُمَّ اِلیٰ الضَّرْبِ فِیْ التَّعْزِیْرِ الحَبْسَ فَعَلَ وَ اَشَدُّ الضَّرْب التعزیرُ ثُمَّ حَدُّ الزنَا ثُمَّ حَدُّ الشُرْبِ ثُمَّ حَدُّ القَذَفِ وَ مَنْ حَدَّهُ الاِمَامُ اَوْ عَزَّرَهٗ فَمات فَدَمُهٗ هَدْرٌ وَ اِذَا حُدَّ المُسْلِمُ فِیْ القَذَفِ سَقَطَتْ شَهَادَتُهٗ وَ اِنْ تَابَ وَ اِنْ حُدَّ الکَافِرُ فِیْ القَذَفِ ثُمَّ اَسْلَمَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهٗ.

ترجمه : اور جس شخص نے کسی باندی یا غلام یا کافر کو زنا کی تہمت لگائی یا کسی مسلمان کو زنا کے علاوہ (کسی اور چیز) کی تہمت لگائی اور کہا اے فاسق یا اے کافر یا اے خبیث تو اس کو سزا دی جائے گی اور اگر کہا کہ اے گدھے یا اے خنزیر تو سزا نہیں دی جائے گی۔ اور سزا زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے اور کم سے کم تین کوڑے ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ سزا پچھتر کوڑوں تک پہونچ سکتی ہے اور اگر امام مناسب سمجھے کہ ضرب فی التعزیر میں قید کو شامل کرے تو شامل کرسکتا ہے۔ اور

سب سے سخت مار تعزیری ہے اس کے بعد حد زنا کی پھر حد شراب کی اس کے بعد حد قذف کی اور جس شخص کو امام نے حد لگائی یا اس کو سزا دی اور وہ شخص مرگیا تو اس کا خون معاف ہے۔ اور جب مسلمان کو قذف کی حد لگائی گئی تو اس کی شہادت ساقط ہوگئی اگر چہ وہ توبہ کرلے۔ اور اگر کافر کو قذف کی حد لگائی گئی پھر وہ اسلام لے آیا تو اس کی شہادت قبول ہوگی۔

تعزیر کے احکام

حل لغات : غُزِر : باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول ہے۔ تعزیر مطلق سزا دینے کو کہتے ہیں خواہ ترش روئی کے ساتھ ہو یا تلخ لہجہ میں ہو گوشمالی کے ساتھ ہو یا زدوکوب اور مار پیٹ کے ساتھ ہو دو چار ضربوں کے ساتھ یا دس پانچ ضربوں کے ساتھ۔ **هدر** : مصدر، رائیگاں، **هدر الدم** (ف، ض) **هدراً** خون رائیگاں ہونا، خون کا معاف ہونا۔

تشریح : تعزیر اور عدم تعزیر کا اصول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو ایسے اختیاری عمل کی طرف منسوب کرے جو شریعت میں حرام ہو اور عرف عام میں باعث شرم ہو تو ایسی صورت میں قائل پر تعزیر ہے۔ اور اگر عمل منسوب اختیاری نہ ہو یا اختیاری ہو مگر شریعت میں حرام نہ ہو یا حرام ہو مگر عرف عام میں شرم کا باعث نہ ہو تو ایسی صورت میں قائل پر نہیں ہے۔ اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے صاحب قدوری کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

یہ عبارت سات مسئلوں پر مشتمل ہے۔

ومن قذف ...... لم یُعزّر : مسئلہ (۱) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

والتعزیر وسبعون سوطاً : مسئلہ (۲) تعزیر کی مقدار کے متعلق احناف کا اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تعزیر کی اکثر مقدار انتالیس کوڑے ہیں اور کم سے کم مقدار تین کوڑے ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پچھتر کوڑے ہیں امام محمدؒ بعض کے بیان کے مطابق امام اعظمؒ کے ساتھ ہیں اور بعض کے بیان کے مطابق امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں۔

وان رأی...... فعل : مسئلہ (۳) اگر امام تعزیر میں مار کے ساتھ قید خانہ میں رکھنا مناسب سمجھے تو قید خانہ میں رکھ سکتا ہے۔

واشد الضرب...... حد القذف : مسئلہ (۴) سب سے زیادہ سختی سے درّہ مارنا تعزیر میں ہوتا ہے اس کے بعد حد زنا میں سختی ہے پھر حد شرب میں سختی ہے اس کے بعد حد قذف میں سختی ہے۔

ومن حدہٗ ...... هدر : مسئلہ (۵ جس شخص کو امام نے کوئی حد ماری یا اس کو کوئی سزا دی اور وہ اس کے نتیجہ میں مرگیا تو اس کا خوف معاف ہے یعنی اس کی دیت کا کوئی قصاص نہیں ہوگا۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر وہ شخص امام کی تعزیر سے مرجاتا ہے تو اس کی دیت بیت المال میں واجب ہوگی۔

واذا حد المسلم ...... وان تاب : مسئلہ (۶) اگر کسی مسلمان کو حد قذف لگادی گئی تو اس کی شہادت ساقط ہوجائے گی اگر چہ وہ توبہ کرلے۔

وان حد الکافر الخ : مسئلہ (۷) مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

کتاب السرقه وقطاع الطریق

چوری اور ڈاکوؤں کا بیان

اذا سرق البالغ العاقلُ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ اَوْ مَا قِيْمَتُهٗ عَشْرَةُ دَرَاهِمَ مَضْرُوْبَةً اَوْ غَيْرَ مَضْرُوْبَةٍ مِنْ حِرْزٍ لَا شُبْهَةَ فِيْهِ وَجَبَ القَطْعُ والعَبْدُ والحُرُّ فِيْهِ سَوَاءٌ وَ يَجِبُ القَطْعُ بِاِقْرَارِهٖ مَرَّةً وَاحِدَةً اَوْ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ وَ اِذَا اشْتَرَكَ جَمَاعَةٌ فِيْ سَرِقَةٍ فَاَصَابَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشْرَةُ دَرَاهِمَ قُطِعَ وَ اِنْ اَصَابَهٗ اَقَلُّ لَمْ يُقْطَعْ.

ترجمہ : اگر کسی عاقل، بالغ نے دس درہم ایسی چیز چرائی جس کی قیمت دس درہم ہے اور یہ درہم مضروب ہوں یا غیر مضروب (اور یہ چوری) ایسی محفوظ جگہ سے ہوئی جس کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہے تو ہاتھ کاٹنا واجب ہے اور اس میں غلام اور آزاد دونوں برابر ہیں۔ اور اس کے ایک مرتبہ اقرار سے قطع ید واجب ہو جاتا ہے یا دو گواہوں کی گواہی سے۔ اور اگر ایک جماعت چوری میں شریک ہو اور (حصہ میں) ہر ایک کو دس درہم پہنچے تو سب کے ہاتھ کاٹ دئے جائیں گے اور اگر (حصہ میں) دس درہم سے کم آئے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے مذکور ہیں۔

السرقة: ازروئے لغت دوسرے کی چیز کو چھپا کر لینا۔ ازروئے شریعت کسی عاقل بالغ شخص کا کسی دوسرے کے مال محفوظ کو جس کی حفاظت میں شبہ نہ ہو پوشیدہ طور پر لے لینا، مال مسروقہ خود دس درہم ہو یا اس کی قیمت دس درہم تک پہنچتی ہو۔ یہ دراہم چاندی کے ڈھلے ہوئے سکہ ہوں یا بلا ڈھلے ہوں۔ قطع ید کیلئے عندالاحناف یہ مقدار مذکورہ ضروری ہے مال صرف ایک شخص کا ہو یا مشترک مال ہو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ربع دینار میں قطع ید واجب ہے جو سونے کے ہوں۔ امام مالک اور امام احمدؒ کے نزدیک تین درہم چاندی کی سرقہ میں قطع ید واجب ہے۔ چوری کی سزا میں آزاد اور غلام دونوں برابر ہیں۔

اس گفتگو کو صاحب قدوری نے اپنی اس عبارت "اذا سرق البالغ ......فیه سواءٌ" میں بیان کیا ہے۔ البتہ اختلاف دوسری کتابوں سے لیا گیا ہے۔ یہ مسئلہ (۱) تھا۔

ویجب القطع ...... شاهدین : مسئلہ (۲) چور خود ایک مرتبہ چوری کا اقرار کرے یا دو مرد اس کی گواہی دیدیں تو چور کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا۔ البتہ عورت کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

واذا اشترك جماعة الخ : مسئلہ (۳) اگر چوری میں ایک گروہ شریک ہو اور ایک کو حصہ میں دس درہم مل جائے تو تمام کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ لیکن اگر دس درہم سے کم مال پہنچا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ جتنا مال اس تک پہنچا ہے اس کا ضمان لازم ہوگا۔

وَلَا يُقْطَعُ فِيمَا يُوجَدُ تَافِهاً مُبَاحاً فِيْ دَارالاسلام كالخشَبِ والحَشِيْشِ والقَصَبِ والسَّمَكِ والصَّيْدِ وَ لَا فِيمَا يَسْرَعُ اِلَيْهِ الفَسَادُ كالفَوَاكِهِ الرَّطْبَةِ واللَّبَنِ واللَّحْمِ والبِطِّيخِ والفَاكِهَةِ علىٰ الشَّجَرِ والزَّرْعِ الَّذِىْ لَمْ يُحْصَدْ وَ لَا قَطْعَ فِيْ الأشْرِبَةِ المُطْرِبَةِ وَلَا فِيْ الطنبور وَلَا فِيْ سَرْقَةِ المَصْحَفِ وَ اِنْ كَانَتْ عَلَيْهِ حِلْيَةٌ وَ لَا فِيْ صَلِيْبِ الذَّهَبِ والفِضَّةِ ولا الشَّطْرَنْجِ وَ لَا النردِ وَ لا قَطْعَ علىٰ سَارِقِ الصَّبِيِّ الحُرِّ وَ اِنْ كَانَ عَلَيْهِ حُلِيٌّ وَ لَا سارِقِ العَبْدِ الكَبِيْرِ وَ يُقْطَعُ سَارِقُ العَبْدِ الصَّغِيْرِ وَ لَا قَطْعَ فِيْ الدَّفَاتِرِ كُلِّهَا فِي دَفَاتِرِ الحِسَابِ.

ترجمہ: اور ان چیزوں (کی چوری) جن میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے جو معمولی (حیثیت کی) پائی جاتی ہوں اور دارالاسلام میں مباح (اور عام طور پر جائز) ہو جیسے لکڑی، گھاس، نرکل، مچھلی شکار اور ان چیزوں (کی چوری) میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جو جلد خراب ہو جاتی ہیں جیسے ترمیوے، دودھ، گوشت، تربوز، درخت میں لگے ہوئے اور وہ کھیتی جو نہ کاٹی گئی ہو اور قطع ید نشہ آور شرابوں میں نہیں ہے۔ نہ باجے میں ہے اور نہ ہی قرآن کی چوری میں ہے اگر چہ اس پر سونا لگا ہوا ہو اور نہ سونے، چاندی کی صلیب میں ہے، نہ شطرنج میں اور نہ نرد میں ہے۔ اور کم سن آزاد بچہ کی چوری کرنے والے پر قطع ید نہیں ہے اگرچہ اس (کے جسم) پر زیور ہو۔ اور بڑے غلام کے چرانے والے پر قطع ید نہیں ہے۔ اور نابالغ غلام کے چرانے والے پر قطع ید ہے۔ تمام (قسم کے) رجسٹر (کے چرانے میں) قطع ید نہیں ہے سوائے حساب کے رجسٹر (کے چرانے) میں (اگر کسی نے حساب کا رجسٹر چرالیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا)۔

موجب قطع ید اور عدم موجب قطع ید کا بیان

حل لغات: تافھا: معمولی اور حقیر چیز۔ الخشب: لکڑی۔ الحشیش: گھاس۔ القصب: نرکل۔ بانس۔ السمك: مچھلی۔ الفواکه الرطبة: ترمیوے۔ الفاکھة علیٰ الشجر: درخت پر لگے ہوئے میوے۔ الاشربة المطربة: نشہ آور شرابیں۔ الطنبور: باجے۔ النرد: ایک قسم کا کھیل جس کو اردشیر بن بابک شاہ نے ایجاد کیا تھا۔ الدفاتر: واحد دفتر رجسٹر۔

تشریح: مندرجہ بالا عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے اس لئے وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

وَلَا يُقْطَعُ سَارِقُ كَلْبٍ وَلَا فَهْدٍ وَ لَادَفٍ وَ لَا طَبَلٍ وَلَا مِزْمَارٍ وَ يُقْطَعُ فِيْ السَّاجِ والقناءِ والابنوس والصَّنْدَلِ وَاِذَا اتخذَ مِنَ الخَشْبِ اواني اَو ابوابٌ قُطِعَ فِيهَا وَلَا قَطْعَ عَلىٰ خَائِنٍ وَ لَا خَائِنَةٍ وَ لَا نَبَّاشٍ وَ لَا مُنْتَهِبٍ وَ لَا مُخْتَلِسٍ وَ لَا يُقْطَعُ السَّارِقُ مِنْ بَيْتِ المَالِ وَ لَا مِنْ مَا لٍ للسَّارِقِ فِيْهِ شِرْكَةٌ وَ مَنْ سَرَقَ مِنْ اَبَوَيْهِ اَوْ وَلَدِهِ اَوْ ذِىْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْه لَمْ يُقْطَعُ وَ كَذٰلِكَ اِذَا سَرَقَ اَحدُ الزَّوْجَيْنِ مِنَ الاٰخرِ اَوْ العَبْدُ مِنْ سَيِّدِهِ اَوْ مِنْ اِمْرَأةِ سَيِّدِهِ اَوْ مِنْ زَوْجِ سَيِّدَتِهِ اَوْ المَولىٰ مِنْ مُكَاتَبِه وَ كَذٰلِكَ السَّارِقِ مِنَ الغَنَمِ.

ترجمہ: اور کتے، چیتے، دف، ڈھول اور سارنگی چرانے والے کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے اور ساگون، نیزے کی لکڑی، آبنوس اور صندل (چرانے) میں ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ اور جب لکڑی سے برتن بنائے گئے یا دروازے تو ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ اور خائن مرد اور خائنہ عورت پر، کفن چور پر، لٹیرے پر اور اُچک لینے والے پر قطع ید نہیں ہے۔ اور بیت المال سے چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور نہ ایسے مال (کی چوری کی وجہ) سے ہاتھ کاٹا جائے گا جس میں چور کی شرکت ہے۔ اور جس شخص نے اپنے والدین، اپنے بیٹے یا ذی رحم محرم کی کوئی چیز چرالی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور اسی طرح اگر زوجین میں سے کوئی دوسرے کا مال چرالے یا غلام اپنے آقا کی یا اپنے آقا کی بیوی کی یا اپنی سیدہ کے شوہر کی یا آقا اپنے مکاتب کی کوئی چیز چرالے اور اسی طرح مال غنیمت سے چرانے والا۔

حل لغات: فهد: چیتا۔ مزمار: سارنگی۔ الساج: ساگون۔ القنا: نیزے کی لکڑی۔ اوانی: واحد آنية. برتن۔ نباش: کفن چور۔ منتهب: اسم فاعل، لوٹنے والا۔ مُختلس: اچک لینے والا، اختلاس الشئی. قریب سے جھپٹا مار لینا۔

تشریح: مندرجہ بالا عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے کوئی اختلافی پہلو نہیں ہے۔

والحِرْزُ علىٰ ضربَينِ حِرْز لمعنى فِيْهِ كالدُور وَ البُيُوتِ وحِرْز بالحَافِظِ فَمَنْ سَرَقَ عَيْناً مِنْ حِرْزٍ اَوْ غَيْر حِرْزٍ وَ صَاحِبُهُ عِنْدَهُ يَحْفِظُهُ وَجَبَ عَلَيْهِ القَطْعُ وَلَا قَطْعَ علىٰ مَنْ سَرَقَ مِنْ حَمَامٍ اَوْ مِنْ بَيْتٍ اُذِنَ للنَّاسِ فِيْ دُخُوْلِهٖ وَ مَنْ سَرَقَ مِنَ المَسْجِدِ مَتاعاً وَ صَاحِبُهُ عِنْدَهُ قُطِعَ وَ لَا قَطْعَ علىٰ الضَّيْفِ اِذَا سَرَقَ مِمَّنْ اَضَافَهُ وَ اِذَا نقصَ اللِصُّ البَيْتَ وَ دَخَلَ فَاَخَذَ المَالَ وَ نَاوَلَهُ آخرُ خَارِجَ البَيْتِ فَلَا قَطْعَ عَلَيْهِمَا وَ اِنْ اَلْقَاهُ فِي الطَّرِيْقِ ثُمَّ خرجَ فَاَخذَهُ قُطِعَ وَ كَذَالِكَ اِذَا حَمَلَهُ عَلىٰ حِمَارٍ وَ سَاقَهُ فَاَخرَجَهُ وَ اِذَا دَخَلَ الحِرْزَ جَمَاعَةٌ فَتولىٰ بَعْضُهُمْ الاَخْذَ قُطِعُواْ جَمِيْعاً وَ مَنْ نَقَبَ البَيْتَ وَ اَدْخَلَ يَدَهُ فِيْهِ وَ اَخَذَ شَيْئاً لَمْ يُقْطَعْ وَ اِنْ اَدخَلَ يَدَهُ فِيْ صُنْدُوقِ الصَيْرفِيِّ اَوْ فِيْ كُمِّ غَيْرِهٖ وَ اَخَذَ المَالَ قُطِعَ.

ترجمہ: حرز کی دو قسمیں ہیں ایک وہ حرز (مکان محفوظ) ہے جو اپنے معنیٰ کی وجہ سے ہے جیسے گھر اور کوٹھریاں اور (دوسری وہ) حرز ہے جو نگاہ بان اور محافظ کے ذریعہ ہو۔ پس جس شخص نے کوئی چیز حرز یا غیر حرز سے چرایا جبکہ چیز کا مالک اس کے پاس موجود ہے اس کی حفاظت کرتا ہے تو اس پر قطع ید واجب ہوگا اور اس شخص پر قطع ید نہیں ہے جس نے کسی حمام سے یا ایسے گھر سے چوری کی جس میں لوگوں کے آنے کی اجازت دی گئی۔ اور جس شخص نے مسجد سے کوئی سامان چرایا جب کہ مالک سامان اس کے پاس موجود ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور مہمان پر قطع ید نہیں ہے اگر اس نے میزبان کی کوئی چیز چرائی۔ اور اگر چور نے گھر میں نقب لگایا اور داخل ہو کر مال اٹھالیا اور اسے کسی دوسرے کو دیدیا جو گھر سے باہر تھا تو ان تمام پر قطع ید نہیں ہے اور اگر (چور نے) مال کو راستہ میں ڈالدیا پھر وہاں سے نکلا اور اس کا اٹھالیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور اسی طرح اگر (چور) مال کو

گدھے پر لاد کر ہانک دے اور اس کو باہر لے آئے۔ اور اگر کوئی جماعت مکان محفوظ میں داخل ہوئی اور بعض نے مال لے لیا تو تمام کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ اور جس شخص نے گھر میں نقب لگایا اور اپنا ہاتھ اس میں داخل کر دیا اور کوئی چیز لے لی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور اگر اپنا ہاتھ زرگر کے صندوق میں یا کسی کے جیب میں داخل کیا اور مال نکال لیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

مکان محفوظ کا بیان

تشریح : اس پوری عبارت میں حرز کی اقسام اور دس مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

الحرز علیٰ ضربین ...... الحافظ : حرز کا لغوی معنیٰ محفوظ مقام کے ہیں اور شریعت میں اس مقام کو کہتے ہیں جہاں عادۃً مال کی حفاظت کی جائے۔ حرز کی دو قسمیں ہیں ایک حرز معنوی جیسے گھر، کوٹھریاں، مکان، خیمہ، صندوق وغیرہ۔ دوسرے حرز بذریعہ نگہبان۔

فمن سرق ...... وجب علیه القطعَ : مسئلہ (۱) اگر کسی نے حرز شرعی یا غیر حرز سے کوئی سامان چرایا باوجود یکہ اس کا مالک اسکی حفاظت کر رہا ہو تو ایسی صورت میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ولا قطع ...... فی دخوله : مسئلہ (۲) اگر کسی نے حمام سے یا ایسے گھر سے کوئی سامان چرایا جس میں ہر شخص کو آنے کی اجازت ہے تو ایسی صورت میں سارق کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ومن سر ...... قطع : مسئلہ (۳) ایک شخص مسجد میں اپنے سامان کے پاس تھا کسی نے آ کر اس کا سامان چوری کر لیا تو ایسی صورت میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ولا قطع ...... اضافه : مسئلہ (۴) اگر مہمان نے میزبان کی کوئی چیز چرالی تو مہمان کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اسکو گھر میں رہنے کی اجازت کی وجہ سے یہ مکان اس کے حق میں حرز نہیں ہے اسلئے یہ عمل خیانت ہے چوری نہیں ہے۔

واذا نقب ...... فلا قطع علیهما : مسئلہ (۵) اگر چور نے گھر میں نقب لگائی اور گھر میں گھس کر مال اٹھایا اور اس کو کسی دوسرے کو دیا جو باہر تھا تو ایسی صورت میں دونوں کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا

وان القاهُ ...... قطع : مسئلہ (۶) اگر چور گھر میں نقب لگا کر داخل ہوا اور مال اٹھا کر باہر راستہ میں ڈالدیا اور پھر آ کر اس کو اٹھالیا تو ایسی صورت میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وکذلکَ ...... فاخرجه : مسئلہ (۷) اگر کسی نے کوئی سامان گدھے پر لادا اور اس کو ہانک دیا پھر باہر جا کر اس کو اپنے قبضہ میں کر لیا تو ایسی صورت میں بھی اس شخص کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

واذا دخل ...... قطعوا جمیعاً : مسئلہ (۸) اگر کوئی گروہ کسی محفوظ مکان میں داخل ہوا اور ان میں سے بعض نے سامان اٹھالیا تو ایسی صورت میں تمام کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

ومن نقب ...... لم یقطع : مسئلہ (۹) اگر کسی نے کسی گھر میں نقب لگایا اور اپنا ہاتھ اس گھر میں ڈال کر کوئی چیز نکال لی تو اس کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا۔

وان اَدخلَ ...... الخ : مسئلہ (۱۰) اگر کسی نے کسی زرگر کے صندوق میں یا کسی کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور مال نکال

لیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وَيُقْطَعُ يمين السارق مِنَ الزَّنْدِ وَ تُحْسَمُ فَاِنْ سَرَقَ ثَانِياً قُطِعَتْ رِجْلُهُ الْيُسْرىٰ فَاِنْ سَرَقَ ثَالِثاً لَمْ يُقْطَعْ وَ خُلِّدَ فِي السِّجْنِ حَتّٰى يَتُوْبَ وَ اِنْ كَانَ السَّارِقُ اَشَلَّ الْيَدِ الْيُسْرىٰ اَو اَقْطع اَوْ مَقْطُوْعَ الرجلِ اليمنىٰ لَمْ يُقْطَعْ.

ترجمہ: اور چور کا داہنا ہاتھ پہونچے سے کاٹا جائے گا۔ اور داغ دیا جائے گا۔ اب اگر اس نے دوبارہ چوری کی تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اس کے بعد اگر تیسری بار چوری کی تو کاٹا نہیں جائے گا بلکہ قید میں ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ توبہ کرلے اور اگر چور کا بایاں ہاتھ خشک ہو یا کٹا ہوا ہو یا داہنا پاؤں کٹا ہوا ہو تو کاٹا نہیں جائے گا۔

کیفیت قطع کا بیان

حل لغات: الزند: پہونچا، گٹا۔ تحسم: (ض) حسماً العرق. رگ کاٹ کر خون روکنے کیلئے داغ دینا۔ السجن: قیدخانہ۔

تشریح: اس عبارت میں چار مسئلے ہیں۔

ویقطع ...... تحسم: مسئلہ (۱) چور کا داہنا ہاتھ پہونچے سے کاٹا جائے گا اور اس کو داغا بھی جائے گا یہ داغنا عند الاحناف واجب ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہے۔

فان سرق...... رجه الیسریٰ: مسئلہ (۲) اگر چور نے دوبارہ چوری کی تو اس کا بایاں پاؤں (ٹخنے سے کاٹا جائے گا)

فان سر ق ثالثاً...... حتی یتوب: مسئلہ (۳) اگر چور نے تیسری مرتبہ چوری کی تو اس کی سزا کے بارے میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک بالکل نہیں کاٹا جائے گا بلکہ توبہ کرنے تک اس کو قید خانہ میں ڈالدیا جائے گا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تیسری چوری میں بایاں ہاتھ اور چوتھی چوری میں داہنا پاؤں کاٹا جائے گا۔

وان کان السارق الخ: مسئلہ (۴) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے اس صورت میں کاٹنے کے بجائے قید کیا جائے گا۔

ولا يقطع السارق الا ان يَحْضَرَ المسروقُ مِنهُ فَيُطَالِبُ بالسَّرِقَةِ فَاِنْ وَهَبَهَا مِنَ السَّارِقِ اَوْ بَاعَهَا مِنْهُ اَوْ نَقَصَتْ قِيْمَتُهَا عَنِ الْمِضَابِ لَمْ يُقْطَعْ وَ مَنْ سَرَقَ عَيْناً فَقُطِعَ فِيْهَا وَرَدَّهَا ثُمَّ عَادَ فَسَرَقَهَا وَ هِيَ بِحَالِهَا لَمْ يُقْطَعْ وَاِنْ تَغَيَّرَتْ عَنْ حَالِهَا مِثْلَ اِنْ كَانَتْ غَزْلاً فَسَرَقَهُ فَقُطِعَ فِيْهِ وَرَدَّهُ ثُمَّ نَسَجَ فَعَادَ وَسَرَقَهُ قُطِعَ وَاِذَا قُطِعَ السَّارِقُ والعَيْنُ قَائِمَةٌ فِيْ يَدِهٖ رَدَّهَا وَ اِنْ كَانَتْ هَالِكَةً لَمْ يَضْمَنْ وَ اِذَا ادَّعىٰ السَّارِقُ اَنَّ العَيْنَ الْمَسْرُوْقَةَ مِلْكُهٗ سَقَطَ الْقَطْعُ عَنْهُ وَ اِنْ لَمْ يُقِمْ عَنْهُ.

ترجمہ: اور چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر یہ کہ مسروق منہ موجود ہو اور وہ چوری کا دعویٰ کرے اب اگر مسروق

منہ نے سارق کو وہ مال دیدیا یا اس کو سارق سے بیچدیا یا اس کی قیمت (ہاتھ کے کاٹے جانے کے) نصاب سے کم ہوگئی تو سارق کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور کسی نے کوئی چیز چرالی اور اس میں ہاتھ کاٹا گیا اور چور نے وہ چیز واپس کردی پھر اس نے دوبارہ چرالی اور یہ چیز (بلا کسی تغیر کے) اپنی حالت پر قائم ہے تو سارق کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور اگر وہ چیز اپنی حالت سے بدل گئی مثلاً اگر وہ چیز سوت تھی اور اس نے چرالیا اس میں اسکا ہاتھ کاٹا گیا سارق نے اس کو واپس کردیا۔ مالک نے کپڑا بن لیا پھر چور نے اسکو چرالیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور اگر سارق کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور چیز اسکے ہاتھ میں بدستور موجود ہے تو چور اس کو واپس کردے گا اور اگر ضائع ہوگئی تو ضامن نہیں ہوگا اور اگر سارق دعویٰ کرے کہ مال مسروقہ اس کی ملکیت ہے تو اس سے قطع ید ساقط ہوجائے گا اگرچہ بینہ قائم نہ کرے۔

سرقہ کے بقیہ احکام

ولا یقطع ...... فیطالب بالسرقة : مسئلہ (۱) چور کا ہاتھ کاٹنے کیلئے شرط یہ ہے کہ جس شخص کا مال چوری ہوا ہے وہ خاصر ہو اور اپنی چوری کا دعویٰ کرے۔ یہ احناف کے نزدیک ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر چور نے چوری کا اقرار کرلیا تو مسروق منہ کی حاضری ضروری نہیں ہے۔

فان وھبھا ...... لم یقطع : مسئلہ (۲) اس کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

ومن سرق ...... قطع : مسئلہ (۳) اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں جو ترجمہ سے واضح ہیں۔ پہلی صورت میں چیز دوبارہ چوری کرنے کے بعد اپنی حالت پر قائم رہی تو قطع ید نہیں ہوگا البتہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ کاٹا جائے جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت اور ائمہ ثلاثہ کا یہی قول ہے۔ دوسری صورت میں شئی مسروق کی ذات متغیر ہوگئی جیسا کہ مثال ترجمہ میں موجود ہے تو اس صورت میں قطع ید ہوگا۔

واذا قطع ...... لم یضمن : مسئلہ (۴) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا ادعیٰ السارق الخ : مسئلہ (۵) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

وَاذا خَرَجَ جَمَاعَةٌ مُمتَنِعُوْنَ اَوْ وَاحِدٌ یَقْدِرُ علیٰ الاِمْتِنَاعِ فَقَصَدُوا قَطْعَ الطَّرِیْقِ فَاخَذوا قَبْلَ اَنْ یَاخذوا مَالاً وَ یَقتلوا نفساً حبسهم الاِمَامُ حَتیٰ یُحْدِثُوا تَوْبَةً وَ اِنْ اَخَذُوا مال مُسْلِمٍ اَوْذِمِّیٍ والمَاخُوْذُ اِذا قُسِّمَ علیٰ جَمَاعَتِهِمْ اَصَابَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشرَةُ دَرَاهِمَ فَصَاعِداً اَوْمَا قِیمَتُهٗ ذٰلِكَ قَطَعَ الاِمَامُ اَیدِیْهِمْ وَ اَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلافٍ وَ اِنْ قتلوا نفساً وَ لَمْ یَاخذوا مَالاً قَتَلَهم الاِمَامُ حَداً حَتی لَوْ عفی عَنْهُمْ الاَوْلِیاء لَمْ یلتفت الی عفوهم وان قَتَلُوْا وَاخَذُوْا مَالاً فَالاِمَامُ بِالخِیَارِ اِنْ شَاءَ قَطَعَ اَیدِیهِم وَ ارْجُلهم مِنْ خلاف وَ قَتَلَهُمْ اَوْصَلَّبَهُمْ وَ اِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ وَ اِنْ شَاءَ صَلَّبَهُمْ وَ یُصَلَّبُوْنَ احیاءً وَ تُبعَجُ بُطُوْنُهُم بالرُّمْحِ اِلیٰ اَنْ یَمُوتُوْا اَوْ لا یُصَلَّبُوْنَ اَکْثَرَ مِنْ ثَلثة اَیَّامٍ فَاِنْ کَانَ فِیهِمْ صَبِیٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ اَوْ ذُوْ رَحِمٍ

مَحرَمٍ مِنَ المَقطُوعِ عَلَيْهِ سَقَطَ الحَدُّ عَنِ البَاقِيْنَ وَ صَارَ القَتْلُ اِلَى الاَوْلِيَاءِ اِنْ شَاءُ وْا قَتَلُوْا وَ اِنْ شَاءُ وا عَفَوْا وَ اِنْ بَاشَرَ الفِعْلَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ اُجْرِىَ الحَدُّ علىٰ جَمِيْعِهِمْ.

ترجمہ : اور اگر ایک جماعت راہ روکنے والی نکل پڑی یا ایک شخص جو روکنے پر قادر ہے ڈکیتی کا ارادہ کر لیا اور وہ مال لینے اور قتل کرنے سے پہلے گرفتار کر لئے گئے تو امام ان کو قید کرے یہاں تک کہ وہ توبہ ظاہر کریں۔ اور اگر ان لوگوں نے کسی مسلمان یا ذمی کا مال لے لیا اور جو مال لیا گیا ہے اگر ان تمام پر تقسیم کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک کو دس پہونچے گا یا دس درہم سے زیادہ یا ایسی چیز جو اتنی (دس درہم کی) قیمت کا ہو تو امام ان کے ہاتھ اور پاؤں خلاف جانب سے کاٹ دے۔ اور اگر ان لوگوں نے کسی کو قتل کر دیا اور کوئی مال نہیں لیا تو امام ان کو حد کے طریق پر قتل کرے یہاں تک کہ اگر اولیاء اس کو معاف کر دیں تو ان کی عفو کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور اگر ان لوگوں نے قتل کیا اور مال بھی لیا تو امام کو اختیار ہے چاہے تو امام ان کے ہاتھ اور پاؤں خلاف جانب سے کاٹے اور ان کو قتل کر دے یا ان کو سولی دے دے اور اگر چاہے تو ان کو قتل کر دے اور چاہے تو ان کو سولی دیدے اور سولی زندہ کو دی جاتی ہے اور ان کے پیٹ کو نیزے کے ذریعہ چونکے دئے جائیں۔ یہاں تک کہ وہ مر جائیں اور تین دن سے زائدہ سولی نہ دی جائے۔ اب اگر ان لوگوں میں بچہ یا مجنون یا مقطوع علیہ کا ذی رحم محرم ہو تو حد باقی لوگوں سے ساقط ہو جائے گی۔ اور قتل اولیاء کے اختیار میں ہوگا چاہیں تو قتل کر دیں اور چاہیں تو معاف کر دیں اور اگر خون ان میں سے صرف ایک نے کیا تو حد تمام لوگوں پر جاری کی جائے گی۔

ڈکیتی کے مسائل

حل لغات : قطع الطریق: ڈکیتی۔ صلب: مصدر تصلیباً۔ سولی دینا۔ تبعج (ف) بعجاً: چونکا لگانا۔ الرمح: نیزہ۔

تشریح : واذا خرج ...... توبة : مسئلہ (۱) ایک طاقتور گروہ یا ایک طاقتور شخص جس کو راستہ روکنے پر قدرت حاصل ہے ڈکیتی کے ارادہ سے نکلے ابھی نہ تو کسی سے مال چھین سکے اور نہ کسی کو قتل کر سکے اس سے پہلے گرفتار کر لئے گئے تو ایسی صورت میں حاکم ان کو قید کر لے یہاں تک کہ وہ توبہ کر لیں۔

وان اخذوا ...... من خلاف : مسئلہ (۲) اگر ڈاکو ڈکیتی کیلئے نکلے اور مسلمان یا ذمی کا اتنا مال لے لیا کہ اگر اس کو تقسیم کریں تو ہر شریک کو دس درہم یا اس سے زائد مل سکتا ہے یا لی گئی چیز کی قیمت ہر حصہ کی دس درہم ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں ہر ایک کے ہاتھ پاؤں خلاف جانب یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے جائیں گے۔

وان قتلوا ...... الیٰ عفوهم : مسئلہ (۳) اگر ڈاکوؤں نے قتل کر دیا مگر مال نہیں تو امام ان کو بطور حد قتل کرے گا نہ کہ قصاصاً حتیٰ کہ اگر مقتول کے اولیاء اس کو معاف کر دیں تو امام اس معافی کی طرف کوئی توجہ نہ کرے یعنی یہ قتل معاف کرنے سے معاف نہیں ہوگا۔

وان قتلوا ...... صلبهم : مسئلہ (۴) اگر ڈاکوؤں نے کسی کو قتل کیا اور مال بھی لیا تو امام کو اس صورت میں چند

اختیارات ہیں۔(۱) خلاف جانب ہاتھ، پاؤں یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے اور ان کو قتل کر دے یا ابتداء ہی میں ان کو سولی دیدے (۲) صرف قتل کر ڈالے۔(۴) صرف سولی دیدے۔

ویصلبون ...... ثلثة ایام : مسئلہ (۵) زندہ کو سولی دی جائے گی اور ان کو نیزے سے چونکے لگائے جائیں گے یہاں تک کہ مر جائے اور سولی تین یوم سے زائد نہیں دی جائے گی۔

قتل اور سولی دئے جانے میں کس کو مقدم کریں۔اس میں اختلاف ہے مگر اصح روایت کے مطابق سولی قتل پر مقدم ہے۔امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ سولی پر ہی چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس کا بدن ریزہ ریزہ ہو جائے۔

فان کان فیهم ...... عفواً : مسئلہ (۶) اگر ڈاکوؤں کی گینگ میں کچھ غیر مکلف بھی ہوں مثلاً بچہ یا دیوانہ یا مقطوع علیہ کا کوئی ذی رحم محرم ہو تو باقی لوگوں سے حد ساقط ہو جائے گی یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام زفرؒ کا مسلک ہے۔امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر بچہ اور دیوانہ مال لینے میں مباشر ہوں تو کسی پر حد نہ ہوگی لیکن اگر عاقل بالغ لوگ مباشر ہوں تو ان سب پر حد جاری ہوگی مگر بچہ اور دیوانہ پر نہ ہوگی۔

وان باشر الفعل الخ : مسئلہ (۷) اگر پوری گینگ میں سے صرف ایک نے قتل تو تمام پر حد جاری ہوگی۔

کتاب الاشربة

شرابوں کا بیان

الاَشرِبَةُ المُحَرَّمَةُ اربعةٌ الخَمر وهى عَصِيرُ العِنَبِ اِذَا غَلا واشتَدَّ وَ قَذَفَ بالزَبَدِ والعَصِيرُ اِذَا طُبِخَ حَتىٰ ذَهَبَ اَقَلُّ مِن ثُلُثَيهِ وَ نَقِيعُ التَمرِ وَ نَقِيعُ الزبِيبِ اِذَا غَلا وَاشتَدَّ۔

ترجمه : حرام شرابیں چار ہیں خمر جو کہ انگور کا شیرہ ہے جب جوش مارے اور تیز ہو کر جھاگ پھینکنے لگے۔اور شیرہ (کسی چیز کا) جب پکایا جائے یہاں تک کہ دو تہائی سے کم اڑ جائے۔نقیع تمر اور نقیع زبیب جب کہ جوش مارے اور تیز ہو جائے۔

حل لغات : عَصِیر: شیرہ، عرق۔ العنب: انگور۔ غلا (ن) غلواً وغَلَیاناً: جوش مارنا۔ اشتد: تیز ہونا، اس سے مراد یہ ہے کہ جس میں نشہ کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ قذف: قذفه وبه (ض) قذفاً پھینکنا۔ الزبَد: جھاگ۔میل (ج) اَزباد۔ النقیع: خشک انگور کی شراب جو پانی میں بھگو کر بنائی جائے۔ نقیع التمر: پختہ تر کھجور کا خام رس جو جوش کھا کر گاڑھا اور مسکر ہو جائے۔ نقیع الزبیب: خشک انگور (کشمش) کو پانی میں بھگو لیا جائے اور وہ جوش کھا کر گاڑھا ہو جائے۔

تشریح : الاشربة المحرمة اربعة: حرام شدہ شرابوں کی چار قسمیں ہیں۔(۱) خمر (۲) عصیر (۳) نقیع التمر (۴) نقیع الزبیب۔خمر انگور کے کچے پانی کو کہتے ہیں جب وہ جوش کھا کر ابلنے لگے گاڑھا ہو جائے اور جھاگ پھینکنے لگے یہ تعریف احناف کے نزدیک ہے۔ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خمر ہر نشہ آور چیز کو کہتے ہیں۔البتہ احناف کے نزدیک غیر خمر کو بطریق مجاز خمر کہہ دیتے ہیں۔

خمر کی تعریف میں جھاگ لانے کی شرط صرف امام صاحب کے نزدیک ہے حضرات صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جھاگ لانا شرط نہیں ہے بلکہ گاڑھا ہونا خمر کے لئے کافی ہے۔

العصیر...... ثلثة : یہ شراب کی دوسری قسم ہے انگور کا رس۔ اس رس کو اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی سے کم جل جائے اور مسکر ہو جائے۔

نقیع التمر الخ : شراب کی تیسری قسم نقیع التمر اور چوتھی قسم نقیع الزبیب ہے۔ جس کی تعریف حل لغات کے تحت درج کردی گئی ہے۔ آخر کی تینوں شرابیں یعنی عصیر، نقیع تمر اور نقیع زبیب حرام ہیں مگر ان کی حرمت، حرمت خمر سے کم ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر ان کے حلال جاننے والے پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور اسکے پینے والے پر حد نہیں لگائی جائے گی جب تک کہ نشہ نہ ہو اور اس کی فروختگی بھی جائز ہوگی۔

ونبیذ التمر و الزبیب اِذا طُبِخَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ادنی طَبْخَةً حَلَالٌ وَاِنْ اشْتَدَّ، اِذا شَرِبَ مِنهُ مَا یَغْلِبُ عَلیٰ ظَنِّهٖ اَنَّهٗ لَا یُسکِرُهٗ مِنْ غیر لَهو وَ لَا طَرَبٍ وَ لا بأس بالخلیطین ونبیذ العَسْل والتین والحِنْطَةِ والشَّعِیْرِ والذُّرَّةِ حَلالٌ واِنْ لَمْ یُطْبَخْ وَ عَصِیْرِ العِنَبِ اِذَا طُبِخَ حَتّٰی ذَهَبَ ثُلُثَاهُ حَلَالٌ وَ اِنْ اشْتَدَّ وَ لَا باسَ بالانتباذِ فی الدُّبَّاءِ والحَنْتَمِ والمُزَفَّتِ والنقیر واذا تَخَلَّلَتِ الخَمْرُ حُلَّتْ سَوَاءٌ صَارَتْ بِنَفْسِهَا خَلًّا اَوْ بِشَیْءٍ طُرِحَ فِیْهَا وَ لَا یُکْرَهُ تَخْلِیْلُهَا.

ترجمه : اور نبیذ تمر اور نبیذ زبیب میں سے ہر ایک اگر تھوڑا پکالیا جائے تو حلال ہے گرچہ تیز ہو جائے بشرطیکہ اتنا پئے کہ یہ غالب گمان ہو کہ بغیر لہو ولعب کے نشہ نہیں لائے گی۔ اور خلیطین میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور شہد، انجیر، گیہوں، جو اور جوار کی نبیذ حلال ہے اگرچہ نہ جوش دیا گیا ہو۔ اور انگور کا شیرہ اگر اس کو اتنا پکایا جائے کہ اس کا دوثلث حل ہو جائے تو حلال ہے، اگرچہ تیز ہو جائے۔ اور کدو کے برتن میں، سبز ٹھلیا میں، رال کے روغن والی ٹھلیا میں اور کھدی ہوئی لکڑی کے برتن میں نبیذ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جب خمر سرکہ ہو جائے چاہے از خود سرکہ ہو جائے یا اس میں کسی چیز کے ڈالنے سے۔ اور خمر کا سرکہ بنانا مکروہ نہیں ہے۔

جائز مشروبات کا بیان

حل لغات : زبیب: منقیٰ۔ طبخ (ن،ض) طبخاً: پکانا۔ طرب: مستی۔ خلیطین: چھوارے اور منقیٰ کا مخلوط پانی۔ التین: انجیر۔ الذرة: جوار۔ الانتباذ: نبیذ بنانا۔ الدباء: کدو کی تونبی، کدو کا برتن۔ الحنتم: سبز رنگ کی ٹھلیا کہ جس میں نبیذ بنایا کرتے تھے۔ النمزفت: وہ برتن جس پر روغن قیر ملا ہو۔ النقیر: کھدی ہوئی لکڑی کا برتن۔ تخللت: باب تفعیل سے ہے سرکہ بنا۔ تخلیل: سرکہ بنانا۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسئلے ہیں:

نبید التمر...... طرب : مسئلہ (۱) بھیگے ہوئے چھوارے اور منقیٰ کا پانی جسے تھوڑا پکالیا جائے تو اس کا استعمال جائز ہے

اگر چہ تھوڑا گاڑھا ہو جائے البتہ شرط یہ ہے کہ اتنی مقدار میں پئے کہ اکثر اوقات نشہ نہ ہوتا ہو اور لہو ولعب اور مستی کے ارادے سے نہ پئے بلکہ حصول تقویت کے لئے پئے۔ جواز کا حکم شیخین کے نزدیک ہے۔ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر حال میں حرام ہے۔

ولا باس بالخلیطین : مسئلہ (۲) خلیطین یعنی چھوارے اور منقیٰ کو الگ الگ تر کر کے دونوں کا پانی قدرے پکا لیا جائے تو یہ بھی حلال ہے۔

ونبیذ العسل...... وان لم یطبخ : مسئلہ (۳) شہد، انجیر، گیہوں، جوار، جوار کا نبیذ جائز ہے خواہ مطبوخ ہو یا غیر مطبوخ۔ یہ حضرات شیخین کے نزدیک ہے ائمہ ثلاثہ اور امام محمدؒ کے نزدیک مطلقاً حرام ہے قلیل ہو یا کثیر، فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔ مگر یہ اختلاف اسی وقت ہے جب کہ قوت عبادت حاصل کرنے کی نیت سے پیتا ہو ورنہ بالاتفاق حرام ہے۔

وعصیر العنب ...... اشتد : مسئلہ (۴) انگور کا شیرہ جسکو اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے اگر چہ تیز ہو جائے تو جائز ہے۔ مسئلہ (۳) میں جو شرائط بیان کی گئی ہیں وہی شرائط یہاں بھی ہیں۔ یہ حضرات شیخین کے نزدیک ہے ائمہ ثلاثہ اور امام محمدؒ کے نزدیک حرام ہے فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

صاحب قدوری نے شراب کی ان چار قسموں کا تذکرہ کیا ہے جو حضرات شیخین کے نزدیک جائز ہے۔

ولا باس بالانتباذ ...... والنقیر: مسئلہ (۵) دُباء، حنتم، مزفت اور نقیر (ان تمام برتنوں) میں نبیذ بنانا جائز ہے البتہ بعض حضرات کے یہاں جائز نہیں ہے۔

واذا تخللت الخَمرُ الخ: مسئلہ (۶) خمر کا سرکہ جائز ہے خواہ بذات خود بن جائے یا اس میں کوئی چیز ڈال کر بنایا گیا ہو یہ احناف کے نزدیک ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خمر کا سرکہ بنانا مکروہ ہے خواہ دھوپ کے ذریعہ ہو یا نمک وغیرہ ڈال کر بنایا گیا ہو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ایسا سرکہ حلال نہیں ہے جو خمر میں کوئی چیز ڈال کر بنایا گیا ہو۔ اگر دھوپ کی گرمی سے بن گیا ہو تو اس میں دو قول ہیں۔ (۱) حلال ہے (۲) حلال نہیں ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

کتاب الصید والذبائح

صید اور ذبائح کا بیان

یجوز الاصطیاد بِالکَلْبِ المُعلَّمِ والفهد والبازی وسائرِ الجوارح المُعلَّمَةِ وَتعلِیم الکَلْب اَنْ یترُكَ الاَکْلَ ثلٰث مَرَّاتٍ وَ تعلِیمُ البازی اَنْ یَرجِعَ اذا دَعوْتهٗ فَاِنْ اَرْسَلَ کَلْبَهُ المُعلَّمَ اَوْ بَازِیَهُ اَوْصقرَهٗ علیٰ صَیدٍ وَ ذکَرَ اِسمَ اللهِ تعالیٰ عَلَیْهِ عِندَ اِرْسَالِهٖ فاخد الصَّیدَ وَ جرَحَهٗ فَمَاتَ حَلَّ اَکلُهٗ فَاِنْ اَکلَ مِنهُ الکَلبُ اَوْ الفهدُ لَم یؤ کَلْ وَ اِنْ اَکلَ مِنهُ البَازی اُکِلَ وَاِنْ اَدرَكَ المُرسِلُ الصَّیدَ حیاً وَ جبَ عَلَیْهِ اَنْ یُذکِیَهُ فَاِنْ ترَكَ تزکِیتهٗ حتیٰ مَاتَ لَم یُؤ کَلْ وَاِنْ خنقَهُ الکَلْبُ وَ لَم یَجرَحْهُ لَم یُو کَلْ وَ اِنْ شَارَکَهٗ کَلْبٌ غَیرُ مَعلَّمٍ اَوْ کَلْبُ مَجُوسِیٍ اَوْ کَلْبٌ لَم یُذکَرِ اسمُ اللهِ تَعالیٰ عَلَیهِ لَم یؤ کَل.

ترجمہ: اور شکار کرنا کلب معلم کے ذریعہ، چیتے، باز اور تمام زخمی کرنے والے تعلیم یافتہ (جانوروں) کے ذریعہ جائز ہے اور کتے کی تعلیم (کی صورت) یہ ہے کہ تین مرتبہ کھانا چھوڑ دے اور باز کی تعلیم (کی صورت) یہ ہے کہ وہ واپس آجائے جس وقت کہ تم اسکو بلاؤ۔ اگر (شکاری نے) اپنے کلب معلم یا باز یا شکرہ کو کسی شکار پر چھوڑ دیا اور اس کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لیا اب اس نے شکار پکڑا اور زخمی کیا وہ مر گیا تو اسکا کھانا حلال ہے۔ اگر اس شکار میں سے کتے یا چیتے نے کھالیا تو اس کو نہ کھایا جائے۔ اور اگر اس میں سے باز کھالے تو کھالیا جائے۔ اور اگر چھوڑنے والے نے شکار کو زندہ پایا تو اس پر واجب ہے کہ اس کو ذبح کر دے اور اگر ذبح کرنے کو چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ مر جائے تو نہ کھایا جائے اور اگر کتے نے شکار کا گلا گھونٹ دیا اور اس کو زخمی نہیں پایا تو نہ کھایا جائے اور اگر شکار میں کلب معلم وغیرہ کلب غیر معلم، یا کلب مجوسی یا ایسا کتا شریک ہو جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا تو نہ کھایا جائے۔

حل لغات: **الصید**: لغت میں مصدر ہے اصطیاد. شکار کرنا۔ اور مجازاً مفعول پر بھی بولا جاتا ہے. صید: ہر وہ متوحش جانور ہے جس کو حیلہ کے بغیر پکڑنا ممکن نہ ہو، اب یہ ماکول ہو یا غیر ماکول۔ **الذبائح**: یہ ذبیحہ کی جمع ہے ذبیحہ اور ذبح دراصل مذبوح جانور کو کہتے ہیں لیکن مجازاً (بطریق ما یؤول) اس جانور کو کہتے ہیں جو عنقریب ذبح کیا جائے گا۔ ذبح مصدر ہے، ذبح کرنا، شریعت میں قطع اوداج یعنی چار مخصوص رگوں کے کاٹ دینے کو ذبح کہتے ہیں وہ رگیں یہ ہیں۔ (۱) مری (۲) حلقوم اور دو شہہ رگ۔ یہ چار رگیں اس لئے متعین ہے ں کہ شہ رگ کٹ جانے سے خون نکل جاتا ہے اور مری اور حلقوم کٹ جانے سے جان جلد نکل جاتی ہے۔ **الکلب المعلم**: ایسا کتا جو سکھایا گیا ہو، تعلیم یافتہ کتا۔ **الفھد**: چیتا۔ **البازی**: باز۔ **الجوارح المعلمة**: زخمی کرنے والا سکھایا ہوا۔ **صقر**: شکرہ۔ ایک شکاری پرندہ۔ **المرسل**: اسم فاعل۔ چھوڑنے والا۔ **تذکیة**: ذبح کرنا۔ **خنق (ن) خنقاً**: گلا گھونٹنا۔

تشریح: **ویجوز الاصطیاد ...... المعلّمة**: شکار حلال ہونے کیلئے شکاری جانور کا سکھایا ہوا ہونا ضروری ہے۔ اب ایسے سکھائے ہوئے جانور سے شکار کرانا جائز ہے مثلاً کلب معلم، چیتا، باز اور دوسرے زخمی کرنے والے سکھائے ہوئے جانور۔

تعلیم الکلب ...... اذا دعوته: کتے کا معلم ہونا یہ ہے کہ تین مرتبہ شکار پکڑ لے۔ اسکی کھال، گوشت، ہڈی وغیرہ کچھ نہ کھائے بلکہ جوں کا توں شکار کر کے مالک کو دیدے اور بازی کا معلم ہونا یہ ہے کہ جس وقت مالک آواز دے وہ آواز سنتے ہی فوراً واپس آجائے۔

فان ارسل ...... البازی اکل: اگر مالک نے اپنے تعلیم یافتہ شکاری جانور کو مثلاً کتا، باز، شکرہ وغیرہ کو بسم اللہ پڑھ کر شکار کیلئے چھوڑ دیا اور ان جانوروں نے شکار پکڑ لیا اور زخمی کر دیا اور شکار مر گیا تو اس کا کھانا جائز ہے اور اب اگر کتے نے یا چیتے نے اس شکار میں سے کچھ کھالیا تو پھر کھانا حلال نہیں ہے لیکن اگر باز نے کھایا تو پھر اس جانور کا کھانا حلال ہے۔

وان ادرك ...... مات لم یوکل: اگر چھوڑنے والے نے شکار کو زندہ پایا تو اس کو ذبح کرنا ضروری ہے لیکن اگر ذبح کرنا چھوڑ دیا اور وہ جانور مر گیا تو اس صورت میں اس جانور کا کھانا حلال نہیں ہے۔

وان خنقه ...... لم یوکل : اگر شکاری کتنے نے شکار کئے گئے جانور کا گلا گھونٹ دیا اور اس کو زخمی نہیں کیا تو اسے کھانا حلال نہیں ہے۔

وان شارکه ...... لم یوکل : اس عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا رمی الرجُلُ سَهماً الیٰ الصید فسمی الله تعالیٰ عِنْد الرَمْی اُکِلَ مَا اَصَابَهٗ اِذَا جَرحَهُ السَّهمُ فَمَاتَ وَ اِنْ اَدْرَکَهٗ حَیاً ذَکّاهُ وَ اِنْ تَرَکَ تَذْکِیَتَهٗ لَمْ یؤکَلْ وَ اذا وَقَعَ السَهْمُ بالصَّیْدِ فَتحامَلَ حَتیٰ غَابَ عَنْهُ وَ لَمْ یَزَلْ فِیْ طَلَبِهٖ حتیّٰ اَصَابَهٗ مَیتاً اُکِلَ فَاِنْ قَعدَ عَنْ طَلَبِهٖ ثُمَّ اَصابَهٗ مَیْتاً لَمْ یؤکَلُ وَ اِنْ رَمیٰ صَیْداً فوَقَعَ فِیْ الماءِ لَمْ یُؤکَلُ وَ کَذَالِکَ اِنْ وَقَعَ علیٰ سَطْحٍ اَوْ جَبَلٍ ثُمَّ تَرَدّیٰ مِنْهُ اِلیٰ الاَرْضِ لَمْ یوکل وان وَقَعَ علیٰ الارض ابتداءً اُکِلَ وَمَا اَصَابَ المِعْرَاضُ بِعَرْضِهٖ لَمْ یُؤکَلُ وَ اِنْ جَرحَهٗ اُکِلَ وَ لا یؤکَلُ مَا اَصابَهُ البُنْدُقَةُ اِذَا مَاتَ مِنهَا۔

ترجمہ : اور اگر کسی نے شکار پر تیر چلایا اور تیر چلاتے وقت اللہ کا نام لیا تو کھایا جائے گا جس کو تیر لگا ہے بشرطیکہ تیر اس کو زخمی کردے اور وہ مرجائے اور اگر اس کو زندہ پایا تو ذبح کردے اور اگر اس کو ذبح کرنا چھوڑ دیا تو نہیں کھایا جائے گا۔ اور اگر تیر شکار کو لگ گیا اور وہ برداشت کر کے اس سے غائب ہو گیا اور یہ مسلسل اسکی تلاش میں رہا یہاں تک کہ اس کو مردہ پایا تو وہ شکار کھایا جائے گا اور اگر تلاش کرنے سے بیٹھ گیا پھر اس کو مردہ پایا تو نہیں کھایا جائے گا اور اگر شکار کو تیر مارا اور وہ پانی میں گر گیا تو نہ کھایا جائے۔ اسیطرح اگر چھت پر گرے یا پہاڑ پر گرے اور پھر پہاڑ پر سے زمین پر گر جائے تو نہ کھایا جائے اور اگر ابتداءً ہی زمین پر گرا تو کھایا جائے گا اور جس کو بے بھال کا تیر چوڑائی کی طرف سے لگے تو اسکو نہ کھایا جائے اور اگر اس کو زخمی کردے تو کھایا جائے اور وہ شکار نہیں کھایا جائے گا جس کو غلہ لگے بشرطیکہ اس سے مرجائے۔

حل لغات : **سهم**: تیر۔ **تحامل**: از تفاعل، برداشت کرنا۔ **سطح**: چھت۔ **جبل**: پہاڑ۔ **تردی**: باب تفعّل سے ہے اوپر سے نیچے کی طرف گرنا۔ **معراض**: بے بھال اور بے پر کا تیر جس کا درمیانی حصہ موٹا اور دونوں جانب باریک ہو۔ **بندقة**: مٹی کا گول ڈھیلا جس کو جلاہق کہتے ہیں ہندی میں اس کو غلولہ اور غلیلہ کہتے ہیں۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسئلے ہیں۔

واذا رمی الرجل...... فمات : مسئلہ (۱) اگر کسی نے بسم اللہ پڑھ کر شکار پر تیر پھینکا اور زخم کھا کر مر گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔

وان ادرکه ...... لم یوکل : مسئلہ (۲) اگر شکار پر تیر پھینکا اس کو زخم لگا مگر مرا نہیں بلکہ مالک اس کو زندہ پایا تو اب اس کو فوراً ذبح کردینا چاہئے اب اگر اس کو بالکل ذبح نہیں کیا تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

واذا وقع ...... لم یوکل : مسئلہ (۳) اگر تیر شکار پر گرا اور وہ برداشت کرتے ہوئے وہاں سے غائب ہو گیا، شکاری اس کو مسلسل تلاش کرتا رہا اور اس کو پا گیا مگر اس وقت وہ مرچکا تھا تو اس کا کھانا حلال ہے لیکن اگر تلاش نہیں کیا اور اس

کومرا ہوا پایا تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

وان رمیٰ ...... الارض لم یؤکل: مسئلہ (۴) اس عبارت میں تین مسئلے ہیں (۱) اگر شکار پر تیر پھینکا اور پانی میں گر کر مر گیا تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے (۲) اگر شکار پر تیر پھینکا اور وہ گر گیا یا پہاڑ پر گر گیا اور وہ یہاں سے زمین پر گر جائے تو اس صورت میں اس کا کھانا حلال نہیں ہے (۳) اور اگر شروع سے ہی زمین پر گر گیا تو ایسی صورت میں اس کا کھانا جائز ہے۔

وما اصاب ...... لم یوکل: مسئلہ (۵) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

وان خرجه الخ: مسئلہ (۶) اس مسئلہ کی صورت بھی ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا رمیٰ صَیْداً فَقَطَعَ عضواً مِنهُ اُکِلَ الصَّیْدُ وَ لَمْ یُو کَل العَضو وان قَطَعَهُ اَثْلاثاً والاَکْثَرُ مِمَّا یَلِیَ العَجْز اُکِلَ الجَمِیْعُ وَ لَا یُوکَلُ صَیْدُ المَجُوْسِی والمُرْتَدِ والوثنی والمُحْرِمِ ومن رمیٰ صَیْداً فَاصَابَهُ وَ لَمْ یُثْخِنَهُ وَ لَمْ یُخْرِجْهُ مِنْ حَیِّزِ الاِمْتِنَاعِ فَرَمَاهُ آخَرُ فَقَتَلَهُ فَهُوَ للثَّانِیْ وَ یُوْ کَلُ وَاِنْ کَانَ الاوَّلُ اَثْخَنَهُ فَرَمَاهُ الثَّانِیْ فَقتَلَهُ فَهُوَ لِلاَوَّلِ وَ لَمْ یؤکل والثانی ضَامِنٌ لِقِیْمَتِهٖ لِلاَوَّلِ غَیْرَ مَا نَقَصَتْهُ جَرَاحَتُهُ وَ یَجُوْزُ اصطیاد ما یو کَلُ لَحْمُهُ مِنَ الحَیْوَان وَ مَا لَا یُو کل.

ترجمه: اور جب شکار کو تیر مارا اور اس کا ایک عضو کاٹ دیا تو وہ شکار کھایا جائے (بشرطیکہ وہ عضو ایسا ہو کہ اس کے بعد زندگی کی امید ہو) البتہ وہ کٹا ہوا عضو نہ کھایا جائے اور اگر شکار کو (تیر مارنے کے بعد) تین ٹکڑے کر دیا اور اکثر (دوتہائی) وہ ہے جو دُھڑی (دم) سے ملا ہوا ہے تو سب کھایا جائے گا۔ اور مجوسی، مرتد، بت پرست اور محرم کا شکار نہیں کھایا جائے گا۔ اور جس نے کسی شکار کو تیر مارا اور وہ اس کو لگ گیا مگر اس کو سست رفتار نہیں کیا اور نہ ہی اس کو حیز امتناع سے نکالا (قوت مدافعت سے باہر نہیں ہوا) کہ دوسرے نے اس کو تیر مار کر قتل کر دیا تو وہ شکار دوسرے (شکاری) کا ہوگا اور اس کو کھایا جائے گا اور اگر اول نے اس کو سست کر دیا پھر دوسرے نے اس کو تیر مار کر قتل کر دیا تو یہ شکار پہلے شکاری کا ہوگا اور اس کو نہ کھایا جائے اور دوسرا شکاری پہلے والے کیلئے اس شکار کی قیمت کا ضامن اس نقصان کو چھوڑ کر جو اس کے زخم نے کیا ہے اور ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانور کا شکار کرنا جائز ہے۔

حل لغات: العُجز: پچھلا حصہ، سرین، دم۔ الوثنی: بت پرست۔ یثخن: باب افعال سے ہے، سست کرنا و کمزور کرنا۔ حیِّز: جگہ۔ امتناع: رکنا۔ حیز امتناع سے مراد قوت مدافعت ہے۔

تشریح: اس عبارت میں پانچ مسئلے ہیں۔

واذاء رمیٰ ...... العضو: مسئلہ (۱) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔ یہ حکم عندالاحناف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کٹا ہوا عضو بھی کھانا جائز ہے۔

وان قطعه ...... اکل الجمیع: مسئلہ (۲) اگر شکار کو تین ٹکڑوں میں کر دیا اور اکثر حصہ یعنی دوتہائی دم کیطرف سے ہو اور ایک تہائی سر کی طرف سے ہو تو سب ہی کا کھانا جائز ہے۔

ولا یوکل ...... والمحرم : مسئلہ (۳) ترجمہ سے واضح ہے۔

ومن رمیٰ ...... جراحتہٗ : مسئلہ (۴) ایک شخص نے شکار کو تیر مارا جو اس کو لگ گیا مگر ایسا زخم نہیں ہوا کہ اس میں رفتار سست ہو جائے اور نہ ہی اس کی قوت مدافعت ختم ہوئی چنانچہ اس کو کسی دوسرے شکاری نے تیر مار کر قتل کر دیا تو اب یہ شکار دوسرے شخص کا ہو گیا اور اس کا کھانا جائز ہوگا لیکن اگر پہلے شکاری نے تیر مار کر ایسا زخمی کر دیا کہ اس کی رفتار سست پڑ گئی پھر دوسرے شکاری نے تیر مار کر قتل کر دیا تو اب یہ شکار اول کا ہوگا اور اس کا کھانا جائز نہیں (کیونکہ سخت زخم ہونے کی وجہ سے ذبح اختیاری پر قدرت پا چکا تھا مگر اس نے اس کو ذبح نہیں کیا اور اب جب شکار اول کا ہو گیا تو ثانی غیر مملوک کے شکار کو ہلاک کرنے والا ہوا) اسلئے ثانی پر شکار کی قیمت کا تاوان لازم ہوگا۔ البتہ پہلے زخم کی وجہ سے جو قیمت گھٹ گئی ہے اس کو کم کر دیا جائے گا۔

ویجوز اصطیاد الخ : مسئلہ (۵) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

وذبیحة المسلم والکِتَابی حَلَالٌ ولا توکل ذبیحة المرتد والمجوسی والوثنی والمحرم ان ترکَ الذابِحُ التسمیةَ عَمَداً فالذبیحةُ میتة لا توکل وان ترکھا ناسیاً اُکِلَ

ترجمہ : مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہے اور مرتد، مجوسی، بت پرست اور محرم کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ اگر ذبح کرنے والے نے عمداً بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا تو ذبیحہ مردار ہے نہیں کھایا جائے گا۔ اور اگر بسم اللہ پڑھنا بھول کر چھوڑ دیا تو کھایا جائے گا۔

کس کا ذبیحہ حلال اور کس کا ذبیحہ حرام ہے؟

وذبیحة المسلم والکتابی حلال : مسئلہ (۱) مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے خواہ مرد ہو یا عورت۔ اسی طرح کتابی کا ذبیحہ حلال ہے ذمی ہو یا حربی، تغلبی ہو یا عربی البتہ شرط یہ ہے کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لیا ہو۔

ولا توکل ...... والمحرم : مسئلہ (۲) اگر کسی مرتد نے یا کسی آتش پرست یا کسی بت پرست نے یا کسی محرم نے کوئی جانور ذبح کیا تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

وان ترك الذابح الخ : مسئلہ (۳) اگر کسی نے ذبح کرتے وقت جان کر بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا تو وہ ذبیحہ مردار کہلائے گا اور اس کا کھانا حرام ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں صورت میں حلال ہے امام مالک کے نزدیک بہر دو صورت حرام ہے، امام یوسفؒ اور دیگر مشائخ فرماتے ہیں کہ عمداً متروک التسمیۃ کے متعلق تو اجتہاد کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

والذَّبحُ بَینَ الحَلقِ واللُّبَّةِ والعُروقِ الَّتِی تُقطَعُ فِی الذکوٰة اربعَةُ الحلقومُ والمریُٔ والودجان فان قَطَعَھا حَلَّ الاَکلُ وَ اِن قَطعَ اَکثرَھا فکَذٰلِكَ عِندَ اَبِی حَنِیفَةَؒ وَ قَالَا رَحِمَھُما اللّٰہ لَا بُدَّ مِن قَطعِ الحَلقُومِ والمریٔ واحدِ الوَدجَینِ وَ یَجُوزُ الذَبحُ باللِّیطَةِ والمروةِ وَ بِکُلِّ شَیئٍ اَنھَرَ الدمَ الا السِّنَّ القَائِمَ وَ الظُّفرَ القَائِمَ وَ یَستَحِبُّ اَن یُحدَّ الذابحُ شفرَتَہٗ وَمَن بَلَغَ

بِالسِّکِّیْنِ النخاع اَوْ قَطَعَ الرَّاسَ کُرِهَ لَهٗ ذٰلِكَ وَ تؤکل ذَبِیْحَتُهٗ وَاِنْ ذَبَحَ الشَّاةَ مِنْ قَفَاهَا فَاِنْ بَقِیَتْ حَیَّةً حَتّٰی قَطَعَ العُرُوقَ جَازَ وَ یکره وَ اِنْ مَاتَتْ قَبْلَ قَطْعِ العُرُوقِ لم تؤکَلْ.

ترجمہ : اور ذبح (کا مقام) حلق اور لبہ کے درمیان ہے اور جو رگیں ذبح کرنے میں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں حلقوم، مری اور دو شہ رگیں اب اگر ان (تمام) کو کاٹ دیا تو کھانا حلال ہے اور اگر اکثر رگیں کاٹ دیں تو اسی طرح (کافی) ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ حلقوم (گلا) مری اور ایک شہ رگ کا کاٹنا ضروری ہے اور کھپچی، تیز پتھر اور ہر ایسی چیز سے ذبح کرنا جائز ہے جو خون جاری کردے بجز لگے ہوئے دانت اور لگے ہوئے ناخن کے اور مستحب یہ ہے کہ ذبح کرنے والا اپنی چھری کو تیز کرے اور جو شخص چھری حرام مغز اور سر کاٹنے تک پہونچائے تو یہ مکروہ ہے اور اس کا ذبیحہ کھایا جائیگا۔ اور اگر بکری کو اس کی گدی کی طرف سے ذبح کیا اب اگر وہ زندہ رہے یہاں تک کہ رگیں کاٹ دے تو جائز ہے البتہ مکروہ ہے۔ اگر رگیں کاٹنے سے قبل مر جائے تو اسے نہ کھایا جائے۔

ذبح اور اس کا طریقہ

حل لغات : الحلق: گلا۔ اللبة: سینہ کے اوپر کی ہڈی۔ العروق: عرق کی جمع ہے، رگ۔ الحلقوم: سانس کے آنے جانے کی نلی۔ مری: غذا کی نالی۔ ودجان: دو شہ رگیں جو حلقوم اور مرئ کے دائیں اور بائیں جانب واقع ہیں جن میں دوران ہوتا ہے۔ اللیطة: کھپچی، پوست نرکل۔ المروة: تیز پتھر۔ النخاع: حرام مغز۔ قفا: گدی۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسئلے ہیں۔

والذبح بین الحلق واللبة : مسئلہ (۱) ذبح اختیاری کا مقام حلق اور لبہ کے درمیان کا حصہ ہے۔

والعروق ...... واَحَدِ الوَدْجَیْنِ : مسئلہ (۲) جو رگیں ذبح کے وقت کاٹنی ضروری ہیں وہ چار ہیں حلقوم، مرئ اور دو شہ رگیں۔ جب یہ رگیں کٹ جاتی ہیں تو اب جانور کا گوشت کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ اگر تمام رگیں نہ کاٹ کر صرف اکثر رگیں (لاعلی التعیین تین رگیں) کاٹیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسکی بھی گنجائش ہے۔ حضرات صاحبین کے نزدیک حلقوم، مرئ اور ایک شہ رگ کا کاٹنا ضروری ہے، یہ امام قدوری کی تحقیق ہے مگر بعض کتابوں میں ہے کہ امام محمد کا مسلک امام ابویوسفؒ سے الگ ہے صاحب قدوری کے بیان کے مطابق امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ عروق اربعہ میں سے ہر رگ کا اکثر حصہ کٹنا ضروری ہے یہ ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک حلقوم اور مرئ کا کٹ جانا حلال ہونے کیلئے کافی ہے اگرچہ ودجان نہ کٹیں۔ چار رگوں کی تعیین اسلئے کی گئی ہے کہ شہ رگ کٹ جانے سے خون نکل جاتا ہے اور حلقوم و مری کٹ جانے سے جان جلدی نکل جاتی ہے۔

ویجوز ...... الظفر القائم : مسئلہ (۳) اگر جانور کو کھپچی، تیز پتھر اور ایسی چیز سے ذبح کرے جو خون جاری کردے تو جائز ہے لیکن اگر منھ میں لگے ہوئے دانت اور انگلی میں لگے ہوئے ناخن سے ذبح کیا تو ناجائز ہے۔ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اکھڑے ہوئے دانت اور ناخن سے ذبح کرنا جائز ہے مگر مکروہ ہے کیونکہ اس سے جانور کو تکلیف ہے جس

طرح کی مردار چھری سے ذبح کرنا مکروہ ہے مگر امام شافعیؒ کے نزدیک اکھڑے ہوئے سے ذبح کیا ہوا جانور حلال نہیں ہے۔

ویستحبُّ ان یحد الذابح شفرته : مسئلہ (۴) جانور کو لٹانے سے قبل چھری کا تیز کر لینا ذبح کرنے والے کیلئے مستحب ہے کیونکہ جب چھری تیز ہوگی تو ذبیحہ کو آرام ملے گا۔

ومن بلغ ...... تو کل ذبیحة : مسئلہ (۵) اور جس نے چھری سے ذبح کر کے چھری کو نخاع (حرام مغز گردن اور پیٹھ کے درمیان جو مہرہ ہوتا ہے اس میں جو مغز دنبالہ کے مانند ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں) تک پہونچایا یا اسی وقت سر کو جدا کر دیا تو یہ مکروہ ہے البتہ اس ذبیحہ کا گوشت کھانا جائز ہے۔

وان ذبح الشاة الخ : مسئلہ (۶) اور اگر بکری کو اس کی گدی کی طرف سے ذبح کر دیا اب اگر وہ اتنی دیر تک زندہ رہی کہ اس کی رگیں کاٹ دیا تو اس ذبیحہ کا کھانا جائز ہے البتہ مکروہ ہے اور اگر ذبح کرنے کے بعد اور رگیں کاٹنے سے قبل مرگئی تو اس کا کھانا جائز نہیں۔

وَمااستَانَسَ مِنَ الصَّیْدِ فذکاته الذبح وما توحش مِنَ النعَم فذکاتُه العقرُ والجرحُ والمُستَحبُّ فِیْ الاِبلِ النحرُ وَ اِنْ ذَبحهَا جَازَ وَ یکرَهُ والمُستَحبُّ فِیْ البقَرِ والغنَمِ الذبحُ فَانْ نَحرَهُمَا جَازَ وَ یکرَهُ وَ مَنْ نَحرَنَاقَةً اَوْ ذَبح بقرَةً اَوْ شَاةً فَوجَدَ فِیْ بَطنِهَا جنِیناً مَیتاً لَمْ یُوکَلْ اَشعَرَ اَوْ لَمْ یُشعِرْ.

ترجمہ : جو شکار مانوس ہو اس کی ذکات ذبح کرنا ہے۔ اور جو چوپایہ وحشت کھائے اس کی ذکات نیزہ مارنا اور زخمی کرنا ہے اور اونٹ میں نحر مستحب ہے اور اگر اس کو ذبح کر دیا تو جائز ہے مگر مکروہ ہے اور گائے اور بکری میں ذبح کرنا مستحب ہے اور اگر ان دونوں کا نحر کیا تو بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے اور جس نے اونٹنی کا نحر کیا یا گائے اور بکری کو ذبح کیا اور اس کے پیٹ میں مردہ بچہ پایا تو نہ کھایا جائے بال آگئے ہوں یا نہ آئے ہوں۔

تشریح : مذکورہ بالا عبارت ترجمہ سے واضح ہے کوئی اختلافی پہلو نہیں ہے البتہ آخری عبارت میں قدرے اختلاف ہے اس کو ہم ذکر کرتے ہیں۔

ومن نحر ناقة الخ : اگر اونٹنی کو نحر کیا یا گائے اور بکری کو ذبح کیا اور اس کے پیٹ میں مردہ بچہ پایا گیا تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے خواہ بال آگئے ہوں یا نہ آئے ہوں یہ امام اعظم، امام زفر اور حسن بن زیاد کے نزدیک ہے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر بچہ کی خلقت پوری ہو جائے تو اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَلا یجوز اکلُ کُلِّ ذِیْ نابٍ مِنَ السَّبَاعِ وَ لَا ذِیْ مِخلَبٍ مِنَ الطُّیُوْرِ وَ لَا بَاسَ بِاَکْلِ غُرَابِ الزَّرْعِ وَ لَا یُوکَلُ الا بقعُ الَّذِی یَاکُلُ الجیفَ وَ یکرَهُ اَکْلُ الضبعِ والضَّبِّ والحَشَرَاتِ کُلِّهَا وَ لَا یَجُوز اَکْلُ لَحمِ الحُمُرِ الاَهْلِیَةِ والبغَالِ وَ یکرَهُ اَکْلُ لَحمِهٖ الفَرسِ عِندَ اَبِیْ حَنِیفَة رَحِمَهُ اللهُ وَ لَا باسَ بِاَکْلِ الاَرنَبِ وَ اِذَا ذُبِحَ مَا لَا یُوکَلُ لَحمهٗ طَهُرَ جِلْدُهٗ وَ لَحمُهٗ اِلَّا

الآدَمِيِ والخِنْزِيرِ فَاِنَّ الذكَاةَ لَا تَعْمَلُ فِيهِمَا وَلَا يو كل مِنْ حيوان المَاءِ الا السمكُ ويكرَهُ اَكلُ الطافى مِنهُ ولا باس باكل الجريث والمار ماهي ويجوز اَكلُ الجراد وَ لَا ذكَاةَ لَهُ.

ترجمه: اور ہر کچلیوں والے درندوں اور پنجوں والے پرندوں کا کھانا جائز نہیں ہے، اور کھیتی کے کوے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور چتکبرا کوا جو کہ مردار کھاتا ہے اسے نہ کھایا جائے اور بجو، گوہ اور تمام حشرات الارض کا کھانا مکروہ ہے۔ گھریلو گدھے اور خچروں کا کھانا جائز نہیں ہے اور گھوڑے کا گوشت کھانا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور خرگوش کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جس جانور کا گوشت کھایا نہیں جاتا ہے اگر اس کو ذبح کر دیا جائے تو اس کی کھال اور اس کا گوشت پاک ہو جائے گا سوائے آدمی اور خنزیر کے کیونکہ ان دونوں میں ذکات کام نہیں کرتی۔ اور آبی جانوروں میں مچھلی کے علاوہ نہ کھایا جائے اور وہ مچھلی جو اپنی موت مر کر پانی پر تیر جائے اس کا کھانا مکروہ ہے۔ اور سچکی اور بام مچھلی کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ٹڈی کا کھانا جائز ہے اور اس میں ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔

ماکول اور غیر ماکول جانوروں کا بیان

حل لغات: ناب: کچلی کے دانت۔ سباع: سبع کی جمع ہے، درندہ۔ مخلب: پنجہ۔ غراب: کوا۔ ابقع: چتکبرا۔ جیف: یہ جیفة کی جمع ہے مردار۔ ضبع: بجو۔ ضب: گوہ۔ حمر: یہ حمار کی جمع ہے، گدھا۔ بغال: یہ بغل کی جمع ہے خچر۔ ذکاة: ذبح کرنا۔ سمك: مچھلی۔ طافی: اسم فاعل، الطفاء الشی فوق الماء، وہ مردہ مچھلی جو پانی پر تیرنے لگے۔ جریث: ایک قسم کی مچھلی ہے۔ المار ماهي: یہ بھی ایک قسم کی مچھلی ہے۔

تشریح: اس پوری عبارت میں دس مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

ولا يجوز ...... من الطيور: مسئلہ (۱) ایسا درندہ جو دانتوں سے شکار کرتا ہے اور ایسا پرندہ جو اپنے چنگل سے شکار کرتا ہے ان کا کھانا جائز نہیں ہے۔

ولاباس ...... الجيف: مسئلہ (۲) وہ کوا جو دانہ کھاتا ہے گندگی نہیں کھاتا ہے اس کا کھانا جائز ہے مگر وہ چتکبرا کوا جو مردار کھاتا ہے اس کا کھانا حرام ہے۔

ويكره ...... كلها: مسئلہ (۳) بجو، گوہ اور دیگر حشرات الارض کا کھانا احناف کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے یہی مسلک امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی ہے۔

ولا يجوز البغال: مسئلہ (۴) پالتو گدھا اور خچر کا گوشت کھانا ناجائز اور حرام ہے۔

ويكره لحم ...... رحمه الله: مسئلہ (۵) گھوڑے کا گوشت کھانا امام اعظمؒ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ امام مالکؒ کا یہی مسلک ہے۔ حضرات صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ کراہت کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ گھوڑا آلہ جہاد ہے۔ مگر عصر حاضر میں آلہ جہاد نہیں ہے اسلئے اب مکروہ نہیں ہے کفایت البیہقی میں ہے کہ امام اعظمؒ نے انتقال سے تین روز قبل حلت کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ آج فتویٰ اسی پر ہے۔

ولا باس باکل الارنب: مسئلہ(٦) خرگوش کا کھانا جائز ہے کوئی کراہت نہیں ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا ہے۔

واذا ذبح ...... فیھا : مسئلہ(٧) ایسا جانور جو کھایا نہیں جاتا ہے اگر اس کو ذبح کر دیا جائے تو اس کی کھال اور اسکا گوشت پاک ہو جاتا ہے مگر انسان اور خنزیر اس سے مستثنٰی قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان میں ذبح اثر انداز نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک پاک نہیں ہوتا ہے۔

ولا یوکل ...... الا السمك : مسئلہ(٨) مچھلی کے علاوہ تمام دریائی جانور کا کھانا جائز نہیں ہے، امام مالکؒ کے نزدیک مطلقاً حلال ہے، امام شافعیؒ سے بھی یہ منقول ہے۔

ویکرہ اکل الطافی منه : مسئلہ(٩) ایسی مچھلی جو خالص اپنی موت سے مرنے کے بعد پانی کے اوپر تیرنے لگے اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔

ولا باس باکل الجریث والمار ماھی الخ: مسئلہ(١٠) بچکی مچھلی، بام مچھلی کا کھانا اور ٹڈی کا کھانا جائز ہے اسمیں ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

کتاب الاضحیة

قربانی کا بیان

کتاب الاضحیہ کو کتاب الذبائح کے بعد ذکر کرنے کی دو وجہ بیان کی جاتی ہے ایک یہ کہ کتاب الذبائح مقدمہ کے درجہ میں ہے کیونکہ اس کے ذریعہ ایام قربانی میں تضحیہ اور ذبح کو جانا جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ذبائح عام اور اضحیہ خاص ہے اور عام کو خاص پر تقدیم حاصل ہے کیونکہ عام خاص کا جز ہے۔

اضحیة: یہ افعولہ کے وزن پر ہے اس کی اصل اُضحویہ ہے۔ واؤ اور یاء جمع ہوئے اور سابق یاء بالسکون ہے اسلئے واؤ کو یاء سے تبدیل کر کے یاء کو یاء میں مدغم کر دیا اور حا کو یاء کی مناسبت سے کسرہ دیدیا، اس کی جمع اضاحی بتشدید الیاء ہے۔

مجموعی طور پر اس لفظ میں آٹھ لغتیں ہیں: اضحیه. همزه بالضم والکسر اور یا بالتشدید والتخفیف ضحیه ضاد بالفتح والکسر. اضحاه. الف بالکسر والفتح.

اضحی: یہ مذکر و مونث دونوں مستعمل ہے۔ اضحیۃ۔ لغت میں بکری اور گائے بھینس وغیرہ اس جیسے جانور کو کہتے ہیں جو ایام قربانی میں ذبح کئے جاتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں ایسا مخصوص جانور ہے جو قربت کی نیت سے مخصوص وقت میں ذبح کیا جائے۔

والاضحية واجبةٌ علیٰ کل حُرٍّ مُسْلِمٍ مقیم موسرٍ فِیْ یَومِ الاضحی یذبَحُ عَنْ نَفْسِهٖ وَ عَنْ اَوْلادِهِ الصِّغَارِ یذبح عن کل وَاحِدٍ منهم شاةً او یذبَحُ بُدْنَةً اَوْ بَقَرَةً عَنْ سَبْعَةٍ وَ لَیْسَ علی الفقیر والمسافرِ اضحیة و وقت الاُضحیَةِ یدخُلُ بِطُلُوعِ الفجر من یوم النحر الا اَنَّهٗ لا

يجوز لاهل الامصارِ الذبحُ حتّیٰ يُصَلِّيَ الإمَامُ صلوٰةَ العِيدِ فَاما اَهْلُ السَّوادِ فيذبحونَ بَعدَ طُلُوعِ الفَجْرِ وَهِيَ جَائِزَةٌ فِيْ ثلثة اَيَّامٍ يَوْمِ النحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهٗ وَ لَا يُضَحىٰ بِالعَمْيَاءِ وَالعَوْرَاءِ وَالعَرْجَاءِ الّتي لا تمشي اليٰ المنسكِ ولاالعَجْفَاءِ وَ لَا تجزی مقطوعةُ الاُذنِ والذنب ولا الّتِيْ ذَهَبَ اَكْثر اُذنِهَا اَوْ ذَنبِهَاوَاِنْ بَقِيَ الاَكْثَرُ مِنَ الاُذنِ والذنب جازَ.

ترجمه: قربانی عیدالاضحیٰ کے دن ہر آزاد مسلمان مقیم مالدار پر واجب ہے۔ اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے ذبح کرے۔ اور ہر ایک آدمی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے۔ یا اونٹ یا گائے سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کرے۔ فقیر اور مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے اور قربانی کا وقت یوم نحر کی طلوع فجر سے ہوتا ہے البتہ شہر والوں کیلئے ذبح کرنا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ امام عید کی نماز پڑھے اور دیہات والے اس طلوع فجر کے بعد ذبح کر سکتے ہیں اور قربانی تین دن جائز ہے۔ یوم النحر میں اور دو دن یوم النحر کے بعد اور اندھے، کانے اور ایسے لنگڑے جانور کی قربانی نہ کرے جو مذبح تک نہیں جاسکتا ہے اور نہ دبلے (جانور) کی۔ اور کان کٹے ہوئے، اور دم کٹی ہوئی جانور کی قربانی جائز نہیں اور نہ ہی ایسے جانور کی قربانی جائز ہے جس کے کان یا دم کا اکثر حصہ کٹا ہوا ہو۔ البتہ اگر کان اور دم کا اکثر حصہ محفوظ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔

حل لغات: **موسر:** مالدار۔ **بُدْنة:** وہ گائے یا اونٹ جس کی قربانی مکہ مکرمہ میں حج کے موقع پر ہوتی ہے **امصار:** یہ مصر کی جمع ہے شہر۔ **سواد:** گاؤں۔ **عمیاء:** اندھا۔ **عورا:** کانا۔ **عرجاء:** لنگڑا۔ **المنسك:** مذبح۔ ذبح کرنے کی جگہ۔ **العجفاء:** کمزور، دبلا۔

تشریح: اس عبارت میں چھ مسئلے ہیں۔

الاضحية واجبة ...... يوم الاضحیٰ: مسئلہ (۱) وجوب کا حکم احناف کے نزدیک ہے ایک روایت میں سنت مؤکدہ ہے اور بقول امام طحاویؒ حضرات صاحبینؒ اور امام شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک سنت ہے۔

يذبح عن نفسه وعن اولاده الصغار: مسئلہ (۲) قربانی اپنی طرف سے اور نابالغ بچوں کی طرف سے کرنی چاہئے۔ امام ابوحنیفہؒ سے حسن بن زیاد کی روایت ہے اور ظاہر الروایہ میں ہے کہ قربانی ہر آدمی پر اپنی طرف سے واجب ہے اور یہی مفتی بہ قول ہے۔

ويذ بح عن كل ...... عن سبعة: مسئلہ (۳) بکری کی قربانی صرف ایک شخص کی طرف سے ہوگی (یہی حال بھیڑ کا ہے) اور اونٹ اور گائے کی قربانی سات شخص کی طرف سے ہوگی۔ امام مالکؒ کے نزدیک ایک گھرانہ کی طرف سے ایک گائے اور اونٹ کی قربانی ہوگی اگر چہ اس گھر میں سات افراد سے زیادہ لوگ ہوں۔

وليس علىٰ الفقير والمسافر اضحية: مسئلہ (۴) یہ مسئلہ بالکل واضح ہے۔

ووقت الاضحية ...... بعد طلوع الفجر: مسئلہ (۵) قربانی کا وقت یوم النحر کی طلوع فجر سے شروع ہو جاتا ہے البتہ شہر والوں کے لئے ادائیگی نماز عیدالاضحیٰ سے قبل قربانی جائز نہیں ہے اور گاؤں میں رہنے والے طلوع فجر کے بعد ہی سے کر سکتے ہیں کیونکہ ان پر عیدین کی نماز واجب نہیں ہے۔

وهی جائزۃ ...... بعدہ : مسئلہ (۵) ایام قربانی تین دن ہیں یوم النحر یعنی دسویں تاریخ اور دو روز اس کے بعد یعنی ۱۰/۱۱/۱۲ کو غروب آفتاب سے پہلے تک۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ۱۳ تاریخ کو بھی قربانی جائز ہے۔

ولا یضحی الخ : مسئلہ (۶) اگر قربانی کا جانور اندھا ہو، کانا ہو، ایسا لنگڑا ہو کہ مذبح تک نہیں جا سکتا ہے۔ دبلا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے اسی طرح اگر جانور کا کان کٹا ہو، دم کٹی ہو، اس کے کان اور دم کا اکثر حصہ کٹا ہوا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے ہاں اگر کان اور دم کا اکثر حصہ محفوظ ہو صرف تھوڑا سا کٹا ہوا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔

ویجوز ان یضحی بالجماء والخصی والجرباء والثولاء والاضحیة من الابل والبقر والغنم ویجزئ من ذلک کله الثنیُّ فَصَاعِداً اِلّا الضَّان فَاِنَّ الجذع منه یجزئ ویاکل من لحم الاضحیة و یُطْعِمُ الاَغنیاء والفقراءَ وَیَدَّخِرُ وَ یَسْتَحِبُّ اَنْ لَا یَنْقص الصدقَةَ مِنَ الثلث وَیَتَصدقُ بِجِلْدِهَا اَوْ یَعْمَلُ مِنْهُ آلَةً تستعْمَلُ فِیْ البَیْتِ والاَفْضَلُ ان یَذْبَحَ اُضْحِیتهُ بِیَدِهِ اِنْ کَانَ یحسنُ الذبحَ وَ یکرَهُ اَنْ یَذْ بَحَهَا الکِتَابِیُّ وَ اِذَا غَلَطَ رَجلان فذبح کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُما اُضْحِیَّةَ الآخَرِ اجزأ عَنْهُمَا وَ لَا ضَمَانَ عَلَیْهِمَا.

ترجمہ : اور جائز ہے قربانی کرنا بے سینگ والے کی، خصی کی، خارش دار کی، دیوانے کی اور قربانی اونٹ، گائے اور بکری کی ہوتی ہے اور ان تمام میں ثنی ہونا کافی (ضروری) ہے یا اس سے زائد (عمر کا) ہو۔ البتہ بھیڑ کا جذع (چھ ماہ کا) ہونا کافی ہے۔ اور قربانی کا گوشت خود بھی کھائے دولتمندوں اور فقیروں کو کھلائے اور ذخیرہ بنا کر رکھ لے اور مستحب یہ ہے کہ ایک تہائی سے کم صدقہ نہ کرے۔ اور قربانی کی کھال صدقہ کر دے یا ایسا کوئی آلہ بنالے جو گھر میں استعمال کیا جائے۔ اور افضل یہ ہے کہ قربانی کا جانور خود ذبح کرے اگر اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو۔ اور مکروہ ہے کہ قربانی کا جانور کوئی کتابی ذبح کرے۔ اگر دو شخصوں سے غلطی ہو گئی کہ دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کے جانور کو ذبح کر دیا تو دونوں کی قربانی درست ہو جائے گی اور ان دونوں پر کوئی ضمان نہیں ہوگا۔

حل لغات : الجماء: پیدائشی طور پر بے سینگ جانور۔ جرباء: خارش دار جانور۔ الثولاء: دیوانہ۔ الثنی: دو دانت والا۔ بکری اور اس کی ہم جنس ایک سالہ۔ بقر اور اسکی ہم جنس دو سالہ اور اونٹ میں پانچ سالہ۔ الضان: بھیڑ۔ الجذع: دنبہ کا چھ ماہ کا بچہ جو کہ دیکھنے میں ایک سال کا معلوم ہوتا ہو۔ یدخر، ادخاراً: ذخیرہ اندوزی کرنا۔

تشریح : اس عبارت میں سات مسئلے ہیں۔

ویجوز ان یضحی ...... والثولاء : مسئلہ (۱) ترجمہ سے واضح ہے۔

والاضحیة ...... یجزئ : مسئلہ (۲) اگر اونٹ پانچ سال کا ہو۔ گائے بھینس وغیرہ دو سال کے ہوں اور بکری ایک سال کی ہو تو ان کی قربانی جائز ہے اور اگر یہ مذکورہ جانور اس عمر سے زائد کے ہوں جب بھی قربانی درست ہے البتہ کم نہ ہو اور اگر بھیڑ دنبہ چھ ماہ کا ہو مگر دیکھنے میں ایک سال کا معلوم ہو تو اس کی بھی قربانی درست ہے۔

ویاکل ...... ویدخر : مسئلہ (۳) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

ویستحب ...... من الثلث : مسئلہ (۴) ترجمہ سے واضح ہے۔

ویتصدق ......فی البیت : مسئلہ (۵) ترجمہ سے واضح ہے۔

والافضل ...... الکتابی : مسئلہ (۶) ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا غلط الخ : مسئلہ (۷) ترجمہ سے واضح ہے۔امام زفرؒ کے نزدیک اس صورت میں قربانی معتبر نہیں ہوگی۔

کتاب الاَیمان

قسم کا بیان

الاَیْمَانُ علیٰ ثلثة اضرب یمین غموس ویمینٌ منعقدَةٌ وَ یَمِیْنُ لَغْوٍ فالغموسُ هی الحلفُ علیٰ اَمْرٍ مَاضٍ تَعَمَّدَ فِیْه الکِذْبَ فَهٰذه الیَمِیْنُ یَاثِمُ بِهَا صَاحِبُهٗ وَ لا کَفَّارَةَ فِیْهَا اِلّا الاسْتغفار والیَمِیْنُ المُنعقِدَةُ هی الحلفُ علیٰ الامر المستقبَلِ ان یَفْعَلَهٗ اَوْ لَا یَفْعَلَهٗ فَاِذَا حَنَثَ فِیْ ذٰلِكَ لزِمته الکفارة وَیَمِیْنَ اللغو یحلف علیٰ امر ماضٍ وهو یظُنُّ اَنَّهٗ کَمَا قَالَ والاَمْرُ بِخِلَافِهٖ فَهٰذِهٖ الیَمِیْنُ نَرْجُوْ ان لا یُوَاخِذَ اللہ بِهَا والعَامِدُ فِیْ الیَمِیْنِ والناسِیِ والمکرَہِ سَوَاءٌ وَ مَنْ فَعَلَ المَحْلُوْفَ عَلَیْهِ عَامِداً اَوْ نَاسِیاً اَوْ مُکْرَهاً فَهُوَ سَوَاءٌ.

ترجمہ : قسم تین طرح پر ہیں۔یمین غموس، یمین منعقدہ اور یمین لغو۔پس یمین غموس گزشتہ بات پر قسم کھانا ہے جس میں جھوٹ کا قصد کیا ہو اور اس قسم میں قسم کھانے والا گناہ گار تو ہوتا ہے اور اس میں سوائے استغفار کے کوئی کفارہ نہیں ہے اور یمین منعقدہ یہ آئندہ امور پر قسم کھانا ہے کہ اس امر کو کرے گا یا نہیں اب اگر اس میں قسم کھالیا تو کفارہ لازم ہوگا اور یمین لغو یہ ہے کہ گزشتہ امور پر قسم کھائے یہ گمان کرتے ہوئے کہ قسم بیان کے مطابق ہے اور معاملہ اس کے خلاف ہو۔اور اس قسم میں ہمیں امید ہے کہ اللہ اس قسم کا مواخذہ نہیں کرے گا اور قسم میں عمداً قسم کھانے والا بھول کر قسم کھانے اور زبردستی قسم کھانے والا (سب) برابر ہیں اور جس شخص نے فعل محلوف علیہ جان بوجھ کر یا بھول کر یا کسی کی زبردستی سے کیا تو وہ سب برابر ہے۔

تشریح : الایمان: لغوی معنی قوۃ کے ہیں۔شرعی معنی یہ ہے کہ قسم کھانے والا فعل یا ترک فعل پر قسم کے ذریعہ عقد کرتا ہے۔

الایمان علیٰ ثلثة اضرب ...... والامر بخلافه : یمین کی تین قسمیں ہیں۔تینوں کی تعریف اس عبارت میں بیان کردی گئی ہے جو ترجمہ سے واضح ہے یمین غموس میں احناف، امام مالک وامام احمدؒ کے نزدیک صرف توبہ واستغفار ہے امام شافعیؒ کے نزدیک کفارہ واستغفار دونوں ہے یمین لغو کی تعریف میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک یمین لغو یہ ہے کہ قسم کھانے والا اپنے گمان میں سچ سمجھ کر جھوٹی قسم کھالے مثلاً پرسوں استاذ سفر سے نہیں آئے تھے مگر حامد کو گمان تھا کہ آ گئے تھے اس لئے اس نے قسم

کھائی کہ واللہ پرسوں استاذ سفر سے آئے تھے۔ یہ یمین لغو ہے امام شافعیؒ کے نزدیک بات بات پر واللہ باللہ کہنا یمین لغو ہے۔

فھذہ الیمین ...... بھا : اس عبارت کا مصداق یمین لغو ہے۔ چونکہ اس قسم میں بالقصد کوئی چیز نہیں ہے اس وجہ سے انشاء اللہ معاف ہے۔

والعامدُ ......سواءٌ: قسم کھانے میں عمداً قسم کھانے، بھول کر قسم کھانے اور بالا کراہ قسم کھانے والے سب برابر ہیں۔

ومن فعل المحلوف علیه الخ: جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے اس کو انجام دینے میں قسم کھانے والے تینوں قسم کے لوگ برابر ہیں۔

والیمین باللہ تعالیٰ اَوْ بِاسم مِنْ اَسمائِهٖ کالرحمن والرحیم او بصفة من صفات ذاتِهٖ کقولِهٖ وعِزَّةِ اللہ وجلاله وکبریائِهٖ اِلّا قَوْلُهٗ وعلم اللہ فانه لَا یکون یَمِیناً وان حَلَفَ بِصِفَةٍ مِنْ صِفَاتِ الفِعْلِ کغضبِ اللہ وَسَخَطِهٖ لم یکن حَالِفاً و مَنْ حَلَفَ بغیر اللہِ لم یکن حالفاً کالنَّبیءِ علیه السلامُ والقرآن والکعبةِ والحَلَفُ بحروف القسم وحروفه الواو کقوله واللہ والبَاءُ کقوله باللہ والتاء کقوله تاللہ وقد تُضمَرُ الحُرُوْفُ فیکونُ حَالِفاً کَقَوْلِهٖ اللہ لَاَفْعَلَنَّ کَذَا وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللہ اِذَا قَال وحق اللہِ فَلَیْسَ بِحَالِفٍ وَ اِذَا قالَ اَقْسِمُ اَوْ اَقْسِمُ باللہِ اَوْ اَحْلِفُ اَوْ اَحْلِفُ باللہ لو اَشْهَدُ اَوْ اَشْهَدُ باللہ فَهُوَ حَالِفٌ وکذالك قوله وعَهْدِ اللہ وَمِیْثَاقِهٖ وَ عَلَیَّ نَذْرٌ اَوْ نَذْرُ اللہِ عَلَیَّ فَهُوَ یَمِیْنٌ وَ اِنْ قَالَ اِنْ فَعَلْتُ کَذَا فانا یَهُوْدِیٌّ اَوْنَصْرَانِیٌّ اَوْ مَجُوْسِیٌّ اَوْ مُشْرِكٌ اَوْ کَافِرٌ کَانَ یَمِیناً وَ اِنْ قَالَ فَعَلَیَّ غَضَبُ اللہِ اَوْ سخطهٗ فَلَیْسَ بِحَالِفٍ وَ کَذالِكَ اِنْ قَالَ اِنْ فَعَلْتُ کَذَا فَاَنا زانٍ اَوْ شَارِبُ خمرٍ اَوْ آکِلُ رِبواً فَلَیْسَ بِحَالِفٍ .

ترجمه : اور اللہ کی قسم یا اسماء الٰہی میں سے کسی ایک اسم کی قسم جیسے رحمٰن، رحیم یا اس کی صفات ذاتی میں سے کسی ذات کی قسم جیسے اس کا قول "وعزۃ اللہ وجلالہ وکبریاءٗ" مگر اسکا قول "وعلم اللہ" یہ قسم نہیں ہوگی اور اگر (باری تعالیٰ کی) صفات فعل کے ساتھ قسم کھائی مثلاً "غضب اللہ، سخط اللہ" تو قسم کھانے والا نہیں ہوگا۔ اور جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی وہ بھی قسم کھانے والا نہیں ہوگا جیسے نبی علیہ السلام، قرآن، کعبہ، اور قسم حروف قسم سے ہوتی ہے اور حروف قسم واوَ ہے جیسے اس کا قول "واللہ" اور باء سے جیسے "باللہ" اور تاء سے جیسے "تاللہ" اور یہ حرف مضمر (پوشیدہ) ہوتا ہے تو وہ قسم کھانے والا ہوگا جیسے بخدا میں ضرور کروں گا اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ جب اس نے "وحق اللہ" کہا تو قسم کھانے والا نہیں ہوگا۔ اور اگر کہتا ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں یا اللہ کی قسم کھاتا ہوں یا حلف اٹھاتا ہوں یا اللہ کا حلف اٹھاتا ہوں یا گواہ کرتا ہوں یا اللہ کو گواہ کرتا ہوں۔ تو وہ حالف ہے اور اسی طرح اس کا قول "وعہد اللہ" ومیثاقہ، علی نذر یا نذر اللہ علیّ" یہ بھی قسم ہے اور اگر کسی نے کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو میں یہودی یا نصرانی یا مجوسی یا مشرک یا کافر ہوں گو یہ قسم ہوگی اور اگر اس نے کہا کہ علی غضب اللہ، علی سخط اللہ" تو وہ حالف نہیں ہوگا اور اسی طرح اگر کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو میں زانی ہوں، شراب نوشی کرنے والا ہوں یا سود کھانے والا ہوں تو وہ حالف نہیں ہے۔

تشریح : مندرجہ بالا عبارت میں اسماء ذات اور اسماء صفات کے ذریعہ قسم کو بیان کیا گیا، اسی طرح حروف قسم واؤ، باء، تاء کو بیان کیا گیا ہے اور ان کا حکم بیان کیا گیا ہے اور عبارت میں ''قال ابوحنیفہؒ وحق اللہ فلیس بحالف'' سے بتانا ہے کہ اگر کوئی ''وحق اللہ'' کہتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے نزدیک قسم نہیں ہوگی۔ امام ابویوسف کی دوسری روایت کے مطابق قسم ہو جائے گی قہستانی میں محیط سے منقول ہے کہ پہلا قول صحیح ہے۔

وَكَفَّارَةُ الیمین عتق رقبةٍ یجزئ فِیهَا وَ مَا یجزئ فِیْ الظهار وان شاءَ كَسا عَشَرَةَ مَسَاكِیْنَ كل واحِدٍ ثوباً فَمَا زَادُو ادناهُ ما یَجُوْز فیه الصلوٰة وان شاء اَطْعَمَ عَشَرَةَ مَسَاكِیْنَ كالاِطْعَامِ فِیْ كَفَّارَةِ الظِهَارِ فَاِنْ لَمْ یَقْدِرْ علیٰ اَحَدِ هٰذِهِ الاَشْیَاءِ الثَلٰثَةِ صَامَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ فَاِنْ قَدَّمَ الكَفَّارَةَ علیٰ الحَنثِ لَمْ یَجُزْهُ وَ مَنْ حَلَفَ علیٰ مَعْصِیَةٍ مِثْل اَنْ لَا یُصَلِّیَ اَوْ لَا یُكَلِّمَ اَبَاهُ اَوْ لَیَقْتُلَنَّ فُلَاناً فَیَنْبَغِیْ اَنْ یَحْنِثَ نَفْسَهٗ وَ یُكَفِّرَ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَ اِذَا حَلَفَ الكَافِرُ ثُمَّ حَنَثَ فِیْ حَالِ الكُفْرِ وَ بَعْدَ اِسْلَامِهٖ فَلَا حَنَثَ عَلَیْهِ وَ مَنْ حَرَّمَ علیٰ نَفْسِهٖ شَیْئاً مِمَّا یَمْلِكُهٗ لَمْ یَصِرْ مُحَرَّماً وَ عَلَیْهِ اِنْ اسْتَبَاحَهٗ كَفَّارَةُ یَمِیْن.

ترجمہ : اور قسم کا کفارہ اسمیں وہی کافی ہے جو ظہار میں کافی ہے۔ اگر چاہے تو دس مسکینوں کو کپڑا پہنا دے۔ اور ہر مسکین کو ایک کپڑا یا اس سے زائد۔ اور ادنیٰ کپڑا وہ ہے جس میں نماز ہو جائے اور اگر چاہے تو دس مسکینوں کو کھانا کھلائے جیسے کفارۂ ظہار میں کھانا کھلانا ہوتا ہے۔ اور اگر ان تینوں میں سے کسی پر قادر نہ ہو تو پے در پے تین روزے رکھے۔ اور اگر کفارہ کو حانث ہونے پر مقدم کر دیا تو کافی نہیں ہوگا اور جس نے گناہ پر قسم کھالی مثلاً (یوں کہا کہ) نماز نہیں پڑھے گا یا اپنے باپ سے بات نہیں کرے گا یا فلاں کو ضرور قتل کرے گا تو مناسب ہے کہ خود ہی حانث ہو جائے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔ اور اگر کوئی کافر قسم کھائے پھر حالت کفر یا اسلام قبول کرنے کے بعد حانث ہو جائے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ اور جس شخص نے اپنی ذات پر ایسی چیز حرام کر لی جس کا خود وہ مالک ہے تو وہ اسپر حرام نہیں ہوگی پھر اگر اس کو مباح سمجھے تو اس پر قسم کا کفارہ ہوگا۔

کفارۂ یمین اور اسکے مسائل

تشریح : اس عبارت میں کفارۂ یمین اور چار مسئلے مذکور ہیں۔

کفارة الیمن ...... متتابعات : کفارہ یمین یہ ہے کہ پہلے ایک غلام کو آزاد کیا جائے۔ اور غلام کے آزاد کرنے کے سلسلے میں جو حکم ظہار کا ہے وہی حکم کفارہ یمین کا ہے یعنی مومن، کافر، صغیر و کبیر، مرد و عورت سب برابر ہے۔ اور اگر چاہے تو دس مسکین کو عرف عام کے مطابق لباس دے اور یہ لباس ہر ایک کو ایک بار یا ایک سے زائد دیدے۔ کپڑے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس سے نماز جائز ہو جائے۔ اور اگر چاہے تو دس مسکین کو کھانا کھلائے جس طرح کفارۂ ظہار میں کھلایا جاتا ہے۔ اگر مذکورہ تینوں چیزوں میں سے کسی پر قدرت نہیں ہے تو متواتر تین روزے رکھے۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ امام مالکؒ کے یہاں تواتر کی شرط نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول اور امام احمدؒ سے ایک روایت بھی یہی ہے۔

فَاِنْ قدّم الكفارة علىٰ الحنثِ لم يجزه : مسئلہ (۱) اگر حانث ہونے سے پہلے کفارہ ادا کر دیا تو ایسا کرنا درست نہیں ہوگا یعنی کفارہ ادا نہیں ہوگا امام شافعیؒ کے نزدیک حانث ہونے سے پہلے کفارہ ادا کرنا جائز ہے۔ دلائل بڑی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

ومن حلف ...... ويكفر عن يمينه : مسئلہ (۲) اگر کسی شخص نے گناہ پر قسم کھائی مثلاً اس نے کہا کہ بخدا میں نماز نہیں پڑھوں گا یا میں اپنے والدین سے گفتگو نہیں کروں گا یا فلاں شخص کو ضرور قتل کروں گا تو ایسی صورت میں اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ قسم توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔

واذا حلف الكافر ...... فلا حنث عليه : مسئلہ (۳) یہ مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

ومن حرم ...... لم يصر محرماً: مسئلہ (۴) اگر کسی نے اپنی ملکیت والی چیز کو اپنی ذات پر حرام کرلیا تو وہ حرام نہ ہوگی اس کے بعد اس نے اسکو مباح سمجھا تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔

فان قال كُلُّ حَلَالٍ عَلَيَّ حَرَامٌ فَهُوَ على الطعامِ والشراب الا ان ينوىَ غير ذٰلِكَ وَمَنْ نَذَرَ نَذْراً مُطْلَقاً فَعَلَيْهِ الوَفَاءُ بِهٖ وَ اِنْ عَلَّقَ نَذْرَهُ بِشَرْطٍ فَوُجِدَ الشرط فَعَلَيْهِ الوَفَاءُ بِنَفْسِ النذر ورُوِىَ اَنَّ اَبَا حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰه رَجَعَ عَنْ ذٰلِكَ وَ قَالَ اِذَا قَالَ اِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَعَلَيَّ حَجَّةٌ اَوْ صَوْمُ سَنَةٍ اَوْ صَدَقَةُ مَا اَمْلَكُهُ اَجْزاهُ مِنْ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ.

ترجمہ : اگر کسی نے کہا کہ ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے تو یہ (تحریم) کھانے اور پینے (کی چیزوں) پر (محمول) ہوگی البتہ یہ کہ اس کے علاوہ (کسی اور چیز) کی نیت کرلے (تو اس پر محمول ہوگی) اور جو شخص مطلق نذر کرے تو اس پر اس کا پورا کرنا ضروری ہے اور اگر اس نے اپنی نذر کو کسی شرط پر معلق کر دیا اور شرط پائی گئی تو اس کو نذر کا پورا کرنا ضروری ہے اور منقول ہے کہ ابوحنیفہؒ نے اس سے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ اگر اس طرح کہتا ہے کہ اگر میں نے ایسا کیا تو مجھ پر ایک حج یا ایک سال کا روزہ یا ایسے چیز کا صدقہ کرنا ہے جس کا وہ خود مالک ہے تو (ایسی صورت میں) اس کو قسم کا کفارہ کافی ہوگا یہی قوم امام محمدؒ کا ہے۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے مذکور ہیں۔

فان قالَ ...... الا ان ينوىَ غير ذٰلك : مسئلہ (۱) اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے تو اس کے دائرہ میں ماکولات ومشروبات قسم کی چیزیں داخل ہوں گی لیکن اگر اس نے کسی اور چیز کی نیت کی تو وہی چیز مراد ہوگی جس کی اس نے نیت کی ہے۔

ومن نذرَ نذراً مطلقاً ...... الوفاء : مسئلہ (۲) اگر کسی نے مطلقاً نذر مان لی تو اس پر نذر کا پورا کرنا ضروری ہے مثلاً اس نے دس روپیہ خیرات کرنے کی نیت کرلی تو اس پر دس روپیہ خیرات کرنا ضروری ہے۔

وان علّقَ الخ : مسئلہ (۳) اگر کسی نے اپنی نذر کو کسی شرط پر معلق کر دیا اب اگر شرط پائی جائے گی تو اس پر نذر کا پورا کرنا ضروری ہے مثلاً اس نے کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو دس روپیہ خیرات کروں گا تو شرط پوری ہونے پر دس روپیہ

خیرات کرنا ضروری ہے یہ مسلک امام ابوحنیفہؒ کا پہلے تھا مگر بعد میں آپ نے اس سے رجوع کرلیا اسکے بعد امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو مجھ پر ایک حج یا ایک سال کا روزہ ہے یا جس چیز کا مالک ہوں اس کا صدقہ کرنا ہے تو ایسی صورت میں قسم کا کفارہ ہی کافی ہوگا۔ امام محمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ بَيْتاً فَدَخَلَ الكَعْبَةَ اَوْ المَسْجِدَ اَوِ البِيعَةَ اَوْ الكَنِيْسَةَ لَمْ يَحْنَثْ وَ مَنْ حَلَفَ لَا يَتَكَلَّم فَقَرَأَ القُرْاٰنَ فِي الصَّلٰوةِ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَلْبَسُ هٰذَا الثَّوبَ وَهُوَ لَابِسُهٗ فَنَزَعَهٗ فِي الحَالِ وَ كَذٰلِكَ اِذَا حَلَفَ لَا يَرْكَبُ هٰذِهِ الدَّابَّةَ وَ هُوَ رَاكِبُهَا فَنَزَلَ فِي الحَالِ لَمْ يَحْنَثْ وَ اِنْ لَبِثَ سَاعَةً حَنِثَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هٰذِهِ الدَّارَ وَ هُوَ فِيهَا لَمْ يَحْنَثْ بِالقُعُوْدِ حَتّٰى يَخْرُجَ ثُمَّ يَدْخُل وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ دَاراً فَدَخَلَ دَاراً خَرَاباً لَمْ يَحْنَثْ وَ مَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هٰذِهِ الدَّارَ فَدَخَلَهَا بَعْدَ مَا انْهَدَمَتْ وَصَارَتْ صَحْرَاءَ حَنِثَ.

ترجمہ : اور جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ گھر میں داخل نہیں ہوگا پھر (بھی) وہ کعبہ یا مسجد یا کلیسا یا گرجا گھر میں داخل ہوگیا تو وہ شخص حانث نہیں ہوگا۔ اور جس شخص نے قسم کھائی کہ گفتگو نہیں کرے گا اور اس نے نماز میں قرآن کی تلاوت کی تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ اور جس شخص نے قسم کھائی کہ کپڑا نہیں پہنے گا اور پہنے ہوئے کپڑے کو اس نے اسی وقت اتار دیا تو حانث نہیں ہوگا اور اسی طرح اگر قسم کھایا کہ اس جانور پر سوار نہیں ہوگا حالانکہ وہ اسی سواری پر تھا اور اسی وقت اتر گیا تو یہ شخص حانث نہیں ہوگا اور اگر ایک ساعت (کچھ دیر) اسی سواری پر ٹھہر گیا تو وہ حانث ہوجائے گا اور جس شخص نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا اور وہ شخص اس وقت اس گھر میں موجود تھا تو حانث نہیں ہوگا یہاں تک کہ گھر والے نکل جائیں اور پھر داخل ہوئے۔

داخل ہونے، کپڑا پہننے، گفتگو کرنے پر قسم کھانے کا بیان

حل لغات : البیعة: کلیسا، نصاریٰ کی عبادت گاہ۔ الکنیسة: گرجا، یہودیوں کی عبادت گاہ۔ نزعه (ن) نزعاً: کپڑے اتارنا، نکالنا۔ خراب: ویران۔ اِنْهَدَمَتْ: باب انفعال سے، گرنا۔ صحراء: جنگل۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسئلے مذکور ہیں۔

یہاں قسم کا بیان چل رہا ہے۔ قسم کے متعلق ائمہ کے اختلاف کو جاننے کیلئے یہ اصول یاد رہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک قسم کی بنیاد حقیقت لغویہ پر ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک استعمال قرآن پر ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک نیت پر ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک عرف عام پر (بشرطیکہ قسم کھانے والے نے محتمل لفظ کی نیت نہ کی ہو)۔

ومن حلف ...... لم یحنث : مسئلہ (۱) صورت مسئلہ واضح ہے۔ ومن حلف ...... فی الصلوٰة لم یحنث: مسئلہ (۲)۔ ومن حلف لا یلبس ...... حنث: مسئلہ (۳) اس عبارت میں دو مسئلے ہیں۔ ومن حلف ...... ثم یدخل: مسئلہ (۴)۔ ومن حلف ...... لم یحنث: مسئلہ (۵)۔ ومن حلف لایدخل الخ: مسئلہ (۶) تمام مسائل کی

صورت ترجمہ سے واضح ہے۔ائمہ کے اختلاف کیلئے اوپر کے اصول کو ذہن نشین رکھیں۔

ومن حلف لَا یَدخلُ ھٰذا البَیْتِ فَدَخلَ بَعْدَ مَا اِنْھدَمَ لَمْ یَحْنَثْ وَ مَنْ حَلفَ لَا یُکَلّمُ زَوْجَةَ فُلَان فَطَلّقَھا فُلَانٌ ثُمّ کَلَّمَھا حَنَثَ وَ مَنْ حَلفَ لَا یُکَلِّمُ عَبْدَ فُلَانٍ اَوْ لَا یَدْ خُلُ دَارَ فُلَانٍ فَبَاعَ فُلَانٌ عَبْدَہٗ اَوْ دَارَہٗ ثُمَّ کَلَّمَ العَبْدَ اَوْ دَخلَ الدَّارَ لَمْ یَحْنَثْ وَ اِنْ حَلفَ لَا یُکَلِّمُ صَاحِبَ ھٰذِہِ الطَیْلُسَان فَبَاعَہٗ ثُمَّ کَلَّمَہٗ حَنَثَ وَ کَذٰلِكَ اِذَا حَلفَ اَنْ لَا یَتَکَلَّمُ ھٰذَ الشَابَ فَکَلَّمَہٗ بَعْدَ مَا صَارَ شَیْخاً حَنَثَ.

ترجمہ: اور جس شخص نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا (مگر) وہ مکان کے انہدام کے بعد اس دار میں داخل ہوگیا تو حانث نہیں ہوگا۔اور جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں کی بیوی سے بات نہیں کرے گا اس کو فلاں نے طلاق دیدی پھر اس نے اس عورت سے بات کی تو حانث ہوجائے گا اور جس شخص نے قسم کھائی کہ فلاں کے غلام سے بات نہیں کرے گا یا فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہوگا اب فلاں نے اپنے غلام یا اپنا گھر فروخت کر دیا اس کے بعد اس نے غلام سے گفتگو کی یا گھر میں داخل ہوا تو حانث نہیں ہوگا اور اگر قسم کھائی کہ اس چادر والے سے گفتگو نہیں کرے گا اس نے چادر فروخت کردی اس کے بعد اس نے اس سے گفتگو کی تو وہ حانث ہوجائے گا اسی طرح اگر کسی نے قسم کھائی کہ آدمی اس نوجوان سے گفتگو نہیں کرے گا پھر اس نے اس کے بوڑھا ہونے کے بعد گفتگو کی تو حانث ہوجائے گا۔

تشریح: اس پوری عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں ہر ایک ترجمہ سے واضح ہے تفصیل کی ضرورت نہیں۔

ومن حلف ...... انهدم لم يحنث: مسئلہ (۱)۔**ومن حلف ...... حنث:** مسئلہ (۲)۔**ومن حلف لا يكلم ...... لم يحنث:** مسئلہ (۳)۔**وان حلف ...... كلمه حنث:** مسئلہ (۴)۔**وكذالك اذا حلف الخ:** مسئلہ (۵)

وان حلف لا یاکُلُ لَحْمَ ھٰذا الحَمَلِ فَصَارَ کَبْشاً فَاکَله حَنَثَ وَ اِنْ حَلفَ لَا یاکُلُ مِنْ ھٰذِہِ النخلَةِ فَھُوَ عَلیٰ ثَمرِھَا وَمَنْ حَلفَ لَا یَاکُلُ مِنْ ھٰذا البُسْرِ فَصَارَ رُطَباً فَاکَلَہٗ لَمْ یَحْنَثْ وَ اِنْ حَلفَ لَا یَاکُلُ بُسراً فَاکَلَ رُطَباً لَمْ یَحْنَثْ وَاِنْ حَلفَ لَا یَاکُلُ رُطَباً فَاکَلَ مُذْنِباً حَنِثَ عِنْدَابِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَہُ اللہُ وَمَنْ حَلفَ لَا یَاکُلُ لَحماً فَاکَلَ السَّمَكَ لَمْ یَحْنَثْ وَ لَوْ حَلفَ لَا یَشْرِبُ دَجْلَةَ فَشَرِبَ مِنھَا بِاِنَاءٍ حَنِثَ وَمَنْ حَلفَ لَا یَاکُلُ مِنْ ھٰذِہِ الحِنطَةِ فَاکَلَ مِنْ خُبْزِھَا لَمْ یَحْنَثْ وَلَوْحَلفَ لَایَاکُلُ مِنْ ھٰذِہِ الدَقِیْقِ فَاکَلَ مِنْ خُبْزِہٖ حَنَثَ وَ لَوْ اِسْتَفَّہٗ کَمَا ھُوَ لَمْ یَحْنَثْ

ترجمہ: اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس حمل کا گوشت نہیں کھائے گا وہ حمل (پیدا ہوکر) مینڈھا ہوگیا اب اس نے اس کا گوشت کھالیا تو حانث ہوجائے گا۔اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس کھجور سے نہیں کھائے گا تو یہ قسم اسکے پھل پر (محمول) ہوگی (یعنی پھل نہیں کھائے گا) اور جس شخص نے قسم کھائی کہ اس کچی کھجور سے نہیں کھائے گا وہ کھجور پک گئی اس نے

اس (پختہ) کھجور کو کھالیا تو حانث نہیں ہوگا اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ کچی کھجور نہیں کھائے گا مگر اس نے پختہ کھجور کھالی تو حانث نہیں ہوگا اور اگر قسم کھائی کہ پختہ کھجور نہیں کھائے گا مگر اس پکی کھجور کو کھالیا جو دُم کی طرف سے پک گئی تھی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حانث ہو جائے گا۔ اور جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا اور اس نے مچھلی کھالی تو حانث نہیں ہوگا۔ اور اگر قسم کھائی کہ دجلہ نہر کا پانی نہیں پیئے گا اور اس نے برتن کے ذریعہ پی لیا تو حانث ہو جائے گا اور جس شخص نے قسم کھائی کہ یہ گیہوں نہیں کھائے گا پھر اس نے اس گیہوں کی روٹی کھالی تو حانث نہیں ہوگا اور اگر قسم کھائی کہ اس آٹے میں سے نہیں کھائے گا جبکہ اس نے اس آٹے کی روٹی کھالی تو حانث ہو جائے گا اور اگر اسکو اسی طرح پھانک لیا تو حانث نہیں ہوگا۔

خوردنی اشیاء پر قسم کھانے کا بیان

حل لغات: كَبشاً: مینڈھا۔ النخلة: کھجور کا درخت۔ ثمر: پھل۔ البسر: کچی کھجور۔ رطباً: پختہ کھجور۔ مذنب: کچی کھجور جو ایک طرف پکنی شروع ہوگئی ہو۔ السمك: مچھلی۔ دِجله: عراق کا مشہور دریا۔ يكرع (س،ف) كرعاً منه: منہ لگا کر پانی پینا۔ الدقيق: آٹا۔ خبز: روٹی۔ استفه وسفه(س): پھانکنا۔

تشریح: اس عبارت میں دس مسئلے مذکور ہیں۔

وان حلف ...... حنث: مسئلہ (۱)۔ **وان حلف ...... فهو علىٰ ثمرها:** مسئلہ (۲) اس مسئلہ میں نخلہ سے مراد پھل ہے یعنی اگر پھل کھالیا تو حانث ہو جائے گا۔ دونوں مسئلے واضح ہیں۔

ومن حلف ...... فاكله لم يحنث: مسئلہ (۳)۔ **وان حلف ...... رطباً لم يحنث:** مسئلہ (۴) دونوں مسئلے واضح ہیں۔

وان حلف ...... عند ابى حنيفة رحمه الله: مسئلہ (۵) امام محمد امام اعظمؒ کے ساتھ ہیں۔ امام ابویوسفؒ کے نزدیک حانث نہیں ہوگا۔

ومن حلف ...... السمك لم يحنث: مسئلہ (۶) چونکہ احناف کے نزدیک قسم کا مدار عرف عام پر ہے اور عرف عام میں گوشت کا اطلاق مچھلی پر نہیں ہوتا ہے اس لئے اس کا کھانے والا حانث نہیں ہوگا۔ ہاں قیاس کے رو سے حانث ہو جائے گا ائمہ ثلاثہ کا یہی قول ہے۔ امام ابویوسفؒ کی ایک شاذ روایت اسی قسم کی ہے۔

ولو حلف ...... عند ابى حنيفة: مسئلہ (۷) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے حضرات صاحبینؒ کے نزدیک کسی بھی طرح پینے سے حانث نہیں ہوگا۔

ومن حلف ...... باناءٍ حنث: مسئلہ (۸) مسئلہ کی صورت واضح ہے۔

ومن حلف ...... خبزها لَم يحنث: مسئلہ (۹) یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ امام مالک وامام شافعیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔ حضرات صاحبین کے نزدیک گیہوں کی طرح اس کی روٹی کھانے سے بھی حانث ہو جائے گا۔

ومن حلف ...... خبزه حنث: مسئلہ (۱۰) یہ مسئلہ بھی ترجمہ سے واضح ہے البتہ اگر صرف آٹا پھانک لیا تو حانث نہیں ہوگا۔

وَاِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ فُلَاناً فَكَلَّمَهُ وَ هُوَبِحَيْثُ يَسْمَعُ اِلَّا اَنَّهُ نَائِمٌ حَنِثَ وَ اِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهُ اِلَّا بِاِذْنِهِ فَاَذِنَ لَهُ وَ لَمْ يَعْلَمْ بِالاِذْنِ حَتّٰى كَلَّمَهُ حَنِثَ وَاِذَا اسْتَحْلَفَ الْوَالِيُ رَجُلاً لِيُعَلِّمَهُ بِكُلِّ دَاعِرٍ دَخَلَ الْبَلَدَ فَهُوَ عَلىٰ حَالٍ وِ لَايَتِهٖ خَاصَّةً وَ مَنْ حَلَفَ لَا يَرْكَبُ دَابَّةَ فُلَانٍ فَرَكِبَ دَابَّةَ عَبْدِهِ الْمَاذُوْنِ لَمْ يَحْنَثْ وَ مَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هٰذِهِ الدَّارِ فَوَقَفَ عَلىٰ سَطْحِهَا اَوْ دَخَلَ دَهْلِيْزِهَا حَنِثَ وَ اِنْ وَقَفَ فِيْ طَاقِ الْبَابِ بِحَيْثُ اِذَا اُغْلِقَ الْبَابُ كَانَ خَارِجاً لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَاكُلُ الشِّوَاءَ فَهُوَ عَلىٰ اللَّحْمِ دُوْنَ الْبَاذِنْجَانِ وَالْجَزَرِ وَ مَنْ حَلَفَ لَا يَاكُلُ الطَّبِيْخَ فَهُوَ عَلىٰ مَا يُطْبَخُ مِنَ اللَّحْمِ وَ مَنْ حَلَفَ لَا يَاكُلُ الرُّؤسَ فَيَمِيْنُهُ عَلىٰ مَا يُكْبَسُ فِيْ التَّنَانِيْرِ وَ يُبَاعُ فِيْ الْمِصْرِ.

ترجمہ: اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص سے گفتگو نہیں کرے گا پھر اس نے بات کرلی اس طرح (اتنی آواز سے) کہ وہ شخص سن لیتا مگر وہ سویا ہوا تھا تو حانث ہوجائے گا۔ اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ فلاں سے گفتگو نہیں کریگا مگر اس کی اجازت سے پھر اس نے اس کو اجازت دی لیکن اس کو اجازت کا علم نہیں ہوا یہاں تک کہ اس نے اس سے گفتگو کرلی تو حانث ہوجائے گا۔ اور اگر حاکم نے کسی سے قسم لی کہ وہ اسے (حاکم کو) ہر اس شریر کے بارے میں بتائے جو شہر میں داخل ہو تو یہ قسم خاص اس حاکم کی حکومت تک رہے گی۔ اور جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں شخص کی سواری پر سوار نہیں ہوگا اور اپنے بعد ماذون کی سواری پر سوار ہوا تو حانث نہیں ہوگا۔ اور جس شخص نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا اور اس گھر کی چھت پر کھڑا ہوگیا یا اس کی دہلیز میں داخل ہوگیا تو حانث ہوجائے گا اور اگر دروازہ کی محراب میں داخل ہوا اس انداز پر کہ اگر دروازہ بند کیا جائے تو یہ باہر ہوگا تو (ایسی صورت میں) یہ شخص حانث نہیں ہوگا۔ اور جس شخص نے قسم کھائی کہ بھنا ہوا نہیں کھائے گا تو یہ گوشت پر (محمول) ہوگا نہ کہ بیگن اور گاجر پر۔ اور جس شخص نے قسم کھائی کہ پکا ہوا نہیں کھائے گا تو یہ گوشت سے پکی ہوئی چیز پر محمول ہوگا۔ اور جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ سریاں نہیں کھائے گا تو یہ قسم ان سریوں پر ہوگی جو تنوروں میں پکتی اور شہر میں بکتی ہوں گی۔

حل لغات: **استخلف استخلافاً**: قسم لینا۔ **داعر**: شریر، بد معاش۔ **سطح**: چھت۔ دہلیز۔ دہلیز، چوکھٹ۔ **طاق**: محراب۔ **اغلق**: از افعال، بند کرنا۔ **الشواء**: بھنا ہوا۔ **الباذنجان**: بیگن۔ **الجزر**: گاجر۔ **الطبیخ**: پکا ہوا۔ **الرؤس**: واحد رأس: سری۔ **یکبس**(ض) **کبساً**: داخل کرنا۔ یہاں پکنے کے مفہوم میں ہے۔ **تنانیر**: تنور کی جمع ہے۔

تشریح: **وان حلف ...... نائم حَنِثَ**: مسئلہ (۱) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔ حانث ہونا صاحب کتاب کے نزدیک ہے لیکن صحیح روایت جو مبسوط میں ہے وہ یہ کہ گفتگو کرنے والا اس شخص کے بیدار ہونے کے بعد حانث ہوگا مشائخ کا اس پر اتفاق ہے۔

وان حلف ...... کلمه حنث: مسئلہ (۲) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

واذا استحلف ...... ولایته خاصۃً : مسئلہ (۳) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔ قسم کے حاکم کی حکومت تک رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک حاکم کی حکومت رہے گی اس وقت تک قسم رہے گی اور اس کی حکومت کے زوال کے بعد قسم ختم ہو جائے گی۔

ومن حلف ...... الماذون لم یحنث : مسئلہ (۴) اس مسئلہ میں حانث نہ ہونا حضرات شیخین کا مسلک ہے البتہ امام محمدؒ کے نزدیک عبد ماذون کی سواری پر سوار ہونے والا حانث ہو جائے گا کیونکہ عبد ماذون کی سواری آقا کی سواری مانی جاتی ہے۔

ومن حلف ...... لم یحنث : مسئلہ (۵) اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت میں حانث ہو جائے گا یہ متقدمین فقہاء کے نزدیک ہے مگر دوسری صورت میں حانث نہیں ہوگا یہ متاخرین فقہاء کے نزدیک ہے فتویٰ اسی پر ہے۔

ومن حلف ...... والجزر : مسئلہ (۶) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

ومن حلف ...... ما یطبخ من اللحم : مسئلہ (۷) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

ومن حلف لا یاکل الخ : مسئلہ (۸) اس مسئلہ میں امام صاحب حضرات صاحبین کا اختلاف ہے ہر ایک نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے کیا۔ چنانچہ امام صاحب کے زمانہ میں گائے اور بکریوں کے سرے تنور میں پکتے اور شہروں میں بکتے ہوتے تھے اسلئے انہوں نے اسی کو مراد لیا اور صاحبین کے زمانہ میں خاص طور پر بکریوں کے مراد ہوتے تھے اسلئے ان حضرات نے اسی پر محمول کیا۔

وَمَنْ حَلَفَ لَا یَاکُلُ الْخُبْزَ فَیَمِیْنُہٗ عَلیٰ مَایَعْتَادُ اَھْلُ الْبَلَدِ اَکْلَہٗ خُبْزاً فَاِنْ اَکَلَ خُبْزَ الْقَطَائِفِ اَوْ خُبْزَ الْاَرُزِ بِالْعِرَاقِ لَمْ یَحْنَثْ وَ مَنْ حَلَفَ لَا یَبِیْعُ اَوْ لَا یَشْتَرِیْ اَوْ لَا یُؤَاجِرُ فَوَکَّلَ مَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ لَمْ یَحْنَثْ وَ اِنْ حَلَفَ لَا یَتَزَوَّجُ اَوْ لَا یُطَلِّقُ اَوْ لَا یَعْتِقُ فَوَکَّلَ مَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ حَنِثَ وَ مَنْ حَلَفَ لَا یَجْلِسُ عَلَی الْاَرْضِ فَجَلَسَ عَلیٰ بِسَاطٍ اَوْ حَصِیْرٍ لَمْ یَحْنَثْ وَ مَنْ حَلَفَ لَا یَجْلِسُ عَلیٰ سَرِیْرٍ فَجَلَسَ عَلیٰ سَرِیْرٍ فَوْقَہٗ بِسَاطٌ حَنِثَ وَ اِنْ جَعَلَ فَوْقَہٗ سَرِیْراً آخَرَ فَجَلَسَ عَلَیْہِ لَمْ یَحْنَثْ وَ اِنْ حَلَفَ لَا یَنَامُ عَلیٰ فِرَاشٍ فَنَامَ عَلَیْہِ وَ فَوْقَہٗ قِرَامٌ حَنِثَ وَ اِنْ جَعَلَ فَوْقَہٗ فِرَاشاً آخَرَ فَنَامَ عَلَیْہِ لَمْ یَحْنَثْ وَ مَنْ حَلَفَ وَقَالَ اِنْشَاءَ اللہُ مُتَّصِلاً بِیَمِیْنِہٖ فَلَا حِنْثَ عَلَیْہِ.

ترجمہ : اور جس شخص نے قسم کھائی کہ روٹی نہیں کھائے گا تو قسم اس (روٹی) پر (محمول) ہوگی جس کے کھانے کے اہل شہر عادی ہوں اب اگر کسی نے عراق میں بادام کی روٹی یا چاول کی روٹی کھالی تو حانث نہیں ہوگا اور جس شخص نے قسم کھائی کہ خرید و فروخت نہیں کرے گا یا کرایہ پر نہیں دے گا پھر اس نے ایک شخص کو وکیل بنایا جس نے یہ سب کام کر دیا تو حانث نہیں ہوگا اور جس شخص نے قسم کھائی کہ شادی نہیں کرے گا یا طلاق نہیں دے گا یا آزاد نہیں کرے گا پھر اس نے ایک شخص کو وکیل بنایا جس نے یہ کام انجام دیدیا تو حانث نہیں ہوگا۔ اور جس شخص نے قسم کھائی کہ زمین پر نہیں بیٹھے گا پھر وہ بستر پر چٹائی پر بیٹھ گیا تو حانث نہیں ہوگا۔ اور جس شخص نے قسم کھائی کہ تخت پر نہیں بیٹھے گا پھر ایسے تخت پر بیٹھا جس کے اوپر بستر تھا تو

حانث ہو جائے گا اور اگر اس تخت کے اوپر ایک دوسرا تخت رکھا اور اس پر بیٹھ گیا تو حانث نہیں ہوگا اور اگر قسم کھائی کہ بستر پر نہیں سوئے گا پھر اسی پر اس حال میں سویا کہ اسپر ایک چادر تھی تو حانث ہو جائے گا اور اگر اس پر ایک دوسرا بستر ڈال دیا پھر اس پر سو گیا تو حانث نہیں ہوگا اور جس شخص نے قسم کھائی اور قسم سے متصل انشاء اللہ کہا تو اس کے کرنے پر حانث نہیں ہوگا۔

حل لغات: الخبز: روٹی۔ یعتاد اعتیاداً: خوگر ہونا۔ القطائف: یہ قطیفه کی جمع ہے ایک قسم کا کھانا جو آٹے سے تیار کیا جاتا ہے۔ الارز: چاول۔ بساط: بستر۔ حصیر: چٹائی، بوریا۔ سریر: تخت۔ چارپائی۔ فراش: بستر۔ قِرام: ایک باریک کپڑا، مراد چادر ہے۔

تشریح: ومن حلف ...... لم یحنث: مسئلہ (۱) اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں روٹی نہیں کھاؤں گا تو ایسی صورت میں قسم اس روٹی پر محمول ہوگی جس کے کھانے کے اہل شہر عادی ہوں چنانچہ اگر ملک عراق میں کسی نے بادام کی روٹی یا چاول کی روٹی کھالی تو کھانے والا حانث نہیں ہوگا۔

ومن حلف ...... لم یحنث: مسئلہ (۲) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔ حالف (مؤکل) کے کام کو وکیل نے انجام دیا اس لئے حالف حانث نہیں ہوگا۔

وان حلف ...... لم یحنث: مسئلہ (۳) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے اس صورت میں مؤکل ہر صورت میں حانث ہوگا خواہ خود انجام دے یا وکیل انجام دے۔

وان حلف ...... حصیر لم یحنث: مسئلہ (۴)۔ ومن حلف ...... علیه لم یحنث: مسئلہ (۵)۔ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت میں حانث ہوگا اور دوسری صورت میں حانث نہیں ہوگا۔

وان حلف ...... فنام علیه لم یحنث: مسئلہ (۶) اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت میں حانث ہوگا اور دوسری صورت میں حانث نہیں ہوگا۔ مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

ومن حلف یمیناً الخ: مسئلہ (۷) اگر کسی نے قسم کھائی اور فوراً انشاء اللہ کہدیا تو اس کام کو کرنے سے حانث نہیں ہوگا البتہ قسم باطل ہو جائے گی۔

وَ اِنْ حَلَفَ لَيَاتِيَنَّهٗ اِنِ اسْتَطَاعَ فَهُوَ عَلٰى اِسْتِطَاعَةِ الصِّحَةِ دُوْنَ الْقُدْرَةِ وَ اِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهٗ حِيناً اَوْ زَمَاناً اَوِ الْحِيْنَ اَوِالزَّمَانَ فَهُوَ عَلٰى سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَكَذَالِكَ الدَّهْرُ عِنْدَ اَبِىْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّد رَحِمَهُمَا اللهُ وَ اِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهٗ اَيَّاماً فَهُوَ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَ لَوْ حَلَفَ لَايُكَلِّمُهٗ الْاَيَّامَ فَهُوَ عَلٰى عَشْرَةِ اَيَّامٍ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَ عِنْدَهُمَا عَلٰى اَيَّامِ الْاُسْبُوْعِ وَ لَوْ حَلَفَ لَايُكَلِّمُهٗ الشُّهُوْرُ فَهُوَ عَلٰى عَشْرَةِ اَشْهُرٍ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَ عِنْدَهُمَا عَلٰى اثْنَي عَشَرَ شَهْراً وَ لَوْ حَلَفَ لَا يَفْعَلُ كَذَا تَرَكَهٗ اَبَداً وَ اِنْ حَلَفَ لَيَفْعَلَنَّ كَذَا فَفَعَلَهٗ مَرَّةً وَاحِدَةً بَرَّ فِىْ يَمِيْنِهٖ وَمَنْ حَلَفَ لَا تَخْرُجُ امْرَأَتُهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَاَذِنَ لَهَا مَرَّةً وَاحِدَةً فَخَرَجَتْ

وَ رَجَعَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ مَرَّةً اُخْرىٰ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ حَنِثَ وَلَا بُدَّ مِنَ الْاِذْنِ فِيْ كُلِّ خُرُوْجٍ وَ اِنْ قَالَ اِلَّا اَنْ اٰذَنَ لَكِ فَاَذِنَ لَهَا مَرَّةً وَاحِدَةً ثُمَّ خَرَجَتْ بَعْدَ ذٰلِكَ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ لَمْ يَحْنَثْ.

ترجمہ: اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ فلان کے پاس ضرور آئے گا بشرطیکہ ہو سکے تو یہ تندرستی پر (محمول) ہوگی نہ کہ قدرت پر اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ فلاں سے ایک زمانہ تک گفتگو نہیں کرے گا تو یہ قسم چھ ماہ پر محمول ہوگی اور اسی طرح امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک لفظ دہر ہے اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے چند دن بات نہیں کرے گا تو یہ قسم تین دن پر محمول ہوگی۔ اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص سے چند یوم (الایام معرفہ ذکر کر کے کہا) بات نہیں کرے گا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ قسم دس دنوں پر محمول ہوگی اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک ہفتہ کے دنوں پر محمول ہوگی اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ فلاں شخص سے ایک ماہ تک گفتگو نہیں کرے گا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ قسم دس مہینوں پر محمول ہوگی اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک بارہ مہینوں پر محمول ہوگی اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ اگر اسکو نہیں کرے گا تو ہمیشہ کے لئے اس کو چھوڑ دے اور اگر قسم کھائی کہ وہ شخص اس کام کو ضرور کرے گا اور اس نے اس کو ایک مرتبہ کر دیا تو اس کی قسم پوری ہو جائے گی اور جس شخص نے قسم کھائی کہ اس کی بیوی اس کی اجازت کے بغیر باہر نہیں نکلے گی پھر اس نے اس کو ایک مرتبہ اجازت دیدی اور وہ نکل گئی اور لوٹ آئی پھر دوسری مرتبہ اس کی اجازت کے بغیر نکل گئی تو وہ شخص حانث ہو جائے گا اور ہر مرتبہ باہر نکلنے میں اجازت ضروری ہے۔ اور اگر اس نے کہا مگر یہ کہ میں تم کو اجازت دوں پھر اس نے عورت کو ایک مرتبہ اجازت دی اس کے بعد عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نکل گئی تو حانث نہیں ہوگا۔

وقت اور زمانہ پر قسم کھانے کا بیان

وان حلف لیاتینه ...... دون القدرة : مسئلہ (۱) اگر کسی نے اس طور پر قسم کھائی کہ اگر مجھ سے ممکن ہو سکا تو اس شخص کے پاس ضرور آؤں گا تو یہ قسم اس کے تندرست ہونے پر محمول ہوگی نہ کہ قدرت۔

وان حلف لا یکلمه ...... ومحمد رحمهما الله : مسئلہ (۲) اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں شخص سے ایک زمانہ تک بات نہیں کروں گا اور اس نے زمانے کیلئے حین یا زمان نکرہ یا معرفہ ذکر کیا تو یہ قسم چھ ماہ پر محمول ہوگی۔ یہ احناف اور امام احمدؒ کا مسلک ہے امام مالکؒ کے نزدیک ایک سال پر اور امام شافعیؒ کے نزدیک ادنیٰ مدت یعنی ایک ساعت پر محمول ہوگی۔ اور اگر زمانہ کی تعبیر کیلئے لفظ الدہر استعمال کیا تو حضرات صاحبین کے نزدیک چھ ماہ پر محمول ہوگی اور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام صاحبؒ نے توقف اختیار فرمایا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

وان حَلَفَ ...... اثنی عَشَرَ شَهراً : مسئلہ (۳) اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص سے چند ایام یا چند ماہ گفتگو نہیں کرے گا اور اس ایام یا شہور کو نکرہ یا معرفہ ذکر کیا۔ اگر ایام کو نکرہ ذکر کیا تو بالاتفاق تین دن پر محمول ہوگا اور اگر ایام کو معرفہ ذکر کیا تو اس میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس دن پر محمول ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ایک ہفتہ پر محمول ہوگا۔ اور اگر شہور کو معرفہ ذکر کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس ماہ پر محمول ہوگا اور صاحبین کے نزدیک بارہ مہینہ پر محمول ہوگا۔

ولو حلف ...... ترکه ابداً : مسئلہ (۴) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔
وان حلف...... برفی یمینه : مسئلہ (۵) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔
ومن حلف ...... بِغَیرِ اِذْنِہٖ : مسئلہ (۶) اس مسئلہ کی دوصورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ کسی نے قسم کھا کر اپنی بیوی سے کہا کہ تم میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلو گی اب اگر بیوی ایک مرتبہ اجازت لے کر باہر نکلی اور جب دوبارہ باہر نکلی تو اجازت نہیں لی تو ایسی صورت میں وہ شخص حانث ہوجائے گا۔ یعنی اس صورت میں ہر مرتبہ اجازت شرط ہے دوسری صورت یہ ہے کہ جملہ قسمیہ استعمال کرنے کے بعد الا ان کہے تو اس صورت میں ہر مرتبہ اجازت شرط نہیں ہے بلکہ ایک مرتبہ اجازت لینا کافی ہے۔ مثلاً شوہر نے بیوی کو ایک مرتبہ اجازت دی لیکن دوسری مرتبہ نکلی تو اس نے اجازت نہیں دی تو یہ شخص اپنی قسم میں حانث نہیں ہوگا۔

وانْ حَلَفَ لَا یتغدی فالغداء هو الاکل مِنْ طُلُوْعِ الفَجْرِ اِلیٰ الظُّهْرِ والعَشَاءِ مِنْ صَلوٰةِ الظُّهْرِ اِلیٰ نِصْفِ اللَّیْلِ والسُّحُوْرِ مِنْ نِصْفِ اللَّیْلِ اِلیٰ طُلُوْعِ الفَجْرِ وَ لَوْ حَلَفَ لَا یاتَدِمُ فالادامُ کُلُّ شَیْءٍ یُصْطَبَغُ بِهٖ وَ اِنْ حَلَفَ لَیَقْضِیَنَّ دَیْنَهٗ اِلیٰ قَرِیْبٍ فَهُوَ مَادُوْنَ الشَّهْرِ وَاِنْ قَالَ اِلیٰ بَعِیْدٍ فَهُوَ اَکْثَر مِنْ الشَّهْرِ.

ترجمه : اور اگر قسم کھائی کہ ناشتہ نہیں کرے گا تو ناشتہ وہ کھانا ہے جو طلوع فجر سے ظہر تک ہے اور عشاء نماز ظہر سے نصف لیل تک ہے اور سحری نصف لیل سے طلوع فجر تک ہے۔ اور اگر قسم کھائی کہ سالن نہیں کھائے گا تو سالن ہر وہ چیز ہے جس سے روٹی تر کی جائے۔ اور اگر قسم کھائی کہ فلاں کا قرض عنقریب ادا کر دیگا۔ تو یہ ایک ماہ سے کم پر ہوگا اور اگر کہا کچھ دیر میں تو ایک ماہ سے زائد پر ہوگا۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔
وان حلف ...... طلوع الفجر: مسئلہ (۱) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔ **ولو حلف...... یصطَبَغُ:** مسئلہ (۲) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔ **وان حلف الخ:** مسئلہ (۳) اس مسئلہ کی دوصورتیں ہیں۔ ادائیگی قرض کے لئے قریب کی مدت سے ایک ماہ سے کم مدت مراد ہوگی اور بعید سے ایک ماہ سے زائد مراد ہوگی۔

وَمَنْ حَلَفَ لَا یَسکن هٰذِهِ الدارَ فَخَرَجَ مِنْهَا بِنَفْسِهٖ وَتَرَكَ اَهْلَهٗ وَمَتَاعَهٗ فِیْهَا حَنِثَ وَ مَنْ حَلَفَ لَیَصْعَدَنَّ السَّمَاءَ اَوْ لَیَقْلِبَنَّ هٰذا الحَجرَ ذَهَباً اِنْعَقَدَتْ یَمِیْنُهٗ وَ حَنِثَ عَقِیْبَهَا وَمَنْ حَلَفَ لَیَقْضِیَنَّ فُلاناً دَیْنَهٗ اَلْیومَ فَقَضَاهُ ثُمَّ وَجَدَ فُلَانٌ بَعْضَهٗ زُیُوْفاً اَوْ بَهْرَجَةً اَوْ مُسْتَحِقَّةً لَمْ یَحْنَثْ وَ اِنْ وَجَدَ رَصَاصاً اَوْ سَتُّوْقَةً حَنِثَ وَ مَنْ حَلَفَ لَا یَقْبِضُ دَیْنَهٗ دِرْهَماً دُوْنَ دِرْهَمٍ فَقَبَضَ بَعْضَهٗ لَمْ یَحْنَثْ حَتّٰی یَقْبِضَ جَمِیْعَهٗ مُتَفَرِّقاً وَ اِنْ قَبَضَ دَیْنَهٗ فِیْ وَزْنَتَیْنِ لَمْ یَتَشَاغَلْ بَیْنَهُمَا اِلَّا بِعَمْلِ الوَزْنِ لَمْ یَحْنَثْ وَلَیْسَ ذٰلِكَ بِتَفْرِیْقٍ وَمَنْ حَلَفَ لَیَاتِیَنَّ البَصْرَةَ فَلَمْ یَاتِهَا حَتّٰی مَاتَ حَنِثَ فِیْ آخَرِ جُزْءٍ مِنْ اَجْزَاءِ حَیَاتِهٖ .

ترجمہ : اور جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ اس مکان میں نہیں رہے گا پھر اس مکان سے خود ہی نکل گیا اور بال بچوں اور اسباب کو اسی میں چھوڑ دیا تو حانث ہو جائے گا اور جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ آسمان میں ضرور چڑھے گا یا ضرور اس پتھر کو سونا بنائے گا تو اس کی قسم منعقد ہو جائے گی اور قسم کے بعد وہ حانث ہو جائے گا اور جس شخص نے قسم کھائی کہ آج وہ فلاں شخص کو اس کا قرض ادا کرے گا پس اس نے اس کا قرض ادا کر دیا اس کے بعد فلاں شخص نے کچھ قرض کو کھوٹا پایا یا کسی دوسرے کا حق پایا تو حانث نہیں ہوگا اور اگر مکمل طور پر رانگ پایا یا مکمل طور کھوٹا تو حانث ہو جائے گا اور جس شخص نے قسم کھائی کہ اپنا قرض ایک ایک درہم کر کے (متفرق طور پر) نہیں وصولے گا پھر اس نے اپنا کچھ قرض وصول لیا تو حانث نہیں ہوگا یہاں تک کہ تمام قرض متفرق طور پر لے لے۔ اور اگر اس نے اپنا قرض دو دفعہ وزن کر کے وصول کر لیا اور ان دونوں وزن کے درمیان سوائے وزن کرنے کے کوئی اور کام نہیں کیا تو حانث نہیں ہوگا و۔ اور یہ متفرق طور پر لینا نہیں ہوگا اور جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ بصرہ ضرور آئے گا مگر وہ بصرہ آیا نہیں یہاں تک کہ وہ مرگیا تو اپنی زندگی کے آخری جزء (لحات) میں حانث ہو جائے گا۔

حل لغات : متاع: سامان۔ لیصعدن: یہ نون تاکید ثقیلہ ہے صَعِدَ یَصْعَدُ صَعُوْداً: چڑھنا۔ لیقلبن: یہ نون تاکید ثقیلہ ہے، مصدر تقلیب ہے قلب الحجر ذھباً پتھروں کو سونا بنانا۔ زیوف: یہ زیف کی جمع ہے، کھوٹا درہم جس کو بیت المال نہ لے۔ بنھرجه: وہ کھوٹا درہم جس کو عام تجار نہ لیں۔ رصاص: سیسہ، بالکل کھوٹا مراد ہے۔ ستوقه: کھوٹا درہم جن پر چاندی کا ملمع ہے۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسئلے مذکور ہیں۔

ومن حَلَفَ ...... فِيهَا حَنِثَ : مسئلہ (۱) کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ میں اس گھر میں نہیں رہوں گا اس قسم کی بنیاد پر خود تو نکل گیا مگر اپنی اولاد اور سامانوں کو اسی مکان میں چھوڑ دیا (چونکہ سکونت وہاں کی معتبر ہے جہاں اولاد وغیرہ ہوں اسلئے) وہ حانث ہو جائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سارا سامان منتقل کرنا ضروری ہے اگر ایک کیل بھی باقی رہ گئی تو بھی حانث ہو جائے گا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اکثر سامان کا منتقل کر دینا کافی ہے۔ فتویٰ اسی پر ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک گھر کے ضروری سامان کا منتقل کر دینا کافی ہے یہ قول زیادہ آسان ہے مشائخ نے اسی قول کو پسند فرمایا ہے۔ عینی اور شرح مجمع میں اسی پر فتویٰ ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دینا اولیٰ ہے کیونکہ اس میں احتیاط ہے جیسا کہ بحر میں ہے۔

ومن حَلَفَ ...... حنِثَ عَقِيبَهَا : مسئلہ (۲) ترجمہ سے صورت مسئلہ واضح ہے۔

ومن حلف ليقبضن...... حنث : مسئلہ (۳) اگر کسی نے قسم کھائی کہ قرض خواہ کو آج قرض ادا کر دوں گا چنانچہ اس نے قرض ادا کر دیا مگر اسکے بعد اس میں کچھ کھوٹ ملایا غیر کا حق ملا تو حانث نہیں ہوگا۔ لیکن اگر مکمل طور پر کھوٹ ملا یا مکمل طور پر رانگ تھا تو حانث ہو جائے گا۔

وَمَنْ حَلَفَ ...... متفرقاً : مسئلہ (۴) ترجمہ سے صورت مسلہ واضح ہے۔

وان قبض دَيْنَهُ ...... بِتَفْرِيقٍ : مسئلہ (۵) ترجمہ سے صورت مسلہ واضح ہے۔

وَمَنْ حَلَفَ لیاتین الخ : مسئلہ (۶) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

کتاب الدعوی

دعوی : یہ فُعلی کے وزن پر ہے ادعاء مصدر کا اسم ہے۔ اس کی جمع دعاوی آتی ہے جیسے فتوی وفتاوی۔ از روئے لغت انسان کا وہ قول جس میں دوسرے پر اپنے حق کو بیان کرے۔ شرعاً خصومت کے وقت کسی چیز کو اپنی طرف منسوب کرنا ہے۔ دعویٰ کرنے والے کو مدعی اور جس پر دعویٰ کیا جائے اس کو مدعیٰ علیہ اور جس چیز کا دعویٰ کیا جائے اس کو مدعیٰ کہتے ہیں۔ صاحب کتاب نے مدّعی اور مدعیٰ علیہ کی تعریف اپنے الفاظ میں کی ہے جو متن میں ہے۔

المدَّعِي مَنْ لَا يُجْبَرُ علىٰ الخُصُوْمَةِ إِذَا تَرَكَهَا وَالمُدَّعىٰ عَلَيْهِ مَنْ يُجْبَرَ عَلىٰ الخُصُوْمِ وَ لَا يُقْبَلُ الدَّعْوىٰ حَتىّٰ يَذْكُرَ شَيئاً مَعْلُوْماً فِيْ جِنْسِهِ وَقَدْرِهِ فَإِنْ كَانَ عَيْناً فِيْ يَدِالمُدَّعِيْ عَلَيْهِ كُلِّفَ اِحْضَارَهَا لِيُشِيْرُ اِلَيْهَا بِالدَّعْوىٰ وَ اِنْ لَمْ تَكُنْ حَاضِرَةً ذَكَرَ قِيْمَتَهَا وَ اِنْ ادَّعىٰ عِقَاراً حَدَّدَهُ وَ ذَكَرَ اَنَّهُ فِيْ يَدِ المُدَّعىٰ عَلَيْهِ وَ اَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِهٖ وَ اِنْ كَانَ حَقّاً فِيْ الذِّمَّةِ ذَكَرَ اَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِهٖ.

ترجمہ : مدعی وہ شخص ہے جو جھگڑنے پر مجبور نہ کیا جائے اگر وہ جھگڑا چھوڑ دے۔ اور مدعی علیہ وہ شخص ہے جس کو جھگڑا کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اور دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ مدعی اس چیز کی جنس معلوم اور قدر معلوم کو ذکر کرے۔ اب اگر شئی معلوم الجنس والقدر بعینہ مدعی علیہ کے پاس موجود ہے تو مدعیٰ علیہ کو اس کے احضار پر مجبور کیا جائے تا کہ دعویٰ کے وقت اس کی طرف اشارہ کرے اور اگر وہ چیز موجود نہیں ہے تو اس کی قیمت ذکر کرے۔ اور اگر مدعی نے زمین کا دعویٰ کیا تو اس کی حدود کو بیان کرے اور اس بات کو بیان کرے کہ وہ مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں ہے اور مدعی مدعیٰ علیہ سے اس چیز کا مطالبہ کرے۔ اور اگر مدعی علیہ کے ذمہ کوئی حق ہو تو مدعی اس کو بیان کرے کہ وہ مدعیٰ علیہ سے اس حق کا مطالبہ کرتا ہے۔

تشریح : اس عبارت میں مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف، صحت کی شرط، اور چار مسئلے مذکور ہیں۔

المدعي ...... علىٰ الخصوم : مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف میں مشائخ کا اختلاف ہے صاحب قدوری نے الگ انداز میں تعریف کی ہے۔ مدعی وہ شخص ہے کہ اگر دعوی ترک کردے تو اسکو جھگڑا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے یعنی اگر اس نے خصومت و نالش کی پھر اس نے دعویٰ ترک کردیا تو اس پر شرعاً یہ اختیار نہیں کہ دعویٰ پر مجبور کیا جائے بلکہ اس کو اختیار ہے چاہے تو دعویٰ پر قائم رہے اور چاہے تو دعویٰ واپس لے لے اور اس کو ترک کردے۔ اور مدعی علیہ وہ شخص ہے کہ جب اس پر دعویٰ ثابت ہو تو اب ترک مخاصمت نہیں یعنی اس پر لازم ہے کہ مدعی کا جواب دے۔

ولا يقبل الدعوىٰ ...... وقدره : اس عبارت میں صحت دعویٰ کی شرط کو بیان کر رہے ہیں کہ دعویٰ اسی وقت قبول کیا جائے گا جبکہ مدعی جس چیز کا دعوی کر رہا ہے اس چیز کی جنس معلوم یعنی سونا یا چاندی اسی طرح اسکی قدر معلوم یعنی دس درہم یا پانچ دینار ہے کو بیان کرے۔ مثلاً فلاں پر میرے پانچ درہم چاندی ہیں کیونکہ دعویٰ کا مقصد حجت قائم کر کے مدعی علیہ پر لازم کرنا ہے اور یہ جبھی ممکن ہے کہ اس چیز کا صحیح علم ہو کیونکہ مجہول پر بینہ قائم کرنا درست نہیں ہے۔

فان کان ...... بالدعویٰ : مسئلہ (۱) اگر مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں مال منقول معین موجود ہوتو اسکواس بات کی تکلیف دی جائے گی کہ اس کو کچہری میں حاضر کرے تاکہ مدعی دعویٰ کرتے وقت اس کی طرف اشارہ کرے۔ کیونکہ اشارہ سے شناخت بدرجۂ غائت ہوتی ہے۔

وان لم ...... ذکر قیمتها : مسئلہ (۲) اگر مال منقول حاضر نہ ہو یعنی خواہ ضائع ہوگیا ہو یا اس کا حاضر کرنا ممکن نہ ہوتو اس کی قیمت بیان کردے تاکہ جو بھی دعویٰ ہے وہ معلوم ہو۔

وان ادعیٰ عقاراً ...... یطالبه به : مسئلہ (۳) اگر مدعی نے کسی زمین کا دعویٰ کردیا تو اس کی حدود بیان کردے اور یہ بھی بیان کردے کہ یہ زمین مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں ہے اور میں اس زمین کو اس سے لینا چاہتا ہوں۔

وان کان حقاً الخ : مسئلہ (۴) اگر مدعیٰ علیہ کے ذمہ کوئی حق ہے تو مدعی اس کو بیان کرے کہ میں مدعیٰ علیہ سے اپنا حق لینا چاہتا ہوں۔

فَاِذَا صَحَّتِ الدعویٰ سَالَ القَاضِی المدعیٰ عَلَیْهِ عَنهَا فَاِنْ اِعْتَرَفَ قضی عَلَیْهِ بِهَا وَ اِنْ اَنکَرَ سَالَ المُدَّعِیْ البَیِّنَةَ فَاِنْ اَحْضَرَهَا قَضیٰ بِهَا وَاِنْ عَجزَ عَنْ ذٰلِكَ وَ طَلَبَ یَمِیْنَ خَصمِهٖ اسْتَحْلَفَهٗ عَلَیْهَا وَ اِنْ قَالَ لِیْ بَیِّنَةٌ حَاضِرَةٌ وَ طَلَبَ الیَمِیْنَ لَمْ یُسْتَحْلَف عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَةَ رَحِمَه الله وَ لا تَرِدُ الیَمِیْنُ عَلیٰ المُدَّعِیْ وَ لَا تُقْبَلُ بَیِّنَةُ صَاحِبِ الیَدِ فِیْ المِلْكِ المُطْلَقِ وَ اِذَا نَکَلَ المُدَّعیٰ علَیْهِ عَنِ الیَمِیْنِ قَضیٰ عَلَیْهِ بِالنکوْلِ وَ اَلْزَمَهٗ مَا ادعیٰ عَلَیْهِ وَ یَنْبَغِی لِلْقَاضِیْ اَنْ یَقُوْلَ لَهٗ اِنِّیْ اَعْرِضُ عَلَیْكَ الیَمِیْنَ ثَلثاً فَاِنْ حَلَفْتَ والاقَضَیْتُ عَلَیْكَ بِمَا اِدَّعَاهُ فَاِذَا کَرَّرَ العَرْضَ تلثَ مَرَّاتٍ قَضیٰ عَلَیْهِ بالنکول۔

ترجمہ : اور جب دعویٰ صحیح ہوجائے تو قاضی مدعی علیہ سے اس کے متعلق دریافت کرے اگر وہ اقرار کرے تو اس کے اقرار پر فیصلہ کردے اور اگر انکار کرے تو مدعی سے بینہ طلب کرے اب اگر مدعی بینہ پیش کردے تو اسی بینہ کے مطابق فیصلہ کردے اور اگر مدعی بینہ پیش کرنے سے عاجز ہو اور مدمقابل سے قسم طلب کرے تو مدعی علیہ سے اس دعوی پر قسم لے لے اور اگر مدعی کہے کہ میرے پاس گواہ موجود ہے اور قسم طلب کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قسم نہیں ہی لی جائے گی۔ اور مدعی پر قسم وارد نہیں ہوگی۔ اور ملک مطلق صاحب قبضہ کا بینہ قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر مدعی علیہ قسم سے انکار کرے تو اس پر انکار کے ساتھ ہی حکم کردے اور اس پر اس چیز کو لازم کردے جس کا اس پر دعویٰ ہے اور قاضی کے لئے مناسب یہ ہے کہ مدعی علیہ کہدے کہ میں تم پر قسم تین بار پیش کرتا ہوں اگر تو نے قسم کھالیا تو بہتر ہے ورنہ میں تمہارے خلاف اس کے دعوے کا فیصلہ کروں گا اور جب وہ قسم کو تین مرتبہ مکرر پیش کردے تو قاضی انکار کی وجہ سے اس پر فیصلہ کردے۔

دعویٰ کے بالتفصیل احکام

عبارت کو آسان کرنے کی خاطر عبارت کا خلاصہ پیش خدمت ہے

خلاصہ: مدعی نے قاضی کی عدالت میں جو مقدمہ پیش کیا ہے اگر وہ صحیح ہے تو قاضی یا جج مدعی علیہ سے اس دعویٰ کے متعلق دریافت کرے اگر مدعی علیہ اس مدعی کو مانتا ہے تو قاضی اس اقرار پر فیصلہ کردے لیکن اگر مدعی علیہ اس مدعی کو ماننے سے انکار کرتا ہے تو پھر قاضی یا جج کو چاہئے کہ مدعی سے شاہد (گواہ) طلب کرے اب اگر مدعی بینہ یعنی گواہ پیش کردے تو قاضی اسی پر فیصلہ کردے اور اگر مدعی بینہ پیش نہ کرسکے اور اپنے مدمقابل سے قسم طلب کرے جیسا کہ مدعی کا حق ہے تو جج مدعی علیہ سے قسم طلب کرے گا لیکن اگر مدعی کہتا ہے کہ میرا گواہ شہر میں موجود ہے اور **پھر بھی** مدعی علیہ سے قسم طلب کرتا ہے تو اس موقعہ پر امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف۔ حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک قسم نہیں لی جائے گی۔ امام ابویوسفؒ کے نزدیک قسم لی جائے گی اور امام محمدؒ سے دو روایت ہے۔ خصاف نے ذکر کیا ہے کہ امام ابویوسفؒ کے ساتھ ہیں۔ طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں اگر مدعی علیہ قسم سے انکار کردیتا ہے تو مدعی پر قسم وارد نہیں ہوگی یعنی مدعی سے قسم نہیں لی جائے گی۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایسی صورت میں مدعی سے قسم لی جائے گی۔ اگر قابض نے ملک مطلق پر بینہ قائم کیا تو بینہ قبول نہیں کیا جائے گا (ملک مطلق سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص کسی چیز کے مالک ہونے کا دعویٰ کرے مثلاً کہے کہ یہ میرا گھر ہے مگر ملکیت کا سبب بیان نہ کرے یعنی خرید کے ذریعہ یا وراثت کے ذریعہ مالک ہوا ہے اس سبب کو بیان نہ کرے)۔ اگر مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کرتا ہے تو قاضی اسکے ایک ہی مرتبہ قسم نہ کھانے سے فیصلہ کردے اور مدعی کا دعویٰ لازم کردے۔ قسم کا انکار خواہ حقیقۃً ہو مثلاً وہ صاف طور پر کہہ دے کہ میں قسم نہیں کھاتا۔ یا انکار حکماً ہو مثلاً وہ قسم کھانے سے خاموش رہے۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ قاضی اس کو قسم کھانے کیلئے تین مرتبہ کہے اس کے باوجود مدعی علیہ قسم نہ کھالے تو جج فیصلہ کردے۔

وان كانت الدعوىٰ نِكَاحاً لَمْ يُسْتَحْلَفِ المُنْكِرُ عِندَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ فِىْ النِكَاحِ والرَّجْعَةِ والفيءِ فِىْ الاِيْلاءِ والرِّقِ والاِسْتِيْلاءِ والنَّسَبِ والوِلاءِ والحُدُوْدِ واللِعَانِ وَقَالَا يُسْتَحْلَفُ فِىْ ذٰلِكَ كُلِّه اِلَّا فِىْ الحُدُوْدِ واللِعَانِ.

ترجمہ: اگر دعویٰ نکاح کا ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک منکر سے قسم نہیں لی جائے گی اور نکاح رجعت، ایلاء، سے رجوع کرنے، غلامی، ام ولد کرنے، نسب، ولاء، حدود اور لعان میں قسم نہیں لی جاتی ہے اور حضرات صاحبین نے فرمایا کہ حدود اور لعان کے علاوہ تمام میں قسم لی جائے گی۔

وہ امور جن میں مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جاتی ہے۔

خلاصہ: اس عبارت میں نو مواقع ایسے بیان کئے گئے ہیں جہاں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی۔ (۱) نکاح۔ مثلاً زید نکاح کا دعویدار ہو عورت منکر ہو یا اسکا برعکس (۲) رجعت۔ مثلاً عدت گزر جانے کے بعد زید دعویٰ کرے کہ میں نے عدت کے اندر رجوع کرلیا تھا اور عورت اس کی منکر ہو یا اس کا برعکس ہو (۳) فیٔ۔ مثلاً ایلاء کی مدت گزر جانے کے بعد زید دعویٰ کرے کہ میں نے ایلاء کی مدت میں ہی ایلاء سے رجوع کرلیا تھا اور عورت انکار کرے یا اس کا برعکس۔ (۴) رق۔ مثلاً زید نے ایک ایسے شخص پر غلام کا دعویٰ کیا جو مجہول النسب ہے اور وہ انکار کرے۔ (۵) استیلاء۔ مثلاً

باندی نے آقا پر دعویٰ کیا کہ اس کی ام ولد ہوں اور یہ بچہ اسی سے ہے اور آقا اس کا انکار کرے۔ (۶) نسب۔ مثلاً زید نے ایک شخص پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور وہ شخص اس کا منکر ہے۔ (۷) ولاء۔ مثلاً زید نے کسی پر دعویٰ کیا کہ اس پر میرے لئے ولاء اعتاق یا ولاء موالات ہے اور وہ شخص اسکا انکار کرے۔ (۸) حدود۔ مثلاً زید نے کسی دوسرے پر ایسے امر کا دعویٰ کیا جو موجب حد ہے اور مدعی علیہ نے اس کا انکار کیا۔ (۹) لعان۔ مثلاً عورت نے شوہر پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ کو ایسی تہمت لگائی جو موجب لعان ہے اور شوہر اس کا انکار کرتا ہے۔ یہ امام صاحب کا مسلک تھا۔

حضرات صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ حدود اور لعان چھوڑ کر تمام امور میں قسم لی جائے گی۔ فتاویٰ قاضی خاں اور اختیار وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔ متاخرین کا خیال یہ ہے کہ اگر مدعی متعنت ہو تو قاضی وصاحبین کا قول اختیار کرے اور مظلوم ہو تو امام صاحب کا قول اختیار کرے۔

وَاِذا ادعیٰ اِثْنَان عَیناً فِی یَد آخرَ وَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا یَزْعَمُ اَنَّهَا لَهٗ وَاَقَاما البینة قضی بها بَیْنَهُمَا وَ اِنْ ادّعیٰ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِکَاحَ اِمْرَاَةٍ وَاقاما البَیِّنَةَ لَمْ یَقْضِ بِوَاحِدَةٍ وَ یَرْجِعُ اِلیٰ تَصْدِیْقِ المَرْاَةِ لِاَحَدِهِمَا.

ترجمہ : اور اگر دو نے کسی خاص چیز کا دعویٰ کیا جو کسی دوسرے (تیسرے) کے پاس ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا خیال یہ ہے کہ وہ اسکی ہے اور دونوں نے بینہ قائم کر دیا ہے تو دونوں کے درمیان فاصلہ ہوگا۔ اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے کسی عورت سے نکاح کا دعویٰ کیا اور دونوں نے بینہ قائم کیا تو کسی کے بینہ پر فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ ان میں سے کسی ایک کیلئے عورت کی تصدیق کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

تشریح : اس عبارت میں دو مسئلے ہیں۔

واذا ادعیٰ ...... قضی بها بینهما : مسئلہ (۱) دو شخصوں نے کسی چیز کا دعویٰ کیا جو کسی تیسرے کے پاس ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہ چیز میری اپنی ہے اور ان لوگوں نے اس پر بینہ بھی قائم کر دیا تو احناف کے نزدیک دونوں کے درمیان نصف نصف کر دی جائے گی۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں بینے ساقط الاعتبار ہوں گے۔ امام احمدؒ کے نزدیک قرعہ اندازی ہوگی، یہ قول امام شافعیؒ کا بھی ہے۔

وان ادعیٰ کل الخ : مسئلہ (۲) اگر دو شخصوں نے ایک عورت سے نکاح کرنے کا دعویٰ کیا اور اس پر بینہ بھی قائم کر دیا تو کسی بینہ پر فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ دونوں ساقط الاعتبار ہوں گے اور عورت سے اس کی تصدیق کی جائے گی، جس کی وہ تصدیق کرے بشرطیکہ دونوں گواہوں نے تاریخ بیان نہ کی ہو اگر تاریخ بیان کر دی تو جس کی تاریخ پہلے ہوگی عورت اسی کی ہوگی۔

وَانْ ادّعیٰ اِثْنَانِ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا اَنَّهٗ اشتَریٰ مِنْه هٰذا العَبْدَ وَ اَقاما البینةَ فَکُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذ نِصْفَ العَبْدِ بِنِصْفِ الثَّمَنِ وَ اِنْ شَاءَ تَرَکَ فَاِنْ قَضی القَاضِیْ بِهٖ بَیْنَهُمَا فَقَالَ اَحدُهُمَا لا اختار لَمْ یَکن للآخر ان یاخذ جَمِیْعَهٗ وَ اِنْ ذکر کُلُّ وَاحِدٍ

مِنْهُمَا تَارِيخاً فَهُوَ لِلاَوَّلِ مِنهُمَا وَ اِنْ لَمْ يَذكرا تَارِيخاً وَ مَعَ اَحَدِهِمَا قَبْضٌ فَهُوَ اولىٰ بِهٖ وَ اِنْ اِدَّعىٰ اَحَدُهُمَا شرَاءً والآخَرُ هِبَةً وَ قَبْضاً وَ اَقَامَا البينة وَ لَا تَارِيخ مَعَهُمَا فالشِراءُ اولىٰ مِنَ الآخِرَةِ وَاِنْ اِدَّعىٰ اَحَدُهُمَا الشِراءَ وَ اَدَّعَتِ المَرْأةُ اَنَّهُ تَزَوَّجها عَلَيْهِ فَهُمَا سَوَاءٌ وَاِنْ اِدَّعىٰ اَحَدُهُمَا رَهْناً وَ قَبْضاً وَ الآخَرُ هِبَةً وقَبْضاً فالرَهْنُ اولىٰ.

ترجمہ: اور اگر دو میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ اس نے اس سے یہ غلام خریدا اور دونوں نے بینہ قائم کیا تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ آدھی قیمت کے عوض آدھا غلام خرید لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے پس اگر قاضی نے دونوں کے درمیان غلام کا فیصلہ کر دیا اور ان میں سے ایک کہے کہ مجھے پسند نہیں ہے تو دوسرے کے لئے سارا غلام جائز نہیں ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک نے تاریخ ذکر کر دی تو غلام دونوں میں سے پہلی تاریخ والے کے لئے ہوگا اور اگر دونوں نے تاریخ نہیں ذکر کی اور کسی ایک کا قبضہ ہے تو وہی اولیٰ ہوگا اور اگر ایک نے خریدنے کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے ہبہ اور قبضہ کا اور دونوں نے بینہ قائم کیا اور دونوں کے پاس تاریخ نہیں تو خرید دوسرے سے اولیٰ ہوگی اور اگر ایک نے خرید کا دعویٰ کیا اور عورت نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ اس شخص نے اس عورت (مجھ) سے شادی کی تو دونوں برابر ہیں۔

تشریح: اس عبارت میں چار مسئلے ہیں۔

وان ادعیٰ اثنان ...... فھو اولی به: مسئلہ (۱) اگر دو شخص ہیں اور دونوں نے دعویٰ کیا کہ یہ غلام میں نے خریدا ہے اور دونوں نے بینہ قائم کیا تو ایسی صورت میں دونوں کو یہ اختیار حاصل ہے چاہے تو نصف ثمن کے عوض آدھا غلام لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے اب اگر قاضی نے دونوں کے درمیان غلام کا فیصلہ کر دیا، اس فیصلہ کے بعد ایک نے کہا کہ مجھے پسند نہیں یعنی اس نے اپنا حصہ چھوڑ دیا تو دوسرے کیلئے پورا غلام لینا جائز نہیں ہوگا (کیونکہ قاضی کے فیصلہ کے بعد بیع فسخ ہو جاتی ہے) اب اگر دونوں نے تاریخ بیان کر دی تو جس کی تاریخ پہلے ہوگی غلام اسی کا ہوگا اور اگر دونوں نے تاریخ نہیں ذکر کی اور کسی ایک کا قبضہ ہے تو وہی اس کا مستحق ہوگا۔

وان ادعیٰ احدھما...... الشراء: مسئلہ (۲) اگر دو شخصوں میں سے ایک نے خرید کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے ہبہ اور قبضہ کا دعویٰ کیا اور دونوں نے اپنے اپنے دعویٰ پر بینہ بھی قائم کیا اور دونوں نے تاریخ بیان نہیں کی تو دعویٰ شراء دعویٰ ہبہ سے مقدم ہے۔

وان احدھما الشراء سواء: مسئلہ (۳) دو شخصوں میں ایک مرد ہے اور ایک عورت۔ مثلاً زید نے کہا کہ میں نے یہ غلام عمر سے خریدا اور زہرا نے دعویٰ کیا کہ عمران نے اس غلام کو میرا مہر مقرر کر کے مجھ سے نکاح کیا ہے تو دونوں کے دعوے اور بینے برابر ہوں گے۔ امام محمدؒ کے نزدیک شراء کا دعویٰ اولیٰ ہے۔

وان ادعی احدھما الخ: ایک شخص نے رہن اور قبضہ کا دعویٰ کیا دوسرے نے ہبہ اور قبضہ کا دعویٰ کیا تو رہن کا دعویٰ اولیٰ ہوگا۔

وان اَقَامَ الخَارِجَانِ البینۃَ علیٰ المِلْكِ والتَارِیْخِ فَصَاحِبُ التَارِیْخِ الاَقْدَمَ اوْلیٰ وَاِنْ ادَّعَیَا الشِّرَاءَ مِنْ وَاحِدٍ وَ اقَامَا البینۃَ عَلیٰ تَارِیخَیْنِ فَالاَوَّلُ اَوْلیٰ وَاِنْ اَقَامَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا البینۃَ عَلیٰ الشِّرَاءِ مِنْ الآخَرِ وَ ذکرا تَارِیخاً فَهُمَا سَوَاءٌ وَ اِنْ اَقَامَ الخَارِجُ البَیّنَۃَ عَلیٰ مِلْكٍ مؤَرَّخٍ وَ اَقَامَ صَاحِبُ الیَدِ عَلیٰ مِلْكٍ اَقْدَمُ تَارِیخاً کَانَ اَوْلیٰ وَاِنْ اَقَامَ الخَارِجُ وَ صَاحِبُ الیَدِ کل واحد مِنْهُمَا بینۃً بالنتاجِ فَصَاحِبُ الیَدِ اَوْلیٰ وَ کَذالِكَ النَسْجُ فِیْ الثِیَابِ التی لَا تُنْسَجُ اِلَّا مَرَّۃً وَاحِدَۃً وَ کُلُّ سَبَبٍ فِیْ المِلْكِ لَا یَتَکَرَّرُ وَ اِنْ اَقَامَ الخَارِجُ بَیِّنَۃً عَلیٰ المِلْكِ المُطْلَقِ وَ صَاحِبُ الیَدِ عَلیٰ الشِرَاءِ مِنْہُ کَانَ صَاحِبُ الیَدِ اَوْلیٰ وَ اِنْ اَقَامَ کُلُّ وَ احِدٍ مِنْهُمَا البینۃ عَلیٰ الشِرَاءِ مِنَ الآخَرِ وَ لَا تَارِیخَ مَعَهُمَا تَهَاتَرَتِ البینتانِ وَ اِنْ اَقَامَ اَحَدُ المُدَّعَیَیْنِ شَاهِدَیْنِ والآخَرُ اَرْبَعَۃً فُهُمَا سَوَاءٌ

ترجمہ : اور اگر دو خارجوں یعنی غیر قابضوں نے ملک اور تاریخ پر بینہ قائم کیا تو پہلی تاریخ والا اولیٰ ہوگا۔ اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے کسی ایک سے خریدنے کا دعویٰ کیا اور دونوں تاریخوں پر دونوں نے بینہ قائم کیا تو پہلی تاریخ والا اولیٰ ہوگا اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خریدنے پر بینہ قائم کیا اور دونوں نے تاریخ بیان کردی تو دونوں برابر ہوں گے۔ اور اگر غیر قابض نے ملک مؤرخ پر بینہ قائم کیا اور قابض نے اس ملک پر بینہ قائم کی جو اسکی تاریخ سے پہلے ہے تو قابض اولیٰ ہوگا۔ اور اگر غیر قابض اور قابض دونوں میں سے ہر ایک نے پیدائش پر بینہ قائم کیا تو قابض اولیٰ ہوگا اور اسی طرح ان کپڑوں کی بناوٹ ہے جو صرف ایک مرتبہ بنے جاتے ہیں اور ہر سبب ملک میں جو مکرر نہیں ہوتا۔ اور اگر غیر قابض نے ملک مطلق پر بینہ قائم کیا اور قابض اس سے خریدنے پر قائم ہے تو قابض اولیٰ ہوگا۔ اور اگر ان دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خریدنے پر بینہ قائم کیا اور دونوں کے پاس تاریخ نہیں ہے تو دونوں بینے ساقط ہوں گے اور اگر ایک مدعی نے دو گواہ قائم کیا اور دوسرے نے چار تو دونوں برابر ہوں گے۔

تشریح : اس عبارت میں آٹھ مسئلے ہیں۔

وان اقام الخارجان ...... الاقدمُ اولیٰ : مسئلہ (۱) اگر دو غیر قابض نے دو ملک مطلق مؤرخ پر بینہ قائم کردیا تو اس صورت میں جس کی تاریخ مقدم ہوگی اس کا بینہ مقدم ہوگا۔

وان ادعیاء ...... فالاول اولیٰ : مسئلہ (۲) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

وَاِنْ اقام کل واحد ...... سواءٌ : مسئلہ (۳) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

وان اقام الخارج ...... کان اولیٰ : مسئلہ (۴) اگر غیر قابض اور قابض دونوں نے ملک مؤرخ پر بینہ قائم کیا اور ان دونوں میں سے قابض نے ایسی ملک پر بینہ قائم کیا جس کی تاریخ مقدم ہے تو قابض کا بینہ مقدم ہوگا یہ حضرات شیخین کا مسلک ہے اور امام محمدؒ سے بھی ایک روایت ہے مگر اس سے رجوع کرلیا اور رجوع کی روایت یہ ہے کہ قابض کا بینہ مقدم نہیں ہوگا۔

وان اقام الخارج ......فی الملك لا یتكرر : مسئلہ(۵) شخص خارج اور قابض دونوں نے کسی حیوان کے بچہ پیدا ہونے پر بینہ قائم کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ یہ بچہ میرے جانور کا ہے تو ایسی صورت میں قابض کا بینہ معتبر ہوگا۔ اسی طرح دونوں نے کپڑے کی بنائی پر بینہ قائم کیا جو صرف ایک مرتبہ بنے جاتے ہیں تو اس میں قابض کا بینہ معتبر ہوگا۔ بچہ کی پیدائش اور کپڑا کا بننا ملک کے ایسے اسباب ہیں جن میں تکرار نہیں ہوتا ہے۔

وان اَقام الخارج...... صاحب الید : مسئلہ(۶) اگر شخص خارج نے ملک مطلق پر بینہ قائم کیا اور شخص قابض نے اس بات پر بینہ قائم کیا کہ میں نے شخص خارج سے خریدا ہے تو ایسی صورت میں قابض کا بینہ معتبر ہوگا۔

وان اقام ...... البینتان : مسئلہ(۷) اگر شخص خارج اور قابض دونوں نے ایک دوسرے سے خریدنے پر بینہ قائم کیا اور دونوں کے پاس اس معاملہ کی تاریخ نہیں یعنی کس تاریخ میں خرید کی ہے تو ایسی صورت میں دونوں کا بینہ ساقط الاعتبار ہوگا۔ مثلاً شخص خارج نے یہ ثابت کیا کہ میں نے مکان قابض سے خریدا ہے اور قابض نے ثابت کیا کہ میں نے مکان شخص خارج سے خریدا ہے تو دونوں بینے ساقط الاعتبار ہوں گے اور مکان قابض کو ملے گا یہ حضرات شیخین کا مسلک ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک دونوں بینے معتبر ہوں گے اور مکان شخص خارج کو دیا جائے گا۔

وان قام احد المدعیین الخ : مسئلہ(۸) اگر دو مدعی ہوں ایک مدعی کے دو گواہ ہوں اور دوسرے کے چار گواہ ہوں تو اس کثرت شواہد کی بنیاد پر دوسرے کو ترجیح حاصل نہیں ہوگی بلکہ دونوں برابر ہوں گے کیونکہ ترجیح کا مدار کثرت علل پر نہیں ہے بلکہ قوت علل پر ہے۔

> وَ مَنْ ادَّعی قِصَاصاً عَلیٰ غَیْرِہٖ فَجَحَدَ اُسْتُحْلِفَ فَاِنْ نَکَلَ عَنِ الیَمِیْنِ فِیْمَا دُوْنَ النَّفْسِ لَزِمَہٗ القِصَاصُ وَ اِنْ نَکَلَ فِیْ النَّفْسِ حُبِسَ حَتّٰی یُقِرَّ اَوْ یَحْلِفَ وَ قَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَھُمَا اللہُ یَلْزِمُہٗ الاَرْشُ فِیْھِمَا وَاِذَا قَالَ المُدَّعِی لِیْ بَیِّنَۃٌ حَاضِرَۃٌ قِیْلَ لِخَصْمِہٖ اِعْطِہٖ کَفِیْلاً بِنَفْسِكَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ فَاِنْ فَعَلَ وَاِلَّا اُمِرَ بِمُلَازَمَتِہٖ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ غَرِیْباً عَلَی الطَّرِیْقِ فَیُلَازِمُہٗ مِقْدَارَ مَجْلِسِ القَاضِی.

ترجمہ : اور جس شخص نے دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کیا اس نے انکار کیا تو اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم سے انکار کرے فیما دون النفس (جان سے مار ڈالنے سے کم) میں تو اس کو قصاص لازم ہوگا اور اگر قتل نفس میں قسم سے انکار کرے تو اسے قید کیا جائے یہاں تک کہ (یا تو) اقرار کر لے یا قسم کھالے اور حضرت امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں دیت لازم ہوگی اور اگر مدعی کہے کہ میرے گواہ حاضر ہیں تو مدعی علیہ کو کہا جائے گا کہ تین دن کے اندر اپنا حاضر ضامن دے اگر ایسا کرے تو بہتر ہے ورنہ اس کے پیچھا کرنے (گرفتار کرنے) کا حکم دیا جائے۔ ہاں اگر مدعی علیہ راہ گیر مسافر ہو تو اسے قاضی کی کچہری کے وقت تک ٹھہرائے رکھے۔

تشریح : اس عبارت میں دو مسئلے مذکور ہیں۔

ومن ادعی قصاصاً ...... الارش فیهما : مسئلہ (۱) ایک شخص نے کسی دوسرے کے خلاف قصاص کا دعویٰ دائر کیا مدعی علیہ نے انکار کیا تو اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم سے انکار کرتا ہے تو دیکھنا ہے کہ قتل نفس کا دعویٰ ہے یا قطع اطراف کا اگر قطع اطراف (فیما دون النفس) کا دعویٰ ہے تو صرف انکار کی بنیاد پر مدعی علیہ سے قصاص لیا جائے گا اور اگر دعویٰ قتل نفس کا ہو تو مدعی علیہ کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ اقرار کرے یا قسم کھائے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مدعی علیہ پر دیت لازم ہوگی۔ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مدعی سے قسم لی جائے گی کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور قسم لینے کے بعد مدعی علیہ سے دونوں صورتوں میں قصاص لیا جائے گا۔

واذا قال المدعی لی بینة الخ : مسئلہ (۲) مدعی نے کسی چیز کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میرے گواہ شہر میں موجود ہیں تو مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی بلکہ اس سے کہا جائے گا کہ تین دن کے لئے حاضر ضامن دے اگر حاضر ضامن دیدیتا ہے تو بہتر ہے اور اگر نہیں دیتا ہے تو اگر مدعی علیہ اس شہر کا باشندہ ہے تو تین روز تک مدعی یا اس کا امین مدعی علیہ کا پیچھا کریں تاکہ وہ کہیں غائب نہ ہو جائے۔ اور اگر مدعی علیہ مسافر ہے تو کچہری برخاست ہونے تک اس کو روکا جائے گا۔

وان قالَ المُدَّعیٰ عَلَیْہِ ھٰذَ الشیُّ اَوْدَعَنِیْہِ فُلَانٌ الغَائِبُ اَوْ رَھَنَهٗ عِنْدِیْ اَوْ غَصَبْتُهٗ مِنْهُ وَ اَقَامَ بَیِّنَةً عَلیٰ ذٰلِكَ فَلَا خُصُوْمَةَ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ المُدَّعِیْ وَاِنْ قَالَ ابتعتُهٗ مِنْ فُلَانِ الغائِبِ فَهُوَ خَصْمٌ وَ اِنْ قَالَ المُدَّعِیُ سُرِقَ مِنِّی وَ اَقَامَ البَیِّنَةَ وَ قَالَ صَاحِبُ الیَدِ اَوْدَعَنِیْہِ فُلَانٌ وَ اَقَامَ البَیِّنَةَ لَمْ تَنْدَفِعِ الخُصُوْمَةُ وَ اِنْ قَالَ المُدَّعِیْ ابتعتُهٗ مِنْ فُلَانٍ وَ قَالَ صَاحِبُ الیَدِ اَوْدَعَنِیْہِ فُلَانٌ دُفِعَتِ الخُصُوْمَةُ بِغَیْرِ بَیِّنَةٍ.

ترجمہ : اور اگر مدعی علیہ نے کہا کہ مجھ کو فلاں غائب شخص نے یہ چیز ودیعت میں دی ہے یا اس کو میرے پاس رہن رکھی ہے یا میں نے اسے اس سے غصب کیا ہے اور مدعی علیہ نے اس پر بینہ قائم کر دیا تو اس کے اور مدعی کے درمیان کوئی خصومت نہیں رہے گی۔ اور اگر کہا کہ میں نے فلاں غائب سے اس کو خریدا ہے تو وہ مدمقابل رہے گا اور اگر مدعی نے کہا کہ میری چیز چرائی گئی ہے اور اس پر بینہ قائم کر دیا اور قابض کہتا ہے کہ مجھے فلاں شخص نے ودیعت میں دی ہے اور بینہ قائم کر دیا تو خصومت مندفع نہیں ہوگی اور اگر مدعی کہے کہ میں نے اسے فلاں سے خریدی ہے اور قابض کہے کہ فلاں نے مجھ کو ودیعت میں دی ہے تو خصومت بغیر بینہ کے مندفع ہو جائے گی۔

دعاوی کے دفع کرنے کا بیان

تشریح : یہ عبارت تین مسئلوں پر مشتمل ہے۔

وان قال المدعی ...... بین المدعی : مسئلہ (۱) مدعی نے دعویٰ کیا کہ جو چیز تیرے پاس ہے وہ میری ہے مدعی علیہ کہتا ہے کہ میرے قبضہ میں جو چیز ہے یہ فلاں غائب شخص نے بطور امانت دی ہے یا فلاں نے میرے پاس رہن کے طور پر رکھ رکھی ہے یا میں نے اسے غصب کیا ہے اور اس کو اس نے بینہ سے ثابت کر دیا تو اب دونوں کے درمیان کوئی

خصومت نہیں رہے گی۔

وان قال ابتعته ...... لم تندفع الخصومة : مسئلہ (۲) اگر مدعی کہتا ہے کہ میری یہ چیز چوری کی گئی ہے اور اس پر مدعی نے بینہ قائم کر دیا اور قابض یعنی مدعیٰ علیہ کہتا ہے کہ فلاں غائب نے مجھ کو بطور امانت دی ہے اور اس کو اس نے بینہ سے ثابت کر دیا تو خصومت ختم نہیں ہوگی یہ حضرات شیخین کا مسلک ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ سرقہ کی صورت میں مدعی علیہ سے خصومت دفع ہو جائے گی کیونکہ اس صورت میں مدعی نے مدعی علیہ پر کسی فعل کا دعویٰ نہیں کیا۔

وان قَالَ المدعی ابتعته الخ : مسئلہ (۳) اگر مدعی کہتا ہے کہ میں نے یہ چیز فلاں شخص سے خریدی ہے اور اس پر مدعی علیہ جواب دیتا ہے کہ یہ چیز مجھ کو فلاں شخص نے امانت کے طور پر دی ہے تو بغیر بینہ کے خصومت مندفع ہو جائے گی۔ اگر چہ مدعی علیہ اپنے دعویٰ پر بینہ قائم نہ کرے کیونکہ مدعی کو اس بات کا اعتراف ہے کہ مدعی علیہ کے پاس جو چیز ہے وہ فلاں شخص کی جانب سے پہونچی ہے۔

وَالیَمِینُ بِاللہ تَعَالیٰ دُوْنَ غَیرہ ویؤکد بذکر اوصافه ولا یستحلف بالطلاق ولا بالعتاق ویستحلف الیهودی بالله الذی انزل التورة علیٰ موسیٰ والنصرانی بالله الذی انزل الانجیل علیٰ عِیسیٰ والمجوسی بالله الذی خلق النَارَ وَ لا یَسْتَحْلِفُوْنَ فِیْ بُیُوتِ عِبَادَتِهِمْ وَ لَا یَجِبُ تَغلیظ الیَمِیْن علیٰ المُسْلِمِ بزمَان وَ لَا بمکَان وَ مَنْ ادعیٰ انهٗ ابْتَاعَ مِنْ هٰذَا عَبْدَهٗ بِاَلْفٍ فَجَحَدَهٗ اُسْتُحْلِفَ بالله مَا بَیْنَکُمَا بیع قائِمٌ فِیْ الحَالِ وَ لا یُسْتَحْلَفُ بِاللهِ مَا بِعْتُ وَ یُسْتَحْلَف فِیْ الغَصَبِ بِاللهِ مَا یَسْتَحِقُّ عَلَیْكَ رُدَّ هٰذِهِ العَیْن وَ لَا رُدَّ قِیمَتُهَا وَ لَا یُسْتَحْلَف بِاللهِ مَا غَصَبْتُ وَ فِیْ النِکَاحِ بِاللهِ مَا بَیْنَکُمَا نِکَاحٌ قَائِمٌ فِیْ الحَالِ وَفِیْ دعوی الطلاقِ بِاللهِ مَا هِیَ بَائِنٌ مِنْكَ الساعة بِمَا ذکرتُ. وَلَا یُسْتَحْلَفُ بِاللهِ مَا طَلَقَها وَ اِنْ کَانَتْ دار فِیْ یَدِ رَجُل اِدَّعَاهَا اثنان اَحَدُهُمَا جَمِیْعَها وَ الآخَرُ نِصْفَهَا وَاَقَاما البَیِّنَة فَلِصَاحِبِ الجَمِیْعِ ثلثة اَرْبَاعِهَا وَ لِصَاحِبَ النصف رُبُعُهَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهٗ اللهُ وَ قَالا هِیَ بَینَهُمَا اثلاثاً وَلَوْ کَانَتْ الدارُ فِیْ اَیْدِیهِمَا سلم لِصَاحِبِ الجَمِیْعِ عَلیٰ وَجْه والقَضَاءِ وَ نِصْفُهَا لَا عَلیٰ وَجْهِ القَضَاءِ.

ترجمہ : اور قسم اللہ کی ہوتی ہے نہ کہ غیر اللہ کی اور اس کے اوصاف کو ذکر کر کے اس کو مؤکد کی جائے گی۔ اور طلاق و عتاق کی قسم نہیں لی جائے گی اور یہودی سے قسم لی جائے گی اللہ کی جس نے توراۃ کو حضرت موسیٰ پر نازل کی، اور نصرانی سے (قسم لی جائے گی) اللہ کی جس نے انجیل کو حضرت عیسیٰ پر نازل کی اور مجوسی سے (قسم لی جائے گی) اللہ کی جس نے آگ کو پیدا کیا اور ان لوگوں سے ان کے عبادت خانوں میں قسم نہیں لی جائے گی اور مسلمان پر قسم کو پختہ کرنا نہ تو زمان کے ساتھ ضروری ہے اور نہ مکان کے ساتھ اور جس شخص نے دعویٰ کیا اس (میں) نے اس شخص سے اس کے غلام کو ایک ہزار کے بدلہ خریدا اور وہ شخص (بائع) اس کا انکار کرے تو منکر (بائع) سے قسم لی جائے گی کہ بخدا تم دونوں (میرے اور اس کے

درمیان اب تک عقد بیع قائم نہیں ہے اور اس طرح قسم نہ لی جائے کہ بخدا میں نے فروخت نہیں کیا اور غصب میں اس طرح قسم لی جائے کہ بخدا یہ شخص اس مغصوب کے واپس لینے کا مستحق نہیں ہے اور نہ اسکی قیمت واپس لینے کا۔ اور اس طرح قسم نہ لی جائے کہ بخدا میں نے مال مغصوب کو غصب نہیں کیا۔ اور نکاح میں (اس طرح قسم لی جائے) بخدا ہم دونوں میں اب تک نکاح قائم نہیں ہے اور طلاق کے دعویٰ میں (اس طرح قسم لی جائے) یہ مجھ سے اب تک بائن نہیں ہے جیسا کہ اس نے بیان کیا ہے اور اس طرح قسم نہیں لی جائے گی کہ بخدا اس نے (میں نے) اسکو طلاق نہیں دی اور اگر مکان ایک شخص کے پاس ہو دو شخص اس کا دعویٰ کریں ان میں سے ایک کل مکان کا اور دوسرا نصف مکان کا اور دونوں بینہ قائم کردیں تو کل والے کا تین ربع ہوگا اور نصف والے کا ایک ربع ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ یہ مکان دونوں کے درمیان تین تہائی میں ہوگا (مدعی کل کیلئے دو ثلث اور مدعی نصف کے لئے ایک ثلث) اور اگر مکان دونوں کے قبضہ میں ہو تو مدعی کل کے لئے پورا مکان ہوگا نصف بطریق قضاء اور نصف بلا قضاء۔

قسم اور طریقۂ قسم کا بیان

تشریح : اس عبارت میں سات مسئلے ہیں۔

والیمین...... بذکر اوصافه : مسئلہ (۱) قسم اللہ کے نام کی ہوتی ہے کسی غیر کے نام کی نہیں ہوتی اور کبھی کبھی اللہ کے اسم ذات کے ساتھ اس کے اسم صفات کو بھی ذکر کرتے ہیں تاکہ قسم میں تاکید پیدا ہو جائے۔

ولا یستحلف بالطلاق ولا بالعتاق : مسئلہ (۲) مدعی مال کا دعویدار ہو تو مدعی علیہ سے یہ قسم نہ لی جائے اگر مدعی کا مال کل یا بعض ہو تمہاری بیوی کو طلاق ہے یا تمہارا غلام آزاد ہے اگرچہ اس پر مدعی اصرار کرے کیونکہ طلاق وعتاق کی قسم دینا حرام ہے۔

ویستحلفُ ...... فی بیوت عبادتهم : مسئلہ (۳) یہودی کو اس طرح قسم دلائے کہ قسم اللہ کی جس نے حضرت موسیٰ پر توریت نازل کی۔ نصرانی کو اسطرح قسم دلائے قسم اللہ کی جس نے حضرت عیسیٰ پر انجیل نازل فرمائی اور مجوسی سے اس طرح قسم لے قسم اللہ کی جس نے آگ پیدا فرمائی۔ اور ان تمام ملت والوں کو ان کے عبادت خانوں میں لے جا کر قسم نہیں دلائی جائے گی بلکہ کچہری میں قسم دلائی جائے گی۔

ولا یجب ...... بمکان : مسئلہ (۴) اور مسلمان پر قسم کو زمان اور مکان کے ساتھ پختہ کرنا واجب نہیں ہے یعنی مسلمان کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی وقت یا مقام متبرک میں قسم لی جائے۔ تغلیظ زمان کی مثال۔ رمضان المبارک یا شب قدر یا جمعہ کے دن یا عصر کے بعد قسم لینا، تغلیظ مکان کی مثال۔ ممبر نبوی، حجر اسود، خانہ کعبہ یا مسجد میں قسم لینا۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں اس کی اجازت ہے بلکہ مستحب ہے مگر شرط یہ ہے کہ قسم لعان، قسامۃ اور مال عظیم کے متعلق ہو۔

ومن ادعیٰ انه ...... باللّٰہ ما طلّقها : مسئلہ (۵) اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے یہ اصول یاد رکھیں کہ اگر دعویٰ ایسے سبب کا ہو جو مرتفع نہ ہو سکے جیسے عتق تو اسمیں قسم سبب پر ہوگی اور اگر دعویٰ ایسے سبب کا ہو جو مرتفع ہو سکتا ہو جیسے بیع، فسخ سے مرتفع ہو جاتی ہے۔ نکاح، طلاق سے تو اس میں قسم حاصل پر ہوگی۔

مسئلہ: چنانچہ مدعی نے دعویٰ کیا ہے کہ میں نے یہ غلام اس شخص سے ایک ہزار میں خریدا ہے اور مدعی علیہ اس کا انکار کرتا ہے تو قاضی اس طرح قسم لے گا کہ بخدا تم دونوں میں اب تک بیع قائم نہیں۔ اور اس طرح قسم نہیں لے گا کہ بخدا میں نے نہیں بیچا۔ اور غصب میں اس طرح قسم لے گا کہ بخدا اب تک تجھ پر نہ اس شئی کا پھیر دینا واجب ہے اور نہ اس کی قیمت کا۔ اسی طرح آخر تک ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ تفصیل حضرات طرفین کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک سبب پر قسم لی جائے گی۔

وان کانت دار ...... بینھما اثلاثا: مسئلہ(۶) اگر ایک گھر ایک شخص کے قبضہ میں ہے، دو شخص اس کے دعویدار ہیں، ایک کا دعویٰ کل مکان کا ہے، دوسرے کا دعویٰ نصف مکان کا ہے، اور دونوں نے اپنا دعویٰ بینہ سے ثابت کر دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک منازعت کے طریقہ سے کل مکان کے مدعی کے لئے مکان کے تین ربع ہوں گے اور مدعی نصف کے لئے ایک ربع ہوں گے۔ منازعت کا مفہوم یہ ہے کہ جب نصف مکان کے مدعی نے نصف مکان کا دعویٰ کیا تو دوسرا نصف، کل کے مدعی کے لئے ریزرو (محفوظ) ہو گیا اور اب اس سے ہٹ کر باقی نصف میں دونوں کی منازعت قائم رہی اب یہ نصف دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک عول اور مضاربت کے طریقہ پر مکان کے تین حصہ ہوں گے مدعی کل کے لئے دو تہائی اور مدعی نصف کیلئے ایک تہائی ہوگا۔ کیونکہ مسئلہ میں کل اور نصف دونوں یکجا ہیں اس لئے مسئلہ دو سے ہوگا کیونکہ نصف کا مخرج دو ہے اور دو کا عدد تین کی طرف عول کرتا ہے تو اسطرح دو سہم مدعی کل کیلئے اور ایک سہم مدعی نصف کیلئے ہوگا۔

ولو کانت الدار الخ: مسئلہ(۷) اگر مکان دونوں مدعیوں کے قبضہ میں ہو تو کل کے مدعی کے لئے پورا مکان ہوگا نصف بطریق قضا اور نصف بلا قضاء کیونکہ جب مکان دونوں کے قبضہ میں ہے تو ہر ایک قبضہ میں آدھا آدھا مکان ہوا تو جو نصف مدعی کل کے قبضہ میں ہے اسکا کوئی مدعی نہیں ہے تو یہ بلا قضاء ماضی مدعی کل کا ہوگا اور جو نصف مدعی نصف کے قبضہ میں ہے تو مدعی کل بھی اس کا مدعی ہے اور مدعی کل خارج ہے قابض نہیں ہے اور اصولاً شخص خارج کا بینہ معتبر ہوتا ہے نہ کہ قابض کا تو وہ نصف بھی قاضی صاحب مدعی کل کو دلا دیں گے۔

> وَاِذَا تَنَازَعَا فِیْ دَابَّةٍ وَ اَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةً اَنَّهَا نَتَجَتْ عِنْدَهٗ وَ ذَكَرَا تَارِيْخاً وَ سِنُّ الدَّابَّةِ يُوَافِقُ احدى التارِيْخَيْنِ فَهُوَ اَوْلیٰ وَ اِنْ اَشْكَلَ ذٰلِكَ كَانَتْ بَيْنَهُمَا وَ اِذَا تَنَازَعَا فِیْ دَابَّةٍ اَحَدُهُمَا رَاكِبُهَا وَ الآخَرُ مُتَعَلِّقٌ بِلِجَامِهَا فَالرَّاكِبُ اَوْلیٰ وَ كَذٰلِكَ اِذَا تَنَازَعَا بَعِيْراً وَ عَلَيْهِ حَمْلٌ لِاَحَدِهِمَا فَصَاحِبُ الْحَمْلِ اَوْلیٰ وَ كَذَالِكَ اِذَا تَنَازَعَا قَمِيْصاً احدهما لابسه والآخر متعلق بِكُمِّهٖ فَاللَّابِسُ اَوْلیٰ.

ترجمہ: اور اگر دو شخص کسی جانور کے بارے میں لڑ پڑیں اور دونوں اس بات پر بینہ قائم کریں کہ وہ جانور ان کے (میرے) یہاں پیدا ہوا ہے اور دونوں تاریخ بیان کریں اور جانور کی عمر دونوں تاریخوں میں سے کسی ایک کے موافق ہو تو وہ اولیٰ ہے (موافق تاریخ والا جانور کا حقدار ہے) اور اگر یہ مشکل ہو جائے (کچھ پتہ نہ چلے) تو جانور دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔ اور اگر دو شخص ایک جانور کے بارے میں لڑ پڑیں ان میں سے ایک سوار ہو اور دوسرا اسکی لگام پکڑے ہو تو سوار اولیٰ (حقدار) ہوگا۔ اور اسی طرح اگر دو شخص کسی اونٹ کے بارے میں جھگڑا کریں اور اس پر ایک کا بوجھ لدا ہوا ہو تو بوجھ والا

اولیٰ (حقدار) ہوگا اور اسی طرح اگر دونوں قمیص کے بارے میں جھگڑا کریں ایک اس کو پہنے ہوئے ہے اور دوسرا آستین پکڑے ہوئے ہو تو پہننے والا اولی ہے (حقدار ہے)۔

تشریح : ترجمہ کے دوران بین القوسین کی عبارات کا اضافہ کر کے مفہوم کو واضح کر دیا گیا مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے البتہ عبارت کو ٹکڑے ٹکڑے میں بانٹ کر مسئلہ کی تعیین کی جا رہی ہے اور اس عبارت میں چار مسئلے ہیں۔

و اذا تنازعا...... كانت بينهما: مسئلہ (۱)۔ **واذا تنازعا فی دابة ...... فالراكب اولیٰ**: مسئلہ (۲)۔ **و كذالكَ اذا تنازعا ...... الحمل اولیٰ**: مسئلہ (۳)۔ **و كذالك اذا تنازعا قَمِيصاً الخ**: مسئلہ (۴)۔

> وَاِذَا اختلفَ المُتَبائِعَانِ فِیْ البَیْعِ فَادَّعیٰ المُشْتَرِیْ ثَمناً وَادَّعی البَائِعُ اکثر مِنْهُ اَوْ اعترف البائِعُ بِقَدرٍ مِنَ المَبِیْعِ والدَّعیٰ المشتری اکثر مِنْهُ وَ اَقَامَ اَحدُهُمَا البَیِّنَة قُضِیَ لَهُ بِهَا فَاِنْ اَقَامَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنهُمَا بَیِّنَةً کَانَتِ البَیِّنَةُ المثبتة للزیادة اَوْلیٰ فَاِنْ لَمْ یَکُنْ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِنهُمَا بَیِّنَةٌ قِیْلَ لِلْمُشْتَرِیْ اَمّا اَنْ ترضی بالثَّمَنِ الَّذِیْ ادَّعَاهُ البَائِعُ وَاِلَّا فَسَخْنَا البَیْعَ وَ قِیْلَ لِلْبَائِعِ اِمَّا اَن تُسَلِّمَ مَا ادَّعَاهُ المشتری مِنَ المَبِیْعِ وَاِلَّا فَسَخْنَا البَیْعَ فَاِنْ لَمْ یَتَرَاضِیا اسْتَحْلَفَ الحَاکِمُ کُلَّ وَاحِدٍ مِنهُمَا علیٰ دعوی الآخَرِ یَبْتَدِئُ بِیَمِیْنِ المُشْتَرِیْ فَاِذَا حَلَفَا فَسَخَ القَاضِیُ البَیْعَ بَیْنَهُمَا فَاِنْ نَکَلَ اَحَدُهُمَا عَنِ الیَمِیْنِ لَزِمَهُ دعویٰ الآخَرِ.

ترجمہ : اور اگر بائع اور مشتری دونوں بیع کے بارے میں (مقدار ثمن کے بارے میں) اختلاف کریں پس مشتری کچھ قیمت کا دعویٰ کرے اور بائع اس سے زائد کا دعویٰ کرے یا بائع مبیع کی ایک مقدار کا اقرار کرے۔ اور مشتری اس سے زائد کا دعویٰ کرے۔ اور دونوں میں سے ایک اس پر بینہ قائم کر دیں تو اسی (بینہ قائم کرنے والے) کیلئے فیصلہ کیا جائے گا۔ اب اگر دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو وہ بینہ معتبر ہوگا جو زیادتی ثابت کرنے والا ہو۔ اگر دونوں میں سے کسی کے پاس بینہ نہ ہو تو مشتری سے کہا جائے گا کہ یا تو اس قیمت پر راضی ہو جس کا بائع نے دعویٰ کیا ہے ورنہ ہم بیع فسخ کر دیں گے اور بائع سے کہا جائے گا کہ یا تو تم مبیع کی وہ مقدار حوالہ کرو جس کا مشتری نے دعویٰ کیا ہے ورنہ ہم بیع فسخ کر دیں گے اور اگر دونوں راضی نہ ہوں تو حاکم ان میں سے ہر ایک سے دوسرے کے دعویٰ پر قسم لے جسکی ابتداء مشتری کی قسم سے ہو اب اگر دونوں قسم کھالیں تو قاضی دونوں کے درمیان بیع کو فسخ کر دے، اگر دونوں میں سے کوئی ایک قسم سے انکار کرے تو اس کو دوسرے کا دعویٰ لازم ہوگا۔

آپس میں قسم کھانے کا بیان

تشریح : **واذا اختلف المتبائعان الخ**: پوری عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے فان لم یتراضیا الخ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بینہ قائم کرنے سے دونوں عاجز ہوں اور ایک دوسرے کے دعویٰ کو پسند نہ کریں تو حاکم ہر ایک سے دوسرے کے خلاف قسم لے گا اور سب سے پہلے مشتری سے قسم لی جائے گی۔ یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور امام ابو یوسفؒ کا آخری قول ہے اور امام صاحبؒ کی بھی ایک روایت ہے اور یہ صحیح ہے۔

اگر دونوں قسم کھالیتے ہیں تو قاضی عقد بیع فسخ کردے گا۔ اگر دونوں میں سے جو شخص بھی قسم سے انکار کرے گا تو قاضی کے فیصلہ سے اس پر دوسرے کا دعویٰ لازم ہوگا کیونکہ قسم سے انکار معاملہ کا اقرار بنتا ہے۔

وان اختلفا فی الاَجلِ اَوْ فِیْ شَرطِ الخِیارِ اَوْ فِیْ استیفاءِ بَعْضِ الثمنِ فلا تحالفا بینھما والقَوْلُ قَوْلُ من یُنکر الخیارَ والاَجلَ مع یَمِیْنِہٖ وَ اِنْ ھَلکَ المبِیْعُ ثم اختلفا فِیْ الثمنِ لَمْ یَتَحالَفَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَھُمَا اللہُ وَالقَوْلُ قَوْلُ المشتری فِیْ الثمنِ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللہُ یَتَحالَفَانِ وَ یَفْسخ البَیْعُ علیٰ قِیْمَۃِ الھَالِکِ وَ اِنْ ھَلَکَ اَحَدُ العَبْدَیْنِ ثُمَّ اخْتَلَفَا فِیْ الثمنِ لَمْ یَتَحالَفَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللہُ اِلَّا اَنْ یَرْضی البَائِعُ اَنْ یَترکَ حِصَّۃَ الھَالِکِ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَہُ اللہُ یَتَحالَفَانِ وَ یَنْسخُ البَیْعُ فِیْ الحَیِّ وَ قِیْمَۃِ الھَالِکِ وَھُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَہُ اللہُ.

ترجمہ : اور اگر (متعاقدین) مدت، خیار شرط یا بعض ثمن وصول لینے میں اختلاف کریں تو (ان تینوں صورتوں میں) دونوں کے درمیان تحالف نہیں ہوگا۔ تو منکر خیار یا منکر اجل کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر مبیع ہلاک ہوگئی پھر (متعاقدین نے) ثمن میں اختلاف کیا تو امام ابوحنیفہؒ وامام ابویوسفؒ کے نزدیک دونوں (متعاقدین) قسم نہیں کھائیں گے۔ اور ثمن میں مشتری کا قول معتبر ہوگا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں قسم کھائیں گے اور بیع ہلاک شدہ چیز کی قیمت پر فسخ ہوگی (عقد فاسخ ہوجائے گا اور ہلاک شدہ مبیع کی قیمت واجب ہوگی) اور اگر عبدین میں سے ایک ہلاک ہوجائے پھر متعاقدین نے قیمت میں اختلاف کرلیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسم نہیں کھائیں گے۔ مگر یہ کہ بائع اس بات پر راضی ہوجائے کہ ہلاک شدہ کے حصہ کو چھوڑ دے اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ دونوں قسم کھائیں گے اور بیع زندہ میں اور ہلاک شدہ کی قیمت میں فسخ ہوجائے گی اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے ہیں۔

وان اختلفا ...... والاجل مع یمینہ: مسئلہ (۱) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے، امام زفرؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اختلاف اجل کی صورت میں دونوں قسم کھائیں گے۔

وان ھَلَکَ المبیع ......قیمۃ الھَالِک : مسئلہ (۲) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔ شیخین کے نزدیک تحالف نہیں ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک تحالف ہے۔ امام زفرؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ، امام محمدؒ کے ساتھ ہیں۔

واِنْ ھلَکَ اِحد العبدین الخ : مسئلہ (۳) اگر بعض مبیع ہلاک ہوجائیں اس کے بعد متعاقدین کے درمیان اختلاف ہوجائے مثلاً مبیع دو غلام تھے انمیں سے ایک مرگیا پھر بائع اور مشتری کا قیمت میں اختلاف ہوا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسم کھائیں گے البتہ اگر بائع اس بات پر راضی ہوجائے کہ مرے غلام کا حصہ چھوڑ دے جو کہ مشتری کا کہنا ہے اور زندہ غلام کو مشتری لے لے اب قیمت میں دونوں کے اختلاف کی بنیاد پر دونوں قسم کھائیں گے۔ حضرات صاحبینؒ کے

نزدیک متعاقدین قسم کھائیں گے۔حضرت امام زفرؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔اور زندہ غلام میں اور ہلاک شدہ کی قیمت میں بیع فسخ ہوجائے گی۔صاحب قدوری کے کہنے کا منشاء یہ ہے کہ زندہ غلام بائع کو واپس کردیا جائے گا اور ہلاک شدہ کی قیمت مشتری کے کہنے مطابق اس کو دلائی جائے گی۔

واذا اختلف الزوجَان فِيْ المَهْرِ فادّعى الزوْجُ اَنَّهٗ تزوّجها بالفٍ وَ قَالَتْ تزوجتنى بِالْفَيْنِ فَاَيُّهُمَا اَقَامَ البينة قُبِلَتْ بينته وان اقاما معاً البينة فالبينةُ بينة المَرْأةِ وَ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمَا بينةٌ تحَالَفَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَ لَمْ يَفْسخِ النّكَاحُ وَ لٰكِنْ يُحْكَمُ مَهْرٌ فَاِنْ كَانَ مِثْلَ مَا اعْتَرفَ بِهٖ الزَّوْج اَوْ اَقَلَّ قُضِىَ بِمَا قَالَ الزَّوْجُ وَ اِنْ كَانَ مِثْلَ مَا ادَّعَتْهُ المَرْأةُ اَوْ اَكْثَرَ قُضِىَ بِمَا ادَّعَتْهُ المَرْأةُ وَاِنْ كَانَ مَهْرُ المِثْلِ اَكْثَرَ مِمَّا اعترفَ بِهٖ الزَّوْجُ وَ اَقَلَّ مِمَّا ادّعَتْهُ المَرْأةُ قُضِىَ لَهَا بِمَهْرِ المِثْلِ.

ترجمہ : اور اگر زوجین مہر (کی مقدار) کے بارے میں اختلاف کریں اور شوہر دعویٰ کرے کہ اس (میں) نے اس عورت سے ایک ہزار پر شادی کی ہے اور بیوی کہے کہ تو نے مجھ سے دو ہزار پر شادی کی ہے تو (ایسی صورت میں) جو بھی بینہ قائم کرے گا اسکا بینہ قبول ہوگا۔اور اگر دونوں نے ایک ساتھ بینہ قائم کیا تو عورت کا بینہ معتبر ہوگا اور اگر دونوں کے پاس بینہ نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسم کھائیں گے اور نکاح فسخ نہیں ہوگا مہر مثل کا حکم کیا جائے گا۔اور اگر مہر مثل اتنا ہو جتنا کہ شوہر نے اعتراف کیا ہے یا اس سے کم ہو تو شوہر کے قول پر فیصلہ ہوگا۔اور اگر اسکے مثل ہو جس کا عورت نے دعویٰ کیا ہے یا اس سے زائد تو عورت کے دعوی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔اور اگر مہر مثل شوہر کے اقرار سے زیادہ ہو یا عورت کے دعویٰ سے کم ہو تو عورت کے لئے مہر مثل کا حکم کیا جائے گا۔

تشریح : پوری عبارت ترجمہ سے بالکل واضح ہے اس لئے مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔بس اتنا جان لیں کہ اس عبارت میں زوجین کے درمیان اختلاف مہر کو بیان کیا گیا ہے۔

واذا اختلفا فِيْ الاِجارَةِ قَبْلَ اِسْتِيْفَاءِ المَعْقُوْدِ عَلَيْهِ تَحَالَفَا وَ تَرَادَّا وَاِنْ اخْتَلَفَا بَعْدَ الاِسْتِيْفَاءِ لَمْ يَتحَالَفَا وَ كَانَ القَوْلُ قَوْلُ المُسْتَاجِرِ وَ اِنْ اخْتَلَفَا بَعْدَ اِسْتِيْفَاءِ بَعْضِ المَعْقُوْدِ عَلَيْهِ تحَالَفَا وَ فَسخَ العَقْدُ فِيْمَا بَقِىَ وَ كَانَ القَوْلُ فِيْ المَاضِى قَوْلَ المُسْتَاجِرِ مَعَ يَمِيْنِهٖ وَ اِذَا اخْتَلَفَ المَوْلىٰ والمُكَاتَبُ فِيْ مَالِ الكِتَابَةِ لَمْ يَتحالَفَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللهُ يَتحَالَفَانِ وَ تفسخُ الكِتَابَةُ.

ترجمہ : اور اگر (موجر و مستاجر) معقود علیہ (منفعت) کے حصول سے قبل اجارہ (اجرت یا مدت اجارہ کی مقدار) میں اختلاف کریں تو دونوں قسم کھائیں اور اجارہ کو رد کریں (ختم کریں) اور اگر معقود علیہ کے حصول کے بعد

اختلاف کریں تو قسم نہ کھائیں اور مستاجر کا قول (قسم کے ساتھ) معتبر ہوگا اور اگر بعض نے معقود علیہ کے حصول کے بعد اختلاف کیا تو دونوں قسم کھائیں گے اور مابقیہ میں عقد کو ختم کریں گے اور ایام گزشتہ کے متعلق مستاجر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اگر آقا اور عبد مکاتب کا مال کتابت (بدل کتابت) میں اختلاف ہو جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں قسم نہیں کھائیں گے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں قسم کھائیں گے اور عقد کتابت فسخ ہو جائے گی۔

اجارہ اور عقد کتابت میں اختلاف کا بیان

تشریح : اس پوری عبارت میں چار مسئلے مذکور رہیں۔

واذا اختلفا ...... وترادا : مسئلہ(۱)۔ **وان اختلفا ...... قول المستاجر :** مسئلہ(۲)۔ **وان اختلفا ...... مع یمینه :** مسئلہ(۳)۔ تینوں مسئلوں کی صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

واذ اختلفا المَوْلیٰ الخ : ترجمہ سے صورت مسئلہ واضح ہے۔ صاحب قدوری نے امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے اختلاف کو نقل کیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ۔ حضرات صاحبینؒ کے ساتھ ہیں۔

وَ اِذَا اخْتَلَفَ الزوْجَان فِیْ مَتَاعِ البَیْتِ فَمَا یصلح لِلرِجَالِ فَهُوَ للرجلِ وَ مَا یصلح للنِسَاءِ فَهُوَ لِلْمَرْاَةِ وَمَا یَصْلُحُ لَهُمَا فَهُوَ لِلرَّجُلِ فَاِنْ مَاتَ اَحَدُهُمَا وَاخْتَلَفَ وَرَثَتُهُ مَعَ الآخَرِ فَمَا یَصْلُحُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْبَاقِیْ مِنْهُمَا وَ قَالَ اَبُوْ یُوْسُف رَحِمَهُ اللّٰه یُدْفَعُ اِلیٰ الْمَرْاَةِ مَا یُجَهَّزُ بِهٖ مِثْلُهَا وَ البَاقِیْ لِلزَّوْجِ مَعَ یَمِیْنِهٖ.

ترجمہ : اور اگر زوجین گھریلو سامان کے بارے میں اختلاف کریں تو جو سامان مرد کے لائق ہوگا وہ مرد کا ہوگا اور جو سامان عورت کے لائق ہوگا وہ عورت کا ہوگا۔ اور جو دونوں کے لائق ہوگا وہ مرد کے لئے ہوگا اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مرجائے اور اس کے وارثین دوسرے سے لڑیں تو جو مردوں اور عورتوں کے لائق ہوگا تو وہ اس کیلئے ہوگا جو ان دونوں میں سے زندہ ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ عورت کو وہ چیز دیدی جائے گی جو جہیز میں دیجاتی ہے۔ اور باقی شوہر کا ہوگا اس کی قسم کے ساتھ۔

گھریلو سامانوں میں زوجین کا اختلاف

تشریح : اس عبارت میں دو مسئلے ہیں۔

واذ اختَلَفَ ...... لَهُمَا فَهُوَ لِلرَّجُلِ : مسئلہ(۱) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

جو سامان مردوں کے لائق ہیں وہ یہ ہیں جیسے پگڑی، ٹوپی، قباء، ہتھیار، کمربند، گھوڑا وغیرہ ایسے سامانوں میں مرد کا قول معتبر ہوگا جو سامان عورتوں کے لائق ہیں وہ یہ ہے جیسے اوڑھنی، کرتی، شلوار، برقع، زیور، کنگن، زنانہ انگوٹھی، ساڑی وغیرہ۔ ایسے سامانوں میں عورتوں کا قول معتبر ہوگا جو سامان دونوں کے لائق ہوں وہ یہ ہیں مثلاً برتن، فرش، نقدی، باندی، غلام، مویشی، حویلی، زمین، باغ وغیرہ ایسے سامانوں میں مرد کا قول معتبر ہوگا کیونکہ یہ سامان شوہر کے تصرف میں ہے اور صاحب تصرف کا قول معتبر ہے۔

فان مات احدھما الخ : مسئلہ (۲) اگر زوجین میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے، انتقال کرنے والے کے ورثہ نے دوسرے کے ورثہ کے ساتھ اختلاف کیا تو ایسی صورت میں سات مجتہدین کے سات قول ہیں (۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مرد و عورت دونوں کی کارآمد چیز زندہ شخص کو ملے گی کیونکہ قبضہ تو زندہ کا ہے (۲) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جو چیزیں عورت کو جہیز میں دی جاتی ہیں وہ عورت کو ملیں گی باقی چیزیں مرد کو ملیں گی اس کی قسم کے ساتھ۔ اس مسئلہ میں زندگی اور موت سب یکساں ہیں (ان دو نظریات کو صاحب قدوری نے ذکر کیا ہے) (۳) امام محمدؒ کے نزدیک جو چیز مرد کے لائق ہے وہ مرد کو ملے گی اور جو عورت کے لائق ہے وہ عورت کو ملے گی۔ اس سلسلہ میں طلاق اور موت سب یکساں ہیں۔ کیونکہ وارث مورث کے قائم مقام ہوتا ہے۔ (۴) امام مالکؒ و شافعیؒ کے نزدیک کل اسباب مساوی طور پر دونوں کو ملیں گے۔ (۵) ابن ابی لیلیٰؒ کے نزدیک سارا مال شوہر کا ہوگا۔ (۶) حضرت حسن بصریؒ کے نزدیک سارا سامان عورت کو ملے گا۔ (۷) قاضی شریح کے نزدیک گھر عورت کا ہوگا۔

وَ اِذَا بَاعَ الرَّجُلُ جَارِيَةً فَجَائَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ فَاِنْ جَائَتْ بِهٖ لِاَقَلِّ مِنْ ستة اَشْهُرٍ مِنْ يَوْمٍ بَاعَهَا فَهُوَ اِبْنُ الْبَائِعِ وَ اُمُّهُ اُمُّ وَلَدٍ لَهُ وَ يَفْسَخُ الْبَيْعُ وَ يَرُدُّ الثَّمَنَ وَ اِنْ ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِىُ مَعَ دَعْوَةِ الْبَائِعِ اَوْ بَعْدَهَا فَدَعْوَةُ الْبَائِعِ اَوْلىٰ وَ اِنْ جَائَتْ بِهٖ لِاَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَ لِاَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ لَمْ تُقْبَلْ دَعْوَةُ الْبَائِعِ فِيْهِ اِلَّا اَنْ يُصَدِّقَه الْمُشْتَرِىُ وَ اِنْ مَاتَ الْوَلَدُ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَقَدْ جَائَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَثْبُتِ النَّسَبُ فِى الْوَلَدِ وَ لَا الْاِسْتِيْلاءُ فِى الْاُمِّ وَ اِنْ مَاتَتِ الْاُمُّ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَقَدْ جَائَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ فِى الْوَلَدِ وَ اَخَذَهُ الْبَائِعُ وَ يَرُدُّ كُلَّ الثَّمَنِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَا يَرُدُّ حِصَّةَ الْوَلَدِ وَ لَا يَرُدُّ حِصَّةَ الْاُمِّ وَ مَنْ ادَّعىٰ نَسَبَ اَحَدِ التوْاَمِيْنِ يَثْبُتُ نَسَبُهُمَا مِنْهُ.

ترجمہ : اور اگر کسی نے باندی فروخت کی اور اس نے بچہ جنا اور بائع نے اس کا دعویٰ کیا پس اگر اس نے بچہ کو چھ ماہ سے کم میں جنا اس دن سے جس دن اس کو فروخت کیا تھا تو وہ بچہ بائع کا بیٹا ہے اور اس کی ماں ام ولد ہوگی اور بیع فسخ ہو جائے گی اور قیمت واپس کر دی جائے گی اور اگر مشتری نے اس کا دعویٰ بائع کے دعوی کے ساتھ کیا یا اس کے بعد تو بائع کا دعویٰ اولیٰ ہوگا۔ اور اگر اس باندی نے چھ ماہ سے زائد اور دو سال سے کم میں بچہ جنا تو اس کے بارے میں بائع کا دعویٰ قبول نہیں ہوگا مگر یہ کہ مشتری اس کی تصدیق کر دے، اور اگر بچہ مر گیا پھر بائع نے اس کا دعویٰ کیا اور اس کو چھ ماہ سے کم میں جنا تھا تو بچہ کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اور نہ ماں میں ام الولد ہونا۔ اور اگر ماں مر گئی اور بائع نے اس کا دعویٰ کیا اور اس نے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا تو بچہ میں نسب ثابت ہو جائے گا اور بائع اس کو لے لے گا۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کل قیمت لوٹائے گا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ بچے کا حصہ لوٹائے گا اور بچے کی ماں کا حصہ نہیں لوٹائے گا۔ اور جس نے جڑواں بچوں میں ایک سے نسب کا دعویٰ کیا ہے تو اس سے دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

نسب کے دعویٰ کا بیان

تشریح : وَ اِذَا بَاعَ ...... **مدعوۃ البائع الاولیٰ :** مسئلہ (۱) ترجمہ پر نظر ڈالیں تو صورت مسئلے واضح

ہو جائے گی۔ یہ احناف کے نزدیک ہے اور امام زفرؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بائع کا دعویٰ باطل ہوگا۔ بہر کیف اس عقد میں بیع فسخ ہو جائے گی کیونکہ ام ولد کی بیع جائز نہیں ہے اور قیمت کا لوٹانا ضروری ہے اور مشتری کا دعویٰ معتبر نہیں ہوگا اب یہ دعویٰ مشتری، دعویٰ بائع سے پہلے ہو یا بعد میں۔ کیونکہ بائع کا دعویٰ سابق اور اولیٰ ہے۔

و ان جَائتْ ...... ان یصدقه المشتری : مسئلہ (۲) اگر باندی نے دو سال سے کم اور چھ ماہ سے زیادہ میں بچہ جنا اور بائع نے اس بچہ کا دعویٰ کر دیا تو دعویٰ کے قبول ہونے کے لئے مشتری کی تصدیق ضروری ہے چنانچہ اسی تصدیق پر ثبوت نسب، بطلانِ بیع، ولد کی آزادی، اور اس کی ماں کا بائع کی ام ولد ہونا ثابت ہوگا۔

و ان مات الولد ...... فی الام : مسئلہ (۳) اگر بچہ کا انتقال ہو جائے اور بائع اس بچہ کا دعویٰ کر دے اور اس بچہ کی پیدائش چھ ماہ سے کم ہوئی ہو تو نہ ہی اس بچہ کا نسب ثابت ہوگا اور نہ ماں کا ام ولد ہونا ثابت ہوگا۔

و ان ماتت الأم...... حِصَّةَ الأمّ : مسئلہ (۴) اگر ماں کا انتقال ہو جائے اور اس کے بعد بائع بچہ کا دعویٰ کر دے اور بچہ کی پیدائش چھ ماہ سے کم میں ہوگئی تھی تو بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اس بچہ کو بائع اپنے قبضہ میں کرے گا اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پوری قیمت مشتری کو لوٹائے گا۔ حضرات صاحبین کے نزدیک صرف بچہ کی قیمت کا حصہ لوٹائے گا ماں کی قیمت کا حصہ نہیں لوٹائے گا۔

و من ادعی نسب الخ : مسئلہ (۵) کسی باندی کے پیٹ سے دو بچے پیدا ہوئے اور اس شخص نے ایک بچہ کا دعویٰ کیا تو دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ دونوں کی پیدائش ایک ہی نطفہ سے ہے۔

کتاب الشهادات

الشهادات : یہ شہادت مصدر کی جمع ہے شهد (س، ك) شهادةً گواہی دینا، بطریق مشاہدہ، اصل معاملہ کی خبر دینا۔ شریعت میں قاضی کی جلس میں لفظ شہادت کے ساتھ سچی خبر دینا۔

> **الشَّهَادَةُ فَرْضٌ تلزم الشهود وَ لَا يَسَعُهُمْ كِتْمَانُهَا اِذَا طَالَبَهُم المُدَّعِي والشَّهَادَةُ بِالحُدُوْدِ يُخَيَّرُ فِيْهَا الشَّاهِدُ بَيْنَ السترِ وَ الإِظْهَارِ والسَّتْرُ اَفْضَلُ.**

ترجمہ : گواہی فرض ہے جو گواہوں کو لازم ہے اور گواہوں کو گواہی چھپانے کی گنجائش نہیں ہے اگر ان کو مدعی طلب کرے۔ اور حدود کی گواہی گواہ کو چھپانے اور ظاہر کرنے میں اختیار ہے اور چھپانا افضل ہے۔

خلاصہ : اگر مدعی گواہوں کو شہادت کے لئے طلب کرے تو گواہوں کو گواہی دینی فرض ہے اور ان پر یہ لازم اور ضروری ہے کہ شہادت کو نہ چھپائے البتہ حدود کی گواہی میں گواہ کو اختیار ہے چاہے تو شہادت چھپا لے جائے اور چاہے تو ظاہر کر دے البتہ شہادت کا چھپانا افضل ہے۔

اِلَّا اَنَّهُ يَجِبُ اَنْ يَشْهَدَ بِالمَالِ فِيْ السرقةِ فَيَقُوْلُ اَخذ وَ لَا يَقُوْلُ سَرَقَ و الشَّهَادَةُ عَلَى

مَرَاتِبَ مِنهَا الشَّهَادَةُ فِیْ الزِنَا یُعتبرُ فِیهَا اَرْبَعَۃَ مِنَ الرِجَالِ وَ تُقبَلُ فِیهَا شَهَادَةَ النِسَاءِ وَ مِنهَا الشَهَادَةُ بِبَقِیَّةِ الحُدُودِ وَ القِصَاصِ تُقبَلُ فِیهَا شَهَادَةُ رَجُلَیْنِ وَ لَا تُقبلُ فِیهَا شَهَادَةُ النِّسَاءِ وَ مَا سِوَیٰ ذَالِكَ مِنَ الحُقُوْقِ تُقْبَلُ فِیهَا شَهَادَةُ رَجُلَیْنِ اَوْ رَجُلٍ وَ اِمْرَأتَینِ سَوَاءٌ كَانَ الحَقُّ مَالاً اَوْ غَیرَ مَالٍ مِثْلَ النِّکَاحِ وَالطَّلَاقِ والعِتَاقِ والوَکَالَةِ والوَصِیَّةِ.

ترجمہ : مگر یہ کہ مال کی چوری میں گواہی دینا واجب ہے پس کہے کہ اس نے لیا ہے اور نہ کہے کہ چرایا ہے اور گواہی کے چند مرتبے ہیں ان میں سے (ایک) زنا کی گواہی ہے جس میں چار مرد معتبر ہیں اور اس میں عورت کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور ان میں سے (دوسری) بقیہ حدود و قصاص کی گواہی ہے جس میں دو مرد کی گواہی قبول کی جائے گی اور اس میں عورت کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اور جو حقوق اس کے علاوہ ہیں ان میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی خواہ وہ حق مال ہو یا غیر مال ہو جیسے نکاح، طلاق، عتاق، وکالۃ اور وصیت۔

گواہوں کی ضروری تعداد کا بیان

تشریح : یہ عبارت چار مسئلوں پر مشتمل ہے۔

اِلاَّ اَنَّہٗ ...... سرق : مسئلہ (۱) مال کی چوری میں گواہی دینا واجب ہے اور گواہی میں اس طرح کہے کہ اس نے مال لیا ہے یہ نہ کہے کہ اس نے چرایا ہے۔

والشهادة ...... شهادة النساء: مسئلہ (۲) شہادت کے چار درجے ہیں (۱) شہادت فی الزنا۔ اس میں چار مردوں کی گواہی معتبر ہے اور اس میں عورتوں کی گواہی کا اعتبار نہیں ہے۔

ومنها الشهادة ببقية ...... شهادة النساء : مسئلہ (۳) شہادت کا دوسرا درجہ بقیہ حدود کی شہادت ہے جیسے حد قذف، حد شرب، حد سرقہ اور قصاص کی شہادت۔ شہادت کے اس درجہ میں دو مردوں کی شہادت معتبر ہے عورتوں کی شہادت معتبر نہیں ہے۔

وما سویٰ ذالِكَ الخ : مسئلہ (۴) شہادت کا تیسرا درجہ مذکورہ بالا حقوق کے علاوہ جو حقوق ہیں وہ ہیں خواہ حقوق مالیہ ہوں یا غیر مالیہ جیسے نکاح، طلاق، عتاق، وکالت (ارث کے لئے) وصیت وغیرہ اس میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی اموال اور تابع اموال جیسے اعارہ، اجارہ، کفالہ، اجل، شرط، خیار، شفعہ، قتل خطاء، زخم، موجب مال، فسخ عقود کے ساتھ مخصوص ہے۔ امام احمدؒ سے احناف اور شوافع دونوں کے موافق روایتیں منقول ہیں۔

وَتقبل فِیْ الوِلَادَةِ والبُکَارَةِ وَ العُیُوبِ بِالنِسَاءِ فِیْ مَوْضَعٍ لا یَطَّلِعُ عَلَیْهِ الرِّجَالُ شَهَادَةُ اِمْرَأةٍ وَاحِدَةٍ وَ لَا بُدَّ فِیْ ذالِكَ كُلِّهٖ مِنَ العَدَالَةِ وَ لَفظِ الشَّهَادَةِ فَاِنْ لَمْ یَذْكُرِ الشَّاهِدُ لَفظَةَ الشَّهَادَةِ وَ قَالَ اَعْلَمُ اَوْ اَتَیقَّنُ لَمْ تُقبَلُ شَهَادَتُهٗ وَ قَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ یَقْتَصِرُ الحَاكِمُ عَلیٰ ظَاهِرِ

عَدَالَةِ الْمُسْلِمِ اِلَّا فِیْ الْحُدُوْدِ وَ الْقِصَاصِ فَاِنَّهٗ یَسْاَلُ عَنِ الشُّهُوْدِ وَ اِنْ طَعَنَ الْخَصِمُ فِیْهِمْ یَسْاَلُ عَنْهُمْ وَ قَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا بُدَّ اَنْ یَسْاَلَ عَنْهُمْ فِیْ السِرِّ وَ الْعَلَانِیَةِ

ترجمہ : اور ولادت، بکارت اور عورتوں کے ان عیوب میں جن پر مرد کو اطلاع نہیں ہوتی صرف ایک عورت کی شہادت قبول کی جائے گی۔ اور ان سب میں عادل کا ہونا اور لفظ شہادت کا ہونا ضروری ہے پس اگر شاہد نے لفظ شہادت ذکر نہ کیا اور کہا کہ میں جانتا ہوں یا میں یقین رکھتا ہوں تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ حاکم مسلمان کی ظاہری عدالت پر اکتفا کرے مگر حدود اور قصاص میں کہ ان میں گواہوں کے بارے میں دریافت کرے اور اگر مدعیٰ علیہ گواہوں کے بارے میں طعن کرے تو ان کے متعلق دریافت کرے اور حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ پوشیدہ اور اعلانیہ دونوں کے بارے میں گواہوں کے متعلق پوچھ گچھ کرنا ضروری ہے۔

تشریح : وتقبل فی الولادة ...... امرأةٍ وَاحِدةٍ : مسئلہ (۱) یہ شہادت کا چوتھا درجہ ہے۔ ترجمہ سے تفصیل واضح ہے یہ احناف کا مسلک ہے اور امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ البتہ دو عورتوں کا ہونا بہتر ہے اگر ایسا نہ ہو تو صرف ایک آزاد مسلمان عورت کی گواہی کافی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک چار عورتوں کو ہونا چاہئے کیونکہ حجت میں دو مردوں کی گواہی ہے نہ کہ ایک۔ اور دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہوتی ہیں اس لئے چار عورتیں ہونی چاہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی ہونی چاہئے۔

ولا بد فِیْ ذالك ...... لم تقبل شهادته : مسئلہ (۲) شہادت کے چار مراتب میں لفظ اشهد بصیغۂ مضارع کا استعمال ضروری ہے اگر لفظ شہادت ذکر نہ کرے لفظ اعلم یا اتیقن ذکر کیا تو اس شہادت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

وقال ابو حنیفة رحمه الله الخ : مسئلہ (۳) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حدود و قصاص کے علاوہ میں اگر مدعیٰ علیہ گواہوں کے متعلق کوئی طعن نہیں کرتا ہے تو قاضی شاہد کے متعلق کچھ دریافت نہ کرے بلکہ ایک مسلمان کی ظاہری عدالت پر اکتفا کرے۔ اور اگر طعن کرتا ہے تو شاہد کے متعلق دریافت کرے۔ اور حدود و قصاص میں گواہوں کے متعلق دریافت کرے۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک قاضی کے لئے گواہوں کی عدالت کے بارے میں پوشیدہ اور علانیہ دونوں طریقہ پر دریافت کرنا ضروری ہے۔ خواہ مدعیٰ علیہ شاہد پر کوئی طعن کرے یا نہ کرے۔ فتویٰ اسی پر ہے۔

پوشیدہ سوال کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی ایک رقعہ جس کو مستورہ کہتے ہیں مزکی کے پاس بھیجے جس میں گواہوں کے نام، نسب، حلیہ اور جس مسجد میں نماز پڑھتے ہوں وہ درج ہوں اس میں مزکی شاہد کی عدالت اس طرح تحریر کرے کہ وہ عادل اور جائز الشہادۃ ہے اور اگر اسے عدالت یا فسق کا پتہ نہ ہو تو یہ تحریر کرے کہ وہ مستور الحال ہے اور اگر اس کا فسق علم میں ہو تو اس کی تصریح نہ کرے بلکہ اس کو پوشیدہ رکھے تا کہ ایک مسلمان کا پردہ فاش نہ ہو اور اخیر میں تحریر کرے۔ واللہ اعلم۔

علانیہ سوال کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی، شاہد اور مزکی دونوں کو یکجا جمع کر کے پوچھے کہ تو نے عادل اسی کو کہا ہے امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ تیز کیہ علانیہ، تزکیہ مخففہ کے بعد مقبول ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے۔

وَمَا يَتحمَّلُهُ الشَّاهِدُ علىٰ ضَربَيْنِ اَحدُهُما ما يَثبُتُ حُكْمُهُ بِنفسِهٖ مثْلَ البَيْعِ والاِقرارِ والغَصَبِ وَالقتْلِ وَ حُكمِ الحاكِمِ فَاِذا سَمِعَ ذٰلِكَ الشَّاهِدُ اَوْ راٰهُ وَسِعَهٗ اَنْ يَشهَدَ بِهٖ وَ اِنْ لَمْ يُشْهَدْ عَلَيْهِ وَ يقُوْلُ اَشهَدُ اَنَّهٗ بَاعَ وَ لَا يَقُوْلُ اَشهَدني وَ مِنْهُ مَا لَا يَثبت حُكْمُهُ بِنفسِهٖ مثْلَ الشَّهَادَةِ علىٰ الشَّهادَةِ فَاِذَا سَمعَ شَاهِداً يَشهَدُ بِشَيْءٍ لَمْ يَجُزْ لَهُ اَنْ يَشْهَدَ علىٰ شَهَادَتِهٖ اِلَّا اَنْ يَشْهَدَهُ وَ كَذٰلِكَ لَوْ سَمِعَهُ يَشهَدُ شَاهِداً عَلىٰ شَهَادَتِهٖ لَمْ يَسْمَعْ لِلسَّامِعِ اَنْ يَشْهَدَ عَلىٰ ذٰلِكَ وَ لَا يَحِلُّ لِلشَّاهِدِ اِذَا راٰى خَطَّهٗ اَنْ يَشْهَدَ اِلَّا اَنْ يَّذْكُرَ الشَّهَادَةَ.

ترجمہ : اور شاہد جس چیز کی شہادت کا تحمل کرتا ہے وہ دو قسم پر ہے ایک تو وہ ہے جس کا حکم بذات خود ثابت ہوتا ہے (صاحب حق کی شہادت کا بغیر) جیسے بیع، اقرار، غصب، قتل، حکم حاکم پس اگر شاہد سن لے یا اس کو دیکھ لے تو اس کو گواہی دینا جائز ہے اگر چہ اس پر اس کو گواہ نہ بنایا گیا ہو اور وہ اس طرح کہیکہ بیشک میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے بیچا ہے اور یہ نہ کہے کہ مجھے گواہ بنایا ہے اور اس کی دوسری قسم وہ کہ جس کا حکم بذات خود ثابت نہ ہو (اس میں شہادت کی ضرورت ہوتی ہو) جیسے گواہی پر گواہی پس جب کسی نے سنا کہ گواہ کسی چیز کی گواہی دے رہا ہے تو اس (سننے والے) کے لئے اس کی گواہی پر گواہی دینا جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس کو (سننے والے کو) گواہ بنالے۔ اور اسی طرح کسی نے کسی کو سنا کہ وہ کسی گواہ کی گواہی پر گواہی دیر رہا ہے تو اس سننے والے کیلئے اس گواہی پر گواہی دینا جائز نہیں ہے اور جب گواہ اپنا خط دیکھے تو اس کو گواہی دینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کو گواہی یاد ہو۔

تشریح : شاہد جس چیز کی شہادت کا تحمل کرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) جس چیز کا حکم فی نفسہ ثابت ہوتا ہو یعنی صاحب حق کی شہادت کے بغیر ثابت ہو جائے جیسے بیع، اقرار وغیرہ۔ (۲) وہ ہے جس کا حکم بلا شہادت کے ثابت نہ ہوتا ہو۔ گویا پہلی قسم میں شاہد سن کر گواہی دے سکتا ہے بشرطیکہ سن کر ان چیزوں کا علم ہو جاتا ہو۔ جیسے بیع، اقرار، حکم حاکم اور دیکھ کر گواہی دے سکتا ہے بشرطیکہ دیکھنے سے ان چیزوں کا علم ہو جاتا ہو جیسے غصب اور قتل البتہ دوسری قسم میں شاہد اس وقت گواہی نہیں دے سکتا ہے جب تک کہ اس کو گواہ نہ بنایا جائے صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کے بارے میں یہ سنا کہ وہ فلاں گواہ کی گواہی پر گواہی دے رہا ہے تو اس سننے والے کیلئے اس گواہی پر گواہی دینا جائز نہیں ہے۔
ولا یحل للشاھد: اس عبارت سے صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر شاہد اپنا نوشتہ دیکھ کر گواہی دیتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے بشرطیکہ اس کو خوب یاد ہو۔ صاحبینؒ کے نزدیک نوشتہ دیکھ کر گواہی دینا جائز ہے البتہ شرط یہ ہے کہ نوشتہ اس کے پاس محفوظ ہو مدعی کے قبضہ میں نہ ہو۔ اگر مدعی کے قبضہ میں ہے تو جائز نہیں ہے۔

وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الاَعْمىٰ وَ لَا المَمْلُوْكِ وَ لَا المَحْدُودِ فِي القَذْفِ وَ اِنْ تَابَ وَلَا شَهَادَةُ الوَالِدِ لِوَلَدِهٖ وَ وَلَدِ وَلَدِهٖ وَ لَا شَهَادَةُ الوَلَدِ لِاَبَوَيْهِ وَ اَجْدَادِهٖ وَ لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ اَحَدِ الزَّوْجَيْنِ لِلآخَرِ وَ لَا شَهَادَةُ المَوْلىٰ لِعَبْدِهٖ وَلَا لِمُكَاتَبِهٖ وَ لَا شَهَادَةُ الشَرِيْكِ لِشَرِيْكِهٖ فِيْمَا هُوَ مِنْ شِرْكَتِهِمَا وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ الرَّجُلِ لِاَخِيْهِ وَ عَمِّهٖ وَ لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ

مُخَنَّثٍ وَ لَا نائِحَةٍ وَلَا مُغَنِّيَةٍ وَ لَا مُدْمِنِ الشُّرْبِ عَلَى اللَّهْوِ وَ لَا مَنْ يَلْعَبُ بِالطُّيُوْرِ وَ لَا مَنْ يُغَنِّي لِلنَّاسِ وَ لَا مَنْ يَأتِي بَاباً مِنَ الْأَبْوَابِ الْكَبَائِرِ الَّتِي يَتَعَلَّقُ بِهَا الْحَدُّ وَ لَا مَنْ يَدْخُلُ الْحَمَامَ بِغَيْرِ إِزَارٍ وَ لَا مَنْ يَأكُلُ الرِّبٰو وَ لَا الْمُقَامِرِ بِالنرد والشِّطْرَنْجِ وَ لَا مَنْ يَفْعَلُ الْأَفعَالَ الْمُسْتَخِفَّةَ كَالْبَوْلِ عَلَى الطَّرِيْقِ وَالْأَكْلِ عَلَى الطَّرِيْقِ.

ترجمہ: اور اندھے، غلام اور محدود فی القذف (قذف کی سزا یافتہ) کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اگر چہ توبہ کرے۔ اور والد کی شہادت بیٹے، پوتے کیلئے قبول نہیں کی جائے گی اور بیٹے کی گواہی اپنے باپ کیلئے، اپنے دادا کیلئے قبول نہیں کی جائے گی۔ اور زوجین میں سے ایک کی گواہی دوسرے کے لئے قبول نہیں کی جائے گی۔ آقا کی گواہی غلام اور عبد مکاتب کیلئے قبول نہیں کی جائے گی۔ اور ایک شریک کی گواہی دوسرے شریک کیلئے جس میں دونوں کی شرکت ہو۔ اور آدمی کی گواہی اپنے بھائی اپنے چچا کیلئے قبول کی جائے گی اور مخنث، رونے والی، گانے والی، بطریق لہو ولعب شراب پینے والے کی گواہی قبول نہیں ہوگی اور نہ ہی پرندہ بازوں کی اور نہ لوگوں کے لئے گانے والوں کی اور نہ ان لوگوں کی جو ایسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں جن سے حد متعلق ہوتی ہے اور نہ اس شخص کی گواہی قبول ہوگی جو حمام میں بلا تہبند داخل ہو اور نہ اس شخص کی جو کہ سود کھائے، اور نہ اس شخص کی جو نرد اور شطرنج سے جوا کھیلے اور نہ اس شخص کی جو حقیر کام انجام دے جیسے راستہ میں پیشاب کرنا۔ راستہ میں کھانا۔

وہ لوگ جن کی گواہی قبول ہے اور جن کی قبول نہیں ہے۔

حل لغات: اعمیٰ: اندھا۔ مملوك: غلام۔ محدود: سزا یافتہ شخص۔ قذف: تہمت۔ مخنث: ہیجڑا۔ نائحة: مردے پر رونے والی۔ مغنية: ڈومنی، گانے والی۔ مدمن: ہمیشگی کرنے والا۔ حمام: جہاں گرم پانی ہو، غسل خانہ۔ ازار: تہبند۔ مُقامر: جوئے باز۔ نرد، شطرنج. دونوں کھیل کی قسم ہیں۔ مستخفة: حقیر، ذلیل۔

تشریح: **ولا تقبل شهادة الاعمیٰ:** یہ حضرات طرفین کا مسلک ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اندھے کی شہادت مطلقاً مقبول ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر اندھا تحمل شہادت کے وقت بینا ہو تو اس کی شہادت مقبول ہے۔

ولا المملوك: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ولا المحدود فی القذف: یہ احناف کا مسلک ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محدود فی القذف کی گواہی توبہ کے بعد قبول ہوگی۔

ولا شهادة الوالد ...... لاخيه وعمه: اس عبارت میں جو مسائل ہیں وہ ترجمہ سے واضح ہیں۔

ولا تقبل شهادة مخنث: جو مخنث قول و فعل میں عورتوں سے مشابہت اختیار کرے اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی قولی مشابہت یہ ہے کہ عورتوں کی طرح گفتگو میں نرمی ہو اور فعلی مشابہت یہ ہے کہ محل لواطت ہے اگر قدرتی طور پر اسکی زبان میں لچک اور اعضاء میں نرمی ہے اور فواحش کا مرتکب نہیں ہے تو وہ مقبول الشہادت ہے۔

ولا نائحة ولا مغنية الخ : عبارت میں آخر تک جو مسائل ہیں وہ ترجمہ سے واضح ہیں۔

وَلا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مَنْ يظهر سَبَّ السَّلَفِ وَ تُقْبَلُ شَهَادَةُ اَهْلِ الْاَهْوَاءِ الا الخطَّابِيةِ وَ تُقْبَلُ شَهَادَةُ اَهْلِ الذِّمَّةِ بَعْضِهِمْ عَلىٰ بَعْضٍ وَاِنْ اخْتَلَفَ مِلَلُهُمْ وَ لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الحَرْبِيِّ عَلىٰ الذِّمِي وَ اِنْ كَانَتْ الحَسَنَاتُ اَغْلَبَ مِنَ السَّيِئَاتِ والرَّجُلُ مِمَّنْ يَجْتَنِبُ الكَبَائِرَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ وَاِنْ اَلَمَّ بِمَعْصِيَةٍ وَ تُقْبَلُ الاَقْلَفِ والخَصِيِّ وَوَلَدُ الزِّنَا وَ شَهَادَةُ الخُنثىٰ جَائِزَةٌ.

ترجمہ : اور ایسے شخص کی شہادت مقبول نہیں ہے جو سلف کو گالی بکے اور برا بھلا کہے۔ اور اہل ہواء کی شہادت مقبول ہے سوائے خطابیہ کے۔ اور ذمیوں کی گواہی بعض کی بعض پر مقبول نہیں ہے۔ اگر چہ ان کے مذہب مختلف ہوں۔ اور حربی کی گواہی ذمی پر مقبول نہیں ہے۔ اگر نیکیاں برائیوں پر غالب ہو جائیں اور وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جو گناہ کبیرہ سے دور رہتے ہیں ان کی شہادت قبول ہوگی اگر وہ گناہ صغیرہ کرتا ہو اور نامختون، آختہ، اور ولد الزنا کی گواہی قبول ہے اور خنثی کی گواہی جائز ہے۔

حل لغات : **سب**: گالی دینا۔ **سلف**: پہلے کے بزرگ۔ **خطّابیہ**: روافض کا ایک گروہ ہے۔ **ملل**: یہ ملت کی جمع ہے۔ **الَمّ**: چھوٹے گناہوں کا مرتکب ہونا۔ **اقلف**: غیر مختون۔ **خصی**: آختہ۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسئلے ہیں۔

ولا تقبل شهادة من يُظْهِر سب السلف : مسئلہ (۱) جو شخص اکابر واسلاف کو گالی دیتا ہے ان کو برا بھلا کہتا ہے اس کی گواہی مردود ہے۔

وتقبل شهادة اهل الاهواء الا الخطابية : مسئلہ (۲) احناف کے نزدیک اہل ہوی، جبریہ، قدریہ، مرجۂ، روافض، خوارج، اہل تشبیہ وغیرہ کی شہادت مطلقاً مقبول ہے یہ شہادت اہل سنت پر ہو یا انہیں میں سے بعض پر ہو البتہ شرط یہ ہے کہ ان کا عقیدہ مفضی الی الکفر نہ ہو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک غیر مقبول ہے۔ خطابیہ جو روافض کی ایک جماعت ہے جس کی شہادت متہم بالکذب ہونے کی وجہ سے غیر مقبول اور مردود ہے۔

وتقبل شهادة ...... مللهم : مسئلہ (۳) اگر ایک ذمی دوسرے ذمی کی شہادت دیتا ہے تو یہ شہادت مقبول ہے اگر ان کا دین مختلف ہو۔ امام مالکؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔

ولا تقبل شهادة الحربى علىٰ الذمى : مسئلہ (۴) اگر کوئی حربی کسی ذمی کی شہادت دیتا ہے تو وہ شہادت مقبول نہیں ہے۔

وانْ كَانَتِ الحسنات ...... بعصية : مسئلہ (۵) اگر ایک ایسا شخص ہو جس کی نیکیاں بظاہر برائیوں پر غالب ہوں اور وہ گناہ کبیرہ سے دور رہتا ہو مگر گناہ صغیرہ کرتا ہو تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔

تقبل شهادة الاقلف الخ : مسئلہ (۶) عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

وَاِذَا وَافَقَتِ الشَّهَادَةُ الدعوىٰ قُبِلَتْ وَ اِنْ خَالَفَتهَا لَمْ تُقْبَلْ وَ يُعْتَبَرُ اِتفاق الشاهِدَيْنِ فِي اللَّفْظِ والمعنى عِندَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ الله فَاِنْ شَهِدَ اَحَدُهُمَا بِالْفٍ وَ الآخَرُ بِالْفَيْنِ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا الله تُقْبَلُ بالالْفِ وَ اِنْ شَهِدَ اَحَدُهُمَا بِالْفٍ وَ الآخَرُ بِالْفٍ وَخَمْسمائةٍ والمُدَّعِي يَدَّعِيْ الفاً وخَمْسَمِائَةٍ قُبِلَتْ شَهَادَتُهَا وَ اِذَا شَهِدَا بِالْفٍ وَ قَالَ اَحَدُهُمَا قَضَاهُ مِنهُمَا خَمْسَمِائَةٍ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمَا بِالْفٍ وَ لَمْ يُسْمَعْ قَوْلُهُ اَنَّهُ قَضَاهُ مِنهَا خَمْسَمِائَةٍ اِلَّا اَنْ يَشْهَدَ مَعَهُ آخَرَ وَ يَنْبَغِيْ للشَاهِدِ اِذَا عَلِمَ ذٰلِكَ اَنْ لَا يَشْهَدَ بِالْفٍ حَتىٰ يَقِرَّ المُدَّعِيْ اَنَّهُ قَبَضَ خَمْسَمِائَةٍ.

ترجمہ : اور اگر گواہی دعویٰ کے موافق ہوگی تو گواہی قبول کی جائے گی اور اگر دعویٰ کے مخالف ہوگی تو قبول نہیں کی جائے گی اور شاہدین کا لفظ اور معنیٰ میں اتفاق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک معتبر ہے پس اگر ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی تو ان دونوں کی گواہی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قبول نہیں کی جائے گی اور دوسرے نے دو ہزار کی تو ان دونوں کی گواہی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قبول نہیں کی جائے گی اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ایک ہزار کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اور اگر ایک نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے پندرہ سو کی اور مدعی پندرہ سو کا دعویٰ کرتا ہے تو ان دونوں کی ایک ہزار کی گواہی قبول کی جائے گی اور اس کا یہ قول نہیں سنا جائے گا کہ پانچ سو دے چکا مگر یہ کہ اس کے ساتھ دوسرا گواہی دے اور شاہد کے لئے مناسب ہے کہ جب اس کو یہ معلوم ہو جائے (کہ مدعیٰ علیہ نے پانچ سوادا کر دئے ہیں) تو ہزار کی گواہی نہ دے یہاں تک کہ مدعی اقرار کرے کہ اس (میں) نے پانچ سو وصول کیا ہے۔

شہادت کے اتفاق واختلاف کا بیان

تشریح : اس عبارت میں شہادت کے متعلق اصول اور تفریع کردہ مسائل ذکر کئے گئے ہیں۔

واذا وقفت ...... لم تقبل : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قبولیت شہادت کے لئے ضروری ہے کہ وہ دعویٰ کے موافق ہو اگر ایسا نہیں ہے تو شہادت مقبول نہ ہوگی۔

ویعتبر ...... رحمه الله : امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شاہدین کا لفظی و معنوی دونوں اعتبار سے اتفاق ضروری ہے لیکن یہ اتفاق وضعی طور پر ہوں تضمنی طور پر نہ ہو۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف لفظی اتفاق کافی ہے۔

فان شهد اَحَدُهُمَا ...... تقبل بالالف : مسئلہ (۱) اوپر کے اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہوا ہے۔ کہ دو شاہدوں میں سے ایک نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی تو اس گواہی کی قبولیت اور عدم قبولیت میں احناف کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گواہی مقبول نہیں ہوگی کیونکہ دونوں میں اختلاف لفظی موجود ہے جو اختلاف معنوی پر دلالت کر رہا ہے۔ حضرات صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ شہادت مقبول ہے۔ کیونکہ دونوں کا ایک ہزار پر اتفاق ہے اس لئے کہ دو ہزار ایک ہزار کو متضمن ہے اور ایک گواہ زیادتی میں منفرد ہے تو جس پر اتفاق ہے یعنی ایک ہزار یہ ثابت ہوگا۔

وان شَهِدَ اَحدُھُمَا ...... شھادتھما بالف ٍ: مسئلہ (۲) اگر ایک نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے پندرہ سو کی گواہی دی اور مدعی کا دعویٰ پندرہ سو کا ہے تو بالاتفاق دونوں کی گواہی ایک ہزار پر مقبول ہوگی۔ کیونکہ دونوں گواہ کا لفظاً ومعناً ایک ہزار پر اتفاق ہے۔

واذا شھد بالفٍ ...... الخ : مسئلہ (۳) اگر دو گواہوں نے ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے کہا کہ وہ پانچ سو وصول کر چکا ہے تو بالاتفاق ایک ہزار پر دونوں کی گواہی مقبول ہوگی۔ اور اگر ایک گواہ کا یہ کہنا کہ وہ پانچ سو وصول کر چکا ہے نا قابل قبول ہے کیونکہ یہ ایک مستقل گواہی ہے اور گواہ صرف ایک ہے اور ایک کی گواہی غیر معتبر ہے البتہ اگر دوسرے گواہ نے بھی اس کے موافق گواہی دی تو گواہی مقبول ہوگی۔ اور جب گواہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مدعیٰ نے پانچ سوادا کر دیا ہے تو اب گواہ کیلئے مناسب یہ ہے کہ گواہی اس وقت دے جب مدعی اقرار کرے کہ اس نے پانچ سو وصول کر لیا ہے۔

واذا شَهِدَ شَاهِدَان اَنَّ زَيْداً قُتِلَ يَوْمَ النَّحْرِ بِمَكَّةَ وَ شَهِدَ اٰخرَان اَنَّهٗ قُتِلَ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْكُوْفَةِ وَ اجْتَمِعُوْا عِنْدَ الحَاكِمِ لَمْ يُقْبَلِ الشَّهَادَتَيْنِ فَاِنْ سَبَقَتْ اَحَدُهُمَا وَقُضِيَ بِهَا ثُمَّ حَضَرَتِ الْاُخْرىٰ لَمْ تُقْبَلُ وَ لَا يَسْمَعُ الْقَاضِيُ الشَّهَادَةَ عَلىٰ جَرْحٍ وَ لَا نَفْيٍ وَ لَا يَحْكُمُ بِذٰلِكَ اِلَّا مَااسْتَحَقَّ عَلَيْهِ وَ لَا يَجُوْزُ لِلشَاهِدِ اَنْ يَشْهَدَ بِشَيْئٍ لَمْ يُعَايِنْهُ اِلَّا النسب والمَوْتِ والنكاح والدخولِ وَ وِلَايَةِ القَاضِيْ فَاِنَّه يَسَعُهٗ اَنْ يَشْهَدَ بِهٰذِهِ الْاَشْيَاءِ اِذَا اَخْبَرَهٗ بِهَا مَنْ يَثِقُ بِه.

ترجمہ : اور اگر دو گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ زید قربانی کے دن مکہ میں قتل کیا گیا اور دوسرے نے گواہی دی کہ وہ قربانی کے دن کوفہ میں قتل کیا گیا اور یہ سب حاکم کے پاس جمع ہو گئے تو حاکم دونوں کی گواہی قبول نہ کرے اب اگر ان میں سے ایک گواہی پہلے ہو گئی تھی جس کا حاکم نے فیصلہ کر دیا تھا پھر دوسری گواہی دی گئی تو یہ قبول نہیں کی جائے گی اور قاضی جرح کے ہونے اور نہ ہونے پر شہادت کو نہ سنے اور نہ اس پر حکم لگائے مگر جس کا استحقاق ثابت ہو جائے اور شاہد کیلئے جائز نہیں ہے کہ ایسی چیز کی گواہی دے جس کو اس نے دیکھا نہیں ہے بجز نسب، موت، نکاح، دخول اور ولایت قاضی کے کہ شاہد ان چیزوں کی گواہی دے سکتا ہے بشرطیکہ قابل وثوق آدمی نے اس کی خبر دی۔

تشریح : یہ عبارت دو مسئلوں پر مشتمل ہے۔

واذا شاھدان ...... الا مااستحق علیه : مسئلہ (۱) چار گواہوں نے گواہی دی اور چاروں نے مکان قتل میں اختلاف کیا۔ مثلاً دو گواہوں نے گواہی دی کہ زید کو بقرعید کے روز مکہ مکرمہ میں قتل کیا گیا ہے اور دوسرے دو نے گواہی دی کہ زید بقرعید کے روز کوفہ میں قتل کیا گیا ہے۔ اور تمام گواہ حاکم کے دربار میں حاضر ہو گئے تو حاکم کو چاہئے کہ ان گواہوں کو رد کر دے۔ اگر ان میں سے ایک گواہی پہلے ہو گئی تھی اور اس کے متعلق قاضی فیصلہ کر چکا تھا پھر دوسری گواہی دی گئی تو اب قاضی اس گواہی کو قبول نہ کرے رد کر دے۔ اور ایسی گواہی جو جرح مجرد پر ہو یا جرح مجرد پر نہ ہو ایسی گواہی کو قاضی نہ تو سنے اور نہ اس پر فیصلہ کرے یہ احناف کے نزدیک ہے۔ اور امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسی

گواہی سنی جائے اور اس کے مطابق فیصلہ بھی کیا جائے۔ جرح مجرد سے مراد اس فسق کا اظہار ہے جو حق اللہ یا حق العبد کے اثبات سے خالی ہو اور اس پر مشہود علیہ سے دفع خصومت مرتب نہ ہو۔

ولا یجوز للشاهد الخ : مسئلہ (۲) شاہد نے جس چیز کو دیکھا نہ ہو اس کی گواہی نہ دے البتہ دس چیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں یعنی بلا دیکھے بھی ان کی گواہی دی جاسکتی ہے بشرطیکہ اس کو ایسا شخص بیان کرے جس پر بھرپور اعتماد ہو۔ (۱) نسب (۲) موت (۳) نکاح (۴) صحبت (۵) ولایت قاضی (ان پانچ چیزوں کو صاحب قدوری نے بیان کیا ہے) (۶) اصل وقف (۷) عتق (۸) ولاء (۹) مہر (۱۰) شرائط وقف۔ آخری پانچ دوسری کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

والشَّهَادَةُ علىٰ الشَّهَادَةِ جَائِزَةٌ فِيْ كُلِّ حَقٍّ لَا يَسْقط بالشبهةِ وَ لَا تُقْبَلُ فِيْ الحدود والقِصَاصِ وَ يَجُوْزُ شَهَادَةُ شَاهِدَيْنِ عَلىٰ شَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ وَاحِدٍ عَلىٰ شَهَادَةِ وَاحِدٍ وَ صِفَةُ الإِشْهَادِ اَنْ يَقُوْلَ شَاهد الاصلَ لِشَاهِدِ الفَرْعِ اِشْهَدْ عَلىٰ شَهَادَتِى اِنِّى اَشْهَدُ اَنَّ فُلَانَ بْنِ فُلَان اَقَرَّ عِنْدِىْ بِكَذَا واشهدنى على نفسه وان لم يقل وَاَشْهَدَنِى عَلىٰ نَفْسِهِ جَازَ وَ يَقُوْلُ شَاهِدُ الفَرْعِ عِنْدَ الاَدَاءِ اَشْهَدُ ان فلاناً اَقَرَّ عِنْدَهُ بِكَذَا وَ قَالَ لِىْ اِشْهَدْ عَلىٰ شَهَادَتِى بِذَالِكَ فَاَنَا اَشْهَدُ بِذَلِكَ و لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ شُهُوْدِ الفَرْعِ اِلَّا اَنْ يَمُوْتَ شُهُوْدَ الاَصْلِ اَوْ يَغِيبوا مَيْسَرَةِ ثلٰثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِداً اَوْ يَمْرِضُوْا مَرْضاً لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ معه حُضُوْرَ مَجْلِسِ الحَاكِمِ فَاِنْ عَدَّلَ شُهُود الاصلِ شُهُوْدُ الفَرْعِ جَازَ وَ اِنْ سكتوا عَنْ تَعْدِيْلِهِم جَازَ وَ يَنْظُرُ القَاضِى فِىْ حَالِهِمْ وَ اِنْ اَنْكَرَ شُهُوْدُ الاَصلِ الشَّهَادَةَ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَةُ شُهُوْدِ الفَرْعِ وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ فِىْ شَاهِدِ الزُوْرِ اُشَهِّرُهُ فِىْ الرق ولا اُعَزِّرُهُ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللهُ نُوْجِعهُ وَنَحْبِسُهُ.

ترجمہ : اور شہادت علی الشہادت ہر ایسے حق میں جائز ہے جو شبہ سے ساقط نہ ہو۔ اور شہادت علی الشہادت حدود اور قصاص میں قبول نہیں کی جائے گی اور دو گواہوں کا دو گواہوں کی گواہی پر گواہی دینا جائز ہے اور ایک کی گواہی ایک کی گواہی پر قبول نہیں کی جائے گی۔ اور گواہی کا طریقہ یہ ہے کہ شاہد اصل شاہد فروع سے کہے کہ تو میرے گواہی پر گواہ بن جا میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں بن فلاں نے میرے سامنے اتنے کا اقرار کیا اور مجھ کو اپنی ذات پر گواہی بنایا اور اگر ''اشہدنی علیٰ نفسہ'' نہ کہے تب بھی جائز ہے اور شاہد الفرع اداء شہادت کے وقت کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں شخص نے اس کے روبرو اتنے کا اقرار کیا اور مجھ سے کہا کہ تو میری گواہی پر اس کی گواہی دے پس میں اس کی گواہی دیتا ہوں اور شہود فرع کی گواہی قبول نہیں ہوگی مگر یہ کہ شہود اصل مرجائے یا تین دن یا اس سے زائد کی مسافت پر غائب ہو جائے یا اتنے زیادہ بیمار ہوں کہ اس کے ساتھ حاکم کی مجلس تک آنہ سکیں اگر شہود فرع شہود اصل کی تعدیل کرے تو جائز ہے اور اگر شہود فرع، شہود اصل کی تعدیل سے خاموش رہیں تو (یہ بھی) جائز ہے اور قاضی ان کے حالات میں غور کرے اور اگر شہود اصل گواہی سے انکار کریں تو شہود فرع کی گواہی مقبول نہیں ہوگی اور امام ابوحنیفہؒ نے جھوٹی گواہی دینے والے کے بارے میں فرمایا کہ میں بازار میں اس کی تشہیر

کروں گا اور اس کو سزا نہیں دونگا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ہم اسے خوب تکلیف دیں گے اور قید کریں گے۔

گواہی پر گواہی دینے کے بیان

تشریح : والشهادة ...... والقصاص : شہادۃ علی الشہادۃ صرف ان حقوق میں جائز ہے جو شبہ سے ساقط نہیں ہوتے چنانچہ حدود و قصاص ادنیٰ شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں اسلئے حدود و قصاص میں قبول نہیں کی جائے گی۔ واضح رہے کہ شہادۃ علی الشہادۃ کا جواز استحساناً ہے از روئے قیاس نہیں ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حدود و قصاص میں بھی جائز ہے۔

ویجوز شهادة ...... علیٰ الشهادةِ واحد : احناف کے نزدیک دو شاہدوں کی شہادت پر دوسرے دو شاہدوں کی شہادت جائز ہے البتہ ایک کی گواہی ایک کی گواہی پر قبول کی جائے گی امام شافعیؒ کے نزدیک جواز کے لئے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

وصفة الاشهادِ ...... اَشْهد بذٰلك : گواہ بنانے کا طریقہ بیان کیا جا رہا ہے۔ یہ ہے کہ شاہد اصل شاہد فرع سے کہے کہ تم میری گواہی پر گواہ ہو جاؤ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں بن فلاں نے میرے سامنے اتنے کا اقرار کیا ہے اور مجھ کو اپنی ذات پر گواہ بنایا اور اگر یہ جملہ ''اشہدنی علیٰ نفسہ'' نہ بھی استعمال کیا جب بھی گواہی درست ہو جائے گی اور شاہد فرع اداء شہادت کے وقت کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں شخص نے اس کے روبرو اتنے کا اقرار کیا اور مجھ سے کہا کہ تو میری اس گواہی پر گواہی دے اس لئے میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔

ولا تقبل شهادة ...... مجلس الحاكم : اگر شہود فرع نے شہود اصل کی گواہی دی تو یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی، ہاں قبولیت کی تین صورتیں ہیں (۱) یا تو شہود اصل کا انتقال ہو جائے (۲) تین دن یا اس سے زائد کی مسافت پر غائب ہو جائے (۳) اتنے سخت مرض کا شکار ہو جائے کہ جس کی وجہ سے حاکم کی مجلس میں نہ آسکے۔

فان عدل ...... شهادة شهود الفرع : اگر شہود فرع (نقلی گواہ) نے اصلی گواہ کے عادل ہونے کو بیان کیا تو شہادت قبول کی جائے گی اور اگر اس کے عادل ہونے کو بیان کرنے سے خاموش رہے جب بھی شہادت قبول کی جائے گی اور قاضی اصل گواہوں کے حالات پر غور کرے اب اگر اصل گواہ نقلی گواہوں کی گواہی کی تردید کر دیں تو نقلی گواہوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، امام محمدؒ کے نزدیک شہود فرع کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ شہود فرع پر صرف نقل شہادت واجب ہے نہ کہ تعدیل۔ اس لئے قاضی وقت شہود اصل کے حالات کی تفتیش کرے گا۔

وقال ابوحنيفة رحمه الله الخ : امام صاحب کے نزدیک اگر کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی بلکہ بازار میں یا اس کی قوم میں اس کی تشہیر کر دی جائے گی کہ یہ شخص جھوٹا ہے اس سے بچا جائے۔ صاحبینؒ کے نزدیک اس کی پٹائی بھی کی جائے گی اور اس کو قید بھی کیا جائے گا۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ سراجیہ میں امام صاحب کے قول پر فتویٰ ہے اور صاحب فتح القدیر نے صاحبین کا قول نقل کیا ہے۔

باب الرجوع عن الشهادة

شہادت سے رجوع کرنے کا بیان

اِذَا رَجَعَ الشُّهُوْدُ عَنْ شَهَادَتِهِمْ قَبْلَ الحُكْمِ بِهَا سَقَطَتْ شَهَادَتُهُمْ وَ لاَ ضَمَانَ عَلَيْهِمْ فَاِنْ حَكَمَ بِشَهَادَتِهِمْ ثُمَّ رَجَعُوا لَمْ يَفْسَخِ الحكمُ وَ وَجَبَ عَلَيْهِمْ ضَمَانُ مَا اَتْلَفُوْ بِشَهَادَتِهِمْ وَ لاَ يَصِحُّ الرُّجُوْعُ اِلَّا بِحَضْرَةِ الحَاكِمِ.

ترجمہ: اگر گواہ اپنی گواہی سے اس پر حکم ہونے سے پہلے پھر جائیں تو ان کی شہادت ساقط ہو جائے گی اور ان گواہوں پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا اور اگر قاضی نے ان کی شہادت پر حکم کر دیا پھر لوگوں نے رجوع کر لیا تو حکم فسخ نہیں ہوگا اور ان لوگوں پر اس چیز کا تاوان واجب ہوگا جس کو انہوں نے اپنی گواہی سے تلف کر دیا اور (شہادت سے) پھرنا درست نہیں مگر حاکم کے روبرو۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر گواہ قاضی کے فیصلہ سے پہلے اپنی گواہی سے رجوع کر لیں تو ان کی گواہی ساقط ہو جائے گی اور اس پر کوئی تاوان لازم نہیں آئے گا جو قاضی کے کسی حکم کے بعد لازم آتا ہے۔ اور اگر شاہدین سے قضاء قاضی کے بعد شہادت رجوع کر لیا تو اب قاضی کا حکم فسخ نہیں ہوگا بلکہ شاہدوں نے اپنی شہادت کے نتیجہ میں مشہود علیہ کا جو مال تلف کیا ہے وہ نقصان کا تاوان ادا کریں گے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس گواہی پر کوئی تاوان نہیں آئے گا۔

و لا یصح الرجوع الخ: یہ عبارت اس بات پر دال ہے کہ رجوع عن الشہادت کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ لوگ حاکم کی مجلس میں حاضر ہوں کیونکہ شہادت سے رجوع کا مطلب شہادت کو فسخ کرنا ہے اور جس طرح شہادت کے لئے مجلس قضا ضروری ہے اسی طرح شہادت کے فسخ کے لئے بھی مجلس قضا ضروری ہے۔

وَ اِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ بِمَالٍ فَحَكَمَ الحَاكِمُ بِهٖ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا المَالَ لِلْمَشْهُوْدِ عَلَيْهِ وَ اِنْ رَجَعَ اَحَدُهُمَا ضَمِنَ النِّصْفَ وَ اِنْ شَهِدَ بِالمَالِ ثَلٰثَةٌ فَرَجَعَ اَحَدُهُمْ فَلاَ ضَمَانَ عَلَيْهِ وَ اِنْ رَجَعَ آخَرُ ضَمِنَ الرَّاجِعَانِ نِصْفَ المَالِ وَ اِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَ اِمْرَأَتَانِ فَرَجَعَتْ اِمْرَأَةٌ ضَمِنَتْ رُبُعَ الحَقِّ وَ اِنْ رَجَعَتَا ضَمِنَتَا نِصْفَ الحَقِّ وَ اِنْ شَهِدَ رَجلٌ وَ عَشَرُ نِسْوَةٍ فَرَجَعَ ثَمَانُ نِسْوَةٍ مِنْهُنَّ فَلاَ ضَمَانَ عَلَيْهِنَّ فَاِنْ رَجَعَتْ اُخْرٰى كَانَ عَلَى النِّسْوَةِ رُبُعُ الحَقِّ فَاِنْ رَجَعَ الرَّجُلُ وَالنِّسَاءُ فَعَلَى الرَّجُلِ سُدُسُ الحَقِّ وَ عَلَى النِّسَاءِ خَمْسَةُ اَسْدَاسِهٖ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَ قَالاَ عَلَى الرَّجُلِ النصف وَ عَلَى النِّسْوَةِ النِّصْفُ.

ترجمہ: اور جب دو گواہوں نے کسی مال کی گواہی دی اور حاکم نے اس کے مطابق حکم کر دیا اس کے بعد دونوں

پھر گئے تو دونوں مشہود علیہ کے مال کے ضامن ہوں گے۔اور اگر ان میں سے ایک پھرا تو نصف کا ضامن ہوگا اور اگر تین آدمیوں نے مال کی گواہی دی اور ان میں سے ایک پھر گیا تو اس پر کوئی ضمان نہیں اور اگر دوسرا (بھی) پھر گیا تو دونوں رجوع کرنے والے نصف مال کے ضامن ہوں گے اور اگر ایک مرد اور دو عورتوں نے گواہی دی اور ایک عورت پھر گئی تو عورت چوتھائی حق کی ضامن ہوگی اور اگر دونوں نے رجوع کرلیا تو دونوں نصف حق کے ضامن ہوں گے اور اگر ایک اور دس عورتوں نے گواہی دی اس کے بعد ان میں سے آٹھ عورتیں پھر گئیں تو ان (آٹھوں) پر کوئی تاوان نہیں ہوگا اور اگر ایک دوسری عورت نے (ان ہی میں سے) رجوع کرلیا تو تمام عورتوں پر چوتھائی حق لازم ہوگا اگر مرد اور عورت سب نے رجوع کرلیا تو مرد پر حق کا چھٹا حصہ واجب ہوگا اور عورتوں پر پانچ حصے ہوں گے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مرد پر نصف حق ہوگا اور عورتوں پر نصف حق۔

تشریح : یہ عبارت پانچ مسئلوں پر مشتمل ہے۔

واذا شهد ...... للمشهود عليه : مسئلہ (۱) اگر دو گواہوں نے مال کی گواہی دی اور حاکم نے اس گواہی کے مطابق فیصلہ کردیا اس فیصلہ کے بعد دونوں گواہ نے رجوع کرلیا تو ایسی صورت میں گواہی کی وجہ سے مشہود علیہ کے مال کا جو نقصان ہوا ہے شاہدین اس کے ضامن ہوں گے۔

وان رجع احدهما ضمن النصف : مسئلہ (۲) اگر دونوں گواہوں میں سے ایک نے شہادت دینے کے بعد رجوع کرلیا تو رجوع کرنے والے پر نصف مال کا تاوان لازم آئے گا۔

وان شهد بالمال ...... نصف المال : مسئلہ (۳) اگر تین شخص نے مال کی گواہی دی ان میں سے ایک نے رجوع کرلیا تو اس پر کوئی تاوان لازم نہیں آئے گا لیکن اگر باقی دونوں میں سے ایک اور نے بھی رجوع کرلیا تو اب دونوں رجوع کرنے والے نصف مال کے ضامن ہوں گے۔

وان شهد رجل وامرأتان ...... نصف الحق : مسئلہ (۴) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

وان شهد ...... الخ : مسئلہ (۵) اگر ایک مرد اور دس عورتوں نے گواہی دی اور ان دس میں سے آٹھ عورتوں نے اپنی شہادت سے رجوع کرلیا تو ان عورتوں پر کوئی ضمان نہیں ہوگا لیکن اگر باقی دو میں سے ایک اور نے بھی اپنی شہادت سے رجوع کرلیا تو ایسی صورت میں تمام عورتوں پر چوتھائی حق کا تاوان لازم آئے گا۔اور اگر تمام نے اپنی شہادت سے رجوع کرلیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مال کے چھ حصے کرکے چھٹے حصے کا تاوان مرد کے ذمہ لازم آئے گا اور باقی پانچ حصہ عورتوں پر لازم آئے گا اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک نصف مال کا تاوان مرد پر ہوگا اور نصف مال کا تاوان عورتوں پر آئے گا۔

نوٹ: احناف کے نزدیک قسم سے رجوع کرنے والوں کا اعتبار نہیں ہوتا ہے بلکہ جو بچے ہوتے ہیں ان کا اعتبار ہوتا ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قسم سے رجوع کرنے والوں کا اعتبار ہوتا ہے۔

وَاِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ عَلَىٰ اِمْرَأَةٍ بِالنِّكَاحِ بِمِقْدَارِ مَهْرِ مِثْلِهَا اَوْ اَكْثَرَ ثُمَّ رَجَعَا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا وَ اِنْ شَهِدَ بِاَقَلَّ مِنْ مَهْرِ الْمِثْلِ ثُمَّ رَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا النُّقْصَانَ وَ كَذٰلِكَ اِذَا شَهِدَ عَلَىٰ رَجُلٍ بِتَزْوِيْجِ اِمْرَأَةٍ بِمِقْدَارِ مَهْرِ مِثْلِهَا اَوْ اَقَلَّ وَ اِنْ شَهِدَا بِاَكْثَرَ مِنْ مَهْرِ الْمِثْلِ ثُمَّ

رَجَعَا ضَمِنَا الزِّيَادَةَ وَ اِنْ شَهِدَا بِبَيْعِ شَئٍ بِمِثْلِ القِيْمَةِ اَوْاَكْثَر ثُمَّ رَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا وَ اِنْ كَانَ بِاَقَلِّ مِنَ القِيْمَةِ ضَمِنَا النُّقْصَانَ وَ اِنْ شَهِدَا عَلىٰ رَجُلٍ اَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرأتَهُ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا نِصْفَ المَهْرِ وَ اِنْ كَانَ بَعْدَ الدُّخُوْلِ لَمْ يَضْمَنَا وَ اِنْ شَهِدَ ا اَنَّهُ اَعْتَقَ عَبْدَهُ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا قِيْمَتَهُ وَ اِنْ شَهِدَا بِقِصَاص ثُمَّ رَجَعَا بَعْدَ القَتْلِ ضَمِنَا الدِّيَةَ وَ لَمْ يُقْتَصَّ مِنْهُمَا.

ترجمہ : اور اگر دو گواہوں نے کسی عورت کا نکاح مہر مثل یا اس سے زائد مقدار پر ہونے پر شہادت دی پھر وہ دونوں گواہی سے پھر گئے تو ان دونوں پر کوئی تاوان نہیں ہے اور اگر مہر مثل سے کم پر گواہی دی پھر گواہ پھر گئے تو یہ اس کی کے ضامن نہیں ہوں گے۔ اور اسی طرح اگر دو گواہوں نے کسی مرد کے کسی عورت سے مہر مثل یا اس سے کم مقدار پر نکاح کرنے کی گواہی دی اور اگر مہر مثل سے زائد کی گواہی دی پھر وہ دونوں شہادت سے پھر گئے تو دونوں زیادتی کے ضامن ہوں گے اور اگر دو گواہوں نے کسی چیز کے مثل قیمت یا اس سے زائد پر فروخت کرنے کی گواہی دی پھر دونوں شہادت سے پھر گئے تو دونوں ضامن نہیں ہوں گے اور اگر کم قیمت کی گواہی دی تو دونوں نقصان کے ضامن ہوں گے اور اگر دو گواہوں نے کسی شخص کے خلاف گواہی دی کہ اس نے اپنی عورت کو قبل الدخول طلاق دیدی پھر دونوں پھر گئے تو دونوں نصف مہر کے ضامن ہوں گے اور اگر بعد الدخول طلاق دی تو دونوں ضامن نہیں ہوں گے۔ اور اگر دونوں نے گواہی دی کہ فلاں شخص نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا پھر دونوں شہادت سے پھر گئے تو دونوں غلام کی قیمت کے ضامن ہوں گے۔ اور اگر دونوں گواہوں نے قصاص کی گواہی دی اس کے بعد دنوں قتل کے بعد شہات سے پھر گئے تو دونوں گواہ دیت کے ضامن ہوں گے اور ان دونوں سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

تشریح : **وان شهد شاهدان ...... ضمناالزيادة :** اس عبارت میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے ترجمہ سے واضح ہے۔

وان شهدا ...... ضمن النقصان : مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

وان شهدا علىٰ رجل ...... لم يضمنا: مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

وان شهد انه اعتق ...... قيمته : مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

وان شهد القصاص الخ : مسئلہ:۔ دو شخصوں نے گواہی دی کہ راشد نے مہتاب کو قتل کر دیا جج نے ان کی گواہی کی وجہ سے راشد کے قتل کا حکم صادر کر دیا راشد قتل بھی کر دیا گیا اس قتل کے بعد دونوں گواہوں نے گواہی واپس لے لی تو دونوں پر دیت لازم آئے گی قصاص نہیں لیا جائے گا امام شافعیؒ کے نزدیک قصاص لیا جائے گا۔

واذا رجع شهود الفرع ضمنوا وَ اِنْ رَجَعَ شُهُوْدُ الاَصْلِ وَ قَالُوْ لَمْ نُشْهِدْ شُهُوْدَ الفَرْعِ عَلىٰ شَهَادَتِنَا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمْ وَ اِنْ قَالُوا اَشْهَدنَا هُمْ وَ غَلِطْنَا ضَمِنُوْا وَ اِنْ قَالَ شُهُوْدُ الفَرْعِ كَذَبَ شُهُوْدُ الاَصْلِ اَوْ غَلِطُوْ فِيْ شَهَادَتِهِمْ لَمْ يُلْتَفَتْ اِلىٰ ذٰلِكَ وَ اِذَا شَهِدَ اَرْبَعَةٌ بِالزِنَا وَ شَاهِدَانِ بِالاِحْصَانِ فَرَجَعَ شُهُوْدُ الاِحْصَانِ لَمْ يَضْمَنُوا وَ اِذَا رَجَعَ

الْمُزَكُّوْنَ عَنِ التَّزْكِيَةِ ضَمِنُوا وَ اِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ بِالْيَمِيْنِ وَ شَاهِدَانِ بِوُجُوْدِ الشَّرْطِ ثُمَّ رَجَعُوْا فَالضَّمَانُ عَلٰى شُهُوْدِ الْيَمِيْنِ خَاصَّةً.

ترجمہ : اگر نقلی گواہ پھر جائیں تو ضامن ہوں گے اور اگر اصلی گواہ پھر جائیں اور کہیں کہ ہم نے نقلی گواہوں کو اپنی گواہی پر گواہ نہیں بنایا ہے تو اصلی گواہوں پر کوئی ضمان نہیں ہوگا اور اصلی گواہوں نے کہا کہ ہم نے نقلی گواہوں کو گواہ بنایا مگر ہم نے غلطی کی تو (اصل گواہ) ضامن ہوں گے۔ اور اگر نقلی گواہوں نے کہا کہ اصلی گواہوں نے جھوٹ بولا ہے یا انہوں نے اپنی گواہی میں غلطی کی ہے تو نقلی گواہوں کی (بات) کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی۔ اور اگر چار گواہوں نے زنا کی گواہی دی اور دو گواہوں نے محصن ہونے کی گواہی دی اس کے بعد احصان کے گواہ (اپنی گواہی سے) پھر گئے تو یہ لوگ ضامن نہیں ہوں گے۔ اور اگر مزکی لوگوں (گواہوں کی عدالت ظاہر کرنے والوں) نے تزکیہ (تعدیل سے) رجوع کرلیا تو ضامن ہوں گے۔ اگر دو گواہوں نے قسم کی گواہی دی اور دو نے شرط کے پائے جانے کی اس کے بعد سب پھر گئے تو ضمان بالخصوص قسم کے گواہوں پر ہوگا۔

تشریح : یہ عبارت چھ مسئلوں پر مشتمل ہے۔

واِذَا رَجَعَ شُهُود الفرع ضمنوا : مسئلہ (۱) اگر نقلی گواہوں نے کسی کے بارے میں گواہی دی اور قاضی نے گواہی پر فیصلہ کردیا اس کے بعد گواہوں نے گواہی واپس لے لی تو مشہود علیہ کا جو نقصان ہوا ہے اس کا تاوان نقلی گواہوں کے ذمہ واجب ہوگا۔

وان رجع شهود الاصل ...... ضمنوا : مسئلہ (۲) اگر شہود اصل نے گواہی دی اور اس کے بعد انہوں نے گواہی واپس لے لی اور کہنے لگے کہ ہم نے نقلی گواہوں کو اپنی شہادت پر گواہ نہیں بنایا ہے تو ایسی صورت میں شہود اصل پر کوئی تاوان لازم نہیں آئے گا۔ لیکن اگر شہود اصل نے اقرار کیا کہ ہم نے نقلی گواہوں کو اپنی شہادت پر گواہ بنایا مگر ہم نے ایسا کر کے غلطی کی تو ایسی صورت میں شہود اصل پر تاوان لازم آئے گا۔ لزوم تاوان امام محمدؒ کا مسلک ہے۔ اور حضرات شیخینؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی کوئی ضمان نہیں ہے۔ (الجوہرہ ج ۲ ص ۳۳)

وان قالَ شُهُوْدُ الفرع ...... لم يلتفت الىٰ ذالك : مسئلہ (۳) اگر شہود فرع نے کہا کہ شہود اصل نے جھوٹ بولا ہے یا ان لوگوں نے شہادت میں غلطی کی ہے تو ایسے وقت میں شہود فرع کی گفتگو کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی۔

واِذَا شهد اربعة ...... لم يضمنوا : مسئلہ (۴) اگر چار گواہوں نے زنا کی گواہی دی اور دو گواہوں نے زانی کے محصن ہونے کی گواہی دی لیکن اس کے بعد محصن ہونے کی گواہی دینے والوں نے اس گواہی سے رجوع کرلیا تو ان دونوں پر کوئی تاوان نہیں ہے کیونکہ علت رجم زنا ہے، احصان نہیں ہے۔

وَ اِذَا رَجَعَ المزكون ...... ضمنوا : مسئلہ (۵) اس کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے لزوم ضمان امام اعظمؒ کے نزدیک ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک کوئی ضمان نہیں ہے۔

وَ اِذَا شهد شاهدان الخ : مسئلہ (۶) دو گواہوں نے گواہی دی کہ شوہر نے اپنی بیوی کی طلاق کو دخول دار پر معلق کردیا اس کے بعد دوسرے دو گواہوں نے وجود شرط یعنی دخول دار کی گواہی دی اور قاضی نے طلاق کا فیصلہ کردیا اس کے بعد

سب نے اپنی گواہی سے رجوع کرلیا تو تاوان شہود یمین پر ہوگا نہ کہ شہود شرط پر۔

کتاب آداب القاضی

قاضی کے آداب کا بیان

لا تَصِحُّ وِلَايَةُ القَاضِي حَتّٰى يَجْتَمِعَ فِيْ المُوَلّٰى شرائطُ الشهادَةِ وَ يَكُوْنَ مِنْ اَهْلِ الِاجْتِهَادِ وَ لَا بَاسَ بِالدُّخُوْلِ فِيْ القَضَاءِ لِمَنْ يَثِقُ بِنَفْسِهِ اَنَّهٗ يؤدى فَرْضَهٗ وَ يكره الدُّخُوْلُ فِيْهِ لِمَنْ يخاف العِجْزَ عَنْهُ وَ لَا يَامَنُ عَلىٰ نَفْسِهِ الحَيْفَ وَ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَطْلُبَ الوِلَايَةَ وَ لَا يَسْأَلَهَا.

ترجمہ: قاضی کی ولایت درست نہیں ہوگی یہاں تک کہ حاکم (قاضی) میں شہادت کی شرائط جمع ہوں اور قاضی اہل اجتہاد میں سے ہو اور دخول فی القضاء (قاضی ہونے میں) ایسے شخص کیلئے کوئی مضائقہ نہیں ہے جس کو اپنی ذات پر بھروسہ ہو کہ وہ قضاء کے فرائض ادا کردے گا اور دخول فی القضاء اس شخص کے لئے مکروہ (تحریمی) ہے جس کو قضاء سے عاجز ہونے کا اندیشہ ہو اور اپنی ذات پر حکم قضاء میں ظلم سے محفوظ نہ ہو اور آدمی کے لئے مناسب یہ ہے کہ (دل سے) ولایت کو طلب نہ کرے اور نہ (زبان سے) اس کی درخواست کرے۔

تشریح: **ولاتصح اهل الاجتهاد**: قاضی بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ جس کو قاضی بنایا جارہا ہے اس کے اندر شہادت اور اجتہاد کی اہلیت موجود ہو۔ گواہی کے شرائط میں سے یہ ہے کہ گواہ عاقل مسلمان عادل اور بینا ہو۔ گفتگو کرتا ہو، سننے کی صلاحیت ہو، گواہی کے لائق کا مطلب یہ ہے کہ اس کی گواہی دوسروں پر نافذ ہو خواہ مشہود علیہ راضی ہو یا راضی نہ ہو۔

اجتہاد کی اہلیت کا مطلب یہ ہے اس شخص کے اندر اجتہاد کی صلاحیت ہو قرآن وسنت پر نظر ہو ناسخ ومنسوخ سے واقف ہو، عام وخاص سے بھی واقف ہو۔

ولا باس بالدخول ...... الحيف فيه: جس شخص کو اپنی ذات پر بھرپور اعتماد ہو کہ اگر اس کو منصب قضا سونپا جائے تو اس کو پوری ذمہ داری کے ساتھ اس کے فرائض کو ادا کرے گا تو اس کے لئے قاضی بننے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ چنانچہ اگر ایسا شخص عہدۂ قضاء کے لئے متعین ہوگیا، اور کوئی دوسرا شخص اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے عہدۂ قضاء کا قبول کرنا فرض عین ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا موجود ہے تو فرض کفایہ ہے۔ اور جس شخص کو ادائیگی فرائض میں عجز کا اندیشہ ہو اور حکم قضاء میں اپنی ذات پر ظلم کا اندیشہ ہو تو اس کو قاضی بننا مکروہ تحریمی ہے (اور اگر ظن غالب ہو تو حرام ہے)

ولا ينبغي ان يطلب الخ: مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

وَ مَنْ قُلِّدَ القَضَاءَ سُلِّمَ اِلَيْهِ دِيْوَانُ القَاضِي الذى كَانَ قَبله وَ يَنْظر فِيْ حَالِ المَحْبُوْسِيْنَ فَمَنْ اعْتَرَفَ مِنْهُمْ بِحَقٍّ اَلْزَمَهٗ اِيَّاهُ وَمَنْ اَنْكَرَ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُ المَعْزُوْلِ عَلَيْهِ اِلَّا بِبينة فَاِنْ لَمْ تَقُمْ بينةٌ لَمْ يُجْعَلْ بِتَخْلِيَتِهٖ حَتّٰى ينادى عَلَيْهِ وَ يَسْتَظْهِرَ فِيْ اَمْرِهٖ وَ يَنْظُرُ فِيْ الردائعِ

وَ ارْتِفَاعِ الوُقُوْفِ فیعمل علیٰ حَسْبِ مَا تَقُوْمُ بِهِ البینةُ اَوْ یعترف بِهِ من هو فِیْ یَدِهٖ وَ لَا یُقْبَلُ قَوْلُ المَعْزُوْلِ اِلَّا اَنْ یَعْتَرِفَ الذی هُوَ فِیْ یَدِهٖ اَنَّ المَعْزول سلمها اِلَیْهِ فیقبل قوله فِیْهَا وَ یَجْلِسُ للحکمِ جلوْساً ظَاهِراً فِی المَسْجِدِ وَ لَا یقبل هدیة اِلَّا مِنْ ذِیْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ اَوْ مِمَّنْ جَرَتْ عَادَتُهٗ قَبْلَ القَضَاءِ بِمُهَادَاتِهٖ وَ لَایَحْضُرُ دَعْوَةً اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ عَامَّةً وَ یشهد الجَنَائِزَ وَ یَعُوْدَ المَرْضیٰ وَلَا یَضیف احد الخصمَیْنِ دُوْنَ خَصْمِهٖ فَاِنْ حَضَرَا سَوّی بَیْنَهُمَا فِی الْجُلُوْسِ وَ الاِقْبَالِ وَ لا یُسَارُّ اَحَدَهُمَا وَ لَا یُشِیْرَ اِلَیْهِ وَ لَا یلقنه حُجَّةً

ترجمہ: اور جو شخص کی قاضی مقرر کیا گیا تو سابق قاضی کے رجسٹر اس کے حوالہ کردئے جائیں اور یہ قاضی قیدیوں کے حالات کے بارے میں غور کرے تو ان قیدیوں میں سے جس نے بھی عائد کردہ حق کا اعتراف کرلیا اس کو اس پر لازم کردے اور جو انکار کرے تو قاضی معزول علیہ کا قول تسلیم نہ کرے مگر بینہ کے ساتھ۔ اگر بینہ قائم نہ ہو تو اس کے رہا کرنے میں عجلت نہ کرے یہاں تک کہ منادی کرائے اور اس کے معاملے میں انتظار کرے۔ اور ودیعتوں اور اوقات کی آمدنیوں میں غور کرے اور جس طریقہ پر گواہ قائم ہوں اس کے مطابق عمل کرے یا جس کے قبضہ میں ہو وہ اس کا اعتراف کرے۔ اور معزول قاضی کی بات نہ مانے مگر یہ کہ جس شخص کے قبضہ میں ودیعتیں ہیں وہ اس کا اقرار کرے کہ معزول قاضی نے ودیعتیں اس کے حوالہ کی تھی تو معزول قاضی کا قول ودائع کے بارے میں قبول کیا جائے گا اور نیا قاضی مسجد میں فیصلے کے لئے جلوس ظاہری کے ساتھ بیٹھے اور قاضی ہدیہ قبول نہ کرے سوائے اپنے ذی رحم محرم کے یا ایسے شخص سے جس کے ساتھ قاضی ہونے سے پہلے سے ہدیہ کے لین دین کی عادت جاری تھی اور کسی دعوت میں شریک نہ ہو مگر یہ کہ دعوت عام ہو۔ جنازہ میں شریک ہو، مریض کی عیادت کرے اور متخاصمین میں سے ایک کی مہمان نوازی نہ کرے ایک کو چھوڑ کر (مدعی اور مدعیٰ علیہ میں سے ایک کی دعوت کرے اور ایک کی نہ کرے ایسا کرنا قاضی کے لئے مناسب نہیں ہے) اور جب دونوں (عدالت میں) آجائیں تو بٹھلانے اور توجہ کرنے میں برابری کرے اور کسی ایک کے ساتھ سرگوشی نہ کرے، نہ اس کی طرف کوئی اشارہ کرے اور نہ اس کو کوئی حجت سکھائے۔

حل لغات: قلد. تقلیداً: قاضی بنانا، دیوان، دفتر، رجسٹر۔ محبوسین: حالت جری میں محبوس کی جمع ہے، قیدی۔ یستظهر: یہ منتظر کے معنی میں ہے۔ ودائع. ودیعت کی جمع ہے۔ ارتفاع: آمدنی، مراد غلہ ہے۔ مهاداة: ایک دوسرے کو ہدیہ دینا۔ جنائز: یہ جنازہ کی جمع ہے۔ اقبال علیٰ امرٍ: متوجہ ہونا، توجہ۔ یسار: باب مفاعلة سے سرگوشی کرنا۔ یلقنه: باب تفعیل سے ہے سکھانا۔

تشریح: ومن قلد ...... فیقبل قوله: یہاں تک عبارت ترجمہ سے واضح ہے۔

ویجلس للحکم ......فی المسجد: قاضی فیصلہ کیلئے مسجد میں یا اپنے گھر میں بیٹھے، امام شافعیؒ کے نزدیک فیصلہ کے لئے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے۔

ولا یقبل هدیة ...... دون خصمة: عبارت ترجمہ سے واضح ہے۔

فاذا حضر سوی الخ: عبارت ترجمہ سے واضح ہے۔ بس اس موقع پر اتنا واضح رہے کہ شاہد کو حجۃ کی عدم تلقین کا

حکم حضرات طرفین کے نزدیک ہے۔ کیونکہ اس میں اور متخاصمین میں سے ایک کی اعانت ہے جو محل تہمت ہے۔ امام ابو یوسف اور ایک قول میں امام شافعیؒ کے نزدیک شاہد کو دلائل کی تلقین کرے مگر یہ حکم اس وقت ہے جب کہ شاہد پر ہیبت طاری ہو اور وہ اچھی طرح شرائط شہادت ادا نہ کر سکے۔ اور یہ تلقین محل تہمت نہ ہو۔ بزازیہ اور قنفیہ وغیرہ میں ہے کہ متعلقات قضا میں فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے مگر یہ اکثری ہے کلی نہیں ہے۔

فَاِذَا ثَبَتَ الحَقُّ عِنْدَهٗ وَ طَلَبَ صَاحِبُ الحَقِّ حَبْسَ غَرِيْمِهٖ لَمْ يُعْجَلْ بِحَبْسِهٖ وَ اَمَرَهٗ بِدَفْعِ مَا عَلَيْهِ فَاِنْ امْتَنَعَ حَبَسَهٗ فِيْ كُلِّ دَيْنٍ لَزِمَهٗ بَدَلاً مِنْ مَالٍ حَصَلَ فِيْ يَدِهٖ كَثَمَنِ المَبِيْعِ وَ بَدَلِ القَرْضِ اَوْ التَزَمَهٗ بِعَقْدٍ كَالمَهْرِ و الكِفَالَةِ وَ لَا يَحْبِسُهٗ فِيْمَا سِوىٰ اِذَا قَالَ اِنِّيْ فَقِيْرٌ الا اَنْ يُثْبِتَ غَرِيْمُهٗ اَنَّ لَهٗ مَالاً وَ يَحْبِسُهٗ شَهْرَيْنِ اَوْ ثَلٰثَةً ثُمَّ يَسأَلُ عَنْهُ فَاِنْ لَمْ يَظْهَرْ لَهٗ مَالٌ خَلّٰى سَبِيْلَهٗ وَلَا يَحُوْلُ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ غُرَمَائِهٖ وَ يُحْبَسُ الرَّجُلُ فِيْ نَفَقَةِ زَوْجَتِهٖ وَلَا يُحْبَسُ والِدٌ فِيْ دَيْنِ وَلَدِهٖ اِلَّا اِذَا امْتَنَعَ مِنَ الاِنْفَاقِ عَلَيْهِ وَ يَجُوزُ قَضَاءُ المَرْأَةِ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا فِي الحُدُوْدِ و القِصَاصِ۔

ترجمہ : اور جب قاضی کے نزدیک (مدعی کا) حق ثابت ہو جائے اور صاحب حق مقروض (مدعیٰ علیہ) کے قید کرنے کا مطالبہ کرے تو (قاضی) اس کے قید کرنے میں جلدی نہ کرے اور اس کو اس حق کی ادائیگی کا حکم کرے جو اس پر لازم ہے اب اگر (ادائیگی) سے باز رہے تو اس کو ہر ایسے قرض میں گرفتار کرے جو اس مال کے عوض میں لازم ہوا ہو جو اس کو حاصل ہوا ہے جیسے مبیع کی قیمت یا بدل قرض یا کسی عقد کی وجہ سے اس کو لازم ہوا ہے جیسے مہر، عقد کفالت اور مذکورہ قرض کے علاوہ کسی حق کے عوض میں اس کو قید نہ کرے کہ وہ دعویٰ بھی کرے کہ میں فقیر ہوں مگر (اس صورت میں) کہ قرض خواہ (گواہ سے) ثابت کرے کہ اس کے پاس مال موجود ہے تو قاضی اس کو دو یا تین ماہ قید رکھے پھر اس کے متعلق دریافت کرے اب اگر ظاہر نہ ہو کہ اس کے پاس مال ہے تو اس کا راستہ چھوڑ دے یعنی اس کو رہا کر دے اور اس کے اور قرض خواہ کے درمیان حائل نہ ہو اور شوہر کو اپنی بیوی کے نفقہ (سے باز رہنے) کی وجہ سے قید کیا جائے گا اور والد کو اپنے بیٹے کے قرض میں قید نہیں کیا جائے گا مگر (اس وقت قید کیا جائے گا) جب کہ اپنے بیٹے پر خرچ کرنے سے باز رہے۔ اور عورت کا قاضی ہونا سوائے حدود و قصاص کے ہر چیز میں جائز ہے۔ یعنی عورت حدود و قصاص کے علاوہ ہر معاملہ میں قاضی بن سکتی ہے۔

قید کرنے کے احکام

حل لغات : غریم: قرض دار۔ خلی سبیلہ: اس کا راستہ چھوڑ دے یعنی اس کو رہا کر دے۔ یحول: حال یحول حولاً۔ حائل ہونا۔ غرماء: یہ غریم کی جمع ہے۔ الانفاق: افعال سے، خرچ کرنا۔

تشریح : فَاِذَا ثبت الحق ...... کالمهر و الکفالة : پوری عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح اور بین القوسین کی عبارت سے واضح ہے۔

ولا یحبسه ...... خلّٰی سبیله : اگر مدعی کا حق مذکورہ چار چیزوں کے علاوہ میں ثابت ہوتا ہے مثلاً بدل خلع، بدل

مغصوب، ضائع کردہ چیزوں کا عوض، قتل عمد کا بدل، حصہ دار کے حصہ کے آزاد کرنے کا بدل، ارش، جنایت، قرابت دار کا نفقہ، بیوی کا نفقہ، مہر مؤجل میں اور مدعیٰ علیہ اپنی تنگی کا دعوی نہ کرے تو قاضی فی الحال اس کو قید نہ کرے بلکہ مدعی کے ثابت کرنے پر موقوف کردے اب اگر مدعی اس کی مالداری کے دعوی کو ثابت کردے تو ایسی صورت میں قاضی مدعی علیہ کو اپنی صواب دید پر دو یا تین ماہ کے لئے قید کردے اس کے بعد اسی دوران اس کے متعلق تحقیق جاری رکھے کہ آیا اس کے پاس مال ہے یا نہیں اگر مالداری ثابت ہوجاتی ہے تو اس کو قید میں باقی رکھیں لیکن اگر اس کے پاس مال ظاہر نہ ہو تو قاضی اس کو رہا کردے اب اس کے بعد روکنا ظلم ہے۔

ولا يحول بينه وبين غرمائه : اب جب مدعیٰ علیہ قید خانہ سے رہا کردیا گیا تو اگر صاحب حق اس کے ساتھ لگے رہنا چاہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قاضی ان کو منع نہ کرے تاکہ اگر اس کے پاس مال فراہم ہوجائے تو اس کو چھپا نہ سکے۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر مدعی مدعیٰ علیہ کا پیچھا کریں تو ان کو منع کردے۔

ويحبس الرجل في نفقة زوجته : عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

ولا يحبس والد ..... عليه : عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

ويجوز قضاء المرأة الخ : عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

وَيُقْبَلُ كِتَابُ الْقَاضِي اِلَى الْقَاضِيْ فِي الْحُقُوقِ اِذَا شَهِدَ بِه عِنْدَهُ فَاِنْ شَهِدُوا عَلٰى خَصْمٍ حَاضِرٍ حكم بالشهادةِ وَكتب بحكمه وَ اِنْ شَهِدُوا بِغَيْرِ حَضْرَةِ خَصْمِهٖ لَمْ يَحْكُمْ وَ كَتَبَ بِالشَّهَادَةِ يَحْكُمُ بِهَا الْمَكْتُوبِ اِلَيْهِ وَ لَا يُقْبَلُ الْكِتَابُ اِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَامْرَأتَيْنِ وَ يَجِبُ اَنْ يَقْرَأَ الْكِتَابَ عَلَيْهِمْ لِيَعْرِفُوا مَافِيْهِ ثُمَّ يَخْتِمُهُ وَ يُسَلِّمُهُ اِلَيْهِمْ وَ اِذَا وَصَلَ اِلَى الْقَاضِيْ لَمْ يَقْبَلْهُ اِلَّا بِحَضْرَةِ الْخَصْمِ فَاِذَا سَلَّمَهُ الشُّهُوْدُ اِلَيْهِ نَظَرَ اِلٰى خَتْمِهٖ فَاِذَا شَهِدُوْا اَنَّهُ كتاب فُلَانِ الْقَاضِي سَلَّمَهُ اِلَيْنَا فِيْ مَجْلِسِ حُكْمِهٖ وَ قَضَائِهٖ وَ قَرَأهُ عَلَيْنَا وَ خَتَمَهُ فتحهُ الْقَاضِيْ وَ قَرَأهُ عَلَى الْخَصْمِ وَ اَلْزَمَهُ مَافِيْهِ.

ترجمہ : ایک قاضی کا خط (دوسرے) قاضی کے نام تمام حقوق میں قبول کیا جائے گا بشرطیکہ قاضی کے سامنے (دو گواہ) اس خط کی گواہی دیں (کہ یہ خط اسی قاضی کا ہے کسی دوسرے کا نہیں ہے) اب اگر گواہوں نے خصم حاضر پر گواہی دی تو قاضی گواہی کی وجہ سے حکم لگادے اور اپنا حکم لکھدے۔ اور اگر گواہوں نے بغیر خصم (مدعیٰ علیہ) کے گواہی دیدی تو قاضی حکم نہ لگائے بلکہ صرف شہادت تحریر کردے تاکہ مکتوب الیہ قاضی گواہی کے موافق حکم دے اور خط نہیں قبول کیا جائے گا مگر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے اور ضروری ہے خط کو گواہوں کے سامنے پڑھے تاکہ وہ لوگ اس کا مضمون جان لیں پھر مہر لگا کر ان کے حوالہ کردے اور جب خط قاضی کے پاس پہونچ جائے تو قاضی اس کو قبول نہ کرے مگر مدعیٰ علیہ کی موجودگی میں اور جب گواہ اس خط کو قاضی کے حوالہ کردیں تو قاضی اس کی مہر کو دیکھے اور جب گواہ گواہی دیں کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے جو اس نے ہم کو اپنی مجلس حکم اور مجلس قضاء میں دیا ہے اور اس کو اس نے ہمارے سامنے پڑھا ہے اور اس پر مہر لگائی ہے اب قاضی اس کو

کھولے اور اس کو مدعیٰ علیہ کے سامنے پڑھے اور اس خط میں جو (کچھ تحریر) ہو اس کو مدعیٰ علیہ پر لازم کرے۔

ایک قاضی کی طرف سے دوسرے قاضی کے نام خط تحریر کرنے کا بیان

تشریح : اصل مضمون سے قبل چند سطریں تمہیدی طور پر تحریر کی جارہی ہیں۔

بسا اوقات آدمی کو یہ قدرت میسر نہیں ہوتی کہ اپنے گواہوں اور مدعی علیہ کو جمع کرے مثلاً گواہ ایک شہر میں ہیں اور مدعا علیہ دوسرے شہر میں ہے اور مدعی کیلئے ان سب کا جمع کرنا مشکل ہو تو مدعی نے قاضی کے سامنے گواہوں کی گواہی ادا کردی اب قاضی سے لکھا کر دوسرے قاضی کے سامنے گیا جہاں مدعیٰ علیہ موجود ہے تو ایسا خط لکھنا جائز ہے تاکہ حق دار کو اس کا حق پہونچ جائے۔ اس عبارت سے ذیل کی عبارت سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ویقبل کتاب القاضی الیٰ القاضی فِی الحقوق : اعیان منقولہ اور ایسے حقوق جو شبہ کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتے ہیں اس کے متعلق ایک قاضی کا دوسرے قاضی کے نام خط لکھنا جائز ہے جیسے دین، نکاح، طلاق، شفعہ، وکالت، وصیت، وراثت، موت، قتل موجب مال، نسب، غصب، امانت، مضاربت، عاریت، زمین، کپڑا، غلام، باندی وغیرہ۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ایسا خط قبول کیا جائے گا بشرطیکہ لانے والے گواہ اس خط کی شہادت دیں کہ یہ خط قاضی صاحب کا ہے۔ اور سقوط بالشبہ کی قید کا منشاء یہ ہے کہ حدود وقصاص اس سے خارج ہیں اس لئے ایسے خط پر عمل ناجائز ہے جس میں ان دونوں چیزوں کا تذکرہ ہو کیونکہ یہ ایسے حقوق ہیں جو شبہ کی وجہ سے ساقط ہوجاتے ہیں۔

اِذا شهد به عنده الخ : اگر گواہ خصم حاضر (مدعی علیہ) کے سامنے گواہی دیں تو قاضی شہادت کی بنیاد پر اپنے حکم کو قلمبند کرے اور اگر گواہ گواہی دیں اور خصم حاضر نہ ہو تو قاضی اس پر حکم نہ کرے بلکہ وہ گواہی اس قاضی کے پاس تحریر کرکے ارسال کردے جس کی حکمرانی میں خصم موجود ہے تاکہ مکتوب اور قاضی اس گواہی کے مطابق فیصلہ کرے۔ قاضی تحریر بھیجنے سے قبل اس کو گواہوں کے سامنے پڑھے جو اس تحریر کو دوسرے قاضی کے پاس لے جائیں گے اور اپنی مہر لگا کر ان کو حوالہ کرے۔

قاضی کا خط کو گواہوں کے سامنے پڑھنا اور اس پر مہر لگانا یہ شرطیں حضرات طرفینؒ کے نزدیک ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کے قول مرجوع الیہ میں صرف ان گواہوں کو اس بات کا گواہ بنانا ہے کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے۔ اب جب یہ خط مکتوب الیہ قاضی کو مل جائے تو اس خط کو خصم اور گواہوں کی عدم موجودگی میں نہ پڑھے بلکہ ان کا حاضر کرنا ضروری ہے۔ اور جب خط لانے والے گواہ گواہی دیں کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے اس نے ہم کو اپنی مجلس قضا میں دیا ہے اور اس کو پڑھ کر سنایا ہے اور اس پر مہر بھی لگائی ہے تو اب قاضی اس خط کو کھول کر خصم کے سامنے پڑھے اور اس خط میں جو کچھ تحریر ہو اسکے خصم پر لازم کردے۔

ولا يُقبَلُ كِتَابُ القَاضِي اِلىٰ القَاضِي فِيْ الحُدُوْدِ وَالقِصَاصِ وَ لَيسَ لِلقَاضِيْ اَنْ يَّسْتَخلِفَ عَلىٰ القَضَاءِ اِلَّا اَنْ يُفَوِّضَ اِلَيْهِ ذٰلِكَ وَ اِذَا رُفِعَ اِلىٰ القَاضِي حكمُ حَاكِم اَمْضَاهُ اِلَّا اَنْ يُخَالِفَ الكِتَابَ اَوْ السُّنَّةَ اَوْ الاِجْمَاعَ اَوْ يَكُوْنَ قَوْلاً لا دَلِيْلَ عَلَيْهِ ولا يَقضِيْ القَاضِي عَلىٰ الغَائِبِ اَنْ يَحْضُرَ مِنْ يَقُوْمُ مَقَامَهُ.

ترجمہ: ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام حدود و قصاص میں قبول نہیں کیا جائے گا۔اور قاضی کیلئے عہدۂ قضاء پر اپنا خلیفہ اور نائب (وائس) بنانا جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس کو یہ (اختیار) سونپ دیا جائے۔اور جب قاضی کے پاس کسی حاکم کا حکم لایا جائے تو قاضی اس کو نافذ کردے مگر یہ کہ وہ حکم کتاب، سنت اور اجماع کے خلاف ہو یا ایسا قول ہو جس پر کوئی دلیل نہیں (تو اس کو نافذ نہ کرے) اور قاضی غائب شخص پر حکم نہ لگائے مگر یہ کہ ایسا شخص حاضر ہو جو اس کا قائم مقام ہو۔

تشریح: ولا یقبل ...... القصاص: اس عبارت کی تشریح ویقبل کتاب القاضی: کے تحت گزر چکی ہے۔

ولَیْسَ لِلْقَاضِی...... اِلَیْهِ ذٰلِكَ: قاضی کسی غیر کو فیصلہ میں اپنا نائب نہ بنائے لیکن اگر حاکم نے اجازت دیدی ہو خواہ اجازت صریحی ہو مثلاً اس نے کہا کہ تم حسب منشاء جس کو چاہو نائب بنالو۔ یا اجازت دلالۃً ہو مثلاً اس نے کہا کہ میں نے تم کو قاضی القضاۃ بنادیا ہے تو ایسی صورت میں قاضی کسی دوسرے کو اپنا نائب قاضی بنا سکتا ہے۔

واذا رفع...... لا دلیل علیه: جب قاضی کے پاس کسی دوسرے قاضی کا حکم لایا جائے تو قاضی کو چاہئے کہ پہلے دیکھ لے کہ قاضی اول کا حکم قرآن وسنت اور اجماع کے موافق ہے اور ہر قول مستند بالدلیل ہے یا نہیں اگر ہے تو قاضی ثانی اس کو نافذ کرے اور اگر نہیں ہے تو اس حکم کو نافذ نہ کرے۔

ولا یقضی القاضی الخ: اگر ایک شخص غائب ہے تو اس کے حق میں فیصلہ کرنا احناف کے نزدیک درست نہیں ہے خواہ اس کے حق میں مفید ہو یا مضر البتہ اگر اس کا کوئی قائم مقام یا نائب موجود ہو تو اس کی موجودگی میں غائب کے حق میں فیصلہ جائز ہے یہ نائب خواہ حقیقی ہو جیسے اس کا وکیل، وصی اور وقف کا متولی یا نائب حکمی ہو جس کی انتیس صورتیں ہیں جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے۔
ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قضاء علی الغائب درست ہے۔

وَ اِذَا حَکَّمَ رَجُلَانِ رَجُلاً بَیْنَهُمَا وَ رضیا بِحُکْمِهٖ جَازَ اِذَا کَانَ بِصِفَةِ الحَاکِمِ وَ لَا یَجُوْزُ تَحْکِیْمُ الکَافِرِ والعَبْدِ والذِمِّی والمَحْدُوْدِ فِی القَذْفِ وَ الفَاسِقِ والصَّبِیِّ وَ لِکُلِّ وَ احِدٍ مِنَ المُحکِّمَیْنِ اَنْ یَرْجِعَ مَا لَمْ یَحْکُمْ عَلَیْهِمَا لَزِمَهُمَا وَ اِذَا رُفِعَ حُکْمُهٗ اِلیٰ القَاضِیْ فَوَافَقَ مَذْهَبَهٗ اَمْضَاهُ وَ اِنْ خَالَفَهٗ اَبْطَلَهٗ وَ لَا یَجُوْزُ التَّحْکِیْمُ فِی الحُدُوْدِ والقِصَاصِ وَ اِنْ حَکَّمَاهُ فِیْ دَمِ الخطَاءِ فَقَضیٰ الحَاکِمُ عَلیٰ العَاقِلَةِ بِالدِّیَةِ لَمْ یَنفُذْ حُکْمُهٗ وَ یَجُوْزُ اَنْ یَّسْمَعَ البَیِّنَةَ وَ یَقْضِیَ بالنُکُوْلِ وَ حکمُ الحَاکِمِ لِاَبَوَیْهِ وَ وَلَدِهٖ وَ زَوْجَتِهٖ بَاطِلٌ.

ترجمہ: اور جب دو آدمی اپنے درمیان کسی کو حکم بنالیں اور اس کے فیصلہ پر راضی ہوجائیں تو جائز ہے بشرطیکہ وہ حَکَم حاکم کی صفت پر ہو۔اور کافر، غلام، ذمی، قذف میں سزایافتہ، فاسق اور بچہ کو حکم بنانا جائز نہیں ہے۔اور حکم بنانے والوں میں سے ہر ایک کیلئے جائز ہے کہ وہ رجوع کرلیں جب تک وہ کوئی حکم نہ کرے اور جب وہ حکم کرے تو وہ حکم ان پر لازم ہوگا۔ اور جب اس کا حکم قاضی کے سامنے لایا جائے اور وہ ان کے مذہب کے مطابق ہو تو اس کو نافذ کردے اور اگر اس کے مذہب کے خلاف ہے تو اس کو باطل قرار دے اور حدود و قصاص میں حکم بنانا جائز نہیں ہے اور اگر دو آدمی نے دم خطاء میں کسی کو حکم

بنادیا اور حاکم نے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا اور بینہ سننا جائز ہے اور انکار پر فیصلہ کرنا (بھی جائز ہے) اور حاکم کا اپنے والدین، اپنے اولاد اور اپنی بیوی کیلئے حکم لگانا باطل ہے۔

حَکَم بنانے کا بیان

تشریح : **واذاحکم رجلان رجلا بینهما...... الصبی** : اگر دو متخاصم نے ایک شخص کو اپنا حکم بنالیا اور اس حکم نے گواہی، یا اقرار یا انکار کے ذریعہ فیصلہ کر دیا اور وہ دونوں اس کے فیصلہ پر راضی ہیں تو ایسا کرنا جائز ہے البتہ شرط یہ ہے کہ حکم کے اندر ایک حاکم کی صفت پائی جائے۔ مثلاً عاقل ہو، بالغ ہو، عادل ہو، آزاد ہو، مسلمان ہو، (لہٰذا نابینا، کافر، غلام، ذمی، محدود فی القذف، فاسق اور بچہ کو حکم بنانا جائز نہیں ہے)

ولکل واحد ...... لزمها: واذا رفع ...... باطله: دونوں الگ مسئلے ہیں جو ترجمہ سے واضح ہیں۔

ولا یجوز التحکیم فِی الحدود والقصاص : اس مسئلے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ حکم بنانا ہر ایسے معاملہ میں درست ہے جس کے کرنے کا ہر متخاصم کو اختیار ہو اور وہ مصالحت کے ذریعہ درست ہو جاتا ہو اور جو بذریعہ مصالحت درست نہ ہوتا ہو اس میں حکم بنانا صحیح نہیں ہے لہٰذا بیوع، نکاح، عتاق، کتابت، کفالت، شفعہ، نفقہ، اموال اور دیون میں حکم بنانا درست ہے اور حد زنا، حد سرقہ، حد قذف، قصاص، اور دیت علی العاقلہ میں حکم بنانا صحیح نہیں ہے۔

وان حکماه فی دم ...... لم ینفذ حکمه : اگر مدعی اور مدعیٰ علیہ نے دم خطا میں کسی کو حکم بنادیا اور اس نے عاقلہ پر دیت ادا کرنے کا فیصلہ کر دیا تو اس کا یہ حکم نافذ نہیں ہوگا کیونکہ عاقلہ پر اس کی حکومت نہیں چل سکتی کیونکہ یہ ان کی طرف سے حکم نہیں ہے۔

ویجوز ان یسمع ...... بالنکول: قاضی گواہ کی سماعت کو سنائے اور قسم سے انکار کرنے کی وجہ سے فیصلہ کردے۔

وحکم الحاکم الخ : اگر قاضی اپنے والدین، اپنی اولاد اور اپنی بیوی کے حق میں فیصلہ کرتا ہے تو باطل ہے۔

کتاب القسمة

تقسیم کے احکامات

القسمة : بکسر القاف، صاحب مغرب کی تحقیق کے مطابق اقتسام سے ماخوذ ہے اور صاحب قاموس کی تحقیق کے مطابق تقسیم سے ماخوذ ہے۔ بہر دوصورت اسم ہے مگر زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کو مصدر مانا جائے اور بفتح القاف۔ معنیٰ ہے تقسیم کرنا، بانٹنا۔ اصطلاح شرع میں ایک شخص کے حصہ شائعہ کو ایک معین حصے میں جمع کرنے کا نام ہے۔

يَنبَغِي لِلإمَامِ اَنْ يَنْصِبَ قَاسِماً يرزقه مِنْ بَيْتِ المَالِ لِيُقَسِّمَ بَيْنَ النَّاسِ بِغَيْرِ اَجْرٍ فَاِنْ لَمْ يَفْعَلْ نَصَبَ قَاسِماً يُقَسِّمُ بِالاُجْرَةِ وَ يَجِبُ اَنْ يَكُوْنَ عَدْلاً مَامُوْناً عَالِماً بِالقِسْمَةِ وَ لا يُجبِرُ القَاضِيُ النَاسَ عَلىٰ قَاسِمٍ وَاحِدٍ وَلَا يترك القُسَّامَ يَشتركون وَ اُجْرَةَ القِسْمَةِ عَلىٰ عَدَدِ رُؤسِهِمْ عِنْدَ

اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللہُ وَ قَالَا رَحِمَہُمَا اللہُ عَلٰی قَدْرِ الْاَنْصِبَاءِ وَ اِذَا حَضَرَ الشُّرَکَاءُ عِنْدَ الْقَاضِیْ وَ فِیْ اَیْدِیْہِمْ وَاَرَادَ رَضِیْعَۃً وَ ادَّعُوْا اَنَّہُمْ وَرَثُوْھَا عَنْ فُلَانٍ لَمْ یُقَسِّمْھَا الْقَاضِیْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللہُ حَتّٰی یقیموا البینۃ عَلٰی مَوْتِہٖ وَعَدَدَ وَرَثَتِہٖ وَ قَالَا رَحِمَہُمَا اللہُ یُقَسِّمُھَا بِاِعْتِرَافِھِمْ وَ یَذْکُرُ فِیْ کِتَابِ الْقِسْمَۃِ اَنَّہٗ قَسَّمَھَا بِقَوْلِھِمْ جَمِیْعاً وَ اِنْ کَانَ الْمَالُ الْمشترکُ مِمَّا سِوَی الْعِقَارِ وادَّعَوْ اَنَّہٗ مِیْرَاثٌ قَسَّمَہٗ فِیْ قَوْلِھِمْ جَمِیْعاً وَ اِنْ ادَّعَوْ فِی الْعِقَارِ اَنَّھُمْ اشْتَرَوْہُ قَسَّمَہٗ بَیْنَھُمْ وَ اِنْ ادَّعَوْ الْمِلْكَ وَ لَمْ یَذْکُرُوا کَیْفَ انْتَقَلَ اِلَیْھِمْ قَسَّمَہٗ بَیْنَھُمْ.

ترجمہ: امام کے لئے مناسب یہ ہے کہ ایک تقسیم کرنے والے کو مقرر کرے جس کو بیت المال سے وظیفہ دے تا کہ لوگوں کے درمیان (جائداد وغیرہ کی) تقسیم بغیر اجرت کے انجام دے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو ایسا تقسیم کرنے والا مقرر کرے تو اجرت پر (جائداد وغیرہ) تقسیم کرے (مقسم کی اجرت قاضی کے وظیفہ کے مشابہ ہے یعنی جس طرح قاضی کا وظیفہ بیت المال سے ہے ایسے ہی اجرت مقسم بیت المال سے ہوگی) اور ضروری ہے کہ یہ شخص عادل، معتبر اور تقسیم کا جان کار ہو۔ اور قاضی عوام الناس کو ایک تقسیم کنندہ پر مجبور نہ کرے اور تقسیم کنندہ کو نہ چھوڑے کہ وہ مشترک ہوں۔ اور تقسیم کی اجرت (وارثوں) اور حصہ داروں کی تعداد کے اعتبار سے ہوگی (یہ) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (ہے) اور حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ حصوں کے اعتبار سے ہوگی۔ (جس کا جتنا حصہ ہوگا اسی حساب سے اتنی ہی اجرت لی جائے گی امام شافعیؒ امام احمد کا یہی مسلک ہے) اور جب شرکاء قاضی کے پاس حاضر ہوں اور ان کے قبضہ میں کوئی مکان یا زمین ہے اور وہ دعویٰ کریں کہ وہ (ہم) فلاں کی جانب سے اس کے وارث ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قاضی اس کو تقسیم نہ کرے یہاں تک کہ شرکاء فلاں شخص کی موت پر اور اس کے ورثہ کی تعداد پر دلیل نہ قائم کر دیں۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ قاضی ورثاء کے اعتراف پر ہی تقسیم کر دے (یہی مسلک امام شافعیؒ کا ہے اور امام احمدؒ کا بھی ایک قول ہے) اور عقار (زمین) کے علاوہ ہے اور ان لوگوں نے دعویٰ کیا کہ یہ میراث ہے تو بالاجماع ان سب کے بیان پر تقسیم کر دئے اور اگر ان لوگوں نے عقار کے بارے میں دعویٰ کیا کہ ان لوگوں (ہم نے) خریدا ہے تو اس کو ان سب کے درمیان تقسیم کر دے۔ اور اگر لوگوں نے ملک کا دعویٰ کیا اور اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں کیا کہ یہ ملک ان کی طرف کیسے منتقل ہوئی (ملک کا تذکرہ کیا اور سبب ملک کا کوئی تذکرہ نہیں) تو قاضی ان کے درمیان تقسیم کر دے۔

اِذَا کَانَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشرکَاءِ یَنْتَفِعُ بِنَصِیْبِہٖ قُسِّمَ بِطَلَبِ اَحَدِھِمْ وَ اِنْ کَانَ اَحَدُھُمْ یَنْتَفِعُ وَالْآخَرُ یَسْتَضِرُّ لِقِلَّۃِ نَصِیْبِہٖ فَاِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْکَثِیْرِ قُسِّمَ وَ اِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْقَلِیْلِ لَمْ یُقَسَّمْ وَاِنْ کَانَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْھُمَا یَسْتَضِرُّ لَمْ یُقَسِّمْھَا اِلَّا بِتَرَاضِیْھِمَا.

ترجمہ: اور اگر شرکاء میں سے ہر ایک اپنے حصہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے تو شرکاء میں سے کسی ایک کے طلب پر تقسیم کر دی جائے گی اور اگر شرکاء میں صرف ایک فائدہ اٹھا سکتا ہے اور دوسرا نقصان، اپنے حصہ کے کم ہونے کی وجہ سے۔ اب اگر زیادہ حصہ والا تقسیم طلب کرے تو تقسیم کر دی جائے اور اگر کم حصہ والا تقسیم طلب کرے تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔ اور

اگر ان میں سے ہر ایک نقصان اٹھائیں تو ان سب کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہ کرے۔

خلاصہ : اگر ایک مشترک چیز ہے، تقسیم کے بعد ہر شخص اپنے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے تو ایسی صورت میں کسی ایک بھی شریک کے طلب پر وہ چیز تقسیم کردی جائے گی۔ اور اگر شرکاء میں سے ایک شخص لطف اندوز ہورہا ہے اور دوسرے لوگ اپنے حصے کے کم ہونے کی وجہ سے نقصان اٹھا رہے ہیں تو ایسی صورت میں جس کا حصہ زیادہ ہے اگر وہ طلب کرتا ہے تو وہ چیز تقسیم کردی جائے گی اور جس کا حصہ کم ہے تو اس کے طلب پر وہ چیز تقسیم نہیں کی جائے گی۔ یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔ اور اگر تقسیم سے سارے شرکاء نقصان اٹھا رہے ہیں تو ان تمام کی رضا پر تقسیم کی جائے گی جیسے پن چکی، حمام، کنواں کہ ان کی تقسیم شرکاء کی رضامندی کے بغیر عمل میں نہیں آئے گی۔

وَ يُقَسِّمُ الْعُرُوْضَ اِذَا كَانَتْ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ وَ لَا يُقَسِّمُ الْجِنْسَيْنِ بَعْضَهَا فِيْ بَعْضٍ اِلَّا بِتَرَاضِيْهِمَا وَ قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ لَا يُقَسَّمُ الرَّقِيْقُ وَ لَا الْجَوَاهِرُ وَ قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللهُ يُقَسَّمُ الرَّقِيْقُ وَ لَا يُقَسَّمُ حَمَّامٌ وَ لَا بِئْرٌ وَلَا رَحیٰ اِلَّا اَنْ يَتَرَاضیٰ الشُّرَكَاءُ وَاِذَا حَضَرَ وَارِثَانِ عِنْدَ الْقَاضِیْ وَ اَقَامَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الْوَفَاةِ وَ عَدَدِ الْوَرَثَةِ وَالدَّارُ فِيْ اَيْدِيْهِمْ وَ مَعَهُمْ وَارِثٌ غَائِبٌ قَسَّمَهَا الْقَاضِیْ بِطَلَبِ الْحَاضِرِيْنَ وَ نَصَبَ لِلْغَائِبِ وَكِيْلًا يَقْبِضُ نَصِيْبَهُ وَ اِنْ كَانُوْا مُشْتَرِيِيْنَ لَمْ يُقَسِّمْ مَعَ غَيْبَةِ اَحَدِهِمْ وَاِنْ كَانَ الْعَقَارُ فِيْ يَدِ الْوَارِثِ الْغَائِبِ اَوْ شَیْءٌ مِنْهُ لَمْ يُقَسِّمْ وَ اِنْ حَضَرَ وَارِثٌ وَاحِدٌ لَمْ يُقَسِّمْ وَ اِذَا كَانَتْ دُوْرٌ مُشْتَرَكَةٌ فِيْ مِصْرٍ وَاحِدٍ قُسِّمَ كُلُّ دَارٍ عَلیٰ حِدَتِهَا فِيْ قَوْلِ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللهُ اِنْ كَانَ الْاَصْلَحُ لَهُمْ قِسْمَةَ بَعْضِهَا فِیْ بَعْضٍ قَسَّمَهَا وَ اِنْ كَانَتْ دَارًا وَ ضِيْعَةً اَوْ دَارًا وَ حَانُوْتًا قَسَّمَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلیٰ حِدَتِهٖ.

ترجمہ : اور (مشترک) اسباب اگر ایک جنس کے ہیں تو تقسیم کیا جائے گا اور دو جنس (کے سامان میں سے) بعض کو بعض میں تقسیم نہ کرے مگر شریکین کی رضامندی سے اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ غلام اور جواہر کو تقسیم نہ کیا جائے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ غلام کو تقسیم کیا جائے گا اور حمام، کنواں اور پن چکی کو تقسیم نہیں کیا جائے گا الّا یہ کہ شرکاء راضی ہوجائیں۔ اور اگر دو وارث قاضی کی خدمت میں آئے اور (مورث کی) موت اور وارثین کی تعداد پر گواہی قائم کردے اور گھر ان دو کے قبضے میں ہے اور ان کے ساتھ وارث بھی ہے جو غائب ہے تو قاضی اس مکان کو حاضرین کے طلب پر تقسیم کردے اور غائب شخص کیلئے ایک ایک وکیل مقرر کردے جو اس پر قبضہ کرلے (تاکہ اس کی حق تلفی نہ ہو) اور اگر دونوں خریدار ہیں تو ایک کی عدم موجودگی میں تقسیم نہ کرے اور اگر غائب وارث کے قبضہ میں پوری زمین ہو یا اس کا کچھ حصہ ہو تو قاضی اس کو تقسیم نہ کرے۔ اور اگر ایک وارث حاضر ہو تو (بھی) تقسیم نہ کرے۔ اگر ایک شہر میں چند مکان ہوں جو مشترک ہوں تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ہر مکان کو علیحدہ طور پر تقسیم کردیا جائے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر مناسب ہو شرکاء کے لئے بعض مکان کو بعض میں تقسیم

کرنا تو قاضی اس کو تقسیم کردے۔ اور اگر مکان اور زمین ہو یا مکان اور دکان ہو تو ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کرے۔

حل لغات : عروض: عرض کی جمع ہے، اسباب۔ صنف: قسم۔ الرقیق: غلام۔ جواهر: یہ جوهر کی جمع ہے، ہر وہ پتھر جس سے مفید چیز نکالی جائے۔ حمام: گرمایا۔ بئر: کنواں۔ رحی: پن چکی۔ نصب (ض) نصباً: مقرر کرنا، مامور کرنا۔ عقار: زمین۔ دور: یہ دار کی جمع ہے، مکان۔ ضیعة: زمین۔ حانوت: دکان۔

تشریح : **ویقسم العروض ...... بتراضیهما** : مشترک اسباب یا تو ایک جنس کے ہوں گے یا مختلف الجنس ہوں گے اگر ایک جنس کے ہوں گے مثلاً کیلی ہوں یا وزنی ہوں یا عدد متقارب ہوں یا سونا چاندی ہوں تو ایسی صورت میں ایک شریک کے طلب کرنے پر قاضی باختیار خود تقسیم پر مجبور کر جا سکتا ہے۔ تقسیم کے بعد ہر حصہ دار کو اس کا حصہ مل جائے گا اس تقسیم کو تقسیم تمیز کہتے ہیں اور اگر مشترک اسباب مختلف الجنس ہوں تو قاضی باختیار خود تقسیم پر مجبور نہیں کر سکتا ہے بلکہ تمام شرکاء کی رضامندی درکار ہے۔ اس تقسیم کا نام تقسیم معاوضہ ہے۔

وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ ...... يُقسم الرقيق : یہاں امام ابوحنیفہؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک غلام اور جواہرات مثلاً موتی، لؤلؤ، زبرجد، یاقوت وغیرہ کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک غلام تقسیم کیا جاتا ہے ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ولا یقسم ...... الشرکاء : حمام، کنواں، پن چکی، کی تقسیم کے لئے تمام حصہ داروں کی رضا شرط ہے۔

واِذَا حَضر وارثان ...... يقبضُ نَصِيْبَهٗ : اس عبارت کا مفہوم ترجمہ اور بین القوسین کی عبارت سے واضح ہے۔

وَ اِنْ كَانُوا مشتريين ...... احدهم : جو لوگ خریدنے کے ذریعہ تقسیم کے طلب گار ہیں میراث کے ذریعہ نہیں۔ تو ایک شریک کی عدم موجودگی کی وجہ سے تقسیم کا عمل شروع نہیں ہوگا۔

وَاِنْ كَانَ الْعِقَارُ ...... لَمْ يقسم : ایک زمین ہے یا اس کا کوئی ٹکڑا ہے جو ایسے وارث کے قبضہ میں ہے جو غائب ہے یا ورثہ میں سے صرف ایک حاضر ہے باقی سب غائب ہیں تو وراثت تقسیم نہیں ہوگی۔

وَ اِذَا كَانَتْ دور ...... فِيْ بَعْض قسمها : اگر چند مکان کچھ لوگوں کے درمیان مشترک ہے اور سب ایک ہی شہر میں ہیں تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر گھر کو جدا جدا طور پر تقسیم کر دیا جائے اور حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس مکان کو تقسیم نہیں کیا جائے گا البتہ ان سب کے لئے مناسب یہ ہے کہ اس کو اس انداز سے تقسیم کریں کہ ایک مکان ایک شریک کے لئے ہو اور دوسرا دوسرے شریک کیلئے ہو۔

وَاِنْ كَانَتْ دَاراً الخ : اگر ایک مکان اور زمین یا مکان اور دوکان دونوں مشترک ہوں تو دونوں کو برابر علیحدہ طور پر تقسیم کیا جائے گا۔

وَ يَنْبَغِیْ لِلْقَاسِمِ اَنْ يُصَوِّرَ مَا يُقسِمُهٗ وَ يُعَدِّلُهٗ وَ يَذْرَعُهٗ وَ يُقَوِّمُ الْبِنَاءَ وَ يُفْرِدُ كُلَّ نَصِيْبٍ عَنِ الْبَاقِیْ بِطَرِيْقِهٖ وَ شُرْبِهٖ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ لِنَصِيْبِ بَعْضِهِمْ بِنَصِيْبِ الْآخَرِ تَعَلُّقٌ وَ يَكْتُبُ اَسَامِيْهِمْ وَ يَجْعَلُهَا قُرْعَةً ثُمَّ يُقَلِّبُ نَصِيْباً بِالْاَوَّلِ وَ الَّذِیْ يَلِيْهِ بِالثَّانِیْ وَالَّذِیْ يَلِيْهِ بِالثَّالِثِ وَ عَلٰى هٰذَا

ثُمَّ يَخْرُجُ القُرعَةَ فَمَنْ خَرَجَ اسْمُهُ اَوَّلاً فَلَهُ السَّهْمُ الاَوَّلُ وَمَنْ خَرَجَ ثانِياً فَلَهُ السَّهْمُ الثانِىْ وَ لَا يَدْخُلُ فِى القِسْمَةِ الدَّرَاهِمُ و الدَّنَانِيْرُ اِلَّا بِتَرَاضِيْهِمْ فَاِنْ قُسِّمَ بَيْنَهُمْ وَ لِاَحَدِهِمْ سَبِيْلٌ فِىْ مِلْكِ الآخَرِ اَوْ طَرِيْقٌ لَمْ يُشْرَطْ فِى القسمَةِ فَاِنْ اَمْكَنَ صَرْفُ الطَّرِيْقِ و المسيل عنه فَلَيسَ لَهُ اَنْ يَستَطرِقَ وَ يَسِيْلَ فِىْ نَصِيْبِ الآخَرِ وَ اِنْ لَمْ يُمْكِنْ فُسِخَتِ القِسْمَةُ.

ترجمہ : اور تقسیم کرنے والے کیلئے مناسب یہ ہے کہ جس چیز کو تقسیم کر رہا ہے اس کی تصویر بنالے اور برابر کر کے اس کی پیمائش کرے اور عمارت کی قیمت لگائے اور باقی سے ہر ایک حصہ اس کے راستہ اور نالی کے ساتھ جدا کر دے یہاں تک کہ ان کے بعض حصہ کا دوسرے بعض حصہ سے کوئی تعلق نہ رہے۔ اور ان کے نام لکھے اور قرعہ اندازی کرے اس کے بعد ایک حصہ کو اول سے، اس کے برابر والے کو ثانی سے اور اسکے برابر والے کو ثالث کا لقب دیتے ہیں اور اسی طریقہ پر اس کے بعد قرعہ کو نکالے اب جس کا نام پہلے نکلے اس کو پہلا حصہ ملے گا اور جس کا نام دوسری بار نکلے اس کو دوسرا حصہ ملے گا اور تقسیم میں دراہم و دنانیر داخل نہیں ہوں گے مگر ان سب کی مرضی سے۔ اگر مکان ان کے درمیان تقسیم کر دیا گیا اور کسی ایک کی نالی دوسرے کی ملک میں واقع ہوگئی یا کوئی راستہ جبکہ تقسیم میں اس کی شرط نہیں کی گئی پس اگر اس کی طرف سے راستہ یا نالی کا ہٹانا ممکن ہو تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کے حصہ میں راستہ یا نالی نکالے اور اگر ممکن نہ ہو تو تقسیم فسخ ہو جائے گی۔

تقسیم کا طریقہ اور اس کی کیفیت

تشریح : وينبغي للقاسم ...... السهم الثاني : تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مکان یا زمین جس کو تقسیم کرنا ہے کاغذ پر اس کا نقشہ بنائے اور پیمائش کر کے حصے کو برابر برابر تقسیم کر دے اور عمارت کی قیمت لگائے اور اس انداز سے تقسیم کرے کہ راستہ اور نالی ہر ایک کی علیحدہ رہے کسی دوسرے کی نالی اور راستہ کسی اور سے نہ ملے، پھر ہر ایک کے حصہ کو الگ الگ یعنی اول، ثانی اور ثالث کے نام کے ساتھ منسوب کر کے قرعہ اندازی کرے اب جس ٹکڑہ کو نکالے اور جس کا نام پہلے نکلے اس کو پہلے حصہ ملے گا اور جو دوسرا ٹکڑا دوسری بار نکلے اس کو دوسرا حصہ ملے گا۔

و لا يدخل فِى القسمة الخ : زمین اور مکان کی تقسیم میں دراہم و دنانیر آپس کی رضامندی کے بغیر داخل نہیں ہوں گے اگر ایک مکان کی تقسیم عمل میں آگئی اور اتفاق سے ایک کی نالی اور راستہ دوسرے کی ملک میں آگئی جبکہ تقسیم میں اس کی شرط نہیں تھی تو اگر ممکن ہوا تو نالی اور راستہ کو دوسری جانب موڑ دیں تا کہ اشتراک ختم ہو جائے اور دوسرے کے حصہ میں راستہ دینا یا نالی بنانا جائز نہیں اگر نالی یا راستہ کو کسی دوسری طرف پھیرنا ممکن نہ ہو تو اس تقسیم کو ختم کر کے تقسیم از سر نو کی جائے تا کہ نزاع پیدا نہ ہو۔

وَاِذَا كَانَ سِفْلٌ لَا علوله اَوْ علوٌ لا سِفْلَ لَهُ او سفل له علو قُوِّمَ كُلُّ وَاحِدٍ عَلىٰ حِدَتِهٖ وَ قُسِّمَ بِالقِيْمَةِ وَ لَا يُعْتَبَرُ بِغَيْرِ ذٰلِكَ وَ اِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَقَاسِمُوْنَ فَشَهِدَ القَاسِمُوْنَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمَا وَاِنْ ادَّعىٰ اَحَدُهُمَا الغلَطَ وَ زَعَمَ اَنَّهُ اَصَابَهُ شَئٌ فِىْ يَدِ صَاحِبِهٖ وَ قَدْ اَشْهَدَ عَلىٰ نَفْسِهٖ بِالاِسْتِيْفَاءِ لَمْ يُصَدَّقْ عَلىٰ ذٰلِكَ اِلَّا بِبَيِّنَةٍ وَ اِنْ قَالَ اسْتَوْفَيْتُ حَقِّىْ ثُمَّ قَالَ

اَخذتُ بعضَهُ فَالقَولُ قَولُ خصمِهٖ مَعَ یمینِهٖ وَاِنْ قَالَ اَصابنیْ اِلیٰ مَوضعِ کذَا فَلَمْ یُسلّمْهُ اِلَیَّ وَ لَمْ یَشْهَدْ عَلیٰ نَفسِهٖ بِالاِسْتِیفَاءِ وَ کَذّبَهُ شَرِیکُهٗ تَحالَفَا وَفُسِخَتِ القِسْمَةُ وَ اِنْ استُحِقَّ بَعْضُ نَصِیبِ اَحدِهِمَا بِعَیْنِهٖ لَمْ تَفْسَخِ القِسْمَةُ عِنْدَ اَبِی حَنِیفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَرَجَعَ بِحِصَّتِهٖ ذٰلِکَ مِنْ نَصِیبِ شَرِیکِهٖ وَ قَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللهُ تَفْسَخُ القِسْمَةُ.

ترجمہ: اوراگر نچلا مکان ہواس کا بالاخانہ نہ ہو یا بالاخانہ ہواس کا نچلا مکان نہ ہو، یا نچلا مکان اور بالاخانہ (دونوں) موجود ہوں تو ہرایک کی الگ الگ قیمت لگا کر تقسیم کردیا جائے گا اوراس کے علاوہ کا اعتبار نہیں ہوگا اور اگر تقسیم کرنے والے اختلاف کرلیں اور دو تقسیم کرنے والے گواہی دیں تو ان دونوں کی شہادت قبول کی جائے گی اوراگران میں سے ایک نے غلطی کا دعویٰ کیا اور یہ گمان کیا کہ اس کچھ حصہ دوسرے کے قبضہ میں ہے حالانکہ اس نے اپنا حق حاصل کرچکنے کی گواہی دیدی ہے اوراس کے شریک نے اس کو جھوٹا قرار دیا تو دونوں قسم کھائیں گے اور تقسیم ٹوٹ جائے گی۔اوراگران دونوں میں سے کسی ایک کا کچھ حصہ نکل آئے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تقسیم نہیں ٹوٹے گی بلکہ اپنے شریک کے حصہ میں سے اپنا حصہ لے لے گا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

دومنزلہ مکانوں کی تقسیم

تشریح: وَ اِذَا کَانَ......بغیر ذالك: ایک مکان دومنزلہ ہے نچلی منزل میں دوشریک ہیں۔اوپری منزل کسی اورکی ہے یا بالائی منزل میں دوشریک ہیں اور نچلی منزل کسی اور کی ہے یا دونوں منزلوں میں صرف دوشریک ہیں تو ایسے مکانوں کی تقسیم علیٰحدہ علیٰحدہ لگا کر کی جائے گی اور بلاقیمت کے تقسیم معتبر نہیں۔ یہ امام محمدؒ کے نزدیک ہے اور حضرات شیخینؒ کے نزدیک تقسیم پیمائش سے ہوگی کیونکہ تقسیم میں پیمائش اصل ہے۔فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

واذا اختلف ...... الا ببینة: تقسیم مکمل ہونے کے بعد ایک شریک نے کہا کہ میرا حق پورا نہیں ہوا اور دو تقسیم کرنے والوں نے گواہی دی کہ اس نے اپنا پورا حق وصول لیا ہے تو شاہدین کی گواہی قبول کی جائے گی یہ حضرات شیخینؒ کا مسلک ہے، امام محمدؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔اوراگرایک شریک نے کہا کہ قاسم نے تقسیم میں غلطی کی ہے اور میرا کچھ حصہ دوسرے شریک کے قبضہ میں ہے جبکہ وہ پہلے اپنا حصہ وصول کرنے کا اقرار کرچکا ہے تو بلا گواہی کے اس کے بیان کی تصدیق نہیں کی جائے گی اوراگر تقسیم پوری ہونے کے بعد ایک شخص نے اپنا پورا حق وصول لیا اسکے بعد وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنا کچھ حصہ وصول لیا ہے تو ایسی صورت میں مدمقابل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

و اِنْ قَالَ اصابنی ...... وفسخت القسمة: اگرایک حصہ دار اپنا پورا حصہ وصول کرنے کا اقرار کرنے سے پہلے یہ کہے کہ میرا حق فلاں جگہ تک پہونچتا ہے اور مجھے میرا حق نہیں ملا اوراپنے مکمل حق وصول کرنے پر کوئی گواہی پیش نہیں کی اور دوسرے حصہ دار نے پہلے حصہ دار کے بیان کی تکذیب کی تو ایسی صورت میں دونوں قسم کھائیں گے۔اور تقسیم فسخ اور ختم ہوجائے گی۔

وان استحق الخ: اگرتقسیم کے بعد کسی ایک شریک کے حصہ میں کسی دوسرے کا کچھ نکل آئے تو ایسی صورت میں

قسمت فسخ نہیں ہوگی اور یہ شخص اپنے شریک کے حصہ میں سے اپنے حصہ کے بقدر وصول کرے گا اور چاہے تو حصہ واپس کر کے دوبارہ تقسیم کردے۔ یہ حضرات طرفینؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قسمت فسخ ہوجائے گی اور تقسیم دوبارہ ہوگی کیونکہ ایک تیسرا حصہ دار ظاہر ہوگیا ہے۔

کتاب الاکراہ

مجبوری کا بیان

اکراہ: یہ مصدر ہے کسی کو مجبور کرنا، حاصل مصدر مجبوری۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس فعل کو کہتے ہیں جو کسی غیر کے سبب سے اس طرح انجام دے کہ اس کی رضامندی جاتی رہے یا اس کا اختیار فاسد ہوجائے۔ اکراہ کرنے والے کو مکرِہ کہتے ہیں اور جس پر اکراہ کیا جائے اس کو مکرَہ کہتے ہیں۔ اکراہ کی دو قسمیں ہے (۱) اکراہ ملجئی (۲) اکراہ غیر ملجئی۔ اکراہ ملجئی یہ ہے کہ اس میں مکرہ کو اپنی جان یا کسی عضو کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہو۔ اس صورت میں مکرہ کی رضا فوت اور اختیار فاسد ہوجاتا ہے اکراہ غیر ملجئی یہ ہے کہ جس میں جان یا عضو کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو بلکہ صرف رضا فوت ہوجائے پس رضا کا فوت ہونا اختیار کے فساد سے عام ہے کیونکہ رضا کا مقابل کراہت ہے اور اختیار کا مقابل جبر ہے۔ اور حبس اور ضرب کے اکراہ میں بلاشبہ کراہت موجود ہے اس لئے رضا معدوم ہوگی مگر اختیار وصف صحت کے ساتھ موجود ہے کیوں کہ اختیار کا فساد اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے جب جان یا کسی عضو کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو اسلئے اکراہ غیر ملجئی انہی تصرفات میں اثر انداز ہوگا جس میں رضاء کی ضرورت ہوتی ہے جیسے بیع، اقرار، اجارہ وغیرہ اور اکراہ ملجئی تمام تصرفات میں اثر انداز ہوگا۔

اَلْاِکْرَاہُ یثبتُ حُکْمُہٗ اِذَا حَصَلَ مِمَّنْ یَقْدِرُ عَلیٰ اِیْقَاعِ مَا یُوعِدُ بِہٖ سُلْطَاناً کَانَ اَوْ لِصّاً وَ اِذَا کُرِہَ الرَّجُلُ عَلیٰ بَیْعِ مَالِہٖ اَوْ عَلیٰ شِرَاءِ سِلْعَۃٍ اَوْ عَلیٰ اَنْ یُقِرَّ لِرَجُلٍ بِاَلْفِ دِرْھَمٍ اَوْ یُوَاجِرَ دَارَہٗ وَ اُکْرِہَ عَلیٰ ذَالِکَ بِالقَتْلِ اَوْ بِالضَّرْبِ الشَّدِیْدِ اَوْ بِالْحَبْسِ فَبَاعَ اَوْ اشْتَریٰ فَھُوَ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَمْضیٰ الْبَیْعَ وَ اِنْ شَاءَ فَسَخَہٗ وَ رَجَعَ بِالمَبِیْعِ فَاِنْ کَانَ قَبَضَ الثَمَنَ طَوْعاً فَقَدْ اَجَازَ الْبَیْعَ وَ اِنْ کَانَ قَبَضَہٗ مُکْرَھاً فَلَیْسَ بِاجَازَۃٍ وَ عَلَیْہِ رَدُّہٗ اِنْ کَانَ قَائِماً فِی یَدِہٖ وَ اِنْ ھَلَکَ الْمَبِیْعُ فِیْ یَدِ الْمُشْتَرِیْ وَ ھُوَ غَیْرُ مُکْرَہٍ ضَمِنَ قِیْمَتَہٗ لِلْبَائِعِ وَلِلْمُکْرَہِ اَنْ یَّضْمِنَ الْمُکْرِہَ اِنْ شَاءَ.

ترجمہ: اکراہ کا حکم اس وقت ثابت ہوتا ہے جبکہ اکراہ ایسے شخص سے حاصل ہو کہ وہ جس بات کی دھمکی دیتا ہے اس کے انجام دینے پر قادر ہو خواہ دھمکی دینے والا بادشاہ ہو یا چور۔ اگر کسی شخص کو اپنے مال کے فروخت کرنے یا کوئی مال خریدنے کے واسطے اکراہ کیا گیا یا اس بات پر مجبور کردیا گیا کہ کسی کیلئے ایک ہزار درہم کا اقرار کرے یا اپنا مکان کرایہ پر دیدے یا مجبور کیا جائے قتل کردینے پر یا سخت مارنے پر یا قید کرنے پر پس اس نے فروخت کردیا یا خرید لیا تو مکرَہ کو (زوال اکراہ کے بعد) اختیار ہے چاہے تو اس بیع کو نافذ کرے اور چاہے تو اس کو فسخ کردے اور مبیع کو واپس لے لے۔ اگر مکرَہ نے

قیمت کوخوشی سے قبول کرلیا تو اس نے (گویا) بیع کو جائز قرار دیا اور اگر قیمت پر مجبو ہو کر قبضہ کیا تو بیع جائز نہیں ہوگی اور مشتری پر قیمت واپس کرنا ضروری ہے اگر اس کے قبضہ میں ہو۔اور اگر مبیع مشتری کے قبضہ سے ہلاک ہوگئی اور مشتری مجبور نہ کیا گیا ہو تو بائع کے لئے اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور مکرَہ کو اختیار ہے اگر چاہے تو مکرِہ سے قیمت کا تاوان لے لے۔

اکراہ کے شرائط

تشریح : الاکرہ ......لصاً : اس عبارت میں اکراہ کی شرط کا بیان ہے۔صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اکراہ کا حکم ثابت ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ مُکرِہ جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے اسکے کرگزرنے پر قادر ہو۔دھمکی دینے والا چاہے بادشاہ ہو اور چاہے چور ہو۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اکراہ بادشاہ کے علاوہ کسی اور سے نہیں ہوسکتا۔اور صاحبین کے نزدیک بادشاہ ہو یا اس کے علاوہ سب سے ہوسکتا ہے۔اسی پر فتویٰ ہے۔

وَ اِذَا اُکْرِہَ الرَّجلِ...... ورجع بالمبیعِ : عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے اس مسئلہ کے متعلق ایک قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک مکرَہ کے تمام تصرفات قول کے لحاظ سے منعقد ہوتے ہیں اسی اصول کے تحت جو عقود فسخ کے متحمل ہیں جیسے بیع اور اجارہ وغیرہ ان کو مُکرَہ فسخ کرسکتا ہے اور جو عقود فسخ کے متحمل نہیں ہیں جیسے نکاح،طلاق،عتاق،تدبیر، استیلاء،اورنذر وغیرہ ان کو فسخ نہیں کرسکتا سے وہ لازم ہوتے ہیں۔ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لازم نہیں ہوتے۔

فَاِنْ کانَ قَبَضَ ...... قَائماً فِیْ یَدِہٖ : اس عبارت میں اتنا بیان ہے کہ بائع نے اگر بخوشی قیمت وصول کرلی ہے تو بیع جائز ہے اور اگر بالجبر قبضہ کیا تو بیع جائز نہیں ہوگی اگر بائع کے پاس قیمت موجود ہے تو مشتری کو لوٹا دے۔

وَاِنْ ھلَکَ المَبِیعُ : بائع نے ایک چیز بالجبر فروخت کی اور مشتری نے اس کو بخوشی خریدا یہ چیز مشتری کے پاس ہلاک ہوگئی تو مشتری اس چیز کی قیمت کا تاوان ادا کرے اسی کے ساتھ ساتھ مکرہ کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو مکرہ سے تاوان لے سکتا ہے۔

وَ اِنْ اُکْرِہَ عَلیٰ اَنْ یَاکُلَ المَیْتَۃَ اَوْ یَشْرِبَ الخَمرَ وَ اُکْرِہَ عَلیٰ ذٰلِکَ بِحَبْسٍ اَوْ بِضَرْبٍ اَوْ قَیْدٍ لَمْ یَحِلَّ لَہٗ اِلَّا اَنْ یَکْرَہٗ بِمَا یَخَافُ مِنہُ عَلیٰ نَفسِہٖ اَوْ عَلیٰ عَضوٍ مِنْ اَعْضَائِہٖ فَاِذَا خَافَ ذٰلِکَ وَسِعَہٗ اَنْ یُّقْدِمَ عَلیٰ مَا اُکْرِہَ عَلَیہِ فَاِنْ صَبرَ حَتّٰی اَوْقَعُوا بِہٖ وَلَمْ یَاکُلْ فَھُوَ آثِمٌ وَ اِذَا اُکْرِہَ عَلیٰ الکُفْرِ بِاللّٰہِ تَعالیٰ اَوْ بِسَبِّ النَّبِی ﷺ بِقَیْدٍ اَوْ حَبْسٍ اَوْ ضَرْبٍ لَمْ یَکُنْ ذٰلِکَ اِکْرَاھاً حَتّٰی یُکْرَہٗ بِاَمْرٍ یَخَافُ مِنہُ عَلیٰ نَفسِہٖ اَوْ عَلیٰ عَضوٍ مِنْ اَعضَائِہٖ فَاِذَا خَافَ ذَالِکَ وَسِعَہٗ اَنْ یُظْھِرَ مَا اَمَرُوْہُ بِہٖ وَ یُوَرِّی فَاِذَا اَظْھَرَ ذَالِکَ وَ قَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالاِیْمَانِ فَلَا اِثْمَ عَلَیْہِ وَاِنْ صَبرَ حَتّٰی قُتِلَ وَ لَم یُظْھِرِ الکُفْرَ کَانَ مَاجُوْراً وَ اِنْ اُکْرِہَ عَلیٰ اِتْلَافِ مَالِ مُسْلِمٍ بِاَمْرٍ یَخَافُ مِنہُ عَلیٰ نَفسِہٖ اَوْ عَلیٰ عَضوٍ مِنْ اَعْضَائِہٖ وَسِعَہٗ اَنْ یَفْعَلَ ذَالِکَ وَ لِصَاحِبِ المَالِ اَنْ یُضَمِّنَ المُکْرِہَ.

ترجمہ: اور اگر کوئی شخص مردار کے کھانے، یا شراب کے پینے پر مجبور کیا جائے اور اس کو اس (مذکورہ چیزوں) پر حبس یا ضرب یا قید کی دھمکی سے مجبور کیا جائے تو اس کے لئے (ان چیزوں کا کھانا یا پینا) جائز نہیں ہے مگر یہ کہ ایسی چیز سے مجبور کیا جائے کہ اس سے اپنی جان کا اندیشہ ہو یا کسی عضوء (کے ضائع ہونے) کا اور جب اس کو اندیشہ (قوی) ہو تو اس کے لئے ان چیزوں پر اقدام کرنے کی گنجائش ہے جس پر اسکو مجبور کیا جائے۔ اب اگر اس نے صبر کیا اور وہ لوگ اپنا کام کر گزرے اور اس نے ان چیزوں کو کھایا نہیں تو وہ گنہگار ہوگا۔ اور اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے انکار کرنے یا حضور کو گالی دینے پر قید یا مار کے ذریعہ مجبور کیا گیا تو یہ اکراہ نہیں ہے یہاں تک کہ ایسی چیزوں سے مجبور کے جائے کہ اس سے اپنی جان کا خطرہ ہو یا کسی عضو کا اب اگر اس کا اندیشہ ہو تو اس چیز کو ظاہر کر دے جس کا لوگوں نے حکم دیا ہے اور توریہ کرے اور جب وہ اسے ظاہر کرے اور اس کا قلب ایمان سے مطمئن ہو تو اس شخص پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ کسی مسلمان کے مال کے تلف پر ایسی چیز کی دھمکی کے ذریعہ مجبور کیا گیا جس سے جان یا کسی عضو (کے تلف ہونے) کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے ایسے کام کرنے کی گنجائش (اجازت) ہے اور مال والا مجبور کرنے والے سے تاوان لے لے۔

تشریح: اس عبارت میں تین مسئلے ہیں۔

وان اکرہ ...... فھو اثم : مسئلہ (۱) اگر کسی نے کسی شخص کو قید کرنے یا پٹائی کرنے کی دھمکی دے کر مردار کھانے یا شراب پینے پر مجبور کیا تو ایسی صورت میں کھانا پینا جائز نہیں ہے لیکن اگر جان کا یا کسی عضو کا خطرہ محسوس کرے تو ایسی صورت میں جس پر جبر کیا جا رہا ہے اس کو کر دے۔ لیکن اگر مکرَہ نے صبر کر لیا اور کھایا نہیں اور مکرِہ نے اپنا کام کر دیا تو ایسی صورت میں یہ شخص گناہ گار ہوگا۔

وَ اِذَا اکرہ...... کَانَ مَاجُوراً : مسئلہ (۲) اگر کسی نے کسی کو مارنے یا قید کرنے کی دھمکی کے ذریعہ کلمہ کفر یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے، برا کہنے پر مجبور کیا تو اس کا نام اکراہ نہیں البتہ اگر قتل نفس یا قتل عضو کی دھمکی دے کر مجبور کرے تو اس کے لئے صرف زبان سے کہدینے کی اجازت ہے اور توریہ کرے شرط یہ ہے کہ اس کا قلب مطمئن ہو کہ ایمان ختم نہیں ہوگا۔ تو اس پر ایسا کلمہ کہنے میں کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر صبر کر گیا اور زبان پر کلمہ کفر جاری نہیں کیا اور قتل بھی کر دیا گیا، تو عند اللہ ماجور ہوگا۔

وَ اِنْ اُکْرِہ ...... ان یضمن المکرہ : مسئلہ (۳) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔

وَ اِنْ اُکْرِہَ بِقَتْلٍ عَلیٰ قَتْلِ غَیْرِہٖ لَا یَسَعُہٗ قَتْلُہٗ بَلْ یَصْبِرُ حَتّیٰ یُقْتَلَ فَاِنْ قَتَلَہٗ کَانَ اٰثِماً وَالقِصَاصُ عَلیٰ الَّذِیْ اَکْرَھَہٗ اِنْ کَانَ الْقَتْل عَمَداً وَاِنْ اُکْرِہَ عَلیٰ طَلَاقِ اِمْرَأتِہٖ اَوْ عِتقِ عَبْدِہٖ فَفَعَلَ وَقَعَ مَا اُکْرِہَ عَلَیْہِ وَ یَرْجِعُ عَلیٰ الَّذِیْ اَکْرَھَہٗ بِقِیْمَۃِ العَبْدِ وَیَرْجِعُ بِنِصْفِ مَھْرِ الْمَرْأۃِ اِنْ کَانَ قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَ اِنْ اُکْرِہَ عَلیٰ الزِّنَا وَجَبَ عَلَیْہِ الحَدُّ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللہُ اِلَّا اَنْ یُکْرِھَہُ السُّلْطَانُ وَقَالَ رَحِمَھُمَا اللہُ لَا یَلْزَمَہُ الحَدُّ وَ اِذَا اُکْرِہَ عَلیٰ الرِّدَّۃِ لَمْ تَبِنْ اِمْرَأتُہٗ مِنْہٗ.

ترجمہ: اور اگر کسی شخص کو قتل کی دھمکی دے کر دوسرے کے قتل پر مجبور کیا گیا تو اس شخص کے لئے اس کا قتل کرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ صبر کرے اور رکا رہے یہاں تک کہ وہ قتل کر دیا جائے اب اگر مکرَہ نے اس شخص کو قتل کر دیا تو یہ گنہگار ہوگا اور قتل نفس کا قصاص اس شخص پر لازم آئے گا جس نے مجبور کیا ہے (مکرِہ پر قصاص آئے گا) اگر قتل عمد ہے۔ اور اگر کسی کو اپنی

بیوی کو طلاق دینے یا غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس شخص نے اس کام کو کر دیا تو وہ چیز واقع ہو جائے گی جس پر اس کو مجبور کیا گیا اور یہ شخص (مکرَہ) اس شخص سے غلام کی قیمت وصول کرے گا جس نے اس کو مجبور کیا ہے (مکرَہ مکرِہ سے غلام کی قیمت وصول کرے گا) اور عورت کا نصف مہر وصول کرے گا اگر طلاق قبل الدخول ہوئی۔ اور اگر کسی کو زنا پر مجبور کیا گیا (اور اس نے زنا کر لیا) تو امام صاحب کے نزدیک اس شخص پر حد واجب ہوگی مگر یہ کہ اس کو بادشاہ (زنا پر) مجبور کرے (تو حد واجب نہیں ہوگی) اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس پر (بادشاہ کے مجبور کرنے کی صورت میں بھی) حد واجب نہیں ہوگی اور اگر کوئی شخص مرتد ہونے پر مجبور کیا گیا تو اسکی عورت بائنہ نہیں ہوگی۔

تشریح : مذکورہ بالا عبارت میں جو مسائل مذکور ہیں وہ واضح ہیں البتہ عبارت کی نشاندہی کر دی جاتی ہے۔
وان اکرہ ...... ان کان القتل عمداً : مسئلہ (۱)۔ وان اکرہ...... ان کان قبل الدخول: مسئلہ (۲)۔ وان کرہ علیٰ الزنا ...... لایلزمہ الحدُّ: مسئلہ (۳)۔ وَاِذَا اکرہ الخ: مسئل (٤).

کتاب السِّیَر

سیر کا بیان

سیر: یہ سیرۃ کی جمع ہے۔ طریقہ۔ شریعت میں اس طریقہ کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات میں اختیار کیا یہ لفظ اپنے اندر تفصیل لئے ہوئے ہیں جس کا محل یہ کتاب نہیں۔ سیرۃ اور حدیث، اصحاب سیر اور اصحاب حدیث میں فرق مناسب انداز میں ''اصح السیر'' میں موجود ہے رجوع فرمالیں۔

الجِهَادُ فَرْضٌ عَلیٰ الکِفَایَةِ اِذَا قَامَ بِهٖ فَرِیْقٌ سَقَطَ عَنِ البَاقِین وَ اِنْ لَمْ یَقُمْ بِهٖ اَحَدٌ اَثِمَ جَمِیْعُ النَّاسِ بِتَرْکِهٖ وَ قِتَالُ الکُفَّارِ وَاجِبٌ وَاِنْ لَمْ یبدؤنا وَلَا یَجِبُ الجِهَادُ عَلیٰ صَبِیٍّ وَلَا عَبْدٍ وَ لَا امْرأَةٍ وَ لَا اَعْمیٰ وَ لَا مُقْعَدٍ وَلَا اَقْطَعٍ فَاِنْ هَجَمَ العَدُوُّ عَلیٰ بَلَدٍ وَجَبَ عَلیٰ جَمِیْعِ المُسْلِمِیْنِ الدَفْعُ تَخرُجُ المَرْأَةُ بِغَیْرِ اِذْنِ زَوْجِهَا وَالعَبْدُ بِغَیْرِ اِذْنِ المَوْلیٰ وَ اِذَا دَخَلَ المُسْلِمُوْنَ دَارَ الحَرْبِ فَحَاصَرُوا مَدِیْنَةً اَوْ حِصْناً دَعَوْهُمْ اِلیٰ الاِسْلَامِ فَاِنْ اَجَابُوْهُمْ کَفُوْ عَنْ مِثَالِهِمْ وَ اِنْ اِمْتَنَعُوْا دَعَوْهُمْ اِلیٰ اَدَاءِ الجِزْیَةِ فَاِنْ بَذَلُوْهَا فَلَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِیْنَ وَ عَلَیْهِمْ مَا عَلَیْهِمْ وَلا یَجُوْزُ اِنْ یُقَاتِلَ مَنْ لَمْ تبلُغْهُ دَعْوَةُ الاِسْلَامِ اِلَّا بَعْدَ اَنْ یَدْعُوْهُمْ.

ترجمہ: جہاد فرض کفایہ ہے اگر ایک جماعت یعنی چند لوگ اس کو انجام دیدیں تو باقی لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر کسی نے بھی اس کو انجام نہیں دیا تو اس کے چھوڑنے سے تمام لوگ گنہگار ہوں گے اور کفار کا قتال (کفار سے قتال) واجب ہے اگر چہ وہ ابتداء نہ کریں۔ اور جہاد بچے، غلام عورت، اندھے، اپاہج اور لولے پر واجب نہیں ہے، اگر دشمن کسی شہر پر چڑھ آئے تو تمام مسلمانوں پر دفاع واجب ہے (ایسے موقع پر) عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام

اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکلے اور جب مسلمان دار الحرب میں داخل ہوں اور کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کرلیں تو (پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دیں اگر وہ مان لیں تو ان کے قتل سے رک جائیں (ان سے جہاد کو موقوف کردیں) اور اگر اسلام کی دعوت قبول کرنے سے رک جائیں (انکار کریں) تو ان کی ادائیگی جزیہ کی دعوت دیں۔ اب اگر وہ جزیہ دیدیں تو ان کیلئے وہی چیز ہوگی جو عام مسلمانوں کے لئے ہے اور ان پر وہ سب کچھ ہوگا جو عام مسلمانوں پر ہوتا ہے اور ان لوگوں سے قتال جائز نہیں ہے جن کو اسلام کی دعوت نہیں پہونچی ہے۔ البتہ ان کو دعوت دینے کے بعد (ان سے قتال جائز ہے)

حل لغات : اثِمَ (س) اِثماً: گنہگار ہونا۔ یبدوا بدأ(ف) بدءً: شروع کرنا۔ مُقید: اپاہج، جس کو بیٹھادیا گیا ہو۔ اقطع: جس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو، لولا۔ هجَمَ(ن) هَجماً و هُجُوماً: حملہ کرنا، اچانک آپڑنا، ٹوٹ پڑنا، چڑھائی کرنا۔ العدو: دشمن۔ حاصروا: حاصر مُحَاصَرةً۔ گھیرا ڈالنا، محاصرہ کرنا۔ حصن: قلعہ۔

تشریح : **الجهاد فرض ...... یبدونا** : عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

ولا یجب الجهاد ...... ولا اقطع : ترجمہ سے واضح ہے۔

فاِنْ هجم ...... اذن المولیٰ : ترجمہ سے واضح ہے۔

وَاِذَا دَخلَ ...... عَلیْمْ مَا عَلَیهِمْ : ترجمہ سے واضح ہے۔ **فلهم ما للمسلمین وعلیهم ما علیهم** : کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کفار اہل جزیہ ہوں یعنی اہل کتاب یا آتش پرست یا عجمی بت پرست ہوں، عرب کے مشرک اور مرتد نہ ہوں، اور یہ لوگ جزیہ دینا قبول کریں، تو اگر مظلوم ہیں تو ان کیلئے انصاف ہوگا جیسا کہ اہل اسلام کے ساتھ ہے۔ اور اگر ظالم ہیں تو ان سے انتقام لیا جائے گا جیسا کہ ایک مسلمان سے لیا جاتا ہے ہاں اگر وہ لوگ جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو پھر خدا کا نام لے کر ان سے قتال کیا جائے گا۔

وَلَا یَجوز اَنْ یقاتِلَ الخ : اس عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

وَیَسْتَحِبُّ اَنْ یَدْعُوَمِنْ بَلَغتهُ الدَّعْوَةُ اِلیٰ الاِسْلَامِ وَلَا یَجبُ ذٰلِكَ فَاِنْ اَبَوْ اسْتَعَانُوْا بِاللّٰهِ تَعَالیٰ عَلَیْهِمْ وَحَارَبُوْهُمْ وَ نَصَبُوْا عَلَیْهِمُ المَجَانِیْقَ وَ حَرَّقُوْهُمْ وَ ارسلُوْ عَلَیْهِمُ المَاءَ وَقَطَعُوْا اَشْجَارَهُمْ وَاَفْسَدُوْا زُرُوْعَهُمْ وَ لَا بَاسَ بِرَمْیِهِمْ وَاِنْ کَانَ فِیْهِمْ مُسْلِمٌ اَسِیْرٌ اَوْ تَاجِرٌ وَ اِنْ تَتَرَّسُوْا بِصِبْیَانِ المُسْلِمِیْنَ اَوْ بِالاسَاریٰ لَمْ یَکُفُّوْ عَنْ رَمْیِهِمْ وَ یَقصُدُوْنَ بالرَمْیِ الکُفَّارَ دُوْنَ المُسْلِمِیْنَ وَلَا بَاسَ بِاِخْرَاجِ النِّسَاءِ والمَصَاحِفِ مَعَ المُسْلِمِیْنَ اِذَا کَانَ عَسْکَرٌ عَظِیْمٌ یؤمَنُ عَلَیْهَا وَ یَکْرَهُ اِخْرَاجُ ذٰلِكَ فِیْ سَرِیَّةٍ لَا یُؤمَنُ عَلَیْهَا وَ لَا تُقَاتِلُ المَرْأَةُ اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا وَ لَا العَبدُ اِلَّا بِاِذْنِ سَیِّدِهٖ اِلَّا اَنْ یَهْجُمَ العَدُوُّ وَ یَنْبَغِیْ لِلْمُسْلِمِیْنَ اَنْ لَا یَغْدِرُوْا وَ لَا یَغُلُّوْا وَ یَمْثُلُوْا وَ لَا یَقْتُلُ اِمرَ.ةً وَ لَا صَبِیّاً وَ لَا شَیْخاً فَانِیاً وَلَا اَعمیٰ وَلَا مُقْعداً اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ اَحَدُ هٰؤلَاءِ مِمَّنْ یَکُوْنَ لَهُ رأی فِی الحَرْبِ اَوْ تَکُوْنُ المَرْأَةُ مَلَکَةً وَ لَا یقتلوا مَجْنُوْناً.

ترجمہ: اور (دوبارہ) دعوت دینا ایسے شخص کو مستحب ہے جس کو اسلام کی دعوت پہونچ چکی ہو اور یہ واجب نہیں ہے۔ اب اگر وہ انکار کردیں تو اللہ تعالیٰ سے ان کے خلاف مدد مانگ کر ان سے لڑائی کرے اور ان پر منجنیق (جنگی ہتھیار) نصب کردے اور ان کو آگ میں جلادیں اور ان پر پانی چھوڑ دیں اور ان کے تمام درختوں کو کاٹ دیں ان کی کھیتیاں برباد کردیں اور ان پر تیر برسانے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر چہ ان کے یہاں کوئی مسلمان قیدی یا کوئی تاجر (تجارت کرنے گیا) ہو، اگر وہ مسلمان بچوں یا قیدیوں کو ڈھال بنالیں جب بھی تیر برسانے سے نہ رکیں۔ اور تیر (برسانے) میں کفاروں کا قصد کریں، مسلمانوں کا نہیں اور جہاد میں عام مسلمانوں کے ساتھ عورتوں اور قرآن کریم کو لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ لشکر بڑا ہو اور قابل اطمینان ہو اور چھوٹے لشکر میں جو نا قابل اطمینان ہو عورتوں اور مصاحف کو ساتھ لے جانا مکروہ ہے۔ اور عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نہ لڑے الا یہ کہ دشمن اچانک حملہ کردے (تو ایسی صورت میں عورت کو اور غلام کو اجازت کی ضرورت نہیں ہے) اور مسلمانوں کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ نہ تو دغا کریں، نہ خیانت، اور نہ مثلہ کریں اور نہ ہی عورتوں، بچوں اور بالکل بوڑھے کو قتل کریں اور نہ اندھے اور نہ اپاہج کو الا یہ کہ ان میں سے (جو کفار سے جنگ جاری ہے) کوئی جنگی معاملات میں صاحب الرائے یا عورت رانی ہو (تو ان کو قتل کردیں) اور کسی دیوانے کو قتل نہ کریں۔

حل لغات: رمی: تیر پھینکنا۔ اسیر: قیدی، جمع اساری. ترسُّوا: باب تفعیل سے مصدر تَرَسُّیاً ہے خود کو ڈھال سے چھپانا۔ سریة: دستہ، چھوٹا لشکر۔ یغدروا (ن،ض،س) غدراً: عہد توڑنا۔ یغلو(ن) غلولاً: خیانت کرنا۔ یمثلو (ن،ض) مثلةً: ناک کان کاٹنا۔ ملکة: رانی۔

تشریح: پوری عبارت میں ایسی کوئی مخصوص بات نہیں ہے جس کی تشریح مطلوب ہو۔ وضاحت کے لئے بین القوسین کی اضافہ شدہ عبارت جو کافی ہے۔

وَ اِنْ رَاٰی الْاِمَامُ اَنْ یُصَالِحَ اَهْلَ الْحَرْبِ اَوْ فَرِیْقاً مِنْهُمْ وَ کَانَ فِیْ ذٰلِكَ مَصْلِحَةٌ لِلْمُسْلِمِیْنَ فَلا بَاْسَ بِهٖ فَاِنْ صَالَحَهُمْ مُدَّةً ثُمَّ رَاٰیٰ اَنَّ نَقْضَ الصُّلْحِ اَنْفَعُ نَبَذَ اِلَیْهِمْ وَقَاتَلَهُمْ فَاِنْ بدؤا بِخِیَانَةٍ قَاتَلَهُمْ وَ لَمْ یَنْبُذْ اِلَیْهِمْ اِذَا کَانَ ذٰلِكَ بِاِتِّفَاقِهِمْ وَ اِذَا خَرَجَ عَبِیْدُهُمْ اِلیٰ عَسْکَرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَهُمْ اَحْرَارٌ وَ لَا بَاْسَ اَنْ یَعْلِفَ الْعَسْکَرُ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ وَ یَاْکُلُوْا مَا وَجَدُوْهُ مِنَ الطَّعَامِ وَ یَسْتَعْمِلُوْا الْحَطَبَ وَ یَدْهِنُوْا بِالدُّهْنِ وَ یُقَاتِلُوْ بِمَا یَجِدُوْنَهُ مِنَ السِّلَاحِ کُلُّ ذٰلِكَ بِغَیْرِ قِسْمَةٍ وَ لَا یَجُوْزُ اَنْ یَبِیْعُوْا مِنْ ذٰلِكَ شَیْئاً وَلا یَتَمَوَّلُوْنَهُ وَ مَنْ اَسْلَمَ مِنْهُمْ اَحْرَزَ بِاِسْلَامِهٖ نَفْسَهٗ وَ اَوْلَادَهُ الصِّغَارَ وَ کُلَّ مَالٍ هُوَ فِیْ یَدِهٖ اَوْ وَدِیْعَةً فِیْ یَدِ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّیٍ فَاِنْ ظَهَرْنَا عَلیٰ الدَّارِ فَعِقَارُهٗ فَیْئٌ وَ زَوْجَتُهٗ فَیْئٌ وَ حَمْلُهَا فَیْئٌ وَ اَوْلَادُهَا الْکَبَائِرُ فَیْئٌ.

ترجمہ: اور اگر امام مناسب سمجھے کہ اہل حرب یا کفار کی ایک جماعت سے مصالحت کرنا ہے اور اس میں مسلمانوں کی بہتری ہو تو اس مصالحت میں کوئی حرج نہیں ہے اب اگر ان میں سے ایک مدت کیلئے مصالحت کری تو اس کے

بعد مناسب سمجھا کہ صلح کا توڑنا زیادہ نفع بخش ہے تو صلح کو توڑ کر ان سے لڑے، اور اگر وہ پہلے خیانت کریں تو ان سے جنگ کریں اور نقض عہد کی ان کو خبر نہ کرے بشرطیکہ نقض عہد ان کے اتفاق سے ہو۔ اور اگر ان کے غلام مسلمان کے لشکر میں آجائیں تو وہ آزاد ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ لشکر دار الحرب میں (چوپایہ کو) چارہ کھلائیں اور جو کھانا پائیں اس کو کھالیں اور لکڑی کو کام میں لائیں اور تیل کو استعمال کریں اور جو ہتھیار پائیں ان سے جہاد کریں اور یہ سب بغیر تقسیم کے۔ اور ان میں سے کسی چیز کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اپنے لئے ذخیرہ کریں اور ان میں سے جو بھی اسلام لے آئے وہ اسلام کی وجہ سے اپنی ذات کو اپنی چھوٹی اولاد کو، اور ہر اس مال کو جو اس کے قبضہ میں ہے یا امانت جو کسی مسلمان یا ذمی کے پاس ہے (سب کو) محفوظ کرے گا۔ اور اگر ہم (مسلمان) اس کے گھر پر غالب آجائیں تو اس کی زمین، اس کی بیوی اور اس کا حمل اور اس کی بڑی اولاد سب غنیمت ہیں۔

کفار مکہ سے صلح کرنے کا بیان

حل لغات: نبذ (ن) نبذاً العهد: عہد توڑنا۔ عبید: یہ عبد کی جمع ہے۔ احرار: حر کی جمع۔ آزاد۔ یعلف (ض) علفاً: جانور کو چارہ دینا۔ حطب: لکڑی۔ یدهنوا: مصدر ادهاناً، اصل اذتهاناً ہے باب افتعال سے، تیل لگانا۔ سلاح: ہتھیار۔ یتمولونه: مصدر تمولاً باب تفعل سے ہے مال جمع کرنا، ذخیرہ کرنا۔ احرز: مصدر احرازاً باب افعال سے ہے، محفوظ کرنا۔ فئی: غنیمت۔

تشریح: اس عبارت میں پانچ مسئلے ہیں۔

وان رأى الامام فلا باس به: مسئلہ (۱) اگر امام وقت مسلمان کے حق میں کفار سے مصالحت کو مفید تصور کرتا ہے تو مصالحت کرنا جائز ہے اگرچہ یہ مصالحت مال پر ہو۔ خواہ مال لے کر یا مال دے کر بہر دو صورت درست ہے۔

فان صالحهم ...... كان باتفاقهم: مسئلہ (۲) اگر امام وقت نے کفار سے ایک مدت کے لئے مصالحت کر لی اس کے بعد اگر مسلمان کے حق میں مصالحت کو توڑنا مفید سمجھتا ہے تو ایسا کرنا درست ہے اگر عدت مصالحت کے ختم ہونے سے قبل نقض عہد کا اعلان کر دیا جائے تو عہد شکنی جو حرام ہے لازم نہیں آئے گا۔ اور مدت صلح پوری ہونے کے بعد اعلان کی کوئی ضرورت نہیں۔ بہر کیف صلح توڑنے کے بعد کفار سے قتال کرے۔ اگر بادشاہ کی جانب سے خیانت ظاہر ہو تو نقض صلح کے اعلان کے بغیر کفار سے قتال کیا جائے۔ بشرطیکہ نقض عہد پر ان کا اتفاق ہو۔

واذا خرج عبيدهم ......فيهم احرار: مسئلہ (۳) اگر کفار کے غلام مسلمان کے لشکر میں آکر شامل ہو جائیں تو وہ آزاد ہیں۔

وَلا باس ...... ولا يتمولونه: مسئلہ (۴) مجاہدین کو جو سامان دار الحرب سے مال غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے مثلاً چارہ، کھانا، لکڑی، تیل، ہتھیار وغیرہ ان کا استعمال قبل از تقسیم جائز ہے البتہ اس کا فروخت کرنا ذخیرہ اندوزی کرنا جائز نہیں ہے۔

ومن اسلم منهم الخ: مسئلہ (۵) کفار میں سے جو شخص بھی اسلام میں داخل ہوگا وہ اسلام کی وجہ سے اپنی جان اپنی چھوٹی اولاد، اور جو مال کہ اس کے قبضہ میں ہے یا جو امانت کسی مسلمان کے ہاتھ میں ہے کسی ذمی کے ہاتھ میں ہے سب

کو محفوظ کر سکتا ہے اور اگر مسلمان کفار کے گھروں پر غالب آجائیں تو ان کی زمین، ان کی بیوی، ان کا حمل، ان کی بڑی اولاد سب غنیمت میں داخل ہیں۔

وَلَا يَنبَغِي اَنْ يُبَاعَ السِلَاحُ مِنْ اَهْلِ الحَرْبِ وَ لَا يُجَهَّزُ اِلَيْهِمْ وَ لَا يفادىٰ بالاُسَارىٰ عِندَ اَبِی حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللهُ يُفَادىٰ بِهِمْ اُسَارىٰ المُسْلِمِيْنَ وَ لَايَجُوْزُ المَنُّ عَلَيْهِمْ وَاِذَا فَتَحَ الاِمَامُ بَلْدَةً عَنْوَةً فَهُوَ بِالخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَسَّمَهَا بَيْنَ الغَانِمِيْنَ وَ اِنْ شَاءَ اَقَرَّ اهلها عَلَيْهَا وَ وَضَعَ عَلَيْهِمُ الجِزْيَةَ وَ عَلىٰ اَرَاضِيْهِمُ الخَرَاجَ وَ هُوَ فِی الاُسَارىٰ بِالخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ وَ اِنْ شَاءَ اسْتَرَقَّهُمْ وَ اِنْ شَاءَ تَرَكَهُم اَحْرَاراً ذِمَّةً لِلْمُسْلِمِيْنَ وَ لَا يَجُوزُ اَنْ يَرُدَّهُمْ اِلىٰ دَارِالحَرْبِ وَ اِذَا اَرَادَ الاِمَامُ العَوْدَ اِلىٰ دَارِ الاِسْلَامِ وَ مَعَهُ مَوَاشٍ فَلَمْ يَقْدِرْ عَلىٰ نَقْلِهَا اِلىٰ دَارِ الاِسْلَامِ ذَبَحَهَا وَ حَرَّقَهَا وَ لَا يَعْقِرُهَا وَ لَا يَتْرُكُهَا وَلَا يُقَسِّمُ غَنِيْمَةً فِیْ دَارِ الحَرْبِ حَتّىٰ يُخْرِجَهَا اِلىٰ دَارِ الاِسْلَامِ وَ الرِّدْءُ وَ المُقَاتِلُ سَوَاءٌ وَ اِذَا لَحِقَهُمُ المَدَدُ فِیْ دَارِ الحَرْبِ قَبْلَ اَنْ يُخْرِجُوْا الغَنِيْمَةَ اِلىٰ دَارِ الاِسْلَامِ شَارَكُوْهُمْ فِيْهَا وَ لَاحَقَّ لِاَهْلِ سُوْقِ العَسْكَرِ اِلَّا اَنْ يُقَاتِلُوْا۔

ترجمہ: اور اہل حرب کے ہاتھ ہتھیار کا فروخت کرنا مناسب نہیں ہے اور نہ ان کے یہاں اسباب لے جایا جائے۔ اور نہ ان کو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (مسلمان) قیدیوں کے عوض رہا کیا جائے۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ ان کو مسلمان قیدیوں کے عوض رہا کر دیا جائے۔ اور ان پر احسان کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر امام کسی شہر کو زبردستی حاصل کر لے تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس کو غانمین کے درمیان تقسیم کر دے اور چاہے تو ان کے باشندوں کو ان کی جگہ برقرار رکھے اور ان پر جزیہ مقرر کرے اور ان کی زمین پر ٹیکس مقرر کرے۔ اور قیدیوں کے بارے میں (بھی) اختیار ہے اگر چاہے تو ان کو قتل کر دے اور چاہے تو ان کو غلام بنالے اور چاہے تو مسلمانوں کے لئے ذمی بنا کر آزاد چھوڑ دے اور ان کو دارالحرب لوٹانا جائز نہیں ہے۔ اور اگر امام دارالاسلام آنا چاہے اور اس کے ساتھ مویشی ہوں جن کو دارالاسلام میں منتقل نہ کر سکے تو ان کو ذبح کر کے جلا دے اور ان کے ہاتھ پیر نہ کاٹے اور نہ یوں ہی چھوڑ دے۔ اور غنیمت کو دارالحرب میں تقسیم نہ کرے بلکہ اس کو دارالاسلام میں لے آئے۔ اور مددگار اور مقاتل سب برابر ہیں۔ اور اگر مجاہدین کو دارالحرب میں کمک پہونچے مال غنیمت کو دارالاسلام میں منتقل کرنے سے پہلے پہلے تو مال غنیمت میں کمک والے بھی شریک ہوں گے اور غنیمت میں لشکر کے بازار والوں (لشکر میں بازاری قسم کے جو لوگ شریک ہیں ان) کا کوئی حق نہیں ہے مگر یہ کہ یہ لوگ قتال کریں۔

حل لغات: یفادی: مصدر مفاداۃ کچھ لے کر چھوڑ دینا۔ اساریٰ: اسیر کی جمع ہے، قیدی۔ مَن (ن) مناً: احسان کرنا۔ عَنوۃً: زبردستی۔ عنا (ن) عنواً: زبردستی لینا۔ غانمین: یہ غانم کی جمع ہے غنیمت حاصل کرنے والے۔

اراضی: ارض کی جمع ہے۔ استرقهم، استرق العبد استرقاقاً: باب استفعال سے ہے غلام بنانا، غلام کا مالک ہونا۔
مواش: ماشیہ کی جمع ہے مویشی۔ یعقِر (ض) عقراً: ہاتھ پیر کاٹنا۔ الردءُ: مددگار۔

تشریح : اس عبارت کو سات مسئلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

وَلَا یَنبغي ...... وَلایجهز الیهم : مسئلہ (۱) کفار کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا غیر مناسب ہے اور تاجر حضرات دارالحرب میں اسباب تجارت نہ لے جائیں۔

ولا یفادی بالأُساریٰ ...... المسلمین : مسئلہ (۲) جو کافر قید ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آجائیں ان کو مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں چھوڑنا جائز نہیں ہے خواہ جنگ سے پہلے یا جنگ کے بعد یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک جنگ کے مکمل ہونے سے مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں کافر قیدیوں کو رہا کرنا جائز ہے۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ظاہر الروایہ میں امام صاحب سے یہی منقول ہے کیونکہ ایک مسلم کا رہا کرانا ایک کافر کے قتل سے بہتر ہے۔

وَلَا یَجُوز المنّ علیهم: مسئلہ (۳) جو کافر قید ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں ان کو احسان کے طور پر بغیر کسی معاوضہ کے رہا کر دینا جائز نہیں ہے یہ احناف کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بغیر معاوضہ کے رہا کر دینا جائز ہے۔

واذا فتح الامام ...... الیٰ دار الحرب : مسئلہ (۴) اور امام جس شہر کو طاقت کے بل بوتے پر فتح کرلے اس کے متعلق اس کو اختیار ہے چاہے تو خمس نکال کر باقی کو نمازیوں کے درمیان تقسیم کردے اور چاہے اس شہر کے باشندوں کو ان کے گھروں میں باقی رکھے البتہ ان پر جزیہ اور ان کی زمینوں پر خراج مقرر کرے۔ اور امام کو قیدیوں کے متعلق بھی اختیار ہے اگر چاہے تو ان کو قتل کردے اور چاہے تو ان کو غلام بنالے اور چاہے تو ان کو مسلمانوں کے لئے ذمی بنا کر آزاد چھوڑ دے البتہ امام کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ قیدی کسی طرح دارالحرب واپس ہوں۔

وإذا اراد الإمَامُ ...... ولا یترکها : مسئلہ (۵) اگر امام دارالحرب لوٹنے کا ارادہ کرے اور اس کے چوپائے ہوں ان کو لانا مشکل ہو تو ان جانور کے ہاتھ پیر نہ کاٹے اور نہ یونہی چھوڑ دے بلکہ ذبح کر کے ان کو جلادے (تاکہ دشمن کی شان وشوکت پامال ہو ان کے حوصلے ٹوٹیں) یہ احناف کے نزدیک ہے امام شافعیؒ کے نزدیک اگر جانور کو منتقل کرنا مشکل ہو تو ان کو دارالحرب میں چھوڑ دے۔

وَلا یقسم غنیمة ...... الیٰ دارالإسلام : مسئلہ (۶) امام کو چاہئے کہ مال غنیمت کو دارالحرب میں تقسیم نہ کرے بلکہ دارالحرب میں لانے کے بعد تقسیم کرے۔ بشرطیکہ بار برداری کا انتظام ہو اگر ایسا نہیں ہے تو اپنے فوجیوں پر امانت کے طور پر تقسیم کردے تاکہ اس انداز سے سارا مال غنیمت پہونچ جائے اور دارالاسلام میں آنے کے بعد از سر نو تقسیم کریں۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مشرکین کو شکست فاش دینے کے بعد مال غنیمت کو دارالحرب میں تقسیم کردیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ امام مالک کے نزدیک مناسب یہ ہے کہ مال غنیمت کو پہلی فرصت میں دارالحرب میں تقسیم کردیں اور قیدیوں کو دارالاسلام میں لاکر تقسیم کریں۔

والرِدُّ والمُقَاتِلُ الخ : مسئلہ (۷) مددگار اور مجاہد سب برابر ہیں چنانچہ مال غنیمت کو دارالاسلام میں منتقل کرنے

سے قبل اگر مجاہدین اور نمازیوں کو مدد پہونچ جائے تو جو لوگ کمک اور مدد پہونچانے والے ہیں وہ مال غنیمت میں شریک ہوں گے۔ اور ایسے لشکر جو بازاری قسم کے ہیں ان کی مال غنیمت میں شرکت اسی وقت ہوگی جبکہ وہ لڑائی میں شرکت کریں۔

وَاِذَا اٰمَنَ رَجُلٌ حُرٌّ اَوْ امْرَاَةٌ کَافِراً اَوْ جَمَاعَةً اَوْ اَهْلَ حِصْنٍ اَوْ مَدِیْنَةٍ صَحَّ اَمَانُهُمْ وَ لَمْ یَجُزْ لِاَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ قَتْلُهُمْ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ فِیْ ذٰلِكَ مُفْسِدَةٌ فَیَنْبِذُ اِلَیْهِمْ الاِمَامُ وَلَا یَجُوْزُ اَمَانُ ذِمِّیٍّ وَ لَا اَسِیْرٍ وَ لَا تَاجِرٍ یَدْخُلُ عَلَیْهِمْ وَ لَا یَجُوْزُ اَمَانُ العَبْدِ المَحْجُوْرِ عَلَیْهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ اِلَّا اَنْ یَاذَنَ لَهُ مَوْلَاهُ فِی الْقِتَالِ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللهُ یَصِحُّ اَمَانُهُ۔

ترجمہ : اور جب ایک آزاد مرد یا آزاد عورت نے کسی کافر یا کسی جماعت یا اہل قلعہ یا اہل شہر کو امن دیدیا تو ان کا امن دینا صحیح ہے اور (اب) کسی مسلمان کے لئے ان کا قتل کرنا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس (امن دینے) میں کوئی خرابی ہو تو امام ان کے امن دینے کو توڑ دے اور کسی ذمی کا (کسی کافر کو) امن دینا، کسی قیدی کا (کسی کافر کو) امن دینا جائز نہیں ہے اور نہ ہی کسی مسلم تاجر کا (کسی کافر) کو امن دینا جائز ہے جو تاجر کہ دارالحرب میں جاتا ہو (کیونکہ یہ تاجر دوسروں کی حفاظت میں ہے) اور کسی عبد محجور علیہ کا (کسی کافر کو) امن دینا جائز نہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔ مگر یہ کہ اس کا آقا اس کو لڑنے کی اجازت دیدے۔ اور حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ غلام کا پناہ دینا صحیح ہے۔ (ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے)

تشریح : اس عبارت میں مشرکین کو امن دینے کا بیان ہے۔ یہ عبارت دو مسئلوں پر مشتمل ہے۔

واذا امن رجل ...... الیهم الامام : مسئلہ (۱)۔ ولا یجوز امان ذِمّیٍّ الخ: مسئلہ (۲)۔ دونوں مسئلے ترجمہ سے واضح ہیں۔

وَ اِذَا غَلَبَ التُرْكُ عَلَی الرُّوْمِ فَسَبُوْهُمْ وَ اَخَذُوْا اَمْوَالَهُمْ مَلَکُوْهَا وَ اِنْ غَلَبْنَا عَلَی التُرْكِ حَلَّ لَنَا مَا نَجِدُهٗ مِنْ ذَالِكَ وَ اِذَا غَلَبُوْا عَلٰی اَمْوَالِنَا وَ اَحْرَزُوْهَا بِدَارِهِمْ مَلَکُوْهَا فَاِنْ ظَهَرَ عَلَیْهَا الْمُسْلِمُوْنَ فَوَجَدُوْهَا قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهِیَ لَهُمْ بِغَیْرِ شَیْءٍ وَ اِنْ وَجَدُوْهَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ اَخَذُوْهَا بِالْقِیْمَةِ اِنْ اَحَبُّوْا وَ اِنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرٌ فَاشْتَرٰی ذٰلِكَ فَاَخْرَجَهٗ اِلٰی دَارِ الاِسْلَامِ فَمَالِکُهُ الاَوَّلُ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهٗ بِالثَمَنِ الَّذِیْ اِشْتَرَاهُ بِهِ التَّاجِرُ وَ اِنْ شَاءَ تَرَکَهٗ وَلَا یَمْلِكُ عَلَیْنَا اَهْلُ الْحَرْبِ بِالْغَلَبَةِ مُدَبَّرِیْنَا وَ اُمَّهَاتِ اَوْلَادِنَا وَمُکَاتِبِیْنَا وَ اِحْرَارَنَاوَ نَمْلِكُ عَلَیْهِمْ جَمِیْعَ ذٰلِكَ وَاِذَا اَبَقَ عَبْدُ الْمُسْلِمِ فَدَخَلَ اِلَیْهِمْ فَاَخَذُوْهُ لَمْ یَمْلِکُوْهُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَا مَلَکُوْهُ وَ اِنْ نَدَّ اِلَیْهِمْ بَعِیْرٌ فَاَخَذُوْهُ مَلَکُوْهُ۔

ترجمہ : اور جب ترک رومیوں پر غالب آجائیں اور ان کو قید کر لیں اور ان کا مال چھین لیں تو وہ مالک ہوجائیں گے۔ اور اگر ہم ترکیوں پر غالب آجائیں تو ہمارے لئے وہ تمام چیز حلال ہوجائے گی جو ہم اس سے پائیں گے اور

اگر وہ (حربی کافر) ہمارے مال پر غالب آجائیں اور اس کو اپنے گھر (دار الحرب) لے جائیں تو وہ اس کے مالک ہوجائیں گے۔اب اگر حربی کافر پر مسلمان غالب آجائیں اور تقسیم سے پہلے (اپنے) مال (میں سے کوئی چیز) پائیں تو وہ بلاعوض اسی (پانے والے) کی ہوگی۔اور اگر مال کے تقسیم کے بعد پائیں تو اس کو قیمت کے عوض لیں اگر چاہیں اور اگر کوئی تاجر دارالحرب میں آئے اور مال خرید کر دارالاسلام میں لے آئے تو پہلے مالک کو اختیار ہے چاہے تو اس سامان کو اس قیمت پر لے لے جس قیمت پر کہ تاجر نے اس کو خریدا ہے اور چاہے تو اس کو چھوڑ دے اور اہل حرب ہم غالب آکر ہمارے مدبروں، ام ولدوں، مکاتبوں، اور آزادوں کے مالک نہیں ہوں گے اور ہم ان سب کے مالک ہوجائیں گے۔اور اگر مسلمان کا غلام بھاگ کر دارالحرب میں چلا جائے اور وہ اسے پکڑلیں تو حربی لوگ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غلام کے مالک نہیں ہوں گے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ وہ لوگ غلام کے مالک ہوجائیں گے۔اور اگر کوئی اونٹ بدک کر دارالحرب میں چلا جائے اور وہ لوگ اس کو پکڑلیں تو وہ لوگ اس اونٹ کے مالک ہوجائیں گے۔

کفار کے غلبہ کا بیان

حل لغات : سبوھم : سبی (ض) سبیاً، قید کرنا۔احرز احرازاً: حاصل کرنا، لے جانا۔ ندَّ (ض) ندّاً: بھاگنا، جانور کا بدکنا۔

تشریح : یہ عبارت چھ مسائل پر مشتمل ہے۔

واِذا غَلَبَ ...... مانجدہٗ من ذالك : مسئلہ (۱) اس عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

واِذا غلبوا ...... ملکوھا : مسئلہ (۲) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔یہ احناف کا مسلک ہے کہ دارالحرب میں لے جانے کے بعد مالک ہوں گے۔امام مالکؒ کے یہاں صرف غلبہ پانے سے مالک ہوجائیں گے۔امام احمدؒ سے دونوں طرح کی روایتیں منقول ہیں۔امام شافعیؒ کے نزدیک کسی بھی طرح حربی مسلمان کے مال کا مالک نہیں ہوگا۔

فان ظھر علیھا ...... ان احبو : مسئلہ (۳) عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

وَاِنْ دَخَلَ دارَالحَرَبِ ...... ان شاءَ ترکه : مسئلہ (۴) اس عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

وَلا یملكُ علَیْنا ...... ونملك علیھم جمیع ذالك : مسئلہ (۵) عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

واِذا اَبَقَ عَبْدُ المُسلم الخ : مسئلہ (۶) یہ مسئلہ بھی ترجمہ سے واضح ہے۔

وَ اِذَا لَمْ یَکُنْ لِلاِمَامِ حَمُوْلَةٌ یَحْمِلُ عَلَیْهَا الغَنَائِمَ قَسَّمَهَا بَیْنَ الغَانِمِیْنَ قِسْمَةَ اِیْدَاعٍ لِیَحْمِلُوْهَا اِلیٰ دَارِالاِسْلَامِ ثُمَّ یَرْجِعُهَا مِنْهُمْ فَیُقَسِّمُهَا وَ لَا یَجُوْزُ بَیْعُ الغَنَائِمِ قَبْلَ القِسْمَةِ فِیْ دَارِ الحَرْبِ وَ مَنْ مَاتَ مِنَ الغَانِمِیْنَ فِیْ دَارِ الحَرْبِ فَلا حَقَّ لَهٗ فِی القِسْمَةِ وَ مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ اِخْرَاجِهَا فَنَصِیْبُهٗ لِوَرَثَتِهٖ وَ لَا بَاسَ بِاَنْ یُنَفِّلَ الاِمَامُ فِیْ حَالِ القِتَالِ وَ یُحَرِّضَ بِالنَّفْلِ عَلیَ القِتَالِ فَیَقُوْلُ مَنْ قَتَلَ قَتِیْلاً فَلَهٗ سَلَبُهٗ اَوْ یَقُوْلُ لِسَرِیَّةٍ قَدْ جَعَلْتُ لَکُمْ

الرُّبعَ بَعْدَ الخُمُسِ وَ لَا يُنفِّلُ بَعْدَ اِحْرَازِ الغَنِيمَةِ اِلَّا مِنَ الخُمُسِ وَ اِذَا لَمْ يَجْعَلِ السَّلْبَ لِلْقَاتِلِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الغَنِيمَةِ والقَاتِلُ وَغَيْرُهُ فِيهِ سَوَاءٌ والسَّلْبُ مَا عَلَى المَقْتُولِ مِنْ ثِيَابِهِ وَ سَلَاحِهِ وَ مَرْكَبِهِ وَ اِذَا خَرَجَ المُسْلِمُوْنَ مِنْ دَارِ الحَرْبِ لَمْ يَجُزْ يعلفوا مِنَ الغَنِيمَةِ وَ لَا يَاكُلُوْا مِنْهَا شيئاً وَ مَنْ فَضَلَ مَعَهُ علف اَوْ طَعَامٌ ردهُ اِلَى الغَنِيمَةِ.

ترجمہ : اور جب امام کے پاس باربرداری کا جانور نہ ہو جس پر کہ مال غنیمت کولادے تو اس مال کو فوجیوں کے درمیان بطور امانت تقسیم کردے تاکہ وہ اسکو دارالاسلام میں لے آئیں اور دارالاسلام میں لے آنے کے بعد ان سے واپس لے کر اس کو تقسیم کردے۔ اور مال غنیمت کو تقسیم سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور فوجیوں میں سے جو کوئی دارالحرب میں مرجائے تو تقسیم میں اس کا کوئی حق نہیں ہے اور فوجیوں میں دارالحرب سے واپس کے بعد مرجائے تو اس کا حصہ اس کے ورثہ کے لئے ہوگا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ امام جنگ کے وقت انعام دے یا انعام کا وعدہ کرے جنگ پر (فوجیوں کو) ابھارے اور کہے کہ جو شخص کسی کو قتل کرے گا تو اس کا سارا سامان اسی (قاتل) کو ملے گا۔ یا کسی دستہ سے کہے کہ خمس نکالنے کے بعد غنیمت کی ایک چوتھائی میں نے تمہارے لئے (مخصوص) کردی۔ اور غنیمت جمع کرنے کے بعد انعام نہ دے مگر (اگر دے بھی تو) خمس سے اور اگر مقتول کا سامان قاتل کے لئے (مخصوص) نہیں کیا تو وہ اب غنیمت میں شامل ہوگا اور اس میں قاتل اور غیر قاتل سب برابر ہیں اور مقتول کے اسباب سے مراد اس کے کپڑے، اس کے ہتھیار اور اس کی سواری ہے۔ اور جب مسلمان دارالحرب سے نکل جائیں تو نہ مال غنیمت سے جانور کو چارہ کھلائیں اور نہ اس میں سے (خود بھی) کچھ کھائیں۔ اور جس کے پاس کچھ چارا بچا ہو یا کھانا بچا ہو تو اس کو مال غنیمت میں شامل کردے۔

غنیمت کے بقیہ احکام

حل لغات : حَمولة: باربرداری کا جانور۔ ینفل تنفیلاً: حصہ سے زائد دینا، انعام دینا۔ تحرض: تحریضاً ابھارنا، اکسانا۔ نفل: زائد، غنیمت۔ سلب: مقتول کا سامان۔ سریة: دستہ۔ احراز: جمع کرنا اکٹھا کرنا۔ علف، علف الدابة (ض) علفاً: چارہ کھلانا، گھاس کھلانا۔ علفٌ: چارہ۔

تشریح : اس عبارت کو نو مسئلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

وَاِذَا لم یکن ...... فیقسمها : مسئلہ (۱) اس مسئلہ کو گزشتہ صفحہ میں ولا یقسم غنیمة کے تحت بیان کردیا گیا ہے۔ ویسے بھی ترجمہ سے مفہوم واضح ہے۔

وَلَا یَجوز بیع الغنائم ...... الحرب : مسئلہ (۲) مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

ومن مات من الغانمین ...... فنصیبه لورثته : مسئلہ (۳) مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

ولا باس ...... الربع بعد الخمس : مسئلہ (۴) اگر امام کفار سے جنگ کے موقع پر لوگوں کو جنگ کی رغبت دینے کے لئے کچھ انعام مقرر کردے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مستحب ہے (ارشاد باری ہے یا ایها النبی حَرِّضِ المُؤمِنِینَ

عَلیٰ القِتَالِ) مثلاً یوں کہے کہ جو شخص کسی کافر کو قتل کرے گا تو اس کو مقتول کا سارا ساز و سامان ملے گا یا چھوٹے لشکر یا دستہ کو روانہ کرتے وقت کہے کہ غنیمت کا پانچواں حصہ نکالنے کے بعد ایک چوتھائی تمہارے لئے بطور انعام ہے۔

ولا ینفل بعد احراز ...... الا من الخمس : مسئلہ (۵) غنیمت کا مال دارالاسلام میں لانے کے بعد امام صرف خمس میں سے انعام دے سکتا ہے کیونکہ احراز کی وجہ سے غیروں کا حق ثابت ہو گیا۔

وَاِذَا لَم یجعلِ السلب...... سواءً : مسئلہ (۶) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے یہ احناف کے نزدیک ہے۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر قاتل اس کا اہل ہے اور اس نے کافر کو اس حالت میں قتل کیا کہ وہ کافر لڑنے پر متوجہ تھا تو اس قاتل کو مقتول کا سامان دیا جائے گا۔ چنانچہ اگر کافر کوئی بھاگتا ہوا یا کسی کام میں مشغول پایا اور قتل کر دیا تو پھر مقتول کے سامان کا مستحق نہیں ہوگا۔

والسلب ...... مرکبه : مسئلہ (۷) ترجمہ سے مفہوم واضح ہے۔

وَاِذا خرج المسلمون ...... منها شیئاً : مسئلہ (۸) اس سے پہلے یہ حکم بیان کیا گیا تھا کہ اگر مسلمان فوجی دارالحرب میں رہ کر تقسیم غنیمت سے قبل چارہ، کھانا وغیرہ استعمال کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر دارالحرب سے نکل گئے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس حکم کو اس عبارت میں بیان کر رہے ہیں کہ اگر مسلمان فوجی دارالحرب سے نکل جائیں تو حکم یہ ہے کہ اس غنیمت سے نہ تو جانور کو چارہ کھلائیں اور نہ اس میں سے خود بھی کوئی چیز کھائیں۔

ومن فضل معه علف الخ : مسئلہ (۹) اس کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

وَيُقَسِّمُ الاِمَامُ الغَنِيْمَةَ فَيُخْرِجُ خُمُسَهَا وَ يُقَسِّمُ الاَرْبَعَةَ الاَخْمَاسَ بَيْنَ العَالَمِيْنَ لِلفَارِسِ سَهْمَانِ وَ لِلرَّاجِلِ سَهْمٌ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللهُ لِلْفَارِسِ ثَلٰثَةُ اَسْهُمٍ وَلَا يُسْهَمُ اِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ وَالبَرَاذِيْنُ وَالعِتَاقُ سَوَاءٌ وَلَا يُسْهَمُ لِرَاحِلَةٍ وَ لَا بَغْلٍ وَ مَنْ دَخَلَ دَارَ الحَرْبِ فَارِساً فَنَفَقَ فَرَسُهُ اسْتَحَقَّ سَهْمَ فَارِسٍ وَ مَنْ دَخَلَ رَاجِلاً فَاشْتَرىٰ فَرَساً اسْتَحَقَّ سَهْمَ رَاجِلٍ وَ لَا يُسْهَمُ لِمَمْلُوْكٍ وَ لَا اِمْرَاَةٍ وَ لَا ذِمِّيٍ وَلَا صَبِيٍّ وَلٰكِنْ يَرْضَخُ عَلیٰ حَسْبِ مَايَرَىٰ الاِمَامُ وَ اَمَّا الخُمُسُ فَيُقَسَّمُ عَلیٰ ثَلٰثَةِ اَسْهُمٍ سَهْمٌ لِلْيَتَامىٰ وَ سَهْمٌ لِلْمَسَاكِيْنِ وَ سَهْمٌ لِاِبْنَاءِ السَّبِيْلِ وَ يَدْخُلُ فُقَرَاءُ ذَوِی القُرْبىٰ فِيْهِمْ وَ يُقَدَّمُوْنَ.

ترجمہ : اور امام مال غنیمت کو تقسیم کرلے اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ نکال دے اور چار خمس فوجیوں کے درمیان تقسیم کرے (اور فوجیوں میں سے) گھوڑ سواروں کے لئے دو حصے اور پیدل والوں کے لئے ایک حصہ ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ گھوڑ سواروں کے لئے تین حصے ہیں۔ اور صرف ایک گھوڑ سوار کا حصہ لگائے۔ اور دیسی اور عربی گھوڑے (دونوں) برابر ہیں۔ اور بار بردار اور خچروں کا حصہ نہ لگائے۔ اور جو شخص دارالحرب میں سوار ہو کر داخل ہوا اور اس کا گھوڑا مر گیا تو سوار کے حصہ کا حقدار ہوگا۔ اور جو شخص پیدل داخل ہوا اور (اسی جگہ) ایک گھوڑا خرید لیا تو پیادہ کے

حصہ کا مستحق ہوگا اور غلام، عورت، ذمی اور کسی بچے کا حصہ نہ لگائے مگر امام اس کو جو مناسب سمجھے دیدے۔ اور بہر حال خمس تو اس کو تین حصوں پر تقسیم کرے، ایک حصہ یتیموں کیلئے، ایک حصہ مسکینوں کے لئے اور ایک حصہ مسافروں کے لئے۔ اور ذوی القربیٰ کے فقراء اسی میں داخل ہوں گے اور مقدم کئے جائیں گے۔

مال غنیمت کی تقسیم کا بیان

حل لغات : فارس: اسم فاعل۔ گھوڑ سوار، شہسوار۔ فَرُسَ (ك) فُرُوْسِيَةً: شہسوار ہونا، گھوڑوں کا ماہر ہونا۔ **سهم:** حصہ جمع اسهم، سهم (ن) سهماً، اَسْهَمَ لَهُ فِيْ كَذا اِسْهَاماً. حصہ مقرر کرنا۔ **البراذين:** دیسی گھوڑا، ترکی گھوڑا، واحد بِرْذَوْن۔ **العتاق:** عمدہ نسل والا عربی گھوڑا۔ **راحلة:** اونٹ، باربردار۔ **بغل:** خچر۔ **نفق:** الرجل او الدابة، (ن) نُفُوْقاً. مرنا، روح نکلنا۔ **يرضخ:** رَضَخ مِنْ مالِهٖ (ض، ف) رَضْحاً. مال میں سے تھوڑا سا دینا۔

تشریح : اس عبارت میں سات مسئلے مذکور ہیں۔

ويُقسَّمُ ...... ثلثة اَسْهُمٍ : مسئلہ(۱) امام مال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے اس میں سے پانچواں نکال دے گا اور چار حصوں کو فوجیوں کے درمیان تقسیم کرے گا چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شہسواروں کو دو حصے ملیں گے اور پاپیادہ کو ایک حصہ ملے گا (امام زفرؒ کا مسلک بھی یہی ہے) اور صاحبینؒ کے نزدیک شہسوار کو تین حصے ملیں گے یعنی ایک حصہ سوار کا اور دو حصے گھوڑے کے ہوں گے۔ اور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ولا يسهم الا لفرس واحد : مسئلہ(۲) اگر کوئی فوجی دو گھوڑے لے کر محاذ پر جائے تو طرفین کے نزدیک اس کو ایک گھوڑے کا حصہ ملے گا (امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے) اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دو گھوڑے کے دو حصے ملیں گے (امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے)۔

والبراذين والعتاق سواء: مسئلہ(۳) ترجمہ سے واضح ہے۔

ولا يسمهم لراحلة ولا بغل: مسئلہ(۴) اگر میدان جہاد میں بارکش اونٹ اور خچر لے گئے تو ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

ومن دخل ...... منهم راجل: سوار اور پیدل کے حصوں کے استحقاق کا مدار دار الاسلام سے جدا ہوتے وقت کا ہے۔ اگر جدا ہوتے وقت سوار تھا تو سوار کا اور پیادہ تھا تو پیادہ کا حصہ ملے گا۔ اسی اصول پر مسئلہ متفرع ہوگا۔

ومن دخل ...... منهم راجل: مسئلہ(۵) اگر کوئی غازی دار الحرب میں سوار ہو کر داخل ہوا اور اس کا گھوڑا مر گیا تو اس سوار کو حصہ ملے گا یعنی دو حصے ملیں گے اور اگر دار الحرب میں پیدل گیا وہاں پہونچ کر ایک گھوڑا خرید لیا تو اس کو پیادہ کا حصہ یعنی ایک حصہ ملے گا۔ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں مجاہد کو سوار کا حصہ ملے گا۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اصل اعتبار لڑائی کے ختم ہونے کی حالت کا ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک صرف سرحد سے اترنے کا اعتبار ہے یعنی اسلام کی حدود سے نکل جانے کا اعتبار ہے۔

ولا يسهم ...... ما يرى الامامُ : مسئلہ(۶) مال غنیمت میں سے غلام، عورت، ذمی اور بچے کا حصہ لگایا نہیں جائے گا البتہ امام اپنی صوابدید پر انہیں کچھ عطا کر دے گا۔

واما الخمس الخ : مسئلہ (۷) خمس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا جس میں ایک یتیم دوسرے مساکین اور تیسرے مسافرین کے لئے ہوگا اور فقراء ذوی القربیٰ اقسام ثلثہ میں ہیں ان کو اقسام ثلثہ پر مقدم کیا جائے گا۔ یعنی بنو ہاشم کا یتیم، دوسرے یتیموں پر اسی طرح بنو ہاشم کا مسکین دوسرے مسکینوں پر مقدم ہوگا علیٰ ہٰذا القیاس۔

وَلا یدفعُ اِلیٰ اَغْنِیَائِهِمْ شَیْئاً فَاَمَّا مَا ذَکَرَ اللہُ تَعَالیٰ لِنَفْسِہٖ فِیْ کِتَابِہٖ مِنَ الْخُمْسِ فَاِنَّمَا ھُوَ لِاِفْتِتَاحِ الْکَلَامِ تَبَرُّکاً بِاِسْمِہٖ تَعَالیٰ وَ سَھْمُ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ سَقَطَ بِمَوْتِہٖ کَمَا سَقَطَ الصَّفِیُّ وَ سَھْمُ ذَوِ الْقُرْبیٰ کَانُوْا یَسْتَحِقُّوْنَہٗ فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِالنُّصْرَۃِ وَ بَعْدَہٗ بِالْفَقْرِ وَاِذَا دَخَلَ الْوَاحِدُ اَوِ الْاِثْنَانِ دَارَ الْحَرْبِ مُغِیْرِیْنَ بِغَیْرِ اِذْنِ الْاِمَامِ فَاَخَذُوْا شَیْئاً لَمْ یُخَمَّسْ وَ اِنْ دَخَلَ جَمَاعَۃٌ لَھُمْ مَنْعَۃٌ فَاَخَذُوْا شَیْئاً خُمِسَ وَ اِنْ لَمْ یَاْذَنْ لَھُمُ الْاِمَامُ۔

ترجمہ : اور ذوی القربیٰ کے مالداروں کو (خمس میں سے) کچھ بھی نہ دے اور جس خمس کو اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں اپنی ذات کے لئے ذکر کیا ہے تو وہ اللہ کے نام سے تبرک حاصل کرنے کیلئے کلام الٰہی کے شروع میں ذکر کردیا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کے انتقال کی وجہ سے ساقط ہوگیا ہے جیسے صفی اور ذوی القربیٰ کا حصہ ساقط ہوگیا کہ یہ لوگ دور نبویؐ میں نصرت کی وجہ سے مستحق ہوتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد فقر کی وجہ سے اور جب ایک یا دو آدمی امام کی اجازت کے بغیر لوٹ مار کرتے ہوئے دار الحرب میں داخل ہوں اور وہاں سے کچھ لے آئیں تو اس میں سے خمس نہ لیا جائے۔ اور اگر کوئی طاقت ور جماعت دار الحرب میں داخل ہوجائے اور وہاں سے کچھ لے آئیں تو اس میں سے خمس لیا جاے گا اگرچہ امام نے ان کو اجازت نہ دی ہو۔

حل لغات : الصّفِیُّ: مال غنیمت کا وہ حصہ جو سردار اپنے لئے خاص کرے خواہ زرہ ہو یا باندی وغیرہ۔ منعۃ: شان وشوکت۔ ذو منعۃ: شان وشوکت والا۔ ذوی القربیٰ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار۔

تشریح : **ولا یدفع الیٰ اغنیائهم شیئاً:** مسئلہ (۱) عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

فاما ماذکر ...... باسمہٖ تعالیٰ : مسئلہ (۲) مفہوم واضح ہے۔

سھم النبیّ ...... ذوی القربی : مسئلہ (۳) مفہوم واضح ہے۔

کان یستحقون ...... بالفقر : مسئلہ (۴) مفہوم واضح ہے۔

وَاِذَا دخل الواحد الخ : مسئلہ (۵) مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

وَ اِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِراً فَلَا یَحِلُّ لَہٗ اَنْ یتعرض بِشَیْءٍ مِنْ اَمْوَالِھِمْ وَ دِمَائِھِمْ فَاِنْ غَدَرَ بِھِمْ وَ اَخَذَ شَیْئاً ملکہ مِلْکاً مَحْظُوْراً وَ یُؤْمَرُ اَنْ یَتَصَدَّقَ بِہٖ وَ اِذَا دَخَلَ الْحَرْبِیُّ اِلَیْنَا مُسْتَامِناً لَمْ یَکُنْ لَہٗ اَنْ یُقِیْمَ فِیْ دَارِنَا سَنَۃً وَ یَقُوْلُ لَہُ الْاِمَامُ اِنْ اَقَمْتَ تَمَامَ السَّنَۃِ وَضَعْتُ عَلَیْکَ الْجِزْیَۃَ فَاِنْ اَقَامَ سَنَۃً اُخِذَتْ مِنْہُ الْجِزْیَۃُ وَ صَارَ ذِمِّیاً وَلَا یُتْرَکُ اَنْ

يَرْجِعَ اِلىٰ دَارِالحَرْبِ فَاِنْ عَادَ اِلىٰ دَارِ الحَرْبِ وَ تَرَكَ وَدِيْعَةً عِنْدَ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّيٍ اَوْ دَيْناً فِيْ ذِمَّتِهِمْ فَقَدْ صَارَ دَمُهُ مُبَاحاً بِالعَوْدِ وَ مَافِيْ دَارِ الاِسْلَامِ مِنْ مَالِهٖ عَلىٰ خَطْرٍ فَاِنْ اُسِرَ اَوْ ظُهِرَ عَلىٰ الدَّارِ فَقُتِلَ سُقِطَتْ دُيُوْنُهُ وَ صَارَتِ الوَدِيْعَةُ فَيْئاً وَمَا اَوْجَفَ عَلَيْهِ المُسْلِمُوْنَ مِنْ اَمْوَالِ اَهْلِ الحَرْبِ بِغَيْرِ قِتَالٍ يُصْرَفُ فِيْ مَصَالِحِ المُسْلِمِيْنَ كَمَا يُصْرَفُ الخَرَاجُ.

ترجمہ : اور اگر مسلمان دارالحرب میں تجارت کے لئے داخل ہو تو اس کیلئے حربی کے مالوں اور جانوروں سے تعرض جائز نہیں ہے۔ اور اگر غداری کر کے کوئی چیز لے لی تو بطریق ممنوع اس کا مالک ہو جائے گا اور اس کو حکم کیا جائے گا کہ اس کو صدقہ کر دے۔ اور اگر کوئی حربی دارالاسلام میں امن کا خواہاں ہو کر آجائے تو دارالاسلام میں وہ سال بھر تک نہیں ٹھہر پائے گا بلکہ امام اس سے کہدے کہ اگر تم سال بھر قیام کرو گے تو تم پر جزیہ مقرر کر دوں گا اب اگر وہ سال بھر ٹھہرا تو اس سے جزیہ لیا جائے اور وہ ذمی ہو جائے گا۔ اور اس کو نہیں چھوڑا جائے گا کہ دارالحرب چلا جائے۔ اگر دارالحرب لوٹ کر چلا گیا اور کسی مسلمان یا کسی ذمی کے پاس کچھ امانت یا کچھ قرض چھوڑ کر گیا تو واپس جانے کی وجہ سے اس کا خون مباح ہو گیا اور جو کچھ اس کا مال دارالاسلام میں ہے وہ خطرہ میں ہے۔ اور اگر وہ قید کر لیا گیا اور دارالحرب پر غلبہ ہو گیا اور وہ شخص قتل کر دیا گیا تو اس کا قرض ساقط ہو جائے گا۔ اور امانت غنیمت ہو جائے گی۔ اور مسلمان اہل حرب کے اموال کو حملہ کر کے بغیر قتال کے حاصل کیا وہ مال مسلمانوں کی بہتری میں خرچ کیا جائے گا جیسے کہ خراج کو خرچ کیا جاتا ہے۔

مستامن کے احکام

تشریح : اس عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں۔

وَاِذَا دخل المسلم ...... ان يتصدق له : مسئلہ (۱) مسئلہ کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

و اِذَا دخل الحربی ...... الیٰ دارِ الحرب : مسئلہ (۲) اگر حربی کافر دارالاسلام میں طلب امن کے لئے رہنا چاہے تو اس کے لئے دو قسم کی شرطیں ہیں (۱) غلام بن کر رہے گا۔ (۲) یا جزیہ ادا کرے گا۔ بہر حال اگر حربی کافر دارالاسلام میں آجاتا ہے تو قاضی اس سے صاف کہہ دے گا کہ تم یہاں ایک سال تک قیام کرنا چاہتے ہو تو تم پر جزیہ مقرر کیا جائے گا۔ اب اگر واقعی دارالاسلام میں ٹھہرنا چاہتا ہے تو اس سے جزیہ وصول کیا جائے گا اور وہ ذمی ہو جائے گا اور اس کو دارالحرب جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

فَاِنْ عَادَ اِلىٰ ......عَلىٰ خَطْرٍ : مسئلہ (۳) اگر کافر دارالاسلام سے دارالحرب لوٹ گیا اور کسی مسلمان یا کسی ذمی کے پاس کچھ امانت یا کچھ قرض کی رقم چھوڑ کر چلا گیا تو اس واپسی کی وجہ سے اس کا قتل کرنا جائز ہے اور اس کا جو مال دارالاسلام میں ہے وہ خطرہ میں ہے۔

فان اسر او ظهر ......فیئاً : مسئلہ (۴) اگر مسلمان نے دارالحرب پر حملہ کیا اور وہ شخص گرفتار کیا گیا اور اس کو قتل کر دیا گیا تو اس کا قرض جو کسی کے ذمہ تھا وہ ختم ہو جائے گا اور اس کی امانت کو غنیمت میں شامل کر دیا جائے گا۔

وَ مَا اَوْجَف علیه المسلمون الخ: مسئلہ (۵) اگر مسلمانوں نے دار الحرب پر حملہ کیا اور ان کے اموال کو بغیر لڑائی کے چھین لیا تو یہ اموال مسلمانوں کی منفعت میں خرچ کئے جائیں گے جس طرح کہ خراج کو مسلمانوں کی منفعت میں خرچ کیا جاتا ہے۔

> وَاَرْضُ العَرَبِ كُلُّهَا اَرْضُ عُشْرٍ وَ هِیَ مَا بَیْنَ العُذَیْبِ اِلیٰ اَقْصیٰ حَجْرٍ بالیَمِیْنِ وَ بِمَهْرَةِ اِلیٰ حَدِّ الشَّامِ والسَّوَادُ كُلُّهَا اَرْضُ خِرَاجٍ وَ هِیَ مَابَیْنَ العُذَیْبِ اِلیٰ عَقَبَةِ حُلْوَانَ وَ مِنَ العَلْثِ اِلیٰ عَبَّادَانَ وَ اَرْضُ السَّوَادِ مَمْلُوكَةٌ لِاَهْلِهَا یَجُوْزُ بَیْعُهُمْ لَهُمَا وَ تَصَرُّفُهُمْ فِیْهَا.

ترجمہ: عرب کی تمام زمین عشری ہے اور اس کی حد عذیب سے لیکر انتہاء حجر یمن تک ہے اور مہرہ سے لے کر مشارق شام کی حد تک ہے۔ اور سواد کی ساری زمین خراجی ہے اور یہ عذیب سے لیکر عقبۂ حلوان تک ہے اور علت سے عبَّادان تک ہے اور سواد کی زمین ریان کے باشندوں کی ملک ہے ان کے لئے اس زمین کو فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے۔

مشتری اور خراجی زمینوں کا سامان

حل لغات: **العرب:** عرب سے مراد زمین حجاز، تہامہ، یمن، مکہ، طائف اور جنگل ہے اور بعض نے مکہ مکرمہ کو تہامہ میں داخل کیا ہے اور تہامہ وہ زمین ہے جو نجد سے نشیب میں ہے اور نجد اونچی زمین کا نام ہے اور حجاز اس زمین کا نام ہے جو تہامہ اور نجد کے درمیان فاصل ہے اور سرزمین عربی کی حدود یہ ہیں۔ عذیب اور انتہائے یمن یعنی ارض مہرہ سے حدود شام تک طولاً اور جدہ اور اس سے ماوراء یعنی ساحل سے حدود شام تک عرضاً۔ یمن اور ارض مہرہ کی انتہاء سے مراد مسقط اور عدن کے درمیان کا مقام ہے۔ **ارض عشر:** عشر۔ دسواں حصہ۔ عشری زمین وہ زمین ہے جس علاقہ کو لوگ مسلمان ہو گئے یا غلبہ کے ساتھ وہ علاقہ فتح ہو گیا اور اس زمین کو شرکاء غانمین کے درمیان تقسیم کر دی گئی۔ **عذیب:** درحقیقت یہ بنو تمیم کے ایک چشمہ کا نام ہے یہ کوفہ سے ایک مرحلہ پر واقع ہے۔ یہیں سے عربی کی انتہاء اور سواد عراق کی ابتدائی ہوتی ہے۔ **مہرہ:** یمن کے مقام کا نام ہے یہ بالیمن سے بدل واقع ہے۔ **اقصیٰ:** انتہاء۔ **السواد:** عراق کی زمین۔ عراق کی ساری زمین خراجی ہے۔ عراق کی زمین اور ہر وہ زمین جو قہر و غلبہ کے سات فتح کی گئی ہو اور اس کے باشندوں کو وہیں برقرار رکھا گیا ہو یا بطریقہ صلح فتح کی گئی ہو یہ سب زمینیں خراجی ہیں۔

سواد عراق کی حدود یہ ہیں۔ عذیب سے عقبہ حلوان تک اور علث سے عبادان تک طولاً۔ حُلوان۔ ایک شہر کا نام ہے۔ علث۔ دجلہ کے مشرقی جانب ایک قریہ ہے جو عراق کی حد ہے۔ عبادان۔ بصرہ کے پاس مشہور جزیرہ ہے۔

تشریح: عبارت میں جو تشریح طلب کلمات تھے وہ حل لغات کے ذیل میں درج کر دیا گیا ہے۔

وَ كُلُّ اَرْضٍ اَسْلَمَ اَهْلُهَا عَلَیْهَا اَوْ فُتِحَتْ عَنْوَةً وَ قُسِمَتْ بَیْنَ الغَانِمِیْنَ فَهِیَ اَرْضُ عُشْرٍ وَ كُلُّ اَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَاُقِرَّ اَهْلُهَا عَلَیْهَا فَهِیَ اَرْضُ خِرَاجٍ وَ مَنْ اَحْیَا اَرْضاً مَوَاتاً فَهِیَ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ مُعْتَبَرَةٌ بِحَیِّزِهَا فَاِنْ كَانَتْ مِنْ حَیِّزِ اَرْضِ الخَرَاجِ فَهِیَ خَرَاجِیَّةٌ وَ

اِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ اَرْضِ العُشْرِ فَهِيَ عَشْرِيَّةٌ وَ البَصْرَةُ عِندَ نَا عَشْرِيَّةٌ بِاِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ ان اَحْيَاهَا بِبِئرٍ حَفَرَهَا اَوْ بِعَينٍ اِسْتَخْرَجَهَا اَوْ بِمَاءِ دَجْلَةَ اَوْ الفُرَاتِ اَوْالاَنْهَارِ العِظَامِ الَّتِيْ لَا يَمْلِكُهَا اَحَدٌ فَهِيَ عَشْرِيَّةٌ وَ اِنْ اَحْيَاهَا بِمَاءِ الاَنْهَارِ الَّتِيْ اِحْتَفَرَهَا الاَعَاجِمُ كَنَهْرِ المِلْكِ وَ نَهْرِ يَزْدَجردِ فَهِيَ خِرَاجِيَّةٌ وَالخِرَاجُ الَّذِيْ وَضَعَهُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَلىٰ اَهْلِ السَّوَادِ مِنْ كُلِّ جَرِيْبٍ يَبْلُغُهُ المَاءُ وَ يَصْلُحُ لِلزَّرْعِ قَفِيزُهَا شَمِيٌّ وَ هُوَ الصَّاعُ وَ دِرْهَمٌ وَ مِنْ جَرِيْبِ الرَّطْبَةِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَ مِنْ جَرِيْبِ الكَرْمِ المُتَّصِلِ والنَّخلِ المُتَّصِلِ عَشرَةُ دَرَاهِمَ وَ مَا سِوَىٰ ذٰلِكَ مِنَ الاَصْنَافِ يُوْضَعُ عَلَيْهَا بِحَسْبِ الطَّاقَةِ فَاِنْ لَمْ تُطِقْ مَا وُضِعَ عَلَيْهَا نَقَّصَهَا الاِمَامُ.

ترجمہ : اور جس زمین کے باشندے اس زمین پر رہتے ہوئے (مصالحت کے انداز میں) اسلام لے آئیں یا وہ زمین زبردستی فتح کر کے مجاہدین کے درمیان تقسیم کردی گئی تو وہ زمین عشری ہے اور جو زمین زبردستی فتح کی گئی اور اس کے باشندوں کو وہاں قائم رکھا گیا تو وہ زمین خراجی ہے۔ اور جس شخص نے کسی مردہ زمین (جنگل کی غیر مزروعہ زمین) کو زندہ (مزروعہ یعنی قابل کاشت) کیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ زمین اپنی قریب کی زمین (کے اعتبار) سے معتبر ہوگی چنانچہ اگر یہ زمین خراجی زمین کے برابر ہے تو خراجی ہے اور اگر یہ زمین عشری زمین کے برابر ہے تو عشری زمین ہے اور بصرہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اجماع صحابہؓ کی وجہ سے عشری ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر اس زمین کو کنواں کھود کر زندہ کیا (قابل کاشت کیا) یا چشمہ نکال کر یا دجلہ یا فرات یا ان بڑی نہروں کے پانی سے جنکا کوئی مالک نہیں ہے تو یہ عشری زمین ہے اور اگر اس زمین کو زندہ کیا ان نہروں کے پانی سے جس کو عجمیوں نے کھودا ہے جیسے نہر ملک، نہر یزدجرد تو یہ خراجی زمین ہے۔ اور جس خراج کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل سواد یعنی عراق پر مقرر کیا وہ ہر اس بیگہ پر ہے جہاں پانی پہونچتا ہو اور کاشت کے قابل ہو اس کا ایک قفیز ہاشمی ہے اور وہ ایک صاع اور ایک درہم ہے۔ اور ترکاریوں (میں) ایک بیگہ پر پانچ درہم ہیں۔ اور انگور اور کھجور کے گھنے درختوں کے ایک بیگہ میں دس درہم ہیں۔ اور جو زمین ان اقسام کے علاوہ ہیں ان پر برداشت کے مطابق مقرر کیا جائے گا اور اگر نہ برداشت کرسکیں جو ان پر مقرر کیا گیا ہے تو اس کو امام کم کردے۔

حل لغات : **عنوة**: زبردستی۔ **مواتا**: مردہ، یعنی ناقابل کاشت، بنجر زمین۔ **حیز**: جگہ، قریب۔ **حفَرَ (ض) حفراً**: گڑھا کھودنا۔ **عین**: چشمہ۔ **اهل السواد**: اہل عراق۔ **جریب**: بیگہ۔ ایک جریب ساٹھ ذراع کا ہوتا ہے یہ شاہ کسریٰ کے ذراع سے ہے جو سات مشت کا ہوتا ہے، عام ذراع چھ مشت کا ہوتا ہے۔ **رَطْبَة**: سبزیاں، ترکاریاں۔ **کرمٌ**: انگور۔ **اصناف**: یہ صنف کی جمع ہے، قسم۔

تشریح : اس عبارت کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

وکل ارض ...... فهو ارض : اس عبارت میں عشری زمین کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ ترجمہ سے واضح ہے۔

و کل ارض فتحت عنوۃً ...... ارض خراج: اس عبارت میں خراجی زمین کی تعریف بیان کی گئی ہے جو واضح ہے۔
وَمن احیا ارضاً ...... عُشرِیَۃ: اس عبارت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عشری اور خراجی زمین کی تعریف کو بیان کیا گیا ہے۔
والبصرۃ ...... الصحابۃ: امام صاحب کے نزدیک عشری زمین کی تعریف کو بیان کیا گیا ہے۔
وَقَال مُحمَّد ...... فھِی خِراجیۃ: امام محمدؒ کے نزدیک عشری اور خراجی زمین کی تعریف کو بیان کیا گیا ہے۔
والخِرَاجُ الذی ...... عشرۃ دراھم: اس عبارت میں حضرت عمرؓ کا مقرر کردہ خراج بیان کیا گیا ہے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ علیہ نے اہل عراق پر جو خراج مقرر کیا تھا وہ اس حساب سے تھا کہ جس بیگھہ میں پانی پہونچے اور وہ قابل کاشت ہو تو اس پر ایک قفیز ہاشمی ہے جو ایک صاع اور ایک درہم کے برابر ہے۔ یہ سب سے کم خراج ہے۔اور جو زمین اس سے بہتر ہو اس کو رطبہ کہتے ہیں۔اس میں ترکاریاں ہوتی ہیں اس کے ایک بیگھہ پر خراج پانچ درہم ہیں جو اوسط درجہ کا خراج ہے۔اور جو زمین اس سے اعلیٰ درجہ کی ہو جس میں انگور کے درخت، کھجور کے درخت ہوں کہ ان کے درمیان کوئی اور کاشت نہ ہو تو اس میں ایک بیگھہ کا خراج دس درہم ہیں۔
وَمَا سِوَیٰ ذٰلِکَ ...... نقَّصھَا الِامَامُ: اور جو زمین مذکورہ زمین کے علاوہ ہو مثلاً زعفران، بستان وغیرہ تو اس پر خراج اس کی طاقت کے مطابق مقرر کیا جائے گا اور جو زمین خراج کی مقرر کردہ مقدار کی متحمل نہ ہو اس میں امام تخفیف کر سکتا ہے۔

وَ اِنْ غَلَبَ عَلیٰ اَرْضِ الخِرَاجِ المَاءُ اَوْ انْقَطَعَ عَنْهَا اَو اصْطَلَمَ الزَرْعَ اٰفَةٌ فَلَا خِرَاجَ عَلَيهِمْ وَ اِنْ عَطَّلَهَا صَاحِبُهَا فَعَلَيْهِ الخِرَاجُ وَ مَنْ اَسْلَمَ مِنْ اَهْلِ الخِرَاجِ اُخِذَ مِنْهُ الخِرَاجُ عَلیٰ حَالِهٖ وَ يَجُوزُ اَنْ يَشْتَرِی المُسْلِمُ مِنَ الذِّمِيِّ اَرْضَ الخِرَاجِ وَ يُوْخَذُ مِنْهُ الخِرَاجُ وَ لَا عَشْرَ فِیْ الخَارِجِ مِنْ اَرْضِ الخِرَاجِ.

ترجمہ: اور اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ آئے یا اس کا پانی منقطع ہو جائے (جس کی وجہ سے زمین پیداوار کے لائق نہ رہے) یا کوئی آفت پہونچ کر کھیتی کو برباد کر دے تو ان کاشتکاروں پر کوئی خراج (لگان یا ٹیکس) نہیں ہے۔اور اگر مالک زمین نے زمین کو بیکار چھوڑ دیا تو اس پر خراج واجب ہوگا۔اور خراج دینے والوں میں سے جو بھی اسلام لے آئے تو اس سے بدستور سابق خراج لیا جائے گا اور یہ جائز ہے کہ مسلمان خراجی زمین ذِمّی سے خرید ے۔اور اس سے خراج لیا جائے گا اور خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے۔(صرف خراج ہے)

حل لغات: اصطلم: باب استفعال سے ہے، جڑ سے اکھیڑنا، برباد کرنا۔ عطّل تعطیلاً: بیکار چھوڑنا۔

تشریح: اس عبارت میں چار مسئلے ہیں۔
وان غلب علیٰ ...... فعلیه الخراج: مسئلہ (۱) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔
ومن اسلم من اھل ...... حاله: مسئلہ (۲) جن لوگوں پر خراج واجب ہے اگر ان میں سے کوئی اسلام قبول

کرلیا تو اس سے حسب سابق خراج (لگان) لیا جائے گا۔

ویجوز ان یشتری ...... منه الخراج : مسئلہ (۳) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

ولا عشر ...... الخراج : مسئلہ (۴) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے صاحب قدوری کے کہنے کا منشاء یہ ہے کہ عشر اور خراج جمع نہیں ہوسکتے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عشر و خراج دونوں جمع ہوسکتے ہیں یعنی دونوں لئے جائیں گے۔

وَالجزيَةُ عَلىٰ ضَربَيْنِ جزيَةٌ تُوْضَعُ بِالتَراضِيْ والصُلْحِ فَتُقَدَّرُ بِحَسْبِ مَا يَقَعُ عَلَيْهِ الإتِفَاقُ وَ جزيَةٌ يَبْتَدِئُ الإمَامُ بِوَضْعِهَا اِذَا غَلَبَ الإمَامُ عَلىٰ الكُفَّارِ وَ اَقَرَّهُمْ عَلىٰ اَمْلاكِهِمْ فَيَضَعُ عَلىٰ الغنى الظَّاهِرِ الغِناءَ فِىْ كُلِّ سَنَةٍ ثَمانِيَةً وَ اَربَعِيْنَ دِرْهَماً فِىْ كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمَيِنِ و عَلىٰ الفَقِيْرِ المُعْتَمِلِ اِثْنَىْ عَشَرَ دِرْهَماً فِىْ كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَماً وَ تُوْضَعُ الجزيَةُ عَلىٰ اَهْلِ الكِتَابِ والمَجُوْسِ وَ عَبدَةِ الاَوْثَانِ مِنَ العَجمِ وَ لا تُوْضَعُ عَلىٰ عَبْدَةِ الاَوْثَانِ مِنَ العَرَبِ وَ لا عَلىٰ المُرْتَدِّيْنَ وَ لا جزيَةَ عَلىٰ اِمْرَأةٍ وَ لا صَبِيٍّ وَ لا زَمِنٍ وَلا عَلىٰ فَقِيْرٍ غَيْرِ معتَملٍ وَ لا عَلىٰ الرُّهْبَانِ الَّذِيْنَ لا يُخالِطُوْنَ النَّاسَ.

ترجمہ : اور جزیہ کی دو قسمیں ہیں ایک جزیہ وہ کہ باہمی رضامندی اور صلح سے مقرر کیا جائے اور مقدار اس کے مطابق مقرر کی جائے گی جس پر اتفاق واقع ہو اور (دوسرا) جزیہ وہ ہے کہ امام اس کو مقرر کرکے ابتداء کرے جبکہ امام کفار پر غالب آجائے اور ان کو ان کی املاک پر باقی رکھے چنانچہ ایسے تونگر پر جس کی تونگری ظاہر ہو ہر سال میں اڑتالیس درہم مقرر کرے۔ اور اس سے ہر ماہ میں چار درہم وصول کرے اور متوسط الحال شخص پر (ہر سال میں) چوبیس درہم (مقرر کرے اور) ہر ماہ میں دو درہم (وصول کرے)۔ اور مزدوری کرنے والے فقیر پر (ہر سال میں) بارہ درہم (مقرر کرنے اور) ہر ماہ میں ایک درہم (وصول کرے) اور جزیہ اہل کتاب پر، مجوسیوں پر اور عجمی بت پرستوں پر مقرر کی جائے۔ اور عرب کے بت پرستوں پر نہ مقرر کیا جائے۔ اور نہ مرتد لوگوں پر، اور جزیہ نہ عورت پر ہے نہ بچہ پر، نہ اپاہج پر اور نہ ایسے فقیر پر ہے جو مزدور نہ ہو۔ (بلکہ بیکار ہو) اور نہ ان راہبوں پر جو لوگوں سے ملتے جلتے نہیں ہیں۔

جزیہ کے احکام

حل لغات : جزية: لگان، ٹیکس۔ املاك: ملک کی جمع ہے۔ معتمل: اسم فاعل، باب افتعال سے ہے اپنے لئے کام کرنے والا، مزدوری کرنے والا۔ عبدة: عابد کی جمع پجاری، عبادت کرنے والا۔ اوثان: وثن کی جمع ہے، بت۔ زمن: اپاہج۔ رهبان: راہب کی جمع ہے گرجاؤں کا گوشہ نشیں۔

تشریح : والجزية ...... فى كل شهر درهماً : جزیہ از روئے لغت جزاء اور بدلہ کے مفہوم میں ہے گویا یہ قتل کا بدلہ ہے یعنی اگر کافر جزیہ ادا نہ کرتا تو قتل کیا جاتا۔ اس کی دو قسمیں ہے جزیہ صلحی، جزیہ قہری۔ جزیہ صلحی یہ ہے کہ اہل اسلام اور کفار کی باہمی رضامندی سے جس مقدار پر اتفاق ہو جائے۔ جزیہ قہری یہ ہے کہ جانبین کے اتفاق سے بطور صلح

متعین نہ ہو بلکہ امام کفار پر غالب آجائے اور ان کی ملکیتوں کو ان کے قبضہ میں دے کر خود ہی ان پر جزیہ مقرر کر دے اب اس کے تین درجے ہیں (۱) ایک مال دار کافر پر سالانہ اڑتالیس درہم مقرر کرے اور ہر ماہ میں چار درہم وصول کرے۔ (۲) اگر کافر آدمی متوسط درجہ کا ہے تو اس پر سالانہ چوبیس درہم مقرر کرے اور ہر ماہ میں دو درہم وصول کرے۔ (۳) اگر کافر غریب ہو مگر مزدوری کر کے کھاتا کماتا ہو تو اس پر سالانہ بارہ درہم مقرر کرے اور ہر ماہ میں ایک درہم وصول کرے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کافر خواہ مالدار ہو یا اس کے علاوہ ہر ایک سے صرف ایک دینار وصول کیا جائے گا۔

وتوضع الجزية ...... من العجم: مسئلہ۔ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے جزیہ لیا جائے اسی طرح آتش پرستوں سے بھی۔ البتہ عجمی بت پرستوں کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ کے نزدیک ان بت پرستوں سے جزیہ لیا جائے گا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں لیا جائے گا۔

وَلَا توضع علىٰ الخ: اس عبارت میں ان تمام لوگوں کا تذکرہ ہے جن سے جزیہ نہیں لیا جائے گا عرب بت پرستوں سے احناف، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

وَمَنْ اَسْلَمَ وَعَلَيْهِ جِزْيَةٌ سَقَطَتْ عَنْهُ وَ اِنْ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ الحَوْلَانِ تَدَاخَلَتِ الجِزْيَتَانِ وَ لَايَجُوزُ اِحْدَاثُ بِيْعَةٍ وَ لَا كَنِيْسَةٍ فِيْ دَارِ الاِسْلَامِ وَ اِذَا انْهَدَمَتِ البِيَعُ وَالكَنَائِسُ القَدِيْمَةُ اَعَادُوْهَا وَ يُؤْخَذُ اَهْلُ الذِّمَةِ بِالتَمِيْزِ عَنِ المُسْلِمِيْنَ فِيْ زِيِّهِمْ وَ مَرَاكِبِهِمْ وَ سُرُوْجِهِمْ وَقَلَانِسِهِمْ وَلَا يَرْكَبُوْنَ الخَيْلَ وَ لَا يَحْمِلُوْنَ السِّلَاحَ وَ مَنْ امْتَنَعَ مِنَ الجِزْيَةِ اَوْ قَتَلَ مُسْلِماً اَوْ سَبَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوْ زَنىٰ بِمُسْلِمَةٍ لَمْ يَنْقُضْ عَهْدَهُ وَلَا يَنْقُضُ العَهْدُ اِلَّا بِاَنْ يَّلْحَقَ بِدَارِ الحَرْبِ اَوْ يَغْلِبُوْا عَلىٰ مَوْضَعٍ فَيُحَارِبُوْنَنَا.

ترجمہ: اور جو شخص اسلام لے آیا اور اس کے ذمہ جزیہ تھا تو اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور اگر اس (کسی) پر دو سال (چند سال) کا جزیہ اکٹھا ہو جائے تو ان میں تداخل ہو جائے گا (صرف ایک سال کا یعنی سال رواں کا جزیہ واجب ہوگا) اور دارالاسلام میں یہود و نصاریٰ کا جدید عبادت خانہ بنانا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر یہودیوں کے پرانے عبادت خانے اور پرانے گرجا ئیں منہدم ہو جائیں تو اس کو دوبارہ بنا سکتے ہیں۔ اور ذمیوں سے عہد لیا جائے مسلمان سے الگ رہنے کا اپنے لباس میں، سواریوں میں، زینوں میں اور ٹوپیوں میں۔ اور وہ لوگ گھوڑوں پر سوار نہیں ہوں گے اور ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔ اور جو شخص جزیہ دینے سے باز رہے (جزیہ نہ دے) یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا کسی مسلم عورت سے زنا کرے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا اور عہد نہیں ٹوٹتا ہے مگر اس بات سے کہ دارالحرب چلا جائے یا کسی مقام پر غلبہ پا کر ہم سے لڑ پڑے۔

حل لغات: حولان: یہ حول کا تثنیہ ہے۔ سال، مراد چند سال ہے۔ بیعة: اس کی جمع بیع آتی ہے۔ یہودیوں کا عبادت خانہ۔ کنیسة: اس کی جمع کنائس ہے، گرجا۔ زیّ، ہیئت، لباس۔ سروج: واحد سرج ہے، زین۔ قلانس: یہ قلنسوۃ کی جمع ہے، ٹوپی۔ سبّ (ن) سباً: گالی دینا، برا بھلا کہنا۔

تشریح : ومن اسلم …… سقطت عنه : مسئلہ(۱) یہ مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

وان اجتمع …… الجزیتان : مسئلہ(۲) یہ مسئلے بھی ترجمہ سے واضح ہے البتہ ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ صاحب قدوری نے امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ذکر کیا ہے حضرات صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک گزشتہ سالوں کا جزیہ ساقط نہیں ہوگا بلکہ جسطرح سال رواں کا جزیہ لیا جائے گا اسی طرح سالہائے گزشتہ کا بھی جزیہ لیا جائے گا۔

وَلَا یَجُوز اِحْدَاث …… اعادوها : مسئلہ(۳) اگر یہودی یا نصرانی دارالاسلام میں اپنے نئے عبادت خانے بنانا چاہیں تو جائز نہیں ہے ہاں اگر یہ پرانے عبادت خانے منہدم ہو جائیں تو ان کو دوبارہ تعمیر کرانا جائز ہے۔

وَ یؤخذ اهل الذِّمَّةِ …… قَلَانِسِهِمْ : مسئلہ(۴) جو ذمی دارالاسلام میں رہتے ہیں ان سے یہ عہد لے لیا جائے کہ ان میں اور مسلمانوں میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے وہ اپنے لباس میں، سواریوں میں، زمینوں میں اور ٹوپیوں میں کوئی نشان رکھیں۔

وَلَا یر کبون الخیل ولا یحملون السلاح : مسئلہ(۵) ترجمہ سے واضح ہے۔

ومن امتنع الجزیة …… الخ : مسئلہ(۶) اگر کوئی کافر جزیہ نہ دے یا کسی مسلمان کو قتل کردے یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں (العیاذ باللہ) کوئی گستاخی کرے یا کسی مسلم عورت سے زنا کرے تو ان اعمال کے نتیجے میں کیا گیا معاہدہ ٹوٹتا نہیں ہے البتہ اگر دارالحرب میں چلا جاتا ہے یا بغاوت کر کے مسلمانوں سے لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں کیا گیا معاہدہ ٹوٹ جاتا ہے۔

وَاِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عَنِ الْاِسْلَامِ عُرِضَ عَلَیْهِ الْاِسْلَامُ فَاِنْ کَانَتْ لَهٗ شُبْهَةٌ کُشِفَتْ وَ یُحْبَسُ ثلثةَ اَیَّامٍ فَاِنْ اَسْلَمَ وَ اِلَّا قُتِلَ فَاِنْ قَتَلَهٗ قَاتِلٌ قَبْلَ عَرْضِ الْاِسْلَامِ عَلَیْهِ کُرِهَ لَهٗ ذٰلِکَ وَلَا شَئَ عَلَی الْقَاتِلِ وَ اَمَّا الْمُرْتَدَّةُ فَلَا تُقْتَلُ وَلٰکِنْ تُحْبَسُ حَتّٰی تُسْلِمَ وَ یَزُوْلُ مِلْکُ الْمُرْتَدِّ عَنْ اَمْوَالِهٖ بِرِدَّتِهٖ زَوَالًا مُرَاعًا فَاِنْ اَسْلَمَ عَادَتْ اِلٰی حَالِهَا وَ اِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ عَلٰی رِدَّتِهٖ اِنْتَقَلَ مَا اکْتَسَبَهٗ فِیْ حَالِ الْاِسْلَامِ اِلٰی وَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِیْنَ وَ مَا اکْتَسَبَهٗ فِیْ حَالِ رِدَّتِهٖ فِیْ فَاِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًا وَ حَکَمَ الْحَاکِمُ بِلِحَاقِهٖ عَتَقَ مُدَبَّرُهٗ وَ اُمَّهَاتُ اَوْلَادِهٖ وَ حَلَّتِ الدُّیُوْنُ الَّتِیْ عَلَیْهِ وَ اِنْتَقَلَ مَا اکْتَسَبَهٗ فِیْ حَالِ الْاِسْلَامِ اِلٰی وَرَثَةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَ تُقْضٰی الدُّیُوْنُ الَّتِیْ لَزِمَتْهُ فِیْ حَالِ الْاِسْلَامِ مِمَّا اکْتَسَبَتْهُ فِیْ حَالِ الْاِسْلَامِ وَ مَا لَزِمَهٗ مِنَ الدُّیُوْنِ فِیْ رِدَّتِهٖ یُقْضٰی مِمَّا فِیْ حَالِ رِدَّتِهٖ.

ترجمہ : اور جب مسلمان اسلام سے پھر جائے تو (پہلے) اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے اگر اس کو کوئی شبہ ہے تو اس کو دور کیا جائے اور اس کو تین یوم تک قید میں رکھا جائے اب اگر وہ اسلام لے آئے تو بہتر ہے ورنہ قتل کر دیا جائے۔ اب اگر کسی قاتل نے اس کو اس کے سامنے اسلام پیش کرنے سے پہلے قتل کر دیا تو یہ مکروہ ہے اور قاتل کے ذمہ کچھ واجب نہیں اور رہی مرتد ہونے والی عورت تو اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ اس کو قید کیا جائے یہاں تک کہ اسلام لے آئے اور مرتد

کی ملکیت اس کے اموال سے اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے زائل ہوجاتی ہے (اور یہ زوال) زوال موقوف کی صورت میں (ہوتا ہے) اب اگر اسلام لے آئے تو ملکیت اپنی حالت پر لوٹ جائے گی اور اگر مرجائے یا ارتداد کی حالت میں قتل کردیا جائے تو جو کچھ اس نے اسلام کی حالت میں کمایا وہ سب کچھ کمائی مسلمان وارثوں کی طرف منتقل ہوجائے گی اور جو کچھ اس نے ارتداد کی حالت میں کمایا وہ (سب کچھ کمائی) غنیمت ہوگی۔ اور اگر کوئی مرتد ہوکر دارالحرب چلا جائے اور حاکم اس کے چلے جانے کا حکم کردے تو اس کے مدبر غلام اور ام ولد آزاد ہوجائیں گے اور جو قرض اس پر میعادی تھے وہ (فی الحال) حلال (واجب الاداء) ہوں گے۔ اور جو کچھ اس نے اسلام کی حالت میں کمایا تھا وہ اس کے مسلمان وارثین کی طرف منتقل ہوجائیں گے۔ اور جو قرضہ اس کے ذمہ ارتداد کی حالت میں لازم ہوا وہ زمانہ ارتداد کی کمائی سے ادا کردیا جائے گا۔

مرتدین کے احکام

تشریح : واذا ارتدَّ المسلم ...... ولا شئی علیٰ القاتل : اگر مسلمان اسلام سے پھر کر مرتد ہوجاتا ہے تو سب سے پہلے اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے مگر مشائخ کے نزدیک اسلام پیش کرنا واجب نہیں ہے۔ اب اگر اس کو کچھ شبہات نظر آتے ہیں تو اس کو دور کیا جائے اور اس کو تین دن کیلئے قید کردیا جائے اب اگر ان تین دن کے دوران اسلام قبول کرلیتا ہے تو بہتر ہے اور اگر نہیں قبول کرتا ہے تو اس مرتد کو قتل کردیا جائے۔ البتہ اسلام پیش کرنے سے قبل اسکا قتل کرنا مکروہ ہے لیکن اگر کوئی عرض اسلام سے قبل اس کو قتل کردیتا ہے تو قاتل کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہوگا۔

حضرات شیخین فرماتے ہیں کہ مرتد کو تین دن کی مہلت دی جائے۔ یہ مہلت دینا مستحب ہے۔ مرتد خواہ مہلت طلب کرے یا نہ کرے قید کرنے کو مہلت سے تاویل کیا گیا ہے۔ اس سے قبل قتل کرنا مکروہ ہے یعنی ترک استحباب ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مہلت دینا واجب ہے اس سے قبل قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

وَاما المرتدة ...... حتی تَسْلِمَ: مسئلہ (۲) اگر کوئی مسلم خاتون مرتد ہوجائے تو اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ قبول اسلام تک قید رکھا جائے یہ احناف کے نزدیک ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس مرتدہ خاتون کو ارتداد کے بعد قتل کردیا جائے۔

وَیزول الملك ...... الیٰ حالها: مسئلہ (۳) اس مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک ارتداد کی وجہ سے ملکیت زائل نہیں ہوگی۔

وَاِنْ مَاتَ ......فیءِ : مسئلہ (۴) مسئلہ کی صورت ترجمہ سے واضح ہے۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ قبل ارتداد اور بعد ارتداد کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قبل ارتداد کی آمدنی کے مسلم وارثین وارث ہونگے اور ارتداد کے بعد کی آمدنی غنیمت شمار کی جائے گی۔ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک دونوں زمانہ کی کمائی مسلم ورثہ پائیں گے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں زمانہ کی آمدنی غنیمت میں شامل کی جائے گی۔

فاِن لَحِق بدار ...... الیٰ ورثة المسلمین : مسئلہ (۵) ترجمہ سے صورتِ مسئلہ واضح ہے البتہ قدرے اختلاف ہے جو زیب قرطاس کئے جائیں گے۔ زمانہ اسلام اور زمانہ ارتداد کی آمدنی کا مستحق کون ہوگا؟ مع اختلاف مذکورہ بالا مسئلہ میں ذکر کردیا گیا ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک دارالحرب میں آنے کے بعد اس کی ملک بطور توقف باقی رہے گی

جیسا کہ دارالحرب میں جانے سے پہلے تھا۔

وتقضي الديون: الخ : مسئلہ(٦) اگر مرتد شخص زمانہ اسلام میں مقروض ہوا تھا تو اس کی ادائیگی زمانہ اسلام کی آمدنی سے کی جائے گی اور اگر حالت ارتداد میں مقروض ہوا تھا تو اس کی ادائیگی زمانہ ارتداد کی آمدنی سے کی جائے گی۔

اس سلسلہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ سے تین روایتیں ہیں۔ایک روایت تو صاحب قدوری نے امام زفر سے نقل کی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ قرضہ پہلے اسلام کی کمائی سے ادا کیا جائے۔اگر قرضہ باقی رہ جاتا ہے تو زمانہ ارتداد کی کمائی سے ادا کیا جائے یہ حسن کی روایت ہے۔تیسری روایت امام ابویوسفؒ سے ہے جو دوسری روایت کا برعکس ہے یعنی زمانہ ردت کی کمائی سے ابتداء کیا جائے اگر قرض پورا نہ ہو تو زمانہ اسلام کی کمائی سے ادا کیا جائے۔

امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قرض دونوں آمدنیوں سے ادا کئے جائیں گے۔

وَمَا بَاعَهُ اَوِاشْتَرَاهُ اَوْ تصرف فِيْهِ مِنْ اَمْوَالِهِ فِیْ حَالِ رِدَّتِهٖ مَوْقُوْفٌ فَاِنْ اَسْلَمَ صَحَّتْ عُقُوْدُهُ وَ اِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ اَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ وَ اِذَا عَادَ الْمُرْتَدُّ اِلیٰ دَارِ الْاِسْلَامِ مُسْلِماً فَمَا وَجَدَهُ فِیْ یَدِ وَرَثَتِهٖ مِنْ مَالِهٖ بِعَیْنِهٖ اَخَذَهُ وَالْمُرْتَدَّةُ اِذَا تَصَرَّفَتْ فِیْ مَالِهَا فِیْ حَالِ رِدَّتِهَا جَازَ تَصَرُّفُهَا وَ نَصْرٰی بَنُوْ تَغْلَبَ یُؤْخَذُ مِنْ اَمْوَالِهِمْ ضِعْفَ مَا یُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ مِنَ الزَّکٰوةِ ویؤخذُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَلَا یُؤْخَذُ مِنْ صِبْیَانِهِمْ وَ مَا جَبَاهُ الْاِمَامُ مِنَ الْخِرَاجِ وَ مِنْ اَمْوَالِ بَنِیْ تَغْلَبَ وَ مَا اَهْدَاهُ اَهْلُ الْحَرْبِ اِلیٰ الْاَیَّامِ وَالْجِزْیَةُ یُصْرَفُ فِیْ مَصَالِحِ الْمُسْلِمِیْنَ فَیُسَدُّ مِنْهُ الثُّغُوْرُ ول تُبْنَی الْقَنَاطِرُ وَالْجُسُوْرُ وَ یُعْطیٰ مِنْهُ قُضَاةُ الْمُسْلِمِیْنَ وَ عُمَّا لُهُمْ وَ عُلَمَائُهُمْ ومَا یَکْفِیْهِمْ وَ یُدْفَعُ مِنْهُ اَرْزَاقُ بِالْمُقَاتَلَةِ وَ ذُرارِیْهِمْ.

ترجمہ : اور مرتد شخص نے اپنے زمانہ ارتداد میں جو کچھ خرید وفروحت کی یا اپنے اموال میں سے تصرف کیا تو وہ سب موقوف ہوں گے اب اگر اس نے اسلام قبول کیا تو اس کے یہ عقد صحیح ہو جائیں گے اور اگر مر گیا یا قتل کر دیا گیا یا دارالحرب چلا گیا تو سب باطل ہو جائیں گے۔اور اگر مرتد شخص مسلمان ہو کر دارالاسلام لوٹ آئے تو اپنے وارثین کے قبضہ میں اپنے مال میں سے بعینہٖ جو کچھ پائے اس کو لے لے۔اور مرتد عورت اگر زمانہ ارتداد میں اپنے مال میں تصرف کرے تو اس کا تصرف جائز ہے۔اور بنو تغلب سے ان کے اموال میں سے جزیہ اس زکوۃ کا دوگنا لیا جائے گا جو مسلمانوں سے لی جاتی ہے۔اور ان کی عورتوں اور ان کے بچوں سے بھی لیا جائے گا۔اور جو کچھ خراج امام نے جمع کیا ہو اور بنی تغلب کے اموال اور جو کچھ اہل حرب نے امام کو ہدیہ کیا ہو۔اور جزیہ (سب کے سب) امام مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کر لے چنانچہ ان (تمام اموال) سے سرحدوں کو مضبوط کیا جائے، پلوں کو تعمیر کیا جائے۔اور مسلمانوں کے قاضیوں، عاملوں اور علماء کو اتنا دیا جائے جو ان کیلئے کافی ہو اور ان (اموال) سے مجاہدین اور ان کی اولاد کا رزق دیا جائے۔

حل لغات : ضعف. دوگنا۔جباہ(ن) جباً وجبواً. جمع کرنا۔مصالح. یہ مصلحة کی جمع ہے نفع کی چیز۔

یسد (ن) سداً. بند کرنا۔ ثغور. یہ ثغر کی جمع ہے دارالاسلام کی سرحد مراد ہے، سرحد۔ القناطیر. یہ قنطرۃ کی جمع ہے۔ پل، بلند عمارت۔ الجسور. یہ جسر کی جمع ہے۔ پل۔ دونوں لفظوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے لفظ میں کثرت کا مفہوم ہے، دوسرے لفظ میں بہادری کا مفہوم ہے اور دونوں مفہوم پل پر منطبق ہوسکتا ہے کہ پل کو انتہائی مضبوط تیار کیا جاتا ہے تو اس میں کثرت بھی ہے اور بہادری یعنی مضبوطی بھی۔ عمال. یہ عامل کی جمع ہے۔ ایسا شخص جو کسی کے مالی امور کا متولی ہو۔ ارزاق. یہ رزق کی جمع ہے وظیفہ۔ روزینہ۔ ذراری. یہ ذریۃ کی جمع ہے۔ اولاد۔ نسل۔

تشریح : **ومَا باعهٗ او اشتراه ...... بطلت :** مسئلہ (۱) مرتد شخص نے بحالت ارتداد جو بھی چیز خریدی یا فروخت کی یا اپنے اموال میں جو بھی تصرف کیا تو یہ تصرف نافذ نہیں ہوگا بلکہ موقوف رہے گا اب اگر اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کا عقد یعنی تصرف درست ہوجائے گا لیکن اگر مر گیا یا کسی نے اس کو قتل کر دیا یا دارالحرب میں جا کر مل گیا تو ایسی صورت میں اس کا تصرف باطل ہوجائے گا۔ حاصل عبارت یہ ہے کہ مرتد ہونے کے بعد اور مرنے سے پہلے اسلام قبول کرنے کی صورت میں تصرفات درست ہیں اور مرجانے یا دارالحرب چلے جانے کی صورت میں تصرفات باطل ہوں گے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں اس کے تصرفات نافذ ہوں گے یعنی اس نے جو کچھ انجام دیا وہ سب درست ہوں گے۔

تصرفات کی چار قسمیں بیان کیجاتی ہیں ایک بالاتفاق نفاذ کی ہے۔ دوسری بالاتفاق بطلان کی ہے۔ تیسری بالاتفاق موقوف ہونے کی ہے۔ چوتھی قسم اختلاف کی ہے جس کو صاحب قدوری نے ذکر کیا ہے۔ تفصیل ہدایہ جلد ثانی کتاب السیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَاِذَا عَادَ المُرْتَدُّ ...... بعینہ اخذہ : مسئلہ (۲) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

والمرتدَّۃ...... جاز تصرفها : مسئلہ (۳) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

ونصریٰ بنی تغلب ...... من صِبیانِهم: مسئلہ (۴) مسئلے کو سمجھنے سے قبل اس کے پس منظر کو ذہن نشین کر لیں۔

پس منظر: نصاریٰ بنی تغلب عرب کی نسل سے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں نصرانی ہوگئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ان حضرات سے جزیہ طلب کیا تو ان حضرات نے جزیہ دینے سے انکار کیا ان حضرات کا کہنا تھا کہ چونکہ ہم عرب ہیں اسلئے ہم سے اسی انداز سے لیا جائے جس طرح اہل عرب سے لیا جاتا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں مشرک سے صدقہ نہیں لوں گا۔ حضرت عمرؓ کا یہ اعلان سن کر بعض تغلبی نصاریٰ روم سے جا ملے چنانچہ نعمان ابن زرعہ نے حضرت عمرؓ کو مشورہ دیا کہ اے امیر المؤمنین یہ جنگجو قوم ہیں اور عرب ہیں ان کو جزیہ کی ادائیگی پر شرم آتی ہے اس لئے آپ صدقہ کے نام سے ان حضرات سے جزیہ وصول کریں اور دشمنوں کو ان کی مدد نہ دیں۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ قبول کیا اور ان حضرات کو طلب کیا اور مسلمانوں سے جو صدقہ لیا جاتا تھا اس کا دوگنا اس قوم کے مردوں اور عورتوں پر نافذ کر دیا۔ اس پس منظر کی روشنی میں ترجمہ پر نگاہ ڈالیں تو عبارت کا مفہوم واضح ہے۔ صاحب قدوری نے احناف کا مسلک ذکر کیا ہے امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تغلبی عورتوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا جس طرح نابالغ بچوں سے نہیں لیا جاتا ہے۔

وَما جباہ الامام الخ: مسئلہ (۵) عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

وَاِذَا تَغَلَّبَ قَوْمٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ عَلٰی بَلَدٍ وَ خَرَجُوْ مِنْ طَاعَةِ الْاِمَامِ دَعَاهُمْ اِلَی الْعَوْدِ اِلَی الْجَمَاعَةِ وَ کَشَفَ عَنْ شُبْهَتِهِمْ وَ لَا یَبْدَأُهُمْ بِالْقِتَالِ حَتّٰی یَبْدَؤُهُ فَاِنْ بَدَؤُنَا قَاتَلْنَاهُمْ حَتّٰی تَفَرَّقَ جَمْعُهُمْ وَ اِنْ کَانَتْ لَهُمْ فِئَةٌ اَجْهَزَ عَلٰی جَرِیْحِهِمْ وَاتَّبَعَ مُوَلِّیْهِمْ وَ اِنْ لَمْ یَکُنْ لَهُمْ فِئَةٌ لَمْ یُجْهَزْ عَلٰی جَرِیْحِهِمْ وَلَمْ یَتَّبِعْ مُوَلِّیْهِمْ وَ لَا تُسْبٰی لَهُمْ ذُرِّیَّةٌ وَلَا یُقْسَمُ لَهُمْ مَالٌ وَلَا بَاسَ بِاَنْ یُّقَاتِلُوْا بِسَلَاحِهِمْ اِنْ اِحْتَاجَ الْمُسْلِمُوْنَ اِلَیْهِ وَ یَحْبِسُ الْاِمَامُ اَمْوَالَهُمْ وَ لَایَرُدُّهَا عَلَیْهِمْ وَ لَا یُقَسِّمُهَا حَتّٰی یَتُوْبُوْا فَیَردها عَلَیْهِمْ وَ مَا جَبَاهُ اَهْلُ الْبَغْیِ مِنَ الْبِلَادِ الَّتِیْ غَلَبُوْا عَلَیْهَا مِنَ الْخِرَاجِ وَالْعُشْرِ لَمْ یَاخُذْهُ الْاِمَامُ ثَانِیاً فَاِنْ کَانُوْا صَرَفُوْهُ فِیْ حَقِّهٖ اَجْزَأَ مَنْ اُخِذَ مِنْهُ وَ اِنْ لَمْ یَکُوْنُوْا صَرَفُوْهُ فِیْ حَقِّهٖ فَعَلٰی اَهْلِهِمْ فِیْمَا بَیْنَهُمْ.

ترجمہ: اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی قوم کسی ملک پر غلبہ حاصل کرے اور امام کی اطاعت سے نکل جائے تو ان لوگوں کو جماعت کی طرف واپس آنے کی دعوت دے اور ان کے شبہات دور کرے اور ان سے لڑنے میں ابتدا نہ کرے یہاں تک کہ وہ لوگ خود ہی لڑائی کی ابتداء کریں اب اگر وہ ہم سے لڑنا شروع کریں تو ہم ان سے لڑیں یہاں تک کہ ان کی جماعت متفرق ہو جائے اور اگر ان کی کوئی اور جماعت ہو (جو ان کی مددگار ہو) تو ان کے زخمیوں کو (گرفتار کر کے) قتل کر دے اور ان میں سے بھاگنے والوں کا تعاقب کرے اور اگر ان (باغیوں) کی کوئی (مددگار) جماعت نہ ہو تو ان کے زخمیوں کو نہ تو قتل کرے اور نہ ہی بھاگنے والوں کا تعاقب کرے۔ اور نہ ان کی اولاد کو قید کرے اور نہ ان کا مال تقسیم کیا جائے۔ اور ان کے ہتھیاروں سے لڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ مسلمانوں کو اس کی ضرورت محسوس ہو اور امام ان کے اموال روک دے اور اسے ان کو واپس نہ کرے اور اسے تقسیم بھی نہ کرے یہاں تک کہ وہ لوگ توبہ کر لیں تو ان کو ان کا مال دیدے۔ اور باغیوں نے جو خراج یا عشر اس ملک سے وصول کیا جس پر وہ غالب آگئے تھے اس کو امام ان سے واپس نہ لے۔ اگر باغیوں نے اس (خراجی اور عشری آمدنی) کو اس کے موقع پر (جہاں خرچ ہونا چاہئے تھا وہاں خرچ کر دیا تو اس شخص کی طرف سے کافی ہو جائے گا جس سے وصول کیا گیا ہے اور اگر ان لوگوں نے اس آمدنی کو اپنے موقع پر خرچ نہیں کیا تو جن لوگوں نے دیا ہے ان پر (از راہ دیانت) فیما بینہم وبین اللہ یہ واجب ہے کہ دوبارہ (اس کے مستحقین کو) ادا کریں۔

باغیوں کے احکام

حل لغات: تَغَلَّبَ علی البلد: شہر پر زبردستی تسلط جمالینا۔ اَجْهَزَ عَلَی الجریح: مارڈالنا۔ جریح: مجروح، زخمی۔ مُوَلِّی: اسم فاعل، باب تفعیل سے پیٹھ دے کر بھاگنے والا۔ وَلِیَ الشئی عَنِ الشئی: اعراض کرنا، دور ہونا۔ البغی: مصدر بغیٰ علیہ (ض) بُغاءً وَ بُغیَةً: دست درازی کرنا، ظلم کرنا۔ باغ: ظالم جمع بُغاۃ. اصطلاح میں باغی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا کوئی گروہ امام کی اطاعت سے نکل جائے۔

تشریح: وَ اِذَا تَغَلَّبَ قوم ...... فیردها علیهم: مسئلہ (۱) مسلمانوں کی کوئی جماعت امام حق کی اطاعت

سے نکل کر کسی ملک یا شہر پر قابض ہو جائے تو امام پہلے اس کو اپنی اطاعت کی طرف دعوت دے اور اس سلسلہ میں جو شبہات ہوں اسے دور کرے اور ان سے پہلے قتال نہ کرے ہاں اگر وہ پہل کریں تو ان سے قتال کرے اور اجتماعیت کو ختم کرے اور اگر کوئی ایسی جماعت ہو جس سے ان کو تقویت پہونچے تو ان کے زخمیوں کو مار ڈالے اور فرار ہونے والوں کا تعاقب کرے اور اگر ایسی کوئی جماعت نہیں جس سے ان باغیوں کو حمایت ملے تو ان کے زخمیوں کو قتل نہ کرے اور نہ ہی فرار ہونے والوں کا تعاقب کرے، نہ ان کی اولاد کو قید کرے، نہ ان کے اموال کو تقسیم کرے۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو ان کے اسلحہ کو استعمال کرے۔ ان کے اموال کو اپنے قبضہ میں لے لے اور تقسیم نہ کرے اور جب تک وہ توبہ نہ کرلیں اس وقت تک ان کے اموال ان کو نہ دے۔

وَمَا جَبَاهُ اَهْلُ البغی الخ : مسئلہ (۲) صورت مسئلہ ترجمہ اور بین القوسین کی عبارت سے واضح ہے مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

كِتَابُ الحظْرِ وَ الإبَاحَةِ

حظر : لغوی معنی روکنا اور منع کرنا کے ہیں ارشاد باری ہے "**وما كان عطاء ربك محظوراً**". اصطلاح شرع میں مباح کی ضد ہے۔ مباح اس فعل کو کہتے ہیں جس کے متعلق مکلف کو اختیار ہے کرے تو ثواب نہ کرے تو کوئی عقاب نہیں۔

لَا يَحِلُّ لِلرِّجَالِ لُبْسُ الحَرِيْرِ وَ يَحِلُّ لِلنِّسَاءِ وَ لَا بَاسَ بِتَوَسُّدِهِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللهُ يُكْرَهُ تَوَسُّدُهُ وَ لَا بَاسَ بِلُبْسِ الحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ فِى الحَرْبِ عِنْدَهُمَا وَ يُكْرَهُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَ لَا بَاسَ بِلُبْسِ المُلْحَمِ اِذَا كَانَ سَدَاهُ اِبْرِيْسَماً وَ لُحْمَتُهُ قُطْناً اَوْ خزاً.

ترجمہ : مردوں کے لئے ریشمی کپڑا پہننا جائز نہیں ہے اور عورتوں کے لئے جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ریشم کا (بنا ہوا) تکیہ لگانا کوئی حرج نہیں ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ریشم کا (بنا ہوا) تکیہ لگانا مکروہ (تحریمی) ہے (ائمہ ثلاثہ کا بھی یہ مسلک ہے) اور صاحبینؒ کے نزدیک جنگ کے موقع پر ریشم اور ریشمی کپڑے پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ (تحریمی) ہے اور ملحم کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اس کا تانا ریشم کا ہو اور اس کا بانا روئی یا اون کا ہو۔

حل لغات : حریر: ریشم۔ توسد: مصدر باب تفعل سے، تکیہ لگانا۔ دیباج: ریشمی کپڑا۔ حرب: جنگ۔ فی الحرب: جنگ کا موقع۔ الملحم: جس کا تانا ریشمی اور بانا غیر ریشمی ہو۔ سدی: تانا۔ لحمه: (بضم اللام) بانا۔ قطن: روئی۔ خز: ریشم۔ ریشم اور ان کا بنا ہوا کپڑا، جمع خُزوز. یہاں اون مراد ہے۔

تشریح : عبارت بالکل واضح ہے، مزید وضاحت و اختلاف کو بین القوسین میں درج کر دیا گیا ہے۔

وَلَا يَجُوْزُ لِلرَّجُلِ التَحَلِّى بِالذَّهَبِ وَ الفِضَّةِ وَ لَا بَاسَ بِالخَاتِمِ وَ المِنْطَقَةِ وَ حِلْيَةِ السَّيْفِ مِنَ الفِضَّةِ وَ يَجُوْزُ لِلنِّسَاءِ التَّحَلِّىْ بِالذَّهَبِ وَ الفِضَّةِ وَ يُكْرَهُ اَنْ يُلْبَسَ الصَّبِىُّ الذَّهَبَ وَ الحَرِيْرَ وَ لَا يَجُوْزُ الاَكْلُ وَالشُّرْبُ وَ الادِّهَانُ وَالتَّطَيُّبُ فِىْ اٰنِيَةِ الذهَبِ وَ الفِضَّةِ لِلرِّجَالِ

وَالنِّسَاءِ وَ لَا بَاسَ بِاسْتِعْمَالِ اٰنِيَةِ الزُّجَاجِ وَالرَّصَاصِ وَ الْبَلُّوْرِ وَ الْعَقِيْقِ وَ يَجُوْزُ الشُّرْبُ فِيْ الْاِنَاءِ الْمُفَضَّضِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَ الرُّكُوْبُ عَلَى السَّرْجِ الْمُفَضَّضِ وَ الْجُلُوْسُ عَلَى السَّرِيْرِ الْمُفَضَّضِ وَ يُكْرَهُ التَّعْشِيْرُ فِي الْمُصْحَفِ وَالنُّقَطِ وَ لَا بَاسَ بِتَحْلِيَةِ الْمُصْحَفِ وَ نَقْشِ الْمَسْجِدِ وَ زَخْرَفَتِهٖ بِمَاءِ الذَّهَبِ وَ يُكْرَهُ اِسْتِخْدَامُ الْخِصْيَانِ وَ لَا بَاسَ بِخِصَاءِ الْبَهَائِمِ وَاِنْزَاءِ الْحَمِيْرِ عَلَى الْخَيْلِ وَ يَجُوْزُ اَنْ يُّقْبَلَ فِي الْهَدِيَّةِ وَ الْاِذْنِ قَوْلُ الْعَبْدِ وَالصَّبِيِّ وَ يُقْبَلُ فِي الْمُعَامَلَاتِ قَوْلُ الْفَاسِقِ وَ لَا يُقْبَلُ فِيْ اَخْبَارِ الدِّيَانَاتِ اِلَّا قَوْلُ الْعَدْلِ.

ترجمہ: اور مرد کے لئے سونا اور چاندی کا زیور پہننا جائز نہیں ہے اور چاندی کی انگوٹھی، چاندی کا پٹکا اور تلوار کا زیور جو چاندی کا ہو کوئی حرج نہیں ہے (بشرطیکہ تکبر کی نیت سے نہ ہو) اور عورت کے لئے سونے اور چاندی کا زیور پہننا جائز ہے اور لڑکے کو سونا اور ریشم پہنانا مکروہ ہے۔ اور چاندی اور سونے کے برتن میں مرد وعورت (دونوں) کے لئے کھانا، پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا جائز نہیں ہے اور شیشہ، رانگ، بلور اور عقیق کے بنے ہوئے برتن کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے اور چاندی چڑھے ہوئے برتن میں پینا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور چاندی کی چڑھی ہوئی زین پر سوار ہونا اور چاندی چڑھے ہوئے تخت پر بیٹھنا (جائز ہے) اور قرآن کریم میں ہر دس آیت پر نشان لگانا اور نقطے لگانا مکروہ ہے۔ اور قرآن کریم کو (سونے چاندی سے) آراستہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور سونے کے پانی سے مسجد کو منقش اور مزین کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور خصی سے خدمت لینی مکروہ ہے اور چوپایوں کو خصی کرنے اور گدھے کو گھوڑے پر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور ہدیہ اور اذن میں غلام اور بچے کا قول قبول کرنا جائز ہے۔ اور معاملات میں فاسق کا قول (بھی) قبول کیا جائے۔ اور اخبارِ دیانات میں صرف عادل شخص کا قول معتبر ہے۔

سونے اور چاندی کے استعمال کا بیان

حل لغات: التحلي: مصدر باب تفعل سے، آراستہ ہونا۔ الخاتم: انگوٹھی۔ المنطقة: پٹکا جو کمر پر باندھا جائے۔ حلية: زیور۔ السيف: تلوار۔ الادهان: یہ باب افتعال کا مصدر ہے اصل اذتهان ہے تعلیل کے بعد اِدّهَان ہوگیا، تیل لگانا۔ التطيب: باب تفعل کا مصدر ہے خوشبو لگانا۔ آنية: یہ اناء کی جمع ہے، برتن۔ الزجاج: شیشہ، کانچ۔ الرصاص: رانگ۔ بلّور: ایک قسم کا شیشہ اور سفید وشفاف جوہر۔ عقيق: سرخ مہرے۔ واحد عقيقة. المفضض: تفضيض بروزن تفعيل کا اسم مفعول ہے۔ چاندی چڑھی ہوئی چیز۔ السرج. زین۔ السرير. تخت۔ التعشير في المصحف. قرآن کریم میں ہر دس آیت پر نشان لگانا۔ نقط. نقط الحروف (ن) نقطاً. حروف پر نقطے لگانا۔ زخرفه زخرف زَخْرَفَةً بروزن فعللةً. خوبصورت بنانا۔ خصيان. یہ خصیٌّ کی جمع ہے۔ وہ شخص جس کے فوطے نکال لے گئے ہوں۔ آختہ۔ خصاء. مصدر باب (ض) سے خصی کرنا۔ بَهائم یہ بہیمۃ کی جمع ہے چوپائے۔ انزاء. باب افعال سے ہے۔ نر کو مادین پر کدانا۔ الحمير. یہ حمار کی جمع ہے، گدھا۔ الخيل. گھوڑا۔ العدل. عادل شخص۔

تشریح : اس پوری عبارت میں تیرہ مسئلے مذکور ہیں۔

وَلَا یَجُوْزُ ......الفِضَّۃُ : مسئلہ(۱) مفہوم واضح ہے۔ **ولا باس بالخاتم ...... من الفضۃِ:** مسئلہ(۲) مفہوم واضح ہے۔البتہ خاتم کے متعلق کچھ ضروری باتیں زیب قرطاس کررہا ہوں۔

مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی کا استعمال ناجائز ہے البتہ چاندی کی انگوٹھی کا استعمال جائز ہے چاندی کا وزن ایک مثقال ہو۔انگوٹھی اس انداز کی ہو کہ عورتوں کی انگوٹھی سے مشابہت نہ ہو ورنہ مکروہ ہے اور عورت بھی اس کا خیال رکھے کہ مردوں کی انگوٹھی سے مشابہ نہ ہو بلکہ علماء نے لکھا ہے اگر کوئی عورت چاندی کی انگوٹھی پہننا ہی چاہے تو وہ اس کے رنگ کو ملمع وغیرہ کے ذریعہ تبدیل کردے انگوٹھی میں حلقہ کا اعتبار ہے نہ کہ نگینہ کا چنانچہ اگر حلقہ چاندی کا اور نگینہ پتھر کا ہو مثلاً عقیق، یاقوت، زبرجد یا فیروزج کا اور اس پر اس کا نام کا یا اسماء الٰہی میں سے کوئی اسم کندہ ہو تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔لہٰذا اگر حلقہ لوہے اور پیتل وغیرہ کا ہے تو اس کا استعمال مرد وعورت دونوں کیلئے ناجائز ہے انگوٹھی پہننے کا مستحب طریقہ یہ ہے بائیں کی چھوٹی انگلی (خنصر) میں پہنے اور اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف ہو البتہ عورت نگینہ کو ہتھیلی کی پشت کی طرف کرسکتی ہے کیونکہ یہ اس کیلئے زینت ہے۔

وَیَجُوْز للنساء ...... والفضۃ: مسئلہ(۳)۔**ویکرہ ...... والحریر:** مسئلہ(۴)۔**ولا یجوز الاکل ...... والنساء:** مسئلہ(۵)۔**ولا باس باستعمال ...... والعقیق:** مسئلہ(۶)۔چاروں مسئلے ترجمہ سے واضح ہیں۔

وبجوز الشرب ...... السریر المفضَّضِ: مسئلہ(۷) اگر برتن چاندی سے مزین، منقش اور مرصع ہو تو اس میں پانی پینا، اسی طرح ایسی کرسی یا چارپائی تخت وغیرہ پر بیٹھنا جائز ہے جس پر چاندی جڑی ہو بشرطیکہ اس کا منہ اور جائے نشست چاندی کی جگہ سے علیحدہ رہے۔یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔امام محمدؒ سے دونوں روایتیں ہیں۔

ویکرہ التعشیر فی المصحف والنقط : مسئلہ(۸) مسئلہ تو کراہت کا ہے مگر متاخرین نے اہل عجم کے حق میں بغرض تسہیل اعراب کے اظہار کو مستحسن سمجھا ہے۔کیونکہ عجم والوں کے حق میں یہ ضروری ہے۔

وَلَا باس بتحلیۃ المصحف ...... بماء الذھب : مسئلہ(۹) ترجمہ سے مطلب واضح ہے قرآن کریم کی عظمت کے پیش نظر اس کو سونے چاندی سے آراستہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر مسجد میں سونے کے پانی سے نقش ونگاری جائز تو ہے مگر بہتر نہیں ہے۔خندی نے تحریر کیا ہے کہ اگر یہ خرچ مسجد کی آمدنی سے نہ ہو تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔متولی اس کا ضامن ہوگا۔

ویکرہ استخدام الخصیان: مسئلہ(۱۰)۔**ولا باس ...... علیٰ الخیل:** مسئلہ(۱۱)۔**ویجوز ان یقتل ...... والصبی:** مسئلہ(۱۲) تینوں مسئلے ترجمہ سے واضح ہیں۔

ویقبل فی المعاملات الخ : مسئلہ(۱۳) عام معاملات میں ایک شخص کا قول بالاتفاق معتبر ہے وہ شخص متقی ہو یا فاسق، آزاد ہو یا غلام مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صدق خبر کا گمان غالب ہو۔اگر کذب کا غالب گمان ہو تو غیر معتبر ہے اور دیانات کے مسئلہ میں شرط یہ ہے کہ خبر دینے والا شخص عادل ہو۔معاملات سے وہ امور مراد ہیں جو بندوں کے درمیان ہوں مثلاً بیع وشراء، وکالت، مضاربت اذن تجارت وغیرہ۔اور دیانات سے وہ امور مراد ہیں جو بین اللہ وبین العباد جاری ہوں۔جیسے عبادات حلت وحرمت وغیرہ۔

وَلَا يَجُوْز اَنْ يَنْظُرَ الرَّجُلُ مِنَ الاَجْنَبِيَّةِ اِلَّا اِلىٰ وَجهِهَا وَ كَفَّيْهَا فَاِنْ كَانَ لَايَامَنُ مِنَ الشَّهْوَةِ لَمْ يَنْظُرْ اِلىٰ وَجْهِهَا اِلَّا لِحَاجَةٍ وَيَجُوزُ لِلْقَاضِى اِذَا اَرَادَ اَنْ يَحْكُمَ عَلَيْهَا وَ لِلشَّاهِدِ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَشْهَدَ عَلَيْهَا النَّظَرُ اِلىٰ وَجْهِهَا وَاِنْ خَافَ اَنْ يَشْتَهِىَ وَ يَجُوْزُ لِلطَّبِيْبِ اَنْ يَنْظُرَ اِلىٰ مَوْضِعِ الْمَرَضِ مِنْهَا وَ يَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنَ الرَّجُلِ اِلىٰ جَمِيْعِ الاَّ مَابَيْنَ سُرَّتِهٖ اِلىٰ رُكْبَتِهٖ وَ يَجُوْزُلِلْمَرْاَةِ اَنْ تَنْظُرَ مِنَ الرَّجُلِ اِلىٰ مَا يَنْظُرُ اِلَيْهِ وَ تَنْظُرُ الْمَرْاَةُ مِنَ الْمَرْاَةِ اِلىٰ مَا يَجُوْزُ لِلرَّجُلِ اَنْ يَنْظُرَ اِلَيْهِ مِنَ الرَّجُلِ وَ يَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ اَمَتِهِ الَّتِى تَحِلُّ لَهٗ وَ زَوْجَتِهٖ اِلىٰ فَرجِهَا.

ترجمہ: اور مرد کا کسی اجنبی عورت کو دیکھنا جائز نہیں ہے سوائے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے اور اگر (چہرہ دیکھنے کے بعد) شہوت سے محفوظ نہ رہ سکے (شہوت بھڑک اٹھے) تو اس کے چہرہ کی طرف نہ دیکھے مگر کسی ضرورت کے لئے۔ اور قاضی کے لئے عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ قاضی عورت پر حکم لگانے کا ارادہ کرے اور گواہ کیلئے عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ گواہ عورت کے خلاف گواہی دے۔ اگر چہ (دونوں کو) شہوت کا اندیشہ ہو۔ اور طبیب کے لئے عورت کے مقام مرض کو دیکھنا جائز ہے۔ (ایک) مرد (دوسرے) مرد کے تمام جسم کو دیکھ سکتا ہے سوائے اس کے ناف سے اس کے گھٹنے کے درمیان تک اور عورت کے لئے جائز ہے کہ مرد کا بدن اتنا دیکھے جتنا کہ دوسرا مرد اس کو دیکھ سکتا ہے۔ اور عورت دوسری عورت کا بدن اتنا دیکھ سکتی ہے جتنا کہ مرد دوسرے مرد کا بدن دیکھ سکتا ہے۔ اور مرد اپنی حلال باندی اور بیوی کی شرمگاہ کی طرف دیکھ سکتا ہے۔

مرد و عورت کو دیکھنے اور چھونے کے احکام

حل لغات: الطبیب: حکیم، معالج۔ سرة: ناف۔ رکبة: گھٹنا۔ فرج: شرمگاہ۔

تشریح: یہ عبارت چھ مسئلوں پر مشتمل ہے۔

ولایجوز ان ینظر ...... لحاجةٍ: مسئلہ (۱) اجنبیہ اور غیر محرم عورتوں کا کل بدن ستر ہے سوائے چہرہ اور ہتھیلیوں کے۔ کہ ضرورت کے وقت اس کا دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو لیکن شہوت کا اندیشہ ہے تو پھر جائز نہیں ہے۔

ویجوز للقاضی ...... ان یشتهی: مسئلہ (۲) اگر قاضی کسی اجنبیہ پر حکم لگانا چاہے یا گواہ اس کے خلاف گواہی دینا چاہے تو دونوں عورت کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں اگر چہ شہوت کا اندیشہ ہو۔

ویجوز للطبیب ...... المرض منها: مسئلہ (۳) مفہوم ترجمہ سے واضح ہے۔

وینظر الرجل ...... الیٰ رکبته: مسئلہ (۴) ایک مرد دوسرے مرد کے تمام جسم کو دیکھ سکتا ہے سوائے ناف سے لے کر گھٹنے کے درمیانی حصہ کے۔

ویجوز للمرأةِ ...... الیه من الرجل: مسئلہ (۵) جس قدر مرد کو مرد کا جسم دیکھنا جائز ہے اسی قدر عورت کو مرد کا جسم دیکھنا جائز ہے۔ اور عورت کو عورت کا جسم دیکھنا اس قدر جائز ہے جس قدر مرد کو مرد کا جسم دیکھنا جائز ہے۔

وینظر الرجُلُ ......الیٰ فرجها: مسئلہ (۶) ترجمہ سے واضح ہے۔

وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهٖ اِلٰى الوَجْهِ وَا الرَّاسِ وَ الصَّدْرِ وَالسَّاقِين والعضدَيْنِ وَ لَا ينظر اِلٰى ظَهرِهَا وَبَطْنِهَا وَ فَخِذِهَا وَ لَا بَاس بِاَنْ يَّمُسَّ مَاجَازَ لَهٗ اَنْ يَنْظُرَ اِلَيْهِ مِنْهَا وَ يَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ مَمْلُوْكَةِ غَيْرِهٖ اِلٰى مَا يَجُوزُ لَهٗ اَنْ يَنظُرَ اِلَيْهِ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهٖ وَلَا بَاسَ بِاَنْ يَمُسَّ ذٰلِكَ اِذَا اَرَادَ الشِرَىٰ وَ اِنْ خَافَ اَنْ يَشْتَهِي وَ الخَصِيُّ فِي النَّظْرِ اِلٰى الاَجْنَبِيَّةِ كَالفَحْلِ وَ لَا يَجُوْزُ لِلْمَمْلُوْكِ اَنْ يَّنْظُرَ مِنْ سَيِّدَتِهٖ اِلَّا اِلٰى مَا يَجُوْزُ لِلْاَجْنَبِيِّ النَظْرُ اِلَيْهِ مِنهَا وَ يَعْزِل عَنْ اَمَتِهٖ بِغَيْرِ اِذْنِهَا وَ لَا يَعْزِلُ عَنْ زَوْجَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهَا .

ترجمہ : اور مرد اپنی ذی رحم محرم عورتوں کے چہرہ، سر، سینہ، پنڈلیوں اور بازوؤں کو دیکھ سکتا ہے البتہ اس کی پشت، اس کے پیٹ اور اس کی ران کو نہ دیکھے۔ اور (ذی رحم محرم عورت کے) اس حصہ کو چھونے میں کوئی حرج نہیں جسکا دیکھنا مرد کے لئے جائز ہے۔ اور مرد غیر کی باندی کا اتنا حصہ بدن دیکھ سکتا ہے جتنا کہ اپنی ذی رحم محرم کے بدن کو دیکھنا جائز ہے اور غیر کی باندی چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر اس کو خریدنے کا ارادہ ہو اگر چہ شہوت کا اندیشہ ہو، اور خصی آدمی اجنبیہ کو دیکھنے میں مرد کی طرح ہے۔ اور غلام کے لئے اپنے مالکہ کے جسم کو دیکھنا جائز نہیں ہے بجز اس حصہ بدن کے جتنا کہ کسی اجنبی مرد کے لئے اس (عورت کے جسم) کا دیکھنا جائز ہے۔ اور آدمی (اگر چاہے تو) اپنی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرلے اور مرد اپنی بیوی کی اجازت کے بغیر اس سے عزل نہ کرے۔

حل لغات : **ذوات محارم**: ذی رحم محرم عورت ہر اس عورت کو کہتے ہیں جس سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہے خواہ نسب کی وجہ سے ہو یا رضاعت یا مصاہرت کی وجہ سے اور مصاہرت خواہ بذریعہ نکاح ہو یا زنا کے ذریعہ۔ **الصدر**. سینہ۔ **الساقین**. ساق کا تثنیہ ہے، پنڈلی۔ **العَضُدین**. یہ عضد کا تثنیہ ہے بازو۔ **ظهر**. پشت۔ **فخد**. ران۔ **یمس** (ن،س) **مساً**. چھونا۔ **الفحل**. مرد۔ **یعزل. عزل** (ض) **عزلاً**. عضو مخصوص کو بوقت انزال فرج سے نکال کر باہر انزال کرنا۔

تشریح : **وینظر الرجل** ...... **فخدها**: مسئلہ (۱)۔ **ولا بان یمس** ...... **الیه منها**: مسئلہ (۲) **وینظر الرجل** ...... **محارمه**: مسئلہ (۳)۔ **ولا باس** ...... **ان یشتهی**: مسئلہ (۴) **والخصی** ...... **کالفحل**: مسئلہ (۵)۔ **ولا یجوز للملوك** ...... **الیه منها**: مسئلہ (۶)۔ یہ چھ مسئلے ترجمہ سے بالکل واضح ہیں تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

ویعزل عن امته الخ : مسئلہ (۷) اس مسئلہ کی صورت واضح ہے البتہ عزل کے متعلق قدرے اختلاف ہے اسے قلمبند کرتا ہوں۔

احناف، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک عزل علی الاطلاق جائز ہے۔ امام احمدؒ کے بعض اصحاب علی الاطلاق ممنوع کے قائل ہیں اور بعض اصحاب علی الاطلاق جائز کے قائل ہیں۔ بعض علماء نے عورت کے حرہ اور باندی ہونے کے اعتبار سے تفصیل کی ہے۔ چنانچہ حافظ کہتے ہیں کہ مذاہب ثلاثہ اس سلسلہ میں متفق ہیں کہ مرد حرہ عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہیں کرسکتا اور باندی سے بلا اجازت بھی کرسکتا ہے چنانچہ صاحب قدوری نے اسی کو نقل کیا ہے۔

وَ یُکْرَہُ الاِحْتِکَارُ فِیْ اَقْوَاتِ الآدمِیِّین وَ البَهَائِمِ اِذَا کَانَ ذٰلِکَ فِیْ بَلَدٍ یَضُرُّ الاِحْتِکَارُ بِاَهْلِهٖ وَ مَنِ احْتَکَرَ غَلَّةَ ضَیْعَتِهٖ اَوْ مَا جَلَبَهٗ مِنْ بَلَدٍ اٰخَرَ فَلَیْسَ بِمُحْتَکِرٍ وَلَا یَنْبَغِیْ لِلسُّلْطَانِ اَنْ یُّسَعِّرَ عَلَی النَّاسِ وَ یُکْرَہُ بَیْعُ السِّلَاحِ فِیْ اَیَّامِ الفِتْنَةِ وَ لَا بَاسَ بِبَیْعِ العَصِیْرِ مِمَّنْ یَّعْلَمُ اَنَّهٗ یَتَّخِذُہٗ خَمْراً.

ترجمہ: اور آدمی اور چوپائے کی غذا کو روک لینا ایسے شہر میں مکروہ ہے کہ روکنا اہل شہر کے لئے تکلیف دہ ہو اور جو اپنی زمین کے غلہ کو روکے یا اس غلہ کو روکے جو دوسرے شہر سے لایا ہے تو وہ شخص روکنے والا نہیں ہے۔ اور بادشاہ کیلئے مناسب نہیں ہے کہ نرخ مقرر کرے۔ اور فتنہ کے زمانہ میں (خوارج اور باغی وغیرہ سے) ہتھیار بیچنا مکروہ ہے۔ اور شیرہ انگور کو ایسے شخص (مجوسی یا ذمی وغیرہ) سے فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ اس کی شراب بنائے گا۔

احتکار (غلہ بھرنے) کا بیان

حل لغات: احتکار: مصدر ہے باب افتعال کا۔ احتکر احتکاراً۔ مہنگا بیچنے کیلئے روکنا، گرانی کے انتظار میں غذا کو روکنے والا۔ اقوات یہ قوت کی جمع ہے غذا۔ ضیعة، زمین۔ جلب. جلبه (ن،ض) جلباً وَجَلَباً. ہانک کر لانا۔ باہر سے لانا جالب. باہر سے غلہ خرید کر شہر میں فروخت کرنے کے لئے لانیوالا۔ یسعر. مصدر تسعیراً باب تفعیل سے۔ سعّرَ الشئی. کسی چیز کا بھاؤ مقرر کرنا، بھاؤ کا اندازہ کرنا۔ العصیر. شیرۂ انگور۔

تشریح: اس عبارت میں چار مسئلے ہیں۔

ویکرہ الاحتکار ...... فلیس بمُحتکر: مسئلہ (۱) انسانوں کی غذا مثلاً جو چاول وغیرہ چوپایوں کی غذا مثلاً بھوسہ تر یا خشک چارہ وغیرہ کو گرانی کے انتظار میں روکنا اور فروخت نہ کرنا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ اس روکنے سے اہل شہر کو نقصان پہونچتا ہو۔ فتویٰ اسی پر ہے۔ لیکن اگر غلہ اپنی زمین کا ہو یا دوسرے شہر سے لایا گیا ہو تو اس کا روکنا احتکار میں داخل نہیں ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں ہے کہ اگر وہ غلہ ایسی جگہ سے لایا گیا ہے جہاں سے اہل شہر لاتے ہیں تو مکروہ ہے اور اگر اس مقام کے علاوہ کہیں اور سے لایا ہے تو مکروہ نہیں ہے۔ احتکار کا تحقق چالیس روز یا اس سے زیادہ تک روکنے سے ہوتا ہے۔

وَلَا ینبغی ...... علی الناس: مسئلہ (۲) حاکم وقت کے لئے اشیاء کا نرخ مقرر کرنا نامناسب ہے۔ شراح نے لکھا ہے کہ اگر غلہ فروش قیمت میں حد سے زیادہ گرانی کرنے لگیں تو حاکم مداخلت کرے اور اہل الرای سے مشورہ کر کے نرخ مقرر کر دے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ایسی صورت میں نرخ مقرر کرنا واجب ہے۔

ویکرہ ...... الفتنة: مسئلہ (۳)۔ ولا باس ...... خمراً: مسئلہ (۴) دونوں مسئلے ترجمہ سے واضح ہیں۔

کتاب الوصایا

وصیت کا بیان

اَلوَصِیَّةُ غَیْرُ وَاجِبَةٍ وَهِیَ مُسْتَحَبَّةٌ وَلَا تَجُوْزُ الوَصِیَّةُ لِلْوَارِثِ اِلَّا اَنْ یُّجِیْزَهَا الوَرَثَةُ وَ لَا

تَجُوْزُ بِمَا زَادَ عَلیٰ الثُلُثِ وَ لَا تَجُوْزُ الوَصِیَّۃُ لِلْقَاتِلِ وَ یَجُوْزُ اَنْ یُوْصیٰ المُسلِمُ لِلْکَافِرِ وَ الْکَافِرُ لِلْمُسْلِمِ وَ قُبُوْلُ الوَصِیَّۃِ بَعْدَ المَوْتِ فَاِنْ قَبِلَهَا المُوْصیٰ لَهٗ فِیْ حَالِ الحَیٰوۃِ اَوْ رَدَّهَا فَذَالِكَ بَاطِلٌ وَ یَسْتَحِبُّ اَنْ یُوْصِیَ الاِنْسَانُ بِدُوْنِ الثُلُثِ وَاِذَا اَوْصیٰ اِلیٰ رَجُلٍ فَقَبِلَ الوَصِیَّۃَ فِیْ وَجْهِ المُوْصِیْ وَرَدَّهَا فِیْ غَیْرِ وَجْهِهٖ فَلَیْسَ بِرَدٍّ وَ اِنْ رَدَّهَا فِیْ وَجْهِهٖ فَهُوَ رَدٌّ.

ترجمہ: اور وصیت واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اور وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ ورثہ (خود) اس کی اجازت دیں اور تہائی سے زائد کی وصیت جائز نہیں ہے۔ اور وصیت قاتل کے لئے جائز نہیں ہے اور یہ بات جائز ہے کہ مسلمان کافر کیلئے وصیت کرے اور کافر مسلمان کے لئے وصیت کرے۔ اور وصیت کا قبول کرنا مرنے کے بعد ہے۔ اگر موصیٰ لہ نے (موصی کی) زندگی میں وصیت کو قبول کرلیا یا اس کو رد کردیا تو یہ باطل ہے اور مستحب یہ ہے کہ انسان تہائی سے کم کی وصیت کرے اور اگر کسی نے کسی شخص کو وصیت کی اور اس نے موصی کے سامنے رد کی تو وصیت رد ہوگی۔

تشریح: اس عبارت میں آٹھ مسئلے ہیں۔

الوصایا: یہ وصیت کی جمع ہے۔ اسم مصدر ہے اصطلاح شرع میں وصیت وہ تملیک ہے جو تبرع کے طریقہ پر مابعد الموت کی طرف منسوب ہو خواہ تملیک عین ہو یا تملیک دین ہو یا تملیک منافع ہو۔ اس موقع پر چار اصطلاحی الفاظ ہیں۔ موصی بہ۔ مُوصی۔ وصی اور موصی الیہ۔ موصی لہ۔

مُوصیٰ بہ: جس چیز کی وصیت کی جائے۔ مُوصی۔ جو شخص وصیت کرے۔ وصی اور موصیٰ الیہ۔ جس کو وصیت کی جائے۔ موصیٰ لہ۔ جس کے لئے وصیت کی جائے مثلاً حامد نے راشد سے کہا کہ میرے مرنے کے بعد یہ مکان عبدالرحمٰن کو دیدینا۔ تو اس پورے جملہ میں حامد موصی ہے راشد وصی اور موصی الیہ ہے عبدالرحمٰن موصیٰ لہ ہے اور مکان موصیٰ بہ ہے۔

الوصیة ......مستحبة: مسئلہ (۱) مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ولا تجوز ......الورثة: مسئلہ (۲) وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اس صورت میں جائز ہے کہ دیگر وارثین اس کی اجازت دیدیں۔

ولاتجوز ...... علیٰ الثلث: مسئلہ (۳) وصیت تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں ہے۔

وَلا تجوز الوصیة للقاتل: مسئلہ (۴) احناف کے نزدیک قاتل کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے۔

ویجوز ان یوصی ...... للمسلم: مسئلہ (۵)۔ **وقبول الوصیة ...... باطل:** مسئلہ (۶) **ویستحب الثلث:** مسئلہ (۷) **واذا اوصیٰ الیٰ رجل الخ:** مسئلہ (۸) یہ چاروں مسئلے ترجمہ سے واضح ہیں۔

وَالمُوْصیٰ بِهٖ یَمْلِكُ بِالقُبُوْلِ اِلَّا فِیْ مَسْئَلَةٍ وَاحِدَةٍ وَ هِیَ اَنْ یَمُوْتَ المُوْصِیْ ثُمَّ یَمُوْتُ المُوْصیٰ لَهٗ قَبْلَ القُبُوْلِ فَیَدْخُلُ المُوْصیٰ بِهٖ فِیْ مِلْكِ وَرَثَتِهٖ وَمَنْ اَوْصیٰ اِلیٰ عَبْدٍ اَوْ کَافِرٍ اَوْ

فَاسِقٍ اَخْرَجَهُمُ الْقَاضِیْ مِنَ الْوَصِیَّةِ وَنَصَبَ غَیْرَهُمْ وَ مَنْ اَوْصیٰ اِلیٰ عَبْدِ نَفْسِهٖ وَ فِی الْوَرَثَةِ کِبَارٌ لَمْ تَصِحَّ الْوَصِیَّةُ وَ مَنْ اَوْصیٰ اِلیٰ مَنْ یَعْجَزُ عَنِ الْقِیَامِ بِالْوَصِیَّةِ ضَمَّ اِلَیْهِ الْقَاضِیْ غَیْرَهٗ وَمَنْ اَوْصیٰ اِلَی اِثْنَیْنِ لَمْ یَجُزْ لِاَحَدِهِمَا اَنْ یَتَصَرَّفَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ دُوْنَ صَاحِبِهٖ اِلَّا فِیْ شِرَاءِ کَفْنِ الْمَیِّتِ وَ تَجْهِیْزِهٖ وَطَعَامِ اَوْلَادِهِ الصِّغَارِ وَ کِسْوَتِهِمْ وَ رَدِّ وَدِیْعَةٍ بِعَیْنِهَا وَ تَنْفِیْذِ وَصِیَّةٍ بِعَیْنِهَا وَ عِتْقِ عَبْدٍ بِعَیْنِهٖ وَ قَضَاءِ الدُّیُوْنِ وَ الْخُصُوْمَةِ فِیْ حُقُوْقِ الْمَیِّتِ.

ترجمہ: اور موصیٰ بہ قبول کرنے سے ملک میں آجاتی ہے مگر ایک مسئلہ میں (بلا قبول بھی آجاتی ہے) وہ یہ ہے کہ موصی (وصیت کر کے) مرجائے۔ اس کے بعد موصیٰ لہ (بھی موصیٰ بہ کے) قبول کرنے سے پہلے مرجائے، تو موصی بہ موصی لہ کے ورا ثین کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی اور جس شخص نے کسی غلام، یا کافر یا فاسق کو وصیت کی تو قاضی ان کو وصیت سے خارج کردے اور ان کے علاوہ کو مقرر کردے۔ اور جس شخص نے اپنے غلام کو وصیت کی اور وارثین میں عاقل بالغ لوگ ہیں تو یہ وصیت صحیح نہیں ہے۔ اور جس شخص نے کسی ایسے شخص کو وصیت کی جو وصیت کو انجام دینے سے عاجز ہے تو قاضی (امداد کے لئے) کسی غیر کو اس کے ساتھ لگادے۔ اور جس شخص نے دو شخصوں کو وصیت کی تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دونوں میں سے کسی ایک کیلئے دوسرے کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے سوائے میت کے کفن کی خریداری، اس کی تجہیز و تکفین، اس کے چھوٹے بچوں کے کھانے، اور ان کے پوشاک، مخصوص امانت کی واپسی، مخصوص وصیت کے نافذ کرنے، معین غلام کے آزاد کرنے، قرضوں کی ادائیگی اور حقوق میت میں نالش کرنے میں (کسی ایک کے لئے تصرف جائز ہے)۔

تشریح: اس عبارت میں پانچ مسئلے ہیں۔

والموصیٰ به ...... ورثته: مسئلہ (۱)۔ ومن اوصیٰ ...... نصب غیرهم: مسئلہ (۲)۔ ومن اوصیٰ الیٰ عبد نفسه ...... لم تصح الوصیة: مسئلہ (۴)۔ ومن اَوْصیٰ الیٰ اثنین الخ: مسئلہ (۵)۔ پانچوں مسئلے ترجمہ اور بین القوسین کی عبارت سے واضح ہیں۔ البتہ مسئلہ (۵) میں الخصومۃ فی حقوق المیت کی صورت کو سمجھیں مثلاً میت کا حق کسی پر ہے اس کا دعویٰ کرنے میں دوسرے کا انتظار نہ کریں۔

وَ مَنْ اَوْصیٰ لِرَجُلٍ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَ لِلْاٰخَرِ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَ لَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَیْنَهُمَا نِصْفَانِ وَ اِنْ اَوْصیٰ لِاَحَدِهِمَا بِالثُّلُثِ وَ لِلْاٰخَرِ بِالسُّدُسِ فَالثُّلُثُ بَیْنَهُمَا اَثْلَاثًا وَ اِنْ اَوْصیٰ لِاَحَدِهِمَا بِجَمِیْعِ مَالِهٖ وَ لِلْاٰخَرِ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَالثُّلُثُ بَیْنَهُمَا عَلیٰ اَرْبَعَةِ اَسْهُمٍ عِنْدَهُمَا وَ قَالَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ الثلث بَیْنَهُمَا نِصْفَانِ وَ لَا یَضْرِبُ اَبُوْحَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِلْمُوْصیٰ لَهٗ بِمَا زَادَ عَلَی الثُّلُثِ اِلَّا فِی الْمُحَابَاةِ وَالسِّعَایَةِ وَ الدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ.

ترجمہ: اور جس شخص نے کسی ایک کے لئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے (بھی) اپنے تہائی مال کی، مگر وارثین نے اس کو منظور نہیں کیا تو ایک تہائی دونوں کے درمیان نصفا نصف ہوگا۔ اور اگر دونوں میں سے ایک

کیلئے تہائی مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے چھٹے حصہ کی، تو تہائی دونوں کے درمیان تین حصوں میں (تقسیم) ہوگا (دو حصے ایک کو اور ایک حصہ ایک کو دیا جائے گا) اور اگر دونوں میں سے ایک کے لئے اپنے تمام مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے اپنے مال کے تہائی حصہ کی تو (ایسی صورت میں) ایک تہائی مال کو حضرات صاحبینؒ کے نزدیک چار حصوں میں (تقسیم) ہوگا (اور دونوں کو دیدئے جائیں گے) اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ایک تہائی دونوں کے درمیان نصفا نصف (تقسیم) ہوگا۔ اور امام ابوحنیفہؒ موصیٰ لہ کو تہائی سے زیادہ نہیں دلاتے بجز (تین صورتوں) محابات، سعایت اور دراہم مرسلہ کے۔

تشریح: اس عبارت میں دو شخصوں کے حق وصیت کرنے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

ومن اوصیٰ ...... نصفان: پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دو شخصوں کے حق میں تہائی، تہائی مال کی وصیت کی، وارثین نے صرف ایک ثلث (تہائی) کی منظوری دی تو ایسی صورت میں وصیت صرف ایک ثلث میں معتبر ہوگی اور اس ثلث کو نصف، نصف کر کے دونوں کے درمیان تقسیم کر دیں گے۔

وَاِنْ اَوصیٰ لاحدھما...... بینھما اثلاثاً: دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص کے لئے تہائی مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے چھٹے حصے کی تو ایک ثلث کی وصیت معتبر ہوگی اور اسی ثلث کو تین حصوں میں تقسیم کر کے دو حصے ایک کو اور ایک حصہ دوسرے کو دیا جائے گا۔

وَاِنج اوصیٰ لاحدھما بجمیع: ...... نصفان: تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے لئے تمام مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے ثلث مال کی تو ثلث مال کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو حضرات صاحبینؒ کے نزدیک چار حصوں میں تقسیم کر کے تین حصہ کل والے کو اور ایک حصہ ثلث والے کو دیا جائے گا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ثلث کو دو حصوں میں تقسیم کر کے نصف، نصف دیدیا جائے گا۔ اس اختلاف کی بنیاد مندرجہ ذیل ضابطہ پر ہے۔

وَلا یضرب ابو حنیفة الخ: ضابطہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک موصیٰ لہ کو ترکہ کا صرف تہائی حصہ دیا جاتا ہے البتہ محابات، سعایہ اور دراہم مرسلہ اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں۔ محابات کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس دو غلام ہیں ایک کی قیمت تیس درہم ہے اور دوسری کی ساٹھ۔ اس نے وصیت کی کہ پہلا غلام عبداللہ کے ہاتھ دس درہم میں فروخت کیا جائے اور دوسرا غلام عبدالرشید کے ہاتھ بیس درہم میں، ان دونوں غلام کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی مال نہیں ہے تو عبداللہ کے حق میں بیس درہم کی وصیت ہوئی اور عبدالرشید کے حق میں چالیس درہم کی وصیت ہوگی، کیونکہ پہلا غلام تیس درہم کا ہے اور اس نے اس درہم میں فروخت کرنے کی وصیت کی ہے گویا کہ مطلب یہ ہوا کہ عبداللہ کو بیس درہم دلانا چاہتا ہے، تو ثلث مال دونوں موصیٰ لہ کے درمیان تقسیم ہوگا۔ اور پہلا غلام عبداللہ کے ہاتھ بیس درہم میں فروخت کیا جائے گا، اور دس درہم اس کے لئے وصیت ہوگی تو عبداللہ اور عبدالرشید نے تہائی کے بقدر وصیت لیا اگر چہ ثلث وصیت سے زیادہ ہوگیا۔

سعایت کی صورت یہ ہے کہ موصی نے دو غلام آزاد کئے ایک کی قیمت تیس درہم ہے اور دوسرے کی ساٹھ درہم ہے اور ان کے علاوہ کوئی مال نہیں ہے۔ تو اول کے لئے ثلث مال کی وصیت ہوگی اور دوسرے کے لئے دو ثلث کی، تو وصیت کے سہام کے تین حصے ہوں گے ایک حصہ اول کا ہوگا اور دو حصے ثانی کے ہوں گے، تو ان کے درمیان ثلث مال بھی اسی طرح تقسیم کیا جائے گا۔

پس اول غلام کا ثلث آزاد ہوگا جو دس درہم ہے، اب وہ بیس درہم میں سعایت کرے گا اور ثانی غلام کا ثلث آزاد ہوگا جو بیس درہم ہے، اب وہ چالیس درہم میں سعایت کرے گا۔ تو ہر ایک موصی نے بقدر وصیت ضرب کی اگرچہ ثلث زائد ہے۔

دراہم مراسلہ: جس میں ثلث یا نصف وغیرہ کی قید نہ ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ عبداللہ کیلئے تیس درہم کی وصیت کی اور عبدالرشید کیلئے ساٹھ درہم کی وصیت کی، اور تمام اموال نوے درہم ہیں، تو یہ وصیت تہائی مال سے جاری ہوگی۔ اور عبداللہ و عبدالرشید کو ان کی وصیت کے مطابق ترکہ کے تہائی سے دیا جائے گا۔

وَ مَنْ اَوْصیٰ وَ عَلَیْهِ دَیْنٌ یحیط بِمَالِهٖ لَمْ تَجُزِ الْوَصِیَّةُ اِلَّا اَنْ یَبْرَأَ الْغُرَمَاءُ مِنَ الدَّیْنِ وَ مَنْ اَوْصیٰ بِنَصِیْبِ اِبْنِهٖ فَالْوَصِیَّةُ بَاطِلَةٌ وَاِنْ اَوْصیٰ بِمِثْلِ نَصِیْبِهٖ جَازَتْ فَاِنْ کَانَ لَهٗ اِبْنَانِ فَلِلْمُوْصیٰ لَهُ الثُّلُثُ وَ مَنْ اَعْتَقَ عَبْدَهٗ فِیْ مَرَضِهٖ اَوْ بَاعَ اَوْ حَابیٰ اَوْ وَهَبَ فَذٰلِكَ کُلُّهٗ جَائِزٌ وَهُوَ مُعْتَبَرٌ مِنَ الثُّلُثِ وَ یُضْرَبُ بِهٖ مَعَ اَصْحَابِ الْوَصَایَا فَاِنْ حَابیٰ ثُمَّ اَعْتَقَ فَالْمُحَابَاةُ اَوْلیٰ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ اِنْ اَعْتَقَ ثُمَّ حَابیٰ فَهُمَا سَوَاءٌ وَقَالَا الْعِتْقُ اَوْلیٰ فِیْ الْمَسْئَلَتَیْنِ وَ مَنْ اَوْصیٰ بِسَهْمٍ مِنْ مَالِهٖ فَلَهٗ اَخَسُّ سِهَامِ الْوَرَثَةِ اِلَّا اَنْ یَنْقُصَ عَنِ السُّدُسِ فَیُتِمُّ لَهُ السُّدُسُ وَ اِنْ اَوْصیٰ بِجُزْءٍ مِنْ مَالِهٖ قِیْلَ لِوَرَثَتِهٖ اُعْطُوْهُ مَاشِئْتُمْ۔

ترجمہ: اور جس شخص نے وصیت کی اور اس پر اتنا قرض ہے کہ جو اس کے مال کو محیط ہے تو وصیت جائز نہیں ہوگی مگر یہ کہ قرض خواہ قرض سے بری کر دیں۔ اور جس شخص نے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کی تو وصیت باطل ہے اور اگر کسی نے اپنے بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیت کی تو (وصیت کرنا) جائز ہے اب اگر اس کے دو بیٹے ہیں تو موصیٰ لہ کو تہائی ملے گا اور جس شخص نے اپنے غلام کو اپنی بیماری میں آزاد کر دیا یا اس کو فروخت کر دیا یا محابات کی یا ہبہ کر دیا تو یہ سب جائز ہے اور یہ تہائی سے معتبر ہے اور اس کو اصحاب وصایا کے ساتھ شریک کیا جائے گا اب اگر اس نے (پہلے) محابات کی، پھر آزاد کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک محابات اولیٰ ہوگی۔ اور اگر (پہلے) آزاد کیا پھر محابات کی، تو دونوں برابر ہیں، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں مسئلوں میں آزادی اولیٰ ہے۔ اور جس نے اپنے مال کے ایک حصہ کی وصیت کی، تو اس کے لئے ورثہ کے سہام کا کم تر حصہ ہوگا مگر یہ کہ چھٹے سے کم ہو تو اس کیلئے چھٹا حصہ پورا کر دیا جائے گا۔ اور اگر اپنے مال کے ایک جزء کی وصیت کی تو وارثین سے کہا جائے گا کہ جو چاہو اس کو دیدو۔

تشریح: اس عبارت میں چھ مسئلے ہیں:

ومن اوصی علیه ...... من الدین: مسئلہ (۱) اگر ایک شخص نے وصیت کی اور اس کے پاس جس قدر مال ہے اتنا ہی اس کے ذمہ قرض ہے تو یہ وصیت جائز نہیں ہوئی البتہ اگر قرض خواہ قرض معاف کر دیں تو پھر وصیت جائز ہے۔

وَ من اوصیٰ بنصیب ابنه فالوصیة باطلة: مسئلہ (۲) ترجمہ سے مفہوم واضح ہے۔

وَاِنْ اوصیٰ ...... فللموصیٰ له الثلث: مسئلہ (۳) اگر کسی نے وصیت کی اور یوں کہا "اوصیتُ لهٗ بمثل

نصیب ابنی" میں نے اس کیلئے اپنے بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیت کی تو یہ وصیت صحیح ہوگی کیونکہ مثل شئی مغائر شئی ہوتی ہے اب اگر دو بیٹے ہوں تو موصیٰ لہ کو تہائی مال ملے گا گویا موصی لہ کو تیسرا بیٹا قرار دیا۔

وَمَنْ اعتقَ ...... في المسئلتين : مسئلہ (۴) اگر کوئی شخص اپنے غلام کو مرض الموت میں آزاد کرے یا محابات کرے یا کوئی چیز ہبہ کرے تو یہ سب تصرفات درست ہوں گے اور ان کا اعتبار ثلث مال سے ہوگا اور تمام موصیٰ لہ اس تہائی مال میں شریک ہوں گے لیکن اگر کسی نے محابات کی یعنی دو سو درہم کے غلام کو ایک سو درہم میں فروخت کر دیا اس کے بعد اس کو آزاد کر دیا اور تہائی مال میں دونوں تصرفوں (محابات اور عتق) کی گنجائش نہیں تو ثلث محابات میں صرف ہوگا یعنی محابات امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اولیٰ ہوگا۔ اور اگر پہلے آزاد کیا پھر محابات کیا تو دونوں تصرف برابر ہوں گے یعنی ثلث مال دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ لہٰذا آزاد کردہ غلام کا نصف بلاشئی آزاد ہوگا اور نصف قیمت میں سعایت کرے گا اور صاحب محابات دوسرا غلام پچاس درہم دے کر خریدے گا۔ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں عتق مقدم ہوگا۔

ومن اوصى بسهم ...... له السدس: مسئلہ (۵) اگر کسی نے اپنے مال کے ایک سہام کی وصیت کی تو موصیٰ لہ کو وہ سہام دیا جائے گا جو وارثین کو تقسیم کرنے میں سب سے کم ہوتا ہے لیکن اگر یہ سہام چھٹے حصہ سے بھی کم ہوتا ہے تو چھٹے حصہ کو پورا کیا جائے گا۔

صاحب قدوری نے مخصوص سہام کا ذکر نہ کر کے مطلق سہام کا تذکرہ کیا ہے تو اس سے ایک یہی مراد ہے جو صاحب قدوری نے ذکر کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے چھٹا حصہ مراد ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود کا یہی قول ہے۔ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ سہام وصایا میں جو کم از کم ہو وہ مراد ہے البتہ ایک ثلث کی مقدار سے زیادہ نہیں ہوسکتا ہے۔ امام احمدؒ سے ایک روایت یہی ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ موصی لہ کو وہ دیا جائے گا جو ورثاء بخوشی دیدیں۔ (عینی ج ۴ ص ۳۲۰)

وَ اِنْ اوصىٰ بجزء من ماله الخ: مسئلہ (۶) یہ مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔

وَ مَنْ اَوْصىٰ بِوَصَايَا مِنْ حُقُوْقِ اللهِ تَعَالىٰ قُدِّمَتِ الفَرَائِضُ مِنْهَا عَلىٰ غَيْرِهَا قَدَّمَهَا الْمُوْصِي اَوْ اَخَّرَهَا مِثْلَ الحَجِّ وَ الزَّكوٰةِ وَ الكَفَّارَاتِ وَ مَا لَيْسَ بِوَاجِبٍ قُدِّمَ مِنْهُ مَا قَدَّمَهُ الْمُوْصِيْ وَ مَنْ اَوْصىٰ بِحَجَّةِ الإِسْلَامِ اَحَجُّوْا عَنْهُ رَجُلاً مِنْ بَلَدِهٖ يَحُجُّ رَاكِباً فَاِنْ لَمْ تَبْلُغِ الوَصِيَّةُ النَّفَقَةَ اَحَجُّوْا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ وَ مَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهٖ حَاجاً فَمَاتَ فِي الطَّرِيْقِ وَاَوْصىٰ اَنْ يُحَجَّ عَنْهُ حَجَّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهٖ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللهُ يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ مَاتَ وَ لَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الصَّبِيِّ وَ المُكَاتَبِ وَ اِنْ تَرَكَ وَ فَاءً وَ يَجُوْزُ لِلْمُوْصِيْ الرُّجُوْعُ عَنِ الوَصِيَّةِ وَ اِذَا صَرَّحَ بِالرُّجُوْعِ كَانَ رُجُوْعاً وَ مَنْ جَحَدَ الوَصِيَّةَ لَمْ يَكُنْ رُجُوْعاً.

ترجمہ : اور جس شخص نے حقوق اللہ کی چند وصیتیں کی تو ان میں سے فرائض کو دوسرے پر مقدم کیا جائے گا جس کو موصی نے مقدم کیا ہو یا اس کو مؤخر کیا ہو جیسے حج، زکوٰۃ، کفارات اور جو چیز واجب نہیں ہے تو اس میں سے اس کو مقدم کیا

جائے گا جس کو موصی نے مقدم کیا ہو۔ اور جس شخص نے حج کرنے کی کی وصیت کی تو ایک کو اس کے شہر سے حج کیلئے روانہ کردے جو حج کیلئے سوار ہوکر روانہ ہو۔ اور اگر وصیت نفقہ کو نہ پہونچے تو اس کو حج کرائیں جہاں سے ہوسکے۔ اور جو شخص اپنے گھر سے حج کے لئے نکلا اور راستہ میں انتقال ہوگیا اور اس نے حج کرانے کی وصیت کی تھی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے شہر سے حج کرائے اور امام ابو یوسفؒ و محمدؒ نے فرمایا کہ اس کو حج اس مقام سے کرائے جہاں وہ مرا ہے۔ اور بچہ اور مکاتب کی وصیت صحیح نہیں ہے اگر چہ اتنا مال چھوڑا ہو جو کافی ہو۔ اور موصی کیلئے اپنی وصیت سے رجوع کرنا درست ہے۔ اور جب صراحۃً رجوع کرے تو رجوع ہوجائے گا اور جو وصیت کا انکار کرے تو یہ رجوع نہیں ہوگا۔

تشریح : اس پوری عبارت میں چھ مسئلے ہیں۔

ومن اوصیٰ بوصایا ......ما قدمه الموصی: مسئلہ (۱) اگر کسی نے حقوق خداوندی کی چند وصیتیں کیں تو ان میں سے فرائض کو دیگر وصیتوں پر مقدم کیا جائے گا خواہ موصی نے اس کو بیان میں مقدم کیا ہو یا مؤخر کیا ہو۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور کفارات وغیرہ اور فرائض کے علاوہ میں اس کو مقدم کیا جائے گا جس کا موصی نے وصیت میں تذکرہ کیا ہے۔

ومن اوصیٰ بحجة ......من حیث تبلغ: مسئلہ (۲) اگر کسی نے حجِ اسلام فرض کی وصیت کی تو حج بدل کیلئے اس شخص کو اسی شہر سے روانہ کیا جائے گا اور سوار ہوکر جائے گا۔ اب اگر وصیت کردہ مال یعنی ایک ثلث سے اس کے شہر سے حج پورا نہ ہو تو اس کو اس مقام سے حج کرایا جائے گا جہاں سے حج پورا ہو جائے۔

ومن خَرَج من بلده ......من حیث مات: مسئلہ (۳) اگر ایک شخص اپنے گھر سے حج کیلئے نکلا اور راستہ میں اس کا انتقال ہوگیا اور انتقال کے وقت اپنی طرف سے حج کی وصیت کر گیا تو امام ابوحنیفہؒ (اور امام زفرؒ) کے نزدیک اس کی طرف سے حج اس کے وطن سے کرایا جائے گا اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اس کا حج اسی جگہ سے ہوگا جس جگہ اس کا انتقال ہوا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ولا تصح وصیة الصبی: مسئلہ (۴) نابالغ بچے کی وصیت کا اعتبار نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک معتبر ہے مگر شرط یہ ہے کہ یہ وصیت خیر اور بھلائی کی صورت میں ہو۔ امام مالک اور امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے (عینی ج ۴ ص ۲۱۵)

والمکاتب وان ترك وفاءً: مسئلہ (۵) اگر مکاتب غلام کسی دوسرے کیلئے اپنے مال کی وصیت کرتا ہے تو اس کی وصیت کا اعتبار نہیں ہے اگر چہ اس نے اتنا مال چھوڑا ہو جو بدل کتابت کی مقدار کو پہونچ جائے کیونکہ وصیت کرنا تبرعات میں سے ہے اور ابھی اس کو یہ حق حاصل نہیں ہوا۔ (عینی ج ۴ ص ۲۱۵)

مکاتب غلام کی وصیت کی تین صورتیں ہیں (۱) بالاتفاق باطل (۲) بالاتفاق جائز (۳) مختلف فیہ۔ اگر مکاتب اپنے مال سے کسی عین شئی کی وصیت کرتا ہے تو یہ بالاتفاق باطل ہے کیونکہ وہ حقیقۃً اس کا مالک نہیں ہے یہ پہلی صورت ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وصیت کو آزادی کی طرف منسوب کر کے یوں کہے "اذا اعتقت فثلث مالی لفلان" یہ صورت بالاتفاق جائز کی ہے کیونکہ عدم جواز آقا کے حق کی وجہ سے تھا اور جب وصیت کو آزادی پر معلق کر دیا تو اب آقا کا حق باطل ہوگیا۔ اگر اس طرح کہے "اوصیتُ بثلث مالی لفلان" یہ تیسری صورت ہے جو مختلف فیہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باطل

ہے۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔

ویجوز للموصی الخ: مسئلہ (۶) اگر موصی اپنی وصیت سے رجوع کرتا ہے تو ایسا کرنا درست ہے اب اس کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ صاف لفظوں میں کہدے کہ میں اپنی وصیت سے رجوع کرتا ہوں تو رجوع ہو جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وصیت سے انکار کرے تو یہ رجوع نہیں ہوگا یہ امام محمدؒ کا مسلک ہے۔ بروایت مبسوط امام ابو یوسفؒ کا اور بروایت عیون ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ انکار بھی رجوع ہے مگر فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

وَ مَنْ اَوْصیٰ لِجِیْرَانِہٖ فَھُمُ الْمُلَاصِقُوْنَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَ مَنْ اَوْصیٰ لِاَصْھَارِہٖ فَالْوَصِیَّۃُ لِکُلِّ ذِیْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْ مُرَأَتِہٖ وَ مَنْ اَوْصیٰ لِاَخْتَانِہٖ فَالْخَتَنُ زَوْجُ کُلِّ ذَاتِ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْہُ وَ مَنْ اَوْصیٰ لِاَقَارِبِہٖ فَالْوَصِیَّۃُ لِلْاَقْرَبِ فَالْاَقْرَبِ مِنْ کُلِّ ذِیْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْہُ وَ لَا یَدْخُلُ فِیْھِمُ الْوَالِدَانِ وَ الْوَلَدُ وَ یَکُوْنُ لِلْاِثْنَیْنِ فَصَاعِدًا وَ اِذَا اَوْصیٰ بِذَالِکَ وَ لَہٗ عَمَّانِ وَ خَالَانِ فَالْوَصِیَّۃُ لِعَمَّیْہِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَ اِنْ کَانَ لَہٗ عَمٌّ وَ خَالَانِ فَلِلْعَمِّ النِّصْفُ وَ لِلْخَالَیْنِ النِّصْفُ وَ قَالَا رَحِمَھُمَا اللّٰہُ الْوَصِیَّۃُ لِکُلِّ مَنْ یَنْسِبُ اِلیٰ اَقْصیٰ اَبٍ لَہٗ فِی الْاِسْلَامِ۔

ترجمہ: اور جس شخص نے اپنے پڑوسیوں کے لئے وصیت کی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ پڑوسی مراد ہوں گے جو ملے ہوئے ہوں۔ اور جس شخص نے اپنے سسرال والوں کے لئے وصیت کی تو وصیت اس کی بیوی کے ہر ذی رحم محرم کے واسطے ہوگی۔ اور جس نے اپنے دامادوں کے لئے وصیت کی تو داماد اس موصی کی ذی رحم محرم عورت کا شوہر ہوگا۔ اور جس شخص نے اپنے اقارب کیلئے وصیت کی تو یہ وصیت ان قرابتداروں کیلئے ہوگی جو موصی کی ہر ذی رحم محرم میں سب سے زیادہ قریب ہوں گے اور ان لوگوں میں والدین اور اولاد داخل نہیں ہوگی اور یہ وصیت دو اور دو سے زیادہ کیلئے ہوگی۔ اور اگر کسی نے یہی وصیت کی یعنی قرابتداروں کے لئے وصیت کی اور اس کے دو چچا اور دو ماموں ہیں تو وصیت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے دو چچاؤں کیلئے ہوگی اور اگر اس کے ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا کیلئے نصف ہوگا اور دونوں ماموں کیلئے نصف ہوگا۔ اور حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ وصیت ہر اس شخص کیلئے ہوگی جو اسلام میں اس کے آخری باپ کی طرف منسوب ہو۔

پڑوسیوں اور قرابت داروں کے لئے وصیت کرنے کا بیان

حل لغات: جیران: جار کی جمع ہے، پڑوسی۔ ملاصقون: ملاصق کی جمع ہے، ملا ہوا۔ اصھار: یہ صِھرٌ کی جمع ہے، داماد، بہنوئی۔ اختان: ختن کی جمع ہے۔ عورت کی طرف سے رشتے جیسے سسر، سالہ، داماد، اقارب رشتہ دار۔ عمان: عم کا تثنیہ ہے۔ چچا۔ خالان: خال کا تثنیہ ہے، ماموں۔

تشریح: اس عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں اور پانچواں مسئلہ تفصیلی ہے۔

وَمَنْ اَوْصیٰ ...... رَحِمَہُ اللّٰہُ: مسئلہ (۱) اگر ایک شخص نے اپنے پڑوسیوں کے لئے وصیت کی تو امام ابوحنیفہؒ و زفرؒ کے نزدیک صرف وہ لوگ داخل ہوں گے جو اس گھر سے متصل ہوں اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک محلے کے تمام لوگ اور

مسجد میں نماز پڑھنے والے لوگ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک پڑوسی سے مراد چالیس گھر ہیں جو ہر طرف ہوں۔
وَمَنْ اَوْصیٰ لِاَصْھَارِہٖ ...... محرم منه: مسئلہ (۲) اگر کوئی اپنے اصہار کے لئے وصیت کرے تو اس وصیت میں بیوی کے قرابتدار داخل ہوں گے جیسے بیوی کے باپ، دادے، چچا، ماموں، بہنیں وغیرہ۔
وَ مَنْ اَوْصیٰ لِاَخْتَانِہٖ ...... محرم منه: مسئلہ (۳) اس مسئلہ کو ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔
وَ مَنْ اَوْصیٰ لاقاربه ...... فصاعداً: مسئلہ (۴) اگر کسی نے اپنے قرابتداروں کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت ان قرابتداروں کے لئے ہوگی جو موصی کے ذی رحم محرم میں سب سے زیادہ قریب ہوں اور اس وصیت میں موصی کے والدین اور اس کے بچے شامل نہیں ہوں گے اور یہ وصیت دو اور دو سے زیادہ کیلئے ہوگی یعنی کم از کم دو ہوں اور زیادہ جس قدر ہوں سب شامل ہیں۔
وَاِذَا اَوْصیٰ ...... لَهٗ فِی الاِسْلَامِ: مسئلہ (۵) اگر کسی نے اپنے اقارب کے لئے وصیت کی اور اقارب میں دو چچا اور دو ماموں ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ وصیت صرف دو چچاؤں کیلئے ہوگی لیکن صاحبینؒ کے نزدیک چاروں کے لئے ہوگی لیکن اگر ایک چچا اور دو ماموں ہیں تو چچا اور ماموں دونوں کے لئے نصف نصف ہوگی۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک تقسیم برابر برابر ہوگی اور ایک ضابطہ بیان کیا کہ یہ وصیت بلفظ اقارب موصی کے تمام قرابتدارو ں کے لئے ہوگی جو اسلام میں اس کے انتہائی جد اعلیٰ کی طرف منسوب ہوں۔
مشائخ کے یہاں انتہائی جد اعلیٰ کی مراد کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ موصی کے آبا میں سے جو سب سے پہلے اسلام لایا، وہ اسلام میں اس کا انتہائی جد اعلیٰ ہے۔ اس مفہوم کے رو سے موصی سے لیکر اس کے جد اعلیٰ تک جس نے بھی اسلام قبول کیا اور وہ زندہ ہوں سب مستحق ہوں خواہ وہ کہیں ہوں۔
بعض کا خیال یہ ہے کہ اسلام لانا ضروری نہیں ہے خواہ اسلام لے آیا ہو۔ اس کو مثال سے یوں سمجھیں۔ مثلاً زید کی چار پشت سے اسلام کا زمانہ شروع ہوا اور اس وقت زید کا جد اعلیٰ مثلاً خالد موجود تھا مگر وہ اسلام نہیں لایا تو اس دوسرے قول کی روشنی میں اس کی اولاد و فروعات سب قرابتوں کو زید کی وصیت میں استحقاق ہے۔ اور خالد کے بعد خالد کا بیٹا مسلمان ہوگیا اور وہ زید کا جد اعلیٰ ہے تو پہلے قول کے مطابق صرف بکر کی اولاد و فروع اس وصیت کے مستحق ہوں گے۔

وَ مَنْ اَوْصیٰ لِرَجُلٍ بِثُلُثِ دَرَاهِمِهٖ اَوْ بِثُلُثِ غَنَمِهٖ فَهَلَكَ ثُلُثَا ذٰلِكَ وَ بَقِيَ ثُلُثُهَا وَهِيَ يَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهٖ لَمْ يَسْتَحِقَّ اِلَّا ثُلُثَ مَا بَقِيَ مِنَ الثِّيَابِ وَ مَنْ اَوْصیٰ لِرَجُلٍ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ وَ لَهٗ مَالٌ عَيْنٌ وَ دَيْنٌ فَاِنْ خَرَجَ الْاَلْفُ مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ وَ دُفِعَتْ اِلَى الْمُوْصیٰ لَهٗ وَ اِنْ لَمْ يَخْرُجْ دُفِعَ اِلَيْهِ ثُلُثُ الْعَيْنِ وَ كُلَّمَا خَرَجَهٗ شَيْئٌ مِنَ الدَّيْنِ اَخَذَ ثُلُثَهٗ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الْاَلْفَ وَ تَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِلْحَمْلِ وَ بِالْحَمْلِ اِذَا وُضِعَ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مِنْ يَوْمِ الْوَصِيَّةِ

ترجمہ: اور جس شخص نے کسی کیلئے اپنے تہائی دراہم یا تہائی بکریوں کی وصیت کی اور اس کے دو ثلث ہلاک ہو گئے اور ایک ثلث باقی رہا جو اس کے باقی مال کے ثلث سے نکل سکتا ہے تو موصی لہ کے لئے باقی ماندہ ساری بکریاں ہوں گی۔ اور جس شخص نے ایک تہائی کپڑوں کی وصیت کی اس کے دو ثلث ہلاک ہو گئے اور ایک ثلث باقی رہا جو باقی مال کے ثلث سے نکل سکتا

ہے تو موصی لہ صرف باقی ماندہ کپڑوں کے ثلث کا مستحق ہوگا۔اور جس شخص نے کسی کیلئے ایک ہزار درہم کی وصیت کی اور اس کا مال نقد بھی اور قرض بھی، پس اگر ایک ہزار نقد کے تہائی سے نکل آئے تو موصی لہ کو (اس نقد سے) دیئے جائیں گے۔اور اگر نقد (کے تہائی سے) نہ نکلے تو نقد کے تہائی اس کو دیدی جائے گی اور جب بھی قرض وصول ہوتا رہے تو اس کا ثلث لیتا رہے یہاں تک کہ پورے ایک ہزار لے لے۔اور حمل کیلئے اور حمل کی وصیت کرنا جائز ہے جبکہ وضع حمل وصیت کے دن سے چھ ماہ سے کم میں ہو۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے ہیں۔

وَمَنْ اوصیٰ ...... فلہ جمیع ما بقی : مسئلہ (۱) ایک شخص نے اپنے دراہم یا بکریوں میں سے ایک تہائی کی وصیت کسی کے حق میں کردی۔اتفاقاً اس کا دو تہائی ہلاک ہوگیا اور ایک تہائی باقی بچا۔ایک تہائی باقی ماندہ تہائی مال سے نکل سکتا ہے تو اس باقی ماندہ مال سے ایک ثلث موصیٰ لہ کو دیا جائے گا۔امام زفرؒ کے نزدیک صرف باقی ماندہ دراہم میں سے ایک ثلث موصیٰ لہ کو ملے گا۔

وَمَنْ اَوْصیٰ بثلث ثیابہ ......مابقی من الثاب : مسئلہ (۲) ایک شخص نے اپنے تمام کپڑوں میں سے ایک تہائی کپڑے کی کسی کے لئے وصیت کی۔اتفاق سے اس کپڑے کا دو تہائی ہلاک ہوگیا اور ایک ثلث باقی رہا اور یہ ایک ثلث باقی ماندہ کپڑوں میں سے نکل سکتا ہے تو ایسی صورت میں موصیٰ لہ کو صرف ماقی کپڑوں کا ثلث ملے گا مگر یہ اس صورت میں ہے جبکہ تمام کپڑے مختلف جنس کے ہوں۔اگر تمام کپڑے ایک جنس کے ہوں تو دراہم وغنائم کا حکم جاری ہوگا۔

وَ مَنْ اَوْصیٰ لِرَجُلٍ بالفِ......یستوفی الالف : مسئلہ (۳) ایک شخص نے ہزار درہم کی وصیت کی اس کا کچھ مال تو لوگوں کے ذمہ بطور قرض ہے اور کچھ نقد ہے تو اگر ہزار درہم نقد مال کی تہائی سے نکل سکتے ہوں تو موصیٰ لہ کو دے دیئے جائیں گے۔اور اگر نقد متروکہ میں سے ایک ہزار درہم نہ نکلیں تو نقد کی تہائی دیجائے گی۔مثلاً نقد متروکہ میں تین سو درہم ہیں تو ایک سو درہم موصیٰ لہ کو دیدیئے جائیں گے اور جتنا قرض وصول ہوتا جائے گا اس کا تہائی اس کو ملتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا ایک ہزار کا حق پورا ہوجائے۔

وتجوز الوصیۃ الخ : مسئلہ (۴) حمل کے لئے وصیت کرنا درست ہے مثلاً مالک یوں کہے کہ میں اپنی اس باندی کے حمل کیلئے اتنے درہموں کی وصیت کرتا ہوں۔اسی طرح حمل کی وصیت کرنا درست ہے مثلاً مالک کہے کہ میں اپنی اس باندی کے حمل کی فلاں شخص کے لئے وصیت کرتا ہوں۔

ان دونوں صورتوں میں وصیت کے صحیح ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ یہ وصیت ولادت سے چھ ماہ قبل کی گئی ہو۔اگر چھ ماہ کے بعد کی گئی تو وصیت معتبر نہ ہوگی۔

وَاِذَا اَوْصیٰ لِرَجُلٍ بِجَارِیَۃٍ اِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ الوَصِیَّۃُ والاِسْتِثْنَاءُ وَ مَنْ اَوْصیٰ لِرَجُلٍ بِجَارِیَۃٍ فَوَلَدَتْ بَعْدَ مَوْتِ المُوْصِیْ قَبْلَ اَنْ یقبل المُوْصیٰ لَہٗ وَلَداً ثُمَّ قَبِلَ المُوْصیٰ لَہٗ وَ هُمَا یَخْرجَانِ مِنَ الثُلُثِ فَهُمَا لِلْمُوصیٰ لَہٗ وَاِنْ لَمْ یَخْرُجَا مِنَ الثُلُثِ ضُرِبَ بِالثُّلُثِ و اُخِذَ بِالحِصَّۃِ مِنْهُمَا جَمِیْعاً فِیْ قَوْلِ اَبِیْ یُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ وَقَالَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللهُ یَاخُذُ ذَالِكَ مِنَ الاُمِّ فَاِنْ فَضَلَ شَیْئٌ اخذ مِنَ الوَلَدِ وَ تَجُوْزُ الوَصِیَّۃُ بِخِدْمَۃِ عَبْدِہٖ

وَ سُكْنىٰ دَارِهٖ سِنِيْنَ مَعْلُوْمَةً وَ تَجُوْزُ ذٰلِكَ اَبَداً فَاِنْ خَرَجَتْ رَقَبَةُ الْعَبْدِ مِنَ الثُّلُثِ سُلِّمَ اِلَيْهِ لِلْخِدْمَةِ وَ اِنْ كَانَ لَا مَالَ لَهٗ غَيْرُهٗ خدم الْوَرَثَةَ يَوْمَيْنِ وَ لِلْمُوْصىٰ لَهٗ يَوْماً فَاِنْ مَاتَ الْمُوْصىٰ لَهٗ عَادَ اِلَى الورثَةِ وَ اِنْ مَاتَ الْمُوْصىٰ لَهٗ فِيْ حَيَاةِ الْمُوْصِيْ بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ.

ترجمہ : اور اگر کسی نے کسی کے لئے ایک لونڈی کی وصیت کی مگر اس کا حمل (حمل کا استثناء کیا) تو وصیت اور استثناء درست ہے۔ اور جس نے کسی کیلئے کسی باندی کی وصیت کی اور اس نے موصی کے انتقال کے بعد اور موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے بچہ جنا اس کے بعد موصیٰ لہ نے قبول کیا اور یہ دونوں تہائی سے نکل سکتے ہیں تو دونوں موصی لہ کیلئے ہوں گے۔ اور اگر دونوں تہائی سے نہیں نکل سکتے تو دونوں ثلث میں شامل کئے جائیں گے۔ اور صاحبین ؒ کے قول کے مطابق کل مال کا ایک (تہائی) حصہ موصیٰ لہ کو ملے گا اور امام ابوحنیفہ ؒ نے فرمایا کہ موصی لہ اپنا حصہ ماں سے لے گا۔ اگر کچھ باقی رہ جائے تو بچہ سے وصول کرے گا اور اپنے غلام کی خدمت اور اپنے مکان کی رہائش کی معینہ سالوں تک تو کیلئے وصیت کرنا جائز ہے اور یہ وصیت ہمیشہ کیلئے بھی جائز ہے۔ اگر غلام تہائی مال سے نکل سکے تو اسے خدمت ؒ کے لئے موصی لہ کے حوالہ کر دیا جائے گا اور اگر اس کے پاس غلام کے علاوہ کوئی مال نہ ہو تو غلام وارثین کی دو دن خدمت کرے گا اور موصیٰ لہ کی ایک دن۔ اب اگر موصی لہ مر جائے تو غلام وارثین کی طرف لوٹ آئے گا۔ اور اگر موصی لہ، موصی کی زندگی میں انتقال کر جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے ہیں۔

وَاِذَا اَوْصىٰ ...... والاستثناء : مسئلہ (۱) ایک شخص نے زید کے لئے باندی کی وصیت کی اور اس کے حمل کا استثناء کیا تو ایسی صورت میں وصیت اور استثناء دونوں درست ہوں گے لہٰذا باندی موصی لہ کی ہوگی اور حمل موصی کے وارثوں کیلئے ہوگا۔

وَمَنْ اَوْصىٰ لرجلٍ بِجارِيةٍ ...... اخذ من الولد : مسئلہ (۲) ایک شخص نے باندی کی وصیت کی ابھی موصی لہ نے وصیت قبول نہیں کی تھی کہ موصی کے انتقال کے بعد باندی کو بچہ پیدا ہوا اس کے بعد موصی لہ نے وصیت قبول کر لی اب اگر باند اور اس کا بچہ دونوں موصی کے تہائی مال سے نکل سکتے ہیں تو یہ دونوں موصیٰ لہ کے ہوں گے اور اگر نہیں نکل سکتے ہیں تو حضرات صاحبین ؒ کے نزدیک باندی اور بچہ کی قیمت لگائی جائے گی اور قیمت لگا کر باقی مال میں شامل کریں گے پھر دونوں کی قیمت سے برابر لے کر موصی لہ کو دیں گے۔ حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک پہلے تہائی مال باندی سے پورا کریں گے اگر اس سے پورا نہ ہو سکے تو بچہ سے وصول کریں گے۔

وَتَجوز الوصية بخدمَة الخ : مسئلہ (۳) غلام کی خدمت اور مکان میں رہائش کی چند سالوں کے لئے وصیت کرنا جائز ہے اور ہمیشہ کے لئے بھی وصیت کرنا جائز ہے۔ اگر غلام اور مکان موصی کا ثلث مال ہو تو موصی لہ کو وہی دیا جائے گا تا کہ غلام خدمت کرے لیکن اگر اس کے پاس غلام کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہو چونکہ غلام میں تقسیم ناممکن ہے اسلئے اس میں باری مقرر کی جائے گی لہٰذا غلام وارثین کی دو دن خدمت کرے گا اور موصی لہ کی ایک دن۔ اب اگر موصی لہ کا انتقال ہو جائے تو موصی کے وارثین غلام کے مالک ہو جائیں گے لیکن اگر موصی لہ، موصی کی زندگی میں انتقال کر جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

وَاِذَا اَوْصیٰ لِوَلَدِ فُلَانٍ فَالوَصِیَّةُ بَیْنَھُمْ لِلذَّکَرِ وَالاُنْثیٰ سَوَاءٌ وَ اِنْ اَوْصیٰ بِوَرَثَةِ فُلَانٍ فَالوَصِیَّةُ بَیْنَھُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الاُنْثَیَیْنِ وَ مَنْ اَوْصیٰ لِزَیْدٍ وَ عَمْرٍو بِثُلُثِ مَالِهٖ فَاِذَا عَمْرٌو مَیِّتٌ فَالثُّلُثُ کُلُّهٗ لِزَیْدٍ وَ اِنْ قَالَ ثُلُثُ مَالِیْ بَیْنَ زَیْدٍ وَ عَمْرٍو زَیْدٌ مَیِّتٌ کَانَ لِعَمْرَ وَ نِصْفُ الثُّلُثِ وَ مَنْ اَوْصیٰ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَ لَا مَالَ لَهٗ ثُمَّ اکْتَسَبَ مَالاً اسْتَحَقَّ الْمُوْصیٰ لَهٗ ثلث مَا یَمْلِکُهٗ عِنْدَ المَوْتِ

ترجمه : اوراگر فلاں کے بچہ کے لئے وصیت کی تو وصیت ان کے درمیان لڑکے اورلڑکی کے لئے برابر ہوگی۔اور اگر فلاں کے وارثین کیلئے وصیت کی تو وصیت ان کے درمیان مرد کیلئے دوعورتوں کے حصہ کے مثل ہوگی۔اور جس شخص نے زید اور عمرو کیلئے اپنے مال کے ثلث کی وصیت کی اوراس وقت عمر مرچکا تھا تو تمام ثلث زید کے لئے ہوگا اور اگر کہا کہ میرا ثلث مال زید اور عمر کے درمیان (تقسیم) ہے اور زید مر چکا تو عمرو کیلئے تہائی کا نصف ہوگا۔اور جس نے اپنے ثلث مال کی وصیت کی اوراس کے پاس مال نہیں ہے اس کے بعد اس نے مال کمایا تو موصی لہ اس تہائی کا مستحق ہوگا جس کا وہ موت کے وقت مالک ہو۔

تشریح : اس عبارت میں چار مسئلے ہیں۔

وَاِذَا اَوْصی لِوَلَدِ ...... سواءٌ : مسئلہ(۱) اگر ایک شخص نے کسی کے بچے کیلئے وصیت کی تو اس صورت میں وصیت لڑکا اورلڑکی دونوں کے درمیان برابر جاری ہوگی۔

وَان اوصیٰ لورثة ...... الانثیین: مسئلہ(۲)اگر ایک شخص نے کسی کے وارثین کے لئے وصیت کی تو وصیت وارثین کے درمیان اس انداز سے نافذ ہوگی کہ لڑکے کو اتنا حصہ دیا جائے گا جو دولڑکیوں کے حصہ کے مثل ہوگا۔

وَ مَنْ اَوصیٰ لِزَیْدٍ ...... کله لزید : مسئلہ(۳)ایک شخص نے زید وعمرو کیلئے اپنے ثلث مال کی وصیت کی جبکہ اس وقت عمرو کا انتقال ہو چکا تھا لہٰذا اب زید کل ایک ثلث کا حقدار ہوگا۔

وَاِنْ قال ثلثُ مَالِي ...... ونصف الثلث : مسئلہ(۴)اگر کسی نے اس انداز سے وصیت کی کہ میرا ثلث زید اور عمرو کے درمیان تقسیم کردیا جائے اوراس وقت زید کا انتقال ہو چکا تھا تو ایسی صورت میں عمرو کو ثلث مال کا نصف ملے گا۔

ومن اوصیٰ بثلث ماله الخ : اگر کسی نے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اوراس وقت اسکے پاس مال نہیں تھا بعد میں اس نے کچھ مال کمایا تو موصی لہ موصی کے انتقال کے وقت موجودہ مال کے ثلث کا حقدار ہوگا۔

كتاب الفرائض

میراث کا بیان

حقوق وراثت کو ایک اہم مقام دین اسلامی قانون اور شریعت محمدیؐ کی خصوصیات میں سے ہے۔اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں یہ قوانین موجود نہیں ہیں۔زمانہ جاہلیت کے قانون میں صرف مردوں کو میراث کا مستحق قرار دیا گیا جس کا دائرہ محدود تھا۔اس قانون کی اصل یہ تھی کہ جو عورت کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ پر قابض ہو جاتا وہ اس کی میراث بن جاتا

کمزور، بے کس، یتیم اور لڑکیاں سبھی محروم ہوجاتے تھے۔ اللہ رب العزت نے اس ظالمانہ حرکت کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے وتاکلون التراث اکلا لمّا و تحبّون المال حبّاً جمّاً. تقسیم میراث پر ابھی تک حکم خداوندی نازل نہیں ہوتا تھا، ابھی تک وصیت کی صورت میں مورث کی طرف سے ورثاء کو کچھ مقدار ترکہ میں مل جاتی تھی جو کہ اس وقت فرض تھی ارشاد باری ہے کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت مگر بالاتفاق آیت میراث سے یہ حکم بطور فرض منسوخ ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا تھا "اِنَّ اللّٰہَ اَعْطیٰ لِکُلِّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ فَلَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ" (ترمذی). حضرت ابن عباسؓ نے بطور وضاحت ارشاد فرمایا لا وصیۃ لوارثٍ الّا اَن یجیزۃ الورثۃ. (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۴۰)

آیت میراث کا پس منظر

حضرت اوس بن ثابتؓ کا جب انتقال ہوا تو ان کے ورثاء میں تین لڑکیاں اور ایک بیوی تھیں مگر مال میراث پر آپؓ کے چچا زاد بھائیوں کا قبضہ تھا انھوں نے ورثاء کو کچھ نہیں دیا۔ حضرت اوس کی بیوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور تفصیلی حالات سامنے رکھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ حکم الٰہی کا انتظار کرو چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی لِلرِّجَالِ نصیب مِمّا ترك الوالدان الخ۔

ایک دوسرا واقعہ حضرت سعد بن ربیع کی شہادت کا جنگ احد میں پیش آیا ان کے بھائی نے سارا مال قبضہ میں لے لیا۔ ورثاء میں ایک بیوی اور دو لڑکیاں تھیں ان کی بیوی اپنی لڑکیوں کو لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور رو رہی تھی اس موقع پر میراث کا تفصیلی قانون نازل ہوا ارشاد باری ہے یُوصیکم اللّٰہ فِیْ اولادکم. اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی کے مطابق میراث تقسیم کردی۔

فرائض: فریضۃ کی جمع ہے، حصہ، مقدار، مقدار مقرر کرنا، لازم کرنا۔ اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ ھُوَ عِلْمٌ بِاُصُوْلٍ مِنْ فِقْہٍ وَ حِسَابٍ یُعْرَفُ بِہٖ حَقُّ الْوَرَثَۃِ مِنَ التَّرِکَۃِ. فرائض وہ علم ہے جو کہ فقہی اصولوں اور حساب کے ذریعہ ترکہ میں سے ورثاء کے حقوق کو بیان کرے۔

اس علم کا موضوع: ورثاء کے حقوق اور ورثاء کی تحقیق۔

غرض وغایت: صاحب حق کے حق کو پہچاننا اور ان کے سہام کی تعیین پر قدرت کا ہونا۔

اس علم کے تین ارکان ہیں (۱) وارث (۲) مورث (۳) حق مورث۔

اس کی تین شرطیں ہیں: (۱) مورث کی موت حقیقی ہو یا حکمی (۲) وارث کی حیات حقیقی ہو یا حکمی (۳) وراثت کے سبب کا علم ہونا۔ موت کا حکمی ہونا: جیسے مفقود ہونا۔ حیات حکمی: جیسے حمل ہونا۔

اَلْمَجْمَعُ عَلیٰ تَوْرِیْثِھِمْ مِنَ الذُّکُوْرِ عَشَرَۃُ الْاِبْنِ وَ ابْنُ الْاِبْنِ وَ اِنْ سَفُلَ وَ الْاَبُ وَ الْجَدُّ وَاِنْ عَلَا وَ الْاَخُ وَابْنُ الْاَخِ وَ الْعَمُّ وَابْنُ الْعَمِّ وَ الزَّوْجُ وَ مَوْلَی النِّعْمَۃِ وَ مِنَ الْاُنَاثِ سَبْعٌ الْبِنْتُ وَ بِنْتُ الْاِبْنِ وَ الْاُمُّ وَ الْجَدَّۃُ وَ الْاُخْتُ وَ الزَّوْجَۃُ وَ مَوْلَاۃُ النِّعْمَۃِ وَ لَا یَرِثُ اَرْبَعَۃٌ

الْمَمْلُوْكُ وَالْقَاتِلُ مِنَ الْمَقْتُوْلِ وَ الْمُرْتَدُّ وَ اَهْلُ الْمِلَّتَيْنِ وَ الْفُرُوْضُ الْمَحْدُوْدَةُ فِيْ كِتَابِ اللهِ تَعَالٰى سِتَّةٌ اَلنِّصْفُ وَ الرُّبْعُ وَ الثُّمُنُ وَالثُّلُثَانِ وَالثُّلُثُ وَ السُّدُسُ فَالنِّصْفُ فَرْضُ خَمْسَةٍ اَلْبِنْتُ وَ بِنْتُ الْاِبْنِ اِذَا لَمْ تَكُنْ بِنْتُ الصُّلْبِ وَالْاُخْتُ لِاَبٍ وَ اُمٍّ وَالْاُخْتُ لِاَبٍ اِذَا لَمْ تَكُنْ اُخْتٌ لِاَبٍ وَ اُمٍّ وَالزَّوْجُ اِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَلَا وَلَدُ ابْنٍ وَ اِنْ سَفُلَ وَالرُّبْعُ لِلزَّوْجِ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفُلَ وَ لِلْمَرْاَةِ اِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَ لَا وَلَدُ ابْنٍ وَ الثُّمُنُ لِلزَّوْجَاتِ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ وَ الثُّلُثَانِ لِكُلِّ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مِمَّنْ فَرْضُهُ النِّصْفُ اِلَّا الزَّوْجَ وَالثُّلُثُ لِلْاُمِّ اِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَلَا وَلَدُ ابْنٍ وَلَا اثْنَانِ مِنَ الْاِخْوَةِ وَ الْاَخَوَاتِ فَصَاعِدًا وَ يُفْرَضُ لَهَا فِيْ مَسْئَلَتَيْنِ ثُلُثُ مَا بَقِيَ وَهُمَا زَوْجٌ وَاَبَوَانِ اَوْ زَوْجَةٌ وَ اَبَوَانِ فَلَهَا ثُلُثُ مَا بَقِيَ بَعْدَ فَرْضِ الزَّوْجِ اَوِ الزَّوْجَةِ وَ هُوَ لِكُلِّ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مِنْ وَلَدِ الْاُمِّ ذُكُوْرُهُمْ وَ اُنَاثُهُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ وَ السُّدُسُ فَرْضُ سَبْعَةٍ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْاَبَوَيْنِ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ وَهُوَ لِلْاُمِّ مَعَ الْاِخْوَةِ وَ لِلْجَدَّاتِ وَ الْجَدُّ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ وَ لِبَنَاتِ الْاِبْنِ مَعَ الْبِنْتِ وَ لِلْاَخَوَاتِ لِلْاَبِ مَعَ الْاُخْتِ لِلْاَبِ وَ الْاُمِّ وَ لِلْوَاحِدِ مِنْ وَلَدِ الْاُمِّ.

ترجمہ: مردوں میں سے جن کے وارث ہونے پر اجماع ہے وہ دس ہیں۔ بیٹا، پوتا گو نیچے کا ہو۔ باپ، دادا، اگر چہ اوپر کا ہو۔ بھائی، بھتیجا، چچا، چچا کا لڑکا، شوہر، آزاد کرنے والا۔ اور عورتوں میں سے سات ہیں۔ بیٹی، پوتی، ماں، دادی، بہن، بیوی، آزاد کرنے والی۔ اور چار شخص وارث نہیں ہوتے۔ غلام، قاتل، مقتول سے (وراثت نہیں لے سکتا) مرتد، دو مذہب والے، (کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا ہے)۔ وہ حصے جو کتاب اللہ میں مقرر ہیں چھ ہیں۔ آدھا، چوتھائی، آٹھواں، دو تہائی، ایک تہائی، چھٹا، نصف پانچ (وارثین) کا حصہ ہے، بیٹی، پوتی جب صلبی بیٹی نہ ہو، حقیقی بہن، باپ شریک بہن جب کہ حقیقی بہن نہ ہو، شوہر جبکہ میت کا بیٹا نہ ہو اور نہ پوتا ہو اگر چہ نیچے کا ہو۔ اور چوتھائی شوہر کیلئے ہے بیٹے اور پوتے کے ساتھ اگر چہ نیچے کا ہو اور بیوی کیلئے ہے جبکہ میت کا بیٹا اور پوتا نہ ہو، آٹھواں حصہ بیوی کے لئے ہے بیٹے اور پوتے کے ساتھ، دو ثلث ہر دو یا اس سے زائد کے لئے ہے ان لوگوں میں سے جن کا حصہ نصف ہے سوائے شوہر کے، ثلث ماں کے لئے ہے جبکہ میت کے لئے نہ بیٹا ہو نہ پوتا ہو اور نہ دو بھائی نہ دو بہنیں نہ اس سے زائد ہوں۔ اور ماں کے لئے دو مسئلوں میں مابقیہ کا تہائی مقرر کیا جائے گا اور دونوں (میں سے ایک یہ ہے) کہ شوہر اور والدین (وارث ہوں) (دوسرا یہ کہ) بیوی اور والدین (وارث ہوں اور ان دونوں صورتوں میں) ماں کو شوہر یا بیوی کو حصے دینے کے بعد ایک تہائی ملے گا اور یہی چوتھائی حصہ اخیافی بھائی اور بہنوں کے لئے ہے خواہ دو ہوں یا اس سے زیادہ ہوں اس میں مرد اور عورتیں (بھائی اور بہنیں) برابر ہیں اور چھٹا حصہ سات آدمیوں کا حصہ ہے۔ والدین میں سے ہر ایک کیلئے جبکہ (میت کا) بیٹا اور پوتا ہو۔ ماں کے لئے ہیں جبکہ (میت کے) بھائی اور بہن ہوں (جو دو یا دو سے زائد ہوں) دادی، نانی کیلئے، دادا کیلئے جبکہ (میت کے) بیٹا یا پوتا ہو۔ پوتیوں کے لئے ایک لڑکی کی موجودگی میں، علاتی بہنوں کے لئے بھی ہے ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں۔ ایک اخیافی بھائی یا بہن کے لئے ہے۔

تشریح : عبارت میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ ترجمہ سے واضح ہے البتہ ایک عبارت وضاحت طلب ہے اس کو قلمبند کرتے ہیں۔

ویفرض لها ...... ما بقی : دو مسئلوں میں ماں کو بقیہ ترکہ کا ایک ثلث ملتا ہے۔ مسئلہ (۱) عورت اپنے شوہر اور ماں کو چھوڑ کر مرگئی تو ترکہ چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا تین حصہ شوہر کو ملے گا اور باقی مال کے تہائی یعنی ایک حصہ ماں کو اور دو حصہ باپ کو ملے گا۔ مسئلہ (۲) ایک شخص ماں باپ اور بیوی کو چھوڑ کر مرگیا تو ترکہ بارہ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا چوتھائی یعنی تین حصے بیوی کے لئے ہوں گے اور باقی کے تہائی یعنی تین حصے ماں کے اور چھ حصے باپ کے ہوں گے۔

تَسْقُطُ الجَدَاتُ بِالْاُمِّ وَ الجَدُّ وَ الْاِخْوَةُ وَالْاِخْوَاتُ بِالْاَبِ وَ يَسْقُطُ وَلَدُ الْاُمِّ بِاَرْبَعَةٍ بِالوَلَدِ وَ وَلَدِ الْاِبْنِ وَ الْاَبِ وَالجَدِّ وَاِذَا اسْتَكْمَلَتِ البَنَاتُ الثُّلُثَيْنِ سَقَطَتْ بَنَاتُ الْاِبْنِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ بِاِزَائِهِنَّ اَوْ اَسْفَلَ مِنْهُنَّ اِبْنُ اِبْنٍ فَيُعَصِّبُهُنَّ وَ اِذَا اسْتَكْمَلَ الْاَخَوَاتُ لِاَبٍ وَ اُمٍّ الثُّلُثَيْنِ سَقَطَتِ الْاَخَوَاتُ لِاَبٍ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مَعَهُنَّ اَخٌ لَهُنَّ فَيُعَصِّبُهُنَّ.

ترجمہ : اور جدات (پدری ہوں یا مادری) ماں سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ دادا، بھائی اور بہنیں باپ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اخیافی بھائی اور بہنیں چار وارثوں (کی موجودگی کی وجہ سے) ساقط ہو جاتے ہیں۔ بیٹے، پوتے، باپ، دادا۔ اور جب بیٹیاں مکمل دو تہائی لے لیں تو پوتیاں ساقط ہو جاتی ہیں مگر یہ کہ ان کے مقابل میں یا ان سے نیچے پوتا ہو تو ان پوتیوں کو عصبہ بنا دیتے ہیں۔ اور جب حقیقی بہنیں مکمل دو ثلث لے لیں تو علاتی بہنیں ساقط ہو جائیں گی ہاں یہ کہ ان کے ساتھ ان کا بھائی ہو تو وہ ان کو عصبہ بنا دیتا ہے۔

وارثین کو ساقط کرنے کا بیان

تشریح : **وتسقط الجدات بالام :** مسئلہ (۱) دادیاں ہوں یا نانیاں سبھی میت کی ماں کی موجودگی میں وراثت سے محروم کر دی جاتی ہیں۔

والجد والاخوة والاخوات بالاب : مسئلہ (۲) اگر میت کا باپ موجود ہے تو دادا اور بھائی محروم ہو جاتے ہیں نیز باپ کی موجودگی میں بہنیں بھی محروم ہو جاتی ہیں یہ امام صاحب کے نزدیک ہے حضرات صاحبینؒ کے نزدیک میت کے دادا کی موجودگی میں بہنیں محروم نہیں ہوتی ہیں مگر فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔

ویسقط ولدُ......والجد : مسئلہ (۳) ماں شریک بھائی بہن جن کو اخیافی کہتے ہیں یہ چار وارثوں کی موجودگی میں ساقط ہو جاتے ہیں۔ وہ چار یہ ہے (۱) میت کا بیٹا (۲) میت کا پوتا (۳) میت کا باپ (۴) میت کا دادا۔

واذا استکملتِ البنات ...... فیعصبهن : مسئلہ (۴) جب بیٹیاں دو یا زیادہ ہوں اور ان کو مکمل دو تہائی مل جائے تو پوتیاں ساقط ہو جاتی ہیں لیکن اگر پوتیوں کے ساتھ یا اس سے نیچے کوئی لڑکا ہو مثلاً کوئی بھائی یا بھتیجا ہو تو یہ سب ان لڑکیوں (پوتیوں) کو عصبہ بنا دیتے ہیں اور جو ان سے نیچے ہوں ان کو کچھ نہیں ملتا ہے۔

واذا استکملت الاخوات الخ : مسئلہ(۵) اگر حقیقی بہن دو یا دو سے زائد ہوں اور اپنا تہائی حصہ لے لیں تو باپ شریک بہنیں جن کو اصطلاح میں علاتی بہنیں کہتے ہیں ساقط ہو جاتی ہیں ہاں اگر ان کے ساتھ کوئی بھائی ہو تو وہ ان بہنوں کو عصبہ بنا دیتے ہیں اور عصبہ کے ساتھ ان کو رد کے حصے سے آدھا ملتا ہے۔

باب العصبات

عصبات کا بیان

وَ اَقْرَبُ الْعَصَبَاتِ الْبَنُوْنُ ثُمَّ بَنُوْهُمْ ثُمَّ الْاَبُ ثُمَّ الْجَدُّ ثُمَّ بَنُوْالْاَب وَهُمُ الْاِخْوَةُ ثُمَّ بَنُوْ الْجَدِّ وَهُمُ الْاَعْمَامُ ثُمَّ بَنُواَبِ الْجَدِّ وَاِذَا اسْتَوىٰ بَنُوْ اَبٍ فِیْ دَرَجَةٍ فَاَوْلٰهُمْ مَنْ كَانَ مِنْ اَبٍ وَاُمٍّ وَالْاِبْنُ وَ اِبْنُ الْاِبْنِ وَ الْاِخْوَةِ يُقَاسِمُوْنَ اَخَوَاتِهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ وَ مَنْ عَدَاهُمْ مِنَ الْعَصَبَاتِ يَنْفَرِدُ بِالْمِيْرَاثِ ذُكُوْرُهُمْ دُوْنَ اُنَاثِهِمْ وَاِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَالْعَصَبَةُ هُوَ الْمَوْلىٰ الْمُعْتِقُ ثُمَّ الْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ مِنْ عَصَبَةِ الْمَوْلىٰ.

ترجمہ : عصبوں میں سب سے زیادہ قریب بیٹے ہیں، اس کے بعد ان کے بیٹے (پوتے) اس کے بعد باپ، اس کے بعد دادا اس کے بعد باپ کے بیٹے یعنی بھائی، اس کے بعد دادا کے بیٹے یعنی چچا، اس کے بعد دادا کے باپ کے بیٹے اور جب باپ کے بیٹے (بھائی) درجہ میں برابر ہوں تو ان میں سے سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو باپ اور ماں (دونوں) کی طرف سے (میت کا بھائی) ہو۔ اور (میت کا بیٹا)، پوتا، اور بھائی اپنی اپنی بہنوں سے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ کے مطابق مقاسمہ کر لیتے ہیں، اور جو ان تینوں کے علاوہ عصبے ہوں تو ان کے مرد میراث پانے میں تنہا ہوتے ہیں نہ کہ عورتیں۔ اور جب میت کا کوئی نسبی عصبہ نہ ہو تو اس کا آزاد کرنے والا مولیٰ عصبہ ہے پھر مولیٰ کے عصبوں میں جو سب سے زیادہ قریب ہے۔

تشریح : عصبات: یہ عصبہ کی جمع ہے، پٹھا۔ اصطلاح شریعت میں عصبہ وہ شخص ہے جو گوشت پوست میں شریک ہو جس کے عیب دار ہونے سے خاندان میں عیب لگے۔

وَ اَقْرَبُ الْعصبات ...... من اب وام : عبارت کا مفہوم ترجمہ سے واضح ہے البتہ لفظ ثم الجد کے تحت قدرے اختلاف ہے۔ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک میت کا دادا میت کے حقیقی بھائیوں پر مقدم ہے۔ صاحبینؒ اور امام مالکؒ وشافعیؒ کے نزدیک میت کا حقیقی بھائی دادا پر مقدم ہے۔ فتویٰ کیلئے امام صاحب کا قول مختار ہے۔ بعض حضرات نے صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ ذکر کیا ہے مگر علامہ طحطاوی کے قول کے مطابق صرف امام صاحب کا قول معتمد ہے۔

فاولٰهم من كان من ابٍ و اُمٍّ: کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی بھائی علاتی بھائی پر مقدم ہے۔

والابن وابن الابن ...... الانثیین : صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جب میت کا بیٹا، اس کا پوتا اور اس کے بھائی اپنی اپنی بہنوں کے ساتھ ہوں تو ان کے درمیان مال کی تقسیم آیت "للذكر مثل حظ الانثيين" کے مطابق ہوگی یعنی مرد کو عورت کے مقابلہ میں دو گنا ملے گا۔

ومن عداهم ...... دون اناثهم: اگر میت کا بیٹا، پوتا، بھائی کے علاوہ کوئی اور تقسیم کے عصبہ ہوں یعنی بہنیں ہوں تو ایسی صورت میں ترکہ صرف مردوں کو ملے گا عورتوں (بہنوں) کو نہیں ملے گا۔

وَاِذَا لَمْ یَکُنْ الخ: اگر میت کا کوئی عصبہ نسبی موجود نہ ہو تو آخری صورت میں عصبہ معتق ہے یعنی آزاد کرنے والا مولیٰ عصبہ ہے جو جمہور کے نزدیک ذوی الارحام پر مقدم ہے۔ اب اگر مولیٰ معتق نہیں ہے تو عصبہ مولیٰ سے جو قریب تر ہوگا اس کو ترجیح حاصل ہوگی۔

نوٹ: عصبہ کے متعلق ایک ضروری معلومات قلمبند کر رہے ہیں تا کہ عصبات کی اصطلاح کو سمجھ سکیں۔

اصطلاح فرائض میں عصبہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو ذوی الفروض کو دینے کے بعد مابقیہ ترکہ کا مالک ہو۔ عصبہ کی دو قسمیں ہیں (۱) عصبہ نسبی (۲) عصبہ سببی۔ عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) عصبہ بنفسہ (۲) عصبہ بغیرہ (۳) عصبہ مع غیرہ۔ عصبہ بنفسہ میں چار صنف ہیں۔ (۱) میت کا جزء یعنی بیٹا (۲) میت کا اصل یعنی باپ (۳) میت کے باپ کا جزء یعنی میت کا بھائی (۴) میت کے دادا کا جزء یعنی میت کا چچا۔ ان چاروں کو صاحب قدوری نے اپنی عبارت "واقرب العصبات ...... وهم الاعمام" میں بیان کیا ہے۔

عصبہ لغیرہ: اس میں چار عورتیں ہیں جن کو نصف اور ثلثان ملتا ہے۔ عصبہ مع غیرہ۔ اس میں وہ عورتیں ہیں جو دوسری عورت کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہیں۔ جیسے بہن، میت کی بیٹی کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہے۔ عصبہ کی دوسری قسم عصبہ سببی ہے۔ عصبہ سببی معتق ہے اس کے بعد معتق کے عصبات ہیں۔

باب الحجب

حجب کے بیان میں

وَ یَحْجبُ الْاُمُّ مِنَ الثلث اِلیٰ السُّدُسِ بِالوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الِابْنِ اَوْ اَخوَیْنِ وَالفَاضِلُ عَنْ فَرضِ البَنَاتِ لِبَنِی الِابْنِ وَ اَخَوَاتِهِمْ لِلْذَکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنثَیَیْنِ وَ الفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ الاَخوَاتِ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ لِلِاخْوَةِ وَالاَخوَاتِ مِنَ الاَبِ لِلذَکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ وَ اِذَا تَرَکَ بِنتاً وَ بَنَاتِ اِبْنٍ وَ بَنِیْ اِبْنٍ فَلِلْبِنْتِ النِصْفُ وَالبَاقِیْ لِبَنِی الِابْنِ وَ اَخَوَاتِهِمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنثیین وَ کَذَالِکَ الفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ الْاُختِ لِلْاَبِ وَ الْاُمِّ لِبَنِیْ الاَبِ وَ بَنَاتِ الاَبِ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ وَ مَنْ تَرَکَ اِبنَیْ عَمٍّ اَحَدُهُمَا اَخٌ لِاُمٍّ فَلِلْاَخِ السُّدُسُ وَ البَاقِیْ بَیْنَهُمَا نِصْفَانِ وَ الْمُشْتَرَکَةُ اَنْ تَتْرُکَ المَرْأۃُ زَوْجاً وَاُمّاً اَوْ جَدَّةً وَاِخْوَةً مِنْ اُمٍّ وَ اِخْوَةٍ مِنْ اَبٍ وَ اُمٍّ فَلِلزَّوْجِ النِصْفُ وَ لِلْاُمِّ السُّدُسُ وَ لِاَوْلَادِ الْاُمِّ الثُلُثُ وَ لَا شَیْءَ لِلْاِخْوَةِ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ۔

ترجمہ: اور ماں تہائی سے چھٹے حصہ کی طرف بیٹے یا پوتے یا دو بھائیوں کے ہونے سے محجوب ہو جاتی ہے اور

جو بیٹیوں کے حصہ سے بچے وہ پوتوں اوران کی بہنوں کا ہے "للذکر مثل حظ الانثیین" کے مطابق۔اور جو حقیقی بہنوں سے بچے وله للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق علاتی بھائی بہنوں کے لئے ہے۔اور اگر میت نے ایک بیٹی چند پوتیاں اور چند پوتے چھوڑا تو بیٹی کے لئے نصف ہے اور باقی للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق پوتوں اوران کی بہنوں کا ہے۔اور اسی طرح جو حقیقی بہنوں سے بچے وہ للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق علاتی بھائی بہنوں کا ہے۔اور جس نے چچازاد بھائی چھوڑے جن میں سے ایک اخیافی بھائی ہے تو اخیافی بھائی کے لئے چھٹا حصہ ہے اور باقی ان کے درمیان نصف نصف ہوگا۔اگر عورت کے ترکہ میں شوہر، ماں، نانی، چند اخیافی بھائی اور حقیقی بھائی شریک ہو تو شوہر کیلئے نصف ہے اور ماں کیلئے چھٹا حصہ ہے، اخیافی بھائیوں کے لئے تہائی ہے اور حقیقی بھائیوں کے لئے کچھ نہیں ہے۔

تشریح: اس عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں۔

حجب: مصدر حجبه (ن) حَجْباً وحِجَاباً. روکنا۔اہل فرائض کی اصطلاح میں حجب کہتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کی وجہ سے میراث سے محروم ہو جائے۔اس کی دو قسمیں ہیں۔(۱) حجب حرمان (۲) حجب نقصان۔حجب حرمان یہ ہے کہ ایک شخص کل میراث سے محروم ہو جائے۔حجب نقصان یہ ہے کہ ایک شخص میراث کے کسی حصہ سے محروم ہو جائے مثلاً تہائی ملنے کی جگہ چھٹا حصہ ملنے لگے۔

ویجب ...... حظ الانثیین: مسئلہ(۱)۔**واذا ترک ...... حظ الانثیین:** مسئلہ(۲)۔**وکذالکَ الفاضل ...... حظ الانثیین:** مسئلہ(۳). **ومن ترک ابنی عمٍّ ...... بینهما نصفان:** مسئلہ(۴) چاروں مسئلے ترجمہ سے واضح ہیں۔

والمشترکة ان تترک الخ: مسئلہ(۵) مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔احناف کے نزدیک ہے امام شافعیؒ کے نزدیک اخیافی اور حقیقی بھائی برابر ہیں اس لئے ان کو نصف نصف حصہ ملے گا۔

باب الرد

حصہ بڑھادینے کا بیان

الرد: یہ عول کی ضد ہے۔عول میں سہام مخرج سے زائد ہوتا ہے اور رد میں مخرج سہام سے زائد ہوتا ہے اہل فرائض کی اصطلاح میں رد یہ ہے کہ ذوی الفروض نسبی کو ترکہ تقسیم کرنے کے بعد جو ترکہ بچے اور کوئی عصبہ موجود نہ ہو جو اس باقی ماندہ کا مستحق ہو تو ایسی صورت میں اس مال کو انہی ذوی الفروض نسبی پر دوبارہ حصوں کے مطابق تقسیم کردیں یعنی جس کو زیادہ ملا تھا اس کو زیادہ اور جس کو کم ملا تھا اس کو کم دیا جائے۔

وَالفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ ذَوِی السِهَامِ اِذَا لَمْ تَکُنْ عَصَبَةٌ مَرْدُوْدٌ عَلَیهِمْ بِقَدْرِ سِهَامِهِمْ اِلَّا عَلیٰ الزَّوْجَیْنِ وَ لَا یَرِثُ القَاتِلُ مِنَ المَقْتُوْلِ وَالکُفْرُ کُلُّهُ مِلَّةٌ واحِدٌ یَتَوارثُ بِه اَهْلُهٗ وَ لَا یَرِثُ المُسْلِمُ الکَافِرَ وَ لَا الکَافِرُ المُسْلِمَ وَ مَالُ المُرْتَدِّ لوِرَثته المُسْلِمِیْنَ وَ مَا اکْتَسَبَهُ فِیْ حَالِ رِدَّتِهِ فیئ وَ اِذَا غَرِقَ جماعةٌ اَوْ سَقَطَ علیهم حائطٌ فلم یُعْلَمْ مَنْ مَاتَ

مِنْهُمْ اَوْلاً فَمَالُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ لِلْاَحْيَاءِ مِنْ وَرَثَتِهٖ.

ترجمہ : اور ذوی الفروض کے حصہ سے جو بچ جائے بشرطیکہ کوئی عصبہ نہ ہو تو اس کو ذوی الفروض کو ان کے حصہ کے بقدر دے دیا جائے گا۔ سوائے زوجین کے (زوجین کو نہیں دیا جائے گا) اور قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوگا۔ اور ہر قسم کا کفر ایک مذہب ہے اس کے سبب سے کافر آپس میں وارث ہوتے ہیں (اگرچہ مذاہب مختلف ہوں) اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا۔ اور مرتد شخص کا مال اس کے مسلمان وارثین کا ہے۔ اور مرتد نے جو کچھ ردکی حالت میں کمایا وہ سب غنیمت ہے۔ اگر کوئی جماعت یا کچھ آدمی ڈوب جائیں یا ان پر دیوار گر جائے (آپس میں رشتہ دار ہوں) اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے پہلے کون مرا ہے تو ان میں سے ہر ایک کا مال (بقدر استحقاق) اس کے زندہ ورثہ کا ہوگا (ان کو تقسیم کر دیا جائے گا یہ احناف، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک ہے)۔

تشریح : اس عبارت میں چھ مسئلے ہیں۔

والفاضل ...... الاعلیٰ الزوجین : مسئلہ (۱) نوعیت ترجمہ سے واضح ہے یہ متقدمین احناف کے نزدیک ہے حضرت امام مالکؒ اور شافعیؒ اور زہری کے قول کے مطابق فاضل مال ذوی الفروض کو نہ دے کر بیت المال میں جمع کیا جائے اور زوجین کو کسی صورت میں نہیں دیا جائے گا۔ متاخرین احناف اور بعض شوافع کے نزدیک اگر بیت المال غیر منتظم ہو تو بقدر حقوق زوجین پر رد ہوگا بشرطیکہ دوسرے مستحق نہ ہو فتوئی جواز پر ہے۔

وَلا یرِثُ القَاتِلُ مِنَ المَقْتُوْلِ: مسئلہ (۲) والکفر ...... به اهله: مسئلہ (۳)۔ ولا یرث المسلم ...... المسلم: مسئلہ (۴)۔ ومال المرتد ...... فیٔ: مسئلہ (۵) واذا غرق الخ: مسئلہ (۶)۔ ان پانچوں مسئلوں کی نوعیت ترجمہ اور بین القوسین کی عبارت سے واضح ہے۔

وَاِذَا اجْتَمَعَ لِلْمَجُوْسِيِّ قَرَابَتَانِ لَوْ تَفَرَّقَتَا فِيْ شَخْصَيْنِ وَرِثَ اَحَدُهُمَا مَعَ الْآخَرِ وَرِثَ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا وَ لَا يَرِثُ الْمَجُوْسِيُّ بِالْاَنْكِحَةِ الْفَاسِدَةِ الَّتِيْ يَسْتَحِلُّوْنَهَا فِيْ دِيْنِهِمْ وَعَصَبَةُ وَلَدِ الزِّنَا وَ وَلَدِ الْمُلَاعَنَةِ مَوْلٰى اُمِّهِمَا وَ مَنْ مَاتَ وَتَرَكَ حَمْلًا وَقَفَ مَالُهٗ حَتّٰى تَضَعَ اِمْرَاَتُهٗ حَمْلَهَا فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ الْجَدُّ اَوْلٰى بِالْمِيْرَاثِ مِنَ الْاِخْوَةِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُقَاسِمُهُمْ اِلَّا اَنْ تَنْقُصَهُ الْمُقَاسَمَةُ مِنَ الثُّلُثِ وَ اِذَا اجْتَمَعَ الْجَدَّاتُ فَالسُّدُسُ لِاَقْرَبِهِنَّ وَ يَحْجُبُ الْجَدُّ اُمَّهٗ وَ لَا تَرِثُ اُمُّ اَبِ الْاُمِّ وَ كُلُّ جَدَّةٍ تَحْجُبُ اُمَّهَا.

ترجمہ : اور جب ایک مجوسی کی ایسی دو قرابتیں جمع ہوں کہ اگر وہ دونوں دو شخصوں میں متفرق ہوں تو ایک دوسرے کا وارث ہوتا تو مجوسی بھی ان دونوں کے ذریعہ وارث ہو جائے گا۔ اور مجوسی ان فاسد نکاحوں سے وارث نہیں ہوں گے۔ جن کو اپنے مذہب میں حلال سمجھتے ہیں۔ ولد زنا کا عصبہ اور لعان کرنے والی عورت کا عصبہ ان دونوں کی ماں کا مولیٰ ہے۔ اور جو شخص (بیوی کو) حاملہ چھوڑ کر مر جائے تو (اس کا مال تقسیم نہیں ہوگا بلکہ) موقوف رہے گا یہاں تک کہ اس کی بیوی

اپنا حمل جنے امام ابوحنیفہؒ کے قول میں۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دادا بھائیوں کے مقابلہ میراث کا زیادہ مستحق ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ دادا بھائیوں کے برابر پائے گا مگر (پھر بھی دادا) برابر تقسیم کرنے میں دادا کو تہائی سے کم پہونچے اور جب (کسی میت کی) کئی دادیاں یا نانیاں اکٹھا ہو جائیں تو چھٹا حصہ اس کو ملے گا جو سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ اور دادا دادا اپنی ماں کو محجوب کر دیتا ہے، اور ماں کے باپ کی ماں وارث نہیں ہوتی اور ہر جدہ اپنی ماں کو محجوب کر دیتی ہے۔

تشریح: اس پوری عبارت میں آٹھ مسئلے ہیں۔

وإذا اجتمع ...... في دينهم: مسئلہ (۱) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔ مثال سے سمجھیں۔ کسی مجوسی نے اپنی ماں سے شادی کر لی اس کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی پھر مجوسی اپنی منکوحہ ماں کو اور اپنی اس لڑکی کو جو منکوحہ ماں سے پیدا ہوئی ہے چھوڑ کر مر گیا۔ یہ لڑکی بیٹی بھی ہوئی اور ماں شریک بہن بھی ہوئی لہٰذا ماں زوجیت کی وجہ سے اور لڑکی بہن ہونے کی وجہ سے وارث نہیں ہوگی کیونکہ لڑکی کی موجودگی میں ماں شریک بہن وارث نہیں ہوتی بلکہ ماں کو ماں ہونے کی وجہ سے سدس ملے گا اور لڑکی کو نصف ملے گا۔ اور باقی عصبہ کو دیا جائے گا اور مجوسیوں کو ان کے نکاح فاسد کی وجہ سے میراث نہیں ملے گا جن کو وہ اپنے دین میں حلال سمجھتے ہیں کیونکہ نکاح فاسد مسلمان کے حق میں وارثت کو ثابت نہیں کرتا ہے تو مجوسی کے حق میں بھی ثابت نہیں کرے گا۔

وعصبة ولد ...... امها: مسئلہ (۲) ترجمہ سے واضح ہے۔

ومن مات وترك حملاً ...... ابی حنیفة: مسئلہ (۳) اگر کسی میت کی بیوی حاملہ ہو تو اس کا مال ابھی تقسیم نہ کیا جائے بلکہ ولادت کے بعد تقسیم کیا جائے یہ اس وقت ہے جب حمل کے علاوہ کوئی اور بچہ نہ ہو اگر ہو تو مذکر کو پانچواں حصہ اور مونث کو نواں حصہ دیا جائے گا البتہ باقی حصے ولادت تک موقوف رہیں گے یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک لڑکے کو نصف دیا جائے گا۔ امام محمدؒ کے نزدیک ثلث دیا جائے گا۔ فتویٰ امام ابویوسفؒ کے قول پر ہے۔

والجدُّ اَولیٰ ...... من الثلث: مسئلہ (۴)۔ **واذا اجتمع ...... لاقربھن:** مسئلہ (۵)۔ دونوں مسئلے واضح ہیں۔

ويحجب الجد امه: مسئلہ (۶) اگر میت کا دادا اور دادا کی ماں موجود نہ ہو تو دادا کی موجودگی میں دادا کی ماں محروم ہو جائے گی۔

ولا ترث اُمُّ اَبِ الاُمِّ: مسئلہ (۷) میت کے نانا کی ماں موجود ہو تو اس ماں کو وراثت نہیں ملے گی۔

وكل جدةٍ تَحجِبُ اُمَّهَا: مسئلہ (۸) ہر جدہ اپنی ماں کو محجوب کر دیتی ہے۔

باب ذوی الارحام

ذوی الارحام کا بیان

اس باب میں ذوی الارحام کی وراثت کا بیان ہے۔ مشہور روایت کے مطابق اکثر صحابہ کرام ذوی الارحام کو وارث بنانے کے قائل نہیں۔ احناف اور امام احمدؒ کا یہ مسلک ہے۔ اور روایت شاذہ کے مطابق کچھ صحابہ کرامؓ اس توریث کے قائل نہیں ہیں بلکہ اس حق میں ہیں کہ وارث نہ ہونے کی صورت میں مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں۔

ارحام: یہ رحم کی جمع ہے۔ عورت کے پیٹ کا وہ حصہ ہے جہاں بچہ رہتا ہے۔ اب ذوی الارحام ان لوگوں کو کہنے

لگے جو رحم سے پیدا ہوں اور ان سے رشتہ داری ہو۔ علامہ طحطاوی کے نزدیک ذوی الارحام سے مطلقاً رشتہ دار مراد ہیں خواہ ان سے رشتہ داری کسی قسم کی ہو۔ اصطلاح میں ذو رحم ہر وہ رشتہ دار ہے جو نہ ذوی الفروض ہو نہ عصبہ ہو اور وہ اس قسم کے اشخاص ہیں جیسا کہ متن میں آرہا ہے۔

وَاِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ عَصَبَةٌ وَلَا ذُوْسَهْمٍ وَرِثَهُ ذَوُو الْاَرْحَامِ وَ هُمْ عَشَرَةٌ وَلَدُ الْبِنْتِ وَلَدُ الْاُخْتِ وَ بِنْتُ الْاَخِ وَ بِنْتُ الْعَمِّ وَ الْخَالُ وَ الْخَالَةُ وَ اَبُوْ الْاُمِّ وَ الْعَمُّ لِاُمٍّ وَ الْعَمَّةُ وَ وَلَدُ الْاَخِ مِنَ الْاُمِّ وَ مَنْ اَوْلٰى بِهِمْ فَاَوْلٰهُمْ مَنْ كَانَ مِنْ وَلَدِ الْمَيِّتِ ثُمَّ وَلَدُ الْاَبَوَيْنِ اَوْ اَحَدِهِمَا وَ هُمْ بَنَاتُ الْاِخْوَةِ وَاَوْلَادُ الْاَخَوَاتِ ثُمَّ وُلْدُ اَبَوَیْ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا وَ هُمُ الْاَخْوَالُ وَالْخَالَاتُ وَ الْعَمَّاتُ وَاِذَا اسْتَوٰى وَارِثَانِ فِيْ دَرَجَةٍ وَاحِدَةٍ فَاَوْلٰهُمْ مَنْ اَوْلٰى بِوَارِثٍ وَ اَقْرَبُهُمْ اَوْلٰى مِنْ اَبْعَدِهِمْ وَ اَبُو الْاُمِّ اَوْلٰى مِنْ وُلْدِ الْاَخِ وَ الْاُخْتِ وَ الْمُعْتَقُ اَحَقُّ بِالْفَاضِلِ مِنْ سَهْمِ ذَوِی السِّهَامِ اِذَا لَمْ تَكُنْ عَصَبَةٌ سِوَاهُ وَ مَوْلَى الْمُوَالَاتِ يَرِثُ وَ اِذَا تَرَكَ الْمُعْتَقُ اَبَ مَوْلَاهُ وَابْنَ مَوْلَاهُ فَمَا لَهُ لِلْاِبْنِ عِنْدَهُمَا وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِلْاَبِ السُّدُسُ وَ الْبَاقِيْ لِلْاِبْنِ فَاِنْ تَرَكَ جَدَّ مَوْلَاهُ وَ اَخَا مَوْلَاهُ فَالْمَالُ لِلْجَدِّ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هُوَ بَيْنَهُمَا وَ لَا يُبَاعُ الْوَلَاءُ وَ لَا يُوْهَبُ.

ترجمہ : اور جب میت کا کوئی عصبہ نہ ہو اور نہ ہی کوئی ذوی الفروض ہو تو ذوی الارحام اسکے وارث ہوں گے اور وہ دس ہیں۔ بیٹی کی اولاد، بہن کی اولاد، بھائی کی بیٹی، چچا کی بیٹی، ماموں، خالہ، نانا، اخیافی چچا، پھوپھی، اخیافی بھائی کی اولاد اور جو ان کے ذریعہ سے میت کے رشتہ دار ہوں اور ان سب میں مقدم وہ ہے جو میت کی اولاد ہو پھر وہ ہے جو ماں باپ کی یا ان میں سے کسی ایک کی اولاد ہو اور وہ بھتیجیاں اور بہنوں کی اولاد ہے پھر میت کے والدین کے والدین کی اولاد یا ان میں سے کسی ایک کی اولاد ہے اور وہ ماموں، خالائیں اور پھوپھیاں ہے اور جب دو وارث ایک درجہ میں برابر ہوں تو ان میں اولیٰ وہ ہے جو کسی وارث کے ذریعہ میت کے زیادہ قریب ہے۔ اور جو زیادہ قریب رشتہ دار ہو وہ دور کے رشتہ دار سے مقدم ہے۔ اور نانا، بھائی بہن کی اولاد سے اولیٰ ہے۔ اور ذوی الفروض کے حصے سے بچے ہوئے مال کا آزاد کرنے والا زیادہ حقدار ہے جبکہ اس کے علاوہ اس کا کوئی عصبہ نہ ہو اور مولی الموالات وارث ہوتا ہے۔ اور جب آزاد شدہ نے اپنے آزاد کرنے والے کے باپ اور اس کے بیٹے کو چھوڑا تو اس کا مال طرفینؒ کے نزدیک بیٹے کا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ باپ کے لئے چھٹا حصہ ہے اور باقی بیٹے کے لئے ہے۔ اور اگر آزاد شدہ نے اپنے آزاد کرنے والے کے دادا اور اس کے بھائی کو چھوڑا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مال دادا کا ہوگا۔ حضرات صاحبینؒ نے فرمایا کہ مال دونوں کے (درمیان برابر) تقسیم ہوگا۔ اور ولاء کو نہ بیچا جائے اور نہ ہبہ کیا جائے۔

تشریح : اس عبارت میں سات مسئلے ہیں۔

وَاِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ ...... مِنَ الْاِمَامِ وَمَنْ اَوْلٰى بِهِمْ : مسئلہ (۱) اگر میت کا کوئی عصبہ یا ذوی الفروض نہ ہو تو ایسی صورت میں ذوی الارحام اس کے وارث ہوں گے۔ اور وہ دس ہیں، ترجمہ میں ملاحظ فرمائیں۔

فَاوْلٰهم من کان...... والعَمَّاتُ : مسئلہ (۲) اس پوری عبارت میں ذوی الارحام کی ترتیب کو بیان کیا۔ تفصیل ترجمہ سے واضح ہے۔

واِذا استوىٰ ...... والاخت : مسئلہ (۳) اس عبارت میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ جب ایک درجہ کے دو وارث جمع ہوں تو اس صورت میں میت کے جو قریب ہوگا اس کو مقدم کیا جائے گا مزید تفصیل کے لئے ترجمہ میں غور کریں۔

والمعتق احق ...... الموالات یرث : مسئلہ (۴) ذوی الفروض کو حصے دینے کے بعد اگر کچھ باقی بچتا ہے اور کوئی عصبہ نہ ہو تو اس کا سب سے زیادہ حقدار آزاد کرنے والا ہے۔ اور اس صورت میں ذوی الارحام کو نہیں ملے گا اور مولیٰ الموالات وارث ہوتا ہے۔

واِذا ترك ...... والباقي الِابْنِ : مسئلہ (۵) اگر آزاد کردہ شخص نے اپنے مرنے پر اپنے مالک کے باپ اور اپنے مالک کے بیٹا کو چھوڑا یعنی آزاد کرنے والا پہلے انتقال کر گیا اس کے بعد آزاد شدہ غلام مر گیا اب آزاد کرنے والا کا باپ اور بیٹا باحیات ہیں تو ایسی صورت میں حضرات طرفینؒ کے نزدیک معتق کا مال بیٹے کو ملے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک باپ کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی مال بیٹے کو ملے گا۔

فان ترك جد ...... محمد رحمهما الله : مسئلہ (۶) اگر آزاد شدہ غلام نے اپنے مولائے معتق کے دادا اور اس کے بھائی کو چھوڑا تو ایسی صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سارا مال دادا کو ملے گا اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک وہ مال دادا اور بھائی دونوں کے درمیان برابر تقسیم کیا ہوگا۔

ولا يباع الوَلاءُ وَلا يُوْهَب : مسئلہ (۷) ولاء کو نہ فروخت کیا جائے اور نہ ہبہ کیا جائے۔

باب حساب الفرائض

اس باب میں مخارج فروض کا بیان ہے جس کے لئے اجمالی اصول یہ معلوم کرلینا چاہئے کہ قرآن پاک میں جو فرض حصے مذکور ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔ تین ایک قسم کے ہیں (۱) نصف (۲) ربع (۳) ثمن۔ تین دوسری قسم کے ہیں (۱) ثلثان (۲) ثلث (۳) سدس۔ ان کے مخارج کی تشریح یہ ہے کہ نصف کے لئے مخرج دو کا عدد ہے اور ربع کیلئے چار کا عدد ہے۔ ثمن کے لئے آٹھ کا عدد ہے، ثلثان اور ثلث کیلئے تین کا عدد ہے اور سدس کے لئے چھ کا عدد ہے۔ اس کی تفصیل متن میں آرہی ہے۔

اِذَا كَانَ فِي الْمَسْئَلَةِ نِصْفٌ وَ نِصْفٌ اَوْ نِصْفٌ وَ مَا بَقِيَ فَاَصْلُهَا مِنْ اِثْنَيْنِ وَ اِذَا كَانَ فِيْهَا ثلث وَ مَا بَقِيَ اَوْ ثُلُثَانِ وَ مَا بَقِيَ فَاَصْلُهَا مِنْ ثَلٰثَةٍ وَاِذَا كَانَ فِيْهَا رُبْعٌ وَ مَا بَقِيَ اَوْ رُبْعٌ وَ نِصْفٌ فَاَصْلُهَا مِنْ اَرْبَعَةٍ وَ اِنْ كَانَ فِيْهَا ثُمنٌ وَ مَا بَقِيَ اَوْ ثُمنٌ وَنِصْفٌ وَ مَا بَقِيَ فَاَصْلُهَا مِنْ ثَمَانِيَةٍ وَ اِنْ كَانَ فِيْهَا نِصْفٌ وَثُلُثٌ اَوْ نِصْفٌ وَ سُدُسٌ فَاَصْلُهَا مِنْ سِتَّةٍ وَ تَعُوْلُ اِلٰى سَبْعَةٍ وَ ثَمَانِيَةٍ وَ تِسْعَةٍ وَعَشْرَةٍ

ترجمہ : اور اگر مسئلہ میں دو نصف ہوں یا ایک نصف اور مابقیہ ہو تو اصل مسئلہ دو سے ہوگا۔ اور اگر مسئلہ میں ایک ثلث اور مابقیہ ہو یا دو ثلث اور مابقیہ ہو تو اصل مسئلہ تین سے ہوگا۔ اور اگر مسئلہ میں ربع (چوتھائی) اور مابقیہ ہو یا ربع اور

نصف ہوتو اصل مسئلہ چار سے ہوگا اور اگر مسئلہ میں ثمن اور مابقیہ ہو یا ثمن، نصف اور مابقیہ ہوتو اصل مسئلہ آٹھ سے ہوگا۔ اور اگر مسئلہ میں نصف وثلث یانصف وسدس ہوتو اصل مسئلہ چھ سے ہوگا اور یہ سات، آٹھ نو اور دس کی طرف عول کرے گا۔

تشریح : اس عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں۔

اِذَا كَانَ فِي الْمَسْئلة ...... من اثنين : مسئلہ(۱) صورت مسئلہ ترجمہ سے واضح ہے۔ اس کو مثال سے سمجھیں۔ مسئلہ میں دونصف ہوں مثلاً میت ایک عورت ہے اس نے ایک شوہر، ایک حقیقی یا علاتی بہن چھوڑا یا مسئلہ میں ایک نصف اور ما بقیہ ہو مثلاً شوہر اور چچا چھوڑا۔ تو ایسی صورت میں مسئلہ دو سے بنے گا۔

وَ اِذَا كَانَ فِيْهَا ...... فاصلها من ثلثه : مسئلہ(۲) مسئلہ میں ایک ثلث اور ماقی ہو مثلاً ماں اور چچا وارث ہوں یا ثلثان اور مابقیہ ہوں مثلاً دو بیٹیاں اور چچا وارث ہوں تو مسئلہ تین سے بنے گا۔

وَاِذَا كَانَ فِيْهَا ...... من اربعة : مسئلہ(۳) اگر مسئلہ میں ربع اور مابقیہ ہو مثلاً ایک بیوی اور عصبہ ہو یا ربع اور نصف ہو مثلاً شوہر اور اس کی بیٹی وارث ہو تو اصل مسئلہ چار سے بنے گا۔

وَ اِنْ كَانَ فِيْهَا ......من ثمانية: مسئلہ(۴) اگر ان میں ثمن اور مابقیہ ہو مثلاً میت کی بیوی اور اس کا بیٹا وارث ہوں یا ثمن اور نصف ہوں مثلاً بیوی اور ایک بیٹی وارث ہوں تو اصل مسئلہ آٹھ سے بنے گا۔

واِنْ كَانَ فِيْها نصف ...... فاصلها من ستة: مسئلہ(۵) اگر مسئلہ میں نصف اور ثلث ہوں مثلاً وارث ماں اور ایک حقیقی بھائی ہو یا نصف اور سدس ہو مثلاً وارث ماں اور ایک بیٹی ہوں تو مسئلہ چھ سے ہوگا۔

وتعول الخ: عول کا مطلب یہ ہے کہ جب حصوں کے مخرج کا عدد کم ہو اور سہام زیادہ ہو جائیں تو مخرج میں کچھ اضافہ کر دیا جاتا ہے تاکہ تمام حصہ والوں کو ان کے حصے پہونچ جائیں لہٰذا چھ کا عول دس حصہ سے ہوتا ہے۔ طاق بھی یعنی سات اور نو کی طرف اور جفت بھی یعنی آٹھ اور دس کی طرف عول کرتا ہے۔

وَاِنْ كَانَ مَعَ الرُّبعِ ثلث اَوْ سُدُسٌ فَاصْلُهَا مِنْ اثنى عَشَرَ وَ تَعُوْلُ اِلىٰ ثلثَةَ عَشَرَ وَ خَمْسَةَ عَشَرَ وَ سَبْعَةَ عَشَرَ وَاِذَا كَانَ مَعَ الثُمنِ سُدُسَان اَوْ ثُلُثَان فَاصْلُهَا مِنْ اَرْبَعَةٍ وَ عِشْرِيْنَ وَ تَعُوْلُ اِلىٰ سَبْعَةٍ وَ عِشْرِيْنَ وَ اِذَا اِنْقَسَمَتِ الْمَسْئَلَةُ عَلىٰ الْوَرَثَةِ فَقَدْ صَحَّتْ وَ اِنْ لَّمْ تَنْقَسِمْ سِهَامُ فَرِيْقٍ مِنْهُمْ عَلَيْهِمْ فَاضْرِبْ عَدَدَهُمْ فِيْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ وَ عَوْلِهَا اِنْ كَانَتْ عَائِلَةً فَمَا خَرَجَ صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَةُ كَامْرأةٍ وَ اِخْوَيْنِ لِلْمَرْاَةِ الرُّبْعُ سَهْمٌ وَ لِلْاخْوَيْنِ مَا بَقِىَ ثَلثَةُ اَسْهُمٍ وَلَا تَنْقَسِمُ عَلَيْهِمَا فَاضْرِبْ اثْنَيْنِ فِيْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ تَكُوْنُ ثَمَانِيَةً وَ مِنْهَا تَصِحُّ الْمَسْئَلَةُ.

ترجمہ : اگر ربع کے ساتھ ثلث یا سدس ہو تو اصل مسئلہ بارہ سے ہوگا اور یہ بارہ، تیرہ، پندرہ اور سترہ کی طرف عول کرے گا۔ اور اگر ثمن کے ساتھ دو سدس یا دو ثلث ہوں تو مسئلہ کی اصل چوبیس سے ہوگی۔ اور یہ چوبیس، ستائیس کی طرف عول کرے گا۔ اور اگر (اصل) مسئلہ وارثین پر (برابر) تقسیم ہو جائے تو وہ صحیح ہو گیا (اس میں عول وغیرہ کی ضرورت نہیں)

اور اگر ان میں سے کسی ایک فریق کے حصہ ان پر (برابر) تقسیم نہ ہوں تو اس فریق کے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دو۔ اور اگر اس مسئلہ میں عول ہوا ہے (تو جس عدد میں عول ہوا ہے اس میں ضرب دیں) اور حاصل ضرب سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی جیسے (کسی میت نے) ایک بیوی اور دو بھائی (وارث چھوڑے) بیوی کا حصہ ایک ربع اور دو بھائیوں کے باقی تین حصے ہیں اور یہ تین حصے دونوں پر صحیح تقسیم نہیں ہوں گے اسلئے دو کو اصل مسئلہ (چار) میں ضرب دو تو یہ آٹھ ہو جائیں گے اب آٹھ سے مسئلہ صحیح ہوگا۔ (لہٰذا بیوی کو دو حصے اور ہر بھائی کو تین تین حصے ملیں گے)

فَاِنْ وَافَقَ سِهَامُ عَدَدِهِمْ فَاضْرِبْ وِفْقَ عَدَدِهِمْ فِیْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ کَامْرَأةٍ وَ سِتَّةِ اِخْوَةٍ لِلْمَرْأةِ الرُّبُعُ وَ لِلْاِخْوَةِ ثَلٰثَةُ اَسْهُمٍ لَا تَنْقَسِمُ عَلَیْهِمْ فَاضْرِبْ ثُلُثَ عَدَدِهِمْ فِیْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ وَ مِنْهَا تَصِحُّ فَاِنْ لَمْ تَنْقَسِمْ سِهَامُ فَرِیْقَیْنِ اَوْ اَکْثَرَ فَاضْرِبْ اَحَدَ الْفَرِیْقَیْنِ فِی الْآخَرِ ثُمَّ مَا اجْتَمَعَ فِی الْفَرِیْقِ الثَّالِثِ ثُمَّ مَا اجْتَمَعَ فِیْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ.

ترجمہ: اگر وارثوں کے سہام اور ان کے عدد دونوں میں توافق ہے تو ان کے عدد کے وفق کو اصل مسئلہ میں ضرب دو جیسے (میت نے) ایک بیوی اور چھ بھائی (وارث چھوڑے) تو چوتھائی بیوی کا ہے اور باقی تین حصے بھائیوں کے ہیں جو ان بھائیوں پر (برابر) تقسیم نہیں ہوں گے (تین اور چھ میں توافق ہے اسلئے) اب ان کے ثلث عدد یعنی دو کو (جو چھ کا وفق ہے) اصل مسئلہ میں ضرب دو اور حاصل ضرب سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا (لہٰذا کل آٹھ حصے ہوں گے۔ دو حصہ بیوی کو اور ایک ایک حصہ بھائیوں کو ملے گا) اور اگر دو فریق یا اس سے زائد کے حصے (برابر تقسیم نہ ہوں تو دو فریقوں میں سے ایک کے عدد کو دوسرے کے عدد میں ضرب دو اور حاصل ضرب کو تیسرے فریق کے عدد میں ضرب دو پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دو۔

تشریح: واضح ہو کہ عددوں کے درمیان چار نسبتوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے (۱) تماثل (۲) تداخل (۳) توافق (۴) تباین۔ تماثل۔ دو عددوں کے برابر ہونے کو کہتے ہیں جیسے چار چار، دس دس۔ تداخل۔ دو عددوں میں سے بڑا عدد چھوٹے پر مکمل تقسیم ہو جائے۔ کوئی کسر واقع نہ ہو یا یہ کہ اگر اس میں سے چھوٹے عدد کو نکالتے چلے جائیں تو دو بار یا اس سے زیادہ میں بڑا عدد فنا ہو جائے مثال کے طور پر ۲۵ اور ۵ میں تداخل ہے کہ پچین پانچ پر پورا تقسیم ہو جاتا ہے اور پانچ پانچ کم کرنے سے پچیس کا عدد پانچ مرتبہ میں فنا ہو جاتا ہے۔

توافق: دو عددوں کو کوئی تیسرا عدد ایک سے زیادہ فنا کرے مثال کے طور پر ۸ اور ۲۰ کو چار کا عدد فنا کرتا ہے۔ اس تیسرے عدد (۴) کو وفق کہتے ہیں اور ان دونوں میں توافق کو توافق بالربع کہا جاتا ہے۔

تباین: ایک کے عدد کے علاوہ کوئی تیسرا عدد بھی ان دونوں کو فنا نہ کرے۔ مثال کے طور پر ۹۰ اور ۱۰۱ ہے ان نسبتوں کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بڑے عدد کو چھوٹے عدد پر تقسیم کریں اگر پہلی تقسیم میں کچھ نہ رہے تو تداخل ہے۔ اور باقی رہے تو باقی پر پھر چھوٹے کو تقسیم کریں اسی طرح تقسیم کرتے جائیں اگر کسی تقسیم میں کچھ نہ رہے تو دیکھیں گے کہ اس کا مقسوم علیہ کیا ہے اگر دو ہو تو دونوں عددوں میں توافق بالنصف ہوگا اور تین ہو تو توافق بالثلث ہوگا قس علیٰ ہٰذا۔ اور اگر پہلی یا کسی اور تقسیم میں ایک کا

عدد بچ رہے تو ان دونوں میں تباین ہوگا۔ یہ اصول بیان کر دیا گیا ہے اسی روشنی میں صاحب کتاب کی عبارت پر نظر ڈالیں۔

فان وافق سهامهم...... ومنها تصح: اب مذکور بالا اصول کی روشنی میں عبارت پر غور کریں صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر وارثین کے سہام اور وارثین کے اعداد میں توافق ہو تو ان کے وفق عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے مثلاً ایک بیوی اور چھ بھائی وارث ہیں تو چوتھائی بیوی کا حصہ ہے اور باقی تین حصے بھائیوں کے ہیں جو ان پر برابر تقسیم نہیں ہوتے اور تین اور چھ میں توافق ہے تو چھ کے وفق یعنی دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے اور حاصل ضرب سے مسئلہ صحیح ہوگا۔

فان لم تنقسم الخ: اگر دو یا زیادہ فریق کے حصے پورے تقسیم نہ ہوں تو ایک فریق کے عدد کو دوسرے فریق کے عدد میں ضرب دیں گے مثلاً دو بیویاں پانچ دادیاں تین اخیافی بہنیں ایک چچا وارث ہیں اور اصل مسئلہ بارہ سے ہو کر چوتھائی یعنی تین حصے بیویوں کے اور چھٹا حصہ یعنی دو حصے دادیوں کے اور تہائی یعنی چار حصے بہنوں کے اور باقی تین حصے چچا کے ہیں لہٰذا بیویوں کے عدد کو دادیوں کے عدد پانچ میں ضرب دیں گے لہٰذا مجموعی طور پر تین سو ساٹھ حصے سے مسئلہ صحیح ہوگا۔

فَاِنْ تَسَاوَتِ الْاَعْدَادُ اجزأ اَحَدُهُمَا عَنِ الآخرِ كَامْرأتَينِ و اَخوَيْنِ فَاضرِبْ اِثْنَيْنِ فِيْ اَصْلِ الْمَسْئلَةِ وَاِنْ كَانَ اَحَدُ الْعَدَدَيْنِ جُزْءً مِنَ الآخرِ اَغنَى الاَكْثَرُ عَنِ الاَقَلِّ كَاَرْبَعِ نِسْوَةٍ وَاَخوَيْنِ اِذَا ضَرَبْتَ الاَرْبَعَةَ اَجزَأكَ عَنِ الآخرِ فَاِنْ وَافَقَ اَحَدُ الْعَدَدَيْنِ الآخرَ ضَرَبْتَ وَفْقَ اَحَدِهِمَا فِيْ جَمِيعِ الآخرِ ثُمَّ مَا اجْتَمَعَ فِيْ اَصْلِ الْمَسْئلَةِ كَاَرْبَعِ نِسْوَةٍ وَ اُخْتٍ وَ سِتَّةِ اَعْمَامٍ فَالسِّتَّةُ تُوَافِقُ الاَرْبَعَةَ بِالنِّصْفِ فَاضرِبْ نِصْفَ اَحَدِهِمَا فِي جَمِيْعِ الآخرِ ثُمَّ فِيْ اَصْلِ الْمَسْئلَةِ تكونُ ثَمَانِيَةً وَ اَرْبَعِيْنَ وَ مِنْهَا تَصِحُّ الْمَسْئلَةُ فَاِذَا صَحَّتِ الْمَسْئلَةُ فَاضرِبْ سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ فِي التَرِكَةِ ثُمَّ اقْسِمْ مَااجْتَمَعَ عَلىٰ مَا صَحَّتْ مِنْهُ الفَرِيْضَةُ يَخرُجُ حَقُّ الوَارِثِ.

ترجمہ: اگر (دونوں فریق کے) اعداد برابر ہیں تو ان میں سے ایک دوسرے سے کافی ہوگا (ایک کو دوسرے میں ضرب دینے کی ضرورت نہیں) مثلاً (میت کے) دو بیویاں اور دو بھائی (وارث) ہیں تو دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دیدو۔ اور اگر عددین میں سے ایک (فریق کا) عدد دوسرے (فریق کے) عدد کا جزء ہو تو اکثر اقل سے (بڑا عدد کو ضرب دینا) کافی ہوگا مثلاً (میت کے) چار بیویاں اور دو بھائی (وارث) ہیں۔ اگر تم نے چار کو ضرب دی تو دوسرے عدد سے کفایت کرے گا (پھر دو کو ضرب دینے کی ضرورت نہیں) اگر عددین میں سے ایک (فریق کا) عدد دوسرے (فریق کے) موافق ہو تو تم ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دیدو۔ اس کے بعد حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دو مثلاً (میت کے) چار بیویاں، ایک بہن اور چھ چچا (وارث) ہیں تو چھ، نصف کے ذریعہ چار کے موافق ہے یعنی چھ اور چار میں توافق بالنصف ہے اس لئے ایک کے نصف کو دوسرے کے تمام میں ضرب دو پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دو تو یہ (ضرب دینے سے) اڑتالیس ہوں گے۔ اور اس سے مسئلہ صحیح ہوگا۔ اور جب مسئلہ صحیح ہو جائے تو ہر وارث کے سہام کو ترکہ میں ضرب دو پھر حاصل ضرب کو اس پر تقسیم کرو جس سے مسئلہ صحیح ہوا ہے تو ہر وارث کا حق نکل آئے گا۔

تشریح : اس عبارت میں تین مسئلے ہیں۔

فان تساوت الاعداد...... اجزأك عن الآخر: مسئلہ (۱) اگر دونوں فریق کے اعداد مساوی ہوں تو صرف اصل مسئلہ میں ضرب دینا کافی ہوگا مثلاً وارث دو بیویاں اور دو بھائی ہیں تو اصل مسئلہ چار سے ہے لہٰذا دو کو چار میں ضرب دینے سے آٹھ ہوں گے جن میں سے دو سہام دونوں بیویوں کے اور چھ سہام دونوں بھائیوں کو ملیں گے اور اگر ایک فریق کا عدد دوسرے فریق کے عدد کا جزء ہو تو بڑے عدد کو ضرب دینا کافی ہوگا، میت کے چار بیویاں اور دو بھائی وارث ہیں تو صرف چار کو ضرب دینا کافی ہوگا۔

فان وافق احدالعددین ...... تصح المسئلة: مسئلہ (۲) اگر دونوں فریق کے اعداد میں توافق ہو تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے مثلاً چار بیویاں، ایک بہن اور چھ چچا وارث ہیں اور چھ اور چار میں توافق بالنصف ہے تو ان دونوں یعنی چھ اور چار میں سے ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے تو حاصل ضرب اڑتالیس ہوگا اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔

فَاِذَا صَحَّتِ الْمَسْئَلَةُ الخ: مسئلہ (۳) اگر میت کا ترکہ وارثین کے درمیان تقسیم کرنا ہو تو ایسی صورت میں ایک وارث کو جتنا ملے اس کو کل ترکہ میں ضرب دیا جائے اور حاصل ضرب کو تصحیح پر تقسیم کیا جائے گا اب جو خارج قسمت ہو وہ ترکہ میں سے وارث مذکور کا حصہ ہوگا مثال کے طور پر میت کے وارثین میں ماں باپ اور دو لڑکیاں ہیں اور کل ترکہ سات دینار ہے تو ماں کا حصہ جو ایک ہے اس کو کل ترکہ یعنی سات میں ضرب دیں گے تو ایسی صورت میں حاصل ضرب سات ہی ہوگا پھر سات کو اصل یعنی چھ سے تقسیم کریں گے تو حاصل قسمت ۱؁۱/۶ (ایک بٹا چھ) کل ترکہ سے ماں کا حصہ ہوگا۔

وَاِذَا لَمْ تَقْسَمِ التَّرِكَةُ حَتّٰى مَاتَ اَحَدُ الْوَرَثَةِ فَاِنْ كَانَ مَانَصِيْبُهُ مِنَ الْمَيِّتِ الْاَوَّلِ يَنْقَسِمُ عَلٰى عَدَدِ وَرَثَتِهِ فَقَدْ صَحَّتِ الْمَسْئَلَتَانِ مِمَّا صَحَّتِ الْاُوْلٰى وَ اِنْ لَمْ تَنْقَسِمْ صَحَّتْ فَرِيْضَةُ الْمَيِّتِ الثَّانِي بِالطَّرِيْقَةِ الَّتِي ذَكَرْنَاهَا ثُمَّ ضَرَبْتَ اِحْدَى الْمَسْئَلَتَيْنِ فِي الْاُخْرٰى اِنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ سِهَامِ الْمَيِّتِ الثَّانِيْ وَ مَا صَحَّتْ مِنْهُ فَرِيْضَةٌ مُوَافَقَةٌ فَاِنْ كَانَتْ سِهَامُهُمْ مُوَافَقَةً فَاضْرِبْ وَفْقَ الْمَسْئَلَةِ الثَّانِيَةِ فِي الْاُوْلٰى فَمَا اجْتَمَعَ صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَتَانِ وَ كُلُّ مَنْ لَهُ شَيْءٌ مِنَ الْمَسْئَلَةِ الْاُوْلٰى مَضْرُوْبٌ فِيْمَا صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَةُ الثَّانِيَةُ وَ مَنْ كَانَ لَهُ شَيْءٌ مِنَ الْمَسْئَلَهِ الثَّانِيَةِ مَضْرُوْبٌ فِيْ وَفْقِ تَرِكَةِ الْمَيِّتِ الثَّانِيْ وَ اِذَا صَحَّتْ مَسْئَلَةُ الْمُنَاسَخَةِ وَ اَرَدْتَ مَعْرِفَةَ مَا يُصِيْبُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْ حِسَابِ الدَّرَاهِمِ قَسمتَ مَا صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَةُ عَلٰى ثَمَانِيَةٍ وَ اَرْبَعِيْنَ فَمَا خَرَجَ اَخَذْتَ لَهُ مِنْ سِهَامِ كُلِّ وَارِثٍ وَاجِبَهُ .والله اعلم بالصواب.

ترجمہ : اور اگر ابھی ترکہ تقسیم نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ ایک وارث کا انتقال ہوگیا اب اگر اس کا وہ حصہ جو اسکو پہلی میت سے پہونچتا تھا اس کے وارثین کے اعداد کے مطابق تقسیم ہوجاتا ہے تو دونوں مسئلے اسی سے صحیح ہوجائیں گے جس سے

پہلا مسئلہ صحیح ہوا ہے۔ اور اگر وہ مکمل تقسیم نہ ہوتو دوسرے میت کا فریضہ اس طریقہ سے صحیح ہو جائیں گے جس سے پہلا مسئلہ صحیح ہوا ہے۔ اور اگر وہ مکمل تقسیم نہ ہوتو دوسرے میت کا فریضہ اس طریقہ سے صحیح ہوگا جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور دو مسئلوں میں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دو بشرطیکہ دوسرے میت کے سہام اور جس سے فریضہ صحیح ہوا (دونوں) کے درمیان کوئی توافق نہ ہو اور اگر ان (دونوں) کے سہام میں توافق ہوتو دوسرے مسئلہ کے وفق کو پہلے مسئلہ میں ضرب دو اب جو حاصل ضرب ہوگا اس سے دونوں مسئلے صحیح ہوں گے۔ اور جس وارث کو پہلے مسئلے سے کچھ ملا ہے وہ اس میں ضرب دیا جائے جس سے دوسرا مسئلہ صحیح ہوا ہے۔ اور جو وارث کو دوسرے مسئلہ سے کچھ ملا ہے وہ دوسرے میت کے ترکہ کے وفق میں ضرب دیا جائے گا۔ اور جب مناسخہ کا مسئلہ صحیح ہو جائے اور تم اس حصہ کو معلوم کرنا چاہو جو (وارثین میں سے) ہر ایک کو درہم کے حساب سے پہونچتا ہے تو جس عدد سے مسئلہ صحیح ہوا ہے اس کو اڑتالیس پر تقسیم کر دو تو پھر جو خارج قسمت ہوتو ہر وارث کے سہام سے اس کا واجبی حصہ لے لو۔

تشریح : صاحب قدوری اس عبارت میں مناسخہ کے احکام بیان کر رہے ہیں۔

بعض دفعہ میراث تقسیم ہونے میں کسی وجہ سے یا وارثوں کی غفلت سے اتنی تاخیر ہو جاتی ہے کہ میت کے ان وارثوں میں سے جو اصول شرع کے مطابق کسی حصہ کے مستحق ہو چکے تھے اور ترکہ میں تقسیم ہونے سے قبل کوئی شخص مر جاتا ہے اور اس کے حصوں کا مال وارثین کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں پہلے میت اول کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی اور ہر وارث کے سہام دے دیئے جائیں گے اس کے بعد میت ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی اور دونوں تصحیحوں کے مافی الیدین غور کریں گے کہ ان میں استقامت ہے یا توافق یا تباین۔ اگر تصحیح اول کا مافی الید تصحیح ثانی پر مستقیم ہو یعنی اس کے وارثوں پر بلا کسر مقسوم ہو جائے تب تو ضرب وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر مستقیم نہ ہو اور میت ثانی کے سہام میں اور اس کے مسئلہ میں توافق نہ ہو بلکہ تباین ہو تو تمام تصحیح ثانی کو تمام تصحیح اول میں ضرب دیں گے اور جو حاصل ضرب ہو وہ دونوں مسئلوں کا مخرج ہوگا اور اگر ان کے سہام میں توافق ہو تو دوسرے مسئلہ کے وفق کو پہلے مسئلہ میں ضرب دیں گے اور ضرب سے جو حاصل ہو اس سے دونوں مسئلوں کی تصحیح ہوگی مثال کے طور پر ایک عورت کے دو بھائی اور شوہر وارث ہیں اور مسئلہ چار سے صحیح ہوتا تھا۔ اتفاق سے شوہر انتقال کر گیا اس نے وارثین میں چار بیٹے چھوڑے۔ یہ مسئلہ بھی چار سے ہوتا ہے اور ان دونوں میں توافق بالنصف ہے تو ان کے نصف عدد یعنی دو کو دوسرے کے کل عدد میں ضرب دیا جائے گا جس کا حاصل ضرب آٹھ نکلتا ہے اب آٹھ سے دونوں مسئلے صحیح ہوں گے نتیجہ یہ نکلا کہ چار حصے دونوں بھائیوں کے ہوں گے اور چار حصے شوہر کے لڑکوں کے ہوں گے۔

الحمد للہ آج ۱۷ شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ کو التکمیل الضروری کی جلد ثانی مکمل ہوئی

فہرست مضامین التکمیل الضروری شرح مختصر القدوری جلد دوم

4